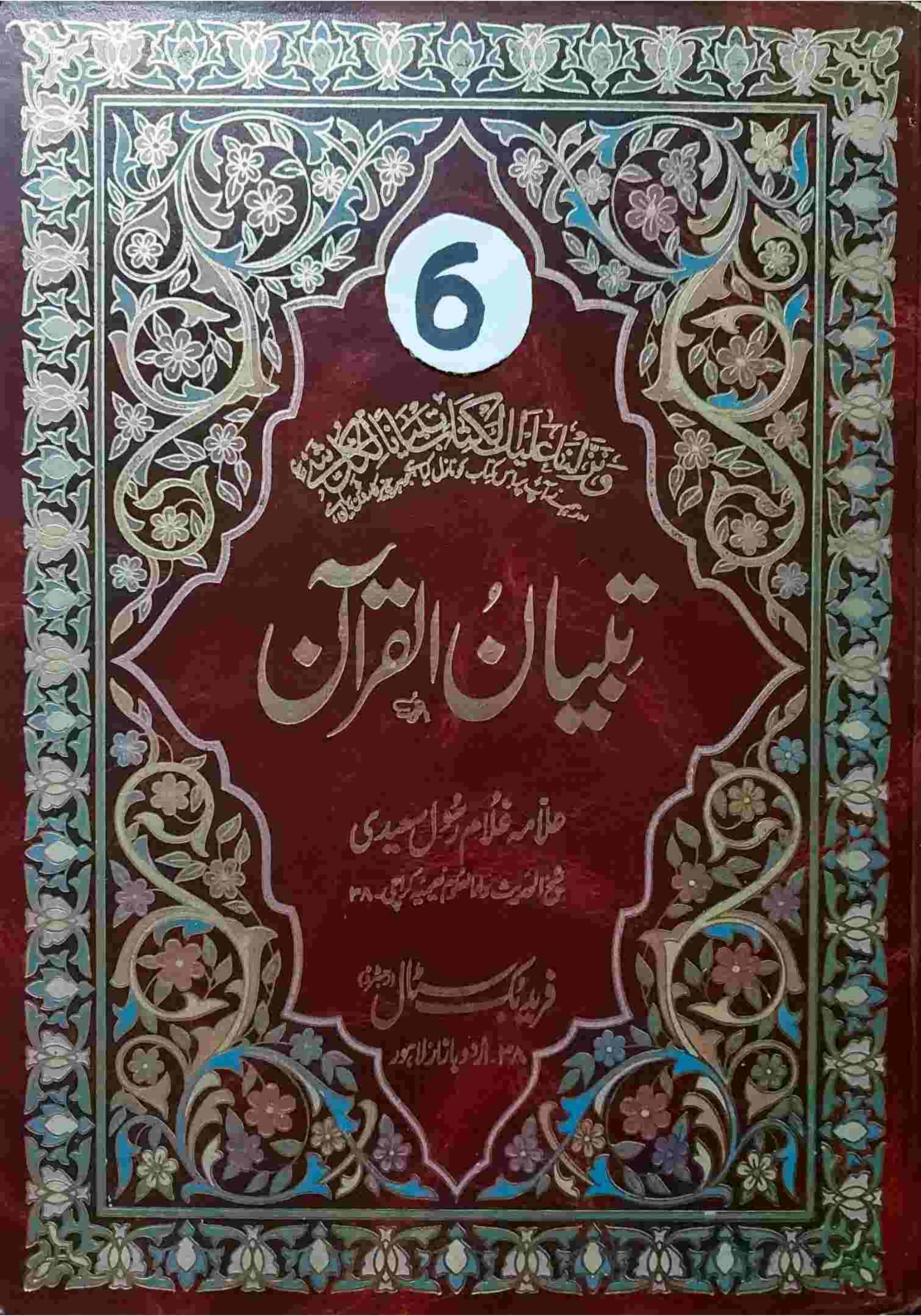
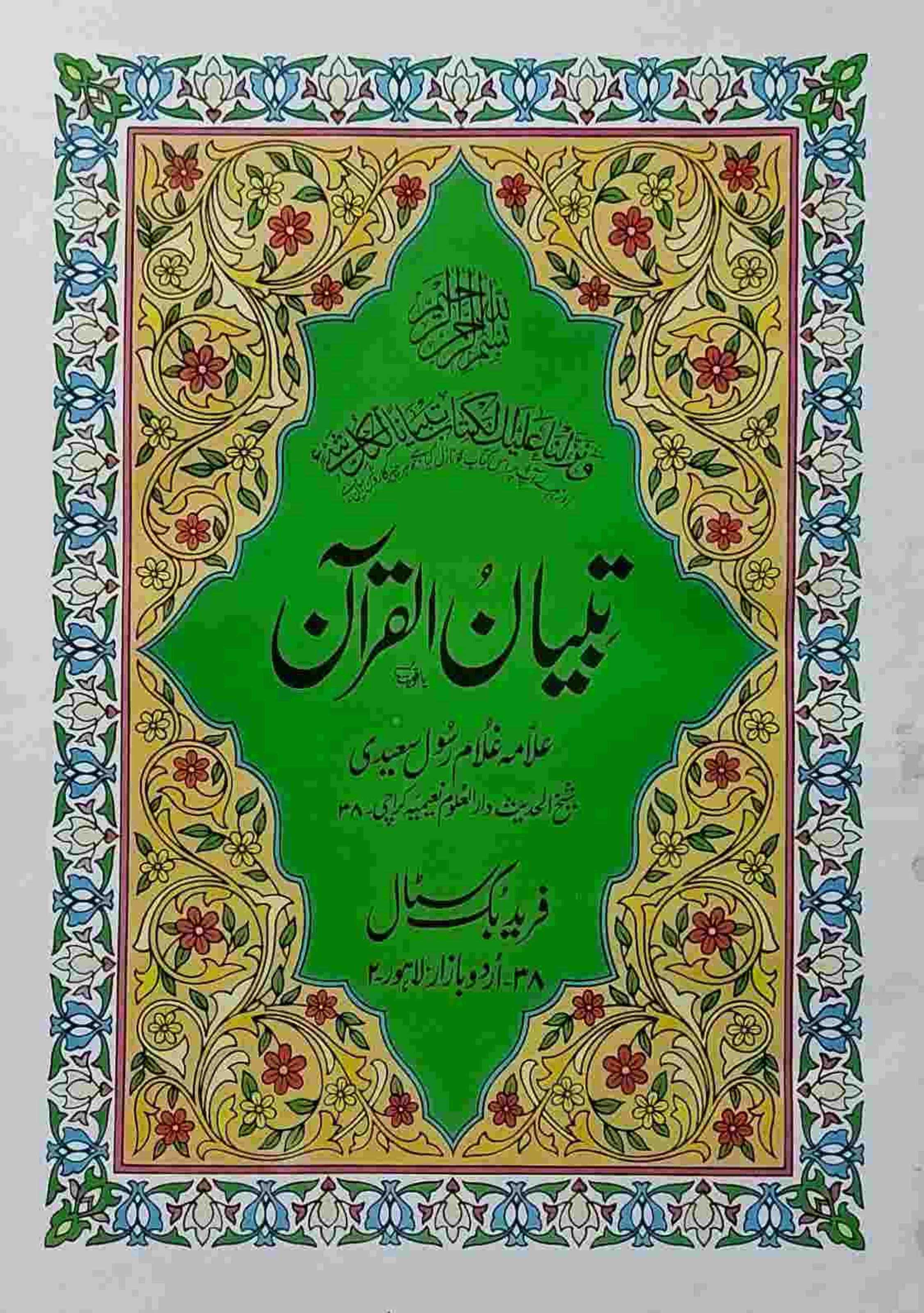

6
ونزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شیء
تبیان القرآن
علامہ غلام رسول سعیدی
شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی-۳۸
فرید بک سٹال (رجسٹرڈ)
۳۸-اردو بازار لاہور


بسم اللہ الرحمن الرحیم
ونزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شیء
تبیان القرآن
علامہ غلام رسول سعیدی
شیخ الحدیث دار العلوم نعیمیہ کراچی-۳۸
فرید بک سٹال
۳۸-اردو بازار لاہور-۲

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ

اور ہم نے آپ پر اس کتاب کو نازل کیا ہے جو ہر چیز کا روشن بیان ہے

تبیان القرآن

جلد ششم

الرعد تا بنی اسرائیل

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دار العلوم نعیمیہ کراچی-۳۸

ناشر

فرید بک سٹال، ۳۸- اُردو بازار، لاہور-۲



نام کتاب : تبیان القرآن (ششم)

تصنیف : علامہ غلام رسول سعیدی

کمپوزنگ : المدد کمپوزنگ سینٹر لاہور

تصحیح باراوّل : مولانا حافظ محمد ابراہیم فیضی فاضل علوم شرقیہ

مطبع : ہاشم اینڈ حماد پرنٹرز لاہور

الطبع اوّل : صفر ۱۴۲۳ھ / اپریل ۲۰۰۲ء

الطبع الثانی : شوال ۱۴۲۳ھ / دسمبر ۲۰۰۲ء

ناشر

فرید بُک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸۔ اُردو بازار لاہور



Phone No.092-42-7312173-7123435
Fax No.092-42-7224899
Email:info@faridbookstall.com
Visit us at:www.faridbookstall.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

سورۃ ابراہیم

سورۃ الحجر

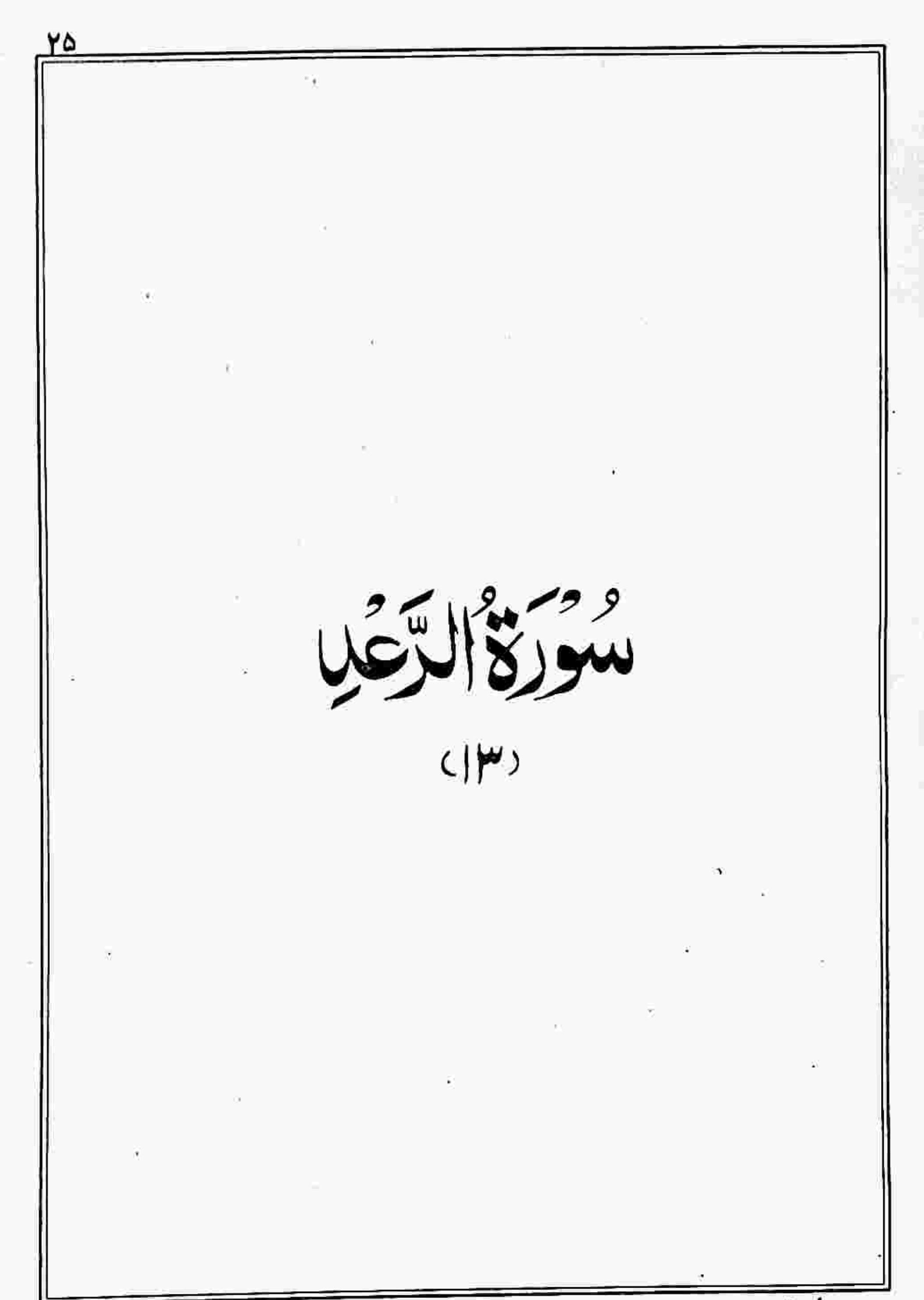
سورۃ النحل

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله رب العالمين الذى استغنى فى حمده عن الحامدين وانزل القرآن تبيانا لكل شئ عند العارفين والصلوة والسلام على سيدنا محمد الذى استغنى بصلوة الله عن صلوة المصلين واختص بارضاء رب العالمين الذى بلغ الينا ما انزل عليه من القران وبين لنا ما نزل عليه بتبيان وكان خلقه القران وتحدى بالفرقان وعجز عن معارضته الانس والجان وهو خليل الله حبيب الرحمن لواءه فوق كل لواء يوم الدين قائد الانبياء والمرسلين امام الاولين والاخرين شفيع الصالحين والمذنبين واختص بتنصيص المغفرة له فى كتاب مبين وعلى اله الطيبين الطاهرين وعلى اصحابه الكاملين الراشدين وازواجه الطاهرات امهات المؤمنين وعلى سائر اولياء امته وعلماء ملته اجمعين- اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله- اعوذ بالله من شرور نفسى ومن سيات اعمالى من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له اللهم ارنى الحق حقا وارزقنى اتباعه اللهم ارنى الباطل باطلا وارزقنى اجتنابه اللهم اجعلنى فى تبيان القران على صراط مستقيم وثبتنى فيه على منهج قويم واعصمنى عن الخطأ والزلل فى تحريره واحفظنى من شر الحاسدين وزيغ المعاندين فى تقريره اللهم القِ فى قلبى اسرار القران واشرح صدرى لمعانى الفرقان ومتعنى بفيوض القران ونورنى بانوار الفرقان واسعدنى لتبيان القران، رب زدنى علما رب ادخلنى مدخل صدق واخرجنى مخرج صدق واجعل لى من لدنك سلطانا نصيرا- اللهم اجعله خالصا لوجهك ومقبولا عندك وعند رسولك واجعله شائعا ومستفيضا ومفيضا ومرغوبا فى اطراف العالمين الى يوم الدين واجعله لى ذريعة للمغفرة ووسيلة للنجاة وصدقة جارية الى يوم القيامة وارزقنى زيارة النبى صلى الله عليه وسلم فى الدنيا وشفاعته فى الاخرة واحينى على الاسلام بالسلامة وامتنى على الايمان بالكرامة اللهم انت ربى لا اله الا انت خلقتنى وانا عبدك وانا على عهدك ووعدك ما استطعت اعوذ بك من شر ما صنعت ابوء لك بنعمتك على وابوء لك بذنبى فاغفر لى فانه لا يغفر الذنوب الا انت امين يارب العالمين-

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے مخصوص ہیں جو ہر تعریف کرنے والے کی تعریف سے مستغنی ہے جس نے قرآن مجید نازل کیا جو عارفین کے حق میں ہر چیز کا روشن بیان ہے اور صلوٰۃ وسلام کا سیدنا محمد ﷺ پر نزول ہو جو خود اللہ تعالیٰ کے صلوٰۃ نازل کرنے کی وجہ سے ہر صلوٰۃ بھیجنے والے کی صلوٰۃ سے مستغنی ہیں۔ جن کی خصوصیت یہ ہے کہ اللہ رب العالمین ان کو راضی کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے ان پر جو قرآن نازل کیا اس کو انہوں نے ہم تک پہنچایا اور جو کچھ ان پر نازل ہوا اس کا روشن بیان انہوں نے ہمیں سمجھایا۔ ان کے اوصاف سراپا قرآن ہیں۔ انہوں نے قرآن مجید کی مثال لانے کا چیلنج کیا اور تمام جن اور انسان اس کی مثال لانے سے عاجز رہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے خلیل اور محبوب ہیں قیامت کے دن ان کا جھنڈا ہر جھنڈے سے بلند ہوگا۔ وہ نبیوں اور رسولوں کے قائد ہیں اولین اور آخرین کے امام ہیں۔ تمام نیکوکاروں اور گنہ گاروں کی شفاعت کرنے والے ہیں۔ یہ ان کی خصوصیت ہے کہ قرآن مجید میں صرف ان کی مغفرت کے اعلان کی تصریح کی گئی ہے اور ان کی پاکیزہ آل' ان کے کامل اور ہادی اصحاب اور ان کی ازواج مطہرات امہات المومنین اور ان کی امت کے تمام علماء اور اولیاء پر بھی صلوٰۃ وسلام کا نزول ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ سیدنا محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں اپنے نفس کے شر اور بداعمالیوں سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔ جس کو اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جس کو وہ گمراہی پر چھوڑ دے اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اے اللہ! مجھ پر حق واضح کر اور مجھے اس کی اتباع عطا فرما اور مجھ پر باطل کو واضح کر اور مجھے اس سے اجتناب عطا فرما۔ اے اللہ! مجھے "تبیان القرآن" کی تصنیف میں صراط مستقیم پر برقرار رکھ اور مجھے اس میں معتدل مسلک پر ثابت قدم رکھ۔ مجھے اس کی تحریر میں غلطیوں اور لغزشوں سے بچا اور مجھے اس کی تقریر میں حاسدین کے شر اور معاندین کی تحریف سے محفوظ رکھ۔ اے اللہ! میرے دل میں قرآن کے اسرار کا القاء کر اور میرے سینہ کو قرآن کے معانی کے لئے کھول دے' مجھے قرآن مجید کے فیوض سے بہرہ مند فرما۔ قرآن مجید کے انوار سے میرے قلب کی تاریکیوں کو منور فرما۔ مجھے "تبیان القرآن" کی تصنیف کی سعادت عطا فرما۔ اے میرے رب! میرے علم کو زیادہ کر' اے میرے رب! تو مجھے (جہاں بھی داخل فرمائے) پسندیدہ طریقے سے داخل فرما اور مجھے (جہاں سے بھی باہر لائے) پسندیدہ طریقہ سے باہر لا' اور مجھے اپنی طرف سے وہ غلبہ عطا فرما جو (میرے لئے) مددگار ہو۔ اے اللہ! اس تصنیف کو صرف اپنی رضا کے لئے مقدر کردے' اور اس کو اپنی اور اپنے رسول ﷺ کی بارگاہ میں مقبول کردے اس کو قیامت تک تمام دنیا میں مشہور' مقبول' محبوب اور اثر آفریں بنادے' اس کو میری مغفرت کا ذریعہ' میری نجات کا وسیلہ اور قیامت تک کے لئے صدقہ جاریہ کردے۔ مجھے دنیا میں نبی ﷺ کی زیارت اور قیامت میں آپ کی شفاعت سے بہرہ مند کر' مجھے سلامتی کے ساتھ اسلام پر زندہ رکھ اور عزت کی موت عطا فرما' اے اللہ! تو میرا رب ہے تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں تو نے مجھے پیدا کیا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں اور میں تجھ سے کئے ہوئے وعدہ اور عہد پر اپنی طاقت کے مطابق قائم ہوں۔ میں اپنی بداعمالیوں کے شر سے تیرے پناہ میں آتا ہوں۔ تیرے مجھ پر جو انعامات ہیں میں ان کا اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ مجھے معاف فرما کیونکہ تیرے سوا اور کوئی گناہوں کو معاف کرنے والا نہیں ہے۔ آمین یارب العالمین!



سُورَةُ الرَّعْدِ

(۱۳)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ وَنُسَلِّمُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

سورة الرعد

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام الرعد ہے، تمام متقدمین اور متاخرین سے اسی طرح منقول ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے لے کر آج تک اس کے نام میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اس کا نام الرعد رکھنے کی مناسبت یہ ہے کہ اس سورت میں الرعد کا ذکر ہے اور اس کے علاوہ اور کسی مکی سورت میں الرعد کا ذکر نہیں ہے۔ اس سورت کی اس آیت میں الرعد کا ذکر ہے:

وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ○ (الرعد: ۱۳)

بادل پر معین فرشتہ اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتا ہے، اور باقی فرشتے (بھی) اس کے خوف سے (حمد اور تسبیح کرتے ہیں) اور وہی گرجنے والی بجلیاں بھیجتا ہے پھر جس پر چاہتا ہے ان بجلیوں کو گرا دیتا ہے درآنحالیکہ وہ اللہ کے متعلق جھگڑ رہے ہوتے ہیں، اور وہ سخت گرفت کرنے والا ہے ○

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قرآن مجید کی ایک اور سورت میں بھی رعد کا ذکر ہے:

اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ ۔ (البقرہ: ۱۹)

یا اس بارش کی مثل جو آسمان سے برس رہی ہو، اس میں تاریکیاں اور رعد (گرج اور کڑک) اور بجلی کی چمک ہو۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سورۃ البقرہ کی آیت ہے اور یہ مدنی سورت ہے اور ہم نے یہ کہا ہے کہ کسی مکی سورت میں الرعد کا ذکر نہیں ہے، اور اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ کسی چیز کی وجہ تسمیہ جامع مانع نہیں ہوتی مثلاً سرہانے کو تکیہ کہتے ہیں کیونکہ تکیہ کے معنی ہیں ٹیک لگانا اور سرہانے کے ساتھ ٹیک لگائی جاتی ہے، اب اس پر یہ اعتراض نہیں کیا جائے گا کہ دیوار کے ساتھ بھی تو ٹیک لگائی جاتی ہے اس کو تکیہ کیوں نہیں کہتے، کیونکہ وجہ تسمیہ کے لیے یہ کافی ہوتا ہے کہ جس چیز کا جو نام رکھا گیا ہے اس میں اس نام کی مناسبت پائی جائے اور یہ نہیں ہوتا کہ جہاں وہ مناسبت ہو وہاں وہ نام بھی ہو، ہمارے ملک کا نام

پاکستان ہے کیونکہ یہ پاک لوگوں کے رہنے کی جگہ ہے یعنی ایسے لوگ جو کفر اور شرک سے پاک ہیں' اب اس پر یہ اعتراض نہیں ہو گا کہ مصر اور لیبیا بھی تو پاک لوگوں کے رہنے کا گھر ہے تو مصر اور لیبیا کو پاکستان کیوں نہیں کہتے' اسی طرح اس سورت کا نام الرعد رکھنے کے لیے یہ کافی ہے کہ اس سورت کی ایک آیت میں الرعد کا ذکر ہے' اور یہ لازم نہیں ہے کہ جس سورت میں بھی رعد کا ذکر ہو اس سورت کا نام الرعد رکھا جائے۔

الرعد کا معنی

امام حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

بادل کی آواز کو رعد کہتے ہیں' روایت ہے کہ رعد وہ فرشتہ ہے جو بادل کو ہانکتا ہے' یہ بھی کہا گیا ہے کہ کسی شخص کے ڈرانے اور دھمکانے کو رعد کہتے ہیں' کسی شخص کے کندھے خوف سے کپکپا رہے ہوں تو کہتے ہیں ارعدت فرائصہ خوفا۔ (المفردات ج ۱ ص ۲۶۱' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفی الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

بادل کے گرجنے اور کڑکنے اور ڈرانے اور دھمکانے کو بھی رعد کہتے ہیں۔ (المنجد ص ۲۶۷' تہران' ۱۳۶۷ھ)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہود آئے اور کہنے لگے کہ یا اباالقاسم! ہمیں بتایئے کہ رعد کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا وہ فرشتوں میں سے ایک فرشتہ ہے جو بادل کے ساتھ مقرر ہے۔ اس کے پاس آگ کے کوڑے ہیں جن سے وہ جہاں اللہ چاہتا ہے بادلوں کو ہنکاتا ہے۔ انہوں نے پوچھا اور یہ آواز کیسی ہے جس کو ہم سنتے ہیں؟ آپ نے فرمایا یہ بادلوں کو ڈانٹنا اور جھڑکنا ہے' جب وہ (فرشتہ) بادلوں کو ڈانٹتا اور جھڑکتا ہے تو وہ بادل وہاں پہنچتے ہیں جہاں پہنچنے کا انہیں فرشتہ حکم دیتا ہے۔ (الحدیث)

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۱۷' مسند احمد ج ۱ ص ۲۷۴' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۹۰۷۲' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۲۴۲۹' حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۳۰۴)

قرآن مجید میں ہے:

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ○ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ○ (الصّٰفّٰت: ۱-۲)

ان فرشتوں کی قسم جو صف باندھے عبادت کر رہے ہیں ○ پس ان فرشتوں کی قسم جو بادلوں کو جھڑک کر ہنکار رہے ہیں ○

سورۃ الرعد کے مکی یا مدنی ہونے کا اختلاف

خاتم الحفاظ حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور علی بن ابی طلحہ سے مروی ہے کہ سورۃ الرعد مکی ہے۔ امام سعید بن منصور نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے کہ ابی بشر نے سعید بن جبیر سے اس آیت کے متعلق پوچھا: ومن عنده علم الکتاب۔ (الرعد: ۴۳) کیا یہ آیت حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے متعلق ہے؟ انہوں نے کہا یہ ان کے متعلق کیسے ہو سکتی ہے' یہ تو مکی سورت ہے۔ (امام النحاس نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ الرعد مکی ہے اور امام ابو الشیخ نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ الرعد مدنی ہے' امام ابن مردویہ نے حضرت ابن الزبیر سے روایت کیا ہے کہ الرعد مدنی ہے' قتادہ نے کہا چند آیات کے سوا اس کی تمام آیات مکہ میں نازل ہوئیں۔ الدر المنثور) اس سورت کے مدنی ہونے کی تائید میں اربد بن قیس اور عامر بن الطفیل کا قصہ ہے جن کے متعلق الرعد: ۸-۱۳ کی آیتیں نازل ہوئیں۔ اس

اختلاف میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ چند آیتوں کے سوا اس سورت کی باقی تمام آیتیں مکی ہیں۔

(الاتقان ج ۱ ص ۶۴، مطبوعہ دار الکتاب العربی ۱۴۱۹ھ)

حافظ سیوطی نے اربد بن قیس اور عامر بن الطفیل کے جس قصہ کا ذکر کیا وہ یہ ہے:

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اربد بن قیس، اور عامر بن الطفیل مدینہ میں آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے، اس وقت آپ بیٹھے ہوئے تھے، وہ دونوں آپ کے سامنے آکر بیٹھ گئے۔ عامر بن الطفیل نے کہا اگر میں اسلام لے آؤں تو کیا آپ اپنے بعد مجھے خلیفہ بنائیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں، لیکن تم گھوڑوں پر بیٹھ کر جہاد کرنا۔ اس نے کہا میرے پاس تو اب بھی نجد میں گھوڑے ہیں، پھر اس نے کہا آپ دیہات میرے سپرد کردیں اور شہر آپ لے لیں۔ آپ نے فرمایا نہیں! جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اٹھنے لگے تو عامر نے کہا اللہ کی قسم! میں آپ کے خلاف گھوڑے سواروں کو اور پیادوں کو جمع کروں گا۔ آپ نے فرمایا اللہ تم کو اس اقدام سے باز رکھے گا۔ جب وہ دونوں وہاں سے نکل گئے تو عامر نے (چپکے سے) کہا اے اربد میں (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو باتوں میں لگاتا ہوں تم تلوار سے ان کا سر اڑا دینا، اور جب تم نے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کردیا تو زیادہ سے زیادہ یہ لوگ دیت کا مطالبہ کریں گے، اور ہم سے جنگ کرنے کو ناپسند کریں گے، اور ہم ان کو دیت ادا کردیں گے۔ اربد نے کہا ٹھیک ہے! پھر وہ دونوں دوبارہ آپ کے پاس آئے، عامر نے کہا یا محمد (صلی اللہ علیک وسلم) اٹھیں میں آپ کے ساتھ کچھ بات کرنا چاہتا ہوں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور دونوں باتیں کرتے ہوئے دیوار کے پاس چلے گئے۔ وہاں اور کوئی نہیں تھا۔ عامر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ باتیں کرنے لگا اور اربد تلوار سونتنے لگا۔ جب اس نے تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھا تو اس کا ہاتھ مفلوج ہوگیا، اور وہ تلوار نہ نکال سکا۔ جب اربد نے دیر لگادی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مڑ کر دیکھا اور آپ نے دیکھ لیا کہ اربد کیا کرنے والا تھا، پھر آپ واپس چلے آئے۔ جب عامر اور اربد، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے چلے گئے، اور حرۂ واقم میں پہنچے تو ان کو حضرت سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر ملے، انہوں نے کہا اے اللہ کے دشمنو! ٹھہر جاؤ! عامر نے پوچھا یہ کون ہے؟ حضرت سعد نے کہا یہ اسید بن حضیر کاتب ہے، حتیٰ کہ جب وہ مقام رقم پر پہنچے تو اللہ عزوجل نے اربد پر بجلی گرادی جس سے اربد ہلاک ہوگیا۔ (امام واحدی کی روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کارروائی دیکھی تو آپ نے ان کے خلاف دعا کی: اے اللہ! ان سے میرا بدلہ لے) اور عامر جب آگے گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے جسم میں چھالے اور پھوڑے پیدا کردیئے۔ اس نے بنو سلول کی ایک عورت کے ہاں رات گزاری، اس کے حلق تک پھوڑے ہوگئے اور ان کی تکلیف کی وجہ سے وہ موت کی خواہش کرنے لگا، اور پھر مرگیا، اس وقت الرعد: ۱۳-۸ کی آیات نازل ہوئیں۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۰۷۶۰، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۹۱۳۳، اسباب النزول للواحدی ص ۲۷۸، رقم الحدیث: ۵۴۷، حافظ الہیثمی نے کہا ان کی سند میں عبدالعزیز بن عمران ضعیف راوی ہے، مجمع الزوائد ج ۷ ص ۴۲)

اس موقع پر جو آیات نازل ہوئیں وہ یہ ہیں:

اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ؕ وَكُلُّ شَیْءٍ عِنْدَهٗ

ہر مادہ کے حمل کو اللہ ہی جانتا ہے اور ہر رحم کے سکڑنے اور پھیلنے کو بھی وہی جانتا ہے اور ہر چیز کا اس کے نزدیک اندازہ

بِمِقْدَارٍ ○ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ○ سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ○ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۭ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْۗءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ○ هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ○ وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ ۚ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَاۗءُ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ○ (الرعد: ۱۳-۸)

ہے○ وہ ہر غیب اور ہر ظاہر کو جاننے والا ہے سب سے بڑا، نہایت بلند ہے○ تم میں سے کوئی چپکے سے بات کرے یا زور سے بولے، وہ رات کو چھپ جائے یا دن میں چلنے والا ہو اس کے لیے برابر ہے○ اس کے لیے باری باری آنے والے محافظ فرشتے ہیں جو اللہ کے حکم سے اس کے سامنے سے اور اس کے پیچھے سے اس کی حفاظت کرتے ہیں، بے شک اللہ کسی قوم کی نعمت کو اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ وہ اپنی حالت کو نہ بدل دیں، اور جب اللہ کسی قوم کو مصیبت میں ڈالنے کا ارادہ کرے تو کوئی اس کو ٹالنے والا نہیں ہے، اور اس کے سوا ان کا کوئی مددگار نہیں ہے○ وہی ہے جو تم کو (کبھی) ڈرانے کے لیے اور (کبھی) امید دلانے کے لیے بجلی کی چمک دکھاتا ہے اور بھاری بادل پیدا کرتا ہے○ بادل پر معین فرشتہ اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتا ہے اور فرشتے بھی اس کے خوف سے، اور وہی گرجنے والی بجلیاں بھیجتا ہے پھر جس پر چاہتا ہے ان بجلیوں کو گرا دیتا ہے اور وہ اللہ کے متعلق جھگڑ رہے ہوتے ہیں اور وہ سخت گرفت کرنے والا ہے○

ان آیات میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جس کو امام طبرانی اور امام واحدی نے روایت کیا ہے اور ان شاء اللہ ان آیات کی تفسیر میں ہم اس کو تفصیل سے بیان کریں گے۔ بہرحال چند آیات کے علاوہ اس سورت کی اکثر آیات مکی ہیں۔ اس پوری سورت کا مضمون ان ہی سورتوں کے موافق ہے جو مکی سورتیں ہیں کیونکہ اس سورت میں زیادہ تر توحید، قیامت اور جزا اور سزا کا بیان ہے اور یہ مکی سورتوں کا خاصہ ہے جبکہ مدنی سورتوں میں مومنوں سے خطاب ہوتا ہے اور احکامِ شرعیہ کا بیان ہوتا ہے۔

سورۃ الرعد اور سورۂ یوسف میں باہمی مناسبت

سورۃ الرعد اور سورۂ یوسف میں حسب ذیل وجوہ سے مناسبت ہے:

(۱) سورۂ یوسف اور سورۂ رعد دونوں مکہ میں نازل ہوئیں۔

(۲) سورۂ یوسف اور سورۃ الرعد میں انبیاء علیہم السلام اور ان کی قوموں کے واقعات بیان کیے گئے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام نے کس طرح اپنی قوموں میں تبلیغ کی اور ان کی قوموں نے ان کو کیا جوابات دیئے اور اللہ تعالیٰ نے مومنین اور متقین کو کس طرح نجات دی اور منکرین اور کافرین کو کس طرح عذاب میں مبتلا کیا۔ سورہ یوسف میں معین طور پر حضرت یوسف علیہ السلام کا ذکر فرمایا اور سورۃ الرعد میں اجمالی طور پر انبیاء علیہم السلام کا اور ان کے منکرین پر عذاب کا ذکر فرمایا:

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ

اور بے شک آپ سے پہلے رسولوں کا بھی مذاق اڑایا گیا تھا، تو میں نے کافروں کو کچھ مہلت دی، پھر میں نے ان کو پکڑ لیا،

كَانَ عِقَابِ ۝ (الرعد: ۳۲) — تو میرا عذاب کیسا تھا ۝

(۳) دونوں سورتوں میں اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید پر دلائل قائم کیے گئے ہیں، سورۂ یوسف میں ہے:

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ (یوسف: ۳۹) — اے قید خانہ کے میرے دونوں ساتھیو! کیا متعدد اور مختلف معبود بہتر ہیں یا ایک اللہ! جو سب پر غالب ہے ۝

اور سورۃ الرعد میں ہے:

اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا۔ الآیہ۔ (الرعد: ۲) — اللہ وہی ہے جس نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے بلند کیا جیسا کہ تم انہیں دیکھتے ہو۔

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ؕ الآیہ۔ (الرعد: ۱۶) — آپ (ان سے) پوچھیے کہ آسمانوں اور زمینوں کا رب کون ہے؟ آپ (خود ہی) کہیے کہ اللہ ہے۔

(۴) اور ان دونوں سورتوں میں آسمانوں اور زمینوں اور ان کے عجائبات سے اللہ تعالیٰ کی توحید پر استدلال فرمایا ہے:

سورۂ یوسف میں ہے:

وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ۝ (یوسف: ۱۰۵) — اور آسمانوں اور زمینوں میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جن سے یہ لوگ منہ پھیرتے ہوئے گزر جاتے ہیں ۝

اور سورۃ الرعد میں ہے:

وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْهٰرًا ؕ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ (الرعد: ۳) — اور وہی ہے جس نے زمین کو پھیلایا اور اس میں پہاڑوں کو نصب کیا اور دریا (رواں کیے) اور زمین میں ہر قسم کے پھلوں کے دو دو جوڑے بنائے، وہ رات سے دن کو چھپالیتا ہے، بے شک اس میں غور و فکر کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں ۝

اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ سورۂ یوسف میں زمینوں اور آسمانوں کی نشانیوں کا اجمالاً ذکر فرمایا تھا اور سورۃ الرعد کی آیت: ۲، ۳، ۴، ۸، ۱۱، ۱۲، ۱۶، ۳۰، ۳۳ میں ان نشانیوں کا تفصیلاً ذکر فرمایا ہے جیسا کہ سورۃ الرعد میں انبیاء سابقین کا اجمالاً ذکر ہے اور سورہ یوسف میں انبیاء سابقین کا تفصیلاً ذکر ہے۔

(۵) سورۂ یوسف کا اختتام قرآن مجید کے ذکر پر ہوا ہے، اور سورۃ الرعد کا افتتاح قرآن کریم کے ذکر سے ہوا ہے۔ سورۂ یوسف میں ہے:

مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ (یوسف: ۱۱۱) — یہ (قرآن) کوئی من گھڑت بات نہیں ہے لیکن یہ اس سے پہلے نازل شدہ کتابوں کی تصدیق ہے اور ہر چیز کی تفصیل ہے اور یہ ایمان والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے ۝

اور سورۃ الرعد اس آیت سے شروع ہوتی ہے:

الٓمّٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ؕ وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ — الف لام میم را، یہ اس کتاب (قرآن مجید) کی آیتیں ہیں، اور جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل ہوا برحق

لَا یُؤْمِنُوْنَ○ (الرعد: ۱) ہے، لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے○

سورۃ الرعد کے مضامین اور مقاصد

(۱) اس سورت کی ابتداء اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت پر دلائل سے کی گئی ہے اور آسمانوں اور زمینوں اور سورج اور چاند اور رات اور دن، اور پہاڑوں اور دریاؤں اور کھیتوں اور باغات اور ان کے مختلف رنگوں، خوشبوؤں اور ذائقوں کو پیدا کرنے سے استدلال فرمایا ہے اور اس پر استدلال فرمایا ہے کہ اسی نے تمام مخلوق کو پیدا کیا ہے اور وہی اس کو فنا کرے گا، اور فنا کے بعد پھر ان سب کو زندہ فرمائے گا، اور وہی ضرر اور نفع پہنچانے پر قادر ہے۔ ان تمام امور میں وہ منفرد ہے ان میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

(۲) وہ قیامت کو قائم کرے گا، اور سب کو زندہ کرکے جمع فرمائے گا اور کفار اور منکرین کو عذاب میں مبتلا کرے گا۔

(۳) یہ بتایا ہے کہ فرشتے انسان کے اعمال کو لکھتے ہیں اور انسان کی حفاظت کرتے ہیں۔

(۴) حق اور باطل کی، اللہ کے عبادت گزاروں اور بتوں کے پجاریوں کی محسوس مثالیں دی ہیں، اور یہ بتایا ہے کہ باطل پرستوں کی مثال جھاگ کی طرح ہے، جس کی کوئی بقا نہیں ہوتی، جب سونے اور چاندی کو آگ میں پگھلایا جائے تو اوپر ابھرنے والا میل کچیل باطل کی طرح ہے، اور نیچے بچ جانے والا خالص اور صاف مادہ حق کی مثال ہے۔

(۵) متقین اور اہلِ سعادت دیکھنے والوں کی طرح ہیں اور نافرمان اور مفسد اندھوں کی طرح ہیں۔

(۶) اللہ سے ڈرنے والوں کو دائمی جنتوں کی بشارت دی ہے، اور عہد شکن اور منکروں کو دوزخ کے دائمی عذاب سے ڈرایا ہے۔

(۷) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نصب العین، شرک سے منع کرنا اور صرف اللہ عزوجل کی عبادت کی دعوت دینا ہے اور مشرکین کی ہم نوائی سے روکنا ہے۔

(۸) تمام رسول نوع انسان سے بھیجے گئے وہ بھی انسان اور بشر ہیں لیکن انسان کامل اور افضل ترین بشر ہیں، ان کی بیویاں اور اولاد ہیں اور یہ اس لیے کہ بیویوں اور اولاد کے ساتھ طرز معاشرت میں ان کے نمونہ پر ان کے پیروکار عمل کریں۔ اور وہ کسی فرمائشی معجزہ کو اللہ کی اجازت اور اس کی مشیت کے بغیر پیش نہیں کر سکتے اور ان کا منصب صرف تبلیغ کرنا ہے اور جزاء اور سزا دینا صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔

(۹) ہر دور میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے منکروں کو ناکام اور انبیاء علیہم السلام کو فائز المرام کیا۔

(۱۰) اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو اپنی دی ہوئی نعمتیں یاد دلائی ہیں اور یہ بتایا ہے کہ وہی تمام مخلوق کی عبادت کا مستحق ہے، نہ کہ ان کے باطل معبود۔

(۱۱) اللہ تعالیٰ ہر چھپی ہوئی اور ظاہر چیز کا جاننے والا ہے اور ان کے نام نہاد اور باطل معبود کچھ جانتے ہیں اور نہ کسی کو کوئی نعمت دینے پر قادر ہیں۔

(۱۲) قیامت سے ڈرایا ہے اور یہ بتایا ہے کہ یہ دنیا ہمیشہ رہنے کی جگہ نہیں ہے۔

(۱۳) مشرکین جو فرمائشی معجزات کا مطالبہ کرتے ہیں وہ محض کٹ حجتی اور عناد سے کرتے ہیں، وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

(۱۴) اس سورت کو اس پر ختم کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت کی شہادت دیتا

ہے، اسی طرح اہلِ کتاب میں سے مومنین بھی آپ کی نبوت کی شہادت دیتے ہیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں وہ علامتیں پائی جاتی ہیں جو آخری نبی کے متعلق ان کی کتابوں میں درج ہیں اور وہ اس پر خوش ہوتے ہیں کہ قرآن مجید ان کی کتابوں کا مصدق ہے۔(سورۃ الرعد کا افتتاح ۱۱ ذوالحجہ ۱۴۲۰ھ / ۱۸ مارچ ۲۰۰۰ء کو کیا گیا۔)

سُوْرَةُ الرَّعْدِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثٌ وَّاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّسِتَّةُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ الرعد مکی ہے اور اس میں تینتالیس آیتیں اور چھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے ○

الٓمّٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ؕ وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ

الف، لام، میم، را، یہ اس کتاب (قرآن) کی آیتیں ہیں اور جو آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے

الْحَقُّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ① اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ

وہ برحق ہے، لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے ○ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں کو

السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَ

بغیر ستونوں کے بلند کیا (جیسا کہ تم انہیں دیکھتے ہو) پھر اس نے عرش پر جلوہ فرمایا اور

سَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ يُدَبِّرُ

اس نے سورج اور چاند کو اپنے نظام پر کاربند فرما دیا ہر ایک اپنی مقرر مدت تک گردش کر رہا ہے، وہی

الْاَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ②

دنیا کے معاملات کی تدبیر کرتا ہے وہ آیتوں کی تفصیل فرماتا ہے تاکہ تم کو اپنے رب کے سامنے حاضر ہونے کا یقین ہو ○

وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْهٰرًا ؕ

اور وہی ہے جس نے زمین کو پھیلایا اور اس میں پہاڑ نصب کیے، اور دریا رواں کیے،

وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِي

اور زمین میں ہر قسم کے پھلوں کے دو، دو جوڑے بنائے، وہ رات سے

الَّيْلَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۳﴾ وَ

دن کو چھپا لیتا ہے، بے شک اس میں غور و فکر کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں ○ اور

فِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ

زمین میں ایک دوسرے کے قریب قطعات ہیں، اور انگوروں کے باغ اور کھیت ہیں

وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ ۙ قف

اور ایک ہی جڑ سے نکلے ہوئے کھجور کے درخت ہیں اور الگ الگ بھی ہیں (حالانکہ) سب کو ایک ہی پانی سے

وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

سیراب کیا جاتا ہے، اور ہم بعض پھلوں کو لذت میں بعض دوسرے پھلوں پر ترجیح دیتے ہیں، بے شک ان میں عقل

لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۴﴾ وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ

والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں ○ اگر تم تعجب کرو تو باعث تعجب ان کا یہ قول ہے

ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ؕ۬ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ

کیا ہم مٹی ہو جانے کے بعد از سر نو پیدا ہوں گے ؟ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے

كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ

اپنے رب کے ساتھ کفر کیا، یہی وہ لوگ ہیں جن کی گردنوں میں طوق ہوں گے، اور یہی

اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۵﴾ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ

دوزخی ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے ○ اور یہ لوگ ثواب سے پہلے عذاب

قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ؕ وَاِنَّ

کے طلب گار ہیں اور بے شک ان سے پہلے عذاب یافتہ لوگ گزر چکے ہیں، اور بے شک آپ کا

رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ

رب لوگوں کے ظلم (گناہوں) کے باوجود ان کو بخشنے والا ہے، اور بے شک آپ کا رب

لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ⁽⁶⁾ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ

ضرور سخت عذاب دینے والا ہے ○ اور کافر کہتے ہیں کہ ان کے رب کی طرف سے ان پر کوئی نشانی کیوں نہ

اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ⁽⁷⁾

نازل ہوئی، آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کو ہدایت دینے والے ہیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: الف، لام، میم، را، یہ اس کتاب (قرآن) کی آیتیں ہیں، اور جو آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے وہ برحق ہے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے ○ (الرعد: ١)

اجتہاد اور قیاس پر ایک اعتراض کا جواب

الف، لام، میم، را، حروف مقطعات میں سے ہیں، ان کی پوری تشریح سورہ البقرہ میں گزر چکی ہے، مشرکین یہ کہتے تھے کہ یہ قرآن (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے پاس سے گھڑ لیا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کا رد فرمایا کہ آپ پر آپ کی رب کی طرف جو نازل کیا گیا ہے وہ برحق ہے، لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔

بعض لوگوں نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ حق وہی ہے جو اللہ کی طرف سے نازل کیا گیا ہو، اور مجتہدین کا قیاس چونکہ اللہ کی طرف سے نازل نہیں کیا گیا اس لیے وہ حق نہیں ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ قیاس کرنے کا بھی اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، اس لیے قیاس بھی حکماً اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہے اور وہ بھی برحق ہے، اور اگر مجتہد کو قیاس میں خطا لاحق ہوئی پھر بھی اس کے اجتہاد پر عمل کرنا برحق ہے، اس کو اس اجتہاد پر اجر و ثواب ملے گا اور اس کے اجتہاد پر عمل کرنے والوں کو بھی اجر و ثواب ملے گا لیکن یہ اجر و ثواب اس مجتہد کے اجر و ثواب سے ایک درجہ کم ہو گا جس کا اجتہاد صحیح ہو۔

اجتہاد کا لغوی اور اصطلاحی معنی اور دلیل

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

ذہن کا طاقت کو خرچ کرنا اور مشقت کو برداشت کرنا اجتہاد ہے۔ کہا جاتا ہے میں نے اپنی رائے سے اجتہاد کیا، یعنی اپنی فکر کو تھکایا۔ (المفردات ج ١ ص ١٣١، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ١٤١٨ھ)

علامہ ابو السعادات المبارک بن محمد ابن الاثیر جزری متوفی ٦٠٦ھ لکھتے ہیں:

کسی چیز کا حکم معلوم کرنے کے لیے اپنی ذہنی صلاحیتوں کو صرف کرنا اجتہاد ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ کسی نامعلوم حکم کو کتاب و سنت کے کسی حکم پر قیاس کیا جائے، اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ محض اپنی عقل سے کسی چیز پر کوئی حکم لگایا جائے۔ (النہایہ ج ١ ص ٣٠٨، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ١٤١٨ھ)

حضرت معاذ کے دوست بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو یمن کی طرف بھیجا، آپ نے پوچھا تم کس طرح فیصلے کرو گے؟ انہوں نے کہا میں کتاب اللہ میں دیکھ کر فیصلہ کروں گا، آپ نے پوچھا اگر وہ (حکم) کتاب اللہ میں نہ ہو؟ انہوں نے کہا پھر میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سنت سے فیصلہ کروں گا، آپ نے پوچھا اگر وہ (حکم) رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سنت میں نہ ہو؟ انہوں نے کہا پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ آپ نے فرمایا اللہ

کے لیے حمد ہے جس نے رسول اللہ کے نمائندہ کو توفیق عطا کی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۳۲۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۵۹۲، مسند احمد ج ۵ ص ۲۳۶، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۱۱۴، کتاب الضعفاء للعقیلی ج ۱ ص ۲۱۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب حاکم اجتہاد سے کوئی حکم لگائے اور اس کا حکم صحیح ہو تو اس کے لیے دو اجر ہیں اور جب اس کو حکم میں خطا لاحق ہو تو اس کے لیے ایک اجر ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۳۲۶، سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۳۹۶، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۳۵۲، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۱۶، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۵۷۴، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۵۹۱۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۳۱۴، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۰۶۰، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۵۹۰۳، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۱۱۹، السنن للدار قطنی ج ۴ ص ۲۰۴، المنتقیٰ لابن الجارود رقم الحدیث: ۹۹۶)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے بلند کیا، جیسا کہ تم انہیں دیکھتے ہو، پھر اس نے عرش پر جلوہ فرمایا اور اس نے سورج اور چاند کو اپنے نظام پر کاربند فرما دیا، ہر ایک اپنی مقرر مدت تک گردش کر رہا ہے، وہی دنیا کے معاملات کی تدبیر کرتا ہے، وہ آیتوں کی تفصیل فرماتا ہے تاکہ تم کو اپنے رب کے سامنے حاضر ہونے کا یقین ہو ○

(الرعد: ۲)

سورج اور چاند کے احوال اور دنیا کے معاملات سے وجود باری اور توحید باری پر استدلال

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جو قرآن نازل فرمایا ہے وہ برحق ہے، اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے برحق ہونے اور اپنے وجود اور اپنی توحید پر دلائل قائم فرما رہا ہے، اور اپنی قدرت پر براہین پیش فرما رہا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے بلند کیا، کیونکہ یہ مشاہدہ ہے کہ کوئی چھت بغیر ستونوں یا دیواروں کی ٹیک کے قائم نہیں ہو سکتی تو جس قادر و قیوم نے آسمانوں کو بغیر کسی ٹیک اور سہارے کے بلند کر دیا تو یقیناً وہ ہستی ممکنات اور مخلوقات سے ماوراء ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سورج اور چاند اور ان کی گردش کا ذکر فرمایا، ہم دیکھتے ہیں کہ سورج اور چاند ہمیشہ ایک مخصوص جانب سے طلوع ہوتے ہیں اور ایک مخصوص جانب میں غروب ہوتے ہیں، تو وہ کون ہے جس نے ان کو اس مخصوص نظام کے تحت گردش پر کاربند کیا اور وہ کون ہے جس نے ان کو اس مخصوص جانب سے طلوع اور غروب کا پابند کیا ہے، اگر اللہ عزوجل کے سوا کوئی اور خدا ہے تو اس نے ان مخصوص جانبوں کے سوا کسی اور جانب سے ان کا طلوع اور غروب کرایا ہوتا، ان کی مخصوص گردش کے سوا کوئی اور گردش کرائی ہوتی اور جب ایسا نہیں ہوا تو معلوم ہوا وہ ایک ہی خدا ہے جس نے کائنات کا یہ مربوط نظام قائم کیا ہے، اس نظام کی یکسانیت اور طریق کار کی وحدت کا تسلسل یہ بتاتا ہے کہ اس نظام کا خالق بھی واحد ہے۔

اسی طرح دنیا کے دیگر معاملات ہیں، زرعی پیداوار کا نظام ہے جس میں ایک ہی طریقہ کار کا تسلسل ہے۔ کبھی انگور کی بیلوں میں سیب نہیں لگتا اور نہ کبھی سیب کے درختوں میں انگور لگتا ہے، ایک نرم و نازک پودا بیج کو پھاڑتا ہے اور زمین کے سینہ کو چیر کر باہر نکل آتا ہے اور اس نظام میں بھی یکسانیت اور وحدت ہے، حیوانوں اور انسانوں کے طریقہ تولید اور ان کی نشوونما کے نظام میں بھی وحدت ہے، پھر فصلوں اور باغوں کے لیے وقت پر بارش نازل فرمانا، پھلوں اور غلوں کے قوام کی پختگی کے لیے سورج کی حرارت مہیا کرنا اور نہایت حکمت بالغہ کے ساتھ حیوانوں اور انسانوں کے لیے خوراک مہیا کرنا یہ کس کی تدبیر ہے اور اس تدبیر کے نظام میں بھی یکسانیت اور وحدت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نظام کا خالق بھی واحد

ہے۔

عرش پر استواء اور ایسی دیگر صفات کے متعلق متقدمین اور متاخرین کے نظریات

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے: پھر اس نے عرش پر جلوہ فرمایا۔ یہ آیت قرآن مجید میں چھ مرتبہ آئی ہے۔ الاعراف: ۵۴، یونس: ۳، الرعد: ۲، طٰہٰ: ۵، الفرقان: ۵۹، الم السجدۃ: ۴، الحدید: ۴۔ ہم الاعراف: ۵۴ میں اس پر مفصل بحث کر چکے ہیں اور یہاں بھی اختصار کے ساتھ اس مسئلہ کا ذکر کریں گے۔

قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں اللہ تعالیٰ کی بعض ایسی صفات کا ذکر ہے جن سے بظاہر جسمیت کا شبہ یا وہم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جسم اور جسمیت کے عوارض سے پاک ہے اور ممکنات اور مخلوقات میں اس کی کوئی مثال نہیں ہے، قرآن مجید میں اس کے استواء (قائم ہونے) اس کی آنکھوں، اس کے چہرے، اس کے ہاتھوں، اس کی پنڈلی، اس کے رحم کرنے، اس کے غضب فرمانے، اس کے آنے، اس کے سننے، اس کے دیکھنے، اس کے کلام کرنے، اس کے خفیہ تدبیر کرنے، اس کے محبت کرنے، اس کے ناپسند کرنے، اس کے سرگوشی کرنے، اس کے ساتھ رہنے، اور اس کے ندا کرنے کا ذکر ہے اور احادیث صحیحہ میں اس کے خوش ہونے، اس کے قدم رکھنے، عرش کے اوپر ہونے، آسمان میں ہونے، آسمان سے نازل ہونے اور اس کے دوڑ کر آنے کا ذکر ہے۔

یہ تمام صفات مخلوق میں ہوتی ہیں اور ہم کو ان کے معنی معلوم ہیں، اور اللہ تعالیٰ میں بھی یہ صفات ہیں لیکن ہم کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ میں یہ صفات کس معنی میں ہیں اور کس اعتبار سے ہیں، اس میں یہ صفات اس کے شایان شان ہیں مثلاً وہ بولتا ہے، سنتا ہے اور دیکھتا ہے لیکن ہماری طرح زبان سے نہیں بولتا نہ کانوں سے سنتا ہے نہ آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ اس کا بولنا، سننا اور دیکھنا مخلوق کے بولنے، سننے اور دیکھنے کی مثل نہیں ہے لیکن وہ کیسے ان صفات سے متصف ہے یہ ہمیں نہیں معلوم۔ جس طرح ہم کو اللہ کی ذات کی حقیقت کا علم نہیں ہے اسی طرح ہم کو اس کی صفات کی حقیقت کا بھی علم نہیں ہے۔ اس کی آنکھیں ہیں، اس کا چہرہ ہے اور اس کے ہاتھ ہیں لیکن وہ مخلوق کی مثل نہیں ہیں، اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ پھر تو یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اللہ جسم ہے لیکن اس کا جسم مخلوق کی مثل نہیں ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں اس کے لیے جسم کا لفظ وارد نہیں ہے اور ہم اللہ تعالیٰ کے لیے ان ہی صفات کو مانتے ہیں جن کا ذکر قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں مذکور ہے۔ ہم اس کی ان صفات کو بلا تمثیل اور بلا تکییف مانتے ہیں یعنی اس کی یہ صفات مخلوق کی صفات کی مثل نہیں ہیں اور نہ ہم کو ان کی کیفیت معلوم ہے مثلاً اس کی آنکھیں ہیں لیکن وہ مخلوق کی آنکھوں کی مثل نہیں ہیں اور ان کی کیا کیفیت ہے وہ کس طرح کی ہیں یہ بھی ہم کو معلوم نہیں، اس کی ایسی آنکھیں ہیں جو اس کے شایانِ شان ہیں۔

امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ فرماتے ہیں:

اللہ نہ جوہر ہے نہ عرض ہے، نہ اس کی کوئی حد ہے، نہ اس کا کوئی منازع ہے، نہ اس کا کوئی شریک ہے، نہ اس کی کوئی مثال ہے، اور اس کا ہاتھ ہے اور اس کا چہرہ ہے اور اس کا نفس ہے۔ قرآن مجید میں اللہ نے جو چہرہ، ہاتھ اور نفس کا ذکر کیا ہے وہ اس کی صفات بلا کیف ہیں اور یہ توجیہ نہ کی جائے کہ ہاتھ سے مراد اس کی قدرت یا نعمت ہے کیونکہ اس توجیہ میں اس کی صفت کو باطل کرنا ہے اور یہ قدریہ اور معتزلہ کا قول ہے لیکن اس کا ہاتھ اس کی صفت بلا کیف ہے اور اس کا غضب اور اس کی رضا اس کی صفات میں سے بلا کیف دو صفتیں ہیں۔ (الفقہ الاکبر مع شرحہ ص ۳۷-۳۶، مطبوعہ مصر، ۱۳۷۵ھ)

شیخ تقی الدین احمد بن تیمیہ الحرانی المتوفی ۷۲۸ھ لکھتے ہیں:

اہل السنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود کو جن صفات سے موصوف کیا ہے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جن صفات سے موصوف کیا ہے ان صفات پر ایمان رکھا جائے' ان صفات کی نفی کی جائے نہ ان صفات کی تاویل کی جائے' نہ ان صفات کی کیفیت بیان کی جائے نہ ان صفات کی کوئی مثال بیان کی جائے اور یہ کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور غیر مخلوق ہے' سب کی ابتداء اسی سے ہوئی ہے اور سب نے اسی کی طرف لوٹنا ہے۔

(مجموع الفتاوی ج ۳ ص ۱۰۷' مطبوعہ دار الجیل بیروت' ۱۴۱۸ھ)

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ لکھتے ہیں:

اگر مخالف ان نصوص سے استدلال کرے جو جہت' جسمیت' صورت اور جسمانی اعضاء میں ظاہر ہیں (مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: تعرج الملائکۃ والروح الیہ۔ (المعارج: ۷۰) "فرشتے اور جبریل اس کی طرف چڑھ کر جاتے ہیں" اور فرمایا: ید اللہ فوق ایدیہم۔ (الفتح: ۱۰) "ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے" اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان اللہ خلق آدم علی صورتہ۔ (صحیح مسلم' البر والصلۃ: ۱۱۵' الرقم المسلسل ۶۵۳۳) "اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا" اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جسم اور جسمانیت اور جہات سے منزہ ہونے پر دلائل قطعیہ قائم ہیں' اس لیے ان نصوص کے علم کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینا چاہیے جیسا کہ متقدمین کا سلامتی والا طریقہ ہے اور یا پھر ان کی صحیح تاویلات کی جائیں جیسا کہ متاخرین کا طریقہ ہے تاکہ جاہلوں کے اعتراضات کو دور کیا جاسکے اور کم فہم لوگوں کو اپنے مسلک پر برقرار رکھا جاسکے۔

(شرح عقائد نسفی ص ۳۴' مطبوعہ سکندر علی' بہادر علی تاجران کتب کراچی)

علامہ شمس الدین احمد بن موسیٰ خیالی متوفی ۸۷۰ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس کی طرف چڑھ کر جانے سے مراد وہ جگہ ہے جس جگہ عبادت کے ساتھ اس کا قرب حاصل کیا جاتا ہے' اور ید اللہ (اللہ کے ہاتھ) سے مراد اس کی قدرت ہے' اور اللہ کی صورت سے مراد اس کی صفت علم یا صفت قدرت ہے۔

(حاشیۃ الخیالی ص ۴۷' مطبوعہ مطبع یوسفی لکھنؤ)

اور اس آیت میں متقدمین کے طریقہ پر یہ کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ اپنی شان کے مطابق عرش پر قائم ہے یا اپنی شان کے مطابق بیٹھا ہوا ہے لیکن اس کے قیام اور اس کے بیٹھنے کی مخلوق میں کوئی مثال نہیں ہے' نہ ہم کو اس کے قیام اور بیٹھنے کی کیفیت کا علم ہے اور متاخرین کے طریقہ پر یہ کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ عرش پر غالب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہی ہے جس نے زمین کو پھیلایا اور اس میں پہاڑ نصب کیے اور دریا رواں کیے' اور زمین میں ہر قسم کے پھلوں کے دو' دو جوڑے بنائے' وہ رات سے دن کو چھپا لیتا ہے' بے شک اس میں غور و فکر کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں○ (الرعد: ۳)

مشکل الفاظ کے معانی

مد الارض: زمین کو لمبائی اور چوڑائی میں پھیلا دیا تاکہ انسان اور حیوان اس میں رہ سکیں اور چل پھر سکیں اور اس کے منافع سے استفادہ کر سکیں۔

وجعل فیہا رواسی: اس زمین میں پہاڑ نصب کر دیئے۔ رواسی' راسیہ کی جمع ہے' یہ لفظ رسو سے بنا ہے' اس کا معنی ہے کسی چیز پر قائم رہنا۔ رواسی کا استعمال ٹھہرے ہوئے پہاڑوں کے لیے ہوتا ہے۔

انھار: یہ نھر کی جمع ہے، بحر کا معنی سمندر ہے اور نہر کا معنی دریا ہے۔ القنات کا معنی نہر ہے، جدول کا معنی چھوٹی نہر ہے، انہار کا عطف جبال پر کیا ہے کیونکہ پہاڑوں سے چشمے نکلتے ہیں جن سے دریا وجود میں آتے ہیں۔

زوجین اثنین: یعنی زمین میں تمام پھلوں کی دو دو قسمیں ہیں، بعض پھل پہلے کھٹے ہوتے ہیں اور پھر میٹھے ہو جاتے ہیں جیسے آم۔ بعض پھل سیاہ اور سفید ہوتے ہیں جیسے شہتوت۔ بعض پھل چھوٹے اور بڑے ہوتے ہیں جیسے بیر اور بعض پھل مذکر اور مونث ہوتے ہیں جیسے کھجور۔

یغشی الیل النھار: یعنی رات کا اندھیرا دن کی روشنی کو چھپالیتا ہے اور فضا روشن ہونے کے بعد تاریک ہو جاتی ہے۔

زمینوں، درختوں اور پھلوں سے وجود باری اور توحید باری پر استدلال

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کی تخلیق سے اپنی توحید پر استدلال فرمایا تھا اور اس آیت میں زمین، پہاڑ اور درختوں اور ان کے پھلوں سے اپنے وجود اور اپنی توحید پر استدلال فرمایا ہے۔

زمین سے اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید پر استدلال کی تقریر اس طرح ہے کہ یہ حقیقت مسلم اور مشاہد ہے کہ زمین گول ہے اور اس کو چھ جہتوں سے آسمان محیط ہے، اب ایک سوال تو یہ ہے کہ اس زمین کا کوئی پیدا کرنے والا ہونا چاہیے اور یہ ضروری ہے کہ اس کا پیدا کرنے والا واجب الوجود اور قدیم ہو کیونکہ اگر وہ ممکن اور حادث ہو تو وہ اپنے وجود میں خود کسی علت اور پیدا کرنے والے کا محتاج ہوگا اور جو محتاج ہو وہ مخلوق ہوگا خالق نہیں ہوگا۔ اور یہ ضروری ہے کہ واجب الوجود واحد ہو کیونکہ اگر دو واجب الوجود ہوں گے تو ان میں سے ہر ایک دوسرے سے ممتاز ہوگا اور وجوب وجود میں مشترک ہوگا پس ہر ایک میں دو چیزیں ہوں گی: ایک امر مشترک اور ایک امر ممیز اور جو دو چیزوں سے مرکب ہو وہ اپنے وجود میں ان اجزاء کا محتاج ہوگا اور جو محتاج ہو وہ واجب اور قدیم نہیں ہو سکتا، اس لیے ضروری ہوا کہ واجب الوجود واحد ہو۔

دوسری تقریر اس طرح ہے کہ زمین کی آسمان کے ساتھ ایک مخصوص نسبت اور مخصوص وضع ہے اور اس وضع اور نسبت کے لیے کسی مخصص اور مرجح کا ہونا ضروری ہے اور ضروری ہے کہ وہ مخصص واجب، قدیم اور واحد ہو جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا ہے۔

زمین سے استدلال کی تیسری تقریر اس طرح ہے کہ زمین گردش کر رہی ہے اور اس کی گردش بھی ایک مخصوص جانب میں ہو رہی ہے سو اس گردش کے لیے بھی ایک مخصص کا ہونا ضروری ہے اور ضروری ہے کہ وہ مرجح واجب، قدیم اور واحد ہو۔

درختوں سے استدلال کی تقریر یہ ہے کہ جو بیج زمین میں بویا جاتا ہے اس سے جو کونپل پھوٹتی ہے اس کا ایک حصہ جڑ کی صورت میں نیچے چلا جاتا ہے اور ایک حصہ تنے کی صورت میں اوپر چلا جاتا ہے اور اس کی شاخیں دائیں بائیں پھیل جاتی ہیں۔ جڑ، تنا اور شاخیں سب لکڑی کی ہیں اور لکڑی کی ایک ہی طبیعت ہے اور ایک طبیعت کا ایک تقاضا ہونا چاہیے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ جڑ نیچے جا رہی ہے، تنا اوپر جا رہا ہے اور شاخیں دائیں بائیں پھیل رہی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ اس کے طبعی افعال نہیں ہیں بلکہ ان مختلف افعال کا فاعل کوئی خارجی مرجح اور مخصص ہے، وہ جس حصہ کو چاہتا ہے زمین کے نیچے داخل کر دیتا ہے اور جس حصہ کو چاہتا ہے اوپر بلند کر دیتا ہے اور جس حصہ کو چاہتا ہے دائیں بائیں پھیلا دیتا ہے اور دلائل سابقہ کے لحاظ سے اس مخصص اور مرجح کا واجب، قدیم اور واحد ہونا ضروری ہے۔

اور پھلوں سے استدلال کی تقریر یہ ہے کہ یہ پھل اپنے رنگوں، جسامتوں، خوشبوؤں اور ذائقوں میں سب ایک دوسرے سے مختلف ہیں تو پھر اس اختلاف کے لیے کوئی مخصص اور مرجح ہونا چاہیے اور ضروری ہے کہ وہ مخصص واجب، قدیم اور واحد ہو جیسا کہ ہم پہلے واضح کر چکے ہیں۔

اور ایک اور طرز سے درختوں اور پھلوں سے اللہ تعالیٰ کی توحید کی تقریر اس طرح ہے کہ تمام درختوں کی نشوونما کا نظام واحد ہے، سب درختوں کا تنا اوپر جاتا ہے اور جڑیں نیچے جاتی ہیں اور شاخیں مختلف اطراف میں پھیل جاتی ہیں اور اس نظام کی وحدت یہ تقاضا کرتی ہے کہ اس نظام کا خالق بھی واحد ہو، اسی طرح پھلوں کی پیدائش کا نظام بھی واحد ہے، آم کے بیج سے ہمیشہ آم پیدا ہوتا ہے اور کھجور کے بیج سے کھجور پیدا ہوتی ہے، پھر ہر پھل کا ایک موسم ہے، وہ اسی موسم میں پیدا ہوتا ہے۔ وہ پھل جس علاقہ اور جس زمین میں پیدا ہو اس کی وہی خوشبو، وہی ذائقہ اور وہی تاثیر ہوگی، غرض اس کی پیدائش، اس کی نشوونما، اس کے ذائقہ اور اس کی تاثیر کا نظام واحد ہے اور اس نظام کی وحدت یہ بتاتی ہے کہ اس نظام کا خالق بھی واحد ہے، اگر نظام بنانے والے متعدد ہوتے تو نظام واحد نہ ہوتا بلکہ متعدد نظام ہوتے، امریکہ میں معاشی نظام اور ہے، روس میں نظام اور ہے اور چین میں اور نظام ہے۔ یہ نظام اس لیے متعدد ہیں کہ نظام کے بنانے والے متعدد ہیں۔ جب نظام بنانے والے متعدد ہوں تو نظام متعدد ہوتے ہیں اور جب نظام بنانے والا واحد ہو تو نظام بھی واحد ہوتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس پوری کائنات میں چشموں، دریاؤں، سمندروں، پہاڑوں، درختوں، پتوں، پھولوں، پھلوں، حیوانوں اور انسانوں کی پیدائش اور نشوونما کا نظام واحد ہے، اس نظام کی وحدت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اس نظام کا خالق بھی واحد ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور زمین میں ایک دوسرے کے قریب قطعات ہیں، اور انگوروں کے باغ اور کھیت ہیں اور ایک ہی جڑ سے نکلے ہوئے کھجور کے درخت ہیں اور الگ الگ بھی ہیں، (حالانکہ) سب کو ایک ہی پانی سے سیراب کیا جاتا ہے، اور ہم بعض پھلوں کو لذت میں بعض دوسرے پھلوں پر ترجیح دیتے ہیں، بے شک ان میں عقل والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں ○ (الرعد: ۴)

مشکل الفاظ کے معانی

وفی الارض قطع متجورات: یعنی مختلف قسم کی زمینیں ایک دوسرے کے ساتھ متصل اور پیوستہ ہیں، بعض زمینیں زرخیز ہیں اور بعض زمینیں بنجر ہیں، بعض زمینیں سخت ہیں اور بعض زمینیں نرم ہیں، بعض پہاڑی زمینیں ہیں اور بعض میدانی زمینیں ہیں، بعض پتھریلی اور بجری والی زمینیں ہیں اور بعض ریتلی زمینیں ہیں، بعض ریگستان ہیں اور بعض نخلستان ہیں۔ بعض ایسی زمینیں ہیں جن میں صرف فصلیں اور کھیت اگائے جا سکتے ہیں اور بعض ایسی زمینیں ہیں جن میں صرف باغات اور درخت اگائے جا سکتے ہیں، بعض زمینوں میں صرف اناس، چائے، پان، پٹ سن، چاول اور بانس وغیرہ پیدا ہوتے ہیں، اور بعض زمینوں میں صرف کھجور پیدا ہوتی ہے، بعض زمینوں میں صرف سیب، کنو، مالٹا اور آم وغیرہ پیدا ہوتے ہیں اور بعض زمینوں میں بادام، چلغوزہ، اخروٹ اور کاجو پیدا ہوتا ہے، اور بھی زمین کی اقسام ہیں جن کی پیداواری صلاحیت الگ الگ ہے۔

صنوان: یہ صنو کی جمع ہے، اس کا معنی ہے ایک جڑ سے کھجور کے متعدد درخت پیدا ہوں اور غیر صنوان کا معنی ہے متعدد جڑوں سے متعدد درخت پیدا ہوں۔

یسقی بماء واحد ونفضل بعضھا علی بعض فی الاکل: ان سب کو ایک ہی پانی سے سیراب کیا جاتا

ہے' اور ہم بعض پھلوں کو لذت میں بعض دوسرے پھلوں پر ترجیح دیتے ہیں۔ یعنی یہ پھل خوشبو' جسامت' رنگ اور ذائقہ میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ بعض پھل میٹھے ہیں اور بعض کھٹے ہیں' پھر مٹھاس کا ذائقہ بھی الگ الگ ہے۔ کیلے کی مٹھاس اور ہے' کھجور کی مٹھاس اور ہے اور آم کی مٹھاس اور ہے۔ پھر آم کی مختلف قسموں کی مٹھاس الگ الگ ہے: سرولی' دسہری' انور رٹول' فضلی اور چونسہ' یہ سب میٹھے آم ہیں لیکن آپ الفاظ میں ان کی مٹھاس کا فرق بیان نہیں کرسکتے' کیلے اور کھجور کی مٹھاس کا فرق نہیں بیان کرسکتے۔ اناس' آڑو اور فالسہ یہ سب ترش پھل ہیں لیکن آپ الفاظ میں ان کی ترشی کا فرق بیان نہیں کرسکتے۔ پس سبحان ہے وہ ذات! جس نے ایسے متعدد اور مختلف ذائقے پیدا کیے کہ زبان ان کے اختلاف کی تعبیر کرنے سے عاجز ہے!

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: بعض کھجوریں دقل ہیں' بعض فارسی ہیں۔ (یہ کھجوروں کی قسموں کے نام ہیں جیسے ہم نے آم کی قسموں کے نام رکھے ہوئے ہیں) بعض کھجوریں کھٹی ہیں اور بعض کھجوریں میٹھی ہیں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۱۸' الکامل لابن عدی ج ۳ ص ۷۰ ۱۲' تاریخ بغداد ج ۹ ص ۲۲۶)

زمین کے مختلف طبقات سے وجود باری اور توحید باری پر استدلال

اس سے پہلی دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے آسمانوں' زمینوں' پہاڑوں' دریاؤں اور درختوں کے احوال سے اپنے وجود اور اپنی توحید پر استدلال فرمایا تھا اور اس آیت میں پھلوں کے مختلف ذائقوں سے اپنے وجود اور اپنی توحید پر استدلال فرمایا ہے' اور زمینوں کے مختلف النوع اور باہم متصل قطعات سے اپنے وجود اور اپنی توحید پر استدلال فرمایا ہے۔

زمین کے مختلف قطعات سے استدلال کی تقریر اس طرح ہے کہ تمام روئے زمین کی ماہیت اور حقیقت ایک ہے' پھر اس کے قطعات مختلف ہیں۔ بعض قطعات زرخیز ہیں اور بعض قطعات بنجر ہیں' بعض زمینیں ایسی ہیں کہ ان کے نیچے سے کھارا پانی نکلتا ہے اور بعض کے نیچے سے میٹھا پانی نکلتا ہے' بعض زمینیں ایسی ہیں کہ ایک فٹ کھودو تو پانی نکل آتا ہے اور بعض زمینوں کو سینکڑوں فٹ کھودو تو پھر پانی نکلتا ہے' پس اس اختلاف کا کوئی سبب اور کوئی مخصص اور مرجح ہونا چاہیے اور اس مرجح کا واجب' قدیم اور واحد ہونا ضروری ہے جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حسن بصری نے کہا اللہ تعالیٰ نے یہ بنو آدم کے دلوں کی مثال دی ہے' تمام روئے زمین اللہ کے ہاتھ میں ایک قسم کی مٹی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس زمین کو پھیلا دیا تو یہ مختلف قسم کے قطعات بن گئے۔ پھر ان پر آسمان سے بارش ہوئی' تو زمین کے بعض قطعات سے اس کی تروتازگی' اس کے پھل اور اس کے درخت اور اس کا سبزہ نمودار ہوا اور اس بارش سے مُردہ زمینیں زندہ ہوگئیں اور بعض زمینیں شور والی' کھاری اور بنجر تھیں' ان پر بھی وہی بارش ہوئی اور وہ خس و خاشاک کے سوا کچھ نہ اگا سکیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور آسمان سے ان پر وحی نازل کی اور مواعظ نازل کیے۔ بعض دل ان مواعظ کو سن کر اللہ سے ڈرے اور اس کے سامنے جھک گئے اور بعض دل سخت تھے' وہ اسی طرح لہو و لعب اور عیاشیوں میں مشغول رہے اور ان میں کوئی رقت پیدا نہیں ہوئی۔ حسن بصری نے کہا اللہ کی قسم! جو شخص بھی قرآن کو سن کر اٹھتا ہے تو اس کی نیکیوں میں اضافہ ہوتا ہے یا اس کی برائیوں میں' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ اور قرآن میں ہم ایسی آیتیں نازل فرماتے ہیں جو مومنوں

لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا (بنی اسرائیل: ۸۲) کے لیے شفاء اور رحمت ہیں اور ظالموں کے لیے وہ سوا نقصان کے اور کوئی اضافہ نہیں کرتیں۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۵۲۸۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

مختلف ذائقوں سے وجود باری اور توحید باری پر استدلال

اور پھلوں کے مختلف ذائقوں سے استدلال کی تقریر اس طرح ہے کہ یہ تمام پھل ایک ہی زمین میں پیدا ہوتے ہیں اور ایک ہی پانی انہیں سیراب کرتا ہے، تمام پھل ایک ہی سورج کی حرارت سے پک کر تیار ہوتے ہیں، ان کی پیدائش کے ظاہری اسباب زمین، پانی اور سورج کی حرارت ہیں۔ ان میں کوئی تفاوت اور فرق نہیں ہے، پھر ان کے ذائقے مختلف کیوں ہیں، ضرور اس اختلاف کا کوئی سبب اور مرجح ہے اور اس مرجح کا واجب قدیم اور واحد ہونا ضروری ہے اور وہ ذات جو واجب الوجود ہو، قدیم ہو اور وحدہ لاشریک ہو وہی اللہ بزرگ و برتر ہے، آپ اس کائنات کو غور سے دیکھیں، پتوں کی مختلف تراش و خراش میں، پھلوں اور پھولوں کے مختلف رنگوں میں، ان کی مختلف خوشبوؤں میں اور ان کے مختلف ذائقوں میں یہ نظر آئے گا کہ ان کا پیدا کرنے والا وہی ہے جو قدیم اور واجب ہے، جس کا کوئی شریک نہیں ہے اور وہی اس کا مستحق ہے کہ صرف اسی کی عبادت کی جائے۔

ان درختوں کا، ان کے پتوں اور پھولوں اور پھلوں کا خالق، حضرت عیسیٰ اور عزیر نہیں ہیں کیونکہ ان کے پیدا ہونے سے پہلے بھی اسی طرح سبز پتوں سے آراستہ اور پھلوں اور پھولوں سے لدے ہوئے درخت موجود تھے، اور ان کے بعد بھی موجود ہیں، پتھروں سے تراشی ہوئی مورتیاں بھی ان کی خالق نہیں ہیں کیونکہ ان کو بنانے سے پہلے اور ان کے ٹوٹ کر بکھر جانے کے بعد بھی یہ درخت اسی طرح موجود ہوتے ہیں۔ سورج، چاند اور ستارے بھی ان کے خالق نہیں ہوسکتے کیونکہ ان کے غروب ہونے کے بعد بھی یہ درخت اسی طرح بہار دکھاتے رہتے ہیں اور آگ بھی ان کی خالق نہیں ہے کیونکہ آگ جلتی اور بجھتی رہتی ہے اور یہ درخت یونہی لہلہاتے رہتے ہیں، اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کے سوا جس جس کی پرستش کی گئی ہے کسی کو بھی بقاء دوام حاصل نہیں ہوئی، ان کے وجود اور عدم سے ان درختوں کے وجود اور عدم پر کوئی فرق نہیں پڑا تو کیا یہ درخت، ان کے پتے، ان کے پھول اور ان کے پھل یہ گواہی نہیں دیتے کہ ان کی پیدائش اور ان کے وجود میں ان خود ساختہ خداؤں کا کوئی دخل نہیں ہے جن کی مشرکین نے پرستش کی اور ان کا وجود اسی کی ایجاد سے قائم ہوا ہے جس نے ان کو، ان کے خود ساختہ خداؤں کو اور ساری کائنات کو پیدا کیا ہے، وہ جو ممکن نہیں ہے واجب الوجود ہے، حادث نہیں ہے قدیم ہے اور جس کا کوئی شریک نہیں ہے؛ جو واحد ہے اور وہی اللہ بزرگ و برتر ہے!

"صنوان" اور "صنو" کے معنی

اس آیت میں درختوں کے متعلق فرمایا: وہ صنوان اور غیر صنوان ہیں۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو متعدد کھجور کے درخت ایک جڑ سے ہوں وہ صنوان ہیں اور جو متفرق جڑوں سے ہوں وہ غیر صنوان ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۹ ص ۲۴۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کے درمیان مناقشہ ہو گیا۔ حضرت عباس نے حضرت عمر کو سخت کلمات کہے، حضرت عمر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور کہا یا رسول اللہ! کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ عباس نے مجھے کیا کیا کہا ہے۔ میں نے ان کو جواب دینے کا ارادہ کیا تھا لیکن میں نے ان

کے آپ سے قُرب اور رشتہ کا پاس کیا اور میں رک گیا۔ آپ نے فرمایا: اللہ تم پر رحم کرے ان عم الرجل صنو ابیہ۔ کسی شخص کا چچا اس کے باپ کی مانند ہوتا ہے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۵۲۷۷، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۷۵۸، مسند احمد ج ۱ ص ۲۰۷، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۲۸۹، المستدرک ج ۳ ص ۳۳۳، اسد الغابہ ج ۳ ص ۱۶۵)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اگر تم تعجب کرو تو باعث تعجب تو ان کا یہ قول ہے کیا ہم مٹی ہو جانے کے بعد از سرِنو پیدا ہوں گے؟ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا، یہی وہ لوگ ہیں جن کی گردنوں میں طوق ہوں گے، اور یہی دوزخی ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے ○ (الرعد: ۵)

تعجب اور اغلال کا معنی

ان تعجب: یعنی اے محمد صلی اللہ علیک وسلم آپ کفار پر تعجب کرتے ہیں کہ وہ بتوں کی پرستش کرتے ہیں جو ان کو نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ نفع پہنچا سکتے ہیں! اس سے زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ یہ آخرت کا انکار کرتے ہیں اور مر کر دوبارہ اٹھنے کی تکذیب کرتے ہیں۔ عادتاً غیر مستبعد اور غیر متوقع اور خلاف معمول چیز کو دیکھ کر ذہن میں جو کیفیت پیدا ہوتی ہے اس کو تعجب کہتے ہیں، اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو اس سے پاک ہے کہ وہ کسی چیز پر تعجب کرے، کیونکہ تعجب تو اس کو ہو گا جس کو حقیقت حال کا علم نہ ہو، اور اللہ کو تو ہر چیز کا علم ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مشرکین جو آخرت کا انکار اور اس کی تکذیب کرتے ہیں تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے باعث تعجب ہونا چاہیے نہ کہ اللہ تعالیٰ کے لیے۔

الاغلال: غل کی جمع ہے، گردن میں لوہے کا کڑا ڈال دیا جاتا ہے یا لوہے کے کڑے سے ہاتھوں کو گردن سے جکڑ دیتے ہیں، اس کو غل کہتے ہیں، اس کا معنی طوق ہے۔

انکار حشر کا کفر ہونا اور اس کی سزا

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کی نشانیوں سے اپنے وجود اور اپنی توحید پر استدلال فرمایا، تاکہ یہ معلوم ہو کہ جو ذات اس پر قادر ہے کہ اتنی عظیم چیزوں کو پیدا کرے اس کے لیے یہ کیا مشکل ہے کہ وہ انسان کو مرنے کے بعد پھر زندہ کر دے، کیونکہ جو زیادہ قوی اور زیادہ کامل چیز پر قادر ہو وہ ضعیف اور ناقص چیز پر بطریق اولیٰ قادر ہو گا! جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ۭ بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ (الاحقاف: ۳۳)

کیا انہوں نے یہ نہیں سمجھا کہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے اور وہ ان کو پیدا کرنے سے تھکا نہیں، وہ مُردوں کو زندہ کرنے پر (ضرور) قادر ہے، کیوں نہیں! بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان منکرین پر تین حکم لگائے۔ پہلا حکم یہ لگایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا، اسی طرح انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار کیا اور انہوں نے اپنے عناد اور گمراہی میں سرکشی کی، اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ جس نے قیامت کا اور مر کر دوبارہ اٹھنے کا انکار کیا وہ کافر ہے۔

دوسرا حکم یہ لگایا کہ یہی وہ لوگ ہیں جن کی گردنوں میں طوق ہوں گے۔ ابو بکر الاصم نے کہا کہ طوق سے مراد مجاز ہے یعنی ان کا کفر، ان کی ذلت اور ان کا بتوں کی پرستش کرنا، یعنی یہ ذلت ان کے ساتھ اس طرح چمٹ گئی ہے جیسے گلے میں طوق

جکڑا ہوا ہوتا ہے، لیکن یہ تفسیر صحیح نہیں ہے، یہاں طوق کو حقیقت پر محمول کرنے سے کیا چیز مانع ہے جبکہ طوق کے حقیقی معنی مراد ہونے پر یہ آیت دلیل ہے:

اِذِ الۡاَغۡلٰلُ فِیۡۤ اَعۡنَاقِهِمۡ وَ السَّلٰسِلُ ؕ یُسۡحَبُوۡنَ ۙ﴿۷۱﴾ فِی الۡحَمِیۡمِ ۬ۙ ثُمَّ فِی النَّارِ یُسۡجَرُوۡنَ ﴿۷۲﴾ (المومن: ۷۲-۷۱)

جب ان کی گردنوں میں طوق اور زنجیریں ہوں گی اور ان کو کھولتے ہوئے پانی میں گھسیٹا جائے گا، پھر وہ (بھڑکتی ہوئی) آگ میں جھونک دیئے جائیں گے۔

اور ان پر تیسرا حکم یہ لگایا ہے کہ وہ دوزخی ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ دوزخ کا دائمی عذاب صرف کافروں کو ہوگا، اور اس میں خوارج اور معتزلہ کا رد ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ گناہ کبیرہ کے مرتکب کو بھی دوزخ میں دائمی عذاب ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یہ لوگ ثواب سے پہلے عذاب کے طلب گار ہیں اور بے شک ان سے پہلے عذاب یافتہ لوگ گزر چکے ہیں اور بے شک آپ کا رب لوگوں کے ظلم (گناہوں) کے باوجود ان کو بخشنے والا ہے اور بے شک آپ کا رب ضرور سخت عذاب دینے والا ہے ○ (الرعد: ۶)

مشکل الفاظ کے معانی

المثلات: یہ مثلہ کی جمع ہے، اس کا معنی ہے عبرت انگیز مثالیں۔ مثلہ اس سزا کو کہتے ہیں جو دوسروں کو ارتکاب جرم سے باز رکھنے کے لیے مثال بن جائے۔ سزا اور جرم میں مماثلت اور مشابہت کی وجہ سے بھی اس جرم کی سزا کو مثلہ کہتے ہیں، جیسے قرآن مجید میں ہے:

جَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثۡلُهَا ۔ (الشوریٰ: ۴۰)

بُرے کام کا بدلہ اسی کی مثل بُرائی ہے

فَمَنِ اعۡتَدٰی عَلَیۡکُمۡ فَاعۡتَدُوۡا عَلَیۡهِ بِمِثۡلِ مَا اعۡتَدٰی عَلَیۡکُمۡ ۔ (البقرہ: ۱۹۴)

جو شخص تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس پر اتنی ہی زیادتی کرو جتنی اس نے تم پر زیادتی کی ہے۔

کسی شخص کے اعضاء کاٹنے اور کسی شخص کے قتل کرنے کی سزا کو بھی اس لیے قصاص کہتے ہیں کہ اس نے جیسا جرم کیا ہے اس کو اسی کی مثل سزا دی جاتی ہے کیونکہ قصاص کا معنی ہے بدلہ، قرآن مجید میں ہے:

وَ کَتَبۡنَا عَلَیۡهِمۡ فِیۡهَاۤ اَنَّ النَّفۡسَ بِالنَّفۡسِ ۙ وَ الۡعَیۡنَ بِالۡعَیۡنِ وَ الۡاَنۡفَ بِالۡاَنۡفِ وَ الۡاُذُنَ بِالۡاُذُنِ وَ السِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَ الۡجُرُوۡحَ قِصَاصٌ ؕ ۔ (المائدہ: ۴۵)

اور ہم نے ان پر تورات میں یہ فرض کیا تھا کہ جان کا بدلہ جان ہے، اور آنکھ کا بدلہ آنکھ ہے اور ناک کا بدلہ ناک ہے اور کان کا بدلہ کان ہے اور دانت کا بدلہ دانت ہے اور زخموں میں (بھی) بدلہ ہے۔

مغفرت: غفر اور مغفرت کا معنی ہے ستر اور پردہ، مغفرت کی کئی صورتیں ہیں، اللہ تعالیٰ دنیا میں عذاب نہ دے اور عذاب کو آخرت تک کے لیے مؤخر کر دے یا عذاب میں تخفیف کر دے یا بالکلیہ عذاب کو ساقط کر دے۔

مع ظلمهم: یعنی اللہ تعالیٰ لوگوں کے گناہوں کے باوجود ان کو عذاب نہیں دیتا، اور اگر اللہ تعالیٰ ہر گناہ پر عذاب دیتا تو روئے زمین پر کوئی چلنے والا باقی نہ رہتا۔

کفار کا رحمت اور ثواب کے بجائے عتاب اور عذاب کو طلب کرنا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین کو کبھی آخرت اور قیامت کے عذاب سے ڈراتے تھے اور کبھی ان کو دنیا کے عذاب

سے ڈراتے تھے۔ جب آپ ان کو قیامت اور آخرت کے عذاب سے ڈراتے تو وہ قیامت اور حشر و نشر کا اور مر کر دوبارہ اٹھنے کا انکار کر دیتے، جیسا کہ اس سے پہلی آیت میں گزر چکا ہے، اور جب آپ ان کو دنیا کے عذاب سے ڈراتے تو وہ آپ پر طعنہ زن ہوتے ہوئے کہتے کہ اگر آپ سچے ہیں تو وہ عذاب لا کر دکھائیں، جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَإِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ إِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَاءِ أَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ○ (الانفال: ۳۲)

اور جب انہوں نے کہا اے اللہ اگر یہ (قرآن) تیری طرف سے برحق ہے تو تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے یا ہم پر (کوئی اور) دردناک عذاب لے آ۔

وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں طعن کرتے ہوئے اس طرح کہتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان سے یہ فرماتے تھے کہ اگر وہ ایمان لے آئے تو ان کو آخرت میں اجر و ثواب ملے گا، اور دنیا میں ان کو اپنے دشمنوں کے خلاف فتح اور نصرت حاصل ہو گی، اور اگر وہ ایمان نہ لائے تو ان کو دنیا اور آخرت میں عذاب ہو گا، لیکن وہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آخرت کے ثواب اور دنیا کی فتح و نصرت کے بجائے دنیا کے عذاب کا مطالبہ کرتے تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ لوگ ثواب سے پہلے عذاب کے طلب گار ہیں۔

عین حال معصیت میں اللہ تعالیٰ کا معاف فرما دینا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور بے شک آپ کا رب لوگوں کے ظلم (گناہوں) کے باوجود ان کو بخشنے والا ہے اور بے شک آپ کا رب سخت عذاب دینے والا ہے۔

اس آیت سے علماء اہلسنت نے یہ استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات گناہ کبیرہ کے مرتکب کو توبہ سے پہلے یا بغیر توبہ کے بھی معاف کر دیتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ لوگوں کو گناہ کرتے وقت بھی معاف کر دیتا ہے، اور ظاہر ہے کہ بندہ گناہ کرتے وقت تو توبہ نہیں کر رہا ہوتا، پھر اللہ تعالیٰ نے صرف اسی پر اقتصار نہیں کیا بلکہ یہ بھی فرمایا ہے بے شک آپ کا رب سخت عذاب دینے والا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ آیت کا پہلا حصہ مومن مرتکب کبیرہ کے متعلق ہے اور دوسرا حصہ کافر کے متعلق ہے۔

امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ نے اپنی سند کے ساتھ علی بن زید سے روایت کیا ہے کہ مطرف نے اس آیت کی تلاوت کر کے کہا اگر لوگوں کو اللہ کی رحمت، اس کے عفو اور درگزر اور اس کی مغفرت کا اندازہ ہوتا تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتیں۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۲۱۴۴)

امام ابن ابی حاتم سعید بن مسیب سے روایت کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور اس کا عفو و درگزر نہ ہوتا تو کوئی شخص خوشی سے زندہ نہ رہتا، اور اگر وہ اپنے عذاب سے نہ ڈراتا تو ہر شخص اس کی رحمت پر اعتماد کر لیتا (یعنی نیک عمل نہ کرتا اور برائیوں کو ترک نہ کرتا)۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۲۱۴۵)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ہو سکتا ہے کہ مغفرت سے مراد دنیا میں عذاب کو موخر کرنا ہو اس کا جواب یہ ہے کہ دنیا میں عذاب کو موخر کرنا تو کفار کو بھی حاصل ہے، اس کی مومنوں کے ساتھ تخصیص نہیں ہے، نیز تاخیر عذاب کو مغفرت نہیں کہا جاتا ورنہ لازم آئے گا کہ کفار کی بھی مغفرت ہوتی ہے، دوسرا اعتراض یہ ہے کہ ہو سکتا ہے اس آیت میں صغائر کی مغفرت مراد ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں ظلم کے مقابلہ میں مغفرت کا ذکر فرمایا ہے اور ظلم گناہ صغیرہ کو نہیں گناہ کبیرہ کو

کہتے ہیں۔ اس پر تیسرا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ ہو سکتا ہے اس آیت میں یہ مراد ہو کہ اللہ تعالیٰ توبہ کے بعد گناہوں کو معاف کرے گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا ظاہر معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ارتکاب ظلم کے وقت معاف فرمادیتا ہے اور ارتکاب ظلم کے وقت توبہ کا تصور نہیں ہوتا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی کتاب میں جس آیت سے سب سے زیادہ امید وابستہ ہے وہ یہ آیت ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۹ ص ۲۴۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کافر کہتے ہیں کہ ان کے رب کی طرف سے ان پر کوئی نشانی کیوں نہ نازل ہوئی، آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کو ہدایت دینے والے ہیں ○ (الرعد: ۷)

مشرکین کا یہ کہنا کہ آپ پر کوئی معجزہ کیوں نہیں نازل کیا گیا؟

الرعد: ۵ میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ مشرکین نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر یہ اعتراض کیا کہ یہ کہتے ہیں کہ لوگوں کو مرنے کے بعد پھر زندہ کیا جائے گا اور الرعد: ۶ میں مشرکین کے اس اعتراض کا ذکر کیا گیا کہ ہمارے انکار کی بناء پر یہ ہمیں جس عذاب سے ڈراتے ہیں وہ عذاب کیوں نہیں آتا اور الرعد: ۷ میں ان کے اس اعتراض کا ذکر ہے کہ آپ پر کوئی معجزہ کیوں نہیں نازل کیا گیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جو قرآن مجید نازل کیا گیا وہ بہت عظیم الشان معجزہ ہے، پھر وہ کیوں کہتے تھے کہ آپ پر کوئی معجزہ کیوں نہیں نازل کیا گیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کا کہنا یہ تھا کہ ان کے فرمائشی معجزے کیوں نہیں پیش کیے گئے، سورہ بنی اسرائیل میں ان کے فرمائشی معجزوں کا ذکر ہے: وہ کہتے تھے ہم آپ پر اس وقت تک ہرگز ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ آپ ہمارے لیے زمین سے کوئی چشمہ جاری کردیں، یا آپ کے لیے کھجوروں اور انگوروں کا کوئی باغ بن جائے، پھر آپ اس باغ کے درمیان بہتے ہوئے دریا جاری کردیں، یا آپ آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہمارے اوپر گرادیں یا آپ اللہ کو اور فرشتوں کو ہمارے سامنے بے حجاب لے آئیں، یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں اور ہم آپ کے صرف چڑھنے پر بھی ایمان نہیں لائیں گے، حتیٰ کہ آپ ہم پر ایک کتاب نازل کردیں جس کو ہم خود پڑھیں۔ (بنی اسرائیل: ۹۳-۹۰)

مشرکین کے فرمائشی معجزات پیش نہ کرنے کی وجوہ

اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ کے فرمائشی معجزات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا نہیں فرمائے، اس کی حسب ذیل وجوہات ہیں:

(۱) مشرکین مکہ اپنی تسلی اور اطمینان کے لیے معجزہ طلب نہیں کرتے تھے۔ اگر حق اور صدق کو پہچاننا ان کا مطلوب ہوتا تو صرف قرآن مجید کا معجزہ ہونا ہی ان کے اطمینان کے لیے کافی تھا۔ وہ عناد، سرکشی، کٹ حجتی اور ہٹ دھرمی کے طور پر آپ سے فرمائشی معجزات کو طلب کرتے تھے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے ان سے کہا تھا ہم آپ پر ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ ہم ظاہراً اللہ تعالیٰ کو دیکھ لیں۔ (البقرہ: ۵۵)

(۲) اگر بالفرض ان کی ان فرمائشوں کو پورا بھی کردیا جاتا تو وہ پھر اور معجزات کی فرمائش کرتے اور ان کا یہ سلسلہ کبھی ختم نہیں ہوتا۔

(۳) اللہ تعالیٰ کو یہ علم تھا کہ اگر بالفرض ان کے مطلوبہ اور فرمائشی معجزات پیش بھی کردیئے گئے تو یہ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:

وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ۭ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ ـــ اور اگر اللہ کے علم میں ان میں کوئی بھلائی ہوتی تو وہ ان کو ضرور سنا دیتا اور اگر (بالفرض) وہ ان کو سنا دیتا تو وہ ضرور اعراض کرتے ہوئے پشت پھیر لیتے ۝ (الانفال: ۲۳)

اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر اللہ کو ان میں کسی خیر کا علم ہوتا تو وہ ان کو دین حق کے دلائل اور آخرت کے متعلق نصیحتیں سناتا اور ان کے ذہنوں اور دماغوں میں اس کی فہم پیدا کرتا' اور اگر وہ یہ جاننے کے باوجود کہ ان میں کوئی خیر نہیں ہے اور وہ دلائل اور نصائح سے کوئی نفع حاصل نہیں کریں گے' پھر بھی ان کو دلائل اور نصائح سنا دیتا تو وہ ضرور اعراض کرتے ہوئے پیٹھ پھیر لیتے۔ اسی نہج پر ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ یہ ان فرمائشی معجزات کو دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائیں گے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے مطلوبہ اور فرمائشی معجزات پیش نہیں فرمائے۔

(۴) اللہ تعالیٰ کی پچھلی اقوام میں یہ سُنّت رہی ہے کہ جب کفار کی قوم کسی معجزہ کی فرمائش کرتی اور اس کو وہ معجزہ دے دیا جاتا اور پھر بھی وہ اپنی سرکشی سے باز نہ آتی تو ایک عام عذاب آتا اور ان کافروں کو ملیامیٹ کر دیا جاتا' جیسے حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے یہ مطالبہ کیا کہ اس چٹان سے اونٹنی نکال کر دکھائی جائے اور جب ان کے اس مطالبہ کے موافق اس چٹان سے اونٹنی نکالی گئی اور پھر بھی وہ اپنی سرکشی سے باز نہ آئے تو ایک ہمہ گیر عذاب آیا اور کافروں کی پوری قوم کو ملیامیٹ کر دیا گیا' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے ہوئے مشرکین مکہ پر عذاب آ نہیں سکتا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرما چکا ہے' اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں ہے کہ آپ کے ہوتے ہوئے ان کو عذاب دے۔ (الانفال: ۳۳) اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے فرمائشی معجزات کا مطالبہ پورا نہیں کیا۔

آپ کو قرآن مجید کا معجزہ کیوں دیا گیا

اب ایک سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خصوصیت کے ساتھ قرآن مجید کا معجزہ کیوں عطا فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہر نبی کے زمانہ میں ان کی قوم کے مخصوص حالات تھے جن کی بناء پر ان حالات کے مناسب ان کو معجزہ عطا فرمایا گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں سحر اور جادوگری کا چرچا تھا اس لیے ان کو عصا کا معجزہ عطا فرمایا جس کے سامنے تمام جادوگرمات کھا گئے اور انہوں نے جان لیا کہ یہ جادو نہیں ہے بلکہ اللہ کی طرف سے برہان ہے' اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں طب کا بہت شہرہ تھا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اسی جنس سے معجزہ عطا فرمایا' وہ مُردوں کو اللہ کے اذن سے زندہ کر دیتے' مادر زاد اندھوں کو اللہ کے اذن سے بینا کر دیتے اور برص میں مبتلا لوگوں کو اللہ کے اذن سے تندرست کر دیتے۔ اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں زبان دانی کا غلبہ تھا تو اس زمانہ میں فصاحت اور بلاغت کی جنس سے معجزہ ہونا چاہیے تھا' اس لیے آپ کو فصاحت و بلاغت کی جنس سے معجزہ عطا کیا گیا اور وہ قرآن کریم ہے۔ جس کی فصاحت و بلاغت کا یہ عالم ہے کہ تمام جن اور انسان مل کر بھی قرآن مجید کی کسی ایک سورت کی بھی نظیر نہیں لاسکے' اور اب چودہ سو سال سے زیادہ گزر چکے ہیں' علوم و فنون میں بہت ترقی ہو چکی ہے اور اسلام کے مخالفین بھی بہت زیادہ ہیں اس کے باوجود اب تک کوئی قرآن مجید کی کسی ایک سورت کی بھی نظیر نہیں لاسکا۔

آپ کے دیگر چند مشہور معجزات

بعض لوگوں کا یہ گمان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف قرآن مجید ہی کا معجزہ دیا گیا ہے' لیکن ایسا نہیں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بے شمار معجزات عطا کیے گئے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غیب کی خبریں دی ہیں۔ الاعراف: ۱۸۸ کی تفسیر

میں ہم نے متعدد کتب احادیث کے حوالوں کے ساتھ پچاس سے زیادہ احادیث بیان کی ہیں، جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی غیب کی خبریں ہیں اور ہر غیب کی خبر آپ کا معجزہ ہے، اب ہم سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے چند مشہور معجزات مستند کتب حدیث کے حوالوں سے بیان کر رہے ہیں۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حدیبیہ کے دن مسلمانوں کو سخت پیاس لگی ہوئی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک چھاگل (پانی کا ڈول) تھی، آپ نے اس سے وضو کیا۔ لوگ آپ کے پاس فریاد کرتے ہوئے آئے، آپ نے پوچھا: تمہیں کیا ہوا؟ انہوں نے کہا ہمارے پاس اور کوئی پانی نہیں ہے جس کو ہم پی سکیں یا جس سے ہم وضو کر سکیں سوا اس پانی کے جو آپ کے پاس اس چھاگل میں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چھاگل میں اپنا مبارک ہاتھ رکھا تو آپ کی انگلیوں کے درمیان سے اس طرح جوش اور تیزی سے پانی نکلنے لگا جس طرح چشموں سے پانی ابلتا ہے، ہم سب نے اس پانی کو پیا اور اس سے وضو کیا۔ راوی نے کہا میں نے پوچھا تمہاری اس وقت کتنی تعداد تھی، حضرت جابر نے کہا اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تو وہ پانی ہمیں کافی ہو جاتا، ہم اس وقت پندرہ سو نفر تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۷۶، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۵۳۲۲، عالم الکتب بیروت)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جن دنوں خندق کھودی جا رہی تھی، میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سخت بھوک کے آثار دیکھے، میں نے اپنی بیوی سے کہا کیا تمہارے پاس کوئی چیز ہے؟ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سخت بھوک کے آثار دیکھے ہیں۔ اس نے میرے لیے ایک چرمی تھیلا نکالا جس میں ایک صاع (چار کلو گرام) جَو تھے اور ہمارے پاس ایک بکری کا بچہ تھا۔ میں نے اس کو ذبح کیا اور میری اہلیہ نے جَو پیسے۔ وہ میرے فارغ ہونے تک اپنے کام سے فارغ ہو گئی اور میں نے گوشت کی بوٹیاں دیگچی میں ڈالیں، پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جانے لگا، میری بیوی نے کہا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے سامنے شرمندہ نہ کرنا، میں آپ کے پاس پہنچا اور میں نے چپکے سے کہا یا رسول اللہ! ہم نے ایک بکری کا بچہ ذبح کیا ہے اور ہمارے پاس تھوڑے سے جَو تھے ہم نے ان کو پیس لیا ہے، آپ آیئے اور جو اصحاب آپ کے ساتھ ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند آواز سے فرمایا: اے اہلِ خندق! جابر نے ہمارے لیے کھانا تیار کیا ہے، چلو اس کے گھر۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنی دیگچی چولہے سے نہ اتارنا اور میرے پہنچنے تک تم اپنے آٹے سے روٹی پکانا نہ شروع کرنا، پس میں گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی لوگوں کو لے کر پہنچ گئے، حتیٰ کہ میں اپنی بیوی کے پاس گیا، اس نے کہا یہ تم نے کیا کیا ہے! میں نے کہا میں نے وہی کیا ہے جو تم نے کہا تھا، اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گندھا ہوا آٹا پیش کیا، آپ نے اس آٹے میں اپنا لعاب دہن ڈالا اور برکت کی دعا دی، پھر آپ نے ہماری دیگچی کا قصد کیا اور اس میں اپنا لعاب دہن ڈالا اور برکت کی دعا دی، پھر آپ نے فرمایا روٹی پکانے والی کو بلاؤ وہ میرے سامنے روٹیاں پکائے اور اپنی دیگچی سے سالن پیالوں میں ڈالو اور اس کو چولہے سے مت اتارنا۔ اصحابِ خندق کی تعداد ایک ہزار تھی، میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ان سب نے کھانا کھایا اور بقیہ کھانا چھوڑ کر چلے گئے اور ہماری دیگچی اسی طرح جوش میں تھی اور ہمارے گندھے ہوئے آٹے سے اسی طرح روٹیاں پک رہی تھیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۱۰۲، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۳۹، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۴۳۶۹، سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۳۹۷)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن کھجور کے درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر خطبہ دیتے تھے، انصار کی ایک عورت یا مرد نے کہا یا رسول اللہ! کیا ہم آپ کے لیے منبر نہ بنا دیں۔ آپ نے

فرمایا اگر تم چاہو، انہوں نے آپ کے لیے منبر بنادیا۔ اگلے جمعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر رونق افروز ہوئے، کھجور کا وہ تنا اس طرح چیخ چیخ کر رونے لگا جیسے بچہ چیخ کر روتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اترے اور اس تنے کو اپنے ساتھ لپٹالیا، تو وہ اس طرح رو رہا تھا جس طرح بچہ سسکیاں لے کر روتا ہے جب اس کو تھپکیاں دی جاتی ہیں۔ حضرت جابر نے کہا وہ اس لیے رو رہا تھا کہ وہ اس ذکر کو سنتا تھا جو اس کے پاس کیا جاتا تھا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۸۴)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں مدینہ میں قحط پڑ گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے تو ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا: یارسول اللہ! گائے، بیل اور مویشی ہلاک ہو گئے، بکریاں ہلاک ہو گئیں، آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ وہ ہم پر بارش نازل فرمائے۔ آپ نے ہاتھ پھیلائے اور دعا کی۔ حضرت انس نے کہا اس وقت آسمان شیشے کی طرح صاف تھا پھر ایک دم ہوا چلی اور بادل امنڈ آئے پھر بارش ہونے لگی پھر ہم پانی میں چلتے ہوئے اپنے گھروں کو پہنچے اور اگلے جمعہ تک مسلسل بارش ہوتی رہی اور جمعہ کے دوران وہی شخص تھا یا کوئی اور شخص تھا، اس نے کھڑے ہو کر کہا: یارسول اللہ! گھر منہدم ہو گئے، آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ وہ اس بارش کو روک لے۔ آپ نے فرمایا (بارش) ہمارے گرد و پیش ہو اور ہم پر نہ ہو پھر میں نے بادلوں کی طرف دیکھا تو وہ مدینہ کے گرد سے چھٹ گئے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۸۲، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۵۱۳)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے، آپ کے قریب ایک اعرابی آیا، آپ نے اس سے پوچھا تم کہاں جا رہے ہو؟ اس نے کہا میں اپنے اہل کے پاس جا رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا تمہیں کوئی خبر ہے؟ اس نے پوچھا کیا؟ آپ نے فرمایا کیا تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ ایک ہے اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں؟ اس نے پوچھا آپ کے اس قول کی کون شہادت دے گا؟ آپ نے فرمایا یہ درخت ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس درخت کو بلایا وہ درخت وادی کے ایک کنارے پر تھا، وہ زمین کو چیرتا ہوا آیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا ہو گیا اور اس نے تین مرتبہ اسی طرح کلمۂ شہادت پڑھا جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمۂ شہادت پڑھا تھا پھر وہ واپس اپنی جگہ چلا گیا اور وہ اعرابی اپنی قوم کے پاس چلا گیا اور اس نے کہا اگر میری قوم نے میری بات مان لی تو میں ان کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گا ورنہ میں خود آپ کے پاس آؤں گا اور آپ کے پاس ہی رہوں گا۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۳۵۸۲، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۵۶۶۲، مسند البزار رقم الحدیث: ۲۴۱۱، حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کے راوی، حدیث صحیح کے راوی ہیں)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ میں جا رہا تھا، ہم اس کی بعض جانبوں کے پاس سے گزرے، راستہ میں جو پہاڑ یا جو درخت آپ کے سامنے آتا وہ کہتا تھا السلام علیک یارسول اللہ!

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۲۶، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۱، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۱۵۴-۱۵۳، شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۷۱۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک اعرابی آیا اور کہنے لگا میں کس دلیل سے یہ پہچانوں کہ آپ نبی ہیں؟ آپ نے فرمایا: اگر میں کھجور کے درخت کے اس خوشہ کو بلاؤں اور وہ میرے رسول اللہ ہونے کی شہادت دے؟ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کے اس خوشہ کو بلایا تو وہ خوشہ درخت سے اترا

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر گر گیا۔ آپ نے فرمایا لوٹ جا تو وہ خوشہ لوٹ گیا پس وہ اعرابی مسلمان ہو گیا۔
(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۲۸، الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۱۸۲، مسند احمد ج ۱ ص ۲۲۳، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۴، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۲۶۲۲، المستدرک ج ۲ ص ۶۲۰، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۱۶-۱۵، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۲۳۵۰، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۵۲۳، دلائل النبوۃ لابی نعیم رقم الحدیث: ۲۹۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کے متعلق یہ چند مشہور احادیث ہیں جن کا ہم نے یہاں ذکر کیا ہے ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ امام بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے پانچ جلدوں پر مشتمل ایک کتاب لکھی ہے دلائل النبوۃ جس میں انہوں نے آپ کے معجزات کو جمع کیا ہے۔ امام ابو نعیم متوفی ۴۳۰ھ نے دو جلدوں پر مشتمل ایک کتاب لکھی ہے اور اس کا نام بھی دلائل النبوۃ ہے۔ علامہ یوسف النبہانی متوفی ۱۳۵۰ھ نے حجۃ اللہ علی العالمین کے نام سے ایک بہت ضخیم کتاب لکھی ہے، اس موضوع پر اور بہت کتابیں ہیں۔

معجزہ کی تعریف، معجزہ کی شرائط، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ کا دیگر انبیاء علیہم السلام کے معجزات سے امتیاز، معجزہ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار میں ہونا وغیرہ اور معجزہ کے دیگر اہم مباحث کو ہم نے الاعراف: ۱۰۱ میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ تبیان القرآن ج ۴ ص ۲۴۶-۲۳۶ میں ملاحظہ فرمائیں۔

ولکل قوم ھاد میں ھادی کے متعدد محامل

اس کے بعد اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کو ہدایت دینے والے ہیں۔

آیت کے اس حصہ کا معنی یہ ہے کہ مشرکین جو قرآن مجید اور آپ کے دیگر معجزات کا انکار کرتے ہیں اس کی وجہ سے آپ اپنے دل میں رنج محسوس نہ کریں آپ تو صرف ان کو عذاب الٰہی سے ڈرانے والے ہیں، اور ان کے سینوں میں ایمان کا پیدا کرنا آپ کا منصب نہیں ہے اور نہ یہ آپ کی قدرت میں ہے اور ہر قوم میں ہدایت کو پیدا کرنے والا اللہ عزوجل ہے، آپ کا کام صرف عذاب سے ڈرانا ہے اور ہدایت اللہ کی جانب سے ہے۔ ھادی کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس، سعید بن جبیر، عکرمہ، مجاہد، ضحاک، نخعی وغیرہم نے کہا آپ کا کام ایمان نہ لانے پر مشرکین کو صرف اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرانا ہے اور ان میں ہدایت کو پیدا کرنا یہ صرف اللہ کا کام ہے۔

(۲) حسن، قتادہ، عطاء اور ابن زید نے کہا ھادی سے مراد ہے اسلام کی دعوت دینے والا اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اور آیت کا معنی ہے ہر قوم کا ایک نبی ہوتا ہے جو ان کو عذاب سے ڈراتا ہے۔

(۳) عکرمہ اور ابو الضحیٰ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ھادی ہیں اور معنی یہ ہے: آپ ڈرانے والے ہیں اور ہدایت دینے والے ہیں۔

(۴) اسماعیل بن ابی خالد، ابو صالح، ابو العالیہ اور ابو رافع نے کہا کہ ھادی سے مراد قائد اور امام ہے یعنی آپ صرف عذاب سے ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کا ایک قائد اور امام ہوتا ہے، ابو العالیہ نے ھادی کی تفسیر عمل کے ساتھ کی ہے۔

(۵) سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی انما انت منذر ولکل قوم ھاد تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: اے علی! تم ھادی ہو، میرے بعد تم سے ہدایت پانے والے ہدایت پائیں گے۔

(جامع البیان جز ۱۳ ص ۱۴۲-۱۴۰، تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۷ ص ۲۲۲۶-۲۲۲۴، زاد المسیر ج ۴ ص ۳۰۷)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس آیت کا مصداق قرار دینے کی تحقیق

یہ آخری روایت غایت درجہ کی ضعیف ہے، اس کی سند میں ایک راوی حسن بن حسین انصاری کوفی ہے، حافظ شمس الدین محمد بن احمد الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ اس کے متعلق لکھتے ہیں:

امام ابو حاتم نے کہا الحسن بن الحسین ان کے نزدیک سچا نہیں ہے، یہ رؤساء شیعہ میں سے تھا۔ امام ابن عدی نے کہا اس کی حدیث ثقات کی احادیث کے مشابہ نہیں ہے۔ امام ابن حبان نے کہا یہ اثبات (ثقات) سے ملزقات (مشتبہات) کو روایت کرتا تھا اور مقلوبات کو روایت کرتا تھا (متن اور سند کو الٹ پلٹ کر دیتا تھا)۔ المسعودی نے کہا اس کی روایت حجت نہیں ہے۔ (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۲۳۱-۲۳۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ)

امام عبدالرحمن بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ نے لکھا ہے یہ حدیث رافضیوں کی موضوعات میں سے ہے۔
(زاد المسیر ج ۴ ص ۳۰۷، مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ نے اس حدیث کو امام ابن جریر کی سند سے ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے اس میں شدید نکارت ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۵۵۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۹ھ)

علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں:

ایک فرقہ نے کہا ہے کہ ھادی حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں، اگر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب یہ روایت صحیح ہو تو اس کا محمل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امت کے علماء اور دین کی طرف ہدایت دینے والوں کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نمونہ قرار دیا ہے، گویا کہ آپ نے یوں فرمایا اے علی! تمہاری یہ صفت ہے تاکہ ھادی کے عموم میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور تمام علماء صحابہ رضی اللہ عنہم داخل ہو جائیں اور اسی طرح ہر زمانہ کے علماء داخل ہو جائیں اور اس صورت میں آیت کا معنی اس طرح ہوگا: اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) آپ صرف ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کے لیے خواہ وہ مقدم ہو یا مؤخر، خیر کی طرف ہدایت دینے والے ہوتے ہیں۔ (البحر المحیط ج ۶ ص ۳۵۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۲ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

اگر یہ روایت ثابت ہو تو لکل قوم ھاد میں قوم سے مخصوص قوم مراد ہے یعنی بنو ہاشم، اور امام ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ الھادی بنو ہاشم کا ایک مرد ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۲۱۵۲) اور اس کے بعض راویوں نے کہا اس مرد سے مراد حضرت علی ہیں، اور ان دونوں روایتوں کی اسناد میں بعض شیعہ ہیں، اگر یہ روایت ثابت ہوتی تو اس کے راویوں میں اختلاف نہ ہوتا۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۳۷۶، مطبوعہ لاہور، ۱۴۰۱ھ)

حضرت علی کو خلیفہ بلا فصل قرار دینے کی دلیل کا جواب

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

امام عبداللہ بن احمد نے زوائد مسند میں، امام ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں، امام طبرانی نے المعجم الاوسط میں، حاکم نے المستدرک میں صحت اسناد کے ساتھ اور امام ابن عساکر نے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ حضرت علی نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عذاب سے ڈرانے والے ہیں اور میں ہادی ہوں، اور ایک روایت میں ہے کہ الھادی بنو ہاشم کا ایک مرد ہے۔ یعنی وہ خود۔

اس روایت سے شیعہ نے یہ ثابت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ بلافصل ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ ہم اس حدیث کی صحت کو تسلیم نہیں کرتے' اور اہلِ علم کے نزدیک حاکم کی تصحیح کا اعتبار نہیں ہے' اور اس آیت میں اس مطلوب پر کسی وجہ سے دلیل نہیں ہے' زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہدایت پانے والے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے ہدایت پائیں گے اور یہ مرتبہ ارشاد ہے اور یہ چیز اور ہے اور خلافت اور چیز ہے۔

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ اگر یہ حدیث صحیح ہو تو یہ خلفاء ثلاثہ کی خلافت کی صحت پر دلیل ہے' کیونکہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ حق اور ہدایت کا نمونہ اور معیار قرار پائے اور انہوں نے جس کام کو کیا اور جس کام کو ترک کیا' اس سب میں ہدایت اور حق ہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خوشی سے ان خلفاء کی بیعت کی اور ان کی تعریف و تحسین فرمائی اور ان کی خلافت پر کوئی اعتراض نہیں کیا' لہٰذا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اقتداء کرنا اور اس معاملہ میں ان کے طریقہ کی پیروی کرنا لازم ہے' اور اس کے خلاف کو ثابت کرنا اپنے آپ کو کانٹوں سے زخمی کرنا ہے' اس کے بعد علامہ آلوسی نے علامہ ابوالحیان اندلسی کی عبارت نقل کی ہے۔ علامہ ابوالحیان اندلسی کی عبارت کا تقاضا یہ ہے کہ انہوں نے ھادی کو حضرت علی میں منحصر نہیں کیا بلکہ اس کو عام قرار دیا ہے اور اس کے عموم کی تائید میں یہ حدیث ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں (از خود) نہیں جانتا کہ میری بقا تم میں کب تک ہے؟ پس تم ان لوگوں کی اقتداء کرنا جو میرے بعد ہیں' آپ نے ابوبکر اور عمر کی طرف اشارہ کیا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۶۳' الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۳۳۴' مسند احمد ج ۵ ص ۳۹۹' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۹۰۲)

اور اس کے علاوہ اور احادیث ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کے علاوہ دوسرے اصحاب کو بھی ھادی فرمایا ہے: (مثلاً یہ حدیثیں ہیں:)

حضرت عبدالرحمٰن بن عمیرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! معاویہ کو ہادی اور مہدی بنا اور اس کے سبب سے ہدایت دے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۸۴۲' الطبقات الکبریٰ ج ۷ ص ۴۱۸' مسند احمد ج ۴ ص ۲۱۶' تاریخ بغداد ج ۱ ص ۲۰۷' حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۳۵۸' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۶۶۰' الاحادیث الصحیحہ للالبانی رقم الحدیث: ۳۰۱۸)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے اپنے رب سے میرے بعد میرے اصحاب کے اختلاف کے متعلق سوال کیا تو میری طرف یہ وحی کی گئی اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم) آپ کے اصحاب میرے نزدیک آسمان کے ستاروں کی طرح ہیں' ان میں سے بعض' بعض دوسروں سے قوی ہیں' اور ان میں ہر ایک کے لیے نور ہے' پس جس شخص نے ان کے باہمی اختلاف کے باوجود جس کے قول پر بھی عمل کیا وہ ہدایت پر ہوگا' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے تمام اصحاب ستاروں کی مانند ہیں تم نے ان میں سے جس کی بھی اقتداء کی تم ہدایت پالوگے! اس حدیث کو رزین نے روایت کیا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۶۰۱۸' مطبوعہ دار ارقم بیروت)

اس بحث کے اخیر میں علامہ آلوسی لکھتے ہیں: اور میرا گمان یہ ہے کہ تم حضرت ابن عباس کی طرف منسوب اس روایت کی تاویل کرنے میں اپنے ذہن کو مشقت میں نہیں ڈالوگے اور تمہارے لیے یہ کافی ہے کہ تم اس حدیث کے صحیح نہ ہونے کی وجہ سے اس کو قبول نہیں کروگے اور قرآن کریم کی اس آیت میں اس روایت کی کوئی تائید نہیں ہے۔

(روح المعانی جز ۱۳ ص ۱۵۵-۱۵۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۷ھ)
علماء شیعہ نے اس آیت سے یہ استدلال بھی کیا ہے کہ ہر زمانہ میں امام کا ہونا ضروری ہے، اس کا تفصیلی بیان البقرہ: ۱۲۴ میں ملاحظہ فرمائیں۔

اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا
ہر مادہ کے حمل کو اللہ ہی جانتا ہے، اور ہر رحم میں جو کمی اور زیادتی ہوتی ہے اس کو بھی

تَزْدَادُ ۭ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ۝ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ
وہی جانتا ہے، اور ہر چیز کا اس کے نزدیک ایک اندازہ ہے ○ وہ ہر غیب اور ہر ظاہر کو جاننے والا ہے،

الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ۝ سَوَاۗءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ
سب سے بڑا نہایت بلند ہے ○ تم میں سے کوئی آہستہ سے بات کرتا ہے یا زور سے بولتا ہے،

جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۢ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ۝
وہ رات کو چھپ جائے یا دن میں چلنے والا ہو اس کے علم میں برابر ہے ○

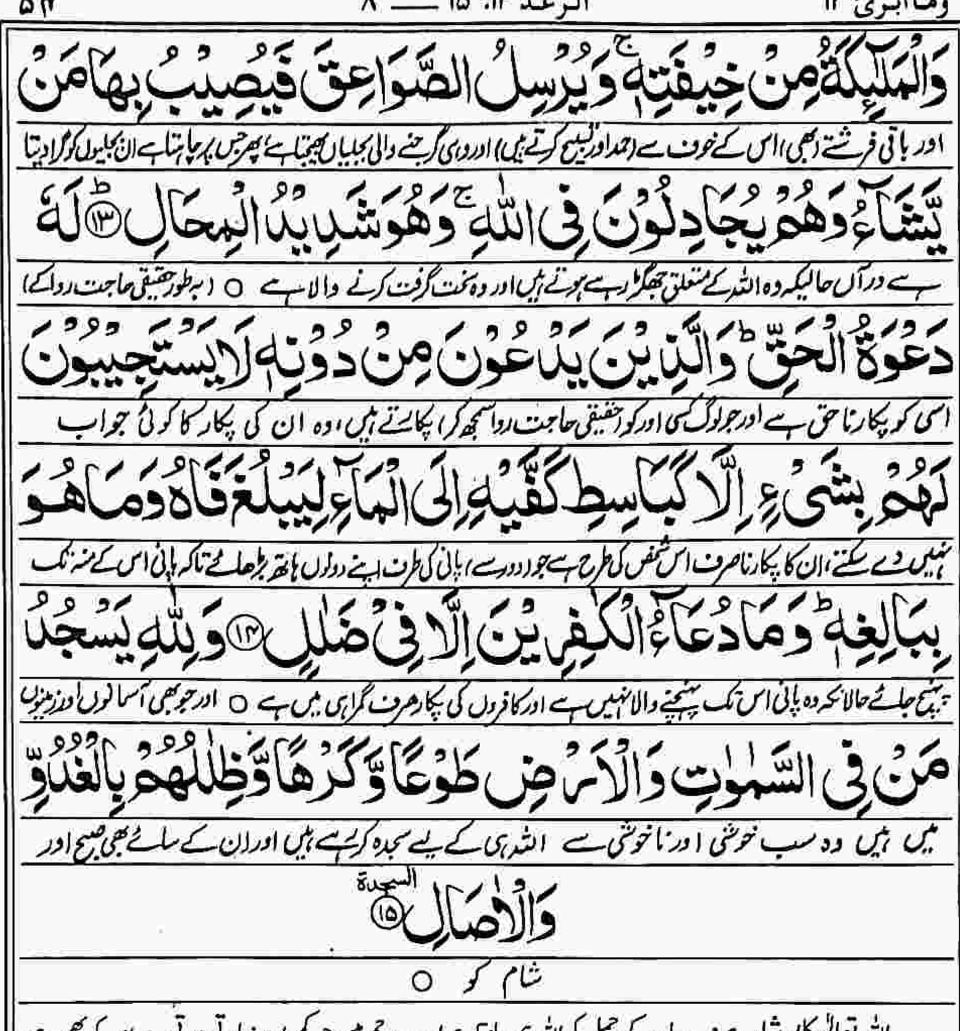
لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ
اس کے لیے باری باری آنے والے محافظ فرشتے ہیں جو اللہ کے حکم سے اس کے سامنے سے اور اس کے

مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا
پیچھے سے اس کی حفاظت کرتے ہیں، بے شک اللہ کسی قوم کی نعمت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ وہ

بِاَنْفُسِهِمْ ۭ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْۗءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ
اپنی حالت کو نہ بدل دیں، اور جب اللہ کسی قوم کو مصیبت میں ڈالنے کا ارادہ کرے تو کوئی اس کو روکنے والا نہیں ہے، اور اس

مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ۝ هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا
کے سوا ان کا کوئی مددگار نہیں ہے ○ وہی ہے جو تم کو (کبھی) ڈرانے کے لیے اور (کبھی) امید دلانے کے لیے بجلی

وَّطَمَعًا وَّيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ۝ وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ
کی چمک دکھاتا ہے اور بھاری بادل پیدا کرتا ہے ○ بادل پر معین فرشتہ اس کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتا ہے



وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ ۚ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ

اور باقی فرشتے (بھی) اس کے خوف سے (حمد اور تسبیح کرتے ہیں) اور وہی گرجنے والی بجلیاں بھیجتا ہے پھر جس پر چاہتا ہے ان بجلیوں کو گرا دیتا

يَّشَآءُ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِى اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ﴿۱۳﴾ لَهٗ

ہے درآں حالیکہ وہ اللہ کے متعلق جھگڑ رہے ہوتے ہیں اور وہ سخت گرفت کرنے والا ہے ○ (بہ طور حقیقی حاجت روا کے)

دَعْوَةُ الْحَقِّ ؕ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ

اسی کو پکارنا حق ہے اور جو لوگ کسی اور کو (حقیقی حاجت روا سمجھ کر) پکارتے ہیں، وہ ان کی پکار کا کوئی جواب

لَهُمْ بِشَىْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ

نہیں دے سکتے، ان کا پکارنا صرف اس شخص کی طرح ہے جو (دور سے) پانی کی طرف اپنے دونوں ہاتھ بڑھائے تاکہ پانی اس کے منہ تک

بِبَالِغِهٖ ؕ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِىْ ضَلٰلٍ ﴿۱۴﴾ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ

پہنچ جائے حالانکہ وہ پانی اس تک پہنچنے والا نہیں ہے اور کافروں کی پکار صرف گمراہی میں ہے ○ اور جو بھی آسمانوں اور زمینوں

مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ

میں ہیں وہ سب خوشی اور ناخوشی سے اللہ ہی کے لیے سجدہ کر رہے ہیں اور ان کے سائے بھی صبح اور

وَالْاٰصَالِ ﴿۱۵﴾ السجدة

شام کو ○

السجدۃ ۲

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہر مادہ کے حمل کو اللہ ہی جانتا ہے اور ہر رحم میں جو کمی اور زیادتی ہوتی ہے اس کو بھی وہی جانتا ہے، اور ہر چیز کا اس کے نزدیک ایک اندازہ ہے ○ (الرعد: ۸)

مشکل الفاظ کے معانی

وما تحمل کل انثی: ہر حاملہ کے پیٹ میں جو کچھ ہے اس کا اللہ ہی کو علم ہے کہ وہ زندہ ہے یا مُردہ ہے، اس کے اعضاء کامل اور سلامت ہیں یا وہ ناقص الخلقت ہے، وہ مذکر ہے یا مونث ہے، وہ ایک ہے یا متعدد، اس کی صفات کیسی ہیں، وہ خوب صورت ہے یا بد صورت۔ الٹرا ساؤنڈ اور دیگر آلات سے بھی آج کل معلوم ہو جاتا ہے کہ پیٹ میں کیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا علم بغیر آلات کے ہے، بلاواسطہ ہے، قدیم اور واجب ہے، غیر ممکن الزوال ہے، ازلی، ابدی اور سرمدی ہے، غیر متناہی ہے اور انتہائی کامل ہے۔

وما تغیض الارحام وما تزداد: عورت کے پیٹ کا وہ حصہ جس میں بچہ پیدا ہوتا ہے اس کو بچہ دانی اور رحم کہتے

ہیں- غیض کے معنی ہیں کسی چیز کی جسامت یا اس کے زمانہ کا کم ہونا' یعنی پیٹ میں بچہ کی جسامت کم ہے یا زیادہ ہے یا وہ کم مدت پیٹ میں رہا یا زیادہ مدت' یا پیٹ میں ایک بچہ ہے یا کئی بچے ہیں-

وکل شیء عندہ بمقدار: یعنی ہر چیز کا اللہ کے نزدیک ایک اندازہ ہے' اس کی مدت حیات کتنی ہے' اس کا رزق کتنا ہے اور وہ اپنے اختیار سے نیک عمل کرے گا یا بُرے کام کرے گا۔

آیاتِ سابقہ سے مناسبت

اس آیت کی سابقہ آیتوں سے دو طرح مناسبت ہو سکتی ہے:

(۱) اس سے پہلے الرعد: ۷ میں یہ فرمایا تھا کہ کافروں نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر طعن کرتے ہوئے یہ کہا کہ ان پر ان کے رب کی طرف سے کوئی معجزہ کیوں نہیں نازل کیا گیا' اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کے جواب کی طرف اشارہ فرمایا ہے- اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کا ذکر فرمایا ہے کہ ہر حاملہ کے پیٹ میں جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے' وہ ہر چھپی ہوئی اور ظاہر چیز کو جانتا ہے' اس کو کفار کے دلوں اور ان کی نیتوں کے حال کا بھی علم ہے' وہ جانتا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کیے ہوئے معجزات کے علاوہ یہ اپنے دیگر فرمائشی معجزات کو جو طلب کر رہے ہیں آیا وہ واقعی ہدایت کے طلب گار ہیں اور اپنے اطمینان کے لیے ان معجزات کو طلب کر رہے ہیں یا محض ضد' عناد اور کٹ حجتی کے طور پر ان معجزات کو طلب کر رہے ہیں' اور آیا ان معجزات سے ان کو ہدایت حاصل ہو گی یا ان کے انکار اور کفر پر اصرار میں اور اضافہ ہو گا' پس اگر اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ ہوتا کہ انہوں نے صدق دل سے طلب ہدایت کے لیے ان معجزات کو طلب کیا ہے تو اللہ تعالیٰ ضرور ان کے فرمائشی معجزات نازل کر دیتا لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ علم تھا کہ یہ محض عناد اور سرکشی کے لیے ان معجزات کو طلب کر رہے ہیں اور ان کی نیت صحیح اور صادق نہیں ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان معجزات کو نازل نہیں فرمایا بلکہ ان کو نازل کرنے سے منع فرما دیا۔

(۲) اس سے پہلے الرعد: ۵ میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا تھا کہ کافر مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کا انکار کرتے ہیں' اور ان کو اس میں یہ شک ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد جب ان کا جسم بوسیدہ ہو کر مٹی ہو جائے گا اور مٹی مٹی میں مل کر بکھر جائے گی' اور ان کی مٹی دوسرے مُردہ اجسام کی مٹی سے مل کر خلط ملط ہو جائے گی اور فضا میں یہ ذرات کہیں سے کہیں پہنچ جائیں گے تو تمام دنیا میں بکھرے ہوئے یہ ذرات کیسے مجتمع ہوں گے اور کیسے ایک دوسرے سے ممتاز ہوں گے- اللہ تعالیٰ اس آیت میں ان کے اس شبہ کا ازالہ فرماتا ہے' اس کا خلاصہ یہ ہے کہ فضاء بسیط میں بکھرے ہوئے ان خلط ملط ذرات کو باہم ممتاز اور متمیز کرنا اور یہ جاننا کہ یہ فلاں شخص کے جسم کا ذرہ ہے اور یہ فلاں شخص کے جسم کا ذرہ ہے اس شخص کے لیے دشوار ہو سکتا ہے جس کا علم ناقص ہو' جو غیب اور شہادت کا جاننے والا نہ ہو' اللہ تعالیٰ کی شان تو یہ ہے کہ وہ ہر غیب اور ہر شہادت کا عالم ہے' ماں کے پیٹ میں بچہ جن ادوار' احوال اور کیفیات سے گزرتا ہے' اسے اس کے ہر دور' ہر حال اور ہر کیفیت کا علم ہوتا ہے تو اس کے لیے ان مُردہ اجسام کے ذرات کو پہچاننا کیا مشکل ہے اور یہ اس کے لیے کیونکر مستبعد ہے!

رحم میں کمی اور زیادتی کے محامل

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے: اور ہر رحم میں جو کمی اور زیادتی ہوتی ہے اس کو بھی وہی جانتا ہے' اس کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) ضحاک' سعید بن جبیر' مقاتل' ابن قتیبہ اور زجاج نے کہا ہے اور حضرت عباس سے بھی ایک تفسیر اسی طرح منقول

ہے کہ جو بچہ رحم میں نو مہینہ سے کم رہتا ہے یا نو ماہ سے زیادہ رہتا ہے۔

(۲) حضرت ابن عباس کی دوسری روایت اور حسن بصری کا قول یہ ہے کہ کمی سے مراد ناتمام اور ناقص بچہ اور زیادتی سے مراد ہے کامل اور تمام بچہ۔

(۳) مجاہد نے کہا: کمی سے مراد ہے ایام حمل میں جو خون بہہ جاتا ہے اور حمل ساقط ہو جاتا ہے اور زیادتی سے مراد ہے جب خون حمل میں ٹھہر جائے اور گوشت اور پوست سے بچہ مکمل ہو جائے۔

(جامع البیان جز ۱۳ ص ۱۴۸۔۱۴۴ ملتقطاً، زاد المسیر ج ۴ ص ۳۰۸)

حمل کی کم سے کم مدت اور زیادہ سے زیادہ مدت میں مذاہب فقہاء

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

فقہاء احناف کے نزدیک حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ اور زیادہ سے زیادہ حمل کی مدت دو سال ہے اور اس کے دلائل حسب ذیل احادیث ہیں:

امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابن الاسود الدیلمی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک عورت لائی گئی جس سے چھ ماہ کے بعد بچہ پیدا ہوا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو رجم کرنے کا اشارہ کیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ تک یہ بات پہنچی تو انہوں نے فرمایا اس کو سنگسار نہیں کیا جائے گا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلوایا اور ان سے اس کی دلیل پوچھی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کی یہ دو آیتیں پڑھیں:

وَالْوٰلِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ

اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال تک دودھ پلائیں یہ اس کے لیے ہے جو دودھ پلانے کی مدت پوری کرنا چاہے۔

(البقرہ: ۲۳۳)

وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ؕ

اور (ماں کا) حمل اور دودھ چھڑانا تیس ماہ میں ہے۔

(الاحقاف: ۱۵)

پس چھ ماہ میں اس کا حمل ہے اور دو سال اس کے دودھ پلانے کی مدت ہے لہٰذا اس عورت پر رجم نہیں ہے۔

(سنن کبریٰ ج ۷ ص ۴۴۲، مطبوعہ نشر السنہ ملتان)

اور امام علی بن عمر الدار قطنی المتوفی ۳۸۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا عورت کے حمل کی مدت دو سال سے بس اتنی زائد ہے جتنا چرخے کی لکڑی کا سایہ ہوتا ہے۔ (یعنی بہت کم) (سنن دار قطنی ج ۳ ص ۲۲۱، رقم الحدیث: ۳۲۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ)

اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت چار سال ہے، ان کے دلائل یہ ہیں:

امام علی بن عمر دار قطنی متوفی ۳۸۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ولید بن مسلم روایت کرتے ہیں کہ میں نے امام مالک بن انس سے کہا کہ مجھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث پہنچی ہے کہ عورت کے حمل کی مدت دو سال سے بس اتنی زائد ہے جتنا چرخے کی لکڑی کا سایہ ہوتا ہے، امام مالک نے کہا سبحان اللہ! یہ کون کہہ سکتا ہے! محمد بن عجلان کی بیوی ہماری پڑوسن ہے وہ سچی عورت ہے، اس کا خاوند محمد بن عجلان بھی سچا

ہے اس کو بارہ سال میں تین حمل ہوئے اور ہر حمل کی مدت چار سال تھی۔

(سنن دار قطنی ج ۳ ص ۲۲۲، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۴۴۳)

علامہ شامی اس حدیث کے جواب میں لکھتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول امام مالک کے قول پر مقدم ہے، کیونکہ اس مدت کو قیاس سے نہیں جانا جا سکتا، ضرور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہو گا، نیز امام مالک تک اس قول کی نسبت صحت سے ثابت نہیں ہے، اور اس قول میں خطا کی گنجائش ہے۔ ہو سکتا ہے کہ دو سال یا اس سے زیادہ تک اس پر طہر کا زمانہ رہا ہو اور اس کے بعد وہ حاملہ ہوئی ہو اور اس نے یہ گمان کر لیا ہو کہ یہ چار سال کا حمل ہے۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۱۸۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ ہر غیب اور ہر ظاہر کو جاننے والا ہے، سب سے بڑا نہایت بلند ہے○ (الرعد: ۹)

غیب کا لغوی اور اصطلاحی معنی

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

جب کوئی چیز آنکھوں سے چھپ جائے تو اس کو غیب اور غائب کہتے ہیں، قرآن مجید میں ہے:

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَآ أَرَى الْهُدْهُدَ أَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ○ (النمل: ۲۰)

(سلیمان نے) پرندوں کی تفتیش کی تو کہا مجھے کیا ہوا کہ میں ہدہد کو نہیں دیکھ رہا یا وہ (حقیقت میں) غائب ہے۔

غیب کا لفظ ہر اس چیز کے متعلق استعمال ہوتا ہے جو انسان کے علم اور اس کے حواس سے غائب ہو، قرآن مجید میں ہے:

وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ○ (النمل: ۷۵)

اور آسمان اور زمین میں جو بھی چھپی ہوئی چیز ہے وہ کتاب مبین (لوح محفوظ) میں مذکور ہے○

غیب اور غائب کا اطلاق لوگوں کے اعتبار سے کیا جاتا ہے، نہ کہ اللہ تعالیٰ کے اعتبار سے، کیونکہ آسمانوں اور زمینوں کا کوئی ذرہ اللہ سے غائب نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: عالم الغیب والشھادۃ۔ (الانعام: ۷۳) یعنی جو چیزیں تم سے غائب ہیں اور جو چیزیں تمہارے سامنے حاضر ہیں وہ ان سب کا جاننے والا ہے۔

اور یؤمنون بالغیب۔ (البقرہ: ۳) میں غیب کا اصطلاحی معنی مراد ہے، اور وہ یہ ہے جو چیز حواس خمسہ اور بداہت عقل سے معلوم نہ ہو وہ غیب ہے، اور غیب کا علم صرف انبیاء علیہم السلام کے خبر دینے اور ان کے بتانے سے ہوتا ہے۔

(المفردات ج ۱ ص ۴۷۵، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

اللہ تعالیٰ کے علم کی وسعت اور اس کی خصوصیات

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ کو تمام موجودات واجبہ، ممکنہ اور معدومات ممکنہ اور ممتنعہ کا علم ہے، اور امام الحرمین نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو غیر متناہی چیزوں کا علم ہے اور ان غیر متناہی چیزوں میں سے ہر چیز کا غیر متناہی وجوہ سے علم ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۷ ص ۱۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ اللہ تعالیٰ کے علم کے متعلق لکھتے ہیں:

اصل یہ ہے کہ کسی علم کی حضرت عزوجل سے تخصیص اور اس کی ذات پاک میں حصر اور اس کے غیر سے مطلقاً نفی چند وجہ پر ہے: اول علم کا ذاتی ہونا کہ بذات خود بے عطائے غیر ہو۔ دوم علم کا غنا کہ کسی آلہ و جارحہ و تدبیر و فکر و نظر و التفات و

انفعال کا اصلاً محتاج نہ ہو۔ سوم علم کا سرمدی ہونا کہ ازلاً ابداً ہو۔ چہارم علم کا وجوب کہ کسی طرح اس کا سلب ممکن نہ ہو۔ پنجم علم کا ثبات و استمرار کہ کبھی کسی وجہ سے اس میں تغیر، تبدل، فرق، تفاوت کا امکان نہ ہو۔ ششم علم کا اقصیٰ غایت کمال پر ہونا کہ معلوم کی ذات، ذاتیات، اعراض، احوال لازمہ، مفارقہ، ذاتیہ، اضافیہ، ماضیہ، آتیہ، موجودہ، ممکنہ سے کوئی ذرہ کسی وجہ پر مخفی نہ ہو سکے، ان چھ وجہ پر مطلق علم حضرت احدیت جل وعلا سے خاص اور اس کے غیر سے قطعاً مطلقاً منفی یعنی کسی کو کسی ذرہ کا ایسا علم جو ان چھ وجوہ میں سے ایک وجہ بھی رکھتا ہو حاصل ہونا ممکن نہیں جو کسی غیر الٰہی کے لیے عقول مفارقہ ہوں خواہ نفوس ناطقہ ایک ذرہ کا ایسا علم ثابت کرے یقیناً اجماعاً کافر مشرک ہے۔ (الصمصام ص ۷-۶، مطبوعہ بزم عاشقان مصطفیٰ لاہور، ۱۴۱۲ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تم میں سے کوئی آہستہ سے بات کرتا ہے یا زور سے بولتا ہے، وہ رات کو چھپ جائے یا دن میں چلنے والا ہو اس کے علم میں برابر ہے۔ (الرعد: ۱۰)

مشکل الفاظ کے معانی اور آیت سابقہ سے ربط

مستخف کے معنی ہیں چھپا ہوا اور سارب کے معنی ہیں: گلیوں میں پھرنے والا، راستہ میں چلنے والا، یہاں مراد ہے جو راستہ میں علانیہ اور کھلم کھلا چلنے والا ہو۔

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا اللہ تعالیٰ غیب اور شہادت، اور مخفی اور ظاہر ہر چیز کا جاننے والا ہے اور اس آیت میں فرمایا خواہ کوئی شخص آہستہ سے بات کرے یا زور سے بولے، وہ رات کو چھپا ہوا ہو یا دن میں سب کے سامنے اپنے راستہ پر جا رہا ہو اللہ کے علم میں سب برابر ہے اور اس کی دلیل پہلی آیت میں بیان فرما دی کیونکہ وہ ہر غیب اور ہر شہادت کو جاننے والا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا لوگ کسی بات کو اپنے دلوں میں چھپا لیں یا زبان سے اس کا اظہار کر دیں، اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔ مجاہد نے کہا کوئی شخص رات کے اندھیروں میں چھپ کر برے کام کرے یا دن کے اجالے میں سب کے سامنے برے کام کرے اللہ تعالیٰ کے علم میں برابر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس کے لیے باری باری آنے والے محافظ فرشتے ہیں جو اللہ کے حکم سے اس کے سامنے سے اور اس کے پیچھے سے اس کی حفاظت کرتے ہیں، بے شک اللہ کسی قوم کی نعمت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ وہ اپنی حالت کو نہ بدل دیں، اور جب اللہ کسی قوم کو مصیبت میں ڈالنے کا ارادہ کرے تو کوئی اس کو روکنے والا نہیں ہے، اور اس کے سوا ان کا کوئی مددگار نہیں ہے ○ (الرعد: ۱۱)

معقبات کے متعدد محامل

معقبات کے معنی ہیں: ایک دوسرے کے پیچھے آنے والے اور جمہور مفسرین کے نزدیک اس سے مراد رات اور دن کے فرشتے ہیں، رات کے فرشتے آتے ہیں تو دن کے فرشتے چلے جاتے ہیں اور دن کے فرشتے آتے ہیں تو رات کے فرشتے چلے جاتے ہیں۔ حدیث میں ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے تمہارے پاس آگے پیچھے آتے ہیں اور فجر کی نماز میں اور عصر کی نماز میں جمع ہو جاتے ہیں، پھر جن فرشتوں نے تمہارے پاس رات گزاری تھی وہ اوپر جاتے ہیں تو ان سے ان کا رب پوچھتا ہے حالانکہ وہ ان سے زیادہ جاننے والا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا تھا، وہ کہتے ہیں کہ ہم نے جب ان کو چھوڑا تو وہ نماز پڑھ رہے تھے اور جب ہم ان کے پاس پہنچے تھے اس وقت بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۵۵، صحیح مسلم رقم الحدیث:۶۳۲، سنن النسائی رقم الحدیث:۴۸۷-۴۸۶، الموطا رقم الحدیث:۴۱۳)

اس آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ معقبات سے مراد وہ فرشتے ہیں جو انسان کے دائیں بائیں ہوتے ہیں۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

کنانہ عدوی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے بتائیے کہ بندے کے ساتھ کتنے فرشتے ہوتے ہیں؟ آپ نے فرمایا! ایک فرشتہ تمہاری دائیں جانب تمہاری نیکیوں پر مقرر ہوتا ہے اور یہ بائیں جانب والے فرشتے پر امیر (حاکم) ہوتا ہے، جب تم ایک نیکی کرتے ہو تو اس کی دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور جب تم ایک برائی کرتے ہو تو بائیں جانب والا فرشتہ دائیں جانب والے فرشتے سے پوچھتا ہے، میں لکھ لوں؟ وہ کہتا ہے نہیں! ہو سکتا ہے یہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے اور توبہ کرلے! جب وہ تین مرتبہ پوچھتا ہے تو وہ کہتا ہے ہاں لکھ لو! ہمیں اللہ تعالیٰ اس سے راحت میں رکھے، یہ کیسا برا ساتھی ہے یہ اللہ کے متعلق کتنا کم سوچتا ہے! اور یہ اللہ سے کس قدر کم حیا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مایلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید۔ (ق:۱۸) "وہ زبان سے جو بات بھی کہتا ہے تو اس کے پاس ایک نگہبان لکھنے کے لیے تیار ہوتا ہے۔" اور دو فرشتے تمہارے سامنے اور تمہارے پیچھے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لہ معقبات من بین یدیہ ومن خلفہ یحفظونہ من امر اللہ۔ (الرعد:۱۱) "اس کے لیے باری باری آنے والے محافظ فرشتے ہیں جو اللہ کے حکم سے اس کے سامنے سے اور اس کے پیچھے سے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔" اور ایک فرشتہ ہے جس نے تمہاری پیشانی کو پکڑا ہوا ہے جب تم اللہ کے لیے تواضع کرتے ہو تو وہ تمہیں سربلند کرتا ہے اور جب تم اللہ کے سامنے تکبر کرتے ہو تو وہ تمہیں ہلاک کر دیتا ہے، اور دو فرشتے تمہارے ہونٹوں پر ہیں وہ تمہارے لیے صرف محمد پر صلوٰۃ کی حفاظت کرتے ہیں اور ایک فرشتہ تمہارے منہ پر مقرر ہے وہ تمہارے منہ میں سانپ کو داخل ہونے نہیں دیتا، اور دو فرشتے تمہاری آنکھوں پر مقرر ہیں، ہر آدمی پر یہ دس فرشتے مقرر ہیں، رات کے فرشتے دن کے فرشتوں پر نازل ہوتے ہیں کیونکہ رات کے فرشتے دن کے فرشتوں کے علاوہ ہیں، ہر آدمی پر یہ بیس فرشتے مقرر ہیں اور ابلیس دن میں ہوتا ہے اور اس کی اولاد رات میں ہوتی ہے۔

(جامع البیان رقم الحدیث:۱۵۳۴۲، تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۵۵۸-۵۵۷، الدر المنثور ج ۴ ص ۶۱۶-۶۱۵)

نیز امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ ہر بندے کے ساتھ ایک فرشتہ مقرر ہے جو نیند اور بیداری میں اس کی جنات، انسانوں اور حشرات الارض سے حفاظت کرتا ہے، سوا اس چیز کے جو اللہ کے اذن سے اس کو پہنچتی ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث:۱۵۳۶۹)

ابو مجلز بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص مراد (ایک جگہ) سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، وہ اس وقت نماز پڑھ رہے تھے۔ اس نے کہا آپ اپنی حفاظت کرلیں کیونکہ مراد کے لوگ آپ کے قتل کی سازش کر رہے ہیں۔ حضرت علی نے فرمایا تم میں سے ہر شخص کے ساتھ دو فرشتے ہیں جو ان مصائب سے تمہاری حفاظت کرتے ہیں جو تمہارے لیے مقدر نہیں کیے گئے اور جب تقدیر آجاتی ہے تو وہ مصائب کا راستہ چھوڑ دیتے ہیں اور موت بہت مضبوط ڈھال ہے۔

(جامع البیان رقم الحدیث:۱۵۳۷۱)

امام ابن ابی حاتم نے عطا سے روایت کیا ہے کہ یہ کراماً کاتبین ہیں جو اللہ کی طرف سے ابن آدم کی حفاظت کرنے والے فرشتے ہیں۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:۱۲۱۸۸)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ، امام عبدالرحمن بن محمد ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ، امام الحسین بن مسعود بغوی متوفی ۵۱۶ھ اور حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ معقبات سے مراد وہ فرشتے ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رات اور دن میں نقصان پہنچانے والوں سے حفاظت کرتے ہیں پھر انہوں نے دو یہودی شخصوں عامر بن الطفیل اور اربد بن ربیعہ کا قصہ بیان کیا ہے جنہوں نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہلاک کرنے کی ناکام کوشش کی تھی۔ اس کو ہم نے تفصیل سے اس سورت کے تعارف میں ذکر کر دیا ہے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۵۳۷۴، تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۲۱۹۳، معالم التنزیل ج ۳ ص ۶-۷، الدرالمنثور ج ۴ ص ۶۱۷-۶۱۶)

من امر اللہ کا معنی یہ ہے کہ فرشتے اللہ کے حکم سے اور اس کی اعانت سے انسان کی حفاظت کرتے ہیں، کیونکہ فرشتوں میں ازخود یہ طاقت اور قدرت نہیں ہے کہ کسی انسان کی آفات اور مصائب سے حفاظت کریں اور نہ کسی اور مخلوق میں یہ طاقت ہے کہ وہ کسی کی مصائب سے حفاظت کر سکے، مگر جس کو اللہ تعالیٰ یہ قدرت اور طاقت عطا فرمائے۔

فرشتوں کو انسانوں پر مامور کرنے کی وجوہات اور حکمتیں

فرشتوں کو جو انسانوں پر مقرر کیا گیا ہے اس کی متعدد وجوہات اور حکمتیں ہیں:

(۱) شیاطین انسانوں کو برے کاموں اور گناہوں کی طرف راغب کرتے ہیں اور یہ فرشتے انسانوں کو نیک کاموں اور عبادات کی طرف راغب کرتے ہیں۔

(۲) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے ہر شخص کے ساتھ ایک جن اور ایک فرشتہ مقرر کیا گیا ہے، صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ کے ساتھ بھی! آپ نے فرمایا ہاں میرے ساتھ بھی، لیکن اللہ نے اس کے خلاف میری مدد فرمائی وہ مجھے نیکی کے سوا کوئی مشورہ نہیں دیتا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۱۴، مسند احمد ج ۱ ص ۳۹۷، طبع قدیم، مسند احمد رقم الحدیث: ۳۶۹۷ عالم الکتب، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۷۳۷، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۵۱۴۳، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۶۵۸)

(۳) ہم دیکھتے ہیں کہ انسان کے دل میں کبھی بغیر کسی ظاہری سبب کے کسی کام کی قوی تحریک پیدا ہوتی ہے اور پھر انجام کار یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کام میں اس کے لیے نیکی اور خیر ہے اور کبھی انجام کار اس پر منکشف ہوتا ہے کہ اس کام میں اس کے لیے آفت اور مصیبت ہے اور یہ کام فی نفسہ معصیت ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ پہلے کام کا محرک اس کے حق میں خیر اور نیکی کا ارادہ کرنے والا تھا اور وہی فرشتہ ہے اور دوسرے کام کا محرک اس کے حق میں برائی اور گناہ کا ارادہ کرنے والا تھا اور وہی گمراہ کرنے والا اور شیطان ہے۔

(۴) انسان کو جب یہ علم ہوگا کہ فرشتے اس کی نیکیوں اور برائیوں کو لکھ لیتے ہیں تو وہ گناہوں کا ارتکاب کرنے سے ڈرے گا۔

(۵) فرشتے جن نیکیوں اور برائیوں کو لکھتے ہیں ان کے رجسٹروں کا قیامت کے دن میزان میں وزن کیا جائے گا اور جس کی نیکیوں کا پلڑا جھکا ہوا ہوگا اس کی آسانی سے نجات ہو جائے گی۔ قرآن مجید میں ہے:

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ؕ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ

اور ہم قیامت کے دن انصاف کی ترازو (میں اعمال ناموں کو) رکھیں گے، پس کسی شخص پر بالکل ظلم نہیں ہوگا، اور

مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ؕ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ○ (الانبیاء: ۴۷)

اگر (کسی کا عمل) رائی کے دانہ کے برابر ہو تو ہم اسے (بھی) لے آئیں گے اور ہم حساب لینے میں کافی ہیں۔

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ۣالْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ○ (الاعراف: ۹-۸)

اس دن اعمال کا وزن کرنا برحق ہے، پھر جن (کی نیکیوں) کے پلڑے بھاری ہوئے سو وہی کامیاب ہونے والے ہیں ○ اور جن (کی نیکیوں) کے پلڑے ہلکے ہوئے سو یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنی جانوں کو خسارہ میں مبتلا کیا، کیونکہ وہ ہماری آیتوں کے ساتھ ظلم کرتے تھے ○

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو کلمے ایسے ہیں جو اللہ کو محبوب ہیں، زبان پر (پڑھنے میں) ہلکے ہیں اور میزان میں بھاری ہیں: سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۵۶۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۹۴، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۶۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۰۶، مسند احمد رقم الحدیث: ۷۱۶۷، عالم الکتب، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۲۸۸، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۸۳۱، ۸۴۱، شرح السنہ رقم الحدیث: ۱۲۶۴)

(۶) جب انسان کو مسلسل یہ تجربہ ہوگا کہ اس کے دل میں نیکی کرنے اور گناہ سے بچنے کی زبردست تحریک پیدا ہوتی ہے پھر اچانک اس پر شہوت کا غلبہ ہوتا ہے اور اس کا سارا منصوبہ دھرے کا دھرارہ جاتا ہے اور وہ گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے تو پھر اس پر یہ منکشف ہوتا ہے کہ فرشتے اس کے دل میں نیکی کے دواعی اور محرکات پیدا کرتے ہیں لیکن تقدیر کے آگے ان کا بس نہیں چلتا اور جب فرشتے قضاء وقدر کے آگے مجبور ہیں، سلاطین، حکام اور سرمایہ دار لوگ جو اپنی جان اور مال کی حفاظت کے قوی انتظامات کرتے ہیں لیکن اگر تقدیر میں ان کی جان و مال کا نقصان ہونا ہو تو سارے انتظام دھرے رہ جاتے ہیں اور تقدیر غالب آجاتی ہے۔ امریکہ کے صدر کی حفاظت سے بڑھ کر اور دنیاوی انتظام کیا ہو سکتا ہے لیکن امریکہ کے صدر جان ایف کینیڈی کو گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا، اندرا گاندھی کو اس کے معتمد محافظوں نے گولی مار کر ہلاک کر دیا اور بنگلہ دیش کے صدر شیخ مجیب الرحمن کو اس کے حفاظتی حصار سے نکال کر گولی مار دی گئی۔ اس معنی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ○ (الرعد: ۱۱)

اور اللہ جب کسی قوم کو مصیبت میں ڈالنے کا ارادہ کرے تو اس کو کوئی رد کرنے والا نہیں ہے اور اس کے سوا کوئی ان کا مددگار نہیں ہے ○

تقدیر تو اٹل ہے لیکن ہمارا یہ منشاء نہیں ہے کہ حفاظت کے اسباب کو بالکل اختیار نہیں کرنا چاہیے بلکہ ان اسباب پر تکیہ نہیں کرنا چاہیے۔

نعمت کی ناقدری کرنے والوں سے اللہ کا نعمت واپس لینا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک اللہ کسی قوم کی نعمت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ وہ اپنی حالت کو نہ بدل دیں۔

یعنی اللہ تعالیٰ کسی قوم کو آزادی، سلامتی، استحکام، خوش حالی اور عافیت کی نعمت عطا فرماتا ہے اور وہ نعمت ان سے اس وقت تک سلب نہیں فرماتا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مسلسل نافرمانی کر کے اپنے آپ کو اس نعمت کا نااہل ثابت نہیں کر دیتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلَمْ یَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَیْهِمْ مِّدْرَارًا۪ وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِیْنَ ○ (الانعام: ٦)

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلی کتنی ان قوموں کو ہلاک کر دیا جن کو ہم نے زمین میں ایسی قوت دی تھی جو تم کو نہیں دی اور ہم نے ان پر موسلا دھار بارش نازل کی اور ہم نے دریا بنائے جو ان کے (باغوں کے) نیچے سے بہتے تھے، پس ہم نے ان کو ان کے گناہوں کی وجہ سے ہلاک کر دیا اور ان کے بعد ہم نے دوسری قوم پیدا کر دی○

آپ مسلمانوں کی تاریخ پر ایک نظر ڈالیں، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بار بار اپنی عظیم نعمتوں سے نوازا، ایک وقت تھا جب ایشیاء، افریقہ اور یورپ تین براعظموں کے علاقوں پر مسلمانوں کی حکومت تھی لیکن مسلمانوں نے اپنی نااہلی سے ان حکومتوں کو اور اللہ تعالیٰ کی ان عظیم نعمتوں کو گنوا دیا، اسپین میں مسلمانوں نے آٹھ سو سال حکومت کی، لیکن انہوں نے اپنی رنگا رنگ عیاشیوں، رقص و سرود کی محفلوں اور شراب و کباب کی مجلسوں میں اپنی آزادی، سلامتی اور استحکام کو غرق کر دیا۔ انہوں نے اپنے قومی اتحاد اور مرکزیت کو طوائف الملوکی اور چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں پر اقتدار حاصل کرنے کے شوق میں ضائع کر دیا اور اب پورا اسپین عیسائی قومیت میں ڈھل چکا ہے اور وہاں برائے نام مسلمان رہ گئے ہیں۔ غرناطہ اور قرطبہ نے بڑے نامور اسلام کے اسکالر پیدا کیے۔ قاضی عیاض اندلسی، امام ابن عبدالبر، علامہ ابوالعباس قرطبی، علامہ ابوعبداللہ قرطبی، علامہ ابی، علامہ سنوسی، قاضی ابوبکر ابن العربی اور علامہ باجی یہ سب بہت پائے کے محقق تھے۔ تفسیر، حدیث اور فقہ میں ان کی عظیم اور ضخیم تصنیفات ہمارے پاس موجود ہیں جن کے مطالعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اسپین میں اسلامی علوم پر کتنا عظیم کام ہو رہا تھا۔ میں جب ان کتابوں کا مطالعہ کرتا ہوں تو یہ سوچ کر میرا دل خون کے آنسو روتا ہے کہ آج ان کے مقابر، ان کے مکاتب، ان کے مدارس اور ان کی مساجد ویران ہو چکی ہیں۔

ماضی بعید کی تاریخ کا ذکر چھوڑیں، قریب کے حالات کو دیکھیں۔ ہم نے اسلام کے نام پر یہ خطہ زمین حاصل کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ہم کو آزادی، سلامتی اور استحکام کے ساتھ اقتدار عطا فرمایا اور اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے:

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ۔ (الحج: ۴۱)

ان لوگوں کو اگر ہم زمین میں اقتدار عطا فرمائیں (تو) وہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور نیکی کا حکم دیں اور برائی سے منع کریں اور تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔

چاہیے تھا کہ مسلمانوں نے جس وعدہ اور جس نعرہ سے یہ ملک مانگا تھا اس وعدہ کو پورا کرتے اور نماز اور زکوٰۃ کا نظام قائم کرتے لیکن جب چوبیس سال تک انہوں نے اس وعدہ کو پورا نہیں کیا اور اسلام کو نافذ کرنے کے بجائے حکام سے لے کر عوام تک سب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں دن رات مشغول رہے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے آدھا ملک لے لیا، اب باقی آدھا ملک بھی اندرونی اور بیرونی خطرات کی زد میں ہے، لوٹ کھسوٹ، قتل اور غارت گری کا بازار گرم ہے، دشمن ہماری سرحدوں پر اپنی فوجوں کی تعداد بڑھا رہا ہے اور ہم ایک دوسرے سے دست و گریبان ہیں اور انارکی اور لاقانونیت کا دور دورہ ہے، اللہ ہمیں اپنی نعمتوں کی قدر کرنے اور ان کا شکر بجا لانے کی توفیق دے، ہمارے عوام اسلام کے احکام پر عمل کریں اور یہی لوگ اسمبلیوں میں پہنچیں، نماز اور زکوٰۃ کا نظام قائم کریں، اسلامی حدود اور دیگر احکام کو جاری کریں اور اللہ اس باقی ماندہ پاکستان کو

سلامت رکھے۔ (آمین)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہی ہے جو تم کو (کبھی) ڈرانے کے لیے اور (کبھی) امید دلانے کے لیے بجلی کی چمک دکھاتا ہے اور بھاری بادل پیدا کرتا ہے○ (الرعد: ۱۲)

بجلی اور بادل میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ظہور

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ڈرایا تھا کہ وہ انعام بھی عطا فرماتا ہے اور اگر اس کے انعام کی قدر نہ کی جائے اور اس کا شکر ادا نہ کیا جائے تو وہ اس انعام کو واپس لے لیتا ہے اور مصائب میں مبتلا کر دیتا ہے اور اس کو عذاب دینے سے کوئی روک نہیں سکتا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس آیت کا ذکر فرمایا، اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت پر دلیل ہے اور اس میں بعض اعتبار سے نعمت اور احسان کا ذکر ہے اور اس میں بعض لحاظ سے اس کے قہر اور عذاب کا بھی بیان ہے۔

برق اس روشنی کو کہتے ہیں جو ہواؤں کی رگڑ کی وجہ سے بادلوں میں چمکتی ہے اور برق کے ظہور میں اللہ تعالیٰ کی قدرت پر دلیل ہے کیونکہ بادل پانی کے مرطوب اجزاء اور اجزاء ہوائیہ سے مرکب ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے برق پیدا کرتا ہے جو اجزاء ناریہ پر مشتمل ہوتی ہے اور پانی سرد اور مرطوب ہے اور آگ گرم اور خشک ہے اور سرد اور مرطوب گرم اور خشک کی ضد ہے اور ایک ضد سے دوسری ضد کو پیدا کر دینا یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا عجیب و غریب شاہکار ہے اور اس کے سوا اور کوئی اس پر قادر نہیں ہے کہ وہ ایک ضد سے دوسری ضد کو وجود میں لے آئے۔

جب بجلی چمکتی ہے اور بادل گرجتے ہیں تو کسانوں کو بارش کی امید ہوتی ہے اور یہ ڈر بھی ہوتا ہے کہ کہیں ان پر بجلی نہ گر جائے اور ان کو جلا کر خاکستر نہ کر دے، اسی طرح کبھی بارش سے لوگوں کو اپنی فصلوں کی نشو و نما اور نفع کی امید ہوتی ہے اور اسی بارش سے بعض لوگوں کو ضرر اور نقصان پہنچنے کا خطرہ ہوتا ہے، بلکہ ہر حادث ہونے والی چیز کا یہی حال ہے۔ بعض لوگوں کو اس سے کسی نفع کی توقع ہوتی ہے اور بعض لوگوں کو اس سے کسی ضرر کا خطرہ ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بادل پر معین فرشتہ اس کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتا ہے اور باقی فرشتے (بھی) اس کے خوف سے (حمد اور تسبیح کرتے ہیں) اور وہی گرجنے والی بجلیاں بھیجتا ہے پھر جس پر چاہتا ہے ان بجلیوں کو گرا دیتا ہے، در آں حالیکہ وہ اللہ کے متعلق جھگڑ رہے ہوتے ہیں اور وہ سخت گرفت کرنے والا ہے○ (الرعد: ۱۳)

الرعد اور الصواعق کے معانی اور جھگڑا کرنے والوں کا بیان

رعد اس آواز کو کہتے ہیں جو اجسام سماویہ کی رگڑ کی وجہ سے بادل کے درمیان سے سنائی دیتی ہے، یعنی جب دو بادل ٹکراتے ہیں اور ان کی رگڑ سے ہوا جل جاتی ہے تو اس سے گرج اور چمک پیدا ہوتی ہے۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہود آئے اور انہوں نے کہا اے ابو القاسم! ہمیں بتائیے کہ رعد کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا وہ ایک فرشتہ ہے جس کو بادل کے اوپر مقرر کیا گیا ہے اس کے پاس آگ کا ایک کوڑا ہے وہ اس سے جہاں اللہ چاہتا ہے بادل کو ہنکاتا ہے۔ انہوں نے پوچھا اور یہ آواز جو ہم سنتے ہیں یہ کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا جہاں بادل کو لے جانے کا حکم دیا وہاں لے جانے کے لیے فرشتہ جب بادل کو کوڑا مارتا ہے تو یہ اس کی آواز ہے۔ انہوں نے کہا آپ نے سچ کہا۔ الحدیث۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۱۷، مسند احمد ج ۱ ص ۲۷۴، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۹۰۲۴، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۲۴۲۹،

حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۳۰۴)

الصواعق، الصاعقۃ کی جمع ہے۔ صاعقہ فضاء آسمان کی گڑگڑاہٹ کو کہتے ہیں اور کبھی اس عظیم آگ کو صاعقہ کہتے ہیں جو بارش اور بجلی چمکنے کے دوران زمین کی طرف نازل ہوتی ہے، عرف میں اس کو بجلی گرنا کہتے ہیں، یہ اس وقت ہوتا ہے جب بادل زمین کے قریب ہوتے ہیں، جس چیز پر یہ آگ گرتی ہے اس کو جلا ڈالتی ہے۔

علامہ واحدی نے اس آیت کے شان نزول میں عامر بن الطفیل اور اربد بن ربیعہ کا واقعہ ذکر کیا ہے، یہ وہی واقعہ ہے جس کا ہم نے اس سورت کے تعارف میں ذکر کیا ہے۔ (اسباب النزول للواحدی رقم الحدیث: ۵۴۷) علامہ قرطبی نے بھی اس آیت کے شان نزول میں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ اربد بن ربیعہ پر بجلی گرائی گئی تھی۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۹ ص ۲۵۸)

اس آیت میں فرمایا ہے وہ اللہ کے متعلق جھگڑ رہے ہوتے ہیں۔ امام ابو الحسن علی بن احمد واحدی متوفی ۴۶۸ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ عرب کے متکبرین میں سے ایک شخص کے پاس ایک آدمی بھیجا اور فرمایا اس کو میرے پاس لاؤ، اس نے کہا یا رسول اللہ! وہ اس سے تکبر کرے گا؟ آپ نے فرمایا تم جاؤ اس کو بلا کر لاؤ، وہ شخص اس کے پاس گیا اور کہا تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلا رہے ہیں۔ اس نے کہا اللہ کیا چیز ہے؟ کیا وہ سونے کا ہے یا وہ چاندی کا ہے یا وہ پیتل کا ہے؟ وہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس آ گیا اور آپ کو بتایا اس نے کیا کہا ہے اور کہا میں نے تو پہلے عرض کیا تھا وہ تکبر کرے گا! آپ نے فرمایا: جاؤ اس کو دوبارہ بلاؤ۔ وہ دوبارہ گیا۔ اس متکبر شخص نے پھر اسی طرح کہا، وہ پھر لوٹ آیا اور آپ کو بتایا کہ اس نے کیا کہا ہے۔ آپ نے اس کو پھر تیسری بار بھیجا، اس نے پھر اسی طرح کہا اور جس وقت وہ یہ کہہ رہا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کے سر کے اوپر بجلی گرا دی اور پھر یہ آیت نازل فرمائی: اور وہی گرجنے والی بجلیاں بھیجتا ہے پھر جس پر چاہتا ہے ان بجلیوں کو گرا دیتا ہے درآں حالیکہ وہ اللہ کے متعلق جھگڑ رہے ہوتے ہیں۔

(اسباب النزول للواحدی ص ۵۴۶، جامع البیان رقم الحدیث: ۱۵۳۸۸، سند البزار رقم الحدیث: ۲۲۲۱، مجمع الزوائد ج ۷ ص ۴۲، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۳۳۴۱، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۲۵۹)

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ آیت دونوں کے متعلق نازل ہوئی ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (بطور حقیقی حاجت روا کے) اسی کو پکارنا حق ہے، اور جو لوگ کسی اور کو (حقیقی حاجت روا سمجھ کر) پکارتے ہیں، وہ ان کی پکار کا کوئی جواب نہیں دے سکتے، ان کا پکارنا صرف اس شخص کی طرح ہے، جو (دور سے) پانی کی طرف اپنے دونوں ہاتھ بڑھائے تاکہ پانی اس کے منہ تک پہنچ جائے حالانکہ وہ پانی اس تک پہنچنے والا نہیں ہے اور کافروں کی پکار صرف گمراہی میں ہے ○ (الرعد: ۱۴)

پانی کے ساتھ غیر اللہ کی تمثیل کے محامل

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے غیر اللہ کو پکارنے والوں کی مثال اس شخص سے دی ہے، جو پانی کی طرف اپنے ہاتھ بڑھائے حالانکہ پانی اس تک نہ پہنچ سکے۔ مفسرین نے اس تمثیل کے حسب ذیل تین محمل بیان کیے ہیں:

(۱) مجاہد نے بیان کیا: جو شخص پانی سے دور کھڑا ہو اور اپنے منہ سے پانی پینے پر قادر نہ ہو اور وہ اپنے ہاتھوں سے پانی کی

طرف اشارہ کرے تاکہ پانی اس تک پہنچ جائے تو ظاہر ہے کہ دور سے پانی از خود اس کے منہ تک نہیں پہنچ سکتا۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ایک پیاسا شخص اپنے ذہن میں پانی کا تصور کرے، پھر خارج میں اپنے ہاتھ پھیلائے تاکہ پانی کو اپنے منہ تک پہنچائے تو ظاہر ہے کہ وہ اس طرح پانی کو اپنے منہ تک نہیں پہنچا سکتا۔

(۳) فراء نے کہا پانی سے مراد اس آیت میں کنواں ہے اب اگر کوئی شخص بغیر رسی اور ڈول کے اپنے ہاتھ کنویں کی طرف پھیلائے تاکہ پانی اس کے منہ تک پہنچ جائے تو ظاہر ہے اس طرح پانی اس کے منہ تک نہیں پہنچ سکتا۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۹ ص ۲۶۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اس تمثیل کی وجہ یہ ہے کہ پانی میں سننے، دیکھنے، جاننے اور کسی کی فریاد تک پہنچنے کی طاقت نہیں ہے، پانی پیاسے کو دیکھ سکتا ہے نہ اس کی فریاد کو سن سکتا ہے نہ از خود پیاسے کے منہ تک پہنچ سکتا ہے، اسی طرح بُت کسی کو دیکھ سکتے ہیں نہ کسی کی فریاد سن سکتے ہیں نہ کسی کی فریاد پر پہنچ سکتے ہیں، سو جس طرح پانی کسی پیاسے کی پکار پر نہیں پہنچ سکتا اسی طرح اللہ تعالیٰ کے سوا یہ کافر جن بُتوں کو پکارتے ہیں وہ ان کی فریاد رسی نہیں کر سکتے، پھر یہ کس قدر حیرت کی بات ہے کہ پانی کے ساتھ پیاسے کے اس عمل کو تو کفار اور مشرکین بھی خلاف عقل گردانتے ہیں تو پھر اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے ان بے جان بُتوں کو جو یہ اپنی حاجات میں پکارتے ہیں اور ان سے مدد کے طالب ہوتے ہیں، اس کو یہ خلاف عقل کیوں نہیں قرار دیتے۔

غیر اللہ کو حقیقی حاجت روا مان کر پکارنا شرک ہے ورنہ نہیں

ہم نے اس آیت کے ترجمہ میں قوسین میں بطور حقیقی حاجت روا کی قید لگائی ہے جس کا مفاد یہ ہے کہ غیر اللہ کو حقیقی حاجت روا سمجھ کر پکارنا باطل اور شرک ہے اور اگر ان کو یہ سمجھ کر پکارا جائے کہ وہ غیر مستقل ہیں اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقت اور اس کے اذن سے بندوں کی مدد کرتے ہیں تو یہ جائز ہے اور باطل اور شرک نہیں ہے۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

امام ابو بکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کراماً کاتبین کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے فرشتے مقرر کیے ہیں جو درختوں سے گرنے والے پتوں کو لکھ لیتے ہیں، جب تم میں سے کسی شخص کو سفر میں کوئی مشکل پیش آئے تو وہ اس طرح پکارے: اے اللہ کے بندو! تم پر اللہ رحم فرمائے میری مدد کرو۔ (المصنف ج ۱۰ ص ۳۹۰، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۶ھ)

مشہور غیر مقلد عالم شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں، اس حدیث میں ان لوگوں سے مدد حاصل کرنے پر دلیل ہے جو نظر نہ آتے ہوں، جیسے فرشتے اور صالح جن اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے، جیسا کہ جب سواری کا پاؤں پھسل جائے یا وہ بھاگ جائے تو انسانوں سے مدد حاصل کرنا جائز ہے۔ (تحفۃ الذاکرین ص ۲۰۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۸ھ)

دیوبند کے مشہور عالم شیخ رشید احمد گنگوہی متوفی ۱۳۲۳ھ لکھتے ہیں:

یہ خود معلوم آپ کو ہے کہ نداء غیر اللہ تعالیٰ کو دور سے شرک حقیقی جب ہوتا ہے کہ ان کو عالم سامع مستقل عقیدہ کرے ورنہ شرک نہیں مثلاً یہ جانے کہ حق تعالیٰ ان کو مطلع فرما دیوے گا، یا باذنہ تعالیٰ انکشاف ان کو ہو جاوے گا یا باذنہ تعالیٰ ملائکہ پہنچا دیویں گے جیسا کہ درود کی نسبت وارد ہے یا محض شوقیہ کہتا ہو محبت میں یا عرض حال محل تحسر و حرمان میں ایسے مواقع میں اگرچہ کلمات خطابیہ بولتے ہیں لیکن ہرگز نہ مقصود اسماع ہوتا ہے نہ عقیدہ پس ان ہی اقسام سے کلمات مناجات و اشعار بزرگان کے ہوتے ہیں کہ فی حد ذاتہ نہ شرک ہیں نہ معصیت۔ (فتاویٰ رشیدیہ کامل ص ۶۶، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی)

شیخ محمود الحسن دیوبندی متوفی ۱۳۳۹ھ ایاک نستعین کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ اس کی ذات پاک کے سوا کسی سے حقیقت میں مدد مانگنی بالکل ناجائز ہے ہاں اگر کسی مقبول بندہ کو محض واسطہ رحمت الٰہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اس سے کرے تو یہ جائز ہے کہ یہ استعانت درحقیقت حق تعالیٰ سے ہی استعانت ہے۔

افضل اور اولیٰ یہ ہے کہ صرف اللہ سے مدد طلب کی جائے

ہرچند کہ اس عقیدہ کے ساتھ انبیاء کرام اور اولیاء عظام سے مدد مانگنا اور ان کو پکارنا جائز ہے کہ وہ اللہ کی دی ہوئی طاقت سے سنتے ہیں اور اس کے اذن سے مدد کرتے ہیں اور یہ ان تصریحات کی بناء پر شرک نہیں ہے، لیکن افضل اور اولیٰ یہی ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ سے سوال کیا جائے اور اسی سے مدد طلب کی جائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

اِذَا سَئَلْتَ فَاسْئَلِ اللّٰهَ وَاِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ۔ جب تم سوال کرو تو اللہ سے سوال کرو اور جب تم مدد طلب کرو تو اللہ سے مدد طلب کرو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۱۶، مسند احمد ج ۱ ص ۲۹۳، ۱۲۹۳، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۲۹۸۸، عمل الیوم واللیلۃ رقم الحدیث: ۴۲۵، شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۰۷۴، کتاب الضعفاء للعقیلی ج ۳ ص ۵۳، تزیہہ الشریعہ للآجری رقم الحدیث: ۱۹۸، المستدرک ج ۳ ص ۵۴۱، ۵۴۱، حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۳۱۴، کتاب الآداب للبیہقی رقم الحدیث: ۱۰۷۳)

علاوہ ازیں انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام اللہ تعالیٰ کے اذن سے مدد کرتے ہیں اور ہمارے پاس یہ جاننے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہماری مدد کا اذن دیا ہے یا نہیں، تو پھر افضل یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ہی مدد طلب کی جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو بھی آسمانوں اور زمینوں میں ہیں وہ سب خوشی اور ناخوشی سے اللہ ہی کے لیے سجدہ کر رہے ہیں اور ان کے سائے بھی صبح اور شام کو○ (الرعد: ۱۵)

سجدہ کا لغوی اور اصطلاحی معنی

سجدہ کا معنی ہے تواضع اور تذلل اختیار کرنا، کسی کے سامنے جھکنا اور عجز کا اظہار کرنا، اور عرف میں اللہ کے سامنے تذلل اختیار کرنے اور اللہ کی عبادت کرنے کو سجدہ کہتے ہیں۔ انسان، حیوانات اور جمادات سب کے لیے سجدہ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ سجدہ کی دو قسمیں ہیں: ایک سجدہ اختیاری ہے، یہ انسان کے ساتھ خاص ہے اور اسی پر ثواب مرتب ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا۔ (النجم: ۶۲) اللہ کے لیے سجدہ کرو اور (اس کی) عبادت کرو۔

اور سجدہ کی دوسری قسم ہے اضطراری سجدہ، اس کو سجدۂ تسخیر بھی کہتے ہیں جیسے اس آیت میں ہے:

وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ۔ (الرحمٰن: ۶) زمین پر پھیلنے والے پودے اور اپنے تنوں پر کھڑے ہوئے درخت (اللہ کے لیے) سجدہ کرتے ہیں۔

یہ سجدہ کا لغوی معنی ہے اور سجدہ کا اصطلاحی معنی ہے زمین پر اپنی پیشانی رکھنا اور اس سے بڑھ کر تذلل اور تواضع متصور نہیں ہے۔ (النہایہ ج ۲ ص ۳۰۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ)

اصطلاحی معنی کے لحاظ سے ہر چیز کا اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہونا

اس آیت میں سجدہ کا معنی یا لغوی ہو گا یعنی اطاعت اور تواضع اور یا اصطلاحی ہو گا یعنی پیشانی کو زمین پر رکھنا اور اس لحاظ سے آیت کے متعدد محمل ہیں:

(۱) سجدہ کا معنی اصطلاحی ہو اور جو بھی آسمانوں اور زمینوں میں ہیں اس سے عموم مراد نہ ہو بلکہ خصوصاً مسلمان مراد ہوں، اب اس آیت کا معنی ہے کہ بعض مسلمان فرحت، انبساط اور خوشی سے اللہ کے لیے سجدہ کرتے ہیں اور بعض مسلمان تنگ دلی یا بوجھل دل اور ناگواری سے اللہ کو سجدہ کرتے ہیں، یعنی ان کا دل تو عیش و آرام، دنیا کی رنگینیوں یا اور کاموں میں لگا ہوتا ہے لیکن وہ نہ چاہتے ہوئے بھی دوزخ کے عذاب کے ڈر سے نماز پڑھتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں، اس کے برخلاف بعض لوگ وہ ہیں کہ وہ دنیاوی ذمہ داریوں میں مشغول ہوں پھر بھی ان کا دل نماز میں پڑا رہتا ہے اور جیسے پرندہ قفس سے نکلتے ہی اپنی طبعی خوشی سے فضا میں پرواز کرتا ہے وہ بھی موقع ملتے ہی خوشی سے اپنے رب کو سجدہ کرتے ہیں۔

(۲) سجدہ سے مراد اصطلاحی معنی ہو اور جو بھی آسمانوں اور زمینوں میں ہیں اس سے عموم مراد ہو تو پھر اس آیت پر یہ اشکال ہو گا کہ فرشتے اور جنات اور انسانوں میں سے مومن تو اللہ کو سجدہ کرتے ہیں لیکن کافر اللہ کو سجدہ نہیں کرتے، اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا یہ معنی نہیں ہے کہ جو بھی آسمانوں اور زمینوں میں ہیں وہ اللہ کے لیے سجدہ کرتے ہیں بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ جو بھی آسمانوں اور زمینوں میں ہیں ان پر واجب ہے کہ وہ اللہ کے لیے سجدہ کریں، اور اس اشکال کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اس تقدیر پر سجدہ سے مراد ہے تعظیم اور اللہ کے خالق ہونے کا اعتراف یعنی جو بھی آسمانوں اور زمینوں میں ہیں وہ خوشی یا ناخوشی سے اللہ کی بندگی کا اظہار کرتے ہیں اور اس کے رب ہونے کو مانتے ہیں اور کافر بھی اسی کو خالق مانتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ۔ (لقمان: ۲۵)	اگر آپ ان سے سوال کریں آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ ضرور کہیں گے اللہ نے۔

لغوی معنی کے لحاظ سے ہر چیز کا اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہونا

اور اگر سجدہ سے مراد لغوی معنی ہے یعنی اطاعت اور تذلل تو کائنات کی ہر چیز اللہ کے لیے مسخر ہے۔ سورج، چاند اور ستاروں کا طلوع اور غروب، سیاروں کی گردش، پہاڑوں کا جمود، دریاؤں اور سمندروں کی روانی، غرض کائنات کی ہر چیز جو کچھ کر رہی ہے وہ سب اللہ کے بنائے ہوئے نظام کے تابع ہو کر کر رہی ہے، انسان کے نبض کی رفتار، دل کی دھڑکن، اعضاء انہضام کی کارکردگی یہ سب اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ نظام کے مطابق کام کر رہے ہیں۔ آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

بَلْ لَّهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ۔ (البقرہ: ۱۱۶)	بلکہ سب اسی کی ملکیت ہے، آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ بھی ہے وہ سب اس کے اطاعت گزار ہیں O
وَلَهٗۤ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ (آل عمران: ۸۳)	آسمانوں اور زمینوں میں سب اطاعت سے اس کے سامنے گردن جھکائے ہوئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: طوعا و کرھا یعنی خوشی اور ناخوشی سے کیونکہ بعض کام انسان خوشی سے کرتا ہے اور بعض کام ناخوشی سے کرتا ہے مثلاً حکومت انسان خوشی سے کرتا ہے اور معمولی ملازمت ناخوشی سے کرتا ہے، کوئی خوشی سے عبادت

کرتا ہے کوئی ناخوشی سے عبادت کرتا ہے۔

سایوں کے سجدہ کرنے کی توجیہ

اور فرمایا ان کے سائے بھی صبح اور شام کو۔ اس کی تفسیر میں ایک قول یہ ہے کہ ہر شخص خواہ مومن ہو یا کافر اس کا سایہ اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتا ہے۔ زجاج نے کہا کافر خود تو غیر اللہ کو سجدہ کرتا ہے اور اس کا سایہ اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتا ہے۔ اور ابن الانباری نے کہا یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سایوں میں عقل و فہم پیدا کردی ہو اور وہ خضوع اور خشوع سے اللہ کو سجدہ کریں، جیسے بعض پتھر اللہ کے خوف اور خشیت سے ٹوٹ کر گر پڑتے ہیں اور کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی حمد اور تسبیح کرتی ہے اور بعض علماء نے یہ کہا کہ سایہ ایک جانب سے دوسری جگہ میلان کرتا ہے اور سورج کے بلند ہونے اور نیچے ہونے کی وجہ سے سائے لمبے اور چھوٹے ہوتے رہتے ہیں تو ان کا ایک جانب سے دوسری جانب مڑنا، اور ان کی مقدار کا کم اور زیادہ ہونا ہی ان کا سجدہ کرنا ہے اور صبح اور شام کے وقت کی تخصیص اس لیے فرمائی ہے کہ ان دو وقتوں میں سایوں کا بڑا اور چھوٹا ہونا نمایاں نظر آتا ہے۔

سجدہ کی فضیلت کے متعلق احادیث

قرآن مجید میں پہلا سجدہ تلاوت سورۃ الاعراف کے آخر میں ہے، سجدہ تلاوت کی تعداد اور اس کے حکم کے متعلق مذاہب فقہاء ہم نے وہاں بیان کردیئے ہیں، یہاں پر ہم سجدہ کرنے کی فضیلت میں احادیث پیش کر رہے ہیں:

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندہ اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتا ہے جب وہ سجدہ کر رہا ہو پس تم (سجدہ میں) بہت دعا کیا کرو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۸۲، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۷۵، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۱۳۷)

اس حدیث کی تائید میں قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ۔ (العلق: ۱۹) اور سجدہ کر اور (ہم سے) قریب ہوجا۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا مجھے وہ عمل بتایئے جس سے اللہ مجھے جنت میں داخل کردے یا میں نے عرض کیا مجھے وہ عمل بتایئے جو اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہو۔ آپ خاموش رہے۔ میں نے پھر سوال کیا، آپ خاموش رہے۔ جب میں نے تیسری بار سوال کیا تو آپ نے فرمایا: تم اللہ تعالیٰ کے لیے کثرت سے سجدے کیا کرو، کیونکہ تم جب بھی اللہ کے لیے سجدہ کرو گے تو اللہ اس سجدہ کی وجہ سے تمہارا ایک درجہ بلند کرے گا اور تمہارا ایک گناہ مٹا دے گا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۸۸، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۸۹، ۳۸۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۲۳، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۱۳۸، مسند احمد ج ۵ ص ۲۷۶، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۳۱۶، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۷۳۵، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۴۸۵، شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۸۸)

حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا، میں آپ کے وضو اور طہارت کے لیے پانی لایا۔ آپ نے مجھ سے فرمایا: سوال کرو، میں نے عرض کیا میں آپ سے جنت میں آپ کی رفاقت کا سوال کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا اور کسی چیز کا؟ میں نے عرض کیا مجھے یہ کافی ہے۔ آپ نے فرمایا پھر کثرت

سے سجدے کر کے اپنے نفس کے اوپر میری مدد کرو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۴۸۹، سنن ابو داؤد رقم الحدیث:۱۳۲۰، سنن النسائی رقم الحدیث:۱۱۳۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب ابن آدم سجدہ تلاوت کی آیت تلاوت کر کے سجدہ کرتا ہے تو شیطان الگ جا کر روتا ہے اور کہتا ہے ہائے میرا عذاب! ابن آدم کو سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تو اس نے سجدہ کیا سو اس کو جنت ملے گی، اور مجھے سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تو میں نے انکار کیا سو مجھے دوزخ ملے گی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۸۱، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۱۰۵۲، مسند احمد ج ۲ ص ۴۴۳، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث:۵۴۹، صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۲۷۵۹، شرح السنہ رقم الحدیث:۶۵۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث مروی ہے اس میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اعضاء سجود کے جلانے کو اللہ تعالیٰ نے دوزخ پر حرام کر دیا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۸۰۶، صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۸۲، سنن النسائی رقم الحدیث:۱۱۴۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۴۳۲۶، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۱۱۴۸۸، مسند احمد رقم الحدیث:۷۷۰۳، مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث:۲۰۸۵۶)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندہ کا جو حال اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہے وہ یہ ہے کہ اللہ بندہ کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھے اور اس کا چہرہ مٹی میں لتھڑا ہوا ہو۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث:۶۰۷۲، ج ۷ ص ۴۴، مطبوعہ مکتبہ المعارف ریاض، ۱۴۱۵ھ)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں افلح نامی ہمارا ایک غلام تھا، جب وہ سجدہ کرتا تو مٹی کو پھونک مار کر اڑاتا، آپ نے فرمایا: اے افلح! اپنے چہرے کو خاک آلودہ کرو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۸۱، مسند احمد ج ۶ ص ۳۰۱، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث:۶۹۵۴، صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۱۹۱۳، المعجم الکبیر رقم الحدیث:۷۴۳۲، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۲۵۲)

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ

آپ (ان سے) پوچھیے آسمانوں اور زمینوں کا رب کون ہے؟ آپ کہیے اللہ، آپ کہیے کیا تم نے اللہ کے سوا

مِّنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ

ایسے مددگار بنا لیے ہیں جو خود اپنے لیے (بھی) کسی نفع کے مالک نہیں ہیں اور نہ کسی ضرر کے،

قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ اَمْ هَلْ تَسْتَوِى

آپ کہیے کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہیں یا اندھیرا اور

الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ ۚ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ

روشنی برابر ہیں؟ یا انہوں نے اللہ کے سوا ایسے شریک قرار دے لیے ہیں جنہوں نے اللہ کی طرح کوئی مخلوق پیدا کی

فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ۭ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ

ہے تو صفت خلق ان پر مشتبہ ہو گئی؟ آپ کہیے اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے اور وہ ایک ہے

الْقَهَّارُ ﴿۱۶﴾ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا

سب پر غالب ہے ○ اسی نے آسمان سے پانی نازل کیا جس سے اپنی وسعت کے مطابق ندی نالے جاری ہو

فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ۭ وَمِمَّا يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ

گئے، پھر پانی کے زور نے بلبلے والے جھاگ بنا دیئے اور جس دھات کو زیور یا کسی اور چیز (کی شکل) میں

ابْتِغَاۗءَ حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ ۭ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ

ڈھالنے کے لیے آگ میں پگھلاتے ہیں اس میں بھی ایسے ہی جھاگ بنتے ہیں، اللہ اسی طرح حق اور باطل کی مثال

وَالْبَاطِلَ ڛ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاۗءً ۚ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ

بیان فرماتا ہے، پس رہا جھاگ تو وہ بے فائدہ ہونے کی وجہ سے زائل ہو جاتا ہے، اور رہی وہ چیز جو لوگوں کو

النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ۭ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ﴿۱۷﴾ ۭ

فائدہ پہنچاتی ہے تو وہ باقی رہتی ہے، اسی طرح اللہ مثالیں بیان فرماتا ہے ○

لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى ڼ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا

جن لوگوں نے اپنے رب کے دین کو قبول کیا ان کے لیے نیک انجام ہے، اور جن لوگوں نے اس کے دین کو قبول

لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ ۭ

نہیں کیا اگر ان کے پاس تمام روئے زمین کی چیزیں اور اتنی ہی اور چیزیں بھی ہوتیں تو وہ اپنے آپ کو (عذاب سے)

اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ سُوْۗءُ الْحِسَابِ ڏ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۸﴾ ع

چھڑانے کے لیے ان کو فدیہ میں دے دیتے، ان ہی لوگوں کا سخت حساب ہوگا، اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ ٹھہرنے کی کیسی بری جگہ ہے ○

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

النصف ع ۱۱ ۸

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ (ان سے) پوچھئے آسمانوں اور زمینوں کا رب کون ہے؟ آپ کہئے اللہ! آپ کہئے کیا تم نے اللہ کے سوا ایسے مددگار بنا لیے ہیں جو خود اپنے لیے (بھی) کسی نفع کے مالک نہیں ہیں اور نہ کسی ضرر کے، آپ کہئے کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہیں یا اندھیرا اور روشنی برابر ہیں؟ یا انہوں نے اللہ کے سوا ایسے شریک قرار دے لیے ہیں، جنہوں

نے اللہ کی طرح کوئی مخلوق پیدا کی ہے تو صفت خلق ان پر مشتبہ ہو گئی؟ آپ کہئے اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے اور وہ ایک ہے سب پر غالب ہے O (الرعد: ۱۶)

دلائل کے ساتھ بت پرستوں کا رد اور ابطال

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہے یعنی ہر چیز خوشی یا ناخوشی سے اس کے احکام کی اطاعت کر رہی ہے' اس کے بعد اللہ تعالیٰ دوبارہ بت پرستوں کے رد کی طرف متوجہ ہوا' اور فرمایا آپ ان سے پوچھئے کہ آسمانوں اور زمینوں کا رب کون ہے؟ پھر خود ہی کہئے کہ اللہ ہی آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے' چونکہ کفار اس بات کا انکار نہیں کرتے تھے اور وہ مانتے تھے کہ آسمانوں اور زمینوں کو اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا کیا ہے اور وہی ان کا رب ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ ان سے کہئے کہ جب تم مانتے ہو کہ آسمانوں اور زمینوں کا رب اللہ ہے تو پھر تم نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے پتھروں کے بتوں کو اپنا مددگار کیوں بنا رکھا ہے جو خود اپنے لیے بھی کسی نفع کے مالک نہیں ہیں اور نہ خود اپنی ذات سے کسی ضرر اور نقصان کو دور کر سکتے ہیں اور جو اپنے لیے کسی نفع اور ضرر کے مالک نہ ہوں وہ تم کو کب کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں' یا تم سے کس طرح کوئی ضرر دور کر سکتے ہیں للہذا ان کی عبادت کرنا محض عبث اور بے فائدہ ہے اور جہالت کے سوا کچھ نہیں' پھر فرمایا کہ یہ دلیل تو بالکل واضح ہے اور جو شخص اس قدر واضح دلیل سے بھی جاہل ہو وہ اندھے شخص کی طرح ہے اور اس دلیل کو جاننے والا بینا شخص کی طرح ہے' یا اس دلیل سے جاہل اندھیرے کی طرح ہے اور اس دلیل کا جاننے والا روشنی کی طرح ہے اور ہر شخص جانتا ہے کہ نابینا' بینا کے برابر نہیں ہے اور اندھیرا روشنی کے برابر نہیں ہے پھر اللہ تعالیٰ نے ایک اور طرز سے بت پرستوں کا رد فرمایا کہ یہ مشرکین جو ان بتوں کو اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں تو کیا ان کے علم میں یہ چیز ہے کہ بتوں نے بھی کوئی مخلوق پیدا کی ہے' جس وجہ سے ان کو یہ اشتباہ ہو گیا کہ جب بت بھی خالق ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی خالق ہے تو جس طرح اللہ تعالیٰ اپنے خالق ہونے کی وجہ سے عبادت کا مستحق ہے تو یہ بت بھی اس وجہ سے عبادت کے مستحق ہیں' تو وہ بتائیں کہ ان بتوں نے کس چیز کو پیدا کیا ہے؟ اور ظاہر ہے بتوں نے کسی چیز کو پیدا نہیں کیا بلکہ خود ان بتوں کو مشرکوں نے بنایا ہے سو آپ کہئے کہ اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے' ہر چیز کو اسی نے پیدا کیا ہے' وہی ایک ہے اور وہ سب پر غالب ہے۔

افعال انسان کے مخلوق ہونے کے متعلق اہلسنت اور معتزلہ کے نظریات

اہلسنت اس آیت سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ انسان کے افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے' اس کے برخلاف معتزلہ یہ کہتے تھے کہ انسان خود اپنے افعال کا خالق ہے۔ معتزلہ یہ اس وجہ سے کہتے تھے کہ اگر انسان کے افعال کا خالق اللہ ہو تو برے کاموں پر سزا دینا اس کا ظلم ہو گا' کیونکہ برے کام بھی اسی نے پیدا کیے اور پھر سزا بھی وہ خود دے رہا ہے' اور اچھے کاموں پر اجر و ثواب دینا عبث ہو گا کیونکہ وہ نیک کام تو خود اللہ تعالیٰ نے پیدا کیے ہیں' انسان کا اس میں کیا کمال ہے' اس کو ثواب کس بات کا مل رہا ہے! اور اللہ تعالیٰ کا کوئی کام عبث نہیں ہے اس لیے ماننا پڑے گا کہ انسان اپنے افعال کا خود خالق ہے۔ اہلسنت یہ کہتے ہیں کہ ارادہ انسان کرتا ہے اور فعل کو اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے۔ اس ارادہ کو کسب کہتے ہیں' اگر انسان نیک کام کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نیک فعل پیدا کر دیتا ہے اور اگر وہ برے کام کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ برا فعل پیدا کر دیتا ہے اور انسان کو اس کے ارادہ کے اعتبار سے جزا اور سزا ملتی ہے' اگر یہ سوال کیا جائے کہ پھر اس ارادہ کو کون پیدا کرتا ہے تو اس کا جواب بہت مشکل ہے۔ بعض متکلمین نے یہ کہا کہ ارادہ بالذات موجود ہے نہ بالذات معدوم ہے' اس

کو حال کہتے ہیں اور خلق کا معنی ہے کسی چیز کو بالذات موجود کرنا للہٰذا ارادہ کو وجود میں لانا خلق نہیں ہے بلکہ یہ احداث ہے اور ارادہ کا محدث انسان ہے اور اس کا اس قاعدہ اور عقیدہ سے کوئی تعارض نہیں ہے کہ ہر چیز کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ اور بعض متکلمین نے یہ کہا کہ اللہ خالق کل شیء میں یہ کل مخصوص عند البعض ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ ارادہ کے ماسوا ہر چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور ارادہ کا خالق انسان ہے اور معتزلہ تمام افعال کا خالق انسان کو مانتے ہیں' انسان کے افعال کے متعلق تیسرا مسلک جبریہ کا ہے' اس کی تفصیل یہ ہے:

افعال انسان کے مخلوق ہونے کے متعلق اہلسنّت اور جبریہ کے نظریات

جبریہ کا یہ نظریہ ہے کہ انسان کا اصلاً کوئی فعل نہیں ہے اور اس کی حرکات بمنزلہ جمادات کی حرکات ہیں' انسان کی کوئی قدرت ہے نہ اختیار' اس کا قصد ہے نہ ارادہ۔ یہ نظریہ قطعاً باطل ہے کیونکہ ہم رعشہ کے مریض اور صحت مند انسان کی حرکات میں بداہتاً فرق کرتے ہیں' صحت مند آدمی اپنے قصد اور اختیار سے حرکت کرتا ہے اور رعشہ کے مریض کی حرکت غیر اختیاری ہوتی ہے' دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر انسان مجبور ہوتا تو اس کو مکلف کرنا اور اس کے افعال پر جزا اور سزا کا ترتب صحیح نہ ہوتا اور نہ حقیقتاً یہ کہنا صحیح ہوتا کہ اس نے مثلاً نماز پڑھی' روزہ رکھا' کھانا کھایا اور سفر کیا' اس کے برخلاف جب ہم کہتے ہیں کہ لڑکا جوان ہو گیا' جوان بوڑھا ہو گیا' فلاں بیمار ہو گیا' فلاں مر گیا تو ہم بداہتاً جانتے ہیں کہ پہلی قسم کے افعال اختیاری ہیں یعنی اس نے نماز پڑھی اور روزہ رکھا اور دوسری قسم کے افعال غیر اختیاری ہیں یعنی لڑکا جوان ہو گیا یا جوان بوڑھا ہو گیا۔ اور پہلی قسم کے افعال میں انسان مختار ہے اور دوسری قسم کے افعال میں انسان مجبور ہے' نیز قرآن مجید کی متعدد آیات جبر کی نفی کرتی ہیں' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

جبریہ کے نظریہ کا رد

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ - (السجدہ: ۱۷)

ان کے لیے جو آنکھوں کی ٹھنڈک مخفی رکھی گئی ہے وہ کسی کو معلوم نہیں' یہ ان (نیک) کاموں کی جزا ہے جو وہ (دنیا میں) کرتے تھے۔

اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ - (الاحقاف: ۱۴)

وہ لوگ جنتی ہیں اس میں ہمیشہ رہنے والے' یہ ان (نیک) کاموں کی جزا ہے جو وہ (دنیا میں) کرتے تھے۔

جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ - (الواقعہ: ۲۴)

یہ ان (نیک) کاموں کی جزا ہے جو وہ (دنیا میں) کرتے تھے۔

اِنَّهُمْ رِجْسٌ ۡ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ - (التوبہ: ۹۵)

یہ (منافقین) بے شک ناپاک ہیں' اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے یہ ان (برے) کاموں کی سزا ہے جو وہ (دنیا میں) کرتے تھے۔

فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْیَكْفُرْ - (الکھف: ۲۹)

جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔

معتزلہ کے نظریہ کا رد

دوسرا مذہب معتزلہ کا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ انسان اپنے افعال کا خالق ہے ورنہ رسولوں کو بھیجنا جزا اور سزا اور جنت اور جہنم تمام امور کا عبث ہونا لازم آئے گا' یہ مذہب بھی باطل ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ - (الصّٰفّٰت: ۹۶)

تمہیں اور تمہارے اعمال کو اللہ نے ہی پیدا فرمایا ہے۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ فَاعْبُدُوْهُ۔ (الانعام: ۱۰۲)

یہ ہے تمہارا پروردگار' اس کے سوا کوئی معبود نہیں' (وہ) ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے سو اسی کی عبادت کرو۔

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ۔ (زمر: ۶۲)

اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ۔ (المرسلٰت: ۳)

اور تم نہیں چاہ سکتے جب تک اللہ نہ چاہے۔

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (التکویر: ۲۹)

اور تم نہیں چاہ سکتے جب تک اللہ رب العالمین نہ چاہے۔

نظریہ اہلسنت کی مزید وضاحت

اہلسنت و جماعت کا یہ نظریہ ہے کہ انسان کے افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور کاسب خود انسان ہے' انسان کسب کرتا ہے اور اللہ خلق کرتا ہے۔ خلق کا معنی ہے کسی چیز کو عدم سے وجود میں لانا اور کسب کی متعدد تفسیریں کی گئی ہیں۔ علامہ محب اللہ بہاری نے لکھا ہے کہ کسب قصد مصمم (پختہ ارادہ) کو کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عادت جاریہ ہے کہ وہ قصد مصمم کے بعد فعل پیدا کر دیتا ہے' چونکہ قرآن مجید کی متعدد آیات میں یہ ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کے افعال کا خالق ہے' اس لیے اہلسنت نے یہ کہا کہ انسان کے افعال کا اللہ تعالیٰ خالق ہے' اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں رسولوں کو بھیجا جنہوں نے نیکی کرنے اور برائی سے بچنے کی تلقین کی اور اللہ تعالیٰ نے نیکی پر جزاء اور برائی پر سزا دینے کا نظام قائم کیا اور جنت اور جہنم کو بنایا اس لیے یہ ضروری تھا کہ انسان کے لیے قصد اور اختیار کو تسلیم کیا جائے کیونکہ اگر انسان کو نیکی اور بدی اور اچھائی اور برائی پر اختیار نہ ہو تو رسولوں کو بھیجنے اور جزاء اور سزا کے نظام کا کوئی معنی نہیں ہے۔

معتزلہ کے اعتراضات کے جوابات

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ اس بحث میں لکھتے ہیں:

بندوں کے تمام افعال اللہ تعالیٰ کے ارادہ' اس کی مشیت اور اس کی قضاء سے وجود پذیر ہوتے ہیں' اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اگر کفر اللہ تعالیٰ کی قضاء سے ہو تو پھر ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کفر سے راضی ہو کیونکہ قضاء سے راضی ہونا واجب ہے' اور کفر سے راضی ہونا خود کفر ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ کفر مقضی ہے' قضا نہیں ہے اور رضا صرف قضاء سے واجب ہے نہ کہ مقضی سے اور قضاء اور تقدیر کا معنی ہے کہ بندہ کا جو حسن' قبح' نفع اور ضرر وجود میں آئے اور اس کو جو زمان و مکان شامل ہو اور اس بندہ پر جو ثواب اور عذاب مترتب ہو اس کی تحدید اور حد بندی کرنا' اور اس سے مقصود اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کی قدرت کا عموم اور شمول بیان کرنا ہے۔

اس پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ پھر کافر اپنے کفر میں مجبور ہو گا اور فاسق اپنے فسق میں مجبور ہو گا لہٰذا ان کو ایمان اور اطاعت کے ساتھ مکلف کرنا صحیح نہیں ہو گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اختیار سے ان کے کفر اور فسق کا ارادہ کیا ہے جیسا کہ اس کو یہ علم ہے کہ وہ اپنے اختیار سے کفر اور فسق کریں گے یعنی انہوں نے کفر اور فسق کو اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ارادہ اور قدرت سے اسی کو پیدا کر دیا' لہٰذا محال کے ساتھ مکلف کرنا لازم نہ آیا۔

اور معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ شر اور قبیح کا ارادہ نہیں کرتا' حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ یہ ارادہ کرتا ہے کہ کافر ایمان لائے اور فاسق اطاعت کرے وہ کافر سے کفر اور فاسق سے معصیت کا ارادہ نہیں کرتا' کیونکہ ان کا زعم یہ ہے کہ قبیح کا ارادہ بھی قبیح

ہوتا ہے اسی طرح قبیح کو خلق کرنا بھی قبیح ہے، اور ہم کہتے ہیں کہ اس طرح نہیں ہے بلکہ قبیح کا کسب کرنا اور قبیح سے متصف ہونا قبیح ہے۔ ان کے نزدیک بندوں کے اکثر افعال اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے خلاف ہوتے ہیں کیونکہ بندوں کے اکثر افعال کفر اور فسق ہیں اور ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ ان کا ارادہ نہیں کرتا اور یہ بہت زیادہ لائق مذمت ہے۔

حکایت ہے کہ عمرو بن عبید معتزلی نے کہا ایک مجوسی نے جس طرح مجھ پر الزام قائم کیا اس طرح کسی نے مجھ پر الزام قائم نہیں کیا، وہ میرے ساتھ ایک کشتی میں سفر کر رہا تھا، میں نے اس سے پوچھا تم اسلام کیوں نہیں قبول کرتے؟ اس نے کہا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے میرے اسلام لانے کا ارادہ نہیں کیا، جب وہ میرے اسلام لانے کا ارادہ کرے گا تو میں اسلام لے آؤں گا۔ میں نے اس مجوسی سے کہا اللہ تمہارے اسلام لانے کا ارادہ کرتا ہے لیکن شیاطین تم کو نہیں چھوڑتے۔ اس نے کہا پھر میں اس پر ایمان لاؤں گا جو ان میں زیادہ غالب ہے۔

اور حکایت ہے کہ معتزلہ کا شیخ عبدالجبار الہمدانی، الصاحب ابن عباد کے پاس گیا اور ان کے پاس اہلسنت کے شیخ استاذ ابو اسحٰق الاسفرائنی بیٹھے ہوئے تھے۔ جب شیخ معتزلہ نے استاذ کو دیکھا تو کہا سبحان ہے وہ جو بُرے کاموں سے منزہ ہے۔ استاذ نے فوراً کہا سبحان ہے وہ جس کے ملک میں وہی ہوتا ہے جو وہ چاہتا ہے (یعنی ایسا نہیں ہوتا کہ وہ تو بندہ کا ایمان چاہے اور وہ کفر کرے یا وہ بندہ کی اطاعت چاہے اور وہ معصیت کرے) ہمارا استدلال ان آیات سے ہے:

مَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ۔ (الانعام: ۱۱۱)

اللہ کے چاہے بغیر ان کا ایمان لانا ممکن نہیں۔

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِى السَّمَآءِ۔ (الانعام: ۱۲۵)

پس اللہ جس کو ہدایت دینے کا ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور وہ جس کو گمراہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ خوب رکا ہوا تنگ کر دیتا ہے گویا وہ تکلف اور مشقت کے ساتھ آسمان پر چڑھ رہا ہے۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى۔ (الانعام: ۳۵)

اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ ایمان وہی لائیں گے جن کے ایمان کا اللہ تعالیٰ ارادہ فرمائے گا، اور کفر وہی کریں گے جن کے کفر کا اللہ تعالیٰ ارادہ فرمائے گا، اور اللہ تعالیٰ ان کے کفر کا اس لیے ارادہ فرماتا ہے کہ وہ کفر کو اختیار کرتے ہیں، اس لیے یہ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر ظلم نہیں ہے۔

معتزلہ اس قسم کی آیات سے استدلال کرتے ہیں:

وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ۔ (المومن: ۳۱)

اور اللہ بندوں پر ظلم کرنے کا ارادہ نہیں فرماتا۔

معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ خود کفر اور معصیت کو پیدا کرے اور پھر بندوں کو اس وجہ سے عذاب دے تو یہ بندوں پر ظلم ہوگا اور اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا، اس لیے ماننا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ کفر اور معصیت کو پیدا نہیں کرتا بلکہ خود بندے کفر اور معصیت کو پیدا کرتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب بندہ کفر یا معصیت کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس میں کفر اور معصیت کو پیدا کرتا ہے اور بندہ کے ارادۂ کفر یا ارادۂ معصیت کی وجہ سے اللہ اس کو عذاب دیتا ہے لہٰذا یہ اللہ تعالیٰ کا ظلم نہیں ہے۔

جبریہ کے رد پر مزید دلائل

علامہ تفتازانی لکھتے ہیں: بندوں کے افعال اختیاری ہیں جو اگر اطاعت ہوں تو ان کو ثواب دیا جائے گا اور اگر وہ معصیت ہوں تو وہ عذاب کے مستحق ہیں' اور جبریہ کا یہ قول درست نہیں ہے کہ بندہ کا بالکل فعل نہیں ہوتا' اور اس کی حرکات جمادات کی حرکات کی طرح ہیں اور بندہ کا کوئی قصد اور اختیار نہیں ہے اور ان کا یہ قول بالکل باطل ہے کیونکہ ہم بداہتًا جانتے ہیں کہ کسی چیز کو پکڑنے کی حرکت میں اور رعشہ کی حرکت میں فرق ہے' اور اول الذکر حرکت اختیاری ہے اور ثانی الذکر حرکت اضطراری ہے اور اس لیے بھی کہ اگر بندہ کا بالکل فعل نہ ہو تو اس کو مکلف کرنا اصلاً صحیح نہیں ہوگا اور اس کے افعال پر ثواب اور عتاب کا ترتب بھی صحیح نہیں ہوگا' اور نہ اس کی طرف افعال کی حقیقتاً نسبت کرنا صحیح ہوگا' مثلاً فلاں شخص نے نماز پڑھی' اس نے روزہ رکھا' اس نے لکھا' اس کے برخلاف لڑکا دراز قد ہو گیا' اس کا رنگ سیاہ ہو گیا' ہم جانتے ہیں کہ اول الذکر نسبت میں اس کا اختیار ہے اور ثانی الذکر نسبت میں اس کا اختیار نہیں ہے۔ اور نصوص قطعیہ ان کے عقیدہ کا رد کرتی ہیں مثلاً

فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ۔ سو جو چاہے وہ ایمان لائے اور جو چاہے وہ کفر کرے۔

(الکہف: ۲۹)

خلق اور کسب کی وضاحت

اور دلائل سے یہ ثابت ہے کہ خالق اللہ تعالیٰ ہے اور ہم یہ بھی بداہتًا جانتے ہیں کہ بعض افعال میں بندے کی قدرت اور اختیار کا دخل ہوتا ہے' جیسے کسی چیز کو پکڑنے کی حرکت اور بعض افعال میں اس کا بالکل دخل نہیں ہوتا جیسے رعشہ والے کی حرکت تو اس میں تطبیق دینے کے لیے ہمیں یہ کہنا پڑا کہ اللہ تعالیٰ خالق ہے اور بندہ کاسب ہے' اور اس کی تحقیق یہ ہے کہ کسی فعل کی طرف بندہ کا اپنی قدرت اور ارادہ کو خرچ کرنا کسب ہے اور اس فعل کو بندہ کے ارادہ کے بعد موجود کرنا خلق ہے' اور ایک مقدور دو قدرتوں کے تحت داخل ہے لیکن دو مختلف جہتوں سے' پس جہت ایجاد سے فعل اللہ تعالیٰ کا مقدور ہے اور جہت کسب سے فعل بندہ کا مقدور ہے اور ہم اس کی توجیہ میں اس سے زیادہ کوئی بات نہیں کہہ سکتے۔

علماء نے کسب اور خلق میں کئی وجوہ سے فرق کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ کسب آلہ سے واقع ہوتا ہے اور خلق بغیر آلہ کے واقع ہوتا ہے اور کسب مقدور ہے جو کاسب کے محل قدرت میں واقع ہوتا ہے اور خلق محل قدرت میں واقع نہیں ہوتا' صرف کاسب کی قدرت سے فعل واقع نہیں ہوتا اور صرف خالق کی قدرت سے فعل واقع ہو جاتا ہے اور ایک چیز کی دو چیزوں کی طرف دو مختلف جہتوں سے نسبت ہو سکتی ہے جیسے زمین کا اللہ تعالیٰ اس جہت سے مالک ہے کہ اس نے اس کو پیدا کیا ہے اور بندہ اس کا اس جہت سے مالک ہے کہ اس نے اس کو خریدا ہے یا وہ اس کو وراثت میں ملی ہے یا کسی نے اس کو وہ زمین ہبہ کی اور اس وجہ سے اس کا اس میں تصرف کرنا صحیح ہے' اسی طرح فعل اللہ کی طرف خلق کی جہت سے منسوب ہے اور بندہ کی طرف کسب کی جہت سے منسوب ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ کسی قبیح کام کا کسب کرنا قبیح ہوتا ہے اور وہ مذمت کا مستحق ہوتا ہے تو پھر قبیح کام کو خلق کرنا قبیح کیوں نہیں ہوتا' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات دلائل سے ثابت ہے کہ خالق حکیم ہے وہ اسی چیز کو پیدا کرتا ہے جس کا انجام نیک اور مستحسن ہوتا ہے خواہ ہم اس کے محاسن پر مطلع نہ ہو سکیں لہٰذا ہم کو یقین ہے کہ جن کاموں کو ہم برا سمجھتے ہیں ان میں حکمتیں اور مصلحتیں ہوتی ہیں جیسا کہ مضر' درد آور اور خبیث اجسام کو پیدا کرنا' اس کے برخلاف کاسب کبھی اچھا کام

کرتا ہے اور کبھی برا کام کرتا ہے لہٰذا جب وہ برا کام کرے گا جس کی شریعت میں ممانعت وارد ہو چکی ہو تو اس کا وہ کام مذمت اور عذاب کا مستحق ہو گا۔ (شرح عقائد نسفی ص ۶۷ - ۶۲، ملخصاً و موضحاً، مطبوعہ کراچی)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اسی نے آسمان سے پانی نازل کیا جس سے اپنی وسعت کے مطابق ندی نالے جاری ہو گئے، پھر پانی کے زور نے بلبلے والے جھاگ بنا دیئے اور جس دھات کو زیور یا کسی اور چیز (کی شکل) میں ڈھالنے کے لیے آگ میں پگھلاتے ہیں اس میں بھی ایسے ہی جھاگ بنتے ہیں، اللہ اسی طرح حق اور باطل کی مثال بیان فرماتا ہے، پس رہا جھاگ تو وہ بے فائدہ ہونے کی وجہ سے زائل ہو جاتا ہے، اور رہی وہ چیز جو لوگوں کو فائدہ پہنچاتی ہے تو وہ باقی رہتی ہے، اسی طرح اللہ مثالیں بیان فرماتا ہےO (الرعد: ۱۷)

مشکل الفاظ کے معانی

اودیہ: یہ وادی کی جمع ہے، یہ وہ جگہ ہے جہاں کثرت کے ساتھ پانی بہتا ہے، اس میں اس کی وسعت کے مطابق پانی ہوتا ہے۔ اگر وادی چھوٹی ہو تو کم پانی ہوتا ہے اور اگر وادی بڑی ہو تو اس میں زیادہ پانی ہوتا ہے، دو پہاڑوں کے درمیان جو کشادہ راستہ ہوتا ہے اس کو وادی کہتے ہیں، اور مجازاً مذہب اور اسلوب کے معنی میں بھی اس کا استعمال ہوتا ہے۔

زبد: گندگی اور میل کچیل جو پانی کی سطح پر ابھر کر آ جاتا ہے، جھاگ۔

رابیا: کسی چیز کا خود بخود زیادہ ہونا، بلند ہونا، اس آیت میں مراد ہے پانی کے بلبلے۔

ومما یوقدون علیہ فی النار: بعض معدنیات، مثلاً سونا، چاندی، لوہا اور پیتل کو کسی مخصوص شکل میں ڈھالنے کے لیے آگ میں پگھلایا جاتا ہے۔

ابتغاء حلیۃ او متاع: زیب و زینت کے لیے زیورات بنائے جاتے ہیں اور دیگر فوائد کے حصول کے لیے برتن، جنگ اور زراعت کے آلات اور دیگر کارآمد چیزیں بنائی جاتی ہیں۔

زبد مثلہ: سیلاب کے جھاگ کی طرح، پگھلے ہوئے سونے، چاندی اور لوہے کا میل کچیل ان کی مائع سطح پر جھاگ بن کر آ جاتا ہے۔

جفاء: خس و خاشاک، کوڑا کرکٹ اور میل کچیل جو بہتی ہوئی وادی کے کناروں پر یا ابلتی ہوئی دیگچی کے کناروں پر آ جاتا ہے۔

پانی اور جھاگ سے تشبیہ کا بیان

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومن اور کافر اور ایمان اور کفر کو، نابینا اور بینا، اور اندھیرے اور روشنی سے تشبیہ دی تھی، اس آیت میں ایمان اور کفر کی ایک اور مثال دی ہے، اس میں پانی اور جھاگ کا ذکر فرمایا کہ وادیوں میں پانی بہتا ہے اور وہ پانی وادیوں کی گنجائش اور وسعت کے اعتبار سے کم اور زیادہ ہوتا ہے، اور اس میں جو خس و خاشاک ہوتا ہے وہ جھاگ اور بلبلوں کی صورت پانی کی سطح پر ظاہر ہوتا ہے اور بہت جلد فنا ہو جاتا ہے، اسی طرح جب سونے، چاندی، پیتل اور دیگر معدنیات کو پگھلایا جاتا ہے تو ان کا میل کچیل ان کی مائع سطح پر جھاگ اور بلبلوں کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور جلد زائل ہو جاتا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی کبریائی، جلالت اور احسان کے آسمان سے رحمت کا پانی نازل فرمایا جو قرآن مجید ہے اور یہ پانی بندوں کے دلوں کی وادیوں میں نازل فرمایا۔ قرآن مجید کو پانی کے ساتھ تشبیہ دی کیونکہ پانی حیات دنیاوی کا سبب ہے اور

قرآن مجید اخروی حیات کا سبب ہے' اور وادیوں کو بندوں کے دلوں کے ساتھ تشبیہ دی کیونکہ جس طرح وادیوں میں پانی مستقر ہوتا ہے اسی طرح بندوں کے دلوں میں انوار قرآن اور مضامین قرآن جگہ پاتے ہیں اور جس طرح بعض وادیاں تنگ ہوتی ہیں اور بعض کشادہ او'ران کی گنجائش اور وسعت کے اعتبار سے ان میں پانی ہوتا ہے' اسی طرح دلوں کی پاکیزگی اور ان کی نجاست اور ان کی قوت فہم کی زیادتی اور کمی کے اعتبار سے ان میں قرآن مجید کے مضامین اور انوار کم اور زیادہ ہوتے ہیں اور جس طرح پانی اور پگھلے ہوئے معدنیات کی مائع سطح پر خس و خاشاک اور ان کا میل کچیل جھاگ کی صورت میں ان کی سطح پر آجاتا ہے اور جلد زائل ہو جاتا ہے اسی طرح قرآن مجید کے مضامین میں جو شکوک و شبہات ہوتے ہیں وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور علماء کے بیانات سے جلد زائل ہو جاتے ہیں اور عقائد اور احکام شرعیہ کی تصریحات اور ہدایات اور علمی نکات باقی رہ جاتے ہیں' یہ اس مثال اور تشبیہ کی تقریر ہے جس کو سب سے پہلے صرف امام رازی نے بیان کیا ہے اور بعد کے مفسرین نے اسی تقریر سے استفادہ کیا ہے اور ہم نے اس کو مزید وضاحت سے پیش کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جن لوگوں نے اپنے رب کے دین کو قبول کیا ان کے لیے نیک انجام ہے' اور جن لوگوں نے اس کے دین کو قبول نہیں کیا اگر ان کے پاس تمام روئے زمین کی چیزیں اور اتنی ہی اور چیزیں بھی ہوتیں تو وہ اپنے آپ کو (عذاب سے) چھڑانے کے لیے ان کو فدیہ میں دے دیتے' ان ہی لوگوں کا سخت حساب ہوگا' اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے' اور وہ ٹھہرنے کی کیسی بری جگہ ہے!○ (الرعد: ۱۸)

مومنوں اور کافروں کے اخروی احوال

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں اور کافروں کی مثالیں بیان فرمائی تھیں' اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں اور کافروں کے اخروی احوال بیان فرمائے ہیں۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جن لوگوں نے اپنے رب کی دعوت کو قبول کیا اور توحید' رسالت' تقدیر' قیامت' مرنے کے بعد اٹھنے اور جزا اور سزا پر ایمان لے آئے ان کے لیے نیک انجام ہے' اور نیک انجام سے مراد ہے خالص منفعت جو ہر قسم کے نقصان اور ہر قسم کے خطرات سے خالی ہو' اور وہ منفعت دائمی ہو اور اس کا کبھی انقطاع نہ ہو' جیسا کہ ان آیات میں ہے:

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ۗ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ۗ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ○ (یونس: ۲۶)

جن لوگوں نے نیک کام کیے ان کے لیے نیک انجام ہے اور مزید اجر ہے' ان کے چہروں پر نہ سیاہی چھائے گی نہ ذلت' یہی لوگ جنتی ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے○

وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ۨالْحُسْنٰى ۚ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا○ (الکہف: ۸۸)

اور جو شخص ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیے تو اس کے لیے آخرت میں نیک انجام ہے اور عنقریب ہم اسے آسان احکام دیں گے○

اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت نہیں کرتے وہ دنیا کی تمام چیزیں اور اتنی اور بھی اپنے آپ کو عذاب سے چھڑانے کے لیے فدیہ میں دے دیں پھر بھی وہ اپنے آپ کو عذاب سے نہیں چھڑا سکیں گے جیسا کہ ان آیات میں ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا ان کے مال اور ان کی اولاد

وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ۝ (آل عمران: ۱۰)

ان کو اللہ (کے عذاب) سے ہرگز نہ بچا سکیں گے اور یہی لوگ دوزخ کا ایندھن ہیں ۝

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَھُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِھِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَھَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَھُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا لَھُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝ (آل عمران: ۹۱)

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور وہ کفر کی حالت میں مر گئے تو ان میں سے کسی سے تمام روئے زمین کے برابر سونا نہیں قبول کیا جائے گا خواہ وہ اس کو فدیہ میں دے، ان کے لیے دردناک عذاب ہے اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہے ۝

اس آیت میں فرمایا ان کے لیے سوء الحساب ہے یعنی ان سے سخت حساب لیا جائے گا، سخت حساب کا معنی یہ ہے کہ ان سے ہر چیز کا حساب لیا جائے گا اور کسی چیز کو ترک نہیں کیا جائے گا ان کے ہر گناہ پر مواخذہ ہوگا اور ان کے کسی گناہ کو معاف نہیں کیا جائے گا۔

اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ

بھلا جو شخص یہ جانتا ہو کہ آپ کے رب کی جانب سے جو آپ کی طرف نازل ہوا ہے وہ برحق ہے، کیا وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا

اَعْمٰى ۭ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۱۹﴾ الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ

ہے جو اندھا ہو؟ صرف وہی لوگ نصیحت قبول کرتے ہیں جو صاحبانِ عقل ہیں ۝ جو لوگ اللہ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کرتے

وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ﴿۲۰﴾ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ

ہیں اور پکے عہد کو نہیں توڑتے ۝ اور جو ان رشتوں کو جوڑے رکھتے ہیں جن کے جوڑے رکھنے کا اللہ

يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْۗءَ الْحِسَابِ ﴿۲۱﴾ وَالَّذِيْنَ

نے حکم دیا ہے اور اپنے رب سے ڈرتے رہتے ہیں اور سخت حساب سے ڈرتے ہیں ۝ اور جو اپنے رب

صَبَرُوا ابْتِغَاۗءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ

کی رضا کی طلب میں صبر کرتے ہیں، اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے پوشیدہ

سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عُقْبَى

اور ظاہر خرچ کرتے ہیں اور برائی کو اچھائی سے دور کرتے ہیں ان ہی کے لیے آخرت کا (اچھا)

الدَّارِ ﴿۲۲﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَاۗىِٕهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ

گھر ہے ۝ دائمی جنتوں میں وہ خود (بھی) داخل ہوں گے اور ان کے باپ دادا، اور ان کی بیویوں

وَ ذُرِّيّٰتِهِمْ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ﴿۲۳﴾

اور ان کی اولاد میں سے نیکوکار اور فرشتے ہر دروازے سے ان کے پاس یہ کہتے ہوئے داخل ہوں گے ○

سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۴﴾ وَ الَّذِيْنَ

تم پر سلامتی ہو، کیونکہ تم نے صبر کیا، پس آخرت کا گھر کیسا اچھا ہے! ○ اور جو لوگ

يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَ يَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ

اللہ کے عہد کو اسے پختہ کرنے کے بعد توڑتے ہیں اور ان رشتوں کو توڑتے ہیں جنہیں جوڑنے کا اللہ نے

بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۙ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ

حکم دیا ہے اور زمین میں فساد کرتے ہیں، ان ہی پر لعنت ہے اور ان کے لیے (آخرت میں)

وَ لَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿۲۵﴾ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يَقْدِرُ ۭ وَ فَرِحُوْا

برا گھر ہے ○ اور اللہ جس کے لیے چاہتا ہے رزق کو کشادہ کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کرتا ہے اور

بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَ مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ﴿۲۶﴾

کافر دنیا کی زندگی سے بہت خوش ہیں اور دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلہ میں محض معمولی فائدہ ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بھلا جو شخص یہ جانتا ہو کہ آپ کے رب کی جانب سے جو آپ کی طرف نازل ہوا ہے وہ برحق ہے، کیا وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو اندھا ہو؟ صرف وہی لوگ نصیحت قبول کرتے ہیں، جو صاحبانِ عقل ہیں ○ (الرعد: ۱۹)

اس آیت میں بھی پہلی تشبیہ اور مثال کی طرف اشارہ ہے کہ کسی چیز کا عالم بمنزلہ بینا ہے اور کسی چیز سے جاہل بمنزلہ نابینا ہے، اور نابینا، بینا کی طرح نہیں ہے، کیونکہ نابینا جب کسی رہنما کے بغیر کسی راستہ میں جائے گا تو ہو سکتا ہے کہ وہ گڑھے، کنوئیں یا کسی کھلے ہوئے گٹر میں گر جائے یا کسی اور ہلاکت کا شکار ہو جائے۔

علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ یہ آیت حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ اور ابوجہل لعنہ اللہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو لوگ اللہ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کرتے ہیں اور پکے عہد کو نہیں توڑتے ○ (الرعد: ۲۰)

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا صرف وہی لوگ نصیحت قبول کرتے ہیں جو صاحبانِ عقل ہیں اور اس آیت میں ان کی یہ صفت بیان فرمائی ہے کہ وہ اللہ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کرتے ہیں اور پکے عہد کو نہیں توڑتے، اس عہد کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) اس سے مراد وہ عہد ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی پشت سے ان کی تمام اولاد کو نکال کر لیا تھا اور یہ پوچھا تھا: کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں تو سب نے کہا کیوں نہیں۔ (الاعراف: ۱۷۲)

(۲) ہر انسان کی عقل میں اللہ تعالیٰ نے یہ صلاحیت رکھی ہے کہ وہ دلائل سے اللہ تعالیٰ کی توحید اور انبیاء کی نبوت کو پہچان سکے۔

(۳) بعض احکام عقلی دلائل سے ثابت ہیں جو ناقابلِ تنسیخ ہیں، مثلاً قتل کرنا، زنا کرنا اور جھوٹ بولنا حرام ہے اور ہر وہ شخص جو اپنی عقل سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر سکتا ہے اس کا اللہ تعالیٰ سے یہ عہد ہے کہ وہ ان احکام پر عمل کرے گا۔

(۴) جب انسان کلمہ پڑھ کر اسلام میں داخل ہو گیا تو اس نے اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کر لیا کہ وہ اس کے تمام فرائض پر عمل کرے گا اور جن کاموں سے اس نے منع فرمایا ہے ان سے اجتناب کرے گا، اور جب اس نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو مان لیا تو اس نے یہ التزام کر لیا اور یہ عہد کر لیا کہ وہ آپ کی اطاعت اور اتباع کرے گا۔

سوال نہ کرنے کا عہد

امام ابوداؤد اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم سات، آٹھ یا نو نفر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے فرمایا کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت نہیں کرتے، اس وقت ہم نے آپ سے نئی نئی بیعت کی تھی، ہم نے عرض کیا ہم آپ سے بیعت کر چکے ہیں، حتیٰ کہ آپ نے تین مرتبہ فرمایا۔ ہم نے اپنے ہاتھوں کو بڑھایا اور آپ سے بیعت کر لی، ایک کہنے والے نے کہا یا رسول اللہ! ہم آپ سے بیعت کر چکے ہیں اب ہم آپ سے کس چیز پر بیعت کریں؟ آپ نے فرمایا تم اس پر بیعت کرو کہ تم اللہ کی عبادت کرو گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرو گے، اور تم پانچ وقت کی نمازیں پڑھو گے اور اس کے احکام سنو گے اور اطاعت کرو گے اور آپ نے چپکے سے ایک بات کہی کہ تم لوگوں سے بالکل سوال نہیں کرو گے۔ حضرت عوف بیان کرتے ہیں کہ ہمارے بعض ساتھیوں نے اس عہد پر اس پابندی سے عمل کیا کہ اگر کسی کا چابک نیچے گر جاتا تو وہ کسی سے اس چابک کو اٹھا کر دینے کا بھی سوال نہیں کرتا تھا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۴۲، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۴۳، سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۵۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۶۷)

سوال کرنے کے جواز کی شرائط

فقہاء اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ بغیر ضرورت کے سوال کرنا جائز نہیں ہے اور ضرورت کا معیار یہ ہے کہ اس کے پاس اتنی مالیت نہ ہو جس سے وہ ایک دن کھانا کھا سکے اور وہ اس قدر کمزور یا بیمار ہو کہ کما نہ سکتا ہو اور جو شخص کمانے اور کسب کرنے پر قادر ہو اس کا سوال کرنا حرام ہے اور جب وہ سوال کرے تو اپنے آپ کو ذلیل نہ کرے اور گڑگڑا کر سوال نہ کرے اور مسئول کو ایذاء نہ دے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت قبیصہ بن مخارق الہلالی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ سوال کرنے کے لیے گیا، آپ نے فرمایا تم ہمارے پاس ٹھہرو حتیٰ کہ ہمارے پاس صدقہ کا مال آ جائے پھر ہم تمہارے لیے حکم دیں گے پھر آپ نے فرمایا: اے قبیصہ! سوال کرنا صرف تین شخصوں میں سے ایک کے لیے جائز ہے۔ ایک وہ شخص جو نیک کاموں میں خرچ کرنے کے لیے کسی سے قرض لے، تو اس کے لیے سوال کرنا جائز ہے حتیٰ کہ وہ قرض ادا کر دے اور پھر سوال کرنے

سے رک جائے' اور دوسرا وہ شخص جس پر ایسی آفت یا مصیبت آئے جس سے اس کا تمام مال ضائع ہو جائے' اس کے لیے بھی اتنا سوال کرنا جائز ہے جس سے اس کی حاجت پوری ہو جائے اور تیسرا وہ شخص جو فاقہ سے ہو اور اس کی قوم کے تین عقلمند آدمی یہ گواہی دیں کہ یہ شخص فاقہ سے ہے۔ (یہ شرط بطور استحباب ہے) تو اس کے لیے اتنی مقدار کا سوال کرنا جائز ہے جس سے وہ فاقہ کو دور کر سکے' ان شرائط کے بغیر جو شخص سوال کرے گا تو وہ حرام کھائے گا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۴۴' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۶۴۰' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۵۷۹)

گواہوں کی شرط اس شخص کے لیے ہے جس کا مال دار ہونا مشہور ہو اور اب وہ یہ کہتا ہو کہ اس کا مال ضائع ہو چکا ہے اور لوگوں کو اس کا علم نہ ہو اور اس کی نوبت فاقہ تک پہنچ گئی ہو تو لوگوں کو یقین دلانے کے لیے کم از کم اس کی قوم کے دو گواہوں کا یہ گواہی دینا ضروری ہے کہ وہ فاقہ سے ہے اور تین آدمیوں کی گواہی مستحب ہے۔

توکل کا غلط مفہوم

قاضی ابو بکر محمد بن عبداللہ مالکی المعروف بابن العربی المتوفی ۵۴۳ھ لکھتے ہیں:

بندہ نے اللہ تعالیٰ سے جو عہد کیے ہیں ان میں سے ایک عہد یہ ہے کہ وہ گناہوں سے باز رہے گا' اور اس کا کم از کم درجہ یہ ہے کہ وہ کبیرہ گناہوں کا ارتکاب نہیں کرے گا' اور عظیم وعدوں میں سے یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے سوال نہیں کرے گا۔ ابو حمزہ خراسانی بہت بڑے عبادت گزار تھے' انہوں نے یہ حدیث سنی کہ صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس پر بیعت کی ہے کہ وہ کسی شخص سے سوال نہیں کریں گے' پھر اگر ان میں سے کسی کا چابک بھی گر جاتا تو وہ کسی شخص سے یہ نہیں کہتا تھا کہ یہ چابک مجھے اٹھا کر دو' تو ابو حمزہ نے کہا اے میرے رب! ان لوگوں نے تیرے نبی کی زیارت کی تھی تو انہوں نے تیرے نبی سے یہ عہد کیا تھا کہ وہ کسی سے سوال نہیں کریں گے' اور میں تجھ سے یہ عہد کرتا ہوں کہ میں کبھی بھی کسی سے سوال نہیں کروں گا۔ وہ حج کرنے کے لیے شام سے مکہ مکرمہ کے لیے روانہ ہوئے' وہ کسی سبب سے اپنے اصحاب سے بچھڑ گئے اور وہ رات کے اندھیرے میں جا رہے تھے' راستہ کے کنارے میں ایک کنواں تھا' وہ اس میں گر گئے۔ جب وہ کنویں کی گہرائی میں پہنچے تو ان کو یہ خیال آیا کہ میں کسی کو مدد کے لیے پکاروں' شاید کوئی شخص میری پکار سن کر مجھے کنویں سے نکال دے' پھر سوچا جس ذات سے میں نے یہ عہد کیا ہے کہ میں کسی سے سوال نہیں کروں گا' وہ مجھے دیکھ رہا ہے اور میری بات سن رہا ہے' اللہ کی قسم میں کسی شخص کو نہیں پکاروں گا۔ تھوڑی دیر کے بعد لوگوں کی ایک جماعت وہاں سے گزری' جب انہوں نے راستہ کے کنارے میں ایک کھلا ہوا کنواں دیکھا تو انہوں نے کہا اس کنویں کو بند کر دینا چاہیے ورنہ اس میں کوئی گر جائے گا' پھر وہ لکڑیوں کے تختے لائے اور ان تختوں کو کنویں کے منہ پر رکھ کر اس کو مٹی کا لیپ چڑھا کر پختہ طریقہ سے بند کر دیا۔ جب ابو حمزہ نے یہ دیکھا تو دل میں کہا اب تو ہلاکت بالکل سر پر پہنچ گئی ہے اور یہ ارادہ کیا کہ ان لوگوں کو آواز دے کر اپنی طرف متوجہ کروں' ورنہ میں کبھی بھی اس کنویں سے نہیں نکل سکوں گا' پھر اس کو یہ خیال آیا کہ جس ذات سے میں نے عہد کیا تھا وہ ان تمام حالات کو دیکھ رہا ہے' پھر وہ خاموش ہو گیا اور اللہ پر توکل کر کے بیٹھ گیا اور اپنی نجات کے متعلق غور و فکر کرنے لگا۔ پھر اچانک اس نے دیکھا کہ لوگوں نے کنویں کی جو چھت بنائی تھی اس سے مٹی گر رہی ہے' اور لکڑی کے تختے اپنی جگہ سے اٹھائے جا رہے ہیں' اور اسی وقت ایک شخص کی آواز آئی اپنا ہاتھ لاؤ' انہوں نے اس شخص کو اپنا ہاتھ دیا۔ اس نے ایک ہی بار میں ان کو اوپر اٹھا کر کنویں سے نکال لیا۔ وہ کہتے ہیں جب میں باہر نکلا تو مجھے کوئی شخص نظر نہیں آیا اور میں نے ہاتف غیبی کی یہ آواز سنی تم نے توکل کا ثمرہ دیکھ لیا! قاضی ابن العربی نے کہا اس شخص نے اللہ سے کیے ہوئے

عہد کو کامل طریقہ سے پورا کیا تھا، تم بھی اس کے طریقہ پر عمل کرو تو ہدایت پا جاؤ گے۔

(احکام القرآن ج ۳ ص ۸۴-۸۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۸ھ)

توکل کا صحیح مفہوم

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابو الفرج ابن الجوزی نے کہا ہے ابو حمزہ کا اس مقام پر توکل کرنا اور کسی سے سوال نہ کرنا اس کے زعم میں اس کی اپنے نفس پر اعانت تھی اور یہ جائز نہیں ہے اور اگر وہ توکل کا معنی سمجھتا تو وہ جان لیتا کہ اس حالت میں کسی سے مدد طلب کرنا توکل کے منافی نہیں ہے، جس طرح مکہ سے اپنی روانگی کو مخفی رکھنے کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم توکل سے خارج نہیں ہوئے اور ہجرت کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے راستہ دکھانے والے کو کرائے پر لیا اور اس سے فرمایا کہ اس معاملہ کو مخفی رکھے، اور آپ کا غار میں چھپنا اور سراقہ سے آپ کا یہ فرمانا کہ ہمارے معاملہ کو مخفی رکھے، پس جس توکل کی تحسین کی گئی ہے وہ کسی ممنوع کام کو شامل نہیں ہوتا، اور ابو حمزہ کا کنویں میں خاموشی کو اختیار کرنا ممنوع تھا، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے ایک ایسا آلہ پیدا کیا ہے جس سے وہ ضرر کو دفع کرتا ہے، اور ایک ایسا آلہ پیدا کیا ہے جس سے وہ نفع حاصل کرتا ہے پس اگر وہ توکل کا دعا کرتے ہوئے ان آلات کو معطل کردے تو یہ اس کی جہالت ہوگی اور ان آلات کو بنانے کی حکمت کو ضائع کرنا ہوگا، کیونکہ توکل تو صرف دل سے اللہ پر اعتماد کرنے کا نام ہے اور توکل کا یہ تقاضا نہیں ہے کہ اسباب منقطع کردیے جائیں۔ اگر انسان بھوکا ہو اور وہ کسی سے کھانے کا سوال نہ کرے اور بھوک سے مرجائے تو وہ گناہ گار ہوگا۔ علامہ ابو الفرج نے کہا کہ ابو حمزہ کے اس قول کی طرف التفات نہ کیا جائے کہ ایک شخص آیا اور اس نے مجھے کنویں سے نکال دیا، کیونکہ اگر یہ بات درست بھی ہو تو ایسا کبھی کبھار ہوتا ہے، یہ کوئی قاعدہ کلیہ نہیں ہے اور کبھی اللہ تعالیٰ اپنے جاہل بندے پر لطف و کرم فرماتا ہے اور اس واقعہ میں اس پر اللہ تعالیٰ کا جو لطف ہوا اس کا انکار نہیں کیا جائے گا، انکار اس چیز پر ہے کہ اس کی جان اس کے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت تھی اور اللہ تعالیٰ نے اس جان کی حفاظت کا حکم دیا ہے اور اس کو ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے اور اس نے اس جان کو ہلاکت میں ڈال دیا تھا اور یہ اس کے لیے جائز نہ تھا۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۹ ص ۲۷۰-۲۶۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو ان رشتوں کو جوڑے رکھتے ہیں جن کے جوڑے رکھنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور اپنے رب سے ڈرتے رہتے ہیں اور سخت حساب سے ڈرتے ہیں ○ (الرعد: ۲۱)

رشتوں کو جوڑنے کی اقسام

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہود کو پورا کرنے کا حکم دیا تھا جس کا خلاصہ ہے خالق کی تعظیم، اور اس آیت میں مخلوق کے ساتھ تعلق جوڑنے کا حکم دیا ہے جس کا خلاصہ ہے مخلوق پر شفقت، اور انسان پر لازم ہے کہ وہ خالق کی تعظیم بھی کرے اور مخلوق پر شفقت بھی کرے اور حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کی رعایت کرے۔

بندوں کے تمام حقوق واجبہ کی رعایت کرنا ضروری ہے، اس میں رشتہ داروں سے حسن سلوک کرنا اور ان سے تعلق کو قائم رکھنا بھی داخل ہے، اور تمام مسلمانوں کے ساتھ نیکی کرنا بھی داخل ہے۔ قرآن مجید میں ہے: انما المؤمنون اخوة۔ (الحجرات: ۱۰) "تمام مسلمان بھائی ہی ہیں۔" اس کا تقاضا یہ ہے کہ تمام مسلمانوں کے ساتھ نیکی کی جائے اور ان سے بقدر امکان ضرر کو دور کیا جائے اور مریض کی عیادت کی جائے، اور جنازہ کے ہمراہ جائیں اور نماز جنازہ پڑھیں، اور لوگوں کو

بکثرت سلام کریں اور ان سے مسکراتے ہوئے ملاقات کریں۔ راستہ سے کسی تکلیف دہ چیز کو دور کریں اور جانوروں کے ساتھ بھی نیکی کریں حتیٰ کہ مرغی اور بلی کے ساتھ بھی نیکی کریں۔

رشتوں کو جوڑنے کے متعلق احادیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس شخص کی ناک خاک آلودہ ہو، اس شخص کی ناک خاک آلودہ ہو، اس شخص کی ناک خاک آلودہ ہو، عرض کیا گیا کس کی یا رسول اللہ! فرمایا جس نے اپنے والدین کو یا ان میں سے کسی ایک کو یا دونوں کو بڑھاپے میں پایا پھر وہ جنت میں داخل نہیں ہوا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۵۱)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ باپ کی وفات کے بعد اس کے دوستوں سے تعلق جوڑ کر رکھا جائے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۵۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اس کے رزق میں کشادگی کی جائے اور اس کی عمر میں اضافہ کیا جائے اس کو چاہیے کہ وہ اپنے رشتہ داروں سے میل ملاپ رکھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۸۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۵۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رِحم رحمٰن کی رحمت کے آثار میں سے ایک اثر ہے، اللہ تعالیٰ نے (رِحم سے) فرمایا جو تجھ سے ملاپ رکھے گا میں اس سے ملاپ رکھوں گا اور جو تجھ سے منقطع ہو گا میں اس سے منقطع ہوں گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۸۸)

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قاطع رحم جنت میں داخل نہیں ہو گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۸۴، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۵۵)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص نیکی کے بدلہ نیکی کرے وہ رشتہ جوڑنے والا نہیں ہے، لیکن رشتہ جوڑنے والا وہ ہے جب اس سے رشتہ توڑا جائے تو وہ رشتہ جوڑے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۹۱)

حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زنا اور قطع رحم کے علاوہ اور کسی گناہ پر اللہ تعالیٰ دنیا میں جلدی مواخذہ نہیں فرماتا اور آخرت میں بھی اس کی سزا کو ذخیرہ کرتا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۱۱، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۹۰۲)

حضرت ابو اسید الساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ بنو سلمہ سے ایک شخص نے آکر پوچھا یا رسول اللہ! ماں باپ کے فوت ہونے کے بعد بھی میں ان کے ساتھ کوئی نیکی کر سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا ہاں! ان کی نماز جنازہ پڑھو، ان کے لیے استغفار کرو، اور ان کے بعد ان کے کیے ہوئے وعدوں کو پورا کرو، اور ان کے رشتہ داروں سے تعلق جوڑو اور ان کے دوستوں کی عزت کرو۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۵۱۴۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۶۴)

حضرت معاویہ بن جاہمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت جاہمہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں جہاد کرنا چاہتا ہوں اور آپ کے پاس مشورہ کے لیے آیا ہوں۔ آپ نے پوچھا تمہاری ماں ہے؟ اس نے

کہاہاں! آپ نے فرمایاتواس کولازم رکھو(اس کی خدمت میں رہو) کیونکہ جنت اس کے پیر کے پاس ہے۔
(مسند احمد ج ۳ ص ۴۲۹، سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۱۰۴، شعب الایمان رقم الحدیث: ۷۸۳۳)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میرے نکاح میں ایک عورت تھی جس سے میں محبت کرتا تھا اور حضرت عمراس کوناپسند کرتے تھے۔ حضرت عمر نے مجھ سے کہااس کوطلاق دے دو، میں نے انکار کیا۔ پھر حضرت عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور اس کاذکر کیا، تو مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایااس کوطلاق دے دو۔
(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۱۸۹، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۳۸)

سخت حساب کامعنی

اس آیت میں فرمایاہے: اور وہ سخت حساب سے ڈرتے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث سنتیں اور آپ کواس میں کوئی اشکال ہوتاتووہ آپ سے دریافت کرتیں حتیٰ کہ آپ اس کو سمجھ لیتیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص سے حساب لیاگیااس کوہلاک کردیاگیا، توحضرت عائشہ رضی اللہ عنہانے کہاکیااللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا:

فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا۔ تواس سے عنقریب بہت آسان حساب لیاجائے گا۔

(الانشقاق: ۸)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس سے مراد حساب کوپیش کرناہے، لیکن جس سے حساب میں مناقشہ کیاگیا(کہ تم نے فلاں کام کیوں کیا؟) وہ ہلاک ہوجائے گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۰۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۷۶)

اللہ تعالیٰ کاارشاد ہے: اور جواپنے رب کی رضاکی طلب میں صبر کرتے ہیں، اور نماز قائم کرتے ہیں، اور جوکچھ ہم نے ان کودیاہے اس میں سے پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتے ہیں، اور برائی کواچھائی سے دور کرتے ہیں، ان ہی کے لیے آخرت کا(اچھا) گھر ہے ○ (الرعد: ۲۲)

صبر کی اقسام

صبر کرنے کے کئی محمل ہیں، ایک یہ ہے کہ انسان عبادات کی مشقت پر صبر کرے اور بیماری، تکلیف اور غم اور پریشانی کے باوجود عبادات کے بجالانے میں کوئی تقصیر اور کوتاہی نہ کرے اور صبر کی اس گھاٹی کے امام حضرت ایوب علیہ السلام ہیں، اور صبر کی دوسری قسم یہ ہے کہ نفس اور شہوت کے تقاضوں پر صبر کرے اور اپنے نفس کوگناہوں سے آلودہ نہ ہونے دے، اور صبر کی اس وادی کے امام حضرت یوسف علیہ السلام ہیں اور صبر کی تیسری قسم ہے قدرتی آفات، مصائب اور نقصانات پر صبر کرنااور صبر کے اس میدان کے امام حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام ہیں۔

صبر کی وجوہ اور جس وجہ سے صبر اللہ کے لیے ہو

نقصانات اور مصائب پر صبر کرناکئی وجوہ سے ہوتاہے، ایک اس لیے کہ لوگ اس کی تحسین کریں اور یہ کہیں کہ اس شخص کاکتناحوصلہ ہے، اس نے کتنے بڑے غم کوکس قدر آسانی سے برداشت کرلیا، دوسرے اس لیے کہ اگراس نے بے قراری، شکوہ شکایت اور آہ وبکاسے کام لیاتولوگ اس کی مذمت کریں گے اور اس کی عیب جوئی کریں گے، تیسرے اس لیے کہ اگراس نے اپنے رنج اور غم کااظہار کیاتواس کے دشمن خوش ہوں گے، چوتھے اس وجہ سے کہ اس کویہ علم ہے کہ اگر

اس نے اظہار غم کیا اور آہ و بکا کی تو اس کا کیا فائدہ ہے۔ جانے والی چیز تو جا چکی اس کے غم کرنے سے وہ واپس تو نہیں آسکتی۔ ان چار وجہوں میں سے انسان نے کسی ایک وجہ سے بھی صبر کیا تو یہ اس کا کمال نہیں ہے اور نہ باعث اجر و ثواب ہے، کمال اور اجر و ثواب اس میں ہے کہ جب کوئی آفت اور مصیبت آئے یا کوئی نقصان ہو تو وہ اس پر اس لیے صبر کرے کہ اس کی تقدیر میں اسی طرح ہے اور اللہ کی طرف سے جو کچھ ہوا وہ اس پر راضی ہے۔ اگر مال کا نقصان ہوا ہے تو مال اسی کا دیا ہوا تھا، اگر اولاد کا انتقال ہوا ہے تو اولاد اسی کی دی ہوئی تھی، حتیٰ کہ اس کی اپنی جان بھی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہے، وہ بھی ایک دن چلی جائے گی۔ ہر چیز کا اللہ تعالیٰ مالک ہے، وہ جب چاہتا ہے کوئی چیز دیتا ہے اور جب چاہتا ہے وہ چیز لے لیتا ہے اور جب اس پر کوئی مصیبت نازل ہو تو اس کی نظر مصیبت پر نہ ہو بلکہ مصیبت کے نازل کرنے والے پر ہو اور وہ اس کے مشاہدہ میں مستغرق ہو اور جانے والی چیز پر غم نہ کرے، خلاصہ یہ ہے کہ وہ اس لیے صبر کرے کہ وہ اللہ کی بنائی ہوئی تقدیر پر راضی اور شاکر ہے یا اس لیے صبر کرے کہ اللہ مالک ہے، وہ اپنی ملکیت میں جو چاہے کرے، کسی کو اعتراض کی کیا مجال ہے یا اس وجہ سے صبر کرے کہ اس کی نظر مصیبت پر نہیں ہے بلکہ مصیبت کے نازل کرنے والے پر ہے تو یہ وہ صبر ہے جو اللہ کی رضا کے لیے ہے اور طلب ثواب کے لیے ہے۔

زکوٰۃ کو ظاہر اور پوشیدہ دینے کے محامل

نیز فرمایا وہ اللہ کے دیئے ہوئے مال سے ظاہر اور پوشیدہ خرچ کرتے ہیں، ظاہراً خرچ کرنے سے مراد ہے زکوٰۃ ادا کرنا اور پوشیدہ خرچ کرنے سے مراد ہے نفلی صدقات میں خرچ کرنا۔ زکوٰۃ میں بھی افضل یہ ہے کہ پوشیدہ طور پر دی جائے تاکہ زکوٰۃ لینے والے کو عار محسوس نہ ہو اور دینے والے کا اخلاص بھی قائم رہے تاہم اگر یہ خطرہ ہو کہ اس پر زکوٰۃ نہ دینے کی تہمت ہو گی تو ظاہراً ادا کرے، یا جو زکوٰۃ اموال ظاہرہ پر ہے جو امام یا اس کے عاملین کو دی جاتی ہے وہ ظاہراً دے اور جو زکوٰۃ اموال باطنہ پر ہے جس کو وہ خود ادا کرتا ہے وہ پوشیدہ طور پر دے۔

بُرائی کو اچھائی سے دُور کرنے کے محامل

اور اس آیت میں فرمایا ہے اور وہ بُرائی کو اچھائی سے دُور کرتے ہیں۔ یعنی جب وہ اغواء شیطان اور شامت نفس سے کوئی گناہ کر بیٹھتے ہیں تو ان پر ندامت طاری ہوتی ہے اور وہ فوراً توبہ کرتے ہیں اور اس بُرائی کے تدارک اور تلافی کے لیے کوئی نیکی کرتے ہیں جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم جہاں کہیں بھی ہو اللہ سے ڈرتے رہو، اور بُرائی کے بعد کوئی نیکی کرو جو اس بُرائی کو مٹا دے اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آؤ۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۸۷، مسند احمد ج ۵ ص ۱۵۳، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۷۹۴، المستدرک ج ۱ ص ۵۴، حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۳۷۸)

ابن زید نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ وہ شر کو خیر سے دور کرتے ہیں۔ سعید بن جبیر نے کہا وہ بدی کو نیکی سے دور کرتے ہیں۔ ضحاک نے کہا وہ بے حیائی کی باتوں کو سلام کہہ کر دور کرتے ہیں۔ جویبر نے کہا وہ ظلم کو عفو کے ساتھ دور کرتے ہیں۔ ابن شجرہ نے کہا وہ گناہ کو توبہ کے ساتھ دور کرتے ہیں۔ قتیبی نے کہا وہ جہالت کی باتوں کو حلم اور حوصلہ کے ساتھ دور کرتے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ جب وہ گناہ کا ارادہ کرتے ہیں تو اس سے رجوع کر کے استغفار کرتے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ وہ شرک کو لا الٰہ الا اللہ کی شہادت کے ساتھ دور کرتے ہیں۔ یہ آٹھ اقوال ہیں اور ان کے معنی متقارب ہیں، حسب ذیل

آیتوں میں ان کی تائید ہے:

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۠ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۠ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۠ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ○ (آل عمران: ۱۳۶-۱۳۵)

اور جب وہ لوگ کوئی بے حیائی کا کام کر بیٹھیں یا اپنی جانوں پر ظلم کریں، تو اللہ کو یاد کر کے اپنے گناہوں کی معافی طلب کریں، اور اللہ کے سوا کون گناہوں کو بخشتا ہے! اور وہ عمداً اپنے کاموں پر اصرار نہ کریں ○ ان لوگوں کی جزاء ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے اور ایسی جنتیں ہیں جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں، جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور نیک کام کرنے والوں کا کیسا اچھا صلہ ہے!

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ (ھود: ۱۱۴)

بے شک نیکیاں گناہوں کو دُور کر دیتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: دائمی جنتوں میں وہ خود (بھی) داخل ہوں گے، اور ان کے باپ دادا، اور ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے نیکوکار، اور فرشتے ہر دروازے سے ان کے پاس یہ کہتے ہوئے داخل ہوں گے ○ تم پر سلامتی ہو، کیونکہ تم نے صبر کیا، پس آخرت کا گھر کیسا اچھا ہے! ○ (الرعد: ۲۳-۲۲)

جن صفات کی بناء پر جنت عطا کی جاتی ہے

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی آٹھ صفات بیان فرمائی تھیں: (۱) جو اللہ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کرتے ہیں اور پکے عہد کو نہیں توڑتے۔ (۲) جو رشتوں کو جوڑے رکھتے ہیں۔ (۳) اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں۔ (۴) سخت حساب سے ڈرتے رہتے ہیں۔ (۵) اپنے رب کی رضا کی طلب میں صبر کرتے ہیں۔ (۶) نماز قائم کرتے ہیں۔ (۷) ظاہر اور پوشیدہ خرچ کرتے ہیں۔ (۸) بُرائی کو اچھائی سے دُور کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آٹھ صفات ذکر فرمائیں، پھر اس کے بعد فرمایا جو مسلمان ان آٹھ صفات کے ساتھ موصوف ہوں گے ان کی جزاء یہ ہے کہ (۱) اللہ تعالیٰ ان کو دائمی جنتوں میں داخل فرمائے گا۔ (۲) ان کے باپ دادا، ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے جو نیک ہوں گے ان کو بھی دائمی جنتوں میں داخل فرمائے گا۔ (۳) فرشتے ہر دروازہ سے ان کو سلام کرتے ہوئے داخل ہوں گے۔ (۴) اور ان کے صبر کرنے کی تحسین فرمائیں گے۔

جنت الفردوس کو طلب کرنے کی دعا کرنی چاہیے

اس آیت میں نیک عمل کرنے والوں کے لیے جنت کی نوید کا ذکر ہے اور اس کے متعلق یہ حدیث بھی ہے: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس مسلمان نے پانچ نمازیں پڑھیں اور بیت اللہ کا حج کیا اور رمضان کے روزے رکھے (مجھے پتا نہیں کہ آپ نے زکوٰۃ کا ذکر کیا تھا یا نہیں) اللہ کے ذمہ (کرم) پر یہ ہے کہ اس کو بخش دے، خواہ اس نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی ہو یا اس زمین میں ٹھہرا رہا ہو جس میں وہ پیدا ہوا تھا، حضرت معاذ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا میں لوگوں کو اس کی خبر نہ دوں! آپ نے فرمایا: لوگوں کو چھوڑ دو، اے معاذ! جنت میں سو درجے ہیں، ہر دو درجوں کے درمیان سو سال کی مسافت ہے اور الفردوس سب سے بلند یا سب سے درمیانی جنت ہے، اسی سے جنت کے دریا نکلتے ہیں پس جب تم اللہ سے سوال کرو تو الفردوس کا سوال کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۹۰، ۷۴۲۳، مسند احمد رقم الحدیث: ۸۴۲۳۸، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۳۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۳۱)

نیک اعمال کے بغیر نسب کا غیر مفید ہونا

اس آیت میں فرمایا ہے: دائمی جنتوں میں وہ خود (بھی) داخل ہوں گے، اور ان کے باپ دادا اور ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے نیکو کار۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا اس سے مراد یہ ہے کہ جس نے اس طرح تصدیق کی جس طرح ان مسلمانوں نے تصدیق کی تھی خواہ اس کے عمل ان کی طرح نہ ہوں وہ بھی جنت میں داخل ہو جائے گا۔ زجاج نے کہا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ بیان فرمایا ہے کہ جب تک نیک اعمال نہ ہوں نسب سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا بلکہ کسی انسان کے باپ دادا، اس کی بیویوں اور اس کی اولاد نے اگر نیک اعمال نہ کیے ہوں تو وہ جنت میں نہیں داخل ہوں گے۔ علامہ واحدی نے کہا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جو فرمایا وہ صحیح ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اطاعت گزار کی جزا میں اس کی اس خوشی کو بھی رکھا ہے کہ اس کے اہل اس کے ساتھ جنت میں داخل ہوں اور یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ جس شخص نے نیک اعمال کیے اس کے اکرام کی وجہ سے اس کے اہل کو بھی جنت میں داخل کیا جائے گا اور اگر اس کے اہل اپنے نیک اعمال کی وجہ سے جنت میں داخل ہوں تو اس میں اس اطاعت گزار کے اکرام کا کوئی دخل نہیں ہے اور اس کے ساتھ اس کے اہل کو جنت میں داخل کرنے کے وعدہ کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہے کیونکہ جو شخص بھی نیک عمل کرے گا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔

(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۳۶، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

میں کہتا ہوں کہ زجاج کی تقریر درست ہے، اور علامہ واحدی کی جو تقریر امام رازی نے نقل کی ہے اول تو وہ واحدی کی تفسیر الوسیط میں مذکور نہیں ہے، ثانیاً اگر یہ کہا جائے کہ خواہ اطاعت گزار کے اہل نے نیک عمل نہ کیے ہوں وہ پھر بھی اس اطاعت گزار کے اکرام کی وجہ سے جنت میں داخل ہو جائیں گے تو یہ اس آیت کی صریح نص کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَ اَزْوَاجِهِمْ وَ ذُرِّيّٰتِهِمْ۔ (الرعد: ۲۳)

اور ان کے باپ دادا اور ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے جس نے نیک عمل کیے ہوں۔

جنت میں اپنے اہل و عیال کے ساتھ مجتمع ہونا بھی نعمت ہے

باقی رہا یہ کہ پھر اطاعت گزار کی کیا کرامت ہوئی، جب وہ اپنے ہی نیک اعمال کی وجہ سے جنت میں داخل ہوئے، اس کا جواب یہ ہے کہ اطاعت گزار کی کرامت یہ ہے کہ جنت میں اس کی اپنے اہل سے ملاقات ہو گی اور وہ سب مل کر رہیں گے اور اپنے ماں باپ، اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ مل کر جنت میں رہنا یہ اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے اور اس ملاپ اور اجتماع سے اس اطاعت گزار کو بہت خوشی حاصل ہو گی اور اس آیت سے یہ واضح ہو گیا کہ کسی شخص کو اپنے نسب پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے اور نیک اعمال کی کوشش کرنی چاہیے اور یہ بھی پیش نظر رہنا چاہیے کہ دخول جنت کے لیے نیک اعمال ظاہری اور صوری طور پر سبب ہیں، جنت میں دخول کا اصل سبب اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔

حافظ ابو عمر محمد بن یوسف بن عبد البر المالکی القرطبی المتوفی ۴۶۳ھ روایت کرتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا بھاری جسم کی تھیں۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کے پاس بوڑھی ہوگئیں۔ آپ نے ان کو طلاق دینے کا ارادہ کیا تو انہوں نے کہا آپ مجھے طلاق نہ دیں، میرے معاملہ میں آپ کو مکمل اختیار ہے، میں تو صرف یہ چاہتی ہوں کہ میرا حشر آپ کی ازواج میں ہو اور میں نے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دی، اور میرا وہ ارادہ نہیں ہے جو عورتوں کا ارادہ ہوتا ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے نکاح میں برقرار رکھا حتیٰ کہ ان کی وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں ہوئی۔ وہ حضرت عمر بن الخطاب کے آخر زمانہ خلافت میں فوت ہوئی تھیں۔

(الاستیعاب ج ۴ ص ۴۲۲، رقم: ۳۴۲۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ، سبل الہدیٰ والرشاد ج ۱۱ ص ۱۹۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۴ھ)

اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ کسی شخص کا اپنے اہل کے ساتھ جنت میں مجتمع ہونا بھی اسکے حق میں بہت بڑی نعمت ہے۔

جنت میں مومنوں کو فرشتوں کے سلام کرنے کے متعلق احادیث

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور فرشتے ہر دروازہ سے ان کے پاس یہ کہتے ہوئے داخل ہوں گے ○ تم پر سلامتی ہو کیونکہ تم نے صبر کیا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی مخلوق میں سب سے پہلے جنت میں فقراء مہاجرین داخل ہوں گے، جن کی وجہ سے سرحدوں کی حفاظت کی جاتی ہے اور ان کی وجہ سے مصائب سے نجات ملتی ہے، ان میں سے کوئی شخص اس حال میں فوت ہوتا ہے کہ اس کی خواہش اس کے دل میں ہی رہ جاتی ہے وہ اس خواہش کو پورا نہیں کر پاتا، اللہ تعالیٰ جن فرشتوں سے چاہے گا فرمائے گا ان لوگوں کے پاس جاؤ اور ان کو سلام کرو، فرشتے کہیں گے اے ہمارے رب ہم تیرے آسمان کے رہنے والے ہیں اور تیری مخلوق میں سب سے بہتر ہیں، کیا تو ہمیں یہ حکم دیتا ہے کہ ہم جا کر ان لوگوں کو سلام کریں! اللہ تعالیٰ فرمائے گا یہ میرے وہ بندے ہیں جو میری عبادت کرتے تھے اور میرے ساتھ بالکل شرک نہیں کرتے تھے، ان کی وجہ سے سرحدوں کی حفاظت ہوتی تھی، ان کی وجہ سے مصائب سے نجات ملتی تھی اور ان میں سے کوئی ایک شخص اس حال میں فوت ہوتا تھا کہ اس کی خواہش اس کے دل میں ہی ہوتی تھی، وہ اس خواہش کو پورا نہیں کر پاتا تھا، یہ سن کر فرشتے ان کے پاس ہر دروازہ سے جائیں گے اور کہیں گے تم پر سلامتی ہو کیونکہ تم نے صبر کیا۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۸، مسند احمد رقم الحدیث: ۶۵۷۰ عالم الکتب)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مومن جنت میں اپنے تخت پر ٹیک لگا کر بیٹھا ہوا ہو گا اور اس کے پاس اس کے خدام بیٹھے ہوئے ہوں گے پھر ایک فرشتہ اس سے اجازت لے کر اس کے پاس آئے گا اور اس کو سلام کر کے لوٹ جائے گا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۵۴۳۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

محمد بن ابراہیم بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال شہداء کی قبروں پر جاتے تھے اور فرماتے تھے السلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار۔ "تم پر سلام ہو کیونکہ تم نے صبر کیا پس آخرت کا گھر کیسا اچھا ہے!" حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان بھی ایسا کرتے تھے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۵۴۴۳، مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۶۷۱۶)

مومنوں کے صبر کرنے کی متعدد تفاسیر

فرشتے جو کہیں گے کیونکہ تم نے صبر کیا، اس کی کئی تفسیریں ہیں: (۱) سعید بن جبیر نے کہا تم نے اللہ کے احکام پر عمل

کرنے کی مشقت پر صبر کیا۔ (۲) حسن نے کہا تم نے دنیا کی فضول چیزوں پر صبر کیا۔ (۳) ابو عمران الجونی نے کہا تم نے فقر پر صبر کیا۔ (۴) نیز ابو عمران نے کہا تم نے دین کی مشکلات پر صبر کیا۔ (۵) ابن زید نے کہا تم نے اپنی محبوب چیزوں کے گم ہونے پر صبر کیا۔ (زاد المسیر ج ۴ص ۳۲۵) (۶) تم نے لازماً اطاعت کرنے اور گناہوں سے اجتناب کرنے پر صبر کیا۔ (۷) تم نے اتباع شہوات پر صبر کیا۔

عبد اللہ بن سلام اور علی بن الحسین رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ قیامت کے دن ایک منادی ندا کرے گا، صبر کرنے والے اٹھ کھڑے ہوں۔ پھر کچھ لوگ کھڑے ہوں گے، ان سے کہا جائے گا جنت کی طرف جاؤ۔ ان کو راستے میں فرشتے ملیں گے اور کہیں گے کہاں جا رہے ہو؟ وہ کہیں گے جنت کی طرف۔ فرشتے کہیں گے حساب سے پہلے؟ وہ کہیں گے ہاں۔ فرشتے پوچھیں گے تم لوگ کون ہو؟ وہ کہیں گے ہم اہلِ صبر ہیں۔ فرشتے پوچھیں گے تم نے کس پر صبر کیا تھا؟ وہ کہیں گے ہم نے اللہ کی عبادت کرنے پر صبر کیا اور ہم نے اللہ کی معصیت سے رکنے پر صبر کیا، اور ہم نے آفتوں اور مصیبتوں پر صبر کیا، پھر فرشتے ان سے کہیں گے تم جنت میں داخل ہو جاؤ عمل کرنے والوں کا کیسا اچھا اجر ہے، اور فرشتے کہیں گے تم پر سلامتی ہو کیونکہ تم نے صبر کیا پس آخرت کا گھر کیسا اچھا ہے، یعنی جنت دنیا کے مقابلہ میں کیسی اچھی ہے!

(الجامع لاحکام القرآن جز ۹ص ۲۷۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو لوگ اللہ کے عہد کو اسے پختہ کرنے کے بعد توڑتے ہیں اور ان رشتوں کو توڑتے ہیں جنہیں جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور زمین میں فساد کرتے ہیں ان ہی پر لعنت ہے اور ان کے لیے (آخرت میں) برا گھر ہے۔ (الرعد: ۲۵)

کفار کی صفات اور آخرت میں ان کی سزا

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے نیک اور صالح مومنین کی صفات کا ذکر فرمایا تھا، اور ان کو اللہ تعالیٰ آخرت میں جو اجر و ثواب عطا فرمائے گا اس کا بیان فرمایا تھا، اور چونکہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے، اس لیے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار اور فساق کی صفات کا ذکر فرمایا ہے اور ان کو آخرت میں جو عذاب دیا جائے گا اس کا بیان فرمایا ہے۔

مومنین صالحین کے متعلق فرمایا تھا وہ اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے وعدہ کو پورا کرتے ہیں اور کفار کے متعلق فرمایا وہ اللہ سے کیے ہوئے پختہ وعدوں کو توڑتے ہیں، یعنی انہوں نے عالم میثاق میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے اور شرک نہ کرنے کا جو وعدہ کیا تھا اس کو توڑتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی الوہیت اور توحید پر جو دلائل قائم کیے ہیں ان میں غور و فکر نہیں کرتے اور انبیاء علیہم السلام نے ان کو اللہ تعالیٰ کی توحید کا جو پیغام پہنچایا اس کو غور سے نہیں سنتے اور مسترد کر دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو جوڑنے کا حکم دیا ہے ان کو توڑ دیتے ہیں، یعنی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنوں سے قطع تعلق کرتے ہیں، ماں باپ اور دیگر رشتہ داروں سے حسن سلوک نہیں کرتے اور ان کے حقوق ادا نہیں کرتے اور زمین میں فساد کرتے ہیں، یعنی لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت پر ابھارتے ہیں، اور شرک اور بت پرستی کی دعوت دیتے ہیں، مسلمانوں کی جان اور مال پر ظلم کرتے ہیں اور ان کے خلاف جنگ کر کے ان کی بستیوں کو تباہ و برباد کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان پر لعنت ہے۔ یعنی دنیا اور آخرت میں وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بالکلیہ دور رہیں اور آخرت میں ان کا گھر جہنم ہے اور وہ برا گھر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ جس کے لیے چاہتا ہے رزق کو کشادہ کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کرتا

ہے اور کافر دنیا کی زندگی سے بہت خوش ہیں اور دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلہ میں محض معمولی فائدہ ہے O (الرعد: ۲۶)

دنیا میں کافروں کی ترقی اور خوش حالی اور مسلمانوں کی پسماندگی اور تنگی کی وجوہ

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ کفار جو اللہ سے کیے ہوئے عہود کو توڑتے ہیں اور زمین میں فساد کرتے ہیں ان کو آخرت میں عذاب دیا جائے گا اور وہ دنیا اور آخرت میں ملعون ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بالکلیہ دور ہیں' اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اگر وہ اللہ کی رحمت سے دور ہیں تو پھر دنیا میں ان کو رزق کی تنگی اور سختیوں اور مصائب میں مبتلا ہونا چاہیے تھا حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان پر رزق بہت کشادہ ہے اور وہ بہت عیش و آرام میں ہیں' ان کو بہت زیادہ مادی ترقی حاصل ہے' امریکا اور کینیڈا میں ان کی غذائی ضرورت سے کئی گنا زیادہ گندم پیدا ہوتی ہے جس کو وہ دوسرے ملکوں کو فروخت کرتے ہیں اور فالتو گندم سمندر میں پھینک دیتے ہیں' ان کے ہاں ایٹمی بجلی گھر ہیں' وہ ہر قسم کا اسلحہ بناتے ہیں اور فروخت کرتے ہیں۔ میڈیکل سائنس میں بھی وہ بہت ترقی یافتہ ہیں اور مہلک اور پیچیدہ امراض کے علاج کے لیے لوگ ان کے ملکوں کے ہسپتالوں میں جاتے ہیں' اس کے برخلاف مسلمان ممالک کے پاس اپنی ضرورت کے مطابق غلہ پیدا نہیں ہوتا' وہ ان سے غلہ خریدنے پر مجبور ہیں۔ یہی حال اسلحہ کا ہے اور یہی حال علاج معالجہ کا ہے' تمام مسلم ممالک امریکا' برطانیہ' فرانس' روس اور چین کے دست نگر اور محتاج ہیں۔ اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) آج اگر کافر ممالک زراعت' صنعت و حرفت' دفاعی ساز و سامان' طب اور دیگر سائنسی علوم میں ترقی یافتہ ہیں اور مسلم ممالک پس ماندہ ہیں تو اس کی یہ وجہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کو عقل اور کام کرنے کی صلاحیت زیادہ دی ہے اور مسلمانوں کو عقل اور استعداد کم دی ہے' بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ کافروں نے محنت اور جفاکشی کی اور علم کے حصول میں اپنی پوری توانائی صرف کر دی جبکہ مسلمان آرام طلب اور عیاش ہیں' اقبال نے بہت پہلے کہا تھا ؂

تیرے صوفے ہیں افرنگی تیرے قالیں ہیں ایرانی
لہو مجھ کو رُلاتی ہے جوانوں کی تن آسانی

آج ہمارے نوجوان دل لگا کر نہیں پڑھتے' نقل کر کے پاس ہوتے ہیں اور بعض اسلحہ کے زور پر نقل کرتے ہیں اور پاس ہوتے ہیں۔ وہ بھتے وصول کرتے ہیں اور ڈاکے ڈالتے ہیں۔ ان کا نصب العین سائنسی میدان میں قابلیت پیدا کرنا' کسی موضوع پر تحقیقی مقالہ لکھنا نہیں ہے' وہ نت نئی رنگینیوں اور تیز سے تیز نشے میں اپنے آپ کو ڈبو دینے کو حاصل حیات سمجھتے ہیں۔ مسلمان ملکوں میں زرخیز اور قابل کاشت زمینوں کی کمی نہیں ہے' ہماری زمینیں بانجھ نہیں ہیں' اگر ہم محنت اور جفاکشی سے کام لیں تو ہمارے ہاں بھی اتنی گندم پیدا ہو سکتی ہے کہ ہم اپنی ضروریات پوری کرنے کے بعد فاضل گندم کو فروخت کر سکیں۔ کمی زمین کی نہیں ہے کمی جذبہ اور لگن کی ہے' محنت اور جفاکشی کی ہے اور تمام شعبہ ہائے حیات میں یہی حال ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: لیس للانسان الا ما سعی۔ (النجم: ۳۹) انسان کو وہی ثمر ملتا ہے جس کی وہ سعی اور جدوجہد کرتا ہے۔ چین ہمارے بعد آزاد ہوا تھا اور آج وہ دنیا کی پانچویں ایٹمی طاقت ہے' بھارت ہمارے ساتھ آزاد ہوا تھا آج وہ کمپیوٹر ٹیکنالوجی میں دنیا میں دوسرے نمبر پر ہے۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ میں اس کے اپنے بنائے ہوئے جنگی طیاروں نے حصہ لیا تھا' جن چیزوں کو بھارت برآمد کرتا ہے ہم ان کو بمشکل درآمد کر پاتے ہیں۔ مادی ترقی میں وہی ملک آگے نکلے گا جو اس کے لیے لگن اور محنت سے کوشش کرے گا' سو کافروں نے اس میدان میں سنجیدہ کوشش کی وہ آگے نکل گئے اور مسلمانوں نے

کوشش نہیں کی وہ پیچھے رہ گئے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ کافر اللہ کے نزدیک حق پر ہیں اور مسلمان باطل پر ہیں۔

(۲) کافروں کی دنیاوی ترقی اور مسلمانوں کی دنیاوی پسماندگی حقیقی کامیابی اور حقیقی ناکامی کا نمونہ اور معیار نہیں ہے، حقیقی کامیاب وہ لوگ ہیں جن کے عقائد صحیح ہوں اور ان کے اعمال نیک ہوں اور ان کے اخلاق عمدہ ہوں۔ سوال میں جن کافر ملکوں کا ذکر کیا گیا ہے ان میں امریکہ، برطانیہ اور فرانس کے باشندے عیسائی ہیں، چین اور روس کے باشندے دہریے ہیں اور بھارت کے باشندے بت پرست ہیں۔ جس طرح ان کے عقائد مشرکانہ اور ملحدانہ ہیں اسی طرح ان کے اعمال اور اخلاق کا حال ہے، یہ ٹھیک ہے کہ وہ مادی طور پر بہت زیادہ ترقی یافتہ ہیں لیکن ان کی اخلاقی پستی کا یہ حال ہے کہ چرچ کے احتجاج کے باوجود ان کی پارلیمنٹ نے مردوں کی مردوں کے ساتھ اور عورتوں کی عورتوں کے ساتھ ہم جنس پرستی کو قانوناً جائز قرار دیا ہے، اگر چند سال مرد اور عورت اکٹھے رہیں تو ان کو قانوناً میاں بیوی قرار دیا جاتا ہے، جس طرح ہمارے ہاں کوئی شخص کثیر الاولاد ہوتا ہے اس طرح وہاں لوگ کثیر الولدیت ہوتے ہیں' ان کے ہاں بس کے اڈوں، پارکوں اور سڑکوں پر سرعام مرد اور عورت بوس و کنار میں مشغول ہوتے ہیں اور ساحلوں پر بے جھجک جنسی عمل میں مشغول ہوتے ہیں اور ناجائز بچوں کی پیدائش کا اوسط دن بدن ترقی پذیر رہتا ہے۔

(۳) قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے متعدد جگہ بیان فرمایا ہے کہ ہم نے کافروں کو دنیاوی مال مسلمانوں سے بہت زیادہ دیا ہے تاکہ انہیں ڈھیل دی جائے اور کفر کے علاوہ اس بے تحاشا مال و دولت کا شکر ادا نہ کرنے اور اس کو ناجائز مصارف میں خرچ کرنے کا انہیں مزید عذاب دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

أَيَحْسَبُونَ أَنَّمَا نُمِدُّهُم بِهِ مِن مَّالٍ وَبَنِينَ ○ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرَاتِ ۚ بَل لَّا يَشْعُرُونَ ○ (المومنون: ۵۶-۵۵)

کیا وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم مال اور اولاد سے ان کی جو مدد کر رہے ہیں ○ تو ہم ان کی نیکیوں میں جلدی کر رہے ہیں؟ بلکہ وہ شعور نہیں رکھتے ○

وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُم مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ○ وَأُمْلِي لَهُمْ ۚ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ ○ (الاعراف: ۱۸۳-۱۸۲)

اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہم انہیں تدریجاً ہلاکت کی طرف لے جا رہے ہیں جس کا انہیں علم بھی نہ ہو گا ○ اور میں انہیں مہلت دیتا ہوں بے شک میری خفیہ تدبیر بہت پکی ہے ○

اور اس آیت (الرعد: ۲۶) میں بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور اللہ جس کے لیے چاہتا ہے رزق کو کشادہ کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کرتا ہے، اور کافر دنیا کی زندگی سے بہت خوش ہیں اور دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلہ میں محض معمولی فائدہ ہے۔

(۴) احادیث میں بھی یہ بیان کیا گیا ہے کہ دنیا کی زندگی چند روزہ ہے، اس کے ٹھاٹھ باٹھ، زیب و زینت، اس کی شان و شوکت اور اس کے عیش و آرام کی خاطر اپنی جانوں کو گھلانا اور کھپانا نہیں چاہیے، یہ کافروں ہی کا حصہ ہے کیونکہ ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے، اور مسلمانوں کو چونکہ آخرت میں دائمی نعمتیں ملیں گی اس لیے ان کو دنیا کی عارضی نعمتوں کی طرف توجہ نہیں کرنی چاہیے۔

امام بخاری نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث روایت کی ہے، اس میں ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے چوبارے (بالاخانہ) پر گئے۔ حضرت عمر فرماتے ہیں میں نے نظر اٹھا کر آپ کے گھر میں

دیکھا پس اللہ کی قسم! میں نے اس میں صرف تین کچی کھالیں پڑی ہوئی دیکھیں، میں نے عرض کیا: آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ اللہ آپ کی امت کو وسعت عطا کرے، کیونکہ فارس اور روم پر بہت وسعت کی گئی ہے اور ان کو دنیا کا بہت ساز و سامان دیا گیا ہے حالانکہ وہ اللہ کی عبادت نہیں کرتے۔ آپ ٹیک لگائے ہوئے تھے، آپ نے فرمایا: اے ابن الخطاب! کیا تم اپنے دین کے متعلق شک میں ہو! یہ وہ قوم ہے جس کو اس کی پسندیدہ چیزیں دنیا کی زندگی میں دے دی گئی ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۴۶۸)

امام بخاری کی دوسری روایت میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بغیر کسی بستر کے چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے اور آپ کے سرہانے چمڑے کا ایک تکیہ تھا جس میں خشک گھاس بھری ہوئی تھی اور آپ کے پیروں کے پاس درخت سلم کے پتوں کا ڈھیر تھا اور آپ کے سر کی جانب کچی کھالیں لٹکی ہوئی تھیں۔ (حضرت عمر فرماتے ہیں) میں نے دیکھا کہ چٹائی کے نشانات آپ کے پہلو میں نقش ہو گئے تھے۔ میں رونے لگا۔ آپ نے پوچھا تم کیوں روتے ہو؟ میں نے کہا یا رسول اللہ! کسریٰ اور قیصر کس قدر عیش و آرام میں ہیں! اور آپ اللہ کے رسول ہیں! آپ نے فرمایا کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ ان کے لیے دنیا ہو اور ہمارے لیے آخرت ہو! (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۱۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۷۹)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک چٹائی پر سوئے ہوئے تھے جس کے نشانات آپ کے پہلو پر نقش ہو گئے تھے۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم آپ کے لیے بستر بنا دیں! آپ نے فرمایا مجھے دنیا سے کیا لینا ہے! میں دنیا میں صرف اس طرح ہوں جیسے کوئی مسافر ایک درخت کے سائے میں آرام کرے اور پھر اس کو چھوڑ کر اپنے سفر پر روانہ ہو جائے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۷۷، الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۴۶۷، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۳ ص ۲۱۷، مسند احمد ج ۱ ص ۳۹۱، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۰۹، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۴۹۹۸، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۹۳۰۳)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے رب نے مجھے یہ پیشکش کی کہ میرے لیے مکہ کی وادیوں کو سونے کا بنا دے۔ میں نے عرض کیا نہیں! اے میرے رب! لیکن میں ایک دن سیر ہو کر کھاؤں گا اور ایک دن بھوکا رہوں گا، جب میں بھوکا ہوں گا تو تجھ سے فریاد کروں گا اور تجھ کو یاد کروں گا، اور جب میں سیر ہوں گا تو تیرا شکر کروں گا اور تیری تعریف کروں گا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۴۷)

(۵) کافر جو دنیا میں بہت عیش و آرام اور جبر اور تکبر سے رہتے ہیں اور اس کے مقابلہ میں مسلمان بہت تنگی اور فقر اور عجز اور مسکینی سے رہتے ہیں، اس وجہ سے مسلمانوں کو مایوس نہیں ہونا چاہیے کیونکہ دنیا میں انہوں نے جو عیش و آرام اور جبر و تکبر سے وقت گزارا ہے، اس کے بدلہ میں انہیں آخرت میں عذاب برداشت کرنا پڑے گا۔ قرآن مجید میں ہے:

وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ ۖ أَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُونَ۔

جس دن کافروں کو آگ پر پیش کیا جائے گا (تو ان سے کہا جائے گا) تم اپنی دنیا کی زندگی میں اپنی پسندیدہ چیزوں کے مزے اٹھا چکے ہو اور ان کے فوائد حاصل کر چکے ہو سو آج تمہیں ذلت کا عذاب دیا جائے گا کیونکہ تم زمین میں ناحق تکبر کرتے تھے اور تم نافرمانی کرتے تھے۔

(الاحقاف: ۲۰)

آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ امریکہ کا جبر اور تکبر بے انتہا ہے' وہ نیو ورلڈ آرڈر کے ذریعہ تمام دنیا پر حکومت کرنا چاہ رہا ہے' اقوام متحدہ اس کی مرضی اور خواہش کے تابع ہے' برطانیہ اور فرانس اس کے حلیف ہیں۔ اس نے ایک عرصہ تک لیبیا کی فضائی پروازوں پر پابندی لگائے رکھی' اب افغانستان کی فضائی پروازوں پر پابندی لگادی ہے۔ عراق کا اپنا تیل ہے لیکن اس نے اس کے فروخت کرنے پر پابندی لگادی۔ وہ پابندی لگادیتا ہے کہ فلاں ملک فلاں چیز نہ فروخت کرے اور فلاں ملک فلاں چیز نہ خریدے۔ وہ زمین میں ناحق تکبر کر رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کر رہا ہے' اور اس کا خمیازہ وہ آخرت میں بھگتے گا' اور دنیا میں بھی ان شاء اللہ اس کے غرور کا سر نیچا ہوگا' کیونکہ ہر عروج کا ایک دن زوال ہوتا ہے۔ اب سے بیس سال پہلے روس بھی بدمست ہاتھی کی طرح تھا لیکن آج وہ معاشی طور پر منہدم ہو کر ٹوٹ پھوٹ چکا ہے۔ اس کے خزانے میں ملازمین کو تنخواہیں دینے کے لیے پیسے نہیں ہیں' اس کے پاس اسلحہ کا ڈھیر ہے لیکن روٹیوں کے لالے پڑے ہوئے ہیں۔ سو میں اس وقت ہوں یا نہ ہوں لیکن ان شاء اللہ ایک دن ایسا ضرور آئے گا کہ امریکہ کا سرِ غرور جھک چکا ہوگا۔

(٦) اس اشکال کے حل میں یہ حدیث بھی پیش نظر رہنی چاہیے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا مومن کا قید خانہ ہے اور کافر کی جنت ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۲۴' مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۵۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۱۳' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۶۴۶۶' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۸۷' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۲۸۰۳' حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۳۵۰' الکامل لابن عدی ج ۳ ص ۸۸۹' شرح السنہ رقم الحدیث: ۴۱۰۴)

مسلمان برحق ہونے کے باوجود کیوں مسکینی اور پستی کا شکار ہیں اور کفار بدعقیدہ ہونے کے باوجود کیوں شان و شوکت سے رہتے ہیں' یہ اشکال اکثر مسلمانوں کو پریشان کرتا ہے' اس لیے میں نے عقلی دلائل سے بھی اس الجھن کا حل پیش کیا ہے اور قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے بھی اس اشکال کو دور کیا ہے' اللہ تعالیٰ میری اس کاوش کو قبول فرمائے (آمین!)

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ ۗ قُلْ إِنَّ

اور کافر یہ کہتے ہیں کہ ان کے اوپر ان کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں نازل کی گئی' آپ کہیے بیشک

اللَّهَ يُضِلُّ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ أَنَابَ ﴿٢٧﴾ الَّذِينَ آمَنُوا

اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے اس کو ہدایت دیتا ہے ○ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے

وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُم بِذِكْرِ اللَّهِ ۗ أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ﴿٢٨﴾

اور ان کے دل اللہ کے ذکر سے مطمئن ہیں' سنو! اللہ کے ذکر سے ہی دل مطمئن ہوتے ہیں ○

الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ طُوبَىٰ لَهُمْ وَحُسْنُ مَآبٍ ﴿٢٩﴾

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ان کے لیے طوبیٰ (خوش حالی) اور اچھا ٹھکانا ہے ○ جس

كَذٰلِكَ اَرۡسَلۡنٰكَ فِیۡۤ اُمَّةٍ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِهَاۤ اُمَمٌ لِّتَتۡلُوَا۠

طرح ہم نے پہلی امتوں میں رسول بھیجے تھے) اسی طرح ہم نے آپ کو ایک اُمت میں بھیجا ہے، اس اُمت سے پہلے کئی امتیں گزر

عَلَیۡهِمُ الَّذِیۡۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡكَ وَهُمۡ یَكۡفُرُوۡنَ بِالرَّحۡمٰنِ ؕ قُلۡ

چکی ہیں تاکہ آپ ان پر اس کتاب کی آیتیں تلاوت کریں جس کی ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے اور وہ رحمٰن کا انکار کرتے ہیں،

هُوَ رَبِّیۡ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عَلَیۡهِ تَوَكَّلۡتُ وَاِلَیۡهِ مَتَابِ ﴿۳۰﴾ وَلَوۡ

آپ کہیے وہ میرا رب ہے اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، میں نے اسی پر توکل کیا ہے اور اسی کی طرف میرا لوٹنا ہے ○ اور اگر

اَنَّ قُرۡاٰنًا سُیِّرَتۡ بِهِ الۡجِبَالُ اَوۡ قُطِّعَتۡ بِهِ الۡاَرۡضُ اَوۡ كُلِّمَ بِهِ

کوئی ایسا قرآن ہوتا جس سے پہاڑ چلائے جاتے یا زمین کی مسافت (جلد) طے کی جاتی یا اس سے مردوں کے ساتھ

الۡمَوۡتٰی ؕ بَلۡ لِّلّٰهِ الۡاَمۡرُ جَمِیۡعًا ؕ اَفَلَمۡ یَایۡـَٔسِ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ

باتیں کی جاتیں (تو وہ پھر بھی ایمان نہ لاتے) بلکہ تمام چیزیں اللہ ہی کے اختیار میں ہیں، کیا پس ایمان والوں پر یہ منکشف

لَّوۡ یَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَی النَّاسَ جَمِیۡعًا ؕ وَلَا یَزَالُ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا

نہیں ہوا کہ اگر اللہ چاہتا تو سب لوگوں کو ہدایت دے دیتا، اور کافروں کو اپنے کرتوتوں کی وجہ سے

تُصِیۡبُهُمۡ بِمَا صَنَعُوۡا قَارِعَةٌ اَوۡ تَحُلُّ قَرِیۡبًا مِّنۡ دَارِهِمۡ حَتّٰی

ہمیشہ کوئی نہ کوئی مصیبت پہنچتی رہے گی یا ان کے مکانوں کے قریب (مصیبت) آتی رہے گی حتیٰ کہ

یَاۡتِیَ وَعۡدُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُخۡلِفُ الۡمِیۡعَادَ ﴿۳۱﴾

اللہ کا وعدہ آ جائے گا، بے شک اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کافر یہ کہتے ہیں کہ ان کے اوپر ان کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں نازل کی گئی، آپ کہئے بے شک اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے اس کو ہدایت دیتا ہے○

(الرعد: ٢٧)

اللہ تعالیٰ کے گمراہ کرنے اور اس کے ہدایت دینے کے محامل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کفار مکہ نے کہا: اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) اگر آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں تو آپ ہمارے پاس کوئی زبردست معجزہ لے کر آئیں جس کا اعجاز بالکل ظاہر اور بدیہی ہو جیسے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ

علیہما السلام کے معجزات تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس مطالبہ کا یہ جواب دیا کہ بے شک اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے اس کو ہدایت دیتا ہے۔ اس جواب کی وضاحت حسب ذیل طریقوں سے ہے:

(۱) جب اللہ تعالیٰ نے رسول کے صدق پر ایک معجزہ پیش کر دیا تو اب اور معجزات کو طلب کرنا جہل اور عناد ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ رسالت کے صدق پر بکثرت معجزات پیش کیے، لیکن گمراہی اور ہدایت اللہ کی طرف سے ہوتی ہے، ان معجزات کو دیکھنے کے باوجود بعض کفار گمراہی پر ڈٹے رہے اور ان ہی معجزات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بعض کافروں کو ہدایت دے دی، اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے بے شک اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے، اس کا یہ معنی ہے کہ جو کفار ضد اور عناد سے کام لیتے تھے ان کو اللہ تعالیٰ نے ان کی اختیار کردہ گمراہی پر برقرار رکھا، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جو لوگ ان معجزات اور آیات سے رہنمائی اور ہدایت حاصل کرنا چاہتے تھے ان کو اللہ تعالیٰ نے گمراہ کر دیا بلکہ جو لوگ حقیقت کی تلاش اور طلب ہدایت کے لیے ان معجزات میں غور و فکر کرتے تھے اللہ تعالیٰ ان میں ہدایت پیدا کر دیتا تھا اور یہی اس آیت کا معنی ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے اس کو ہدایت دیتا ہے۔

(۳) جب کفار نے مزید آیات اور معجزات کا مطالبہ کیا تو گویا کہ ان سے کہا گیا کہ اور معجزات اور آیات کے نازل کرنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے کیونکہ گمراہی اور ہدایت تو اللہ کی طرف سے ہوتی ہے، اگر بہت زیادہ معجزات نازل کیے جائیں اور پھر بھی ہدایت حاصل نہ ہو تو اس سے کیا فائدہ ہوگا اور اگر ایک معجزہ سے ہی ہدایت حاصل ہو جائے تو فائدہ حاصل ہو جائے گا، اس لیے مزید آیات اور معجزات کے مطالبہ میں مشغول نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر اور خضوع اور خشوع سے ہدایت کو طلب کرو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کے ذکر سے مطمئن ہیں، سنو! اللہ کے ذکر سے ہی دل مطمئن ہوتے ہیں ○ (الرعد: ۲۸)

اللہ کے ذکر سے دلوں کے مطمئن ہونے اور خوف زدہ ہونے کے درمیان تطبیق

اس آیت کا معنی ہے جن لوگوں کو اللہ ہدایت دیتا ہے ان کے دل اللہ کے ذکر سے مطمئن ہیں یعنی وہ اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور اس کی آیات میں غور و فکر کرتے ہیں اور اپنی بصیرت سے وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کمال کو پہچان لیتے ہیں۔ مجاہد نے کہا وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں، اور اس کے حکم میں قیامت تک کے کامل مومن داخل ہیں۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ سورۃ الانفال میں تو یہ فرمایا ہے کہ اللہ کے ذکر سے مومنوں کے دل خوف زدہ ہوتے ہیں:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ۔ (الانفال: ۲)

وہی لوگ مومن ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل خوف زدہ ہو جائیں۔

پس سورۃ الرعد میں فرمایا ہے اللہ کے ذکر سے دل مطمئن ہوتے ہیں اور سورۃ الانفال میں فرمایا ہے کہ اللہ کے ذکر سے دل خوف زدہ ہوتے ہیں اور یہ کھلا ہوا تعارض ہے، اس تعارض کو حسب ذیل وجوہ سے دُور کیا گیا ہے:

(۱) وہ جب قرآن مجید میں سزا کی وعید کی آیات پڑھتے ہیں تو ان کے دل خوف زدہ ہوتے ہیں اور جب وہ اجر و ثواب کے وعدہ کی آیات پڑھتے ہیں تو ان کے دل مطمئن ہوتے ہیں۔

(۲) جب وہ اپنے ایمان کی کیفیت پر غور کرتے ہیں تو ان کا دل مطمئن ہوتا ہے اور جب وہ اپنی عبادات کی کیفیت پر غور کرتے ہیں تو ان کا دل خوف زدہ ہوتا ہے کہ ان کی عبادات کامل نہیں ہوں گی اور ان میں نقص ہوگا۔

(۳) جب وہ اللہ تعالیٰ کی صفات رحمت اور مغفرت میں غور کرتے ہیں تو ان کا دل مطمئن ہوتا ہے اور جب وہ اللہ تعالیٰ کی صفات قہر و غضب میں غور کرتے ہیں تو ان کا دل خوف زدہ ہوتا ہے۔

(۴) جب وہ اپنے گناہوں پر غور کرتے ہیں تو دل خوف زدہ ہوتا ہے اور جب وہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت کی وسعت پر غور کرتے ہیں تو دل مطمئن ہوتا ہے۔

مطمئن دلوں کے مصداق

امام ابوالشیخ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے پوچھا کیا تم جانتے ہو کہ یہ کون لوگ ہیں؟ (جن کے دل مطمئن ہیں) صحابہ نے کہا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جاننے والے ہیں۔ فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ سے، اس کے رسول سے اور میرے اصحاب سے محبت رکھیں۔

امام ابن مردویہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ سے، اس کے رسول سے اور میرے اہلِ بیت سے سچی محبت رکھیں اور مسلمانوں سے محبت رکھیں خواہ وہ حاضر ہوں یا غائب۔ سنو! اللہ کے ذکر کی وجہ سے وہ ایک دوسرے سے محبت رکھتے ہیں۔

(الدر المنثور ج ۴ ص ۶۴۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ان کے لیے طوبیٰ (خوش حالی) اور اچھا ٹھکانا ہے O (الرعد: ۲۹)

طوبیٰ کا معنی اور اس کے متعلق احادیث

طوبیٰ طیب کا مصدر ہے اور اس کا معنی مومنین کے لیے پاکیزہ زندگی ہے اور نعمت اور خیر اور سرور ہے اور ایک معنی یہ ہے کہ طوبیٰ جنت میں ایک درخت ہے جس کے سائے میں ایک سوار سو سال تک سفر کرتا رہے گا اور حسن مآب کا معنی ہے عزت والا ٹھکانا۔

عتبہ بن عبد بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا یا رسول اللہ! کیا جنت میں پھل ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: ہاں جنت میں ایک درخت ہے جس کا نام طوبیٰ ہے۔ الحدیث۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۱۸۳، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۷۷۹۳، عالم الکتب، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۴۱۷، المعجم الکبیر ج ۱۷ ص ۱۲۶، رقم الحدیث: ۳۱۲)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! اس شخص کے لیے طوبیٰ (خوشی) ہو جس نے آپ کو دیکھا اور آپ پر ایمان لایا۔ آپ نے فرمایا اس کے لیے طوبیٰ ہو جس نے مجھ کو دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا، پھر طوبیٰ ہو، پھر طوبیٰ ہو، پھر طوبیٰ ہو اس کے لیے جو مجھ پر ایمان لایا حالانکہ اس نے مجھ کو نہیں دیکھا۔ ایک شخص نے پوچھا طوبیٰ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا وہ جنت میں ایک درخت ہے، اس کی سو سال کی مسافت ہے اور اہل جنت کا لباس اس کے شگوفوں سے نکلتا ہے۔ الحدیث۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۷۱، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۱۳۷۴، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۱۸۶)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں ایک درخت ہے جس کے سائے میں ایک سوار سو سال تک چلتا رہے گا اور اگر تم چاہو تو قرآن مجید کی یہ آیت پڑھو: وظل ممدود۔ (الواقعہ: ۳۰)

(مسند احمد ج ۳ ص ۱۱۰، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۵۱، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۲۶، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۹۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (جس طرح ہم نے پہلی امتوں میں رسول بھیجے تھے) اسی طرح ہم نے آپ کو ایک امت میں بھیجا ہے، اس امت سے پہلے کئی امتیں گزر چکی ہیں تاکہ آپ ان پر اس کتاب کی آیتیں تلاوت کریں جس کی ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے، اور وہ رحمٰن کا انکار کرتے ہیں، آپ کہئے وہ میرا رب ہے اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، میں نے اسی پر توکل کیا ہے اور اسی کی طرف میرا لوٹنا ہے O (الرعد: ۳۰)

رحمٰن کے انکار کا شانِ نزول

اس آیت میں فرمایا ہے: اور وہ رحمٰن کا انکار کرتے ہیں، اس کے شانِ نزول میں متعدد روایات ہیں:

امام ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ مجاہد سے روایت کیا ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھا تو قریش نے کہا الرحمٰن نہ لکھو، ہم نہیں جانتے کہ رحمٰن کیا چیز ہے اور ہم صرف باسمک اللھم لکھتے ہیں، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، اور وہ رحمٰن کا انکار کرتے ہیں آپ کہئے وہ میرا رب ہے اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، میں نے اسی پر توکل کیا ہے اور اسی کی طرف میرا لوٹنا ہے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۵۴۷۹، معالم التنزیل ج ۳ ص ۱۴)

معروف یہ ہے کہ یہ آیت مکی ہے اور اس کے نزول کا سبب یہ ہے کہ ابوجہل نے سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غار میں پکار رہے تھے یا اللہ یا رحمٰن، وہ مشرکین کے پاس گیا اور اس نے کہا کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) دو خداؤں کے پکارنے سے منع کرتے ہیں اور وہ خود دو خداؤں کو پکار رہے ہیں، ایک اللہ اور ایک رحمٰن، اور ہم رحمٰن یمامہ کے سوا اور کسی رحمٰن کو نہیں جانتے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی:

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۔	آپ کہئے کہ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو، جس نام سے بھی پکارو سب اسی کے اچھے نام ہیں۔

(الاسراء: ۱۱۰)

اور ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار قریش سے کہا اسجدوا للرحمن رحمٰن کو سجدہ کرو تو انہوں نے کہا رحمٰن کیا چیز ہے؟ تب یہ آیت نازل ہوئی کہ آپ کہئے کہ وہ میرا رب ہے اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، میں نے اسی پر توکل کیا ہے اور اسی کی طرف میرا لوٹنا ہے۔

(معالم التنزیل ج ۳ ص ۱۴، زاد المسیر ج ۴ ص ۳۲۹، تفسیر کبیر ج ۷ ص ۴۲-۴۱، الجامع لاحکام القرآن جز ۹ ص ۲۷۸-۲۷۷)

واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہر اس نام سے پکارنا جائز ہے جو کسی بھی لغت میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے وضع کیا گیا ہو مثلاً عربی میں اللہ، فارسی میں خدا اور ترکی میں تنکری، اور اس کی صفات پر صرف ان ہی اسماء کا اطلاق جائز ہے جو اسماء قرآن مجید اور احادیث میں آچکے ہیں۔ بعض لوگ اللہ میاں بولتے اور لکھتے ہیں، یہ جائز نہیں ہے کیونکہ میاں کا لفظ قرآن اور حدیث میں وارد نہیں ہے علاوہ ازیں اس میں تنقیص کا معنی بھی ہے۔ میاں شوہر کو اور بوڑھے آدمی کو کہتے ہیں، ان کے علاوہ اس کے اور بھی کئی ایسے معنی ہیں جن میں نقص ہے اور ہر وہ لفظ جس میں نقص کا شائبہ ہو اس کا اللہ تعالیٰ پر اطلاق جائز نہیں ہے، اس کی مکمل تحقیق ہم نے الاعراف: ۱۸۰ اور شرح صحیح مسلم جلد سابع میں کی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر کوئی ایسا قرآن ہوتا جس سے پہاڑ چلائے جاتے یا زمین کی مسافت (جلد) طے کی جاتی یا اس سے مُردوں کے ساتھ باتیں کی جاتیں (تو وہ پھر بھی ایمان نہ لاتے) بلکہ تمام چیزیں اللہ ہی کے اختیار میں ہیں، کیا پس ایمان

والوں پر یہ منکشف نہیں ہوا کہ اگر اللہ چاہتا تو سب لوگوں کو ہدایت دے دیتا اور کافروں کو اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ہمیشہ کوئی نہ کوئی مصیبت پہنچتی رہے گی یا ان کے مکانوں کے قریب مصیبت آتی رہے گی، حتیٰ کہ اللہ کا وعدہ آجائے گا بے شک اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا○ (الرعد: ۳۱)

کفار کے فرمائشی معجزات اس لیے نہیں دیئے گئے کہ اللہ کے علم میں وہ ایمان لانے والے نہ تھے

مفسرین نے بیان کیا ہے کہ کعبہ کے پیچھے مشرکین مکہ بیٹھے ہوئے تھے، ان میں ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ بھی تھے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلوایا، آپ تشریف لے آئے۔ عبداللہ بن ابی امیہ نے کہا اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہم آپ پر ایمان لے آئیں تو آپ مکہ کے پہاڑوں کو اپنی جگہ سے کھسکا کر دُور دُور کر دیں حتیٰ کہ ہماری زمین کشادہ ہو جائے، یہ زمین بہت تنگ ہے، اور ہمارے لیے اس زمین میں چشمے اور دریا بنادیں تاکہ ہم اس زمین میں فصل اگائیں اور باغ لگائیں۔ آپ کا مرتبہ آپ کے رب کے نزدیک حضرت داؤد سے کم تو نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بھی تو پہاڑ مسخر کر دیئے تھے اور وہ ان کے ساتھ چلتے تھے، اور ہمارے لیے ہوا کو مسخر کر دیجئے تاکہ ہم اس پر سوار ہو کر ملک شام میں جائیں اور اپنی ضروریات پوری کریں، پھر اسی دن ہم ہوا کے دوش پر سفر کرتے ہوئے واپس آجائیں، آخر آپ کے بیان کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ہوا کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے بھی تو مسخر کر دیا تھا اور آپ کا مرتبہ آپ کے رب کے نزدیک حضرت سلیمان علیہ السلام سے کم تو نہیں ہے، اور آپ ہمارے لیے اپنے دادا قصی کو زندہ کر دیجئے یا ہمارے مُردوں میں سے کسی اور کو زندہ کر دیجئے، ہم اس سے یہ تحقیق کریں گے کہ آپ جو کچھ کہتے ہیں وہ حق ہے یا باطل، کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مُردوں کو زندہ کرتے تھے اور آپ کا مرتبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کم تو نہیں ہے! تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ سب چیزیں اللہ کے اختیار میں ہیں لیکن اگر ان کی یہ فرمائش پوری کر دی جاتی تو یہ پھر بھی ایمان نہ لاتے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۹ ص ۲۷۸، تفسیر کبیر ج ۷ ص ۴۲، جامع البیان جز ۱۳ ص ۲۰۰، البحر المحیط ج ۶ ص ۳۸۸)

اس اشکال کا جواب کہ مومنین اللہ کی قدرت سے مایوس تو نہ تھے

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

افلم یایئس الذین امنوا ان لو یشاء اللہ لھدی الناس جمیعا۔ اس آیت کا لفظی ترجمہ اس طرح ہے: کیا پس ایمان والے اس سے مایوس نہیں ہوئے کہ اگر اللہ چاہتا تو تمام لوگوں کو ہدایت دے دیتا، اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ایمان والے اللہ تعالیٰ کی قدرت سے مایوس نہیں تھے بلکہ ان کو یقین تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تمام لوگوں کو ہدایت دے دے گا، پھر اللہ تعالیٰ نے کیوں فرمایا کہ کیا پس ایمان والے اس سے مایوس نہیں ہوئے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ایمان والے اس سے مایوس تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو سب لوگوں کو ہدایت دے دے گا، حالانکہ اللہ تعالیٰ کی اس قدرت سے مایوس ہونا کفر ہے اور اس آیت میں اس کفریہ معنی کی نسبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک کے مومنین کی طرف کی گئی ہے۔ مفسرین کرام نے اس اشکال کا یہ جواب دیا ہے کہ افلم یایئس کا معنی افلم یعلم یا افلم یتبین ہے یعنی کیا مومنوں کو یہ علم نہیں ہوا یا ان پر یہ واضح اور منکشف نہیں ہوا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو سب لوگوں کو ہدایت دے دے گا، اور اس پر دلیل یہ ہے کہ افلم ییئس کی ایک قرأت افلم یتبین ہے اور حضرت علی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عکرمہ، مجاہد، ابومالک اور مقاتل وغیرہم نے اس لفظ کو اسی طرح پڑھا ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ النخع کی لغت میں یئس کا معنی یعلم ہے یعنی کیا پس انہوں نے نہیں جانا الخ۔ ابن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی

طرح روایت کیا ہے اور حسن بصری، قتادہ، ابن زید اور ابن قتیبہ کا یہی قول ہے۔ قاضی بیضاوی اور بعض دیگر مفسرین نے اس اشکال کا یہ جواب بھی ذکر کیا ہے کہ علم سبب ہے اور مایوسی مسبب ہے۔ جب مسلمانوں کو یہ علم ہوگا کہ اگر اللہ چاہے تو سب کو ہدایت دے سکتا ہے تب ہی وہ ان کافروں کے ایمان لانے سے مایوس ہوں گے سو اس آیت میں ذکر مسبب کا ہے اور اس سے مراد سبب ہے اور مایوسی سے مراد علم ہے یعنی کیا پس مسلمانوں کو یہ علم نہیں ہوا کہ اگر اللہ چاہے تو سب لوگوں کو ہدایت دے دے گا۔ امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ، علامہ ابوالحسن الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ، علامہ الحسین بن مسعود البغوی المتوفی ۵۱۶ھ، علامہ عبدالرحمٰن بن علی الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ، امام فخرالدین رازی متوفی ۶۰۶ھ، علامہ ابو عبداللہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ، قاضی بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ، علامہ نظام الدین نیشاپوری متوفی ۷۲۸ھ، علامہ ابوالحیان اندلسی متوفی ۷۵۴ھ، علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، علامہ شہاب الدین خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ، علامہ محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ اور تقریباً تمام معتمد مفسرین نے ان جوابات کا ذکر کیا ہے۔ ہم نے اختصار کی وجہ سے چند مفسرین کے اسماء ذکر کیے ہیں، ان کی کتابوں کے حوالہ جات حسب ذیل ہیں:

(جامع البیان جز ۱۳ ص ۲۰۰، النکت والعیون ج ۳ ص ۱۱۲، معالم التنزیل ج ۳ ص ۱۵، زاد المسیر ج ۴ ص ۳۳۱، تفسیر کبیر ج ۷ ص ۴۲، الجامع لاحکام القرآن جز ۹ ص ۲۷۹، انوار التنزیل ج ۳ ص ۳۳۰، غرائب القرآن ج ۴ ص ۱۶۱، البحر المحیط ج ۶ ص ۳۸۹، الدر المنثور ج ۴ ص ۶۵۱، عنایت القاضی ج ۵ ص ۲۱۸، روح المعانی جز ۱۳ ص ۲۲۴)

ییئس کا ترجمہ علم اور اطمینان کے ساتھ کرنے والے علماء

اس آیت کے ترجمہ میں اکثر مترجمین نے افلم ییئس کا ترجمہ علم اور اطمینان کیا ہے اور بعض مترجمین نے افلم ییئس کا ترجمہ مایوسی ہی کیا ہے، جن علماء نے اس کا ترجمہ علم اور اطمینان کیا ہے وہ یہ ہیں:

شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی متوفی ۶۹۱ھ اس آیت کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

آیا پس ندانستند آنانکہ گرویدند آنرا کہ اگر خواہد خدائے ہر آئینہ رہ نماید مردماں راہمہ را۔ الخ۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی متوفی ۱۱۷۶ھ لکھتے ہیں:

آیا ندانستہ اند مسلمانان کہ اگر خواستی خدا راہ نمودے مردماں راہمہ یکجا۔ الخ۔

شاہ عبدالقادر متوفی ۱۲۳۰ھ لکھتے ہیں:

کیا خاطر جمع نہیں ایمان والوں کو اس پر کہ اگر چاہے اللہ راہ پر لادے سب لوگ۔

علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری المتوفی ۱۴۱۸ھ لکھتے ہیں:

کیا نہیں جانتے ایمان والے اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب لوگوں کو ہدایت دے دیتا۔

اور ہم نے اس آیت کا اس طرح ترجمہ کیا ہے:

کیا پس ایمان والوں پر منکشف نہیں ہوا کہ اگر اللہ چاہتا تو سب لوگوں کو ہدایت دے دیتا۔

ییئس کا ترجمہ ناامیدی کرنے والے علماء

اور جن علماء نے ییئس کا ترجمہ مایوسی کیا ہے ان کے تراجم اس طرح ہیں:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

تو کیا مسلمان اس سے ناامید نہ ہوئے کہ اللہ چاہتا تو سب آدمیوں کو ہدایت کر دیتا۔

محدث اعظم ہند سید محمد کچھوچھوی متوفی ۱۹۶۱ء لکھتے ہیں:

تو کیا ناامید نہ ہوئے جو ایمان لاچکے اس بات سے کہ اگر اللہ چاہتا تو سب لوگوں کو راہ دے دیتا۔

غزالی زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی متوفی ۱۴۰۶ھ لکھتے ہیں:

تو کیا مسلمان اس بات سے ناامید نہ ہوئے کہ اگر اللہ چاہتا تو سب لوگوں کو ہدایت کر دیتا۔

بعض عصاۃ مومنین کا آیات وعید کے عموم سے مخصوص ہونا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور کافروں کو اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ہمیشہ کوئی نہ کوئی مصیبت پہنچتی رہے گی یا ان کے مکانوں کے قریب مصیبت آتی رہے گی۔ آیت کے اس حصہ کے حسب ذیل دو محمل ہیں:

(۱) کفار مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو عداوت رکھتے تھے، آپ کی نبوت کا انکار کرتے تھے اور برے اعمال کرتے تھے اس کی وجہ سے آئے دن ان پر آفتیں اور مصائب آتے رہتے تھے اور ان کی جان، مال اور اولاد کا نقصان ہوتا رہتا تھا، یا عنقریب ان پر مصائب آئیں گے جن سے یہ خوف اور دہشت میں مبتلا ہوں گے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ آجائے گا اس سے مراد ان کی موت ہے یا قیامت ہے۔

(۲) کفار مکہ ہمیشہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دشمنی کا سلوک کرتے رہتے تھے اور آپ کی تکذیب کرتے رہتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ اسلام کے لیے مکہ کے گرد و نواح لشکر بھیجتے رہتے تھے، اور ان کے گھروں کے قریب مسلمانوں کے لشکر حملہ کرتے رہتے تھے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ کا وقت آجائے گا اور آپ مکہ فتح کرلیں گے، اللہ تعالیٰ نے آپ سے فتح مکہ کا وعدہ فرمایا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا، اس سے مقصود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو ڈھارس اور تسلی دینی ہے اور آپ کے دل سے غم کا ازالہ کرنا ہے۔

بعض علماء نے ان آیات سے یہ استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ اور وعید کے خلاف نہیں کرتا خواہ وہ وعید کفار سے متعلق ہو یا فساق مومنین سے۔ اس سے لازم آیا کہ اللہ تعالیٰ نے فساق مومنین کو عذاب کی جو وعید سنائی ہے اللہ تعالیٰ اس کے خلاف نہیں کرے گا اور گناہ کبیرہ کے مرتکبین سے عذاب ساقط نہیں ہوگا۔ ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بعض مسلمان گناہ گاروں سے عذاب ساقط کر دے گا اور اس آیت کے عموم سے وہ مخصوص ہیں اور اس تخصیص پر وہ آیات دلیل ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے گناہ گاروں کو معاف کرنے کا ذکر فرمایا ہے۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَأَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ

اور بے شک آپ سے پہلے رسولوں کا (بھی) مذاق اڑایا گیا، پس میں نے کافروں کو

كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۖ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿۳۲﴾ اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ

ڈھیل دی، پھر میں نے ان کو پکڑ لیا سو کیسا تھا میرا عذاب ○ کیا جو ہر شخص کے

عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ ۚ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ۗ قُلْ سَمُّوْهُمْ ۗ

اعمال کا نگران ہے (وہ بتوں کی مانند ہو سکتا ہے!) اور لوگوں نے (اس کے باوجود) اللہ کے شریک بنالیے، آپ

أَمْ تُنَبِّئُونَهُ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي الْأَرْضِ أَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ۗ

کہیے تم ان کے نام تو بتاؤ، یا تم اس کو ایسی چیز کی خبر دے رہے ہو جس کو وہ زمین میں نہیں جانتا یا یونہی بے سر و پا بات کر رہے ہو،

بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوا عَنِ السَّبِيلِ ۗ

بلکہ کافروں کے لیے ان کا فریب خوب صورت بنا دیا گیا اور ان کو راہ حق سے روک دیا گیا

وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ﴿٣٣﴾ لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيَاةِ

اور جس کو اللہ گمراہ کر دے اس کے لیے کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے ○ ان کے لیے دنیا کی زندگی

الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَقُّ ۖ وَمَا لَهُم مِّنَ اللَّهِ مِن وَاقٍ ﴿٣٤﴾

میں عذاب ہے اور البتہ آخرت کا عذاب زیادہ دشوار ہے اور ان کو اللہ سے بچانے والا کوئی نہیں ہے ○

مَّثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ ۖ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ

متقین سے جس جنت کا وعدہ کیا گیا ہے اس کی صفت یہ ہے کہ اس کے نیچے سے دریا بہتے ہیں،

أُكُلُهَا دَائِمٌ وَظِلُّهَا ۚ تِلْكَ عُقْبَى الَّذِينَ اتَّقَوا ۖ وَّعُقْبَى

اس کا پھل اور اس کا سایہ ہمیشہ رہے گا، یہ متقین کا انجام ہے اور کافروں کا

الْكَافِرِينَ النَّارُ ﴿٣٥﴾ وَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَفْرَحُونَ بِمَا

انجام دوزخ ہے ○ اور وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب دی وہ اس سے خوش ہوتے ہیں جو

أُنزِلَ إِلَيْكَ ۖ وَمِنَ الْأَحْزَابِ مَن يُنكِرُ بَعْضَهُ ۚ قُلْ إِنَّمَا

آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے اور ان گروہوں میں سے بعض وہ ہیں جو اس (نازل شدہ) کے بعض کا انکار کرتے ہیں،

أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ وَلَا أُشْرِكَ بِهِ ۚ إِلَيْهِ أَدْعُو وَإِلَيْهِ

آپ کہیے کہ مجھے صرف یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کروں، میں اسی کی طرف بلاتا

مَآبِ ﴿٣٦﴾ وَكَذَٰلِكَ أَنزَلْنَاهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ۚ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُم

ہوں اور اسی کی طرف مجھے لوٹنا ہے ○ اور اسی طرح ہم نے اس (قرآن) کو نازل کیا ہے جو عربی زبان میں دستور ہے اور اگر آپ

بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ

(بھی) اس علم کے آنے کے بعد (بالفرض) ان کی خواہشوں کی پیروی کریں گے تو اللہ کے مقابلہ میں آپ کا نہ کوئی مددگار

وَّلَا وَاقٍ ﴿۳۷﴾

ہو گا نہ بچانے والا ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک آپ سے پہلے رسولوں کا (بھی) مذاق اڑایا گیا' پس میں نے کافروں کو ڈھیل دی' پھر میں نے ان کو پکڑ لیا سو کیسا تھا میرا عذاب! ○ (الرعد: ۳۲)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا

مشرکین مکہ نے بطور استہزاء اور تمسخر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان معجزات کو طلب کیا تھا' ان کا یہ استہزاء آپ پر بہت دشوار گزرا تھا' اور آپ کو ان باتوں سے بہت تکلیف اور اذیت پہنچی تھی' تب اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دینے کے لیے یہ آیت نازل فرمائی تاکہ آپ اپنی قوم کے اس جاہلانہ مطالبہ پر صبر کریں' اس لیے فرمایا باقی انبیاء علیہم السلام کا بھی ان کی قوموں نے اسی طرح مذاق اڑایا تھا جس طرح آپ کی قوم نے آپ کا مذاق اڑایا ہے' پھر میں نے ان کو ڈھیل دی یعنی ان پر اپنے عذاب کو موخر کر دیا پھر میں نے ان کو اچانک اپنی گرفت میں لے لیا' یعنی میں نے جس طرح پچھلی امتوں سے انتقام لیا تھا ان سے بھی انتقام لوں گا' پھر اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ کا رد کرنے کے لیے اور ان کو زجر و توبیخ کرنے کے لیے فرمایا:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا جو ہر شخص کے اعمال کا نگران ہے (وہ بتوں کی مانند ہو سکتا ہے!) اور لوگوں نے (اس کے باوجود) اللہ کے شریک بنا لیے' آپ کہئے کہ تم ان کے نام تو بتاؤ یا تم اس کو ایسی چیز کی خبر دے رہے ہو جس کو وہ زمین میں نہیں جانتا یا یونہی بے سروپا بات کر رہے ہو' بلکہ کافروں کے لیے ان کا فریب خوب صورت بنا دیا گیا' اور ان کو راہ حق سے روک دیا گیا اور جس کو اللہ گمراہ کر دے اس کے لیے کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے ○ (الرعد: ۳۳)

مشرکین کے خود ساختہ شرکاء کا رد

فرمایا کیا جو ہر نفس کے کیے ہوئے کاموں پر قائم ہے' اس قائم سے وہ معنی مراد نہیں ہے جو قاعد کی ضد ہوتا ہے یعنی کھڑا ہو جو بیٹھا ہوا نہ ہو بلکہ اس سے مراد ہے جو مخلوق کے تمام کاموں کا متولی ہے' ان کو پیدا کرتا ہے' ان کو رزق دیتا ہے' ان کی حفاظت کرتا ہے اور ان کو ان کے کاموں کی جزا اور سزا دیتا ہے' یعنی وہ تمام ممکنات پر قادر ہے اور تمام معلومات کا عالم ہے' لہٰذا وہ تمام انسانوں کے احوال کا جاننے والا ہے اور ان کے تمام مطالب کی تکمیل پر قادر ہے' وہ دنیا میں ان کو نفع پہنچانے اور ان سے ضرر کو دور کرنے پر قادر ہے اور آخرت میں اطاعت گزاروں کو ثواب عطا کرنے اور نافرمانوں کو عذاب دینے پر قادر ہے اور یہی معنی ہے اس آیت کا کہ کیا جو ہر شخص کے اعمال کا نگران ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں ہے' کیا اس کی مثل اور کوئی ہو سکتا ہے اور کیا یہ بت جو کسی کو نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ نفع دے سکتے ہیں یہ اس کی مثل ہو سکتے ہیں جو ہر شخص کے اعمال کا نگران ہے اور جو ہر شخص کو نفع اور نقصان پہنچانے پر قادر ہے!

اس کے بعد فرمایا اور لوگوں نے (اس کے باوجود) اللہ کے شریک بنا لیے! یعنی جس کی یہ صفت ہے کہ جو ہر شخص کے اعمال کا نگران ہے انہوں نے اس کی وحدانیت کو نہیں مانا اور اس کی تعظیم اور تکریم اور اس کی عبادت نہیں کی اور اس کے

شریک قرار دے دیے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے خود ساختہ شرکاء کے متعلق فرمایا ان کے نام تو بتاؤ، یعنی یہ اس قدر حقیر اور بے مایہ ہیں کہ یہ اس لائق نہیں کہ ان کا نام لیا جائے یا ان کا کوئی نام رکھا جائے، اور اگر وہ یہ کہیں کہ ان شرکاء کے نام لات، منات، عزیٰ اور ہبل ہیں تو فرمایا تم اللہ کو ایسی چیز کی خبر دے رہے ہو جس کو وہ زمین میں نہیں جانتا، اور زمین کی قید اس لیے لگائی ہے کہ مشرکین لات اور منات وغیرہ کو صرف زمین میں خدا کا شریک مانتے تھے اور جس چیز کے زمین میں ہونے کو اللہ تعالیٰ نہ جانتا ہو وہ زمین میں ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ جو چیز بھی زمین میں ہے اس کا اللہ تعالیٰ کو علم ہے، اور جب اللہ تعالیٰ کو ان کے ہونے کا علم نہیں ہے تو یہ اس کو مستلزم ہے کہ زمین میں ان شرکاء کا کوئی وجود نہیں ہے۔

جب اللہ نے کافروں کو گمراہ کر دیا پھر ان کی مذمت کیوں کی جاتی ہے؟

اس کے بعد فرمایا: بلکہ کافروں کے لیے ان کا فریب خوب صورت بنا دیا گیا، اور ان کو راہ حق سے روک دیا گیا، اور جس کو اللہ گمراہ کر دے اس کے لیے کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے۔

کافروں کے مکر و فریب سے مراد ان کا کفر ہے، شیطان نے ان کے لیے ان کے کفر کو مزین کر دیا تھا، یا کافر ایک دوسرے کے سامنے کفر کی تعریف اور تحسین کرتے تھے، یا وہ خود اپنے کفر کو اچھا اور قابل تعریف جانتے تھے کیونکہ ان کا کفران کے باپ دادا کی تقلید پر مبنی تھا، ان کو راہ حق سے روکنے والی ان کی یہی باپ دادا کی تقلید تھی، نیز وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر گردانتے تھے اور اپنے جیسے ایک شخص کو اپنا رہنما اور مقتدا مان لینا ان کے لیے باعث عار تھا اور ان کا یہی تکبر ان کو راہ حق سے روکنے والا تھا، اور چونکہ انہوں نے اپنے لیے گمراہی کا راستہ اختیار کیا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان میں گمراہی کو پیدا کر دیا اس لیے فرمایا اور جس کو اللہ گمراہ کر دے اس کے لیے کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے، ہماری اس تقریر سے یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ جب اللہ نے ہی ان کو گمراہ کر دیا پھر ان کی دنیا میں کیوں مذمت کی جا رہی ہے اور آخرت میں ان کو کیوں عذاب ہوگا!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان کے لیے دنیا کی زندگی میں عذاب ہے اور البتہ آخرت کا عذاب زیادہ دشوار ہے، اور ان کو اللہ سے بچانے والا کوئی نہیں ہے O (الرعد: ۳۴)

کافروں کے مصائب اور مسلمانوں کے مصائب کا فرق

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے جرائم کو بیان فرمایا تھا اور اس آیت میں ان جرائم کی سزا کو بیان فرمایا ہے اور یہ بتایا ہے کہ ان کو دنیا میں بھی عذاب ہوگا اور آخرت میں بھی عذاب ہوگا۔ دنیاوی عذاب یہ ہے کہ ان کے خلاف جہاد کیا جائے گا اور ان کو قتل کیا جائے گا اور ان کو قید کیا جائے گا اور میدانِ جنگ میں ان کا مال و متاع اور جنگی ساز و سامان ضبط کر لیا جائے گا۔ بعض مفسرین نے کہا کہ ان پر دنیا میں جو مصائب آتے ہیں وہ بھی ان کی سزا ہے، اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ دنیا میں تو مسلمانوں پر بھی مصائب آتے ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ گناہ گاروں پر جو مصائب آتے ہیں وہ ان کے گناہوں کا کفارہ بن جاتے ہیں، اور نیکوکاروں پر جو مصائب آتے ہیں اور وہ ان پر صبر کرتے ہیں تو وہ ان کے درجات کی بلندی کا سبب ہوتے ہیں اور صبر کرنے کی وجہ سے ان کو بے حد و حساب اجر و ثواب ملتا ہے، اس کے برخلاف کفار پر جو دنیا میں مصائب آتے ہیں وہ ان کے حق میں سزا کے سوا اور کچھ نہیں، اور آخرت میں جو ان کو عذاب ہوگا وہ زیادہ سخت اور زیادہ دشوار ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: متقین سے جس جنت کا وعدہ کیا گیا ہے اس کی صفت یہ ہے کہ اس کے نیچے سے دریا بہتے ہیں' اس کا پھل اور اس کا سایہ ہمیشہ رہے گا یہ متقین کا انجام ہے اور کافروں کا انجام دوزخ ہے○ (الرعد: ۳۵)

جنت کی صفات

قرآن مجید کا اسلوب یہ ہے کہ وہ کافروں کا انجام ذکر کرنے کے بعد مسلمانوں کے انجام کا ذکر فرماتا ہے کیونکہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے' اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کے انجام کا ذکر فرمایا تھا' سو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے اخروی انجام کا ذکر فرمایا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جنت کی تین صفات بیان فرمائی ہیں: (۱) جنت کے نیچے سے دریا بہتے ہیں۔ (۲) جنت کے پھل دائمی ہیں۔ دنیا کے باغات کے پھل' پتے اور منافع عارضی ہوتے ہیں اور فنا ہو جاتے ہیں اور آخرت کے باغات کے پھل اور منافع فنا نہیں ہوتے۔ (۳) جنت کا سایہ بھی دائمی ہے' اس سے مراد یہ ہے کہ جنت میں گرمی ہو گی نہ سردی ہو گی' نہ وہاں سورج اور چاند ہوں گے اور نہ وہاں اندھیرا ہو گا۔

مُتَّكِـِٔيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ۚ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا ○ (الدھر: ۱۳)

وہ اس جنت میں اونچے تختوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے' وہ جنت میں نہ دھوپ کی گرمی محسوس کریں گے نہ سردیوں کی ٹھنڈک○

جنت نہ بنائے جانے کے متعلق معتزلہ کے دلائل اور ان کے جوابات

جنت کے متعلق معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ اس وقت تو آسمانوں میں بہت سی جنات ہیں' جن میں فرشتے رہتے ہیں اور جو انبیاء علیہم السلام ابھی تک زندہ ہیں جیسے حضرت عیسیٰ' حضرت ادریس اور حضرت الیاس علیہم السلام وہ بھی ان جنتوں میں ہیں لیکن جو جنت اللہ تعالیٰ نے جزا اور سزا کے لیے بنائی ہے جس میں دوام اور خلود ہو گا وہ جنت ابھی نہیں بنائی گئی' وہ جنت اس وقت بنائی جائے گی جب اس کی ضرورت ہو گی اور وہ قیامت اور حشر اجساد کے بعد بنائی جائے گی۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اگر وہ جنت اس وقت موجود ہو تو قرآن مجید کی آیات میں تعارض لازم آئے گا کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جنت کے پھل اور اس کا سایہ دائمی ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ جنت فنا نہیں ہو گی حالانکہ قرآن مجید کی دوسری آیات کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز فنا ہو گی اور ہر چیز میں جنت بھی شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ۔ (القصص: ۸۸) اس کی ذات کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔

ان کی اس دلیل کے دو جواب ہیں: ایک جواب یہ ہے کہ ہر چیز کے عموم سے جنت مستثنیٰ ہے یعنی جنت کے سوا ہر چیز ہلاک ہو جائے گی اور اس استثناء کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ متقین کے لیے بنائی جا چکی ہے:

وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۔ (آل عمران: ۱۳۳)

اور ایسی جنت جس کی پہنائی تمام آسمان اور زمینیں ہیں جو متقین کے لیے تیار کی گئی ہے۔

اور ایسی بہت آیات ہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ جنت کے پھل دائمی ہونے کا معنی یہ ہے کہ ہر مشخص پھل دائمی ہے' کیونکہ جب جنتی ایک پھل توڑ کر کھالے گا تو وہ مشخص پھل باقی نہیں رہے گا' اس کی جگہ دوسرا پھل لگ جائے گا لہٰذا جنت کے پھلوں کے دوام کا

معنی یہ ہے کہ ان پھلوں کی نوع دائمی رہے گی اور مشخص پھل فنا ہوتے رہیں گے اور اب ان آیات میں تطبیق واضح ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز ہلاک ہوگی اور ان مشخص پھلوں پر فنا اور ہلاکت طاری ہوگی اور ان کی نوع کو دوام رہے گا، تیسرا جواب یہ ہے کہ ہلاکت اور فنا میں فرق ہے، کسی چیز کی افادیت باقی نہ رہے تو کہا جاتا ہے کہ وہ چیز ہلاک ہو گئی۔ ہلاکت کا یہ معنی نہیں ہے کہ وہ چیز فنا ہو جائے یا معدوم ہو جائے اس لیے یہ ہو سکتا ہے کہ جنت فنا نہ ہو اور وہ ہلاک ہو جائے اور اس کا چوتھا جواب یہ ہے کہ دوام کی دو قسمیں ہیں: دوام ثبات اور دوام تجددی۔ دوام ثبات کا معنی یہ ہے اس میں بالکل فنا نہ ہو اور ایک آن کے لیے بھی وہ منقطع نہ ہو اور اس طرح کا دوام صرف اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات کے لیے ہے، اور دوام تجددی یہ ہے کہ کسی چیز میں وقفہ وقفہ سے انقطاع آتا رہے لیکن وہ چیز دائمی ہو مثلاً ہم کہتے ہیں کہ فلاں شخص ہمیشہ سچ بولتا ہے یا ہمیشہ نماز پڑھتا ہے حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ وہ ہر وقت نماز پڑھتا ہے نہ سچ بولتا ہے کیونکہ بعض اوقات تو وہ سویا ہوا ہوتا ہے، سو یہ دوام تجددی ہے اور وقفہ وقفہ سے انقطاع اس دوام کے منافی نہیں ہے، سو جب قیامت قائم ہوگی تو ایک آن کے لیے جنت فنا ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ اس کو پھر پیدا کر دے گا اور ایک آن کا انقطاع جنت کے دوام تجددی کے منافی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب دی وہ اس سے خوش ہوتے ہیں جو آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے، اور ان گروہوں میں سے بعض وہ ہیں جو اس (نازل شدہ) کے بعض کا انکار کرتے ہیں، آپ کہیے کہ مجھے صرف یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کروں، میں اسی کی طرف بلاتا ہوں اور اسی کی طرف مجھے لوٹنا ہے ○ (الرعد: ۳۶)

مسلمانوں اور یہود و نصاریٰ کا نزول قرآن سے خوش ہونا

اس آیت میں جو فرمایا ہے: اور وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب دی۔ اس آیت میں کتاب کی دو تفسیریں ہیں: ایک تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد قرآن مجید ہے، دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس کتاب سے مراد تورات اور انجیل ہے۔

اگر اس سے مراد مسلمان ہوں تو وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہونے سے خوش ہوتے ہیں کیونکہ توحید، رسالت، قصص، احکام، تقدیر، قیامت اور جزا اور سزا سے متعلق جو آیات نازل ہوتی ہیں وہ ان پر ایمان لاتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ احکام پر عمل کر کے نیکیاں کماتے ہیں۔ (جامع البیان جز ۱۳ص ۲۱۴، رقم الحدیث: ۱۵۵۱۷)

اور اگر اس کتاب سے مراد تورات اور انجیل ہو تو اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس سے مراد وہ اہل کتاب ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے مثلاً حضرت عبداللہ بن سلام اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہما اور وہ لوگ مراد ہیں جو نصاریٰ میں سے مسلمان ہو گئے اور وہ اسّی (۸۰) سے کچھ زائد افراد تھے، چالیس (۴۰) شخص نجران کے تھے، آٹھ (۸) یمن کے اور بتیس (۳۲) حبشہ کے تھے۔ یہ لوگ قرآن مجید سے خوش ہوئے، کیونکہ یہ لوگ قرآن مجید پر ایمان لائے تھے اور انہوں نے قرآن مجید کی تصدیق کی تھی، اور یہ جو فرمایا ہے اور ان گروہوں میں سے بعض وہ ہیں جو اس (نازل شدہ) کے بعض کا انکار کرتے ہیں، اس سے مراد مشرکین ہیں۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے اس سے مراد یہود ہیں جن کو تورات دی گئی اور نصاریٰ ہیں جن کو انجیل دی گئی، اس قرآن میں جو آیات نازل کی گئی ہیں اس سے وہ خوش ہوتے ہیں کیونکہ یہ قرآن تورات اور انجیل کا مصدق ہے، اور گروہوں سے مراد باقی کفار ہیں جو قرآن مجید کی بعض آیات کا انکار کرتے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کا امر اور نہی سے مکلف ہونا اور عصمت کی تعریف

نیز فرمایا: آپ کہئے کہ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کروں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید میں جو احکام دیئے گئے ہیں اور جن چیزوں سے منع کیا گیا ہے، ان تمام اوامر و نواہی کو بجالانا اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے اور عبادت انتہائی تعظیم کا نام ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ بندہ صرف اللہ تعالیٰ کی انتہائی تعظیم کرنے کا مکلف ہے، اور اللہ تعالیٰ کی عبادت اسی وقت شرح صدر سے ہو سکتی ہے جب انسان کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو، اور معرفت اس وقت ہو سکتی ہے جب بندہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کو دلائل سے جانے، اس سے معلوم ہوا کہ بندہ اس کا مکلف ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کا علم دلائل سے حاصل کرے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کا مکلف ہے، اس آیت میں چونکہ خصوصیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرمایا ہے کہ آپ کہئے کہ مجھے یہ حکم دیا گیا کہ میں صرف اللہ کی عبادت کروں اس لیے آپ اللہ کے اوامر اور نواہی کے مکلف ہیں، اور بعض سفہاء نے یہ لکھا ہے کہ انبیاء کرام و ملائکہ کسی گناہ پر قادر نہیں اسی لیے یہ حضرات بابرکات نہی میں مکلف نہیں اور کسی نہی کے خطاب میں داخل نہیں، ہاں البتہ امر میں مکلف ہیں یعنی ان پاک و منزہ ہستیوں سے یہ تو کہا جاتا ہے کہ یہ کرو، یہ نہیں کہا جاتا کہ یہ مت کرو۔ (العطایا الاحمدیہ فی فتاویٰ نعیمیہ ص ۳۶۳)

اس سفیہ نے انبیاء علیہم السلام کو نہی کا مکلف اس لیے نہیں مانا کہ تکلیف میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہوتا ہے، اگر یہ مان لیا جائے کہ انبیاء علیہم السلام کو گناہوں سے منع کیا گیا ہے اور ان سے کہا گیا ہے کہ گناہ مت کرو تو ان کے لیے گناہ کرنا ممکن ہوگا اور اس کے نزدیک انبیاء کا گناہ کرنا ممکن ہی نہیں ورنہ وہ معصوم نہیں رہیں گے اس لیے اس نے کہا انبیاء علیہم السلام نہی کے مکلف نہیں ہیں امر کے مکلف ہیں، مگر اس سفیہ نے اس پر غور نہیں کیا کہ جب اس نے انبیاء علیہم السلام کو امر کا مکلف مان لیا تو اس سے لازم آیا کہ انہیں اس امر پر عمل کرنے کا اختیار ہے، امر پر عمل کریں یا نہ کریں اور امر پر عمل نہ کرنا گناہ ہے اور امر پر عمل نہ کرنے کی قدرت گناہ پر قدرت ہے تو اس کے زعم کے مطابق انبیاء علیہم السلام کو امر کا مکلف ماننے سے بھی وہ معصوم نہیں رہتے اور یہ خرابی اس لیے لازم آئی کہ اس نے یہ سمجھا ہے کہ عصمت کا معنی ہے گناہ پر قدرت نہ ہونا، حالانکہ عصمت کا معنی یہ ہے:

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ لکھتے ہیں:

عصمت کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کی گناہ پر قدرت اور اس کے اختیار کے باوجود اس میں گناہ پیدا نہ کرے اور متکلمین کے اس قول کا بھی یہی معنی ہے۔ عصمت اللہ تعالیٰ کا لطف ہے جو بندہ کو نیک کام پر ابھارتا ہے اور بُرے کام سے روکتا ہے، باوجود اختیار کی بقاء کے تاکہ مکلف ہونے کا معنی پایا جائے، اس لیے شیخ ابو منصور ماتریدی نے کہا عصمت مکلف ہونے کو زائل نہیں کرتی، اور اس تحقیق سے ان لوگوں کے قول کا فساد ظاہر ہو گیا جنہوں نے کہا عصمت شخص کے نفس میں یا اس کے بدن میں ایسی خاصیت ہے جس کے سبب سے اس سے گناہ کا صدور محال ہو جاتا ہے اور یہ قول کیوں نہ فاسد ہوگا، کیونکہ اگر بندہ سے گناہ کا صدور ممتنع ہو تو اس کو گناہ کے ترک کا مکلف کرنا صحیح نہ ہوگا اور نہ اس کو گناہ کے ترک پر ثواب ہوگا۔ (شرح عقائد نسفی ص ۱۱۳، مطبوعہ کراچی)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اسی طرح ہم نے اس (قرآن) کو نازل کیا ہے جو عربی زبان میں دستور ہے، اور اگر آپ (بھی) اس علم کے آنے کے بعد (بالفرض) ان کی خواہشوں کی پیروی کریں گے تو اللہ کے مقابلہ میں آپ کا نہ کوئی مددگار ہوگا

نہ بچانے والا○(الرعد: ٣٧)

قرآن مجید کو حکم عربی فرمانے کی وجہ اور اس کا قدیم ہونا

بعض مشرکین کو یہ شبہ ہوتا تھا کہ یہ قرآن مجید عربی میں کیوں نازل کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس شبہ کو زائل فرمایا کہ اس سے پہلے انبیاء علیہم السلام پر جو کتابیں اور صحائف نازل کیے گئے وہ ان کی زبانوں میں تھے اس لیے فرمایا اس لیے ہم نے آپ پر عربی زبان میں حکم نازل فرمایا ہے، اس قرآن کو حکم اس لیے فرمایا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو نازل کرنے کا سبب ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مکلفین کو قرآن مجید کے قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو حکم قرار دیا۔

معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ عربی زبان حادث ہے اور قرآن مجید چونکہ عربی زبان میں ہے اس لیے یہ بھی حادث قرار پایا، اس کا جواب یہ ہے کہ اس دلیل سے لازم آیا کہ کلام لفظی حادث ہے اور ہم بھی اس کو حادث مانتے ہیں، ہم جو قرآن مجید کو قدیم کہتے ہیں تو اس سے مراد کلام نفسی ہے۔

مشرکین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے آباء واجداد کے دین کی پیروی کی اتباع کی دعوت دیتے تھے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر بالفرض آپ نے ان کی خواہشوں کی پیروی کی تو پھر اللہ کے مقابلہ میں آپ کا نہ کوئی مددگار ہوگا نہ بچانے والا۔

اس آیت میں بطور تعریض آپ کی امت مراد ہے، تعریض کا معنی یہ ہے کہ کسی کام کی نسبت صراحتاً کسی ایک شخص کی طرف کی جائے اور مراد دوسرا ہو، سو اس آیت میں ذکر آپ کا ہے اور مراد امت ہے کہ اگر امت نے مشرکین کی خواہشوں کی پیروی کی تو اللہ کے مقابلہ میں اس کا کوئی حامی ہوگا نہ بچانے والا۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّ

اور بے شک ہم نے آپ سے پہلے رسول بھیجے تھے اور ہم نے ان کے لیے بیویاں اور اولاد بھی

ذُرِّيَّةً ۭ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ

بنائی، اور کسی رسول کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی معجزہ پیش کرے،

لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ﴿٣٨﴾ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَاۗءُ وَيُثْبِتُ ښ وَعِنْدَهٗٓ

ہر چیز کی مدت کتاب تقدیر میں لکھی ہوئی ہے ○ اللہ جس چیز کو چاہے مٹا دیتا ہے اور جس چیز کو چاہے ثابت رکھتا ہے

اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿٣٩﴾ وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ

اور اصل کتاب اسی کے پاس ہے ○ اور اگر ہم ان سے کیے ہوئے کسی وعدہ کی تکمیل آپ کو دکھا دیں یا اس سے پہلے آپ کو وفات

فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ﴿٤٠﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا

دے دیں تو آپ کے ذمہ تو صرف پہنچانا ہے اور حساب لینا ہمارے ذمہ ہے ○ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم

نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ وَ اللّٰهُ یَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ

زمین کو اس کے اطراف سے کم کرتے جارہے ہیں اور اللہ حکم فرماتا ہے اور کوئی اس کے حکم کو

لِحُكْمِهٖ ؕ وَ هُوَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ﴿۴۱﴾ وَ قَدْ مَكَرَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

رد کرنے والا نہیں ہے اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے ○ اور بے شک ان سے پہلے لوگوں نے سازش کی تھی

فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِیْعًا ؕ یَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ؕ وَ سَیَعْلَمُ الْكُفّٰرُ

سو تمام خفیہ تدبیروں کا اللہ ہی مالک ہے وہ ہر شخص کی کارروائی کو جانتا ہے، اور عنقریب کافروں کو معلوم ہو جائے گا

لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۴۲﴾ وَ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ؕ

کہ نیک انجام کا گھر کس کے لیے ہے ○ اور کفار یہ کہتے ہیں کہ آپ اللہ کے بھیجے ہوئے نہیں ہیں،

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِیْدًۢا بَیْنِیْ وَ بَیْنَكُمْ ۙ وَ مَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ

آپ کہیے میرے اور تمہارے درمیان اللہ بہ طور گواہ کافی ہے، اور وہ جس کے پاس (آسمانی) کتاب کا علم ہے

الْكِتٰبِ ﴿۴۳﴾ ع

(وہ بھی بہ طور گواہ کافی ہے) ○

ع ۶ / ۱۲

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے آپ سے پہلے رسول بھیجے تھے اور ہم نے ان کے لیے بیویاں اور اولاد بھی بنائی، اور کسی رسول کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی معجزہ پیش کرے، ہر چیز کی مدت، کتاب تقدیر میں لکھی ہوئی ہے ○ (الرعد: ۳۸)

قریش کا یہ اعتراض کہ اگر آپ نبی ہیں تو پھر آپ نے شادیاں کیوں کیں؟

مشرکین مکہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں طرح طرح کے شبہات پیش کیا کرتے تھے، کبھی یہ کہتے تھے اگر یہ واقعی نبی ہوتے تو یہ بھی کسی پہاڑ سے اونٹنی نکال کر دکھاتے، یا لاٹھی کو سانپ بنا کر دکھاتے، یا مُردوں کو زندہ کر کے ان سے باتیں کرتے اور کبھی کہتے تھے:

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْكُلُ الطَّعَامَ وَ یَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ ؕ لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مَلَكٌ فَیَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِیْرًا ○ (الفرقان: ۷)

اور انہوں نے کہا اس رسول کو کیا ہوا ہے یہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے، اس کی طرف کوئی فرشتہ کیوں نہیں نازل کیا گیا جو اس کے ساتھ (لوگوں کو عذاب سے) ڈراتا۔

کبھی یہ اعتراض کرتے تھے:

لَوْ مَا تَاْتِیْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ

اگر آپ سچے ہیں تو ہمارے پاس فرشتے کیوں نہیں لاتے۔

مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۔ (الحجر: ۷)

ان کے خیال میں نبی کو فرشتہ ہونا چاہیے تھا اس لیے وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے پینے پر بھی اعتراض کرتے تھے اور آپ کی ازواج اور اولاد پر بھی اعتراض کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس اعتراض کے جواب میں فرمایا بے شک ہم نے آپ سے پہلے بھی رسول بھیجے تھے اور ان کے لیے بیویاں اور اولاد بھی بنائی تھی، سو جب ان گزشتہ رسولوں کے حق میں تعدد ازواج اور اولاد ان کی رسالت کے منافی نہیں تھی تو (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں تعدد ازواج اور اولاد ان کی رسالت کے منافی کیوں ہوگی!

اس اعتراض کا یہ جواب کہ انبیاء سابقین نے تو بہت شادیاں کی تھیں!

حضرت داؤد علیہ السلام کی سو بیویاں تھیں، اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی سات سو بیویاں اور تین سو باندیاں تھیں۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت داؤد علیہ السلام کی سو بیویاں تھیں، اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی سات سو بیویاں اور تین سو باندیاں تھیں۔

(مختصر تاریخ دمشق جز ۸ ص ۱۲۹، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ، البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۴۶۳۔ ۴۶۲، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۱۸ھ)

اس حدیث کی تصدیق موجودہ تورات میں بھی ہے:

اور سلیمان بادشاہ فرعون کی بیٹی کے علاوہ بہت سی اجنبی عورتوں سے یعنی موآبی، عمونی، ادومی، صیدانی اور حتی عورتوں سے محبت کرنے لگا○ یہ ان قوموں کی تھیں جن کی بابت خداوند نے بنی اسرائیل سے کہا تھا کہ تم ان کے بیچ نہ جانا اور نہ وہ تمہارے بیچ آئیں کیونکہ وہ ضرور تمہارے دلوں کو اپنے دیوتاؤں کی طرف مائل کرلیں گی۔ سلیمان ان ہی کے عشق کا دم بھرنے لگا○ اور اس کے پاس سات سو شاہزادیاں اس کی بیویاں اور تین سو حرمیں تھیں اور اس کی بیویوں نے اس کے دل کو پھیر دیا○ (کتاب مقدس، پرانا عہد نامہ ص ۳۴۰، سلاطین باب: ۱۱ آیت: ۳۔۱، مطبوعہ بائبل سوسائٹی لاہور)

مشرکین مکہ اور ان کے اعتراض کا دور تو گزر گیا اب مستشرقین کو دیدۂ عبرت سے تورات کی ان آیات کو پڑھنا چاہیے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی سات سو بیویاں اور تین سو باندیاں تھیں جو ان کے حرم میں داخل تھیں، یہ تعداد حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے قابل اعتراض نہیں ہے تو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا گیارہ عورتوں سے نکاح کرنا آپ کی نبوت کے لیے کیسے قابل اعتراض ہوگا۔

مستشرقین کے اس اعتراض کا جواب کہ آپ نے بہت شادیاں کی تھیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں گیارہ ازواج مطہرات مجتمع ہوئیں اور جس وقت آپ کی وفات ہوئی اس وقت نو ازواج مطہرات حیات تھیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دن اور رات کی ایک ساعت میں تمام ازواج کو مشرف فرماتے تھے، اور وہ گیارہ ازواج تھیں۔ قتادہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس سے پوچھا کیا آپ اس کی طاقت رکھتے تھے۔ حضرت انس نے کہا ہم یہ باتیں کرتے تھے کہ آپ کو تیس مردوں کی طاقت دی گئی تھی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۶۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۹۰)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک اور روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پندرہ عورتوں سے نکاح کیا اور گیارہ عورتوں سے رخصتی ہوئی اور جس وقت آپ کی وفات ہوئی تو نو ازواج مطہرات تھیں۔ اسماعیلی کی روایت میں ہے کہ آپ چالیس مردوں کی طاقت رکھتے تھے اور حلیہ میں ہے کہ آپ کو چالیس جنتی مردوں کی طاقت تھی' اور امام احمد' امام نسائی اور امام حاکم نے سند صحیح کے ساتھ حضرت زید بن ارقم سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ ایک جنتی مرد کھانے پینے' جماع کرنے اور شہوت میں ایک سو دنیاوی مردوں کی طاقت رکھتا ہے۔ اس حساب سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم چار ہزار مردوں کی طاقت رکھتے تھے۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۳۷۸' مطبوعہ لاہور' ۱۴۰۱ھ)

ایک دنیاوی مرد چار عورتوں سے نکاح کی طاقت رکھتا ہے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں چار ہزار مردوں کی طاقت تھی اس حساب سے آپ سولہ ہزار عورتوں سے نکاح کی طاقت رکھتے تھے لیکن آپ نے اپنے حرم میں صرف گیارہ ازواج مطہرات کو داخل کیا سو ان مستشرقین اور دیگر معترضین کو سوچنا چاہیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا صرف گیارہ ازواج کو رکھنا آپ میں شہوت کی بہتات تھی یا آپ کا اپنے نفس پر کمال ضبط تھا۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کی تفصیل

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گیارہ ازواج مطہرات کو اپنے حرم میں داخل کیا' چار یا پانچ وہ خواتین ہیں جن سے آپ نے نکاح کیا اور رخصتی کا شرف نہیں بخشا اور چار آپ کی باندیاں تھیں۔ علامہ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم جوزیہ متوفی ۷۵۱ھ نے ان کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے۔

وہ ازواج مطہرات جن کو آپ نے حرم میں داخل کیا ان کی تفصیل یہ ہے:

(۱) آپ کی سب سے پہلی زوجہ حضرت خدیجہ بنت خویلد القرشیہ الاسدیہ ہیں۔ آپ نے اعلانِ نبوت سے پہلے ان سے عقد کیا تھا' اور حضرت خدیجہ کی عمر چالیس سال تھی (وہ بیوہ خاتون تھیں) آپ نے ان کی موجودگی میں دوسری شادی نہیں کی حتیٰ کہ ان کی وفات ہو گئی۔ حضرت ابراہیم کے علاوہ آپ کی تمام اولاد ان ہی سے ہوئی۔ ہجرت سے تین سال پہلے ان کا انتقال ہوا تھا' وہ سب سے پہلے اسلام لائیں اور فرائض نبوت میں انہوں نے آپ کی بہت مدد کی اور اسلام کے لیے اپنا مال خرچ کیا۔

(۲) ان کی وفات کے چند ایام بعد آپ نے حضرت سودہ بنت زمعہ القرشیہ سے نکاح کیا' انہوں نے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے بخش دی تھی۔ حضرت سودہ نے حضرت عمر کی خلافت کے آخری ایام میں وفات پائی۔

(الاستیعاب رقم: ۳۴۲۸)

(۳) اس کے بعد آپ نے حضرت ام المومنین عائشہ بنت الصدیق سے نکاح کیا' ان سے جب نکاح ہوا تو ان کی عمر چھ سال تھی' اور ہجرت کے پہلے سال ان کی رخصتی ہوئی' اس وقت ان کی عمر نو سال تھی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۸۹۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۲۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ آپ کا کسی کنواری عورت سے نکاح نہیں ہوا اور تمام ازواج میں سے صرف حضرت عائشہ کو شرف حاصل ہے کہ ان کے بستر پر وحی نازل ہوئی اور آپ کی برأت میں سورۂ نور کی دس آیتیں (۲۰-۱۱) نازل ہوئیں۔ آپ بہت فقیہ اور عالمہ تھیں اور اکابر صحابہ آپ سے مسائل دریافت کرتے تھے۔ آپ نے سترہ رمضان ۵۸ھ میں منگل کی شب وفات پائی۔ حضرت ابوہریرہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور اسی رات بقیع میں دفن کر دی

گئیں۔ (الاستیعاب رقم: ۳۳۶۳)

(۴) اس کے بعد آپ نے حضرت حفصہ بنت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے عقد کیا' ان کو آپ نے طلاق دی تھی پھر رجوع فرمالیا تھا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۸۳' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۵۶۲) تین ہجری میں آپ سے نکاح ہوا تھا اور اکتالیس یا پینتالیس ہجری میں آپ کی وفات ہوئی۔ (الاصابہ: ۱۱۰۵۳)

(۵) اس کے بعد آپ نے حضرت زینب بنت خزیمہ بن الحارث سے نکاح کیا۔ یہ رخصتی کے دو ماہ بعد فوت ہو گئی تھیں۔

(۶) پھر آپ نے حضرت ام سلمہ ہند بنت ابی امیہ القرشیہ المخزومیہ سے نکاح کیا۔ یہ آپ کی ازواج میں سب سے آخر میں فوت ہوئی تھیں اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت صفیہ سب سے آخر میں فوت ہوئی تھیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی کی تحقیق یہ ہے کہ آپ ۶۳ھ میں فوت ہوئیں۔ (الاصابہ: رقم: ۱۲۰۶۵)

(۷) پھر آپ نے حضرت زینب بنت جحش سے نکاح کیا۔ یہ بنو اسد سے تھیں۔ یہ آپ کی پھوپھی امیمہ کی بیٹی تھیں۔ ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی تھی:

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا۔ (الاحزاب: ۳۷)

پھر جب زید نے (اس کو طلاق دے کر) اس سے اپنی غرض پوری کرلی تو ہم نے (عدت کے بعد) آپ کا اس سے نکاح کر دیا۔

اسی وجہ سے حضرت زینب بنت جحش باقی ازواج پر فخر کرتی تھیں کہ تمہارا نکاح تمہارے گھر والوں نے کیا اور میرا نکاح سات آسمانوں کے اوپر اللہ تعالیٰ نے کیا۔ آپ حضرت عمر فاروق کی خلافت کے ابتدائی دور میں فوت ہو گئی تھیں۔ واقدی نے کہا ہے کہ نکاح کے وقت ان کی عمر ۳۵ سال تھی' آپ بیس ہجری میں فوت ہوئیں اور انہوں نے ۵۰ یا ۵۳ سال عمر پائی۔ (الاصابہ رقم: ۱۱۲۲۷)

(۸) پھر حضرت جویریہ بنت الحارث سے آپ نے نکاح کیا۔ یہ بنو المصطلق کے قیدیوں میں آئی تھیں۔ انہوں نے آپ سے مکاتبت کی رقم کی ادائیگی میں مدد کی درخواست کی تھی۔ آپ نے ان کی طرف سے رقم ادا کی پھر ان سے نکاح کرلیا۔ آپ نے ان سے پانچ یا چھ ہجری میں نکاح کیا تھا' اور آپ ربیع الاول ۵۶ھ میں فوت ہو گئیں۔ (الاستیعاب رقم: ۳۳۱۸)

(۹) پھر آپ نے حضرت ام حبیبہ سے نکاح کیا' ان کا نام رملہ بنت ابی سفیان ہے۔ یہ حبشہ کے ملک میں ہجرت کر کے گئی تھیں۔ نجاشی نے آپ کی طرف سے وکیل ہو کر ان سے آپ کا نکاح کیا اور چار سو دینار مہر رکھا' پھر آپ کے پاس بھجوا دیا۔ یہ اپنے بھائی حضرت معاویہ کے ایام میں وفات پا گئی تھیں۔ چھ یا سات ہجری میں ان سے نکاح ہوا تھا اور یہ ۴۴ھ میں مدینہ منورہ میں فوت ہوئی تھیں۔

(۱۰) پھر آپ نے حضرت صفیہ بنت حیی بن اخطب سے نکاح کیا جو بنو نضیر کے سردار تھے۔ یہ حضرت ہارون بن عمران کے نسب سے تھیں۔ یہ نبی کی بیٹی اور نبی کی زوجہ تھیں اور دنیا کی تمام عورتوں میں سب سے زیادہ حسین تھیں۔ یہ بھی قید ہو کر آئی تھیں' آپ نے ان کو آزاد کر کے ان سے نکاح کرلیا۔ ۷ ہجری میں ان سے نکاح ہوا تھا اور واقدی کی تحقیق کے مطابق ۵۶ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ (الاصابہ رقم: ۱۱۴۰۷)

(۱۱) پھر آپ نے حضرت میمونہ بنت الحارث سے نکاح کیا' سب سے آخر میں ان سے نکاح کیا۔ جب آپ عمرۃ القضاء کرنے گئے تھے تو آپ نے مکہ میں ان سے نکاح کیا۔ یہ حضرت معاویہ کے ایام حکومت میں فوت ہوئیں' ان کی قبر مقام

سرف میں ہے۔ آپ نے سات ہجری میں ان سے نکاح کیا تھا اور یہ ۶۱ یا ۶۳ھ میں فوت ہو گئی تھیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ (اسد الغابہ رقم: ۷۳۰۵)

نیز علامہ ابن قیم جوزیہ متوفی ۷۵۱ھ لکھتے ہیں:

جن خواتین کو آپ نے نکاح کا پیغام دیا اور ان سے نکاح نہیں کیا' اور جن خواتین نے اپنے آپ کو آپ کے لیے ہبہ کیا اور آپ نے ان سے نکاح نہیں کیا' ان کی تعداد چار یا پانچ ہے۔ بعض علماء نے کہا کہ ان کی تعداد تیس ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور آپ کے احوال جاننے والوں کے نزدیک یہ تعداد معروف نہیں بلکہ وہ اس کا انکار کرتے ہیں اور ان کے نزدیک معروف یہ ہے کہ آپ نے الجونیہ کو نکاح کا پیغام بھیجا اور جب آپ شب زفاف کے لیے اس کے پاس گئے۔ اس نے کہا میں آپ سے اللہ کی پناہ چاہتی ہوں۔ آپ نے اس کو پناہ دے دی اور اس سے نکاح نہیں کیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۲۵۴) اسی طرح آپ نے الکلبیہ کو نکاح کا پیغام دیا اور اس سے نکاح نہیں کیا' اور بنو غفار کی ایک عورت سے نکاح کیا' اس کے پہلو میں سفیدی تھی' آپ نے اس کو اس کے اہل کی طرف واپس بھیج دیا۔ (المستدرک) یہ تفصیل مصدقہ اور مستند ہے۔

اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ جب آپ کا وصال ہوا اس وقت آپ کی نو ازواج حیات تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا' حضرت حفصہ' حضرت زینب بنت جحش' حضرت ام سلمہ' حضرت صفیہ' حضرت ام حبیبہ' حضرت میمونہ' حضرت سودہ اور حضرت جویریہ رضی اللہ عنہن۔ آپ کے بعد جن کی سب سے پہلے وفات ہوئی وہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا ہیں' یہ ۲۰ھ میں فوت ہوئیں اور سب سے آخر میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی یزید بن معاویہ کے دور حکومت میں ۶۲ھ میں وفات ہوئی۔ (حافظ ابن حجر کی تحقیق یہ ہے کہ آپ ۶۳ھ میں فوت ہوئی تھیں)

(زاد المعاد ج ۱ ص ۶۶-۵۸' ملخصاً' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعدد ازدواج پر اعتراض کے جوابات

بعض عیسائی اور سوشلسٹ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عام مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ چار شادیاں کرنے کا حکم دیا ہے اور خود آپ نے ایک وقت میں نو ازواج سے شادیاں کی ہیں' کیا آپ میں اشتہاء زیادہ تھی؟ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پچیس سال تک زندگی تجرد میں گزاری' حالانکہ شباب کی امنگوں کا اصل زمانہ یہی ایام ہوتے ہیں۔ پھر اقرباء کے اصرار اور دوسری جانب سے درخواست پر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے عقد کیا' جن کی عمر ڈھل چکی تھی اور دو مرتبہ بیوہ ہو چکی تھیں۔ پچاس سال کی عمر تک پورے سکون اور کامل اطمینان کے ساتھ اسی پاکباز رفیقہ حیات کے ساتھ زندگی بسر کی۔ یہ وہی زمانہ تھا جب آپ دنیاوی مشاغل کو ترک کر کے غاروں اور پہاڑوں میں جا کر مسلسل کئی کئی دن تک خدائے واحد کی عبادت کرتے تھے اور اللہ کی یہ نیک بندی آپ کے لیے توشہ تیار کرتیں اور آپ کی عبادت میں امداد اور معاونت کرتی تھیں۔ زندگی کا یہ دور عموماً نفسانی خواہشوں اور شہوانی جذبات کی ہنگامہ خیزیوں کا زمانہ ہوتا ہے لیکن بڑے سے بڑا معاند اور کٹر سے کٹر مخالف اور متعصب بھی آپ کی زندگی کے اس حصہ میں آپ کی عفت اور پاکبازی کے خلاف ایک حرف بھی نقل نہیں کر سکتا' اور یہ ان کی سیرت کا ذکر ہے جن کی جسمانی قوت چالیس جنتی مردوں کے برابر ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۱' مطبوعہ اصح المطابع) اور ایک جنتی مرد کی طاقت دنیا کے سو مردوں کی طاقت کے برابر ہے۔ (جامع ترمذی ص ۳۶۳' مطبوعہ نور محمد) گویا آپ کی طاقت چار ہزار مردوں کے برابر تھی' اس حساب سے چاہیے تھا کہ چار ہزار بلکہ سولہ ہزار بیویاں آپ کے نکاح میں ہوتیں! پھر آپ کی شدید ریاضت اور ضبط نفس کا کیا ٹھکانا ہے

کہ پچاس سال کی عمر تک ایک بیوہ کے ساتھ شادی کر کے زندگی گزاری۔

حضرت خدیجہ کے انتقال کے بعد آپ نے حضرت سودہ اور پھر حضرت عائشہ سے عقد کیا جو آپ کی ازواج میں تنہا کنواری خاتون تھیں' ان کے علاوہ جس قدر ازواج آپ کے نکاح میں آئیں وہ سب بیوہ یا مطلقہ تھیں' وصال کے وقت آپ کی نو ازواج تھیں: حضرت عائشہ' حضرت حفصہ' حضرت سودہ' حضرت ام سلمہ' حضرت زینب' حضرت ام حبیبہ' حضرت جویریہ' حضرت صفیہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہن وارضاہن' دنیا کا سب سے بے مثال انسان جو چار ہزار ازواج کا مستحق ہو' اس کے عقد میں صرف نو ازواج دیکھ کر کوئی انصاف پسند اس پر کثرت ازواج کا الزام لگا سکتا ہے!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ترپن سال سے متجاوز ہو چکی ہے۔ عظیم الشان فتوحات کا تانتا بندھا ہوا ہے' اموالِ غنیمت کی ریل پیل ہے' اس کے باوجود آپ کسی ایک دن بھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھاتے' کبھی ایسے مسلسل دو دن نہیں آئے جب دونوں دن آپ کے گھر میں چولہا جلا ہو' جو کچھ آتا اللہ کے راستے میں دے دیتے۔ اختیاری فقر و فاقہ سے پیٹ پر پتھر باندھتے' مہینوں ازواج مطہرات کے حجروں سے دھواں نہ اٹھتا صرف پانی اور کھجور پر گزارہ چلتا' روزے پر روزہ رکھتے' کئی کئی دن افطار نہ کرتے۔ رات بھر قیام کی وجہ سے پاؤں پر ورم آجاتا۔ عیش و عشرت کا سامان تو کجا ازواج سے صاف کہہ دیا تھا کہ جسے آخرت کی زندگی پسند ہو وہ ہمارے ساتھ رہے اور جسے دنیا کا عیش عزیز ہو وہ چلی جائے' ان تمام حالات کے باوجود تمام ازواج کے حقوق ایسے احسن طریقے سے ادا کیے جن کا کوئی شخص تصور بھی نہیں کر سکتا۔ میدانِ جنگ میں جب کفار کے لشکر کے مقابلہ میں بڑے بڑے بہادر اور قوی جوان حوصلہ ہار جاتے تو آپ چٹان کی طرح ڈٹے رہتے' ازواج سے تعلق خاطر عبادت اور فرائض رسالت میں کبھی حائل نہیں ہوا' یہی وجہ تھی کہ کفار اور مشرکین کو آپ کے دعویٰ نبوت سے اختلاف تھا' وہ وحی الٰہی کا انکار کرتے تھے لیکن آپ کی عفت اور پاک سیرت کا وہ برملا اعتراف کرتے تھے' چاند کے شق ہونے اور ڈوبے ہوئے سورج کے لوٹ آنے سے بڑا معجزہ یہ ہے کہ آپ نے خاک اڑانے اور گالیاں دینے والوں سے اچھا سلوک کیا' پتھروں سے گھائل کرنے والوں کو دعائیں دیں۔ ابن ابی کی نماز جنازہ پڑھائی اور فتح مکہ کے بعد غلبہ پا کر تمام دشمنوں کو معاف کر دیا۔ ایسی بے نظیر سیرت اور کردار کے مالک شخص کے بارے میں یہ گمان کرنا کہ انہوں نے نفسانی خواہش کی وجہ سے متعدد شادیاں کیں' عدل و انصاف سے کس قدر بعید ہے!

جب یہ بات واضح ہو گئی کہ متعدد شادیوں کی وجہ نفسانی خواہش نہیں تھی تو پھر یہ سوال پیدا ہو گا کہ آخر اس کی حکمت کیا تھی سو ہم اس کی حکمتیں بیان کر رہے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تعدد ازدواج کی حکمتیں

(۱) سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تعدد ازدواج کی سب سے بڑی حکمت اسلام کی تبلیغ تھی۔ بنو مصطلق کا قبیلہ اسلام دشمنی میں بہت مشہور تھا۔ غزوہ بنو مصطلق میں اس کو شکست ہوئی اور اس قبیلہ کے بہت سے افراد مسلمانوں کے قیدی بن گئے۔ ان قیدیوں میں بنو مصطلق کے سردار کی بیٹی حضرت جویریہ بنت حارث بھی تھیں وہ حضرت ثابت بن قیس کے حصہ میں آئی تھیں۔ انہوں نے حضرت ثابت بن قیس سے بدل مکاتبت کا معاہدہ کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زر مکاتبت میں مدد کرنے کی درخواست کی۔ آپ نے ان کو یہ پیشکش کی کہ اگر وہ چاہیں تو آپ ان کی مکاتبت کی رقم ادا کر دیں اور اس کے عوض آپ سے نکاح کر لیں۔ انہوں نے اس کو منظور کر لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ذمہ کی رقم ادا کر کے ان سے نکاح کر لیا' جب مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جویریہ سے نکاح کر لیا ہے تو

انہوں نے بنو مصطلق کے تمام قیدیوں کو یہ کہہ کر آزاد کر دیا کہ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سسرالی رشتہ دار ہیں۔

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت جویریہ بنت الحارث بن المصطلق، حضرت ثابت بن قیس یا ان کے عم زاد کے حصہ میں آئی تھیں۔ انہوں نے اپنے آپ کو مکاتبہ کر لیا۔ وہ بہت ملیح عورت تھیں۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بدل کتابت میں مدد کی درخواست کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو اس سے بہتر چیز نہ بتاؤں! انہوں نے پوچھا وہ کیا ہے یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا میں تمہارا بدل کتابت ادا کر دوں اور تم سے نکاح کر لوں۔ حضرت جویریہ نے کہا میں نے اس کو منظور کر لیا۔ جب مسلمانوں نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جویریہ سے نکاح کر لیا ہے تو ان کی ملکیت میں جتنے قیدی تھے انہوں نے ان کو آزاد کر دیا، انہوں نے کہا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سسرالی رشتہ دار ہیں اور ہم نے حضرت جویریہ کے سوا کوئی ایسی عورت نہیں دیکھی جو اپنی قوم کے حق میں اس قدر بابرکت ثابت ہوئی ہو، کیونکہ مسلمانوں نے بنو المصطلق کے سو گھرانوں کو آزاد کر دیا تھا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۳۱، مسند احمد ج ۶ ص ۲۷۷، قدیم، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۶۸۹۷، عالم الکتب، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۰۵۵، ۴۰۵۴، المعجم الکبیر ج ۲۴ رقم الحدیث: ۱۵۹، المستدرک ج ۴ ص ۲۶، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۷۵۔ ۷۴، الطبقات الکبریٰ ج ۸ ص ۹۲، رقم: ۴۱۳۴، دار الکتب العلمیہ، البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۳۲۲، دار الفکر جدید، سبل الہدیٰ والرشاد ج ۴ ص ۳۴۷۔ ۳۴۶)

اور اس حسن سلوک کی وجہ سے یہ تمام لوگ مسلمان ہو گئے۔

ابوسفیان بھی اسلام کے زبردست مخالف تھے، لیکن جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بیٹی حضرت ام حبیبہ رملہ بنت ابی سفیان سے نکاح کر لیا تو پھر ابوسفیان کی دشمنی کا زور ٹوٹ گیا اور وہ بہت جلد مسلمان ہو گئے، پھر وہی ابوسفیان جو اسلام کے خلاف لشکر کشی کرتے تھے، اب اسلام کی تبلیغ کے لیے سردھڑ کی بازی لگانے لگے۔ ۷ ہجری میں یہ نکاح ہوا تھا اور ۸ ہجری میں ابوسفیان مسلمان ہو گئے۔

(۳) بعض شادیاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریعی مقاصد کے لیے کیں، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ عربوں میں یہ دستور تھا کہ وہ کسی شخص کو اپنا بیٹا بنا لیتے تھے اور اس کو حقیقی بیٹا قرار دیتے تھے اور اس کی مطلقہ بیوی سے نکاح کو حرام سمجھتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتایا کہ کسی کو بیٹا بنا لینے سے وہ حقیقی بیٹا نہیں ہو جاتا، اور اس کی مطلقہ بیوی سے وہ شخص نکاح کر سکتا ہے۔ آپ نے حضرت زید بن حارثہ کو اپنا منہ بولا بیٹا بنایا تھا اور ان کی شادی اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے کر دی اور جب ان میں باہمی نااتفاقی کی بناء پر حضرت زید نے ان کو طلاق دے دی تو عدت گزرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے خود حضرت زینب کا نکاح آپ سے کر دیا تاکہ مسلمانوں کے لیے آپ کی زندگی میں یہ نمونہ ہو کہ منہ بولے بیٹے کی مطلقہ بیوی سے نکاح کرنا جائز ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ قرآن مجید میں اس نکاح کا ذکر ہے:

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ۗ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ○ (الاحزاب: ۳۷)

جب زید نے (اس کو طلاق دے کر) اپنی غرض پوری کر لی تو ہم نے (عدت کے بعد) آپ کا نکاح اس سے کر دیا تاکہ ایمان والوں کے لیے اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہ رہے جب وہ ان سے اپنی غرض پوری کر چکے

ہوں' اور اللہ کا حکم ضرور ہو کر رہتا ہے۔

حضرت ام حبیبہ سے نکاح کرنے میں بھی ایک تشریعی مقصد کو پورا کرنا تھا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تھے اور حضرت ام حبیبہ حبشہ میں تھیں۔ نجاشی نے ۴۰۰ دینار کے عوض حضرت ام حبیبہ کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا۔ (المبسوط ج ۵ ص ۱۰۱) اس سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ لڑکی مثلاً پاکستان میں ہو اور لڑکا امریکہ میں ہو اور لڑکا پاکستان میں کسی شخص کو خط یا ٹیلی فون کے ذریعہ اپنا ولی یا وکیل بنادے تو وہ ولی اس لڑکے کا اس لڑکی سے نکاح کر سکتا ہے۔ اور یہ نکاح اسی طرح ہو جائے گا جس طرح حضرت ام حبیبہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہوا تھا۔

(۳) آپ کی متعدد شادیوں کی تیسری حکمت مسائل دینیہ کی تعلیم ہے' عورتوں کے بعض مخصوص مسائل ایسے ہوتے ہیں جن کو مرد عورتوں کے سامنے بیان کرنے میں حجاب محسوس کرتے ہیں مثلاً حیض' نفاس' جنابت اور عمل ازدواج سے متعلق مسائل' نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ مسائل اپنی ازواج مطہرات سے بیان کرتے اور وہ دوسری عورتوں کو بیان کرتیں۔

(۴) چوتھی وجہ احادیث کی اشاعت اور دین کی تبلیغ ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ایک حصہ وہ تھا جو آپ گھر سے باہر مردوں میں گزارتے تھے اور ایک حصہ وہ تھا جو آپ گھر میں ازواج مطہرات کے ساتھ گزارتے تھے۔ جس طرح مردوں میں بہت لوگ آپ کے ارشادات کو سننے والے اور آپ کے معمولات کو دیکھنے والے تھے اسی طرح گھر میں بھی آپ کے ارشادات کو سننے والی اور آپ کے افعال کو دیکھنے والی بہت عورتیں ہونی چاہئیں تاکہ آپ کی خارجی اور داخلی زندگی کے تمام پہلو امت کے سامنے آجائیں اور جس طرح مسلمانوں کے لیے آپ کی باہر کی زندگی میں نمونہ ہے اسی طرح مسلمانوں کو آپ کی گھریلو اور نجی زندگی سے بھی اپنی خانگی اور عائلی زندگی گزارنے کے لیے نمونہ حاصل ہو جائے۔ ازواج مطہرات سے بہت احادیث روایت کی گئی ہیں۔

مسند احمد میں نمبر ۲۳۵۱۱ سے لے کر نمبر ۲۶۹۴۳ تک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کی ہوئی احادیث ہیں' ان کی کل تعداد ۲۴۳۳ ہے۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی ۱۴۸ احادیث ہیں۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی ۲۸۲ احادیث ہیں۔ حضرت زینب بنت جحش کی چار روایات ہیں۔ حضرت جویریہ بنت الحارث کی بھی چار روایات ہیں۔ حضرت ام حبیبہ کی ۲۶ روایات ہیں۔ حضرت میمونہ بنت الحارث کی ۶۳ روایات ہیں۔ حضرت صفیہ کی نو روایات ہیں اور حضرت سودہ کی چار روایات ہیں اور یہ کل ۲۸۶۴ روایات ہیں۔ غور فرمائیے تقریباً تین ہزار روایات ازواج مطہرات سے مروی ہیں' اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ یا پھر حضرت سودہ کے بعد اور شادی نہ کی ہوتی تو دین کا کتنا بڑا حصہ مسلمانوں تک پہنچنے سے رہ گیا ہوتا!

(۵) بعض ازواج سے آپ نے بعض صحابہ کی دل جوئی کے لیے نکاح کیا' حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا پہلے حضرت خنیس بن حذافہ کے نکاح میں تھیں' یہ بدری صحابی تھے اور مدینہ منورہ میں فوت ہو گئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے رشتہ کے لیے بہت پریشان تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی دلجوئی اور ان کی محبت اور خدمات کا صلہ عطا کرنے کے لیے ان سے نکاح کیا۔

امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت خنیس بن حذافہ سہمی کے فوت ہو جانے سے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بیوہ ہو گئیں تو حضرت عمر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ وہ

ان کی بیٹی حضرت حفصہ سے نکاح کرلیں، حضرت عثمان نے کہا میں اس مسئلہ میں غور کروں گا۔ پھر چند دن کے بعد ان کی پھر حضرت عثمان سے ملاقات ہوئی، حضرت عمر نے دوبارہ ان سے کہا۔ حضرت عثمان نے کہا میری رائے یہ ہوئی ہے کہ میں ابھی نکاح نہ کروں۔ حضرت عمر نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور ان سے کہا کہ وہ حضرت حفصہ سے نکاح کرلیں۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر خاموش ہو گئے اور انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ حضرت عمر کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر کی خاموشی سے مجھے حضرت عثمان کے انکار سے بھی زیادہ رنج ہوا، میں چند دن ٹھہرا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کا پیغام دیا، تو حضرت عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت حفصہ کا نکاح کردیا، اس کے بعد حضرت ابوبکر نے حضرت عمر سے کہا شاید میری خاموشی سے تمہیں رنج ہوا ہوگا۔ حضرت عمر نے کہا ہاں! حضرت ابوبکر نے کہا جب تم نے مجھے رشتہ کی پیشکش کی تھی تو مجھے اس رشتہ کو قبول کرنے سے اس کے سوا اور کوئی چیز مانع نہیں تھی کہ مجھے علم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ کا ذکر کیا تھا اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راز افشاء نہیں کرنا چاہتا تھا، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس رشتہ کو ترک کردیتے تو میں اس رشتہ کو ضرور قبول کرلیتا۔ امام محمد بن سعد نے ایک اور سند سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت عثمان نے اس رشتہ سے انکار کردیا تو حضرت عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عثمان کی شکایت کی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو عثمان سے بہتر داماد کی طرف رہنمائی نہ کروں اور عثمان کو تم سے بہتر سسر کی طرف رہنمائی نہ کروں۔ میں نے کہا کیوں نہیں یا رسول اللہ! تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ سے نکاح کرلیا، اور حضرت عثمان کا نکاح اپنی صاحب زادی حضرت ام کلثوم سے کردیا، اس سے پہلے حضرت رقیہ فوت ہو چکی تھیں۔

(الطبقات الکبریٰ ج ۸ ص ۶۶۔۶۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ، الاصابہ ج ۸ ص ۸۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حضرت حفصہ سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا موجود تھیں جن سے آپ کو بہت محبت تھی، تو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنے کا داعیہ اس کے سوا اور کچھ نہ تھا کہ آپ اپنے محب صادق اور اسلام کے بطل جلیل اور عظیم صحابی کی دل جوئی اور ان کی رفاقت کا حق ادا کرنا چاہتے تھے۔

(۶) سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہر شعبہ میں قول سے زیادہ ہوتا ہے، آپ نے مسلمانوں کو پانچ فرض نمازیں پڑھنے کا حکم دیا اور آپ خود ان فرائض کے علاوہ تہجد بھی باقاعدگی سے پڑھا کرتے تھے۔ آپ نے مسلمانوں کو طلوع فجر سے غروب آفتاب تک روزہ رکھنے کا حکم دیا اور خود آپ نے وصال کے روزے بھی رکھے جن میں افطاری تھی نہ سحری، آپ نے مسلمانوں کو چالیسواں حصہ زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا اور آپ اپنے پاس بالکل مال نہیں رکھتے تھے، آپ کے پاس جو کچھ آتا آپ اس کو تقسیم فرمادیتے۔ مسلمان فوت ہو جائیں تو ان کا ترکہ ان کے وارثوں کو ملتا ہے، آپ نے فرمایا ہم کسی کو وارث نہیں بناتے، ہم نے جو کچھ چھوڑا وہ صدقہ ہے، اسی طرح آپ نے مسلمانوں کو چار بیویوں کے درمیان عدل کرنے کا حکم دیا اور خود نو ازواج میں عدل کر کے دکھایا۔ سلام ہو اس نبی امی پر جس کا عمل ہر شعبہ میں قول سے زیادہ ہے۔

ہم نے متعدد عقلی اور نقلی شواہد سے واضح کردیا ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء سے زیادہ طاقت رکھتے تھے اور آپ کی ازواج سب سے کم تھیں۔ آپ نے گیارہ شادیاں کیں اور یہ محض جنسی تسکین کے لیے نہ تھیں بلکہ تبلیغ اسلام، احکام شریعت کے بیان، خواتین کی تعلیم، احادیث کی تبلیغ، اپنے رفقاء کی دل جوئی اور قوتِ عمل میں فراوانی کے لیے کیں۔

آپ نے کفار قریش کے مطلوبہ معجزات کیوں نہیں پیش کیے

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے دوسرے اس اعتراض کا جواب دیا ہے کہ وہ یہ کہتے تھے کہ اگر یہ واقعی اللہ کی طرف سے رسول ہوتے تو ہم ان سے جس معجزہ کو بھی طلب کرتے یہ اس کو پیش کردیتے اور اس میں بالکل توقف نہ کرتے لیکن جب یہ ہمارے مطلوبہ معجزات نہ پیش کرسکے تو واضح ہوگیا کہ یہ اللہ کے رسول نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ جواب دیا کہ اور کسی رسول کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی معجزہ پیش کرے اور اس جواب کی وضاحت اس طرح ہے کہ نبوت کی دلیل کے اظہار اور قوم کے اطمینان اور ان کی تسلی کے لیے ایک معجزہ کو پیش کرنا کافی ہے' اور اس سے زیادہ معجزات کو پیش کرنا اللہ تعالیٰ کی مشیت کی طرف مفوض ہے' وہ چاہے تو وہ معجزات دکھائے اور وہ چاہے تو نہ دکھائے' اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر قرآن مجید کو بطور معجزہ پیش کیا اور چیلنج کیا کہ کوئی اس کی نظیر لاسکتا ہو تو لے آئے' یعنی قرآن حکیم کی طرح فصیح و بلیغ کلام ہو اور اس میں غیب کی خبریں ہوں اور مستقبل کی پیش گوئیاں ہوں جو بعد کے زمانوں میں صادق ہو رہی ہوں' اور آج تک کوئی اس کی نظیر نہیں لاسکا اور نہ قیامت تک لاسکے گا۔ حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی' حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ کیے ہوئے مُردے' بلاشبہ بہت عظیم معجزات تھے' لیکن وہ معجزات ان نبیوں کے جانے کے ساتھ رخصت ہوگئے اور آج ان کے ماننے والوں کے پاس اپنے نبیوں کی نبوت ثابت کرنے کے لیے کوئی معجزہ اور کوئی دلیل نہیں ہے لیکن ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی صورت میں آپ کی نبوت پر ایسا معجزہ عطا فرمایا جو آپ کے زمانہ میں بھی آپ کی نبوت پر دلیل تھا' آج بھی ہے اور قیامت تک رہے گا! یہ کفار قریش کی کم عقلی اور خواہ مخواہ کی ضد تھی کہ ایسے عظیم معجزہ کے ہوتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اور معجزات طلب کرتے تھے۔

کفار کے مطالبہ کی وجہ سے ان پر عذاب کیوں نہ نازل ہوا؟

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کفار قریش کو اللہ کے عذاب سے ڈراتے تھے کہ اگر وہ اللہ کی توحید اور آپ کی رسالت پر ایمان نہ لائے تو ان پر اللہ کا عذاب نازل ہوگا' اور اللہ تعالیٰ آپ کی اور آپ پر ایمان لانے والوں کی مدد فرمائے گا' پھر کفار نے جب یہ دیکھا کہ ان کے کفر پر اصرار کے باوجود ان پر عذاب نازل نہیں ہو رہا تو انہوں نے اس وجہ سے بھی آپ پر طعن اور اعتراض کیا اور کہا کہ اگر آپ سچے نبی ہوتے تو ہم پر عذاب آچکا ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کے اس اعتراض کا بھی جواب دیا اور فرمایا: ہر چیز کی مدت کتاب تقدیر میں لکھی ہوئی ہے' یعنی کفار پر عذاب کا نزول اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین کے لیے فتح اور نصرت کا ظہور' اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک خاص وقت میں مقرر ہے اور ہر حادث اور رونما ہونے والی چیز کا وقت لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے اور ہر چیز کا وقت آنے پر وہ چیز ظاہر ہو جائے گی۔

حضرت عطا بن ابی رباح نے عبدالواحد بن سلیم سے کہا کیا تم جانتے ہو ام الکتاب کیا چیز ہے؟ انہوں نے کہا اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے۔ انہوں نے کہا یہ وہ کتاب ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے سے پہلے لکھا' اس میں لکھا ہوا ہے کہ فرعون اہلِ دوزخ میں سے ہے' اور اس میں لکھا ہوا ہے کہ ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ خود ہلاک ہوگیا اور حضرت عبادہ بن الصامت نے کہا مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور اس سے فرمایا لکھ' اس نے پوچھا کیا لکھوں' اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو کچھ ہو چکا ہے وہ لکھو اور ابد تک جو کچھ

ہونے والا ہے وہ لکھو۔(سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۱۵۵ ، سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۷۰۰ ، مسند احمد ج ۵ ص ۳۱۷)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ جس چیز کو چاہے مٹا دیتا ہے اور (جس چیز کو چاہے) ثابت رکھتا ہے اور اصل کتاب اسی کے پاس ہے ○ (الرعد: ۳۹)

محو اور اثبات کی تفسیر میں متعدد اقوال

اللہ تعالیٰ جس چیز کو چاہے مٹا دیتا ہے اور جس چیز کو چاہے ثابت رکھتا ہے، اس کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) حضرت عمر، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما اور ابووائل، ضحاک اور ابن جریج نے کہا یہ آیت رزق، اجل، سعادت اور شقاوت میں عام ہے۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، سعید بن جبیر، قتادہ، قرظی اور ابن زید نے کہا اس آیت سے مراد ناسخ اور منسوخ ہے، اللہ تعالیٰ منسوخ کو مٹا دیتا ہے اور ناسخ کو ثابت رکھتا ہے۔ ابن قتیبہ نے کہا اللہ تعالیٰ جس آیت کو چاہتا ہے منسوخ کر دیتا ہے اور جس آیت کو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے اور وہ آیت محکم ہوتی ہے۔

(۳) سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ شقاوت، سعادت اور موت اور حیات کے سوا اللہ تعالیٰ جس چیز کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت حذیفہ بن اسید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب نطفہ چالیس دن کے بعد رحم میں مستقر ہو جاتا ہے تو اس پر فرشتہ داخل ہوتا ہے اور پوچھتا ہے اے رب! یہ شقی ہے یا سعید ہے، پھر اس کو لکھ دیتا ہے، پھر پوچھتا ہے اے رب! یہ مذکر ہے یا مونث ہے؟ پھر اس کو لکھ دیتا ہے۔ اس کا عمل، اس کا اثر، اس کی مدت حیات اور اس کا رزق لکھ دیتا ہے پھر صحیفہ لپیٹ دیا جاتا ہے، اس میں کوئی زیادتی ہوتی ہے نہ کمی۔(صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۶۴۴)

(۴) مجاہد نے کہا شقاوت اور سعادت کے سوا جس کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے۔

(۵) حسن نے کہا جس کی موت آئے اس کو مٹا دیتا ہے اور جس کی موت نہ آئے اس کو ثابت رکھتا ہے۔

(۶) سعید بن جبیر نے کہا اپنے بندوں میں سے جس کے گناہ چاہے مٹا دیتا ہے اور اس کو بخش دیتا ہے، اور جس کو چاہے اس کے گناہ ثابت رکھتا ہے اور اس کو نہیں بخشتا۔

(۷) عکرمہ نے کہا جس کو چاہتا ہے اس کے گناہ توبہ سے مٹا دیتا ہے اور اس کی جگہ نیکیاں ثابت کر دیتا ہے۔

(۸) ضحاک اور ابوصالح نے کہا کہ فرشتوں کے صحیفوں یا نوشتوں سے ان کاموں کو مٹا دیتا ہے جن میں ثواب ہے نہ عتاب اور ان کی جگہ ان کاموں کو ثابت رکھتا ہے جن میں ثواب یا عتاب ہے اور ابن السائب نے کہا ہر بات لکھی جاتی ہے حتیٰ کہ جب جمعرات کا دن آتا ہے تو ان تمام کاموں کو مٹا دیا جاتا ہے جن میں ثواب ہے نہ عتاب ہے، جیسے کھانا پینا، آنا جانا وغیرہ اور ان کاموں کو ثابت رکھا جاتا ہے جن میں ثواب اور عتاب ہو۔(زاد المسیر ج ۴ ص ۳۳۸ ، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عبداللہ بن حکیم بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود یہ کہتے تھے اے اللہ! اگر تُو نے مجھے نیک لوگوں میں لکھا ہوا ہے تو میرا نام نیک لوگوں میں ثابت رکھ کیونکہ تُو جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے اور تیرے پاس ام الکتاب ہے۔(جامع البیان رقم الحدیث:۱۵۵۳۵)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب رات میں تین

ساعتیں رہ جاتی ہیں تو اللہ تعالیٰ ام الکتاب کو کھولتا ہے، پہلی ساعت میں اس کتاب کی طرف نظر فرماتا ہے جس کو اس کے سوا اور کوئی نہیں دیکھ سکتا، پس وہ جس چیز کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے، پھر آپ نے باقی دو ساعتوں کا ذکر فرمایا۔ (جامع البیان رقم الحدیث:۱۵۵۴۸)

قضاء معلق اور قضاء مبرم

اس آیت کی علماء نے ایک اور تقریر کی ہے اور وہ یہ ہے کہ تقدیر کی دو قسمیں ہیں: ایک تقدیر معلق ہے اور ایک تقدیر مبرم ہے۔ تقدیر معلق میں محو اور اثبات ہوتا رہتا ہے اور تقدیر مبرم اللہ تعالیٰ کے علم سے عبارت ہے، اس میں کوئی تغیر اور تبدل نہیں ہوتا، مثلاً ایک شخص کی قسمت میں اولاد نہیں ہے اور تقدیر معلق ہے لیکن کسی مرد خدا کی دعا سے اس کے لیے اولاد مقدر کر دی جاتی ہے، پہلے اس کی قسمت میں لاولد لکھا تھا، اگر کسی مرد خدا نے دعا کر دی تو لاولد کو مٹا کر صاحب اولاد لکھ دیا جاتا ہے اور اگر کسی نے دعا نہیں کی تو وہ لاولد اسی طرح ثابت رہتا ہے اور یہ تقدیر معلق ہے جس کی طرف یمحوا اللہ ما یشاء و یثبت میں اشارہ ہے، اور تقدیر مبرم کا مرتبہ جس کی طرف عندہ ام الکتاب سے اشارہ ہے وہ در حقیقت اللہ تعالیٰ کا علم ہے اور اللہ تعالیٰ کو علم ہوتا ہے کہ وہ لاولد یا صاحب اولاد ہے اور اس کے علم میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی، اسی طرح انسان اگر ماں باپ یا رشتہ داروں کے ساتھ نیکی کرے تو اس کی عمر بڑھ جاتی ہے یا اس کے رزق میں وسعت ہو جاتی ہے اور اگر ان کے ساتھ نیکی نہ کرے تو پھر عمر میں یا رزق میں اضافہ نہیں ہوتا مثلاً اس کی عمر پچاس سال لکھی ہوئی ہے، اس نے رشتہ داروں کے ساتھ نیکی کی تو پچاس سال مٹا کر اس کی عمر ساٹھ سال لکھ دی جاتی ہے اور اگر وہ ان کے ساتھ نیکی نہ کرے تو اس کی عمر اسی طرح پچاس سال لکھی رہتی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کو علم ہوتا ہے کہ اس نے ان کے ساتھ نیکی کرنی ہے یا نہیں کرنی اور انجام کار اس کی عمر پچاس سال ہوگی یا ساٹھ سال اور ام الکتاب میں اس کی وہ عمر لکھی ہوئی ہوتی ہے، اور یہی تقدیر مبرم ہے اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ حسب ذیل احادیث اس تقریر پر دلالت کرتی ہیں:

رزق میں وسعت اور عمر میں اضافہ کے متعلق احادیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس آدمی کو اس سے خوشی ہو کہ اس کے رزق میں وسعت کی جائے یا اس کی عمر میں اضافہ کیا جائے اس کو چاہیے کہ وہ اپنے رشتہ داروں سے مل جل کر رہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۹۸۵، صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۵۵۷، سنن ابو داؤد رقم الحدیث:۱۶۹۳، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۱۱۴۲۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے خاندان کے ان رشتوں کو جانو جن سے تم مل جل کر رہو، کیونکہ رشتہ داروں سے ملنے کے سبب اہل میں محبت بڑھتی ہے، مال میں زیادتی ہوتی ہے اور عمر میں اضافہ ہوتا ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث:۱۹۷۹، مسند احمد ج ۲ ص ۳۷۴، المستدرک ج ۴ ص ۱۶۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا جس شخص کو نرمی اور ملائمت سے اس کا حصہ دیا گیا اس کو دنیا اور آخرت کی خیر سے حصہ دیا گیا۔ رشتہ داروں سے ملنا، اور پڑوسیوں سے حسن سلوک کرنا گھروں کو آباد رکھتا ہے اور عمروں میں اضافہ کرتا ہے۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۱۵۹، قدیم، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۵۷۷۳، عالم الکتب، مسند عبد بن حمید رقم الحدیث:۱۵۲۳)

امام حاکم اور امام بزار کی روایت میں اس میں یہ اضافہ بھی ہے کہ اس سے بری موت دور ہوتی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ صدقہ کرنے اور رشتہ داروں سے میل جول رکھنے کے سبب سے اللہ تعالیٰ عمر میں اضافہ کرتا ہے اور اس سے بُری موت دُور کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے ناپسندیدہ اور خطرناک چیزوں کو دُور کرتا ہے۔

(مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۴۱۰۴، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۵۱، المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۸۷۵)

ان احادیث کا قرآن مجید سے تعارض

ان احادیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ صلہ رحم سے عمر میں اضافہ ہوتا ہے، اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یہ احادیث قرآن مجید کی اس آیت کے خلاف ہیں:

لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝ (یونس: ۴۹)

ہر گروہ کا ایک وقت مقرر ہے، جب ان کا مقرر وقت آ جائے گا تو وہ نہ ایک ساعت موخر ہو سکیں گے اور نہ ایک ساعت مقدم ہو سکیں گے ۝

ان احادیث کے قرآن مجید سے تعارض کے جوابات

اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید کی اس آیت میں جس عمر کا ذکر فرمایا ہے یہ وہ عمر ہے جو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور یہ قضاء مبرم ہے، اس میں کوئی کمی یا زیادتی نہیں ہو سکتی اور ان احادیث میں جس عمر کے اضافہ کا ذکر ہے یہ عمر قضاء معلق میں ہے مثلاً اگر کسی شخص نے صلہ رحم کیا تو اس کی عمر سو سال ہے اور اگر قطع رحم کیا تو اس کی عمر ساٹھ سال ہے، پس اگر اس نے صلہ رحم کر لیا تو اس کی عمر ساٹھ سال کو مٹا کر سو سال لکھ دی جائے گی اور اگر قطع رحم کیا تو وہی ساٹھ سال لکھی رہے گی لیکن اللہ تعالیٰ کو قطعی طور پر علم ہوتا ہے کہ اس نے صلہ رحم کرنا ہے یا قطع رحم کرنا ہے اور اس کی عمر سو سال ہے یا ساٹھ سال اور اللہ تعالیٰ کے علم میں کوئی تغیر اور تبدل نہیں ہوتا۔

قرآن مجید کی اس آیت اور ان احادیث میں اس طرح بھی تطبیق دی گئی ہے، عمر میں اضافہ سے مراد عمر میں برکت اور عبادت کی توفیق ہے، جیسا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گزشتہ امتوں کے مقابلہ میں اپنی امت کی عمریں کم دیکھیں تو آپ کو لیلۃ القدر دے دی گئی۔ خلاصہ یہ ہے کہ صلہ رحم سے عبادت کی توفیق ملے گی اور انسان گناہوں سے محفوظ رہے گا اور اس کے مرنے کے بعد دنیا میں اس کا نیکی اور اچھائی کے ساتھ ذکر کیا جائے گا، وہ علمی اور رفاہی کام کرے گا جس سے قیامت تک فائدہ اٹھایا جاتا رہے گا، اور وہ صدقہ جاریہ کرے گا اور نیک اولاد چھوڑ کر جائے گا اور اس طرح وہ مرنے کے بعد بھی زندہ رہے گا کیونکہ اس کا نام نیکی کے ساتھ زندہ رہے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر ہم ان سے کیے ہوئے کسی وعدہ کی تکمیل آپ کو دکھا دیں یا (اس سے پہلے) آپ کو وفات دے دیں تو آپ کے ذمہ تو صرف پہنچانا ہے اور حساب لینا ہمارے ذمہ ہے ۝ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم زمین کو اس کے اطراف سے کم کرتے جا رہے ہیں اور اللہ حکم فرماتا ہے اور کوئی اس کے حکم کو رد کرنے والا نہیں ہے، اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے ۝ (الرعد: ۴۱-۴۰)

اطراف زمین کو کم کرنے کے محامل

پہلی آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر ہم کفار مکہ پر عذاب نازل کرنے سے پہلے آپ کی رُوح قبض کر لیں یا آپ کو ان کا کچھ عذاب دکھا دیں تو اس سے آپ کے مشن اور کاز پر کیا فرق پڑے گا، آپ کا فریضہ تو قرآن مجید کا پہنچانا اور احکام شرعیہ کی تبلیغ

کرنا ہے اور رہا کافروں سے حساب لینا تو یہ ہمارا کام ہے۔

پھر دوسری آیت میں یہ فرمایا کہ کفار پر عذاب نازل ہونے کی چند علامتیں تو ظاہر ہو چکی ہیں' اور وہ یہ ہیں کہ جن علاقوں پر کفار کا قبضہ اور اقتدار تھا وہ کم ہو کر سمٹتے جا رہے ہیں اور مسلمان ان علاقوں کو فتح کر کے ان پر قبضہ کرتے جا رہے ہیں۔

اس دوسری آیت کی یہ تقریر بھی کی گئی ہے کہ کیا کفار یہ نہیں دیکھتے کہ دنیا میں تخریب اور تعمیر کا عمل مسلسل جاری ہے' موت کے بعد حیات ہے اور ذلت کے بعد عزت ہے اور نقص کے بعد کمال ہے اور بیماری کے بعد صحت ہے' غرض دنیا میں تغیرات اور حوادث مسلسل رُوبعمل رہتے ہیں تو کفار کو یہ خوف اور خطرہ کیوں نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ ان کافروں کے احوال پلٹ دے گا اور ان کو عزت کے بعد ذلت میں مبتلا کر دے گا۔

زمین کی اطراف میں کمی کی ایک یہ تقریر بھی کی گئی ہے کہ زمین میں جو مقتدر' معزز اور متکبر لوگ تھے وہ مرتے رہے اور زمین ان سے خالی ہوتی رہی ہے تو اس وقت جو کافر متکبر اور مغرور ہیں وہ کس وجہ سے مطمئن اور بے خوف ہیں جیسے پچھلی امتوں کے جابر اور متکبر لوگ مثلاً فرعون' ہامان اور نمرود وغیرہ زمین کو خالی کر کے دنیا سے گزر چکے ہیں سو یہ بھی اسی طرح دنیا سے گزر کر زمین کو خالی کر جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ اپنے احکام کو نافذ فرماتا ہے' اور اس کے احکام سے معارضہ کرنے والا کوئی نہیں ہے' اور وہ جلد حساب لے گا اور کافروں کو ان کے جرائم کی قرار واقعی سزا دے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ان سے پہلے لوگوں نے سازش کی تھی' سو تمام خفیہ تدبیروں کا اللہ تعالیٰ ہی مالک ہے وہ ہر شخص کی کارروائی کو جانتا ہے' اور عنقریب کافروں کو معلوم ہو جائے گا کہ نیک انجام کا گھر کس کے لیے ہے ○ (الرعد: ۴۲)

یعنی اس سے پہلی امتوں کے کافروں نے بھی اپنے نبیوں اور رسولوں کے خلاف سازشیں کی تھیں' اور اللہ تعالیٰ کو ہر ایک کی سازش کا علم ہوتا ہے' جب کوئی سازش کرتا ہے تو اس کے نتیجہ میں ہونے والی کارروائی کو بھی وہی پیدا کرتا ہے' کیونکہ ہر چیز کا وہی خالق ہے' اور آخرت میں اللہ تعالیٰ ان کو ان کی ان سازشوں کی سزا دے گا' اور عنقریب کافروں کو معلوم ہو جائے گا کہ آخرت میں اچھا گھر اور ثواب کس کو ملے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کفار یہ کہتے ہیں کہ آپ اللہ کے بھیجے ہوئے نہیں ہیں' آپ کہیے میرے اور تمہارے درمیان اللہ بطور گواہ کافی ہے اور وہ جس کے پاس (آسمانی) کتاب کا علم ہے (وہ بھی بطور گواہ کافی ہے)۔ (الرعد: ۴۳)

(آسمانی) کتاب کے عالم کے مصداق میں متعدد اقوال

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ مشرکین مکہ اس بات کا انکار کرتے تھے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں' اللہ تعالیٰ نے آپ کے رسول ہونے پر دو دلیلیں پیش فرمائی ہیں' ایک دلیل یہ ہے کہ آپ کے رسول اللہ ہونے پر اللہ تعالیٰ گواہ ہے' اور اللہ تعالیٰ کی گواہی اس سے معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی رسالت کے ثبوت میں معجزات نازل فرمائے اور معجزہ وہ فعل ہے جو اللہ تعالیٰ کی عادت جاریہ مستمرہ کے خلاف واقع ہو جیسے پتھروں کا سلام اور کلام کرنا' درخت کا اور اس کے خوشہ کا چل کر آنا اور پھر واپس چلے جانا' کھجور کے تنے کا چلا کر رونا وغیرہا۔ اس قسم کے امور قطعی طور پر یہ دلالت کرتے ہیں اور یہ اللہ کی طرف سے شہادت ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

اور اس آیت میں دوسری دلیل یہ ہے کہ جس کے پاس آسمانی کتاب کا علم ہے وہ بھی آپ کی رسالت پر گواہ ہے۔ اس سلسلہ میں متعدد اقوال ہیں کہ جس کے پاس آسمانی کتاب کا علم ہے اس کا مصداق کون ہے؟ اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ ہیں اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عبدالملک بن عمیر، حضرت عبداللہ بن سلام کے بھتیجے سے روایت کرتے ہیں جب باغیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تو ان کے پاس حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ گئے۔ حضرت عثمان نے پوچھا تم کس لیے آئے ہو؟ انہوں نے کہا میں آپ کی مدد کے لیے آیا ہوں۔ حضرت عثمان نے فرمایا تو پھر باغیوں کے پاس جاؤ اور انہیں میرے پاس سے بھگاؤ، میرے لیے تمہارا یہاں سے باہر جانا تمہارے اندر رہنے سے بہتر ہے! حضرت عبداللہ بن سلام لوگوں کے پاس گئے اور ان سے کہا اے لوگو! زمانہ جاہلیت میں میرا نام فلاں تھا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا نام عبداللہ رکھ دیا، میرے متعلق کتاب اللہ میں یہ آیات نازل ہوئیں:

وَ شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنۡۢ بَنِيۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ عَلٰى مِثۡلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسۡتَكۡبَرۡتُمۡ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِيۡنَ ○ (الاحقاف: ۱۰)

اور بنی اسرائیل میں سے ایک گواہ اس قرآن پر گواہی دے چکا ہے سو وہ ایمان لے آیا اور تم نے تکبر کیا، بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا○

قُلۡ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيۡدًۢا بَيۡنِىۡ وَبَيۡنَكُمۡ ۙ وَمَنۡ عِنۡدَهٗ عِلۡمُ الۡـكِتٰبِ ۔ (الرعد: ۴۳)

آپ کہئے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ بطور گواہ کافی ہے اور وہ جس کے پاس (آسمانی) کتاب کا علم ہے۔

بے شک اللہ نے تم سے تلوار کو میان میں رکھا ہوا ہے اور تمہارے اس شہر میں فرشتے تمہارے پڑوسی ہیں، یہ وہ شہر ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تھے، پس تم اس شخص کو قتل کرنے کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو، پس اللہ کی قسم اگر تم نے اس شخص کو قتل کر دیا تو تمہارے پڑوسی فرشتے تم پر لعنت کریں گے اور اللہ کی جو تلوار میان میں تھی وہ باہر نکل آئے گی پھر قیامت تک وہ تلوار میان میں نہیں جائے گی (یعنی قیامت تک مسلمانوں میں تلواریں چلتی رہیں گی) باغیوں نے کہا اس یہودی کو بھی قتل کر دو اور عثمان کو بھی قتل کر دو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۸۰۳، ۳۲۵۶، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۴۱۳۳، حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۵۳، تاریخ بغداد ج ۱۱ ص ۲۱۲)

اس قول پر یہ اعتراض ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں اسلام لائے تھے اور یہ سورت مکی ہے اس لیے اس سورت کی تفسیر میں آسمانی کتاب کے عالم سے حضرت عبداللہ بن سلام کو مراد لینا درست نہیں ہے۔ امام رازی نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ پوری سورت رعد مکی ہو اور اس کی یہ آیت مدنی ہو۔ پھر امام رازی نے اس تفسیر پر یہ اعتراض کیا ہے کہ ایک آدمی کی گواہی قطعی نہیں ہوتی اس لیے ایک آدمی کی گواہی سے نبوت کو ثابت کرنا جائز نہیں ہے لیکن اس اعتراض کا یہ جواب ہو سکتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس گواہ کی گواہی کو معتبر قرار دیا ہے تو اس کی گواہی سے نبوت کا اثبات درست ہوگا، جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کی گواہی کو دو گواہوں کے برابر قرار دیا تو صرف ان کی گواہی سے سورہ توبہ کی آخری دو آیتیں سورہ توبہ میں شامل کی گئیں۔

(۲) قتادہ نے یہ کہا ہے کہ اس سے مراد اہلِ کتاب کے وہ علماء ہیں جو حق کی شہادت دیتے تھے، ان میں حضرت عبداللہ بن سلام، حضرت سلمان فارسی اور حضرت تمیم داری وغیرہ شامل ہیں۔

(۳) حضرت ابن عباس نے کہا اس سے مراد یہود اور نصاریٰ کے علماء ہیں، یعنی جو لوگ بھی تورات اور انجیل کے عالم ہیں ان کو یہ علم ہے کہ ان کتابوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی بشارت ہے سو جب وہ عالم انصاف کرے گا اور جھوٹ نہیں بولے گا تو وہ اس بات کی گواہی دے گا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے برحق رسول ہیں۔

(۴) سعید بن جبیر نے کہا اس سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں۔

(۵) محمد بن حنفیہ نے کہا اس سے مراد حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں۔

امام ابن الجوزی متوفی ۵۹۷ھ اور امام رازی متوفی ۶۰۶ھ نے اور بھی کئی اقوال ذکر کیے ہیں لیکن وہ سیاق و سباق کے اعتبار سے مناسب نہیں ہیں۔

اختتام سورت اور دُعا

آج بروز اتوار ۱۹ محرم ۱۴۲۱ھ / ۲۵ اپریل ۲۰۰۰ء، سورۃ الرعد کی تفسیر مکمل ہو گئی۔ فالحمد للہ رب العلمین علی ذالک، الہ العالمین! جس طرح آپ نے اس سورت کی تفسیر کو مکمل کرادیا ہے، قرآن مجید کی بقیہ سورتوں کی تفسیر بھی مکمل کرادیں اور موافقین کے لیے اس تفسیر کو موجب استقامت اور مخالفین کے لیے موجب ہدایت بنادیں اور اس تفسیر کو قیامت تک کے مسلمانوں کے لیے نفع آور اور فیض آفریں کردیں اور اس کے مصنف، اس کے ناشر اور اس کے قارئین کو دنیا اور آخرت کی ہر بلا اور ہر عذاب سے محفوظ رکھیں اور دنیا اور آخرت کی ہر نعمت اور ہر سعادت عطا فرمائیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین قائد الانبیاء والمرسلین رحمۃ للعلمین وعلی آلہ الطیبین وعلی اصحابہ الکاملین وعلی ازواجہ الطاھرات امھات المؤمنین وعلی اولیاء امتہ وعلماء ملتہ اجمعین۔





بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

سورۃ ابراھیم

سورت کا نام

اس سورت کا نام ابراھیم ہے، کیونکہ اس سورت میں حضرت ابراھیم علیہ السلام کا ذکر ہے، حضرت ابراھیم علیہ السلام کا ذکر اس سورت کی اس آیت میں ہے:

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ○ (ابراہیم: ۳۵)

اور جب ابراھیم نے دعا کی اے میرے رب اس شہر کو امن والا بنا دے اور مجھے اور میرے بیٹوں کو بتوں کی عبادت سے محفوظ رکھ۔

ہر چند کہ قرآن مجید کی اور سورتوں میں بھی حضرت ابراھیم علیہ السلام کا ذکر ہے، لیکن ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ وجہ تسمیہ جامع مانع نہیں ہوتی، کسی چیز کا نام رکھنے کے لیے ضروری ہے اس چیز میں اور اس نام میں مناسبت ہو لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ جہاں بھی وہ مناسبت ہو وہاں وہ نام بھی ہو۔

سورۃ ابراھیم کا زمانہ نزول

جمہور مفسرین کے نزدیک سورۃ ابراھیم مکی ہے، ماسوا دو آیتوں کے اور وہ یہ ہیں:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ○ جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا وَبِئْسَ الْقَرَارُ ○ (ابراھیم: ۲۹-۲۸)

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمت کو ناشکری سے بدل دیا، اور اپنی قوم کو تباہی کے گھر میں اتار دیا ○ (وہ گھر) جہنم ہے اس میں وہ سب داخل ہوں گے اور وہ کیسا بُرا ٹھکانہ ہے ○

یہ دو آیتیں مشرکین بدر کے متعلق نازل ہوئیں تھیں، یہ سورت، سورۃ شوریٰ کے بعد اور سورۃ انبیاء سے پہلے نازل ہوئی ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے یہ سترنمبر کی سورت ہے۔ اس سورت کا تعلق مکی زندگی کے آخری دور سے ہے۔

سورۃ الرعد اور سورۃ ابراھیم کی مناسبت

یہ دونوں مکی سورتیں ہیں اور ان دونوں میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر دلائل پیش کیے گئے ہیں، اور پچھلی امتوں میں جن کافروں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی تھی ان پر نازل ہونے والے عذاب سے ڈرایا گیا ہے، سورۃ الرعد قرآن مجید کے ذکر پر ختم ہوئی ہے اور سورۃ ابراھیم کی ابتداء بھی قرآن مجید کے ذکر سے ہوئی ہے، سورۃ الرعد کی آخری آیت یہ ہے:

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَسْتَ مُرْسَلًا ۚ قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ ○ (الرعد: ۴۳)

اور کفار یہ کہتے ہیں کہ آپ اللہ کے بھیجے ہوئے نہیں ہیں، آپ کہیے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ بطور گواہ کافی ہے، اور وہ جس کے پاس (آسمانی) کتاب کا علم ہے۔ (وہ بھی بطور گواہ کافی ہے)

اور سورۃ ابراھیم کی پہلی آیت یہ ہے:

الٓرٰ ۚ كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِ رَبِّهِمْ إِلَىٰ صِرَاطِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ ○ (ابراھیم: ۱)

الف لام را، یہ وہ کتاب ہے جس کو ہم نے آپ کی طرف نازل فرمایا تاکہ آپ لوگوں کو ان کے رب کی توفیق سے (کفر کے) اندھیروں سے، (اسلام کی) روشنی کی طرف لائیں، اس کے راستہ کی طرف جو بہت غالب اور بہت تعریف کیا ہوا ہے○

سورۃ ابراھیم کے مضامین اور مقاصد

اس سورت کی ابتداء حروف مقطعات سے کی گئی ہے جس سے یہ بتایا گیا ہے کہ قرآن مجید ان ہی حروف سے مرکب ہے جن سے تم اپنے کلام کو مرتب کرتے ہو اگر تمہارے زعم میں یہ کسی انسان کا بنایا ہوا کلام ہے تو تم بھی ان حروف سے ایسا کلام بنا کر لے آؤ! اور اس سورت کو قرآن مجید کی اس صفت کے ساتھ شروع کیا گیا ہے کہ قرآن مجید لوگوں کو کفر کے اندھیروں سے اسلام کی روشنی میں لاتا اور انسانوں کو ان کے رب اور ان کے معبود کے راستہ پر گامزن کر دیتا ہے، اور اس سورت میں کفار کو وعید سنائی گئی ہے اور یہ بتایا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کوئی پہلے اور نئے رسول نہیں ہیں، اور جس طرح آپ سے پہلے رسولوں کا بشر اور انسان ہونا ان کی رسالت کے منافی نہیں تھا اس طرح آپ کا بشر اور رسول ہونا بھی آپ کی نبوت اور رسالت کے منافی نہیں ہے، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مثال بیان فرمائی ہے جن کو فرعون اور اس کی قوم کی طرف مبعوث کیا گیا تھا اور بنو اسرائیل کی اصلاح کے لیے بھیجا گیا تھا، اور اس ضمن میں کفار مکہ کو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلائی ہیں اور انہیں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے پر برانگیختہ فرمایا ہے۔ حضرت نوح کی قوم اور قوم عاد کا ذکر فرمایا ہے اور ان کے بعد کی اقوام کا ذکر فرمایا ہے، اور ان قوموں نے اپنے رسولوں کی جو تکذیب کی اور اس کے نتیجہ میں ان پر جو عذاب آیا اس کا ذکر فرما کر ان کو ڈرایا ہے، تاکہ کفار مکہ عبرت پکڑیں اور نصیحت حاصل کریں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت پر اپنی مصنوعات اور مخلوقات سے استدلال فرمایا ہے، اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے

جانے کا ذکر فرمایا ہے اور یہ بتایا ہے کہ وہ اپنے خود ساختہ معبودوں کی جو پرستش کر رہے ہیں وہ محض دھوکا ہے اور شیطان کا دیا ہوا فریب ہے، حشر کے دن ان کے خود ساختہ معبود ان سے براءت کا اظہار کردیں گے اور شیطان بھی ان سے بری ہو جائے گا اور اس دن مسلمانوں اور کافروں کی کیا کیفیت ہوگی! اسلام کی نضیلت اور کفر کی مذمت بیان کی گئی ہے، اور ان کافروں کے حال پر تعجب کا اظہار کیا گیا ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو ناشکری سے بدل ڈالا، پھر اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر اپنی بعض نعمتوں کا بیان فرمایا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تمام کفار مکہ مانتے تھے اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت، ان کی صفات، ان کا دین اور ان کی زندگی کے اہم واقعات کو اختصار سے بیان فرمایا ہے تاکہ کفار مکہ اس پر غور کریں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قریب ان کا دین ہے یا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قریب وہ دین ہے جس کو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا ہے۔

اس اجمالی تعارف کے بعد اب ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق، اس کی عنایت اور اعانت سے سورۃ ابراہیم کی تفسیر شروع کرتے ہیں۔ آج بروز جمعہ ۲۲ محرم ۱۴۲۱ھ / ۲۸ اپریل ۲۰۰۰ء کو سورۃ ابراہیم کی تفسیر شروع کی ہے۔ اے اللہ! مجھے اس تفسیر میں حق کی اتباع کرنے، حق بیان کرنے اور باطل سے اجتناب کرنے اور باطل سے منع کرنے کی توفیق، ہمت، استطاعت اور سعادت عطا فرما! اور ان امور میں میری مدد فرما! (آمین)

سُوْرَةُ اِبْرٰهِیْمَ مَكِّیَّةٌ وَّهِیَ اثْنَتَانِ وَخَمْسُوْنَ اٰیَةً وَّسَبْعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ ابراہیم مکی ہے اور اس میں باون آیتیں اور سات رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے ○

الٓرٰ قف كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى

الف لام را، یہ وہ کتاب ہے جس کو ہم نے آپ کی طرف نازل فرمایا، تاکہ آپ ان کے رب کی توفیق سے لوگوں کو (کفر کے) اندھیرے

النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ ۙ ① اللّٰهِ الَّذِیْ

سے (اسلام کی) روشنی کی طرف لائیں، اس کے راستے کی طرف جو بہت غالب، بہت تعریف کیا ہوا ہے ○ اللہ جس کی

لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَوَیْلٌ لِّلْكٰفِرِیْنَ مِنْ

ملک میں تمام آسمانوں اور تمام زمینوں کی چیزیں ہیں، اور کافروں کے لیے سخت عذاب

عَذَابٍ شَدِیْدِ ۙ ② الَّذِیْنَ یَسْتَحِبُّوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا عَلَى الْاٰخِرَةِ

کی تباہی ہے ○ جو آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی کو پسند کرتے ہیں

وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ فِيْ

اور (لوگوں کو) اللہ کے راستے سے روکتے ہیں اور اس میں کجی تلاش کرتے ہیں وہ بہت دور

ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ③ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ

کی گمراہی میں ہیں ○ اور ہم نے ہر رسول کو اس کی قوم کی زبان ہی میں مبعوث کیا ہے تاکہ

لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ۭ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ

وہ ان کو بیان کر سکے، پھر اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے

وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ④ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ

اور وہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے ○ اور بے شک ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ بھیجا کہ اپنی قوم کو

قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ڏ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ۭ

اندھیروں سے روشنی کی طرف لاؤ اور ان کو اللہ کے دنوں کی یاد دلاؤ،

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ⑤ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى

بے شک اس میں ہر بہت صبر کرنے والے بہت شکر کرنے والے کے لیے نشانیاں ہیں ○ اور جب موسیٰ نے اپنی

لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ

قوم سے کہا تم اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو جب اس نے تم کو فرعون کے متبعین سے نجات دی

يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْۗءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَاۗءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ

جو تم کو سخت اذیت پہنچاتے تھے، وہ تمہارے بیٹوں کو ذبح کر دیتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ

نِسَاۗءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ⑥ ع

رہنے دیتے تھے، اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی آزمائش تھی ○

ع ۱ ۶ ۱۳

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: الف لام را، یہ وہ کتاب ہے جس کو ہم نے آپ کی طرف نازل فرمایا، تاکہ آپ ان کے رب کی توفیق سے لوگوں کو (کفر کے) اندھیروں سے (اسلام کی) روشنی کی طرف لائیں اس کے راستے کی طرف جو بہت غالب، بہت تعریف کیا ہوا ہے ○ (ابراھیم: ۱)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قرآن مجید کی تلاوت سے لوگوں کو مسلمان کرنا

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) ہم نے آپ پر یہ قرآن کریم نازل کیا ہے تا کہ آپ لوگوں کو کفر، گمراہی اور جہالت کے اندھیروں سے نکال کر ایمان، ہدایت اور علم کی روشنی میں لے آئیں، اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کے لطف سے صراط مستقیم کی طرف، اور اس سے مراد ہے دین اسلام جس کو اس نے پسند کر لیا ہے اور اپنی تمام مخلوق کے لیے اس کو مشروع کر دیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی اجازت اور توفیق سے مقید فرمایا ہے اور اس میں یہ بتایا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات اور اپنی طاقت سے کسی کو مومن اور مسلمان بنانے پر قادر نہیں ہیں، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو پورے جزیرہ عرب میں کوئی کافر نہ رہتا، اس لیے وہی شخص ایمان اور اسلام قبول کرتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ ایمان اور اسلام کی توفیق عطا فرماتا ہے۔ اس آیت میں فرمایا ہے اس کتاب کو نازل کرنے کی وجہ سے آپ اپنے رب کی توفیق سے لوگوں کو کفر سے اسلام کی طرف لائیں بایں طور کہ آپ لوگوں پر اس کتاب کی آیات کو تلاوت کریں تا کہ لوگ اس کتاب کی آیات میں غور و فکر کریں اور اس میں مذکور دلائل سے یہ سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ عالم، قادر اور حکیم ہے اور قرآن کریم کے معجز ہونے کو پہچانیں تا کہ ان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت کا صدق منکشف ہو اور وہ آپ کی نبوت پر ایمان لے آئیں اور جب وہ آپ پر ایمان لے آئیں گے تو آپ ان کو جو بھی شرعی احکام دیں گے وہ ان احکام کو مانیں گے اور ان پر عمل کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کے اذن اور اس کی توفیق کی وضاحت

ہماری اس تقریر سے یہ ظاہر ہو گیا کہ بندہ کے ایمان لانے میں دو چیزوں کا دخل ہے ایک ہے بندوں کا قرآن مجید کی آیات میں اور اسلام کی حقانیت میں غور و فکر کرنا اور دوسری چیز ہے اللہ تعالیٰ کی توفیق، سو جب اللہ تعالیٰ توفیق دیتا ہے تو بندہ ان آیات سے صحیح نتیجہ پر پہنچتا ہے، اور جب اس کی توفیق شامل حال نہیں ہوتی تو وہ ان ہی آیات سے غلط نتیجہ اخذ کرتا ہے اور بھٹک جاتا ہے، اب اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ جب اللہ تعالیٰ کے توفیق نہ دینے کی وجہ سے کوئی شخص بھٹک گیا اور ایمان نہ لا سکا تو اس میں بندہ کا کیا قصور ہے! اس کا جواب یہ ہے کہ توفیق کا معنی ہے کسی نیکی اور خیر کے اسباب کو مہیا کر دینا، اللہ تعالیٰ نے ہر انسان میں یہ استعداد اور صلاحیت رکھی ہے کہ وہ عقل سلیم سے کام لے کر اچھائی اور برائی اور نیکی اور بدی میں تمیز کر سکے اسی استعداد اور صلاحیت کو فطرت سے تعبیر کیا جاتا ہے، حدیث میں ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر مولود فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی بنا دیتے ہیں یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ الحدیث۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۸۵، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۷۱۴، مسند احمد رقم الحدیث: ۷۱۸۱)

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ○ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ○ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ○ (البلد: ۱۰-۸)

کیا ہم نے انسان کی دو آنکھیں نہیں بنائیں ○ اور زبان اور دو ہونٹ ○ اور ہم نے اسے (نیکی اور بدی کے) دونوں واضح راستے دکھا دیئے ○

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ○ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ○ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ○ وَقَدْ خَابَ مَنْ

نفس کی قسم اور اس کی جس نے اس کو درست بنایا ○ پھر اس کو اس کی بدکرداری اور پرہیزگاری کو سمجھا دیا ○ جس نے

دَسّٰهَا○ (الشمس: ۱۰-۷) نفس کو پاکیزہ کیا وہ کامیاب ہو گیا○ اور جس نے اس کو گناہوں سے آلودہ کیا وہ ناکام ہو گیا○

اس حدیث اور قرآن مجید کی ان آیات سے واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل اور فہم دی ہے اور حق اور باطل کے ادراک کرنے کی صلاحیت عطا کی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی توحید پر جو دلائل قائم کیے تھے اور اپنی رسالت کے ثبوت میں جو معجزات پیش کیے تھے وہ بھی ان کے سامنے تھے اور ان کے آباء واجداد کا جو بت پرستی کا طریقہ تھا وہ بھی ان کے سامنے تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کا برحق ہونا اور ان کے آباء واجداد کے طریقہ کا باطل ہونا ان پر واضح ہو چکا تھا، لیکن جن لوگوں کے دل ودماغ پر اپنے آباء واجداد کی تقلید کی گہری چھاپ لگی ہوئی تھی، انہوں نے اسی طریقہ پر کاربند رہنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان میں اسی گمراہی کو پیدا کر دیا اور جن لوگوں نے اس طریقہ کے بطلان کے منکشف ہونے کے بعد قدیم جاہلیت کو ترک کرنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان میں اسلام اور ایمان کو پیدا کر دیا، اور یہی اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے، اور اللہ تعالیٰ کے اذن سے مراد یہ ہے کہ جو اسلام قبول کرنے کا ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے اسلام قبول کرنے کا راستہ سہل اور آسان کر دیتا ہے اور اسلام لانے کے اسباب اس کو مہیا اور میسر کر دیتا ہے۔

جس کے اسلام لانے کا اللہ تعالیٰ نے اذن نہیں دیا اس کے اسلام نہ لانے میں اس کا کیا قصور ہے؟

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اذن سے مراد یہ ہو کہ جب انسان کفر کی ترغیبات اور اسلام کے دلائل میں غور کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں اسلام قبول کرنے کی تحریک اور داعیہ پیدا کرتا ہے، بعض انسان اس تحریک کی وجہ سے اسلام قبول کر لیتے ہیں اور یہی اللہ تعالیٰ کا اذن ہے اور بعض انسانوں پر آباء واجداد کی تقلید غالب آ جاتی ہے اور وہ کفر پر قائم رہنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان میں کفر اور گمراہی پیدا کر دیتا ہے۔

بعض مفسرین نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے اذن سے مراد اس کا امر یا اس کا علم یا اس کا ارادہ ہے، بہرحال ہم نے جو تقریر کی ہے اس سے یہ اعتراض دُور ہو جاتا ہے کہ جب ایمان وہی لوگ لاتے ہیں جن کے لیے اللہ تعالیٰ کا اذن ہوتا ہے تو کفار کا ایمان نہ لانا اس وجہ سے تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان لانے کا اذن نہیں دیا تھا پس اگر وہ ایمان نہیں لائے تو اس میں ان کا کوئی قصور نہیں ہے پھر ان کو کفر پر دنیا میں ملامت کیوں کی جاتی ہے اور آخرت میں ان کو عذاب کیوں دیا جائے گا اور اس اعتراض کے دُور ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب انسانوں پر حق اور باطل کے دلائل واضح کر دیئے اور ان کی عقل میں یہ صلاحیت رکھی کہ وہ حق کو باطل پر ترجیح دے سکیں اور سب کو ایمان لانے کے مواقع فراہم کیے، بعض لوگوں نے ان مواقع سے فائدہ نہیں اٹھایا اور کفر پر قائم رہنے کا ارادہ کیا سو اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں کفر پیدا کر دیا اور بعض لوگوں نے ان مواقع سے فائدہ اٹھایا اور ایمان لانے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اسلام لانے کے اسباب مہیا کر دیئے اور ان کے لیے اسلام قبول کرنے کو سہل اور آسان کر دیا۔

اسلام کی نشر واشاعت آیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے ہوئی یا دلائل سے

اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو کفر سے اسلام کی طرف لاتے ہیں، اس سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے بغیر اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل نہیں ہوتی اور امام رازی نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت صرف دلیل سے حاصل ہوتی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم دلائل کی طرف متوجہ اور متنبہ کرنے والے ہیں۔ تاہم تحقیق یہ ہے کہ جو چیز جزیرہ عرب کے لوگوں کے اسلام لانے کا باعث بنی وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بے داغ،

پاکیزہ اور بے مثال سیرت ہے، جو لوگ آپ کی شخصیت اور آپ کی سیرت کو جس قدر قریب سے دیکھنے والے تھے وہ اس قدر جلد مسلمان ہو گئے اور جن لوگوں نے آپ کی شخصیت اور آپ کی سیرت کو جتنی دیر سے دیکھا وہ اس قدر دیر سے مسلمان ہوئے، اور صرف دلائل کافی نہیں تھے ورنہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی صفات پر دلائل تو ہمیشہ سے موجود ہیں، اصل چیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم تھی اور آپ کا فیضانِ نظر تھا، یہ اور بات ہے کہ بعض محققین نے آپ کی تعلیم کو تنبیہہ سے تعبیر کر لیا۔

العزیز الحمید کا معنی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے العزیز الحمید، العزیز کا معنی ہے بہت غالب، اس کے لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا عالم ہو اور ہر چیز پر قادر ہو، ورنہ جس چیز کا اسے علم نہیں ہو گا یا جس چیز پر اسے قدرت نہیں ہو گی وہ اس پر غالب نہیں ہو گا، اور الحمید کا معنی ہے وہ اپنے ہر فعل پر حمد کا مستحق ہو اور جو اپنے ہر فعل پر حمد کا مستحق ہو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر ایک سے اور ہر چیز سے مستغنی ہو، اس سے معلوم ہوا کہ جو عزیز حمید کا راستہ ہے وہی سب سے اعلیٰ اور اشرف راستہ ہے اور وہی اس بات کا مستحق ہے کہ اس کو صراط مستقیم کہا جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ جس کی ملک میں تمام آسمانوں اور تمام زمینوں کی چیزیں ہیں اور کافروں کے لیے سخت عذاب کی تباہی ہے ○ (ابراہیم: ۲)

لفظ اللہ کے علم (نام) ہونے پر دلائل

یہ آیت پچھلی آیت سے مربوط ہے یعنی اس کے راستہ کی طرف جو بہت غالب، بہت تعریف کیا ہوا ہے، اس آیت میں بتایا وہ اللہ ہے جس کی ملک میں تمام آسمان اور زمینیں ہیں۔

لفظ اللہ میں علماء کا اختلاف ہے، آیا یہ اسم جامد ہے اور اللہ تعالیٰ کا علم (نام) ہے، یا یہ اسم مشتق ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور اس کا معنی ہے معبود یا مستحق عبادت، اس مسئلہ میں تحقیق یہ ہے کہ لفظ اللہ، اللہ تعالیٰ کا علم (نام) ہے اور اس کے دلائل حسبِ ذیل ہیں:

(۱) صفت کا مفہوم کلی ہوتا ہے اور کلی وقوع شرکت سے مانع نہیں ہوتی، لہٰذا اگر لفظ اللہ کو صفت قرار دیا جائے تو کلمہ لا الہ الا اللہ سے توحید ثابت نہیں ہو گی کیونکہ اب معنی ہو گا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اور لفظ اللہ صفت ہے جو اکثرین پر صادق آتا ہے، نیز اللہ بھی کلی ہے اور الٰہ بھی کلی ہے تو لا الہ الا اللہ میں استثناء الشیٔ من نفسہ لازم آئے گا اس لیے ضروری ہے کہ لفظ اللہ کو علم اور جزئی قرار دیا جائے۔

(۲) جب ہم اللہ تعالیٰ کا اسم اور اس کی صفات کا ذکر کرتے ہیں تو کہتے ہیں ھو اللہ الذی لا الہ الا ھو الرحمن الرحیم، اور کبھی یوں نہیں کہتے الرحمن الرحیم اللہ، بلکہ قرآن کریم اور احادیث شریفہ میں جہاں بھی اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کا ذکر کیا گیا ہے تو ذات پر دلالت کرنے کے لیے لفظ اللہ کو لایا گیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ لفظ اللہ، اللہ تعالیٰ کا اسم اور علم ہے۔

(۳) بعض الفاظ اللہ تعالیٰ کی صفات سلبیہ پر دلالت کرتے ہیں جیسے القدوس، السلام اور بعض الفاظ اللہ تعالیٰ کی صفات اضافیہ پر دلالت کرتے ہیں جیسے خالق اور رازق، اور بعض الفاظ اللہ تعالیٰ کی صفات حقیقیہ پر دلالت کرتے ہیں جیسے عالم اور قادر، اب اگر لفظ اللہ، اللہ تعالیٰ کا علم (نام) نہ ہو، اور اس کی ذات مخصوصہ پر دلالت نہ کرے تو لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کے

تمام اسماء اس کی صفات پر دلالت کرتے ہیں اور اس کی ذات مخصوصہ پر دلالت کرنے کے لیے کوئی لفظ نہیں ہے اور یہ بہت بعید ہے' اور قرآن اور حدیث اور محاورات عرب میں جس لفظ سے اللہ تعالیٰ کی ذات مخصوصہ کو تعبیر کیا جاتا ہے وہ صرف لفظ اللہ ہے۔

(۴) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ھل تعلم لہ سمیا۔ (مریم: ٦۵) کیا تمہیں اللہ کے کسی ہم نام کا علم ہے؟ اس سے مراد یہ ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ کے سوا تمہیں کسی ایسے شخص کا علم ہے جس کا نام اللہ ہے؟ اور یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ لفظ اللہ' اللہ تعالیٰ کی ذات مخصوصہ کا اسم اور نام ہے' یہی وجہ ہے کہ پہلے لفظ اللہ کو ذکر کیا جاتا ہے پھر اس کی صفات ذکر کی جاتی ہیں جیسے ھو اللہ الخالق البارئ المصور' اور یوں نہیں کہا جاتا: الخالق البارئ المصور اللہ اگر لفظ اللہ صفت ہوتا تو اس طرح کہنا بھی جائز ہوتا۔

اللہ تعالیٰ کا کسی سمت کے ساتھ مختص نہ ہونا اور بندوں کے افعال کا خالق ہونا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا تمام آسمان اور زمینیں اللہ کی ملکیت ہیں اس میں یہ اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اوپر نہیں ہے نہ نیچے ہے' اور عرف میں اللہ تعالیٰ کے لیے آسمان کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے اس کی صرف یہ وجہ ہے کہ اوپر کی سمت کو نیچے کی سمت پر فضیلت حاصل ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کسی جہت اور کسی سمت کے ساتھ مخصوص نہیں ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے' اگر اللہ تعالیٰ آسمانوں یا زمینوں میں ہو تو لازم آئے گا اللہ تعالیٰ خود بھی اپنی ملکیت میں ہو۔

اس آیت سے ہمارے علماء نے یہ بھی استدلال کیا ہے کہ بندوں کے افعال اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے ہیں' کیونکہ آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے وہ اللہ تعالیٰ کا مملوک ہے اور بندوں کے افعال بھی آسمانوں اور زمینوں میں ہیں لہٰذا وہ بھی اللہ تعالیٰ کے مملوک ہوئے اور ملکیت کسی چیز کو پیدا کرنے سے ہوتی ہے' یا کسی چیز کو خریدنے سے کسی چیز کی وراثت سے یا کسی کے ہبہ کرنے اور عطا کرنے سے' موخر الذکر تین طریقوں سے مالک ہونا تو اللہ تعالیٰ کے لیے غیر متصور ہے تو لامحالہ اللہ تعالیٰ جو بندوں کے افعال کا مالک ہے تو ان کو پیدا کرنے کی وجہ سے مالک ہے۔

بت پرستوں کے سخت عذاب کا سبب

اس آیت میں حصر ہے یعنی آسمانوں اور زمینوں کی چیزوں کا صرف اللہ تعالیٰ ہی مالک ہے اس کے سوا اور کوئی مالک نہیں ہے اور جب اس کے سوا کوئی مالک نہیں ہے تو اس کے سوا کوئی حاکمیت کا مجاز بھی نہیں ہے اور نہ اس کے سوا کسی کو عبادت کرانے کا استحقاق ہے اور جب کہ کافروں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت چھوڑ کر بتوں کی عبادت کی اور جو تمام آسمانوں اور زمینوں کا مالک ہے اس کو چھوڑ کر اس کی عبادت کی جس کو کسی نفع اور ضرر پہنچانے کا اختیار نہیں ہے' جو مالک ہے نہ خالق ہے بلکہ خود مملوک اور مخلوق ہے تو ضروری ہوا کہ وہ سخت سے سخت سزا کے مستحق ہوں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی ملکیت میں تفرد بیان کرنے کے بعد فرمایا اور کافروں کے لیے سخت عذاب کی تباہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی کو پسند کرتے ہیں اور (لوگوں کو) اللہ کے راستے سے روکتے ہیں اور اس میں کجی تلاش کرتے ہیں وہ بہت دور کی گمراہی میں ہیں ○ (ابراھیم: ۳)

دنیاوی لذتوں کا بے مایہ ہونا

جو شخص بھی دنیا کی زیب و زینت اور دنیا کی رنگینیوں کو آخرت کی نعمتوں پر ترجیح دے اور آخرت کی بجائے دنیا میں

ہی رہنے کو پسند کرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین سے لوگوں کو روکے وہ اس آیت کے عموم میں داخل ہے وہ خود گمراہ ہے اور لوگوں کو گمراہ کرنے والا ہے۔

بعض اوقات فساق اور فجار گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں، لیکن وہ گناہوں کو پسند نہیں کرتے اور نہ گناہوں سے محبت کرتے ہیں اور کافر جو صرف دنیا کی زندگی کو مانتے ہیں اور آخرت کی زندگی کے منکر ہیں ان کے نزدیک دنیا کی مرغوب چیزیں اور دنیا کی لذتیں ہی اصل نعمت ہیں اس لیے وہ دنیا کے لذائذ اور مرغوبات کو آخرت کی نعمتوں پر ترجیح دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کی اس ترجیح کو بہت دور کی گمراہی فرمایا ہے کیونکہ دنیا کے مرغوبات اور لذائذ میں انواع واقسام کے عیوب ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں:

(۱) انسان جب اپنی مرغوب چیزیں حاصل کرلیتا ہے تو اس کو یہ غم لگا رہتا ہے کہ اس سے یہ چیزیں کوئی چھین کر نہ لے جائے یا کسی حادثہ کی وجہ سے یہ چیزیں ضائع نہ ہو جائیں اور اگر یہ چیزیں باقی بھی رہیں تو وہ خود ایک دن ان چیزوں کو چھوڑ کر دنیا سے چلا جائے گا۔

(۲) دنیاوی لذتوں میں انسان سب سے زیادہ ذائقہ اور جماع کی لذت میں کوشاں ہوتا ہے اور یہ لذت صرف چند لمحوں کی ہے حلق سے لقمہ اترنے کے بعد اس لذت کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا اور انزال کے بعد جماع کی لذت کا کوئی نشان نہیں رہتا، پھر ان کی بہت خرابیاں ہیں۔ کھانے پینے کی جتنی چٹخارے دار اور لذیذ اشیاء ہیں سب کا مآل موذی قسم کے امراض ہیں، اور جماع کے نتیجہ میں انسان بہت ذمہ داریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اس کے برخلاف روحانی لذات کسی خرابی اور ذمہ داری کی موجب نہیں ہیں۔

(۳) دنیاوی لذات فانی ہیں اور اخروی لذات دائمی اور سرمدی ہیں۔

بہت دور کی گمراہی کا معنی

اس آیت میں فرمایا ہے کہ جو لوگ دنیاوی لذات کو اخروی لذات پر ترجیح دیتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ فی نفسہٖ دنیاوی لذات مذموم نہیں ہے، لائق مذمت یہ چیز ہے کہ دنیا کو آخرت پر ترجیح دی جائے، جس نے دنیاوی لذتوں کے حصول کی اس لیے کوشش کی ان کے وسیلہ سے وہ اخروی نیکیاں حاصل کرے گا تو یہ مذموم نہیں ہے۔

پھر اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ جس نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دی وہ گمراہ ہے اور جب اس نے دوسرے لوگوں کو بھی اللہ کے راستے سے ہٹانے کی کوشش کی تو وہ گمراہ کرنے والا ہے اور ضال اور مضل ہے، اگر وہ لوگوں کو صرف اسلام قبول کرنے سے روکے اور منع کرے تب بھی گمراہ کرنے والا ہے اور اگر لوگوں کے دلوں میں اسلام کے خلاف شکوک اور شبہات پیدا کرے اور مختلف ہتھکنڈوں سے لوگوں کو اسلام سے متنفر کرے تب بھی وہ ضال اور مضل ہے اور بہت دور کی گمراہی میں مبتلا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے ہر رسول کو اس کی قوم کی زبان میں مبعوث کیا ہے تاکہ وہ ان کو بیان کرسکے، پھر اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے ○ (ابراهیم: ۴)

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا عموم

اللہ تعالیٰ کا ہر قوم پر یہ احسان ہے کہ اس نے ان میں وہ رسول بھیجا جو ان کی زبان بولتا تھا تاکہ افادہ اور استفادہ میں اور افہام اور تفہیم میں آسانی ہو اور قوم آسانی کے ساتھ رسول کی بات کو سمجھ سکے اور اس کے لیے شریعت کے اسرار اور

حقائق کو سمجھنا آسان اور سہل ہو جائے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان عربی تھی اس کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کا پیغام صرف ان ہی لوگوں کے لیے حجت ہو جن کی زبان عربی ہو اور جو دوسری زبانیں بولتے ہیں ان کے لیے آپ کا پیغام حجت نہ ہو اس کا جواب یہ ہے کہ جب ان کی زبانوں میں قرآن مجید اور احادیث اور آثار کا ترجمہ کر کے ان تک پہنچا دیا گیا تو آپ کا پیغام ان پر بھی حجت ہو گیا۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے عموم پر قرآن مجید کی آیات

رہا یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک تمام انسانوں کے لیے رسول ہیں اس پر کیا دلیل ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا۔ (الاعراف: ۱۵۸)

آپ کہیے اے لوگو! بے شک میں تم تمام کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

بلکہ آپ صرف انسانوں کے نہیں بلکہ تمام جنات اور انسانوں کے رسول ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا۝ (بنو اسرائیل: ۸۸)

آپ کہیے اگر (تمام) جن اور انس اس قرآن کی مثل لانے پر مجتمع ہو جائیں تو وہ اس قرآن کی مثل نہیں لا سکتے خواہ وہ ایک دوسرے کے مددگار ہو جائیں۔

اس قرآن کی مثال لانے کا جنات کو بھی چیلنج کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے مکلف ہیں بلکہ آپ جن اور انسانوں کے علاوہ تمام جمادات، نباتات، اور تمام حیوانات کے غرض پوری کائنات کے لیے رسول ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

تَبٰرَكَ الَّذِىْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا۔ (الفرقان: ۱)

وہ بڑی برکت والا ہے جس نے اپنے (مقدس) بندے پر فیصلہ کرنے والی کتاب نازل کی تاکہ وہ تمام جہانوں والوں کے لیے ڈرانے والے ہوں۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے عموم پر احادیث

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے عموم پر احادیث بھی دلالت کرتی ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے پانچ ایسی چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی اور نبی کو نہیں دی گئیں، ایک ماہ کی مسافت سے میرا رعب طاری کر کے میری مدد کی گئی ہے، تمام روئے زمین کو میرے لیے مسجد اور آلہ طہارت بنا دیا گیا، پس میری امت میں سے جو شخص بھی (جہاں) نماز کا وقت پائے وہ نماز پڑھ لے، اور میرے لیے مال غنیمت حلال کر دیا گیا جو مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں کیا گیا تھا اور (پہلے) ہر نبی صرف اپنی قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا اور مجھے تمام لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۵، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۲۱، سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۳۲، ۷۳۶)

علامہ ابو الحسن علی بن خلف المعروف بابن بطال اندلسی متوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے تمام مخلوق کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ جس طرح آپ کو دیکھنا اور آپ کا کلام سننا لوگوں پر حجت تھا اسی طرح بعد کے لوگوں پر آپ کی احادیث حجت ہیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ قرآن مجید ہے اور وہ ان احادیث کی تائید اور موافقت کرتا ہے اور آپ کا معجزہ یعنی قرآن مجید قیامت تک باقی رہے گا اور وہ تغیر و تبدل سے محفوظ رہے گا اور چونکہ آپ کی دعوت قیامت تک کے تمام لوگوں کے لیے باقی رہے گی اور قیامت تک آپ کی دعوت کا ماننا ان پر واجب رہے گا اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ خصوصیت عطا فرمائی کہ آپ کا معجزہ یعنی قرآن کریم قیامت تک باقی رہے گا۔ (شرح صحیح البخاری ج ۱ ص ۴۷۰، مطبوعہ مکتبہ الرشید الریاض ۱۴۲۰ھ)

امام مسلم متوفی ۲۶۱ھ کی روایت میں اس سے زیادہ عموم ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے انبیاء (سابقین) پر چھ وجوہ سے فضیلت عطا کی گئی ہے، مجھے جوامع الکلم عطا کیے گئے، میری رعب سے مدد کی گئی، میرے لیے غنیمتیں حلال کی گئیں، اور میرے لیے تمام روئے زمین کو مسجد اور آلہ طہارت بنا دیا گیا اور مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا اور تمام نبیوں کو مجھ پر ختم کیا گیا۔

(صحیح مسلم المساجد: ۵، (۵۲۳) ۱۱۴۷، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۵۵۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۵۶۷، مسند ابو عوانہ ج ۱ ص ۳۹۵، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۳۱۳، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۴۳۳، ج ۹ ص ۵، دلائل النبوۃ ج ۵ ص ۴۷۲، شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۶۱۷)

جمادات اور نباتات کے لیے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم جمادات اور نباتات کے لیے رسول ہیں، اس پر اس حدیث میں واضح دلیل ہے:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ میں تھا، ہم مکہ کی بعض اطراف میں گئے، آپ کے سامنے جو پہاڑ یا درخت آتا وہ کہتا تھا: السلام علیک یا رسول اللہ۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۲۶، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۱، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۱۵۴، ۱۵۳، شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۵۱۰)

حیوانات کے لیے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم حیوانات کے بھی رسول ہیں اس پر حسب ذیل احادیث میں دلیل ہے:

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انصار کے بعض گھر والوں کے پاس ایک اونٹ تھا جس پر وہ پانی (کی مشکیں لاد کر) لاتے تھے، ان کا وہ اونٹ سرکش ہو گیا اور اس نے اپنے اوپر پانی لادنے نہیں دیا وہ انصار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے انہوں نے کہا کہ ہمارے پاس ایک اونٹ تھا جس پر ہم پانی لاد کر لاتے تھے اب وہ سرکش ہو گیا ہے اور اب وہ ہم کو اپنی پشت پر پانی لادنے نہیں دیتا اور ہمارے کھیت اور ہمارے باغ سوکھے پڑے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا چلو، آپ کے اصحاب اٹھے اور آپ باغ میں داخل ہوئے جس کے ایک گوشے میں وہ اونٹ کھڑا ہوا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف جانے لگے، انصار نے کہا یا رسول اللہ وہ اونٹ تو اب کاٹنے والے پاگل کتے کی طرح ہو گیا ہے اور ہمیں خطرہ ہے کہ وہ آپ پر حملہ کر دے گا، آپ نے فرمایا مجھے اس سے کوئی خطرہ نہیں ہے، جب اونٹ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھا تو وہ آپ کی طرف آیا اور آپ کے سامنے آ کر سجدہ میں گر گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پیشانی سے پکڑا تو وہ پہلے سے بہت زیادہ متواضع اور مطیع تھا، حتیٰ کہ آپ نے اس کو کام میں لگا دیا،

آپ کے اصحاب نے آپ سے کہا یہ بے عقل جانور آپ کو سجدہ کرتا ہے تو ہم عقل والے اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ آپ کو سجدہ کریں، آپ نے فرمایا کسی بشر کے لیے دوسرے بشر کو سجدہ کرنا جائز نہیں ہے اور اگر کسی بشر کے لیے دوسرے بشر کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں عورت کو یہ حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے، کیونکہ خاوند کا اپنی بیوی پر عظیم حق ہے۔ الحدیث۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۱۵۹-۱۵۸ قدیم، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۲۶۴۱، عالم الکتب بیروت، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۲۵۵۱، دارالحدیث قاہرہ، حمزہ احمد زین نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے، حافظ الہیثمی نے بھی کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ مجمع الزوائد ج ۹ ص ۴، دلائل النبوۃ لابی نعیم رقم الحدیث: ۲۸۷، مسند البزار رقم الحدیث: ۲۴۵۴، حافظ منذری نے اس حدیث کے متعلق لکھا ہے: اس حدیث کو امام احمد نے سند جید کے ساتھ روایت کیا ہے، اس کے راوی ثقہ اور مشہور ہیں، اور امام بزار نے بھی اس کی مثل روایت کیا ہے۔ اور امام نسائی نے اس کو مختصراً روایت کیا ہے اور امام ابن حبان نے اس کو حضرت ابوہریرہ سے مختصراً روایت کیا ہے۔ الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۵۵، مطبوعہ دارالحدیث قاہرہ، الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۶۷۵-۶۷۴، رقم الحدیث: ۲۸۹۳، مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۱۶۲، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۹۱۴۷)

حافظ سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ لوگ آئے اور انہوں نے کہا ہمارا اونٹ غضب ناک ہو گیا ہے اور وہ باغ میں ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس اونٹ کے پاس گئے اور فرمایا آؤ، وہ آپ کے پاس سر جھکائے ہوئے آیا حتیٰ کہ آپ نے اس کے نکیل ڈال دی اور وہ اونٹ اس کے مالکوں کے حوالے کر دیا۔ حضرت ابوبکر نے کہا یارسول اللہ! گویا کہ اس کو علم تھا کہ آپ نبی ہیں؟ آپ نے فرمایا:

ما بین لا بتیھا احد الا یعلم انی نبی الا کفرۃ الجن والانس۔

مدینہ کی دو سیاہ پتھریلی زمینوں کے درمیان جو کوئی بھی ہے وہ یہ جانتا ہے کہ میں نبی ہوں سوا کافر جنوں اور انسانوں کے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۲۰۰۳، حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں اور بعض میں کچھ ضعف ہے، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۴، دلائل النبوۃ لابی نعیم رقم الحدیث: ۲۷۹، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۳۰، مسند احمد ج ۳ ص ۳۱۰ قدیم، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۴۳۸۵، عالم الکتب، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۴۲۶۹، دارالحدیث قاہرہ، حمزہ احمد الزین نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے، مصنف ابن شیبہ ج ۱۱ ص ۴۷۳، سنن دارمی رقم الحدیث: ۱۱، مسند عبد بن حمید رقم الحدیث: ۱۱۲۳، الخصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۹۴)

کفار کے سوا کائنات کی ہر چیز آپ کی رسالت کو جانتی ہے

نیز امام طبرانی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عبداللہ بن یعلیٰ بن مرہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں تین چیزیں دیکھیں جو مجھ سے پہلے کسی نے نہیں دیکھیں، میں آپ کے ساتھ مکہ کے ایک راستہ میں جا رہا تھا، آپ ایک عورت کے پاس سے گزرے جس کا بیٹا بہت سخت جنون میں مبتلا تھا، اس عورت نے کہا یارسول اللہ آپ دیکھ رہے ہیں میرے بیٹے کا کیا حال ہے، آپ نے فرمایا اگر تم چاہو تو میں اس کے لیے دعا کر دوں، آپ نے اس کے لیے دعا کی پھر آپ چلے گئے، پھر آپ ایک اونٹ کے پاس سے گزرے جو اپنی گردن بڑھا کر بڑبڑا رہا تھا، آپ نے فرمایا اس اونٹ کے مالک کو بلاؤ جب وہ آیا تو آپ نے فرمایا، یہ اونٹ کہہ رہا ہے میں ان کے ہاں پیدا ہوا، انہوں نے مجھ سے کام لینا شروع کر دیا حتیٰ کہ اب میں بوڑھا ہو گیا تو یہ

لوگ مجھے ذبح کرنا چاہتے ہیں، پھر آپ آگے گئے تو آپ نے دو الگ الگ درختوں کو دیکھا' آپ نے مجھ سے فرمایا جاؤ ان دونوں درختوں سے کہو کہ وہ مل کر متصل ہو جائیں، جب وہ درخت مل گئے تو آپ نے ان کی اوٹ میں حاجت قضا کی اور فرمایا جاؤ ان سے کہو اب یہ الگ الگ ہو جائیں پھر آپ آگے گئے' جب واپس آئے تو اس بچہ کے پاس سے گزرے وہ بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا اس کی ماں کے پاس چھ مینڈھے تھے اس نے دو مینڈھے آپ کو ہدیہ کیے' اور کہنے لگی اس پر دوبارہ بالکل جنون طاری نہیں ہوا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما من شئ الا یعلم انی رسول اللہ الا کفرۃ او فسقۃ الجن والانس۔ ہر چیز جانتی ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں ماسوا کافر یا فاسق جنوں اور انسانوں کے۔

(المعجم الکبیر ج ۲۲ ص ۲۶۲-۲۶۱' رقم الحدیث: ۶۷۲ دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۲۳ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۴۹۳' امام حاکم اور ذہبی نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے' المستدرک ج ۲ ص ۶۱۸-۶۱۷' دلائل النبوۃ لابی نعیم رقم الحدیث: ۲۹۲' ۲۸۳' مسند احمد ج ۴ ص ۱۷۲' قدیم مسند احمد رقم الحدیث: ۱۷۴۸۹' دار الحدیث قاہرہ' حمزہ احمد زین نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے' البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۵۳۴' ۵۳۳)

نوٹ: المعجم الکبیر' دلائل النبوۃ میں اور البدایہ والنہایہ میں یہ حدیث مکمل ہے اور باقی کتابوں میں اس کے مختلف اجزاء ہیں۔

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم انصار کے ساتھ ایک باغ میں داخل ہوئے' آپ کے ساتھ حضرت ابو بکر' حضرت عمر اور ایک انصاری تھا' اس باغ میں بکریاں تھیں انہوں نے آپ کو سجدہ کیا' حضرت ابو بکر نے کہا یا رسول اللہ! ان بکریوں کی بہ نسبت آپ کو سجدہ کرنے کے ہم زیادہ حقدار ہیں' آپ نے فرمایا کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ دوسرے کو سجدہ کرے اور اگر کسی کے لیے یہ جائز ہوتا کہ وہ دوسرے کو سجدہ کرے تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔

(البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۵۳۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۸ھ)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جگہ سے گزرے تو وہاں ایک خیمہ میں ہرنی بندھی ہوئی تھی۔ اس نے کہا کہ یا رسول اللہ! مجھے کھول دیجئے تاکہ میں اپنے بچوں کو دودھ پلاؤں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کھول دیا وہ تھوڑی دیر بعد واپس آگئی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پھر باندھ دیا' جب خیمہ والے آئے تو آپ نے ان سے اس ہرنی کو مانگ لیا اور اس کو کھول کر آزاد کر دیا۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۳۴' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

گوہ کا کلمہ شہادت پڑھنا

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کی محفل میں بیٹھے ہوئے تھے کہ بنو سلیم سے ایک اعرابی آیا وہ ایک گوہ کو شکار کر کے لایا تھا جو اس کی آستین میں تھی تاکہ اس کو اپنے گھر لے جائے اور پکا کر کھائے۔ جب اس نے ایک جماعت کو دیکھا تو پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ اس کو بتایا کہ یہ نبی ہیں وہ لوگوں کو چیرتا ہوا آیا اور کہنے لگا لات اور عزیٰ کی قسم! میرے نزدیک آپ سے زیادہ مبغوض اور کوئی نہیں ہے' اور اگر میری قوم مجھے جلد باز نہ کہتی تو میں اب تک آپ کو قتل کر چکا ہوتا اور ہر کالے گورے کو آپ کے قتل سے خوش کر چکا ہوتا' حضرت عمر نے کہا

رسول اللہ! مجھے اجازت دیں میں اٹھ کر اس کو قتل کر دوں! آپ نے فرمایا: اے عمر! کیا تم نہیں جانتے کہ بردبار شخص کو نبی بنایا جاتا ہے، پھر آپ اس اعرابی کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: تمہارے اس قول کا کیا مطلب ہے اور تم نے یہ ناحق بات کیوں کہی ہے؟ تم نے میری مجلس میں میری تعظیم نہیں کی اور تم اللہ کے رسول سے توہین آمیز کلام کرتے ہو! اس کے کمالات اور عزیٰ کی قسم! میں اس وقت تک آپ پر ایمان نہیں لاؤں گا حتیٰ کہ یہ گوہ آپ پر ایمان لے آئے، یہ کہہ کر اس نے اپنی آستین سے گوہ نکال کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پھینک دی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے گوہ! گوہ نے فصیح عربی میں کہا جس کو تمام حاضرین سن رہے تھے: لبیک وسعدیک! آپ نے پوچھا اے گوہ! تم کس کی عبادت کرتی ہو! اس نے کہا جس کا آسمان میں عرش ہے اور زمین میں اس کی سلطنت ہے، سمندر میں اس کا راستہ ہے، جنت میں اس کی رحمت ہے، دوزخ میں اس کا عذاب ہے، آپ نے فرمایا اور میں کون ہوں اے گوہ! اس نے کہا آپ رب العالمین کے رسول ہیں، خاتم النبیین ہیں، جس نے آپ کی تصدیق کی وہ کامیاب ہو گیا اور جس نے آپ کی تکذیب کی وہ ناکام ہو گیا؟ اس اعرابی نے کہا اب آنکھوں سے دیکھنے کے بعد میں کسی سنی سنائی بات پر یقین نہیں کروں گا، جس وقت میں آپ کے پاس آیا تھا اس وقت میرے نزدیک روئے زمین پر آپ سے زیادہ مبغوض کوئی نہیں تھا۔ اور اب میرے نزدیک آپ میرے والد، میری آنکھوں اور میری جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں اور میں آپ سے اپنے اندر اور باہر اور اپنے ظاہر اور باطن سے محبت کرتا ہوں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے لیے حمد ہے جس نے میری وجہ سے تم کو ہدایت دی، یہ دین غالب ہے یہ دین مغلوب نہیں ہوگا، اور نماز کے بغیر یہ دین مقبول نہیں ہے اور نماز قرآن کے بغیر مقبول نہیں ہے، اس نے کہا آپ مجھے تعلیم دیں پھر آپ نے اس کو تعلیم دی۔ الحدیث۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۳۸۔ ۳۶، دلائل النبوۃ لابی نعیم رقم الحدیث: ۲۷۵، المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۹۴۸، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۵۹۹۳ حافظ الہیثمی نے کہا ہے کہ امام طبرانی نے اس حدیث کو معجم صغیر اور معجم اوسط میں اپنے شیخ محمد بن علی بن الولید البصری سے روایت کیا ہے، امام بیہقی نے کہا اس حدیث کا بوجھ اسی پر ہے اور اس کے باقی راوی صحیح ہیں۔ مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۹۴، حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ یہ حدیث حضرت عائشہ اور حضرت ابوہریرہ سے بھی مروی ہے اور ہم نے جس سند سے ذکر کیا وہ زیادہ بہتر ہے، اور وہ بھی ضعیف ہے اور اس کا بوجھ اسلمی پر ہے۔ البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۵۴۶، حافظ جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے: یہ حدیث میں بھی کئی اسانید سے مروی ہے، حضرت عائشہ اور حضرت ابوہریرہ سے، اور ابن دحیہ اور حافظ ذہبی کا یہ زعم ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے، میں کہتا ہوں کہ حضرت عمر کی حدیث کئی سندوں سے مروی ہے جن میں محمد بن علی بن الولید نہیں ہے جس کو امام ابو نعیم نے روایت کیا ہے اور امام ابن عساکر نے اس حدیث کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ الخصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۱۰۸)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف زبانوں کے بولنے والے کلام کرتے تھے اور آپ ان کی زبانوں کو جانتے تھے، فرشتے اور جنات آپ سے کلام کرتے تھے اور آپ ان کی زبانوں کو سمجھتے تھے، جانوروں کی بولیوں کو آپ جانتے تھے اور آپ ان سے گفتگو فرماتے تھے، آپ پوری کائنات کے رسول تھے اور پوری کائنات کی زبانوں کو جانتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ بھیجا کہ اپنی قوم کو اندھیروں میں سے روشنی کی طرف لاؤ، اور ان کو اللہ کے دنوں کی یاد دلاؤ، بے شک اس میں ہر بہت صبر کرنے والے شکر کرنے والے کے لیے نشانیاں ہیں ○ (ابراھیم: ۵)

انبیاء سابقین کے ذکر کی حکمت

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کی طرف اس لیے بھیجا ہے کہ آپ ان کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال لائیں، پھر اللہ تعالیٰ نے وہ انعامات ذکر کیے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اور آپ کی قوم کو عطا فرمائے، اب اس کے بعد اللہ تعالیٰ انبیاء سابقین کا ذکر فرما رہا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کی قوموں کی طرف بھیجا تو انہوں اپنے نبیوں اور رسولوں سے کس طرح کا معاملہ کیا تا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قوم کی طرف سے پہنچنے والی اذیتوں پر صبر آئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بتایا جائے کہ انبیاء سابقین اور ان کی قوموں کے درمیان کس قسم کا معاملہ ہوا، اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ ذکر فرمایا۔

تمام انبیاء کی بعثت کا مقصد واحد ہے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ بھیجا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ نشانیاں دی گئی تھیں: (۱) عصا (۲) ید بیضاء (۳) ٹڈیاں (۴) جوئیں (۵) خون (۶) مینڈکوں کی بارش، (۷) سمندر کو چیرنا (۸) پتھر سے چشموں کا پھوٹنا (۹) پہاڑ کا سایہ کرنا (۱۰) المن اور السلویٰ کا نازل کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قوم بنو اسرائیل کی طرف ان نشانیوں اور تورات کے ساتھ بھیجا اور ان کو یہ حکم دیا کہ وہ ان کے لیے دین اور شریعت کو بیان کریں، اور اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ۔ (ابراھیم: ۱)

ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب نازل کی ہے تاکہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے روشنی کی طرف لائیں۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (ابراھیم: ۵)

کہ آپ اپنی قوم کو اندھیروں سے روشنی کی طرف لائیں۔

اس میں یہ بتانا ہے کہ تمام انبیاء کی بعثت کا مقصد واحد ہے کہ وہ اس بات کی پیہم سعی کریں کہ وہ اللہ کی مخلوق کو گمراہی اور کفر کے اندھیروں سے ہدایت اور ایمان کی روشنی کی طرف لائیں۔

ایام اللہ کا معنی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کو ایام اللہ (اللہ کے دنوں) کی یاد دلاؤ۔ ایام اللہ سے مراد ہیں وہ ایام جن میں اہم واقعات رونما ہوئے یا جن ایام میں اللہ تعالیٰ نے منکروں اور کافروں کو سزا دینے کے لیے اور ان سے انتقام لینے کے لیے ان پر عبرت ناک عذاب نازل فرمایا، یا جن دنوں میں اللہ تعالیٰ نے کسی قوم پر خاص نعمتیں نازل فرمائیں۔

حضرت ابی بن کعب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ ایام اللہ سے مراد اللہ کی نعمتیں ہیں، مجاہد، قتادہ اور ابن قتیبہ کا بھی یہی قول ہے، ابن زید، ابن السائب اور مقاتل نے کہا اس سے مراد پہلی امتوں کے اہم واقعات ہیں، زجاج نے کہا اس سے مراد وہ ایام ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے پچھلی قوموں پر عذاب نازل فرمایا جیسے حضرت نوح کی قوم اور عاد اور ثمود پر۔ (زاد المسیر ج ۴ ص ۳۴۶، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق میں ایام اللہ وہ تھے جو سخت آزمائش اور مصائب کے ایام تھے، بنو اسرائیل فرعون کی غلامی میں زندگی بسر کر رہے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمن فرعون کو غرق کر دیا اور انہیں ان کی زمینوں اور ان کے

مکانوں کا مالک بنا دیا اور انواع و اقسام کے انعامات سے ان کو نوازا میدان تیہ میں ان پر بادل کا سایہ کیا اور ان پر المن اور السلویٰ نازل فرمایا۔

صبر اور شکر کے متعلق احادیث

اس کے بعد فرمایا بے شک اس میں بہت صبر کرنے والوں اور بہت شکر کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں، جب بندہ پر کوئی مصیبت آئے تو اس کو صبر کرنا چاہیے اور اس کو جب کوئی نعمت دی جائے تو پھر اس کو شکر کرنا چاہیے۔

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کے حال پر تعجب ہوتا ہے اس کے ہر حال میں خیر ہے اور یہ مومن کے علاوہ اور کسی کا حال نہیں ہے اگر اس کو خوشی پہنچتی ہے تو وہ شکر ادا کرتا ہے سو یہ اس کے لیے خیر ہے اور اگر اس کو تکلیف پہنچتی ہے تو وہ صبر کرتا ہے اور یہ (بھی) اس کے لیے خیر ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۹۹، الترغیب والترہیب ج ۴ ص ۲۷۸، کنز العمال رقم الحدیث ۱۷، مشکوۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۲۹۷ مسند احمد ج ۴ ص ۳۳۳، ۳۳۲، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۸۹۶)

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ عزوجل نے فرمایا: اے عیسیٰ! میں تمہارے بعد ایک امت کو بھیجنے والا ہوں، جب ان کو ان کی محبوب چیزیں ملیں گی تو وہ اللہ کی حمد کریں گے اور جب ان پر مکروہ چیزیں نازل ہوں گی تو وہ ثواب کی امید رکھیں گے اور صبر کریں گے، اور ان کا ذاتی (خلق) حلم اور علم نہیں ہوگا، حضرت عیسیٰ نے کہا یا رب! یہ کیسے ہوگا! فرمایا میں ان کو اپنا حلم اور علم عطا کروں گا۔

(المستدرک ج ۱ ص ۳۴۸، حاکم نے کہا یہ حدیث صحیح ہے اور ذہبی نے اس کی موافقت کی، حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۲۲۷، ج ۵ ص ۲۴۳)

حضرت سخبرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو کچھ دیا گیا تو اس نے شکر ادا کیا، اور اس پر مصیبت آئی تو اس نے صبر کیا، اس نے اپنی جان پر ظلم کیا تو اس نے استغفار کیا۔ اس پر ظلم کیا گیا تو اس نے معاف کر دیا۔ پھر آپ خاموش ہو گئے، صحابہ کرام نے پوچھا: یا رسول اللہ! اس کے لیے کیا اجر ہے؟ فرمایا:

اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ۔ (الانعام: ۸۲) ان ہی کے لیے (عذاب سے) امن ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۶۶۱۳، حافظ الہیثمی نے کہا اس میں ایک راوی عوام بن جویریہ ضعیف ہے، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۲۴۸)

صبر اور شکر میں عبد اللہ بن مبارک کا معیار اور اس پر کلام

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ شقیق بن ابراہیم بلخی بھیس بدل کر عبد اللہ بن مبارک کے پاس گئے، انہوں نے پوچھا آپ کہاں سے آئے ہیں، شقیق نے کہا بلخ سے، عبد اللہ بن مبارک نے پوچھا شقیق کو جانتے ہو؟ کہا ہاں! پوچھا ان کے اصحاب کا کیا طریقہ ہے، کہا جب ان کے پاس کچھ نہیں ہوتا تو صبر کرتے ہیں اور جب انہیں کچھ دیا جاتا ہے تو شکر ادا کرتے ہیں، عبد اللہ بن مبارک نے کہا یہ تو ہمارے ہاں کتوں کا طریقہ ہے، شقیق نے پوچھا پھر کس طرح ہونا چاہیے! عبد اللہ بن مبارک نے کہا کہ کاملین وہ ہوتے ہیں جن کو جب کچھ نہ دیا جائے تو شکر کریں اور جب مل جائے تو وہ دوسروں کو دے دیں!

(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۳۶، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

عبد اللہ بن مبارک نے جو کاملین کا طریقہ بیان کیا ہے یہ فقہی طور پر درست نہیں ہے، انسان پر لازم ہے کہ پہلے اپنی

ضروریات پوری کرے اور جو اس کی ضروریات سے فاضل ہو وہ دوسروں کو دے انسان اپنا تمام مال و متاع خیرات کر کے خود بھوکا پیاسا رہے اور اپنی ضروریات میں دوسروں کا محتاج بن جائے یہ جائز نہیں ہے اور یہ اللہ کی نعمتوں کی ناقدری اور اس کی ناشکری ہے۔

شکر کا معنی اور صابر اور شاکر کے ساتھ نشانیوں کی تخصیص کی توجیہ

اس آیت میں فرمایا ہے: اس میں بہت صبر کرنے والوں اور بہت شکر کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں' اس میں صبر اور شکر کرنے والوں سے مراد مومنین ہیں' کیونکہ مومن کی شان یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے منع کرنے کی وجہ سے اپنے نفس کی مرغوبات اور لذائذ سے صبر کرتا ہے اور عبادات کی مشقت پر صبر کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر ادا کرتا ہے اور سب سے بڑی نعمت اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اور اس کی عبادت کرنے کی توفیق ہے اور انسان کا سلیم الاعضاء ہونا اور اس کا صحت مند ہونا اور بندہ کو ہر وقت ان نعمتوں پر شکر کرتے رہنا چاہیے' شکر کا معنی ہے دل' زبان اور اعضاء سے منعم کی تعظیم بجالانا' اور اللہ نے جو نعمت جس مقصد کے لیے عطا کی ہے اس نعمت کو اس مقصد کے پورا کرنے کے لیے خرچ کرنا' اور اس نعمت کو اس مقصد کے لیے خرچ نہ کرنا' ناشکری ہے' اور اس نعمت کو اس مقصد کے الٹ اور خلاف خرچ کرنا بہت بڑا گناہ اور اللہ تعالیٰ سے بغاوت کرنے کی جسارت ہے' مثلاً اللہ تعالیٰ نے شہوانی قوت عطا کی تاکہ حلال طریقہ سے اس شہوت کے تقاضوں کو پورا کرے یہ شکر ہے' اور انسان جنگل میں زندگی گزارے اور راہب بن جائے تو یہ ناشکری ہے اور حرام طریقہ سے اس شہوت کو پورا کرے زنا اور لواطت کرے تو یہ اللہ تعالیٰ سے بغاوت کی جسارت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے شکر گزار بندے بہت کم ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ؕ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ○ (سبا: ۱۳)

اے آل داؤد! تم شکر ادا کرو' اور میرے بندوں میں شکر ادا کرنے والے کم ہیں۔

حکایت ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کیا: اے اللہ! میں تیرا شکر کس طرح ادا کروں کیوں کہ جس زبان سے تیرا شکر ادا کروں گا وہ بھی تیری دی ہوئی ہے' ہر سانس تیری نعمت ہے' ہر سانس میں تیری بے شمار نعمتیں ہیں' فرمایا: اے داؤد اب تم نے میرا شکر ادا کر دیا یعنی جب تم نے اپنے عجز کا اعتراف کر لیا تو میرا شکر ادا ہو گیا! (الجامع لاحکام القرآن جز ۹ ص ۳۰۰)

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اعتراف کرنا اور اسکی نعمتوں کو اسکی معصیت میں خرچ نہ کرنا اسکا شکر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے دو بندوں کو شکر گزار قرار دیا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ○ (بنو اسرائیل: ۳)

اے ان لوگوں کی اولاد جن کو ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا' بے شک وہ بہت شکر گزار بندے تھے۔

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ؕ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ؕ اِجْتَبٰهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ (النحل: ۱۲۱-۱۲۰)

ابراہیم (اپنی ذات میں) ایک امت تھے' اللہ کے مطیع' حق کی طرف مائل اور باطل سے مجتنب اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے ○ اس کی نعمتوں کا شکر کرنے والے تھے اللہ نے ان کو منتخب کیا اور صراط مستقیم کی طرف ہدایت دی۔

اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے متعلق فرمایا:

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تہجد میں اس قدر قیام فرمایا کہ

آپ کے پاؤں پر ورم آگیا' آپ سے کہا گیا کہ اللہ نے آپ کے اگلے پچھلے ذنب (بظاہر خلاف اولیٰ سب کاموں) کی مغفرت فرما دی ہے (پھر آپ اس قدر مشقت کیوں اٹھاتے ہیں؟) آپ نے فرمایا: میں اللہ کا بہت شکر گزار بندہ کیوں نہ بنوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۳۷، ۴۸۳۶، ۱۱۳۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۱۹، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۴۱۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۱۹، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۶۴۴، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۴۷۴۶، مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۷۵۹، مسند احمد ج ۴ ص ۲۵۵، ۲۵۱، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۲۳۴، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۱۸۲، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۱۱، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۱۶، ج ۷ ص ۳۹، تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۳۰۶، شرح السنہ رقم الحدیث: ۹۳۱)

نیز یہ جو فرمایا ہے اس میں بہت صبر کرنے والوں اور بہت شکر کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں' یہ اس لیے فرمایا ہے کہ اگرچہ نشانیاں تو اس میں سب انسانوں کے لیے ہیں لیکن ان نشانیوں سے فائدہ صرف صابر اور شاکر ہی اٹھاتے ہیں اس لیے فرمایا اس میں بہت صبر کرنے والوں اور بہت شکر کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں جیسے فرمایا: ھدی للمتقین' قرآن مجید فی نفسہ ہدایت تو تمام انسانوں کے لیے ہے لیکن انجام کار اس سے فائدہ صرف متقین اٹھاتے ہیں اس لیے فرمایا یہ متقین کے لیے ہدایت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا تم اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو جب اس نے تم کو فرعون کے متبعین سے نجات دی جو تم کو سخت اذیت پہنچاتے تھے وہ تمہارے بیٹوں کو ذبح کر دیتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ رہنے دیتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی آزمائش تھی ○ (ابراھیم: ۶)

اس آیت کی تفسیر کے لیے البقرہ: ۴۹ کو ملاحظہ فرمائیں۔

وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ

اور یاد کرو جب تمہارے رب نے آگاہ کر دیا تھا کہ اگر تم نے شکر کیا تو میں ضرور تم کو زیادہ (نعمت) دوں گا اور اگر تم نے ناشکری

عَذَابِي لَشَدِيدٌ ۝٧ وَقَالَ مُوسَىٰ إِنْ تَكْفُرُوا أَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ

کی تو بے شک میرا عذاب ضرور سخت ہے ○ اور موسیٰ نے کہا اگر تم اور تمام روئے زمین کے لوگ مل کر ناشکری

جَمِيعًا فَإِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ حَمِيدٌ ۝٨ أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبَأُ الَّذِينَ

کرو تو بے شک اللہ بے پروا اور حمد کیا ہوا ہے ○ کیا تمہارے پاس تم سے پہلے لوگوں کی خبریں

مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ ۛ وَالَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ ۛ

نہیں آئیں۔ نوح کی قوم اور عاد اور ثمود کی اور ان کے بعد کے لوگوں کی

لَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا اللَّهُ ۚ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَرَدُّوا أَيْدِيَهُمْ

جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا' ان کے پاس ان کے رسول واضح دلائل لے کر آئے تو انہوں نے اپنے ہاتھ

عندالمتقدمین ۱۲ مع

فِيْٓ اَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوْٓا اِنَّا كَفَرْنَا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ وَاِنَّا لَفِيْ شَكٍّ

اپنے مونہوں پر رکھ دیے اور کہا جس پیغام کے ساتھ تمہیں بھیجا گیا ہے ہم اس کا انکار کرتے ہیں، اور بے شک جس

مِّمَّا تَدْعُوْنَنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ۝۹ قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ

دین کی طرف تم ہمیں دعوت دے رہے ہو ہم اس کے متعلق سخت شک میں مبتلا ہیں ○ ان کے رسولوں نے کہا کیا اللہ کے متعلق شک

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يَدْعُوْكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَ

ہے جو تمام آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے وہ تمہیں اس لیے بلاتا ہے کہ تمہارے بعض گناہوں کو بخش دے اور

يُؤَخِّرَكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۭ

موت کے مقرر وقت تک تم کو (عذاب سے) موخر رکھے، انہوں نے کہا تم تو محض ہماری مثل بشر ہو

تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَاۗؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ

تم تو یہ چاہتے ہو کہ ہمیں ان معبودوں سے روک دو جن کی ہمارے آباؤ اجداد پرستش کرتے تھے سو تم ہمارے پاس

مُّبِيْنٍ ۝۱۰ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ

کوئی روشن دلیل لاؤ ○ ان سے ان کے رسولوں نے کہا ہم تمہاری طرح بشر ہی ہیں لیکن

اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ

اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے احسان فرماتا ہے اور ہمارے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ

نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَعَلَي اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱۱

ہم اللہ کی اجازت کے بغیر تمہارے پاس کوئی دلیل لے آئیں اور مومنوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے ○

وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَي اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ۭ وَلَنَصْبِرَنَّ

اور ہم اللہ پر توکل کیوں نہ کریں اس نے ہمیں اپنے راستوں کی ہدایت دی ہے اور تم نے جو ہمیں تکلیفیں پہنچائیں

عَلٰي مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ۭ وَعَلَي اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝۱۲ ع

ہیں ہم ان پر ضرور صبر کریں گے اور توکل کرنے والوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یاد کرو جب تمہارے رب نے آگاہ کر دیا تھا کہ اگر تم نے شکر کیا تو میں ضرور تم کو زیادہ (نعمت) دوں گا اور اگر تم نے ناشکری کی تو بے شک میرا عذاب ضرور سخت ہے ○ اور موسیٰ نے کہا اگر تم اور تمہارے روئے زمین کے لوگ مل کر ناشکری کرو تو بے شک اللہ بے پروا اور حمد کیا ہوا ہے ○ (ابراھیم: ۸-۷)

شکر کا معنی

شکر کا معنی ہے نعمت کا تصور اور اس کا اظہار کرنا، اور اس کی ضد کفرانِ نعمت ہے یعنی نعمت کو بھول جانا اور اس کو چھپا لینا، شکر کی تین قسمیں ہیں: دل سے شکر کرنا اور یہ نعمت کا تصور ہے، زبان سے شکر کرنا اور یہ منعم کی تعریف و توصیف کرنا ہے اور اعضاء سے شکر کرنا، اور یہ بقدر استحقاق نعمت کا بدلہ دینا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا (سبا: ۱۳) اے آلِ داؤد شکر کرو۔

یعنی نیک عمل کرو تاکہ اللہ کا شکر ادا ہو، نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ۔ (سبا: ۱۳) میرے بہت شکر کرنے والے بندے تھوڑے ہیں۔

اس آیت میں تنبیہ ہے کہ اللہ کا پورا شکر ادا کرنا بہت مشکل ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں میں سے صرف حضرت نوح اور حضرت ابراھیم علیہما السلام کو اپنا شکر گزار فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو بھی شکور فرمایا ہے اس کا معنی ہے وہ بندوں پر انعام فرمانے والا ہے اور ان کی عبادت کی جزا عطا فرمانے والا ہے۔

(المفردات ج ۱ ص ۳۵۰، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

حمد اور شکر کا فرق

اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم شکور ہے، اس کا معنی ہے وہ بندوں کے کم اعمال کو بڑھا کر دگنا چوگنا کر دینے والا ہے اور ان کی کم عبادت کی زیادہ جزا دینے والا ہے، اللہ کے شکر کا معنی ہے بندوں کو بخش دینا، شکر اور حمد میں عام خاص من وجہ کی نسبت ہے، شکر مورد کے اعتبار سے عام ہے اور متعلق کے اعتبار سے خاص ہے، شکر دل، زبان اور باقی اعضاء سے کیا جاتا ہے لیکن اس کا تعلق صرف نعمت سے ہے، اور حمد مورد کے اعتبار سے خاص ہے صرف زبان سے ہوتی ہے اور متعلق کے اعتبار سے عام ہے کسی بھی خوبی کا بیان کرنا حمد ہے خواہ وہ آپ کے حق میں نعمت ہو یا نہ ہو، اگر آپ زید کے علم، اس کی شرافت اور اس کی بہادری کا ذکر کریں تو یہ حمد ہے شکر نہیں ہے، زبان سے اس کی تعظیم ہے اس لیے حمد ہے اور اس سے آپ پر کوئی نعمت مرتب نہیں ہوئی اس لیے یہ شکر نہیں ہے کیونکہ شکر نعمت پر ہوتا ہے، اور زید نے آپ کو مال دیا ہو اور اس کے آنے پر آپ اس کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو جائیں تو یہ شکر ہے حمد نہیں ہے کیونکہ حمد صرف زبان سے ہوتی ہے اور اگر آپ اس کے مال دینے کی وجہ سے کہیں کہ وہ بہت سخی اور فیاض ہے تو یہ شکر بھی ہے کیونکہ زبان سے تعظیم کا اظہار ہے اور حمد بھی ہے کیونکہ اس کی خوبیوں کا ذکر ہے۔

جو بندوں کا شکر گزار نہ ہو وہ اللہ کا شکر گزار بھی نہیں ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کرتا، یہ حدیث صحیح ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۵۴، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۸۱۱، مسند احمد ج ۲ ص ۲۵۸، الادب المفرد رقم الحدیث: ۲۱۸، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۴۰۷، حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۳۸۹، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۶ ص ۱۸۲، شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۶۱۰)

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جو شخص لوگوں کے احسان کا شکر ادا نہ کرے اور ان کی نیکیوں کا انکار کرے تو وہ اگر اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرے تو اللہ اس کے شکر کو قبول نہیں کرتا، اور اس حدیث کا دوسرا معنی یہ ہے کہ جس شخص کی عادت ہو کہ وہ لوگوں کے احسانات کو فراموش کر دیتا ہو اور ان کی نیکیوں کا شکر ادا نہ کرتا ہو تو وہ اپنی عادت اور اپنی طبیعت کے تقاضے سے اللہ کی نعمتوں کی بھی ناشکری کرے گا اور ان کا بھی شکر ادا نہیں کرے گا اور اس کا تیسرا معنی یہ ہے کہ جو شخص لوگوں کی نیکیوں کا شکر ادا نہیں کرتا تو اگر وہ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا بھی کرے پھر بھی وہ اس طرح ہے جیسے اس نے اللہ کا شکر ادا نہیں کیا۔

شکر کے متعلق قرآن مجید کی آیات

قُلْ هُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَكُمْ وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ○ (الملک: ۲۳)

آپ کہئے وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے کان، آنکھیں اور دل بنائے تم لوگ بہت کم شکر کرتے ہو۔

وَ اللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَیْـًٔا ۙ وَّ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ (النحل: ۷۸)

اور اللہ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے پیدا کیا کہ تم کچھ جانتے نہ تھے اور تمہارے کان اور آنکھیں اور دل بنائے تاکہ تم شکر ادا کرو۔

اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَشْكُرُوْنَ ۔ (یونس: ۶۰)

بے شک اللہ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔

شکر کے متعلق احادیث اور آثار

(۱) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ بندہ کے اہل، مال اور اولاد میں جو نعمت عطا فرمائے اور بندہ کہے ماشاء اللہ ولا قوۃ الا باللہ تو وہ موت کے سوا ان میں کوئی آفت نہیں دیکھے گا۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۴۲۷۳، المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۵۸۸، حافظ الہیثمی نے کہا اس میں ایک راوی عبدالملک بن زرارہ ضعیف ہے، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۴۰)

(۲) مغیرہ بن عیینہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے کہا اے میرے رب! کیا تیری مخلوق میں سے کسی نے مجھ سے بھی زیادہ لمبی رات تک تیراذکر کیا ہے؟ اللہ عزوجل نے وحی فرمائی ہاں مینڈک نے، پھر اللہ نے فرمایا: اے آل داؤد شکر کرو، میرے بندوں میں شکر گزار بہت کم ہیں۔ (سبا: ۱۳) حضرت داؤد نے کہا: اے میرے رب! میں تیرے شکر کی کیسے طاقت رکھ سکتا ہوں، تُو مجھ پر نعمت فرماتا ہے پھر اس پر نعمت پر نعمت فرماتا ہے، تُو مجھ پر مسلسل نعمت فرماتا ہے میں اس کا شکر ادا کیسے کر سکتا ہوں! فرمایا اے داؤد! اب تم نے مجھے پہچان لیا جو پہچاننے کا حق ہے۔

(کتاب الزہد لاحمد ص ۸۹-۸۸، شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۴۱۳)

(۳) ابو الخالد بیان کرتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے کہا اے رب! میں تیرا شکر کس طرح ادا کروں جو شکر ادا کروں گا وہ تیری نعمت سے ادا کروں گا۔ فرمایا اے داؤد! کیا تم یہ نہیں جانتے کہ تمہارے پاس جو نعمتیں ہیں وہ میری دی ہوئی

ہیں۔ کہا کیوں نہیں! فرمایا پھر میں تمہارے شکر سے راضی ہو گیا۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۴۱۴)

(۴) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت نوح علیہ السلام جب بھی بیت الخلاء سے آتے تو دعا کرتے:

الحمد لله الذی اذا قنی لذته وابقی منفعته فی جسدی واخرج عنی اذی۔

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے طعام کی لذت چکھائی اور اس کی منفعت میرے جسم میں باقی رکھی اور اس گھناؤنی چیز کو مجھ سے خارج کردیا۔

اس وجہ سے اللہ نے ان کا نام عبد شکور رکھا۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۴۶۹، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۵۴۲۰)

(۵) مجاہد نے کہا: حضرت نوح علیہ السلام کو اس لیے عبد شکور فرمایا کہ وہ جب کوئی چیز کھاتے تو کہتے الحمد للہ! جب پیتے تو کہتے الحمد للہ! جب چلتے تو کہتے الحمد للہ! جب کپڑے پہنتے تو کہتے الحمد للہ! (شعب الایمان رقم الحدیث: ۳۔ ۷۲۔ ۷۱۔ ۴۴)

(۶) مغیرہ بن عامر بیان کرتے ہیں کہ شکر نصف ایمان ہے اور صبر نصف ایمان ہے اور یقین مکمل ایمان ہے۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۴۴۸)

(۷) جعفر کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے دادا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کو اللہ کوئی نعمت عطا فرمائے وہ کہے الحمد للہ! اور جس کے رزق میں تاخیر ہو وہ کہے استغفر اللہ! اور جس کو کوئی مہم درپیش ہو وہ کہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۴۴۶)

(۸) قتادہ اور حسن نے بیان کیا جب حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے ان کی ذریت پیش کی گئی تو انہوں نے بعض اولاد کو بعض سے افضل دیکھا۔ انہوں نے پوچھا اے رب! تو نے ان کو برابر کیوں نہیں بنایا؟ فرمایا میں چاہتا تھا میرا شکر ادا کیا جائے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۴۴۲)

(۹) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اللہ کی نعمت کی قدر کرنا چاہے تو وہ اپنے سے کم درجہ شخص کو دیکھے اور اپنے سے زیادہ درجہ کے شخص کو نہ دیکھے۔

(رسائل ابن ابی الدنیا ج ۳ جز ۲ رقم الحدیث: ۹۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص کسی کو مصیبت میں مبتلا دیکھے تو یہ دعا کرے:

الحمد لله الذی عافانی مما ابتلاه وفضلنی علی کثیر من عباده تفضیلا۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۴۴۳)

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے اس چیز سے محفوظ رکھا جس میں اس کو مبتلا کیا ہے اور مجھے اپنے بہت بندوں پر فضیلت عطا کی۔

(۱۰) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص میں تین خصلتیں ہوں اللہ اس کو اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا اور اس کو اپنی محبت دکھائے گا، جب اس کو کچھ دیا جائے تو شکر کرے، جب وہ بدلہ لینے پر قادر ہو تو معاف کردے اور جب اس کو غصہ آئے تو وہ ڈھیلا پڑ جائے۔ امام بیہقی نے کہا اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۴۳۲)

(۱۱) حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی نعمتوں کا بیان کرنا شکر

ہے اور ان کو بیان نہ کرنا ناشکری ہے اور جو کم نعمتوں کا شکر نہیں ادا کرتا وہ زیادہ نعمتوں کا بھی شکر ادا نہیں کرتا۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۴۱۹، مسند احمد ج ۴ ص ۲۷۸)

(۱۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل کسی بندہ کو نعمت عطا فرمائے اور وہ یہ جان لے کہ وہ نعمت اللہ کی طرف سے ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا شکر لکھ دیتا ہے اور جو بندہ اپنے گناہ پر نادم ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے استغفار کرنے سے پہلے اس کو بخش دیتا ہے اور جو بندہ کوئی کپڑا خرید تا ہے اور اس کو پہنتے ہوئے اللہ کی حمد کرتا ہے تو ابھی وہ لباس اس کے گھٹنوں تک نہیں پہنچتا کہ اللہ تعالیٰ اس کو بخش دیتا ہے۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۴۳۷، المستدرک ج ۱ ص ۵۱۴)

(۱۳) ابوالجلد بیان کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے رب! میں تیرا شکر کیسے ادا کر سکتا ہوں جبکہ تیری سب سے چھوٹی نعمت کی جزا بھی میری تمام عبادات نہیں ہو سکتیں تو ان پر وحی آئی کہ تم نے اب میرا شکر ادا کر دیا۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۴۱۵)

(۱۴) حسن بیان کرتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے کہا: اے میرے رب! اگر میرے ہر بال کی زبان ہو اور وہ دن رات تیری تسبیح کریں پھر بھی تیرا شکر ادا نہیں ہو سکتا۔ (رسائل ابن ابی الدنیا جلد ۳ جز ۲ رقم الحدیث: ۲۵)

(۱۵) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم دیکھو کہ اللہ تعالیٰ بندوں کی نافرمانیوں کے باوجود ان کو نعمتیں عطا فرما رہا ہے تو یہ اس کی طرف سے بندوں پر ڈھیل ہے۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۱۴۵)

(۱۶) حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے رب تیرا شکر کس طرح ادا کرنا چاہیے۔ فرمایا اے موسیٰ! تمہاری زبان ہمیشہ میرے ذکر سے تر رہے۔

(رسائل ابن ابی الدنیا ج ۳ جز ۲ رقم الحدیث: ۳۹)

(۱۷) عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بغیر تکبر اور اسراف کے کھاؤ اور پیو اور صدقہ کرو، کیونکہ اللہ عزوجل اس کو پسند کرتا ہے کہ اس کے بندوں پر اس کی نعمت کا اثر نظر آئے۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۱۸۲)

(۱۸) ابوالاحوص کے والد بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت میں پراگندہ حال تھا، آپ نے پوچھا کیا تمہارے پاس مال ہے؟ میں نے عرض کیا مجھے اللہ نے ہر قسم کا مال عطا کیا ہے: اونٹ، گھوڑے، غلام، بکریاں۔ آپ نے فرمایا: جب اللہ عزوجل نے تمہیں مال دیا ہے تو وہ تم پر نظر آنا چاہیے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۰۶۳، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۰۶، مسند احمد ج ۳ ص ۴۷۳)

(۱۹) ابوقلابہ کہتے ہیں کہ جب تم دنیا کی نعمتوں کا شکر ادا کرو گے تو تم کو دنیا سے ضرر نہیں ہوگا۔

(رسائل ابن ابی الدنیا ج ۳ جز ۲ رقم الحدیث: ۵۹)

(۲۰) حسن کہتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ اللہ عزوجل جب کسی قوم کو نعمت عطا فرماتا ہے تو اس سے شکر کا سوال کرتا ہے، وہ شکر کریں تو وہ ان کی نعمت کو زیادہ کرنے پر قادر ہے، اور جب وہ ناشکری کریں تو وہ ان کو عذاب دینے پر قادر ہے اور ان کی نعمت کو ان پر عذاب بنا دیتا ہے۔ (رسائل ابن ابی الدنیا ج ۳ جز ۲ رقم الحدیث: ۶۰)

(۲۱) جعفر بن محمد اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب آئینہ میں دیکھتے تو یہ فرماتے: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے میری صورت اور میرے اخلاق کو حسین بنایا اور مجھ میں وہ چیزیں مزین کردیں جو میرے غیر میں قبیح ہیں۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۴۵۹)

(۲۲) حضرت ابو جعفر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب پانی پیتے تو فرماتے: تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے پانی کو میٹھا بنایا، اور ہمارے گناہوں کی وجہ سے اس کو کڑوا اور کھارا نہیں بنایا۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۴۷۹)

(۲۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے پہلے ان لوگوں کو جنت میں بلایا جائے گا جو راحت اور تکلیف میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے تھے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۴۸۳)

(۲۴) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے مومن پر تعجب ہوتا ہے اس کو کچھ دیا جائے تو وہ الحمد للہ کہہ کر شکر ادا کرتا ہے اور اگر وہ مصیبت میں مبتلا ہو تو الحمد للہ کہہ کر صبر کرتا ہے، پس مومن کو ہر حال میں اجر دیا جاتا ہے حتیٰ کہ وہ منہ میں جو لقمہ رکھتا ہے اس میں بھی۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۴۸۵)

(۲۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرا مومن بندہ ہر خیر کے مرتبہ میں ہے۔ وہ اس وقت بھی میری حمد کرتا ہے جب میں اس کی پیشانی سے رُوح نکال رہا ہوتا ہوں۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۴۹۴)

(۲۶) منصور بن صفیہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک شخص کے پاس سے گزر ہوا، وہ کہہ رہا تھا کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے مجھے اسلام کی ہدایت دی اور مجھے (سیدنا) احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت میں رکھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے بہت عظیم چیز کا شکر ادا کیا۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۴۹۸)

(۲۷) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو چار چیزوں کی توفیق دی گئی اس کو چار چیزیں عطا کی جائیں گی۔ جس کو اللہ کے ذکر کی توفیق دی گئی اللہ اس کا ذکر کرے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا، جس کو دعا کی توفیق دی گئی اس کی دعا قبول ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا قبول کروں گا، جس کو شکر کی توفیق دی گئی اس کی نعمت زیادہ ہوگی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اگر تم نے شکر کیا تو میں ضرور (تمہاری نعمت کو) زیادہ کروں گا اور جس شخص کو استغفار کی توفیق دی گئی اس کو مغفرت عطا کی جائے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم اپنے رب سے استغفار کرو بے شک وہ بہت مغفرت کرنے والا ہے۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۵۲۹)

(۲۸) حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، آپ نے میرے گھر میں روٹی کا ایک ٹکڑا پڑا ہوا دیکھا۔ آپ اس کے پاس گئے، اس کو اٹھا کر سونگھا پھر اس کو کھا لیا اور فرمایا: اے عائشہ! اللہ کی نعمتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو، جو گھر والے کسی نعمت سے نفرت کا اظہار کریں گے وہ ان کے پاس بہت کم لوٹ کر آئے گی۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۵۵۸)

(۲۹) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے دین میں اپنے سے بلند مرتبہ شخص کو دیکھا اور دنیا میں اپنے سے کم مرتبہ شخص کو دیکھا اس کو اللہ صابر شاکر لکھ دیتا ہے، اور جس نے دنیا میں اپنے سے بلند مرتبہ شخص کو اور دین میں اپنے سے کم مرتبہ شخص کو دیکھا اس کو صابر شاکر نہیں لکھتا۔

(شعب الایمان رقم الحدیث:۴۵۷۵)

(۳۰) حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص تھوڑے سے رزق سے راضی ہو گیا اللہ تعالیٰ اس کے تھوڑے سے عمل سے راضی ہو جاتا ہے۔

(شعب الایمان رقم الحدیث:۴۵۸۵)

(۳۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ابو عسیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا، میں آپ کے پاس آیا، پھر آپ حضرت ابو بکر کے پاس گئے اور انہیں بلایا۔ وہ آ گئے، پھر آپ حضرت عمر کے پاس گئے، ان کو بلایا وہ بھی آ گئے، پھر آپ ایک انصاری کے باغ میں گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باغ والے کو بلایا، اور فرمایا ہمارے لیے کھجوریں لاؤ، اس نے کھجوروں کا خوشہ لا کر رکھ دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب نے وہ کھجوریں کھائیں، پھر آپ نے پانی منگایا اور پانی پیا، پھر آپ نے فرمایا: قیامت کے دن تم سے اس نعمت کے متعلق ضرور سوال کیا جائے گا، حضرت عمر نے ان کھجوروں کی طرف اشارہ کر کے کہا یا نبی اللہ! کیا قیامت کے دن ان کے متعلق ہم سے ضرور سوال کیا جائے گا! آپ نے فرمایا: ہاں تین چیزوں کے سوا، وہ کپڑا جو تمہاری شرم گاہ چھپانے کے لیے کافی ہو، وہ روٹی کا ٹکڑا جو تمہاری بھوک دُور کرنے کے لیے کافی ہو اور وہ کوٹھڑی جو تمہیں گرمی اور سردی سے محفوظ رکھ سکے۔

(شعب الایمان رقم الحدیث:۴۶۰۱)

(۳۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کھا کر شکر کرنے والے کو وہ اجر ملے گا جو صبر کر کے روزہ رکھنے والے کو ملے گا۔ (شعب الایمان رقم الحدیث:۴۴۶۱)

(۳۳) حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان کے معاملہ پر تعجب ہوتا ہے، اس کے ہر کام میں خیر ہے، اگر اس کو کوئی خوشی حاصل ہو تو وہ اس پر شکر کرتا ہے اور یہ اس کے لیے خیر ہے اور اگر اس پر کوئی مصیبت آئے تو وہ اس پر صبر کرتا ہے اور یہ بھی اس کے لیے خیر ہے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث:۴۴۸۷)

(۳۴) محمود بن آدم بیان کرتے ہیں کہ سفیان بن عیینہ یہ کہتے تھے: اگر اللہ عزوجل ہمارا پردہ نہ رکھتا تو ہم کسی کے پاس بیٹھنے کے قابل نہ ہوتے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث:۴۵۲۱)

(۳۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن جس چیز کا سب سے پہلے حساب لیا جائے گا وہ یہ ہے کہ اس سے کہا جائے گا کیا میں نے تمہیں تندرست نہیں بنایا تھا، کیا میں نے تمہیں ٹھنڈا پانی نہیں پلایا تھا۔ (شعب الایمان رقم الحدیث:۴۶۰۷)

(۳۶) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل قیامت کے دن اپنے بندہ سے فرمائے گا: اے ابن آدم! کیا میں نے تم کو گھوڑوں اور اونٹوں پر سوار نہیں کیا تھا، کیا میں نے عورتوں کو تمہارے نکاح میں نہیں دیا تھا، کیا میں نے تم کو سردار اور رئیس نہیں بنایا تھا؟ وہ بندہ کہے گا کیوں نہیں اے میرے رب! اللہ تعالیٰ فرمائے گا: پھر ان کا شکر کہاں ہے؟ (شعب الایمان رقم الحدیث:۴۶۰۸)

(۳۷) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: واسبغ علیکم نعمہ ظاھرۃ وباطنۃ۔ "اللہ نے تم پر ظاہری اور باطنی نعمتیں مکمل کر دی ہیں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم پر ظاہری نعمت یہ ہے کہ تمہارا مکمل صحیح جسم بنایا اور تم پر باطنی نعمت یہ ہے کہ تمہارے عیوب کو چھپایا، اگر وہ تمہارے عیوب کو ظاہر کر دیتا تو تمہارے

اہل وعیال سمیت سب لوگ تم سے متنفر ہو جاتے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۵۰۴)

(۳۸) حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھانا کھانے کے بعد فرماتے: تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے کھلایا اور پلایا، کھانے کو حلق سے نیچے اتارا اور اس کے لیے مخرج بنایا۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۳۷۶)

(۳۹) حسن بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا: ہمارے رب اللہ کے لیے بہت حمد ہے کیونکہ اس نے ہمیں بہت زیادہ نعمتیں عطا کی ہیں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تم سے بہت زیادہ محبت رکھتا ہے۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۴۶۰)

(۴۰) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: اے معاذ! اللہ کی قسم! میں تم سے محبت کرتا ہوں اور اے معاذ! تم کو یہ وصیت کرتا ہوں کہ تم ہر نماز کے بعد یہ دعا کیا کرو:

اللھم اعنی علی ذکرک و شکرک وحسن عبادتک۔ — اے اللہ! اپنے ذکر، اور اپنے شکر اور اپنی اچھے طریقہ سے عبادت پر میری مدد فرما۔

حضرت معاذ نے صنابحی کو اس دعا کی وصیت کی اور صنابحی نے ابو عبدالرحمٰن کو اس دعا کی وصیت کی۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۵۲۲، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۳۰۲، مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث ۱۹۶۳۲، مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۹)

اور میں اپنے قارئین کو یہ وصیت کرتا ہوں کہ ہر نماز کے بعد یہ دعا کیا کریں کہ اللہ تعالیٰ شکر ادا کرنے میں ان کی مدد فرمائے اور جس قدر ممکن ہو سکے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور موسیٰ نے کہا اگر تم اور تمام رُوئے زمین کے لوگ مل کر ناشکری کرو تو بے شک اللہ بے پرواہ اور حمد کیا ہوا ہے ○ (ابراھیم: ۸)

اللہ کا شکر نہ کرنے سے اسے کوئی نقصان نہیں

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: اے میرے بندو! میں نے اپنے اوپر ظلم کو حرام کر لیا ہے اور میں نے تمہارے درمیان بھی ظلم کو حرام کر دیا ہے سو تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو، اے میرے بندو! تم سب گمراہ ہو ماسوا اس کے جس کو میں ہدایت دوں، سو تم مجھ سے ہدایت طلب کرو، میں تم کو ہدایت دوں گا۔ اے میرے بندو تم سب بھوکے ہو ماسوا اس کے جس کو میں کھانا کھلاؤں سو تم مجھ سے کھانا طلب کرو، میں تم کو کھانا کھلاؤں گا۔ اے میرے بندو تم سب بے لباس ہو ماسوا اس کے جس کو میں لباس پہناؤں۔ سو تم مجھ سے لباس کی طلب کرو میں تمہیں لباس پہناؤں گا، اے میرے بندو! تم سب دن رات گناہ کرتے ہو اور میں تمام گناہوں کو بخشتا ہوں، سو تم مجھ سے بخشش طلب کرو میں تم کو بخش دوں گا۔ اے میرے بندو! تم کسی نقصان کے مالک نہیں ہو کہ مجھے نقصان پہنچا سکو، اور تم کسی نفع کے مالک نہیں ہو کہ مجھے نفع پہنچا سکو۔ اے میرے بندو! اگر تمہارے اول اور آخر اور تمہارے انسان اور جن، تم میں سب سے زیادہ متقی شخص کی طرح ہو جائیں تو میرے ملک میں کچھ اضافہ نہیں کر سکتے، اور اے میرے بندو! اگر تمہارے اوّل اور آخر اور تمہارے انسان اور جن تم میں سب سے زیادہ بدکار شخص کی طرح ہو جائیں تو میرے ملک سے کوئی چیز کم نہیں کر سکتے، اور اے میرے بندو! اگر تمہارے اوّل اور آخر اور تمہارے انسان اور جن کسی ایک جگہ کھڑے ہو کر مجھ سے سوال کریں اور میں ہر فرد کا سوال پورا کر دوں تو جو کچھ میرے پاس ہے اس سے صرف اتنا کم

ہو گا جس طرح سوئی کو سمندر میں ڈال کر (نکالنے سے) اس میں کمی ہوتی ہے۔ اے میرے بندو! یہ تمہارے اعمال ہیں جن کو میں تمہارے لیے جمع کر رہا ہوں' پھر میں تم کو ان کی پوری پوری جزا دوں گا' پس جو شخص خیر کو پائے وہ اللہ کی حمد کرے اور جس کو خیر کے سوا کوئی چیز (مثلاً آفت یا مصیبت) پہنچے وہ اپنے نفس کے سوا اور کسی کو ملامت نہ کرے۔

(صحیح مسلم' البر والصلۃ: ۵۵ (۲۵۷۷) ۶۴۵۰' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۹۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۵۷' کتاب الاسماء والصفات للبیہقی ص ۲۶۳' مسند احمد ج ۵ ص ۱۵۴' الادب المفرد رقم الحدیث: ۴۹۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۱۹' حلیۃ الاولیاء ج ۵ ص ۱۲۶-۱۲۵' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۶ ص ۹۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک رات میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بستر سے گم پایا' میں نے آپ کو ڈھونڈا تو میرا ہاتھ آپ کے تلوؤں پر لگا' اور آپ سجدہ میں تھے اور آپ کے دونوں پاؤں نصب تھے' اور آپ یہ دعا کر رہے تھے: اے اللہ! میں تیری ناراضگی سے تیری رضا کی پناہ میں آتا ہوں اور تیری سزا سے تیری معافی کی پناہ میں آتا ہوں اور میں تجھ سے تیری پناہ میں آتا ہوں' میں تیری ایسی حمد و ثناء نہیں کر سکا جیسی حمد و ثنا تو خود اپنی فرماتا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۸۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۷۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۹۳' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۱۰۰' سنن ابن ماجہ: ۳۸۴۱' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۴۱۹۳' دار الحدیث قاہرہ' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۶۱۷۴' عالم الکتب بیروت' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۶۵۵' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۹۳۰)

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حق ادا نہ ہو سکنے پر آپ نے استغفار کیا کیونکہ انسان کی قدرت میں نہیں ہے کہ وہ اس کی کسی ایک نعمت کا بھی شکر ادا کر سکے اور اس کی کماحقہ حمد و ثنا کر سکے۔ امام مالک نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ میں تیری تمام نعمتوں اور تیرے تمام احسانات کو شمار نہیں کر سکتا اور میں کوشش کروں پھر بھی تیری اس طرح حمد و ثناء نہیں کر سکتا جس طرح تو خود اپنی حمد و ثنا کرتا ہے اور اس میں یہ اعتراف ہے کہ انسان اللہ کی حمد و ثنا کرنے سے عاجز ہے اور وہ اس کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا اس لیے آپ نے اللہ کی حمد کو اسی کے سپرد کر دیا' کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کو محیط ہے' اور جس طرح اللہ تعالیٰ کی صفات غیر متناہی ہیں اسی طرح اس کی حمد و ثنا بھی غیر متناہی ہے' اور اس سے یہ واضح ہو گیا کہ لوگ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہ کریں یا اس کی حمد و ثنا نہ کریں تو اس کو کوئی فرق نہیں پڑے گا' وہ مخلوق کی حمد و ثنا سے مستغنی ہے' وہ اپنی حمد و ثنا خود فرماتا ہے اور جیسی حمد و ثنا اس کی شان کے لائق ہے ایسی حمد و ثنا وہ خود ہی کر سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا تمہارے پاس تم سے پہلے لوگوں کی خبریں نہیں آئیں' نوح کی قوم اور عاد اور ثمود کی' اور ان کے بعد کے لوگوں کی جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا' ان کے پاس ان کے رسول واضح دلائل لے کر آئے تو انہوں نے اپنے ہاتھ اپنے مونہوں پر رکھ دیئے' اور کہا جس پیغام کے ساتھ تمہیں بھیجا گیا ہے' ہم اس کا انکار کرتے ہیں' اور بے شک جس دین کی طرف تم ہمیں دعوت دے رہے ہو ہم اس کے متعلق سخت شک میں مبتلا ہیں ○ (ابراہیم: ۹)

حضرت آدم تک نسب بیان کرنا درست نہیں

اس سے پہلے ہم نے بتایا تھا کہ ایام اللہ سے مراد وہ ایام ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتیں عطا فرمائیں یا وہ ایام ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنا عذاب نازل فرمایا' پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو جو نعمتیں عطا کی تھیں ان کا ذکر فرمایا تھا اور اب جن قوموں پر عذاب نازل فرمایا تھا ان کا ذکر فرمایا' حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر' حضرت ھود علیہ السلام کی قوم عاد پر اور حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ثمود پر۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قوم سے

خطاب ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم سے خطاب ہو۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ان کے بعد کے لوگوں کی جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام تک کا نسب کسی کو معلوم نہیں۔ علامہ قرطبی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: عدنان اور حضرت اسمٰعیل تک تیس آباء ہیں جن کو کوئی نہیں جانتا' اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس آیت کو پڑھ کر فرماتے تھے کہ نسب نامہ بیان کرنے والے جھوٹے ہیں' یعنی وہ لوگ جو کسی کا نسب حضرت آدم علیہ السلام تک بیان کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ عاد اور ثمود کے بعد ایسی اقوام ہیں جن کو کوئی نہیں جانتا۔

اپنے ہاتھوں کو اپنے مونہوں پر رکھنے کی متعدد تفسیریں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: توانہوں نے اپنے ہاتھ اپنے مونہوں پر رکھ دیئے' اس کی تفسیر میں متعدد اقوال ہیں:

(۱) حضرت ابن مسعود، حضرت ابن زید اور ابن قتیبہ نے کہا: انہوں نے غیظ و غضب کی شدت سے اپنی انگلیاں کاٹ لیں، جیسا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَإِذَا خَلَوْا عَضُّوا عَلَيْكُمُ الْأَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۔ (آل عمران: ۱۱۹)

اور جب وہ اکیلے ہوتے ہیں تو تم پر غصہ کی وجہ سے انگلیاں کاٹتے ہیں۔

(۲) ابوصالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچاتے تو وہ آپ کی بات کو رد کرنے کے لیے اور آپ کی تکذیب کرنے کے لیے اپنی انگلیاں اپنے منہ پر رکھ کر آپ کو اشارہ سے کہتے کہ آپ چپ رہیں۔

(۳) حسن نے کہا: جب رسل تبلیغ کرتے تو وہ ان کی بات کو رد کرنے کے لیے ان کے منہ پر ہاتھ رکھ دیتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان کے رسولوں نے کہا کیا اللہ کے متعلق شک ہے جو تمام آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ وہ تمہیں اس لیے بلاتا ہے کہ تمہارے بعض گناہوں کو بخش دے اور موت کے مقرر وقت تک تم کو (عذاب سے) موخر رکھے' انہوں نے کہا تم تو محض ہماری مثل بشر ہو تم تو یہ چاہتے ہو کہ ہمیں ان معبودوں سے روک دو جن کی ہمارے آباء واجداد پرستش کرتے تھے سو تم ہمارے پاس کوئی روشن دلیل لاؤ○ (ابراھیم: ۱۰)

مشرکین اللہ کو خالق ماننے کے باوجود بُت پرستی کیوں کرتے تھے!

رسولوں نے کہا کیا تمہیں اللہ کے متعلق شک ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ یعنی انسان کی فطرت اور بداہت عقل اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ کوئی چھوٹی سی صنعت بھی بغیر صانع کے وجود میں نہیں آتی' تو اتنی بڑی کائنات بغیر کسی بنانے والے کے کیسے وجود میں آسکتی ہے اور وہ بھی اس بات کو جانتے اور مانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی اس کائنات کو پیدا کیا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ ۚ فَأَنّٰى يُؤْفَكُونَ ۔ (العنکبوت: ۶۱)

اور اگر آپ ان سے یہ سوال کریں کہ آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا' اور سورج اور چاند کو کس نے مسخر کیا تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے، پھر یہ کہاں بھٹک رہے ہیں۔

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُولُنَّ

اگر آپ ان سے یہ سوال کریں کہ آسمان سے کس نے پانی کو اتارا؟ پھر اس سے کس نے زمین کے مُردہ ہو جانے کے بعد

اللّٰهُ ۭ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۔ (العنکبوت: ۶۳) اس کو زندہ کیا؟ تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے، آپ کہئے کہ تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔

مشرکین مکہ اللہ کو خالق ارض و سماء مانتے تھے ان کا شرک یہ تھا کہ وہ بتوں کو اللہ کا شریک قرار دیتے تھے اور اس اعتقاد سے بتوں کی عبادت کرتے تھے کہ وہ اللہ کی بارگاہ میں ان کی شفاعت کریں گے۔ پچھلے زمانہ میں جو نیک لوگ گزرے تھے ان کے توسل سے دعائیں قبول ہوتی تھیں اور ان کی تعظیم و تکریم کی جاتی تھی یہاں تک تو ٹھیک تھا، لیکن ان کے فوت ہونے کے بعد لوگوں نے ان کی صورتوں کے از خود مجسمے بنالیے اور ان کی تعظیم و تکریم میں غلو کر کے ان کی عبادت شروع کر دی اور از خود ان کے توسل میں غلو کیا اور براہ راست ان کو پکارنا اور ان سے مدد مانگنا شروع کر دیا اور پھر مزید غلو کر کے ان کو خدائی کاموں میں اللہ کا شریک اور اس کی بارگاہ میں شفاعت کرنے والا قرار دے دیا اور یہ تمام باتیں ان کے بڑوں اور ان کے آباء و اجداد کو شیطان نے القاء کی تھیں اور وہ نسل در نسل اس عقیدہ میں پختہ اور راسخ ہو چکے تھے اور یہ شرک ان کے دل و دماغ کی گہرائیوں میں پیوست ہو چکا تھا، اللہ تعالیٰ تواتر اور تسلسل سے انبیاء علیہم السلام کو بھیجتا رہا تاکہ وہ اس شرک سے باز آ جائیں۔

اللہ تعالیٰ توبہ کے ساتھ اور بغیر توبہ کے بھی گناہوں کو بخش دیتا ہے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ تمہیں اس لیے بلاتا ہے کہ تمہارے گناہوں کو بخش دے۔ امام رازی کی تحقیق یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بغیر توبہ کے گناہوں کے بخشنے کی نوید سنائی ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۷ ص ۷۲، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اور اسی طرح کی اور آیتیں بھی ہیں:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۔ (آل عمران: ۳۱) آپ کہئے اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تمہیں اپنا محبوب بنالے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔

يُصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۔ (الاحزاب: ۷۱) اللہ تمہارے اعمال کو درست کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔

يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ ۔ (الاحقاف: ۳۱) اے ہماری قوم! اللہ کی طرف بلانے والے کی بات مان لو اور اس پر ایمان لے آؤ اللہ تمہارے گناہوں میں سے بخش دے گا۔

يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۔ (الصف: ۱۲) تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔

اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰي ظُلْمِهِمْ ۔ (الرعد: ۶) بے شک آپ کا رب لوگوں کے ظلم کے باوجود ان کی مغفرت کرنے والا ہے۔

اس آیت کے تحت امام رازی نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ گناہ کبیرہ کے مرتکب کو بغیر توبہ کے (بھی) بخش دیتا ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۱۲، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اور بعض آیتوں میں یہ مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ توبہ کے بعد گناہ معاف فرمادیتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ اور جو شخص برے کام کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے پھر اللہ

يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ○ (النساء: ۱۱۰)

سے استغفار کرے تو وہ اللہ کو بہت بخشنے والا بہت مہربان پائے گا ○

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ○ (النساء: ۶۴)

اور اگر انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کرلیا تو وہ آپ کے پاس آجائیں پھر اللہ سے استغفار کریں اور رسول بھی ان کے لیے استغفار کریں تو وہ اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا بہت مہربان پائیں گے ○

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ○ (آل عمران: ۱۳۶-۱۳۵)

اور وہ لوگ جنہوں نے بے حیائی کا کوئی کام کرلیا' یا وہ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تو انہوں نے اپنے گناہوں پر استغفار کیا اور اللہ کے سوا کون گناہوں کو بخشتا ہے اور وہ اپنے کاموں پر عمداً اصرار نہ کریں ○ ان لوگوں کی جزاء ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے اور ایسی جنتیں ہیں جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں' وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اور نیک عمل کرنے والوں کی کیسی اچھی جزا ہے۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ بندوں کی توبہ کرنے سے بھی ان کے گناہ معاف فرماتا ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شفاعت کرنے سے بھی ان کے گناہ معاف فرماتا ہے اور اپنے کرم اور فضل سے بغیر توبہ اور شفاعت کے بھی گناہ معاف فرمادیتا ہے جیسا کہ سورہ ابراھیم کی اس زیر تفسیر آیت میں ہے:

یدعوکم لیغفرلکم من ذنوبکم۔ (ابراھیم: ۱۰) اس آیت میں من تبعیض کے لیے ہے' اس کا معنی ہے اللہ تمہیں بلاتا ہے تاکہ تمہارے بعض گناہوں کو بخش دے' اور یہ وہ بعض گناہ ہیں جو کفر کے علاوہ ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وہ شرک کو نہیں بخشے گا:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ (النساء: ۴۸)

بے شک اللہ اس کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس سے کم جو گناہ ہوگا اس کو جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا ○

اس سے واضح ہوگیا کہ کفر اور شرک کے سوا جو گناہ ہیں ان کو اللہ تعالیٰ بغیر توبہ کے بھی بخش دیتا ہے' اور اس پر واضح دلیل ہے کہ کافر جب اسلام قبول کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے پچھلے تمام گناہوں کو اس کی توبہ کے بغیر معاف کردیتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن العاص سے فرمایا: کیا تم کو معلوم نہیں کہ اسلام پہلے کے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۲۱' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۹۸' مسند ابو عوانہ ج ۱ ص ۷۰' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۵۱۵) تو مسلمان کے متعلق زیادہ توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو بغیر توبہ کے معاف فرمادے گا' اور یہ اللہ تعالیٰ کا مسلمانوں پر بہت بڑا فضل اور کرم ہے' لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مسلمان توبہ کرنے سے غافل اور بے پرواہ ہوجائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے کے بعد بھی اگر ہمارے گناہوں کو معاف فرمادے تو یہ اس کا انتہائی فضل اور کرم ہے' بندوں کو چاہیے کہ وہ ہر وقت اور ہر لمحہ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں پر اور اس کی نعمتوں کا کماحقہ شکر ادا نہ کرنے پر اس کی بارگاہ میں توبہ کرتے رہیں۔ توبہ کرنے

کی ترغیب میں بہت احادیث وارد ہیں، ہم چند احادیث کا ذکر کر رہے ہیں:

توبہ کرنے کی ترغیب میں احادیث

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل رات کو اپنا ہاتھ بڑھاتا ہے تاکہ دن میں گناہ کرنے والا توبہ کرے اور دن میں اپنا ہاتھ بڑھاتا ہے تاکہ رات میں گناہ کرنے والا توبہ کرے، (وہ یونہی کرتا رہے گا) حتیٰ کہ سورج مغرب سے طلوع ہو جائے گا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۵۹، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۱۸۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اس سے پہلے توبہ کر لے کہ سورج مغرب سے طلوع ہو اللہ اس کی توبہ قبول فرمالے گا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۰۳)

حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مغرب کی طرف توبہ کا ایک دروازہ ہے جس کی چوڑائی چالیس سال یا ستر سال کی مسافت ہے۔ اللہ عزوجل نے اس دروازہ کو اس دن کھول دیا تھا جس دن اس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا تھا اور اس دروازہ کو اس وقت تک بند نہیں کرے گا جب تک کہ سورج مغرب سے طلوع نہ ہو۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۳۶، شعب الایمان رقم الحدیث: ۷۰۷۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بندہ کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے اور جب وہ اس گناہ سے الگ ہو جاتا ہے اور استغفار کرتا ہے اور توبہ کرتا ہے تو اس کا دل صاف ہو جاتا ہے اور اگر وہ دوبارہ گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک اور نقطہ پڑ جاتا ہے حتیٰ کہ اس کا پورا دل سیاہ ہو جاتا ہے اور یہ وہی ران ہے جس کا قرآن مجید میں ذکر ہے:

كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۔ (المطففین: ۱۴)

ہرگز نہیں! بلکہ ان کے دلوں پر ان کے (بُرے) کاموں نے زنگ چڑھادیا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۳۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۴۴، مسند احمد ج ۲ رقم الحدیث: ۷۹۷، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۹۳۰، ۲۷۸۷، المستدرک ج ۲ ص ۵۱۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کسی شخص کو اپنی گمشدہ سواری کے مل جانے سے جتنی خوشی ہوتی ہے اللہ کو تمہاری توبہ سے اس سے زیادہ خوشی ہوتی ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۳۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۴۷)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے وصیت کیجئے۔ آپ نے فرمایا: تم سے جس قدر ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو، اور ہر پتھر اور درخت کے پاس اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو اور تم جو بُرا کام کرو اس کے بعد توبہ کرو، پوشیدہ گناہ کی توبہ پوشیدہ کرو اور کھلم کھلا گناہ کی توبہ کھلم کھلا کرو۔

(المعجم الکبیر ج ۲۰ ص ۱۵۹، حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کی سند حسن ہے، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۷۴)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے اس نے گناہ نہ کیا ہو۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۵۰، شعب الایمان رقم الحدیث: ۷۱۷۸)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابن آدم! بے

شک تُو نے مجھ سے دعا کی اور مجھ سے امید رکھی، تم میں جو بھی گناہ تھا اس کو میں نے معاف کر دیا اور مجھے پرواہ نہیں، اے ابن آدم! اگر تُو پوری روئے زمین کے برابر گناہ لے کر آیا پھر تُو نے مجھ سے ملاقات کی تو میں تیرے پاس اتنی ہی مغفرت لاؤں گا بشرطیکہ تُو نے شرک نہ کیا ہو۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۴۰)

انبیاء علیہم السلام کی نبوت میں کفار کے شبہات

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: انہوں نے کہا تم محض ہماری مثل بشر ہو' یہ کفار کا انبیاء علیہم السلام کی نبوت میں ایک شبہ ہے اور اس کی تقریر یہ ہے کہ تمام انسانوں کی ماہیت اور حقیقت ایک ہے، پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ان ہی انسانوں میں سے ایک شخص اللہ کا رسول ہو وہ غیب پر مطلع ہو، اور وہ فرشتوں کو دیکھتا ہو اور ان کا کلام سنتا ہو اور باقی انسان ان صفات سے عاری ہوں، اور اگر یہ شخص جو رسالت کا مدعی ہے ان روحانی صفات میں عام لوگوں سے بلند اور برتر ہے تو پھر چاہیے کہ یہ جسمانی صفات میں بھی عام لوگوں سے بلند اور برتر ہو، حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ کھانے، پینے، فضلات کے اخراج میں، بیمار پڑنے اور ازدواجی معاملات میں یہ عام لوگوں سے بلند نہیں ہیں بلکہ ان ہی کی مثل ہیں، کھاتے پیتے ہیں اور زمین پر چلتے پھرتے ہیں۔

اور انبیاء علیہم السلام کی نبوت میں ان کا دوسرا شبہ یہ تھا کہ انہوں نے کہا تم تو یہ چاہتے ہو کہ ہمیں ان معبودوں سے روک دو جن کی ہمارے آباء و اجداد پرستش کرتے تھے، ان کا یہ شبہ اپنے آباء و اجداد کی تقلید پر مبنی ہے یعنی انہوں نے اپنے آباء و اجداد اور انہوں نے اپنے عالموں اور درویشوں کو بتوں کی عبادت کرتے ہوئے پایا اور یہ بہت بعید ہے کہ یہ تمام پرانے لوگ غلطی پر ہوں اور اتنے کثیر لوگوں کو غلطی پر قرار دینے کی بہ نسبت یہ زیادہ قرین قیاس ہے کہ ایک شخص کو غلطی پر قرار دیا جائے اور ان کا تیسرا شبہ یہ تھا کہ اگر تم واقعی نبی ہو تو اپنی نبوت پر وہ معجزہ پیش کرو جس کو ہم نے طلب کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان سے ان کے رسولوں نے کہا ہم تمہاری طرح بشر ہی ہیں لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے احسان فرماتا ہے اور ہمارے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ ہم اللہ کی اجازت کے بغیر تمہارے پاس کوئی دلیل لے آئیں اور مومنوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے ○ (ابراہیم: ۱۱)

جن خصوصیات کی بنا پر انبیاء علیہم السلام نبی بنائے گئے

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسولوں کی زبان سے کفار کے نبوت میں شبہات کے جوابات کا ذکر فرمایا ہے، ان کا پہلا شبہ یہ تھا کہ تم ہماری ہی مثل بشر ہو پھر تم کو نبی کیونکر بنا دیا گیا، رسولوں نے اس کا یہ جواب دیا کہ انسانیت اور بشریت میں مساوی اور مماثل ہونا اس بات کے منافی نہیں ہے کہ بعض انسانوں کو منصب نبوت کے ساتھ خاص کر لیا جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے اپنا فضل اور احسان فرماتا ہے اور اس کو منصب نبوت عطا فرماتا ہے، اور اس تقریر سے نبوت میں ان کا پہلا شبہ ساقط ہو جاتا ہے۔

امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ نے لکھا ہے کہ جب تک کہ انسان کی رُوح اور بدن میں علوی اور قدسی صفات نہ ہوں اس میں نبوت کا حصول ممتنع ہے، اور امام غزالی نے لکھا ہے کہ جس طرح عام انسان حیوانات سے عقل کی وجہ سے ممتاز ہوتا ہے اسی طرح نبی عام انسانوں سے ایک خاص وصف کی وجہ سے ممتاز ہوتا ہے، اس میں ایک زائد قوتِ ادراک ہوتی ہے جس وجہ سے وہ امور غیبیہ کا ادراک کرتا ہے، فرشتوں کو دیکھتا ہے اور ان کا کلام سنتا ہے، اسی طرح جنات کو دیکھتا ہے اور ان کا کلام سنتا ہے اور نبیوں اور رسولوں کو عام انسانوں کی بہ نسبت ایک زائد قوتِ ادراک حاصل ہوتی ہے اور اسی

قوت کی وجہ سے وہ عام انسانوں سے ممتاز ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے جس بندہ کو نبی بناتا ہے اس کو وہ قوت عطا فرماتا ہے۔

اور اہلسنت و جماعت کے علماء ظاہر نے یہ کہا ہے کہ نبوت کا حصول اللہ عزوجل کی عطا ہے' وہ جس کو چاہتا ہے یہ مرتبہ عطا فرماتا ہے' اور یہ عطا اس پر موقوف نہیں ہے کہ کوئی انسان صفاء باطن' پاکیزگی اور تقرب الی اللہ میں دوسرے انسانوں سے ممتاز ہو اور انہوں نے سورہ ابراھیم کی اس آیت سے استدلال کیا ہے جس میں انبیاء علیہم السلام نے فرمایا: ہم تمہاری طرح بشر ہی ہیں لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے احسان فرماتا ہے کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمادیا کہ نبوت کی عطا اللہ تعالیٰ کا محض فضل اور اس کا احسان ہے' اور امام رازی' امام غزالی اور دیگر علماء نے اس آیت کا یہ جواب دیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے تواضع اور انکسار کی وجہ سے اس آیت میں اپنے رُوحانی اور جسمانی فضائل بیان نہیں فرمائے اور صرف یہ کہنے پر اکتفا کی لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے احسان فرماتا ہے' کیونکہ یہ بات معروف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مرتبہ نبوت کے ساتھ اس لیے مختص کیا ہے کہ وہ ان فضائل کے ساتھ متصف تھے جن کی وجہ سے وہ ان خصوصیات کے مستحق ہوئے جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے:

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ اللہ اپنی رسالت کے رکھنے کی جگہ کو خوب جانتا ہے۔

(الانعام: ۱۲۴)

اس مضمون کی زیادہ تفصیل اور تحقیق کے لیے الانعام: ۱۲۴ کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔

کافروں کے دیگر شبہات کے جوابات

کافروں کا دوسرا شبہ یہ تھا کہ ان کے آباء و اجداد اور بہت لوگ بت پرستی کرتے تھے اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اتنے کثیر لوگ اب تک غلط کہتے آ رہے ہوں اور صرف یہ ایک شخص جو نبوت کا مدعی ہے وہ صحیح اور درست بات کہہ رہا ہو' اس کا جواب بھی سابق تقریر سے ظاہر ہو گیا کہ غلط اور صحیح کا ادراک بھی اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے' وہ جس کو چاہتا ہے یہ فہم اور ادراک عطا فرماتا ہے اس لیے یہ مستبعد نہیں ہے کہ شروع سے لے کر اب تک تمام کافر جو کہتے رہے تھے وہ غلط ہو اور نبی علیہ السلام نے جو فرمایا ہے وہ صحیح ہو۔

کافروں کا تیسرا شبہ یہ تھا کہ انبیاء علیہم السلام نے اپنی نبوت پر جو دلائل اور معجزات پیش کیے ہیں ہم ان سے مطمئن نہیں ہیں' ہمیں مطمئن کرنے کے لیے وہ معجزات پیش کریں جن کا ہم مطالبہ کر رہے ہیں' اس کے جواب میں انبیاء علیہم السلام نے فرمایا: اور ہمارے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ ہم اللہ کی اجازت کے بغیر تمہارے پاس کوئی دلیل لے آئیں۔

اس جواب کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی کو معجزہ اس لیے عطا فرماتا ہے کہ دلیل سے اس کی نبوت ثابت ہو جائے' سو اس نے ہر نبی کو ایسے دلائل اور معجزات دے کر بھیجا جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی کو اس قدر معجزات دیئے گئے ہیں جن کی وجہ سے ایک بشر ان پر ایمان لے آئے' اور مجھے وحی (قرآن مجید) عطا کی گئی جو اللہ نے مجھ پر نازل فرمائی پس مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن میرے متبعین تمام نبیوں سے زیادہ ہوں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۸۱' صحیح مسلم' الایمان: ۲۳۹' (۱۵۲) ۳۷۸' مسند احمد ج ۲ ص ۳۵۱' ۳۴۱' ۳' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۱۲۹)

سو جتنے معجزات کی ضرورت تھی وہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو عطا فرما دیئے اور اب کفار جن فرمائشی معجزات کا مطالبہ کر رہے ہیں وہ قدر ضروری سے زائد ہیں سو وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کی مرضی پر موقوف ہیں وہ چاہے تو وہ معجزات عطا

فرمائے اور چاہے تو عطا نہ فرمائے۔

انبیاء علیہم السلام کا کافروں کی دھمکیوں سے نہ ڈرنا

جب انبیاء علیہم السلام نے کفار کو یہ مسکت جوابات دیئے تو وہ غیظ و غضب میں آگئے جیسا کہ جاہلوں کا طریقہ ہوتا ہے کہ جب وہ دلائل کے جواب سے عاجز آجاتے ہیں تو وہ دھمکیاں دینا شروع کر دیتے ہیں، سو ان کافروں نے بھی یہی کیا جب ان سے انبیاء علیہم السلام کے ان دلائل کا جواب نہیں بن پڑا تو وہ جہالت پر اتر آئے اور انہوں نے انبیاء علیہم السلام کو دھمکیاں دینی شروع کر دیں، پھر انبیاء علیہم السلام نے یہ کہا اور مومنوں کو اللہ پر ہی توکل کرنا چاہیے، یعنی ہم تمہارے ڈرانے سے نہیں ڈرتے اور ہمیں تمہاری دھمکیوں کی کوئی پرواہ نہیں ہے کیونکہ ہمارا توکل اللہ پر ہے اور ہمارا اعتماد اللہ کے فضل پر ہے، اور یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف یہ وحی کی ہو کہ یہ کفار ان کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتے اور اگر ان کی طرف یہ وحی نہ بھی ہوئی ہو تب بھی ان کی ارواح معرفت الٰہی سے معمور تھیں، اور ان کے قلوب عالم غیب کے انوار سے روشن تھے اور جن کی روحانیت اس قدر بلند ہو وہ جسمانی ضرر اور تکالیف کی پرواہ نہیں کرتے اور وہ راحت اور رنج ہر حالت میں اللہ کی رضا پر راضی رہتے ہیں، اسی وجہ سے انہوں نے اللہ پر توکل کیا اور اس کے فضل پر اعتماد کیا اور اس کے ماسوا سے اپنی خواہشوں کو منقطع کر لیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم اللہ پر توکل کیوں نہ کریں اس نے ہمیں اپنے راستوں کی ہدایت دی ہے اور تم نے جو ہمیں تکلیفیں پہنچائی ہیں ہم ان پر ضرور صبر کریں گے اور توکل کرنے والوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے ○ (ابراھیم: ۱۲)

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا سب سے زیادہ ہونا

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر فرمایا تھا کہ کفار کی دھمکیوں کے جواب میں انبیاء علیہم السلام نے کہا تھا کہ مومنوں کو اللہ پر ہی توکل کرنا چاہیے اور اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے اپنے پیروکاروں کو یہ تلقین کی کہ وہ اللہ پر ہی توکل کریں اور اللہ تعالیٰ کے راستہ پر چلنے میں کفار کی طرف سے جو سختیاں جھیلنی پڑیں اور جن مصائب کا سامنا ہو ان کو حوصلہ سے برداشت کریں اور اللہ پر توکل کرنے کو کسی حال میں نہ چھوڑیں۔

ان آیتوں میں کئی قسم کے انسانوں کا ذکر آگیا ہے، عام کافروں کا، کافروں کے سرداروں کا جو انہیں کفر پر قائم رہنے کی تلقین کرتے تھے، انبیاء علیہم السلام کا اور ان کے متبعین کا، ان کو ضبط کے ساتھ اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے:

(۱) عام کفار: یہ وہ لوگ ہیں جو عقائد اور اعمال کے اعتبار سے ناقص ہیں لیکن یہ دوسروں کو ناقص بنانے کی سعی نہیں کرتے، یہ فقط خود گمراہ ہیں۔

(۲) کافروں کے سردار: یہ وہ لوگ ہیں جو خود بھی عقائد اور اعمال کے اعتبار سے ناقص ہیں اور دوسروں کو بھی ناقص بنانے کی سعی کرتے ہیں۔ یہ خود بھی گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔

(۳) عام مسلمان: یہ وہ لوگ ہیں جو انبیاء علیہم السلام کے متبع ہیں لیکن ان کی اتباع درجہ کمال کو نہیں پہنچی ہوئی، یہ عقائد اور اعمال کے اعتبار سے فی نفسہ کامل ہیں۔

(۴) اولیاء کرام: یہ لوگ عقائد اور اعمال کے اعتبار سے اعلیٰ درجہ کے کامل ہیں اور انبیاء علیہم السلام کے کامل متبع ہیں۔

(۵) انبیاء علیہم السلام: یہ وہ لوگ ہیں جو عقائد اور اعمال کے اعتبار سے سب سے زیادہ کامل ہیں اور دوسروں کو بھی

درجہ کمال تک پہنچاتے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کے متعلق ہم نے ذکر کیا کہ یہ دوسروں کی تکمیل کرتے ہیں اور چونکہ انبیاء علیہم السلام کے روحانی مدارج مختلف ہوتے ہیں اس لیے ان کی تکمیل کے مراتب بھی مختلف ہوتے ہیں، بعض کی تکمیل سو افراد سے متجاوز نہیں ہوتی، بعض ہزاروں کی تکمیل کرتے ہیں اور بعض لاکھوں، کروڑوں اور اربوں، کھربوں کی تکمیل کرتے ہیں۔ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے زیادہ افراد کی تکمیل کی۔ جس وقت آپ کا ظہور ہوا اس وقت دنیا میں یہودی، نصرانی، مجوس اور بت پرست بکثرت تھے، اور آپ نے ان تمام گمراہ لوگوں کو راہ ہدایت پر لا کھڑا کیا، بت پرستوں کو بت شکن بنادیا، جو تین خداؤں کو مانتے تھے ان کو موحد بنادیا، جو صرف دنیا کی زندگی کے قائل تھے ان کو آخرت کا معتقد بنادیا۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں سب سے پہلے جنت میں شفاعت کروں گا، کسی نبی کی اتنی تصدیق نہیں کی گئی جتنی میری تصدیق کی گئی ہے اور بعض انبیاء ایسے ہیں جن کی ان کی امت میں سے صرف ایک فرد نے تصدیق کی۔ (صحیح مسلم، الایمان: ۳۳۰، (۱۹۶) ۴۷۵)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک صبح ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے تو آپ نے فرمایا: آج رات انبیاء علیہم السلام اپنی امتوں کے ساتھ مجھ پر پیش کیے گئے پس ایک نبی گزرتے اور ان کے ساتھ ان کے صرف تین امتی ہوتے، اور ایک نبی گزرتے اور ان کے ساتھ ایک جماعت ہوتی اور ایک نبی گزرتے اور ان کے ساتھ چند افراد ہوتے اور ایک نبی گزرتے اور ان کے ساتھ کوئی بھی نہیں ہوتا، حتیٰ کہ میرے پاس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام گزرے اور ان کے ساتھ بنی اسرائیل کا ایک ہجوم تھا، تو مجھے ان پر بہت تعجب ہوا، میں نے کہا یہ کون لوگ ہیں؟ مجھے بتایا گیا کہ یہ تمہارے بھائی حضرت موسیٰ ہیں اور ان کے ساتھ بنو اسرائیل ہیں۔ میں نے کہا پھر میری امت کہاں ہے؟ مجھ سے کہا گیا کہ اپنی دائیں جانب دیکھیے۔ میں نے دیکھا تو بہت لوگ تھے جن کے چہروں نے ٹیلوں کو چھپالیا تھا، پھر مجھ سے کہا گیا کہ اپنی بائیں جانب دیکھیے، میں نے دیکھا تو لوگوں کے چہروں سے آسمان کے کنارے چھپ گئے تھے، مجھ سے کہا گیا کہ اب آپ راضی ہو گئے؟ میں نے کہا ہاں اب میں راضی ہو گیا! اے میرے رب! اب میں راضی ہوں! مجھے بتایا گیا ان کے ساتھ ستر ہزار ایسے ہوں گے جو جنت میں بغیر حساب کے داخل ہوں گے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم پر میرے ماں باپ فدا ہوں! اگر تم سے ہو سکے تو تم ان ستر ہزار میں سے ہو جاؤ، اگر تم اس طرح نہ کر سکو تو ان میں سے ہو جاؤ جنہوں نے ٹیلوں کو چھپالیا تھا، اگر تم ایسا نہ کر سکو تو ان لوگوں میں سے ہو جاؤ جنہوں نے آسمانوں کے کناروں کو بھر لیا تھا کیونکہ میں نے دیکھا وہاں مخلوط لوگ تھے! حضرت عکاشہ بن محصن نے کہا: یا رسول اللہ! میرے لیے دعا کیجئے کہ اللہ مجھے ان ستر ہزار میں سے کر دے، آپ نے اس کے لیے دعا کر دی، پھر ایک اور شخص نے کہا: یا رسول اللہ! آپ دعا کریں کہ اللہ مجھے بھی ان میں سے کر دے! آپ نے فرمایا: تم پر عکاشہ نے سبقت کر لی، پھر ہم نے آپس میں کہا تم جانتے ہو یہ ستر ہزار کون ہیں؟ ہم نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو اسلام پر پیدا ہوئے اور انہوں نے اللہ کے ساتھ بالکل شرک نہیں کیا حتیٰ کہ یہ فوت ہو گئے! جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ بات پہنچی تو آپ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو گرم لوہے سے داغ لگوا کر علاج نہیں کراتے تھے اور نہ دم کراتے تھے، نہ بدفالی نکالتے تھے اور وہ اپنے رب پر توکل کرتے تھے۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۴۰۱، طبع قدیم، مسند احمد رقم الحدیث: ۳۸۰۶ عالم الکتب، مسند احمد رقم الحدیث: ۳۸۰۶، دار الحدیث قاہرہ، شیخ احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۵۳۳۹، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۴۶۷، مسند البزار رقم الحدیث: ۳۵۴۱، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۴۰۶۔۴۰۵، مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۹۵۱۹، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۹۷۶۶)

اس حدیث میں جو دم کرانے اور گرم لوہے کے داغ سے علاج کرانے کی ممانعت ہے وہ اس صورت پر محمول ہے جب ان کو شفاء کا قطعی سبب اعتقاد کیا جائے ورنہ احادیث میں داغ لگوانے اور دم کرانے کا ثبوت موجود ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ

اور کافروں نے اپنے رسولوں سے کہا ہم تم کو ضرور اپنے ملک سے نکال دیں گے ورنہ تم ہمارے

لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ

دین میں داخل ہو جاؤ، پس ان کے رب نے ان کی طرف یہ وحی کی کہ ہم ان ظالموں کو ضرور

الظّٰلِمِيْنَ ۙ﴿۱۳﴾ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ

ہلاک کر دیں گے ○ اور ان کے بعد ہم تم کو ضرور اس ملک میں آباد کریں گے، یہ (اعلان) اس کے لیے ہے

خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ ﴿۱۴﴾ وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ

جو میرے سامنے پیش ہونے اور میرے عذاب دینے کی خبر سے ڈرے ○ اور رسولوں نے فتح کی دعا کی اور ہر

جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ۙ﴿۱۵﴾ مِّنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ۙ﴿۱۶﴾

ظالم ضدی ہلاک ہو گیا ○ اس کے بعد دوزخ ہے اور اس کو پیپ کا پانی پلایا جائے گا ○

يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ

وہ اسے ایک ایک گھونٹ بھر کے مشکل سے پیے گا اور اس کو حلق سے نہیں اتار سکے گا اور اس کو ہر جگہ سے موت گھیرے گی

وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ؕ وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ﴿۱۷﴾ مَثَلُ

اور وہ مرے گا نہیں اور اس کے بعد ایک اور سخت عذاب ہے ○ جن لوگوں نے

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ِۨاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ

اپنے رب کا کفر کیا ان کے اعمال کی مثال راکھ کی طرح ہے جس پر سخت آندھی کے دن

فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَيْءٍ ؕ ذٰلِكَ

ہوا کا تیز جھونکا آئے، انہوں نے جو کچھ بھی عمل کیا ہے وہ اس پر بالکل قادر نہ ہو سکیں گے یہی

هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿۱۸﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

بہت دور کی گم راہی ہے ○ (اے مخاطب!) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کو حق کے ساتھ

بِالْحَقِّ ؕ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۹﴾ وَّمَا ذٰلِكَ

پیدا کیا ہے وہ اگر چاہے تو تم سب کو فنا کر دے اور نئی مخلوق لے آئے ○ اور یہ اللہ

عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿۲۰﴾ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا

پر کوئی مشکل نہیں ہے ○ اور آخرت میں سب اللہ کے سامنے پیش ہوئے تو کمزور لوگوں نے

لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا

بڑوں سے کہا ہم (دنیا میں) تمہاری پیروی کرتے تھے پس کیا تم ہم سے اللہ کے عذاب کو

مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ؕ

کچھ کم کر سکتے ہو؟ انہوں نے کہا اگر اللہ ہمیں ہدایت دیتا تو ہم تم کو ضرور ہدایت دیتے! ہمارے

سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿۲۱﴾ ع

لیے برابر ہے کہ ہم فریاد کریں یا صبر کریں ہمارے لیے (عذاب سے) بالکل چھٹکارا نہیں ہے ○

ع ۳ ۹ ۱۵

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کافروں نے اپنے رسولوں سے کہا ہم تم کو ضرور اپنے ملک سے نکال دیں گے ورنہ تم ہمارے دین میں داخل ہو جاؤ، پس ان کے رب نے ان کی طرف یہ وحی کی کہ ہم ان ظالموں کو ضرور ہلاک کر دیں گے ○

(ابراھیم: ۱۳)

اس وہم کا ازالہ کہ انبیاء پہلے کافروں کے دین پر تھے

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا تھا کہ انبیاء علیہم السلام نے کفار کے شر اور فساد کو دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے کو کافی قرار دیا تھا اور یہ کہا تھا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی حفاظت پر اعتماد ہے، جب انبیاء علیہم السلام نے یہ کہا تھا تو کافروں نے اور جہالت اور خباثت کا مظاہرہ کیا اور کہا ہم تم کو ضرور اپنے ملک سے نکال دیں گے ورنہ تم ہمارے دین میں داخل ہو جاؤ، قرآن مجید میں اس طرح ذکر ہے اولتعودن فی ملتنا اس کا معنی ہے ورنہ تم ہمارے دین میں لوٹ جاؤ، اور اس سے بظاہر یہ وہم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام پہلے ان کے دین میں تھے، پھر ان کے دین سے نکل کر موحد ہو گئے، اس لیے

اب کافروں نے کہا تم دوبارہ ہمارے دین میں داخل ہو جاؤ، حالانکہ انبیاء علیہم السلام کبھی بھی کافروں کا دین اختیار نہیں کر سکتے، اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) انبیاء علیہم السلام کافروں کے ملک میں پیدا ہوئے تھے اور انہوں نے وہیں نشوونما پائی تھی، ان کا تعلق ان ہی قبیلوں سے تھا، اور ابتداء میں انہوں نے کافروں کے دین کی مخالفت نہیں کی تھی، اس لیے کافروں نے یہ گمان کیا کہ وہ بت پرستی میں ان کے موافق ہیں اور منصب نبوت پر فائز ہونے کے بعد جب انہوں نے بت پرستی سے منع کیا تو کافروں نے یہ سمجھا کہ وہ ان کے دین سے نکل گئے اس لیے انہوں نے کہا ہم تم کو ضرور اپنے ملک سے نکال دیں گے ورنہ تم ہمارے دین میں لوٹ آؤ۔

(۲) اس آیت میں کافروں کے قول کو نقل فرمایا ہے اور یہ ضروری نہیں ہے کہ ان کا قول صحیح ہو۔

(۳) اس آیت میں بہ ظاہر رسولوں سے خطاب ہے لیکن درحقیقت یہ رسولوں کے پیروکاروں سے خطاب ہے اور رسولوں کے پیروکار پہلے کافر تھے، پھر وہ کفر اور شرک سے نکل کر توحید میں داخل ہوئے اس لیے کافروں نے پیروکاروں سے کہا ہم تم کو اپنے ملک سے نکال دیں گے ورنہ تم دوبارہ ہمارے دین میں لوٹ آؤ۔

(۴) اس آیت میں عود صیرورت کے معنی میں ہے یعنی انہوں نے رسولوں سے کہا ہم تم کو ضرور اپنے ملک سے نکال دیں گے تم ہمارے دین داخل ہو جاؤ، ہم نے اس اعتبار سے اس آیت کا ترجمہ کیا ہے۔

(۵) اس آیت کا یہ معنی ہو سکتا ہے کہ جس طرح تم پہلے ہمارے دین کی مخالفت نہیں کرتے تھے اور بت پرستی کی مذمت نہیں کرتے تھے اسی طریقہ پر لوٹ جاؤ۔

جب کافروں نے انبیاء علیہم السلام کو یہ دھمکی دی تو اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو مطمئن کرنے کے لیے یہ وحی فرمائی کہ ہم ان ظالموں کو ضرور ہلاک کر دیں گے، اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص ظالم سے اپنا بدلہ نہ لے اور اس کے ظلم پر صبر کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے بدلہ لیتا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو ان کے صبر کی جزا دینے کے لیے ان کو یہ نوید سنائی:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان کے بعد ہم تم کو ضرور اس ملک میں آباد کریں گے یہ (اعلان) اس کے لیے ہے جو میرے سامنے پیش ہونے اور میرے عذاب دینے کی خبر سے ڈرے ○ (ابراھیم: ۱۴)

فرمانبرداروں کو نافرمانوں کے ملک میں آباد کرنا

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں سے کافروں کے خلاف نصرت کا وعدہ فرمایا ہے، جب رسولوں کی امتیں کفر میں حد سے بڑھ گئیں اور انہوں نے رسولوں کو ایذا پہنچانے کی دھمکیاں دیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ اللہ تعالیٰ ان کی امتوں میں سے کافروں کو ہلاک کر دے گا اور ان کی اور ان کے متبعین کی نصرت فرمائے گا، اور درحقیقت یہ مشرکین مکہ کے لیے وعید ہے کہ اگر وہ اپنی سرکشی اور کفر سے باز نہ آئے تو ان کا بھی وہی انجام ہوگا جو پچھلی امتوں کے کافروں کا ہوا ہے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اطمینان، ثابت قدمی اور دل جمعی کے لیے یہ آیات نازل فرمائیں اور آپ کو یہ حکم دیا کہ جیسے انبیاء سابقین نے اپنی امتوں کے کافروں کی زیادتیوں اور ان کے مظالم پر صبر کیا سو آپ بھی اپنی امت کے کافروں کے مظالم پر صبر کریں انجام کار اللہ تعالیٰ ان کافروں کو ہلاک کر دے گا اور آپ کو فتح اور نصرت عطا فرمائے گا، اس سے پہلے جو امتیں گزری ہیں ان میں اللہ تعالیٰ کا یہی طریق کار رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور ان کے بعد ہم تم کو ضرور اس ملک میں آباد کر دیں گے، زمین کا مالک اللہ تعالیٰ ہے، اللہ تعالیٰ

کافروں سے ملک لے کر مسلمانوں کو اس میں آباد کر دیتا ہے جیسا کہ ان آیات میں ہے:

وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا۔ (الاعراف: ۱۳۷)

جن لوگوں کو کمزور سمجھا جاتا تھا ہم نے ان کو مشرق اور مغرب کی اس سرزمین کا وارث بنا دیا جس میں ہم نے برکت رکھی تھی۔

وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَـُٔوْهَا۔ (الاحزاب: ۲۷)

(اے مسلمانو!) اللہ نے ان کے ملک اور ان کے گھروں اور ان کے مال کا تمہیں وارث بنا دیا اور اس زمین کا بھی وارث کر دیا جس پر ابھی تم نے قدم نہیں رکھے۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ○ (الانبیاء: ۱۰۵)

اور بے شک (نصیحت کے) ذکر کے بعد ہم نے زبور میں یہ لکھ دیا تھا کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے○

اس کے بعد فرمایا ہم نے جو یہ وحی کی ہے کہ ہم ظالموں کو ہلاک کر دیں گے اور مومنوں کو ان کے ملک میں آباد کر دیں گے یہ بشارت ہر اس شخص کے لیے ثابت ہے جو حشر کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے سے ڈرتا ہو اور اللہ تعالیٰ نے آخرت میں اپنے عذاب کی جو خبر دی ہے اس سے خائف ہو اور جن چیزوں سے میں نے منع کیا ہے ان سے باز رہتا ہو اور میرے احکام کی اطاعت کرتا ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور رسولوں نے فتح کی دعا کی اور ہر ظالم ضدی ہلاک ہو گیا○ اس کے بعد دوزخ ہے اور اس کو پیپ کا پانی پلایا جائے گا○ وہ اسے ایک ایک گھونٹ بھر کے مشکل سے پیے گا اور اس کو حلق سے نہیں اتار سکے گا اور اس کو ہر جگہ سے موت گھیر لے گی اور وہ مرے گا نہیں اور اس کے بعد ایک اور سخت عذاب ہے○ (ابراھیم: ۱۷)

جبار اور عنید کا معنی

رسولوں نے اپنی امتوں کے کافروں اور اپنے دشمنوں کے خلاف دعا کی کہ اللہ تعالیٰ ان کو کافروں کے خلاف فتح عطا فرمائے جیسا کہ اس آیت میں ہے:

رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ○ (الاعراف: ۸۹)

اے ہمارے رب! ہمارے اور ہمارے مخالف لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرما دے اور تو سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے○

اور جب کہ اس دعا کا نتیجہ یہ تھا کہ فتح اور نصرت انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین کے لیے ہو اور ناکامی، نامرادی، نقصان اور ہلاکت کفار اور مشرکین کے لیے ہو تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہر جبار اور عنید ناکام اور نامراد ہو گیا۔

جبار کا لفظ جبر سے بنا ہے اور یہ مبالغہ کا صیغہ ہے، جبر کا معنی ہے زبردستی سے کسی چیز کی اصلاح کرنا، انسانوں میں جبار اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی منصب کا اہل نہ ہو۔ اور تکلف اور زبردستی سے اس منصب پر قابض ہو اور اس اعتبار سے جبار کا استعمال مذموم عمل میں ہوتا ہے اور کبھی جبار اس شخص کو بھی کہتے ہیں جس کا کسی پر زور اور دباؤ ہو جیسے قرآن مجید میں ہے:

وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ۔ (ق: ۴۵)

آپ ان پر زبردستی کرنے والے تو نہیں ہیں۔

جبار اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے بھی ہے، اور یہاں جبار کا معنی ہے لوگوں کے نقصانات پورے کرنے والا اور ان کی

اصلاح کرنے والا، جبار کا ایک اور معنی ہے جبر کرنے والا، اور اس معنی کے لحاظ سے جبار اللہ تعالیٰ کی اس لیے صفت ہے کہ اس نے اس نظام کائنات کو جبر سے اپنے تابع اور مسخر کیا ہوا ہے اور یہ تمام کائنات مجبوراً اس کی اطاعت کر رہی ہے اور انسان بھی قضاء وقدر سے مجبور ہے، امور تشریعیہ میں انسان مختار ہے اور امور تکوینیہ میں انسان مجبور ہے، مثلاً اپنے وقت پر پیدا ہونے میں اور اپنے وقت پر مرنے میں انسان مجبور ہے، سورج، چاند، اور ستارے اپنے وقت پر طلوع اور غروب میں مجبور ہیں اور ہر چیز کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو کام مقرر فرما دیا ہے وہ اس کام میں مجبور ہے اور جبر کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے، جبار کا لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے اور انسانوں کے لیے جبار کا لفظ مذمت ہے، جیسا کہ متکبر اللہ کے لیے حمد ہے اور مخلوق کے لیے مذمت ہے۔ اس آیت میں جبار سے مراد وہ شخص ہے جو نیک اور شریف انسانوں پر دھونس اور دباؤ ڈالے اور دھونس اور دباؤ کے ذریعہ حق سے انحراف کرے اور اللہ کی اطاعت کرنے اور انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانے کو اپنی شان کے خلاف سمجھے۔

عنید کے معنی ہیں عناد رکھنے والا، مخالف اور ضدی شخص، علامہ راغب اصفہانی نے لکھا ہے عنید وہ شخص ہے جو ان چیزوں پر اتراتا ہو جو اس کے پاس ہیں، بعض علماء نے کہا ہے عنید وہ شخص ہے جو حق کو جاننے اور پہچاننے کے باوجود اس کا انکار کرتا ہو، اور بعض نے کہا ہے کہ صراط مستقیم سے منحرف ہونے والے کو عنید کہتے ہیں، اس آیت میں بھی عنید کا یہی معنی مراد ہے، قرآن مجید میں ہے:

اَلْقِيَا فِىْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍۙ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيْبِۙ (ق: ۲۵-۲۴)

ہر بڑے ناشکرے، حق کے مخالف کو جہنم میں ڈال دو○ جو نیکی سے بہت منع کرنے والا، حد سے بڑھنے والا، شک کرنے والا ہے○

وراء کا معنی

اس کے بعد فرمایا من ورائہ جہنم، وراء کا معنی پیچھے ہے، لیکن مفسرین نے کہا یہاں اس کا معنی آگے ہے، کیونکہ جو چیز ایک اعتبار سے پیچھے ہو وہ دوسرے اعتبار سے آگے ہوتی ہے مثلاً امام محراب اور مسجد کی دیوار کے پیچھے ہوتا ہے اور مقتدیوں کے آگے ہوتا ہے اس لیے آگے اور پیچھے ہونا ایک اضافی معنی ہے قرآن مجید میں وراء کا لفظ آگے کے لیے بھی مستعمل ہے، جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا۔ (الکھف: ۷۹)

ان کے آگے ایک بادشاہ تھا جو ہر (بے عیب) کشتی کو زبردستی چھین لیتا تھا۔

لہٰذا اس آیت کا معنی ہوگا کہ اس ظالم کے آگے دوزخ ہے۔ علامہ قرطبی نے اس کا معنی بعد کیا ہے ہم نے بھی ان کی اتباع کی ہے یعنی اس کافر نے ہلاک ہونے کے بعد جہنم میں جانا ہے۔

دوزخ کے پانی کی کیفیت

اس کے بعد فرمایا: اور اس کو پیپ کا پانی پلایا جائے گا○ یعنی دوزخ میں صرف پیپ کا پانی ہوگا اس سے مراد وہ پانی ہے جو اہل دوزخ کی کھالوں اور ان کے گوشت سے بہتا ہوا نکلے گا وہ خون اور پیپ سے مخلوط ہوگا اور یہ سخت گرم اور کھولتا ہوا پانی ہوگا قرآن مجید میں ہے:

هٰذَا فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّغَسَّاقٌ۔ (ص: ۵۷)

یہ کھولتا ہوا پانی اور پیپ ہے اس کو چکھیں۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابراھیم: ۱۶ کی تفسیر میں فرمایا: وہ پانی اس کے مونہہ کے قریب لایا جائے گا سو وہ اس کو ناپسند کرے گا جب وہ اس کے زیادہ قریب کیا جائے گا تو اس کا چہرہ جل جائے گا اور اس کے سر کی کھال گر جائے گی اور جب وہ اس کو پیئے گا تو وہ پانی اس کی انتڑیاں کاٹ دے گا، حتیٰ کہ اس کی انتڑیاں اس کی سرین سے نکل جائیں گی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَسُقُوْا مَآءً حَمِیْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ (محمد: ۱۵) ان کو کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا تو وہ ان کی انتڑیاں کاٹ دے گا۔

وَاِنْ یَّسْتَغِیْثُوْا یُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ یَشْوِی الْوُجُوْهَ ؕ بِئْسَ الشَّرَابُ۔ (الکھف: ۲۹) اور اگر وہ (پیاس کی وجہ سے) فریاد کریں تو اس پانی سے ان کی فریاد رسی کی جائے گی جو پگھلتے ہوئے تانبے کی طرح ہوگا جو ان کے چہروں کو جلا دے گا سو وہ کیسا برا پینا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۸۳، مسند احمد ج ۵ ص ۲۶۵، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۴۶۰)

دوزخیوں کے عذاب کی کیفیت اور ان پر موت کا نہ آنا

اس کے بعد فرمایا: اور اس کو ہر جگہ سے موت گھیرے گی اور وہ مرے گا نہیں۔

امام عبدالرحمان بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ نے لکھا ہے اس آیت کی تفسیر میں تین قول ہیں:

(۱) عطا نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا اس کے جسم کے ہر بال سے موت اس کو گھیر لے گی، سفیان ثوری نے کہا اس کی ہر رگ سے اس کو موت گھیر لے گی، ابن جریج نے کہا اس کی روح اس کے نرخرہ پر پہنچ کر رک جائے گی اور اس کے منہ سے نہیں نکلے گی حتیٰ کہ وہ مر جائے اور نہ واپس جائے گی تاکہ اس کو راحت ملے۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دوسری روایت ہے کہ موت اس کو ہر جہت سے گھیر لے گی، اوپر سے، نیچے سے، دائیں سے، بائیں سے آگے سے اور پیچھے سے۔

(۳) اخفش نے کہا دوزخ میں کافر پر جو مصائب اور بلائیں آئیں گی ان کو موت سے تعبیر فرمایا ہے۔

(زادالمسیر ج ۴ ص ۳۵۴-۳۵۳، مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے دوسرے قول کی تائید میں یہ آیت ہے:

لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ؕ (الزمر: ۱۶) ان کے لیے ان کے اوپر آگ کے بادل ہوں گے اور ان کے نیچے (بھی) آگ کے بادل ہوں گے۔

ابراھیم التیمی نے کہا ان کے جسم کے روئیں روئیں میں موت سرایت کر جائے گی کیونکہ ان کو جسم میں ہر جگہ شدید تکلیف ہو رہی ہوگی، ایک قول یہ ہے کہ ان کے ہر ہر عضو میں کسی نہ کسی قسم کا عذاب پہنچ رہا ہوگا اگر ایک لحہ میں اس پر ستر مرتبہ بھی موت آجاتی تو یہ اس پر آسان ہوتا، اس کو سانپ بھنبھوڑ رہے ہوں گے، بچھو ڈنک لگا رہے ہوں گے، آگ جلا کر سیاہ کر رہی ہوگی، پیروں میں بیڑیاں ہوں گی، گلے میں طوق ہوگا، زنجیروں سے جکڑا ہوا ہوگا، کھانے کے لیے زقوم کا درخت پینے کے لیے کھولتا ہوا پانی اور ان گنت قسم کے عذاب ہوں گے، جب کافر دوزخ میں پانی مانگے گا تو پانی دیکھ کر ہی اس کو موت نظر آئے گی، جب وہ پانی اس کے قریب ہوگا اور اس کی تپش سے وہ جلنے لگے گا تو اس کو پھر موت نظر آئے گی اور جب وہ اس پانی کو پیئے گا جس سے اس کا مونہہ جل جائے گا، انتڑیاں کٹ جائیں گی تو یہ اس کو ایک اور موت معلوم ہوگی اس لیے فرمایا

اس کو ہر جانب سے موت گھیر لے گی لیکن وہ مرے گا نہیں، یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے جسم میں طرح طرح کے درد پیدا کردے گا جن میں سے ہر درد میں اس کو موت کا مزہ آئے گا، لیکن وہ مرے گا نہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا۔ (فاطر: ۳۶)

کافروں کے لیے دوزخ کی آگ ہے، نہ ان پر قضا آئے گی کہ وہ مرجائیں اور نہ ان کے عذاب کو کم کیا جائے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل جنت سے کہا جائے گا، ہمیشہ رہنا ہے موت نہیں ہے، اور دوزخ والوں سے کہا جائے گا اے دوزخ والو! ہمیشہ رہنا ہے، موت نہیں ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۶۵۴۵، مسند احمد رقم الحدیث: ۸۵۱۶، عالم الکتب، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۴۴۹)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب جنت والے، جنت میں چلے جائیں گے اور دوزخ والے دوزخ میں چلے جائیں گے تو موت کو لایا جائے گا حتیٰ کہ اسے جنت کے اور دوزخ کے درمیان میں رکھ دیا جائے گا پھر اس کو ذبح کر دیا جائے گا، پھر ایک منادی ندا کرے گا اے جنت والو! موت نہیں ہے اور اے دوزخ والو! موت نہیں ہے، پھر جنت والوں کی خوشی بہت بڑھ جائے گی اور دوزخ والوں کا غم بہت زیادہ ہو جائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۴۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۵۰، مسند احمد رقم الحدیث: ۶۱۳۸)

عذاب غلیظ کا معنی

اس کے بعد فرمایا: اور اس کے بعد ایک اور سخت عذاب ہے، قرآن مجید میں ہے ایک اور عذاب غلیظ ہے یعنی بہت شدید عذاب ہے جو مسلسل ہے ایک قسم کے درد کے بعد دوسرا درد اس کے متصل شروع ہو جاتا ہے اور وہ بہت سخت ہے۔

قرآن مجید کی حسب ذیل آیات سے اس عذاب غلیظ کی کچھ وضاحت ہوتی ہے:

اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ۝ اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ ۝ اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْٓ اَصْلِ الْجَحِيْمِ ۝ طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ ۝ فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ ۝ ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ ۝ (الصّٰفّٰت: ۶۸-۶۲)

کیا یہ (جنت کی) مہمانی بہتر ہے یا زقوم کا درخت ۝ بے شک ہم نے اس (زقوم) کو ظالموں کے لیے عذاب بنایا ہے ۝ بے شک وہ ایک درخت ہے جو دوزخ کی جڑ سے نکلتا ہے ۝ اس کے شگوفے شیطانوں کے سروں کی طرح ہیں ۝ سو بے شک وہ اس سے کھائیں گے پھر اس سے پیٹ بھریں گے ۝ پھر بے شک ان کے لیے اس پر (پیپ کا) ملا ہوا سخت گرم پانی ہو گا ۝ پھر بے شک ان کا ضرور دوزخ کی طرف لوٹنا ہو گا ۝

بعض علماء نے کہا ہے عذاب غلیظ کا معنی ہے غیر منقطع اور غیر متناہی عذاب یا ایسا عذاب جو ہر بعد والی ساعت میں پہلی ساعت سے زیادہ ہوتا ہے، جیسا کہ ان آیتوں سے ظاہر ہوتا ہے:

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ۝ طَعَامُ الْاَثِيْمِ ۝ كَالْمُهْلِ ۚ يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ ۝ كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ ۝ خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰى سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ۝ ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ

بے شک زقوم کا درخت ۝ گناہ گاروں کا کھانا ہے ۝ پگھلے ہوئے تانبے کی طرح پیٹوں میں جوش مارے گا ۝ جس طرح کھولتا ہوا پانی جوش مارتا ہے ۝ اسے پکڑو، پھر زور سے گھسیٹتے ہوئے جہنم کے وسط تک لے جاؤ ۝ پھر اس کے سر کے اوپر

الْحَمِيمِ ۝ ذُقْ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ ۝ (الدخان: ۴۹-۴۳)

کھولتے ہوئے پانی کا عذاب ڈالو ۝ لے چکھ! بے شک تو بڑا ہی معزز مکرم ہے ۝

وَأَصْحَابُ الشِّمَالِ مَا أَصْحَابُ الشِّمَالِ ۝ فِي سَمُومٍ وَحَمِيمٍ ۝ وَظِلٍّ مِّن يَحْمُومٍ ۝ لَّا بَارِدٍ وَلَا كَرِيمٍ ۝ (الواقعہ: ۴۴-۴۱)

اور بائیں طرف والے، کیسے برے ہیں بائیں طرف والے ۝ (دوزخ کی) جلانے والی آگ اور دھوئیں کے سائے میں ہوں گے ۝ جو نہ ٹھنڈا ہوگا اور نہ سود مند ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جن لوگوں نے اپنے رب کا کفر کیا ان کے اعمال کی مثال راکھ کی طرح ہے جس پر سخت آندھی کے دن ہوا کا تیز جھونکا آئے، انہوں نے جو کچھ بھی عمل کیا ہے وہ اس پر بالکل قادر نہ ہو سکیں گے یہی بہت دور کی گمراہی ہے ۝ (اے مخاطب!) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے وہ اگر چاہے تو تم سب کو فنا کر دے اور نئی مخلوق لے آئے ۝ اور یہ اللہ پر کوئی مشکل نہیں ہے ۝ (ابراہیم: ۲۰-۱۸)

کفار کے اعمال کی راکھ کے ساتھ وجہ مشابہت

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے آخرت میں کفار کے انواع و اقسام کے عذاب کا ذکر فرمایا تھا، اور اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ ان کے تمام اعمال ضائع ہو چکے ہیں اور وہ آخرت میں ان سے کوئی نفع حاصل نہیں کر سکیں گے اور اس وقت ان کا مکمل نقصان ظاہر ہو جائے گا کیونکہ دنیا میں انہوں نے اپنے خیال میں جو کچھ بھی نیک اعمال کیے تھے وہ آخرت میں باطل ہو چکے ہوں گے اور یہی مکمل نقصان ہے۔

کفار کے اعمال اور اس مثال میں وجہ مشابہت یہ ہے کہ جس طرح تیز آندھی راکھ کو اڑا لے جاتی ہے اور اس راکھ کے اجزاء اور ذرات متفرق اور منتشر ہو جاتے ہیں اور اس راکھ کا کوئی اثر اور کوئی نشان اور اس کی کوئی خبر باقی نہیں رہتی اسی طرح ان کے کفر نے ان کے تمام اعمال کو باطل کر دیا اور ان کے کسی عمل کا کوئی اثر اور نشان باقی نہ رہا۔

ان کے ان اعمال سے مراد ہے وہ اعمال جو انہوں نے اپنے زعم میں نیکی کی نیت سے کیے تھے، مثلاً صدقہ اور خیرات، رشتہ داروں سے حسن سلوک اور بھوکوں کو کھانا کھلانا، غلاموں کو آزاد کرنا اور مہمانوں اور مسافروں کی تعظیم و توقیر کرنا، ان کے کفر کی وجہ سے یہ تمام اعمال باطل ہو گئے اور اگر انہوں نے کفر نہ کیا ہوتا تو وہ ان اعمال سے فائدہ اٹھاتے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان اعمال سے مراد ہو ان کا بتوں کی عبادت کرنا اور انہوں نے نجات کی توقع پر جو سخت مشقت والے کام کیے تھے اور ان کے نقصان کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے بڑے عرصہ تک یہ مشقت والے کام کیے تاکہ آخرت میں ان کا نفع حاصل ہو لیکن انجام کار ان کے لیے یہ کام باعث عذاب بن گئے۔

تمام مخلوق کی پیدائش مبنی بر حکمت ہے

اس مثال کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے پہلی آیت میں یہ بتایا کہ ان کے اعمال ضائع ہوئے ہیں تو اس آیت میں یہ بتایا کہ اس بطلان اور ضیاع کی وجہ ان کا کفر ہے، کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کا انکار کیا اور اس کی عبادت سے اعراض کیا اور اللہ تعالیٰ مخلصین کے اعمال ضائع نہیں فرماتا اور یہ چیز اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے اور اس نے اس جہان میں ہر چیز حکمت کے موافق پیدا فرمائی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس نے آسمانوں اور زمینوں کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا ہے یعنی اس نے کسی چیز کو باطل اور بے فائدہ نہیں پیدا فرمایا ہر چیز کی خلقت کسی حکمت بالغہ پر مبنی ہے اور اس کا یہ معنی بھی ہے کہ آسمان اور زمین اللہ تعالیٰ کے وجود

اور اس کی قدرت اور اس کی وحدانیت اور اس کے استحقاق عبادت پر دلالت کرتے ہیں۔

پھر فرمایا اگر وہ چاہے تو تم سب کو فنا کر دے اور نئی مخلوق لے آئے، یعنی جو آسمانوں اور زمینوں کو حق کے ساتھ پیدا کرنے پر قادر ہے وہ اس بات پر بہ طریق اولیٰ قادر ہے کہ وہ ایک قوم کو فنا کر دے اور اس کی جگہ دوسری قوم کو پیدا کر دے کیونکہ جو کسی مشکل اور سخت چیز کے پیدا کرنے پر قادر ہو وہ سہل اور آسان چیز کے پیدا کرنے پر بہ درجہ اولیٰ قادر ہو گا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس آیت میں کفار مکہ کے ساتھ خطاب ہے کہ اے کفار کی جماعت! میں تم کو مار کر تمہاری جگہ اور مخلوق پیدا کر دوں گا جو میری فرماں بردار اور اطاعت گزار ہو گی، پھر فرمایا کہ یہ اللہ پر کچھ مشکل نہیں ہے کیونکہ جو آسمانوں اور زمینوں جیسی عظیم مخلوق پیدا کر چکا ہے اس کے لیے تمہیں مار کر تمہاری جگہ نئی مخلوق پیدا کرنا کیا مشکل ہے!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آخرت میں سب اللہ کے سامنے پیش ہوئے تو کمزور لوگوں نے بڑوں سے کہا: ہم (دنیا میں) تمہاری پیروی کرتے تھے پس کیا تم ہم سے اللہ کے عذاب کو کچھ کم کر سکتے ہو؟ انہوں نے کہا اگر اللہ ہمیں ہدایت دیتا تو ہم تم کو ضرور ہدایت دیتے! ہمارے لیے برابر ہے کہ ہم فریاد کریں یا صبر کریں ہمارے لیے (عذاب سے) بالکل چھٹکارا نہیں ہے ○ (ابراھیم: ۲۱)

برزوا کا معنی

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں: برز، بروز سے بنا ہے، براز کھلے میدان کو کہتے ہیں، بروز کا معنی ظہور ہے، یا تو کوئی چیز از خود ظاہر ہو جائے جیسے قرآن مجید میں ہے:

وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً۔ (الکھف: ۴۷)   آپ دیکھیں گے کہ زمین کھلا ہوا میدان ہے۔

اس آیت میں زمین کا صاف طور پر کھلا ہوا ہونا مراد ہے کیونکہ اس دن زمین کی تمام عمارتیں اور زمین پر رہنے والے تمام لوگ فنا ہو چکے ہوں گے اور اس کے بعد حشر شروع ہو گا، بروز کے معنی میں یہ بھی شامل ہے کہ جو چیز پہلے چھپی ہوئی ہو وہ ظاہر ہو جائے، اسی وجہ سے جو شخص میدان جنگ میں صف سے نکل کر دشمن کو مقابلہ کے لیے للکارے اس کو مبارز کہتے ہیں، قرآن مجید میں ہے:

لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ۔ (آل عمران: ۱۵۴)   جن لوگوں کا قتل ہونا مقدر کر دیا گیا ہے وہ اپنے اپنے مقتل کی طرف ضرور ظاہر ہوں گے۔

جس جگہ قضاء حاجت کی جاتی ہے اس جگہ کو بھی براز کہتے ہیں اور جو چیز قضاء حاجت کے وقت نکلتی ہے اس کو بھی براز اس لیے کہتے ہیں کہ ایک چھپی ہوئی چیز ظاہر ہو جاتی ہے۔

(المفردات ج ۱ ص ۵۵۔ ۵۴، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

بروز کے معنی پر ایک اعتراض کا جواب

اگرچہ سب لوگ حشر کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوں گے لیکن چونکہ ایسا ہونا یقینی ہے اس لیے ماضی کے صیغہ سے فرمایا اور آخرت میں سب لوگ پیش ہوئے، نیز جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا کہ جو چیز پہلے چھپی ہوئی ہو اور وہ پھر ظاہر ہو جائے تو اس کو براز یا بروز کہتے ہیں، حشر کے دن جو کفار اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوں گے اس کو برزوا فرمایا ہے، اب اس پر یہ اعتراض ہے کہ کفار اللہ تعالیٰ سے تو چھپے ہوئے نہ تھے تو پھر ان کے پیش ہونے کو برزوا کیوں فرمایا اس کا جواب یہ ہے کہ کفار فحش اور بے حیائی کے کام لوگوں سے چھپ چھپ کر کرتے تھے، اور یہ سمجھتے تھے کہ ان کے یہ کام اللہ تعالیٰ سے بھی مخفی ہیں لیکن

قیامت کے دن ان پر یہ منکشف ہو گا کہ وہ خود اللہ تعالیٰ سے مخفی نہ تھے نہ ان کا کوئی کام اللہ تعالیٰ سے مخفی تھا' خلاصہ یہ ہے کہ وہ فی نفسہٖ مخفی نہ تھے بلکہ اپنے زعم میں مخفی تھے اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوئے' دوسرا جواب یہ ہے کہ وہ پہلے قبروں میں چھپے ہوئے تھے پھر قبروں سے نکل کر اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوئے اس کی نظیر یہ آیت ہے:

يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ○ فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ○ (الطارق: ۱۰-۹)

جس دن سینوں کی چھپی ہوئی باتیں ظاہر کر دی جائیں گی' اس دن اس کی کوئی طاقت نہ ہو گی نہ کوئی مددگار ہو گا۔

اس دن لوگوں کا باطن دوسروں پر ظاہر ہو جائے گا اور ان کے جو افعال اور احوال مخفی تھے وہ سب پر منکشف ہو جائیں گے' جو انسان نیکوں میں سے ہو گا وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی پاکیزہ صفات' روشن چہرے اور صاف روح کے ساتھ پیش ہو گا' اور اس کے لیے نور جلال کی تجلیات ظاہر ہوں گی' اور اس کی عظمت کو واضح کیا جائے گا اور جو انسان بدکاروں میں سے ہو گا وہ انتہائی شرمندگی' روسیاہی اور رسوائی کے ساتھ پیش ہو گا' اور اس دن عام بت پرست اپنے سرداروں سے کہیں گے کیا تم ہم سے اللہ کے عذاب میں کچھ کمی کرا سکتے ہو یا اس عذاب کو ہم سے دور کر سکتے ہو' ہم تو تمہاری اتباع اور پیروی میں بتوں کی پرستش کرتے تھے' پھر ان کے سردار انتہائی عجز' ذلت اور رسوائی کے ساتھ کہیں گے' خواہ ہم روئیں یا صبر کریں ہماری عذاب سے نجات نہیں ہو سکتی' اور بت پرستوں کا اپنی عاجزی کا اعتراف کرنا ان کی ذلت اور رسوائی کو ظاہر کرے گا اور اس آیت سے مقصود ان کی ندامت' شرمندگی اور رسوائی کو ظاہر کرنا ہے اور دیگر جسمانی عذاب کے علاوہ یہ ان کے لیے نفسیاتی اور روحانی عذاب ہو گا۔

امام ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ بعض دوزخی' بعض سے کہیں گے کہ جنتی لوگ اللہ کی بارگاہ میں رونے اور فریاد کرنے کی وجہ سے جنت میں پہنچے ہیں آؤ ہم مل کر روئیں اور فریاد کریں شاید ہمیں جنت مل جائے' وہ روتے اور فریاد کرتے رہیں گے' پھر جب وہ دیکھیں گے کہ ان کے رونے سے کچھ فائدہ نہیں ہوا تو وہ کہیں گے جنتی لوگ مصائب پر صبر کرنے کی وجہ سے جنت میں پہنچے ہیں آؤ ہم صبر کرتے ہیں پھر وہ صبر کریں گے لیکن اس پر بھی کوئی ثمرہ مرتب نہیں ہو گا پھر وہ کہیں گے کہ خواہ ہم روئیں یا صبر کریں' ہم کو عذاب سے نجات نہیں ملے گی۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۵۶۳۸' مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

اس اعتراض کا جواب کہ جب اللہ نے کافروں کو ہدایت نہیں دی تو کفر میں ان کا کیا قصور ہے؟

اس آیت میں ذکر ہے کہ کافروں کے سردار کہیں گے کہ اگر اللہ ہمیں ہدایت دیتا تو ہم تم کو ضرور ہدایت دیتے! اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کافروں نے بت پرستی کی تو اس میں ان کا کوئی قصور نہیں تھا کیونکہ ان کو اللہ تعالیٰ نے ہی ہدایت نہیں دی تھی! اس کا جواب یہ ہے کہ ہدایت اور گمراہی کو پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کی صفت ہے لیکن اللہ تعالیٰ اسی چیز کو پیدا کرتا ہے جس کا بندہ ارادہ کرتا ہے' جو ہدایت کا ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہدایت پیدا کر دیتا ہے اور جو گمراہی کا ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے گمراہی پیدا کر دیتا ہے' یہ ٹھیک ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ہدایت پیدا نہیں کی لیکن اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے ہدایت کے حصول کا ارادہ نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لیے انبیاء اور رسل بھیجے' معجزات نازل کیے' کتابیں اور صحائف اتارے' کائنات کے چپہ چپہ میں اپنی الوہیت کی نشانیاں رکھیں اس کے باوجود انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا اور اللہ کی آیات کا انکار کیا' سو اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت دینے کے اسباب مہیا کیے تھے لیکن وہ خود ہی اللہ تعالیٰ کی ہدایت کو قبول کرنے والے نہ تھے پھر اللہ تعالیٰ کی شکایت کرنے کا کیا جواز ہے! اس آیت کی یہ

تاویل بھی کی گئی ہے کہ جب عام کفار اپنے سرداروں سے کہیں گے کیا تم ہمارے عذاب میں کمی کرا سکتے ہو یا ہمیں عذاب سے نجات دلوا سکتے ہو تو وہ کہیں گے کہ اگر اللہ ہمیں جنت کی طرف ہدایت دے گا تو ہم تمہیں بھی جنت کی طرف ہدایت دیں گے یا اگر اللہ ہمیں عذاب سے نجات دے گا تو ہم تمہیں بھی عذاب سے نجات دے دیں گے۔

وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ

جب حشر کی کارروائی پوری ہو گئی تو شیطان نے کہا بے شک اللہ نے تم سے جو وعدہ کیا تھا وہ برحق

الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ

وعدہ تھا، اور میں نے جو تم سے وعدہ کیا تھا سو میں نے اس کے خلاف کیا، اور میرا تم پر کوئی غلبہ

سُلْطٰنٍ اِلَّاۤ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ

نہیں تھا سوا اس کے کہ میں نے تم کو (گناہ کی) دعوت دی پس تم نے میری دعوت قبول کر لی، سو تم مجھ کو ملامت نہ کرو

وَلُوْمُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ مَاۤ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ؕ اِنِّيْ

اور اپنے آپ کو ملامت کرو، نہ میں تمہاری فریاد رسی کرنے والا ہوں اور نہ تم میری فریاد رسی کرنے والے ہو، تم نے

كَفَرْتُ بِمَاۤ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ؕ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ

مجھے جو (اللہ کا) شریک بنایا تھا میں پہلے ہی اس کا انکار کر چکا ہوں، بے شک ظالموں کے لیے ہی

عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۲﴾ وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

دردناک عذاب ہے ○ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے ان کو

جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ؕ

ایسی جنتوں میں داخل کیا جائے گا جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں وہ اپنے رب کے اذن سے ان میں ہمیشہ رہنے والے

تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ﴿۲۳﴾ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً

ہیں اور ایک دوسرے سے ان کا کہنا ہو گا: سلام ہو ○ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے پاکیزہ کلمہ (بات) کی کیسی

طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ﴿۲۴﴾ لا

مثال بیان فرمائی وہ ایک پاکیزہ درخت کی طرح ہے جس کی جڑ (زمین میں) مضبوط ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں

تُؤْتِیْۤ اُكُلَهَا كُلَّ حِیْنٍۭ بِاِذْنِ رَبِّهَاؕ وَ یَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ

وہ درخت اپنے رب کے اذن سے ہر وقت پھل دیتا ہے اور اللہ لوگوں کے لیے مثال بیان

لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَ مَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِیْثَةٍ كَشَجَرَةٍ

فرماتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں ○ اور ناپاک کلمہ (بات) کی مثال اس ناپاک

خَبِیْثَةِ ِ۟اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ﴿۲۶﴾ یُثَبِّتُ اللّٰهُ

درخت کی طرح ہے جس کو زمین کے اوپر سے اکھاڑ دیا گیا اس کے لیے بالکل ثبات نہیں ○ اللہ ایمان والوں کو

الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ فِی الْاٰخِرَةِۚ

دنیا میں (بھی) مضبوط کلمہ کے ساتھ ثابت قدم رکھتا ہے اور آخرت میں (بھی)

وَ یُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِیْنَ ﲪ وَ یَفْعَلُ اللّٰهُ مَا یَشَآءُ ﴿۲۷﴾ ع

اور اللہ ظالموں کو گمراہ کر دیتا ہے اور اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے ○

ع ۱۶ ۶

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب حشر کی کارروائی پوری ہو گئی تو شیطان نے کہا بے شک اللہ نے تم سے جو وعدہ کیا تھا وہ برحق وعدہ تھا، اور میں نے جو تم سے وعدہ کیا تھا سو میں نے اس کے خلاف کیا، اور میرا تم پر کوئی غلبہ نہیں تھا سوا اس کے کہ میں نے تم کو (گناہ کی) دعوت دی، پس تم نے میری دعوت قبول کر لی، سو تم مجھ کو ملامت نہ کرو اور اپنے آپ کو ملامت کرو، نہ میں تمہاری فریاد رسی کرنے والا ہوں اور نہ تم میری فریاد رسی کرنے والے ہو، تم نے مجھے جو (اللہ کا) شریک بنایا تھا میں پہلے ہی اس کا انکار کر چکا ہوں، بے شک ظالموں کے لیے ہی دردناک عذاب ہے ○ (ابراھیم: ۲۲)

مستقبل میں ہونے والے مکالمے کو ماضی کے ساتھ تعبیر کرنے کی توجیہ

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس مناظرہ کا ذکر فرمایا تھا جو کافر سرداروں اور ان کے پیروکاروں کے درمیان ہو گا اور اس آیت میں اس مناظرہ کا ذکر فرمایا ہے جو شیطان اور عام انسانوں کے درمیان ہو گا۔

اس آیت میں فرمایا ہے جب حساب کتاب ہو چکا تو شیطان نے کہا الخ، اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ابھی تو قیامت آئی ہے نہ حشر کا میدان قائم ہوا ہے اور شیطان کا انسانوں کے ساتھ یہ مکالمہ تو قیامت کے بعد ہو گا، تو بظاہر یوں فرمانا چاہیے تھا جب حساب کتاب ہو چکے گا تو شیطان لوگوں سے کہے گا، اس کا جواب یہ ہے کہ ماضی کا صیغہ کسی چیز کے تحقق و قوع پر دلالت کرتا ہے اس لیے جو چیز مستقبل میں یقینی اور حتمی طور پر ہونی ہو اس کو ماضی کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں تاکہ ماضی کا صیغہ اس کے تحقق و قوع پر دلالت کرے، دوسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کے واقع ہونے کی خبر دی ہے اس کا وقوع صادق اور برحق ہے، اور گویا کہ وہ چیز واقع ہو چکی ہے۔ اس کی نظیر یہ ہے:

وَنَادٰٓى اَصۡحٰبُ النَّارِ اَصۡحٰبَ الۡجَنَّةِ اور دوزخ والوں نے جنت والوں کو آواز دی۔
(الاعراف: ۵۰)

حالانکہ یہ واقعہ حساب کتاب بلکہ جنت اور دوزخ میں دخول کے بعد ہوگا، اور اسی طرح اس سے پہلی آیت میں تھا:
وَبَرَزُوۡا لِلّٰهِ جَمِيۡعًا۔ (ابراہیم: ۲۱) اور سب لوگ اللہ کے سامنے پیش ہوئے۔
حالانکہ سب لوگ قیامت کے بعد حشر کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوں گے، لیکن چونکہ سب لوگوں کا اللہ کے سامنے پیش ہونا یقینی امر ہے اس لیے اس کے تحقق وقوع پر متنبہ کرنے کے لیے اس کو ماضی کے ساتھ تعبیر فرمایا۔

لما قضی الامر کی تفسیر میں متعدد اقوال

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: لما قضی الامر جب کام پورا ہوگیا، اس کی تفسیر میں مفسرین کے کئی قول ہیں، ایک قول یہ ہے: جب جنتی جنت میں پہنچ جائیں گے اور دوزخی دوزخ میں پہنچ جائیں گے اس وقت شیطان دوزخ میں کھڑا ہو کر دوزخیوں سے خطاب کرے گا، دوسرا قول یہ ہے کہ جب حساب کتاب ختم ہوگیا اور پہلا قول زیادہ بہتر ہے اس لیے کہ محشر میں لوگوں کا آخری معاملہ یہ ہوگا کہ نیکوکار جنت میں پہنچ جائیں گے اور کفار دوزخ میں پہنچ جائیں گے اس کے بعد ہر ایک اپنی اپنی جگہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا، تیسرا قول یہ ہے کہ اہلسنت کا مذہب یہ ہے کہ ایمان والوں سے جن لوگوں نے گناہ کبیرہ کیے اور وہ بغیر توبہ کے مر گئے اور ان کو شفاعت نصیب نہیں ہوئی نہ وہ خصوصی فضل سے بخشے گئے ان کو دوزخ میں تطہیر کے لیے عارضی عذاب دیا جائے گا، پھر شفاعت سے یا اللہ تعالیٰ کے فضل محض سے ان کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا اور اس وقت حشر کی تمام کارروائی پوری ہو جائے گی، تمام مومنین جنت میں پہنچ جائیں گے اور تمام کفار دوزخ میں ہوں گے۔ اس وقت شیطان دوزخیوں سے کہے گا۔

شیطان سے مراد ابلیس ہونا

ہرچند کہ شیطان کا لفظ شیطان کے تمام افراد کو شامل ہے لیکن اس آیت میں شیطان سے مراد ابلیس ہے۔
امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں یہ قیامت کے دن ابلیس کا قول ہے وہ کہے گا کہ نہ تم مجھے نفع پہنچا سکتے ہو نہ میں تمہیں نفع پہنچا سکتا ہوں اور تم نے اس سے پہلے جو مجھے شریک بنایا تھا اور میری عبادت کی تھی میں اس کا انکار کرتا ہوں۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۵۶۴۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ اولین اور آخرین کو جمع فرمائے گا اور ان کے درمیان فیصلہ فرمائے گا اور ان کے فیصلہ سے فارغ ہو جائے گا، تو مومنین کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان فیصلہ کر کے فارغ ہو چکا ہے، پس ہمارے رب کے پاس ہماری شفاعت کون کرے گا؟ چلو حضرت آدم کے پاس چلیں وہ ہمارے باپ ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور ان سے کلام کیا، پس وہ حضرت آدم کے پاس جا کر ان سے کلام کریں گے اور ان سے شفاعت کی درخواست کریں گے، وہ کہیں گے تم نوح کے پاس جاؤ۔ وہ حضرت نوح کے پاس جائیں گے، وہ ان کی حضرت ابراہیم کی طرف رہنمائی کریں گے۔ وہ حضرت ابراہیم کے پاس جائیں گے وہ ان کی حضرت موسیٰ کی طرف رہنمائی کریں گے۔ وہ حضرت موسیٰ کے پاس جائیں گے وہ ان کی حضرت عیسیٰ کی طرف رہنمائی کریں گے، پھر وہ حضرت عیسیٰ کے پاس جائیں گے، وہ کہیں گے میں نبی امی کی طرف تمہاری رہنمائی کرتا ہوں، پھر وہ میرے پاس آئیں گے، پھر اللہ تعالیٰ مجھے کھڑے ہونے کی اجازت دے گا، اور وہ مجلس اتنی پاکیزہ خوشبو سے معطر ہو جائے گی کہ اس سے پہلے کسی نے

ایسی خوشبو نہ سونگھی ہوگی۔ پھر میں اپنے رب تبارک وتعالیٰ کے سامنے حاضر ہوں گا، پس اللہ میری شفاعت قبول فرمائے گا، اور میرے سر کے بالوں سے لے کر پیر کے ناخنوں تک کو منور کردے گا، پھر کفار کہیں گے کہ مومنوں نے تو اپنے شفاعت کرنے والے کو پالیا ہمارے لیے شفاعت کون کرے گا! پھر وہ کہیں گے کہ وہ ابلیس کے سوا اور کون ہو سکتا ہے جس نے ہمیں گمراہ کیا تھا، پھر وہ اس کے پاس جا کر کہیں گے مومنوں نے تو اپنے شفاعت کرنے والے کو پالیا، اب اٹھو تم ہماری شفاعت کرو، کیونکہ تم نے ہی ہمیں گمراہ کیا تھا، وہ اٹھ کر کھڑا ہوگا تو اس مجلس میں اتنی سخت بدبو پھیل جائے گی کہ ایسی بدبو کسی نے کبھی نہ سونگھی ہوگی، پھر وہ ان کو جہنم میں لائے گا اور اس وقت کہے گا بے شک اللہ نے تم سے جو وعدہ کیا تھا وہ برحق تھا اور میں نے تم سے جو وعدہ کیا تھا میں نے اس کے خلاف کیا۔

(المعجم الکبیر ج ۱۷ص ۳۲۱-۳۲۰، رقم الحدیث: ۷۸۸، جامع البیان رقم الحدیث: ۱۵۶۴۰، تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۲۲۳۵، الجامع لاحکام القرآن جز ۹ص ۳۱۱، التذکرہ ج ۱ص ۳۸۱، تفسیر ابن کثیر ج ۲ص ۵۸۵، روح المعانی جز ۱۳ص ۳۰۱)

اللہ کا وعدہ اور ابلیس کا وعدہ

ابلیس نے کہا اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ فرمایا تھا وہ وعدہ برحق تھا، یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لانے والوں اور برُے کاموں سے بچنے والوں اور نیک کاموں کے کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ آخرت میں اجر عظیم عطا فرمائے گا اور ان کو جنت میں داخل فرمائے گا اور کافروں اور بدکاروں کو آخرت میں عذاب دے گا اور ان کو دوزخ میں داخل فرمائے گا، اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ وعدہ سچا کردیا اور مومنین اور نیک عمل کرنے والے جنت میں داخل ہو گئے اور کافر اور بدکار دوزخ میں داخل ہو گئے اور میں نے جو وعدہ کیا تھا کہ نہ قیامت قائم ہوگی، نہ لوگ مر کر دوبارہ زندہ ہوں گے نہ حشر ہوگا نہ حساب و کتاب ہوگا نہ جنت ہوگی نہ دوزخ ہوگی سو میرا وعدہ جھوٹا ہوگیا کیونکہ وہ تمام امور واقع ہوگئے جن کی میں نے تکذیب کی تھی۔

شیطان نے جو سلطان کی نفی کی اس کے دو محمل

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے شیطان کا یہ قول نقل فرمایا: اور میری تم پر کوئی سلطان نہ تھی، سوا اس کے کہ میں نے تم کو (گناہ کی) دعوت دی پس تم نے میری دعوت قبول کرلی سو تم مجھ کو ملامت نہ کرو اور اپنے آپ کو ملامت کرو۔

سلطان کے دو معنی ہیں: ایک معنی ہے حجت اور دلیل اور دوسرا معنی ہے تسلط اور غلبہ یعنی زبردستی اور جبر سے کسی سے کوئی کام کرا دینا۔ اگر شیطان کی سلطان سے مراد حجت اور دلیل ہو تو اس کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ میرا کام تو تم کو صرف دعوت دینا اور وسوسہ ڈالنا تھا، تم اللہ تعالیٰ کے دلائل سن چکے اور انبیاء علیہم السلام کے آنے کا مشاہدہ کرچکے تھے اور انبیاء علیہم السلام کے صدق اور ان کے برحق ہونے پر معجزات کا مشاہدہ کرچکے تھے، تم پر اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی کتابوں کی تلاوت بھی کی گئی تھی تو تم پر واجب تھا کہ تم میری باتوں کے دھوکے میں نہ آتے اور میری دعوت اور میرے وسوسہ کی طرف توجہ نہ کرتے اور جب کہ تم نے ان مضبوط اور قوی دلائل کے مقابلہ میں میری باتوں کو ترجیح دی، تو پھر تم ملامت کے لائق ہو، تم دیکھ رہے تھے کہ میرے وسوسوں اور میری باتوں پر کوئی حجت اور برہان نہ تھی، میں نے بغیر کسی دلیل کے تم کو شرک اور کفر پر اکسایا اور گناہوں پر برانگیختہ کیا اور تم نے میری بے دلیل باتوں کو مان لیا اور انبیاء علیہم السلام نے براہین اور دلائل کے ساتھ جو کہا تھا اس کو مسترد کردیا تو پھر تم ہی لائق مذمت ہو نہ کہ میں!

اور اگر سلطان کا معنی تسلط اور غلبہ ہو یعنی ایسی طاقت جس کے ذریعہ زبردستی کسی سے کوئی کام کرایا جاسکے تو مطلب

ہوگا میں تو صرف تم کو بلاتا تھا اور تمہارے دلوں میں وسوسہ ڈالتا تھا تم نے اپنی خوشی سے میرے وسوسوں کو قبول کیا اور اللہ تعالیٰ کے احکام اور انبیاء علیہم السلام کے پیغامات کو مسترد کر دیا میں نے جبراً اور زبردستی تم سے یہ کام نہیں کرائے کیونکہ مجھے تم پر کوئی تسلط اور غلبہ حاصل نہیں تھا تم نے اپنی خوشی سے میرے کہنے پر عمل کیا ہے لہٰذا اب تم مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنے آپ کو ملامت کرو۔

بُرے کاموں کے ارتکاب پر شیطان کے بجائے خود کو ملعون کیا جائے

جب آدمی کسی کام کو کرتا ہے یا کسی کام کو ترک کرتا ہے تو اس سے پہلے چند امور ضروری ہیں۔ کسی کام کو کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ پہلے اس کام کا تصور اور علم ہو، پھر اس کام کو کرنے یا اس چیز کو حاصل کرنے کا شوق ہو پھر وہ اس کام کو کرنے کا پختہ ارادہ کرے، اس کے بعد وہ اس کام کو کر گزرتا ہے، اور کسی کام کو ترک کرنے کے لیے بھی پہلے اس کام کا تصور ضروری ہے، پھر اس کو یہ علم ہو کہ اس کام میں فلاں نقصان یا فلاں خطرہ ہے پھر وہ اس کام کو ترک کرنے کا پختہ ارادہ کرے اور اس کے بعد وہ اس کام کو ترک کر دے گا۔

اس کی مثال یہ ہے کہ شیطان انسان کے ذہن میں یہ خیال ڈالے کہ فلاں جگہ آسانی سے چوری کی جا سکتی ہے، پھر اس کو چوری کی طرف راغب کرے کہ اس کے پاس اپنی ضروریات کے لیے پیسے نہیں ہیں، اس کی جائز آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں ہے، اگر اس چوری سے مال حاصل کر لیا تو اس کی فلاں فلاں ضروریات پوری ہو جائیں گی اور بہت سی آسائشیں حاصل ہو جائیں گی، جس کا مال چرانا ہے اسے کیا فرق پڑے گا وہ تو بہت امیر آدمی ہے، کوئی جرم اسی وقت جرم کہلاتا ہے جب وہ ظاہر ہو جائے اور جو کام ظاہر نہ ہو اس کو کون جرم کہے گا، وہاں چوری کرنے کے ایسے مواقع ہیں کہ کسی کو پتا نہیں چل سکتا، ایسا موقع زندگی میں بار بار نہیں آتا۔ شیطان اس قسم کی ترغیبات انسان کے ذہن میں ڈالتا رہتا ہے حتیٰ کہ کچھ پس و پیش کے بعد انسان وہاں چوری کرنے کا پختہ ارادہ کر لیتا ہے اور جب وہ عزم صمیم کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس میں وہ فعل پیدا کر دیتا ہے، اسی طرح جو انسان مثلاً حج کرنے کے لیے جانا چاہتا ہے شیطان اس کو سفر کے خطرات سے ڈراتا ہے، ہوائی حادثات ہوتے رہتے ہیں، بالفرض سلامتی سے پہنچ بھی گیا تو منیٰ میں اور طواف اور سعی میں انسان رش کے اندر کچلا جاتا ہے، اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کا کیا فائدہ اور کون سا اس سال ہی حج کرنا ضروری ہے، ابھی تو زندگی پڑی ہے پھر کسی سال حج کو چلے جانا، اس طرح کے خطرات اس کے ذہن میں ڈالتا ہے اور حج کے لیے جانے والے انسان کو حج سے روک دیتا ہے، غرض یہ کہ وہ بُرائی کی ترغیبات ذہن میں ڈال کر انسان کو بُرائی کے کام پر آمادہ کرتا ہے اور انسان اس کے بہکانے میں آجاتا ہے اور نیک کام کے خلاف خطرات اور خدشات ذہن میں ڈالتا ہے حتیٰ کہ انسان نیک کام کرنے سے رک جاتا ہے اور ان امور میں شیطان کا صرف اتنا دخل ہوتا ہے کہ وہ صرف بُرے کام کرنے یا نیک کام کو ترک کرنے کی دعوت دیتا ہے باقی کام تو انسان خود کرتا ہے، پس ظاہر ہو گیا کہ شیطان اصلی تو خود انسان کا نفس ہے کیونکہ اگر انسان کا بُرائی کی طرف میلان اور رجحان نہ ہوتا تو شیطان کے وسوسوں سے کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔

شیطان کے وسوسہ کی کیفیت

باقی رہا یہ امر کہ شیطان کے وسوسہ ڈالنے کی کیا کیفیت ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام رازی نے کہا ہے کہ ملائکہ اور شیاطین اجسام کثیفہ نہیں ہیں بلکہ ان کے اجسام کا لطیفہ ہونا ضروری ہے اور اللہ سبحانہ نے ان کی عجیب و غریب ترکیب کی ہے اور وہ جسم لطیف ہونے کے باوجود جسم کثیف میں نفوذ کر جاتے ہیں، جیسا کہ انسان کی روح جسم لطیف ہے اور وہ انسان

کے بدن میں سرایت کر جاتی ہے' اسی طرح آگ کوئلہ میں نفوذ کر جاتی ہے اور پتوں اور پھولوں کا پانی پتوں اور پھولوں میں سرایت کر جاتا ہے اور پستہ اور بادام اور تلوں کا تیل پستہ اور بادام اور تلوں میں سرایت کیا ہوا ہے اسی طرح شیطان انسان کے جسم میں سرایت کر جاتا ہے اور وسوسے ڈالتا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۷ ص ۸۸-۸۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

شیطان انسان کے جسم میں سرایت کر جاتا ہے اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شیطان انسان کے خون کے جاری ہونے کی جگہوں میں سرایت کر جاتا ہے اور مجھے یہ خدشہ ہے کہ وہ تمہارے دلوں میں کوئی چیز ڈال دے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰۳۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۷۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۰۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۷۹)

انسان کے اعضاء پر جنات کے تصرف کی نفی

شیطان جو آخرت میں یہ کہے گا کہ میرا تم پر کوئی تسلط نہیں تھا' میرا کام تو صرف تم کو برے کاموں پر راغب کرنا اور ان کی دعوت دینا تھا اس سے امام رازی اور علامہ ابوالحیان اندلسی نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ عوام میں جو مشہور ہے کہ انسان پر جب مرگی کا دورہ پڑتا ہے اور اس کے ہاتھ پاؤں ٹیڑھے ہو جاتے ہیں تو یہ انسان کے جسم پر جنات کا تصرف ہوتا ہے' سو یہ بالکل بے اصل اور باطل بات ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۸۵' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ' البحر المحیط ج ۶ ص ۴۲۸' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ)

علامہ آلوسی کا یہ نظریہ ہے کہ جنات انسان کے اعضاء پر تصرف کرتے ہیں اور جب کسی انسان پر جن چڑھ جاتا ہے تو اس کی زبان سے جن بولتا ہے اور اس کے ہاتھ پیروں میں جن کا تصرف ہوتا ہے' وہ اس آیت کا یہ جواب دیتے ہیں کہ شیطان نے مطلقاً تسلط کی نفی نہیں کی بلکہ اس نے ایسے تسلط کی نفی کی ہے جس سے وہ لوگوں کو گمراہ کر سکے لہٰذا انسان پر جو مرگی کے دورے پڑتے ہیں اور اس حال میں اس کے اعضاء پر جو جن تصرف کرتا ہے اس کی اس آیت میں نفی نہیں ہے۔

(روح المعانی جز ۱۳ ص ۳۰۳' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ آلوسی کا یہ جواب صحیح نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے: وما کان لی علیکم من سلطان اور اس آیت میں نکرہ حیز نفی میں ہے اور نکرہ حیز نفی میں مفید عموم ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ میرا تم پر کسی قسم کا تسلط اور تصرف نہیں ہے' لہٰذا عوام الناس میں جو یہ مشہور ہے کہ جن انسان کے اعضاء پر قابض ہو کر تصرف کرتے ہیں' انسان کی زبان سے جن بولتا ہے اور اس کے ہاتھ پیروں سے جن تصرف کرتا ہے یہ صحیح نہیں ہے' اور اس پر قوی دلیل یہ ہے کہ اگر یہ امر جائز ہوتا تو ایک آدمی کسی کو قتل کر دیتا اور بعد میں یہ کہتا اس کو میں نے قتل نہیں کیا جن نے قتل کیا ہے تو قانوناً اور شرعاً اس سے قصاص لینا جائز نہ ہوتا' حالانکہ قانون میں اس کی گنجائش ہے نہ شریعت میں اس کی گنجائش ہے' پس واضح ہو گیا کہ انسان کے اعضاء پر جنات کے تصرف کرنے کا قول صحیح نہیں ہے۔

صرخ کا معنی

قرآن مجید میں ہے: میں تمہارا مصرخ نہیں ہوں اور تم میرے مصرخ نہیں ہو' یہ لفظ صرخ سے بنا ہے یہ لغت اضداد سے ہے' اس کا معنی چیخ کر فریاد کرنا بھی ہے اور فریاد کو پہنچنا بھی ہے' اس آیت کا معنی ہے: نہ میں تمہاری فریاد کو پہنچ سکتا ہوں نہ تم میری فریاد کو پہنچ سکتے ہو۔ اس کے بعد اس نے کہا تم نے مجھے عبادت میں اللہ تعالیٰ کا جو شریک بنایا تھا میں اس کا انکار کرتا ہوں' اس کا معنی یہ ہے کہ شیطان کے پیروکار جو یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ اس جہان کے بنانے اور اس کے چلانے میں شیطان

اللہ کا شریک ہے اس نے کہا میں اس کا انکار کرتا ہوں یا معنی یہ ہے کہ لوگ نیک کاموں میں اللہ کی اطاعت کرتے تھے اور بُرے کاموں میں شیطان کی اطاعت کرتے تھے، شیطان نے کہا میں اس کا انکار کرتا ہوں کیونکہ اطاعت کے لائق اور اطاعت کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے ان کو ایسی جنتوں میں داخل کیا جائے گا جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں وہ اپنے رب کے اذن سے ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں اور ایک دوسرے سے ان کا کہنا ہوگا: سلام ہو○ (ابراھیم: ۲۳)

جنت میں سلام کا معنی

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کافروں اور بدکاروں کے احوال تفصیل سے بیان فرمائے، اور اب اس آیت سے مومنوں اور نیکوکاروں کے احوال بیان فرما رہا ہے، سو اس آیت میں بیان فرمایا کہ اللہ کے اذن سے ان کو جنت کی دائمی نعمتیں عطا فرمائی جائیں گی، اور اللہ کے اذن سے ان کو نعمتیں ملنا بھی ان کے حق میں ایک نوع کی تعظیم ہے، اور وہ خود بھی ایک دوسرے کی تعظیم کرتے ہوئے ایک دوسرے کو سلام کریں گے، اور فرشتے بھی ان کی تعظیم کرتے ہوئے ان کو سلام کریں گے:

وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ○ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ. (الرعد: ۲۴-۲۳)

اور فرشتے ہر دروازہ سے ان پر یہ کہتے ہوئے داخل ہوں گے تم پر سلام ہو۔

جنت میں سلام کا معنی یہ ہے کہ وہ دنیا کی آفات اور دنیا کی حسرتوں یا دنیا کی بیماریوں اور دردوں اور دنیا کے غموں اور پریشانیوں سے سلامت ہو گئے اور دنیا کے فانی جسموں سے نکل کر جنت کے دائمی جسموں میں منتقل ہو جانا اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے پاکیزہ کلمہ (بات) کی کیسی مثال بیان فرمائی وہ ایک پاکیزہ درخت کی طرح ہے جس کی جڑ (زمین میں) مضبوط ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں○ وہ درخت اپنے رب کے اذن سے ہر وقت پھل دیتا ہے اور اللہ لوگوں کے لیے مثال بیان فرماتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں○ اور ناپاک کلمہ (بات) کی مثال اس ناپاک درخت کی طرح ہے جس کو زمین کے اوپر سے اکھاڑ دیا گیا اس کے لیے بالکل ثبات نہیں○

(ابراھیم: ۲۶ - ۲۴)

شجرہ طیبہ سے مراد کھجور کا درخت ہے

ان دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مومنین اور کفار کی دو مثالیں بیان فرمائی ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کلمہ طیبہ سے مراد لا الٰہ الا اللہ ہے اور شجرہ طیبہ سے مراد مومن ہے، اور مجاہد اور عکرمہ نے کہا ہے کہ شجرہ سے مراد کھجور کا درخت ہے، اور اس آیت کا یہ معنی ہو سکتا ہے کہ مومن کے قلب میں کلمہ کی جڑ ہے اور وہ ایمان ہے، جس طرح کھجور کے درخت کی جڑیں زمین میں پیوست ہوتی ہیں، اسی طرح ایمان مومن کے سینہ میں راسخ ہوتا ہے، اور جس طرح کھجور کی شاخیں اوپر کی جانب بلند ہوتی ہیں، اسی طرح مومن کے نیک اعمال کو فرشتے اوپر کی جانب لے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جو ان نیک اعمال پر ثواب عطا فرماتا ہے اس کو کھجور کے پھلوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تازہ کھجوروں کا ایک خوشہ لایا گیا تو آپ نے یہ آیت پڑھی: مثلا کلمۃ طیبۃ کشجرۃ طیبۃ اصلھا ثابت وفرعھا فی السماء O تؤتی اکلھا کل حین باذن ربھا۔ (ابراہیم: ۲۵-۲۴) آپ نے فرمایا یہ کھجور کا درخت ہے، پھر آپ نے پڑھا: ومثل کلمۃ خبیثۃ کشجرۃ خبیثۃ اجتثت من فوق الارض مالھا من قرار۔ (ابراہیم: ۲۶) آپ نے فرمایا اس سے مراد حنظلہ (اندرائن، کڑوا پھل) ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۱۹، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۴۱۶۵، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۷۵، المستدرک ج ۲ ص ۳۵۲)

نیز حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایمان کی مثال اس درخت کی طرح ہے جس کی جڑیں زمین میں مضبوط ہیں، ایمان اس کی جڑیں ہیں، نماز اس کی اصل ہے، زکوٰۃ اس کی شاخیں ہیں، روزے اس کے پتے ہیں، اللہ کی راہ میں تکلیف اٹھانا اس کی روئیدگی ہے، اچھے اخلاق (بھی) اس کے پتے ہیں اور حرام کاموں سے بچنا اس کے پھل ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۹ ص ۳۱۴، مطبوعہ دار الفکر، ۱۴۱۵ھ)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ بے ہودہ اور بے حیائی کی باتیں کرنے والے سے بغض رکھتا ہے اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں محمد کی جان ہے جب تک امین کو خائن نہ قرار دیا جائے اور خائن کو امین نہ سمجھا جائے اور بے ہودگی اور بے حیائی کا ظہور نہ ہو جائے اور رشتوں کو قطع نہ کیا جائے اور برے پڑوس نہ ہوں اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں محمد کی جان ہے بے شک مومن کی مثال سونے کے ٹکڑے کی طرح ہے، اس کا مالک اس پر پھونک مارے تو اس میں کوئی تغیر ہوتا ہے نہ کمی ہوتی ہے اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں محمد کی جان ہے مومن کی مثال کھجور کے درخت کی طرح ہے جس کا پھل پاکیزگی کے ساتھ کھایا جاتا ہے اور پاکیزگی کے ساتھ رکھا جاتا ہے اور وہ گر جائے تو ٹوٹتا ہے نہ خراب ہوتا ہے۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۱۹۹، طبع قدیم، مسند احمد رقم الحدیث: ۶۸۷۲ عالم الکتب)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن کی مثال کھجور کے درخت کی طرح ہے، اگر تم مومن کو اپنا ساتھی بناؤ گے تو وہ تم کو نفع دے گا اور اگر تم اس سے مشورہ کرو گے تو وہ تم کو نفع دے گا اور اگر تم اس کے پاس بیٹھو گے تو وہ تم کو نفع دے گا، اس کے ہر حال میں نفع ہے، اسی طرح کھجور کے درخت کی ہر چیز میں نفع ہے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۹۰۷۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۰ھ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: درختوں میں سے ایک درخت ایسا ہے جس کے پتے نہیں گرتے اور وہ مسلمان کی مثل ہے، مجھے بتاؤ وہ کون سا درخت ہے۔ لوگ جنگل کے درختوں کے متعلق سوچنے لگے، حضرت عبداللہ بن عمر نے کہا میرے دل میں یہ خیال آیا کہ وہ کھجور کا درخت ہے پس مجھے (بزرگوں کے سامنے لب کشائی کرنے سے) حیا آئی، پھر لوگوں نے کہا یا رسول اللہ! ہمیں بتائیے وہ کون سا درخت ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ کھجور کا درخت ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۱۱، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۲۶۱، مسند احمد رقم الحدیث: ۴۵۹۹)

کھجور کے درخت اور مومن میں وجوہ مشابہت

اللہ تعالیٰ نے ایمان کو کھجور کے درخت کے ساتھ تشبیہ دی ہے کیونکہ جس طرح کھجور کے درخت کی جڑیں زمین

میں ثابت ہوتی ہیں اسی طرح ایمان مومن کے دل میں ثابت ہوتا ہے اور جس طرح کھجور کے پتے آسمان کی جانب ہوتے ہیں اسی طرح مومن کے نیک اعمال کو فرشتے آسمان کی طرف لے جاتے ہیں اور جس طرح کھجور کا پھل ہر وقت دستیاب ہوتا ہے، کبھی تازہ اور کبھی خشک چھواروں کی صورت میں، اسی طرح مومن کامل کا ہر عمل موجب ثواب ہوتا ہے، اس کا بولنا، اس کا خاموش رہنا، اس کا چلنا پھرنا، اس کا کھانا پینا اور اس کی خالص عبادات، اور عبادات میں تقویت اور تازگی حاصل کرنے کے لیے اس کا سونا غرض یہ کہ اس کا ہر وقت ہر عمل موجب ثواب ہوتا ہے، پھر جس طرح کھجور کی کوئی چیز ضائع اور بیکار نہیں ہوتی، کھجور کے تنے کے شہتیر بن جاتے ہیں، اس کا پھل تازہ اور خشک ہر حال میں کھایا جاتا ہے، اس کے پتوں کی چٹائیاں، پنکھے، ٹوپیاں اور چنگیریاں بن جاتی ہیں، اسی طرح مومن کا کوئی عمل ضائع نہیں ہوتا اور اس کا ہر حال موجب ثواب ہے، اس کو اگر کوئی نعمت ملے تو وہ اس پر شکر کرتا ہے اور اگر اس پر کوئی مصیبت آئے تو وہ اس پر صبر کرتا ہے، کھجور کے درخت میں ایک ایسا وصف بھی ہے جو اور کسی درخت میں نہیں ہے اور وہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ محبت کرنا حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق سے کھجور کا درخت چیخیں مار کر رونے لگا تھا۔ حدیث میں ہے:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مسجد (نبوی) کی چھت کھجور کے شہتیروں سے بنی ہوئی تھی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ دیتے تھے تو کھجور کے تنے سے ٹیک لگا کر خطبہ دیتے تھے، جب آپ کے لیے منبر بنا دیا گیا تو آپ اس منبر پر بیٹھ گئے، اس وقت ہم نے اس کھجور کے ستون کی اس طرح رونے کی آواز سنی جس طرح بچہ والی اونٹنی بچے کے فراق میں روتی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کھجور کے ستون پر ہاتھ رکھا تو وہ پُرسکون ہو گیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۸۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۹۵، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۱۲۹۵، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۱۲۴)

اسی طرح مومن کا حال یہ ہے کہ وہ سب لوگوں سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہے، حدیث میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کے نزدیک میں اس کے والد، اس کی اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۵، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۴، سنن نسائی رقم الحدیث: ۵۰۱۴، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۲۸۳۵)

شجر طیبہ سے مراد شجر معرفت ہے

امام رازی نے فرمایا: شجرہ طیبہ سے مراد شجر معرفت ہے، اس کی اصل ثابت ہونے سے مراد یہ ہے کہ مومن کے دل پر اللہ تعالیٰ کی تجلیات وارد ہوتی ہیں، اور آسمان میں اس کی شاخیں ہیں، اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعظیم کرتا ہے اور اللہ کی مخلوق پر شفقت کرتا ہے، ان پر رحم کرتا ہے، ان کی خطاؤں سے درگزر کرتا ہے، ان سے شر کو دُور کرنے کی کوشش کرتا ہے اور ان کی خیر ان تک پہنچانے کی سعی کرتا ہے اور وہ درخت اپنے رب کے اذن سے ہر وقت پھل دیتا ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ وہ کائنات کی ہر چیز میں اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو تلاش کرتا ہے، اس کے احکام کو سن کر ان پر عمل کرتا ہے اور ہر حال میں حق بات بیان کرتا ہے اور پھر اس مقام سے ترقی کرتا ہے اور جس چیز کو بھی دیکھتا ہے اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کی ذات کی تجلیات کو دیکھتا ہے اور پھر اس مقام سے بھی ترقی کرتا ہے اور پھر اس کا یہ حال ہوتا ہے کہ وہ کسی نعمت کے ملنے پر اس نعمت کی وجہ سے خوش نہیں ہوتا بلکہ اس وجہ سے خوش ہوتا ہے کہ اس کو یہ نعمت اللہ کی طرف سے ملی ہے، ہماری اس تقریر سے یہ معلوم ہوا کہ یہ مثال عالم القدس، حضرت الجلال اور کبریائی کے پردوں کی طرف رہنمائی

کرتی ہے اور ہم اللہ تعالیٰ سے مزید ہدایت اور رحمت کا سوال کرتے ہیں۔ بعض علماء نے کہا درخت میں تین چیزیں ہوتی ہیں: اس کی جڑیں' اس کا تنا اور اس کی شاخیں' اسی طرح ایمان کے بعد تین ارکان ہیں: تصدیق بالقلب' اقرار باللسان اور عمل بالابدان۔ (تفسیر کبیر ج ۷ ص ۹۲-۹۰' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

ناپاک کلمہ اور ناپاک درخت کا مصداق اور وجہ مشابہت

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ناپاک کلمہ (بات) کی مثال اس ناپاک درخت کی طرح ہے جس کو زمین کے اوپر سے اکھاڑ دیا گیا اور اس کے لیے بالکل ثبات نہیں۔

ناپاک کلمہ سے مراد شرک ہے' اور ناپاک درخت سے مراد حنظل ہے یعنی اندرائن' یہ بہت کڑوے پھل کا درخت ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۱۹' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۴۱۶۵)

امام عبدالرحمٰن جوزی متوفی ۵۹۳ھ نے لکھا ہے کہ اس ناپاک درخت کی تفسیر میں پانچ اقوال ہیں:

(۱) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد حنظلہ ہے' اور حضرت انس اور مجاہد کا بھی یہی قول ہے۔

(۲) ابن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ناپاک درخت سے مراد کافر ہے' حضرت ابن عباس نے فرمایا کافر کا عمل مقبول نہیں ہوتا اور اس کے اعمال اللہ کی طرف نہیں چڑھتے پس اس کی جڑ زمین میں مضبوط ہے نہ آسمان میں اس کی شاخیں ہیں۔

(۳) ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد الکشوثی ہے' یہ ایک ایسی گھاس ہے جس کی شاخیں ہوتی ہیں اور اس کی جڑ نہیں ہوتی۔

(۴) ابو الظبیان نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ ایک مثل ہے اور ایسا کوئی درخت پیدا نہیں کیا گیا۔

(۵) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت یہ ہے کہ اس سے مراد لہسن کا پودا ہے۔

(زاد المسیر ج ۴ ص ۳۶۱' ۳۶۰' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

کافر کو اس ناپاک درخت کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کہ کافر کا کوئی نیک عمل اوپر لے جایا جاتا ہے' نہ اس کی کوئی نیک اور پاکیزہ بات ہوتی ہے اور نہ اس کے قول کی کوئی صحیح بنیاد ہوتی ہے۔

امام رازی نے شجرۂ خبیثہ کی تفسیر میں یہ کہا ہے کبھی کسی درخت کا پھل بہت بدبودار ہوتا ہے اور وہ اس اعتبار سے خبیث ہوتا ہے اور کبھی وہ بہت کڑوا اور بدذائقہ ہوتا ہے وہ اس وجہ سے خبیث ہوتا ہے' کبھی اس کی صورت قبیح ہوتی ہے اور کبھی اس کی تاثیرات بہت مضر اور نقصان دہ ہوتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ ایمان والوں کو دنیا میں (بھی) مضبوط کلمہ کے ساتھ ثابت قدم رکھتا ہے اور آخرت میں (بھی) اور اللہ ظالموں کو گمراہ کر دیتا ہے' اور اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہےO (ابراهیم: ۲۷)

کلمۂ طیبہ کے حاملین کے قول کا دنیا اور آخرت میں ثابت ہونا

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا تھا کہ کلمۂ طیبہ کی صفت یہ ہے کہ اس کی اصل ثابت ہوتی ہے اور کلمۂ خبیثہ کی صفت یہ ہوتی ہے کہ اس کی اصل ثابت نہیں ہوتی اور کلمۂ خبیثہ کے حاملین کے لیے ثبات اور قرار نہیں ہوتا' اور کلمۂ

طیبہ کے حاملین کے لیے ثبات اور قرار ہوتا ہے' اب اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ کلمہ طیبہ کے حاملین کا قول دنیا اور آخرت میں ثابت ہوتا ہے' دنیا میں ثبوت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو کلمہ طیبہ اور اس کے تقاضوں پر ثابت قدم رکھتا ہے اور دنیا میں ان کے نیک کاموں پر تعریف و تحسین ہوتی ہے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ ان کو ان کے نیک کاموں پر بہت زیادہ اجر عطا فرماتا ہے اور جس طرح دنیا میں وہ کلمہ طیبہ پر قائم تھے اللہ تعالیٰ ان کو قبر اور حشر میں بھی کلمہ طیبہ پر قائم رکھتا ہے۔

اور فرمایا اللہ تعالیٰ ظالموں کو گمراہی پر قائم رکھتا ہے یعنی جو لوگ کلمہ خبیثہ کے حاملین ہیں اور یہی لوگ کافر اور ظالم ہیں' ان کی دنیا میں بھی مذمت فرماتا ہے اور آخرت میں بھی ان کو ثواب سے محروم رکھتا ہے۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

اس آیت کی یہ تفسیر بھی ہے کہ دنیا میں کلمہ طیبہ پر ثابت قدم رکھنے کا معنی یہ ہے کہ قبر میں جب فرشتے اس سے سوال کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کو فرشتوں کے جواب میں کلمہ طیبہ پر ثابت قدم رکھتا ہے:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابراھیم: ۲۷ کی تفسیر میں فرمایا: اللہ تعالیٰ اس کو قبر میں ثابت قدم رکھتا ہے' جب اس سے پوچھا جاتا ہے تمہارا رب کون ہے؟ تمہارا دین کیا ہے؟ اور تمہارا نبی کون ہے؟

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۲۰' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۶۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۷۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۵۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۶۹' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۲۶۴' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۰۵۶)

قبر میں فرشتوں کے سوال کرنے کے متعلق احادیث

امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بندہ کو اس کی قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھی پیٹھ پھیر کر چلے جاتے ہیں تو وہ لوگوں کی جوتیوں کی آواز سنتا ہے اس کے پاس دو فرشتے آکر اس کو بٹھا دیتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں کہ تم اس شخص (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کیا کہا کرتے تھے؟ وہ کہتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ اللہ کے بندہ اور اس کے رسول ہیں پھر اس سے کہا جاتا ہے دیکھو! اپنے دوزخ کے ٹھکانے کو' اللہ نے اس کو تمہارے لیے جنت کے ٹھکانے سے تبدیل کر دیا ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ اپنے دونوں ٹھکانوں کو دیکھے گا' اور رہا کافر یا منافق تو وہ کہتا ہے میں نہیں جانتا میں وہی کہتا تھا جو لوگ کہتے تھے' اس سے کہا جائے گا تم نے نہ کچھ جانا نہ کہا' پھر اس کے دو کانوں کے درمیان لوہے کے ہتھوڑے سے ضرب لگائی جاتی ہے' جس سے وہ چیخ مارتا ہے اور جن و انس کے علاوہ سب اس کی چیخ کو سنتے ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۳۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۷۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۳۱' ۴۷۵۲' سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۰۵۱' ۲۰۴۹)

امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یثبت اللہ الذین امنوا بالقول الثابت۔ (ابراھیم: ۲۷) عذاب قبر کے متعلق نازل ہوئی ہے اس سے پوچھا جائے گا تیرا رب کون ہے؟ وہ کہے گا

میرا رب اللہ ہے اور میرے نبی (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۷۱)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۳ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں جب میت کو قبر میں رکھ دیا جائے گا تو اس کے پاس سیاہ رنگ کے نیلی آنکھوں والے دو فرشتے آئیں گے، ان میں سے ایک کو منکر اور دوسرے کو نکیر کہا جائے گا، وہ کہیں گے تم اس شخص کے متعلق کیا کہا کرتے تھے؟ پس وہ جو دنیا میں کہا کرتا تھا وہ کہے گا اشھد ان لا الہ الا اللہ وان محمدا عبدہ ورسولہ، وہ کہیں گے کہ ہم جانتے تھے کہ تم یہی کہتے تھے، پھر اس کی قبر کو ستر ضرب ستر وسیع کر دیا جائے گا، پھر اس کی قبر کو منور کر دیا جائے گا، پھر اس سے کہا جائے گا سو جاؤ، وہ کہے گا میں اپنے گھر والوں کو جا کر اس کی خبر دے دوں! فرشتے اس سے کہیں گے تم اس عروس (دلہن) کی طرح سو جاؤ، جس کو وہی بیدار کرتا ہے جو اس کو اپنے اہل میں سب سے زیادہ محبوب ہوتا ہے حتیٰ کہ اللہ اس کو اس کی قبر سے اٹھائے گا، اور اگر وہ منافق ہو گا تو وہ کہے گا، میں نے لوگوں کو جو کہتے ہوئے سنا میں نے وہی کہہ دیا، میں نہیں جانتا۔ فرشتے کہیں گے کہ ہم جانتے تھے کہ تم یہی کہو گے پھر زمین سے کہا جائے گا اس پر تنگ ہو کر ایک دوسرے سے مل جاؤ۔ زمین تنگ ہو کر مل جائے گی اور اس کی پسلیاں ایک دوسری میں گھس جائیں گی، پھر اسی کو عذاب ہوتا رہے گا حتیٰ کہ اللہ اس کو قبر سے اٹھائے گا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۰۷۱، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۱۱۷، الشریعہ للآجری رقم الحدیث: ۳۶۵)

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد متوفی ۳۶۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب کوئی مسلمان بندہ فوت ہو جاتا ہے تو اس کو اس کی قبر میں بٹھایا جاتا ہے اور اس سے کہا جاتا ہے کہ تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ اور تیرا نبی کون ہے؟ پس اللہ اس کو ان کے جوابات میں ثابت قدم رکھتا ہے پس وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے اور میرا دین اسلام ہے اور میرے نبی (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، پھر اس کی قبر میں وسعت کی جاتی ہے اور اس کے لیے اس میں کشادگی کی جاتی ہے پھر حضرت عبد اللہ بن مسعود نے یہ آیت پڑھی: یثبت اللہ الذین امنوا بالقول الثابت فی الحیوۃ الدنیا وفی الاخرۃ ویضل اللہ الظالمین۔ (ابراھیم: ۲۷)

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۹۱۴۵، حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کی سند حسن ہے، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۵۴، بیروت، الشریعہ للآجری رقم الحدیث: ۸۱۱)

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک انصاری کے جنازہ میں گئے ہم قبر تک پہنچے، جب لحد بنائی گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے اور ہم بھی آپ کے گرد بیٹھ گئے گویا کہ ہمارے سروں پر پرندے ہیں۔ آپ کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی جس کے ساتھ آپ زمین کو کرید رہے تھے، آپ نے اپنا سر (اقدس) اٹھا کر دو یا تین بار فرمایا عذاب قبر سے اللہ کی پناہ طلب کرو، اور فرمایا جب لوگ پیٹھ پھیر کر جائیں گے تو یہ ضرور ان کی جوتیوں کی آواز سنے گا، جب اس سے یہ کہا جائے گا: اے شخص! تیرا رب کون ہے؟ اور تیرا دین کیا ہے؟ اور تیرا نبی کون ہے؟ ھناد نے کہا اس کے پاس دو فرشتے آئیں گے اور اس کو بٹھا دیں گے، اور اس سے کہیں گے تیرا رب کون ہے؟ وہ کہے گا میرا رب اللہ ہے، پھر وہ کہیں گے تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہے گا میرا دین اسلام ہے، پھر وہ کہیں گے وہ شخص کون تھا جو تم میں بھیجا

گیا تھا؟ وہ کہے گا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، پھر وہ کہیں گے تم کو کیسے معلوم ہوا؟ وہ کہے گا میں نے کتاب پڑھی، میں اس پر ایمان لایا اور میں نے اس کی تصدیق کی، اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مطابق ہے: یثبت اللہ الذین امنوا بالقول الثابت فی الحیوۃ الدنیا وفی الاخرۃ۔ (ابراہیم: ۲۲) پھر آسمان سے ایک منادی یہ ندا کرے گا کہ میرے بندہ نے سچ کہا اس کے لیے جنت سے فرش بچھا دو اور جنت سے لباس پہنا دو اور اس کے لیے جنت کی طرف دروازہ کھول دو، پھر اس کے پاس جنت کی ہوائیں اور جنت کی خوشبو آئے گی، اور اس کی منتہائے بصر تک اس کی قبر کھول دی جائے گی، پھر آپ نے کافر کی موت کا ذکر کیا اور فرمایا اس کے جسم میں اس کی روح لوٹائی جائے گی اور اس کے پاس دو فرشتے آ کر اس کو بٹھائیں گے اور اس سے کہیں گے تیرا رب کون ہے؟ وہ کہے گا افسوس میں نہیں جانتا، پھر وہ اس سے کہیں گے تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہے گا افسوس میں نہیں جانتا، پھر وہ کہیں گے یہ شخص کون ہے جو تم میں بھیجا گیا تھا؟ وہ کہے گا افسوس میں نہیں جانتا۔ پھر آسمان سے ایک منادی ندا کرے گا اس نے جھوٹ بولا، اس کے لیے دوزخ سے فرش بچھا دو اور اس کو دوزخ کا لباس پہنا دو اور اس کے لیے دوزخ سے ایک دروازہ کھول دو، پھر اس کے پاس دوزخ کی تپش اور دوزخ کی گرم ہوائیں آئیں گی اور اس پر اس کی قبر تنگ کر دی جائے گی حتیٰ کہ اس کی ایک طرف کی پسلیاں دوسری طرف نکل جائیں گی پھر اس پر ایک اندھا اور گونگا مسلط کیا جائے گا، اس کے پاس لوہے کا ایک گرز ہو گا جس کی ضرب اگر پہاڑ پر لگائی جائے تو وہ بھی مٹی کا ڈھیر ہو جائے، پھر وہ گرز اس پر مارے گا جس سے وہ کافر چیخ مارے گا جس کو جن اور انس کے سوا سب سنیں گے اور وہ کافر مٹی ہو جائے گا اور اس میں پھر دوبارہ روح ڈال دی جائے گی۔

امام عبدالرزاق متوفی ۲۱۱ھ، امام احمد متوفی ۲۴۱ھ، امام آجری متوفی ۳۶۰ھ اور امام ابو عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ نے اس حدیث کو بہت زیادہ تفصیل کے ساتھ روایت کیا ہے۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۷۵۳، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۶۷۳۷، مسند احمد ج ۴ ص ۲۸۷، طبع قدیم، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۸۷۳۳، الشریعہ للآجری رقم الحدیث: ۸۱۲، المستدرک ج ۱ ص ۳۷)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب میت کو دفن کر کے فارغ ہوئے تو آپ اس کی قبر پر کھڑے رہے اور فرمایا اس کے لیے ثابت قدم رہنے کی دعا کرو کیونکہ اب اس سے سوال کیا جائے گا۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۲۲۱، المستدرک ج ۱ ص ۳۷۰، شرح السنہ رقم الحدیث: ۱۵۲۳، عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی رقم الحدیث: ۵۸۶)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب میت کو قبر میں داخل کیا جاتا ہے تو اسے ڈوبتے ہوئے سورج کی مثل دکھائی جاتی ہے تو وہ آنکھیں ملتا ہوا بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے مجھے نماز پڑھنے دو۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۷۲، موارد الظمآن رقم الحدیث: ۷۷۹، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۱۱۶)

قبر میں سوالات اس امت کی خصوصیت ہے

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خچر پر سوار ہو کر بنو نجار کے باغ میں جا رہے تھے، ہم بھی آپ کے ساتھ تھے۔ ایک جگہ خچر نے ٹھوکر کھائی، قریب تھا کہ وہ آپ کو گرا دیتا وہاں پر پانچ یا چھ یا چار قبریں تھیں، آپ نے فرمایا ان قبر والوں کو کون پہچانتا ہے؟ ایک شخص نے کہا میں پہچانتا ہوں۔ آپ نے پوچھا یہ لوگ کب مرے تھے؟ اس نے کہا یہ لوگ زمانہ شرک میں مرے تھے۔ آپ نے فرمایا اس امت کو اپنی قبروں میں آزمائش میں مبتلا کیا

جاتا ہے، اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تم مُردوں کو دفن کرنا چھوڑ دو گے تو میں تم کو عذاب قبر سنواتا جس کو میں سن رہا ہوں، پھر آپ نے ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: دوزخ کے عذاب سے اللہ کی پناہ طلب کرو، ہم نے کہا ہم دوزخ کے عذاب سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں، پھر فرمایا عذاب قبر سے اللہ کی پناہ طلب کرو، ہم نے کہا ہم عذاب قبر سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں، پھر فرمایا ظاہری اور باطنی فتنوں سے اللہ کی پناہ طلب کرو، ہم نے کہا ہم ظاہری اور باطنی فتنوں سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں، پھر فرمایا دجال کے فتنہ سے اللہ کی پناہ طلب کرو، ہم نے کہا ہم دجال کے فتنہ سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۶۷، مسند احمد ج ۳ ص ۲۳۳)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

حافظ ابن عبد البر نے کہا اس حدیث میں مذکور ہے کہ اس امت کو آزمائش میں مبتلا کیا جاتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ قبر میں سوال اور جواب اس امت کے ساتھ مخصوص ہے۔

اور امام ابو عبد اللہ ترمذی نے نوادر الاصول میں کہا ہے کہ میت سے سوال کرنا اس امت کا خاصہ ہے کیونکہ ہم سے پہلی امتوں کے پاس جب رسول، اللہ کا پیغام لے کر آتے تھے، اور قوم ان کے پیغام کا انکار کرتی تو رسول ان سے الگ ہو جاتے اور ان پر عذاب بھیج دیا جاتا اور جب اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمت کے ساتھ بھیجا اور فرمایا: وما ارسلنک الا رحمۃ للعلمین۔ (الانبیاء: ۱۰۷) تو ان سے عذاب روک لیا اور آپ کو جہاد کا حکم دیا حتیٰ کہ جہاد کی برکت سے لوگ دین اسلام میں داخل ہو گئے اور اسلام ان کے دلوں میں راسخ ہو گیا، پھر ان کو مہلت دی گئی، یہاں سے نفاق کا ظہور ہوا اور بعض لوگ کفر کو چھپاتے اور ایمان کو ظاہر کرتے اور مسلمانوں کے درمیان ان پر پردہ رہتا، اور جب وہ مر گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے قبر میں امتحان لینے والے بھیجے تاکہ سوال کے ذریعہ ان کا پردہ چاک ہو اور خبیث، طیب سے ممتاز ہو جائے، سو جو دنیا میں اسلام پر ثابت قدم تھا اللہ تعالیٰ اس کو قبر میں بھی ثابت قدم رکھتا ہے اور ظالموں کو گمراہی پر برقرار رکھتا ہے۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں امام ابو عبد اللہ ترمذی کی یہ تقریر اس مفروضہ پر مبنی ہے کہ صرف مومن اور منافق سے قبر میں سوال ہو گا حالانکہ احادیث میں تصریح ہے کہ کافر سے بھی سوال ہو گا۔

(التذکرہ ج ۱ ص ۲۳۰-۲۲۹، مطبوعہ دار البخاری المدینۃ المنورہ، ۱۴۱۷ھ)

جو مسلمان قبر کی آزمائش اور قبر کے عذاب سے محفوظ رہیں گے

پانچ قسم کے شخص قبر میں سوال اور جواب سے محفوظ رہتے ہیں، ان کا ذکر حسب ذیل احادیث میں ہے:

(۱) حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک دن اور ایک رات (مسلمانوں کی) سرحد کی حفاظت کرنا ایک ماہ کے روزوں اور (نمازوں کے) قیام سے افضل ہے اور اگر وہ اسی حال میں فوت ہو گیا تو اس کا وہ عمل جاری رہے گا جس عمل کو وہ کیا کرتا تھا، اس کا رزق جاری رہے گا اور وہ قبر کے فتنوں سے محفوظ رہے گا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۱۳، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۶۵، مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۹۶۱۷، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۳۲۷، مسند احمد ج ۵ ص ۴۴۱، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۶۲۳، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۶۰۷۷، المستدرک ج ۲ ص ۸۰، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۳۸، شرح السنۃ رقم الحدیث: ۲۶۱۷)

(۲) امام نسائی راشد بن سعد سے اور ایک صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! یہ کیا وجہ ہے کہ شہید کے سوا تمام مسلمانوں کا قبر میں امتحان لیا جاتا ہے؟ آپ نے فرمایا اس کے سر پر تلواروں کا چلنا اس کے امتحان

کے لیے کافی ہے۔ (سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۰۵۲، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے نزدیک شہید کی چھ خصلتیں ہیں، اس کی پہلی دفعہ میں مغفرت ہو جاتی ہے، اس کو جنت میں اس کا ٹھکانا دکھایا جاتا ہے، اس کو عذاب قبر سے محفوظ رکھا جاتا ہے، اس کے سر پر وقار کا تاج رکھا جاتا ہے، جس کا ایک یاقوت دنیا اور ما فیہا سے بہتر ہے، اس کا بڑی آنکھوں والی بہتر حوروں سے عقد کیا جاتا ہے، اور اس کے ستر رشتہ داروں کے متعلق اس کی شفاعت قبول کی جاتی ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۶۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۹۹، مسند احمد ج ۴ ص ۱۳۱)

(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک شخص نے ایک قبر پر خیمہ لگا دیا اور اس کو یہ پتا نہیں تھا کہ یہ قبر ہے، پس اچانک وہ کسی انسان کی قبر تھی جو سورۃ الملک پڑھ رہا تھا حتیٰ کہ اس نے اس سورت کو ختم کر لیا، وہ شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا یا رسول اللہ! میں نے ایک قبر پر خیمہ لگا دیا تھا اور میرا یہ گمان نہیں تھا کہ یہ قبر ہے، پس اس میں ایک انسان سورۃ الملک پڑھ رہا تھا حتیٰ کہ اس نے اس سورت کو ختم کر دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ سورت مانعہ ہے اور منجیہ ہے، یہ عذاب قبر سے نجات دیتی ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۹۰، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۲۸۰۱، حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۸۱)

علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ یہ بھی روایت ہے کہ جو شخص ہر رات کو سورۃ الملک پڑھتا ہے وہ قبر کے امتحان سے محفوظ رہتا ہے۔ (التذکرہ ج ۱ ص ۲۳۴، مطبوعہ دار البخاری المدینۃ المنورہ، ۱۴۱۷ھ)

(۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بیماری میں مرا وہ شہادت کی موت مرا اور وہ قبر کے امتحان سے محفوظ رہے گا اور اس کو صبح اور شام جنت سے رزق دیا جائے گا۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۶۱۵، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۶۱۴۵، حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۲۰۱، اس حدیث کی سند ضعیف ہے)

(۵) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مسلمان جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات فوت ہو اس کو اللہ قبر کی آزمائش سے محفوظ رکھتا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۰۷۴، مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۵۵۹۶، مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۹)

یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند منقطع ہے، تاہم ابو عبداللہ ترمذی نے نوادر الاصول میں اس کو سند متصل سے اور امام ابو نعیم نے حضرت جابر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص جمعہ کی رات کو یا جمعہ کے دن فوت ہوا اس کو عذاب قبر سے محفوظ رکھا جائے گا اور جب وہ قیامت کے دن آئے گا تو اس پر شہداء کی مہر لگی ہوئی ہو گی۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۱۵۵) اس کی سند میں عمر بن موسیٰ ضعیف راوی ہے۔

ان مباحث کی زیادہ تفصیل اور تحقیق کے لیے شرح صحیح مسلم ج ۷ ص ۲۸۷ - ۱۲۷ کا مطالعہ فرمائیں۔

نیک اعمال کا آخرت میں کام آنا

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی دمشقی متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

امام عبداللہ حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں اپنی سند کے ساتھ حضرت عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے، ہم اس وقت مسجد مدینہ میں بیٹھے ہوئے تھے،

آپ نے فرمایا میں نے آج رات (خواب میں) ایک عجیب منظر دیکھا' میں نے دیکھا کہ میری امت میں سے ایک شخص کے پاس ملک الموت اس کی روح قبض کرنے کے لیے آیا' اس شخص نے اپنے ماں باپ کے ساتھ جو نیکی کی تھی اس نیکی نے ملک الموت کو واپس بھیج دیا اور میں نے اپنی امت میں سے ایک شخص کو دیکھا اس پر عذاب قبر آیا تو اس کے وضوء نے اس کو اس عذاب سے چھڑا لیا اور میں نے اپنی امت میں سے ایک شخص کو دیکھا اس کو شیاطین پریشان کر رہے تھے تو اس کے پاس اللہ کا ذکر آیا اور اس نے اس کو ان شیاطین سے چھڑا لیا' اور میں نے اپنی امت میں سے ایک شخص کو دیکھا پیاس سے اس کی زبان باہر نکلی ہوئی تھی وہ جب بھی حوض پر آتا تو اس کو حوض سے روک دیا جاتا' تو اس کے پاس اس کے روزے آئے اور انہوں نے اس کو پانی پلا کر سیراب کیا اور میں نے اپنی امت میں سے ایک شخص کو دیکھا اور انبیاء علیہم السلام حلقہ بنا کر بیٹھے ہوئے تھے وہ جب بھی ان کے قریب جاتا وہ اس کو دھتکار دیتے' پھر اس کا غسل جنابت آیا اور اس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کو میرے پاس بٹھا دیا' اور میں نے اپنی امت میں سے ایک شخص کو دیکھا اس کے آگے اور پیچھے اور دائیں اور بائیں اور اوپر اور نیچے ہر طرف اندھیرا تھا اور وہ ان اندھیروں میں حیران تھا کہ اس کا حج اور عمرہ آیا اور اس کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے آیا۔ اور میں نے اپنی امت میں سے ایک شخص کو دیکھا وہ مومنوں سے بات کرتا تھا اور وہ اس سے بات نہیں کرتے تھے' پھر اس کا صلہ رحم (رشتہ داروں سے ملنا جلنا) آیا اور اس نے کہا اے مومنوں کی جماعت اس سے بات کرو' اس سے بات کرو' تو انہوں نے اس سے باتیں کیں۔ اور میں نے اپنی امت میں سے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ اپنے چہرے سے آگ کے شعلوں کو اپنے ہاتھ سے ہٹا رہا ہے' اتنے میں اس کا صدقہ آیا اور وہ ان شعلوں کے آگے حجاب بن گیا' اور اس کے سر پر سایہ بن گیا' اور میں نے اپنی امت میں سے ایک شخص کو دیکھا کہ عذاب کے فرشتوں نے اس کو ہر طرف سے پکڑ رکھا ہے' تو اس کا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا) آیا اور اس کو ان کے ہاتھوں سے چھڑایا اور رحمت کے فرشتوں کے ساتھ داخل کر دیا' اور میں نے اپنی امت میں سے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ گھٹنوں کے بل گرا ہوا ہے اور اس کے اور اللہ کے درمیان حجاب ہے' اتنے میں اس کے اچھے اخلاق آئے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کو اللہ کے پاس پہنچا دیا۔ اور میں نے اپنی امت میں سے ایک شخص کو دیکھا کہ اس کا نامہ اعمال اس کی بائیں جانب سے آ رہا ہے' اتنے میں اس کا خوف خدا آیا اور اس نے اس کے صحیفہ اعمال کو اس کے دائیں ہاتھ میں رکھ دیا۔ اور میں نے اپنی امت میں سے ایک شخص کو دیکھا وہ جہنم کے کنارے پر تھا پھر خوف خدا سے اس کا لرزنا آیا اور اس نے اس کو جہنم سے چھڑا لیا۔ اور میں نے اپنی امت میں سے ایک شخص کو دیکھا کہ اس کو دوزخ میں ڈالنے کے لیے اوندھا کر دیا ہے' پھر اس کے وہ آنسو آئے جو دنیا میں خوف خدا سے اس کی آنکھوں سے نکلے تھے' انہوں نے اس کو دوزخ سے نکال لیا۔ اور میں نے ایک شخص کو دیکھا وہ پل صراط پر کپکپا رہا تھا تو اللہ کے ساتھ اس کا حسن ظن آیا اور اس کی کپکپاہٹ دور کی اور اس کو روانہ کیا۔ اور میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ پل صراط پر گھسٹ گھسٹ کر چل رہا تھا تو اس نے مجھ پر جو درود پڑھا تھا وہ آیا اور اس نے اس کو سیدھا کھڑا کر دیا اور وہ چلنے لگا۔ اور میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ جنت کے دروازے پر پہنچا تو اس پر جنت کے دروازے بند کر دیئے گئے تو اس کا کلمہ شہادت آیا اور اس نے جنت کے دروازے کھولے اور اس کو جنت میں داخل کر دیا۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۵۹۳-۵۹۲' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۳۵۹۲)

علامہ قرطبی نے اس حدیث کو درج کرنے کے بعد لکھا: یہ حدیث بہت عظیم ہے' یہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ بعض نیکیوں سے بعض مخصوص عذاب ساقط ہو جاتے ہیں جبکہ حدیث صحیح میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک شخص سے اس کے تمام

عذاب اس نیکی کی وجہ سے ساقط کر دیئے کہ وہ مقروضوں سے درگزر کرتا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰۷۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵۶۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۴۲۰)(التذکرۃ ج ا ص ۲۶۷-۲۶۶، مطبوعہ دارالبخاری، المدینۃ المنورہ، ۱۴۱۷ھ)

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَتَ اللَّهِ كُفْرًا وَأَحَلُّوا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ﴿٢٨﴾

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمت کو ناسپاسی سے بدل دیا اور اپنی قوم کو تباہی کے گھر میں پہنچا دیا ○

جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا ۖ وَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿٢٩﴾ وَجَعَلُوا لِلَّهِ أَندَادًا لِّيُضِلُّوا

(وہ تباہی کا گھر) جہنم ہے جس میں وہ داخل ہوں گے اور وہ برا ٹھکانا ہے ○ اور انہوں نے اللہ کے لیے شریک قرار دیئے تاکہ

عَن سَبِيلِهِ ۗ قُلْ تَمَتَّعُوا فَإِنَّ مَصِيرَكُمْ إِلَى النَّارِ ﴿٣٠﴾ قُل

(لوگوں کو) اس کے راستے سے گمراہ کریں، آپ کہیے تم (عارضی) نفع اٹھالو، کیونکہ انجام کار تم نے دوزخ کی طرف لوٹنا ہے ○ آپ

لِّعِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا يُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُنفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ

ہمارے ایمان والے بندوں سے کہیے کہ وہ نماز قائم رکھیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے پوشیدہ

سِرًّا وَعَلَانِيَةً مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا

اور ظاہر خرچ کرتے رہیں، اس سے پہلے کہ وہ دن آجائے جس میں نہ خرید و فروخت ہوگی نہ

خِلَالٌ ﴿٣١﴾ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنزَلَ مِنَ

دوستی ○ اللہ (ہی) ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی

السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۖ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ

نازل کیا، پھر اس سے تمہارے رزق کے لیے پھلوں کو پیدا کیا اور تمہارے لیے کشتیوں کو مسخر کیا

لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ ۖ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْأَنْهَارَ ﴿٣٢﴾ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ

تاکہ وہ اس کے حکم سے سمندر میں چلیں اور تمہارے لیے دریاؤں کو مسخر کیا ○ اور تمہارے لیے سورج اور چاند کو مسخر کیا

دَائِبَيْنِ ۖ وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ﴿٣٣﴾ وَآتَاكُم مِّن كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ ۚ

جو مسلسل گردش کر رہے ہیں، اور تمہارے لیے رات اور دن کو مسخر کیا ○ اور تمہاری تمام مانگی ہوئی چیزوں میں سے تم کو

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ﴿۳۴﴾

(بہت کچھ) عنایت کیا، اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرو تو شمار نہ کر سکو گے بے شک انسان بہت ظالم بہت ناسپاس ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمت کو ناسپاسی سے بدل دیا اور اپنی قوم کو تباہی کے گھر میں پہنچا دیا ○ (وہ تباہی کا گھر) جہنم ہے جس میں وہ داخل ہوں گے اور وہ بُرا ٹھکانا ہے ○ اور انہوں نے اللہ کے لیے شریک قرار دیئے تاکہ (لوگوں کو) اس کے راستے سے گمراہ کریں، آپ کہئے کہ تم (عارضی) نفع اٹھالو، کیونکہ انجام کار تم نے دوزخ کی طرف لوٹنا ہے ○ (ابراھیم: ۳۰-۲۸)

اہلِ مکہ پر اللہ کی نعمتیں اور ان کی ناشکری

یہ آیت اہلِ مکہ کے متعلق نازل ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کو متعدد نعمتیں عطا فرمائیں، ان کو رزق کی وسعت عطا فرمائی، اپنے حرم میں ان کو سکونت مہیا کی، ان میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا، ان کی ہدایت کے لیے قرآن مجید نازل فرمایا، ان کے کعبہ کو ساری دنیا کے مسلمانوں کی نمازوں کے لیے قبلہ بنا دیا لیکن انہوں نے ان نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے بجائے ناشکری کی، اور ایمان لانے کی بجائے کفر کیا اور اپنی قوم کو دارالبوار میں پہنچا دیا۔

دارالبوار سے مراد تباہی اور ہلاکت کا گھر ہے، جس چیز میں زیادہ کھوٹ ہو اس کو بوار کہتے ہیں اور کسی چیز میں زیادہ کھوٹ کا پایا جانا اس کے فساد اور ہلاکت کا موجب ہوتا ہے اس لیے بوار کا لفظ ہلاکت کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے اور ہلاک ہونے والے کو بائر کہتے ہیں۔ اس کی جمع بور ہے، جو شخص حیران اور پریشان ہو، کسی کی بات سنے نہ کسی کی طرف متوجہ ہو اس کو حائر بائر کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ ۚ وَكَانُوْا قَوْمًا ۢ بُوْرًا۔ (الفرقان: ۱۸)

لیکن تُو نے ان کو اور ان کے آباء واجداد کو (عارضی) فائدہ پہنچایا، حتیٰ کہ انہوں نے تیری یاد کو فراموش کر دیا، اور وہ ہلاک ہونے والے لوگ ہو گئے ○

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ نے اس آیت کی تفسیر میں اس حدیث کو روایت کیا ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: الذین بدلوا نعمة الله كفرا، اللہ کی قسم! اس سے مراد کفار قریش ہیں، عمرو نے کہا وہ قریش ہیں اور اللہ کی نعمت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، واحلوا قومهم دار البوار، اس سے مراد دوزخ کی آگ ہے جو جنگ بدر کے نتیجہ میں ان کو ملی۔

کفار مکہ کا شرک

اس کے بعد فرمایا: اور انہوں نے اللہ کے لیے شریک قرار دیئے، یعنی انہوں نے اپنے اعتقاد اور اپنے قول میں اللہ کے شریک بنا لیے کیونکہ واقع میں اللہ کا کوئی شریک نہیں ہے، بلکہ اس کا شریک محال ہے اور شریک قرار دینے سے مراد یہ ہے کہ گزشتہ زمانہ میں جو نیک لوگ گزرے تھے انہوں نے ان کی صورتوں کے بُت تراش لیے، یہ ان پر چڑھاوے چڑھاتے تھے اور اپنی مہمات اور مشکلات میں ان کو مدد کے لیے پکارتے تھے، ان کی منتیں مانتے تھے اور ان کی تعظیم بجا لاتے تھے، یہی ان کی عبادت تھی۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں میں سے کچھ اللہ کے لیے رکھتے اور کچھ بتوں کے لیے اور کہتے کہ یہ اللہ کے لیے ہے اور یہ ہمارے شرکاء کے لیے ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کی عبادت میں بتوں کو بھی

شریک کرلیا تھا، تیسرا قول یہ ہے کہ جب یہ حج کے لیے تلبیہ کرتے تو کہتے تھے:

لبیک لا شریک لک الا شریک ھو لک تملکہ وما ملک۔ — لبیک تیرا کوئی شریک نہیں ہے مگر وہ جس کا تو مالک ہے اور اس کی ملکیت کا بھی تو مالک ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کی ناشکری کی اور وجہ بیان کی کہ یہ خود بھی شرک کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں، اور اللہ کی ناشکری کر کے اللہ کا کوئی نقصان نہیں کرتے خود ہی جہنم خریدتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ ہمارے ایمان والے بندوں سے کہیے کہ وہ نماز قائم رکھیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتے رہیں، اس سے پہلے کہ وہ دن آجائے جس میں نہ خرید و فروخت ہوگی نہ دوستی○ (ابراھیم: ۳۱)

اولیاء اللہ سے محبت کا آخرت میں کام آنا

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بطور تہدید کفار سے فرمایا تھا کہ تم دنیا کا (عارضی) نفع اٹھا لو پھر انجام کار تم نے دوزخ کی طرف لوٹنا ہے، اور اس آیت میں مومنوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ دنیا کے عارضی نفع سے صرف نظر کریں اور اپنے نفس اور مال کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کریں، نفس کے ساتھ جہاد سے مراد ہے بدن کو مشقت میں ڈال کر اللہ کی عبادت کریں، سو اس کے لیے فرمایا: آپ ہمارے ایمان والے بندوں سے کہیے کہ وہ نماز قائم رکھیں، اور مال سے جہاد سے مراد ہے مالی عبادات کرنا، اس کے لیے فرمایا: اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتے رہیں۔

انسان ایمان لانے کے بعد اپنی ذات اور اپنے مال پر تصرف کرنے پر قادر ہوتا ہے، اپنی ذات پر تصرف کرنے کے لیے اسے چاہیے کہ اپنے مولیٰ اور مالک کی خدمت میں حاضر رہنے کے لیے نماز پڑھے اور اپنے پروردگار کے حکم کے مطابق اپنے مال کو خرچ کرے، اور ایمان لانے کے بعد یہی دو اہم عبادات ہیں۔ نماز اور زکوٰۃ کی تفصیل ہم البقرہ: ۳ میں بیان کرچکے ہیں اور وہاں ہم نے یہ بھی بیان کردیا ہے کہ مال حرام کو بھی رزق شامل ہے اور معتزلہ کا اس میں اختلاف ہے۔

اس آیت میں یہ بھی فرمایا ہے کہ اللہ کی راہ میں پوشیدہ اور ظاہر خرچ کریں۔ اس کا ایک معنی یہ ہے کہ نفلی صدقات کو پوشیدہ اور ظاہر دونوں طرح دینا جائز ہے اور اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ جو صدقات فرض ہیں ان کو ظاہر طور پر دیں اور جو صدقات نفل ہیں ان کو پوشیدہ طور پر دیں۔ نیز فرمایا تم اپنے اموال کو دنیا میں خرچ کرو تاکہ اس کا ثواب تم کو اس دن مل جائے جس دن میں کوئی بیع شراء ہوگی نہ کوئی دوستی کام آئے گی، بیع شراء اور خرید و فروخت سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے آپ کو عذاب سے چھڑانے کے لیے کوئی مال نہیں دے سکے گا اور نہ یہ کرسکے گا کہ اپنے آپ کو عذاب سے بچانے کے لیے کسی اور کو عذاب کے لیے پیش کردے۔

اس آیت میں دوستی کی نفی فرمائی ہے کہ قیامت کے دن کسی کی دوستی کسی کے کام نہیں آئے گی اور بعض آیات سے پتا چلتا ہے کہ اس دن متقین کی دوستی کام آئے گی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَئِذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ ۔ (الزخرف: ۶۷) — گہرے دوست اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے متقین کے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کی دنیا میں دوستی طبیعت کے میلان اور نفس کی رغبت کی وجہ سے ہوگی وہ قیامت کے دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے اور جن لوگوں کی دوستی محض اللہ کے لیے اور دین کی وجہ سے ہوگی وہ دوستی اس

دن کام آئے گی، جیسے مسلمان اولیاء اللہ سے اور علماء دین سے محبت رکھتے ہیں۔ یہ دوستی محض دین کی وجہ سے اور اللہ کے لیے ہوتی ہے، جیسے حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی اور حضرت علی ہجویری رحمہما اللہ سے مسلمان محبت رکھتے ہیں اور امام ابوحنیفہ اور امام بخاری رحمہما اللہ سے محبت رکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ (ہی) ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی نازل کیا، پھر اس سے تمہارے رزق کے لیے پھلوں کو پیدا کیا اور تمہارے لیے کشتیوں کو مسخر کیا تاکہ وہ اس کے حکم سے سمندر میں چلیں اور تمہارے لیے دریاؤں کو مسخر کیا○ اور تمہارے لیے سورج اور چاند کو مسخر کیا جو مسلسل گردش کر رہے ہیں، اور تمہارے لیے رات اور دن کو مسخر کیا○ اور تمہاری تمام مانگی ہوئی چیزوں میں سے تم کو (بہت کچھ) عنایت کیا اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرو تو شمار نہ کر سکو گے، بے شک انسان بہت ظالم بہت ناسپاس ہے○ (ابراھیم: ۳۴-۳۲)

مشکل الفاظ کے معانی

السموات: یہ سماء کی جمع ہے، ہمیں آسمان کی حقیقت معلوم نہیں ہے، ہر وہ چیز جو دوسری چیز کی بہ نسبت بلند ہو اور جو کسی چیز کے لیے بمنزلہ سائبان ہو اس کو اہلِ عرب سماء کہتے ہیں۔ بارش کو بھی سماء کہتے ہیں کیونکہ وہ بلندی سے نازل ہوتی ہے، آسمان کی یہ تعریف کی گئی ہے کہ وہ ایک جسم کروی ہے جو تمام روئے زمین کو محیط ہے، یہ نیلگوں سطح جو ہمیں نظر آتی ہے اس کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ ہوا کثیف کا ایک طبقہ ہے، اللہ تعالیٰ آسمانوں کو پیدا کرنے والا ہے اور وہی جانتا ہے کہ آسمانوں کی کیا حقیقت ہے۔

رزقالکم: ہر وہ چیز جس سے اللہ تعالیٰ کی مخلوق نفع حاصل کرے وہ رزق ہے، خواہ وہ کھانے پینے کی چیز ہو یا پہننے کی۔

سخر: تسخیر کا معنی ہے کسی چیز کی مخصوص غرض کو اس چیز کے اختیار کے بغیر جبراً پورا کرنا، جو چیز تابع کر دی گئی ہو وہ مسخر ہے، مخلوق کے لیے کسی چیز کے مسخر کرنے کا معنی یہ ہے کہ اس چیز سے فوائد کے حصول کو مخلوق کے لیے آسان کر دیا گیا۔

الفلک: اس کا معنی ہے کشتی یا جہاز، واحد اور جمع دونوں کے لیے الفلک استعمال ہوتا ہے۔

وسخرلکم الانہار: تمہارے لیے دریاؤں میں تصرف کرنے کو اور دریاؤں سے فوائد کے حصول کو آسان بنا دیا ہے، اور دریاؤں کو تمہارے تصرف کے لیے تیار کر دیا ہے۔

دائبین: دأب کا معنی ہے کسی چیز کا ہمیشہ ایک حالت پر رہنا یا ایک حالت پر جاری رہنا، یہاں مراد یہ ہے کہ سورج اور چاند ہمیشہ ایک حالت پر حرکت کرتے رہتے ہیں یا ہمیشہ گردش کرتے رہتے ہیں۔

وسخرلکم اللیل والنہار: یعنی تمہارے منافع اور فوائد کے حصول کے لیے رات اور دن کے باری باری آنے کو جاری کر دیا، رات کو تمہاری نیند اور آرام کے لیے بنایا اور دن کو تمہارے کام کاج اور تلاش روزگار کے لیے اور سامان زیست کو فراہم کرنے کے لیے۔

واتاکم من کل ما سالتموہ: اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ انسان کا ہر سوال تو اللہ تعالیٰ نے اس کو عطا نہیں کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ انسان کی ہر ضرورت اور مصلحت کو اللہ تعالیٰ نے پورا کر دیا خواہ اس نے سوال کیا ہو یا نہ، نیز اس کا معنی ہے تم نے زبانِ حال سے جو بھی سوال کیا وہ تمہیں عطا کر دیا، یعنی زندگی گزارنے کے لیے تمہاری ضرورت کی جتنی چیزیں تھیں وہ سب تم کو فراہم کر دیں، تمہیں دن میں روشنی چاہیے تھی وہ تم کو مہیا کی، تمہاری فصلوں کو بارش کی ضرورت تھی سو آسمان سے بارش نازل کی، تمہیں آلات اور مشینیں بنانے کے لیے لوہے، پیتل اور

تانبے وغیرہ کی ضرورت تھی تو زمین میں معدنیات رکھے، تمہیں ایندھن کی ضرورت تھی تو جنگلات میں درخت اگائے، زمین میں پتھر کا کوئلہ رکھا، قدرتی گیس اور تیل رکھا، روئی کو پیدا کیا تاکہ تم اس سے اپنا لباس بنا سکو، تمہاری غذائی ضروریات کے لیے اناج اور پھلوں کو پیدا کیا اور تمہارے علاج کے لیے جڑی بوٹیوں کو پیدا کیا۔

اس آیت کا یہ معنی بھی ہے کہ تم نے زبان قال سے جو مانگا وہ بھی تم کو عطا کیا اور زبان حال سے جو مانگا وہ بھی تم کو عطا کیا اور اس آیت کا یہ معنی بھی ہے کہ تم نے جو سوال کیا وہ بھی تم کو عطا کیا اور جن چیزوں کا تم نے سوال نہیں کیا لیکن وہ چیزیں تمہاری ضروریات اور تمہاری مصلحتوں سے متعلق تھیں وہ بھی تم کو عطا کر دیں، باقی رہا یہ کہ بعض دعائیں قبول نہیں ہوتیں تو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ انسان حضور قلب سے دعا نہیں کرتا یا اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ معصیت کی دعا کرتا ہے یا اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ جس چیز کی وہ دعا کر رہا ہے وہ انجام کار اس کے لیے مضر ہے، یا وہ جلدی کر رہا ہے یا اس دعا کے بدلے میں اللہ تعالیٰ اس کو کوئی بہتر چیز عطا فرمائے گا، یا اس سے کوئی مصیبت ٹال دے گا یا اگر وہ صبر کرے گا تو اس کو آخرت میں اجر عطا فرمائے گا۔

ان الانسان لظلوم کفار: یعنی کافر کفر کر کے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے اپنے نفس پر بہت ظلم کرتا ہے اور اللہ کی نعمتوں کا انکار کرتا ہے اور ناشکری کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی غیر متناہی نعمتیں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرو تو شمار نہ کر سکو گے۔

انسان پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا لامحدود اور لامتناہی سلسلہ ہے، دیکھیے جب ہم ایک لقمہ اٹھا کر اپنے منہ میں رکھتے ہیں تو اس لقمہ کو بنانے سے پہلے اور اس لقمہ کو بنانے کے بعد نعمتوں کا ایک طویل سلسلہ ہے، لقمہ بنانے سے پہلے کی نعمتوں کی تفصیل یہ ہے کہ یہ لقمہ ہم روٹی اور سالن سے بناتے ہیں، روٹی گندم کے آٹے سے بنتی ہے اور سالن سبزی اور گوشت سے تیار ہوتا ہے اور گوشت جن جانوروں کا ہوتا ہے وہ بھی گھاس اور پتے وغیرہ کھا کر نشو و نما پاتے ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ روٹی اور سالن کا حصول زمین کی زرعی پیداوار پر موقوف ہے، اور زمین کی پیداوار زمین اور آسمان پر موقوف ہے، کیونکہ اناج اور سبزیوں کی تیاری کے لیے سورج کی حرارت کی ضرورت ہے اس میں ذائقہ کے لیے چاند کی کرنوں کی ضرورت ہے، ہواؤں کی ضرورت ہے، بادلوں اور بارش کی ضرورت ہے، دریاؤں اور سمندروں کی ضرورت ہے، کیونکہ سمندروں سے بخارات اٹھتے ہیں تو بادل بنتے ہیں، بادل بنتے ہیں تو بارش ہوتی ہے۔ زمین، آسمان، سورج، چاند، ستارے، بادل، سمندر، دریا، بارشیں اور ہوائیں، اناج اور سبزیوں کی روئیدگی اس ایک لقمہ میں یہ سب چیزیں اپنا اپنا رول ادا کر رہی ہیں، ان میں سے ایک چیز بھی نہ ہو تو فصلوں سے زرعی پیداوار حاصل نہیں ہو سکتی، پھر گندم کو پیسنے کے لیے اور سالن پکانے کے لیے لوہے کی مشینوں، تانبے کے برتنوں اور ایندھن کی ضرورت ہے تو اللہ تعالیٰ نے زمین میں تانبے، پیتل اور لوہے کے معدنیات رکھے، اور ایندھن کے حصول کے لیے زمین میں کوئلہ رکھا، قدرتی گیس اور تیل پیدا کیا، جنگلات میں درخت اگائے۔ غور کیجیے اگر ان میں سے کوئی ایک چیز بھی نہ ہو تو ہم ایک لقمہ بنا نہیں سکتے، یہ تو وہ نعمتیں ہیں جن کا تعلق لقمہ کو منہ میں رکھنے سے پہلے ہے، پھر جب لقمہ کو منہ میں رکھا تو اس لقمہ سے لذت اندوزی کے لیے زبان میں ذائقہ کی حس پیدا کی، زبان میں ایک لعاب پیدا کیا جو لقمہ کو ہضم کرنے میں معاون ہوتا ہے، دانت بنائے جن سے ہم لقمہ کو چباتے ہیں، پھر اس لقمہ کو حلق سے اتارنے کے بعد ہمارا اختیاری عمل ختم ہو جاتا ہے۔ اب اس لقمہ کو ہضم کرنے کے لیے ہمارے جو اعضاء کام کرتے ہیں معدہ اس لقمہ کو پیستا

ہے، جگراس سے خون بناتا ہے، اس کا فضلہ انتڑیوں اور مثانہ میں چلا جاتا ہے، ہمارے تمام جسم اور جسمانی اعضاء کی نشوونما اسی لقمہ سے ہوتی ہے۔ آنکھ، ناک، کان، ہاتھ اور پیر سب کو اسی سے غذا حاصل ہوتی ہے، ہمیں کچھ پتا نہیں ہوتا اور ہمارے یہ سارے اعضاء پروان چڑھتے رہتے ہیں، اسی سے چربی بنتی ہے، اسی سے گوشت بنتا ہے، اسی سے ہڈیاں بنتی ہیں، اسی سے خون بنتا ہے۔ سبحان ہے وہ ذات جس نے ایک لقمہ سے رنگا رنگ چیزیں بنادیں، ہم لقمہ کھا کر اٹھ جاتے ہیں اور نہیں سوچتے کہ اس ایک لقمہ کے دامن سے غیر متناہی نعمتیں لپٹی ہوئی ہیں۔ ہم اس کی نعمتوں کو گن سکتے ہیں نہ ان کا شکر ادا کر سکتے ہیں۔ لقمہ تو بڑی چیز ہے ہم تو ایک سانس لینے کا بھی شکر ادا نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے فضا میں ہواؤں کے سمندر رواں دواں کیے ہوئے ہیں، اگر وہ یہ ہوا پیدا نہ کرتا تو ہم کیسے سانس لے سکتے تھے، سانس لینے کے لیے منہ، ناک اور پھیپھڑے بنائے، یہ سب اعضاء نہ ہوتے تو ہم کیسے سانس لیتے، ہم مکان بنا کر ان میں رہتے ہیں۔ گرمی، سردی اور بارش سے محفوظ رہتے ہیں، مکان بنانے کے لیے جس سامان اور جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے وہ کس نے پیدا کی ہیں اور اس میں کتنی چیزوں کا رول ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ درختوں کو نہ پیدا کرتا، لوہے کو نہ پیدا کرتا، بجری، چونے اور پتھروں کو نہ پیدا کرتا، وہ ذرائع پیدا نہ کرتا جن سے بجلی حاصل ہوتی ہے اور مشینیں بنتی ہیں تو مکان کیسے بنتا۔ یہی حال لباس کا ہے، کتنی چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا جن کے نتیجہ میں لباس حاصل ہوتا ہے۔ ہمیں جو چھت کا سایہ میسر ہے، ہم نے جو لباس پہنا ہوا ہے اور ہم جو کھانا کھاتے ہیں ان سب کے ساتھ غیر متناہی نعمتیں وابستہ ہیں۔ اگر ہم کسی ایک چیز کی نعمتوں کو گننا چاہیں تو نہیں گن سکتے، ان کا شکر ادا کرنا تو بہت دُور کی بات ہے!

بندوں کی جفا کے صلہ میں اللہ تعالیٰ کی وفا

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرو تو شمار نہ کر سکو گے، بے شک انسان بہت ظالم بہت ناسپاس ہے۔ اور سورہ النحل میں فرمایا ہے:

وَاِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ لَا تُحۡصُوۡهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ○ (النحل: ۱۸)

اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرو تو شمار نہ کر سکو گے، بے شک اللہ ضرور بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں سورہ ابراھیم میں اس سے پہلے کفار کی بداعمالیوں کا ذکر ہو رہا ہے، کہ کافر اللہ تعالیٰ کی ناشکری کرتا ہے اور شرک کرتا ہے۔ اس کے مناسب یہ تھا کہ یہاں فرمایا انسان بہت ظالم ہے اور سب سے بڑا ظلم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا ہے، اس لیے یہاں نعمتوں کے بعد ظلم کا ذکر فرمایا جس سے مراد شرک ہے۔ اور سورہ نحل کی اس آیت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو کیا کیا فضیلتیں عطا فرمائی ہیں، سو ان ہی فضیلتوں میں سے ایک یہ فضیلت ہے کہ اللہ تعالیٰ مغفرت اور رحمت سے متصف ہے تاکہ انسان مغفرت اور رحمت کے حصول کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ بتایا کہ جب میں نے تجھے بے شمار نعمتیں عطا کیں تو اس کے نتیجہ میں تجھ سے دو صفتیں ظاہر ہوئیں اور میری بھی دو صفتوں کا ظہور ہوا، تیری جو دو صفتیں ظاہر ہوئیں وہ یہ ہیں کہ تُو نے میری نعمتیں حاصل کر کے میری نافرمانی کر کے اپنی جان پر ظلم کیا اور ان نعمتوں کا کفران کیا یعنی ان کی ناشکری کی اس لیے سورہ ابراھیم میں انسان کی ان دو صفتوں کا ذکر فرمایا، اور ان غیر متناہی نعمتوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی جن دو صفتوں کا ظہور ہوا وہ یہ ہیں کہ وہ بہت بخشنے والا اور بے حد رحم فرمانے والا ہے اور سورہ النحل میں اپنی ان دو صفتوں کا ذکر فرمایا اور اس سے مقصود یہ ہے کہ گویا اللہ

تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے انسان! میں نے تجھے لاتعداد نعمتیں عطا فرمائیں، تو پھر بھی ظلم کرتا ہے اور نافرمانی کرتا ہے اور میں معاف کردیتا ہوں اور بخش دیتا ہوں، اور تو ان نعمتوں کی ناشکری کرتا ہے اور میں تجھ پر رحم کرتا ہوں، تو اپنے عجز اور کوتاہیوں کو دیکھ، میں تیری کوتاہیوں کے مقابلہ میں فیاضی سے کام لیتا ہوں اور تیری جفا کا صلہ وفا سے دیتا ہوں۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرٰهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ

اور جب ابراہیم نے دعا کی کہ اے میرے رب! اس شہر (مکہ) کو امن والا بنا دے، اور مجھے اور میرے بیٹوں کو بتوں

نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ﴿۳۵﴾ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ

کی پرستش کرنے سے محفوظ رکھ ○ اے میرے رب! بے شک ان بتوں نے بہت لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے سو جس نے

تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۶﴾ رَبَّنَآ اِنِّيْٓ

میری پیروی کی وہ بے شک میرا ہے، اور جس نے میری نافرمانی کی تو بے شک تو بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ○ اے ہمارے

اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ

رب! میں نے اپنی بعض اولاد کو بے آب و گیاہ وادی میں ٹھہرا دیا ہے تیرے حرمت والے گھر کے نزدیک،

رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَ

اے ہمارے رب! تاکہ وہ نماز کو قائم رکھیں تو کچھ لوگوں کے دلوں کو ایسا کر دے کہ وہ ان کی طرف مائل رہیں اور

ارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۷﴾ رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا

ان کو پھلوں سے روزی دے تاکہ وہ شکر ادا کریں ○ اے ہمارے رب! بے شک تو ان باتوں کو جانتا ہے جن کو ہم

نُعْلِنُ ۗ وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ﴿۳۸﴾

چھپاتے ہیں اور جن کو ہم ظاہر کرتے ہیں، اور اللہ سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے نہ زمین میں اور نہ آسمان میں ○

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ ۗ اِنَّ رَبِّيْ

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے بڑھاپے کے باوجود اسماعیل اور اسحاق عطا فرمائے، بے شک میرا رب

لَسَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۹﴾ رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ۖ رَبَّنَا وَ

ضرور دعا سننے والا ہے ○ اے میرے رب! مجھے (ہمیشہ) نماز قائم کرنے والا رکھ اور میری بعض اولاد کو بھی، اے ہمارے رب

تَقَبَّلْ دُعَآءِ ﴿۴۰﴾ رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ﴿۴۱﴾

اور میری دعا قبول فرما ○ اے ہمارے رب! میری مغفرت فرما اور میرے والدین کی اور سب مومنوں کی جس دن حساب ہوگا ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ابراھیم نے دعا کی کہ اے میرے رب! اس شہر (مکہ) کو امن والا بنادے، اور مجھے اور میرے بیٹوں کو بُتوں کی پرستش کرنے سے محفوظ رکھ ○ اے میرے رب! بے شک ان بُتوں نے بہت لوگوں کو گم راہ کر دیا ہے سو جس نے میری پیروی کی وہ بے شک میرا ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو بے شک تُو بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ○ (ابراھیم: ۳۶-۳۵)

مکّہ کو امن والا بنانے کی دعا پر اعتراض کے جوابات

آیاتِ سابقہ میں دلائل سے یہ واضح کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اس تمام کائنات کو پیدا کرنے والا ہے اور وہی تمام مخلوقات کا پروردگار ہے، اس لیے صرف وہی عبادت کا مستحق ہے، تو اس آیت میں اس کے مناسب یہ ذکر فرمایا: کہ حضرت ابراھیم علیہ السلام نے بُتوں کی پرستش کا انکار فرمایا، انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دو چیزوں کی دعا کی: ایک یہ کہ اس شہر مکّہ کو امن والا بنادے اور دوسری یہ کہ مجھے اور میرے بیٹوں کو بُت پرستی سے محفوظ رکھ۔

اس مقام پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ حضرت ابراھیم علیہ السلام نے دعا کی تھی کہ اے میرے رب! اس شہر کو امن والا بنادے! لیکن ان کی یہ دعا تو قبول نہیں ہوئی کیونکہ عبدالملک کے دورِ خلافت ۷۲ھ میں حجاج بن یوسف نے کعبہ پر منجنیق سے پتھر برسائے اور کعبہ کے پردے جلائے گئے اس کا جواب یہ ہے کہ حجاج بن یوسف کا مقصد کعبہ کو نقصان پہنچانا نہیں تھا بلکہ حضرت ابن الزبیر کو شکست دینا تھا کعبہ کو بالتبع نقصان پہنچا اور قرامطہ نے ۳۱۷ھ میں مکّہ میں لُوٹ مار کی، کعبہ پر حملہ کیا، سینکڑوں حجاج کو قتل کیا اور حجراسود کو اٹھا کر لے گئے تھے جس کو بائیس سال بعد واپس کیا۔ امام رازی نے اس سوال کے حسبِ ذیل جوابات دیئے ہیں:

(۱) حضرت ابراھیم علیہ السلام نے کعبہ کی تعمیر سے فارغ ہونے کے بعد یہ دعا کی تھی اور ان کا مقصد یہ تھا کہ اس شہر کو ویران ہونے سے محفوظ رکھ۔

(۲) اس شہر والوں کو محفوظ رکھ۔

(۳) مکّہ امن والا شہر ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ جو خوف زدہ شخص مکّہ میں داخل ہوتا ہے وہ مامون ہو جاتا ہے، اور لوگ ایک دوسرے سے شدید مخالفت اور دشمنی کے باوجود جب مکّہ میں ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں تو وہ ایک دوسرے کے شر سے مامون ہو جاتے ہیں، اسی طرح جنگلی جانور جب مکّہ میں داخل ہوتے ہیں تو انسانوں سے نہیں بھاگتے اور مکّہ کی حدود سے باہر وہ انسانوں سے بھاگتے ہیں۔

(۴) حضرت ابراھیم علیہ السلام نے جو دعا کی تھی کہ مکّہ کو امن والا بنادے، اس سے مقصود یہ تھا کہ تُو مکّہ میں امن قائم کرنے کا حکم دے دے اور مکّہ کو حرم بنادے اور حدودِ مکّہ میں قتل اور خوں ریزی کو خصوصیت کے ساتھ منع فرمادے، لہٰذا مکّہ کو اللہ تعالیٰ نے حرم بنادیا حتیٰ کہ زمانہ جاہلیت میں کفار بھی مکّہ مکرمہ میں باہم قتل اور خون ریزی سے باز رہتے تھے۔ یہ ایک تشریعی حکم ہے اور اگر کسی نے اس حکم کی مخالفت کی تو وہ بہرحال آخرت میں عذاب کا مستحق ہوگا، اور یہ تکوینی حکم نہیں ہے کہ ضرور مکّہ میں ہمیشہ امن رہے گا۔

اولاد ابراھیم کو بُت پرستی سے مامون رکھنے کی دعا پر اعتراض کے جوابات

حضرت ابراھیم علیہ السلام نے جو دوسری دعا کی تھی کہ مجھے اور میرے بیٹوں کو بُتوں کی پرستش کرنے سے محفوظ رکھ' اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں' وہ پیدائشی مومن ہوتے ہیں اور تاحیات ایمان پر قائم رہتے ہیں' پھر حضرت ابراھیم علیہ السلام نے یہ دعا کیوں کی کہ مجھے بُت پرستی سے محفوظ رکھ۔ اس کا یہ جواب ہے کہ مجھے بُت پرستی سے اجتناب پر قائم رکھ اور اس پر دوام عطا فرما' اور دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت ابراھیم علیہ السلام نے تواضع اور انکسار کے طور پر یہ دعا کی اور اللہ کی طرف اپنی احتیاج کو ظاہر کیا اور یہ کہ انہیں ہر حال میں اور ہر وقت اس کے فضل اور کرم کی ضرورت ہے۔

اس جگہ پر تیسرا اعتراض یہ ہے کہ حضرت ابراھیم علیہ السلام نے دعا کی تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کے بیٹوں کو بھی بُت پرستی سے محفوظ رکھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول نہیں کی کیونکہ کفار قریش حضرت ابراھیم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے حالانکہ وہ بُتوں کی پرستش کرتے تھے' اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابراھیم علیہ السلام کی مراد یہ تھی کہ ان کی صلب سے جو بیٹے پیدا ہوں ان کو اللہ تعالیٰ بُتوں کی پرستش سے محفوظ رکھے' اور اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ ان کی یہ دعا ان کی اولاد میں سے مومنین کے ساتھ مخصوص تھی کیونکہ اس کے بعد انہوں نے فرمایا فمن تبعنی فانہ منی سو جو میری پیروی کرے گا وہ میرا ہے' اور اس کی نظیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام سے فرمایا تھا: آپ کا بیٹا آپ کے اہل سے نہیں ہے کیونکہ اس کے عمل نیک نہیں ہیں۔ (ھود: ۴۶) اور اس کا تیسرا جواب یہ ہے کہ ہرچند کہ حضرت ابراھیم علیہ السلام کی دعا عام تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا ان کی بعض اولاد کے حق میں قبول فرمائی اور اس میں انبیاء علیہم السلام کی شان میں کوئی کمی نہیں ہے اور نہ ان کی دعا کی قبولیت میں کوئی نقص ہے اور اس کی نظیر یہ آیت ہے:

قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ ۝ (البقرہ: ۱۲۴)

اللہ نے فرمایا بے شک میں آپ کو لوگوں کا امام بنانے والا ہوں (ابراھیم نے) کہا اور میری اولاد سے بھی! فرمایا ظالموں کو میرا عہد نہیں پہنچتا۔

حضرت ابراھیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کے لیے امامت کے حصول کی دعا کی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ دعا ان کی بعض اولاد کے حق میں قبول فرمائی اور یہ ان کی شان میں کمی کا موجب نہ تھی اور نہ ان کی دعا کی قبولیت کے منافی تھی' اسی طرح یہ آیت ہے۔

مرتکبین کبائر کی شفاعت پر دلیل

حضرت ابراھیم علیہ السلام نے دعا کی سو جس نے میری پیروی کی وہ بے شک میرا ہے' اور جس نے میری نافرمانی کی تو بے شک تُو بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۝

اس آیت میں حضرت ابراھیم علیہ السلام نے ان مسلمانوں کی شفاعت کی جنہوں نے کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کیا اور وہ بغیر توبہ کے مرگئے' اس سے مراد مسلمان ہیں۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ اس سے پہلی آیت میں انہوں نے کافروں سے برأت کا یہ کہہ کر اظہار کر دیا تھا کہ مجھے اور میرے بیٹوں کو بُت پرستی سے محفوظ رکھنا' نیز اس آیت کے پہلے جملہ میں انہوں نے کہا جس نے میری پیروی کی وہ میرا ہے اور جس نے ان کے دین کی پیروی نہیں کی اور کفر پر مصر رہا وہ ان کا نہیں ہے اور وہ اس کی اصلاح کے درپے نہیں ہیں۔ اور ہم نے یہ کہا کہ اس سے کبیرہ گناہوں کے مرتکبین مراد ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ صغیرہ گناہ تو

نیکیوں سے ویسے ہی معاف ہو جاتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ۔ (ھود: ۱۱۴)
بے شک نیکیاں بُرائیوں کو دُور کر دیتی ہیں۔

نیز گناہ کبیرہ سے اجتناب کرنے کی وجہ سے بھی صغیرہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآىِٕرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ۔ (النساء: ۳۱)
اگر تم کبیرہ گناہوں سے بچتے رہو جن سے تم کو منع کیا گیا ہے تو ہم تمہارے (صغیرہ) گناہوں کو معاف کر دیں گے۔

پس صغیرہ گناہ تو نیکیوں سے اور کبائر سے اجتناب سے ویسے ہی معاف ہو جاتے ہیں ان کے لیے شفاعت کی ضرورت نہیں ہے، شفاعت کی ضرورت تو کبیرہ گناہوں کے لیے ہے اور ہم نے یہ کہا ہے کہ یہ شفاعت ان کبیرہ گناہوں کے لیے ہے جن پر توبہ کیے بغیر بندہ مرگیا ہو، کیونکہ جن کبیرہ گناہوں پر بندہ توبہ کر لے اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرما دیتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَهُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَیَعْفُوْا عَنِ السَّیِّاٰتِ۔ (الشوریٰ: ۲۵)
اور وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور (جس کے چاہے) گناہ معاف فرما دیتا ہے۔

فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ یَتُوْبُ عَلَیْهِ۔ (المائدہ: ۳۹)
جس نے ظلم کرنے کے بعد توبہ کر لی اور اصلاح کی، تو بے شک اللہ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔

وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ یَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا۔ (الفرقان: ۷۱)
اور جو توبہ کرتا ہے اور نیک عمل کرتا ہے تو بے شک وہ اللہ کی طرف برحق توبہ کرتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص کی مثل ہے جس کا کوئی گناہ نہ ہو۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۵۰، حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۲۱۰، اس حدیث کی سند پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس کی سند منقطع ہے کیونکہ ابوعبیدہ کا اپنے والد حضرت عبداللہ بن مسعود سے سماع نہیں ہے، لیکن علامہ عینی نے لکھا ہے کہ ہمارے نزدیک یہ سماع ثابت ہے۔ عمدۃ القاری ج ۲ ص ۳۰۳)

خلاصہ یہ ہے کہ صغیرہ گناہ تو کبائر سے اجتناب کرنے یا نیک عمل کرنے سے ویسے ہی معاف ہو جاتے ہیں اور جن کبیرہ گناہوں پر توبہ کر لی ہو ان کو بھی اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتا ہے لہٰذا حضرت ابراھیم علیہ السلام کی شفاعت مسلمانوں کے ان کبیرہ گناہوں کے لیے ہے جن پر انہوں نے توبہ نہ کی ہو۔

اور جب حضرت ابراھیم علیہ السلام کے لیے ان کبیرہ گناہوں کی شفاعت ثابت ہو گئی تو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی ان گناہوں کی شفاعت ثابت ہو گی۔ اول اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام کی شفاعت میں فرق کا کوئی قائل نہیں ہے، ثانیاً اس لیے کہ منصب شفاعت بہت عظیم منصب ہے، جب یہ منصب حضرت ابراھیم علیہ السلام کے لیے ثابت ہے تو ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بطریق اولیٰ ثابت ہو گا کیونکہ آپ تمام انبیاء اور مرسلین سے افضل اور اکرم اور ان کے قائد ہیں، ثالثاً اس لیے کہ حضرت ابراھیم علیہ السلام نے ان مرتکبین کبیرہ کی شفاعت کی ہے جنہوں نے توبہ نہ کی ہو یا توبہ سے پہلے مر گئے ہوں اور آپ کو ملت ابراھیم کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آپ کو بھی ان کی

شفاعت کا حکم دیا گیا ہے، آپ کو حضرت ابراھیم کی اتباع کا حکم اس آیت میں ہے:

ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا۔ (النحل: ۱۲۳)

پھر ہم نے آپ کی طرف وحی کی کہ آپ دین ابراھیم کی پیروی کریں جو باطل سے الگ حق کی طرف مائل تھے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی فرمایا ہے کہ میں مرتکبین کبائر کی شفاعت کروں گا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری شفاعت میری امت کے مرتکبین کبائر کے لیے ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۳۵، مسند البزار رقم الحدیث: ۳۴۶۹، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۳۲۸۴، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۴۶۸، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۸۵۱۳، المستدرک ج ۱ ص ۶۹)

شفاعت کی توقع کے باوجود توبہ کرنے میں تاخیر نہ کی جائے

واضح رہے کہ ہم نے جو کہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام ان مرتکبین کبائر کے لیے شفاعت فرمائیں گے جنہوں نے اپنے گناہوں پر توبہ نہ کی ہو اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ وہ مرتکبین کبائر توبہ کرنے کو اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہوں کیونکہ ایسے شخص کا تو ایمان بھی جاتا رہے گا نہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو کبائر پر اصرار کرتے ہوں ہرچند کہ وہ کافر نہیں ہیں اور عموم مغفرت اور شفاعت کے تحت داخل ہیں لیکن ہماری مراد وہ لوگ ہیں جو توبہ کرنا چاہتے ہوں لیکن کسی عارضہ کی بنا پر یا غفلت کی وجہ سے توبہ نہ کر سکے ہوں اور ہماری مراد یہ بھی نہیں ہے کہ شفاعت کی توقع پر مرتکب کبیرہ کو توبہ نہیں کرنی چاہیے اور ہماری مراد یہ بھی نہیں ہے کہ توبہ کرنے کے بعد انسان شفاعت سے مستغنی ہو جاتا ہے۔ انسان کو صدق دل سے توبہ کرنے کے بعد بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا طلب گار رہنا چاہیے کیونکہ یہ نیت اور یہ مدعا اور یہ مقصود ہونا چاہیے کہ الہ العالمین! ہماری توبہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے قبول فرما، کیونکہ کوئی نعمت ہمیں براہ راست ملے اس سے زیادہ افضل اور اولیٰ یہ ہے کہ وہ نعمت ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے ملے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۔ (النساء: ۶۴)

اور اگر وہ کبھی اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے تو آپ کے پاس آجاتے پھر اللہ سے (اپنے ظلم پر) مغفرت طلب کرتے اور رسول بھی ان کے لیے مغفرت طلب کرتے تو وہ ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا، بہت رحم فرمانے والا پاتے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی امتی کی شفاعت فرمائیں گے تو اس سے یہ مترشح ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو اپنا قرار دے رہے ہیں اور جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا فرمائیں اس کے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا نعمت ہو سکتی ہے!

اس آیت میں یہ ہدایت ہے کہ پہلے خود اپنے گناہوں کی معافی چاہو اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے لیے شفاعت طلب کرو، بندہ کی توبہ کرنے اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کرنے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ بندہ کو معاف فرمادے تو اللہ تعالیٰ کی بڑی عنایت اور اس کا بے پایاں کرم ہے ورنہ وہ بے پرواہ اور بے نیاز ذات ہے، اس کی مشیت کے آگے کسی کا کیا چارہ ہے۔ ہم نے جو لکھا ہے کہ مرتکب کبیرہ اگر توبہ نہ کرے تو پھر بھی اس کی شفاعت ہوگی، اس

سے مقصود یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی عارضہ یا غفلت کی وجہ سے توبہ نہ کر سکا اور قضاء الٰہی سے مر گیا تو دلائل اور قواعد کے تحت وہ بھی انبیاء علیہم السلام کی شفاعت کے تحت داخل ہے لیکن یہ کب ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو اس کی شفاعت کا اذن عطا فرمائے اور یہ کب ضروری ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی وجاہت سے از خود اس کی شفاعت فرمائیں' اس لیے بندہ کو ہر آن اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا چاہیے' حتی المقدور گناہوں سے بچتا رہے اور اگر شامت نفس سے کوئی گناہ ہو جائے تو فوراً توبہ کرلے' کیا پتا اسے کب موت آجائے اور اس کو توبہ کی مہلت ملے نہ ملے!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی) اے ہمارے رب میں نے اپنی بعض اولاد کو بے آب وگیاہ وادی میں ٹھہرا دیا ہے' تیرے حرمت والے گھر کے نزدیک' اے ہمارے رب تاکہ وہ نماز کو قائم رکھیں' تو کچھ لوگوں کے دلوں کو ایسا کردے کہ وہ ان کی طرف مائل رہیں اور ان کو پھلوں سے روزی دے تاکہ وہ شکر ادا کریں ○ اے ہمارے رب! بے شک تو ان باتوں کو جانتا ہے' جن کو ہم چھپاتے ہیں اور جن کو ہم ظاہر کرتے ہیں اور اللہ سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے نہ زمین میں اور نہ آسمان میں ○ تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے بڑھاپے کے باوجود اسماعیل اور اسحاق عطا فرمائے' بے شک میرا رب ضرور دعا سننے والا ہے ○ (ابراہیم: ۳۹-۳۷)

حضرت ابراھیم کا غیر آباد وادی میں اپنے اہل کو چھوڑنے کا پس منظر اور پیش منظر

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر دمشقی شافعی متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

اہلِ کتاب نے بیان کیا ہے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیت المقدس کے شہروں میں رہتے ہوئے بیس سال ہو گئے تو حضرت سارہ نے حضرت ابراھیم علیہ السلام سے کہا: بے شک مجھے میرے رب نے اولاد سے محروم رکھا ہے' آپ میری باندی سے عمل تولید کیجئے' شاید اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مجھے اولاد عطا فرمائے۔ جب حضرت سارہ نے حضرت ابراھیم کو حضرت ہاجر ہبہ کر دی اور حضرت ابراہیم نے ان کے ساتھ شب بسری کی تو حضرت ہاجر ان سے حاملہ ہو گئیں۔ جب سے ان کو حمل ہوا تھا وہ حضرت سارہ پر فخر کرنے لگی تھیں۔ حضرت سارہ کو ان پر رشک آتا تھا' انہوں نے حضرت ابراھیم سے ان کی شکایت کی' حضرت ابراھیم نے فرمایا تم اس کے ساتھ جو چاہو سلوک کرو۔ حضرت ہاجر' حضرت سارہ سے ڈر کر وہاں سے فرار ہو گئیں' وہ ایک چشمہ کے پاس پہنچیں تو ایک فرشتہ نے کہا تم ڈرو مت' اللہ تعالیٰ تم سے جو بچہ پیدا کرنے والا ہے اس میں بہت خیر ہے' اور ان کو واپس جانے کا حکم دیا' اور ان کو یہ بشارت دی کہ ان کے ہاں بیٹا پیدا ہو گا اور تم ان کا نام اسماعیل رکھنا۔ وہ لوگوں سے فتنے دُور کریں گے' ان کا تمام لوگوں پر ہاتھ ہو گا اور تمام لوگ ان کی مدد کریں گے۔ وہ اپنے تمام بھائیوں کے ملکوں کے مالک ہوں گے۔ حضرت ہاجر نے اس پر اللہ کا شکر ادا کیا' اور یہ بشارت حضرت ابراھیم کے بیٹے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر پوری ہوئی' کیونکہ آپ ہی تمام بلاد عرب کے سردار تھے' اور شرق اور غرب کے تمام ممالک میں آپ کا دین پھیل گیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس قدر زیادہ علوم نافعہ اور اعمالِ صالحہ عطا کیے کہ پچھلی امتوں میں سے کسی کو اتنے علوم اور اعمالِ صالحہ عطا نہیں کیے تھے' اور یہ صرف اس وجہ سے ہے کہ آپ کو تمام رسولوں پر فضیلت حاصل ہے اور آپ کی رسالت میں کمال اور برکت ہے اور آپ کی نبوت تمام روئے زمین کے لیے ہے۔ جب حضرت ہاجر واپس گئیں اور حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہو گئے' اس وقت حضرت ابراھیم علیہ السلام کی عمر چھیاسی سال تھی اور وہ حضرت اسحاق کی پیدائش سے تیرہ سال پہلے پیدا ہوئے۔ امام ابن سعد نے روایت کیا ہے کہ اس وقت حضرت ابراھیم علیہ السلام کی عمر ۹۰ سال تھی اور اس کے تیس سال بعد حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۴۱)

اور مقصود یہ ہے کہ جب حضرت ہاجر علیہا السلام کے ہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہو گئے تو حضرت ہاجر پر حضرت سارہ کی غیرت بہت زیادہ ہو گئی اور انہوں نے حضرت ابراہیم سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ حضرت ہاجر کو ان کی نگاہ سے دُور کر دیں، پھر حضرت ابراہیم حضرت ہاجر اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیل کو لے کر روانہ ہوئے۔ اس وقت اسماعیل دودھ پیتے تھے، حضرت ابراہیم نے ان کو لے جا کر اس جگہ چھوڑ دیا جس کو آج کل مکہ کہا جاتا ہے۔

(البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۲۲۹-۲۲۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حضرت ہاجر اور حضرت اسماعیل کو مکہ میں چھوڑ کر جانے کی پوری تفصیل اس حدیث میں ہے:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ عورتوں میں سے جس نے سب سے پہلے اپنی کمر پر پٹکا باندھا وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ تھیں، انہوں نے یہ پٹکا اس لیے باندھا تھا کہ ان کے قدموں کے نشان مٹ جائیں اور حضرت سارہ کو پتا نہ چلے، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام انہیں اور ان کے دودھ پیتے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو لے کر روانہ ہوئے اور جس جگہ بیت اللہ ہے وہاں ایک درخت کے پاس چھوڑ دیا، جس جگہ پر اب زمزم کا کنواں ہے۔ اس وقت مکہ میں کوئی آبادی نہیں تھی اور نہ وہاں پانی تھا۔ انہوں نے اس جگہ ان دونوں کو چھوڑ دیا اور ان کے پاس ایک تھیلا رکھ دیا جس میں کھجوریں، ستو اور پانی تھا، پھر حضرت ابراہیم واپس جانے لگے تو حضرت اسماعیل کی والدہ ان کے پیچھے گئیں اور کہا: اے ابراہیم! آپ کہاں جا رہے ہیں اور ہم کو اس غیر آباد اور بے آب و گیاہ وادی میں کیوں چھوڑ رہے ہیں؟ وہ بار بار یہ جملے دہراتی رہیں اور حضرت ابراہیم نے ان کی طرف مڑ کر نہیں دیکھا، پھر انہوں نے پوچھا: کیا اللہ نے آپ کو ایسا کرنے کا حکم دیا ہے؟ حضرت ابراہیم نے کہا ہاں! حضرت ہاجر نے کہا پھر اللہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا اور وہ (مطمئن ہو کر) لوٹ آئیں، پھر ابراہیم علیہ السلام واپس روانہ ہوئے حتیٰ کہ جب وہ مقام ثنیہ پر پہنچے، جہاں انہیں کوئی نہیں دیکھ رہا تھا تو انہوں نے اپنا منہ اس طرف کیا جس طرف اب بیت اللہ ہے، پھر انہوں نے دونوں ہاتھ بلند اٹھا کر ان کلمات کے ساتھ دعا کی: اے ہمارے رب! میں نے اپنی بعض اولاد کو بے آب و گیاہ وادی میں ٹھہرا دیا ہے، تیرے حرمت والے گھر کے نزدیک، اے ہمارے رب! تاکہ وہ نماز کو قائم رکھیں، تو کچھ لوگوں کو ایسا کر دے کہ وہ ان کی طرف مائل رہیں اور ان کو پھلوں سے روزی دے تاکہ وہ شکر ادا کریں O (ابراہیم: ۳۷)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ حضرت اسماعیل کو دودھ پلاتی تھیں، اور اس پانی سے پیتی تھیں، حتیٰ کہ جب مشکیزہ کا پانی ختم ہو گیا تو وہ اور ان کا بیٹا دونوں پیاسے تھے۔ وہ اپنے بیٹے کی طرف دیکھتیں جو پیاس سے تڑپ رہے تھے، جب وہ ان کو دیکھنے کی تاب نہ لا سکیں تو وہاں سے چل پڑیں، انہوں نے دیکھا اس زمین کے قریب صفا پہاڑ تھا، وہ اس پہاڑ پر کھڑی ہو گئیں، کہ کوئی آتا ہوا دکھائی دے، انہیں کوئی نظر نہیں آیا، پھر وہ صفا سے اتریں اور وادی میں پہنچ گئیں، انہوں نے اپنی قمیص کا دامن اٹھایا اور بہت تیز دوڑ کر اس وادی کے پار گئیں پھر مروہ پہاڑ پر گئیں اور دیکھا کہ کوئی شخص دکھائی دے، انہیں کوئی نظر نہیں آیا، انہوں نے صفا اور مروہ کے درمیان اس طرح سات مرتبہ دوڑ لگائی، پھر انہوں نے اپنے آپ کو مخاطب کر کے کہا اب ٹھہر جاؤ، پھر انہوں نے کان لگا کر سنا تو انہیں ایک آواز سنائی دی اور اس نے کہا اگر تمہارے پاس کوئی فریاد رس ہے تو تم نے اس کو اپنی آواز پہنچا دی ہے، اچانک دیکھا تو زمزم کے قریب ایک فرشتہ کھڑا تھا، اس فرشتے نے اس جگہ اپنی ایڑی یا اپنے پر مارے، حتیٰ کہ پانی نکلنے لگا۔ حضرت ہاجرہ اپنے ہاتھوں سے اس طرح اس پانی کو حوض کی طرح اکٹھا کرنے لگیں۔ نبی

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ اسماعیل کی ماں پر رحم فرمائے کاش وہ زمزم کو بہتا ہوا چھوڑ دیتیں یا فرمایا کاش وہ اس میں سے چلو نہ بھرتیں تو زمزم ایک بہتا ہوا چشمہ بن جاتا، پھر حضرت ہاجرنے خود پانی پیا اور اپنے بیٹے کو دودھ پلایا۔ فرشتہ نے ان سے کہا تم اپنے بچے کے متعلق فکر نہ کرو، اس جگہ بیت اللہ ہے، جس کو یہ لڑکا اور اس کا باپ تعمیر کرے گا اور اللہ اس کے اہل کو ضائع نہیں کرے گا، اور بیت اللہ کی جگہ زمین سے بلند تھی، اس کی دائیں اور بائیں جانب سے سیلاب گزر جاتے تھے۔

اسی طرح وقت گزرتا رہا حتیٰ کہ جرہم کے کچھ لوگ وہاں سے گزرے یا جرہم کے گھرانوں میں سے کچھ لوگ وہاں سے گزرے وہ مکہ کے نشیب میں اترے، انہوں نے وہاں پرندوں کو منڈلاتے ہوئے دیکھا، انہوں نے آپس میں کہا یہ پرندے پانی پر جا رہے ہیں، ہم اس وادی اور اس میں جو پانی ہے اس کا ارادہ کرتے ہیں۔ انہوں نے ایک یا دو آدمیوں کو بھیجا تو وہ پانی تک پہنچ گئے۔ انہوں نے واپس جا کر ان کو خبر دی، تو وہ سب وہاں پہنچ گئے، وہاں حضرت اسماعیل کی والدہ تھیں۔ انہوں نے کہا کیا آپ ہم کو اس کی اجازت دیتی ہیں کہ ہم آپ کے پاس قیام کریں۔ حضرت ہاجرنے کہا ہاں! لیکن پانی پر تمہارا کوئی حق نہیں ہو گا۔ انہوں نے کہا ٹھیک ہے۔ حضرت ابن عباس نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس چیز سے حضرت اسماعیل کی ماں کی ڈھارس بندھی اور وہ انس چاہتی تھیں۔ وہ لوگ وہاں ٹھہر گئے اور انہوں نے اپنے گھر والوں کو بھی بلا لیا، حتیٰ کہ جب وہاں بہت سے گھر بن گئے اور ان کا بیٹا جوان ہو گیا اور اس نے ان سے عربی زبان سیکھ لی، جب حضرت اسماعیل جوان ہوئے تو وہ جرہم کے لوگوں کو اچھے لگے تو انہوں نے اپنی ایک عورت کا ان سے نکاح کر دیا اور حضرت اسماعیل کی والدہ فوت ہو گئیں، حضرت اسماعیل کی شادی ہو جانے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے اہل و عیال کے احوال معلوم کرنے کے لیے آئے، انہوں نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو موجود نہ پایا تو ان کی بیوی سے ان کے متعلق معلوم کیا، اس نے کہا وہ ہمارے لیے کچھ چیزیں لینے گئے ہیں (دوسری روایت میں ہے وہ شکار کرنے گئے ہیں) پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے حالات اور گزر اوقات کے متعلق ان سے پوچھا اس نے کہا ہم بہت برے حالات میں ہیں، اور ہم بہت تنگی اور سختی میں ہیں اور ان سے شکایت کی، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ جب تمہارا خاوند آئے تو تم اس سے میرا سلام کہنا اور اس سے کہنا کہ وہ اپنے دروازہ کی چوکھٹ تبدیل کر لے، جب حضرت اسماعیل آئے تو ان کو کچھ تغیر محسوس ہوا، انہوں نے پوچھا کیا تمہارے پاس کوئی آیا تھا؟ بیوی نے کہا ہاں اس اس شکل کا ایک بوڑھا آیا تھا، اس نے تمہارے متعلق پوچھا تو میں نے اس کو بتایا، اس نے مجھ سے پوچھا تمہارے حالات کیسے ہیں؟ تو میں نے اس کو بتایا کہ ہم بہت جفاکشی اور سختی کے ایام گزار رہے ہیں۔ حضرت اسماعیل نے پوچھا کیا انہوں نے کسی چیز کی وصیت کی تھی؟ اس نے کہا ہاں انہوں نے مجھے یہ حکم دیا کہ میں آپ کو ان کا سلام کہوں اور وہ یہ کہتے تھے کہ تم اپنے دروازہ کی چوکھٹ کو تبدیل کر لو، حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کہا وہ میرے والد تھے اور انہوں نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں تم سے علیحدہ ہو جاؤں، تم اپنے والدین کے گھر چلی جاؤ، انہوں نے اس کو طلاق دے دی، اور ان لوگوں میں دوسری شادی کر لی، اللہ تعالیٰ نے جب تک چاہا حضرت ابراہیم علیہ السلام ٹھہرے رہے، پھر کچھ عرصہ بعد آئے تو حضرت اسماعیل علیہ السلام نہیں ملے، وہ ان کی بیوی کے پاس گئے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے متعلق سوال کیا، ان کی بیوی نے کہا وہ ہمارے واسطے کچھ لینے گئے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا تمہارا کیا حال ہے؟ اور ان کی گزر اوقات کے متعلق سوال کیا، ان کی بیوی نے کہا ہم خیریت سے ہیں اور بہت خوش حال ہیں، اور انہوں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا تم لوگ کیا کھاتے ہو؟ انہوں نے کہا ہم گوشت کھاتے ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا اور تم لوگ کیا پیتے ہو؟ انہوں نے کہا ہم پانی پیتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی: اے

اللہ ان کے گوشت اور پانی میں برکت عطا فرما' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس وقت ان لوگوں کے پاس اناج نہیں تھا ورنہ حضرت ابراھیم علیہ السلام ان کے لیے اس میں بھی برکت کی دعا کرتے' پھر آپ نے فرمایا کہ صرف ان دو چیزوں (گوشت اور پانی) پر مکہ مکرمہ کے سوا اور کسی جگہ گزارہ نہیں ہو سکتا' صرف یہ دو چیزیں اور جگہوں پر مزاج کے موافق نہیں ہوں گی' حضرت ابراھیم علیہ السلام نے فرمایا جب تمہارا شوہر آئے تو اس کو میرا سلام کہنا اور اس سے کہنا کہ وہ اپنے دروازے کی چوکھٹ کو قائم رکھے' جب حضرت اسماعیل علیہ السلام آئے تو پوچھا کیا کوئی شخص تمہارے پاس آیا تھا۔ ان کی بیوی نے کہا ہاں! ہمارے پاس اچھی شکل و صورت کا ایک بوڑھا شخص آیا تھا' اور انہوں نے حضرت ابراھیم علیہ السلام کی تعریف کی' انہوں نے مجھ سے ہماری گزر اوقات اور حالات کے متعلق پوچھا' میں نے ان کو بتایا کہ میں خیریت سے ہوں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے پوچھا کیا انہوں نے تم کو کوئی وصیت بھی کی تھی؟ انہوں نے کہا ہاں! انہوں نے آپ کو سلام کہا' اور آپ کے متعلق یہ حکم دیا کہ آپ اپنے دروازہ کی چوکھٹ کو قائم رکھیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کہا یہ میرے والد تھے اور تم چوکھٹ ہو' انہوں نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں تمہیں اپنے پاس برقرار رکھوں۔

پھر جب تک اللہ نے چاہا حضرت ابراھیم علیہ السلام ٹھہرے رہے' پھر اس کے بعد آئے اس وقت حضرت اسماعیل زمزم کے قریب ایک بڑے درخت کے نیچے بیٹھے اپنا تیر درست کر رہے تھے' جب انہوں نے حضرت ابراھیم علیہ السلام کو دیکھا تو کھڑے ہو گئے اور دونوں ایک دوسرے سے اس طرح ملے جیسے بیٹا باپ سے' اور باپ بیٹے سے ملتا ہے' پھر حضرت ابراھیم علیہ السلام نے کہا اے اسماعیل مجھے اللہ نے ایک چیز کا حکم دیا ہے' حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کہا آپ وہی کیجئے جس کا آپ کے رب نے آپ کو حکم دیا ہے' حضرت ابراھیم علیہ السلام نے پوچھا آیا تم میری مدد کرو گے؟ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کہا میں آپ کی مدد کروں گا' حضرت ابراھیم علیہ السلام نے کہا اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں اس جگہ بیت اللہ تعمیر کروں اور انہوں نے اس ٹیلہ کی طرف اشارہ کیا جو اپنے اردگرد کی زمین سے کافی بلند تھا' آپ نے فرمایا اس وقت ان دونوں نے بیت کی بنیادیں اٹھائیں' حضرت اسماعیل علیہ السلام پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے تھے اور حضرت ابراھیم علیہ السلام ان پتھروں کو جوڑ جوڑ کر لگاتے تھے' حتیٰ کہ جب بنیادیں زیادہ بلند ہو گئیں تو حضرت اسماعیل علیہ السلام اس پتھر (مقام ابراھیم) کو لائے اور اس دیوار کے ساتھ رکھ دیا' حضرت ابراھیم علیہ السلام اس پتھر پر کھڑے ہو کر تعمیر کرتے تھے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام پتھر لاتے رہے اور وہ دونوں یہ دعا کرتے تھے: اے ہمارے رب! ہم سے قبول فرما بے شک تو بہت سننے والا بہت جاننے والا ہے' وہ دونوں بیت اللہ کی تعمیر کرتے رہے اور بیت اللہ کے گرد طواف کرتے رہے اور یہ دعا کرتے رہتے تھے: اے ہمارے رب! تو ہم سے قبول فرما بے شک تو بہت سننے والا بہت جاننے والا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۶۴' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۹۱۰۷' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۲۸۵ عالم الکتب)

حضرت اسماعیل کے ذبیح ہونے پر دلائل

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابن التین نے کہا اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں کیونکہ جن کو ذبح کرنے کا حکم دیا تھا وہ اس وقت چلنے پھرنے اور دوڑنے کی عمر کو پہنچے تھے اور اس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ حضرت ابراھیم علیہ السلام' حضرت اسماعیل علیہ السلام کو دودھ پیتا چھوڑ کر گئے تھے اور جب وہ ان کے پاس لوٹے تو وہ شادی شدہ تھے' اگر حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کا حکم ہوتا تو اس حدیث میں یہ مذکور ہوتا کہ حضرت ابراھیم علیہ السلام ان کے دودھ

پینے کے زمانہ اور شادی سے پہلے بھی ان کے پاس آئے تھے، لیکن یہ استدلال صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس حدیث میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بچپن کے زمانہ میں حضرت ابراھیم کے آنے کی نفی نہیں ہے، اس لیے ہو سکتا ہے کہ درمیانی زمانہ میں حضرت ابراھیم علیہ السلام آئے ہوں اور اس وقت آپ کو حکم ہوا ہو کہ اپنے بیٹے کو ذبح کریں اور اس کا اس حدیث میں ذکر نہیں ہے۔ علامہ ابن حجر فرماتے ہیں بلکہ میں کہتا ہوں کہ ایک اور حدیث میں ان دو زمانوں کے درمیان حضرت ابراھیم علیہ السلام کے آنے کا ذکر ہے، کیونکہ ابو جہم کی حدیث میں ہے کہ حضرت ابراھیم، حضرت اسماعیل اور ان کی والدہ سے ملنے کے لیے ہر ماہ صبح کو براق پر سوار ہو کر آتے تھے اور دوپہر کو واپس شام پہنچ جاتے تھے، امام فاکہی نے بھی سند صحیح کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے کہ حضرت ابراھیم علیہ السلام براق پر سوار ہو کر حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ سے ملنے کے لیے جاتے تھے، اور اس حدیث میں یہ جو مذکور ہے کہ حضرت ابراھیم علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام کے شادی شدہ ہونے کے بعد آئے اس کا معنی یہ ہے کہ پہلے ان سے متعدد بار ملاقات کرنے کے بعد اس وقت آئے جب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شادی ہو چکی تھی۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۴۰۴، مطبوعہ لاہور، ۱۴۰۱ھ)

اور ہم یہ کہتے ہیں کہ صحیح بخاری کی اس حدیث میں بھی اس پر واضح قرائن ہیں کہ حضرت ابراھیم علیہ السلام اس سے پہلے بھی حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ سے ملنے کے لیے آتے رہتے تھے۔

اول تو اس لیے کہ ایک عام انسان سے بھی یہ متصور نہیں ہے کہ وہ اپنے دودھ پیتے بچے کو کسی غیر آباد اور بے آب و گیاہ زمین میں چھوڑ آئے اور سالہا سال تک ان کی خبر نہ لے، چہ جائیکہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ نبی کے متعلق یہ گمان کیا جائے۔

ثانیاً اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام جب پہلی اور دوسری بار شکار سے واپس ہو کر آئے تو انہیں کچھ انس محسوس ہوا اور انہوں نے پوچھا کہ کیا یہاں کوئی آیا تھا؟ یہ اسی وقت ہو سکتا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت ابراھیم علیہ السلام سے ملتے جلتے رہے ہوں اور وہ ان کے جسم کی خوشبو سے مانوس ہوں، تو جب وہ گھر آئے اور گھر میں وہی مانوس خوشبو بسی ہوئی تھی تو انہوں نے دونوں مرتبہ بیوی سے پوچھا کہ کیا کوئی آیا تھا۔

ثالثاً جب ان کی پہلی اور دوسری دونوں بیویوں نے حضرت ابراھیم علیہ السلام کی شکل و صورت اور ان کا حلیہ بیان کیا تو وہ پہچان گئے اور کہا کہ وہ میرے والد ہیں ورنہ اگر انہوں نے دودھ پینے کے زمانہ سے لے کر اب تک انہیں نہ دیکھا ہوتا تو صرف حلیہ سن کر کیسے پہچان لیتے کہ وہ میرے والد ہیں۔

رابعاً اس حدیث میں مذکور ہے کہ اس کے بعد جب حضرت ابراھیم علیہ السلام آئے تو حضرت اسماعیل درخت کے نیچے بیٹھے اپنے تیر درست کر رہے تھے، وہ حضرت ابراھیم علیہ السلام کو دیکھ کر فوراً کھڑے ہو گئے اور دونوں ایک دوسرے سے اس طرح ملے جیسے بیٹا باپ سے اور باپ بیٹے سے ملتا ہے، اگر حضرت اسماعیل علیہ السلام نے دودھ پینے کے ایام کے بعد اب پہلی بار حضرت ابراھیم کو دیکھا ہوتا تو دیکھتے ہی کیسے جان لیتے کہ یہ میرے والد ہیں اور فوراً ان کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو جاتے۔ اس لیے اگر حافظ ابن حجر عسقلانی کی روایت کردہ احادیث نہ بھی ہوتیں تب بھی صحیح بخاری کی اس حدیث میں اس پر واضح قرائن ہیں کہ حضرت ابراھیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل اور ان کی والدہ سے ملنے کے لیے آتے رہتے تھے اور ان احادیث میں یہ تصریح ہے کہ آپ ہر ماہ ان سے ملنے کے لیے آتے تھے تو پھر جب حضرت اسماعیل سن شعور کو پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراھیم کو خواب کے ذریعہ یہ حکم دیا کہ وہ اپنے بیٹے کو خدا کی راہ میں ذبح کر دیں۔

عام لوگوں کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنی اولاد کو بے آب و گیاہ زمین میں چھوڑ آئیں

حضرت ابراهیم علیہ السلام اپنی بیوی اور دودھ پیتے بچے کو غیر آباد اور بے آب و گیاہ زمین میں چھوڑ کر چلے گئے تھے، اس پر قیاس کر کے کسی شخص کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی بیوی اور شیر خوار بچے کو کسی غیر آباد اور ویران جگہ میں چھوڑ کر چلا جائے جیسا کہ غالی اور جاہل صوفیاء اللہ پر توکل کرنے کی اس طرح تفسیر کرتے ہیں، کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کی وحی سے ایسا کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ھاجر اور حضرت اسماعیل کے لیے سامانِ زیست کے اسباب پیدا کر دیئے اور کسی اور شخص کا یہ مرتبہ اور منصب نہیں ہے کہ وہ وحی الٰہی کا حامل ہو کیونکہ وحی صرف انبیاء علیہم السلام پر آتی ہے، ہمارے لیے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ اونٹ کو باندھ کر توکل کرو، اسباب حاصل کرنے کے بعد مسبب کو اللہ پر چھوڑ دینا یہ توکل ہے نہ یہ کہ اسباب کو ہی حاصل نہ کیا جائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی ذریت کی دیکھ بھال کے لیے ہر ماہ شام سے مکہ آیا کرتے تھے۔

زمزم کے فضائل

صحیح بخاری کی اس حدیث میں مذکور ہے کہ فرشتے کے ایڑی یا پَر زمین پر مارنے کی وجہ سے زمین سے پانی نکل آیا جس کو حضرت ھاجر نے زمزم فرمایا، اور اس چشمہ کا نام زمزم پڑ گیا، سو اب ہم زمزم کے فضائل کے متعلق چند احادیث ذکر کر رہے ہیں:

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما زمزم سے پانی پیتے تو یہ دعا کرتے: اے اللہ! میں تجھ سے علم نافع، اور وسیع رزق اور ہر بیماری سے شفاء کا سوال کرتا ہوں۔

(سنن دار قطنی رقم الحدیث: ۲۷۱۲، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب زمزم کے پانی کو پیا جائے تو تم اس کو شفاء طلب کرنے کی نیت سے پیو تو اللہ تعالیٰ تم کو شفاء عطا فرمائے گا، اور اس کو سیر ہونے کی نیت سے پیو تو اللہ تم کو سیر کرے گا، اور اگر تم زمزم کو پیاس بجھانے کے لیے پیو تو اللہ تمہاری پیاس بجھا دے گا، اور حضرت جبریل کے ایڑی مارنے اور حضرت اسماعیل کو پانی پلانے کے لیے زمزم وجود میں آیا۔

(سنن دار قطنی رقم الحدیث: ۲۷۱۳، المستدرک ج ۱ ص ۴۷۳، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۵ ص ۲۰۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۰۶۲)

علامہ ابن العربی نے کہا ہے کہ زمزم کی یہ صفات قیامت تک کے لیے ہیں بشرطیکہ پینے والے کی نیت صحیح ہو، اور وہ ان صفات کی تکذیب نہ کرتا ہو اور زمزم کو آزمانے کے لیے نہ پیئے کیونکہ اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں کی مدد فرماتا ہے اور آزمانے والوں کو رُسوا کرتا ہے اور ابو عبد اللہ محمد بن علی ترمذی نے کہا میرے والد رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ ایک اندھیری رات میں، میں کعبہ کا طواف کر رہا تھا، مجھے بڑے زور سے پیشاب آیا، میں اس کو روکتا رہا حتیٰ کہ مجھے بہت تکلیف ہوئی اور مجھے یہ خدشہ تھا کہ اگر میں مسجد سے نکلا تو میں بعض آدمیوں کے قدموں تلے روندا جاؤں گا، اور یہ حج کے ایام تھے، مجھے یہ حدیث یاد آئی میں زمزم پر آیا اور خوب سیر ہو کر زمزم کو پیا پھر صبح تک مجھے پیشاب کی ضرورت نہیں ہوئی۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۹ ص ۳۲۵۔ ۳۲۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

مکہ کو حرم قرار دینے کی وجوہ

حضرت ابراہیم نے کہا: عند بیتک المحرم یعنی تیرے اس گھر کے پاس جو محرم ہے، محرم کا معنی ہے اس کو حرم

قرار دیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بیت اللہ حضرت ابراھیم کے بنانے سے بہت پہلے بنا ہوا تھا' روایت ہے کہ اس کو سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام یا فرشتوں نے بنایا تھا' حضرت ابراھیم نے اس گھر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف اس لیے کی ہے کہ اس کا اللہ کے سوا کوئی مالک نہیں ہے یا یہ اضافت اس گھر کی عظمت اور جلالت کو ظاہر کرنے کے لیے ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کسی گھر میں ہونے سے مستغنی ہے۔ بیت اللہ کو محرم فرمانے کی مفسرین نے متعدد وجوہ بیان فرمائی ہیں' بعض ازاں یہ ہیں: (۱) جس طرح دوسرے شہروں میں شکار کرنا جائز ہے مکہ مکرمہ میں بیت اللہ کی حرمت کی وجہ سے شکار کرنے کو حرام کر دیا گیا ہے۔ (۲) جابر بادشاہوں کو بیت اللہ پر حملہ کرنے کی قدرت نہیں دی۔ (۳) اس کو محرم اس لیے فرمایا کہ اس کی حرمت بہت عظیم ہے اور اس میں کوئی ایسا عمل کرنا جائز نہیں ہے جو اس کی حرمت کے منافی ہو۔ (۴) باہر سے آنے والوں کے لیے اس شہر میں بغیر احرام کے داخل ہونا جائز نہیں ہے۔ (۵) جو اعمال دوسرے شہروں میں جائز ہیں مثلاً اپنی بیوی سے عمل تزویج کرنا' خوشبو لگانا' بال کٹوانا وغیرہ وہ اس شہر میں احرام باندھ کر آنے والوں پر حرام کر دیئے ہیں تاوقتیکہ وہ بیت اللہ کا طواف اور صفا اور مروہ کی سعی نہ کر لیں۔ (۶) اس شہر میں جنگ اور قتال کو حرام کر دیا گیا ہے۔

مسجد حرام اور مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کے فضائل

حضرت ابراھیم علیہ السلام نے فرمایا: اے ہمارے رب تاکہ وہ نماز کو قائم رکھیں۔ یہ آیت اس مسئلہ کو متضمن ہے کہ بیت اللہ میں نماز پڑھنا دیگر مساجد میں نماز پڑھنے کی بہ نسبت بہت افضل ہے اور اس پر حسب ذیل احادیث دلالت کرتی ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری اس مسجد میں نماز پڑھنا دوسری مساجد میں نماز پڑھنے سے ہزار گنا افضل ہے ماسوا مسجد حرام کے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۹۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۹۴' سنن النسائی رقم الحدیث: ۶۹۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۰۴' موطا امام مالک رقم الحدیث: ۴۶۱)

حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری اس مسجد میں نماز پڑھنا دوسری مساجد میں نماز پڑھنے سے ہزار گنا افضل ہے ماسوا مسجد حرام کے اور مسجد حرام میں نماز پڑھنا میری اس مسجد میں نماز پڑھنے سے سو گنا افضل ہے۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۴' طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۶۲۱۶' عالم الکتب' بیروت)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی شخص اپنے گھر میں نماز پڑھے تو وہ ایک نماز ہے' اور مسجد قبائل (محلہ کی مسجد) میں اس کی نماز پچیس نمازیں ہیں اور جامع مسجد میں اس کی نماز پانچ سو نمازیں ہیں' اور مسجد اقصیٰ میں اس کی نماز پچاس ہزار نمازیں ہیں اور مسجد حرام میں اس کی نماز ایک لاکھ نمازیں ہیں۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۱۳' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۷۰۰۴' الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۱۷۳)

اس حدیث کی سند میں ابوالخطاب دمشقی مجہول ہے اور اس کے شیخ رزیق ابوعبداللہ کے متعلق ابن حبان نے کہا جب تک دوسری احادیث سے اس کی تائید نہ ہو اس کی روایت سے استدلال کرنا جائز نہیں ہے' اور حافظ شمس الدین ذہبی نے اس حدیث کو بہت منکر کہا ہے۔ (میزان الاعتدال ج ۷ ص ۳۶۲' رقم: ۱۰۱۶۱' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری اس مسجد میں نماز پڑھنا دوسری مساجد کی بہ نسبت ہزار گنا افضل ہے' ماسوا مسجد حرام کے اور مسجد حرام میں نماز پڑھنا دوسری مسجد میں نماز پڑھنے کی بہ نسبت ایک لاکھ گنا افضل ہے۔ (حافظ منذری نے کہا امام احمد اور امام ابن ماجہ دونوں نے اس کو سند صحیح کے ساتھ روایت

کیا ہے)

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۰۶، مسند احمد ج ۳ ص ۳۹۷، ۳۴۳، قدیم، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۴۷۵۰، ۱۵۳۴۴، عالم الکتب بیروت، تمہید ج ۲ ص ۶۷۰، الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۱۷۲)

(حمزہ احمد زین نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے، اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ حاشیہ مسند احمد رقم الحدیث: ۱۴۶۲۹، مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ، ۱۴۱۶ھ) (حافظ ابن حجر نے بھی کہا ہے اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں۔ فتح الباری ج ۳ ص ۶۶، لاہور)

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دوسری مساجد کی بہ نسبت مسجد حرام میں نماز پڑھنے کی فضیلت ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے اور میری مسجد میں نماز پڑھنے کی فضیلت ایک ہزار نمازوں کے برابر ہے اور بیت المقدس کی مسجد میں نماز پڑھنے کی فضیلت پانچ سو نمازوں کے برابر ہے۔

(مسند البزار (کشف الاستار) رقم الحدیث: ۴۲۲، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت، ۱۴۰۴ھ، الاستذکار رقم الحدیث: ۱۰۲۴۴، تمہید ج ۲ ص ۶۷۱، الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۱۷۵)

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو امام طبرانی اور امام بزار نے حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، امام بزار نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند حسن ہے۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۶۷، مطبوعہ لاہور، ۱۴۰۱ھ)

مسجد حرام اور مسجد نبوی میں نماز کی فضیلت کے متعلق فقہاء کے نظریات

حافظ ابو عمرو یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر مالکی اندلسی متوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

مدینہ مکہ سے افضل ہے یا مکہ مدینہ سے افضل ہے، اس میں اہلِ علم کا اختلاف ہے۔ امام مالک اور مدینہ کے اکثر علماء نے کہا کہ مدینہ مکہ سے افضل ہے، امام شافعی نے کہا تمام روئے زمین میں سب سے افضل مکہ مکرمہ ہے، عطاء بن ابی رباح اور تمام اہلِ مکہ اور اہلِ کوفہ کا یہی قول ہے، اہلِ بصرہ کا اس میں اختلاف ہے، بعض نے مکہ کو فضیلت دی اور بعض نے مدینہ کو، اور جمہور فقہاء یہ کہتے ہیں کہ مسجد حرام میں نماز پڑھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں نماز پڑھنے سے سو درجہ افضل ہے اور باقی مساجد میں نماز پڑھنے سے ایک لاکھ درجہ افضل ہے اور مسجد نبوی میں نماز پڑھنا باقی مساجد میں نماز پڑھنے کی بہ نسبت ایک ہزار نمازوں سے افضل ہے، سفیان بن عیینہ کا بھی یہی قول ہے۔

(الاستذکار ج ۷ ص ۲۲۶، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت، ۱۴۱۴ھ، التمہید ج ۲ ص ۶۶۵۔ ۶۶۴، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۹ھ)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں: اس پر سب کا اجماع ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی جگہ تمام رُوئے زمین میں سب سے افضل ہے اور مکہ اور مدینہ رُوئے زمین میں سب سے افضل ہیں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی جگہ کے علاوہ میں اختلاف ہے۔ حضرت عمر، بعض صحابہ، امام مالک اور اکثر اہلِ مدینہ کا مذہب یہ ہے کہ مدینہ افضل ہے اور حضرت ابو ہریرہ کی جس روایت میں ہے کہ میری اس مسجد میں نماز پڑھنا دیگر مساجد کی بہ نسبت ایک ہزار درجہ افضل ہے ماسوا مسجد حرام کے، (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۹۴) وہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ مسجد نبوی میں نماز پڑھنا، مسجد حرام میں نماز پڑھنے سے نو سو درجہ افضل ہے اور باقی مساجد سے ایک ہزار درجہ افضل ہے، کیونکہ حضرت عمر نے فرمایا: مسجد حرام میں نماز پڑھنا باقی مساجد کی بہ نسبت ایک سو درجہ افضل ہے۔ اور اہلِ مکہ اور اہلِ کوفہ کا یہ قول ہے کہ مکہ افضل ہے اور مسجد حرام میں نماز پڑھنا، مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کی بہ نسبت ایک سو درجہ افضل ہے، جیسا کہ حضرت

ابن الزبیر کی روایت میں ہے اور باقی مساجد پر اس کی فضیلت ایک لاکھ درجہ ہے۔

(اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۴ ص ۵۱۱، مطبوعہ دار الوفاء بیروت، ۱۴۱۹ھ)

علامہ محمد بن خلیفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابن رشد اور ہمارے شیخ ابو عبداللہ کا مسلک یہ ہے کہ مکہ مکرمہ افضل ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ سبحانہ نے مکہ کو نماز کا قبلہ بنایا ہے اور کعبہ کی زیارت کو حج قرار دیا ہے، اور مکہ کو حرم بنایا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے مکہ کو حرم بنایا ہے لوگوں نے اس کو حرم نہیں بنایا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۰۴، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۵۴، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۸۰۹، سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۸۷۶) اور فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ جو حرم مکہ میں شکار کرے اس پر تاوان واجب ہے اور حرم مدینہ میں شکار کرنے والے پر تاوان واجب نہیں ہے، اور فقہاء کی ایک جماعت کا یہ مذہب ہے کہ مکہ کی حرمت کی وجہ سے اس میں حدود قائم کرنی جائز نہیں ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا۔ (آل عمران: ۹۷) جو اس میں داخل ہو گیا وہ امن والا ہو گیا۔

اور حرم مدینہ کے متعلق کسی کا یہ قول نہیں ہے کہ اس میں حد قائم نہ کی جائے اور کسی جگہ کی فضیلت اس کی ذات کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس میں نیکیوں اور گناہوں کے بڑھ جانے کی وجہ سے ہے، حرم مدینہ کی بہ نسبت حرم مکہ میں گناہ کرنا زیادہ سخت ہے اور یہ مکہ کی مدینہ پر فضیلت کی دلیل ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں رہنے کی جو ترغیب دی ہے (صحیح البخاری: ۱۸۸۷) اس سے مدینہ کی مکہ پر فضیلت ثابت نہیں ہوتی، اور آپ نے جو یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ! مدینہ کے صاع اور مد میں برکت فرما (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۷۴) اس دعا سے بھی یہ لازم نہیں آتا کہ مدینہ مکہ سے افضل ہو، اسی طرح آپ نے فرمایا جو مدینہ کے مصائب پر صبر کرے گا میں قیامت کے دن اس کے حق میں گواہی دوں گا اور اس کی شفاعت کروں گا اس سے بھی یہ لازم نہیں آتا کہ مدینہ مکہ سے افضل ہو، اسی طرح آپ نے فرمایا مجھے اس شہر کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا ہے جو تمام شہروں کو کھا جائے گا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۸۲) اس سے بھی مدینہ کی مکہ پر فضیلت لازم نہیں آتی بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ دوسرے شہروں کے لوگ مدینہ میں آ کر رہنے لگیں گے۔

(اکمال اکمال المعلم ج ۴ ص ۵۰۸۔۵۰۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

سید فاسی نے شفاء الغرام میں لکھا ہے کہ حضرت ابن الزبیر سے تین روایات حاصل ہوتی ہیں: (۱) مسجد حرام میں نماز پڑھنا، مسجد نبوی میں نماز پڑھنے سے سو درجہ افضل ہے، (۲) ہزار درجہ افضل ہے، (۳) ایک لاکھ درجے افضل ہے۔ سو جو شخص مسجد حرام میں ایک نماز پڑھ لے تو اس کی وہ نماز اس کی عمر کی دو سو پچاس سال چھ ماہ بیس دن کی نمازوں کے برابر ہے، اور اگر وہ ایک دن میں پانچ نمازیں پڑھے تو اس کو پانچ سے ضرب دے دیں، یہ تو تنہا پڑھی ہوئی نمازوں کی مقدار ہے اور اگر اس نے جماعت کے ساتھ ایک دن نماز پڑھی ہو تو اس کا عدد حضرت نوح علیہ السلام کی دگنی عمر کو پہنچ جائے گا۔

امام مالک کا مشہور مذہب یہ ہے کہ یہ اجر فرض نمازوں کے ساتھ مختص ہے، اور احناف کا مذہب یہ ہے کہ فرض ہو یا نفل، سب کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہو گا، پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ خصوصاً مسجد حرام مراد ہے یا پورے حرم کا یہ حکم ہے۔ محب طبری کا مذہب یہ ہے کہ خصوصاً مسجد حرام میں نماز پڑھنے کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ پورے حرم میں نماز پڑھنے کا یہی ثواب ہے، اور ایسی بھی احادیث ہیں کہ روزہ اور دیگر عبادات کا ثواب بھی حرم

میں ایک لاکھ درجہ زیادہ ہوتا ہے لیکن ان کا ثبوت اس پائے کا نہیں ہے جس طرح نماز کی احادیث کا ثبوت ہے۔

علامہ بیری نے شرح الاشباہ والنظائر میں احکام المسجد کے تحت لکھا ہے کہ ہمارے اصحاب (احناف) کا یہ مذہب ہے کہ ایک لاکھ گنا اضافہ تمام مکہ کو شامل ہے بلکہ تمام حرم مکہ کو شامل ہے جیسا کہ علامہ نووی نے بھی اس کی تصحیح کی ہے۔

(ردالمحتار ج ۲ ص ۱۸۸-۱۸۷، ملخصاً، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۷ھ، ردالمحتار ج ۳ ص ۴۸۵-۴۸۴، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۹ھ)

علامہ محمد بن علی بن محمد حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۷ھ لکھتے ہیں:

ہمارے نزدیک مدینہ (فقہی) حرم نہیں ہے، اور راجح قول یہ ہے کہ مکہ، مدینہ سے افضل ہے، ماسوا اس جگہ کے جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد اطہر ہے، کیونکہ وہ جگہ مطلقاً افضل ہے، حتیٰ کہ کعبہ، عرش اور کرسی سے بھی افضل ہے۔

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

قاضی عیاض وغیرہ نے کہا ہے کہ آپ کی قبر مبارک کعبہ سے افضل ہے اور اس پر اجماع ہے اور قبر مبارک کے ماسوا مدینہ میں اختلاف ہے، ابن عقیل حنبلی نے کہا ہے کہ یہ جگہ عرش سے بھی افضل ہے اور تاج فاکہی نے کہا ہے کہ زمین آسمانوں سے افضل ہے کیونکہ زمین میں آپ آرام فرما ہیں۔

(ردالمحتار ج ۲ ص ۲۵۷، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۷ھ، ردالمحتار ج ۴ ص ۷، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۹ھ)

میں کہتا ہوں کہ خصوصیت سے مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کی فضیلت پر یہ حدیث ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے میری مسجد میں چالیس نمازیں پڑھیں اور درمیان میں کوئی نماز قضا نہیں ہوئی اس کے لیے دوزخ کے عذاب سے نجات، عذاب سے نجات اور نفاق سے نجات لکھ دی جائے گی۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۱۵۵، رقم الحدیث: ۱۲۶۱۱، عالم الکتب بیروت، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۵۴۴۰)

ہمارے شیخ علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ العزیز فرماتے تھے: مکہ مدینہ سے زیادہ افضل ہے اور مدینہ مکہ سے زیادہ محبوب ہے، اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ! شیبہ بن ربیعہ، عتبہ بن ربیعہ اور امیہ بن خلف پر لعنت فرما کیونکہ انہوں نے ہمیں ہمارے وطن سے وبا کی زمین کی طرف نکال دیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! ہمیں مدینہ ایسا محبوب بنادے جیسے ہمیں مکہ محبوب تھا بلکہ اس سے بھی زیادہ، اے اللہ! ہمارے صاع اور مد (پیمانوں) میں برکت دے، ہمیں صحت دے اور مدینہ کے بخار کو جحفہ کی طرف منتقل کردے، ہم مدینہ میں آئے تو وہ اللہ کی زمین پر سب سے زیادہ وبا والی زمین تھی، اور بطحان نالہ آہستہ آہستہ بہتا رہتا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۸۸۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۷۶)

خلاصہ یہ ہے کہ افضل بہرحال مکہ مکرمہ ہے لیکن مدینہ منورہ مکہ مکرمہ سے زیادہ محبوب ہے، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کا ایک شعر ہے:

طیبہ نہ سہی افضل مکہ ہی بڑا زاہد
ہم عشق کے بندے ہیں کیوں بات بڑھائی ہے

دعا کا طریقہ اور اس کی فضیلت میں احادیث

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اے ہمارے رب! بے شک تو ان باتوں کو جانتا ہے جن کو ہم چھپاتے ہیں اور جن کو ہم ظاہر کرتے ہیں اور اللہ سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے نہ زمین میں اور نہ آسمان میں ○

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس آیت میں نہایت لطیف پیرائے میں اللہ تعالیٰ سے دعا کی ہے، اور اس کا معنی یہ ہے کہ اے اللہ! تو ہماری ضروریات سے آگاہ ہے، ہم عواقب امور پر مطلع نہیں ہیں اور تو ہی خوب جانتا ہے کہ کیا چیز ہمارے حق میں مفید ہے اور کیا چیز ہمارے حق میں مضر ہے سو تو ہمیں وہ چیز عطا فرما جو ہمارے لیے مفید ہو اور ہم کو اس چیز سے محفوظ رکھ جو ہمارے حق میں مضر ہو، کیونکہ آسمان و زمین کی ہر ظاہر اور مخفی چیز کو تو جاننے والا ہے اور تجھ سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صراحتاً سوال کیوں نہیں کیا اور صرف اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا پر اکتفا کیوں کی، اس کے دو جواب ہیں: ایک جواب یہ ہے کہ کریم اور جواد کی حمد و ثناء کرنا بھی سوال اور دعا ہوتی ہے، اور دوسرا جواب یہ ہے کہ جو شخص اللہ کے ذکر میں مشغول ہونے کی وجہ سے سوال اور دعا نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو سوال کرنے والوں سے زیادہ عطا فرماتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رب عزوجل ارشاد فرماتا ہے جس شخص کو قرآن مجید (کی تلاوت) نے میرے ذکر اور مجھ سے سوال کرنے سے مشغول رکھا میں اس کو سوال کرنے والوں سے زیادہ عطا فرماتا ہوں اور اللہ کے کلام کی باقی کلاموں پر اس طرح فضیلت ہے جس طرح اللہ کی مخلوق پر فضیلت ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۹۲۶، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۳۳۵۹، الضعفاء الکبیر للعقیلی ج ۴ ص ۴۹ کتاب الاسماء والصفات للبیہقی ص ۲۷۴)

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے بڑھاپے کے باوجود اسماعیل (علیہ السلام) اور اسحاق (علیہ السلام) عطا فرمائے، بے شک میرا رب ضرور دعا سننے والا ہے ○

اس آیت میں بھی یہ رہنمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرنی چاہیے، باقی رہا یہ کہ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے تو اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کتنی عمر تھی اس کا بیان ان شاء اللہ عنقریب آئے گا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: بے شک میرا رب ضرور دعا سننے والا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (المومن: ۶۰) اور تمہارے رب نے فرمایا تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص دعا کرے تو یہ نہ کہے کہ اے اللہ! اگر تو چاہے تو مجھے بخش دے بلکہ پورے عزم کے ساتھ سوال کرے اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے اور اس کو کوئی مجبور کرنے والا نہیں ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۴۷۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۷۹، مسند احمد رقم الحدیث: ۹۹۰۲، عالم الکتب)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کا سوال کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کو پسند فرماتا ہے کہ اس سے سوال کیا جائے اور افضل عبادت کشادگی کا انتظار کرنا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۷۱، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۰۰۸۸، الکامل لابن عدی ج ۲ ص ۶۶۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص یہ چاہتا ہو کہ مصائب میں اس کی دعا قبول کی جائے اس کو چاہیے کہ راحت کے ایام میں بہ کثرت دعا کیا کرے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۸۲ مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۶۳۹۶ الکامل لابن عدی ج ۵ ص ۱۹۹۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے اس کیفیت کے ساتھ دعا کرو کہ تمہیں دعا قبول ہونے کا یقین ہو اور یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ غافل اور بے حضور قلب کے ساتھ دعا قبول نہیں کرتا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۷۹ المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۵۱۰۵ المستدرک ج ۱ ص ۴۹۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (حضرت ابراہیم نے دعا کی) اے میرے رب! مجھے (ہمیشہ) نماز قائم کرنے والا رکھ اور میری بعض اولاد کو بھی، اے ہمارے رب! اور میری دعا قبول فرماO اے ہمارے رب! میری مغفرت فرما! اور میرے والدین کی اور سب مومنوں کی جس دن حساب ہو گاO (ابراہیم: ۴۱-۴۰)

امن اور سلامتی کا ایمان اور اسلام پر مقدم ہونا

سابقہ آیت اور ان آیتوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاؤں کا ذکر ہے، ان آیتوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب سے سات دعائیں کی ہیں، ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) پہلے یہ دعا کی کہ اے میرے رب! اس شہر کو امن والا بنا دے! اور امن اور امان کا حاصل ہونا سب سے بڑی نعمت ہے، ایمان بھی تب ہی سلامت رہ سکتا ہے جب شہر میں امن ہو جان، مال اور عزت محفوظ ہو، دیکھیے جب اندلس میں امن نہ رہا اور مسلمانوں کی جانیں عیسائی حکمرانوں کے ہاتھوں محفوظ نہ رہیں تو کتنے مسلمانوں کو قتل کر دیا گیا اور کتنے مسلمانوں کو جبراً عیسائی بنا دیا گیا، اذان، نماز باجماعت اور دیگر اسلامی شعائر اسی وقت قائم کیے جا سکتے ہیں جب ملک میں مسلمانوں کو امن حاصل ہو، بھارت میں کتنے مسلمانوں کو شدھی کر دیا گیا، وہاں گائے کی قربانی نہیں کی جا سکتی، مسلمان بچوں کو ہندی اسکولوں میں بندے ماترم کا ترانہ پڑھنا پڑتا ہے، مسلمانوں کی مساجد محفوظ نہیں ہیں، بابری مسجد کو ہندوؤں کا شہید کر دینا ابھی دور کا سانحہ نہیں ہے، اس لیے سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ مسلمانوں کے ملک میں امن قائم ہو، صحت بھی بہت بڑی نعمت ہے لیکن صحت کے حصول کے لیے ہسپتالوں اور ڈاکٹروں تک پہنچنا بھی تب ہی ممکن ہے جب ملک میں امن ہو، ہمارے شہر کراچی میں لسانی ہنگاموں اور اس کے نتیجہ میں مسلسل کئی کئی دن تک پہیہ جام ہڑتالوں کے نتیجہ میں ایسے واقعات بھی پیش آئے کہ لوگ جاں بلب مریضوں کو فوراً ہسپتال نہ پہنچا سکے، کتنی اموات کو بروقت دفنایا نہ جا سکا، کتنے لوگوں کو سامان خورد و نوش کی ضرورت تھی اور ہڑتالوں کی وجہ سے وہ کھانے پینے کا سامان نہ خرید سکے، کئی لوگ روز مرہ دہاڑی پر کام کرتے ہیں اور وہی ان کی روزانہ خوراک کا ذریعہ ہے، کئی پردیسی لوگ بے گھر ہیں وہ صرف ہوٹلوں سے کھانا کھاتے ہیں، ہوٹل بند ہو جانے سے اور روزی نہ ملنے سے یہ تمام لوگ مصائب کا شکار ہوئے اور یہ سب ہڑتالوں کا نتیجہ ہے، پھر لسانی اور فرقہ وارانہ فسادات میں کتنے بچے یتیم ہو جاتے ہیں، بعض گھروں میں ایک ہی شخص سب کا کفیل ہوتا ہے وہ فسادات میں مارا جاتا ہے اور اس کے نتیجہ میں پورا گھر مصائب کا شکار ہو جاتا ہے، غرض بدامنی سے دین کا بھی نقصان ہوتا ہے اور دنیا کا بھی ہوتا ہے، ہنگاموں میں لوگ ڈاکخانے اور بینک جلا دیتے ہیں، گاڑیاں جلا دیتے ہیں، ٹریفک سگنل توڑ دیتے ہیں یہ کس کا نقصان ہے، یہ ہمارا ہی نقصان ہے لیکن صدمہ یہ ہے کہ ہم میں اجتماعی سوچ نہیں رہی! غرض یہ کہ امن نہ ہونے سے دین اور دنیا دونوں خطرے میں ہیں۔ دین اور دنیا میں کامیابی اسی وقت حاصل ہو گی جب مسلمانوں کے ملک میں امن اور امان قائم ہو یہی وجہ

ہے کہ جس ملک میں مسلمانوں کی جان اور ان کا ایمان خطرہ میں ہو وہاں کے مسلمانوں پر ہجرت کرنا فرض ہے اور اسی سبب سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سات دعائیں کیں ہر دعا اپنی جگہ اہم ہے لیکن انہوں نے ملک میں سلامتی اور امن کے حصول کو سب پر مقدم کیا اور فرمایا: اے میرے رب! اس شہر کو امن والا بنادے!

ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی چاند دیکھ کر دعا کی تو امن اور سلامتی کا ذکر ایمان اور اسلام سے پہلے کیا۔ طلحہ بن عبید اللہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چاند دیکھ کر دعا کی:

اللهم اهله علينا بالامن والايمان والسلامة والاسلام ربي وربك الله۔ اے اللہ ہمیں اس چاند میں امن اور سلامتی اور اسلام کے ساتھ رکھ۔ میرا اور تیرا رب اللہ ہے۔

(عمل الیوم واللیلہ لابن سنی رقم الحدیث: ۶۴، المستدرک ج ۴ ص ۲۸۵، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۱۶۸۷، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۵۱، مسند احمد ج ۱ ص ۱۶۲ قدیم، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۳۹۷، شرح السنہ رقم الحدیث: ۱۳۳۵، امام ترمذی، امام احمد اور امام بغوی کی روایت میں امن کی جگہ یمن کا لفظ ہے۔)

حضرت ابراھیم علیہ السلام کی بقیہ دعاؤں کی تشریح

(۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دوسری دعا یہ مانگی کہ اللہ تعالیٰ ان کو اور ان کے بیٹوں کو توحید پر قائم رکھے اور بت پرستی سے محفوظ رکھے۔

(۳) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تیسری دعا اپنی امت کے گناہ گاروں اور گناہ کبیرہ کے مرتکبین کے لیے تھی، آپ نے ان کے لیے مغفرت طلب کی اور یہ گناہ گاروں کے لیے شفاعت ہے۔

(۴) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی چوتھی دعا اپنے اور اپنی اولاد کے لیے آسانی اور سہولت اور دین و دنیا کی بہتری اور خیر کے حصول کے لیے تھی کیونکہ انہوں نے کہا: اے ہمارے رب میں نے اپنی اولاد کو یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بے آب و گیاہ وادی میں یعنی تیرے حرمت والے گھر کے نزدیک ٹھہرادیا ہے۔ اے ہمارے رب تاکہ وہ نماز کو قائم رکھیں، تو کچھ لوگوں کو ایسا کردے کہ وہ ان کی طرف مائل رہیں اور ان کو پھلوں سے روزی دے تاکہ وہ شکرادا کریں، اور بے آب و گیاہ کہنے میں یہ اشارہ ہے کہ اللہ اس زمین کو سرسبز و شاداب کردے۔

(۵) پانچویں دعا یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کو اور ان کی اولاد کو حوادث اور مصائب سے محفوظ رکھے، کیونکہ تیرے بتائے بغیر ہمیں مستقبل میں پیش آنے والی آفتوں کا اور غیب کی باتوں کا علم نہیں ہے، اس لیے انہوں نے کہا: اے ہمارے رب! بے شک تو ان باتوں کو جانتا ہے جن کو ہم چھپاتے ہیں اور جن کو ہم ظاہر کرتے ہیں اور اللہ سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے نہ زمین میں نہ آسمان میں۔

(۶) چھٹی دعا یہ تھی کہ اے اللہ! ہماری ان دعاؤں کو قبول فرما، اس میں یہ تعلیم ہے کہ بندہ اپنی دعائیں کرنے کے بعد آخر میں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرے کہ اللہ ان سب دعاؤں کو قبول فرمائے۔

نبی معصوم کی دعاء مغفرت کے محامل

(۷) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مغفرت کی دعا کی حالانکہ وہ معصوم ہیں، اور انبیاء علیہم السلام جب اپنے لیے مغفرت کی دعا کرتے ہیں تو اس سے مراد ترقی درجات ہوتی ہے، یا انبیاء علیہم السلام مغفرت کی دعا کرکے اپنی تواضع اور

انکساری کو ظاہر کرتے ہیں اور یہ واضح کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت سے کوئی مستغنی نہیں ہے اور جب انبیاء علیہم السلام بھی اللہ تعالیٰ سے استغفار کر رہے ہیں تو عام لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنے کی کتنی احتیاج ہے اور یا یہ استغفار اس لیے کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا پورا شکر ادا نہیں کر سکے کیونکہ اس کی نعمتیں غیر متناہی ہیں اور ان کا شکر متناہی ہے اور وہ اس کی عبادت کا حق نہیں ادا کر سکے۔ اور یا یہ استغفار اس وجہ سے ہے کہ امت کی تعلیم اور تشریع کے لیے انہوں نے جو بہ ظاہر مکروہ تنزیہی یا خلاف اولیٰ کام کیے اس پر اللہ سے استغفار کرتے ہیں حالانکہ وہ کام ان کے حق میں فرض کا درجہ رکھتے ہیں کیونکہ امت کو تعلیم دینا اور کسی مکروہ کام کا جواز بیان کرنا فرائض نبوت سے ہے اور یا استغفار کی وجہ یہ ہے کہ ابرار کی نیکیاں بھی مقربین کے نزدیک خطاء کے حکم میں ہوتی ہیں اور یا ان کا استغفار اجتہادی خطا پر ہوتا ہے ہرچند کہ وہ اجتہادی خطاء پر قائم نہیں رہتے اور ان کو اس پر بھی ثواب ملتا ہے۔

(۸) حضرت ابراھیم علیہ السلام نے پہلے اپنے لیے دعا کی پھر اپنے والدین اور تمام مسلمانوں کے لیے دعا کی اور اس میں ہم کو دعا کا طریقہ بتایا ہے کہ سب سے پہلے اپنے لیے دعا کرنی چاہیے تاکہ یہ معلوم ہو کہ میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت کا محتاج ہوں، اور اگر وہ صرف دوسروں کے لیے دعا کرے اور اپنے لیے دعا نہ کرے تو اس سے یہ ظاہر ہوگا کہ وہ اپنے آپ کو دعا سے مستغنی سمجھتا ہے اور اگر وہ دوسروں کے بعد اپنے لیے دعا کرے تو اس سے یہ ظاہر ہوگا کہ وہ دوسروں کی بہ نسبت اللہ تعالیٰ سے دعا کا کم محتاج ہے۔

حضرت ابراھیم علیہ السلام کے والدین کے مومن ہونے پر دلائل

(۹) حضرت ابراھیم علیہ السلام نے اپنے والدین کے لیے جو دعا کی ہے اس کی تفسیر میں امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ حضرت ابراھیم علیہ السلام کے ماں باپ کافر تھے اور کافروں کے لیے استغفار کرنا جائز نہیں ہے سو اس اعتراض کے متعدد جوابات ہیں، پہلا جواب یہ ہے کہ جس وقت حضرت ابراھیم علیہ السلام نے یہ دعا کی اس وقت ان کو یہ علم نہیں تھا کہ کافروں کے لیے استغفار کرنا جائز نہیں ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ والدین سے ان کی مراد حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہما السلام ہیں، تیسرا جواب یہ ہے کہ ان کی دعا سے مراد تھی بہ شرط اسلام اور بعض مفسرین نے یہ جواب دیا ہے کہ ان کی والدہ مومنہ تھیں صرف باپ کافر تھے اسی وجہ سے قرآن مجید میں خصوصیت سے باپ کے متعلق یہ آیتیں ہیں:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ○ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ۭ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ○ (التوبہ: ۱۱۴-۱۱۳)

ایمان والوں اور نبی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ مشرکین کے لیے استغفار کریں، خواہ وہ ان کے رشتہ دار ہوں، جب ان پر یہ ظاہر ہو چکا ہو کہ وہ دوزخی ہیں ○ اور ابراھیم نے اپنے (عرفی) باپ کے لیے جو استغفار کیا تھا وہ صرف اس وعدہ کی وجہ سے تھا جو وہ اس سے کر چکے تھے، جب ان کو یہ معلوم ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بیزار ہو گئے، بے شک ابراھیم بہت نرم دل اور بہت حلم والے تھے ○

(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۱۰۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام رازی بہت بڑے عالم ہیں، ہم ان کے شاگردوں کے علوم کو بھی نہیں پہنچتے اور علمی اعتبار سے ہم ان کی گرد راہ بھی نہیں ہیں، ہم نے اپنی تفسیر میں ان کی تحقیقات اور نکات آفرینی سے بہت استفادہ کیا ہے، ہمارے دل میں ان کی بہت زیادہ توقیر اور تکریم ہے، لیکن انبیاء علیہم السلام کی تعظیم و تکریم اس سے کہیں زیادہ ہے، انبیاء علیہم السلام کی تعظیم و توقیر ہمارے ایمان کا جزو ہے، ہمیں اس سے اتفاق نہیں ہے کہ حضرت ابراھیم علیہ السلام کے والدین کافر تھے، سورۃ التوبہ کی یہ آیت حضرت ابراھیم علیہ السلام کے چچا آزر کے متعلق ہے اور اس آیت میں باپ کا اطلاق چچا پر ہے اور عرب میں یہ معروف ہے، ہم یہ نہیں مانتے کہ حضرت ابراھیم علیہ السلام کو یہ علم نہیں تھا کہ مشرکین کے لیے استغفار کرنا جائز نہیں ہے، اور سورہ توبہ کی اس آیت سے بہرحال آپ کو معلوم ہو گیا تھا کہ مشرکین کے لیے استغفار کرنا جائز نہیں ہے اور سورہ ابراھیم: ۴۱ کی اس آیت میں جو حضرت ابراھیم علیہ السلام نے اپنے والدین کے لیے مغفرت کی دعا کی ہے یہ بہت بعد کا واقعہ ہے جب حضرت ابراھیم علیہ السلام بوڑھے ہو چکے تھے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہو چکے تھے، اس دعا سے پہلے حضرت ابراھیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی اور کہا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَی الْكِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ ۝ (ابراھیم: ۳۹)

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے بڑھاپے کے باوجود اسماعیل اور اسحاق عطا فرمائے بے شک میرا رب ضرور دعا سننے والا ہے ۝

اور اس کے بعد حضرت ابراھیم علیہ السلام نے یہ دعا کی ہے:

رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ ۝ (ابراھیم: ۴۱)

اے ہمارے رب میری مغفرت فرما اور میرے والدین کی اور سب مومنوں کی جس دن حساب ہو گا ۝

امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں:

حضرت ابراھیم علیہ السلام کو آزر کی زندگی میں اس کے ایمان لانے کی امید تھی اس وجہ سے وہ اس کے لیے استغفار کرتے تھے، جب آزر مر گیا تو انہوں نے اس کے لیے استغفار نہیں کیا اور اس سے بے زار ہو گئے وہ مر گیا اور ایمان نہیں لایا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۰۰۶۰ مطبوعہ مکتبہ نزار المصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ)

آزر نے ۲۰۵ سال کی عمر پائی اور اس کی وفات شام کے مشہور و قدیم شہر حران میں ہوئی۔

(عہد نامہ قدیم، التکوین باب: ۱۱، آیت: ۳۰، دائرۃ المعارف الاسلامیہ ج ۱ ص ۱۱۵)

امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ لکھتے ہیں:

ہشام بن محمد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابراھیم علیہ السلام نے بابل سے شام کی طرف ہجرت کی، وہاں سارہ نے اپنے آپ کو حضرت ابراھیم کے لیے ہبہ کر دیا، حضرت ابراھیم نے ان سے نکاح کر لیا وہ ان کے ساتھ گئیں اس وقت حضرت ابراھیم علیہ السلام کی عمر سینتیس سال تھی، وہ ان کے ساتھ حران گئے اور ایک طویل عرصہ تک وہاں رہے، پھر وہاں سے اردن چلے گئے اور وہاں بھی ایک طویل عرصہ تک رہے، پھر مصر چلے گئے اور وہاں بھی ایک طویل عرصہ تک رہے پھر شام لوٹ آئے اور وہاں ایلیا اور فلسطین کے درمیان السبع کے علاقہ میں رہے، وہاں ایک کنواں کھودا اور مسجد بنائی، وہاں کچھ لوگوں نے آپ کو ستایا تو آپ فلسطین اور ایلیا کے درمیان ایک مقام پر چلے گئے، وہاں بھی کنواں کھودا اور اقامت کی، اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت مال اور بہت غلام عطا کیے تھے، آپ وہ پہلے شخص ہیں جس نے مہمان نوازی کی اور پہلے

شخص ہیں جس نے ثرید (سالن میں روٹی کے ٹکڑے) بنایا اور پہلے شخص ہیں جس نے سفید بال دیکھے۔

(الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۴۰-۳۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

امام محمد بن سعد، محمد بن عمر اسلمی سے روایت کرتے ہیں جب حضرت ابراھیم علیہ السلام کی عمر نوے سال ہو گئی تو حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے اور اس کے تیس سال بعد حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے، اس وقت حضرت ابراھیم علیہ السلام کی عمر ایک سو بیس سال تھی۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۴۱-۴۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت ابراھیم علیہ السلام سارہ کے ساتھ ایک جابر بادشاہ کے ملک میں پہنچے۔ (حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے لکھا ہے وہ مصر کا بادشاہ تھا اور اس کا نام عمرو بن امرء القیس بن سبا تھا۔ فتح الباری ج ۶ ص ۳۹۲) اس بادشاہ کو یہ بتایا گیا کہ اس کے ملک میں ایک شخص بہت حسین عورت کے ساتھ داخل ہوا ہے، اس نے حضرت ابراھیم کو بلوایا، اور پوچھا یہ عورت کون ہے، حضرت ابراھیم علیہ السلام نے کہا یہ میری بہن ہے، پھر آپ سارہ کے پاس گئے اور کہا اے سارہ اس وقت روئے زمین پر میرے اور تمہارے سوا کوئی اور مومن نہیں ہے اور اس بادشاہ نے مجھ سے تمہارے متعلق پوچھا تو میں نے کہا یہ میری بہن ہے تم میری تکذیب نہ کرنا (یعنی تم میری دینی بہن ہو، حضرت ابراھیم علیہ السلام نے یہ توریہ اس لیے کیا تھا کہ جب اس ظالم بادشاہ کو پتا چلتا کہ کوئی حسین عورت کسی کی بیوی ہے تو وہ اس کو قتل کرا دیتا تھا۔ فتح الباری ج ۶ ص ۳۹۳-۳۹۲) اس ظالم بادشاہ نے سارہ کو بلوایا اور ان کو اپنے ہاتھ سے پکڑنے لگا، تو اس کا ہاتھ شل ہو گیا، اس نے کہا تم اللہ سے میرے لیے دعا کرو میں تم کو نقصان نہیں پہنچاؤں گا، جب حضرت سارہ نے دعا کی تو اس کا ہاتھ ٹھیک ہو گیا، اس نے دوبارہ حضرت سارہ کو پکڑا تو دوبارہ اس کا ہاتھ اسی طرح شل ہو گیا یا پہلے سے بھی زیادہ، اس نے کہا تم اللہ سے میرے لیے دعا کرو میں تم کو نقصان نہیں پہنچاؤں گا، حضرت سارہ نے دعا کی تو پھر اس کو چھوڑ دیا گیا، پھر اس نے اپنے بعض کارندوں کو بلایا، اور کہا تم میرے پاس کسی انسان کو نہیں لائے ہو بلکہ ایک جنیہ کو لائے ہو، پھر اس نے حضرت سارہ کی خدمت کے لیے ھاجر ان کو دی (حضرت ھاجر کے والد قبطیوں کے بادشاہوں میں سے تھے اور وہ مصر کے ایک شہر حفن کی رہنے والی تھیں، خلاصہ یہ کہ وہ شہزادی تھیں۔ فتح الباری ج ۶ ص ۳۹۴) حضرت سارہ، حضرت ابراھیم کے پاس پہنچیں وہ اس وقت کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے، انہوں نے ہاتھ کے اشارہ سے پوچھا کیا ہوا؟ حضرت سارہ نے کہا اللہ نے کافر کے مکر کو رد کر دیا اور خدمت کے لیے ھاجر دے دی، حضرت ابو ہریرہ نے کہا یہی (حضرت ھاجر) تمہاری ماں ہیں اے زمزم کے بیٹو!

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۵۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۷۱، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۶۶، مسند احمد رقم الحدیث: ۹۲۳۰، عالم الکتب)

ہم اس سے پہلے باحوالہ بیان کر چکے ہیں کہ آذر شام کے قدیم شہر حران میں مر گیا تھا اور حضرت ابراھیم ایک طویل عرصہ حران میں رہنے کے بعد اردن گئے، اور اردن میں ایک طویل عرصہ رہنے کے بعد حضرت سارہ کے ساتھ مصر گئے اور مصر میں حضرت سارہ کو حضرت ھاجر دی گئیں، جیسا کہ صحیح بخاری کی اس حدیث اور اس کی شرح فتح الباری کے حوالے سے ہم بیان کر چکے ہیں اور امام ابن سعد نے بھی یہ روایت کیا ہے کہ حضرت ھاجر قبطیہ تھیں اور مصر کے ایک شہر کی رہنے والی تھیں، وہ مصر کے ایک ظالم اور سرکش فرعون کے پاس تھیں جس نے حضرت سارہ کی عزت پر ہاتھ ڈالنا چاہا تھا۔ اللہ نے اس کو نامراد کیا پھر اس نے حضرت ھاجر کو بلایا اور حضرت سارہ کو بخش دیا۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۴۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اور حضرت ھاجر کے بطن سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے اور اس کے تیس سال بعد حضرت اسحاق پیدا ہوئے

اس وقت حضرت ابراھیم علیہ السلام کی عمر ایک سو بیس سال تھی اور حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق کے پیدا ہونے کے بعد حضرت ابراھیم علیہ السلام نے یہ دعا کی: اور تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے بڑھاپے کے باوجود اسماعیل اور اسحاق عطا فرمائے، بے شک میرا رب ضرور دعا سننے والا ہے O اے میرے رب! مجھے (ہمیشہ) نماز قائم کرنے والا رکھ، اور میری اولاد کو بھی، اے ہمارے رب! اور میری دعا قبول فرما! O اے ہمارے رب! میری مغفرت فرما! اور میرے والدین کی اور سب مومنوں کی جس دن حساب ہو گا O (ابراھیم: ۴۱-۳۹)

اس تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ آزر کے مرنے اور حضرت ابراھیم کے اس سے بیزار ہونے کے بہت عرصہ گزرنے کے بعد اور کم و بیش پچاس سال گزرنے کے بعد حضرت ابراھیم علیہ السلام نے اپنے والدین کے لیے مغفرت کی دعا کی ہے اور کافروں کے لیے دعا کرنے سے خصوصاً آزر کے لیے مغفرت کی دعا کرنے سے آپ کو منع کر دیا گیا تھا اور آپ نے اپنے والدین کے لیے مغفرت کی دعا کی ہے تو روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ آپ کے والدین مومن تھے اور آزر آپ کا باپ نہ تھا کیونکہ وہ تو بہت سال پہلے مر چکا تھا اور آپ اس سے بیزار ہو چکے تھے، تو جن والدین کے لیے مغفرت کی یہ دعا کی ہے وہ مومن تھے۔

اللہ کا بے پایاں شکر ہے کہ اس نے مجھے اس ترتیب سے باحوالہ حضرت ابراھیم کے والدین کے ایمان کو ثابت اور بیان کرنے کی توفیق عطا کی۔ الانعام: ۷۴ میں بھی میں نے انبیاء علیہم السلام کے والدین کریمین کے ایمان کو تفصیل سے لکھا ہے لیکن ابراھیم: ۴۱ کی یہ تقریر تفصیل اور تحقیق کے اعتبار سے منفرد ہے اور شاید کہ قارئین کو یہ تقریر اور کسی کتاب میں نہیں ملے گی۔

نماز میں دعا مانگنے کے آداب

حضرت ابراھیم علیہ السلام نے جو دعا کی ہے کہ مجھے اور میری اولاد کو ہمیشہ نماز پڑھنے والا بنا اور اے میرے رب! قیامت کے دن میری مغفرت فرما اور میرے والدین کی اور تمام مومنین کی، اکثر اور بیشتر مسلمان اپنی نمازوں میں یہی دعا کرتے ہیں۔

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

علامہ حصکفی نے کہا ہے کہ نماز میں اپنے لیے، اپنے ماں باپ کے لیے، اپنے استاذ کے لیے اور مومنین کے لیے دعا کرے، (علامہ شامی فرماتے ہیں) مومنین کی قید سے کفار سے احتراز کر لیا کیونکہ کافروں کے لیے مغفرت کی دعا کرنا جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ عنقریب آئے گا، ہاں اگر وہ زندہ ہوں تو ان کے لیے ہدایت اور توفیق کی دعا کرے اور دعا میں مومنین کے ساتھ مومنات کا بھی اضافہ کر دے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ (محمد: ۱۹)

اپنے ذنب (بظاہر خلاف اولیٰ کاموں) اور مومنین اور مومنات کے گناہوں کے لیے مغفرت طلب کیجیے۔

اور حدیث میں ہے جس شخص نے نماز پڑھی اور اس میں مومنین اور مومنات کے لیے دعا نہیں کی اس کی نماز ناقص ہے۔ (معرفۃ التذکرۃ فی الاحادیث الموضوعہ رقم الحدیث: ۷۶۸ اس کی سند میں عمرو بن محمد بن الاعشم کذاب ہے) اور ایک اور حدیث میں ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کو بندہ کی سب سے زیادہ محبوب دعا یہ ہے کہ وہ کہے کہ اے اللہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت پر بالعموم رحمت فرما۔ (الکامل لابن عدی ج ۵

ص ۵۰۶، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ، تذکرۃ الموضوعات لابن قیسرانی رقم الحدیث: ۶۹۱، تاریخ بغداد ج ۶ ص ۱۵۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۱۴، الضعفاء للعقیلی ج ۲ ص ۳۵۰، امام ابن عدی نے اس حدیث کو منکر قرار دیا ہے۔) اور ایک روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دعا کرتے ہوئے سنا اے اللہ میری مغفرت فرما تو آپ نے فرمایا تم پر افسوس ہے اگر تم عام لوگوں کے لیے دعا کرتے تو تمہاری دعا قبول ہوتی، ایک اور حدیث میں ہے ایک شخص نے دعا کی اے اللہ میری مغفرت فرما اور مجھ پر رحم فرما تو آپ نے اس کے کندھے پر ہاتھ مار کر فرمایا اپنی دعا میں تعمیم کرو، کیونکہ خاص اور عام دعا میں اتنا فرق ہے جتنا آسمان اور زمین میں فرق ہے، اور البحر الرائق میں الحاوی القدسی سے منقول ہے کہ نماز کے قعدہ اخیرہ کی سنتوں میں سے یہ ہے کہ اپنے لیے اپنے والدین کے لیے اپنے اساتذہ کے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے دین اور دنیا کی بھلائی کی دعا کرے اور یوں کہے اللھم اغفرلی ولوالدی واستاذی وجمیع المومنین۔ ہرچند کہ استاذی کا لفظ قرآن مجید میں نہیں ہے، لیکن اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی، اور کسی محال چیز کی دعا نہ کرے مثلاً یہ دعا کرے کہ مجھے جنت میں انبیاء علیہم السلام کا مقام ملے یا یہ دعا کرے کہ مجھے دنیا اور آخرت میں کبھی بھی کسی قسم کا ضرر لاحق نہ ہو کیونکہ یہ محال عادی ہے انسان کو کچھ نہ کچھ ضرر ضرور لاحق ہوگا، اور نہ دعا میں حد سے تجاوز کرے، حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے بیٹے کو دعا کرتے ہوئے سنا اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ جب میں جنت میں داخل ہوں تو مجھے اس کی دائیں جانب سفید رنگ کا محل عطا فرمانا، تو حضرت عبد اللہ بن مغفل نے کہا اے بیٹے! اللہ سے (بس) جنت کا سوال کرو اور دوزخ سے پناہ مانگو کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ عنقریب اس امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو دعا میں اور وضو میں حد سے تجاوز کریں گے۔

(صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۷۶۴، مسند احمد ج ۴ ص ۸۷، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۲۸۸)

دعاء حرام

علامہ حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے لکھا ہے کہ نمازی یہ دعا کرے کہ میں تمام عمر عافیت سے رہوں یا مجھے دین اور دنیا کی تمام بھلائیاں حاصل ہوں اور تمام برائیاں مجھ سے دور رہوں یا محال عادی کا سوال کرے مثلاً مجھ پر دستر خوان نازل ہو، یا محال شرعی کا سوال کرے مثلاً کافر کی مغفرت کا سوال کرے تو یہ تمام دعائیں حرام ہیں۔ (علامہ شامی فرماتے ہیں) کیونکہ جو شخص کافر کی مغفرت طلب کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی خبر کی تکذیب طلب کرتا ہے، اور اگر یہ دعا کرے کہ اللہ تمام مومنوں کے تمام گناہوں کو معاف کر دے تو یہ بھی حرام ہے کیونکہ اس دعا میں ان احادیث صحیحہ کی تکذیب ہے جن میں یہ تصریح ہے کہ بعض مومنوں کو دوزخ میں عذاب دیا جائے گا پھر اللہ تعالیٰ ان کو شفاعت سے یا محض اپنے فضل سے دوزخ سے نکال لے گا، لیکن کافر کی مغفرت کی دعا کرنا کفر ہے کیونکہ اس میں قرآن مجید کی تکذیب ہے اور ثانی الذکر دعا کفر نہیں ہے کیونکہ اس میں اخبار آحاد کی تکذیب ہے۔

تمام مسلمانوں کی مغفرت کی دعا کرنا آیا خلف وعید کو مستلزم ہے؟

تمام مسلمانوں کے تمام گناہوں کی مغفرت کا معاملہ ایک مشہور مسئلہ پر مبنی ہے وہ یہ ہے کہ آیا خلف وعید جائز ہے یا نہیں؟ یعنی اللہ تعالیٰ نے جن گناہ گاروں کو عذاب دینے کی وعید سنائی ہے اللہ تعالیٰ اس کے خلاف کر سکتا ہے یا نہیں، اشاعرہ کہتے ہیں کہ خلف وعید جائز ہے کیونکہ سزا کی وعید سنا کر سزا نہ دینا جود و کرم سے شمار کیا جاتا ہے اور علامہ تفتازانی نے تصریح کی ہے اور اسی طرح علامہ نسفی نے تصریح کی ہے کہ خلف وعید محال ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَیَّ وَ قَدْ قَدَّمْتُ اِلَیْكُمْ بِالْوَعِیْدِ○ مَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ (ق: ۲۹-۲۸)

اللہ ارشاد فرمائے گا میرے سامنے جھگڑا نہ کرو میں تمہارے پاس پہلے ہی عذاب کی وعید بھیج چکا ہوں○ اور میری بات تبدیل نہیں ہوتی۔

وَلَنْ یُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ (الحج: ۴۷)

اور اللہ اپنی وعید کے ہرگز خلاف نہیں کرے گا۔

حق کے قریب تر یہ ہے کہ مسلمانوں کے حق میں خلف وعید جائز ہے اور کفار کے حق میں محال ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ (النساء: ۱۱۶)

بے شک اللہ اس کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس سے کم گناہوں کو جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا۔

اس آیت سے واضح ہو گیا کہ کافر اور مشرک کی تو بہرحال بخشش نہیں ہو گی اور مسلمان گناہ گاروں میں سے اللہ جس کو چاہے گا بخش دے گا اور اسی طرح سورت ابراھیم: ۴۱ میں حضرت ابراھیم علیہ السلام نے تمام مسلمانوں کی مغفرت کے لیے دعا کی ہے اور سورت محمد: ۱۹ میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لیے مغفرت طلب کرنے کا حکم دیا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل کر کے یہ دعا کی اے اللہ! عائشہ کے اگلے اور پچھلے اور ظاہر اور خفی ذنب کو معاف فرما دے اور فرمایا میں یہی دعا ہر نماز میں اپنی امت کے لیے بھی کرتا ہوں (صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۱۱۱، مسند البزار رقم الحدیث: ۲۶۵۸، المستدرک ج ۴ ص ۱۱، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۴۳) اور یہ دعا ان نصوص کے خلاف نہیں ہے جن میں مذکور ہے کہ بعض گناہ گار مسلمان دوزخ میں داخل ہوں گے، کیونکہ مقصود یہ ہے کہ تمام گناہ گار مسلمانوں کے تمام گناہوں کی مغفرت جائز اور ممکن ہے، نہ اس پر جزم اور یقین کرنا کہ یہ مغفرت تمام مسلمانوں کو حاصل ہو گئی ہے اور اس دعا کا جواز اس کے وقوع کے جواز اور امکان پر موقوف ہے نہ کہ اس کے وقوع کے جزم اور یقین پر۔

علامہ ابی اور نووی نے یہ کہا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ بعض گناہ گار مسلمانوں میں وعید ضرور نافذ ہو گی اور جب کوئی شخص یہ دعا کرے گا کہ اے اللہ تمام مسلمانوں کی مغفرت کر دے تو یہ ایسا ہے جیسے کوئی یہ دعا کرے کہ اے اللہ! ہم پر نماز اور روزہ واجب نہ کر یا جیسے کوئی مردہ کافر کے لیے مغفرت کی دعا کرے، البتہ اس کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ تمام مسلمانوں کے لیے مغفرت کی دعا کرنے میں اپنے مسلمان بھائیوں کے لیے شفقت کا اظہار ہے اور جب یہ دعا کرے گا کہ اے اللہ ہم پر نماز اور روزہ فرض نہ کر تو اس دعا میں اللہ تعالیٰ کی عبادت سے گریز اور بیزاری کا اظہار ہے، لہٰذا وہ اس دعا سے گناہ گار ہو گا لیکن کافر نہیں ہو گا اور جب مردہ کافروں کے لیے مغفرت کی دعا کرے گا تو یہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے محبت کا اظہار ہے اور قرآن مجید کی نصوص صریحہ کا انکار ہے، اس لیے یہ کفر ہے اور تمام مومنوں کے لیے دعا کرنا اس طرح نہیں ہے۔

(رد المحتار ج ۱ ص ۳۵۱-۳۵۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۷ھ، رد المحتار ج ۲ ص ۲۱۰-۲۰۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۹ھ)

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا یَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ؕ اِنَّمَا یُؤَخِّرُهُمْ لِیَوْمٍ

اور ظالم جو کچھ کر رہے ہیں تم اللہ کو اس سے ہرگز بے خبر نہ سمجھنا، وہ انہیں اس دن تک کے لیے ڈھیل دے رہا

تَشْخَصُ فِيهِ الْأَبْصَارُ ﴿٤٢﴾ مُهْطِعِينَ مُقْنِعِي رُءُوسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ إِلَيْهِمْ

ہے جس دن (دہشت سے) سب کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی ○ لوگ سر اٹھائے ہوئے بے تحاشا دوڑ رہے ہوں گے درآں حالیکہ

طَرْفُهُمْ ۖ وَأَفْئِدَتُهُمْ هَوَاءٌ ﴿٤٣﴾ وَأَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَأْتِيهِمُ الْعَذَابُ

ان کی پلک تک نہ جھپک رہی ہوگی اور ان کے دل ہوا ہو رہے ہوں گے ○ آپ لوگوں کو اس دن سے ڈرائیے جب ان پر عذاب آئے گا

فَيَقُولُ الَّذِينَ ظَلَمُوا رَبَّنَا أَخِّرْنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ نُجِبْ دَعْوَتَكَ

تو ظالم لوگ کہیں گے: اے ہمارے رب ہمیں کچھ مدت کی مہلت دے دے، ہم تیرے پیغام کو قبول کریں گے

وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ۗ أَوَلَمْ تَكُونُوا أَقْسَمْتُمْ مِنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِنْ زَوَالٍ ﴿٤٤﴾

اور تیرے رسولوں کی پیروی کریں گے (ان سے کہا جائے گا) کیا تم نے اس سے پہلے یہ قسمیں نہیں کھائی تھیں کہ تم پر بالکل زوال نہیں آئے گا

وَسَكَنْتُمْ فِي مَسَاكِنِ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ

اور تم ان لوگوں کے گھروں میں رہتے تھے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا اور تم پر خوب ظاہر ہو چکا تھا کہ ہم نے

فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْأَمْثَالَ ﴿٤٥﴾ وَقَدْ مَكَرُوا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللَّهِ

ان کے ساتھ کیسا معاملہ کیا تھا اور ہم نے تمہارے لیے مثالیں بھی بیان کر دی تھیں ○ اور انہوں نے گہری سازشیں کیں، اور اللہ کے

مَكْرُهُمْ ۗ وَإِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُولَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿٤٦﴾ فَلَا تَحْسَبَنَّ

پاس ان کی سازشیں لکھی ہوئی ہیں، اور ان کی سازشیں ایسی (خطرناک) ہیں کہ ان سے پہاڑ بھی (اپنی جگہ سے) ہل جائیں ○ تو تم ہرگز

اللَّهَ مُخْلِفَ وَعْدِهِ رُسُلَهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿٤٧﴾ يَوْمَ

یہ گمان نہ کرنا کہ اللہ اپنے رسولوں سے کیے ہوئے وعدہ کے خلاف کرنے والا ہے، بے شک اللہ بہت غالب، انتقام لینے والا ہے ○

تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمَاوَاتُ ۖ وَبَرَزُوا لِلَّهِ الْوَاحِدِ

جس دن زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی، اور سب لوگ اللہ کے سامنے پیش ہوں گے جو واحد ہے

الْقَهَّارِ ﴿٤٨﴾ وَتَرَى الْمُجْرِمِينَ يَوْمَئِذٍ مُقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ ﴿٤٩﴾

اور غالب بھی ○ اور آپ اس دن مجرموں کو زنجیروں میں جکڑا ہوا دیکھیں گے ○

سَرَابِيلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ﴿۵۰﴾ لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ

وہ (آگ بھڑکانے والے) روغن کی قمیصیں پہنے ہوئے ہوں گے اور ان کے چہروں سے آگ لپٹ رہی ہو گی ○ تاکہ اللہ ہر شخص کو اس

نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۵۱﴾ هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا

کے کاموں کا بدلہ دے، بے شک اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے ○ یہ (قرآن) تمام لوگوں کے لیے پیغام ہے تاکہ انہیں

بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۵۲﴾

اس کے ساتھ ڈرایا جائے اور تاکہ وہ یہ جان لیں کہ صرف وہ ایک ہی مستحق عبادت ہے اور تاکہ عقل والے نصیحت حاصل کریں ○

ع ۱۱/۷ ۱۹

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ظالم جو کچھ کر رہے ہیں تم اللہ کو اس سے ہرگز بے خبر نہ سمجھنا، وہ انہیں اس دن تک کے لیے ڈھیل دے رہا ہے جس دن (دہشت سے) سب کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی ○ لوگ سر اٹھائے ہوئے بے تحاشا دوڑ رہے ہوں گے درآنحالیکہ ان کی پلک تک نہ جھپک رہی ہو گی اور ان کے دل ہوا ہو رہے ہوں گے ○

(ابراہیم: ۴۳-۴۲)

مشکل الفاظ کے معانی

تشخص: یہ لفظ شخوص سے بنا ہے کسی کو لگاتار ٹکٹکی باندھ کر دیکھنا، اس کا معنی ہے آنکھوں کو کھلا رکھنا۔

مھطعین: یہ مھطع کی جمع ہے، اس کا معنی ہے سر جھکائے تیزی سے دوڑنے والے، اور عاجزی اور ذلت کی وجہ سے نظر نہ اٹھانے والے۔

مقنعی رءوسھم: اپنے سروں کو آسمان کی طرف بلند کر کے دیکھنے والے، قنع کا معنی ہے عاجزی دکھانا اقنع راسہ کا معنی ہے اپنے سر کو بلند کرنا۔

وقوع قیامت پر عقلی دلیل

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے توحید کے دلائل بیان کیے پھر یہ بتایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی تھی کہ اللہ تعالیٰ انہیں اور ان کی اولاد کو شرک سے محفوظ رکھے اور ان کو دنیا میں نیک اعمال کی توفیق عطا فرمائے اور آخرت میں ان کی، ان کے والدین کی اور تمام مسلمانوں کی مغفرت فرمائے اور چونکہ طلب مغفرت کے ضمن میں یہ مطلوب آ گیا تھا کہ قیامت قائم ہو گی اس لیے اللہ تعالیٰ نے قیامت پر دلیل قائم فرمائی: اور ظالم جو کچھ کر رہے ہیں تم اللہ کو اس سے ہرگز بے خبر نہ سمجھنا، اس سے مقصود اس بات پر تنبیہ کرنا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ مظلوم سے ظالم کا انتقام نہ لے تو لازم آئے گا یا تو اللہ تعالیٰ ظالم کے ظلم سے لاعلم اور غافل ہے، اور یا اس سے انتقام لینے سے عاجز ہے اور یا اس کے ظلم پر راضی ہے اور جب کہ یہ تمام امور اللہ تعالیٰ پر محال ہیں تو ماننا پڑے گا کہ ایک دن تمام انسان، یہ جہان اور اس کی تمام چیزیں فنا کر دی جائیں گی اور ان تمام چیزوں کا فنا ہو جانا ہی قیامت ہے اس کے بعد حشر اور روز حساب قائم ہو گا اور ظالم کو اس کے ظلم پر سزا دی جائے گی اور مظلوم کو اس کی مظلومیت پر جزا دی جائے گی۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ظالم کو اس کے ظلم پر سزا دینے کے لیے تمام جہان کو فنا کرنا کیوں ضروری ہے ظالم اور مظلوم

کو ان کے مرنے کے فوراً بعد جزا اور سزا کا سلسلہ کیوں نہیں شروع کر دیا جاتا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب تک یہ جہان قائم رہے گا انسان کی نیکیوں اور برائیوں کا سلسلہ جاری رہے گا، مثلاً کسی انسان نے ایک مسجد بنوادی تو جب تک اس مسجد میں نماز پڑھی جاتی رہے گی اس کی نیکیوں کا سلسلہ جاری رہے گا خواہ وہ وفات پا چکا ہو اور اسی طرح جس آدمی نے کنواں بنوادیا۔ تو جب تک اس کنویں سے پانی پیا جاتا رہے گا اس کی نیکیوں کا سلسلہ جاری رہے گا علی ھذا القیاس اس نے تفسیر قرآن اور شرح حدیث کی کوئی کتاب لکھ دی تو یونہی معاملہ ہوگا' اور اگر کسی شخص نے کوئی قحبہ خانہ' جوئے خانہ یا شراب خانہ بنایا تو جب تک برائی کے یہ اڈے قائم رہیں گے اس کے نامہ اعمال میں گناہ لکھے جاتے رہیں گے۔ حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو بھی ظلماً قتل کیا جائے گا اس کے عذاب کا کچھ حصہ پہلے ابن آدم پر بھی ہوگا کیونکہ وہ پہلا شخص تھا جس نے قتل کا طریقہ ایجاد کیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۳۵، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۷۷، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۷۳، سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۹۸۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۶۱۶)

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم دن کے ابتدائی حصہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے قبیلہ مضر کے کچھ لوگ آئے جن کے پیر ننگے' بدن ننگے گلے میں پوستین یا عبائیں پہنے ہوئے تھے' ان کے فقر و فاقہ کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک متغیر ہو گیا آپ اندر گئے' پھر باہر آئے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان دینے کا حکم دیا' حضرت بلال نے اذان دی پھر اقامت کہی' آپ نے نماز پڑھائی خطبہ دیا اور فرمایا: اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک نفس سے پیدا کیا یہ پوری آیت پڑھی (النساء:۱) اور یہ آیت پڑھی کہ انسان کو غور و فکر کرنا چاہیے کہ وہ کل قیامت کے لیے کیا بھیج رہا ہے (الحشر:۱۸) لوگ درہم' دینار' اپنے کپڑے' گندم اور جو وغیرہ صدقہ کریں' خواہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی ہو' انصار میں سے ایک شخص بڑی بھاری تھیلی اٹھا کر لایا جس کے بوجھ سے اس کا ہاتھ تھک گیا تھا' پھر لانے والوں کا تانتا بندھ گیا حتیٰ کہ میں نے کھانے کی چیزوں اور کپڑوں کے دو ڈھیر دیکھے میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ خوشی سے یوں تمتما رہا تھا جیسے وہ سونے کا ہو' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اسلام میں کسی نیک کام کی ابتداء کرے (یا کسی نیکی کی ایجاد کرے) اس کو اپنے عمل کا بھی اجر ملے گا اور بعد میں عمل کرنے والوں کا بھی اجر ملے گا اور ان عمل کرنے والوں کے اجر میں کوئی کمی نہ ہوگی' اور جس نے اسلام میں کسی برے عمل کی ابتداء کی (یا کوئی برائی ایجاد کی) اسے اپنے عمل کا بھی گناہ ہوگا اور بعد میں عمل کرنے والوں کا بھی گناہ ہوگا اور ان عمل کرنے والوں کے گناہ میں کوئی کمی نہ ہوگی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۱۷، سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۵۵۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۳)

نیکی ایجاد کرنے والے کو بعد کے نیکی کرنے والوں کا اجر اس لیے ملے گا کہ ان کی نیکیوں کا وہ سبب ہے اسی طرح برائی ایجاد کرنے والے کو بعد کے برے کام کرنے والوں کی سزا اس لیے ملے گی کہ ان کی برائیوں کا وہ سبب ہے۔

ان احادیث سے واضح ہو گیا کہ جب تک تمام انسان اور یہ دنیا ختم نہیں ہو جاتی اس وقت تک انسانوں کے اعمال کا سلسلہ ختم نہیں ہوگا' نیک لوگوں کا نہ بد لوگوں کا' اس لیے جزاء اور سزا کا نظام قائم کرنے کے لیے قیامت کا ہونا ضروری ہے۔

کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کو ظالموں سے غافل سمجھتے تھے؟

اس آیت میں فرمایا ہے: اور ظالم جو کچھ کر رہے ہیں تم اللہ کو اس سے ہرگز بے خبر نہ سمجھنا۔ اس سے بہ ظاہر یہ معلوم

ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کو ظالموں کے کاموں سے بے خبر سمجھتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ تم اللہ تعالیٰ کو ظالموں کے کاموں سے بے خبر نہ سمجھنا اس اعتراض کے متعدد جوابات ہیں:

(۱) اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جس طرح آپ پہلے اللہ تعالیٰ کو ظالموں کے ظلم سے بے خبر نہیں جانتے تھے آپ اسی پر ثابت قدم رہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ۔ — اور تم شرک کرنے والوں میں سے ہرگز نہ ہو جانا۔

(الانعام: ۱۴)

یعنی جس طرح آپ پہلے شرک کی نفی کرتے تھے اسی نفی پر قائم رہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ۔ — اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔

(النساء: ۱۳۶)

یعنی اللہ اور رسول کے ایمان لانے پر ثابت قدم رہو۔

(۲) آپ یہ گمان نہ کریں کہ اللہ تعالیٰ ان ظالموں سے چشم پوشی کر کے ان کے ساتھ ایسا معاملہ کرے گا جیسے کوئی غافل شخص کرتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ ان پر نگراں اور سخت محاسب ہے وہ ان سے ذرہ ذرہ کا حساب لے گا۔

(۳) اس آیت میں اگرچہ بہ ظاہر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے لیکن حقیقت میں آپ کی امت سے خطاب ہے' یعنی اے مسلمانو! تم اللہ تعالیٰ کو ظالموں سے غافل گمان نہ کرنا۔

(۴) سفیان بن عیینہ نے کہا ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مظلوموں کو تسلی دی ہے اور ظالموں کو ڈرایا اور دھمکایا ہے اور یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ظالموں کی سزا کو قیامت کے دن تک کے لیے موخر کر دیا ہے' پھر یہ بتایا ہے کہ اس دن کی ہولناکیوں سے لوگوں کا کیا حال اور کیا کیفیت ہوگی' اس دن دہشت سے سب کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی' لوگ سر اٹھائے ہوئے بے تحاشا دوڑ رہے ہوں گے درآنحالیکہ ان کی پلک تک نہ جھپک رہی ہوگی' اور ان کے دل ہوا ہو رہے ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ لوگوں کو اس دن سے ڈرایئے جب ان پر عذاب آئے گا تو ظالم لوگ کہیں گے اے ہمارے رب! ہمیں کچھ مدت کی مہلت دے دے' ہم تیرے پیغام کو قبول کریں گے اور تیرے رسولوں کی پیروی کریں گے (تو ان سے کہا جائے گا) کیا تم نے اس سے پہلے یہ قسمیں نہیں کھائی تھیں کہ تم پر بالکل زوال نہیں آئے گا○ اور تم ان لوگوں کے گھروں میں رہتے تھے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا اور تم پر خوب ظاہر ہو چکا تھا کہ ہم نے ان کے ساتھ کیسا معاملہ کیا تھا' اور ہم نے تمہارے لیے مثالیں بھی بیان کر دیں تھیں○ (ابراھیم: ۴۵-۴۴)

قیامت کے دن کفار کا کف افسوس ملنا

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ جب قیامت کے دن کفار عذاب کا مشاہدہ کر لیں گے تو اللہ تعالیٰ سے کہیں گے کہ دوبارہ ہمیں دنیا میں بھیج دے تو ہم تیرے پیغام کو قبول کریں گے اور تیرے رسولوں کی پیروی کریں گے' اس کی نظیر یہ آیتیں ہیں:

وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ وُقِفُوا عَلَى النَّارِ فَقَالُوا يَا لَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِآيَاتِ رَبِّنَا وَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ○ (الانعام: ۲۷) — اور اگر آپ دیکھتے جب انہیں دوزخ کی آگ پر ٹھیرایا جائے گا تو وہ کہیں گے کاش ہمیں (دنیا میں) لوٹا دیا جائے تو ہم اپنے رب کی آیات کی تکذیب نہیں کریں گے اور ہم ایمان

وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ○ (الم السجدہ: ۱۲)

والوں میں سے ہو جائیں گے ○

اور اگر آپ دیکھتے جب مجرم اپنے رب کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہوں گے (اور کہیں گے) اے ہمارے رب! ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا! تو ہمیں (دنیا میں) واپس لوٹا دے تاکہ ہم نیک عمل کریں بیشک ہم یقین کرنے والے ہیں ○

اللہ تعالیٰ ان کے اس قول کو رد کرتے ہوئے فرماتا ہے کیا تم نے اس سے پہلے یہ قسمیں نہیں کھائیں تھیں کہ تم پر بالکل زوال نہیں آئے گا، یعنی کیا اس سے پہلے تم قیامت اور مرکر دوبارہ زندہ کیے جانے اور جزاء اور سزا کے دن کا انکار نہیں کرتے تھے اور تم کو ہمارے رسولوں نے بتا دیا تھا کہ پچھلی امتوں میں سے جس نے ہمارے پیغام کو جھٹلایا اس پر کس قسم کا عذاب آیا تھا، اور اس سے پہلے تم قوم ثمود کے گھروں میں تباہی کے آثار دیکھ چکے ہو، تو تم نے ان کے آثار دیکھ کر عبرت کیوں نہیں حاصل کی تھی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے گہری سازشیں کیں، اور اللہ کے پاس ان کی سازشیں لکھی ہوئی ہیں، اور ان کی سازشیں ایسی (خطرناک) ہیں کہ ان سے پہاڑ بھی (اپنی جگہ سے) ہل جائیں ○ (ابراہیم: ۴۶)

کافروں کے مکر کی تفسیر میں متعدد اقوال

اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ مکروا کی ضمیر کس کی طرف راجع ہے یعنی یہ گہری سازش کرنے والے کون تھے، زیادہ ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد کفار مکہ ہیں جب انہوں نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی سازش کی تھی اور آپ کے کاشانہ اقدس کا محاصرہ کر لیا تھا جیسے ہی آپ گھر سے باہر نکلیں آپ کو (معاذ اللہ) قتل کر دیا جائے اس کا ذکر اس آیت میں ہے:

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ۚ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ۚ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ○ (الانفال: ۳۰)

اور یاد کیجئے جب کفار آپ کے خلاف سازش کر رہے تھے تاکہ آپ کو قید کر دیں یا قتل کر دیں یا جلاوطن کر دیں، وہ اپنی سازش میں مصروف تھے اور اللہ خفیہ تدبیر کر رہا تھا، اور اللہ سب سے بہتر خفیہ تدبیر کرنے والا ہے ○

اور اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ مکروا کی ضمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ کے کفار کی طرف راجع ہے اور اس سازش سے مراد یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زمانہ میں ایک جابر بادشاہ تھا جس کا نام نمرود تھا، اس نے آسمان تک پہنچنے کی ایک سازش تیار کی۔

حافظ ابن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

اس بادشاہ نے گدھ کے دو بچوں کو پالا جب وہ خوب تیار اور فربہ ہو گئے تو ایک چھوٹی سی چوکی کے ایک پائے سے ایک کو باندھ دیا اور دوسرے پائے سے دوسرے کو باندھ دیا، خود اپنے ایک وزیر کے ساتھ اس چوکی پر بیٹھ گیا، انہیں کئی دن بھوکا رکھا تھا، پھر ایک لکڑی کے سرے پر گوشت باندھ کر اسے اوپر اٹھایا، بھوکے گدھ اس گوشت کو کھانے کے لیے اوپر کو اڑے اور اپنے زور سے چوکی کو بھی لے اڑے، جب وہ اتنی بلندی پر پہنچ گئے کہ انہیں ہر چیز مکھی کی طرح نظر آنے لگی تو اس نے وہ لکڑی جھکا دی، اب گوشت نیچے دکھائی دینے لگا، اس لیے اب ان گدھوں نے اپنے پر سمیٹ کر گوشت کے لیے نیچے اترنا

شروع کردیا اور وہ تخت بھی نیچے ہونے لگا حتیٰ کہ وہ تخت زمین پر پہنچ گیا، حضرت علی، ابن کعب اور حضرت عمر سے یہی منقول ہے کہ یہ نمرود کا قصہ ہے جو کنعان کا بادشاہ تھا' اس نے اس طرح آسمان پر قبضہ کرنے کی احمقانہ سازش کی تھی' اس کے بعد قبطیوں کے بادشاہ فرعون کو بھی یہی خبط سمایا تھا اس نے بہت بلند مینار تعمیر کرایا تھا' لیکن دونوں کا ضعف اور عجز ظاہر ہو گیا' اور ذلت اور خواری کے ساتھ وہ دونوں حقیر اور ذلیل ہوئے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۶۰۰' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

امام ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' ضحاک اور قتادہ سے یہ نقل کیا ہے کہ اس مکر اور سازش سے مراد یہ ہے کہ مشرکین مکہ اور کفار نے اللہ تعالیٰ کے شریک گھڑ لیے اور عیسائیوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف بیٹے کو منسوب کیا' جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ۝ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْـًٔا اِدًّا ۝ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۝ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۝ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ۝ (مریم: ۹۲-۸۸)

اور کافروں نے کہا رحمٰن نے اپنا بیٹا بنا لیا ہے ۝ بے شک تم نے یہ بہت سنگین بات کہی ۝ قریب ہے کہ اس سے آسمان پھٹ پڑیں' اور زمینیں ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اور پہاڑ لرزتے ہوئے گر جائیں ۝ کیونکہ انہوں نے رحمٰن کے لیے بیٹے کا دعویٰ کیا ۝ اور رحمٰن کی شان کے لائق نہیں کہ وہ اپنے لیے بیٹے بنائے ۝

(جامع البیان جز ۱۳ ص ۳۲۲' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تو تم ہرگز یہ گمان نہ کرنا کہ اللہ اپنے رسولوں سے کیے ہوئے وعدہ کے خلاف کرنے والا ہے بے شک اللہ بہت غالب' انتقام لینے والا ہے ۝ (ابراہیم: ۴۷)

رسولوں نے اپنی امتوں سے یہ وعدہ کیا تھا کہ قیامت آئے گی اور سب لوگ مر جائیں گے اور سب چیزیں ختم ہو جائیں گی پھر اللہ تعالیٰ سب کو زندہ کرے گا اور سب انسانوں سے حساب لے گا' مومنوں اور پرہیزگاروں کو جزا دے گا' اور کافروں اور ظالموں کو سزا دے گا اور یہ اس لیے ضروری ہے کہ اگر قیامت قائم نہ ہو اور ظالموں کو سزا اور مظلوموں کو جزا نہ دی جائے تو ظالم بغیر سزا کے اور مظلوم بغیر جزا کے رہ جائیں گے اور یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے۔ اس کی مفصل تفسیر ہم نے اس سورت کی آیت: ۴۲ میں کر دی ہے' وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جس دن زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی' اور سب لوگ اللہ کے سامنے پیش ہوں گے جو واحد ہے اور غالب بھی ۝ (ابراہیم: ۴۸)

زمین کے تبدیل ہونے کے متعلق صحابہ اور تابعین کے اقوال

اس آیت میں فرمایا ہے کہ زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی اس مسئلہ میں متعدد اقوال ہیں:

(۱) ابو صالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے زمین یہی ہو گی صرف اس کی صفات تبدیل کر دی جائیں گی اس میں زیادتی یا کمی کر دی جائے گی' اس کے ٹیلے' پہاڑ' وادیاں اور درخت ختم کر دیئے جائیں گے اور اس کو چمڑے کی طرح پھیلا کر ہموار کر دیا جائے گا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے قیامت کی نشانیوں کے متعلق ایک حدیث روایت کی ہے اس میں مذکور ہے کہ پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر کے گرا دیا جائے گا اور زمین کو رنگے ہوئے چمڑے کی طرح پھیلا دیا جائے گا۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۸۱، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۵ ص ۱۵۷، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۵۲۹۴، المستدرک ج ۴ ص ۴۸۸-۴۸۹، مسند احمد ج ۱ ص ۳۷۵، یہ ضعیف حدیث ہے)

(۲) عمرو بن میمون نے حضرت ابن مسعود سے، اور عطا نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ اس زمین کو دوسری زمین سے بدل دیا جائے گا جو چاندی کی طرح صاف ہوگی اس پر کوئی گناہ نہیں کیا گیا ہوگا۔

(۳) حضرت ابو ہریرہ، سعید بن جبیر اور قرظی وغیرہ نے کہا ہے کہ اس زمین کو سفید روٹی سے بدل دیا جائے گا مومن اپنے قدموں کے نیچے سے اس کو کھائے گا، دوسروں نے کہا حساب سے فارغ ہونے تک مسلمان اس کو کھاتے رہیں گے۔

(زاد المسیر ج ۴ ص ۳۷۶-۳۷۵، مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

زمین کے تبدیل ہونے کے متعلق احادیث

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن لوگوں کا حشر اس زمین پر کیا جائے گا جو میدہ کی روٹی کی طرح سفید ہوگی اس میں کسی کے گھر کی کوئی نشانی نہیں ہوگی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۲۱، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۹۰)

مسروق بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ آیت تلاوت کی یوم تبدل الارض غیر الارض والسموت جس دن زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی (ابراہیم: ۴۸) حضرت عائشہ نے پوچھا یا رسول اللہ! اس دن لوگ کہاں ہوں گے؟ آپ نے فرمایا پل صراط پر۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۹۱، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۲۱، مسند احمد ج ۶ ص ۳۵، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۸۱۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۷۹، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۳۸۰، المستدرک ج ۲ ص ۳۵۲)

عمرو بن میمون حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم تبدل الارض غیر الارض کی تفسیر میں فرمایا، وہ سفید زمین ہوگی گویا کہ وہ چاندی ہے اس میں کوئی حرام خون نہیں بہایا گیا اور نہ اس میں کوئی گناہ کیا گیا ہے۔ (المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۱۶۳، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۰۳۲۳)

زمین کو تبدیل کرنے کی حکمت اور مختلف اقوال میں تطبیق

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیث میں ہے قیامت کے دن لوگوں کا حشر اس زمین پر کیا جائے گا جو میدہ کی روٹی کی طرح سفید ہوگی اس میں کسی کے گھر کی کوئی نشانی نہیں ہوگی۔ علامہ خطابی نے کہا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ وہ زمین بالکل ہموار ہوگی، قاضی عیاض نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ اس زمین میں کوئی عمارت ہوگی نہ پہاڑیاں اور چٹانیں ہوں گی جس سے زمین پر کوئی علامت مقرر کی جاسکے، علامہ ابو جمرہ نے کہا اس میں اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت پر دلیل ہے اور قیامت کی جزئیات کی اس لیے خبر دی ہے تاکہ سننے والے کو پہلے سے بصیرت حاصل ہو اور قیامت کی ہولناکیوں کا اس کو پہلے علم ہو جائے اور وہ اپنے آپ کو ان دہشت ناک چیزوں کے لیے تیار کرلے تاکہ ایسا نہ ہو کہ وہ تمام امور اچانک پیش آئیں، اس حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ میدان حشر کی زمین اس موجودہ زمین سے بہت بڑی ہوگی اور زمین کی ان صفات میں یہ حکمت ہے کہ جس زمین میں حساب و کتاب ہوگا وہ زمین ظلم اور گناہوں سے پاک ہو اور اللہ سبحانہ اپنے مومن بندوں پر جو تجلی فرمائے گا وہ ایسی زمین ہو جو اس تجلی کی عظمت کے لائق ہو، کیونکہ اس زمین میں صرف اللہ وحدہ لاشریک کا حکم ہوگا

پس اس کے مناسب یہ ہے کہ وہ زمین بھی خالص اس کے لیے ہو (یعنی اس میں مجازاً بھی کسی اور کا حکم نافذ نہ ہوا ہو) اور اس حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ دنیا کی زمین مضمحل ہو جائے گی اور معدوم ہو جائے گی اور اس میں متقدمین کا اختلاف ہے بعض کے نزدیک زمین کا مادہ اور اس کی ذات تبدیل کر دی جائے گی، صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے یہی ثابت ہوتا ہے اور بعض کے نزدیک زمین یہی رہے گی اور اس کی صفات تبدیل کر دی جائیں گی جیسا کہ سنن ابن ماجہ، مستدرک اور مسند احمد میں ہے کہ پہاڑوں اور ٹیلوں کو ختم کر کے زمین کو چپٹا کر کے پھیلا دیا جائے گا، ان میں تطبیق دینے کے لیے یہ کہا گیا ہے کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایت میں جو ہے کہ زمین روٹی کی طرح ہوگی یہ محشر کی زمین کے متعلق ہے اور جس حدیث میں یہ ہے کہ پہاڑ، ٹیلے، وادیاں اور درخت سب کو گرا کر ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا وہ اسی زمین کے متعلق ہے، قیامت میں اسی زمین پر یہ تمام تغیرات وارد ہوں گے اور محشر میں جو زمین سفید روٹی کی طرح ہوگی جس سے مسلمان کھائیں گے وہ اور زمین ہوگی جو اپنی ذات اور صفات میں اس زمین سے مختلف ہوگی۔ (فتح الباری ج ۱۱ ص ۳۷۶-۳۷۵)

آسمان کو تبدیل کرنے کے متعلق قرآن مجید کی آیات

يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ ۔ (المعارج: ۸)
جس دن آسمان پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہو جائے گا۔

فَإِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ۔ (الرحمٰن: ۳۷)
جس دن آسمان پھٹ جائے گا تو وہ سرخ چمڑے کی طرح سرخ ہو جائے گا۔

وَإِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ ۔ (التکویر: ۱۱)
اور جب آسمان کھینچ لیا جائے گا۔

وَإِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ ۔ (المرسلٰت: ۹)
اور جب آسمان چیر دیا جائے گا۔

زمین کو دوبار تبدیل کرنے کی تفصیل اور تطبیق

علامہ قرطبی نے تذکرہ میں صاحب الافصاح سے نقل کیا ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کا تبدیل کرنا دو مرتبہ ہوگا پہلے صور پھونکنے کے وقت صرف ان کی صفات تبدیل ہوں گی پس ستارے منتشر ہو جائیں گے اور سورج اور چاند کو گہن لگ جائے گا اور آسمان پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہو جائے گا اور سروں سے کھینچ لیا جائے گا اور پہاڑ چلنے لگیں گے اور زمین میں تموج ہوگا اور سمندر آگ بن جائیں گے پھر ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک زمین پھٹ جائے گی پھر اس کی بنیاد اور ہیئت بدل جائے گی، پھر اس کے بعد صور پھونکا جائے گا تو سب لوگ بے ہوش ہو جائیں گے، آسمان کو لپیٹ دیا جائے گا اور زمین کو پھیلا دیا جائے گا اور آسمان کو دوسرے آسمان سے بدل دیا جائے گا جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ۖ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ أُخْرٰى فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ○ وَأَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ○ (الزمر: ۶۹-۶۸)

اور جب صور پھونکا جائے گا تو آسمانوں اور زمینوں میں سب بے ہوش جائیں گے۔ مگر جن کو اللہ چاہے گا، پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو اچانک وہ دیکھتے ہوئے کھڑے ہو جائیں گے ○ اور زمین اپنے رب کے نور سے چمک اٹھے گی اور کتاب رکھ دی جائے گی اور تمام نبیوں اور گواہوں کو لایا جائے گا، اور لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور ان پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا۔

اور زمین کو چمڑے کی طرح پھیلا دیا جائے گا اور اس کو اسی طرح لوٹا دیا جائے گا جس طرح اس میں قبریں تھیں اور لوگ اس کی پشت پر اور اس کے اندر تھے، پھر زمین کو دوسری بار تبدیل کیا جائے گا اور یہ اس وقت ہو گا جب لوگ محشر میں ہوں گے، پھر ان کے لیے زمین کو تبدیل کیا جائے گا جس کو الساھرہ کہا جائے گا اس زمین پر ان کا حساب ہو گا اور یہ سفید چاندی کی زمین ہو گی جس پر کوئی خون حرام نہیں بہایا گیا ہو گا اور نہ اس پر کوئی ظلم کیا گیا ہو گا اور اس وقت لوگ پل صراط پر ہوں گے اور وہ پل جہنم کی پشت پر ہو گا اور جب لوگوں کا اس زمین پر حساب لیا جائے گا جس کا نام الساھرہ ہے جنتی پل صراط سے گزر کر جنت میں چلے جائیں گے اور دوزخی جہنم میں گر جائیں گے، اور لوگ نبیوں کے حوضوں پر کھڑے ہوئے پانی پی رہے ہوں گے اور اس وقت زمین کو میدہ کی روٹی کی طرح بنا دیا جائے گا اور وہ اپنے پیروں کے نیچے سے توڑ توڑ کر کھا رہے ہوں گے۔ جنت میں داخل ہونے والے تمام لوگ اس سے کھائیں گے اور جنت میں ان کو سالن ملے گا جو بیل اور مچھلی کی کلیجی سے بنا ہوا ہو گا۔ (التذکرۃ فی امور الآخرۃ ج ۱ ص ۳۰۰-۲۹۹، مطبوعہ دار البخاری، المدینۃ المنورہ، ۱۴۱۷ھ)

آسمان کی تبدیلی کے متعلق اقوال

خلاصہ یہ ہے کہ پہلی بار زمین کی صفات کو تبدیل کیا جائے گا اور اس کو چمڑے کی طرح پھیلا دیا جائے گا اور دوسری بار زمین کے مادے اور اس کی ذات کو بدل دیا جائے گا پہلے وہ مٹی کی تھی اور اب اس کو سفید روٹی بنا دیا جائے گا یہ تو زمین کی تبدیلی تھی اور آسمان کی تبدیلی کے متعلق علامہ قرطبی نے لکھا ہے جب سورج لپیٹ لیا جائے گا اور ستارے جھڑ جائیں گے، یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے اور ابن الانباری نے یہ کہا ہے کہ آسمان دھواں بن جائے گا اور سمندر آگ بن جائیں گے ایک قول یہ ہے کہ آسمان کو اس طرح لپیٹ دیا جائے گا جس طرح وثیقہ (اسٹامپ پیپر) کو لپیٹ دیا جاتا ہے، قرآن مجید میں ہے:

يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ۔ (الانبیاء: ۱۰۴)

جس دن ہم آسمان کو لپیٹ دیں گے جس طرح دستاویزات کو لپیٹ دیا جاتا ہے۔

قرآن مجید کی آیات اور احادیث کے اشارات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس جگہ یہ زمین ہے، اسی جگہ میدان حشر قائم ہو گا لیکن اس زمین کا مادہ اور اس کی ذات اور صفات یہ نہیں ہوں گی پہلے اس زمین کو ہموار کر دیا جائے گا اور دوسرے صور کے وقت یہ زمین میدہ کی روٹی کی بنا دی جائے گی اور بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ سمندر آگ بن جائے گا اس سے معلوم ہوا کہ یہی سمندر آگ (دوزخ) بن جائے گا مگر یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ جنت اور دوزخ تو اب بھی موجود ہیں، اپنی مخلوق اور کائنات کو اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ اس دن مجرموں کو زنجیروں میں جکڑا ہوا دیکھیں گے ○ (ابراھیم: ۴۹)

مجرموں کے اخروی احوال

الاصفاد: اس کا معنی طوق، زنجیریں اور بیڑیاں ہے۔

اس کا معنی یہ ہے کہ ہر کافر اپنے شیطان کے ساتھ زنجیر یا طوق میں جکڑا ہوا ہو گا۔ حدیث میں ہے:

اذا كان اول ليلة من شهر رمضان صفدت الشياطين ومردة الجن۔ الحديث

جب ماہ رمضان کی پہلی رات ہوتی ہے تو سرکش جنوں اور شیاطین کو زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۶۸۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۶۴۲)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ (آگ بھڑکانے والے) روغن کی قمیصیں پہنے ہوئے ہوں گے اور ان کے چہروں سے آگ لپٹ رہی ہو گی○ (ابراھیم: ۵۰)

سرابیل: سربال کی جمع ہے، سربال کا معنی ہے قمیص۔

قطران: تیل کی طرح ایک سیال مادہ ہوتا ہے جو ابہل یا صنوبر وغیرہ کے درختوں سے نکلتا ہے اور خارش زدہ اونٹوں کے لگایا جاتا ہے، قاموس میں ہے درخت ابہل سے نکلنے والے سیال مادہ کو قطران کہتے ہیں بعض قرءات میں قطران (قاف کے زیر کے ساتھ) آیا ہے اس کا معنی ہے پگھلا ہوا تانبا کھولتا ہوا۔ علامہ قرطبی نے کہا ہے اس تیل سے آگ بہت جلد بھڑک اٹھتی ہے۔ حدیث میں ہے:

النائحة اذا لم تتب قبل موتها تقام یوم القیامة وعلیها سربال من قطران و درع من جرب۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۳۴)

نوحہ کرنے والی جب مرنے سے پہلے توبہ نہ کرے تو اس کو قیامت کے دن روغن قطران اور خارش کی قمیص پہنائی جائے گی۔

حضرت ابن عباس، حضرت ابوہریرہ، عکرمہ، سعید بن جبیر اور یعقوب سے مروی ہے کہ یہ لفظ قطر ان ہے (ق پر زیر) اس کا معنی ہے پگھلا ہوا تانبا یا پیتل۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تاکہ اللہ ہر شخص کو اس کے کاموں کا بدلہ دے، بے شک اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے○ (ابراھیم: ۵۱)

امام واحدی نے کہا ہے کہ اس آیت میں ہر شخص سے مراد کفار ہیں کیونکہ سیاق کلام کفار کے متعلق ہے، امام رازی نے فرمایا اس آیت کو اپنے عموم پر برقرار رکھنا بھی جائز ہے، یعنی مومنین اور پرہیزگار جو نیک عمل کریں گے ان کو اس کے بدلہ میں اچھی جزا ملے گی اور کفار اور فساق کو ان کے کفر اور فسق کی سخت سزا ملے گی۔

اس سے لوگوں کو ڈرایا ہے تاکہ وہ برے کاموں سے باز آجائیں اور توبہ کرنے میں جلدی کریں کیا پتا کس وقت موت آجائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ (قرآن) تمام لوگوں کے لیے پیغام ہے تاکہ انہیں اس کے ساتھ ڈرایا جائے اور تاکہ وہ یہ جان لیں کہ صرف وہ ایک ہی مستحق عبادت ہے اور تاکہ عقل والے نصیحت حاصل کریں○ (ابراھیم: ۵۲)

ہدایت کے لیے قرآن مجید کا کافی ہونا

یعنی نصیحت کے لیے یہ قرآن کافی ہے، قرآن مجید کی ہر سورت نصیحت کے لیے کافی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو دو قوتیں عطا کی ہیں، قوت نظریہ اور قوت عملیہ، قوت نظریہ سے انسان توحید اور رسالت کے دلائل میں غور و فکر کر کے اللہ اور رسول پر ایمان لاتا ہے اور قوت عملیہ سے اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے حقوق ادا کرتا ہے جس سے انسان کا دل روشن ہو جاتا ہے اور اس کا دل تجلیات الٰہیہ کے لیے آئینہ بن جاتا ہے، قرآن مجید میں عقائد اور احکام شرعیہ کو تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے اور ان احکام پر عمل کرنے سے انسان کا کامل تزکیہ ہو جاتا ہے، قرآن مجید میں ایسی آیات ہیں جن میں نیک اعمال پر بشارت دی گئی ہے اور برے اعمال پر عذاب سے ڈرایا ہے پس انسان کو ثواب کے شوق سے یا عذاب کے خوف سے نیک اعمال کرنے چاہیں اور برے اعمال کو ترک کرنا چاہیے، اور ہدایت کے لیے یہ اسلوب کافی ہے کیونکہ انسان ثواب کے شوق سے اطاعت کرتا ہے یا عذاب کے خوف سے۔

یہ سورۃ ابراھیم کی آخری آیت ہے جس میں قرآن مجید کا یہ وصف بیان فرمایا ہے کہ اس میں اللہ کا پیغام ہے تاکہ عقل والے اس سے نصیحت حاصل کریں اور سورۃ ابراھیم کی پہلی آیت میں بھی قرآن کریم کا وصف بیان فرمایا ہے کہ اس کتاب کو ہم نے آپ کی طرف نازل فرمایا ہے تاکہ آپ لوگوں کو (کفر کے) اندھیروں سے اسلام کی روشنی کی طرف لائیں گویا سورۃ ابراھیم کی ابتداء بھی قرآن مجید کے وصف سے ہوتی ہے اور اس کی انتہاء بھی قرآن مجید کے وصف پر ہوتی ہے۔

اختتام سورت

الحمدللہ رب العلمین آج مورخہ سات ربیع الاول ۱۴۲۱ھ / گیارہ جون ۲۰۰۰ء، بروز اتوار بعد نماز ظہر سورہ ابراھیم کی تفسیر مکمل ہو گئی۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بیماریوں سے خصوصاً کمر کے درد سے شفاء عطا فرمائے تاکہ میں بغیر کسی تکلیف کے بیٹھ سکوں اور زیادہ سے زیادہ تفسیر کا کام کر سکوں اور میں اس تفسیر کے پڑھنے والوں سے بھی التماس کرتا ہوں کہ وہ میرے لیے شفاء کی دعا کریں، خصوصاً کمر کے درد سے، اور میں امام فخرالدین رازی، علامہ قرطبی، امام ابن جریر اور امام ابن جوزی، جملہ محدثین اور شارحین حدیث کے لیے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کے صدقہ جاریہ اور سلسلہ فیض کو تاقیامت جاری رکھے اور ان تمام نفوس قدسیہ کو جنت الفردوس میں بلند مقام عطا فرمائے، اور میں مفتی محمد حسین نعیمی، علامہ عطا محمد گولڑوی، مولانا محمد نواز اویسی اور علامہ سید احمد سعید کاظمی اور اپنے جملہ اساتذہ کے لیے مغفرت اور جنت میں بلند درجات کی دعا کرتا ہوں اور اپنے والدین، اقارب، تلامذہ، احباب، تبیان القرآن کے معاونین اور قارئین کے لیے سعادت دارین کی دعا کرتا ہوں۔ الہ العالمین! میرے اس عمل میں اخلاص عطا فرما، اپنے ذکر اور شکر اور حسن عبادت میں میری مدد فرما، اس تفسیر میں مجھے ہمیشہ حق لکھنے اور باطل سے اجتناب کرنے پر برقرار رکھ، اس تفسیر کو قیامت تک مؤثر اور فیض آفریں بنا اور محض اپنے فضل سے میری مغفرت فرما، مرنے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور آپ کی شفاعت عطا فرما، اور جس طرح تُو نے محض اپنے کرم سے یہاں تک تفسیر لکھوا دی ہے باقی تفسیر کو بھی مکمل کرا دے۔ آمین یارب العلمین بجاہ حبیبک سیدنا محمد خاتم النبیین قائد الانبیاء والمرسلین شفیع المذنبین والصلوٰۃ والسلام علیہ وعلی آلہ الطاہرین واصحابہ الکاملین وازواجہ امہات المؤمنین وعلی اولیاء امتہ وعلماء ملتہ اجمعین۔




سُورَۃُ الحِجرِ
(۱۵)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

سورۃ الحجر

سورت کا نام

اس سورت کا نام الحجر ہے، کیونکہ اس سورت کی ایک آیت میں الحجر کا ذکر ہے، قرآن مجید کی وہ آیت یہ ہے:

وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ○ (الحجر: ۸۰) — اور بے شک وادی حجر والوں نے رسولوں کی تکذیب کی۔

الحجر کا معنی

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

حجر کا معنی منع کرنا ہے، عقل کو بھی حجر کہتے ہیں کیونکہ وہ انسان کو غلط اور برے کاموں سے روکتی ہے جو مکان پتھروں سے بنایا جائے، اس کو بھی حجر کہتے ہیں۔ قوم ثمود کی آبادیاں چونکہ پتھروں کو تراش کر بنائی گئی تھیں، اس لیے ان کو الحجر کہا گیا ہے جیسا کہ قرآن مجید کی الحجر: ۸۰ میں ہے۔ قرآن کریم میں حجر کا لفظ عقل کے معنی میں استعمال ہوا ہے:

هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ ○ (الفجر: ۵) — بے شک اس میں عقل والے کے لیے عظیم قسم ہے۔

قرآن مجید میں ممنوع کے معنی میں بھی حجر کا لفظ استعمال ہوا ہے:

وَقَالُوْا هٰذِهٖ أَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ (الانعام: ۱۳۸) — اور انہوں نے کہا یہ مویشی اور کھیت ممنوع ہیں۔

وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا۔ (الفرقان: ۵۳) — اور دو دریاؤں کے درمیان پردہ رکھا اور منع کیا ہوا حجاب۔

(المفردات ج ۱ ص ۱۴۲، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ، مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

الحجر کا مصداق

علامہ سید محمد مرتضیٰ حسین زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں:

دیار ثمود کا نام الحجر ہے۔ یہ جگہ شام کی جانب وادی القریٰ کے پاس ہے' یا بلاد ثمود کا نام الحجر ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے' کیونکہ ان کے دیار (گھر) ان کے بلاد (شہروں) میں تھے اور ایک قول یہ ہے کہ ان کے درمیان فرق ہے اور یہ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم تھی' اس کا حدیث میں بہ کثرت ذکر ہے۔ اور قرآن مجید میں ہے اور بے شک وادی حجر والوں نے رسولوں کی تکذیب کی۔ (الحجر: ۸۰) اور مراصد میں مذکور ہے کہ الحجر قوم ثمود کی حویلی کا نام ہے۔ یہ مدینہ اور شام کے درمیان ایک وادی میں شہر ہے۔ اس میں قوم ثمود کے مساکن تھے اور یہ پہاڑوں کے درمیان تراشے ہوئے گھر تھے' جیسے غار ہوتے ہیں۔ ہر پہاڑ دوسرے پہاڑ سے الگ تھا' اور پہاڑوں کے اندر کھدائی کر کے مکانات بنائے گئے تھے۔ پہاڑوں کی تعداد کی مناسبت سے بعض جگہ یہ گھر کم تھے اور بعض جگہ زیادہ تھے۔ یہ گھر کئی طبقات پر مشتمل تھے اور نہایت خوبصورت تھے۔ ان کے درمیان ایک کنواں تھا جس پر حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی پانی پینے کے لیے آتی تھی۔

(تاج العروس شرح القاموس' ج ۳' ص ۱۲۵۔ ۱۲۴' مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ' مصر ۱۳۰۶ھ)

علامہ ابو عبداللہ یاقوت بن عبداللہ الحموی متوفی ۶۲۶ھ لکھتے ہیں:

قوم ثمود کی بستی یا ان کے وطن کا نام الحجر ہے' یہ جگہ مدینہ اور شام کے درمیان وادی القریٰ میں تھی' یہ لوگ پہاڑوں میں کھدائی کر کے پہاڑوں کے اندر اپنے مکان بناتے تھے جن کو وہ اثالث کہتے تھے۔ قرآن مجید میں ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام نے قوم ثمود کو خطاب کر کے فرمایا:

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِى الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا۔ (الاعراف: ۷۴)

اور یاد کرو جب اللہ نے قوم عاد کے بعد تم کو ان کا جانشین بنایا اور تمہیں زمین میں ٹھکانا دیا' تم اس زمین کی نرم جگہ میں محل بناتے ہو اور پہاڑوں کو تراش کر ان میں اپنے گھر بناتے ہو۔

انہی پہاڑوں میں وہ کنواں تھا جس سے ایک دن حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی پانی پیتی تھی اور ایک دن وہ پانی پیتے تھے' قرآن مجید میں ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام نے قوم ثمود سے فرمایا:

قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ۔ (الشعراء: ۱۵۵)

(صالح نے) کہا یہ اونٹنی ہے' ایک دن اس کے پینے کی باری ہے اور ایک دن تمہاری باری ہے' اس کا دن مقرر ہے۔

(معجم البلدان ج ۲ ص ۲۲۱۔ ۲۲۰' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۳۹۹ھ)

لوئیس معلوف الیسوعی نے لکھا ہے:

الحجر جزائر عرب میں ایک علاقہ ہے' یہ سعودیہ کے جنوبی تیما میں ہے۔ یہاں قوم ثمود کا وطن تھا' یہ بت پرست تھے۔ آج کل اس وادی میں کنوئیں بہت زیادہ ہیں۔ (المنجد ج ۲ ص ۲۳۰' مطبوعہ بیروت' الطبع العاشرہ)

دولت عثمانیہ کے زمانے میں اس جگہ ریلوے اسٹیشن تھا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم تبوک جاتے ہوئے اس جگہ سے گزرے تھے۔

الحجر کے متعلق احادیث اور ان کی تشریح

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان لوگوں پر عذاب دیا گیا تھا۔ ان کے پاس سے صرف روتے ہوئے گزرو' اگر تم رو نہ سکو تو ان کے پاس سے نہ گزرو۔ ایسا نہ ہو کہ تم پر بھی وہ عذاب آجائے جو ان پر آیا تھا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۳۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۸، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۲۷۰)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ ممانعت اس وقت فرمائی تھی جب تبوک کی طرف جاتے ہوئے صحابہ کرام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ الحجر کے پاس سے گزرے تھے جو کہ دیار ثمود ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا ایک شخص کو الحجر میں معذبین کے مکانوں میں ایک انگوٹھی پڑی ہوئی ملی تھی۔ وہ اس انگوٹھی کو لے کر آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اعراض فرمایا۔ اس نے اس انگوٹھی کو اپنے ہاتھ میں چھپالیا تاکہ آپ نہ دیکھیں۔ آپ نے فرمایا اس انگوٹھی کو پھینک دو تو اس نے وہ انگوٹھی پھینک دی۔ اس حدیث کو حاکم نے الاکلیل میں روایت کیا' لیکن اس کی سند ضعیف ہے' امام بخاری نے احادیث الانبیاء میں روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ کے پانی پینے سے منع فرمایا ہے' اس حدیث میں غور و فکر کرنے کی ترغیب ہے اور جن پر عذاب دیا گیا ہو' وہاں سے جلد گزرنے کا حکم ہے اور جن لوگوں کو عذاب دیا گیا ہو' وہاں گھر بنانے کی بھی ممانعت ہے اور قرآن مجید کی اس آیت میں بھی اس طرف اشارہ ہے:

وَسَكَنْتُمْ فِي مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ۔ (ابراھیم: ۴۵) اور تم ان لوگوں کے گھروں میں جا بسے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا۔

(فتح الباری ج ۱ ص ۵۳۱۔ ۵۳۰، مطبوعہ لاہور' ۱۴۰۱ھ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثمود کی سرزمین الحجر میں ٹھہرے۔ مسلمانوں نے ان کے کنوئیں سے پانی نکالا اور اس پانی سے آٹا گوندھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ حکم دیا کہ اس پانی کو پھینک دیں' اور وہ آٹا اونٹوں کو کھلا دیں اور ان کو یہ حکم دیا کہ وہ اس کنوئیں سے پانی نکالیں۔ جس کنوئیں پر اونٹنی آتی تھی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۷۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۸۱)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحجر کے پاس سے گزرے تو آپ نے فرمایا معجزات اور اللہ کی طرف سے نشانیوں کا سوال نہ کیا کرو' کیونکہ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے ان کا سوال کیا تھا' پس وہ اونٹنی اس راستے سے آتی تھی اور اس راستے سے جاتی تھی' پھر انہوں نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی اور اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں تو ان کو ایک گرج والی چیخ نے پکڑ لیا۔ سو آسمان کے نیچے جتنے بھی لوگ تھے' اللہ تعالیٰ نے ان سب کو ہلاک کر دیا ماسوا ایک شخص کے جو اس وقت اللہ عزوجل کے حرم میں تھا۔ کہا گیا یا رسول اللہ! وہ کون تھا؟ آپ نے فرمایا وہ ابو رغال تھا' جب وہ حرم سے باہر آگیا تو اس پر بھی وہی عذاب آگیا جو اس کی قوم پر آیا تھا۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۲۹۶، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۴۳۰۷، عالم الکتب بیروت' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۴۰۹۳ مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ' المستدرک ج ۲ ص ۳۲۰۔ حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔ حافظ الہیثمی نے کہا ہے کہ امام احمد کی سند صحیح ہے' مجمع الزوائد ج ۷ ص ۵۰' حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے کہ امام احمد اور حاکم کی سند حسن ہے)

سورۃ الحجر کے مقاصد

اس سورت کو الٓر (الف لام را) سے شروع کیا گیا ہے' یہ حروف مقطعات ہیں' اس سورت کو ان حروف سے شروع کر کے ایک بار پھر یہ تنبیہ فرمائی ہے کہ اے منکرو! اگر تم سمجھتے ہو کہ یہ قرآن کسی انسان کا بنایا ہوا کلام ہے اور اللہ کا کلام نہیں ہے تو یہ کلام انہی حروف سے مرکب ہے جن حروف سے تم اپنا کلام مرکب کرتے ہو' سو تم کو چاہیے کہ تم بھی ایسا کلام بنا کر لے آؤ۔ اس آیت میں قرآن مبین پر تنوین تعظیم کے لیے ہے' اس سورت میں مشرکین کو ایمان نہ لانے پر عذاب الٰہی سے ڈرایا ہے' اور اس بات پر ان کی مذمت کی ہے کہ وہ اپنی خواہشات میں اور شہوات میں ڈوبے ہوئے ہیں اور ہدایت کے حصول سے اعراض کر رہے ہیں اور ان کو اس بات سے ڈرایا ہے کہ اگر وہ ایمان نہیں لائے تو ان کو آخرت میں دردناک عذاب ہوگا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے کہ اگر آپ کی موثر تبلیغ اور بسیار کوشش کے باوجود یہ مشرکین ایمان نہیں لاتے تو آپ غم نہ کریں کیونکہ ہر دور میں مشرکین کی یہ عادت رہی ہے کہ انہوں نے اپنے نبیوں اور رسولوں کی دعوت کو مسترد کر دیا تھا' مشرکین فرمائشی معجزات کو طلب کرتے ہیں' لیکن آیات اور معجزات سے انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوتا اور نہ ہدایت حاصل کرتے ہیں۔ اگر آیات اور معجزات سے یہ فائدہ حاصل کرتے تو قرآن مجید سے ہدایت حاصل کر لیتے۔ یہ محض کج بحثی اور ہٹ دھرمی سے نت نئے معجزات کی فرمائش کرتے ہیں۔ اگر ان کے یہ فرمائشی معجزات ان کے لیے پیش بھی کر دیئے جاتے تو اللہ تعالیٰ کو علم ہے' یہ پھر بھی ایمان نہیں لاتے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مصنوعات اور اپنی نعمتوں سے اپنی ذات اور اپنی توحید پر استدلال فرمایا ہے۔ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے کا ذکر فرمایا ہے اور اس پر دلائل پیش فرمائے ہیں' نوع انسان کی خلقت اور اس کے شرف کو بیان فرمایا ہے اور شیطان کے کفر کا ذکر فرمایا ہے۔ حضرت ابراہیم اور حضرت لوط علیہما السلام کے قصہ کا ذکر فرمایا ہے اور اصحاب الایکہ اور اصحاب الحجر کا ذکر فرمایا ہے' اور اس سورت کا اختتام نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب پر کیا گیا ہے۔ آپ کے لیے تسلی کے کلمات کہے ہیں اور آپ کو یہ تلقین فرمائی ہے کہ آپ مشرکوں کی ہرزہ سرائی سے پریشان نہ ہوں اور آپ تبلیغ دین کے فریضہ کو ثابت قدمی سے انجام دیتے رہیں اور اس سورت میں جنات کو پیدا کرنے اور وہ چوری چھپے جو فرشتوں کی باتیں سنتے تھے' اس کا بھی ذکر فرمایا ہے اور متقین کے احوال بیان فرمائے ہیں اور ان کو مغفرت کے حصول کی ترغیب دی ہے اور اخروی عذاب سے ڈرایا ہے۔ اس سورت کے مضامین میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورت مکہ کے آخری دور میں نازل ہوئی ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر ۵۴ (چون) ہے اور یہ سورۃ الانعام سے پہلے اور سورۂ یوسف کے بعد نازل ہوئی ہے۔ سورۃ ابراہیم قرآن مجید کے ذکر پر ختم ہوئی تھی اور سورۃ الحجر قرآن کریم کے ذکر سے شروع ہو رہی ہے۔

سورۃ الحجر کے اس مختصر تعارف کے بعد میں آج بارہ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ / ۱۶ جون ۲۰۰۰ء بعد نماز جمعہ اللہ تعالیٰ کی تائید اور اس کی توفیق سے سورۃ الحجر کی تفسیر شروع کر رہا ہوں۔ وما توفیق الا باللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم' اللھم صل وسلم علی سیدنا ومولانا محمد خاتم النبیین قائد المرسلین شفیع المذنبین وعلی آلہ الطیبین واصحابہ الکاملین وازواجہ الطاھرات امھات المؤمنین وعلی اولیاء امتہ وعلماء ملتہ وجمیع المؤمنین والمسلمین۔

سُوْرَةُ الْحِجْرِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ اٰيَةً وَّسِتُّ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ الحجر مکی ہے اور اس میں ننانوے آیتیں اور چھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے ○

الٓرٰ قف تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ①

الف لام را' یہ کتاب اور قرآن مبین کی آیتیں ہیں ○

کتاب اور قرآن مبین کا معنی

الرٰ: اس کی تفسیر اس سورت کے تعارف میں اور سورۂ یونس کی ابتدا میں گزر چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ کتاب اور قرآن مبین کی آیتیں ہیں ○ (الحجر: ۱)

تلک کا اشارہ اس سورت کی آیتوں کی طرف ہے اور کتاب اور قرآن مبین سے مراد وہ کتاب ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کیا تھا اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ یہ آیتیں جو اس سورت میں مذکور ہیں' اس کتاب کی آیتیں ہیں جو کتاب ہونے میں کامل ہے اور اس قرآن عظیم کی آیتیں ہیں جو مبدا اور معاد کے متعلق صحیح عقائد بیان کرتا ہے۔ ماضی کی خبریں اور مستقبل کی پیش گوئیاں بیان کرتا ہے' حلال و حرام کے احکام بیان کرتا ہے اور دنیا اور آخرت کی کامیابی کا صحیح راستہ بیان کرتا ہے۔

کتاب اور قرآن مبین میں تغایر

اس مقام پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ قرآن مبین کا الکتاب پر عطف ہے' اور عطف تغایر کو چاہتا ہے حالانکہ کتاب اور قرآن مبین سے ایک ہی چیز مراد ہے' اس اعتراض کے حسب ذیل جواب ہیں:

(۱) کتاب اور قرآن کے مفہوم میں تغایر ہے۔ کتاب کا لغوی معنی ہے لکھی ہوئی چیز اور عرفی معنی ہے جو چیز متعدد مسائل اور مضامین کی جامع ہو یا جو چیز قصص' خبروں اور احکام کی جامع ہو اور قرآن کا لغوی معنی ہے جو چیز پڑھی جاتی ہو یا جس چیز کی عبارت باہم متصل ہو اور قرآن کا عرفی معنی ہے اللہ عزوجل کا وہ کلام جو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر لفظاً نازل کیا گیا اور ہم تک ایسی نقل متواتر سے پہنچا جس میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

(۲) الکتاب اصل کے اعتبار سے عام ہے اور غلبہ استعمال کے لحاظ سے اس خاص کتاب کے لیے علم (نام) ہو گیا اور قرآن اصل وضع کے اعتبار سے اس کتاب کے لیے علم ہے۔

الکتاب کو قرآن مبین پر مقدم کرنے کی وجوہ

الکتاب کو قرآن مبین پر مقدم کیا ہے۔ اس کی دو وجہیں ہیں: ایک یہ کہ اہل عرب میں الکتاب کا لفظ مانوس اور معروف تھا۔ وہ تورات' زبور اور انجیل کو آسمانی کتابوں کے عنوان سے پہچانتے تھے اور یہودیوں اور عیسائیوں کو اہل کتاب کہتے تھے'

دوسری وجہ یہ ہے کہ جب وہ ضد بحث کرتے تھے تو وحی الٰہی کو کتاب کہتے تھے جیسا کہ اس آیت میں ہے:
اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ (الانعام: ۱۵۷)
یا یہ (نہ) کہو کہ اگر ہم پر کتاب نازل کی جاتی تو ہم ان سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوتے۔

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ۝۲ ذَرْهُمْ
بسا اوقات کفار یہ تمنا کریں گے کہ کاش وہ مسلمان ہوتے ○ آپ ان کو کھانے میں

يَاْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝۳ وَمَآ
اور (دنیاوی) فائدہ اٹھانے میں چھوڑ دیں اور ان کو ان کی امیدوں میں مشغول رہنے دیں یہ عنقریب جان لیں گے ○ ہم

اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ ۝۴ مَا تَسْبِقُ مِنْ
نے جس بستی کو بھی تباہ کیا اس کا نوشتہ تقدیر میں وقت معین تھا ○ کوئی گروہ اپنے مقرر

اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ۝۵ وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ
وقت سے نہ آگے بڑھ سکتا ہے نہ پیچھے ہٹ سکتا ہے ○ اور انہوں نے کہا اے وہ شخص جس پر نصیحت

عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ۝۶ لَوْ مَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ
نازل کی گئی ہے بے شک تو ضرور دیوانہ ہے ○ اگر تم سچے ہو تو ہمارے پاس فرشتوں کو

مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۷ مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْٓا
کیوں نہیں لاتے ○ ہم فرشتوں کو صرف حق کے ساتھ نازل کرتے ہیں اور اس وقت (جب وہ نازل ہوں گے)

اِذًا مُّنْظَرِيْنَ ۝۸ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝۹ وَ
تو ان کو مہلت نہیں دی جائے گی ○ بے شک ہم نے ہی قرآن نازل کیا ہے اور بے شک ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں ○

لَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ ۝۱۰ وَمَا يَاْتِيْهِمْ
اور بے شک ہم نے آپ سے پہلی امتوں میں بھی رسول بھیجے تھے ○ اور ان کے پاس جب بھی

مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۱۱ كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِيْ
کوئی رسول آتا تھا تو وہ اس کا مذاق اڑاتے تھے ○ ہم اسی طرح اس کو مجرموں کے

قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۲﴾ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳﴾

دلوں میں ڈال دیتے ہیں ○ وہ اس پر ایمان نہیں لائیں گے اور بے شک پہلے لوگوں کی بھی یہی روش گزر چکی ہے ○

وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ﴿۱۴﴾

اور اگر ہم ان پر آسمان کا کوئی دروازہ کھول دیں اور وہ دن بھر اس پر چڑھتے (بھی) رہیں ○

لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ﴿۱۵﴾

تب بھی وہ یہی کہیں گے کہ بات صرف یہی ہے کہ ہماری نظر بندی کردی گئی ہے بلکہ ہم لوگوں پر جادو کردیا گیا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بسا اوقات کفار یہ تمنا کریں گے کہ کاش وہ مسلمان ہوتے ○ (الحجر: ۲)

گنہ گار مسلمانوں کو دوزخ سے نکلتا ہوا دیکھ کر کفار کی حسرت اور ندامت

حافظ ابوبکر عمرو بن ابی عاصم الضحاک الشیبانی المتوفی ۲۸۷ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب دوزخ والے دوزخ میں جمع ہوں گے اور ان کے ساتھ وہ اہل قبلہ بھی ہوں گے جن کو اللہ چاہے گا، تو کفار کہیں گے کیا تم مسلمان نہیں تھے؟ وہ کہیں گے کیوں نہیں! پھر کفار کہیں گے تو تمہارے اسلام نے تم سے کون سا عذاب دور کردیا۔ تم بھی ہمارے ساتھ دوزخ میں آگئے ہو! مسلمان کہیں گے ہمارے گناہ تھے، ان گناہوں کی وجہ سے ہم پر گرفت کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی باتیں سنے گا پھر فرمائے گا جو لوگ اہل قبلہ سے ہیں، ان کو دوزخ سے نکال لو۔ جب دوزخی یہ معاملہ دیکھیں گے تو حسرت سے کہیں گے، کاش ہم بھی مسلمان ہوتے تو ہم کو بھی دوزخ سے اس طرح نکال لیا جاتا جس طرح ان کو نکال لیا گیا ہے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی:

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ۔ (الحجر: ۲) بسا اوقات کفار یہ تمنا کریں گے کہ کاش وہ مسلمان ہوتے۔

(کتاب السنہ رقم الحدیث: ۸۴۳، جامع البیان رقم الحدیث: ۱۵۸۷۷، تفسیر امام ابن ابی حاتم: ۱۲۳۲۴، البعث والنشور رقم الحدیث: ۸۵، المستدرک ج ۲ ص ۲۴۲، مجمع الزوائد ج ۷، ص ۴۸، تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۶۰۴)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں سے کچھ لوگوں کو ان کے گناہوں کی وجہ سے عذاب دیا جائے گا سو جب تک اللہ چاہے گا، وہ دوزخ میں رہیں گے، پھر مشرکین ان کو عار دلائیں گے اور کہیں گے کہ تم اپنے ایمان اور اپنی تصدیق کی وجہ سے ہماری مخالفت کیا کرتے تھے، اب ہم نہیں دیکھ رہے کہ تمہارے ایمان نے تمہیں کوئی نفع پہنچایا ہو۔ پھر ہر موحد کو اللہ دوزخ سے نکال لے گا، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی: ربما یود الذین کفروا لو کانوا مسلمین۔ اس حدیث کی روایت میں محمد بن عباد متفرد ہے۔ (المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۵۱۴۲)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مشرکین کے ساتھ مسلمانوں کو بھی دوزخ میں ڈال

دے گا، مشرکین کہیں گے تم دنیا میں یہ گمان کرتے تھے کہ تم اللہ کے اولیاء ہو، پھر کیا وجہ ہے کہ تم ہمارے ساتھ دوزخ میں ہو۔ جب اللہ تعالیٰ ان کی اس بات کو سنے گا تو ان کے لیے شفاعت کی اجازت دے دے گا، پھر فرشتے اور انبیاء اور مومنین شفاعت کریں گے حتیٰ کہ اللہ کی اجازت سے ان کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔ جب مشرکین یہ معاملہ دیکھیں گے تو کہیں گے کہ کاش ہم بھی ان کی مثل ہوتے تو ہمیں بھی ان کے ساتھ دوزخ سے نکال لیا جاتا اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کا مصداق ہے: ربما یود الذین کفروا لو کانوا مسلمین۔ چونکہ دوزخ سے نکالے ہوئے ان مسلمانوں کے چہرے سیاہ ہوں گے تو جنت میں ان کا نام جہنمین رکھا جائے گا، پھر وہ دعا کریں گے اے رب! ہم سے یہ نام دور کر دے، اللہ تعالیٰ ان کو حکم دے گا کہ وہ جنت کے دریا میں نہائیں تو ان سے وہ سیاہی دُور ہو جائے گی۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۸۱۰۶، تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۶۰۵)

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ کافروں کو یہ حسرت اور ندامت موت کے وقت ہوگی جب وہ عذاب کے فرشتے دیکھ لیں گے، بعض نے کہا جب بھی ان پر حقیقت حال منکشف ہوگی تو ان کو حسرت اور ندامت ہوگی لیکن ان مذکور الصدر احادیث سے واضح ہو گیا کہ ان کو یہ حسرت اور ندامت اس وقت ہوگی جب وہ دیکھیں گے کہ دوزخ سے گنہ گار مسلمانوں کو نکالا جا رہا ہے اور ان کو ان کے کفر اور شرک کی وجہ سے ہمیشہ کے لیے دوزخ میں چھوڑا جا رہا ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ربما کا کلمہ تقلیل کے لیے آتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بہت کم ایسا ہو گا کہ کفار اس حسرت اور ندامت کا اظہار کریں گے، اور ہم کو معلوم ہے کہ سارے کفار ہی یہ تمنا کریں گے کہ کاش وہ مسلمان ہوتے اور ان کو بھی دوزخ سے نکال لیا جاتا، اس لیے اس ندامت اور حسرت کا اظہار ان سے بہ کثرت ہو گا! اس کا جواب یہ ہے کہ اہلِ عرب ربما کا لفظ ذکر کر کے کثرت کا ارادہ کرتے ہیں، اسی لیے اردو میں اس کا ترجمہ بسا اوقات کیا جاتا ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ کفار عذاب میں اس شدت کے ساتھ گرفتار ہوں گے کہ انہیں دوسرے دوزخیوں کے احوال کا جائزہ لینے کا موقع ہی نہیں ملے گا، اس لیے کم کفار ایسے ہوں گے جو اس موقع پر حسرت اور ندامت کا اظہار کریں گے۔

ہر چند کہ کفار گنہ گار مسلمانوں کو دوزخ سے نکلتا ہوا دیکھ کر اپنے کفر پر نادم ہوں گے لیکن اس وقت یہ ندامت اور حق کا اعتراف ان کے کام نہیں آئے گا، کیونکہ وہ ایمان معتبر ہے جو ایمان بالغیب ہو، اور جنت اور دوزخ اور عذاب اور ثواب پر بن دیکھے ایمان لایا جائے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جس طرح گنہ گار مسلمانوں کو دوزخ سے نکلتے ہوئے دیکھ کر کفار کو حسرت اور ندامت ہوگی، اسی طرح جنت میں جن مسلمانوں کا کم درجہ ہو گا، اور ان کو کم ثواب ہو گا وہ زیادہ اور بلند درجے والے مسلمانوں کو دیکھ کر دل میں کڑھیں گے اور یہ تمنا کریں گے کہ کاش ہمارا بھی بلند درجہ اور زیادہ ثواب ہوتا تو وہ مسلمان جنت میں دائمی طور پر رنج اور حسرت میں مبتلا رہیں گے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آخرت کے احوال کو دنیا کے احوال پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ سبحانہ جس کو بھی جنت کے جس درجہ میں داخل کرے گا، اس کو اسی درجہ میں راضی رکھے گا اور ان کے دلوں سے زیادتی کی طلب اور رشک اور حسد کے جذبات نکال لیے جائیں گے۔ قرآن مجید میں ہے:

اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ۝ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ۝ لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ	سلامتی اور بے خوفی کے ساتھ جنتوں میں داخل ہو جاؤ ۝ اور ہم ان کے سینوں سے تمام رنجشوں کو کھینچ لیں گے۔ وہ آپس میں بھائی بھائی ہو کر ایک دوسرے کے سامنے مسندوں پر

مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ ۞ (الحجر: ۴۸-۴۶)
بیٹھے ہوں گے O انہیں وہاں کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی اور نہ وہ وہاں سے نکالے جائیں گے O

اگر جنت کے بڑے درجے والوں کو دیکھ کر چھوٹے درجے والوں کے دلوں میں رنج ہو تو ان کو تکلیف ہوگی حالانکہ اس آیت میں فرمایا ہے انہیں وہاں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ اس لیے جو شخص جنت کے جس درجہ میں ہوگا' وہ اس درجہ پر راضی اور مطمئن ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ ان کو کھانے میں اور (دنیاوی) فائدہ اٹھانے میں چھوڑ دیں اور ان کو ان کی امیدوں میں مشغول رہنے دیں۔ یہ عنقریب جان لیں گے O (الحجر: ۳)

مشکل الفاظ کے معانی

یلھھم: اس کا مادہ لھو ہے' لھو کا معنی ہے کسی ایسے غیر مفید کام میں مشغول ہونا جس کی وجہ سے مفید کام ترک ہو جائے۔

قرآن مجید میں ہے:

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ۔ (النور: ۳۷)

ایسے مرد جنہیں' تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے سے غافل نہیں کرتی۔

(مجمع بحار الانوار ج ۱ ص ۱۰۶' دار الایمان المدینۃ المنورۃ' ۱۴۱۵ھ)

آیت مذکورہ کا خلاصہ

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ آپ کفار کو ان کے حال پر چھوڑ دیں۔ وہ دنیا کے عیش و نشاط اور زیب و زینت سے جو اپنا حصہ لینا چاہتے ہیں' ان کو وہ حصہ لینے دیں' انہوں نے دنیاوی فوائد حاصل کرنے کے لیے لمبی لمبی امیدیں باندھ رکھی ہیں' انہیں اس میں مشغول رہنے دیں اور ان کو ایمان لانے اور عبادت کرنے سے غافل رہنے دیں۔ عنقریب جب وہ قیامت کی ہولناکیاں دیکھیں گے اور اپنے کرتوتوں کی سزا بھگتیں گے تو وہ خود جان لیں گے کہ آپ جو کچھ فرماتے تھے وہ صحیح اور حق تھا اور اس کے جواب میں وہ جو کچھ کہتے اور کرتے تھے' وہ غلط اور باطل تھا۔

دنیا میں مشغولیت اور لمبی امیدوں کی مذمت میں احادیث

لمبی امید رکھنا نفسیاتی بیماری ہے اور جب یہ بیماری دل میں جگہ پکڑ لے تو اس کا علاج مشکل ہو جاتا ہے۔ لمبی امید کی حقیقت دنیا کی محبت اور اس پر اوندھے منہ گر جانا ہے اور آخرت سے اعراض کرنا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چار چیزیں بدبختی کی علامت ہیں' آنکھوں کا خشک ہو جانا' دل کا سخت ہونا' لمبی امید رکھنا اور دنیا کی حرص کرنا۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۳۲۳۰' اس کا ایک راوی ہانی بن متوکل ضعیف ہے' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۲۲۶)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اس امت کے پہلے لوگوں کی نیکی زہد اور یقین کی وجہ سے تھی اور اس امت کے آخر کی ہلاکت بخل اور امید کی وجہ سے ہوگی۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۷۶۴۶' اتحاف السادۃ المتقین ج ۱۰ ص ۲۳۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ

بوڑھے آدمی کا دل دو چیزوں میں ہمیشہ جوان رہتا ہے' دنیا کی محبت اور لمبی امید۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۲۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۴۶' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۳۳۲۴' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۰۵۲۱' عالم الکتب بیروت)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابن آدم بوڑھا ہو جاتا ہے اور اس میں دو چیزیں بڑھ جاتی ہیں' مال اور لمبی عمر کی محبت۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۲۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۴۷' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۲۵۸' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۲۱۶۶' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۳۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۳۴' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۲۲۹)

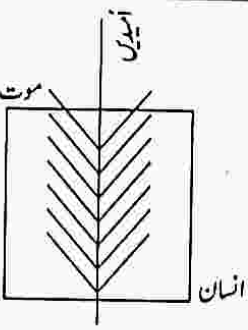
ام الولید بنت عمر بیان کرتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا اے لوگو! کیا تم حیا نہیں کرتے! مسلمانوں نے کہا: یا رسول اللہ! کس چیز سے؟ آپ نے فرمایا: تم ان چیزوں کو جمع کرتے ہو جن کو کھا نہیں سکتے اور ان مکانوں کو بناتے ہو جن میں تم نہیں رہو گے' اور تم ان چیزوں کی امید رکھتے ہو جن کو تم پا نہیں سکتے۔ کیا تم اس سے حیا نہیں کرتے۔ (المعجم الکبیر ج ۲۵ ص ۱۷۲' اس کی سند میں وازع بن نافع متروک ہے' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۲۸۴)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے دونوں کندھوں کو پکڑ کر فرمایا: دنیا میں اس طرح رہو جیسے تم مسافر ہو یا راستہ عبور کرنے والے' اور حضرت ابن عمر یہ کہتے تھے کہ جب شام ہو تو تم صبح کا انتظار نہ کرو اور صبح ہو تو تم شام کا انتظار نہ کرو اور اپنی صحت سے بیماری کا حصہ لو (یعنی صحت کے ایام میں وہ عبادت کر لو جو تم بیماری کے ایام میں نہیں کر سکو گے) اور اپنی زندگی سے اپنی موت کا حصہ لو۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۱۶' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۳۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۱۴' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۹۸' مسند احمد ج ۲ ص ۴۱' ۲۴' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۳۶۹)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس سے گزرے۔ اس وقت میں اور میری ماں دیوار پر مٹی سے لیپ کر رہے تھے۔ آپ نے پوچھا اے عبداللہ یہ کیا کر رہے ہو؟ میں نے کہا یا رسول اللہ! اس دیوار میں دراڑ پڑ گئی ہے تو ہم اس کو ٹھیک کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا معاملہ اس سے زیادہ جلد ہو گا۔
(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۲۳۶' ۵۲۳۵' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۳۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۶۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۹۹۷' ۲۹۹۶' مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چوکور خط کھینچا اور اس چوکور کے وسط میں ایک خط کھینچا جو اس چوکور سے باہر نکلا ہوا تھا۔ اس کے وسط میں چھوٹے چھوٹے خطوط کھینچے جو اس متوسط خط کی جانب تھے۔ پھر فرمایا یہ انسان ہے اور یہ اس کی موت ہے جس نے اس کا احاطہ کیا ہوا ہے اور یہ خط جو اس چوکور سے باہر نکلا ہوا ہے۔ یہ اس کی امیدیں ہیں اور یہ چھوٹے چھوٹے خطوط اس کو عارض ہونے والے مصائب ہیں۔ اگر اس مصیبت سے بچ نکلا تو یہ مصیبت اس کو ڈس لے گی اور اگر اس سے بچ نکلا تو یہ مصیبت اس کو ڈس لے گی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کھینچے ہوئے خط کی شکل یہ ہے:

خط کی شکل



(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۱۷، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۵۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۳۱، مسند احمد ج ۱، ص ۳۸۵)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خط کھینچا اور فرمایا: یہ انسان ہے۔ پھر اس کے پہلو میں ایک اور خط کھینچا اور فرمایا یہ اس کی موت ہے، پھر اس کے پہلو میں اس سے لمبا خط کھینچا اور فرمایا یہ اس کی امید ہے، پھر فرمایا انسان اسی حال میں ہوتا ہے کہ جو قریب والی چیز ہے وہ اس کو آملتی ہے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۱۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ ابن آدم ہے اور یہ اس کی موت ہے۔ آپ نے اپنا ہاتھ اپنی گدی پر رکھا، پھر اس کو پھیلا دیا اور فرمایا پھر اس کی امید ہے اور پھر اس کی امید ہے۔
(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۳۴، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۹۹۸، مسند احمد ج ۳ ص ۱۲۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۳۲، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۷۳۹، شرح السنہ: ۴۰۹۲)

انسان اپنی زندگی میں لمبی لمبی امیدیں رکھتا ہے اور طویل منصوبے بناتا ہے۔ میں یہ کام کروں گا، پھر یہ کام کروں گا، پھر یہ کام کروں گا، تجارت، سفر، ملازمت، بچوں کی تعلیم، پھر ان کی شادی بیاہ۔ اس کے پروگراموں کا ایک تسلسل ہوتا ہے اور اس کو یہ پتا نہیں ہوتا کہ کب اچانک موت آجائے گی اور اس کے سارے منصوبے اور تمام پروگرام دھرے کے دھرے رہ جائیں گے۔

مستقبل سے امیدیں وابستہ کرنے کے جواز اور عدم جواز کا محمل

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ منشاء نہیں ہے کہ انسان مستقبل کے لیے کوئی منصوبہ نہ بنائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کرنے کا منصوبہ بنایا تھا، حدیبیہ میں ان شرائط پر صلح کی تھی کہ مسلمان اس سال واپس چلے جائیں، اگلے سال آئیں اور صرف تین دن قیام کر کے چلے جائیں۔ اس طرح کی اور بھی شرائط تھیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زرہ گروی رکھ کر طعام خریدا۔ آپ نے مختلف علاقوں میں وفود اور مکاتیب بھیجے، دشمن کے علاقوں میں جاسوس روانہ کئے، جہاد کے لیے لشکروں کو بھیجا۔ آپ نے جب غزوہ موتہ کی طرف لشکر روانہ کیا تو اس کا امیر حضرت زید بن حارثہ کو بنایا اور فرمایا اگر وہ شہید ہو جائیں تو پھر حضرت جعفر بن ابی طالب کو امیر بنا لینا اور اگر وہ شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ کو امیر بنا لینا، جب فتوحات کی کثرت ہوئی اور مسلمانوں میں خوشحالی آگئی تو آپ ازواج مطہرات میں سے ہر ایک کو ایک سال کی خوراک مہیا فرما دیتے اور ایسی بہت مثالیں ہیں۔ قرآن مجید میں ہے کہ جب تم مدت معین کر کے ادھار خرید و فروخت کرو تو اس کو لکھ لیا کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ مستقبل کے لیے پس انداز کرنا، اور منصوبے بنانا اور امیدیں رکھنا اسلام میں مطلقاً ممنوع نہیں ہے۔ ممنوع

صرف یہ چیز ہے کہ انسان صرف دنیا کمانے اور دنیاوی زیب و زینت سے بہرہ اندوز ہونے میں مشغول رہے اور آخرت کی طرف اس کی کوئی توجہ نہ ہو اور جب انسان کا مقصد صرف آخرت ہو اور وہ دنیاوی امور کو صرف اخروی کامیابی کے حصول کا وسیلہ گردانے اور اخروی ثواب کو حاصل کرنے کے لیے دنیا کو حاصل کرے۔ اس کے منصوبے بنائے اور اس کی امیدیں رکھے تو یہ نہ صرف جائز ہے بلکہ مستحسن اور کار ثواب ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نماز میں بھی لشکر کی صفیں ترتیب دیتا رہتا ہوں، حضرت عثمان بن عفان اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہما مالدار تھے لیکن وہ اپنے مال کو دین کے لیے خرچ کرتے تھے۔ سو اگر کوئی شخص مال کمانے کے لیے تجارتی منصوبے بنائے اور اس میں کامیابی کی امید رکھے لیکن اس مال کو وہ دین کے لیے خرچ کرنا چاہتا ہو یا کوئی شخص اعلیٰ تعلیم حاصل کرے اور اس کا منصوبہ یہ ہو کہ اسے کوئی اچھی ملازمت مل جائے یا بیرون ملک کوئی عمدہ جاب مل جائے اور وہ اس آمدنی کی وجہ سے لوگوں کا دست نگر نہ رہے، اور اپنے ماں باپ اور بہن بھائیوں اور بیوی بچوں کی کفالت کر سکے تو اس کا یہ منصوبہ اور یہ نیت بھی کار ثواب ہے' اس طرح جو شخص لوگوں کے آگے دست سوال دراز کرنے سے بچنے کے لیے محنت مزدوری کرے' اس کے منصوبے بنائے اور روزگار کی امید رکھے تو اس کی یہ امید بھی اسلام میں مطلوب ہے' اللہ تعالیٰ نے انسان کے اوپر جن کی کفالت کی ذمہ داری رکھی ہے' اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لیے تگ و دو کرنا اور اس میں کامیابی کے حصول کی امید رکھنا بھی دین اور عبادت ہے' اسلام میں جو لمبی امیدیں رکھنا ممنوع ہے' وہ صرف اس شخص کے لیے ہے جو صرف دنیا کا ہو کر رہ جائے اور اس کے پیش نظر آخرت نہ ہو اور زیادہ امیدوں کی مذمت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء یہ تھا کہ انسان موت کو یاد رکھے کیونکہ جب انسان موت کو یاد رکھے گا تو گناہوں سے بچتا رہے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہم نے جس بستی کو بھی تباہ کیا' اس کا نوشتہ تقدیر میں وقت معین تھا○ کوئی گروہ اپنے مقرر وقت سے نہ آگے بڑھ سکتا ہے' نہ پیچھے ہٹ سکتا ہے۔ (الحجر: ۵-۴)

کفار مکہ کو زجر و توبیخ

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرنے پر کفار کو اس ارشاد سے تہدید کی تھی کہ آپ ان کو کھانے میں اور (دنیاوی) فائدہ اٹھانے میں چھوڑ دیں اور ان کو ان کی امیدوں میں مشغول رہنے دیں۔ یہ عنقریب جان لیں گے۔ اس کے بعد فرمایا ہم نے جس بستی کو بھی تباہ کیا' اس کا نوشتہ تقدیر میں وقت معین تھا' البتہ ان پر عذاب آنے اور ان کی ہلاکت کے اوقات مختلف ہوتے رہے ہیں' پس جو کفار پہلے زمانے میں تھے' ان کے عذاب اور ان کی ہلاکت کا وقت پہلے مقرر تھا' اور جو کفار ان کے بعد کے زمانے میں تھے' ان کے عذاب اور ان کی ہلاکت کا وقت بعد میں مقرر تھا اس لیے اس کے بعد فرمایا: کوئی گروہ اپنے مقرر وقت سے نہ آگے بڑھ سکتا ہے نہ پیچھے ہٹ سکتا ہے۔

بعض مفسرین نے کہا: اس آیت میں جو بستی کی تباہی اور ہلاکت کا ذکر ہے' اس سے مراد وہ عذاب ہے جس نے بستیوں کو مکمل تباہ کر دیا تھا جیسے حضرت نوح اور حضرت ہود علیہما السلام کی قوموں پر عذاب آیا تھا' اور بعض مفسرین نے کہا اس آیت میں ہلاکت سے مراد موت ہے اور اقرب یہی ہے کہ اس سے مراد عذاب ہے کیونکہ یہاں پر کفار کو زجر و توبیخ اور تہدید کرنا مقصود ہے اور زجر و توبیخ کے مناسب عذاب کا ذکر ہے نہ کہ موت کا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس بستی کو بھی ہلاک کیا ہے تو پہلے اس پر اپنے نبیوں اور رسولوں کے ذریعہ حجت قائم کی اور حجت پوری ہونے کے بعد بھی جب ان لوگوں نے ہدایت کو قبول نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ کے

نزدیک ان کی ہلاکت کا جو وقت مقرر تھا' اس وقت کے آنے پر ان کو ہلاک کر دیا۔ ان کو ان کے مقرر وقت سے پہلے ہلاک کیا اور نہ ان کی ہلاکت کو موخر کیا۔ اس میں اہل مکہ کو تہدید کی ہے کہ وہ شرک کو ترک کر دیں ورنہ ان کی ہلاکت اور تباہی یقینی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے کہا اے وہ شخص جس پر نصیحت نازل کی گئی ہے بے شک تو ضرور دیوانہ ہے○ اگر تم سچے ہو تو ہمارے پاس فرشتوں کو کیوں نہیں لاتے○ ہم فرشتوں کو صرف حق کے ساتھ نازل کرتے ہیں اور اس وقت (جب وہ نازل ہوں گے) تو ان کو مہلت نہیں دی جائے گی۔ (الحجر: ۸-۶)

کفار کا آپ کو "مجنون" کہنا کوئی نئی بات نہیں

اس سے پہلے دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار کو زجر و توبیخ اور تہدید کی تھی اور اس آیت میں ان کے شبہات کو ذکر کر کے ان کے جوابات دیے ہیں:

مشرکین مکہ آپ کا مذاق اڑاتے ہوئے اور استہزا کرتے ہوئے یہ کہتے تھے کہ تم مجنون اور دیوانے ہو اور اس کی وجہ یہ تھی کہ نزول وحی کے وقت آپ پر جو کیفیت طاری ہوتی تھی' وہ غشی کے مشابہ ہوتی تھی اور زیادہ اس وجہ سے آپ کو مجنون کہتے تھے کہ ان کے نزدیک یہ بہت بعید تھا کہ ان کی طرح پیدا ہونے والا انہی کی قوم کا ایک فرد ہو جو کھاتا پیتا بھی ہو' شادی شدہ بھی ہو۔ اس کے بچے بھی ہوں اور وہ اللہ کا رسول برحق ہو اور اس پر اللہ کا کلام نازل ہو اور یا آپ کو اس وجہ سے وہ مجنون کہتے تھے کہ آپ کو اس دعویٰ نبوت سے دست بردار ہونے کے لیے مال و دولت اور عرب کی سرداری کی پیش کش کی گئی۔ عرب کی سب سے حسین لڑکی سے شادی کی پیش کش کی گئی لیکن آپ نے مال دولت اور منصب او راقتدار کو ٹھکرا دیا اور سختیاں اور مصیبتیں برداشت کیں اور دعوی نبوت سے دست بردار نہیں ہوئے اور عیش و نشاط کو چھوڑ کر مصیبتوں کو اختیار کرنا ان کے نزدیک محض دیوانگی تھی۔ اس لیے انہوں نے آپ سے بطور استہزاء کہا: اے وہ شخص جس پر نصیحت نازل کی گئی ہے' تو دیوانہ ہے○ اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں فرعون نے بھی آپ کو مجنون کہا تھا' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قَالَ اِنَّ رَسُوْلَکُمُ الَّذِیْٓ اُرْسِلَ اِلَیْکُمْ لَمَجْنُوْنٌ○ (الشعراء: ۲۷)

(فرعون نے) کہا بے شک تمہارا یہ رسول جس کو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے' وہ ضرور دیوانہ ہے۔

اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے ان کو مجنون کہا:

کَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ فَکَذَّبُوْا عَبْدَنَا وَقَالُوْا مَجْنُوْنٌ وَّازْدُجِرَ○ (القمر: ۹)

ان سے پہلے نوح کی قوم نے ان کو جھٹلایا اور کہا یہ دیوانہ ہے اور ان کو دھمکیاں دیں۔

بلکہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جس قدر رسول آئے' سب کو ان کی قوموں نے دیوانہ یا جادوگر کہا۔

کَذٰلِکَ مَآ اَتَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ○ (الذاریات: ۵۲)

اسی طرح ان سے پہلے لوگوں کے پاس جب بھی کوئی رسول آیا تو انہوں نے کہا یہ جادوگر ہے یا دیوانہ۔

اس شبہ کا جواب بالکل بدیہی ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام نے جو حکیمانہ کلام پیش کیا وہ کسی عام ہوش مند انسان سے بھی متصور نہیں ہے چہ جائیکہ مجنون سے۔

آپ کی تائید کے لیے کوئی فرشتہ کیوں نازل نہیں کیا

کفار کا دوسرا شبہ یہ تھا کہ اگر آپ اللہ کے برحق رسول ہیں تو آپ کے ساتھ اللہ کا کوئی فرشتہ آنا چاہیے تھا جو ہم کو بتاتا کہ واقعی آپ اللہ کے رسول ہیں، کیونکہ محض آپ کا اپنے متعلق یہ کہنا کافی نہیں ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، ہو سکتا ہے آپ کی بات صحیح ہو اور ہو سکتا ہے کہ آپ کی بات صحیح نہ ہو لیکن جب فرشتہ آکر یہ کہے گا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے برحق رسول ہیں تو بات بالکل صاف ہو جائے گی اور کوئی شک اور شبہ نہیں رہے گا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر فرشتہ اپنی اصل صورت میں ان کے پاس تصدیق کے لیے آتا تو وہ اس کو نہ دیکھ سکتے تھے اور نہ اس کا کلام سن سکتے تھے اور اگر وہ فرشتہ انسانی پیکر میں آتا تو ان کو پھر یہ شبہ پڑ جاتا۔ وہ کہتے یہ تو ہماری طرح انسان ہے، یہ فرشتہ کیسے ہو سکتا ہے! جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ○

اور اگر ہم رسول کو فرشتہ بناتے تو اسے (صورتاً) مرد ہی بناتے اور ان پر (پھر) وہی شبہ ڈال دیتے جو شبہ وہ اب کر رہے ہیں۔ (الانعام: ۹)

باقی رہا ان کا یہ کہنا کہ پھر آپ کی نبوت میں شک اور شبہ نہ رہتا تو وہ کج بحث، ضدی اور ہٹ دھرم لوگ تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد معجزات دکھائے جن کے بعد آپ کی نبوت میں شک اور شبہ نہیں رہنا چاہیے تھا لیکن ہر معجزہ دیکھنے کے بعد انہوں نے یہی کہا کہ یہ کھلا ہوا جادو ہے، سب سے بڑا معجزہ خود قرآن کریم ہے لیکن منکرین اس کی نظیر لانے سے عاجز رہنے کے باوجود اس کے کلام الٰہی ہونے پر ایمان نہیں لائے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم فرشتوں کو حق کے ساتھ نازل کرتے ہیں اور اس وقت (جب وہ نازل ہوں گے) تو ان کو مہلت نہیں دی جائے گی۔ اس کے مفسرین نے دو معنی بیان کئے ہیں ایک یہ کہ جب فرشتے ان کی روح قبض کرنے آئیں گے تو ان کو مہلت نہیں دی جائے گی، اور دوسرا یہ کہ جب فرشتے ان پر عذاب لے کر آئیں گے تو ان کو مہلت نہیں دی جائے گی، لیکن اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں یہ مقرر ہو چکا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر ایسا عذاب نہیں آئے گا کہ پوری قوم نیست و نابود کر دی جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ہم نے ہی قرآن نازل کیا ہے اور بے شک ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ (الحجر: ۹)

اللہ تعالیٰ کو واحد اور جمع کے صیغوں کے ساتھ تعبیر کرنے کی توجیہ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو جمع کے صیغہ کے ساتھ تعبیر فرمایا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ واحد ہے۔ اس کی توجیہ میں امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں:

ہرچند کہ یہ جمع کا صیغہ ہے لیکن بادشاہوں کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنی عظمت کا اظہار کرنے کے لیے خود کو جمع کے صیغے سے تعبیر کرتے ہیں کیونکہ ان میں سے جب کوئی ایک کوئی کام کرتا ہے یا کوئی بات کہتا ہے تو وہ اس کو یوں کہتا ہے کہ ہم نے یہ کام کیا یا ہم نے یہ بات کہی۔ (تفسیر کبیر ج ۷ ص ۱۲۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کی ذات واحد ہے اور اس کی صفات کثیر ہیں۔ جب اس کی تعبیر میں صرف اس کی ذات کا لحاظ ہو تو اس کو واحد کے صیغے کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے اور جب ذات مع صفات ملحوظ ہو تو اس کو جمع کے صیغے کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے، اسی طرح

تعبیر کرنے والے کے ذہن میں اگر اس کی وحدانیت کا غلبہ ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کو واحد کے صیغے کے ساتھ تعبیر کرتا ہے اور اگر اس کے ذہن میں اللہ تعالیٰ کے ادب اور احترام کا غلبہ ہو تو وہ اس کو جمع کے صیغے کے ساتھ تعبیر کرتا ہے۔ یہ دونوں تعبیریں جائز ہیں اور ان کی تعبیر کا مدار تعبیر کرنے والے کی اس وقت کی کیفیت پر ہے۔

اس آیت میں قرآن مجید کی حفاظت مراد ہے یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی؟

اس آیت میں لہ کی ضمیر کے مرجع میں دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ یہ ضمیر الذکر کی طرف لوٹتی ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہے بے شک ہم نے ہی قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ضمیر منزل علیہ یعنی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے۔ اب اس آیت کا معنی اس طرح ہے کہ بے شک ہم نے ہی قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرنے والے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ۔ اور اللہ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔

(المائدہ: ۶۷)

لیکن نظم قرآن کے زیادہ موافق اور اس مقام کے زیادہ مناسب یہ ہے کہ یہ ضمیر الذکر کی طرف راجع ہے یعنی بے شک ہم نے ہی قرآن کو نازل کیا ہے اور بے شک ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

قرآن مجید کی حفاظت کے ظاہری اسباب

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب اللہ تعالیٰ قرآن مجید کا محافظ ہے تو صحابہ کرام اس کو جمع کرنے اور اس کو مرتب کرنے میں کیوں مشغول ہوئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کے ظاہری اسباب مقرر فرمائے تھے۔ اس کا ایک سبب یہ ہے کہ قرآن مجید کو لکھ کر محفوظ کیا گیا اور اس کی اشاعت کی گئی اور جتنی اس کی اشاعت کی گئی تھی، اتنی دنیا میں کسی کتاب کی اشاعت نہیں کی گئی، اور قرآن مجید کو حفظ کیا گیا اور یہ دنیا کی واحد کتاب ہے جس کو اول سے آخر تک پورا حفظ کیا جاتا ہے اور ہر دور میں دنیا میں اس کے بے شمار حافظ رہے ہیں، اگر کسی مجلس میں کوئی پڑھنے والا کسی سورت یا کسی آیت سے ایک لفظ کم کر دے یا اس میں اپنی طرف سے کوئی لفظ زیادہ کر دے تو اسی مجلس میں لوگ بول اٹھیں گے، آپ نے یہ لفظ چھوڑ دیا، یا آپ نے جو لفظ پڑھا ہے، وہ قرآن مجید کا لفظ نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص قرآن مجید کو چھاپے اور اس میں کوئی لفظ کم یا زیادہ کر دے یا کسی نقطہ میں کمی بیشی کر دے یا کسی زیر زبر میں تغیر کر دے تو سینکڑوں آدمی آ کر اس غلطی کی نشاندہی کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ۔ (حم السجدۃ: ۴۲) اس قرآن کے پاس باطل نہیں آ سکتا نہ اس کے سامنے سے نہ اس کے پیچھے سے۔

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

ابو الحسن علی بن خلف نے اپنی سند کے ساتھ یحییٰ بن اکثم سے روایت کیا ہے کہ جب مامون رشید حکمران تھا تو اس نے ایک علمی مجلس منعقد کی۔ اس مجلس میں ایک یہودی آیا جس نے عمدہ لباس پہنا ہوا تھا اور بہترین خوشبو لگائی ہوئی تھی۔ اس نے بہت نفیس اور ادیبانہ گفتگو کی۔ جب مجلس ختم ہو گئی تو مامون نے اس کو بلا کر پوچھا۔ آیا تم اسرائیلی ہو؟ اس نے کہا ہاں! مامون نے کہا: تم مسلمان ہو جاؤ، میں تمہیں بہت انعام و اکرام دوں گا اور بہت بڑے منصب پر فائز کروں گا۔ اس نے کہا

یہ میرا دین ہے اور میرے آباء و اجداد کا دین ہے اور یہ کہہ کر چلا گیا۔ پھر ایک سال کے بعد وہ پھر آیا اس وقت وہ مسلمان ہو چکا تھا۔ اس نے فقہی مسائل پر کلام کیا اور بہت عمدہ بحث کی۔ جب مجلس ختم ہو گئی تو مامون نے اس کو بلا کر پوچھا: کیا تم پچھلے سال ہماری مجلس میں نہیں تھے۔ اس نے کہا: کیوں نہیں، مامون نے پوچھا پھر تمہارے اسلام لانے کا کیا سبب ہے؟ اس نے کہا جب میں تمہاری مجلس سے اٹھا تو میں نے سوچا کہ میں ان مذاہب کا امتحان لوں اور آپ نے دیکھا کہ میرا خط (لکھائی) بہت خوبصورت ہے۔ میں نے پہلے تورات کا قصد کیا اور اس کے تین نسخے لکھے اور اس میں اپنی طرف سے کمی بیشی کر دی، میں یہودیوں کے معبد میں گیا تو انہوں نے تورات کے وہ نسخے مجھ سے خرید لیے۔ پھر میں نے انجیل کا قصد کیا۔ میں نے اس کے بھی تین نسخے لکھے اور ان میں بھی کمی بیشی کر دی، پھر میں عیسائیوں کے گرجے میں گیا تو انہوں نے مجھ سے وہ نسخے خرید لیے۔ پھر میں نے قرآن کا قصد کیا، میں نے اس کے بھی تین نسخے لکھے اور ان میں بھی کمی بیشی کر دی۔ پھر میں ان کو فروخت کرنے کے لیے اسلامی کتب خانہ میں گیا اور ان پر وہ نسخے پیش کیے۔ انہوں نے ان کو پڑھا اور ان کی تحقیق کی اور جب وہ میری کی ہوئی زیادتی اور کمی پر مطلع ہوئے تو انہوں نے وہ نسخے مجھے واپس کر دیئے اور ان کو نہیں خریدا۔ اس سے میں نے یہ جان لیا کہ یہ کتاب محفوظ ہے اور اس میں کوئی تغیر نہیں کیا جا سکتا تو یہ میرے اسلام لانے کا سبب ہے! یحییٰ بن اکثم نے کہا میں اس سال حج کے لیے گیا تو میری ملاقات سفیان بن عیینہ سے ہوئی۔ میں نے ان کو یہ خبر سنائی تو انہوں نے کہا: یہ خبر صحیح ہے اور قرآن مجید میں اس کی تصدیق ہے۔ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ نے تورات اور انجیل کی حفاظت ان کے علماء کے سپرد کر دی ہے فرمایا:

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ۔ (المائدہ: ۴۴)

بے شک ہم نے تورات نازل کی جس میں ہدایت اور نور ہے، جس کے مطابق انبیاء فیصلے کرتے رہے جو ہمارے تابع فرمان تھے۔ ان لوگوں کا (فیصلہ کرتے رہے) جو یہودی تھے اور (اسی کے مطابق) اللہ والے اور علماء (فیصلہ کرتے رہے) کیونکہ وہ اللہ کی کتاب کے محافظ بنائے گئے تھے۔

اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ یہود اور نصاریٰ کو تورات اور انجیل کا محافظ بنایا گیا تھا اور قرآن مجید کا محافظ خود اللہ تعالیٰ ہے جیسا کہ اس آیت میں ارشاد فرمایا ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ (الحجر: ۹)

بے شک ہم نے ہی قرآن نازل کیا ہے اور بے شک ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۰ ص ۷۔۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

ہمارے پاس تورات کا ۱۹۲۷ء کا ایڈیشن ہے۔ اس میں ہے ہزاروں قدسیوں کے ساتھ آیا ص ۱۹۲، اور موجودہ ایڈیشن میں ہے۔ لاکھوں قدسیوں کے ساتھ آیا۔ ص ۱۸۴۔

محافظة الشئی لنفسہ کا جواب

اس آیت پر حضرت پیر مہر علی شاہ قدس سرہ العزیز نے ایک اشکال قائم کیا ہے۔ جس کا مولانا فیض احمد صاحب فیض نے ان کی سوانح میں ذکر کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

ایک مولوی صاحب نے مناظرانہ رنگ میں سوال کیا کہ قرآن مجید فرماتا ہے میں کتب سابقہ کا مصدق ہوں (مصدقا لما معکم) مگر کتب سابقہ بھی کلام الٰہی ہیں اور قرآن کریم بھی جس سے تصدیق الشئی لنفسہ کا اشکال لازم آتا

ہے۔

حضرت نے فرمایا: قرآن مجید اور کتب سابقہ میں تو زمان و مکان اور لغت اور محل نزول کا اختلاف موجود ہے، آپ کے لیے موجب اشکال تو یہ چیز ہونی چاہئے کہ قرآن شریف کی محافظت الٰہیہ کی مثبت فقط ایک ہی آیت انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحفظون (سورہ الحجر: ۹) (ہم نے ہی قرآن نازل فرمایا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں) وارد ہوئی ہے، جو اپنی محافظت کی دلیل بھی آپ ہے، پس فرمایئے آپ کے اعتراض کی روشنی میں اس محافظۃ الشئی لنفسہ کے اشکال کا حل کیا ہوگا؟ (مہر منیر ص ۴۲۰، مطبوعہ پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز، لاہور)

میرے خیال میں اس اشکال کا یہ جواب ہے کہ الذکر سے مراد قرآن مجید ہے اور الذکر میں اجمالی طور پر پورا قرآن مجید موجود ہے اور پورے قرآن میں یہ آیت یعنی انا نحن نزلنا الذکر الآیہ بھی موجود ہے لہٰذا یہ آیت تفصیلی طور پر محافظ ہے یا محافظت کی مثبت اور دلیل ہے اور الذکر کے ضمن میں اجمالی طور پر جو یہ آیت ہے وہ محفوظ ہے یعنی پورے قرآن کے ضمن میں جس کی حفاظت کی گئی ہے، لہٰذا اجمال اور تفصیل کے فرق کی وجہ سے محافظۃ الشئی لنفسہ لازم نہیں آئی، چونکہ وہ شخص حضرت سے مناظرانہ رنگ میں گفتگو کر رہا تھا۔ اس لیے آپ نے خود اس کا جواب نہیں ذکر فرمایا۔

قرآن مجید کی حفاظت کا ظاہری سبب حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں

جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ قرآن مجید کی حفاظت کا ظاہری سبب اس کا بہت زیادہ چھپنا اور بہت زیادہ حفظ کرنا ہے اور قرآن مجید کو لوگ تراویح میں قرآن مجید سنانے یا سننے کے شوق میں حفظ کرتے ہیں اور جو لوگ تراویح میں قرآن مجید سننا یا سنانا چھوڑ دیتے ہیں۔ انہیں قرآن مجید بھول جاتا ہے اور جس فرقے کے لوگ تراویح نہیں پڑھتے، ان میں کوئی حافظ قرآن بھی نہیں ہوتا اور قرآن مجید کو مصحف میں لکھ کر محفوظ کرنے کا مشورہ بھی حضرت عمر نے دیا تھا اور تراویح میں قرآن مجید پڑھ کر سنانے کا طریقہ بھی حضرت عمر کی ایجاد ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کا حقیقی محافظ تو اللہ تعالیٰ ہے لیکن اس کی حفاظت کے ظاہری سبب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے آپ سے پہلی امتوں میں بھی رسول بھیجے تھے ○ اور ان کے پاس جب بھی کوئی رسول آتا تھا تو وہ اس کا مذاق اڑاتے تھے ○ ہم اسی طرح اس کو مجرموں کے دلوں میں ڈال دیتے ہیں ○ وہ اس پر ایمان نہیں لائیں گے اور بے شک پہلے لوگوں کی بھی یہی روش گزر چکی ہے ○ (الحجر: ۱۳-۱۰)

مشکل الفاظ کے معانی

شیع: یہ شیعہ کی جمع ہے، اس کا معنی ہے امتوں میں سے ایک امت، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، قتادہ اور حسن نے کہا ہے فرقوں میں سے ایک فرقہ، اور فرقہ لوگوں کے اس گروہ کو کہتے ہیں جو کسی ایک مذہب، عقیدہ یا نظریہ پر متفق ہوں، یہ اصل میں شیاع سے ماخوذ ہے۔ شیاع ان چھوٹی لکڑیوں کو کہتے ہیں جن کی مدد سے بڑی لکڑی جلائی جاتی ہیں۔ عرف میں فرقہ کا معنی ہے سواد اعظم اور اکثریت سے کسی اختلاف کی بناء پر کچھ لوگ ان سے نکل کر اپنا الگ ایک گروہ بنالیں جیسے سب سے پہلے مسلمانوں کی اکثریت سے الگ ہو کر خوارج نے اپنا ایک عقیدہ بنالیا۔ وہ حضرت معاویہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما دونوں پر لعنت کرتے تھے، پھر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد کوفہ کے شیعان علی نے اپنا الگ عقیدہ بنالیا، پھر اسی طرح مختلف نظریات اپنا کر سواد اعظم سے کٹ کٹ کر فرقے بنتے گئے۔

نسلکہ: اس لفظ کا مادہ سلک ہے۔ سلک کا معنی ہے ایک چیز کو دوسری چیز میں داخل کرنا، مثلاً دھاگے کو سوئی کے

سوراخ میں داخل کرنا اور نیزے کو دشمن کے جسم میں داخل کرنا، قرآن مجید میں ہے:

مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ۔ (المدثر: ۴۲) تم کو کس چیز نے دوزخ میں داخل کر دیا۔

اس آیت کا معنی ہے ہم اس قرآن کو مجرموں کے دلوں میں داخل کر دیتے ہیں۔ یعنی ان کو قرآن سنواتے ہیں اور ان کے دل و دماغ کو قرآن مجید کے معانی کی طرف متوجہ کر دیتے ہیں لیکن وہ اپنی جہالت اور کفر پر اصرار کر کے ضد، عناد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے اس پر ایمان نہیں لاتے۔

سنت: سنت کا معنی طریقہ ہے اور سنت النبی کا معنی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ طریقہ جس کو آپ قصداً اختیار فرماتے اور سنت اللہ کا اطلاق اللہ تعالیٰ کی حکمت کے طریقہ پر کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا۔ (الفتح: ۲۳) یہ اللہ کا دستور ہے جو پہلے سے چلا آرہا ہے اور آپ اللہ کے دستور میں کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے۔

اس سے مقصود یہ ہے کہ مختلف انبیاء کی شریعتیں ہر چند کہ صورتاً مختلف ہوتی ہیں لیکن ان کی غرض اور ان کا مقصود مختلف نہیں ہوتا اور نہ تبدیل ہوتا ہے اور وہ ہے نفس کو پاکیزہ کرنا اور اس کو اللہ تعالیٰ کے ثواب اور اس کے قرب اور جوار کے قابل بنانا۔ (المفردات ج ا ص ۳۲۲) علامہ ابن الاثیر جزری متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں: سنت کا اصل معنی ہے طریقہ اور سیرت اور اصطلاح شرع میں اس کا معنی ہے: جس چیز کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہو یا جس چیز سے آپ نے منع فرمایا ہو یا جس چیز کو آپ نے قولاً یا فعلاً مستحب قرار دیا ہو اور ان چیزوں کا ذکر قرآن مجید میں نہ ہو، اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ دلائل شرعیہ کتاب اور سنت ہیں اور اس قبیل سے یہ حدیث ہے:

انی لا نسی او انسی لاسن۔ میں بھول جاتا ہوں یا بھلا دیا جاتا ہوں تاکہ کسی فعل کو سنت قرار دیا جائے۔ (موطا امام مالک رقم الحدیث: ۲۲۸)

یعنی مجھ پر نسیان طاری کیا جاتا ہے تاکہ میں لوگوں کو صراط مستقیم کی طرف ہدایت دوں اور ان کو یہ بیان کروں کہ جب ان پر نسیان طاری ہو تو ان کو کیا کرنا چاہیے۔ اسی طرح ایک حدیث میں ہے نزل المحصب ولم یسنه آپ وادی محصب میں اترے لیکن آپ نے اس کو لوگوں کے لیے سنت نہیں قرار دیا تاکہ لوگ اس پر عمل کریں۔ (النہایہ ج ۲ ص ۳۶۸)

علامہ ابن اثیر کی اس عبارت سے سنت کی جامع مانع تعریف اس طرح حاصل ہوتی ہے: جس چیز کا قرآن مجید میں ذکر نہ ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنے قول یا فعل سے مسلمانوں کے عمل کے لیے معین فرمایا ہو، اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دائماً یا اکثر کیا ہو تو یہ سنت مؤکدہ ہے اور اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کبھی کبھی کیا ہو تو یہ سنت غیر مؤکدہ ہے، اس آیت میں فرمایا ہے کہ پہلوں کی سنت گزر چکی ہے۔ یہاں سنت سے مراد کفار کی عادت اور ان کا طریقہ ہے۔

کافروں کے دلوں میں نبیوں کا استہزاء پیدا کرنے پر بحث و نظر

ان آیتوں میں فرمایا ہے: ہم اسی طرح اس کو مجرموں کے دلوں میں ڈال دیتے ہیں ○ اور وہ اس پر ایمان نہیں لائیں گے۔ یہاں نسلکه اور لا یؤمنون به کی ضمیروں میں تین احتمال ہیں (۱) یہ دونوں ضمیریں استہزاء کی طرف لوٹتی ہیں۔ (۲) نسلکه کی ضمیر استہزاء کی طرف اور لا یؤمنون به کی ضمیر قرآن کی طرف لوٹتی ہے۔ (۳) یہ دونوں ضمیریں قرآن کی طرف لوٹتی ہیں۔

پہلی صورت میں معنی اس طرح ہو گا، ہم نبیوں کے ساتھ استہزاء کرنے کو ان کے دلوں میں داخل کر دیتے ہیں اور وہ

اس استہزاء پر ایمان نہیں لائیں گے۔ لیکن یہ معنی تناقض کو مستلزم ہے، کیونکہ جب استہزاء ان کے دل میں ہوگا تو ان کا اس استہزاء پر ایمان ہوگا ورنہ لازم آئے گا کہ ان کے دل میں استہزاء پر ایمان ہو اور ایمان نہ ہو۔

دوسری صورت میں معنی یہ ہوگا کہ ہم ان کے دلوں میں نبیوں کے ساتھ استہزاء کو داخل کرتے ہیں اور وہ قرآن پر ایمان نہیں لاتے۔ اس معنی پر یہ اعتراض ہے کہ نبیوں کے ساتھ استہزاء کرنا کفر ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں کفر کو داخل کر دیا، اس لیے وہ قرآن پر ایمان نہیں لائے اور اس صورت میں قیامت کے دن کفار یہ کہہ سکیں گے، ہم اس لیے ایمان نہیں لائے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے دلوں میں کفر داخل کر دیا تھا، یاد رکھئے کہ ایمان اور کفر دونوں کا خالق اللہ تعالیٰ ہے لیکن بندہ ایمان لانے کا ارادہ کرلے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں ایمان پیدا کر دیتا ہے اور کفر کا ارادہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں کفر پیدا کر دیتا ہے اور اگر بندہ کے ارادہ کو ایمان اور کفر کی تخلیق کا سبب نہ مانا جائے تو انبیاء علیہم السلام کو بھیجنا اور کتابوں کا نازل کرنا اور جزا اور سزا کا نظام قائم کرنا سب عبث اور بے معنی اور حکمت کے خلاف ہوگا۔

اور تیسری صورت یہ ہے کہ یہ دونوں ضمیریں قرآن مجید کی طرف لوٹتی ہیں جو انا نحن نزلنا الذکر سے سمجھ آ رہا ہے اور اب معنی اس طرح ہوگا ہم ان کے دلوں میں قرآن کو داخل کرتے ہیں یعنی ہم نے ان کو قرآن سنوایا اور ہم نے قرآن کے معانی اور اس کی ہدایت کو سمجھنے کے لیے ان کے دل و دماغ میں فہم اور ادراک عطا فرمایا، لیکن یہ اپنی ضد، کج بحثی اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے قرآن مجید کی ہدایت کو قبول نہیں کرتے اور ایمان نہیں لاتے۔ اس معنی پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔

علامہ ابوالحیان اندلسی نے لکھا ہے کہ غزنوی نے حسن بصری سے یہی روایت کیا ہے کہ ہم مشرکین پر حجت قائم کرنے کے لیے ان کے دلوں میں قرآن داخل کرتے ہیں یعنی ہم نے ان کے دل و دماغ میں قرآن کو سمجھنے کا ادراک پیدا کر دیا ہے۔ (البحر المحیط ج ۶ ص ۴۶۹) لیکن میں نے دیکھا کہ علامہ سمعانی، علامہ زمخشری اور سید مودودی کے علاوہ تمام مفسرین اور مترجمین نے دوسری صورت کو اختیار کیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان کافروں کے دلوں میں نبیوں کے ساتھ استہزاء کو داخل کر دیتا ہے اور وہ قرآن پر ایمان نہیں لاتے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں کفر پیدا کر دیتا ہے، اب رہا یہ اعتراض کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہی ان کے دلوں میں کفر کو پیدا کر دیا تو پھر ایمان نہ لانے میں ان کا کیا قصور ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ انہوں نے کفر کا ارادہ کیا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں کفر کو پیدا کر دیا جیسا کہ ہم نے اس سے پہلے وضاحت سے بیان کر دیا ہے۔

کفار کے انکار اور استہزاء کی وجوہات

ان آیات میں یہ بتایا ہے کہ کافر ہمیشہ سے نبیوں کا مذاق اڑاتے رہے ہیں اور ان پر ایمان لانے سے انکار کرتے رہے ہیں۔ ان کے اس استہزاء اور انکار کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) وہ اپنی شہوت برآری اور لذت اندوزی کے خوگر ہو چکے تھے اور شریعت کا قلادہ اپنے گلے میں ڈال کر اپنی من پسند چیزوں سے دست بردار ہونا ان کے لیے مشکل تھا اور عبادت کی مشقتوں کو برداشت کرنا ان پر بھاری تھا۔

(۲) وہ شروع سے جس مذہب سے وابستہ تھے، وہ ان کے دلوں میں گھر کر چکا تھا، اور اس کو چھوڑنا ان کے لیے بہت مشکل تھا۔

(۳) رسول کی اطاعت کرنا ضروری ہوتی ہے اور وہ آزاد منش لوگ تھے۔ ان کے لیے کسی کی غلامی اختیار کرنا بہت

دشوار تھا۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے جتنے رسول بھیجے ان میں سے زیادہ تر ایسے تھے جن کے پاس مال و دولت کی فراوانی نہ تھی اور نہ ان کے اعوان اور مددگار تھے اور منکرین بہت مالدار اور رئیس تھے۔ ان کے ماتحت بہت لوگ تھے اس لیے ان کو ان رسولوں کی اتباع کرنے میں عار محسوس ہوتا تھا۔

(۵) وہ اپنے آباء و اجداد کی تقلید سے بت پرستی میں راسخ ہو چکے تھے اور ان کے خلاف کوئی بات سننے پر تیار نہیں تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر ہم ان پر آسمان کا کوئی دروازہ کھول دیں اور وہ دن بھر اس پر چڑھتے (بھی) رہیں ○ تب بھی وہ یہی کہیں گے کہ بات صرف یہی ہے کہ ہماری نظر بندی کر دی گئی ہے بلکہ ہم لوگوں پر جادو کر دیا گیا ہے ○ (الحجر: ۱۵-۱۴)

مشکل الفاظ (سحر وغیرہ) کے معانی

ظل: جو شخص دن کے وقت میں کوئی کام کرے اس کے لیے عرب ظل کا لفظ بولتے ہیں جیسے کوئی شخص رات میں کوئی کام کرے تو اس کے لیے بات کا لفظ بولتے ہیں۔

یعرجون کا معنی ہے وہ چڑھتے ہیں، معراج کا معنی ہے سیڑھی اور اس کی جمع معارج ہے۔

سکرت: اس کی نظر بندی کر دی گئی ہے۔ یہ لفظ تسکیر سے بنا ہے۔ اس کا معنی ہے نظر بندی کرنا، اور جس چیز سے نشہ ہو، اس کو سکر کہتے ہیں۔

سحر: جس چیز کا سبب مخفی ہو اور اپنی حقیقت کے خلاف اس کا تخیل ہونے لگے، دھوکا دینے اور بے حقیقت خیالات کے پیدا کرنے کو بھی سحر کہتے ہیں۔ ہاتھ کی صفائی اور شعبدہ بازی کو بھی سحر کہتے ہیں، نظر بندی کرنے کو بھی سحر کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے سحروا اعین الناس (الاعراف: ۱۱۶) انہوں نے لوگوں کی آنکھوں کو باندھ دیا۔ شیطان سے کسی قسم کا تقرب حاصل کر کے کفریہ اور شرکیہ کلمات پڑھ کر کسی عجیب و غریب کام کرنے کو بھی سحر کہتے ہیں۔ علامہ ابوالحیان اندلسی متوفی ۷۵۴ھ نے سحر کے متعلق حسب ذیل اقوال لکھے ہیں:

(۱) سحر سے حقائق اشیاء تبدیل ہو جاتی ہیں، اور لوگوں کی صورتیں بدل جاتی ہیں جیسے پتھر کو سونا بنا دینا اور انسان کو گدھا بنا دینا اور یہ معجزات اور کرامات کے مشابہ ہے، جیسے ہواؤں میں اڑنا اور قلیل وقت میں کثیر مسافت کو طے کر لینا۔

(۲) بازی گری، ملمع سازی اور شعبدہ بازی جس کی واقع میں کوئی حقیقت نہیں ہوتی، قرآن مجید میں ہے:

فَإِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ إِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْعَىٰ - (طٰہٰ: ۶۶)

بس اچانک ان کے جادو سے موسیٰ کو یہ خیال ہوا کہ ان کی رسیاں اور لاٹھیاں دوڑ رہی ہیں۔

اور یہ معتزلہ کا قول ہے جن کی رائے میں سحر کی کوئی حقیقت نہیں ہے، ابو اسحاق استرابازی شافعی کا قول بھی انہی کے موافق ہے۔

(۳) سحر کے ساتھ اپنی قوت مخیلہ کو لوگوں کے خیالات پر اثر انداز کیا جاتا ہے اور ان کے خیال میں جو بات ڈال دی جاتی ہے، ان کو وہی نظر آتا ہے، اس کو نظر بندی کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے سحروا اعین الناس۔ (الاعراف: ۱۱۶)

(۴) کوئی محیر العقول کام کرنے کے لیے جنات کی خدمت حاصل کی جاتی ہے اور اس کام کو سحر کہتے ہیں۔

(۵) بعض اجسام کو جلا کر ان کی راکھ پر کچھ کلمات پڑھے جاتے ہیں۔

(۶) ستاروں کے خواص اور ان کی تاثیرات سے یہ عمل کیا جاتا ہے۔

(۷) کچھ کفریہ کلمات پڑھ کر یہ عمل کیا جاتا ہے۔(البحر المحیط ج۱۱ص ۵۲۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۲ھ)

کفار مکہ کے مطالبہ پر فرشتوں کو نازل نہ کرنے کی وجہ

ان آیتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ جب کفار مکہ نے فرشتوں کے نزول کا مطالبہ کیا جو اس بات کی تصدیق کریں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ کی طرف سے نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر بالفرض یہ مطالبہ پورا بھی کر دیا جائے تو وہ یہ کہیں گے کہ یہ جادو ہے۔ ہر چند کہ ہم بظاہر فرشتوں کو دیکھ رہے ہیں لیکن ہم حقیقت میں ان کو نہیں دیکھ رہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ لوگوں کی ایک بہت بڑی جماعت ایک چیز کا مشاہدہ کر رہی ہو اور پھر وہ یہ کہیں کہ ہم کو شک ہے، جو کچھ ہم نے دیکھا ہے، وہ نظر بندی ہے یا جادو ہے۔ اس طرح تو پھر حواس اور مشاہدہ پر اعتبار نہیں رہے گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب لوگ ضد، عناد اور ہٹ دھرمی پر اتر آئیں تو ایسا ہو سکتا ہے۔ آخر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے چاند کو دو ٹکڑے کر دیا تھا تب بھی تو کفار نے یہی کہا تھا کہ یہ کھلا ہوا جادو ہے، اسی طرح تمام جن اور انسان مل کر قرآن کی مثل کوئی سورت بنا کر نہیں لا سکے پھر بھی انہوں نے اس کو اللہ کا کلام نہیں مانا اور یہی کہا کہ یہ کھلا ہوا جادو ہے۔

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَزَيَّنَّاهَا لِلنَّاظِرِينَ ﴿١٦﴾ وَحَفِظْنَاهَا

اور بے شک ہم نے آسمان میں برج بنائے اور ہم نے ان کو دیکھنے والوں کے لیے مزین کر دیا ○ اور ہم نے ان کو

مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ رَجِيمٍ ﴿١٧﴾ إِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَأَتْبَعَهُ

ہر راندۂ درگاہ شیطان سے محفوظ کر دیا ○ سوا اس کے جو چوری سے (فرشتوں کی باتیں) سنے تو اس کے پیچھے

شِهَابٌ مُبِينٌ ﴿١٨﴾ وَالْأَرْضَ مَدَدْنَاهَا وَأَلْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ

ایک چمکتا ہوا انگارہ آتا ہے ○ اور ہم نے زمین کو پھیلا دیا اور اس میں مضبوط پہاڑ نصب کر دیئے

وَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَوْزُونٍ ﴿١٩﴾ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا

اور اس میں ہر مناسب چیز اگائی ○ اور ہم نے اس میں تمہارے لیے

مَعَايِشَ وَمَنْ لَسْتُمْ لَهُ بِرَازِقِينَ ﴿٢٠﴾ وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا

سامان معیشت پیدا کیا اور ان کے لیے (بھی) جن کو تم روزی نہیں دیتے ○ اور ہمارے ہی پاس ہر

عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنَزِّلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَعْلُومٍ ﴿٢١﴾ وَأَرْسَلْنَا

چیز کے خزانے ہیں اور ہم اس کو صرف معین اندازے کے مطابق نازل کرتے ہیں ○ اور ہم نے بادلوں

الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ ۚ وَمَآ

کا بوجھ اٹھانے والی ہوائیں بھیجیں پھر ہم نے آسمان سے بارش برسائی سو ہم نے تم کو وہ پانی پلایا اور تم

اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ﴿۲۲﴾ وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۲۳﴾

اس پانی کا ذخیرہ کرنے والے نہ تھے ○ اور بے شک ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی روح قبض کرتے ہیں اور ہم ہی سب کے بعد باقی ہیں

وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ﴿۲۴﴾

اور بے شک ہم ان لوگوں کو جانتے ہیں جو تم میں سے مقدم ہیں اور ہم ان کو (بھی) جانتے ہیں جو تم میں سے مؤخر ہیں ○

وَاِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ ۭ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۵﴾ ع

اور بے شک آپ کا رب ہی ان سب کو جمع کرے گا' بے شک وہ بہت حکمت والا' نہایت علم والا ہے ○

ع ۲ / ۲

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے آسمان میں برج بنائے اور ہم نے ان کو دیکھنے والوں کے لیے مزین کر دیا○ اور ہم نے ان کو ہر راندۂ درگاہ شیطان سے محفوظ کر دیا○ سوا اس کے جو چوری سے (فرشتوں کی باتیں) سنے تو اس کے پیچھے ایک چمکتا ہوا انگارہ آتا ہے○ (الحجر: ۱۸-۱۶)

بروج کا لغوی اور اصطلاحی معنی

بروج برج کی جمع ہے۔ اس کے معنی بلند عمارت اور محل ہیں۔ گنبد اور ستارے کے مقام کو کہتے ہیں۔ آسمان کا بارھواں حصہ جو رصد گاہوں سے دکھائی دیتا ہے' اس کو برج کہتے ہیں۔ علماء ہیئت کہتے ہیں کہ آسمان نو ہیں۔ سات آسمانوں میں سے ہر آسمان میں ایک سیارہ ہے۔ سات سیارگان یہ ہیں قمر' زحل' عطارد' شمس' مشتری' مریخ اور زہرہ اور آٹھویں آسمان میں وہ ستارے ہیں جو ثابت ہیں (یعنی گردش نہیں کرتے) اور نویں آسمان کو وہ فلک اطلس کہتے ہیں وہ سادہ ہے' اور آٹھویں آسمان میں ستاروں کے اجتماع سے جو مختلف شکلیں بنتی ہیں' وہ اس نویں آسمان میں نظر آتی ہیں جن کو رصد گاہوں میں دیکھا جاتا ہے۔ کہیں یہ شکل شیر کی سی بن جاتی ہے۔ اس کو برج اسد کہتے ہیں اور کہیں ترازو کی سی شکل بنتی ہے اس کو برج میزان کہتے ہیں' اور کہیں یہ شکل بچھو کی سی بنتی ہے۔ اس کو برج عقرب کہتے ہیں۔ یہ کل بارہ برج ہیں: حمل' ثور' جوزا' سرطان' اسد' سنبلہ' میزان' عقرب' قوس' جدی' دلو اور حوت۔ سورج ہر ماہ میں ایک برج کی مسافت کو طے کرتا ہے اور ایک سال میں بارہ بروج کی مسافت قطع کرتا ہے۔ گرمی' سردی' بہار اور خزاں۔ یہ چاروں موسم سورج کی اسی حرکت سے وجود میں آتے ہیں۔ (روح المعانی جز ۱۴ ص ۳۳-۳۲ ملخصاً وموضحاً)

ترقی اردو بورڈ کی مرتب کردہ لغت میں لکھا ہے:

سیارہ کا دائرہ گردش جسے اس کا گھر' مقام یا منزل کہتے ہیں' آسمانی دائرہ کے بارہ حصوں میں سے ہر ایک راس۔ قدیم ہیئت دانوں نے ستاروں کے مقامات سمجھنے کے لیے منطقہ یا راس منڈل (فضا) کے بارہ حصے کیے ہیں۔ ہر حصہ میں جو ستارے واقع ہیں ان کی اجتماعی صورت سے جو شکل بنتی ہے' اس حصہ کا نام اسی شکل پر رکھ دیا گیا ہے۔ مثلاً چند ستارے مل کر شیر کی سی

شکل بناتے ہیں، اس حصہ کا نام برج اسد رکھ لیا گیا ہے۔ (اردو لغت ج ۲ ص ۹۹۵، مطبوعہ محیط اردو پریس کراچی)

ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

اہل عرب ستاروں اور بروج کے علم کو بہت عظیم علوم میں سے شمار کرتے تھے اور ان سے راستوں، اوقات اور ان سے خشک سالی اور فصل کی سرسبزی اور زرخیزی پر استدلال کرتے تھے۔ مریخ کا برج الحمل اور العقرب ہے اور زہرہ کا برج الثور اور المیزان ہے، اور عطارد کا برج الجوزاء اور السنبلہ ہے اور القمر کا برج السرطان ہے اور الشمس کا برج الاسد ہے اور مشتری کا برج القوس اور الحوت ہے اور زحل کا برج الجدی اور الدلو ہے۔ (تفسیر منیر ج ۱۴ ص ۲۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۱ھ)

علم نجوم کی تعریف

علم نجوم کی تعریف، سیاروں کی تاثیرات یعنی سعادت و نحوست اور واقعات آئندہ کی حسب گردش پیش گوئی یا معاملات تقدیر اور اچھے برے موسم کی خبر دینے کا علم۔ (اردو لغت ج ۱۳ ص ۵۱۹، مطبوعہ محیط اردو پریس کراچی۔ ۱۹۹۱ء)

نجومی کہتے ہیں کہ انسان جس تاریخ کو پیدا ہوا، اس تاریخ کو سورج جس برج میں تھا، وہ اس شخص کا برج ہے۔ پھر وہ اپنے حساب سے اس کا ستارہ معلوم کرتے ہیں اور انہوں نے ستاروں کی جو تاثیرات فرض کی ہوں، اس اعتبار سے وہ اس شخص کی قسمت کا حال بیان کرتے ہیں لیکن یہ سب انکل پچو اور ڈھکوسلے ہیں۔ غیب کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہے ماسوا ان نفوس قدسیہ کے جن کو اللہ تعالیٰ وحی یا الہام کے ذریعہ غیب پر مطلع فرماتا ہے۔

دائرہ معارف اسلامیہ میں لکھا ہے:

علم نجوم کی بنیاد اس اصول پر ہے کہ اس جہان میں جتنی بھی تبدیلیاں ہوتی ہیں، ان سب کا اجرام سماوی (سیارگان) کی مخصوص طبائع اور ان کی حرکات سے قریبی تعلق ہے۔ انسان عالم اصغر ہونے کی حیثیت سے پورے عالم اکبر کے ساتھ گہرا تعلق رکھتا ہے، بالخصوص سیاروں کی تاثیرات کے تابع ہے۔ اس میں خواہ ہم بطلیموس کی پیروی میں واضح طور پر اس عملی نظریہ کو تسلیم کریں کہ اجسام فلکی کی نکلی ہوئی شعاعوں سے ایسی قوتیں یا اثرات خارج ہوتے ہیں جو معمول (قابل) کی طبیعت کو عامل (فاعل) کی طبیعت کے مطابق بنا دینے کی صلاحیت رکھتے ہوں یا راسخ العقیدہ مسلمانوں کا ہم خیال ہونے کی غرض سے اجسام سماوی کو آئندہ ہونے والے واقعات کا اصل فاعل نہ مانتے ہوئے محض ان واقعات کی نشانیاں (دلائل) تصور کریں۔ ستاروں کا اثر ان کی انفرادی نوعیت پر، نیز زمین یا دوسرے ستاروں کے لحاظ سے ان کے مقام پر منحصر ہے، لہٰذا اس عالم کے واقعات اور انسانی زندگی کے نشیب و فراز ہمیشہ لاتعداد اور نہایت متنوع بلکہ متناقض سماوی اثرات کے نہایت پیچیدہ اور متغیرہ امتزاج کے تابع ہوتے ہیں۔ ان اثرات کو جاننا اور ان کو ایک دوسرے کے ساتھ نظر میں رکھ کر دیکھنا منجم کا محنت طلب کام ہے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱/ ۱۴ ص ۳۰۵، مطبوعہ لاہور)

ستاروں کی تاثیرات ماننے کا شرعی حکم

اسلام میں ستاروں کو موثر ماننا کفر اور باطل ہے۔

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حدیبیہ میں صبح کی نماز پڑھائی۔ آسمان پر رات کی بارش کے اثرات تھے، آپ نماز سے فارغ ہو کر لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے، پھر فرمایا: تم جانتے ہو تمہارے رب نے کیا فرمایا ہے؟ صحابہ نے کہا اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے میرے بعض بندوں نے صبح کی تو وہ مجھ پر ایمان لانے والے بھی تھے اور میرا کفر کرنے والے بھی تھے، سو جس

نے یہ کہا کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے بارش ہوئی ہے وہ مجھ پر ایمان لانے والا ہے اور سیارہ (ستارہ) کا کفر کرنے والا ہے اور جس نے کہا فلاں فلاں ستارے کی وجہ سے بارش ہوئی ہے' وہ میرا کفر کرنے والا ہے اور سیارہ (ستارہ) پر ایمان لانے والا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۴۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۱' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۹۰۶)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں کفر سے مراد مشرکین کا کفر ہے کیونکہ اس کو ایمان کے مقابلہ میں ذکر فرمایا ہے اور یہ اس کے متعلق ہے جس کا اعتقاد یہ ہو کہ ستاروں کی تاثیر اور ان کے فعل سے بارش ہوتی ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد کفران نعمت ہو۔ جب کہ اس کا یہ اعتقاد ہو کہ اللہ نے ہی بارش کو پیدا کیا ہے تو وہ خطا کار ہے' کافر نہیں ہے اور اس کی خطا دو وجہوں سے ہے ایک اس وجہ سے کہ اس کا یہ قول شریعت کے مخالف ہے اور دوسرے اس وجہ سے کہ اس کا یہ قول کفار کے مشابہ ہے اور ہم کو کفار کی مخالفت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ آپ نے فرمایا ہے مشرکین اور یہود کی مخالفت کرو اور ان کی مشابہت سے منع فرمایا ہے اور اس حکم کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنے اقوال اور افعال میں ان کی مخالفت کریں۔

(عمدۃ القاری ج ۶ ص ۱۴۷' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر' ۱۳۴۸ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جس شخص کا یہ اعتقاد ہو کہ ستارہ فاعل مدبر (موثر) اور بارش برسانے والا ہے' اس کے کفر میں کوئی شک نہیں ہے اور جس نے یہ کہا کہ فلاں ستارہ کی وجہ سے بارش ہوئی اور اس کا اعتقاد یہ تھا کہ بارش اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہوئی ہے اور یہ ستارہ بارش کے وقت کی علامت ہے تو اس کے قول کی تاویل یہ ہے کہ فلاں وقت میں بارش ہوئی ہے لہٰذا اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی اور اس قول کے مکروہ ہونے میں اختلاف ہے اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہ مکروہ تنزیہی ہے اور اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ (صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۱ ص ۶۸۹' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ)

یہ تو اس شخص کا حکم ہے جو افعال اور آثار کے صادر ہونے کی نسبت سیاروں اور ستاروں کی طرف کرے لیکن جو نجومی ستاروں اور بروج کی مدد سے زائچہ بنا کر غیب دانی کا دعویٰ کرے' اس کے کفر میں کوئی شک نہیں ہے۔ جس طرح نجومی کا غیب کی باتیں بتانا کفر ہے' اسی طرح کسی نجومی کو غیب دان اعتقاد کر کے اس سے مستقبل میں پیش آنے والے امور اور غیب کی باتیں پوچھنا بھی کفر ہے۔

شہاب ثاقب کا لغوی اور اصطلاحی معنی

شہاب' وہ چھوٹے چھوٹے اجرام یا شہاب جن کی رفتار بہت تیز ہوتی ہے' زمین کی حرکت سے مخالف سمت میں حرکت کرتے ہوئے زمین کے کرہ ہوائی سے متصادم ہوتے ہیں تو ان کی رفتار اتنی تیز ہو جاتی ہے کہ ہوا کی مزاحمت سے جو حرارت پیدا ہوتی ہے' وہ ان کو جلا کر خاک کر دیتی ہے۔ نظام شمسی کے جن مختلف ارکان کا اوپر ذکر ہو چکا ہے' ان کے علاوہ بے شمار اور چھوٹے چھوٹے اجرام ہیں' جن کو شہاب ثاقب کہتے ہیں۔ (علم ہیئت ص ۱۱۰)

وہ چمکتا ستارہ جو آسمان سے گرتا یا آتش بازی کی طرح چھوٹتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

شہاب ثاقب کا ٹکڑا جو راکھ ہونے سے پہلے زمین تک پہنچ جاتا ہے' اور دھماکے کے ساتھ پھٹ جاتا ہے' بعض اوقات ایسے شہابیے زمین پر گر پڑتے ہیں جن کا سائز کافی بڑا ہوتا ہے۔ (اردو لغت ج ۱۲ ص ۷۵۰' مطبوعہ محیط اردو پریس کراچی' ۱۹۹۱ء)

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

جلتی ہوئی آگ کے چمک دار شعلہ کو شہاب کہتے ہیں۔

(المفردات ج ۱ ص ۳۵۲، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

علامہ ابو السعادات المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

حدیث میں ہے جب جنات فرشتوں کی باتیں چوری سے سنتے ہیں تو بسا اوقات ان کو شہاب پکڑ لیتا ہے اس سے پہلے کہ وہ یہ باتیں کسی کے دل میں القاء کریں، اور شہاب سے آپ کی مراد ہے جو رات کو ستارے کی مانند ٹوٹتا ہے اور وہ اصل میں آگ کا ایک شعلہ ہوتا ہے۔ (النہایہ ج ۲ ص ۴۵۸-۴۵۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ)

بروج سے اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور وحدانیت پر استدلال

ان آیتوں سے پہلے اللہ تعالیٰ ﷻ منکرین نبوت کے شبہات کا جواب دے کر ان کا ازالہ فرمایا تھا، اور یہ واضح اور جلی ہے کہ نبوت کا ثبوت الوہیت کے ثبوت پر مبنی ہے تو اب اللہ تعالیٰ الوہیت کے دلائل کو بیان فرما رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر فرمایا کہ آسمانوں میں بروج بنائے ہیں اور ان کو دیکھنے والوں کے لیے مزین فرمایا ہے۔ ان کی الوہیت پر اس طرح دلالت ہے کہ ہر برج دوسرے برج سے مختلف ہے اور ان کا اختلاف اس پر دلالت کرتا ہے کہ قادر مختار اور صناع ازل نے جس برج کو جس ہیئت پر چاہا، اس ہیئت پر بنا دیا اور ضروری ہے کہ ان کا بنانے والا واجب اور قدیم ہو، کیونکہ اگر وہ ممکن اور حادث ہو تو اس کو خود اپنے وجود میں کسی علت کی احتیاج ہوگی اور یہ بھی ضروری ہے کہ وہ واجب اور قدیم واحد ہو کیونکہ تعدد وجباء محال ہے جیسا کہ ہم اس سے پہلے کئی بار ذکر کر چکے ہیں، لہٰذا آسمانوں میں بروج کا ہونا اس بات کو مستلزم ہے کہ ان کا کوئی خالق ہو اور ضروری ہے کہ وہ خالق واجب قدیم اور واحد ہو۔

آپ کی بعثت سے پہلے شہاب ثاقب گرائے جانے کے متعلق متعارض احادیث

پھر فرمایا ہم نے ان آسمانوں کو شیطان رجیم سے محفوظ کر دیا۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ شیطان اس پر قادر نہیں ہے کہ وہ آسمانوں کو منہدم کر سکے، پھر آسمانوں کو شیطان رجیم سے محفوظ کرنے کا کیا معنی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو آسمان کے قریب جانے سے منع کر دیا۔ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی بعثت سے پہلے بھی شہاب ثاقب گرائے جانے کا عمل معمول اور متعارف تھا اور بعض احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمل آپ کی بعثت کے بعد شروع ہوا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ آسمان پر کسی امر کا فیصلہ فرماتا ہے تو فرشتے عاجزی سے اپنے پر مارنے لگتے ہیں جیسے زنجیر کو صاف پتھر پر مارا جائے پھر اللہ تعالیٰ اس حکم کو نافذ فرما دیتا ہے، جب فرشتوں کے دلوں سے کچھ خوف دور ہو جاتا ہے تو وہ ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں، تمہارے رب نے کیا فرمایا تھا؟ وہ کہتے ہیں اس نے جو کچھ فرمایا، وہ حق ہے اور وہی سب سے بلند اور سب سے بڑا ہے، پھر فرشتوں کی گفتگو کو چرانے والے شیطان ان باتوں کو چوری سے سننے کی کوشش کرتے ہیں۔ سفیان نے اپنے دائیں ہاتھ کی انگلیوں کو کشادہ کر کے ایک دوسرے کے اوپر رکھ کر دکھایا اور کہا شیطان اس طرح ایک دوسرے کے اوپر تلے ہوتے ہیں اور یہ فرشتوں کی گفتگو کو چوری سے سننے والے ہیں، بعض اوقات اس چوری سے سننے والے کو آگ کا ایک شعلہ آکر لگتا ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنے ساتھی کو یہ بتائے کہ اس نے کیا سنا تھا وہ شعلہ اس سننے والے کو جلا ڈالتا ہے اور بعض اوقات وہ شعلہ اس کو نہیں لگتا حتیٰ کہ وہ سننے والا اپنے قریب والے کو بتا دیتا ہے، پھر وہ اس کو بتا دیتا ہے جو اس سے نیچے ہوتا ہے، حتیٰ کہ وہ ان باتوں کو زمین تک پہنچا

دیتے ہیں، پھر وہ یہ باتیں جادوگر کے منہ میں ڈال دیتے ہیں۔ وہ ان باتوں کے ساتھ سو جھوٹ اور ملا لیتا ہے، پھر اس کی تصدیق کی جاتی ہے، اور لوگ کہتے ہیں کہ کیا اس جادوگر نے ہم کو فلاں دن ایسی ایسی خبر نہیں دی تھی! اور ہم نے اس کی خبر کو سچا پایا تھا اور یہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ اس نے آسمان کی خبر سن لی تھی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۴۷۰۱، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۷۴، ۴۷۵۲، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۲۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کی جماعت میں بیٹھے ہوئے تھے، اچانک ایک ستارہ ٹوٹ کر گرا اور فضا روشن ہوگئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا جب تم زمانہ جاہلیت میں یہ منظر دیکھتے تھے تو اس کے متعلق کیا کہتے تھے؟ صحابہ کرام نے کہا ہم یہ کہتے تھے کہ کوئی بڑا آدمی پیدا ہوا ہے یا کوئی بڑا آدمی مر گیا ہے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آگ کا یہ شعلہ کسی کی موت پر پھینکا جاتا ہے نہ کسی کی حیات پر، لیکن ہمارا رب عزوجل جب کسی چیز کے متعلق کوئی فیصلہ فرماتا ہے تو حاملین عرش سبحان اللہ کہتے ہیں، پھر آسمان والے سبحان اللہ کہتے ہیں، پھر جو ان کے قریب ہیں وہ سبحان اللہ کہتے ہیں۔ پھر جو ان کے قریب ہیں، وہ سبحان اللہ کہتے ہیں حتیٰ کہ اس آسمان تک تسبیح پہنچ جاتی ہے، پھر چھٹے آسمان والے ساتویں آسمان والوں سے پوچھتے ہیں: تمہارے رب نے کیا فرمایا ہے، پھر وہ ان کو خبر دیتے ہیں، پھر ہر نچلے آسمان والا اپنے سے اوپر آسمان والے سے پوچھتا ہے، حتیٰ کہ آسمان دنیا تک یہ خبر پہنچ جاتی ہے اور شیاطین چوری سے اس خبر کو سن لیتے ہیں، پھر وہ یہ خبر اپنے چیلوں اور دوستوں تک پہنچا دیتے ہیں، پھر اگر وہ اسی خبر کو بیان کریں تو وہ حق ہے لیکن وہ اس میں تحریف کرتے ہیں اور اس میں کچھ اور باتوں کا اضافہ کر دیتے ہیں۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۲۴، مسند احمد ج ۱ ص ۲۱۸، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۸ ص ۱۳۸)

صحیح بخاری اور سنن ترمذی کی ان حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے زمانہ جاہلیت میں بھی شیاطین فرشتوں کی باتیں سننے کے لیے آسمانوں پر چڑھتے تھے اور ان پر آگ کے شعلے پھینکے جاتے جو اس طرح دکھائی دیتے تھے جیسے ستارے ٹوٹ کر گر رہے ہوں اور بعض احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی بعثت سے پہلے یہ عمل نہیں ہوتا تھا، اور شیاطین کو آسمان پر چڑھنے اور فرشتوں کی باتیں سننے سے منع نہیں کیا جاتا تھا، حدیث میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ (پہلے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات پر قرآن مجید نہیں پڑھا تھا اور نہ ان کو دیکھا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کی جماعت کے ساتھ عکاظ کے بازار میں گئے اور آسمان کی خبر اور شیاطین کے درمیان کوئی چیز حائل ہوگئی تھی اور ان کے اوپر آگ کے شعلے پھینکے جاتے تھے، پس شیاطین اپنی قوم کی طرف گئے اور انہوں نے کہا ہمارے اور آسمان کی خبر کے درمیان کیا چیز حائل ہوگئی ہے اور ہم پر آگ کے شعلے پھینکے جاتے ہیں، انہوں نے کہا ضرور کوئی نئی بات ہوئی ہے، زمین کے مشرقوں اور مغربوں میں سفر کرو اور تلاش کرو کہ ہمارے اور آسمان کی خبروں کے درمیان کیا چیز حائل ہوئی ہے، پھر انہوں نے زمین کے مشارق اور مغارب میں سفر کیا۔ ان کی ایک جماعت تہامہ کی طرف گئی اور وہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم عکاظ کے بازار میں اپنے اصحاب کو صبح کی نماز پڑھا رہے تھے۔ جب انہوں نے قرآن کو سنا تو انہوں نے کہا: یہ ہے وہ چیز جو تمہارے اور آسمان کے درمیان حائل ہوگئی ہے، پھر وہ اپنی قوم کے پاس واپس گئے اور کہا: اے ہماری قوم! بے شک ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے۔ ہم اس پر ایمان لائے اور ہم ہرگز کسی کو اپنے رب کا شریک نہیں قرار دیں گے۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث: ۴۷۷۳، ۴۹۲۱، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۴۹، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۲۳، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۶۲۴)

ان متعارض احادیث میں قاضی عیاض اور علامہ قرطبی کی تطبیق

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی اندلسی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے شیاطین آسمانوں پر فرشتوں کی باتیں سننے کے لیے جاتے تھے اور ان پر آگ کے شعلے نہیں پھینکے جاتے تھے کیونکہ شیاطین نے اس پر تعجب کیا اور ان کا سبب معلوم کرنے کی جستجو کی، یہی وجہ ہے کہ عرب میں پہلے کاہنوں کا بہت چرچا تھا اور لوگ مستقبل کی باتیں معلوم کرنے کے لیے ان کے پاس بالعموم جایا کرتے تھے، حتیٰ کہ اس کا سبب منقطع کر دیا گیا اور شیاطین جو چوری سے فرشتوں کی باتیں سنا کرتے تھے، ان کے سننے کے درمیان آگ کے شعلے حائل کر دیئے گئے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا ۝ وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ۖ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۝ (الجن: ۹-۸)

اور یہ کہ ہم نے آسمان کو چھوا تو ہم نے اس کو اس حال میں پایا کہ اس کو سخت پہرہ داروں اور آگ کے انگاروں سے بھر دیا گیا ہے ۝ اور ہم پہلے (فرشتوں کی باتیں) سننے کے لیے آسمان کی کچھ جگہوں پر بیٹھ جاتے تھے، پس اب جو کان لگا کر سنتا ہے، تو وہ اپنی گھات میں آگ کا شعلہ تیار پاتا ہے۔

اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ۝ (الشعراء: ۲۱۲)

بے شک شیاطین (فرشتوں کی گفتگو) سننے سے دور کیے ہوئے ہیں۔

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ۔ (الملک: ۵)

اور بے شک ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں کی زینت سے مزین فرما دیا اور ان ستاروں کو شیطانوں کے مارنے کا ذریعہ (بھی) بنایا۔

اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ِۨالْكَوَاكِبِ ۝ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ۝ لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۝ دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۝ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ۝ (الصّٰفّٰت: ۱۰-۶)

بے شک ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں کی زینت سے مزین فرما دیا ۝ اور اسے ہر سرکش شیطان سے محفوظ بنا دیا ۝ وہ شیاطین اوپر کے فرشتوں کی بات نہیں سن سکتے اور ان کو ہر طرف سے مار لگائی جاتی ہے ۝ دور کرنے کے لیے اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے ۝ سوا اس شیطان کے جو کوئی بات اچک لے تو شہاب ثاقب (چمکتا ہوا انگارہ) اس کا پیچھا کرتا ہے ۝

اور تاریخ عرب سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شہاب ثاقب کو بہت حیرت سے دیکھتے تھے کیونکہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے وہ شہاب ثاقب کو نہیں جانتے تھے اور شہاب ثاقب کو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے دلائل اور علامات سے شمار کیا جاتا تھا، اور بعض علماء نے یہ کہا کہ دنیا میں ہمیشہ سے شہاب ثاقب گرتے رہے ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس سلسلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث بھی روایت کی ہے۔ (ہم صحیح بخاری اور جامع ترمذی کے حوالے سے یہ حدیث ذکر کر چکے ہیں)

لیکن ان حدیثوں پر یہ اعتراض ہے کہ یہ حدیثیں قرآن مجید کی اس آیت کے خلاف ہیں:

فَمَنْ یَّسْتَمِعِ الْاٰنَ یَجِدْ لَہٗ شِہَابًا رَّصَدًا۔ (الجن: ۹)

سو اب جو کان لگا کر سنتا ہے تو وہ اپنی گھات میں حفاظت کرنے والا شعلہ (شہاب ثاقب) تیار پاتا ہے۔

مفسرین نے یہ کہا ہے کہ آسمان کی حفاظت اور شہاب ثاقب کا گرانا پہلے بھی معروف تھا لیکن یہ پہلے اس وقت ہوتا تھا جب کوئی بہت بڑا واقعہ رونما ہوتا تھا۔ مثلاً جب روئے زمین پر عذاب نازل ہوتا تھا' یا جب زمین پر کوئی رسول بھیجا جاتا تھا' قرآن مجید میں ہے:

جنات نے شہاب ثاقب کے متعلق کہا:

وَّاَنَّا لَا نَدْرِیْٓ اَشَرٌّ اُرِیْدَ بِمَنْ فِی الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِہِمْ رَبُّہُمْ رَشَدًا۔ (الجن: ۱۰)

اور ہم یہ نہیں جانتے کہ زمین والوں کے ساتھ کوئی برائی کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کے رب نے ان کے ساتھ کسی بھلائی کا ارادہ فرمایا ہے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ شہاب ثاقب کا گرنا پہلے بھی دکھائی دیتا تھا اور معروف تھا لیکن شیاطین کو ان کے ذریعہ دور کرنا اور جلانا یہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے بعد شروع ہوا ہے' اسی لیے جنات نے اپنے دور کیے جانے پر حیرت اور تعجب کا اظہار کیا اور اس کا سبب تلاش کیا۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۲ ص ۳۶۶۔ ۳۶۴' مطبوعہ دار الوفاء بیروت ۱۴۱۹ھ)

علامہ ابوالعباس احمد بن عمر بن ابراہیم القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں یہ دو متعارض اور مختلف حدیثیں ہیں۔ ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے بھی شہاب ثاقب گرائے جانے کا معمول تھا اور دوسری سے معلوم ہوتا ہے یہ امر آپ کی بعثت کے بعد شروع ہوا ہے اور ظاہر قرآن میں بھی اس کی تائید ہے۔ اسی وجہ سے علماء میں اختلاف ہوا' جاحظ نے یہ کہا کہ آپ کی بعثت سے پہلے شہاب ثاقب گرانے کا معمول نہیں تھا اور امام غزالی نے یہ کہا کہ آپ سے پہلے بھی یہ معمول تھا لیکن آپ کی بعثت کے بعد یہ بہت زیادہ ہو گیا اور اس طرح ان حدیثوں کا تعارض دور ہو گیا۔

(المفہم ج ۷ ص ۴۲۱۔ ۴۲۰' مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

ان احادیث میں علامہ ابن حجر کی تطبیق

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ زہری سے سوال کیا گیا زمانہ جاہلیت میں ستاروں کو شیاطین پر پھینکا جاتا تھا' انہوں نے کہا ہاں لیکن اسلام آنے کے بعد اس میں زیادہ تغلیظ اور تشدید کی گئی اور یہ ان مختلف حدیثوں میں عمدہ تطبیق ہے۔ پھر میں نے وہب بن منبہ کی ایسی روایت دیکھی جس سے اشکال دور ہو جاتا ہے اور ان مختلف حدیثوں میں تطبیق ہو جاتی ہے انہوں نے کہا پہلے ابلیس تمام آسمانوں پر چڑھا کرتا تھا اور جس جگہ چاہتا تھا پھرتا رہتا تھا' جب سے حضرت آدم جنت سے زمین پر آئے تھے' اس کا یہی معمول تھا اور اس کو منع نہیں کیا جاتا تھا' حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا لیا گیا' پھر اس کو چوتھے آسمان تک چڑھنے سے روک دیا گیا اور جب ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو پھر اس کو بقیہ تین آسمانوں پر بھی چڑھنے سے روک دیا گیا' پھر ابلیس اور اس کا لشکر چوری چھپے جا کر فرشتوں کی باتیں سنا کرتا تھا تو ان پر ستارے مارے جاتے تھے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ امام طبری نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن

عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان جو زمانہ فترت تھا اس میں آسمان کی حفاظت نہیں کی جاتی تھی' اور جب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا گیا تو آسمان کی بہت سخت حفاظت کی گئی اور شیاطین کو ستاروں سے رجم کیا گیا' لہٰذا ان کو اس پر بہت حیرت ہوئی اور سدی کی سند سے روایت کیا ہے کہ آسمان کی صرف اس وقت حفاظت کی جاتی تھی جب زمین پر کوئی نبی ہو یا کوئی دین غالب ہو' اور شیاطین نے آسمانوں میں اپنے ٹھکانے بنا رکھے تھے جہاں بیٹھ کر وہ فرشتوں کی باتیں سنا کرتے تھے اور جب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو ان کو ستاروں سے رجم کیا گیا' الزین بن المنیر نے کہا ہے کہ ظاہر حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ پہلے شہاب ثاقب کو نہیں پھینکا جاتا تھا اور واقعہ اس طرح نہیں ہے جیسا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی دوسری حدیث میں ہے اور رہا یہ کہ قرآن مجید میں یہ ہے:

سو اب جو کان لگا کر سنتا ہے تو وہ اپنی گھات میں حفاظت کرنے والا شعلہ (شہاب ثاقب) تیار پاتا ہے۔ الجن: ۹)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ پہلے جو شہاب ثاقب مارے جاتے تھے تو وہ کبھی نشانہ پر لگتے تھے اور کبھی نہیں لگتے تھے اور بعثت کے بعد اس طرح تاک کر شیاطین پر وہ آگ کے شعلے مارے جاتے ہیں کہ ہر شعلہ نشانہ پر لگتا ہے اور کوئی وار خطا نہیں جاتا' اسی وجہ سے رصد کا لفظ استعمال فرمایا ہے اور جب کوئی وار گھات لگا کر کیا جائے تو وہ چوکتا نہیں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ آپ کی بعثت کے بعد جو شہاب ثاقب شیاطین پر مارے جاتے ہیں وہ ہمیشہ نشانے پر لگتے ہیں اور اس سے پہلے کبھی وہ شہاب ثاقب نشانے پر لگتے تھے اور کبھی نہیں لگتے تھے' یہ مطلب نہیں ہے کہ اس سے پہلے شیاطین پر شہاب ثاقب بالکل مارے نہیں جاتے تھے۔ علامہ سہیلی نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اگر آپ کی بعثت کے بعد فرشتوں کا نشانہ خطا نہیں جاتا تو پھر چاہیے تھا کہ شیطان دوبارہ آسمان تک چڑھنے کی کوشش نہ کرتے حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ شہاب ثاقب گرانے کا عمل تو مسلسل ہوتا رہتا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ شیطان کو ہر بار یہ توقع اور امید ہوتی ہے کہ وہ چوری سے چھپ کر فرشتوں کی گفتگو سننے میں کامیاب ہو جائے گا اور فرشتوں کی مار سے بچ جائے گا' لیکن وہ ہر بار ناکام اور نامراد ہوتا ہے اور اس پر آگ کے شعلے گرائے جاتے ہیں' اس کے باوجود وہ ہمت نہیں ہارتا اور اپنی کوشش میں لگا رہتا ہے کیونکہ شر اس کی طبیعت میں ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی کے سبب سے شہاب ثاقب گرانے کے عمل میں تغلیظ اور تشدید کی گئی تھی تو پھر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا اور وحی منقطع ہو گئی تو پھر شہاب ثاقب گرانے کا عمل بھی منقطع ہو جانا چاہیے تھا حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ شہاب ثاقب گرائے جانے کا عمل اسی طرح جاری و ساری ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جیسا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیث میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ شہاب ثاقب نہ کسی کی موت کی وجہ سے گرائے جاتے ہیں نہ کسی کی حیات کی وجہ سے' لیکن ہمارا رب جب کسی کام کا فیصلہ فرماتا ہے' تو بعض آسمان والے بعض دوسروں کو اس کی خبر دیتے ہیں حتیٰ کہ یہ خبر آسمان دنیا تک پہنچ جاتی ہے' جن چوری سے اس خبر کو سن لیتے ہیں اور اپنے دوستوں کے دلوں میں القا کر دیتے ہیں۔ اس حدیث سے یہ بات نکلتی ہے کہ شہاب ثاقب گرانے کے عمل کی شدت اور فرشتوں کی باتوں کی حفاظت اب بھی منقطع نہیں ہوئی اور فرشتوں کو نئے نئے احکام ملتے رہتے ہیں اور باوجود اس کے کہ شیاطین پر بہت سختی کی جاتی ہے' ان کی گفتگو سننے کی طمع منقطع نہیں ہوتی اور جس طرح وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چوری چھپے فرشتوں کی گفتگو سننے کے لیے آسمانوں پر چڑھتے تھے' اب بھی اس کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ ایک روایت ذکر کی ہے جس میں یہ دلیل بھی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ

خلافت میں بھی شیاطین فرشتوں کی باتیں سننے کی کوشش میں لگے رہتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ غیلان بن سلمہ ثقفی اسلام لائے تو ان کے نکاح میں دس عورتیں تھیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان میں چار کو اختیار کرلو۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں اس نے (ان کے وارث ہونے کے خوف سے) ان چاروں کو طلاق دے دی اور اپنا پورا مال اپنے بیٹوں میں تقسیم کردیا۔ حضرت عمر تک یہ خبر پہنچی تو انہوں نے کہا میرا یہ گمان ہے کہ شیطان نے فرشتوں کی جو باتیں چوری سے سنی تھیں، اس میں اس نے تمہارے مرنے کی خبر سنی تھی اور اس نے تمہارے دل میں یہ ڈال دیا کہ تم عنقریب مرنے والے ہو (سو تم نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی) اللہ کی قسم تم فوراً اپنی بیویوں سے رجوع کرو اور اپنے مال میں رجوع کرو (جو بیٹوں کو دے چکے ہو) ورنہ میں ان عورتوں کو تمہارا وارث قرار دوں گا اور تمہاری قبر کو اس طرح رجم کرنے کا حکم دوں گا جس طرح ابو رغال کی قبر کو رجم کیا گیا تھا۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۱۴، مسند احمد رقم الحدیث: ۴۶۳۱، عالم الکتب بیروت)

اس حدیث سے یہ ظاہر ہوگیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی شیاطین چوری چھپے فرشتوں کی باتیں سننے کے لیے آسمان پر چڑھتے تھے اور ان پر شہاب ثاقب اور آگ کے شعلے مارے جاتے تھے اور اگر وہ کبھی کوئی بات سن لیتے تو اس کو اپنے دوستوں کے دلوں میں القاء کردیتے تھے۔ ہماری اس تقریر سے ہمارے جواب پر علامہ سہیلی کا جو اعتراض تھا، وہ ساقط ہوگیا۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۶۷۳-۶۷۲ ملخصاً، مطبوعہ لاہور، ۱۴۰۱ھ)

حقیقت میں شیطان کو آگ کا شعلہ مارا جاتا ہے یا ستارہ ٹوٹتا ہے

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قرآن مجید اور احادیث میں ہے کہ شیطان کو آگ کے شعلے مارے جاتے ہیں اور ہمیں یہ دکھائی دیتا ہے کہ ایک ستارہ ٹوٹتا ہے، علامہ سمعانی متوفی ۴۸۹ھ نے اس کے جواب میں یہ لکھا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ وہ ایک ستارہ ٹوٹتا ہو اور جب وہ شیطان تک پہنچتا ہو تو آگ کا شعلہ بن جاتا ہو، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دور سے وہ ستارہ معلوم ہوتا ہو اور حقیقت میں وہ آگ کا شعلہ ہو۔ (تفسیر القرآن العظیم ج ۳ ص ۱۳۳)

علامہ ابو عبداللہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے لکھا ہے کہ شہاب آگ کے چمک دار شعلے کو کہتے ہیں۔ علماء نے کہا ہے کہ ہم کو ستارے ٹوٹتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ جیسا ہم کو دکھائی دیتا ہے، وہ حقیقت میں ستارہ ہی ٹوٹتا ہو اور جب وہ شیطان کو جاکر لگتا ہو تو وہ آگ کا شعلہ بن جاتا ہو، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ حقیقت میں آگ کا شعلہ ہو اور ہمیں یوں دکھائی دیتا ہو کہ جیسے وہ ایک ستارہ ٹوٹتا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۰، ص ۱۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے زمین کو پھیلا دیا اور اس میں مضبوط پہاڑ نصب کردیئے اور اس میں ہر مناسب چیز اگائی اور ہم نے اس میں تمہارے لیے سامان معیشت پیدا کیا اور ان کے لیے (بھی) جن کو تم روزی نہیں دیتے۔ (الحجر: ۲۰-۱۹)

زمین سے الوہیت اور وحدانیت پر استدلال

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے آسمانوں سے اپنی الوہیت اور وحدانیت پر استدلال فرمایا تھا اور ان آیتوں میں زمین سے اپنی الوہیت اور وحدانیت پر استدلال فرمایا ہے۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ زمین ایک کروی جسم ہے اور اس کے اوپر کرہ ہوائیہ اس کو محیط ہے اور پھر سات آسمان ایک دوسرے کو محیط ہیں اور کرہ زمین اور کرہ ہوائیہ کو بھی محیط ہیں، اور زمین کی آسمانوں کے ساتھ ایک مخصوص وضع اور نسبت ہے، اب سوال یہ ہے کہ زمین کو عدم سے وجود میں لانے والا اور اس مخصوص وضع اور نسبت کا مرجح کون ہے؟ ضروری ہے کہ اس زمین کو عدم سے وجود میں لانے والا اور اس کی نسبت اور

وضع کا مرجح واجب قدیم اور واحد ہو جیسا کہ ہم اس سے پہلے کئی بار دلائل سے بیان کر چکے ہیں۔

زمین کو پھیلانا اس کے گول ہونے کے منافی نہیں ہے

اس آیت میں فرمایا ہے اور ہم نے زمین کو پھیلا دیا' اس طرح کا مضمون اور بھی کئی آیتوں میں ہے:

وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِکَ دَحٰىهَا ○ — اور زمین کو آسمان کے بعد پھیلایا۔ (النّٰزعٰت: ۳۰)

وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ○ — اور زمین کو ہم نے (فرش بنا کر) بچھا دیا سو ہم کیا خوب بچھانے والے ہیں۔ (الذّٰریٰت: ۴۸)

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین سیدھی اور سپاٹ ہے اور وہ ایک کروی جسم نہیں ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ جب کوئی بہت بڑا گول جسم ہو تو سیدھا اور سپاٹ ہونا اس کے گول ہونے کے منافی نہیں ہوتا اور جب کسی بہت بڑے گول جسم کے ایک چھوٹے حصے کو دیکھا جائے گا تو وہ سیدھا اور سپاٹ ہی معلوم ہو گا۔ زمین کے گول ہونے پر واضح دلیل یہ ہے کہ جس وقت برصغیر پاک و ہند میں رات ہوتی ہے تو امریکہ اور جزائر غرب الہند میں دن ہوتا ہے۔ اس طرح یورپ' آسٹریلیا اور افریقہ میں سورج کے طلوع اور غروب کا اور دن اور رات میں کئی کئی گھنٹوں کا فرق ہوتا ہے۔ اگر تمام زمین سیدھی اور سپاٹ ہوتی تو تمام دنیا میں ایک ہی وقت میں سورج کا طلوع اور غروب ہوتا۔

رواسی کی تفسیر

رواسی: یہ لفظ رسو سے بنا ہے۔ اس کا معنی ہے ایک جگہ قائم اور ثابت رہنا۔ راسیات اور رواسی ان چیزوں کو کہتے ہیں جو ایک جگہ قائم اور ثابت رہتی ہیں۔ رواسی کا استعمال پہاڑوں کے لیے ہوتا ہے جو ایک جگہ ثابت اور قائم رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کو پھیلایا اور اس پر مضبوط پہاڑ نصب کر دیئے تاکہ زمین اپنے محور پر قائم رہے اور گردش کرنے میں اپنے محور سے متجاوز نہ ہو جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:

وَاَلْقٰى فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِکُمْ — اور زمین میں پہاڑوں کو نصب کر دیا تاکہ وہ تمہیں لے کر کسی ایک طرف جھک نہ سکے۔ (النحل: ۱۵)

موزون کی تفسیر

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور اس میں ہر موزوں چیز اگائی: یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو لوگوں کی ضروریات کے اندازہ سے پیدا فرمایا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ لوگوں کو کس چیز کی ضرورت ہو گی اور وہ کس چیز سے نفع حاصل کر سکتے ہیں۔ اسی لیے اس کے بعد فرمایا: اور اس میں ہم نے تمہارے لیے سامان معیشت پیدا کیا' کیونکہ نباتات سے جو رزق حاصل ہوتا ہے وہ انسانوں کی زندگی قائم رہنے کا سبب ہے اور جن کو انسان رزق مہیا نہیں کرتا یعنی حیوانوں کی زندگی قائم رہنے کا سبب بھی یہی زمین سے پیدا ہونے والی نباتات ہیں۔

موزون کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ جن چیزوں کا وزن کیا جا سکے یعنی سونا' چاندی' تانبا' پیتل وغیرہ معدنیات جن چیزوں کا وزن کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہمارے ہی پاس ہر چیز کے خزانے ہیں اور ہم اس کو صرف معین اندازے کے مطابق نازل کرتے ہیں ○ اور ہم نے بادلوں کا بوجھ اٹھانے والی ہوائیں بھیجیں' پھر ہم نے آسمان سے بارش برسائی' سو ہم نے تم کو وہ

پانی پلایا اور تم اس پانی کا ذخیرہ کرنے والے نہ تھے O اور بے شک ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی روح قبض کرتے ہیں اور ہم ہی سب کے بعد باقی ہیں۔(الحجر: ۲۳ - ۲۱)

مشکل الفاظ کے معانی

خزائن خزانہ کی جمع ہے، خزانہ اس جگہ کو کہتے ہیں جس میں انسان اپنی چیزیں چھپا کر رکھتا ہے، یا جس جگہ انسان اپنی چیزوں کو محفوظ کر کے رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے رزق اور معیشت کے اسباب جمع کر کے رکھے ہوئے ہیں۔ عام مفسرین نے یہ کہا ہے کہ اس خزانہ سے مراد بارش ہے، کیونکہ انسانوں، حیوانوں اور پرندوں کو رزق کی فراہمی بھی بارش کے ذریعہ ہوتی ہے۔ بارش سے سبزہ اگتا ہے اور فصل تیار ہوتی ہے، جس میں انسانوں، حیوانوں اور پرندوں سب کے لیے غذا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہر سال سب جگہ یکساں بارش نازل نہیں فرماتا بلکہ اپنی حکمت سے کسی جگہ کم بارش نازل فرماتا ہے، کسی جگہ زیادہ اور کسی جگہ بالکل بارش نازل نہیں فرماتا، اس لیے فرمایا: ہم اس کو صرف معین اندازے کے مطابق نازل کرتے ہیں، ایک اور جگہ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِی الْاَرْضِ وَلٰكِنْ یُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا یَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِیْرٌۢ بَصِیْرٌ O (الشوریٰ: ۲۷)

اور اگر اللہ اپنے سب بندوں کے لیے رزق کشادہ کر دیتا تو وہ ضرور زمین میں فساد کرتے، لیکن وہ اپنے اندازہ کے مطابق جتنا چاہتا ہے رزق نازل فرماتا ہے، بے شک وہ اپنے بندوں کی بہت خبر رکھنے والا اور انہیں خوب دیکھنے والا ہے O

لواقح لاقحہ کی جمع ہے۔ اس کا معنی ہے حاملہ۔ عرب کہتے ہیں کہ لقحت الناقۃ اونٹنی حاملہ ہو گی۔ لقحت الشجرۃ: درخت پھل دار ہو گیا۔ اس لیے لواقح کا معنی ہے وہ ہوائیں جو پانی سے بھرے ہوئے بادلوں کو اٹھائے ہوئے ہوں۔ لقحہ دودھ والی اونٹنی کو کہتے ہیں اس کی جمع لقاح ہے اور اونٹنیوں کے پیٹوں میں جو بچے ہوتے ہیں، ان کو ملاقیح کہتے ہیں اور اونٹوں کی پشت میں جوان کے بچوں کا مادہ ہوتا ہے اس کو مضامین کہتے ہیں اور نر کے مادہ منویہ کو لقاح کہتے ہیں۔ نیز کہتے ہیں القح فلان النخلۃ واستلقحت النخلۃ یعنی فلاں شخص نے کھجور کے شگوفے مادہ کھجور پر ڈال دیئے اور اس کو حامل ثمر کر دیا۔ اس کا معنی ہے اس نے کھجور کے درخت میں پیوند لگایا۔

(المفردات ج ۲ ص ۵۸۳، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَهُوَ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًاۢ بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ (الاعراف: ۵۷)

وہی ہے جو اپنی رحمت کی بارش سے پہلے خوشخبری دیتی ہوئی ہوائیں بھیجتا ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ ہوائیں بھاری بادل کو اٹھا کر لاتی ہیں تو ہم اس بادل کو کسی بنجر زمین کی طرف لے جاتے ہیں، پھر ہم اس سے پانی برساتے ہیں، پھر ہم اس سے ہر قسم کے پھل پیدا کرتے ہیں۔

اَفَرَءَیْتُمُ الْمَآءَ الَّذِیْ تَشْرَبُوْنَ O ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ O لَوْ

بھلا بتاؤ وہ پانی جس کو تم پیتے ہو O کیا تم نے اس کو بادل سے نازل کیا ہے یا ہم نازل کرنے والے ہیں O اگر ہم چاہتے تو اس

نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ○ کو سخت کڑوا بنادے، پھر تم کیوں شکر نہیں کرتے ؟ ○

(الواقعہ: ۷۰-۶۸)

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ وہ ہر چیز کا مالک ہے۔ وہ اپنی حکمت اور مشیت کے مطابق لوگوں میں رزق تقسیم فرماتا ہے، مخلوق کے رزق اور ان کی تمام نفع آور چیزوں کے خزانے اس کے پاس ہیں جیسے وہ بارش نازل فرماتا ہے، جس کے ذریعہ زمین سے پیداوار حاصل ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے رزق کے حصول کے اسباب فراہم کردیے ہیں۔ ان اسباب اور ذرائع میں سے وہ ہوائیں ہیں جو بادلوں کو اٹھائے پھرتی ہیں تاکہ لوگ اس پانی کو پئیں اور اپنے جانوروں کو پانی پلائیں اور اس سے اپنے باغوں اور کھیتوں کو سیراب کریں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور بے شک ہم ہی زندہ کرتے ہیں، اور ہم ہی روح قبض کرتے ہیں اور ہم ہی سب کے بعد باقی ہیں۔ یعنی ہم ہی مخلوق کو عدم سے وجود میں لاتے ہیں، پھر ہم اس پر موت طاری کریں گے، پھر حشر کے دن ہم ہی سب کو زندہ اور جمع کریں گے۔

کھجوروں میں پیوند کاری کی ممانعت کی احادیث

ہم نے لواقح کے معنی میں یہ بیان کیا ہے کہ تلقیح کا معنی ہے نر کھجور کا شگوفہ مادہ کھجور میں ڈال دینا۔ عربی میں تلقیح اور تابیر کا ایک ہی معنی ہے اس سلسلہ میں یہ حدیث مشہور ہے:

موسیٰ بن طلحہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ کچھ لوگ کھجوروں کے پاس تھے۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان لوگوں کے پاس سے گزرا۔ آپ نے فرمایا: یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ انہوں نے کہا یہ لوگ کھجوروں میں پیوند لگا رہے ہیں۔ یعنی نر کھجوروں کو مادہ کھجور کے ساتھ ملاتے ہیں جس سے وہ پھل دار ہو جاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے گمان میں یہ عمل ان کو کسی چیز سے مستغنی نہیں کرے گا۔ جب ان صحابہ کو آپ کے اس ارشاد کی خبر ہوئی تو انہوں نے یہ عمل ترک کردیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس عمل کی خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا اگر ان کو اس عمل میں فائدہ ہے تو کرتے رہیں۔ میں نے اپنے گمان سے ایک بات کہی تھی سو تم میرے گمان پر عمل مت کرو۔ البتہ جب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی حکم بیان کروں تو اس پر عمل کرو کیونکہ میں اللہ پر جھوٹ بولنے والا نہیں ہوں۔ (صحیح مسلم، فضائل: ۱۳۹، (۲۳۶۱) ۶۰۱۱، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۴۷۰)

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس وقت مدینہ میں تشریف لائے تو صحابہ کرام کھجوروں میں پیوند لگاتے تھے۔ آپ نے فرمایا تم یہ عمل کس لیے کرتے ہو؟ انہوں نے کہا ہم اسی طرح کیا کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا شاید تم نہ کرو تو اس میں زیادہ بہتری ہو۔ انہوں نے اس عمل کو ترک کردیا تو پھر کھجوروں کی پیداوار کم ہوگئی۔ انہوں نے آپ سے اس کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا میں صرف بشر ہوں (یعنی خدا نہیں ہوں) جب میں تمہارے دین کے متعلق کسی چیز کا حکم دوں تو اس پر عمل کرو! اور جب میں اپنی رائے سے تم کو کسی چیز کا حکم دوں تو میں صرف بشر ہوں (خدا نہیں ہوں) (صحیح مسلم، الفضائل ۱۴۰، رقم بلا تکرار: ۲۳۶۲، الرقم المسلسل ۶۰۱۲)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کچھ لوگوں کے پاس سے گزر ہوا جو کھجوروں میں پیوند لگا رہے تھے۔ آپ نے فرمایا اگر تم یہ نہ کرو تو اچھا ہوگا۔ اس کے بعد ردی کھجوریں پیدا ہوئیں۔ پھر کچھ دنوں بعد آپ کا ان کے پاس سے گزر ہوا۔ آپ نے پوچھا: اب تمہاری کھجوروں کی کیا کیفیت ہے؟ انہوں نے کہا آپ

نے اس اس طرح فرمایا تھا۔ آپ نے فرمایا: تم اپنی دنیا کے معاملات میں خود ہی زیادہ جانتے ہو!
(صحیح مسلم' الفضائل ۱۴۱' رقم بلا تکرار ۲۳۶۳' الرقم المسلسل: ۶۰۱۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۴۷۱)

اس اشکال کا جواب کہ آپ کے ارشاد پر عمل کرنے سے پیداوار کم ہوئی

اس حدیث پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابہ سے یہ فرمایا تھا کہ اگر تم کھجوروں میں پیوند کاری نہ کرو تو تمہارے لیے بہتر ہو گا اور جب انہوں نے آپ کے ارشاد پر عمل کیا تو اس کے نتیجہ میں پیداوار کم ہوئی۔ متعدد علماء نے اس اشکال کے جوابات دیئے ہیں۔ ہم یہاں ان علماء کے جوابات کو پیش کر رہے ہیں:

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی اندلسی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

انبیاء علیہم السلام کا دنیاوی معاملات میں حکم دینا اور ان کی رائے' عام لوگوں کے حکم اور ان کی رائے کی طرح ہے اور اس میں یہ ہو سکتا ہے کہ ان کی رائے واقع کے مطابق نہ ہو' اور اس میں کوئی نقص اور عیب نہیں ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام کی فکر آخرت اور عالم بالا سے متعلق ہوتی ہے اور وہ اس طرف متوجہ رہتے ہیں کہ شریعت نے کیا حکم دیا ہے اور کس چیز سے منع کیا ہے' اور دنیاوی امور کی طرف ان کی توجہ نہیں ہوتی۔ اس کے برخلاف عام لوگ دنیاوی معاملات میں مستغرق رہتے ہیں اور آخرت سے غافل ہوتے ہیں۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۷ ص ۳۳۵۔ ۳۳۴' مطبوعہ دار الوفاء بیروت)

حافظ ابو العباس احمد بن عمر مالکی قرطبی اندلسی متوفی ۶۵۶ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق پر معجزہ دلالت کرتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو خبریں دیتے ہیں اور جو احکام بیان کرتے ہیں' ان میں خطاء محال ہے اور رہے وہ امور جن کا تعلق دنیا سے ہے تو ان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم عام انسانوں میں سے ایک انسان ہیں جیسا کہ آپ نے فرمایا: اس کے سوا اور کوئی بات نہیں ہے کہ میں ایک بشر ہوں اور اس طرح بھولتا ہوں جس طرح تم بھولتے ہو (صحیح البخاری رقم الحدیث ۴۰۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۷۲' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۰۲۰' سنن النسائی رقم الحدیث ۱۲۴۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۲۱۱) اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ آپ نے فرمایا ہے: اپنی دنیا کے معاملات کو تم خود ہی زیادہ جانتے ہو۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۶۳) اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھجوروں میں پیوند لگانے والوں کے متعلق جو فرمایا تھا کہ میرے گمان میں یہ عمل ان کو کسی چیز سے مستغنی نہیں کرے گا' اس کی وجہ یہ ہے کہ حقیقت میں ایک چیز کو دوسری چیز سے مستغنی کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے' لیکن اللہ تعالیٰ کی عادت جاریہ یہ ہے کہ اس نے بعض چیزوں کے عادتاً اسباب بنائے ہیں اور ان اسباب میں اپنی قدرت کی تاثیر کو مخفی رکھا ہے تاکہ جو سعادت مند لوگ ہیں' ان کا غیب پر ایمان برقرار رہے' اور جو گمراہ لوگ ہیں وہ اپنی گمراہی میں ڈوبے رہیں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ جو فرمایا ہے کہ میں نے اپنے گمان سے ایک بات کہی تھی سو تم میرے گمان پر عمل مت کرو۔ یہ آپ نے اس لیے فرمایا کہ کوئی شخص یہ گمان نہ کرے کہ آپ نے تو فرمایا تھا کہ اگر تم اس پیوند کاری کو ترک کر دو گے تو یہ تمہارے لیے بہتر ہو گا حالانکہ یہ ان کے لیے بہتر نہیں ہوا تو آپ نے بطور عذر کے فرمایا یہ بات میں نے اپنے گمان اور اپنی رائے سے کہی تھی یہ بات میں نے وحی الٰہی سے نہیں کہی تھی' اور کھیتی باڑی' باغبانی کے معاملات میں وہی شخص صحیح بات کہہ سکتا ہے جو یہ کام کرتا رہتا ہو اور اس کو اس کا تجربہ ہو اور ظاہر ہے کہ میں نے یہ کام کئے ہیں اور نہ مجھے ان کا تجربہ ہے اس لیے ان دنیاوی معاملات کو تم ہی خوب جانتے ہو' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عذر پیش کرنا بھی ان لوگوں کے لیے تھا جن کی عقل ضعیف ہو کیونکہ ایسے لوگوں پر آپ کو یہ خدشہ تھا کہ شیطان ان کو گمراہ کر دے گا اور ان کے دلوں میں یہ بات ڈال دے گا کہ انہوں نے جو بات کہی تھی وہ جھوٹی نکلی

اور جو شخص آپ کو جھوٹا سمجھے گا تو وہ کافر ہو جائے گا ورنہ نبی صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم سے کوئی ایسی بات صادر نہیں ہوتی تھی جس پر عذر پیش کرنے کی ضرورت ہو۔ (المفہم ج ۶ ص ۱۶۹-۱۶۷، مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت، ۱۴۱۷ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

علماء نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم دنیا اور معاش سے متعلق بغیر تشریع کے جو بات کہیں، اس پر عمل کرنا واجب نہیں ہے لیکن نبی صلی اللہ علیہ و سلم اپنے اجتہاد سے بہ حیثیت تشریع کے جو کچھ فرمائیں اس پر عمل کرنا واجب ہے، اور آپ نے کھجور میں پیوند لگانے کے ترک کرنے کا جو حکم دیا تھا، وہ بہ حیثیت تشریع کے نہیں تھا، بطور مشورہ تھا۔ پیوند لگانے کو ترک کرنے سے کھجوروں کی پیداوار کم ہوئی اس پر آپ نے فرمایا: "انتم اعلم بامور دنیاکم" اپنے دنیاوی امور کو تم ہی زیادہ جانتے ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کی توجہ اور فکر آخرت اور معارف الٰہیہ کی طرف مبذول رہتی تھی اور دنیا کی طرف زیادہ توجہ نہ کرنا کوئی نقص اور عیب نہیں ہے۔ (شرح مسلم ج ۲ ص ۲۶۴، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم دنیاوی امور کی طرف زیادہ توجہ نہیں فرماتے تھے۔

(مرقات ج ۱ ص ۲۲۳، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان، ۱۳۹۰ھ)

نیز ملا علی قاری لکھتے ہیں:

یہاں پر یہ اشکال کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے انصار کو کھجور کے درختوں میں پیوند لگاتے ہوئے دیکھا، آپ نے فرمایا: کاش تم یہ طریقہ ترک کر دو۔ انصار نے اس کو ترک کر دیا، پھر کوئی پیداوار نہیں ہوئی یا ردی کھجوریں پیدا ہوئیں۔ تب آپ نے فرمایا تم اپنے دنیاوی معاملات کو خود ہی زیادہ جانتے ہو، اس کا ایک جواب یہ ہے کہ آپ نے یہ اپنے گمان سے کہا تھا وحی سے نہیں کہا تھا۔ اور شیخ سیدی محمد سنوسی نے کہا ہے کہ آپ صحابہ کو توکل پر برانگیختہ کرنا چاہتے تھے۔ جب انہوں نے آپ کے کہنے پر عمل نہیں کیا تو آپ نے فرمایا تم اپنے دنیاوی معاملات کو خود ہی زیادہ جانتے ہو، اور اگر وہ آپ کے کہنے پر عمل کرتے اور ایک یا دو سال تک نقصان برداشت کرتے تو وہ اس مشقت سے بچ جاتے۔ یہ جواب انتہائی لطیف ہے۔ (سیدی غوث عبدالعزیز دباغ رحمہ اللہ کے جواب کا بھی یہی خلاصہ ہے)

(شرح الشفاء علی ھامش نسیم الریاض، ج ۳ ص ۲۶۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے نزول وحی کے بغیر محض اپنے اجتہاد سے لوگوں کو اس بناء پر پیوند لگانے سے منع فرمایا کہ یہ زمانہ جاہلیت کا عمل ہے اور اس کی پھلوں کے کم یا زیادہ ہونے میں کوئی تاثیر اور معقول وجہ نہیں ہے، اور آپ نے اس کی طرف توجہ نہیں فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کی عادت جاریہ یہ ہے کہ وہ اس عمل سے پھل زیادہ کر دیتا ہے۔ آپ نے ان کو منع تو کیا تھا، مگر سختی سے منع نہیں کیا تھا بلکہ یہ فرمایا تھا کہ اگر تم پیوند نہ کرو تو بہتر ہے، اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم اس طرح کے دنیاوی معاملات کی طرف توجہ نہیں کرتے تھے، کیونکہ اس عمل کے کرنے یا نہ کرنے کے ساتھ کوئی اخروی سعادت متعلق نہیں تھی، لیکن جب آپ نے اس طرف توجہ کی کہ اللہ تعالیٰ کی عادت جاریہ کے مطابق اس عمل کی تاثیر ہوتی ہے تو پھر آپ نے اس پر سکوت فرمایا اور بعض روایات میں جو ہے کہ "دنیاوی امور کو تم ہی زیادہ جانتے ہو۔" اس کا مطلب یہ ہے کہ میں ان دنیاوی امور کی طرف توجہ نہیں کرتا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ پیوند کرنے والے

انصار مدینہ سے آپ کا علم معاذ اللہ کم تھا' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا اور آخرت کے تمام معاملات کو سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔ (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۴۲۳، مطبوعہ فرید بک سٹال لاہور ۱۴۰۱ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم ان لوگوں کو جانتے ہیں جو تم میں سے مقدم ہیں اور ہم ان کو (بھی) جانتے ہیں جو تم میں سے موخر ہیں ○ اور بے شک آپ کا رب ہی ان سب کو جمع کرے گا' بے شک وہ بہت حکمت والا' نہایت علم والا ہے ○ (الحجر: ۲۵)

"مستقدمین" اور "مستاخرین" کی تفسیر میں متعدد اقوال

مستقدمین اور مستاخرین کی تفسیر میں مفسرین کے آٹھ حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) قتادہ اور عکرمہ نے کہا مستقدمین سے مراد وہ لوگ ہیں جو آج تک پیدا ہو چکے ہیں اور مستاخرین سے مراد وہ لوگ ہیں جو ابھی تک پیدا نہیں ہوئے۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ضحاک نے کہا مستقدمین سے مراد مردہ لوگ ہیں اور مستاخرین سے مراد زندہ لوگ ہیں۔

(۳) مجاہد نے کہا مستقدمین سے مراد وہ لوگ ہیں جو گزشتہ امتوں میں تھے اور مستاخرین سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لوگ ہیں۔

(۴) حسن اور قتادہ نے کہا مستقدمین سے مراد نیک اور اطاعت گزار لوگ ہیں اور مستاخرین سے مراد بدکار اور نافرمان لوگ ہیں۔

(۵) سعید بن مسیب نے کہا مستقدمین سے مراد جنگ اور جہاد میں اگلی صفوں کے لوگ ہیں اور مستاخرین سے مراد پچھلی صفوں کے لوگ ہیں۔

(۶) قرطبی نے کہا مستقدمین سے مراد جہاد میں قتل کرنے والے ہیں اور مستاخرین سے مراد جہاد میں قتل نہ کرنے والے ہیں۔

(۷) شعبی نے کہا مستقدمین سے مراد اول خلق ہیں اور مستاخرین سے مراد آخر خلق ہیں۔

(۸) مستقدمین سے مراد نماز کی پہلی صفوں کے لوگ ہیں اور مستاخرین سے مراد نماز کی پچھلی صفوں کے لوگ ہیں۔

مستقدمین اور مستاخرین سے حقیقت میں کیا مراد ہے۔ اس کا اللہ تعالیٰ کو ہی علم ہے کیونکہ وہی ہر موجود اور معدوم کو جاننے والا ہے اور اس کو علم ہے کہ کون مقدم ہے اور کون موخر ہے لیکن یہ آخری قول اس آیت کے نزول کا سبب ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں ایک عورت نماز پڑھتی تھی اور وہ لوگوں میں سب سے زیادہ حسین تھی۔ سو بعض لوگ تو نماز کی پہلی صف میں کھڑے ہوتے تھے تاکہ اس عورت پر نظر نہ پڑے' اور بعض لوگ سب سے پچھلی صف میں کھڑے ہوتے تھے اور جب وہ رکوع میں جاتے تھے تو اس عورت کو دیکھتے تھے۔ تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: بے شک ہم ان لوگوں کو جانتے ہیں جو تم میں سے پہلی صفوں میں ہوتے ہیں اور ہم ان کو بھی جانتے ہیں جو تم میں سے پچھلی صفوں میں ہوتے ہیں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۲۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۰۴۶، مسند احمد ج ۱ ص ۳۰۵، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۵۳، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۶۹۶، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۰۱، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۲۷۹۹، المستدرک ج ۲ ص ۳۵۳، سنن کبریٰ

للبیہقی ج ۳ ص ۹۸)

امام ابن جریر نے یہ کہا ہے کہ میرے نزدیک ان اقوال میں اولیٰ قول یہ ہے کہ مستقدمین سے مراد وہ لوگ ہیں جو پہلے مر چکے ہیں اور مستاخرین سے مراد وہ لوگ ہیں جو اب زندہ ہیں اور جو ہمارے بعد پیدا ہوں گے کیونکہ اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور بے شک ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی روح قبض کرتے ہیں اور ہم ہی سب کے بعد باقی ہیں' اور اس کے بعد والی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور بے شک آپ کا رب ہی ان سب کو جمع کرے گا' بے شک وہ بہت حکمت والا نہایت علم والا ہے۔ جب یہ آیت ان دو آیتوں کے درمیان ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنے اور ان کو مارنے کی خبر دی ہے اور اس سے پہلے کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو اس کے خلاف پر دلالت کرے تو پھر یہ نہیں ہو سکتا کہ درمیان کی یہ آیت نماز کی صفوں میں مقدم اور موخر ہونے والے لوگوں کے متعلق ہو' پھر اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کے متعلق فرمایا کہ وہ ان میں سے مقدم اور موخر کو جانتا ہے جو مر چکے ہیں اور جو بعد میں پیدا ہوں گے اور وہ ان کے نیک اور بد تمام اعمال کو جانتا ہے اور وہ ان سب کو حشر کے دن جمع کرے گا اور ان کو ان کے اعمال کی جزا دے گا۔ نیک اعمال پر اچھی جزا دے گا اور برے اعمال پر سزا دے گا اور نیک عمل کرنے والوں میں وہ مسلمان داخل ہیں جو اگلی صفوں میں اس لیے نماز پڑھتے ہیں کہ عورتوں پر ان کی نظر نہ پڑے اور برے اعمال والوں میں وہ لوگ داخل ہیں جو بری نیت سے پچھلی صفوں میں نماز پڑھتے ہیں۔

(جامع البیان جز ۱۴ ص ۳۵' مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

صف اول میں نماز پڑھنے کی فضیلت

اس آیت کے شان نزول میں ہم نے سنن الترمذی اور دیگر کتب حدیث سے جو روایت ذکر کی ہے' اس میں صف اول میں نماز پڑھنے کی بھی فضیلت معلوم ہوتی ہے اور درج ذیل احادیث میں اس کی صراحت بھی کی گئی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اذان دینے میں اور صف اول میں نماز پڑھنے میں کتنا اجر و ثواب ہوتا ہے' پھر ان کو قرعہ اندازی کے سوا اس میں موقع نہ ملے تو وہ ضرور اس کے لیے قرعہ اندازی کریں گے اور اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ ظہر کی نماز پڑھنے میں کتنا اجر و ثواب ہے تو وہ ہر صورت میں اس کی طرف سبقت کریں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۵' موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۸۱' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۲۰۰۷' مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۶' مسند ابو عوانہ ج ۱ ص ۳۳۲' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۶۵۹' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱ ص ۴۲۸' شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۸۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مردوں کی بہترین صف پہلی اور بد ترین صف آخری ہے اور عورتوں کی بہترین صف آخری ہے اور بد ترین صف پہلی ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث ۲۲۴' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۸۵' مسند احمد ج ۲ ص ۳۳۶' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۶۷۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۰۰۰' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۵۶۱' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۹۷)

اس حدیث میں بہترین صف سے مراد ہے جس کا سب سے زیادہ ثواب ہو' اور بد ترین صف سے مراد ہے جس کا سب سے کم ثواب ہو۔

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں ہمارے کندھوں کو چھو کر

فرماتے تھے، سیدھے کھڑے ہو اور ٹیڑھے نہ ہو ورنہ تمہارے دل بھی ٹیڑھے ہو جائیں گے اور چاہیے کہ تم میں سے عقل اور بلوغ والے میرے قریب کھڑے ہوں، پھر وہ لوگ جو ان کے قریب ہوں اور پھر وہ لوگ جو ان کے قریب ہوں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۳۲، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۶۷۴، سنن النسائی رقم الحدیث: ۸۰۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۹۷۶)

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ ﴿٢٦﴾ ج

اور بے شک ہم نے انسان کو بجتی ہوئی خشک مٹی سے پیدا کیا جو (پہلے) سیاہ سڑا ہوا گارا تھی ○

وَالْجَانَّ خَلَقْنَاهُ مِن قَبْلُ مِن نَّارِ السَّمُومِ ﴿٢٧﴾ وَإِذْ قَالَ

اور اس سے پہلے جنات کو بغیر دھوئیں کی آگ سے پیدا کیا ○ اور یاد کیجیے جب

رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِّن صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ

آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا: میں بجتی ہوئی خشک مٹی سے سیاہ سڑے ہوئے گارے سے ایک بشر کو

مَّسْنُونٍ ﴿٢٨﴾ فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي فَقَعُوا لَهُ

پیدا کرنے والا ہوں ○ سو جب میں اس کو (انسانی صورت میں) ڈھال لوں اور اس میں اپنی (پسندیدہ) روح پھونک دوں تو تم سب

سَاجِدِينَ ﴿٢٩﴾ فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ ﴿٣٠﴾ لا إِلَّا إِبْلِيسَ ط

اس کے لیے سجدہ میں گر جانا ○ پس تمام فرشتوں نے اکٹھے ہو کر سجدہ کیا ○ سوا ابلیس کے،

أَبَىٰ أَن يَكُونَ مَعَ السَّاجِدِينَ ﴿٣١﴾ قَالَ يَا إِبْلِيسُ مَا لَكَ أَلَّا

اس نے سجدہ کرنے والوں کے ساتھ ہونے سے انکار کر دیا ○ فرمایا: اے ابلیس تجھے کیا ہوا کہ تو نے

تَكُونَ مَعَ السَّاجِدِينَ ﴿٣٢﴾ قَالَ لَمْ أَكُن لِّأَسْجُدَ لِبَشَرٍ

سجدہ کرنے والوں کا ساتھ نہیں دیا؟ ○ اس نے کہا میں اس بشر کو سجدہ کرنے والا نہیں ہوں

خَلَقْتَهُ مِن صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ ﴿٣٣﴾ قَالَ فَاخْرُجْ

جس کو تو نے بجتی ہوئی خشک مٹی سے، سیاہ سڑے ہوئے گارے سے پیدا کیا ہے ○ فرمایا تو جنت سے

مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ﴿٣٤﴾ لا وَإِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ إِلَىٰ يَوْمِ الدِّينِ ﴿٣٥﴾

نکل جا بے شک تو راندۂ درگاہ ہے ○ اور بے شک تجھ پر قیامت تک لعنت ہے ○

قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۳۶﴾ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ

اس نے کہا اے میرے رب تو مجھے یوم حشر تک کی مہلت دے ○ فرمایا بے شک تو ان میں سے ہے

الْمُنْظَرِیْنَ ﴿۳۷﴾ اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿۳۸﴾ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ

جن کو مہلت دی گئی ہے ○ معین وقت کے دن تک ○ اس نے کہا اے میرے رب! چونکہ تو نے مجھے گمراہ کردیا ہے

لَاُزَیِّنَنَّ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَلَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۳۹﴾ اِلَّا

تو میں ضرور ان کے لیے (برے کاموں کو) زمین میں خوش نما بنا دوں گا اور میں ضرور ان سب کو گمراہ کردوں گا ○ سوا

عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ ﴿۴۰﴾ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَیَّ مُسْتَقِیْمٌ ﴿۴۱﴾

ان میں سے تیرے ان بندوں کے جو اصحاب اخلاص ہیں ○ فرمایا مجھ تک پہنچنے کا یہی سیدھا راستہ ہے ○

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ

بے شک میرے بندوں پر تیرا کوئی تسلط نہیں ہے سوا ان گمراہوں کے جو تیری

مِنَ الْغٰوِیْنَ ﴿۴۲﴾ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۴۳﴾ لَهَا

پیروی کریں گے ○ اور بے شک ان سب کے وعدہ کی جگہ جہنم ہے ○ اس کے

سَبْعَةُ اَبْوَابٍ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ﴿۴۴﴾

سات دروازے ہیں، ہر دروازہ کے لیے ان گمراہوں میں سے تقسیم کیا ہوا حصہ ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے انسان کو بجتی ہوئی خشک مٹی سے پیدا کیا جو (پہلے) سیاہ سڑا ہوا گارا تھی ○ (الحجر: ۲۶)

مشکل الفاظ (صلصال، الحماء اور مسنون) کے معانی

صلصال: علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ نے لکھا ہے: اصل میں خشک چیز کے بجنے اور کھنکنے کو صلصال کہتے ہیں اور اسی وجہ سے خشک مٹی کو بھی صلصال کہتے ہیں کیونکہ اس پر بھی انگلی ماری جائے تو وہ بجتی اور کھنکتی ہے۔ قرآن مجید میں ہے من صلصال کالفخار (الرحمٰن: ۱۴) ٹھیکرے کی طرح بجتی ہوئی مٹی سے، مشکیزہ میں بچے ہوئے پانی کے ہلنے سے جو کھڑ کھڑاہٹ کی آواز آتی ہے۔ اس کو صلصلة کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے خشک بجنے والی مٹی کا نام صلصلة رکھا گیا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ سڑی ہوئی بدبودار مٹی کو صلصال کہتے ہیں۔ جب گوشت سڑ جائے تو عرب والے کہتے ہیں صل اللحم اور اصل میں لفظ صلال تھا، پھر لفظی تغیر کے بعد یہ لفظ صلصال ہو گیا۔

(المفردات ج ۲ ص ۲۷۳، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

امام خلیل بن احمد فراہیدی متوفی ۱۷۵ھ لکھتے ہیں:

خشک مٹی جب حرکت دینے سے بجنے لگے تو وہ صلصال ہے اور جب اس کو آگ پر پکایا جائے تو وہ فخار ہے (ٹھیکرا)۔ حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا گیا اور ان کے پتلے کو چالیس دن دھوپ میں رکھا گیا حتیٰ کہ وہ صلصال ہو گئے۔ (کتاب العین ج ۲ ص ۱۰۰۵، مطبوعہ انتشارات اسوہ ایران، ۱۴۱۴ھ)

امام ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ المتوفی ۲۷۶ھ لکھتے ہیں:

جس خشک مٹی کو آگ نے نہ چھوا ہو اس کو صلصال کہتے ہیں۔ جب تم اس پر انگلی مارو تو اس سے بجنے کی آواز آئے اور جب اس کو آگ پر گرم کر لیا جائے تو وہ ٹھیکرا ہے۔ (فخار)

(تفسیر غریب القرآن ص ۲۰۳، مطبوعہ دار مکتبہ الہلال، بیروت، ۱۴۱۱ھ)

الحماء: سیاہ بدبودار مٹی کو حمء کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے من حماء مسنون (الحجر: ۲۶) دریا سے جو مٹی نکالی جاتی ہے اس کو حماۃ کہتے ہیں۔ (کتاب العین ج ۱ ص ۴۳۲)

المسنون: امام ابو عبیدہ نے کہا ہے اس کا معنی ہے بدبودار۔ (تفسیر القرآن ص ۲۰۳)

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ نے کہا ہے کہ الحماء کا معنی ہے سیاہ بدبودار مٹی۔ جب کنوئیں کی تہ سے مٹی نکالی جائے تو کہتے ہیں حمئت البیر (المفردات ج ۱ ص ۱۷۵) المسنون کا معنی ہے وہ چیز جو متغیر ہو گئی، یعنی سڑ گئی ہو۔

(المفردات ج ۲ ص ۳۲۳)

علامہ نظام الدین قمی نیشاپوری متوفی ۷۲۸ھ لکھتے ہیں: خشک بجنے والی مٹی جو آگ پر پکائی نہ گئی ہو اس کو صلصال کہتے ہیں اور جب آگ پر پکائی جائے تو اس کو فخار (ٹھیکرا) کہتے ہیں اور الحماء کا معنی ہے سیاہ سڑی ہوئی مٹی۔ امام ابو عبیدہ نے کہا ہے کہ المسنون کا معنی ہے ڈھالی ہوئی یعنی اس مٹی میں انسان کی صورت ڈھالی گئی تھی یا اس کا پتلا بنایا گیا تھا اور ابن السکیت نے کہا ہے اس کا معنی ہے سڑی ہوئی بدبودار چیز۔

(تفسیر غرائب القرآن ورغائب الفرقان ج ۴ ص ۲۱۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

مسنون کے معنی میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) ابن السکیت نے کہا مسنون کا معنی ہے متغیر، اس کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے لم یتسنہ (البقرہ: ۲۵۹) کھانا متغیر نہیں ہوا یعنی سڑا نہیں۔ (۲) رگڑی ہوئی اور گھسی ہوئی چیز جب پتھر کو رگڑا یا گھسا جائے تو کہتے ہیں سننت الحجر (۳) زجاج نے کہا یہ لفظ سنن الطریق سے بنا ہے اور اس کا معنی بھی متغیر ہونا ہے۔ (۴) امام ابو عبیدہ نے کہا ہے اس کا معنی ہے ڈھالی ہوئی چیز۔ (۵) سیبویہ نے کہا اس کا معنی ہے کہ کسی چیز کو کسی صورت یا کسی مثال پر بنایا گیا ہو، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ المسنون کا معنی ہے گیلی مٹی۔ (تفسیر کبیر ج ۷ ص ۱۳۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

انسان کی تخلیق سے الوہیت اور وحدانیت پر استدلال

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے آسمانوں، زمینوں، پہاڑوں، درختوں اور حیوانوں سے اپنی الوہیت اور وحدانیت پر استدلال فرمایا تھا اور اس آیت میں انسان کی تخلیق سے اپنی الوہیت اور وحدانیت پر استدلال فرمایا ہے۔ اس کی

تقریر یہ ہے کہ دلائل سے ثابت ہے کہ جہان حادث ہے اور قدیم نہیں ہے تو پھر انسانوں کی تخلیق کا سلسلہ ماضی کی جانب کسی ایک انسان پر ختم ہو گا جو پہلا انسان ہو گا اور ضروری ہے کہ وہ انسان ماں باپ اور معروف طریقہ سے پیدا نہ ہوا ہو ورنہ وہ پہلا انسان نہیں ہو گا' ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ اس نے اس انسان کو مٹی کے پتلے سے بنایا ہے' اور جیسا کہ ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ یہ انسان چونکہ حادث ہے اور قدیم نہیں ہے اس لیے اس کو عدم سے وجود میں لانے کے لیے کوئی علت اور فاعل ہونا چاہیے اور ضروری ہے کہ وہ علت اور فاعل واجب اور قدیم ہو ممکن اور حادث نہ ہو کیونکہ ممکن اور حادث کو تو اپنے وجود میں خود کسی علت کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ وہ علت اور فاعل واحد ہو کیونکہ متعدد واجب نہیں ہو سکتے ورنہ ہر واجب میں دو جز ہوں گے ایک نفس وجوب جس میں وہ سب مشترک ہوں گے اور ایک وہ جز جس سے ایک واجب دوسرے واجب سے ممتاز ہو گا اور جو چیز اجزاء سے مرکب ہو وہ اپنے وجود میں ان اجزاء کی محتاج ہوتی ہے اور محتاج ممکن اور حادث ہوتا ہے وہ واجب نہیں ہو سکتا۔ پس ثابت ہوا کہ پہلے انسان کا بنانے والا واجب' قدیم اور واحد ہے اور جب پہلے انسان کا وہ بنانے والا ہے تو تمام انسانوں کا وہی پیدا کرنے والا ہے جو واجب' قدیم اور واحد ہے اور وہی اللہ تعالیٰ ہے۔

انسان کی خلقت کے مادہ میں مختلف آیات کی توجیہ

اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ (آل عمران: ۵۹) — اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال آدم کی طرح ہے جس کو اس نے مٹی سے پیدا کیا۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا گیا۔

اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ۔ (ص: ۷۱) — میں گارے (مٹی اور پانی کا آمیزہ) سے ایک بشر پیدا کرنے والا ہوں۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو گارے اور کیچڑ سے پیدا کیا گیا۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ۔ (الرحمٰن: ۱۴) — انسان کو ٹھیکرے کی طرح بجتی ہوئی خشک مٹی سے پیدا کیا۔

اور اس آیت میں فرمایا: اور بے شک ہم نے انسان کو بجتی ہوئی خشک مٹی سے پیدا کیا جو پہلے سیاہ سڑا ہوا بدبودار گارا تھی۔

ان آیتوں میں اس طرح تطبیق دی جا سکتی ہے کہ پہلے انسان کو مٹی سے پیدا کیا پھر گارے سے' پھر سیاہ سڑے ہوئے بدبودار گارے سے' پھر ٹھیکرے کی طرح بجنے والی خشک مٹی سے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انسان کو تین مرتبہ بنایا گیا۔ چمٹنے والی مٹی سے' خشک مٹی سے اور سیاہ بدبودار کیچڑ سے۔ (جامع البیان جز ۱۴ ص ۳۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام ابن عساکر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے لیے تمام روئے زمین سے مٹی لی گئی۔ پھر اس مٹی کو زمین پر ڈال دیا گیا حتیٰ کہ وہ چمٹنے والی مٹی ہو گئی۔ پھر اس کو چھوڑ دیا گیا حتیٰ کہ وہ سیاہ بدبودار کیچڑ ہو گئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے شایان شان ہاتھ سے ان کا پتلا تیار کیا حتیٰ کہ وہ پتلا خشک ہو گیا اور ٹھیکرے کی طرح بجنے والی خشک مٹی ہو گیا کہ جب اس پر انگلی ماری جائے تو اس سے کھنکتی ہوئی آواز نکلے۔

(الدر المنثور ج ۵ ص ۷۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ)

علامہ ابو المظفر السمعانی الشافعی المتوفی ۴۸۹ھ لکھتے ہیں:

بعض آثار میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کے گارے کا خمیر بنا کر چھوڑ دیا۔ حتیٰ کہ وہ سیاہ بدبودار گارا ہو گیا۔

(تفسیر القرآن ج ۳ ص ۱۳۷، مطبوعہ دار الوطن، ریاض، ۱۴۱۸ھ)

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہتا تو کسی بھی جنس کے جسم سے حضرت آدم کو پیدا کر دیتا اور وہ اس پر بھی قادر تھا کہ مرحلہ وار پیدا کرنے کے بجائے ابتداء پیدا کر دیتا لیکن جس طرح اس نے عالم کبیر کو تدریجاً چھ دنوں میں پیدا فرمایا ہے اسی طرح اس نے اس عالم صغیر یعنی انسان کو بھی تدریجاً پیدا کیا اور اس میں بندوں کو یہ تعلیم دینا مقصود ہے کہ وہ اطمینان سے تدریجاً کام کیا کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس سے پہلے جنات کو بغیر دھوئیں کی آگ سے پیدا کیا○ (الحجر: ۲۷)

مشکل الفاظ (الجان اور نار السموم) کے معانی

امام خلیل بن احمد فراہیدی متوفی ۱۷۵ھ لکھتے ہیں:

الجن الجان کی اولاد کی جماعت۔ اس کی جمع الجنة اور الجنان ہے۔ ان کو جن اس لیے کہتے ہیں کہ یہ لوگوں سے چھپے ہوئے ہوتے ہیں اور لوگ ان کو نہیں دیکھ سکتے۔ اور الجان جنات کا باپ ہے جس کو آگ سے پیدا کیا گیا۔ پھر اس سے اس کی نسل کو پیدا کیا گیا اور الجان سفید رنگ کے سانپ کو بھی کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۚ

اور یہ کہ آپ اپنا عصا ڈال دیں، پھر جب موسیٰ نے اسے لہراتے ہوئے دیکھا گویا کہ وہ سانپ ہے تو پیٹھ پھیر کر چل دیے اور پیچھے مڑ کر (بھی) نہ دیکھا۔ (القصص: ۳۱)

(کتاب العین ج ۱ ص ۳۲۳، مطبوعہ ایران ۱۴۱۴ھ)

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

جن کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم روحانیین ہے یہ انسان کے تمام حواس سے مخفی ہوتے ہیں۔ اس اعتبار سے جن میں ملائکہ اور شیاطین دونوں داخل ہیں لہٰذا ہر فرشتہ جن ہے لیکن ہر جن فرشتہ نہیں ہے۔ اس معنی کی بناء پر ابو صالح نے کہا تمام فرشتے جن ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ روحانیین کی تین قسمیں ہیں، ان میں سے اخیار (نیک) فرشتے ہیں اور اشرار (بد) شیاطین ہیں اور اوساط میں اخیار اور اشرار دونوں ہیں اور ان ہی کو جن کہتے ہیں اور اس کی دلیل یہ آیت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جنات کا یہ قول نقل فرمایا:

وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ۭ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا○ وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا○

اور بے شک ہم میں سے اللہ کی اطاعت کرنے والے ہیں اور اللہ کی نافرمانی کرنے والے ہیں، سو جس نے اطاعت کی اس نے نیکی کا راستہ تلاش کر لیا اور جس نے نافرمانی کی تو وہ جہنم کا ایندھن ہیں۔ (الجن: ۱۵-۱۴)

اور الجان جن کی ایک قسم ہے۔ (المفردات ج ۱ ص ۱۲۹-۱۲۸، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

علامہ مبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

الجن اصل میں مخفی چیز کو کہتے ہیں۔ جنات کو بھی جن اس لیے کہتے ہیں کہ وہ انسانوں کی آنکھوں سے مخفی ہوتے ہیں۔ جنت کو بھی جنت اس لیے کہتے ہیں کہ وہ گھنے درختوں سے پوشیدہ ہے اور عالم غیب سے متعلق ہونے کی وجہ سے مخفی ہے۔ ماں کے پیٹ میں جو بچہ ہوتا ہے اس کو جنین کہتے ہیں کیونکہ وہ بھی مخفی ہوتا ہے۔ قبر کو جنن کہتے ہیں کیونکہ اس میں مردہ پوشیدہ ہوتا ہے۔ الجان شیطان کو کہتے ہیں وہ بھی ہماری نگاہوں سے مخفی ہے اور الجان سانپ کو کہتے ہیں وہ بھی بلوں اور سوراخوں میں مخفی ہوتا ہے۔ الجنان دل کو کہتے ہیں وہ بھی سینہ میں پوشیدہ ہے اور ڈھال کو المجن کہتے ہیں کیونکہ وہ دشمن کے حملوں کے لیے ساتر ہے۔ (النہایہ ج ۱ ص ۲۹۷-۲۹۶، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

قتادہ نے بیان کیا کہ الجان سے مراد ابلیس ہے اس کو حضرت آدم سے پہلے پیدا کیا گیا تھا۔ حضرت آدم کی کرامت کو دیکھ کر اس دشمن خدا نے حسد کیا اور کہا میں آگ سے بنا ہوں اور یہ مٹی سے۔

(جامع البیان رقم الحدیث ۱۵۹۹۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام رازی متوفی ۶۰۶ھ نے لکھا ہے الجان سے مراد ابلیس ہے اور یہ جنات کا باپ ہے اور یہی اکثرین کا قول ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۱۳۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام ابوالفرج عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

الجان کے متعلق تین قول ہیں:

(۱) عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ الجان جنات میں مسخ کیا ہوا ہے جیسے انسانوں میں بندر اور خنزیر مسخ کیے ہوئے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ یہ قول صحیح نہیں ہے اور حدیث صحیح کے خلاف ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مسخ شدہ انسانوں کی نسل جاری نہیں کی اور بندر اور خنزیر اس سے پہلے بھی ہوتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے پوچھا: یا رسول اللہ! موجودہ بندر اور خنزیر کیا ان ہی کی نسل سے ہیں جن کو مسخ کیا گیا تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل جس قوم کو ہلاک کرتا ہے یا جس قوم کو عذاب دیتا ہے تو اس کی نسل جاری نہیں کرتا اور بندر اور خنزیر تو ان سے پہلے بھی ہوتے تھے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۶۳، الرقم المسلسل ۶۶۴۸، ۶۶۴۶)

(۲) ابو صالح اور ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ الجان جنات کا باپ ہے اور یہ جنات شیاطین نہیں ہیں اور شیاطین ابلیس کی اولاد ہیں وہ ابلیس کے ساتھ ہی مریں گے اور جنات مرتے رہتے ہیں، ان میں مومن بھی ہوتے ہیں اور کافر بھی۔

(۳) حسن، عطاء، قتادہ اور مقاتل نے کہا ہے کہ الجان ابلیس ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ کیا ابوالجن ابلیس نہیں ہے تو اس کے دو جواب ہیں۔ پہلا جواب یہ ہے ابوالجن ابلیس ہی ہے اور دوسرا جواب یہ ہے کہ الجان ابوالجن ہے اور ابلیس ابوالشیاطین ہے۔ (زاد المسیر ج ۴ ص ۳۹۹، مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

امام رازی اور امام ابن جریر کی طرح علامہ قرطبی کی بھی یہی تحقیق ہے کہ الجان سے مراد ابلیس ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۰ ص ۲۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

نارالسموم: نارالسموم کا معنی ہے بغیر دھوئیں کی آگ۔
ضحاک نے کہا الجان کو بغیر دھوئیں کی آگ کے شعلے سے پیدا کیا گیا۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ابلیس فرشتوں کے قبیلوں میں سے ایک قبیلہ سے تھا جس کا نام الجن تھا۔ ان کو بغیر دھوئیں کی آگ سے فرشتوں سے پیدا کیا گیا اور کہا قرآن مجید میں جن جنات کا ذکر کیا گیا ہے ان کو آگ کے شعلوں سے پیدا کیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ یہ سموم (دنیاوی آگ) اس سموم کے ستر حصوں میں سے ایک حصہ ہے جس سے الجان کو پیدا کیا گیا ہے، پھر اس آیت کی تلاوت کی۔
وہب بن منبہ سے جنات کے متعلق سوال کیا گیا کہ آیا وہ کھاتے ہیں یا پیتے ہیں یا مرتے ہیں یا نکاح کرتے ہیں؟ تو انہوں نے کہا جنات کی کئی قسمیں ہیں، جو خالص جن ہیں وہ ہوا ہیں نہ کھاتے ہیں، نہ پیتے ہیں، نہ مرتے ہیں اور نہ نکاح کرتے ہیں اور نہ بچے جنتے ہیں اور ان کی ایک قسم وہ ہے جو کھاتے ہیں اور پیتے ہیں اور نکاح کرتے ہیں اور مرتے ہیں۔
(جامع البیان جز ۱۴ ص ۴۱، مطبوعہ دارالفکر، المستدرک، ج ۲ ص ۴۷۴)
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فرشتوں کو نور سے پیدا کیا گیا ہے اور جنات کو سیاہ آگ کے شعلہ سے پیدا کیا گیا ہے اور آدم کو اس چیز سے پیدا کیا ہے جس کا تم سے بیان کیا گیا ہے۔
(صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۹۹۶، الرقم المسلسل ۷۳۶۰)
اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ الجان کو حضرت آدم سے پہلے پیدا کیا گیا تھا۔ اس سلسلہ میں یہ حدیث ہے:
حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے جنت میں حضرت آدم کی صورت بنائی تو جب تک اللہ نے چاہا حضرت آدم کے پتلے کو پڑا رہنے دیا۔ ابلیس نے ان کے چاروں طرف گھومنا شروع کر دیا وہ غور کر رہا تھا کہ یہ کیا چیز ہے۔ جب اس نے دیکھا کہ یہ اندر سے کھوکھلے ہیں تو اس نے جان لیا کہ یہ ایسی مخلوق پیدا کی گئی ہے جو اپنے آپ کو غضب اور شہوت سے روکنے پر قادر نہیں ہوگی۔
(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۱۱، الرقم المسلسل ۶۵۳۶)
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یاد کیجئے جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا میں بجتی ہوئی خشک مٹی سے، سیاہ سڑے ہوئے گارے سے ایک بشر کو پیدا کرنے والا ہوں ○ سو جب میں اس کو (انسانی صورت میں) ڈھال لوں اور اس میں اپنی (پسندیدہ) روح پھونک دوں تو تم سب اس کے لیے سجدہ میں گر جانا ○ (الحجر: ۲۹-۲۸)

مشکل الفاظ (بشر اور روح) کے معانی

امام خلیل بن احمد فراہیدی متوفی ۱۷۵ھ لکھتے ہیں:
البشر: ایک انسان خواہ مرد ہو یا عورت وہ بشر ہے۔ اس کا تثنیہ اور جمع نہیں آتا۔ ھو بشر، ھما بشر اور ھم بشر کہا جاتا ہے۔ انسان کے چہرے اور جسم کی اوپری کھال کو بشرۃ کہتے ہیں۔ (کتاب العین ج ۱ ص ۱۶۴، ایران، ۱۴۱۴ھ)
علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:
انسان کی کھال کے ظاہری حصہ کو بشرۃ اور باطنی حصہ کو ادمہ کہتے ہیں۔ انسان کو اس کی ظاہری کھال کے اعتبار سے بشر سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس کے برخلاف حیوانات کی کھال کے اوپر اون ہوتا ہے یا بال ہوتے ہیں۔ قرآن مجید میں جس جگہ بھی انسان کے جسم اور اس کے ظاہر کا لحاظ کیا گیا اس کو بشر کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔ مثلاً قرآن مجید میں ہے:

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا اور وہی ہے جس نے پانی سے بشر کو پیدا کیا۔
(الفرقان: ۵۴)

اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ - (ص ۷۱) بے شک میں گیلی مٹی (گارے) سے بشر بنانے والا ہوں۔

اور کفار جب انبیاء علیہم السلام کی تحقیر کا ارادہ کرتے تو کہتے:

اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ - (المدثر: ۲۵) یہ تو صرف بشر کا قول ہے۔

فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ - (القمر: ۲۴) سو انہوں نے کہا کیا ہم، ہم میں سے ایک بشر کی پیروی کریں، پھر تو ہم ضرور گمراہی اور عذاب میں ہوں گے!

فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا - (التغابن: ۶) تو انہوں نے کہا کیا بشر ہمیں ہدایت دیں گے!

اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا - (المومنون: ۴۷) کیا ہم اپنے جیسے دو بشروں پر ایمان لائیں!

اور اللہ تعالیٰ نے اس پر متنبہ کرنے کے لیے کہ آپ بشر ہونے میں دیگر انسانوں کے مساوی ہیں اور عظیم علوم اور معارف میں اور غیر معمولی حسین اعمال میں ان پر فضیلت رکھتے ہیں اور روحِ الٰہی کے نزول میں ان سے متمیز اور ممتاز ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہلوایا:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ - (الکھف: ۱۱۰) آپ کہیے کہ میں محض تمہاری مثل بشر ہوں اور مجھ پر یہ وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا اور میرا معبود ایک ہی ہے۔

(المفردات ج ۱ ص ۶۰، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

تحقیق یہ ہے کہ کسی وجودی وصف میں کوئی بشر آپ کی مثل نہیں ہے آپ سے جو مماثلت ہے وہ صرف عدمی وصف میں ہے یعنی جس طرح ہم خدا نہیں ہیں اسی طرح آپ بھی خدا نہیں ہیں۔

امام خلیل بن احمد فراہیدی متوفی ۱۷۵ھ لکھتے ہیں:

روح اس جان کو کہتے ہیں جس کی وجہ سے بدن زندہ ہے۔ کہا جاتا ہے اس کی روح نکل گئی یعنی اس کی جان نکل گئی۔

(کتاب العین ج ۱ ص ۷۲۵، مطبوعہ ایران، ۱۴۱۴ھ)

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

رُوح (راء پر پیش) اور رَوح (راء پر زبر) دونوں اصل میں ایک ہیں اور روح کو سانس کا اسم بنا دیا گیا ہے، کیونکہ سانس روح کا جز ہے اور اس کو اس جز کا نام بنا دیا ہے جس کی وجہ سے حیات، حرکت، نفع کا حصول اور ضرر کو دور کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے روح کی اپنی طرف اضافت کی ہے:

وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ - (الحجر: ۲۹) اور میں نے اس میں اپنی روح پھونک دی۔

یہ وہ اضافت ہے جو اپنی ملکیت کی طرف کی جاتی ہے اور روح کی اپنی طرف اضافت اس کی تعظیم اور تکریم کی وجہ سے کی ہے جیسا کہ ان آیتوں میں ہے: وطھر بیتی (الحج: ۲۶) اور میرے گھر کو پاک رکھنا اور یا عبادی (العنکبوت: ۵۶) اے میرے بندو! ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بیت اور بندوں کے شرف اور ان کی عظمت کو ظاہر کرنے کے لیے اپنی طرف اضافت کی ہے کہ یہ میرا گھر ہے اور یہ میرے بندے ہیں۔ معزز فرشتوں اور حضرت جبریل کو بھی قرآن مجید میں روح فرمایا ہے:

يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا۔ جس دن جبریل اور فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے۔
(النباء: ۳۸)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی روح فرمایا ہے' کیونکہ وہ مردوں کو زندہ کرتے تھے اور پرندے بنا کر ان میں پھونک مارتے تو ان میں جان پڑ جاتی تھی۔ ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ كَلِمَتُهٗۚ اَلْقٰهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَ رُوْحٌ مِّنْهُ۔ عیسیٰ بن مریم صرف اللہ کے رسول ہیں (اس کے بیٹے نہیں ہیں) اور اس کا وہ کلمہ ہیں جس کو اللہ نے مریم کی طرف القاء کیا اور اس کی طرف سے روح ہیں۔
(النساء: ۱۷۱)

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو بھی روح فرمایا ہے کیونکہ وہ حیات اخروی کا سبب ہے۔ فرمایا:

وَ كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا۔ اسی طرح ہم نے آپ کی طرف روح کی وحی فرمائی اپنے حکم سے۔
(الشوریٰ: ۵۲)

(المفردات ج ۱ ص ۲۷۱' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

علامہ مجد الدین المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

روح کا ذکر حدیث میں بھی اسی طرح بار بار آیا ہے جس طرح قرآن مجید میں روح کا ذکر بار بار آیا ہے' اور اس کا متعدد معانی پر اطلاق ہے لیکن اس کا غالب اطلاق اس چیز پر ہوتا ہے جس کی وجہ سے جسم قائم ہوتا ہے اور جس کی وجہ سے جسم کی حیات ہوتی ہے اور روح کا اطلاق قرآن مجید' وحی' رحمت اور حضرت جبریل پر بھی کیا گیا ہے۔ حدیث میں ہے الملائکۃ الروحانیون اس سے مراد یہ ہے کہ فرشتے اجسام لطیفہ ہیں ان کا بصر ادراک نہیں کر سکتی۔

(النہایہ ج ۲ ص ۲۴۷-۲۴۶' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

روح کی مشہور تعریف وہ ہے جو امام اشعری نے کی ہے کہ روح سانس ہے جو اندر آ رہا ہے اور باہر جا رہا ہے۔ قاضی ابو بکر نے کہا اس میں تردد ہے کہ روح سانس ہے یا حیات ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ روح ایسا جسم ہے جو اجسام ظاہرہ اور اعضاء ظاہرہ میں شریک ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ روح ایک جسم لطیف ہے جس کو اللہ سبحانہ نے پیدا کیا ہے اور اس نے یہ عادت جاری کر دی ہے کہ اس کے بغیر جسم میں حیات نہیں ہوتی اور جب اللہ جسم کی موت کا ارادہ فرماتا ہے تو روح کو اس جسم سے معدوم کر دیتا ہے اور بعض علماء نے کہا کہ روح خون ہے اور روح کی تعریف میں ستر قول ذکر کیے گئے ہیں۔

اس میں اختلاف ہے کہ آیا روح اور نفس ایک چیز ہیں یا متغائر ہیں اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ دونوں متغائر ہیں۔ کیونکہ نفس انسانیہ وہ چیز ہے جس کی طرف ہر انسان متکلم کے صیغہ سے اشارہ کرتا ہے مثلاً اپنے آپ کو میں کہتا ہے' اور اکثر فلاسفہ نے ان دونوں میں فرق نہیں کیا۔ انہوں نے کہا نفس وہ لطیف جوہر بخاری ہے (اسٹیم' بھاپ) جو قوت حیات' حس اور حرکت ارادیہ کا حامل ہے اور اسی کو وہ روح حیوانی کہتے ہیں اور یہی نفس ناطقہ اور بدن میں واسطہ ہے۔ امام غزالی نے کہا ہے کہ روح وہ جوہر ہے جو حادث ہے' قائم بنفسہ ہے اور وہ کسی جگہ میں نہیں ہے۔ وہ نہ جسم میں داخل ہے نہ جسم سے خارج ہے اور نہ جسم سے متصل ہے اور نہ جسم سے منفصل ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ روح عرض ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ روح جسم کی صورت کے موافق ہے' اس کی دو آنکھیں ہیں' دو کان ہیں' دو ہاتھ اور دو پیر ہیں اور وہ صورت جسم میں داخل ہے اور اس کا

ہر جز عضو کے مقابل ہے۔ ایک اور قول یہ ہے کہ روح ایک جسم لطیف ہے جس کا جسم میں اس طرح حلول ہے جس طرح گلاب کے پانی کا گلاب میں حلول ہوتا ہے اور آگ کا انگارے میں حلول ہوتا ہے اور اہل سنت کے جمہور متکلمین کا اسی تعریف پر اعتماد ہے۔ (عمدۃ القاری جز ۲ ص ۲۰۱، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، ۱۳۴۸ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی لکھتے ہیں:

روح جسم لطیف ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ عادت جاری کردی ہے کہ جب وہ بدن میں ہو تو اللہ تعالیٰ بدن میں حیات پیدا کردیتا ہے اور ہم نے اپنی کتاب التذکرہ میں احادیث ذکر کی ہیں جو اس پر دلالت کرتی ہیں کہ روح جسم لطیف ہے اور یہ کہ نفس اور روح ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۰ ص ۲۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

فرشتوں کے سجدہ کی کیفیت

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ حضرت آدم کو سجدہ کریں اور یہ تعظیم اور تکریم کا سجدہ تھا سجدہ عبادت نہ تھا، اور اللہ تعالیٰ مالک ہے وہ جس کو چاہے فضیلت عطا فرمائے سو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں پر فضیلت عطا فرمائی، اور قفال نے یہ کہا ہے کہ فرشتے حضرت آدم علیہ السلام سے افضل تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان سے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرا کر ان کو امتحان اور آزمائش میں ڈالا اور اس میں ان کے لیے بہت عظیم ثواب رکھا، اور یہ معتزلہ کا مذہب ہے اور ایک قول یہ ہے کہ فرشتوں کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ حضرت آدم کی طرف منہ کرکے اللہ کو سجدہ کریں اور حضرت آدم علیہ السلام ان کے لیے بہ منزلہ قبلہ تھے۔

سجدہ کا لغوی اور شرعی معنی اور اس کی فضیلت

علامہ راغب اصفہانی نے لکھا ہے سجدہ اصل میں تذلل کا اظہار ہے اور اللہ کے سامنے اپنے اختیار سے عبادت اور تذلل کا اظہار کرنا یہ سجدہ ہے۔ (المفردات ج ۱ ص ۲۹۵) اور علامہ ابن اثیر الجزری نے لکھا ہے سجدہ کا معنی ہے سر جھکانا اور کسی کے سامنے جھکنا اور اظہار تذلل کرنا اور سجدۂ صلاۃ کا معنی ہے پیشانی زمین پر رکھنا اور اس سے بڑھ کر خضوع اور تذلل نہیں ہے۔ (النہایہ ج ۲ ص ۳۰۹-۳۰۸) علامہ الحصکفی نے لکھا ہے کہ سجدہ پیشانی اور قدموں کے ساتھ ہے اور ایک انگلی کا ٹکانا شرط ہے۔ علامہ شامی نے لکھا ہے لغت میں سجدہ کا معنی ہے خضوع یعنی تواضع اور عاجزی کرنا، جھکنا، سر جھکانا (قاموس) اور مغرب میں لکھا ہے زمین پر پیشانی رکھنا اور البحر الرائق میں مذکور ہے سجدہ کی حقیقت یہ ہے کہ تعظیم کے ساتھ چہرہ کا بعض حصہ زمین پر رکھا جائے۔ اس میں ناک کا رکھنا داخل ہے اور رخسار اور ٹھوڑی کا رکھنا خارج ہے۔ اگر کوئی شخص سجدہ میں دونوں پیر اٹھا لے تو یہ تعظیم کے بجائے لہو و لعب کے زیادہ مشابہ ہے۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۱۱۹، بیروت ۱۴۱۹ھ) علامہ المرغینانی نے لکھا ہے کہ ناک اور پیشانی پر سجدہ کرے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر مواظبت کی ہے۔ (حضرت ابو سعید خدری بیان کرتے ہیں کہ بارش ہو رہی تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں نماز پڑھائی اور میں نے مٹی اور پانی کے نشان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی اور ناک پر دیکھے۔ صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۱۳، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے نماز میں اپنی پیشانی اور ناک زمین پر نہیں لگائی اس کی نماز جائز نہیں۔ المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۱۹۱) اور اگر اس نے پیشانی اور ناک میں سے کسی ایک پر اقتصار کرلیا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک جائز ہے اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے یہ کہا ہے کہ سجدہ میں بغیر عذر کے ناک پر اقتصار کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے سات اعضاء پر سجدہ کرنے کا حکم دیا ہے اور آپ نے ان اعضاء میں پیشانی کو شمار کیا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۱۲) اور امام

ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ چہرے کے بعض اجزاء زمین پر رکھنے سے سجدہ ادا ہو جاتا ہے اور سجدہ ہی کا حکم دیا گیا ہے۔ البتہ ٹھوڑی اور رخسار کا رکھنا سجدہ سے بالاجماع خارج ہے۔ (ہدایہ اولین ص ۱۰۸، مکتبہ شرکت علمیہ ملتان)

سجدہ کی فضیلت میں یہ حدیث ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندہ سب سے زیادہ اپنے رب کے قریب سجدہ میں ہوتا ہے سو تم سجدہ میں بکثرت دعا کیا کرو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۸۲، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۸۷۵، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۱۳۷)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس تمام فرشتوں نے اکٹھے ہو کر سجدہ کیا○ سوا ابلیس کے اس نے سجدہ کرنے والوں کے ساتھ ہونے سے انکار کر دیا○ (الحجر: ۳۱-۳۰)

تمام فرشتوں کا حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنا

اللہ تعالیٰ نے پہلے جمع کے صیغہ سے فرمایا فسجد الملائکۃ اس کا معنی ہے سب فرشتوں نے سجدہ کیا پھر کلھم سے اس کی تاکید کی، کیونکہ یہ ہو سکتا تھا کہ اکثر فرشتوں نے سجدہ کر لیا ہو اور سب فرشتوں نے سجدہ نہ کیا ہو اس لیے فرمایا کلھم یعنی سب فرشتوں نے سجدہ کیا اور اکثر فرشتوں کے سجدہ کرنے کا احتمال ساقط ہو گیا۔ پھر بھی یہ احتمال باقی رہا کہ بعض فرشتوں نے ایک وقت میں سجدہ کیا ہو اور بعض نے دوسرے وقت میں سجدہ کیا ہو لیکن جب یہ فرمایا اجمعون تو یہ احتمال بھی ساقط ہو گیا اور اب معنی یہ ہے کہ تمام فرشتوں نے اکٹھے ہو کر سجدہ کیا۔ نیز فرمایا سوا ابلیس کے اس کا معنی یہ ہے کہ ابلیس کو بھی سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ ابلیس کا معنی اور یہ کہ وہ جنات سے ہے یا فرشتوں سے، اس بحث کو ہم نے البقرہ: ۳۴، الاعراف: ۱۱، الحجر: ۲۷ میں بیان کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فرمایا اے ابلیس! تجھے کیا ہوا کہ تُو نے سجدہ کرنے والوں کا ساتھ نہیں دیا؟○ اس نے کہا میں اس بشر کو سجدہ کرنے والا نہیں ہوں جس کو تو نے بجتی ہوئی خشک مٹی سے، سیاہ سڑے ہوئے گارے سے پیدا کیا ہے○ فرمایا تو جنت سے نکل جا بے شک تو راندۂ درگاہ ہے○ اور بے شک تجھ پر قیامت تک لعنت ہے○ اس نے کہا اے میرے رب تو مجھے یوم حشر تک مہلت دے○ فرمایا بے شک تو ان میں سے ہے جن کو مہلت دی گئی ہے○ معین وقت کے دن تک○

(الحجر: ۳۸-۳۲)

اللہ تعالیٰ اور شیطان کے درمیان مکالمہ کے اہم نکات

ان آیات میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان سے طویل کلام کیا۔ حالانکہ اتنا طویل کلام قرآن مجید میں کسی نبی کے ساتھ بھی مذکور نہیں ہے اور اس سے شیطان کے لیے بہت بڑی فضیلت ثابت ہوئی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے لیے فضیلت تب ہوتی جب اس کے ساتھ عزت اور کرامت اور محبت اور لطف کے ساتھ کلام ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ یہ کلام اہانت اور غضب کے ساتھ کیا ہے۔ دوسری بحث یہ ہے کہ شیطان نے سجدہ نہ کرنے کی یہ وجہ بیان کی کہ وہ لعین حضرت آدم سے افضل ہے۔ کیونکہ اس کا جسم لطیف ہے اور حضرت آدم کا جسم کثیف ہے اور جسم لطیف، جسم کثیف سے افضل ہے اور وہ آگ سے بنایا گیا ہے اور حضرت آدم مٹی سے بنائے گئے ہیں اور آگ مٹی سے افضل ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس نے نص کے مقابلہ میں قیاس کیا اور قیاس اس وقت کیا جاتا ہے جب نص یعنی حکم صریح نہ ہو۔ اس نے حشر تک کی مہلت مانگی تھی کیونکہ حشر کے بعد موت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو حشر تک کی مہلت نہیں دی بلکہ وقت معلوم تک

مہلت دی۔ ان تمام مباحث کی زیادہ تفصیل اور تحقیق ہم نے الاعراف: ۱۵۔ ۱۲ میں کی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس نے کہا اے میرے رب چونکہ تو نے مجھے گمراہ کردیا ہے تو میں ضرور ان کے لیے (برے کاموں کو) زمین میں خوشنما بنادوں گا اور میں ضرور ان سب کو گمراہ کردوں گا○ سوا ان میں سے تیرے ان بندوں کے جو اصحاب اخلاص ہیں○ فرمایا مجھ تک پہنچنے کا یہی سیدھا راستہ ہے○ (الحجر: ۴۱-۳۹)

اس اشکال کا جواب کہ اگر اللہ تعالیٰ ابلیس کو گمراہ کرنے کے لیے طویل عمر نہ دیتا تو لوگ گناہ نہ کرتے!

ابلیس نے کہا میں ضرور ان کے لیے (برے کاموں کو) زمین میں خوشنما بنادوں گا۔ اس لعین کا مطلب یہ تھا کہ جب میں آسمانوں کے اوپر حضرت آدم کے دل میں وسوسہ ڈالنے اور شجر ممنوع کی طرف رغبت دلانے میں کامیاب ہوگیا تو میں زمین پر ان کی اولاد کے دلوں میں وسوسہ ڈالنے میں ضرور کامیاب ہو جاؤں گا اور میں ان کی نظروں میں دنیا کی چیزوں کو حسین و جمیل بنا کر پیش کروں گا حتیٰ کہ وہ آخرت سے غافل ہو جائیں گے۔

اس مقام پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ ابلیس نے اللہ تعالیٰ سے قیامت تک کی مہلت طلب کی اور اس نے یہ تصریح کردی تھی کہ وہ اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر ان کو گمراہ کرے گا اور ان کو کفر اور معصیت کی طرف مائل کرے گا اور جب اللہ تعالیٰ نے اس کو عمر طویل تک مہلت دے دی تو گویا اللہ تعالیٰ نے اس کو گمراہ کرنے کی قدرت دے دی۔ نیز اکابر انبیاء اور اولیاء مخلوق کو نیکی کی طرف راغب کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور ابلیس ان کو نیکی سے دور کرنے کی کوشش کرتا ہے تو مصلحت کا تقاضا یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ انبیاء اور اولیاء کو باقی رکھتا اور ابلیس اور اس کی ذریات کو فنا کردیتا تاکہ انسان عبادت کریں اور گناہ نہ کرسکیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ انسانوں کو آزمائش میں ڈالا جائے۔ اس نے نیکی کی طرف دعوت دینے کے لیے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا اور اولیاء کرام اور علماء عظام کو پیدا کیا اور بدی کی طرف راغب کرنے کے لیے ابلیس اور اس کی ذریات کو پیدا کیا اور خود انسان میں بھی دو قوتیں رکھ دیں۔ ایک قوت اس کو دنیا کی رنگینیوں کی طرف راغب کرتی ہے اور دوسری قوت اس کو اللہ کے ذکر اور اس کی عبادت کی طرف متوجہ کرتی ہے اور انسان کو عقل عطا کی اور اس کو اختیار دیا کہ وہ نیکی اور بدی اور ایمان و کفر کی ترغیبات میں سے کسی ایک کو اختیار کرلے۔ سو جو ایمان اور نیکی کو اختیار کرے گا وہ کامیاب ہے اور جو کفر اور بدی کو اختیار کرے گا وہ ناکام ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا○ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا○ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا○ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا○ (الشمس: ۱۰-۷)

اور جان کی قسم اور اس کی قسم جس نے اسے درست بنایا○ پھر اسے بدی اور نیکی سمجھادی○ بے شک وہ کامیاب ہوگیا جس نے نفس کو پاک کرلیا○ اور وہ بے شک ناکام ہوگیا جس نے نفس کو گناہوں میں ملوث کرلیا○

وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ○ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ○ (البلد: ۱۱-۱۰)

اور ہم نے اس کو (نیکی اور بدی کے) دونوں واضح راستے دکھائے○ تو وہ (نیک عمل کی) دشوار گزار گھاٹی سے کیوں نہیں گزرا○

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے ہر شخص کے ساتھ ایک شیطان مقرر کیا گیا ہے اور ایک فرشتہ مقرر کیا گیا ہے۔ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ آپ کے ساتھ بھی؟ فرمایا

ہاں میرے ساتھ بھی! لیکن اللہ نے میری مدد فرمائی وہ میرا اطاعت گزار ہو گیا اور وہ مجھے بھلائی کے سوا کوئی مشورہ نہیں دیتا۔
(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۱۴)

اس حدیث سے معلوم ہوا جس طرح اللہ تعالیٰ نے عمومی طور پر ہدایت کے لیے انبیاء اور علماء کو پیدا کیا ہے اور عمومی طور پر گمراہ کرنے کے لیے ابلیس اور اس کی ذریات کو پیدا کیا ہے، اسی طرح خصوصیت کے ساتھ ہر انسان کو نیکی کی تلقین کے لیے ایک فرشتہ اور برائی پر ترغیب کے لیے ایک شیطان پیدا کیا ہے۔ اب انسان کے اندر اور باہر نیکی کے دواعی اور محرکات بھی ہیں اور بدی کے دواعی اور محرکات بھی ہیں اور انسان کو اللہ تعالیٰ نے اچھے اور برے کام کی سمجھ اور عقل سلیم عطا کی ہے۔ اب اگر وہ اپنے اختیار سے ایمان اور عبادات کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایمان اور عبادات کو پیدا کر دیتا ہے اور اگر وہ اپنے اختیار سے کفر اور معاصی کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے کفر اور معاصی کو پیدا کر دیتا ہے۔ شیطان کا اس کے اوپر کوئی تصرف اور تسلط نہیں ہے۔ وہ وسوسہ کی صورت میں صرف برائی کی دعوت دیتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں انبیاء علیہم السلام، اولیاء کرام اور علماء عظام اس کو نیکی اور خیر کی دعوت دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر خیر اور شر کے دونوں راستے واضح کر دیئے ہیں اور اس کو اچھائی اور برائی سمجھا دی ہے۔ اب وہ جس چیز کو اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے اسی چیز کو پیدا کر دیتا ہے اور اس پر جزا اور سزا اور ثواب اور عذاب اس کے اختیار اور ارادہ کے اعتبار سے مرتب کیا جاتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اپنی قدرت سے تمام انسانوں میں ایمان اور عبادات کو پیدا فرما دیتا۔ شیطان کو پیدا کرتا نہ برائیوں کو لیکن یہ اس کی حکمت کے خلاف تھا۔ اس طرح بغیر ذاتی اختیار اور ارادہ کے محض جبر سے اطاعت کرنے والے اس کے پاس فرشتے بہت ہیں بلکہ یہ ساری کائنات اور انسان کے جسم کے اندرونی تمام اعضاء سب کے سب جبر سے اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ اس کی حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ ایک ایسی مخلوق پیدا کی جائے جس کے اندر اور باہر گناہ اور عبادت دونوں کی ترغیبات ہوں۔ پھر اس کو عقل اور شعور دیا جائے پھر جو اپنی عقل اور شعور سے گناہوں کو چھوڑ کر اطاعت کو اختیار کرے اس کو دائمی اجر و ثواب کا مستحق قرار دیا جائے اور جو اطاعت اور عبادت کو چھوڑ کر گناہوں کو اختیار کرے اس کو دائمی سزا اور عذاب کا مستحق قرار دیا جائے۔ سو شیطان کو پیدا کرنا اور انبیاء علیہم السلام کو بھیجنا انسان کے امتحان اور اس کی آزمائش کے لیے ہے۔

جھوٹ کی قباحت

اللہ تعالیٰ نے ابلیس کا یہ قول نقل فرمایا: اور میں ضرور ان سب کو گمراہ کروں گا سوا ان میں سے تیرے ان بندوں کے جو اصحاب اخلاص ہیں۔ ابلیس نے اپنے قول میں اصحاب اخلاص کا استثناء کیا وہ ان کو گمراہ نہیں کر سکے گا۔ اگر وہ ان کا استثناء نہ کرتا اور مطلقاً کہتا کہ میں سب کو گمراہ کردوں گا تو اس کا قول جھوٹا ہو جاتا کیونکہ اس کو معلوم تھا کہ وہ اصحاب اخلاص کو گمراہ نہیں کر سکے گا۔ لہٰذا اس نے جھوٹ سے بچنے کے لیے یہ استثناء کیا۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ اس پر غور کرنا چاہیے کہ جھوٹ ایسی قبیح چیز ہے کہ اس سے شیطان بھی احتراز کرتا ہے تو مومن اور مسلمان کو جھوٹ بولنے سے کس قدر زیادہ احتراز اور اجتناب کرنا چاہیے۔

اخلاص کا معنی

اس آیت میں شیطان نے اعتراف کیا ہے کہ وہ اصحاب اخلاص کو گمراہ نہیں کر سکتا۔ اس لیے پہلے ہم اخلاص کا معنی اور اس کے درجات بیان کریں گے۔ پھر اخلاص کے متعلق قرآن مجید کی آیات اور احادیث بیان کریں گے۔

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ ھ لکھتے ہیں:

خالص کا معنی صافی (صاف) کی طرح ہے، جس میں کسی دوسری چیز کی آمیزش نہ ہو۔ قرآن مجید میں ہے:

نُسْقِيكُمْ مِمَّا فِي بُطُونِهِ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ لَبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِلشَّارِبِينَ ○ (النحل: ٦٦)

ہم تمہیں اس چیز میں سے پلاتے ہیں جو ان کے پیٹوں میں ہے گوبر اور خون کے درمیان سے خالص دودھ، جو پینے والوں کے لیے خوشگوار ہے ○

یعنی اللہ تعالیٰ گوبر اور خون کے درمیان سے اس طرح صاف اور خالص دودھ نکالتا ہے، جس میں گوبر اور خون کی ذرہ برابر بھی آمیزش نہیں ہوتی۔ سو خالص چیز وہ ہوتی ہے جس میں کسی دوسری چیز کی ذرہ برابر بھی آمیزش نہ ہو۔ جیسے اللہ تعالیٰ جانوروں سے خالص دودھ نکالتا ہے۔

مسلمان کا اخلاص یہ ہے کہ وہ صرف اللہ کو مانے اور یہودیوں کی طرح تشبیہ اور نصاریٰ کی طرح تثلیث سے برأت کا اظہار کرے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ۔ (الاعراف: ۲۹)

صرف اسی کی عبادت کرو عبادت میں اخلاص کرتے ہوئے۔

اور اخلاص کی حقیقت یہ ہے کہ ہر چیز سے برأت کا اظہار کرے صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے اور اس میں اور کسی چیز کی آمیزش نہ کرے۔ (المفردات ج ا ص ۲۰۶۔۲۰۵، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

کیا چیز اخلاص کے منافی ہے؟

اگر اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ کسی کام میں کوئی اور نیت بھی شامل کر لی جائے تو یہ اخلاص نہیں ہے۔ مثلاً روزہ میں عبادت کی نیت کے ساتھ یہ نیت بھی کرے کہ روزوں کی وجہ سے بڑھا ہوا وزن کم ہو جائے گا، یا تبخیر میں کمی ہو جائے گی، نماز میں عبادت کے ساتھ یہ نیت کرے کہ اس سے جسمانی ورزش بھی ہو جائے گی، غسل اور وضو میں ٹھنڈک حاصل کرنے اور صفائی کی نیت کر لے، زکوٰۃ میں یہ نیت کر لے کہ اس سے میرا بخل دور ہو گا، حج کو جاتے ہوئے یہ نیت کرے کہ مکہ اور مدینہ میں میرے جو عزیز ہیں ان سے ملاقات کر لوں گا تو ان تمام صورتوں میں اخلاص نہیں ہے۔ اخلاص تب ہو گا جب کسی بھی عبادت میں صرف اللہ کے حکم پر عمل کرنے یا اس کا تقرب حاصل کرنے یا صرف اس کی رضاجوئی کی نیت کرے، اور اگر کسی عبادت میں ریاکاری داخل ہو جائے تو پھر اس میں اخلاص بالکل نہیں ہو گا یا بہت کم ہو گا۔ اخلاص بالکل نہ ہونے کی مثال یہ ہے کہ ایک آدمی بالکل نماز نہ پڑھتا ہو لیکن اس سے ملنے کے لیے کچھ لوگ آئیں اور وہ نماز کے وقت مسجد میں جانے لگیں تو ان پر اچھا اثر ڈالنے کے لیے وہ ان کے ساتھ نماز پڑھنے چلا جائے اور اگر وہ لوگ نماز پڑھنے نہ جاتے تو وہ بھی ان کے ساتھ نماز پڑھنے نہ جاتا اور اخلاص کم ہونے کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص نماز تو پڑھتا ہے لیکن اگر اس کے معتقدین، مریدین یا شاگرد بیٹھے ہوں تو زیادہ خضوع خشوع کے ساتھ لمبی نماز پڑھے تاکہ ان پر اچھا اثر قائم ہو، ہر چند کہ اس میں بھی ریاکاری ہے لیکن پہلی صورت سے کم ہے اور اس میں بالکلیہ اخلاص کی نفی نہیں ہے۔

اخلاص کے مراتب اور درجات

امام غزالی نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص جنت کی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہونے کے لیے عبادت کرے یا دوزخ کے عذاب کے خوف سے عبادت کرے تو اس میں بھی اخلاص ہے لیکن یہ کامل درجہ کا اور صدیقین کا اخلاص نہیں ہے کیونکہ وہ اپنے عمل سے اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کا ارادہ نہیں کر رہا اور جو کاملین اور صدیقین ہیں ان کا مطلوب صرف اللہ تعالیٰ کے حکم پر

عمل کرنا اور اس کی رضا ہوتی ہے' اور بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ انسان جو بھی عمل کرتا ہے اس سے کسی نہ کسی مطلوب اور غرض کو حاصل کرنا ہوتا ہے اور تمام مطالب سے بری اور بے نیاز ہو کر کوئی عمل کرنا یہ تو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور اس کا دعویٰ کرنا کفر ہے اور قاضی باقلانی نے یہ فیصلہ کیا کہ جو شخص یہ کہے کہ وہ تمام اغراض اور مطالب سے بری ہے وہ کافر ہے۔ یہ فیصلہ برحق ہے لیکن امام غزالی کی مراد یہ ہے کہ جنت میں جو شہوت برآری کے ذرائع اور وسائل ہوں گے فقط ان کی نیت نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کے دیدار اور اس کی معرفت سے جو لذت حاصل ہوگی اس کی نیت کرے۔

(احیاء العلوم ج ۴ ص ۳۳۲-۳۳۱' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۹ھ)

دوزخ سے نجات اور جنت کے حصول کے لیے عبادت کرنا بھی اخلاص ہے لیکن کامل اخلاص اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی ہے

میں کہتا ہوں کہ دوزخ کے عذاب سے نجات اور جنت کی طلب کے لیے عبادت کرنا بھی اخلاص کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایمان لانے اور اعمال صالحہ کرنے کے لیے عذاب نار سے نجات اور حصول جنت کی ترغیب دی ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ۙ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ (الصف: ۱۲-۱۰)

اے ایمان والو! کیا میں تم کو ایسی تجارت بتاؤں جو تم کو دردناک عذاب سے بچالے ۝ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان برقرار رکھو اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کرو' یہ تمہارے لیے بہت اچھا ہے اگر تم علم رکھتے ہو ۝ وہ تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور تم کو ایسی جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں اور پاکیزہ مکانوں میں ہمیشہ رہنے کی جنتوں میں' یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔

البتہ یہ ضرور ہے کہ کامل درجہ کا اخلاص یہ ہے کہ اپنی عبادت سے اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے دیدار کا ارادہ کرے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ۔ (البقرہ: ۲۰۷)

اور بعض لوگ وہ ہیں جو اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے اپنی جان فروخت کردیتے ہیں۔

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ۔ (البقرۃ: ۲۶۵)

اور ان لوگوں کی مثال جو اپنے مالوں کو اللہ کی رضا جوئی کے لیے اور اپنے دلوں کو مضبوط رکھنے کے لیے خرچ کرتے ہیں' اس باغ کی طرح ہے جو اونچی زمین پر ہو اور اس پر موسلا دھار بارش ہو تو وہ اپنا پھل دگنا لائے۔

لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ

ان کے اکثر و بیشتر پوشیدہ مشوروں میں کوئی خیر نہیں ہے' البتہ جو صدقہ کرنے کا حکم دے یا کسی نیک کام کرنے کا یا لوگوں کے درمیان صلح کرانے کا اور جو اللہ کی رضا حاصل کرنے کے

نُؤْتِیْهِ اَجْرًا عَظِیْمًا۔ (النساء: ۱۱۴)

لیے ان نیک کاموں کو کرے تو عنقریب ہم اس کو بہت بڑا اجر دیں گے۔

لیکن یہ بات ذہن میں رہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار اور اس کی رضا کا حصول جنت میں ہو گا۔ اس لیے جنت کو کم نہیں سمجھنا چاہیے۔ بعض جاہل شعراء اور معرفت الٰہی کے جھوٹے مدعی اکثر یہ کہتے ہیں جنت سے کوئی مطلب نہیں ہمیں تو اللہ کی رضا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا دیدار اور اس کی رضا سب سے بڑا انعام ہے لیکن یہ انعام جنت میں ہی ملے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لِلَّذِیْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ۔ (آل عمران: ۱۵)

متقین کے لیے ان کے رب کے پاس ایسی جنتیں ہیں جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور پاکیزہ بیویاں ہیں اور اللہ کی رضا اور خوشنودی ہے۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دائمی مسکن بھی جنت ہے اور محبوب کا مسکن بھی محبوب ہوتا ہے اس لیے بھی جنت کو محبوب رکھنا چاہیے۔

اخلاص کے متعلق قرآن مجید کی آیات

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ۔ (البینہ: ۵)

اور ان کو صرف یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اللہ کی عبادت کریں، اخلاص کے ساتھ اس کی اطاعت کرتے ہوئے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ۝ اَلَا لِلّٰهِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ۔ (الزمر: ۳-۲)

بے شک ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ کتاب نازل فرمائی ہے، سو آپ اللہ کی عبادت کیجئے اخلاص کے ساتھ اس کی اطاعت کرتے ہوئے۝ سنو! اللہ ہی کے لیے دین خالص ہے۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِیْرًا۝ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِیْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ (النساء: ۱۴۶-۱۴۵)

بے شک منافقین دوزخ کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے اور (اے مخاطب!) تو ان کے لیے کوئی مددگار نہیں پائے گا۝ سوا ان لوگوں کے جنہوں نے توبہ کی اور نیک کام کیے اور اللہ کے ساتھ مضبوط تعلق قائم کیا اور انہوں نے اخلاص کے ساتھ اللہ کی اطاعت کی سو وہ لوگ ایمان والوں کے ساتھ ہوں گے۔

اخلاص کے متعلق احادیث

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اس حال میں دنیا سے رخصت ہوا کہ وہ اللہ وحدہ کے ساتھ اخلاص پر تھا اور اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہیں کرتا تھا اور نماز قائم کرتا تھا اور زکوٰۃ ادا کرتا تھا تو وہ اس حال میں مرا کہ اللہ اس پر راضی تھا۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۷۰، بوصیری نے کہا اس کی سند ضعیف ہے، حاکم نے کہا اس کی سند صحیح ہے، المستدرک ج ۲ ص ۳۳۲)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب انہیں یمن کی طرف بھیجا گیا تو انہوں نے کہا یا رسول اللہ! مجھے وصیت کیجئے! آپ نے فرمایا اخلاص کے ساتھ اللہ کی اطاعت کرو تمہیں کم عمل بھی کافی ہو گا۔

(حاکم نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے' المستدرک ج ۴ ص ۳۰۶)

مصعب بن سعد اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ ان کا یہ گمان تھا کہ ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اصحاب پر فضیلت حاصل ہے جن کے پاس ان سے کم مال ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس امت کی مدد صرف ضعیف مسلمانوں کی دعاؤں' ان کی نمازوں اور ان کے اخلاص کی وجہ سے فرماتا ہے۔ (سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۱۷۸)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس شخص کو تروتازہ رکھے جس نے میری حدیث سنی' اس کی حفاظت کی اور اس کو یاد رکھا اور اس کی تبلیغ کی' بعض فقہ کے حامل اس کو اپنے سے زیادہ فقیہ تک پہنچا دیتے ہیں۔ تین شخصوں کے دلوں میں کینہ اور حسد نہیں ہوتا جو اخلاص کے ساتھ اللہ کے لیے عمل کرتے ہوں' ائمہ مسلمین کی خیرخواہی کرتے ہوں' اور مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ لازم ہوں' ان کی دعا دوسروں کو بھی شامل ہوتی ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۵۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۶۰' مسند احمد ج ۵ ص ۱۸۳' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۳۵' صحیح ابن حبان رقم الحدیث ۶۸۰' ۱' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۴۸۹۰)

حضرت ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے میرا کوئی شریک نہیں ہے جس نے میرے ساتھ کسی کو (عمل میں) شریک کیا پس وہ (عمل) میرے شریک کے لیے ہے' اے لوگو! اللہ کے لیے اخلاص کے ساتھ اپنے اعمال بجالاؤ' کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ ان ہی اعمال کو قبول فرماتا ہے جو خالص اس کے لیے ہوں اور یہ نہ کہو کہ یہ عمل اللہ کے لیے ہے اور رشتہ داروں کے لیے' کیونکہ پھر وہ عمل رشتہ داروں ہی کے لیے ہے اور اللہ کے لیے وہ عمل بالکل نہیں ہے اور یہ نہ کہو کہ یہ تمہاری خاطر ہے' کیونکہ پھر وہ تمہاری ہی خاطر ہے اور اللہ کے لیے بالکل نہیں ہے۔ (مسند البزار رقم الحدیث: ۳۵۶۷' مؤسسۃ الرسالہ بیروت' ۱۴۰۵ھ)

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا یہ بتائیے ایک آدمی جہاد کرتا ہے وہ اجر کا بھی طالب ہے اور شہرت کا بھی طالب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کے لیے کوئی اجر نہیں ہے۔ اس نے تین بار سوال دہرایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار یہی جواب دیا کہ اس کے لیے کوئی اجر نہیں ہے۔ پھر فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ اس عمل کو قبول فرماتا ہے جو خالص اس کے لیے ہو اور اس عمل سے صرف اس کی ذات کا ارادہ کیا گیا ہو۔ (سنن النسائی رقم الحدیث ۳۱۴۰' دارالمعرفہ بیروت' ۱۴۱۲ھ)

اخلاص کے متعلق صوفیاء اور مشائخ کے اقوال

حافظ شرف الدین الدمیاطی متوفی ۷۰۵ھ لکھتے ہیں:

تمام عبادات کے قبول ہونے اور ان میں اجر و ثواب کے حصول کی شرط یہ ہے کہ ان میں اخلاص ہو' اور ہر وہ عمل جس میں اخلاص نہ ہو وہ ضائع ہونے کے زیادہ قریب ہے اور حضرت سہل بن عبداللہ تستری نے کہا تمام علم دنیا کے لیے ہے اور آخرت کے لیے عمل ہے اور اخلاص کے سوا ہر عمل غبار کے ذرات کی طرح منتشر ہو جائے گا' علماء کے سوا تمام لوگ مردہ ہیں اور باعمل علماء کے سوا تمام علماء بے ہوش ہیں۔ اور اصحاب اخلاص کے سوا تمام باعمل علماء بھی خود فریبی میں مبتلا ہیں اور اصحاب اخلاص بھی خوف زدہ رہتے ہیں حتیٰ کہ انہیں معلوم ہو جائے کہ ان کا خاتمہ کس کیفیت پر ہو گا۔ اگر تم ثواب کے حصول اور اجر آخرت کا ارادہ کرتے ہو تو اخلاص میں کوشش کرو اور اگر اللہ نے تمہاری مدد فرما دی اور تمہیں اعمال صالحہ کی

توفیق دے دی اور تمہاری ہمت کو حصول ثواب کے درجہ سے ترقی دے کر اپنی ذات کریم تک پہنچا دیا اور نیک اعمال سے تمہارا مقصود دوزخ کا خوف ہو نہ جنت کی امید ہو تو پھر اللہ تعالیٰ نے تم کو اخلاص کے سب سے بلند درجہ تک پہنچا دیا اور تم کو اپنے مقربین اور بندگان خواص میں سے کر دیا اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے عطا فرماتا ہے اور اللہ فضل عظیم کا مالک ہے اور اخلاص کی توفیق اس سے ملتی ہے۔ (المتجر الرابح ص ۹۷۴، مطبوعہ دار خضر بیروت ۱۴۱۹ھ)

امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ لکھتے ہیں:

ابو عثمان نے کہا: اخلاص یہ ہے کہ انسان کی دائمی نظر خالق کی طرف ہو اور وہ مخلوق کو بھول جائے۔ اس میں فقط ریاکاری کی آفت کی طرف اشارہ ہے اور بعض نے کہا عمل میں اخلاص یہ ہے کہ تمہارے عمل پر شیطان مطلع نہ ہو کہ وہ اس کو خراب کر سکے اور نہ فرشتہ مطلع ہو کہ وہ اس کو لکھ سکے۔ اس قول میں محض اخفاء کی طرف اشارہ ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ جو چیز مخلوق سے مخفی ہو وہ اخلاص ہے۔ یہ قول مقاصد کا جامع ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ رب کے ساتھ معاملہ کو مخلوق سے خارج کرنا ہے اور حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کون سا عمل خالص ہے فرمایا: جو شخص اللہ کے لیے عمل کرے اور اس پر مخلوق کی تعریف کو پسند نہ کرے۔ فضیل نے کہا: لوگوں کی وجہ سے عمل کو ترک کر دینا ریا ہے اور لوگوں کی وجہ سے عمل کرنا شرک ہے اور اخلاص یہ ہے کہ اللہ تمہیں دونوں سے محفوظ رکھے اور اخلاص کا شافی بیان وہ ہے جو سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آپ سے پوچھا گیا کہ اخلاص کیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ تم کہو کہ میرا رب اللہ ہے پھر اس طرح درست کام کرو جس طرح تمہیں کام کرنے کا حکم دیا گیا ہے یعنی تم اپنے نفس اور اس کی خواہش کی عبادت نہ کرو۔ صرف اپنے رب کی عبادت کرو اور اس کی اس طرح صحیح عبادت کرو جس طرح اس کی عبادت کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ اپنی نظر کو اللہ عزوجل کے ماسوا سے منقطع کر لو اور یہی حقیقت میں اخلاص ہے۔

(احیاء علوم الدین ج ۴ ص ۳۳۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۹ھ)

دوزخ سے نجات اور جنت کے حصول کی دعا کرنا بھی اخلاص کا اعلیٰ درجہ ہے

یہ درست ہے کہ اخلاص کا سب سے اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ دوزخ سے نجات کے لیے عبادت کی جائے نہ جنت کے حصول کے لیے۔ صرف اور صرف اس کی ذات کے لیے اور اس کی رضا کے لیے عبادت کی جائے لیکن اس سے دعا کی جائے کہ وہ دوزخ کے عذاب سے نجات عطا فرمائے اور یہ بھی اخلاص کا اعلیٰ مرتبہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مدح فرمائی ہے جو راتوں کو اٹھ کر دوزخ سے نجات کی دعا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ○ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ○ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ○ (الفرقان: ۶۶-۶۴)

اور جو لوگ اپنے رب کے لیے سجدہ اور قیام کرتے ہوئے رات گزار دیتے ہیں○ اور جو یہ دعا کرتے ہیں اے ہمارے رب ہم سے دوزخ کا عذاب دور فرما دے، بے شک اس کا عذاب چمٹ جانے والی مصیبت ہے○ بے شک وہ ٹھہرنے اور قیام کرنے کی بہت بری جگہ ہے۔

اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سید المخلصین ہے اور آپ بکثرت دوزخ کے عذاب سے پناہ طلب کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کرتے تھے:

اللھم انی اعوذبک من الکسل والھرم — اے اللہ! میں تیری پناہ میں آتا ہوں سستی سے اور بڑھاپے

والمأثم والمغرم ومن فتنة القبر وعذاب القبر ومن فتنة النار وعذاب النار۔ (الحدیث)

سے اور گناہ سے اور قرض سے اور قبر کی آزمائش اور عذاب قبر سے اور دوزخ کے فتنہ سے اور دوزخ کے عذاب سے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۶۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۸۹، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۸۰، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۳۰۸، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۵۰۸۵، عالم الکتب بیروت)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اوقات یہ دعا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔

اے اللہ ہمیں دنیا میں اچھائی عطا فرما اور آخرت میں اچھائی عطا فرما اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۸۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۶۹، ۲۰۶۸، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۸۷، مسند احمد ج ۳ ص ۲۷۷، ۲۰۹، ۲۰۸، ۱۰۷، مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۱۰ ص ۲۶۱، الادب المفرد رقم الحدیث: ۶۸۲، الکامل لابن عدی ج ۳ ص ۱۰۵۵)

سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے بڑھ کر کون صاحب اخلاص ہوگا اور انہوں نے حصول جنت کی دعا کی ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَاجْعَلْنِیْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِیْمِ۔ (الشعراء: ۸۵)

اور مجھے نعمت والی جنت کے وارثوں میں شامل کردے۔

اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سید المخلصین ہیں اور آپ نے حصول جنت کی دعا کی ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کلمات کے ساتھ دعا کرتے تھے۔ یہ متعدد کلمات ہیں ان میں یہ کلمات بھی ہیں:

واسئلک الدرجات العلی من الجنة آمین اللهم انی اسئلک فواتح الخیر و خواتمه و جوامعه و اوله وآخره وظاهره و باطنه والدرجات العلی من الجنة آمین، اللهم و نجنی من النار و مغفرة اللیل والنهار والمنزل الصالح من الجنة آمین، اللهم انی اسئلک خلاصا من النار سالما وادخلنی الجنة آمنا اللهم انی اسئلک ان تبارک لی فی نفسی و فی سمعی و بصری و فی روحی و فی خلقی و فی خلیقتی واهلی وفی محیای ومماتی اللهم و تقبل حسناتی و اسئلک الدرجات العلی من الجنة آمین۔

میں تجھ سے جنت میں بلند درجات کا سوال کرتا ہوں آمین، اے اللہ میں تجھ سے خیر کے مبادی اور خواتم اور جوامع اور اول اور آخر کا اور ظاہر اور باطن کا سوال کرتا ہوں اور جنت میں بلند درجات کا سوال کرتا ہوں آمین، اے اللہ مجھے دوزخ سے نجات دے اور دن اور رات کی مغفرت عطا کر اور جنت میں اچھا گھر عطا کر آمین، اے اللہ میں تجھ سے سلامتی کے ساتھ دوزخ سے نجات کا سوال کرتا ہوں اور مجھے امن کے ساتھ جنت میں داخل فرما، اے اللہ میں تجھ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ تو میرے نفس میں اور میری سمع اور بصر میں اور میری روح میں اور میرے اخلاق میں اور میرے اوصاف میں اور میری زندگی میں اور وفات میں برکت عطا فرما۔ اے اللہ میری نیکیوں کو قبول فرما اور میں تجھ سے جنت میں بلند درجات کا سوال کرتا ہوں۔ آمین۔

(المعجم الکبیر ج ۲۳ ص ۳۱۷-۳۱۶، حافظ الہیثمی نے کہا ہے کہ المعجم الکبیر اور المعجم الاوسط کے رجال ثقہ ہیں، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۷۷)

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اس

وقت آپ نے لاٹھی پر ٹیک لگائی ہوئی تھی۔ جب ہم نے آپ کو دیکھا تو کھڑے ہو گئے، آپ نے فرمایا: ایسا نہ کرو جیسا کہ اہل فارس اپنے سرداروں کے ساتھ کرتے ہیں۔ ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کاش آپ ہمارے لیے دعا کرتے! آپ نے دعا کی:

اللھم اغفرلنا وارحمنا و ارض عنا و تقبل منا وادخلنا الجنۃ ونجنا من النار واصلح لنا شاننا کلہ۔

اے اللہ! ہماری مغفرت فرما، ہم پر رحم فرما اور ہم سے راضی ہو جا اور ہم سے قبول فرما اور ہم کو جنت میں داخل فرما اور ہم کو دوزخ سے نجات دے اور ہمارے تمام کاموں کو درست فرما۔

اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو بھی یہ حکم دیا ہے کہ ہم جنت فردوس کی دعا کریں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا اور اس نے نماز قائم کی اور رمضان کے روزے رکھے اللہ پر (اس کے کرم سے) یہ حق ہے کہ وہ اس کو جنت میں داخل کر دے، خواہ اس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا ہو یا اپنی اس زمین میں بیٹھا رہا ہو جہاں وہ پیدا ہوا ہو۔ صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! کیا ہم لوگوں کو یہ خوشخبری نہ دیں! آپ نے فرمایا: جنت میں سو درجے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کے لیے تیار کیا ہے اور ہر دو درجوں میں اتنا فاصلہ ہے جتنا زمین اور آسمان میں فاصلہ ہے۔ پس جب تم اللہ سے سوال کرو تو اس سے فردوس کا سوال کرو کیونکہ وہ جنت کا اوسط اور جنت کا اعلیٰ ہے اور میرا گمان ہے کہ اس کے اوپر رحمان کا عرش ہے اور جنت کے دریا اس سے نکلتے ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۲۷۹۰، مسند احمد رقم الحدیث ۸۴۰۰، عالم الکتب بیروت، سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۱۵۹، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۸۳، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۷)

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں سو درجے ہیں ہر درجہ میں اتنا فاصلہ ہے جتنا زمین اور آسمان میں فاصلہ ہے اور فردوس سب سے اعلیٰ درجہ ہے، اسی سے جنت کے چار دریا نکلتے ہیں اور اس کے اوپر عرش ہے پس جب تم اللہ سے سوال کرو تو الفردوس کا سوال کرو۔

(السنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۳۱، مسند احمد ج ۵ ص ۳۲۱، ۳۱۶)

ان احادیث سے واضح ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دوزخ سے نجات کی اور جنت کے حصول کی دعا کی ہے اور ہمیں اس دعا کی تلقین بھی کی ہے اور آپ سید المخلصین ہیں۔ لہٰذا دوزخ سے نجات کی دعا کرنا اور جنت کی طلب کی دعا کرنا بھی اخلاص کا اعلیٰ مرتبہ ہے۔ ہم نے اس سلسلہ میں زیادہ تفصیل اس لیے کی ہے کہ ہمارے زمانہ میں ایسے جاہل صوفیاء کا شہرہ ہے جو دوزخ سے نجات اور جنت کے حصول کی دعا کو گھٹیا درجہ کی طلب کہتے ہیں اور اس کو اخلاص کے منافی شمار کرتے ہیں۔

دوزخ سے نجات اور جنت کے حصول کی دعا میں اخلاص کا اعلیٰ مرتبہ اس طرح متحقق ہو گا کہ انسان یہ دعا کسی کو دکھانے یا سنانے کے لیے نہ کرے بلکہ اس لیے یہ دعا کرے کہ دعا کرنا عبادت ہے اور اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اس کے بندے اس سے دعا کریں اور وہ بندوں کے دعا کرنے سے راضی ہوتا ہے لیکن اس کے ذہن میں کسی وقت بھی یہ معنی نہ آئے کہ وہ صرف اللہ کی رضا کے لیے دعا کر رہا ہے ورنہ اس کو جنت میں دخول کی کوئی غرض ہے نہ دوزخ سے نجات کی کوئی تمنا ہے۔ اگر یہ ارادہ کرے گا تو یہ صریح کفر ہے۔ انسان سر تاپا غرض مند اور محتاج ہے اور بے نیاز اور بے غرض صرف اللہ کی ذات ہے۔ انسان پر لازم ہے کہ وہ بندہ ہی رہے خدا نہ بنے!

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک ابلیس نے کہا: اے رب! تیرے عزت و جلال کی قسم! جب تک آدم کے بیٹوں کے جسموں میں ان کی روحیں رہیں گی میں ان کو گمراہ کرتا رہوں گا۔ رب تعالیٰ نے فرمایا مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم! جب تک وہ مجھ سے مغفرت طلب کرتے رہیں گے میں ان کی مغفرت کرتا رہوں گا۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۴۱، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۱۳۰۶، مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ، حافظ حمزہ احمد زین نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۱۲۴۴، دار الفکر بیروت، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۳۲، المستدرک ج ۴ ص ۲۶۱)

صراط مستقیم کی متعدد تفاسیر

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مجھ تک پہنچنے کا یہی سیدھا راستہ ہے۔

امام ابن جریر نے کہا: یہ میری طرف لوٹنے کا راستہ ہے، میں تمام لوگوں کو ان کے اعمال کی جزا دوں گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ۔ (الفجر: ۱۴) — بے شک آپ کا رب خوب دیکھ رہا ہے۔

یہ اس طرح ہے جیسے کوئی شخص کسی کو ڈرانے اور دھمکانے کے لیے کہے میں تمہارے راستے پر ہوں۔

(جامع البیان جز ۱۴ ص ۴۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حضرت عمر بن الخطاب نے کہا یہ اس آیت کا معنی ہے یہ میرا سیدھا راستہ ہے، جس پر چل کر لوگ جنت تک پہنچیں گے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس آیت کا معنی ہے یہ میرے ذمہ ہے کہ لوگوں کو اپنا راستہ دلائل سے بیان کروں یا یہ میرے ذمہ ہے کہ میں لوگوں کو اپنے راستہ کی توفیق اور ہدایت دوں۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۰ ص ۲۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام رازی نے کہا یہ اخلاص مجھ تک پہنچنے کا سیدھا راستہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک میرے بندوں پر تیرا کوئی تسلط نہیں ہے سوا ان گمراہوں کے جو تیری پیروی کریں گے ○ (الحجر: ۴۲)

انسانوں پر جنات کے تسلط کا رد

جب ابلیس نے یہ کہا تھا: میں ضرور ان کے لیے (برے کاموں کو) زمین میں خوشنما بنا دوں گا اور میں ضرور ان سب کو گمراہ کردوں گا سوا ان میں سے تیرے ان بندوں کے جو اصحاب اخلاص ہیں۔ تو اس لعین نے اپنے اس کلام سے یہ وہم ڈالا کہ اللہ کے بندوں میں سے جو اصحاب اخلاص نہیں ہیں ان پر اس کا تسلط ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کا رد کرتے ہوئے فرمایا: بے شک میرے بندوں پر تیرا کوئی تسلط نہیں ہے خواہ وہ اصحاب اخلاص ہوں یا نہ ہوں، بلکہ ان بندوں میں سے جو اپنے اختیار سے ابلیس کی پیروی کرے گا وہ اس کا تابع ہو گا اور یہ پیروی بھی اس وجہ سے نہیں ہو گی کہ ابلیس اس کو زبردستی یا جبر سے اپنا پیروکار بنائے گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ ابلیس نے اپنے اس کلام سے یہ وہم ڈالا تھا کہ اللہ کے جو بندے اصحاب اخلاص نہیں ہیں ان پر اس کا تسلط اور تصرف ہو گا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی اس غلط بیانی یا جھوٹ کو واضح فرمایا اور یہ بتلایا کہ اللہ کے کسی بندے پر ابلیس کو تسلط یا قدرت حاصل نہیں ہے اور اس کی نظیر وہ آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن خود ابلیس کا یہ قول نقل فرمایا ہے:

وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ — اور مجھے تم پر کوئی تسلط حاصل نہ تھا البتہ میں نے تم کو

دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۔ (ابراہیم: ۲۲)

دعوت دی سو تم نے میری دعوت قبول کرلی۔

اور اللہ تعالیٰ نے ایک اور آیت میں فرمایا:

اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ○ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ○ (النحل: ۱۰۰-۹۹)

بے شک شیطان کو ان لوگوں پر کوئی تسلط اور غلبہ حاصل نہیں ہے جو (اللہ پر) ایمان لائے اور وہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں ○ اسے صرف ان لوگوں پر تسلط اور غلبہ حاصل ہے جو اس کے ساتھ دوستی رکھتے ہیں اور اس کو اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں۔

اس آیت میں ان لوگوں کا رد ہے جن کا یہ زعم ہے کہ شیطان اور جن انسان کی عقل زائل کرنے اور اس کے اعضاء پر متصرف ہونے پر قادر ہیں اور جب انسان پر جن چڑھ جاتا ہے تو اس کی زبان سے بولتا ہے اور اس کے ہاتھ پیروں سے تصرف کرتا ہے جیسا کہ عام لوگوں کا یہ عقیدہ ہے' اور ہم نے بارہا کہا ہے کہ اگر عقلاً اور شرعاً اس کا جواز ہوتا تو ایک آدمی کسی شخص کو قتل کر دیتا اور پھر کہتا میں نے اس کو قتل نہیں کیا مجھ پر جو جن چڑھا ہوا تھا اس نے اس کو قتل کیا ہے اس وقت تو میری عقل زائل تھی مجھے کچھ ہوش نہ تھا۔ یہ سب اس جن کی کارستانی ہے تو کیا شریعت میں اس کی گنجائش ہے؟ کیا قرآن کی کسی آیت میں یا کسی حدیث میں کسی صحابی کے قول میں یہ استثناء موجود ہے کہ اس شخص سے قتل کا قصاص نہیں لیا جائے گا جو کسی جن کے زیر اثر یا اس کے زیر تسلط ہو یا دنیا کے کسی بھی قانون میں یہ گنجائش ہے؟

اس اشکال کا جواب کہ اصحاب اخلاص کو بھی شیطان نے لغزش میں مبتلا کیا

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب شیطان کو اللہ کے نیک بندوں پر کوئی تسلط اور قدرت نہیں ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا کے متعلق فرمایا:

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۔ (البقرہ: ۳۶)

پس شیطان نے ان کو اس درخت کے ذریعہ لغزش میں مبتلا کیا اور جہاں وہ رہتے تھے وہاں سے انہیں نکال باہر کیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ شیطان کو ان کے دلوں پر قدرت نہیں ہے اور نہ ان کے اعضاء پر تسلط ہے کہ وہ جبراً ان سے کوئی گناہ کرائے۔ شیطان نے اللہ کی قسم کھا کر ان کو بتایا کہ اس درخت سے کھانے میں ان کا فائدہ ہے۔ حضرت آدم نے سوچا کہ کوئی شخص اللہ کے نام کی جھوٹی قسم نہیں کھا سکتا اور انہوں نے یہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس درخت سے جو منع کیا ہے وہ ممانعت تنزیہی ہے اور وہ یہ بھول گئے کہ یہ ممانعت تحریمی ہے' یا انہوں نے یہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس مخصوص اور مشخص درخت سے منع کیا ہے میں اس نوع کے کسی اور درخت سے کھا لیتا ہوں اور وہ یہ بھول گئے کہ ممانعت اس نوع کے درخت سے تھی۔ الغرض حضرت آدم علیہ السلام کا اس درخت سے کھانا اجتہادی خطا اور نسیان سے تھا ان کا فعل کوئی گناہ نہیں تھا اور ان کا جنت سے زمین پر آنا کوئی سزا نہ تھی بلکہ اپنے مقصد خلقت کی تکمیل اور زمین پر اللہ کی خلافت جاری کرنے کے لیے وہ زمین پر آئے تھے۔ ہم اس کی تفصیل البقرہ میں بیان کر چکے ہیں۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ جنگ احد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اصحاب کو شیطان نے لغزش میں مبتلا کر دیا تھا اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر میدان جہاد سے بھاگ گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى

بے شک جس دن دو فوجیں ایک دوسرے کے بالمقابل

اَلۡجَمۡعٰنِ اِنَّمَا اسۡتَزَلَّهُمُ الشَّيۡطٰنُ بِبَعۡضِ مَا كَسَبُوۡا وَلَقَدۡ عَفَا اللّٰهُ عَنۡهُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ حَلِيۡمٌ ٥ (آل عمران: ۱۵۵)

ہوئی تھیں اس دن جو لوگ تم میں سے پھر گئے تھے' ان کے بعض کاموں کی وجہ سے شیطان ہی نے ان کے قدموں کو لغزش دی تھی اور یقیناً اللہ نے ان کو معاف کر دیا۔ بے شک اللہ بہت بخشنے والا بڑے حلم والا ہے۔

دشمن سے شکست کھا جانا معصیت نہیں تھا' لیکن جب انہوں نے سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم شہید کر دیئے گئے تو وہ مدینہ کی حفاظت کے لیے شہر میں چلے گئے تاکہ دشمن اپنے عزائم میں کامیاب نہ ہو۔ ایک قول یہ ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو پکار رہے تھے تو انہوں نے خوف اور ہراس کے غلبہ کی وجہ سے آپ کی پکار کو نہیں سنا۔ اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ دشمن کی تعداد ان سے کئی گنا زیادہ تھی کیونکہ وہ سات سو تھے اور دشمن تین ہزار تھے اور ان حالات میں شکست کھا جانا بعید نہیں ہے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ جانا ایسی خطا ہے جو جائز نہیں ہے اور ہو سکتا ہے کہ انہوں نے یہ سوچا ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی احد پہاڑ کی کسی جانب نکل گئے ہیں۔ بہر حال ان پر شیطان کا جبر نہ تھا اس نے ان کے دلوں میں مختلف وسوسے ڈال دیئے تھے۔

معلوم یہ ہوتا ہے کہ دشمن کے اچانک پلٹ کر آنے اور اس کے زبردست دباؤ کی وجہ سے ان کے قدم اکھڑ گئے اور وہ بے سوچے سمجھے بھاگ پڑے۔ بہر حال یہ خطا کسی وجہ سے بھی ہوئی ہو اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کر دیا۔

اور تیسرا اعتراض یہ ہے کہ ایک سفر میں شیطان نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو سلا دیا اور ان سے صبح کی نماز قضا ہو گئی۔ امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

زید بن اسلم بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات مکہ کے راستے میں رات کے آخری حصہ میں ایک جگہ پہنچے۔ آپ نے حضرت بلال سے فرمایا کہ وہ مسلمانوں کو نماز کے وقت بیدار کر دیں۔ حضرت بلال کو نیند آ گئی اور باقی مسلمان بھی سو گئے۔ حتیٰ کہ جس وقت وہ بیدار ہوئے تو سورج ان کے اوپر طلوع ہو چکا تھا۔ سب مسلمان گھبرا کر اٹھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ وہ وہاں سے کوچ کریں حتیٰ کہ اس وادی سے نکل جائیں۔ آپ نے فرمایا: اس وادی میں شیطان ہے۔ مسلمان وہاں سے روانہ ہوئے حتیٰ کہ اس وادی سے نکل گئے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک جگہ ٹھہرنے کا حکم دیا اور حضرت بلال کو اذان دینے یا اقامت کہنے کا حکم دیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو نماز پڑھائی۔ پھر ان کی طرف مڑے آپ نے ان کے خوف اور گھبراہٹ کو دیکھا۔ آپ نے فرمایا: اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے ہماری روحوں کو قبض کر لیا تھا اور اگر اللہ چاہتا تو اس وقت کے علاوہ کسی اور وقت میں ہماری روحوں کو لوٹا دیتا پس تم سے جب کسی شخص کی نماز کے وقت آنکھ نہ کھلے یا وہ نماز پڑھنا بھول جائے پھر گھبرا کر اٹھے تو نماز کو اس طرح پڑھ لے جس طرح نماز کو اپنے وقت میں پڑھتا ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکر کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا جس وقت بلال کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے شیطان ان کے پاس گیا اور ان کو لٹا دیا۔ پھر ان کو مسلسل اس طرح تھپکیاں دیتا رہا جس طرح بچہ کو تھپکیاں دی جاتی ہیں حتیٰ کہ بلال سو گئے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بلایا تو حضرت بلال نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ اسی طرح بیان کیا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے بیان فرمایا تھا۔ پس حضرت ابو بکر نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

(موطا امام مالک رقم الحدیث: ۲۶)

اعتراض کی تقریر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ شیطان نے یہ اعتراف کیا ہے کہ اصحاب اخلاص پر شیطان کا کوئی تسلط اور غلبہ نہیں ہے۔ اس تسلط اور غلبہ سے کیا مراد ہے؟ اگر اس سے مراد یہ ہے کہ وہ ان سے زبردستی اور جبر کے ساتھ کوئی گناہ نہیں کرا سکے گا تو اس میں اصحاب اخلاص کی کوئی تخصیص نہیں ہے وہ کسی انسان سے بھی جبراً کوئی گناہ نہیں کرا سکتا، اور اگر اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اس کے وسوسہ کو قبول نہیں کریں گے تو ان مثالوں میں حضرت آدم اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے اس کے وسوسہ کو قبول کر لیا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ اصحاب اخلاص کے دلوں میں اللہ کی خشیت اور اس کے خوف کا اس قدر غلبہ ہے کہ وہ اس کے بہکانے سے قصد اور ارادہ سے اللہ تعالیٰ کی کوئی نافرمانی نہیں کریں گے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے قصد اور ارادہ سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کی وہ بھول گئے تھے اور جنگ احد میں جو اصحاب رسول میدان جہاد سے پیٹھ موڑ کر بھاگے تھے ان کا قصد اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی نہ تھا خوف و ہراس کے غلبہ کی وجہ سے ان کے ذہنوں سے یہ بات نکل گئی تھی کہ میدان سے بھاگنا ان کے لیے جائز نہیں ہے، اور اگر بالفرض یہ معصیت ہو بھی تو اصحاب اخلاص سے مراد انبیاء علیہم السلام ہیں جو معصوم ہیں اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے معصیت صادر ہوئی ہے لیکن انہوں نے فوراً توبہ کر لی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرما دیا اور ان پر حدود جاری ہوئی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انہیں پاک کر دیا اور تیسری مثال نیند کی ہے اور نیند کی وجہ سے نماز کا قضا ہو جانا کوئی گناہ نہیں ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بیان فرمادیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ان سب کے وعدہ کی جگہ جہنم ہے O اس کے سات دروازے ہیں، ہر دروازہ کے لیے ان گمراہوں میں سے تقسیم کیا ہوا حصہ ہے O (الحجر: ۴۴-۴۳)

جہنم کے دروازے اور ان میں عذاب یافتگان

امام عبدالرحمن بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا وہ سات دروازے یہ ہیں۔ جهنم، السعير، لظى، الحطمه، سقر، الجحيم، الهاويه اور یہ سب سے نچلا طبقہ ہے۔

قتادہ نے کہا: یہ ان کے اعمال کے اعتبار سے ان کی منازل ہیں۔

اعمش نے کہا: جہنم کے ابواب کے نام یہ ہیں۔ الحطمه، الهاويه، لظى، سقر، الجحيم، السعير، اور جهنم۔

حسن رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہر فریق کے لیے جہنم کا ایک طبقہ ہے۔

ضحاک نے کہا: ایک دروازہ یہود کے لیے ہے۔ ایک دروازہ نصاریٰ کے لیے ہے، ایک دروازہ الصابئین کے لیے ہے اور ایک دروازہ مجوس کے لیے ہے اور ایک دروازہ مشرکین کے لیے ہے جو کفار عرب ہیں اور ایک دروازہ منافقین کے لیے ہے اور ایک دروازہ اہل توحید کے لیے ہے اور اہل توحید کے لیے جو نجات کی توقع ہے وہ توقع دوسروں کے لیے بالکل نہیں ہے۔

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا بعض اہل دوزخ ایسے ہوں گے جن کے ٹخنوں تک آگ پہنچے گی اور بعض کے کمربند تک آگ پہنچے گی اور بعض کی ہنسلی تک آگ پہنچے گی۔ ان کے اعمال کے اعتبار سے ان کی منازل ہوں گی۔ یہ اس آیت کی تفسیر ہے: لها سبعة ابواب لكل

باب منهم جزء مقسوم ہر دروازہ کے اوپر آگ کے ستر ہزار شامیانے ہیں اور ہر شامیانے میں ستر ہزار خیمے ہیں اور ہر خیمے میں آگ کے ستر ہزار تنور ہیں اور ہر تنور میں ستر ہزار آگ کی کھڑکیاں ہیں اور ہر کھڑکی میں آگ کی ستر ہزار چٹانیں ہیں' اور ہر چٹان کے اوپر آگ کے ستر ہزار پتھر ہیں اور ہر پتھر کے اوپر آگ کے ستر ہزار بچھو ہیں اور ہر بچھو کی آگ کی ستر ہزار دمیں ہیں اور ہر دم میں ستر ہزار ہڈیاں ہیں اور ہر ہڈی میں ستر ہزار زہر کے ڈنک ہیں اور ستر ہزار آگ بھڑکانے والے ہیں۔ آپ نے فرمایا: جو شخص سب سے پہلے جہنم میں داخل ہوگا وہ دروازے پر چار لاکھ جہنم کے پہرہ دار دیکھے گا۔ ان کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ ان کے کھلے ہوئے مونہوں سے ڈاڑھیں دکھائی دے رہی ہوں گی۔ ان کے دلوں سے رحمت نکال لی گئی ہوگی۔ ان میں سے کسی کے دل میں ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی رحم نہیں ہوگا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۷ ص ۲۲۶۶-۲۲۶۵ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ '۱۴۱۷ھ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: جہنم کے دروازے ایک دوسرے کے اوپر تہ بہ تہ ہیں۔ آپ نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ کے اوپر رکھ کر بتایا۔ (جامع البیان رقم الحدیث ۱۶۰۱۴' مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

اکثر مفسرین کا مختار یہ ہے کہ جہنم کے سب سے اوپر کے طبقہ میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے گنہ گار ہوں گا اور یہ طبقہ خالی ہو جائے گا اور اس کے خالی دروازے کھڑکھڑاتے رہیں گے۔ پھر دوسرا طبقہ لظی ہے پھر الحطمہ، پھر سعیر، پھر سقر، پھر الجحیم پھر الحاویہ۔ ضحاک نے کہا سب سے اوپر کے طبقہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے گنہگار ہیں، دوسرے میں نصاریٰ، تیسرے میں یہود، چوتھے میں الصابئون، پانچویں میں المجوس، چھٹے میں مشرکین عرب، ساتویں میں منافقین، آل فرعون اور اہل مائدہ کے کافرین۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے سات حصوں کی تفسیر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ جہنم کے سات حصوں میں سے ایک حصہ ان لوگوں کے لیے ہے جو اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔ ایک حصہ ان لوگوں کے لیے ہے جو اللہ میں شک کرتے ہیں۔ ایک حصہ ان لوگوں کے لیے ہے جو اللہ سے غافل ہیں۔ ایک حصہ ان لوگوں کے لیے ہے جو اپنی شہوات کو اللہ تعالیٰ کے احکام پر ترجیح دیتے ہیں۔ ایک حصہ ان لوگوں کے لیے ہے جو اپنے غیظ کو اللہ کے غیظ کے مقابلہ میں زیادہ قرار دیتے ہیں۔ ایک حصہ ان لوگوں کے لیے ہے جو اپنے حصہ کی رغبت کو اللہ کے مقابلہ میں ترجیح دیتے ہیں اور ایک حصہ ان لوگوں کے لیے ہے جو اللہ کے سامنے سرکشی کرتے ہیں۔

ابو عبداللہ حلیمی نے کہا اگر یہ حدیث ثابت ہو تو مشرکین سے مراد وہ لوگ ہیں جو دو خدا مانتے ہیں اور شک کرنے والوں سے وہ لوگ مراد ہیں جن کو یہ پتا نہیں کہ ان کا کوئی خدا ہے یا نہیں، اور غافلین سے مراد وہ لوگ ہیں جو مطلقاً خدا کا انکار کرتے ہیں جو دہریے ہیں، اور اللہ کے مقابلہ میں اپنی شہوات کو ترجیح دینے والے وہ لوگ ہیں جو گناہوں میں ڈوبے رہتے ہیں کیونکہ وہ اللہ کے رسول کے احکام کی تکذیب کرتے ہیں، اور اللہ کے غیظ سے اپنے غیظ کو زیادہ قرار دینے والے وہ لوگ ہیں جو انبیاء علیہم السلام اور دیگر مبلغین کو قتل کرنے والے ہیں اور نصیحت کرنے والوں پر ظلم کرنے والے ہیں، اور اللہ کے مقابلہ میں اپنی رغبت کو ترجیح دینے والے وہ ہیں جو قیامت اور حساب و کتاب کا انکار کرنے والے ہیں اور جن چیزوں کی طرف ان کی رغبت ہو وہ ان کی عبادت کرنے والے ہیں۔

اگر یہ حدیث ثابت ہو تو اللہ تعالیٰ ہی خوب جاننے والا ہے کہ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے کیا مراد ہے؟ (الجامع لاحکام القرآن ج ۱۰ ص ۲۹-۲۸' التذکرہ ج ۲ ص ۱۲۷-۱۲۶' مطبوعہ بیروت)

إِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۴۵﴾ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَ

بے شک اللہ سے ڈرنے والے جنتوں اور چشموں میں ہوں گے ○ (ان سے کہا جائے گا) تم ان میں بے خوف ہو کر سلامتی کے ساتھ داخل

نَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۴۷﴾

ہو جاؤ ○ ان کے دلوں میں جو رنجشیں ہوں گی ہم ان سب کو نکال لیں گے، (وہ) ایک دوسرے کے بھائی ہو کر مسند نشین ہوں گے ○

لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ ﴿۴۸﴾ نَبِّئْ

ان کو وہاں نہ کوئی تکلیف پہنچے گی اور نہ وہ وہاں سے نکالے جائیں گے ○ آپ میرے بندوں

عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۴۹﴾ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ

کو بتا دیں کہ بے شک میں بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہوں ○ اور یہ کہ میرا عذاب ہی دردناک

الْاَلِيْمُ ﴿۵۰﴾ وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ ﴿۵۱﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ

عذاب ہے ○ اور انہیں ابراہیم کے مہمانوں کا حال سنایئے ○ جب وہ ان کے پاس گئے

وقف لازم

فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا

تو انہوں نے کہا: سلام! ابراہیم نے کہا بے شک ہم تم سے ڈر رہے ہیں ○ انہوں نے کہا آپ نہ ڈریں! بے شک

نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿۵۳﴾ قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ عَلٰٓى اَنْ مَّسَّنِيَ

ہم آپ کو علم والے بیٹے کی بشارت دے رہے ہیں ○ ابراہیم نے کہا کیا تم مجھ کو بیٹے کی بشارت دے رہے ہو حالانکہ

الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ﴿۵۴﴾ قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ

مجھے بڑھاپا پہنچ چکا ہے! سو اب تم کس چیز کی بشارت دے رہے ہو؟ ○ انہوں نے کہا ہم نے آپ کو برحق بشارت دی ہے سو

مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ ﴿۵۵﴾ قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا

آپ مایوس ہونے والوں میں سے نہ ہوں ○ ابراہیم نے کہا اپنے رب کی رحمت سے تو صرف گمراہ لوگ

الضَّآلُّوْنَ ﴿۵۶﴾ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۷﴾ قَالُوْا

مایوس ہوتے ہیں ○ (ابراہیم نے) پوچھا: اے فرشتو! تمہیں اور کیا کام ہے؟ ○ انہوں نے کہا

إِنَّآ أُرْسِلْنَآ إِلَىٰ قَوْمٍ مُّجْرِمِينَ ﴿۵۸﴾ إِلَّآ آلَ لُوطٍ ۖ إِنَّا لَمُنَجُّوهُمْ

بے شک ہم مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں ○ آل لوط کے سوا، بے شک ہم ان سب کو

أَجْمَعِينَ ﴿۵۹﴾ إِلَّا امْرَأَتَهُ قَدَّرْنَا ۙ إِنَّهَا لَمِنَ الْغَابِرِينَ ﴿۶۰﴾

بچا لیں گے ○ سوا اس کی بیوی کے، بیشک ہم فیصلہ کر چکے ہیں کہ بلاشبہ وہ عذاب میں باقی رہ جانے والوں میں سے ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک اللہ سے ڈرنے والے جنتوں اور چشموں میں ہوں گے ○ (ان سے کہا جائے گا) تم ان میں بے خوف ہو کر سلامتی کی ساتھ داخل ہو جاؤ ○ ان کے دلوں میں جو رنجشیں ہوں گی ہم ان سب کو نکال لیں گے (وہ) ایک دوسرے کے بھائی ہو کر مسند نشین ہوں گے ○ ان کو وہاں کوئی تکلیف پہنچے گی اور نہ وہ وہاں سے نکالے جائیں گے ○

(الحجر: ۴۸-۴۵)

متقین کی تحقیق

اللہ سے ڈرنے والے یعنی متقی لوگ، معتزلہ کے نزدیک اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو شرک اور کفر کے علاوہ ہر قسم کے کبیرہ گناہوں سے مجتنب رہے ہوں اور اگر ان سے کوئی کبیرہ گناہ سرزد ہو گیا ہو تو مرنے سے پہلے انہوں نے اس پر توبہ کر لی ہو۔ یہی لوگ آخرت میں جنتوں اور چشموں میں ہوں گے۔

اور جمہور اہلسنّت کے نزدیک اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو کفر اور شرک سے دائماً مجتنب رہے ہوں لیکن متقی ہونے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ انہوں نے ہر ہر کبیرہ گناہ سے اجتناب کیا ہو جس طرح قاتل ہونے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ اس نے انسان کے ہر ہر فرد کو قتل کیا ہو اور عالم ہونے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کو ہر ہر مسئلہ کا علم ہو۔ ایک انسان کو قتل کرنے والا بھی قاتل کہلاتا ہے اور چند عام پیش آنے والے مسائل کو جاننے والا بھی عالم کہلاتا ہے۔ اسی طرح زندگی میں چند بار خوف خدا سے کبیرہ گناہوں کو ترک کرنے والا بھی متقی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّتَانِ ○ جو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اس کے لیے دو جنتیں ہیں۔ (الرحمٰن: ۴۶)

سو جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے زندگی میں ایک بار بھی ڈرا اور خوف خدا سے اس نے کسی کبیرہ گناہ کو ترک کر دیا وہ اس آیت کا مصداق ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ ○ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ ○ اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اور نفس (امارہ) کو اس کی خواہش سے روکا ○ تو بے شک اس کا ٹھکانا جنت ہی ہے ○ (النّزٰعٰت: ۴۰-۳۹)

سو جس شخص نے زندگی میں ایک بار بھی خوف خدا سے اپنی خواہشوں کے منہ زور گھوڑے کو گناہ کی وادی میں دوڑنے سے روک لیا وہ اس آیت کا مصداق ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے کہیں یہ نہیں فرمایا کہ متقی ہونے کے لیے اور جنت کا امیدوار بننے کے لیے ہر ہر گناہ کو ترک کرنا ضروری ہے۔ البتہ کامل متقی وہی شخص ہے جو خوف خدا سے تمام گناہوں سے مجتنب رہے۔ البتہ اگر کبھی نفس اور شیطان کے غلبہ سے وہ گناہ میں ملوث ہو جائے تو فوراً نادم ہو اور اس گناہ سے توبہ کرے۔

ایسے لوگ کامل متقی ہیں اور ان ہی کے متعلق توقع ہے کہ وہ بغیر کسی سزا کے پہلی بار ہی جنت میں چلے جائیں گے اور جن لوگوں نے نیک کام بھی کیے اور خوف خدا سے گناہوں کو ترک بھی کیا اور پھر ان سے گناہ بھی ہو گئے اور انہوں نے ان گناہوں پر توبہ کر لی تو ان کو اپنی مغفرت کی امید رکھنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (التوبہ: ۱۰۲)

اور دوسرے وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا انہوں نے کچھ نیک کاموں کو دوسرے برے کاموں سے ملایا عنقریب اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے گا' بے شک اللہ بہت بخشنے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے ۝

اور جن لوگوں نے نیک کام کیے اور گناہ بھی کیے اور وہ بغیر توبہ کے مرگئے وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہیں اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی شفاعت کا حکم دے گا اور آپ کی شفاعت قبول فرما کر ان کو بخش دے گا یا اپنے فضل محض سے ان کو بخش دے گا یا ان کو دوزخ میں کچھ سزا دے کر نکال لے گا اور پھر ان کو جنت میں داخل فرما دے گا' اور جو لوگ مسلسل گناہ کرتے رہیں اور ان گناہوں پر نادم اور تائب نہ ہوں ان کو یہ توقع نہیں رکھنی چاہیے کہ ان کا حشر متقین کی طرح ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝ (الجاثیہ: ۲۱)

جن لوگوں نے گناہ کیے ہیں کیا انہوں نے یہ گمان کر لیا ہے کہ ہم انہیں ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں کی مثل کر دیں گے کہ ان کی زندگی اور موت برابر ہو جائے' وہ کیسا برا فیصلہ کرتے ہیں!

اور یوں اللہ تعالیٰ مالک الملک ہے وہ چاہے تو ایک پیاسے کتے کو پانی پلانے پر اور راستہ سے کانٹے ہٹا دینے پر ساری عمر کے گناہوں کو معاف فرما دے اور وہ چاہے تو ایک بلی کو بھوکا رکھنے پر دوزخ میں ڈال دے وہ جس کو چاہے معاف کر دیتا ہے اور جس کو چاہے عذاب دیتا ہے۔

چشموں' سلامتی اور امن کی تفسیر

علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ چشموں سے مراد ہیں پانی' شراب' دودھ اور شہد کے دریا۔ اور علامہ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ اس سے پانی' شراب' سلسبیل اور تسنیم کے دریا مراد ہیں۔

ان سے کہا جائے گا تم سلامتی کے ساتھ جنتوں میں داخل ہو جاؤ۔ اس کی تفسیر میں تین قول ہیں۔ (۱) دوزخ سے سلامتی اور حفاظت کے ساتھ جنتوں میں داخل ہو۔ (۲) ہر آفت سے سلامتی کے ساتھ داخل ہو (۳) اللہ تعالیٰ کے سلام کے ساتھ داخل ہو۔

اور ان سے کہا جائے گا تم امن اور بے خوفی کے ساتھ داخل ہو' اس کی تفسیر میں چار قول ہیں: (۱) اللہ کے عذاب سے بے خوف ہو کر داخل ہو۔ (۲) جنت سے نکالے جانے سے بے خوف رہو۔ (۳) موت سے بے خوف رہو۔ (۴) مرض اور مصیبت سے بے خوف رہو۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان کے دلوں میں جو رنجشیں ہوں گی ہم ان سب کو نکال دیں گے۔

یہ آیت پہلے الاعراف: ۴۳ میں گزر چکی اور ہم اس کی مفصل تفسیر وہاں کر چکے ہیں۔

پھر فرمایا: وہ ایک دوسرے کے بھائی ہو کر مسند نشین ہوں گے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: وہ ایک دوسرے کے بالمقابل ہوں گے اور ایک دوسرے کی طرف پیٹھ نہیں کریں گے۔ امام رازی نے فرمایا: جس طرح دو شیشے متقابل ہوں تو ایک کا عکس دوسرے میں نظر آتا ہے' اسی طرح جب جنتی متقابل ہوں گے تو ایک کے انوار دوسرے میں منعکس ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ میرے بندوں کو بتا دیں کہ بے شک میں بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہوں O اور یہ کہ میرا عذاب ہی دردناک عذاب ہے O (الحجر: ۵۰-۴۹)

اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور اس کے عذاب دونوں کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے

اللہ تعالیٰ کے بندوں کی دو قسمیں ہیں متقی اور غیر متقی۔ پہلے اللہ تعالیٰ نے متقین کا ذکر فرمایا تھا اس آیت میں اللہ عزوجل نے غیر متقین کا ذکر فرمایا ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا خاص لطف و کرم یہ ہے کہ بندوں کی نسبت اپنی طرف فرمائی ہے کہ آپ میرے بندوں کو بتا دیں' جیسے اللہ تعالیٰ نے معراج کے ذکر میں فرمایا:

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ۔ سبحان ہے وہ ذات جو رات کے وقت اپنے بندے کو لے گیا۔

(بنو اسرائیل: ۱)

سو یہ اضافت تشریف اور تکریم کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس حکم کو تاکیدات سے مزین کر کے بیان فرمایا ہے۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ میرے بندوں کو بتا دیں کہ میں نے اپنے کرم سے اپنے اوپر اپنے بندوں کی مغفرت کو لازم کر لیا ہے اور چونکہ یہ خدشہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت کی وسعت کا سن کر بندے گناہوں پر دلیر نہ ہو جائیں تو اس کے ساتھ ہی فرمایا اور یہ کہ میرا عذاب ہی دردناک عذاب ہے۔ یعنی لوگ عذاب کے ڈر سے گناہوں سے باز رہیں اور اگر شامت نفس سے کوئی گناہ ہو جائے تو پھر اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت کی امید رکھیں اور مایوس نہ ہوں اور ایمان خوف اور امید کی درمیانی کیفیت کا نام ہے اور اس سلسلہ میں بہت احادیث ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس دن اللہ تعالیٰ نے رحمت کو پیدا کیا تو سو رحمتیں پیدا کیں۔ ننانوے رحمتیں اس نے اپنے پاس رکھ لیں اور تمام مخلوق کے پاس ایک رحمت بھیجی۔ اگر کافر یہ جان لیتا کہ اللہ کے پاس کل کتنی رحمت ہے تو وہ جنت سے مایوس نہ ہوتا اور اگر مومن یہ جان لیتا اللہ کے پاس کل کتنا عذاب ہے تو وہ دوزخ سے بے خوف نہ ہوتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۶۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۵۲' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۴۱' مسند احمد رقم الحدیث: ۸۳۹۶' عالم الکتب بیروت)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر مومن کو یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ کے پاس کتنا عذاب ہے تو کوئی شخص جنت کی خواہش نہ کرے اور اگر کافر یہ جان لے کہ اللہ کے پاس کتنی رحمت ہے تو کوئی شخص جنت سے مایوس نہ ہو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۹۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۵۵)

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ قتادہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر بندہ کو یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کس قدر گناہوں کو معاف فرماتا ہے تو کوئی بندہ حرام کام سے نہ بچے اور اگر وہ یہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ کس قدر عذاب دے گا تو وہ غم و غصہ سے اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۶۰۳۶' تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۲۴۰۷)

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ ایک صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم باب بنو شیبہ سے تشریف لائے آپ نے مسلمانوں کو ہنستے ہوئے دیکھا تو فرمایا: میں تمہیں ہنستے ہوئے کیوں دیکھ رہا ہوں اور چلے گئے۔ پھر دوبارہ الٹے پیر واپس آئے اور فرمایا: ابھی میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے تھے انہوں نے کہا: یا محمد (صلی اللہ علیک وسلم) بے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے آپ میرے بندوں کو کیوں مایوس کر رہے ہیں ان کو بتائیں کہ بے شک میں بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہوں اور بے شک میرا عذاب ہی دردناک عذاب ہے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۶۰۳۷، تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۶۱۲، الدر المنثور ج ۵ ص ۸۶، مسند البزار رقم الحدیث: ۲۲۱۶)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہیں ابراہیم کے مہمانوں کا حال سنائیے○ جب وہ ان کے پاس گئے تو انہوں نے کہا: سلام! ابراہیم نے کہا بے شک ہم تم سے ڈر رہے ہیں○ انہوں نے کہا آپ ڈریں نہیں، بے شک ہم آپ کو علم والے بیٹے کی بشارت دے رہے ہیں○ ابراہیم نے کہا کیا تم مجھ کو (بیٹے کی) بشارت دے رہے ہو!○ حالانکہ مجھے بڑھاپا پہنچ چکا ہے! سو اب تم کس چیز کی بشارت دے رہے ہو؟○ انہوں نے کہا ہم نے آپ کو برحق بشارت دی ہے سو آپ مایوس ہونے والوں میں سے نہ ہوں○ ابراہیم نے کہا اپنے رب کی رحمت سے تو صرف گمراہ لوگ مایوس ہوتے ہیں○ (الحجر: ۵۶-۵۱)

اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوسی کی وجوہات اور اس کا کفر ہونا

پہلے اللہ تعالیٰ نے نبوت پر دلائل دیئے، پھر اس کے بعد توحید کو ثابت فرمایا، پھر قیامت کے احوال بیان کیے اور نیکوکاروں اور بدکاروں کا حال بیان فرمایا۔ اب اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کے واقعات شروع فرما رہا ہے تاکہ ان واقعات کو سن کر عبادت کا زیادہ ذوق اور شوق پیدا ہو اور ان کے منکرین کے انجام سے عبرت حاصل ہو۔ اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب دینے کے لیے بھیجا تھا وہ جاتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس گئے اور ان کو سلام کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ نے جواب میں فرشتوں کو سلام کہا اور فرمایا: ہم تم سے خوف زدہ ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس لیے خوف زدہ ہوئے تھے کہ انہوں نے ان کو مہمان سمجھ کر ان کے آگے بھنا ہوا گوشت رکھا تو انہوں نے اس کو نہیں کھایا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ بغیر اجازت کے ان کے گھر آ گئے تھے یا کسی نامناسب وقت میں آئے تھے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام ڈرے اور گھبرا گئے۔ انہوں نے کہا: آپ ہم سے مت ڈریں ہم تو آپ کو ایک علم والے بیٹے کی بشارت دینے آئے ہیں۔ ان کی اس سے مراد حضرت اسحٰق علیہ السلام تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس پر تعجب ہوا کہ اب وہ بوڑھے ہو چکے ہیں کیا بڑھاپے میں ان کے ہاں بیٹا ہو گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی قدرت کا انکار نہیں کر رہے تھے بلکہ وہ یہ جاننا چاہتے تھے کہ آیا اللہ تعالیٰ ان کو جوان بنا دے گا یا اسی حالت میں ان کے ہاں بیٹا ہو جائے گا۔ ان کو بہت عرصہ سے بیٹے کی تمنا تھی جب انہوں نے یہ بشارت سنی تو وہ حیران بھی ہوئے اور بہت خوش بھی ہوئے انہوں نے جو کہا سو اب تم کس چیز کی بشارت دے رہے ہو تو وہ اس بشارت کو دوبارہ سننا چاہتے تھے۔ کیونکہ انسان خوشی کی خبر کو بار بار سننا چاہتا ہے۔ فرشتوں نے پھر یہی خوشخبری سنائی اور کہا: ہم نے آپ کو برحق بشارت دی ہے سو آپ مایوس ہونے والوں میں سے نہ ہوں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اپنے رب کی رحمت سے تو صرف گمراہ لوگ مایوس ہوتے ہیں۔ کیونکہ انسان اللہ تعالیٰ کی رحمت سے یا تو اس وجہ سے مایوس ہوتا ہے جب اسے اللہ تعالیٰ کی قدرت پر یقین نہ ہو یا وہ یہ سمجھتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کو بندوں کی ضروریات کا علم نہیں ہوتا۔ یا وہ اللہ تعالیٰ کو بخیل سمجھتا ہو پھر اس کی عطا سے مایوس

ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عطا سے وہی شخص مایوس ہوتا ہے جس کا اللہ تعالیٰ کے عالم، قادر اور جواد اور فیاض ہونے پر ایمان نہ ہو اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ان صفات پر ایمان نہ ہونا کھلی گمراہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (ابراہیم نے) پوچھا اے فرشتو! تمہیں اور کیا کام ہے؟ ○ انہوں نے کہا بے شک ہم مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں ○ آل لوط کے سوا، بے شک ہم ان سب کو بچالیں گے ○ سوا اس کی بیوی کے، بے شک ہم فیصلہ کر چکے ہیں کہ بلاشبہ وہ عذاب میں باقی رہ جانے والوں میں سے ہے ○ (الحجر: ۶۰-۵۷)

خطب کے معنی ہیں عظیم الشان کام، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ ان کے پاس متعدد فرشتے آئے ہیں تو انہوں نے جان لیا کہ وہ ان کے پاس صرف بیٹے کی بشارت دینے نہیں آئے ہیں بلکہ وہ کسی اور زبردست کام کے لیے آئے ہیں اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا: اے فرشتو تم اور کس کام کے لیے آئے ہو؟ تو فرشتوں نے بتایا کہ ہم حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے منکروں اور مجرموں کو عذاب دینے کے لیے آئے ہیں، ماسوا ان لوگوں کے جو حضرت لوط علیہ السلام کے متبع اور ان کی قوم کے مومنین ہیں۔ ہم ان سب کو نجات دے دیں گے اور منکرین پر عذاب نازل کریں گے۔

فرشتے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے تھے اور ان سے جو گفتگو کی تھی اس کی مکمل تفسیر ہم ھود: ۷۰-۶۹ میں بیان کر چکے ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مکمل سوانح اور ان کی زندگی کے اہم واقعات ہم الانعام: ۸۲-۷۴ میں بیان کر چکے ہیں اور ان کا کچھ تذکرہ ہم نے ابراہیم: ۴۱-۳۵ میں بھی کیا ہے۔ سو جو قارئین ان آیات کی تفسیر میں مکمل بصیرت حاصل کرنا چاہتے ہوں وہ ان آیتوں کی تفسیر کا مطالعہ فرمالیں۔

فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ ِۨالْمُرْسَلُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿۶۲﴾

پھر جب فرشتے لوط کے گھر گئے ○ لوط نے کہا بے شک تم ناآشنا لوگ ہو ○

قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ﴿۶۳﴾ وَاَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ

فرشتوں نے کہا بے شک ہم آپ کے پاس اس عذاب کو لے کر آئے ہیں جس میں یہ لوگ شک کرتے ہیں ○ اور ہم آپ کے

وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۶۴﴾ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَاتَّبِعْ

پاس برحق عذاب لے کر آئے ہیں اور بے شک ہم ضرور سچے ہیں ○ سو آپ کچھ رات گزرنے کے بعد اپنے گھر والوں کو لے کر روانہ ہوں اور آپ ان

اَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ وَّامْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۵﴾

سب کے پیچھے چلیں، اور آپ میں سے کوئی شخص پیچھے مڑ کر نہ دیکھے اور آپ سب وہاں جائیں جہاں کا آپ کو حکم دیا گیا ہے ○

وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ﴿۶۶﴾

اور ہم نے لوط کو اس فیصلہ سے مطلع کیا کہ جس وقت یہ لوگ صبح کر رہے ہوں گے تو ان کی جڑ کاٹ دی جائے گی ○

وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۶۷﴾ قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ

دریں اثناء شہر کے لوگ اظہار خوشی کرتے ہوئے آگئے ○ لوط نے کہا بیشک یہ میرے مہمان ہیں تم

فَلَا تَفْضَحُوْنِ ﴿۶۸﴾ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ ﴿۶۹﴾ قَالُوْٓا اَوَلَمْ

(ان کے معاملہ میں) مجھے شرمندہ نہ کرو ○ اور اللہ سے ڈرو اور مجھے بے آبرو نہ کرو ○ ان لوگوں نے کہا کیا ہم نے آپ کو

نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۰﴾ قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ

دنیا کے لوگوں (کو ٹھیرانے) سے منع نہیں کیا تھا؟ ○ لوط نے کہا یہ میری (قوم کی) بیٹیاں ہیں (ان سے نکاح کرلو) اگر تم

فٰعِلِيْنَ ﴿۷۱﴾ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۷۲﴾

کچھ کرنے والے ہو ○ (اے محمد!) آپ کی زندگی کی قسم! وہ اپنی مستی میں مدہوش ہو رہے تھے ○

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ﴿۷۳﴾ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا

سو جب ان پر سورج چمک رہا تھا تو ایک زبردست چیخ نے ان کو پکڑ لیا ○ پس ہم نے ان کی بستیوں کے اوپر کے حصہ کو نیچے کا

وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ﴿۷۴﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

حصہ کردیا اور ہم نے ان پر کھنگر کے سنگریزے برسائے ○ بے شک اس (قصہ) میں

لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ﴿۷۵﴾ وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ﴿۷۶﴾ اِنَّ فِيْ

اہل فراست کے لیے نشانیاں ہیں ○ اور بے شک وہ بستیاں عام راستے پر واقع ہیں ○ اور بے شک

ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۷﴾ وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ

اس میں ایمان لانے والوں کے لیے نشانی ہے ○ اور بے شک اصحاب الایکہ (گھنے جنگل والے)

لَظٰلِمِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۘ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۹﴾

ظلم کرنے والے تھے ○ سو ہم نے ان سے انتقام لے لیا اور یہ دونوں بستیاں عام گزرگاہ پر ہیں ○

ع ۵ ۱۹ ۵ — وقف لازم

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر جب فرشتے لوط کے گھر گئے ○ لوط نے کہا بے شک تم ناآشنا لوگ ہو ○ فرشتوں نے کہا بے شک ہم آپ کے پاس اس عذاب کو لے کر آئے ہیں جس میں یہ لوگ شک کرتے ہیں ○ اور ہم آپ کے پاس برحق عذاب لے کر آئے ہیں اور بے شک ہم ضرور سچے ہیں ○ سو آپ کچھ رات گزرنے کے بعد اپنے گھر والوں کو لے کر روانہ

ہوں اور آپ ان سب کے پیچھے چلیں' اور آپ میں سے کوئی شخص مڑ کر نہ دیکھے' اور آپ سب وہاں جائیں جہاں کا آپ کو حکم دیا گیا ہے○ (الحجر: ۶۵-۶۱)

فرشتوں کا حضرت لوط کے پاس حسین و جمیل لڑکوں کی صورت میں جانا

جب فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو فرزند کی خوشخبری دے دی اور یہ بتایا کہ وہ ایک مجرم قوم کو عذاب دینے کے لیے آئے ہیں' پھر اس کے بعد وہ حضرت لوط علیہ السلام کی آل کے پاس اور ان کے گھر گئے' حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو اجنبی شکلوں میں دیکھا تو کہا تم اجنبی اور نا آشنا لوگ ہو' دوسرا احتمال یہ ہے کہ منکرون انکار سے بنا ہے یعنی تم پر انکار کیا گیا ہے' کیونکہ وہ بہت حسین و جمیل نوجوانوں کی صورتوں میں آئے تھے اور قوم لوط خوبصورت لڑکوں کے ساتھ برا فعل کرتی تھی۔ تو حضرت لوط علیہ السلام نے ان پر انکار کیا کہ ان کی وجہ سے وہ اپنی قوم کے کسی فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ فرشتوں نے کہا جس عذاب میں آپ کی قوم کے کافر اور منکر شک کرتے ہیں ہم اس عذاب کو نازل کرنے کے لیے آئے ہیں اور اس عذاب کا نازل ہونا بالکل یقینی اور برحق ہے۔ اس عذاب سے محفوظ رہنے کے لیے کچھ رات گزارنے کے بعد آپ اپنے گھر والوں کو لے کر روانہ ہوں اور آپ ان سب کے پیچھے چلیں تاکہ ان میں سے کوئی واپس نہ جا سکے مبادا اس پر بھی عذاب نازل ہو جائے اور آپ میں سے کوئی شخص پیچھے مڑ کر نہ دیکھے' کیونکہ ہو سکتا ہے کہ عذاب کو دیکھ کر اس پر دہشت طاری ہو اور اس کے ہوش و حواس جاتے رہیں۔ اور آپ سب وہاں جائیں جہاں کا آپ کو حکم دیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: اس سے مراد ملک شام ہے اور مفضل نے کہا آپ وہاں جائیں جہاں کے متعلق آپ سے جبریل نے کہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے لوط کو اس فیصلہ سے مطلع کیا کہ جس وقت یہ لوگ صبح کر رہے ہوں گے تو ان کی جڑ کاٹ دی جائے گی○ دریں اثناء شہر کے لوگ اظہار خوشی کرتے ہوئے آگئے○ لوط نے کہا بے شک یہ میرے مہمان ہیں تم (ان کے معاملہ میں) مجھے شرمندہ نہ کرو○ اور اللہ سے ڈرو اور مجھے بے آبرو نہ کرو○ ان لوگوں نے کہا کیا ہم نے آپ کو دنیا کے لوگوں (کو ٹھہرانے) سے منع نہیں کیا تھا؟○ لوط نے کہا یہ میری (قوم کی) بیٹیاں ہیں (ان سے نکاح کر لو) اگر تم کچھ کرنے والے ہو○ (الحجر: ۷۱-۶۶)

قوم لوط کا اپنی ہوس پوری کرنے کے لیے ان لڑکوں پر ہجوم کرنا

اور ہم نے لوط کی طرف یہ وحی کی کہ صبح کے وقت ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جائے گی اور شہر کے لوگ حضرت لوط علیہ السلام کے پاس اظہار خوشی کرتے ہوئے آئے۔ کیونکہ وہ فرشتے بہت حسین و جمیل صورتوں میں آئے تھے اور کسی طرح شہر کے لوگوں کو پتا چل گیا کہ گھر میں خوبصورت لڑکے آئے ہوئے ہیں تو وہ بہت خوش ہوئے کہ ان کو اپنی ہوس پوری کرنے کا موقع ملے گا۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت لوط کی بیوی نے ان کو یہ خبر پہنچائی تھی۔ انہیں بتایا گیا کہ حضرت لوط کے گھر تین بے ریش لڑکے آئے ہوئے ہیں اور وہ اس قدر خوبصورت ہیں کہ اتنے خوبصورت لڑکے اس سے پہلے نہیں دیکھے گئے۔ تو پھر شہر کے لوگ حضرت لوط علیہ السلام کے پاس اظہار خوشی کرتے ہوئے پہنچے کہ اب ان کی ہوس عمدہ طریقہ سے پوری ہو سکے گی۔

حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا: یہ میرے مہمان ہیں تم ان کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو اور مجھے شرمندہ اور بے عزت نہ کرو۔ کیونکہ تم جو کام ان سے کرنا چاہتے ہو وہ کام جس کے ساتھ کیا جائے' وہ اس کے لیے بہت عار اور ذلت کا موجب ہوتا ہے اور وہ میرے مہمان ہیں اور مہمان کی عزت اور تکریم کی جاتی ہے اور تم ان کی بے عزتی کرنے پر تلے ہوئے ہو' اور مہمان کی بے عزتی میزبان کی بے عزتی ہوتی ہے سو تم مجھے بے عزت اور بے آبرو نہ کرو۔ ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہم پہلے

ہی تمہیں آگاہ کر چکے تھے کہ اجنبی لوگوں اور مسافروں کو مہمان نہ بنایا کرو اور اپنے پاس نہ ٹھہرایا کرو کیونکہ وہ لوگ اجنبیوں اور مسافروں کے ساتھ یہ کام کیا کرتے تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا: اگر تم پر شہوت کا بہت غلبہ ہے تو یہ میری قوم کی بیٹیاں ہیں ان سے نکاح کر کے اپنی شہوت پوری کر لو۔ آپ نے اپنی قوم کی بیٹیوں کو اپنی بیٹیاں فرمایا کیونکہ نبی اپنی قوم کے لیے بہ منزلہ والد ہوتا ہے اور قوم کی بیٹیاں اس کی بیٹیوں کے منزلہ میں ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے محمد!) آپ کی زندگی کی قسم! وہ اپنی مستی میں مدہوش ہو رہے تھے۔ (الحجر: ۷۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی قسم

اس آیت کے دو محمل ہیں ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم کھا کر قوم لوط کے متعلق فرمایا کہ وہ اپنی شہوت کی مستی میں مدہوش ہو رہے تھے اور حضرت لوط علیہ السلام کے سمجھانے اور منع کرنے کے باوجود فرشتوں سے اپنی ہوس پوری کرنا چاہتے تھے جو حسین و جمیل لڑکوں کی صورتوں میں آئے تھے اور ان آیات کے سیاق و سباق کے بھی یہی معنی مناسب ہے اور دوسرا محمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کفار مکہ کے متعلق ہے جو کفر و شرک کے نشہ میں مدہوش ہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کرنے اور بار بار معجزات دکھانے کے باوجود ہدایت کو قبول نہیں کرتے۔ اس صورت میں یہ سیاق و سباق کے نظم اور ربط سے الگ جملہ معترضہ ہے۔ بہر حال ہر صورت میں اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی قسم کھائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے علاوہ اور کسی نبی کی زندگی کی قسم نہیں کھائی اور آپ کی زندگی کی قسم کھا کر اللہ تعالیٰ نے آپ کی نہایت تعظیم اور بے حد تکریم فرمائی ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آپ کے سوا کسی نبی کی زندگی کی قسم نہیں کھائی گویا کہ فرمایا: اے محمد! تمہاری زندگی کی قسم اور دنیا میں تمہاری عمر اور بقا کی قسم! (تفسیر امام ابن ابی حاتم، رقم الحدیث: ۱۲۴۲۰)

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنا صفی بنا کر نوازا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنا کر سرفراز کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شرف ہم کلامی عطا کیا۔ حضرت عیسیٰ کے متعلق فرمایا: وہ روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں اور ہمارے رسول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا محبوب بنایا اور آپ کی زندگی کی قسم کھائی اور یہ وہ فضیلت ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے سوا کسی اور نبی اور رسول کو عطا نہیں فرمائی۔

اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے والطور فرما کر پہاڑ طور کی قسم کھائی ہے اور لا اقسم بھذا البلد (البلد: ۱) فرما کر شہر مکہ کی قسم کھائی ہے تو اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کی بھی قسم کھائی ہو تو اس میں آپ کی کیا خصوصیت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہر چیز کا مقابلہ اس کی جنس کے افراد میں ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے پہاڑ طور کی قسم کھا کر یہ ظاہر فرمایا کہ پہاڑوں کی جنس میں جو پہاڑ اللہ کو محبوب ہے وہ پہاڑ طور ہے اور شہر مکہ کی قسم کھا کر یہ ظاہر فرمایا کہ شہر تو دنیا میں اور بہت ہیں لیکن جو شہر اللہ کو پیارا ہے وہ شہر مکہ ہے اور جب اللہ تعالیٰ نے آپ کی زندگی کی قسم کھائی تو یہ ظاہر فرمایا کہ زندگیاں تو اور نبیوں رسولوں نے بھی گزاری ہیں لیکن جس نبی کی گزاری ہوئی زندگی اللہ کو محبوب ہے وہ اے محمد مصطفیٰ! وہ تمہاری زندگی ہے اور جس رسول کی گزاری ہوئی زندگی پر اللہ کو فخر ہے وہ اے پیارے رسول تمہاری زندگی ہے۔

جن خصوصیات کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی قسم کھائی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں وہ کون سی ایسی خصوصیات ہیں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کی قسم کھائی، ہم یہاں ان میں سے چند خصوصیات کا ذکر کر رہے ہیں۔

(ا) باقی انبیاء علیہم السلام نے اپنی نبوت اور رسالت کو خارجی معجزات سے ثابت کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی نبوت اور رسالت کے اثبات کے لیے کسی خارجی دلیل کی احتیاج نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ (یونس: ۱۶)

آپ کہئے کہ اگر اللہ چاہتا تو میں تم پر اس (قرآن) کی تلاوت نہ کرتا اور نہ تم کو اس کی خبر دیتا، سو میں تم میں اس سے پہلے اپنی زندگی کا ایک حصہ گزار چکا ہوں، کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے!

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تمہاری نبوت کے اثبات کے لیے ان میں تمہاری گزاری ہوئی زندگی کافی ہے۔

حضرت خدیجہ آپ کی بیوی ہیں، اور بیوی شوہر کی تمام خوبیوں اور خامیوں سے اور اس کی تمام عظمتوں اور تمام کمزوریوں سے واقف ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ اور لوگ کسی کے معتقد ہوں تو ہوں بیوی کسی کی معتقد نہیں ہوتی۔ لیکن ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا اعجاز یہ ہے کہ سب سے پہلے جو آپ کی نبوت پر ایمان لائیں وہ آپ کی بیوی حضرت خدیجہ تھیں۔ یا پھر کسی شخص کا دوست اس کے احوال سے واقف ہوتا ہے اور آپ پر مردوں میں جو سب سے پہلے ایمان لائے وہ آپ کے دوست حضرت ابوبکر صدیق تھے اور نوکر اور غلام بھی مالک کا معتقد نہیں ہوتا اور آپ پر پہلے ایمان لانے والوں میں آپ کے غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ تھے اور وہ آپ کی زندگی سے اس قدر متاثر اور آپ کے اس قدر گرویدہ تھے کہ جب یمن سے ان کے اعزہ ان کو آپ کی غلامی سے آزاد کرانے کے لیے آئے تو انہوں نے آزادی کے مقابلہ میں آپ کی غلامی میں رہنے کو ترجیح دی۔

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

جمیل بن مرثد الطائی وغیرہ بیان کرتے ہیں کہ زید بن حارثہ کی والدہ سعدی اپنی قوم سے ملنے گئی۔ زید بھی ان کے ہمراہ تھے۔ بنو القین بن جسر نے زمانہ جاہلیت میں بنو معن کے گھروں پر لوٹ مار کے لیے حملہ کیا اور وہ زید کو بھی اٹھا کر لے گئے۔ زید اس وقت کم عمر لڑکے تھے۔ وہ ان کو لے کر عکاظ کے بازار میں گئے اور ان کو فروخت کرنے لگے۔ حکیم بن حزام نے ان کو اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ کے لیے چار سو درہم میں خرید لیا اور جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے نکاح کیا تو انہوں نے زید آپ کو بطور ہدیہ دے دیا۔ زید کے والد اور چچا زید کو ڈھونڈتے پھر رہے تھے۔ ان کے والد کو بتایا گیا کہ فلاں جگہ زید غلامی کے ایام گزار رہے ہیں۔ پس زید کے والد حارثہ اور ان کے چچا فدیہ کی رقم لے کر مکہ پہنچے۔ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دریافت کیا انہیں بتایا گیا کہ آپ مسجد میں ہیں وہ دونوں مسجد میں گئے اور پکار کر کہا: اے عبدالمطلب کے بیٹے! اے سردار قوم کے بیٹے! آپ لوگ اللہ کے حرم کے رہنے والے ہیں، آپ قیدیوں کو آزاد کرتے ہیں اور اسیروں کو کھانا کھلاتے ہیں، ہم اپنے بیٹے اور آپ کے غلام کے سلسلہ میں آپ کے پاس آئے ہیں، آپ ہم پر احسان فرمائیں اور اس کا فدیہ لے کر اس کو آزاد کر دیں۔ آپ نے پوچھا وہ کون ہے؟ انہوں نے کہا: زید بن حارثہ! آپ نے فرمایا: میں اس کو بلاتا ہوں، تم اس کو اختیار دینا اگر وہ تمہارے ساتھ جانا پسند کرے تو میں بغیر فدیہ لیے اس کو تمہارے حوالے کر دوں گا اور اگر وہ میرے ساتھ رہنا پسند کرے تو جو میرے ساتھ رہنا پسند کرے سو میں اس کو چھوڑنے والا نہیں ہوں۔ انہوں نے اس تجویز کو منظور کر لیا۔ آپ نے زید کو بلایا اور پوچھا: کیا تم ان لوگوں کو پہچانتے ہو؟ زید نے کہا: ہاں یہ میرے باپ ہیں اور یہ میرے چچا ہیں۔ فرمایا: اور مجھے تو تم جانتے ہو اور میری رفاقت کو پہچانتے ہو۔ اب تم مجھے اختیار کر لو یا ان کو اختیار کر لو۔ حضرت زید بن حارثہ نے کہا: میں آپ کے مقابلہ میں کسی کو بھی اختیار نہیں کر سکتا آپ ہی میرے باپ اور چچا کے حکم میں ہیں۔ حضرت زید کے والد اور چچا

نے کہا: اے زید تم پر افسوس ہے! کیا تم غلامی کو آزادی پر ترجیح دے رہے ہو! اور اپنے باپ، اپنے چچا اور اپنے گھر والوں پر ان کو ترجیح دے رہے ہو! حضرت زید بن حارثہ نے کہا: میں نے اس کریم شخص کی زندگی میں وہ چیز دیکھی ہے کہ میں ان کے مقابلہ میں کسی کو اختیار نہیں کر سکتا! (الاصابہ ج ۲ ص ۴۹۵-۴۹۲، رقم: ۲۸۹۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی زندگی گزاری کہ آپ کی نبوت کے ثبوت کے لیے کسی اور معجزہ کی ضرورت نہ تھی۔ صرف آپ کی زندگی کافی تھی اور بغیر کسی معجزہ کے صرف اسی زندگی کو دیکھ کر حضرت خدیجہ، حضرت ابو بکر، حضرت علی اور حضرت زید بن حارثہ ایمان لے آئے۔ اور اس زندگی کو دیکھ کر حضرت زید بن حارثہ نے آزادی کے مقابلہ میں آپ کی غلامی میں رہنے کو پسند کر لیا۔ یہ ایسی باکمال زندگی تھی جو کسی اور نبی اور رسول کی نہ تھی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کی زندگی کی قسم کھائی اور فرمایا لعمرک!

جس شخص نے آپ کی زندگی کو جتنا قریب سے اور جتنی جلدی دیکھا وہ اتنی جلدی مسلمان ہو گیا اور جس نے آپ کی زندگی کو جس قدر دور سے اور جتنی دیر سے دیکھا وہ اتنی دیر سے مسلمان ہوا۔

آپ نے تمام نبیوں میں سب سے کم زندگی پائی اور سب سے زیادہ متبعین اور پیروکار چھوڑے۔

دیگر نبیوں اور رسولوں کی تبلیغ سے انسان بھی بمشکل مسلمان ہوتے تھے۔ آپ کی تبلیغ سے انسان مسلمان ہوئے، جن مسلمان ہوئے، درختوں، پتھروں اور حیوانوں نے کلمہ پڑھا حتیٰ کہ آپ کے ساتھ رہنے والا شیطان بھی آپ کا مطیع اور مسلمان ہو گیا۔

لاکھ ستارے ہر طرف ظلمت شب جہاں جہاں
ایک طلوع آفتاب دشت و جبل سحر سحر

کسی نبی اور کسی رسول کی پوری زندگی اور سیرت محفوظ نہیں ہے۔ یہ صرف آپ کا امتیاز ہے کہ پیدائش سے لے کر وصال تک آپ کی زندگی کا ہر ہر باب محفوظ ہے۔ آپ کے تمام ارشادات گرامی قلم بند کر لیے گئے۔ آپ نے جو کہا، جو کیا اور آپ کے سامنے جو کیا گیا وہ سب صفحات حدیث میں موجود ہے اور آپ کے ہر قول اور ہر فعل سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے۔

آپ نے لوگوں کو جو کام کرنے کا حکم دیا خود اس سے زیادہ کر کے دکھایا لوگوں کو دن اور رات میں پانچ فرض نمازیں پڑھنے کا حکم دیا اور خود بہ شمول تہجد چھ نمازیں پڑھتے تھے۔ لوگوں سے کہا: چالیسواں حصہ زکوٰۃ دو اور خود سب کچھ دے دیتے تھے، پاس کچھ نہیں رکھتے تھے۔ فرمایا: اگر کوئی شخص ترکہ چھوڑ کر مر گیا تو وہ اس کے وارثوں کا ہے اور اگر وہ قرض چھوڑ کر مر گیا تو اس کو میں ادا کروں گا۔ لوگوں سے کہا: طلوع فجر سے غروب آفتاب تک روزے رکھو اور خود سحر اور افطار کے بغیر مسلسل روزے رکھے۔ لوگوں سے کہا: چار بیویوں میں عدل کرو اور خود بیک وقت نو ازواج مطہرات کے درمیان عدل کر کے دکھایا۔

دشمنانِ جان کو معاف کر دینا بھی کمال ہمت اور حوصلہ کی بات ہے لیکن آپ نے تو دشمنانِ جان کو انعامات اور احسانات سے نوازا۔ ابو سفیان نے متعدد بار مدینہ پر حملے کیے لیکن فتح مکہ کے بعد جب حضرت عباس ان کو لے کر آئے تو نہ صرف یہ کہ آپ نے ان کو معاف فرما دیا بلکہ فرمایا: جو ابو سفیان کے گھر میں داخل ہو گا اس کو بھی امان ہو گی۔ جب مکہ میں قریش قحط سے بھوکے مر رہے تھے تو ابو سفیان نے آپ سے ان کے لیے دعا کی درخواست کی تو آپ نے ان کے لیے دعا کر

دی۔ سراقہ بن مالک بن جعشم سو اونٹوں کے لالچ میں آپ کو قتل کرنے کے لیے ہجرت کے موقع پر آپ کا پیچھا کر رہا تھا لیکن جب اس کی سواری زمین میں دھنس گئی تو اس نے آپ سے درخواست کی کہ آپ زمین کو حکم دیں کہ وہ مجھے چھوڑ دے تو آپ کے حکم سے زمین نے اس کو چھوڑ دیا' پھر اس نے کہا: آپ مجھے امان لکھ کر دے دیں تو آپ نے عامر بن فہیرہ کو حکم دیا اور اس نے ایک چمڑے پر امان لکھ کر دے دی۔ آپ نے فرمایا: مجھے اس لیے بھیجا گیا ہے کہ میں مکارم اخلاق کو مکمل کردوں۔ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کی زندگی شاہانہ زندگی تھی اس میں فقر کا نمونہ نہ تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں ازدواجیات کا نمونہ نہ تھا' حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں جلال تھا' جمال کا نمونہ نہ تھا۔ تمام نبیوں اور رسولوں میں صرف آپ کی زندگی ایسی کامل ہے کہ اس میں حیات انسانی کے تمام شعبوں کے لیے رہنمائی اور نمونہ ہے۔ آپ نے بکریاں چرائیں اور ان کا دودھ دوہا' چرواہوں اور گوالوں کو اعزاز بخشا' اپنے کپڑے دھولیے' اپنی جوتی کی مرمت کی' خندق کھودی' تجارت کی' نمازوں میں امامت کی اور اپنے اصحاب کی اقتداء میں نماز پڑھی۔ شوہر کے لیے' باپ کے لیے' فرمانروائے سلطنت کے لیے' تاجر کے لیے' آجر کے لیے' حتیٰ کہ زمین کھودنے والے مزدور کے لیے بھی آپ کی زندگی میں نمونہ ہے۔ آپ نے انسانیت کے ہر شعبہ کے لیے رہنمائی کی ہے اور بھرپور اور کامل زندگی گزاری اور ایسی زندگی گزاری ہے کہ کسی نبی اور رسول نے ایسی جامع اور محیط زندگی نہیں گزاری۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے کسی نبی اور کسی رسول کی زندگی کی قسم نہیں کھائی۔ صرف آپ کی زندگی کی قسم کھائی اور فرمایا لعمرک اے محمد! تمہاری زندگی کی قسم!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو جب ان پر سورج چمک رہا تھا تو ایک زبردست چیخ نے ان کو پکڑ لیا ○ پس ہم نے ان کی بستیوں کے اوپر کے حصہ کو نیچے کا حصہ کردیا اور ہم نے ان پر کھنگر کے سنگریزے برسائے ○ (الحجر: ۷۵-۷۴)

قوم لوط پر عذاب کا نزول

امام ابن جوزی نے لکھا ہے یہ حضرت جبریل علیہ السلام کی چیخ تھی۔ (زاد المسیر ج ۴ ص ۴۰۹) امام رازی نے فرمایا: اس آیت میں اس پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ یہ حضرت جبریل کی چیخ تھی' اگر یہ قول کسی دلیل قوی سے ثابت ہو تو اس کو اختیار کیا جائے' ورنہ آیت سے تو صرف اتنا معلوم ہوتا کہ ایک زبردست اور ہولناک چیخ نے ان کو اپنی گرفت میں لے لیا۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان پر تین قسم کے عذاب آئے تھے ایک تو زبردست ہولناک چنگھاڑ تھی۔ دوسرے ان کی زمین کو پلٹ دیا گیا تھا اور تیسرا ان پر کھنگر کی کنکریاں برسائی تھیں۔ اس کی تفسیر ہم نے ہود: ۸۲ میں بیان کردی ہے۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ سجیل کا معنی ہے پکی ہوئی مٹی کے پتھر۔ بعض علماء نے کہا کہ ہر پتھر پر ایک شخص کا نام تھا اور اسی پر جا کر یہ پتھر لگتا تھا۔ بعض نے کہا: یہ عذاب الٰہی کے مخصوص پتھر تھے۔

مختصر یہ کہ حضرت جبریل نے ان بستیوں کو اٹھا کر آسمان کے قریب سے نیچے پٹخ دیا اور اوپر کا حصہ نیچے اور نیچے کا حصہ اوپر کردیا' جس طرح یہ اپنے ہم جنس مردوں کو پلٹ کر ان سے لذت کشید کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی طرح ان پر ان کی بستیوں کو پلٹ دیا۔ پھر ان کی ذلت اور رسوائی کے لیے ان کے اوپر کنکر اور پتھر برسائے گئے اور ہر پتھر نشان زدہ تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک اس (قصہ) میں اہل فراست کے لیے نشانیاں ہیں ○ (الحجر: ۷۵)

"متوسمین" کا معنی

اس آیت میں فرمایا ہے بے شک اس قصہ میں متوسمین کے لیے نشانیاں ہیں۔ متوسمین وسم سے بنا ہے اس کے متعلق علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

وسم کا معنی علامت، اثر اور نشان ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ۔ ان کی نشانی ان کے چہروں میں سجدوں کے نشان ہیں۔

(الفتح: ۲۹)

اور متوسمین کا معنی ہے عبرت پکڑنے والے، نصیحت حاصل کرنے والے اور معرفت والے، توسم کا معنی ذہانت، ذکاوت اور فراست بھی ہے۔ (المفردات ج ۲ ص ۶۷۹، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

فراست کا معنی اور اس کے مصادیق

علامہ ابو السعادات المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

فراست کے دو معنی ہیں۔ (۱) اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کے دل میں جو چیز ڈالتا ہے، جس سے انہیں بعض لوگوں کے احوال کا علم ہو جاتا ہے، یہ کبھی کرامت سے ہوتا ہے اور کبھی صحیح گمان سے اور کبھی حدس سے (اچانک کسی چیز کے یاد آنے کو حدس کہتے ہیں) (۲) دلائل، تجربہ، ظاہری صورت کی کیفیت اور باطنی اوصاف کی مدد سے لوگوں کے احوال کو جان لینا۔

(النہایہ ج ۳ ص ۳۸۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۸ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

ثعلب نے کہا جو شخص تم کو سر سے لے کر قدم تک دیکھے وہ واسم ہے۔ فراست اس شخص کو حاصل ہوتی ہے جس کا دل پاک اور صاف ہو اور دنیاوی تفکرات سے خالی ہو اور وہ شخص گناہوں کے میل، برے اخلاق کی کدورت اور لایعنی کاموں سے مبرا اور خالی ہو۔ صوفیاء کا گمان یہ ہے کہ فراست کرامت ہے اور ایک قول یہ ہے کہ فراست کسی چیز پر علامات سے استدلال کرنا ہے۔ بعض علامتیں وہ ہوتی ہیں جو پہلی نظر میں ہی ہر شخص کو نظر آجاتی ہیں اور بعض علامات مخفی اور دقیق ہوتی ہیں وہ ہر شخص پر منکشف ہوتی ہیں اور نہ بادی النظر میں ان کا پتا چلتا ہے۔ حسن بصری نے کہا: متوسمین وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان آیتوں میں غور و فکر کر کے یہ جان لیا کہ جو ذات قوم لوط کو ہلاک کرنے پر قادر ہے وہ اس زمانہ کے کافروں کو بھی ہلاک کرنے پر قادر ہے اور یہ ظاہری دلائل سے کسی چیز کو جان لینا ہے۔

امام شافعی اور امام محمد بن حسن سے مروی ہے کہ وہ دونوں کعبہ کے صحن میں بیٹھے ہوئے تھے اور ایک شخص مسجد کے دروازہ پر تھا۔ ان میں سے ایک نے کہا: میرا گمان یہ ہے کہ یہ شخص بڑھئی ہے۔ دوسرے نے کہا: میرا گمان یہ ہے کہ یہ شخص لوہار ہے۔ اس شخص سے پوچھا گیا تو اس نے کہا پہلے میں بڑھئی تھا اور اب میں لوہار ہوں۔ روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس مذحج کی ایک قوم آئی ان میں اشتر بھی تھا۔ حضرت عمر نے اس کو سر سے پاؤں کی طرف دیکھا پھر پوچھا یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا: یہ مالک بن الحارث ہے۔ آپ نے کہا: اللہ اس کو ہلاک کرے میں دیکھ رہا ہوں کہ اس کی وجہ سے مسلمانوں پر ایک سخت مصیبت کا دن آئے گا۔ پھر اس کے فتنہ سے جو ہونا تھا، وہ ہوا۔ (یہ شخص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں میں سے تھا) اور روایت ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بازار میں گئے اور ایک عورت کی طرف دیکھا۔ پھر وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو حضرت عثمان نے کہا: تم میں سے کوئی شخص ہمارے پاس آتا ہے اور اس کی آنکھوں میں زنا کا اثر ہوتا ہے۔ حضرت انس نے کہا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی وحی نازل ہونے لگی؟ حضرت عثمان نے کہا: نہیں! یہ برہان اور فراست ہے۔ اور صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم سے ایسی بہت مثالیں منقول ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۰ص ۴۰، مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

ملا علی بن سلطان محمد القاری الحنفی المتوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

فراست ایک نور ہے جس کو اللہ تعالیٰ قلب میں القا فرماتا ہے۔ حتیٰ کہ اس سے بعض مغیبات منکشف ہو کر بالکل مشاہد ہو جاتے ہیں اور یہ اس شخص کو حاصل ہوتی ہے جو علم اور عمل میں مرتبہ کمال کو پہنچ جائے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے میری امت میں ملھمین ہوں گے۔ (جن پر الہام کیا جائے گا) اور آپ کا ارشاد ہے جس نے چالیس روز تک اخلاص سے عمل کیا اس کے قلب سے اس کی زبان پر حکمت کے چشمے ظاہر ہوتے ہیں۔

(مرقات ج ۳ص ۴، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان، ۱۳۹۰ھ)

نیز ملا علی قاری لکھتے ہیں:

یافعی نے حکایت کی ہے کہ امام الحرمین ابو المعالی ابن الامام ابو محمد الجوینی ایک دن صبح کی نماز کے بعد مسجد میں بیٹھے ہوئے درس دے رہے تھے۔ اسی اثناء میں شیوخ الصوفیہ اپنے اصحاب کے ساتھ کہیں دعوت میں جاتے ہوئے گزرے۔ امام جوینی نے دل میں سوچا ان صوفیہ کو سوائے کھانے اور رقص کرنے کے اور کیا کام ہے۔ وہ شیخ الصوفیہ دعوت سے واپسی میں پھر اس مقام سے گزرے اور امام جوینی سے کہا: اے فقیہ! اس شخص کے متعلق آپ کا کیا فتویٰ ہے جو حالت جنابت میں صبح کی نماز پڑھادے اور پھر اسی حال میں مسجد میں بیٹھ کر علوم کا درس دے اور لوگوں کی غیبت کرے۔ تب امام الحرمین کو یاد آیا کہ ان پر تو غسل واجب تھا، پھر اس کے بعد صوفیہ کے متعلق ان کا اعتقاد اچھا ہو گیا۔

(مرقات ج ۳ص ۱۹، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان، ۱۳۹۰ھ)

فراست کے متعلق احادیث

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی: ان فی ذلک لایات للمتوسمین۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۲۷، جامع البیان رقم الحدیث: ۱۶۰۶۰، تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۲۴۲۷، تاریخ بغداد ج ۳ ص ۱۹۱، کتاب الضعفاء للعقیلی ج ۴، ص ۱۲۹، حلیۃ الاولیاء ج ۱۰ص ۲۸۱، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۷۸۳۹، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۴۹۷، حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کی سند حسن ہے۔ مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۷۹۴۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ کے کچھ ایسے بندے ہیں جو لوگوں کو توسم (فراست) سے پہچان لیتے ہیں۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۶۰۶۲، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۲۹۶۰، مسند البزار رقم الحدیث: ۳۶۳۲، حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کی سند حسن ہے۔ مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۷۹۳۹، تفسیر ابن کثیر ج ۲ص ۶۱۴، تفسیر السمعانی ج ۳ص ۱۴۷، الدر المنثور ج ۵ص ۹۱)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے اور اس کی توفیق سے بولتا ہے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۶۰۶۴، تفسیر ابن کثیر ج ۲ص ۶۱۴، الدر المنثور ج ۵ص ۹۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لوگوں میں سب سے زیادہ فراست والے تین شخص تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور کی خاتون جس نے کہا تھا:

يَاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ - (القصص: ۲۶)

اے ابا جان آپ انہیں اجرت پر رکھ لیں، بے شک بہترین آدمی جس کو آپ اجرت پر رکھیں وہی ہے جو طاقتور اور امانت دار ہو۔

پوچھا تمہیں اس کی قوت کیسے معلوم ہوئی، کہا یہ کنوئیں پر آئے اس پر بہت بھاری پتھر تھا جس کو انہوں نے اٹھالیا۔ پوچھا تم کو اس کے امانت دار ہونے کا کیسے علم ہوا؟ کہا میں ان کے آگے آگے چل رہی تھی انہوں نے مجھے اپنے پیچھے کر دیا۔ اور دوسرا شخص حضرت یوسف علیہ السلام کے دور کا آدمی ہے، جس نے کہا:

وَقَالَ الَّذِي اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖٓ اَكْرِمِيْ مَثْوٰىهُ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا - (یوسف: ۲۱)

اور مصر کے جس شخص نے انہیں (راہگیروں سے) خریدا تھا اس نے اپنی بیوی سے کہا اعزاز و اکرام سے ان کی رہائش کا اہتمام کرو شاید یہ ہم کو نفع پہنچائیں یا ہم ان کو بیٹا بنالیں۔

اور تیسرے شخص حضرت ابوبکر ہیں۔ جب انہوں نے حضرت عمر کو اپنا خلیفہ بنایا۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۸۸۲۹، مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۷۹۳۱)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک وہ بستیاں عام راستے پر واقع ہیں O اور بے شک اس میں ایمان لانے والوں کے لیے نشانی ہے O (الحجر: ۷۷-۷۶)

قوم لوط کے آثار

حجاز سے شام اور عراق سے مصر جاتے ہوئے یہ عذاب شدہ علاقہ راستہ میں پڑتا ہے اور عموماً قافلوں کے لوگ تباہی کے ان آثار کو دیکھتے ہیں جو اس پورے علاقہ میں آج تک نمایاں ہیں۔ یہ علاقہ بحر لوط (بحیرہ مردار) کے مشرق اور جنوب میں واقع ہے۔ اور خصوصیت کے ساتھ اس کے جنوبی حصہ کے متعلق جغرافیہ دانوں کا بیان ہے کہ یہاں اس درجہ ویرانی پائی جاتی ہے جس کی نظیر روئے زمین پر اور کہیں نہیں دیکھی گئی۔ (تفہیم القرآن ج ۲ ص ۵۱۵)

الحجر: ۷۷-۶۱ میں یہاں حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے پہلے الاعراف: ۸۴-۸۰ میں بھی ان کا ذکر کیا ہے۔ ہم نے یہاں پر اختصار کے ساتھ تفسیر کی ہے اور الاعراف میں مفصل تفسیر کی ہے۔ وہاں ان عنوانات پر بحث کی ہے: حضرت لوط علیہ السلام کا شجرہ نسب، حضرت لوط علیہ السلام کا مقام بعثت، حضرت لوط علیہ السلام کے ہاں فرشتوں کا حسین اور نوخیز لڑکوں کی شکل میں مہمان ہونا، قوم لوط میں ہم جنس پرستی کی ابتداء، حضرت لوط کی بیوی کی خیانت اور قوم لوط کی بری عادتیں، عمل قوم لوط کی قباحتیں، قرآن مجید میں عمل قوم لوط کی مذمت، احادیث میں عمل قوم لوط کی مذمت اور سزا کا بیان۔ عمل قوم لوط کی سزا میں مذاہب فقہاء، قوم لوط پر عذاب کی کیفیت۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک اصحاب الایکہ (گھنے جنگل والے) ظلم کرنے والے تھے O سو ہم نے ان سے انتقام لے لیا اور یہ دونوں بستیاں عام گزرگاہ پر ہیں O (الحجر: ۷۹-۷۸)

اصحاب الایکہ کا معنی اور مصداق

ایکہ کا معنی ہے گھنا جنگل۔ درختوں کا جھنڈ، تبوک یا مدین کے قریب ایک بستی ہے، اس کو بھی ایکہ کہتے ہیں۔ اصحاب الایکہ سے مراد ہیں حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے لوگ۔ اس قوم کا نام بنو مدیان تھا۔ مدین ان کے مرکزی شہر کو بھی کہتے تھے اور ان کے پورے علاقہ کو بھی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایکہ تبوک کا قدیم نام تھا۔ اس کا لغوی معنی گھنا جنگل ہے۔ آج

کل ایکہ ایک پہاڑی نالہ کا نام ہے جو جبل اللوز سے وادی افل میں آکر گرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یہ دونوں بستیاں عام گزرگاہ پر ہیں۔ مدین اور اصحاب الایکہ کا علاقہ بھی حجاز سے فلسطین اور شام جاتے ہوئے راستہ میں پڑتا ہے۔

اصحاب الایکہ کا ظلم اور اللہ تعالیٰ کا انتقام

اللہ تعالیٰ نے اصحاب الایکہ یعنی حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کو ظالم فرمایا ہے، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بناتے تھے۔ راستہ میں ڈاکا ڈالتے تھے، ناپ اور تول میں کمی کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے انتقام لیا ایک زبردست چیخ اور زلزلہ نے ان کو ہلاک کر دیا۔ ان کا زمانہ حضرت لوط علیہ السلام کے زمانہ کے قریب تھا۔ امام ابن عساکر نے حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مدین اور اصحاب الایکہ دو امتیں ہیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ قتادہ سے روایت کرتے ہیں:

حضرت شعیب علیہ السلام کو اصحاب الایکہ اور اہل مدین کی طرف مبعوث کیا گیا تھا۔ ان دو امتوں کو دو مختلف عذاب دیئے گئے تھے۔ اہل مدین کو ایک چنگھاڑ نے اپنی گرفت میں لے لیا تھا اور اصحاب الایکہ پر سات دن تک سخت گرمی مسلط کر دی گئی تھی اور کوئی چیز ان سے تپش کو دور نہیں کر سکتی تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ایک بادل بھیجا۔ وہ سب سائے کی تلاش میں اس کے نیچے جمع ہو گئے اس بادل سے آگ نکلی اور اس آگ نے ان کو جلا کر بھسم کر دیا، اس کو عذاب یوم الظلۃ اور عذاب یوم عظیم کہا گیا ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۶۰۷۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٨٠﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا

اور بے شک وادی حجر کے رہنے والوں نے رسولوں کی تکذیب کی ○ اور ہم نے ان کو اپنی نشانیاں دیں

فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿٨١﴾ وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ

تو وہ ان سے روگردانی کرتے رہے ○ وہ پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے تھے

بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ﴿٨٢﴾ فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ﴿٨٣﴾ فَمَآ أَغْنٰى

تاکہ امن سے رہیں ○ پس صبح ہوتے ہی ایک چنگھاڑ نے ان کو پکڑ لیا ○ اور جو کچھ

عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٨٤﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ

وہ کرتے رہے تھے وہ ان کو نہ بچا سکا ○ اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے

وَمَا بَيْنَهُمَآ إِلَّا بِالْحَقِّ ۗ وَإِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ

درمیان میں ہے حق کے ساتھ ہی پیدا کیا ہے، اور بے شک قیامت ضرور آنے والی ہے سو آپ حسن وخوبی

الصَّفۡحَ الۡجَمِيۡلَ ﴿۸۵﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الۡخَلّٰقُ الۡعَلِيۡمُ ﴿۸۶﴾ وَلَقَدۡ

کے ساتھ در گزر کیجئے ○ بے شک آپ کا رب ہی (سب کو) پیدا کرنے والا (سب کچھ) جاننے والا ہے ○ اور

اٰتَيۡنٰكَ سَبۡعًا مِّنَ الۡمَثَانِىۡ وَالۡقُرۡاٰنَ الۡعَظِيۡمَ ﴿۸۷﴾ لَا تَمُدَّنَّ

بے شک ہم نے آپ کو سات آیتیں دیں جو دوبار پڑھی جاتی ہیں اور قرآن عظیم دیا ○ اور آپ اس متاع

عَيۡنَيۡكَ اِلٰى مَا مَتَّعۡنَا بِهٖۤ اَزۡوَاجًا مِّنۡهُمۡ وَلَا تَحۡزَنۡ عَلَيۡهِمۡ

(دنیاوی) کی طرف (رشک سے) نہ دیکھیں جو ہم نے کافروں کے کئی گروہوں کو دیا ہے، اور نہ ان کافروں پر افسوس کریں

وَاخۡفِضۡ جَنَاحَكَ لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۸۸﴾ وَقُلۡ اِنِّىۡۤ اَنَا النَّذِيۡرُ

اور ایمان والوں کے لیے اپنی رحمت کے بازو جھکائے رکھیں ○ اور آپ کہیں میں ہی علی الاعلان ڈرانے

الۡمُبِيۡنُ ۚ‏ ﴿۸۹﴾ كَمَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَى الۡمُقۡتَسِمِيۡنَ ۙ‏ ﴿۹۰﴾ الَّذِيۡنَ جَعَلُوا

والا ہوں ○ جیسا کہ ہم نے ان پر (عذاب) نازل کیا جو (اپنی کتاب کو) تقسیم کرنے والے تھے ○ جنہوں نے

الۡقُرۡاٰنَ عِضِيۡنَ ﴿۹۱﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَسۡـئَلَنَّهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ۙ‏ ﴿۹۲﴾ عَمَّا كَانُوۡا

قرآن کو (کچھ مان کر اور کچھ نہ مان کر) ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ○ سو آپ کے رب کی قسم ہم ان سب سے ضرور سوال کریں گے ○ کہ وہ کیا

يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۳﴾ فَاصۡدَعۡ بِمَا تُؤۡمَرُ وَاَعۡرِضۡ عَنِ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ﴿۹۴﴾

کرتے رہے تھے ○ آپ اس کا برملا اعلان کر دیں جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے اور مشرکین سے اعراض کیجئے ○

الربع

اِنَّا كَفَيۡنٰكَ الۡمُسۡتَهۡزِءِيۡنَ ۙ‏ ﴿۹۵﴾ الَّذِيۡنَ يَجۡعَلُوۡنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا

آپ کا مذاق اڑانے والوں سے (بدلہ کے لیے) ہم کافی ہیں ○ جو اللہ کے ساتھ کسی اور کو (بھی) معبود قرار

اٰخَرَ‌ ۚ فَسَوۡفَ يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۹۶﴾ وَلَقَدۡ نَعۡلَمُ اَنَّكَ يَضِيۡقُ صَدۡرُكَ

دیتے ہیں سو وہ عنقریب جان لیں گے ○ اور بے شک ہم خوب جانتے ہیں کہ ان کی باتوں سے آپ

بِمَا يَقُوۡلُوۡنَ ۙ‏ ﴿۹۷﴾ فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ وَكُنۡ مِّنَ السّٰجِدِيۡنَ ۙ‏ ﴿۹۸﴾

کا دل تنگ ہوتا ہے ○ سو آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کیجئے اور سجدہ کرنے والوں میں سے رہیئے ○

وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿۹۹﴾

اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہیے حتیٰ کہ آپ کے پاس پیغام اجل آ جائے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک وادی حجر کے رہنے والوں نے رسولوں کی تکذیب کی○ (الحجر: ۸۰)

الحجر کا معنی اور مصداق

امام خلیل بن احمد فراہیدی متوفی ۱۷۵ھ لکھتے ہیں:

حجر کا معنی حرام ہے۔ زمانہ جاہلیت میں ایک شخص دوسرے سے حرمت والے مہینوں میں ملتا تو کہتا حجرا محجورا یعنی اس مہینہ میں تم سے لڑائی حرام ہے تو وہ اس سے لڑائی کی ابتدا نہیں کرے گا۔

(کتاب العین ج ۱ ص ۳۴۸، مطبوعہ ایران ۱۴۱۴ھ)

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

حجر کا معنی منع کرنا ہے۔ عقل کو بھی اس لیے حجر کہتے ہیں کہ وہ غلط کاموں اور خواہشات نفسانیہ سے منع کرتی ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ۔ بے شک اس میں عقل والے کے لیے بہت بڑی قسم ہے۔ (الفجر: ۵)

وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ۔ اور مشرکین نے کہا یہ مویشی اور کھیت ممنوع ہیں۔ (الانعام: ۱۳۸)

اور جس گھر کا پتھروں سے احاطہ کیا جائے اس کو بھی الحجر کہتے ہیں۔ جیسا کہ سورہ الحجر میں ہے، اور بے شک وادی حجر کے رہنے والوں نے رسولوں کی تکذیب کی۔ (الحجر: ۸۰)

ثمود کی آبادیاں پتھروں کو تراش کر بنائی گئی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک جاتے ہوئے اس شہر سے گزرے تھے۔

قتادہ نے کہا: یہ مکہ اور تبوک کے درمیان ایک وادی ہے جس میں ثمود رہا کرتے تھے۔ طبری نے کہا: یہ حجاز اور شام کے درمیان کی سرزمین ہے۔ اس میں حضرت صالح علیہ السلام کی قوم آباد تھی۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۰ ص ۴۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

وادی حجر کے متعلق احادیث

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاب الحجر کے متعلق فرمایا: اس قوم کے پاس سے سوائے روتے ہوئے نہ گزرنا اگر تم رو نہ سکو تو پھر ان کے پاس سے نہ گزرنا ورنہ تم پر بھی ویسا ہی عذاب نازل ہوگا جیسا ان پر نازل ہوا تھا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۰۲، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۸۰)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وادی حجر میں ٹھہرے ہوئے تھے تو آپ نے فرمایا: یہ حضرت صالح کی وہ قوم ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ہلاک کر دیا تھا سوا اس شخص کے جو اللہ تعالیٰ کے حرم میں تھا۔ اللہ کے حرم نے اس کو عذاب سے بچا لیا۔ پوچھا یا رسول اللہ! وہ شخص کون تھا؟ آپ نے فرمایا: ابو رغال۔

(جامع البیان رقم الحدیث:۱۶۰۸۲)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وادی حجر میں ٹھہرے جو قوم ثمود کی سرزمین ہے مسلمانوں نے اس کے کنوئیں سے پانی پیا اور اس کنوئیں کے پانی سے آٹا گوندھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ حکم دیا کہ انہوں نے کنوئیں سے جو پانی نکالا ہے اس کو انڈیل دیں اور گندھا ہوا آٹا اونٹوں کو کھلا دیں اور ان کو یہ حکم دیا کہ اس کنوئیں سے پانی نکالیں جس کنوئیں پر اونٹنی آیا کرتی تھی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۳۷۹، صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۹۸۱)

وادی حجر کی احادیث کے احکام

آپ نے گندھے ہوئے آٹے کے متعلق یہ حکم دیا کہ وہ اونٹوں کو کھلا دیا جائے کیونکہ اونٹ مکلف نہیں ہیں۔ اسی طرح اگر نجس پانی سے آٹا گوندھ لیا جائے تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ جنگ خیبر کے دن مسلمانوں نے پالتو گدھے کا گوشت پکایا ہوا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن پالتو گدھوں کے گوشت کو حرام قرار دیا اور دیگچیوں میں جو سالن پک رہا تھا اس کے متعلق فرمایا: اس کو پھینک دو اور اس موقع پر گندھے ہوئے آٹے کو پھینکنے کا حکم نہیں دیا بلکہ فرمایا: یہ اونٹوں کو کھلا دو۔ علامہ قرطبی نے فرمایا: اس سے معلوم ہوا کہ پالتو گدھوں کی تحریم ثمود کے کنوئیں کے پانی کی تحریم سے زیادہ ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۱۰ ص ۴۳-۴۲) میں کہتا ہوں کہ اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ گندھا ہوا آٹا اونٹوں اور دیگر مویشیوں مثلاً بکریوں کو کھلایا جا سکتا ہے۔ بخلاف گوشت کے اس کو صرف درندے اور کتے وغیرہ کھا سکتے ہیں اور ہو سکتا ہے اس وقت وہاں یہ جانور نہ ہوں۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رزق اور مال کو حتی الامکان ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ نیز آپ نے فرمایا کہ جس کنوئیں پر اونٹنی آیا کرتی تھی اس سے پانی نکالو۔ اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام اور صالحین کے آثار سے تبرک حاصل کرنا چاہیے خواہ اس پر صدیاں گزر چکی ہوں۔

وادی حجر اور دیگر ممنوعہ جگہوں میں نماز پڑھنے کے متعلق فقہاء کی آراء

قاضی ابوبکر ابن العربی متوفی ۵۴۳ھ نے کہا ہے کہ وادی حجر میں نماز پڑھنا بھی جائز نہیں ہے کیونکہ یہ وہ جگہ ہے جہاں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور اس کا عذاب نازل ہوا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا بغیر روئے اس جگہ سے نہ گزرو۔ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چادر اوڑھی اور اونٹنی کو تیز بھگا کر اس وادی سے نکل گئے تھے۔ اور وہ جو حدیث میں ہے میرے لیے تمام روئے زمین کو مسجد اور آلہ طہارت (تیمم کا آلہ) بنا دیا گیا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۳۵، صحیح مسلم رقم الحدیث:۵۲۱) وادی حجر کی زمین کا یہ ٹکڑا روئے زمین کے عموم سے مستثنیٰ ہے۔ لہٰذا وادی حجر کی مٹی سے تیمم کرنا جائز نہیں ہے اور اس کے کنوئیں کے پانی سے وضو کرنا جائز ہے اور نہ اس جگہ نماز پڑھنا جائز ہے۔ نیز حدیث میں ہے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مقبرہ اور حمام کے سوا تمام روئے زمین مسجد ہے۔ (ہر چند کہ حطیم اور مطاف میں قبریں ہیں لیکن وہ اس عموم سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں نمازیں پڑھی ہیں۔)

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۱۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۹۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۷۴۵، سنن دارمی رقم الحدیث:۱۳۹۷، مسند احمد ج ۳ ص ۸۳، مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث:۱۳۵۰، صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۱۶۹۹، المستدرک ج ۱ ص ۲۵۱، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۴۳۵، شرح السنہ رقم الحدیث:۵۰۶)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات جگہوں پر نماز پڑھنے سے منع فرمایا۔

(۱) جس جگہ جانوروں کی لید ڈالی جائے۔ (۲) جس جگہ جانور ذبح کیے جائیں (کمیلا، بوچڑ خانہ) (۳) قبرستان (۴) عام گزرگاہ، سڑک (۵) حمام (۶) پانی کے پاس اونٹوں کے بٹھانے کی جگہ (۷) بیت اللہ کی چھت۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۶، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۷۴۶، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۳۲۹، کامل ابن عدی ج ۳ ص ۱۰۵۹، کتاب الضعفاء للعقیلی ج ۲ ص ۷۱)

قاضی ابن العربی مالکی فرماتے ہیں وادی حجر کو ان سات کے ساتھ ملالیا جائے تو یہ آٹھ جگہیں ہوئیں اور ہمارے علماء نے ان کے ساتھ آٹھ اور جگہوں کا اضافہ کیا ہے۔ (۱) نجس زمین کا ٹکڑا (۲) غصب کی ہوئی زمین (۳) جب نمازی کے سامنے نجس دیوار ہو (۴) عیسائیوں کا گرجا (۵) یہودیوں کا معبد (۶) جس گھر میں مجسم صورتیں ہوں (۷) اونچی نیچی زمین (۸) جس جگہ نمازی کے سامنے کوئی شخص سویا ہوا ہو، یا کوئی شخص نمازی کی طرف منہ کر کے بیٹھا ہوا ہو۔ یہ کل ملا کر سولہ جگہیں ہیں جہاں نماز پڑھنا جائز نہیں۔

اور ان ممنوعہ جگہوں میں سے وہ جگہ بھی ہے جس جگہ میں کسی دوسرے شخص کا حق ہو۔ اور جس جگہ کوئی نجاست موجود ہو یا جہاں کسی نجاست کا غلبہ ہو اور جس جگہ کسی عبارت کی وجہ سے منع کیا گیا ہو، جس جگہ کسی نجاست کی وجہ سے نماز پڑھنا منع ہے وہاں اگر کوئی پاک کپڑا بچھا کر نماز پڑھ لی جائے تو نماز جائز ہے۔ جیسے مقبرہ اور حمام میں۔ المدونہ میں اس کو جائز قرار دیا گیا ہے اور ہمارے علماء نے نجاست کی وجہ سے نئے اور پرانے قبرستان میں فرق کیا ہے اور جب قبرستان میں نجاست کی وجہ سے نماز پڑھنا ممکن ہے تو مشرکین کے قبرستان میں یہ ممانعت اور موکد ہو جاتی ہے اور اس لیے بھی کہ وہ وادی حجر کی طرح عذاب کا محل ہے۔ نیز یہ احادیث بھی ہیں:

حضرت ابو مرثد الغنوی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قبروں پر نہ بیٹھو اور نہ قبروں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۷۲، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۲۹، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۰۵۰، سنن النسائی رقم الحدیث: ۷۶۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جس مرض میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تھا اس میں آپ نے فرمایا: اللہ یہود اور نصاریٰ پر لعنت کرے جنہوں نے انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو مساجد بنا دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۳۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۲۹، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۲۷)

امام مالک نے المجموعۃ میں کہا ہے کہ اونٹوں کے باڑے میں کپڑا بچھا کر بھی نماز نہ پڑھے۔ اس کی گویا دو وجہیں ہیں ایک نجاست اور دوسرے اونٹوں کے حملہ کا خوف۔ اور اگر وہاں ایک اونٹ ہو تو پھر کوئی حرج نہیں۔ جیسا کہ حدیث صحیح میں ہے کہ اس صورت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ لیتے تھے۔ امام مالک نے کہا ہے کہ جس کپڑے پر تصویریں چھپی ہوں اس پر بغیر ضرورت کے نماز نہ پڑھے اور امام مالک کے نزدیک غصب شدہ گھر میں نماز جائز نہیں ہے۔ قاضی ابن العربی کہتے ہیں اگر غصب شدہ زمین پر مسجد بنالی ہے تو اس میں نماز جائز ہو گی۔

(احکام القرآن ج ۳ ص ۱۱۱-۱۰۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۸ھ)

علامہ ابو عبداللہ قرطبی مالکی کا مختار یہ ہے کہ ہر پاک جگہ پر نماز پڑھنا جائز ہے اور جن احادیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ

علیہ وسلم نے سات جگہوں پر نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے اور قبرستان اور حمام میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے اور ایسی دیگر تمام احادیث اس حدیث سے منسوخ ہیں جس میں آپ نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے میرے لیے تمام روئے زمین کو مسجد بنا دیا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۰ ص ۴۵۔۴۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ ان جگہوں پر نماز پڑھنے کی ممانعت تنزیہی ہے یا تحریمی ہے۔ (مرقات ج ۲ ص ۲۱۸) بہر حال اگر نمازی نے پاک جگہ پر نماز پڑھی ہے تو اس سے نماز کی فرضیت ادا ہو جائے گی۔ لیکن اگر غصب شدہ زمین میں نماز پڑھے گا یا قبر یا کسی مجسمہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے گا تو اس کا یہ فعل مکروہ تحریمی ہے اور گناہ کا موجب ہے، اور اگر اونٹوں کے باڑہ میں نماز پڑھی جہاں ایک سے زائد اونٹ ہوں یا سڑک پر نماز پڑھی یا حمام یا قبرستان میں کپڑا بچھا کر نماز پڑھی یا بوچڑ خانہ میں کپڑا بچھا کر نماز پڑھی تو یہ مکروہ تنزیہی ہے۔ بیت اللہ کی چھت پر بھی نماز مکروہ تنزیہی ہے اور وادی حجر میں بھی نماز مکروہ تحریمی ہونی چاہیے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس وادی میں نہیں ٹھہرے اور وہاں سے جلدی گزر گئے اور اس جگہ سے بغیر روئے گزرنے میں آپ کو نزول عذاب کا خطرہ تھا۔

ایک رسول کی تکذیب تمام رسولوں کی تکذیب ہے

اس آیت میں فرمایا ہے اور بے شک وادی حجر کے رہنے والوں نے رسولوں کی تکذیب کی۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ وادی حجر کے رہنے والوں نے تو صرف حضرت صالح علیہ السلام کی تکذیب کی تھی تمام رسولوں کی تکذیب تو نہیں کی تھی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام جو پیغام لائے تھے اور جس دین کو انہوں نے پیش کیا تھا تمام رسول وہی پیغام لائے تھے اور سب نے اسی دین کو پیش کیا تھا۔ اس لیے حضرت صالح علیہ السلام کا انکار کرنا گویا کہ تمام رسولوں کا انکار کرنا تھا۔ اس لیے اگرچہ انہوں نے صرف حضرت صالح علیہ السلام کی تکذیب کی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اصحاب الحجر نے رسولوں کی تکذیب کی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے ان کو اپنی نشانیاں دیں تو وہ ان سے روگردانی کرتے رہے O (الحجر: ۸۱)

حضرت صالح علیہ السلام کی نشانیاں

اصحاب الحجر یعنی قوم ثمود کو جو نشانیاں دیں ان میں وہ اونٹنی ہے جو ان کی فرمائش پر حضرت صالح علیہ السلام نے چٹان سے نکالی اور اسی وقت اس سے ایک بچہ پیدا ہو گیا اور وہ بہت فربہ اور جسیم تھا اور وہ ایسی خوبصورت اونٹنی تھی کہ کوئی اونٹنی اس کی مثل نہ تھی۔ وہ اونٹنی بہت زیادہ دودھ دیتی تھی۔ حتیٰ کہ تمام قوم ثمود کو اس کا دودھ کافی ہو جاتا تھا۔ اس اونٹنی کے علاوہ حضرت صالح علیہ السلام کو اور بھی نشانیاں عطا کی تھیں۔ حضرت صالح علیہ السلام کا کنواں تھا وہ اونٹنی ایک دن میں اس کا سارا پانی پی جاتی تھی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے تھے تاکہ امن سے رہیں O پس صبح ہوتے ہی ایک چنگھاڑ نے ان کو پکڑ لیا O اور جو کچھ وہ کرتے رہے تھے وہ ان کو نہ بچا سکا O (الحجر: ۸۴-۸۲)

ان آیات کی تفسیر کے لیے الاعراف: ۷۹-۷۳ ملاحظہ فرمائیں۔ وہاں ہم نے ان عنوانات پر بحث کی ہے۔ قوم ثمود کی اجمالی تاریخ، حضرت صالح علیہ السلام کا نسب اور قوم ثمود کی طرف ان کی بعثت، قوم ثمود کا حضرت صالح علیہ السلام سے معجزہ طلب کرنا اور معجزہ دیکھنے کے باوجود ایمان نہ لانا، اور ان پر عذاب کا نازل ہونا۔ قوم ثمود کی سرکشی اور ان پر عذاب نازل کرنے کے متعلق قرآن مجید کی آیات۔ اونٹنی کا قاتل ایک شخص تھا یا پوری قوم ثمود۔ اونٹنی کے معجزہ ہونے کی وجوہات، قوم ثمود

کے عذاب کی مختلف تعبیریں اور ان میں وجہ تطبیق، قوم ثمود کے قصہ کے متعلق احادیث اور آثار۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے حق کے ساتھ ہی پیدا کیا ہے اور بے شک قیامت ضرور آنے والی ہے سو آپ حسن و خوبی کے ساتھ درگزر کیجئے ○ بے شک آپ کا رب ہی (سب کو) پیدا کرنے والا، (سب کچھ) جاننے والا ہے ○ (الحجر: ۸۶-۸۵)

بندوں کو ان کے اعمال کے مطابق جزا اور سزا دینا

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانی عذاب بھیج کر کفار کو ہلاک کر دیا تھا۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ تو رحیم و کریم ہے پھر عذاب بھیج کر کفار کو ہلاک کرنا اس کی رحمت اور کرم کے کس طرح مناسب ہے۔ ان آیتوں میں اس اعتراض کا جواب ہے، جواب کی تقریر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا تاکہ وہ اس کی عبادت اور اطاعت میں مشغول ہوں اور عبادت اور اطاعت کی طرف متوجہ اور راغب کرنے کے لیے اس نے نبی اور رسول بھیجے پھر جنہوں نے اس کے رسولوں کو جھٹلایا اور اس کی عبادت کو ترک کیا تو اس کی حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ وہ ان منکروں اور سرکشوں کو ہلاک کر کے روئے زمین کو ان کے وجود سے پاک کر دے اس لیے اس نے آسمانی عذاب بھیج کر منکروں اور کافروں کو ہلاک کر دیا۔

پھر جب اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ اس نے گزشتہ قوموں کے کافروں کو عذاب بھیج کر ان کو ہلاک کر دیا تو اس نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بتایا کہ قیامت آنے والی ہے اور جب قیامت آئے گی تو اللہ تعالیٰ آپ کے مخالفوں اور منکروں سے انتقام لے گا اور آپ کو اور آپ کے متبعین کو ان کے صبر اور ان کی نیکیوں پر اجر و ثواب عطا فرمائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا ہے تو اس کی حکمت کے یہ لائق نہیں کہ وہ آپ کا اور ان کا معاملہ یونہی چھوڑ دے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو قوم کی زیادتیوں پر صبر کرنے کا حکم دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی بدسلوکیوں پر آپ کو درگزر کرنے کا حکم دیا۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ درگزر کرنے کا یہ حکم جہاد کی فرضیت کی آیات سے منسوخ ہو چکا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اس آیت میں آپ کو حسن اخلاق کے اظہار کا حکم دیا ہے، یہ کیسے منسوخ ہو سکتا ہے۔ جہاد کی آیات کا محمل یہ ہے کہ آپ ان کو دین اسلام قبول کرنے کی دعوت دیجئے وہ اگر اس دعوت کو قبول کرلیں تو فبہا ورنہ ان سے اللہ کا نام لے کر جہاد کیجئے اور درگزر کرنے کی آیات کا تعلق آپ کی ذات اور نجی معاملات سے ہے یعنی اگر وہ آپ کے ساتھ زیادتی کے ساتھ پیش آئیں تو آپ عفو و درگزر سے کام لیں۔ ان آیتوں کی نظیر یہ آیتیں ہیں:

وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰی ○ (النجم: ۳۱)

اور آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے وہ سب کچھ اللہ ہی کی ملکیت ہے تاکہ وہ برے کام کرنے والوں کو ان کے اعمال کی سزا دے اور نیک کام کرنے والوں کو اچھا اجر عطا فرمائے۔

وَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِیْلًا ○ وَذَرْنِیْ وَالْمُكَذِّبِیْنَ اُولِی النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِیْلًا ○ (المزمل: ۱۱-۱۰)

اور ان (کافروں) کی باتوں پر صبر کریں اور ان کو خوش اسلوبی کے ساتھ چھوڑ دیں ○ اور ان جھٹلانے والے مالداروں کو مجھ پر چھوڑ دیں اور ان کو تھوڑی سی مہلت دے دیجئے ○

اس کے بعد فرمایا: بے شک آپ کا رب ہی (سب کو) پیدا کرنے والا ہے۔ (سب کچھ) جاننے والا ہے' یہ اس لیے فرمایا کہ جزا اور سزا دینے پر وہی قادر ہو سکتا ہے۔ جس کو بندوں کے تمام اعمال کا علم ہو اور چونکہ وہ سب کو پیدا کرنے والا ہے اور سب کے تمام اعمال کو جاننے والا ہے۔ اس لیے وہ سب کو ان کے اعمال کے مطابق جزا اور سزا دینے پر قادر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے آپ کو سات آیتیں دیں جو دو بار پڑھی جاتی ہیں اور قرآن عظیم دیا○ (الحجر: ۸۷)

ربط آیات اور سبب نزول

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار کی زیادتیوں پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر کرنے کا حکم دیا تھا اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے۔ کیونکہ انسان جب یہ یاد کرے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی بہت زیادہ نعمتیں ہیں تو اس کے لیے سختیوں اور مصیبتوں کو برداشت کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

اس آیت کے نزول کا یہ سبب بیان کیا گیا ہے کہ بنو قریظہ اور بنو نضیر کے لیے سامان سے لدے ہوئے سات قافلے آئے جن میں انواع و اقسام کے کپڑے' خوشبو اور جواہر تھے۔ مسلمانوں کو اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے کہا: اگر یہ اموال ہمارے پاس آتے تو ہم ان سے تقویت حاصل کرتے اور ان کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں کہ میں نے تم پر جو سات آیتیں نازل فرمائی ہیں وہ ان سات قافلوں سے بہتر ہیں اور اس کی صحت پر اس کے بعد والی آیت دلالت کرتی ہے' اور آپ اس متاع (دنیاوی) کی طرف (رشک سے) نہ دیکھیں جو ہم نے کافروں کے کئی گروہوں کو دیا ہے۔ الآیہ۔ (اسباب النزول للواحدی رقم الحدیث: ۵۵۶' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

السبع المثانی کی تفسیر میں متعدد اقوال

اس آیت میں فرمایا ہے ہم نے آپ کو سبعا من المثانی عطا کی ہیں۔ سبع معنی سات اور مثانی مثنیٰ کی جمع ہے' جس کا معنی ہے دو دو۔ سات چیزیں سات آیتیں بھی ہو سکتی ہیں' سات سورتیں بھی ہو سکتی ہیں اور سات فوائد بھی ہو سکتے ہیں' اور اس آیت میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جو کسی ایک معنی کی تعیین پر دلالت کرے۔ اس لیے ان میں سے ہر معنی کی طرف مفسرین گئے ہیں اور اس سلسلہ میں پانچ قول ہیں۔

(۱) حضرت عمر بن الخطاب' حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت ابن مسعود سے ایک روایت اور حضرت ابن عباس سے اکثرین کی روایت اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم اور تابعین میں سے حسن' سعید بن جبیر سے ایک روایت' مجاہد سے ایک روایت' عطا اور قتادہ وغیرہم کا قول یہ ہے کہ اس سے مراد سورہ فاتحہ ہے۔ اس کو سبع اس لیے فرمایا ہے کہ اس میں سات آیات ہیں اور اس کو مثانی اس لیے فرمایا ہے کہ اس کو ہر نماز میں دو بار پڑھا جاتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کا ایک نصف اللہ کے لیے ہے اور ایک نصف بندہ کے لیے ہے۔ پہلے نصف میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء ہے اور دوسرے نصف میں بندے کی دعا ہے اور حدیث میں ہے کہ صلوٰۃ یعنی سورہ فاتحہ میرے اور میرے بندے کے درمیان نصف نصف تقسیم کر دی گئی ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۹۵) اور تیسری وجہ یہ ہے کہ یہ سورت دو مرتبہ نازل ہوئی ہے۔

السبع المثانی سے مراد سورہ فاتحہ ہے۔ اس پر قوی دلیل حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابو سعید بن معلّٰی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا' مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا' میں نے جواب نہیں دیا' پھر میں نے کہا: یا رسول اللہ میں نماز پڑھ رہا تھا۔ آپ نے فرمایا: کیا اللہ تعالیٰ نے یہ

ارشاد نہیں فرمایا:

اِسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ۔ اللہ اور رسول تمہیں جب بلائیں تو حاضر ہو جاؤ۔

(الانفال: ۲۴)

پھر فرمایا: میں تم کو مسجد سے جانے سے پہلے ایک سورت کی تعلیم دوں گا جو قرآن مجید کی سب سے عظیم سورت ہے۔ پھر آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور جب مسجد سے نکلنے لگے تو میں نے کہا: کیا آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ میں مسجد سے جانے سے پہلے تم کو قرآن مجید کی سب سے عظیم سورت کی تعلیم دوں گا فرمایا: الحمد للّٰہ رب العلمین یہ السبع المثانی ہے اور یہ وہ قرآن عظیم ہے جو مجھے دیا گیا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۷۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الحمد للّٰہ (سورہ فاتحہ) ام القرآن ہے۔ ام الکتاب اور السبع المثانی ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۲۴، مسند احمد ج ۲ ص ۴۴۸، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۳۳۷۴، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۴۵۷، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۳۷۶-۳۷۷، شرح السنہ رقم الحدیث: ۱۱۸۷)

(۲) حضرت ابن مسعود (دوسری روایت) حضرت ابن عباس (دوسری روایت) سعید بن جبیر (دوسری روایت) مجاہد (دوسری روایت) نے کہا السبع المثانی سے مراد السبع الطوال (سات لمبی سورتیں) ہیں اور وہ یہ ہیں: البقرہ، آل عمران، النساء، المائدہ، الانعام، الاعراف اور ساتویں سورت کے متعلق تین قول ہیں، سعید بن جبیر نے کہا: وہ سورہ یونس ہے۔ ابو مالک نے کہا: وہ البراءۃ (التوبہ) ہے۔ سفیان نے کہا وہ الانفال اور البراءۃ کا مجموعہ ہے۔ اس قول کی بنا پر ان سات سورتوں کو المثانی اس لیے فرمایا ہے کہ ان سورتوں میں حدود، فرائض اور امثال کو دہرایا گیا ہے یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے، اور ماوردی نے کہا: ان کو مثانی اس لیے فرمایا ہے کہ ان سورتوں میں آیتوں کی تعداد ایک سو سے دوسرے سو کی طرف متجاوز ہے۔

(۳) زیاد بن ابی مریم نے کہا: السبع المثانی سے مراد وہ سات معانی ہیں جو قرآن مجید میں نازل کیے گئے ہیں اور وہ سات معانی یہ ہیں امر، نہی، بشارت، انذار، مثالوں کا بیان، نعمتوں کا شمار کرنا، سابقہ امتوں کی خبر دینا۔

(۴) طاؤس، ضحاک اور ابو مالک نے کہا: مثانی سے مراد پورا قرآن ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: چونکہ بعض آیتیں بعض دوسری آیتوں کے بعد تلاوت کی جاتی ہیں اور ایک آیت کے بعد دوسری آیت منفصل ہوتی ہے۔ قرآن مجید کو المثانی اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں اللہ عزوجل کی ثناء ہے، اور ابن الانباری نے ذکر کیا ہے کہ قرآن مجید کو المثانی اس لیے فرمایا ہے کہ اس میں قصص، اخبار، مواعظ اور آداب کو دہرایا گیا ہے۔

(۵) ابن قتیبہ نے کہا: قرآن مجید کی تمام سورتیں خواہ چھوٹی ہوں یا بڑی، وہ مثانی ہیں کیونکہ ان سورتوں میں خبریں اور قصے دہرائے گئے ہیں۔ (زاد المسیر ج ۴ ص ۴۱۳-۴۱۵، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

اس اعتراض کا جواب کہ عطف کی بنا پر سورۂ فاتحہ قرآن عظیم کی مغائر ہے

اس آیت میں فرمایا ہے ہم نے آپ کو السبع المثانی اور قرآن عظیم عطا کیا ہے اور السبع المثانی سے مراد سورہ فاتحہ ہے، تو اس کا معنی ہے سورہ فاتحہ قرآن عظیم ہے جو ہم نے آپ کو عطا کی ہے۔

اس جگہ پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ عربی قواعد کے مطابق واو عاطفہ تغایر کا تقاضا کرتی ہے تو اس کا معنی یہ ہوا کہ سورہ فاتحہ قرآن مجید کی غیر ہے۔ کیونکہ خلاصہ یہ ہوا کہ ہم نے آپ کو سورہ فاتحہ اور قرآن عظیم عطا کیا ہے سو معلوم ہوا کہ سورہ

فاتحہ اور چیز ہے اور قرآن عظیم اور چیز ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ سورہ فاتحہ قرآن عظیم کا جز ہے اور جز کل کا من وجہ غیر ہوتا ہے اور اتنی مغایرت عطف کی صحت کے لیے کافی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ اس متاع (دنیاوی) کی طرف (رشک سے) نہ دیکھیں جو ہم نے کافروں کے کئی گروہوں کو دیا ہے اور نہ ان کافروں پر افسوس کریں، اور ایمان والوں کے لیے اپنی رحمت کے بازو جھکائے رکھیں۔

(الحجر: ۸۸)

علامہ محمد بن عمر الزمخشری متوفی ۵۳۸ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ ہم نے آپ کو السبع المثانی اور قرآن عظیم کی بہت بڑی نعمت عطا کی ہے اور جس کے پاس یہ نعمت ہو اسے اور کسی چیز کی طرف دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ امام عبداللہ بن المبارک المتوفی ۱۸۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جس نے قرآن پڑھا اس کے دو پہلوؤں میں نبوت کو درج کر دیا گیا مگر اس کی طرف وحی نہیں کی جائے گی اور جس نے قرآن پڑھا اور اس نے یہ گمان کیا کہ اللہ کی مخلوق میں سے کسی کو اس سے افضل نعمت دی گئی ہے اس نے اس نعمت کو حقیر سمجھا جس کو اللہ نے عظیم کہا اور اس کو عظیم سمجھا جس کو اللہ نے حقیر قرار دیا ہے، اور حامل قرآن کو چاہیے کہ وہ جاہلوں کے سے کام نہ کرے اور ظلم نہ کرے بلکہ معاف کر دے اور در گزر کرے۔ امام ابن عدی نے الکامل میں اس حدیث کو حضرت ابن مسعود سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔

(کتاب الزہد رقم الحدیث: ۷۹۹، شعب الایمان رقم الحدیث: ۲۵۹۰، مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۵۹، الکامل ج ۳ ص ۲۶۶، طبع جدید)

متاع دنیا کی طرف دیکھنے کی ممانعت کو عام مفسرین کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع کرنا

اکثر و بیشتر مفسرین نے اس ظاہر آیت کے مطابق کفار کے مال و متاع کی طرف رغبت سے دیکھنے کی ممانعت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع کیا ہے۔

شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ لکھتے ہیں:

یعنی آپ دنیا کی مزین چیزوں کی طرف رغبت سے نظر اٹھا کر نہ دیکھیں اور نہ ان کی تمنا کریں۔

(فتح القدیر ج ۳ ص ۱۹۶، مطبوعہ دار الوفاء، ۱۴۱۸ھ)

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ لکھتے ہیں:

پھر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو دینی نعمتیں عطا فرمائی ہیں ان کی وجہ سے آپ کو جلد زائل ہونے والی دنیا کی لذات سے مستغنی کر دیا ہے، لہٰذا آپ دنیا کی مزین چیزوں کی طرف رغبت سے نظر اٹھا کر نہ دیکھیں اور نہ ان کی تمنا کریں۔ (فتح البیان، ج ۷ ص ۱۹۵، مطبوعہ المکتبۃ العصریہ بیروت، ۱۴۱۵ھ)

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی مشرکین، یہود و نصاریٰ اور دوسرے دشمنان خدا اور رسول کو دنیا کی چند روزہ زندگی کا جو سامان دیا ہے اس کی طرف نظر نہ کیجئے کہ ان ملعونوں کو یہ سامان کیوں دے دیا گیا جس سے ان کی شقاوت و شرارت زیادہ بڑھتی ہے۔ یہ دولت مسلمانوں کو ملتی تو اچھے راستہ میں خرچ ہوتی، ان کو تھوڑی دیر مزہ اڑا لینے دو، تم کو خدا تعالیٰ نے وہ دولت قرآن دی ہے جس کے آگے سب دولتیں گرد ہیں۔ روایات میں ہے کہ جس کو خدا تعالیٰ نے قرآن دیا پھر کسی کی اور نعمت دیکھ کر ہوس کرے تو

اس نے قرآن کی قدر نہ جانی۔ (حاشیہ قرآن بر ترجمہ شیخ محمود الحسن ص ۳۵۳، مطبوعہ سعودی عربیہ)

سید ابو الاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ لکھتے ہیں:

یہ بات بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کی تسکین و تسلی کے لیے فرمائی گئی ہے۔ وقت وہ تھا جب حضور اور آپ کے ساتھی سب کے سب انتہائی خستہ حالی میں مبتلا تھے۔ کار نبوت کی عظیم ذمہ داریاں سنبھالتے ہی حضور کی تجارت قریب قریب ختم ہو چکی تھی اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا سرمایہ بھی دس بارہ سال کے عرصے میں ختم ہو چکا تھا۔ مسلمانوں میں سے بعض کم سن نوجوان تھے جو گھروں سے نکال دیئے گئے تھے۔ بعض صنعت پیشہ یا تجارت پیشہ تھے جن کے کاروبار معاشی مقاطعہ کی مسلسل ضرب سے بالکل بیٹھ گئے تھے۔ اور بعض بے چارے پہلے ہی غلام یا موالی تھے جن کی کوئی معاشی حیثیت نہ تھی۔ اس پر مزید یہ ہے کہ حضور سمیت تمام مسلمان مکے اور اطراف و نواح کی بستیوں میں انتہائی مظلومی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ ہر طرف سے مطعون تھے، ہر جگہ تذلیل و تحقیر اور تضحیک کا نشانہ بنے ہوئے تھے اور قلبی و روحانی تکلیفوں کے ساتھ جسمانی اذیتوں سے بھی کوئی بچا ہوا نہ تھا۔ دوسری طرف سرداران قریش دنیا کی نعمتوں سے مالا مال اور ہر طرح کی خوشحالیوں میں مگن تھے۔ ان حالات میں فرمایا جا رہا ہے کہ تم شکستہ خاطر کیوں ہوتے ہو، تم کو تو ہم نے وہ دولت عطا کی ہے جس کے مقابلہ میں دنیا کی ساری نعمتیں ہیچ ہیں۔ رشک کے لائق تمہاری یہ علمی و اخلاقی دولت ہے نہ کہ ان لوگوں کی مادی دولت جو طرح طرح کے حرام طریقوں سے کما رہے ہیں اور طرح طرح کے حرام راستوں میں اس کمائی کو اڑا رہے ہیں۔ اور آخر کار بالکل مفلس و قلاش ہو کر اپنے رب کے سامنے حاضر ہونے والے ہیں۔

(تفہیم القرآن ج ۲ ص ۵۱۷، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۳ء)

مصنف کے نزدیک یہ نسبت امت کی طرف تعریضاً ہے

ہمارے نزدیک مال و متاع دنیا کی طرف رغبت سے دیکھنے کی ممانعت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع کرنا صحیح نہیں ہے۔ اس آیت میں آپ کی امت کو تعریض کی گئی ہے۔ یعنی بظاہر آپ کو منع فرمایا ہے لیکن حقیقت میں آپ کی امت کو زینت دنیا کی طرف دیکھنے سے منع کرنا مراد ہے اور اس کی نظیر یہ آیت ہے:

لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۔ (الزمر: ۶۵)

اور اگر (بالفرض) آپ نے بھی شرک کیا تو ضرور آپ کے سب عمل ضائع ہو جائیں گے اور آپ ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

اس آیت کا یہ معنی نہیں ہے کہ آپ کفار کی دنیاوی متاع اور ان کے سامان عیش و عشرت کی طرف رغبت کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے روک دیا بلکہ اس آیت میں آپ کی امت کی طرف تعریضاً خطاب ہے۔ صراحتاً رغبت سے ممانعت کی نسبت آپ کی طرف کی گئی ہے اور مراد آپ کی امت ہے۔ یعنی آپ کی امت کو یہ چاہیے کہ وہ کفار کے دنیوی ساز و سامان اور عیش و طرب کی طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اور رشک اور حسرت سے نہ دیکھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دنیاوی عیش سے رغبت کی ممانعت کی نسبت حقیقتاً درست نہیں ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دنیاوی عیش و آرام کے اسباب اور دنیاوی زیب و زینت کی طرف التفات نہیں کرتے تھے اور نہ ان کو اختیار کرتے تھے اور نہ اپنے پاس دنیاوی مال کو رکھتے تھے۔ جیسا کہ حسب ذیل احادیث سے واضح ہوتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اختیار سے متاع دنیا کو ترک فرماتے تھے

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ پیش کش کی کہ وہ میرے لیے مکہ کی پتھریلی زمین کو سونا بنا دے۔ میں نے کہا: نہیں اے میرے رب! میں ایک دن پیٹ بھر کر کھاؤں گا اور ایک دن بھوکا رہوں گا جب میں بھوکا ہوں گا تو تجھ سے عاجزی سے سوال کروں گا اور تیرا ذکر کروں گا اور جب میرا پیٹ بھرا ہو گا تو تیرا شکر کروں گا اور تیری حمد کروں گا۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۴۷، مسند احمد ج ۵ ص ۲۵۴، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۸۳۵، الترغیب والترہیب ج ۴ ص ۱۵۳، مشکوۃ رقم الحدیث: ۵۱۹۰، حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۱۳۳)

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث روایت کی ہے۔ اس میں مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے سامان کا جائزہ لیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے، آپ کے اور چٹائی کے درمیان کوئی بستر نہیں تھا اور آپ کے سر اقدس کے نیچے چمڑے کا ایک تکیہ تھا جس میں کھجور کے خشک پتے بھرے ہوئے تھے اور آپ کے پیروں کے پاس درخت قرظ کے پتے ڈالے ہوئے تھے اور آپ کے سرہانے کچی کھالیں لٹکی ہوئی تھیں اور میں نے دیکھا کہ آپ کے پہلو میں چٹائی کے نقوش کے نشانات ثبت ہو گئے تھے۔ میں رونے لگا آپ نے فرمایا: تم کس وجہ سے رو رہے ہو؟ میں نے کہا: یا رسول اللہ! کسریٰ اور قیصر کس قدر عیش و آرام میں ہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں! آپ نے فرمایا: کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ ان کے لیے دنیا ہو اور ہمارے لیے آخرت ہو! امام بخاری کی دوسری روایت (رقم: ۲۴۶۸) میں یہ الفاظ ہیں: حضرت عمر نے گھر کی چیزوں کا جائزہ لے کر کہا: آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی امت پر کشادگی کر دے کیونکہ فارس اور روم پر وسعت کی گئی اور ان کو متاع دنیا دی گئی ہے۔ حالانکہ وہ اللہ کی عبادت نہیں کرتے! آپ تکیہ لگائے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا: اے ابن الخطاب کیا تم (اپنے دین کے متعلق) شک میں ہو؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کو ان کی پسندیدہ چیزیں دنیا میں ہی جلدی دے دی گئیں، میں نے کہا: یا رسول اللہ! میرے لیے استغفار کیجئے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۱۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۷۹)

ان حدیثوں سے یہ معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی اضطرار اور مجبوری کی وجہ سے دنیا کے عیش و آرام اور دنیا کے ساز و سامان کو ترک نہیں کیا تھا بلکہ آپ کا فقر اور آپ کی سادہ زندگی اختیاری تھی۔ اس لیے یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ کافروں کے مال کی طرف رغبت کرتے ہوں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بحرین سے مال آیا۔ آپ نے فرمایا: اس کو مسجد میں پھیلا دو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو اموال آتے تھے یہ ان میں سب سے زیادہ مال تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی طرف چلے گئے اور اس مال کی طرف التفات نہیں کیا۔ جب آپ نماز پڑھا چکے تو مال کے پاس آ کر بیٹھ گئے۔ آپ جس شخص کو بھی دیکھتے اس کو اس میں سے مال عطا فرماتے۔ آپ کے پاس حضرت عباس رضی اللہ عنہ آئے اور کہا یا رسول اللہ! مجھے مال دیجئے کیونکہ میں نے اپنا فدیہ بھی دیا تھا اور عقیل کا فدیہ بھی دیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: مال لے لو۔ انہوں نے اپنے کپڑے میں مال بھرنا شروع کیا۔ پھر مال کا چوٹی نما ایک بڑا ڈھیرا کٹھا کر لیا۔ جس کو وہ اٹھا نہیں سکے۔ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ کسی کو حکم دیجئے کہ وہ اس مال کو اٹھا کر میرے اوپر رکھ دے۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ انہوں نے کہا: پھر آپ خود اٹھا کر رکھ دیں۔ آپ نے فرمایا: نہیں۔ انہوں نے پھر اس سے کچھ مال کم کیا اور اس کو اٹھا کر اپنے کندھے پر رکھ لیا اور چلے گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر ان کا پیچھا کرتی

رہی حتیٰ کہ وہ نظر سے اوجھل ہو گئے آپ ان کی حرص پر تعجب کر رہے تھے۔ جب تک ایک ایک درہم تقسیم نہیں کر دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے کھڑے نہیں ہوئے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۲۱، مطبوعہ دارارقم بیروت)

حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عصر کی نماز پڑھی۔ آپ سلام پھیرنے کے بعد جلدی سے کھڑے ہو گئے اور ازواج مطہرات میں سے کسی کے حجرے میں گئے، پھر باہر آئے۔ آپ نے دیکھا کہ آپ کے اس طرح سرعت کے ساتھ اٹھ کر جانے کی وجہ سے لوگوں کے چہروں پر تعجب کے آثار ہیں۔ آپ نے فرمایا: مجھے نماز میں یاد آیا کہ ہمارے پاس سونے کا ایک ٹکڑا پڑا ہوا ہے اور میں نے اس بات کو ناپسند کیا کہ ہمارے پاس سونے کا ٹکڑا ہو اور اس حال میں شام کا وقت ہو جائے یا رات آجائے، سو میں نے اس سونے کے ٹکڑے کو تقسیم کرنے کا حکم دیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۲۱، ۸۵۱ مطبوعہ دارارقم بیروت)

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دنیا کا مال و متاع آتا بھی تھا تو آپ اس کو تقسیم کر دیتے تھے۔ پھر آپ کے متعلق یہ کیسے تصور یا فرض کیا جا سکتا ہے کہ آپ کافروں کے پاس دنیا کا مال و متاع دیکھ کر اس کی طرف رغبت کرتے ہوں یا اس کو رشک بھری نظروں سے اور حسرت سے دیکھتے ہوں۔ اس لیے لامحالہ قرآن مجید کی اس آیت کا یہی محمل ہے کہ اس میں کافروں کے مال و متاع کو رشک سے دیکھنے کی ممانعت اگرچہ صراحتاً آپ کو کی گئی ہے لیکن اس سے مراد آپ کی امت ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی صحابہ کرام کو کافروں کے مال و متاع کی طرف رغبت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث سے گزر چکا ہے کہ آپ نے حضرت عمر سے فرمایا: تم اس پر راضی نہیں ہو کہ ان کے لیے دنیا ہو اور ہمارے لیے آخرت ہو، اور آپ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جن کو ان کی پسندیدہ چیزیں دنیا میں ہی جلدی دے دی گئیں۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی اپنی امت کو زیب و زینت اور عیش و آرام ترک کرنے کی ترغیب دی ہے۔ جیسا کہ حسب ذیل احادیث سے ظاہر ہوتا ہے۔

امت کو دنیاوی عیش کے سامان ترک کرنے کی ترغیب

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے احباب میں سے میرے نزدیک زیادہ قابل رشک وہ مومن ہے جو کم مال والا ہو، نماز میں اس کا زیادہ حصہ ہو، اپنے رب کی اچھی عبادت کرتا ہو اور تنہائی میں اس کی اطاعت کرتا ہو، لوگوں میں گم نام ہو، اس کی طرف انگلیوں سے اشارہ نہ کیا جاتا ہو، اس کا رزق بہ قدر ضرورت ہو اور وہ اس پر صبر کرتا ہو۔ پھر آپ نے دو انگلیاں مار کر فرمایا: اس کی موت جلدی آئے گی، اس پر رونے والے کم ہوں گے اور اس کی میراث کم ہو گی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۴۷، مسند احمد ج ۵ ص ۲۵۲، ۲۵۵، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۸۲۹، المستدرک ج ۴ ص ۱۲۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۱۷)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابن آدم کے لیے ان چیزوں کے سوا اور کوئی حق نہیں ہے: اس کے پاس سکونت کے لیے گھر ہو، اتنا کپڑا ہو جس سے وہ اپنی شرم گاہ چھپا سکے، روٹی کا ٹکڑا اور پانی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۴۱، مسند احمد ج ۱ ص ۶۲، مسند البزار رقم الحدیث: ۴۱۴، حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۶۱، المعجم الکبیر رقم الحدیث:

۱۴۷)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک وہ مسلمان کامیاب ہوگیا جس کو بقدر ضرورت رزق دیا گیا اور اللہ نے اس کو اس پر قانع بنادیا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۴۸، مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۵۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۳۸، حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۱۲۹، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۴ ص ۱۹۶، شرح السنہ رقم الحدیث: ۴۰۴۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے کسی شے کے لیے اتنی اجازت نہیں دی جتنی اجازت قرآن کے ساتھ تغنی کی دی ہے۔ سفیان نے کہا: اس کی تفسیر یہ ہے کہ وہ قرآن کی وجہ سے دوسری چیزوں سے مستغنی رہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۰۲۴، مطبوعہ دار ارقم بیروت)

جس طرح سورۃ الحجر کی اس آیت میں بظاہر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے اور حقیقت میں امت کو سنانا اور ان کو تعریض کرنا مراد ہے، اسی طرح اس آیت میں بھی بظاہر آپ کو خطاب ہے اور حقیقت میں امت کو تعریض ہے۔

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِۦٓ أَزْوَٰجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ ۚ (طٰہٰ: ۱۳۱)

اور آپ حیات دنیا کی ان زینتوں اور آرائشوں کی طرف اپنی آنکھیں نہ پھیلائیں جو ہم نے ان کے مختلف لوگوں کو (عارضی) نفع اٹھانے کے لیے دے رکھی ہیں تاکہ ہم ان کو اس سے آزمائش میں ڈالیں۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی امت کو ترک زینت کی ترغیب دی ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عنقریب مسلمان کا سب سے بہترین مال وہ بکریاں ہوں گی جن کو وہ اپنے دین کی حفاظت کے لیے اپنے ساتھ لے کر پہاڑوں کی چوٹیوں اور بارش کی جگہوں پر چلا جائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۹، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۶۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۸۰، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۶۰۹، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۹۵۵، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۱۰۴۶)

اسلام میں دین اور دنیا کا امتزاج ہے

قرآن مجید کی ان آیتوں اور ان احادیث کا یہ منشاء نہیں ہے کہ انسان کو بالکل دنیا ترک کر دینی چاہیے اور جنگلوں اور پہاڑوں کی چوٹیوں کی طرف نکل جانا چاہیے کیونکہ بقدر ضرورت دنیاداری سے حصہ لینا بھی ضروری ہے۔ حدیث میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دنیا کی چیزوں سے عورتوں اور خوشبو کی محبت میری طرف ڈالی گئی ہے اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں بنائی گئی ہے۔

(سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۹۴۹، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۲۲۹۵، طبع جدید دار الفکر)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف عورتوں کی محبت ڈالی گئی ہے، یعنی آپ اپنی ذات اور فطرت کے اعتبار سے عورتوں اور خوشبو کی طرف مائل اور راغب نہ تھے آپ کی طرف ان کی محبت ڈالی گئی ہے تاکہ آپ عورتوں سے نکاح کریں اور آپ کی زندگی میں شوہر کا نمونہ ہو اور عورت کے نان و نفقہ کی ادائیگی اور ان کے دیگر حقوق میں آپ کے افعال سنت ہوں اور آپ کی خلوت اور نجی زندگی کے معاملات کو نقل کرنے کے لیے متعدد خواتین ہوں اور امت تک آپ کی گھریلو زندگی کا

نمونہ پہنچے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم فطرت آدمیت اور خلقت انسانیت کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے ازواج مطہرات کے ساتھ مشغول ہوتے تھے اور اپنے نفیس مزاج کے مطابق خوشبو لگاتے تھے۔ ہرچند کہ آپ کا بدن مبارک خود خوشبودار تھا اور آپ کے پسینہ میں مشک اور عنبر سے بہتر خوشبو تھی۔ تاہم امت کی تعلیم کے لیے آپ خوشبو لگاتے تھے اور آپ کی آنکھیں صرف نماز سے ٹھنڈی ہوتی تھیں جب آپ اپنے مولیٰ سے مناجات کرتے تھے۔

ہم نے اس بحث میں یہ حدیث اس لیے ذکر کی ہے تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں رہبانیت نہیں ہے اور نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین کی طرح یہ معمول ہے کہ انسان بالکلیہ اعمال صالحہ کی طرف متوجہ ہو اور دنیاداری کو مطلقاً ترک کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت اور اس کے فطری تقاضوں کے مطابق دین اسلام کو مشروع کیا ہے اور اس سے حرج اور مشقت کو ساقط کر دیا ہے۔ انسان اپنے طبعی اور شہوانی تقاضوں کو اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق پورا کرے اور اللہ تعالیٰ کی عبادات کو سرانجام دے اور دل سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے۔ انسان اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لیے کسب معاش کرے اور اللہ کے رزق کو تلاش کرے لیکن ان مہمات میں اللہ کی عبادت اور اس کی یاد سے غافل نہ ہو۔ نہ دنیا کی زیب و زینت میں مستغرق ہو کر خدا کو بھول جائے اور نہ جنگلوں اور پہاڑوں کی طرف نکل جائے اور غاروں میں بیٹھ کر عبادت کرے اور اپنی دنیاوی ذمہ داریوں کو یکسر فراموش کر دے۔

عون بن ابی جحیفہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہما کو آپس میں بھائی بنایا۔ ایک دن حضرت سلمان حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے ملاقات کرنے کے لیے گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ حضرت ام الدرداء (حضرت ابوالدرداء کی بیوی) بہت میلے کچیلے کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔ حضرت سلمان نے کہا: یہ تم نے اپنا کیا حال بنا رکھا ہے! انہوں نے کہا تمہارے بھائی ابوالدرداء کو دنیا سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ بعد میں جب حضرت ابوالدرداء آئے تو انہوں نے حضرت سلمان کے لیے کھانا تیار کیا اور ان سے کہا تم کھانا کھاؤ میں تو روزہ دار ہوں! حضرت سلمان نے کہا: میں نہیں کھاؤں گا حتیٰ کہ تم بھی کھانا کھاؤ پھر حضرت ابوالدرداء نے کھانا کھایا۔ جب رات ہوئی تو حضرت ابوالدرداء نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے۔ حضرت سلمان نے کہا سو جاؤ۔ پس وہ سو گئے۔ کچھ دیر بعد پھر اٹھے تو حضرت سلمان نے کہا: سو جاؤ۔ جب رات کا آخری پہر ہوا تو حضرت سلمان نے کہا اب اٹھو۔ پھر دونوں نے نماز پڑھی۔ تب حضرت سلمان نے کہا: تمہارے رب کا تم پر حق ہے اور تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے۔ سو ہر حق والے کو اس کا حق ادا کرو۔ حضرت ابوالدرداء نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور اس واقعہ کا ذکر کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سلمان نے سچ کہا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۹۶۸، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۱۳، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۸۹۸، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۱۴۴، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۲۰، ۱۱ المعجم الکبیر ج ۲۲، رقم الحدیث: ۲۸۵، حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۱۸۸، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۴ ص ۲۷۶)

اس موضوع کی زیادہ تفصیل سے جاننے کے لیے آل عمران: ۱۴ کا مطالعہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ کہیں میں ہی علی الاعلان ڈرانے والا ہوں ○ جیسا کہ ہم نے ان پر (عذاب) نازل کیا جو (اپنی کتاب کو) تقسیم کرنے والے تھے ○ (الحجر: ۹۰-۸۹)

تقسیم کرنے والوں کے مصداق میں متعدد اقوال

پہلی آیت میں عذاب کا لفظ مقدر ہے یعنی اور آپ کہیں میں ہی علی الاعلان عذاب سے ڈرانے والا ہوں○ اس کی نظیر یہ آیت ہے:

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ۔ (حم السجدۃ: ۱۳)

پھر اگر وہ روگردانی کریں تو آپ فرمادیں کہ میں نے تمہیں کڑک (کے عذاب) سے ڈرایا ہے جیسا عاد اور ثمود پر کڑک کا عذاب آیا تھا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جیسا کہ ہم نے ان پر (عذاب) نازل کیا جو تقسیم کرنے والے تھے۔

وہ تقسیم کرنے والے کون تھے اور کس چیز کو تقسیم کرنے والے تھے' اس کے متعلق حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) مقاتل اور فراء نے کہا: ولید بن مغیرہ نے سولہ آدمیوں کو حج کے ایام میں مکہ کی گھاٹیوں اور مکہ کے راستوں میں بھیجا وہ ان راستوں سے مکہ کی طرف آنے والوں سے کہتے تھے: ہم میں سے ایک شخص ظاہر ہوا ہے' جو نبوت کا دعویٰ کرتا ہے۔ اس کی باتوں سے دھوکا نہ کھانا' کیونکہ وہ دیوانہ ہے' اور کبھی کہتے وہ جادوگر ہے اور کبھی کہتے وہ شاعر ہے اور کبھی کہتے وہ کاہن ہے۔ ان کو مقتسمین اس لیے فرمایا کہ انہوں نے مکہ کی گھاٹیوں اور راستوں کو آپس میں تقسیم کر لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بدترین موت سے رسوا کیا۔ انہوں نے ولید بن مغیرہ کو مسجد حرام کے دروازہ پر کھڑا کر دیا تھا جب باہر سے آنے والے اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پوچھتے تو وہ کہتا یہ لوگ ٹھیک کہتے ہیں۔

(۲) قتادہ نے کہا: یہ کفار قریش کا ایک گروہ تھا۔ ان لوگوں نے اللہ کی کتاب کو تقسیم کر لیا تھا۔ بعض اس کو شعر کہتے تھے' بعض جادو کہتے تھے' بعض کہانت (جنات کی بتائی ہوئی باتیں) کہتے تھے اور بعض یہ کہتے کہ یہ پچھلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔

(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ فرمایا: یہ اہل کتاب تھے جو بعض کتاب پر ایمان لائے تھے اور بعض کا کفر کرتے تھے۔

(۴) عکرمہ نے بھی اسی طرح کہا کہ یہ اہل کتاب تھے۔ ان کو تقسیم کرنے والے اس لیے فرمایا کہ یہ کتاب کا مذاق اڑاتے اور کہتے تھے یہ سورت میری ہے اور یہ سورت تمہاری ہے۔

(۵) قتادہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ اہل کتاب نے اپنی کتاب کو تقسیم کر لیا تھا اس میں تفریق اور تحریف کر دی۔

(۶) زید بن اسلم نے کہا: اس سے حضرت صالح علیہ السلام کی قوم مراد ہے۔ انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام پر شب خون مارنے کے لیے قسمیں کھائی تھیں اور مقتسمین سے مراد قسمیں کھانے والے ہیں۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے:

قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ۔ (النمل: ۴۹)

انہوں نے کہا: سب آپس میں اللہ کی قسم کھا کر عہد کرو کہ ہم ضرور رات کو صالح اور اس کے گھر والوں پر شب خون ماریں گے پھر ہم اس کے وارث سے کہیں گے کہ ان کے قتل کے موقع پر ہم موجود ہی نہ تھے اور بے شک ہم ضرور سچے ہیں۔

(۷) اخفش نے کہا: یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی قسمیں کھائی تھیں۔ ان لوگوں میں العاص بن وائل' عتبہ بن ربیعہ' شیبہ بن ربیعہ' ابوجہل بن ہشام' ابوالبختری بن ہشام' النضر بن الحارث' امیہ بن خلف اور

نضر بن الحجاج تھے۔ (النکت والعیون ج ۳ ص ۱۷۲-۱۷۱ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جنہوں نے قرآن کو (کچھ مان کر اور کچھ نہ مان کر) ٹکڑے ٹکڑے کردیا○ سو آپ کے رب کی قسم ہم ان سب سے ضرور سوال کریں گے○ کہ وہ کیا کرتے رہے تھے○ (الحجر: ۹۳-۹۱)

اس آیت میں فرمایا ہے جنہوں نے قرآن کو عضین کردیا، علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

"عضین" کا معنی

یعنی جنہوں نے قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا۔ بعض نے کہا: یہ کہانت ہے اور بعض نے کہا: یہ اگلے لوگوں کے قصے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ۔ (البقرہ: ۸۵) — کیا پس تم کتاب کے بعض حصے کے ساتھ ایمان لاتے ہو اور بعض کے ساتھ کفر کرتے ہو۔

اور عضون جمع ہے جیسے ثبون اور ظبون ثبة اور ظبة کی جمع ہے۔ اسی طرح عضة کی جمع عضون ہے۔ اسی طریقہ پر العضو اور التعضیہ کا معنی ہے اعضاء کا تجزیہ کرنا۔ کسائی نے کہا: یہ لفظ العضو سے بنا ہے یا العضة سے۔ اور العضة اصل میں ایک درخت ہے۔ اگر اس کی اصل العضو ہو تو یہ ناقص یائی ہے اور لام کلمہ حذف ہو گیا۔

عضیت الشئی کا معنی ہے کسی چیز کے ٹکڑے ٹکڑے کرنا اور ہر ٹکڑا عضة کہلاتا ہے اور تعضیة کے معنی ہے تجزیہ کرنا۔ عضیت الجزور والشاة کا معنی ہے میں نے اونٹ اور بکری کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا اور ران کو تقسیم کردیا۔ جعلوا القران عضین کا معنی ہے انہوں نے قرآن کو بوٹی بوٹی کرڈالا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ یہ اصل میں عضهه تھا۔ آخر میں جو تاء ہے وہ حالت وقف میں ہاء ہو جاتی ہے اور دو ہاؤں کا اجتماع زبان پر ثقیل خیال کیا گیا تھا تو ایک ہاء حذف کردی گئی اور عضه ہو گیا۔ اس کا معنی جھوٹی اور بناوٹی بات ہے۔ اس قول کی بناء پر جعلوا القران عضین کا معنی ہے انہوں نے قرآن کو بناوٹی، خود ساختہ اور من گھڑت کلام قرار دیا۔

(المفردات مع التوضیح ج ۲ ص ۴۳۹، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ یہ کتاب کے بعض حصے پر ایمان لائے اور بعض کے ساتھ کفر کیا، اور یہ منکرین، قرآن مجید کے متعلق مختلف باتیں کرتے تھے۔ اس کو کذب، سحر، کہانت اور شعر کہتے تھے۔

گنہ گار مسلمانوں سے قیامت کے دن سوال کی کیفیت

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ کے رب کی قسم ہم ان سب سے ضرور سوال کریں گے۔ یعنی ہم ان سے ضرور ان کاموں کے متعلق سوال کریں گے جو وہ دنیا میں کرتے رہے تھے۔ امام بخاری نے کہا: اکثر اہل علم نے کہا ہے کہ ان سے لا الہ الا اللہ کے متعلق سوال کریں گے۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اخلاص کے ساتھ لا الہ الا اللہ کہا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ آپ سے پوچھا گیا یا رسول اللہ! اخلاص کا کیا معیار ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے اجتناب کرے۔ (الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۸۸۹۶)

نیز حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے یہ عہد کیا ہے کہ جو شخص بھی میری امت سے، میرے پاس لا الہ الا اللہ لے کر آئے گا در آنحالیکہ اس نے اس (توحید) کے ساتھ کسی

اور چیز کو نہ ملایا ہو تو اس کے لیے جنت واجب ہو جائے گی۔ صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! وہ لا الہ الا اللہ کے ساتھ کیا چیز ملائے گا؟ آپ نے فرمایا: دنیا کی حرص کرنا' اور دنیا کو جمع کرنا اور دنیا کی وجہ سے منع کرنا۔ وہ نبیوں کی طرح باتیں کریں گے اور ظالموں کے عمل کریں گے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا الہ الا اللہ بندوں کو اللہ کی ناراضگی سے بچاتا ہے جب تک کہ وہ دنیا کو دین پر ترجیح نہ دیں اور جب وہ دنیا کو دین پر ترجیح دیں اور لا الہ الا اللہ کہیں تو یہ کلمہ ان پر رد کر دیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم نے جھوٹ بولا۔

(نوادر الاصول ج ۲ ص ۷۳۔ ۷۲' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۰ ص ۵۶۔ ۵۵' مطبوعہ بیروت)

یہ آیت اپنے عموم سے اس پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ مومن اور کافر سب سے حساب لے گا' ماسوا ان مومنوں کے جن کو اللہ تعالیٰ بغیر حساب کے جنت میں داخل فرمائے گا۔

کفار سے قیامت کے دن سوال کی کیفیت

اس میں اختلاف ہے کہ آیا کافروں سے بھی سوال کیا جائے گا اور ان سے بھی حساب لیا جائے گا یا نہیں۔ صحیح یہ ہے کہ کافروں سے بھی سوال کیا جائے گا اور ان سے بھی حساب لیا جائے گا اور اس پر دلیل درج ذیل آیات ہیں:

وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْـُٔوْلُوْنَ۔ (الصّٰفّٰت: ۲۴) — اور انہیں ٹھہراؤ' بے شک ان سے سوال کیا جائے گا۔

اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ ○ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ○ (الغاشیہ: ۲۶۔ ۲۵) — بے شک ان کا لوٹنا ہماری ہی طرف ہے ○ پھر بے شک ہم ہی پر ان کا حساب لینا ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا يُسْـَٔلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ۔ (القصص: ۷۸) — اور ان کے گناہوں کے متعلق مجرمین سے سوال نہیں کیا جائے گا۔

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ۔ (الرحمٰن: ۳۹) — انسان ہو خواہ جن ہو' سو اس دن کسی کے گناہوں کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا۔

وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ۔ (البقرہ: ۱۷۴) — اور اللہ ان سے قیامت کے دن کلام نہیں کرے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا۔

كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ۔ (المطففین: ۱۵) — حق یہ ہے کہ اس دن وہ اپنے رب کے دیدار سے ضرور محروم ہوں گے۔

ان آیات سے پتا چلتا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کفار سے کلام نہیں فرمائے گا نہ ان کی طرف دیکھے گا نہ وہ اس کو دیکھیں گے' اور نہ ان سے ان کے گناہوں کے متعلق سوال کرے گا سو ان سے ان کا حساب بھی نہیں لیا جائے گا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حشر کے دن کئی مواقف اور مختلف احوال ہوں گے۔ بعض مواقف اور بعض احوال میں اللہ تعالیٰ کوئی کلام کرے گا نہ کوئی سوال کرے گا اور نہ کوئی حساب لے گا۔ یہ اس وقت ہو گا جب اللہ تعالیٰ جلال سے فرمائے گا: لمن الملک الیوم آج کس کی بادشاہی ہے؟ پھر خود ہی فرمائے گا للہ الواحد القہار صرف اللہ کی جو ایک ہے اور سب پر غالب ہے۔ (المومن: ۱۶) پھر جب ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں گر کر اللہ تعالیٰ کو راضی کریں گے۔ تب اللہ تعالیٰ مخلوق سے سوال کرے گا اور ان سے حساب بھی لے گا اور ان سے کلام بھی فرمائے گا لیکن مومنوں سے محبت

سے کلام فرمائے گا اور کافروں سے غضب سے کلام فرمائے گا۔ سو کفار سے سوال اور حساب کی نفی کی آیات کا تعلق پہلے موقف اور پہلے حال سے ہے اور ان سے سوال کرنے اور حساب لینے کے ثبوت کی آیات کا تعلق بعد کے موقف اور بعد کے حال سے ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان سے ان کے اعمال کو معلوم کرنے کے لیے سوال نہیں کرے گا کہ تم نے کیا کیا عمل کیے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہے لیکن اللہ تعالیٰ ان کو ڈانٹنے اور جھڑکنے کے لیے سوال کرے گا کہ تم نے فلاں فلاں عمل کیوں کیے، تم نے ہمارے رسولوں کی اور ہماری کتابوں کی نافرمانی کیوں کی اور اس کے لیے تمہارے پاس کیا عذر ہے۔

پس تحقیق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دن مومن اور کافر ہر شخص سے سوال کرے گا۔ وہ ارشاد فرماتا ہے:

ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ۝ پھر تم سے اس دن نعمتوں کے متعلق ضرور پوچھا جائے گا۔

(التکاثر: ۸)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ اس کا برملا اعلان کر دیں جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے اور مشرکین سے اعراض کیجئے ۝ آپ کا مذاق اڑانے والوں سے (بدلہ کے لیے) ہم کافی ہیں ۝ جو اللہ کے ساتھ کسی اور کو (بھی) معبود قرار دیتے ہیں، سو وہ عنقریب جان لیں گے ۝ (الحجر: ۹۶-۹۴)

اصدع کا معنی

صدع کے معنی کسی ٹھوس جسم مثلاً لوہے یا شیشہ وغیرہ میں شگاف پڑنے اور اس کے شق ہو جانے کے ہیں اور شق ہونے کو اس چیز کا کھلنا لازم ہے۔ اس اعتبار سے کسی چیز کے کھلم کھلا بیان کرنے کے لیے بھی صدع کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور اصدع کا معنی ہے آپ کھلم کھلا بیان کر دیجئے اور برملا کہہ دیجئے۔

مجاہد نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: نماز میں بلند آواز سے قرآن پڑھئے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۶۱۷۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم چھپ کر تبلیغ کرتے تھے جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ اور آپ کے اصحاب باہر نکل آئے اور علانیہ تبلیغ کرنے لگے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۶۱۷۳)

جن مذاق اڑانے والے مشرکوں سے بدلہ لیا گیا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور مشرکین سے اعراض کیجئے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا یہ حکم جہاد کے فرض ہونے سے پہلے کا ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ کا مذاق اڑانے والوں سے (بدلہ کے لیے) ہم کافی ہیں ۝ جو اللہ کے ساتھ کسی اور کو بھی معبود قرار دیتے ہیں، وہ عنقریب جان لیں گے ۝

اللہ تعالیٰ اپنے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے آپ اللہ کے احکام کو کھل کر بیان کیجئے اور ان لوگوں کی پرواہ نہ کیجئے جو آپ کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا آپ کسی سے نہ ڈریے کیونکہ آپ کی مدد کے لیے اللہ تعالیٰ کافی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑانے والے قریش کے معروف سردار تھے۔ ان کا ذکر اس حدیث میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مذاق اڑانے والے یہ تھے: ولید بن المغیرہ، اسود بن عبد یغوث، اسود بن عبد المطلب، حارث بن عیطل السہمی اور العاص بن وائل السہمی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت جبریل علیہ

السلام آئے تو آپ نے ان کی شکایت کی۔ آپ نے حضرت جبریل کو ولید بن مغیرہ دکھایا تو حضرت جبریل نے اس کے ہاتھ کی اندرونی رگ کی طرف اشارہ کیا، آپ نے فرمایا: تم نے کیا کیا؟ حضرت جبریل نے کہا: میں نے اس سے آپ کا بدلہ لے لیا۔ پھر آپ نے ان کو الحارث بن عیطل دکھایا حضرت جبریل نے اس کے پیٹ کی طرف اشارہ کیا۔ آپ نے فرمایا تم نے کیا کیا؟ حضرت جبریل نے کہا میں نے اس سے آپ کا بدلہ لے لیا۔ پھر آپ نے ان کو العاص بن وائل دکھایا۔ حضرت جبریل نے اس کے تلوے کی طرف اشارہ کیا۔ آپ نے فرمایا تم نے کیا کیا؟ حضرت جبریل نے کہا میں نے اس سے آپ کا بدلہ لے لیا۔ رہا ولید بن مغیرہ تو وہ خزاعہ کے ایک شخص کے پاس سے گزرا وہ اپنا تیر درست کر رہا تھا۔ وہ تیر اس کو لگ گیا اور اس کے ہاتھ کی رگ کٹ گئی۔ رہا اسود بن عبد المطلب تو وہ اندھا ہو گیا۔ اس کی آنکھ میں ایک درخت کا کانٹا چبھ گیا جس سے وہ اندھا ہو گیا اور رہا اسود بن عبد یغوث تو اس کے سر میں پھنسیاں ہو گئیں جس سے وہ مر گیا اور الحارث بن عیطل تو اس کے پیٹ میں زرد پانی پڑ گیا اس کے منہ سے پاخانہ آنے لگا اور وہ اسی مرض میں مر گیا اور رہا العاص بن وائل تو اس کے پیر کے تلوے میں کانٹا چبھا اور اس کا زخم پورے پیر میں پھیل گیا جس سے وہ مر گیا۔ (المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۴۹۸۳، مکتبۃ المعارف ریاض)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم خوب جانتے ہیں کہ ان کی باتوں سے آپ کا دل تنگ ہوتا ہے ○ سو آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کیجئے اور سجدہ کرنے والوں میں سے رہیے ○ اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہیے حتیٰ کہ آپ کے پاس پیغامِ اجل آجائے ○ (الحجر: ۹۹-۹۷)

نماز پڑھنے سے رنج اور پریشانی کا زائل ہونا

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہمیں علم ہے کہ ان مذاق اڑانے والوں کی باتوں سے آپ کا دل تنگ ہوتا ہے؛ سو آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجئے اور سجدہ کیجئے اور تاحیات اپنے رب کی عبادت کیجئے۔ اس سے معلوم ہوا جب انسان کا دل رنجیدہ اور پریشان ہو یا اس پر گھبراہٹ طاری ہو تو اس کو نماز پڑھنی چاہیے، کیونکہ نماز، حمد، تسبیح، سجدہ اور عبادت سب کی جامع ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر پریشانی طاری ہوتی تو آپ نماز پڑھتے تھے۔ (سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۳۱۹، مسند احمد ج ۵ ص ۳۸۸)

باقی رہا یہ کہ نماز پڑھنے سے انسان کی گھبراہٹ اور پریشانی کس طرح زائل ہو جاتی ہے اس کی حسب ذیل وجوہات ہیں۔

(۱) جب انسان عبادت میں مستغرق ہو جاتا ہے تو اس کی توجہ دنیا اور دنیا کے معاملات سے بالکل زائل ہو جاتی ہے اور اس کا ذہن اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور اس کا دل اللہ تعالیٰ کی تجلیات سے روشن ہو جاتا ہے اور جس پر یہ کیفیت طاری ہو اس کے دل سے گھبراہٹ اور پریشانی زائل ہو جاتی ہے۔

(۲) جب انسان تسبیحات پڑھتا ہے اور اس کے دل میں یہ اعتقاد جاگزیں ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام عیوب اور قبائح سے منزہ ہے تو اس پر مشقت کا برداشت کرنا آسان ہو جاتا ہے اور اس کا دل خوش اور مطمئن ہو جاتا ہے۔

(۳) جب انسان پر پریشانی آئے تو وہ نماز میں پناہ لیتا ہے اور زبانِ حال سے یہ کہتا ہے خواہ میں کسی حال میں ہوں مجھ پر تیری عبادت واجب ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر کرم فرماتا ہے اور اس کی پریشانی زائل فرما دیتا ہے۔

یقین کا لغوی اور اصطلاحی معنی

امام خلیل بن احمد فراہیدی متوفی ۱۷۵ھ لکھتے ہیں:

یقین کا معنی ہے شک کا زائل ہو جانا۔ (کتاب العین ج ۳ ص ۱۹۹۹، مطبوعہ ایران، ۱۴۱۴ھ)

علامہ میر سید شریف علی بن محمد الجرجانی المتوفی ۸۱۶ھ لکھتے ہیں:

لغت میں یقین کا معنی ہے وہ علم جس میں شک نہ ہو' اور اصطلاح میں یقین کا معنی ہے: کسی شے کا اعتقاد کہ وہ اس طرح ہے' اور اس کے ساتھ یہ اعتقاد ہو کہ اس کے سوا اس کا ہونا ممکن نہیں ہے' اور وہ اعتقاد واقع کے مطابق ہو اور غیر ممکن الزوال ہو۔ پہلی قید میں ظن بھی داخل ہے اور دوسری قید (اس کے سوا اس کا ہونا ممکن نہیں ہے) سے ظن خارج ہو گیا۔ اور تیسری قید سے جہل خارج ہو گیا اور چوتھی قید سے مقلد مصیب کا اعتقاد خارج ہو گیا' اور اہل حقیقت کے نزدیک یقین کی تعریف ہے: کسی چیز کا بغیر حجت اور برہان کے قوت ایمان سے مشاہدہ کرنا اور ایک قول ہے کسی چیز کی حقیقت پر دل کا مطمئن ہونا۔ (میر سید نے اور بھی اقوال ذکر کیے ہیں) (التعریفات ص ۱۷۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

یقین کی اصطلاحی تعریف زیادہ جامع' مانع اور واضح اس طرح ہے: ادراک جازم ثابت مطابق للواقع۔ ادراک جنس ہے اور اس میں تمام تصورات مثلاً تخییل' تکذیب' شک اور وہم داخل ہیں۔ (ذہن میں نسبت خبریہ آئے اور ذہن اس کی طرف متوجہ نہ ہو تو وہ تخییل ہے' ذہن متوجہ ہو اور حالت انکاری پیدا ہو تو تکذیب ہے' اگر نفی اور اثبات کی دونوں جانبیں برابر ہوں تو شک ہے اور اگر ایک نسبت راجح اور دوسری مرجوح ہو تو مرجوح جانب وہم ہے اور راجح جانب ظن ہے) جازم کی قید سے تمام تصورات اور ظن خارج ہو گئے اور ثابت کی قید سے تقلید مخطی اور تقلید مصیب خارج ہو گئے اور مطابق للواقع کی قید سے جہل مرکب خارج ہو گیا۔ (جہل مرکب کی تعریف یہ ہے کہ انسان کو کسی چیز کا علم نہ ہو اور وہ یہ سمجھے کہ اسے اس کا علم ہے)۔

قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں یقین کا معنی ہے موت۔ کیونکہ موت ایک یقینی امر ہے جو ہر زندہ مخلوق کو لاحق ہوتا ہے اور اس آیت کا معنی ہے جب تک آپ زندہ ہیں اپنے رب کی عبادت کرتے رہیں اور ایک لحظہ کے لیے بھی عبادت سے غافل نہ ہوں۔

(تفسیر البیضاوی مع حاشیۃ الخفاجی ج ۵ ص ۵۴۴۔ ۵۴۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ)

احادیث میں یقین پر موت کا اطلاق

احادیث میں بھی موت پر یقین کا اطلاق کیا گیا ہے:

جبیر بن نفیل ابو مسلم خولانی سے مرسلاً روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اللہ نے مال جمع کرنے کا حکم نہیں دیا اور نہ یہ حکم دیا ہے کہ میں تاجروں میں سے ہوں' لیکن اس نے مجھے نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے اور اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں سجدہ کرنے والوں میں سے ہوں اور میں اپنے رب کی عبادت کرتا رہوں حتیٰ کہ میرے پاس یقین (پیغام اجل) آجائے۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۱۳۱، مطبوعہ دار الکتاب العربی، ۱۴۰۷ھ)

حضرت ام العلاء رضی اللہ عنہا ایک انصاری خاتون تھیں انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ مہاجرین کو گھروں میں رکھنے کے متعلق قرعہ اندازی ہوئی۔ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا قرعہ ہمارے نام نکلا۔ ہم نے ان کو اپنے گھر میں ٹھہرایا۔ ان کے جسم میں درد ہوا اس میں وہ فوت ہو گئے۔ جب وہ فوت ہو گئے تو ان کو غسل دیا گیا اور ان کے کپڑوں میں کفن دیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں نے (حضرت عثمان بن مظعون سے) کہا تم پر اللہ کی رحمت ہو اے ابو السائب' میں تمہارے متعلق شہادت دیتی ہوں کہ اللہ نے تمہیں عزت دی

ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ اس کو اللہ نے عزت دی ہے؟ میں نے کہا: یا رسول اللہ آپ پر میرے باپ فدا ہوں! پھر اللہ اور کس کو عزت دے گا؟ آپ نے فرمایا: رہے وہ تو ان کے پاس یقین (پیغام اجل) آچکا ہے، اور اللہ کی قسم میں ان کے متعلق خیر کی امید رکھتا ہوں، اور اللہ کی قسم میں از خود اپنی عقل سے نہیں جانتا حالانکہ میں اللہ کا رسول ہوں کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ حضرت ام العلاء نے کہا: اللہ کی قسم اس کے بعد میں نے کسی کی پاکیزگی بیان نہیں کی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۴۳، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۸۰۰۴، عالم الکتب بیروت)

ان دونوں حدیثوں میں موت پر یقین کا اطلاق کیا گیا ہے۔

حضرت ام العلاء الانصاریہ کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم پر ایک اشکال

ہم نے صحیح بخاری کے حوالے سے حضرت ام العلاء انصاریہ کی یہ روایت اس لیے نقل کی ہے کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یقین کا اطلاق موت پر کیا ہے لیکن اسی حدیث سے بعض لوگ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کی نفی پر استدلال کرتے ہیں چنانچہ شیخ اسماعیل دہلوی متوفی ۱۲۴۶ھ لکھتے ہیں:

یعنی جو کچھ کہ اللہ اپنے بندوں سے معاملہ کرے گا کسی کو معلوم نہیں خواہ دنیا میں خواہ قبر میں خواہ آخرت میں سو اس کی حقیقت کسی کو معلوم نہیں نہ نبی کو نہ ولی کو نہ اپنا حال نہ دوسرے کا اور اگر کچھ بات اللہ نے کسی اپنے مقبول بندے کو وحی یا الہام سے بتائی کہ فلانے کام کا انجام بخیر ہے یا برا سو وہ بات مجمل ہے۔ اور اس سے زیادہ معلوم کر لینا اور اس کی تفصیل دریافت کرنی ان کے اختیار سے باہر ہے۔ (تقویت الایمان کلاں ص ۱۸، مطبع علیمی لاہور)

شیخ خلیل احمد انبیٹھوی متوفی ۱۳۴۶ھ نے بھی اس حدیث سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کی نفی پر استدلال کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: خود فخر عالم علیہ السلام فرماتے ہیں:

واللہ لا ادری ما یفعل بی ولا بکم الحدیث۔ (براہین قاطعہ ص ۵۱)

درایت کے معنی کی تحقیق اور اشکال کا جواب

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا: لا اعلم ما یفعل بی بلکہ لا ادری ما یفعل بی فرمایا ہے۔ اسی طرح قرآن مجید میں بھی وما ادری ہے۔ وہ آیت یہ ہے:

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِكُمْ۔ (الاحقاف: ۹)

آپ کہیے کہ میں رسولوں میں سے کوئی انوکھا نہیں ہوں اور میں (از خود اپنی عقل سے) نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا ہوگا اور تمہارے ساتھ کیا ہوگا۔

علم اور درایت میں فرق ہے، علم عام ہے خواہ وحی سے ہو یا کسی اور سبب سے ہو جیسے انبیاء علیہم السلام اور تمام لوگوں کا علم ہے یا بغیر کسی سبب کے ہو جیسے اللہ تعالیٰ کا علم ہے اور درایت خاص ہے۔ درایت کا معنی ہے اپنی عقل اور قیاس سے یا کسی حیلہ اور کسی ترکیب سے کسی چیز کو جاننا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے علم کو درایت سے موصوف نہیں کرتے۔

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

الدرایة المعرفة المدرکة بضرب من الحیل۔

کسی قسم کے حیلہ اور ترکیب سے جو معرفت حاصل کی جائے اس کو درایت کہتے ہیں۔

(المفردات ج ۱ ص ۲۲۴، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ بیروت، ۱۴۱۸ھ)

علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ لکھتے ہیں:

دریتہ علمتہ او بضرب من الحیلۃ۔ میں نے اس کو جان لیا یا حیلہ کی کسی قسم سے جان لیا۔

(القاموس المحیط ج ۴ ص ۴۷۴-۴۷۳، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۲ھ)

علامہ محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں:

علامہ فیروز آبادی نے درایت کے معنی میں علم کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس وجہ سے ہمارے شیخ نے کہا علم اور درایت متحد ہیں اور دوسروں نے کہا ہے کہ درایت علم سے خاص ہے جیسا کہ توشیح وغیرہ میں ہے۔ اور کسی حیلہ سے کسی چیز کو جاننا درایت ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ کے علم پر درایت کا اطلاق نہیں ہوتا۔ (تاج العروس ج ۱۰ ص ۱۲۶، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

مفسرین اور محدثین نے بھی یہ تصریح کی ہے کہ درایت کا معنی کسی چیز کو حیلہ اور ترکیب سے جاننا ہے۔

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

الدرایۃ اخص لانہا علم باحتیال۔ درایت خاص ہے کیونکہ وہ کسی چیز کو حیلہ سے جاننا ہے۔

(عمدۃ القاری جز ۷ ص ۶۱، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، ۱۳۴۸ھ)

علامہ نظام الدین حسن بن محمد قمی نیشاپوری متوفی ۷۲۸ھ لکھتے ہیں:

جار اللہ نے کہا ہے علم اللہ کے لیے استعمال کیا گیا ہے اور درایت بندہ کے لیے۔ کیونکہ حیلہ کے ساتھ علم کو درایت کہتے ہیں۔ (غرائب القرآن ورغائب الفرقان ج ۵ ص ۴۳۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۶ھ)

علامہ نیشاپوری نے علامہ جار اللہ زمخشری کی جس عبارت کا ذکر کیا ہے اس کا حوالہ یہ ہے:

(الکشاف ج ۳ ص ۵۱۴، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۷ھ)

علامہ شہاب الدین احمد بن محمد خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں:

قاضی بیضاوی نے کہا ہے کہ علم کو اللہ کے لیے استعمال کیا گیا ہے اور درایت کو بندہ کے لیے کیونکہ درایت میں حیلہ کا معنی ہے۔ اس کی شرح میں علامہ خفاجی لکھتے ہیں دری اصل میں اس حلقہ کو کہتے ہیں جس پر تیر مارنے کا شکاری قصد کرتے ہیں اور شکاری نشانہ لگانے کے لیے جو شکار سے چھپتا ہے اس کو کہتے ہیں اور یہ دونوں کام حیلے سے ہوتے ہیں۔ اسی لیے درایت علم سے خاص ہے کیونکہ حیلہ اور تکلف سے حاصل شدہ علم کو درایت کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے اللہ کے علم کو درایت نہیں کہتے۔ (حاشیۃ الشہاب ج ۷ ص ۴۳۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ)

علامہ محمد بن یوسف ابو الحیان اندلسی متوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں:

علم کی نسبت اللہ کی طرف کرتے ہیں اور درایت کی بندہ کی طرف، کیونکہ درایت میں حیلہ کا دخل ہے، اسی لیے اللہ کو درایت کے ساتھ موصوف نہیں کرتے۔ (البحر المحیط ج ۸ ص ۴۲۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۲ھ)

کتب لغت کی نصوص اور مفسرین اور محدثین کی تصریحات سے یہ واضح ہو گیا کہ درایت کا معنی مطلق علم نہیں ہے بلکہ خاص علم ہے یعنی حیلہ، ترکیب اور قیاس سے کسی چیز کو جاننا اور اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اپنی عقل سے اور بغیر وحی کے نہیں جانتا کہ میرے ساتھ قبر اور آخرت میں کیا ہو گا۔ میں جو کچھ جانتا ہوں وحی سے جانتا ہوں اور اس قول سے آپ نے حضرت ام العلاء کو یہ تنبیہ فرمائی ہے کہ تم پر تو وحی نازل نہیں ہوتی پھر تم پر حضرت عثمان بن مظعون پر اللہ تعالیٰ کی تکریم کا حال کیسے منکشف ہو گیا۔ اور اب ہم قرآن مجید کی آیات اور احادیث سے یہ

بتائیں گے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی وحی سے معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ آخرت میں کیا کرے گا اور صحابہ کرام کے ساتھ کیا کرے گا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اور دوسروں کے انجام کے علم کے متعلق قرآن مجید کی آیات

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

يَوْمَ لَا يُخْزِى اللّٰهُ النَّبِىَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ۔ (التحریم: ۸)

جس دن اللہ نہ اپنے نبی کو شرمندہ ہونے دے گا اور نہ ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے ہیں۔ ان کا نور ان کے آگے اور ان کی دائیں جانب دوڑ رہا ہوگا۔

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۙ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ۔ (الفتح: ۲-۱)

(اے رسول مکرم!) بے شک ہم نے آپ کو روشن فتح عطا فرمائی تاکہ اللہ آپ کے لیے آپ کے اگلے اور پچھلے بظاہر خلاف اولیٰ سب کام معاف فرمادے۔

عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا۔ (بنی اسرائیل: ۷۹)

عنقریب آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا۔

ان آیتوں سے معلوم ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی سے معلوم ہو گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں آپ کے ساتھ کیا کرے گا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے انجام کے علم کے متعلق احادیث

ہم یہاں پر آپ کے اپنے انجام کے علم کے متعلق چند احادیث کا ذکر کر رہے ہیں ورنہ ایسی احادیث کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن میں تمام اولاد آدم کا سردار ہوں گا۔ سب سے پہلے میری قبر شق ہوگی، سب سے پہلے میں شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائے گی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۷۸، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۶۷۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قیامت کے دن میرے متبعین تمام انبیاء علیہم السلام سے زیادہ ہوں گے اور سب سے پہلے میں جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا۔ (صحیح مسلم الایمان: ۳۳۱، رقم بلا تکرار ۱۹۶، رقم مسلسل: ۴۷۶)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن میں جنت کے دروازے پر آؤں گا اور اس کا دروازہ کھلواؤں گا۔ خازن (جنت کا محافظ) کہے گا آپ کون ہیں؟ میں کہوں گا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ کہے گا مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں آپ کے سوا کسی کے لیے دروازہ نہ کھولوں۔

(صحیح مسلم الایمان: ۳۳۳، رقم بلا تکرار ۱۹۷، رقم مسلسل: ۴۷۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں سب سے پہلے جنت میں شفاعت کرنے والا ہوں۔ جتنی میری تصدیق کی گئی ہے کسی نبی کی اتنی تصدیق نہیں کی گئی اور انبیاء میں سے بعض نبی ایسے ہیں جن کی ان کی امت میں سے صرف ایک شخص نے تصدیق کی۔ (صحیح مسلم الایمان: ۳۳۴، رقم بلا تکرار ۱۹۸، رقم مسلسل: ۴۷۹)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن میں اولاد آدم

کا سردار ہوں گا اور مجھے اس پر فخر نہیں۔ حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا اور مجھے اس پر فخر نہیں۔ آدم ہوں یا ان کے ماسوا سب میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور مجھے اس پر فخر نہیں۔ زمین سب سے پہلے مجھ سے شق ہوگی اور مجھے اس پر فخر نہیں۔ (الحدیث) سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۴۸ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۰۸ مسند احمد ج ۳ ص ۲)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمام رسولوں کا قائد ہوں اور اس پر فخر نہیں اور میں خاتم النبیین ہوں اور اس پر فخر نہیں اور میں پہلا شفاعت کرنے والا اور پہلا شفاعت قبول کیا ہوا ہوں اور اس پر فخر نہیں۔ (سنن الدارمی رقم الحدیث: ۴۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے لیے وسیلہ کا سوال کرو۔ صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! وسیلہ کیا چیز ہے؟ فرمایا: وہ جنت کا سب سے بلند درجہ ہے جو صرف ایک شخص کو ملے گا اور مجھے امید ہے کہ وہ شخص میں ہوں گا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۱۲ مسند احمد ج ۲ ص ۲۶۵ مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۶۴۱۴)

ان احادیث سے واضح ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو علم تھا کہ آخرت میں آپ کے ساتھ کیا کیا جائے گا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اصحاب کے انجام کے علم کے متعلق احادیث

اس نوع کی احادیث کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے۔ ہم یہاں پر چند احادیث کا ذکر کر رہے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ یہ بھی معلوم تھا کہ آپ کے اصحاب کے ساتھ اللہ تعالیٰ آخرت میں کیا کرے گا۔ اس سلسلہ میں حسب ذیل احادیث میں دلیل ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوہ بدر کے دن حارثہ نام کے ایک نوجوان شہید ہو گئے۔ ان کی ماں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں اور کہا یا رسول اللہ آپ کو معلوم ہے مجھے حارثہ (رضی اللہ عنہ) سے کتنی محبت تھی۔ اگر وہ جنت میں ہے تو میں صبر کر لیتی ہوں اور ثواب کی نیت کرتی ہوں اور اگر اس کے علاوہ کوئی بات ہے تو آپ دیکھیں گے کہ میں کیا کرتی ہوں۔ آپ نے فرمایا تم پر افسوس ہے کیا جنت صرف ایک ہے؟ وہاں تو بہت ساری جنتیں ہیں اور وہ جنت الفردوس میں ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۹۸۲ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۷۴ مسند احمد رقم الحدیث: ۱۳۲۳۲ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۹۵۸)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث مروی ہے اس کے آخر میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ اہل بدر کی طرف متوجہ ہوا اور فرمایا: تم جو عمل چاہو کرو تمہارے لیے جنت واجب ہو چکی ہے یا فرمایا: بے شک میں نے تم کو بخش دیا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۹۸۳ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۹۴)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی اے ایمان والو! نبی کی آواز پر اپنی آوازیں اونچی مت کرو۔ (الحجرات: ۲) تو حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں بیٹھ گئے اور کہا میں اہل دوزخ سے ہوں! اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نہیں گئے۔ آپ نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے ان کے متعلق پوچھا کہ ابو عمرو! ثابت کو کیا ہوا؟ کیا بیمار ہیں؟ حضرت سعد نے کہا وہ میرے پڑوسی ہیں اور مجھے ان کے بیمار ہونے کا علم نہیں۔ پھر حضرت سعد ان کے پاس گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ان کو مطلع کیا۔ حضرت ثابت نے کہا: یہ آیت نازل ہو چکی ہے اور تم کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے میری آواز سب سے اونچی ہوتی ہے۔ سو میں اہل دوزخ میں سے ہوں۔ حضرت سعد نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کا ذکر کیا' آپ نے فرمایا: بلکہ وہ اہل

جنت میں سے ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۴۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۹)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے کانوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ (حضرت) طلحہ اور (حضرت) زبیر جنت میں میرے پڑوسی ہوں گے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۷۴۱، المستدرک ج ۳ ص ۳۶۵، العقیلی ج ۴ ص ۲۹۴، ابن عدی ج ۷ ص ۲۴۸۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے جعفر کو جنت میں فرشتوں کے ساتھ پرواز کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۷۶۳، مسند ابویعلی رقم الحدیث: ۶۴۶۴، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۰۴۷، المستدرک ج ۳ ص ۲۰۹، ۲۱۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص کو اس کے اونٹ نے گرا کر ہلاک کر دیا اور وہ محرم تھا اور ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو پانی اور بیری کے پتوں سے غسل دو اور اس کو دو کپڑوں میں کفن دو اور اس کو خوشبو نہ لگاؤ اور نہ اس کا سر ڈھانپو۔ کیونکہ اللہ اس کو قیامت کے دن اس حال میں اٹھائے گا کہ یہ تلبیہ پڑھ رہا ہوگا۔ (لبیک اللھم لبیک الخ)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۶۸۔۱۲۶۷، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۹۵۱، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۰۸۴)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوبکر جنت میں ہیں۔ عمر جنت میں ہیں، عثمان جنت میں ہیں، علی جنت میں ہیں، طلحہ جنت میں ہیں، زبیر جنت میں ہیں، عبدالرحمٰن بن عوف جنت میں ہیں، سعد جنت میں ہیں، سعید جنت میں ہیں اور ابو عبیدہ بن الجراح جنت میں ہیں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۷۴۷، مسند احمد ج ۱ ص ۱۹۳، مسند ابویعلی رقم الحدیث: ۸۳۵، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۰۰۲، شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۹۲۵)

حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت ابراہیم فوت ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کے لیے جنت میں ایک دودھ پلانے والی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۸۲)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حسن اور حسین جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۷۶۸، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۲ ص ۹۶، مسند احمد ج ۳ ص ۳، مسند ابویعلی رقم الحدیث: ۱۱۶۹)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنی ماں سے کہا: مجھے اجازت دیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤں اور آپ کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھوں اور آپ سے درخواست کروں کہ آپ میری اور میری ماں کی مغفرت کے لیے دعا کریں۔ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھی حتیٰ کہ عشاء کی نماز پڑھی پھر آپ جانے لگے تو میں بھی آپ کے پیچھے چلا۔ آپ نے میری آواز سن کر فرمایا: کون؟ حذیفہ! میں نے کہا: جی! فرمایا: تمہیں کیا کام ہے اللہ تمہاری اور تمہاری ماں کی مغفرت فرمائے! فرمایا: ایک فرشتہ ہے جو اس رات سے پہلے زمین پر نازل نہیں ہوا، اس نے اللہ سے اجازت لی کہ مجھے سلام کرے اور یہ بشارت دے کہ فاطمہ اہل جنت کی عورتوں کی سردار ہیں اور حسن اور حسین جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۷۸۱، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۲ ص ۹۶، مسند احمد ج ۵ ص ۳۹۱، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۹۶۰، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۲۶۰۶، المستدرک ج ۳ ص ۳۸۱، تاریخ بغداد ج ۶ ص ۳۷۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت جبریل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا: یا رسول اللہ! یہ خدیجہ ہیں، یہ آپ کے پاس ایک برتن میں سالن لے کر آرہی ہیں۔ آپ ان پر ان کے رب کی طرف سے اور میری طرف سے سلام پڑھیے اور ان کو جنت میں کھوکھلے موتیوں سے بنے ہوئے گھر کی بشارت دیجئے جس میں شور ہوگا نہ تھکاوٹ ہوگی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۸۲۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۳۲)

اشکال مذکور کے جواب کا خلاصہ

حضرت ام العلاء انصاریہ نے حضرت عثمان بن مظعون کی موت پر یہ کہا کہ میں شہادت دیتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو عزت عطا کرے گا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا: تم کو یہ کیسے پتا چلا! اللہ کی قسم میں اللہ کا رسول ہوں اور محض اپنی عقل سے بغیر وحی کے تو میں بھی نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا، اور الاحقاف: ۹ میں بھی ہے اور میں خود اپنی عقل سے نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ اس کی تشریح میں شیخ اسماعیل دہلوی نے کہا یعنی جو کچھ کہ اللہ اپنے بندوں سے معاملہ کرے گا خواہ دنیا میں خواہ قبر میں خواہ آخرت میں سو اس کی حقیقت کسی کو معلوم نہیں۔ نہ نبی کو نہ ولی کو۔ ہم نے یہ بتایا کہ شیخ اسماعیل کی یہ بات غلط ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کی نفی نہیں فرمائی درایت کی نفی فرمائی ہے اور درایت کا معنی ہے حیلہ اور ترکیب سے کسی چیز کو جاننا جس کا خلاصہ ہے بغیر وحی کے جاننا۔ حضور کا منشا یہ تھا کہ اے ام العلاء تم پر تو وحی نہیں آتی تم کو کیسے معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ عثمان بن مظعون کو عزت دے گا اور بغیر وحی کے تو میں بھی نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور وحی کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا انجام بھی معلوم تھا اور اپنے اصحاب کا بھی کہ اللہ آخرت میں آپ کے ساتھ کیا کرے گا اور آپ کے اصحاب کے ساتھ کیا کرے گا اور ہم نے اس کو قرآن مجید کی صریح آیات اور احادیث صحیحہ سے واضح کیا۔ اب ہم اس کی تائید میں علماء متقدمین کی عبارات پیش کر رہے ہیں۔

دیگر محدثین اور محققین کی طرف سے اشکال مذکور کے جوابات

علامہ ابن بطال علی بن خلف مالکی اندلسی متوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

علامہ مہلب نے یہ کہا ہے کہ حضرت ام العلاء کی حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شخص بھی اہل قبلہ میں سے کسی کے متعلق بھی قطعیت کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ اہل جنت میں سے ہے یا اہل نار میں سے ہے، لیکن نیک مسلمان کے لیے اجر و ثواب کی توقع رکھی جائے گی اور بدکار پر عذاب کا خوف ہوگا، اور رہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا اللہ کی قسم! میں بھی اپنی عقل سے نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ ارشاد اس سے پہلے کا ہو جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس پر مطلع کیا تھا کہ اللہ نے آپ کے اگلے اور پچھلے بظاہر خلاف اولیٰ سب کاموں کی مغفرت کر دی ہے، اور حدیث کے ایک نسخہ میں یہ ہے کہ میں بھی اپنی عقل سے نہیں جانتا کہ اس کے ساتھ کیا کیا جائے گا اور یہی نسخہ صحیح ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف ان ہی چیزوں کو جانتے تھے جن کی آپ کی طرف وحی کی جاتی تھی۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ آپ نے حضرت جابر کے والد کے متعلق فرمایا تھا فرشتے اس پر اپنے پروں سے سایہ کیے ہوئے ہیں حتیٰ کہ تم نے اس کو اٹھا لیا۔ یعنی موت کے بعد ان کے حال کا تو آپ کو علم تھا اور حضرت عثمان بن مظعون کے موت کے بعد کے

حال کا علم نہیں تھا اور یہ تعارض ہے اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتے۔ آپ نے حضرت ام العلاء پر اس لیے انکار فرمایا تھا کہ انہوں نے حضرت عثمان بن مظعون کے متعلق قطعیت کے ساتھ کہا تھا۔ اس وقت آپ کو از خود حضرت عثمان کا حال معلوم نہیں تھا اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد کے قصہ میں آپ کو وحی سے معلوم ہو گیا تھا کیونکہ بغیر وحی کے آپ اس طرح قطعیت کے ساتھ نہیں بتاتے تھے پس تعارض ساقط ہو گیا۔

(شرح صحیح البخاری ج ۳ ص ۲۴۲، مطبوعہ مکتبہ الرشید ریاض، ۱۴۲۰ھ)

علامہ حسین بن محمد بن عبداللہ الطیبی المتوفی ۷۴۳ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث کے چار جواب ہیں: (۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام العلاء کی تادیب اور تنبیہہ کے لیے یہ ارشاد فرمایا کیونکہ انہوں نے غیب کی بات پر حکم لگایا تھا۔ (۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے منسوخ ہے تاکہ اللہ آپ کے لیے آپ کے تمام اگلے اور پچھلے بظاہر خلاف اولیٰ کاموں کو بخش دے (الفتح: ۲) جیسا کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا ہے کہ اس آیت سے یہ آیت منسوخ ہے وما ادری ما یفعل بی ولا بکم (الاحقاف: ۹) (۳) ہو سکتا ہے کہ آپ کے ارشاد میں درایت تفصیلیہ کی نفی ہو نہ کہ درایت اجمالیہ کی۔ (۴) ہو سکتا ہے آپ کا مطلب یہ ہو کہ میں نہیں جانتا کہ دنیا میں اللہ میرے ساتھ کیا کرے گا۔

نیز علامہ الطیبی لکھتے ہیں کہ اس حدیث کو اس کے ظاہر پر محمول کرنا جائز نہیں ہے اور نہ یہ گمان کرنا جائز ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے انجام کے بارے میں متردد تھے اور آپ کو آخرت میں جو بلند درجات ملنے والے ہیں آپ کو ان پر یقین نہیں تھا کیونکہ ایسی احادیث صحیحہ وارد ہیں جو اس شبہ کا قلع قمع کر دیتی ہیں، اور خود آپ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مقام محمود پر فائز کرے گا اور آپ تمام مخلوق میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکرم ہیں اور آپ ہی سب سے پہلے شفاعت کرنے والے ہیں اور آپ ہی کی شفاعت سب سے پہلے قبول ہو گی۔

(شرح الطیبی ج ۱۰ ص ۱۸، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۱۳ھ)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اس آیت کے موافق ہے:

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ۔ (الاحقاف: ۹)

آپ کہئے کہ میں رسولوں میں سے کوئی انوکھا نہیں ہوں اور میں (از خود بغیر وحی کے) نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔

یہ آیت لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر سے پہلے نازل ہوئی ہے کیونکہ الاحقاف مکی سورت ہے اور الفتح مدنی سورت ہے۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۱۱۶-۱۱۵، مطبوعہ لاہور ۱۴۰۱ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ الاحقاف: ۹ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

امام ابن جریر نے حسن سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ اگر یہ گمان کیا جائے کہ آپ کو یہ پتا نہ تھا کہ آخرت میں آپ کے ساتھ کیا ہو گا تو ہم اس گمان سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں، جب اللہ تعالیٰ نے رسولوں سے میثاق لیا تھا اس وقت بھی آپ کو علم تھا کہ آپ جنت میں ہوں گے، لیکن اس آیت کا معنی یہ ہے کہ میں نہیں جانتا کہ دنیا میں میرے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ مجھے اپنے وطن سے نکال دیا جائے گا جس طرح مجھ سے پہلے نبیوں کو ان کے وطنوں سے نکال دیا گیا تھا یا مجھ کو

شہید کر دیا جائے گا جیسا کہ بعض نبیوں کو شہید کر دیا گیا تھا' اور نہ تمہارا علم ہے کہ آیا میری امت میری تکذیب کرے گی یا میری تصدیق کرے گی اور میری امت کو سنگسار کرنے کا عذاب دیا جائے گا یا اس کو زمین میں دھنسا دیا جائے گا۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی:

وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ۔ (بنی اسرائیل: ۶۰)

اور جب ہم نے آپ سے فرمایا کہ بے شک آپ کے رب نے سب لوگوں کا احاطہ کیا ہوا ہے۔

اس آیت سے آپ کو یہ علم ہو گیا کہ کوئی شخص آپ کو قتل نہیں کر سکے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

هُوَالَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِیْدًا۝ (الفتح: ۲۸)

(اللہ) وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تا کہ اس کو سب دینوں پر غالب کر دے اور اللہ (رسول کی صداقت پر) کافی گواہ ہے۔

اس آیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ علم ہو گیا کہ آپ کا دین تمام ادیان پر غالب ہو گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِیْهِمْؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ۝ (الانفال: ۳۳)

اور اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ آپ کے ہوتے ہوئے ان کو عذاب دے اور نہ اللہ کی یہ شان ہے کہ وہ ان پر اس وقت عذاب نازل فرمائے جب وہ استغفار کر رہے ہوں۔

اس آیت سے آپ کو یہ علم ہو گیا کہ دنیا میں اللہ آپ کے ساتھ کیا کرے گا اور آپ کی امت کے ساتھ کیا کرے گا۔

البحر المحیط میں امام مالک بن انس سے روایت ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ میں نہیں جانتا کہ آخرت میں میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا' اور امام ابوداؤد نے الناسخ میں حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ الاحقاف: ۹ کی اس آیت کو لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر (الفتح: ۲) نے منسوخ کر دیا۔ کیونکہ اس آیت سے آپ کو اپنی مغفرت کا علم ہو گیا۔ آپ صحابہ کے پاس گئے اور آپ نے ان کو اپنی مغفرت کی بشارت دی' تو مومنین میں سے ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! آپ کو مبارک ہو' ہم نے جان لیا کہ آپ کے ساتھ کیا کیا جائے گا' پس ہمارے ساتھ کیا کیا جائے گا؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِیْرًا۔ (الاحزاب: ۴۷)

اور ایمان والوں کو بشارت دیجئے کہ ان کے لیے اللہ کی طرف سے بڑا فضل ہے۔

اور اللہ سبحانہ ارشاد فرماتا ہے:

لِیُدْخِلَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَیُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْؕ (الفتح: ۵)

تا کہ (اللہ) ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو ان جنتوں میں داخل فرمائے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور ان کی برائیاں ان سے دور فرمائے۔

پس سورۃ الفتح کی ان آیتوں کے نازل ہونے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم ہو گیا کہ آخرت میں آپ کے ساتھ کیا کیا جائے گا اور آپ کے اصحاب کے ساتھ کیا کیا جائے گا۔

نسخ کے جواب پر یہ اشکال ہے کہ نسخ انشاء میں ہوتا ہے خبر میں نہیں ہوتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ نسخ قل ما کنت

بدعا من الرسل وما ادری ما یفعل بی ولا بکم میں قل کی طرف راجع ہے اور وہ امر کا صیغہ ہے۔ یعنی اب آپ کے لیے بھی یہ کہنا جائز نہیں کہ میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔

(روح المعانی جز ۲۶ ص ۱۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۷ھ)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

یہی مولوی رشید احمد صاحب پھر لکھتے ہیں:

خود فخر عالم علیہ السلام فرماتے ہیں واللہ لا ادری ما یفعل بی ولا بکم (الحدیث) اور شیخ عبد الحق روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں۔

قطع نظر اس کے کہ حدیث اول خود احاد ہے، سلیم الحواس کو سند لانی تھی تو وہ مضمون خود آیت میں تھا اور قطع نظر اس سے کہ اس آیت و حدیث کے کیا معنی ہیں اور قطع نظر اس سے کہ یہ کس وقت کے ارشاد ہیں اور قطع نظر اس سے کہ خود قرآن عظیم واحادیث صحیحہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں اس کا ناسخ موجود کہ جب آیت کریمہ نازل ہوئی:

لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر۔ تاکہ اللہ بخش دے تمہارے واسطے سے سب اگلے پچھلے گناہ۔

صحابہ نے عرض کی:

ھنیئا لک یارسول اللہ لقد بین اللہ لک ماذا یفعل بک فماذا یفعل بنا۔ یارسول اللہ آپ کو مبارک ہو خدا کی قسم! اللہ عزوجل نے یہ تو صاف بیان فرمادیا کہ حضور کے ساتھ کیا کرے گا۔ اب رہا یہ کہ ہمارے ساتھ کیا کرے گا۔

اس پر یہ آیت اتری:

لیدخل المؤمنین (الی قولہ تعالی) فوزا عظیما۔ تاکہ داخل کرے اللہ ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو باغوں میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ہمیشہ رہیں گے ان میں اور مٹادے ان سے ان کے گناہ اور یہ اللہ کے یہاں بڑی مراد پانا ہے۔

یہ آیت اور ان کے امثال بے نظیر اور یہ حدیث جلیل و شہیر ایسوں کو کیوں بجھائی نہیں دیتیں۔

(انباء المصطفیٰ ص ۳۰-۲۹، مطبوعہ پروگریسو لاہور، انباء المصطفیٰ ۹-۸، مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور)

مخالفین اعلیٰ حضرت کا یہ اعتراض کہ مغفرت ذنب کے سلسلہ میں اعلیٰ حضرت کی بیان کردہ حدیث غیر صحیح ہے

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اس حدیث کو صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے حوالے سے صحیح حدیث لکھا ہے اور اس کو اس درجہ کی قوی اور صحیح حدیث قرار دیا ہے کہ اس سے قرآن مجید کی آیت کریمہ الاحقاف: ۹ کو بھی منسوخ فرمایا ہے لیکن اعلیٰ حضرت کے بعض مخالفین نے لکھا ہے کہ یہ حدیث غیر صحیح ہے اور اس کو بخاری اور مسلم کے حوالے سے لکھنا آنکھوں میں دھول جھونکنے کے مترادف ہے۔ مخالفین کی دلیل یہ ہے امام بخاری متوفی ۲۵۶ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

شعبہ از قتادہ از انس بن مالک رضی اللہ عنہ انا فتحنا لک فتحا مبینا یہ فتح حدیبیہ ہے' آپ کے اصحاب نے کہا آپ کو مبارک ہو پس ہمارے لیے کیا ہے' تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی (لیدخل المؤمنین والمؤمنات جنات تجری من تحتہا الانہر) شعبہ نے کہا: میں کوفہ میں گیا اور میں نے یہ پوری حدیث قتادہ سے روایت کی۔ پھر جب میں واپس آیا تو میں نے ان سے ذکر کیا انا فتحنا لک اس سے مراد حدیبیہ ہے یہ تو حضرت انس کا ارشاد ہے اور رہا یہ کہ آپ کو مبارک ہو اللہ نے یہ بیان کر دیا کہ آپ کے ساتھ کیا کیا جائے گا (تو ہمارے ساتھ کیا کیا جائے گا اور پھر آپ نے یہ آیت پڑھی لیدخل المؤمنین) یہ عکرمہ سے مروی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۱۷۲، مطبوعہ دار ارقم بیروت)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ اس حدیث کا بعض حصہ از شعبہ از قتادہ سے مروی ہے اور بعض حصہ عکرمہ سے مروی ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۴۵۱، مطبوعہ لاہور)

مخالفین نے اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ حدیث سرے سے صحیح نہیں ہے اور اس سے استدلال کرنا باطل ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

اعتراض مذکور کے متعدد جوابات

قتادہ بن دعامہ متوفی ۱۱۸ھ کے متعدد شاگردوں نے ان سے اس حدیث کو سنا ہے اور ان سے اس کو روایت کیا ہے۔ اگر کسی ایک شاگرد مثلاً شعبہ بن حجاج متوفی ۱۶۰ھ نے قتادہ سے اس حدیث کا ایک حصہ سنا ہے اور اس پوری حدیث کو ان سے نہیں سنا تو اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ قتادہ کے کسی شاگرد نے بھی ان سے اس حدیث کو مکمل نہیں سنا۔ جبکہ قتادہ کے دوسرے شاگرد جو ثقہ اور ثبت ہیں وہ قتادہ سے اس حدیث کو مکمل روایت کرتے ہیں اور کوئی استثناء نہیں کرتے اور مستند محدثین ان کی روایت کو اپنی صحیح اور معتبر کتب میں درج کرتے ہیں تو ان کی یہ روایت کیوں صحیح نہیں ہوگی اور کیوں غیر مقبول ہوگی؟ جبکہ محققین نے ان روایات کے صحیح ہونے کی تصریح بھی کر دی ہے۔

قتادہ بن دعامہ کے ایک شاگرد ہیں معمر بن راشد ازدی متوفی ۱۵۴ھ۔ وہ کہتے ہیں کہ میں چودہ سال کی عمر سے قتادہ کی مجلس میں بیٹھ رہا ہوں اور میں نے ان سے جو حدیث بھی سنی وہ میرے سینے میں نقش ہے۔ ابو حاتم، احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، العجلی، یعقوب بن شیبہ، نسائی وغیرہم نے ان کو اثبت، اصدق، ثقہ اور صالح لکھا ہے اور ائمہ ستہ ان سے احادیث روایت کرتے ہیں۔ (تہذیب الکمال ج ۱۸، ص ۲۶۸-۲۷۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ)

اور معمر بن راشد نے اس مکمل حدیث کو قتادہ سے روایت کیا ہے۔

از معمر از قتادہ از انس یہ حدیث ان کتابوں میں ہے: سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۶۳، اور امام ترمذی نے لکھا ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ امام ابن حبان نے بھی اپنی صحیح میں از معمر از قتادہ اس حدیث کو روایت کیا ہے' صحیح ابن حبان، رقم الحدیث: ۶۴۱۰، امام احمد نے بھی از معمر از قتادہ اس کو روایت کیا ہے' مسند احمد ج ۳ ص ۱۹۷، طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۲۹۶۹، مطبوعہ قاہرہ اس کے حاشیہ میں حمزہ احمد زین نے لکھا ہے اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ امام ابو یعلیٰ تمیمی نے بھی از معمر از قتادہ اس حدیث کو روایت کیا ہے' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۳۰۴۵، اس کے مخرج اور محقق حسین سلیم اسد نے بھی لکھا ہے اس کی سند صحیح ہے۔ امام ابن جریر نے بھی اس سند سے اس حدیث کو روایت کیا ہے' جامع البیان رقم الحدیث: ۲۴۳۴۵، امام ابن عبدالبر نے بھی اس سند سے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ التمہید ج ۲ ص ۱۶۵۔

قتادہ بن دعامہ کے ایک اور شاگرد ہیں ہمام بن یحییٰ بن دینار العوذی المتوفی ۱۶۳ھ' امام احمد بن حنبل' ابن مہدی' یحییٰ بن معین' عثمان بن سعید دارمی' محمد بن سعد وغیرہم نے ہمام کو اثبت' احفظ' اور ثقہ لکھا ہے۔ ائمہ ستہ ان سے احادیث روایت کرتے ہیں۔ (تہذیب الکمال ج ۱۹' ص ۳۰۵-۳۰۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ)

امام احمد نے اس حدیث کو از ہمام از قتادہ از انس روایت کیا ہے۔ مسند احمد ج ۳ ص ۱۲۲' ص ۲۵۲' طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۲۱۶۶' ۱۳۵۷۵' طبع قاہرہ اس کے حاشیہ پر حمزہ احمد زین نے لکھا ہے اس کی سند صحیح ہے۔ امام واحدی نے بھی اس سند سے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ اسباب النزول ص ۳۹۸۔ امام بیہقی نے بھی اس سند سے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ دلائل النبوۃ ج ۴ ص ۱۵۸۔ امام بغوی نے بھی اس حدیث کو ہمام از قتادہ روایت کیا ہے۔ معالم التنزیل ج ۴ ص ۱۷۰۔

قتادہ بن دعامہ کے ایک اور شاگرد ہیں سعید بن ابی عروبہ العدوی المتوفی ۱۵۷ھ۔ امام احمد' یحییٰ بن معین' ابو زرعہ' نسائی' ابو داؤد طیالسی وغیرہم نے ان کو ثقہ اور احفظ کہا ہے۔ ائمہ ستہ ان سے روایت کرتے ہیں۔

(تہذیب الکمال ج ۷ ص ۲۶۵-۲۶۲' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ)

امام احمد نے از سعید از قتادہ از انس اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ مسند احمد ج ۳ ص ۲۱۵' طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۳۱۷۹' طبع قاہرہ' اس کے حاشیہ میں حمزہ احمد زین نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ اس کے علاوہ یہ روایت ان کتابوں میں ہے: مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۲۹۳۲' ۳۲۰۴' اس کے محقق نے بھی لکھا ہے اس کی سند صحیح ہے۔ اسباب النزول للواحدی ص ۳۹۹' جامع البیان رقم الحدیث: ۲۴۳۴۴' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۲۲۲۔

قتادہ بن دعامہ کے ایک شاگرد ہیں شیبان بن عبد الرحمٰن تمیمی متوفی ۱۶۴ھ۔ مشہور ائمہ حدیث نے ان کو ثقہ اور صدوق لکھا ہے اور ائمہ ستہ ان سے حدیث روایت کرتے ہیں۔

(تہذیب الکمال ج ۸ ص ۴۱۷-۴۱۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ)

امام بیہقی نے اس حدیث کو از شیبان از قتادہ از انس روایت کیا ہے۔ سنن کبریٰ ج ۵ ص ۲۱۷

قتادہ بن دعامہ کے ایک اور شاگرد ہیں حکیم بن عبد الملک القرشی۔ امام بخاری نے الادب المفرد میں' امام نسائی نے خصائص نسائی میں' امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے اپنی سنن میں ان سے احادیث کو روایت کیا ہے' یہ اگرچہ ضعیف راوی ہیں لیکن ان کی جن روایات کی متابعت کی گئی ہے' ان سے استدلال کرنا جائز ہے۔

(تہذیب الکمال ج ۵' ص ۹۳-۹۲' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ)

امام بیہقی نے از حکم بن عبد الملک از قتادہ از انس اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ سنن کبریٰ ج ۵ ص ۲۱۷۔

خلاصہ یہ ہے کہ قتادہ بن دعامہ کے شاگردوں میں سے معمر' ہمام' سعید' شیبان اور حکم بن عبد الملک نے اس پوری حدیث کو قتادہ سے سنا ہے اور اس پوری حدیث کو روایت کیا ہے اور صحاح اور سنن کے مصنفین نے ان کی روایات کو اپنی تصانیف میں درج کیا ہے اور ان کی اسانید کے متعلق محققین نے تصریح کی ہے کہ وہ صحیح ہیں۔ ماسوا حکم کی روایت کے لیکن ہم نے اس کو بطور تائید درج کیا ہے۔ لہٰذا قتادہ بن دعامہ کے ایک شاگرد شعبہ کی ایک روایت اگر مدرج ہے اور انہوں نے حضرت انس اور عکرمہ کے کلام کو ملا دیا ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کے باقی شاگردوں کی روایات کی صحت پر کوئی اثر پڑے۔

علاوہ ازیں یہ حدیث قتادہ بن دعامہ کے علاوہ از ربیع بن انس بھی مروی ہے۔ لہٰذا اب اعتراض کی بنیاد ہی منہدم ہوگئی۔ امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ از ربیع از انس روایت کرتے ہیں: جب یہ آیت نازل ہوئی وما ادری ما یفعل بی ولا بکم (الاحقاف: ۹) تو اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر (الفتح: ۲) تو صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! ہم نے جان لیا کہ آپ کے ساتھ کیا کیا جائے گا تو ہمارے ساتھ کیا کیا جائے گا پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی وبشر المؤمنین بان لھم من اللہ فضلا کبیرا (الاحزاب: ۴۷) آپ نے فرمایا: فضل کبیر جنت ہے۔

(دلائل النبوۃ ج ۴ ص ۱۵۹، ۹۹ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۰ھ)

نیز امام ابن جریر نے اس حدیث کو تفصیل کے ساتھ عکرمہ اور الحسن البصری سے روایت کیا ہے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۴۲۶۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اعلیٰ حضرت کے جواب کی تقریر

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی نے انباء المصطفیٰ میں اس حدیث کو صحیح فرمایا ہے اور اس کو الاحقاف: ۹ کے لیے ناسخ قرار دیا ہے۔ مجھے پچھلے سال یہ معلوم ہوا کہ مخالفین نے اس حدیث پر اعتراض کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ یہ حدیث غیر صحیح ہے۔ کیونکہ شعبہ نے اس حدیث کا صرف ایک جملہ قتادہ سے سنا تھا اور باقی حصہ عکرمہ سے اور انہوں نے دونوں کو ملا کر قتادہ کی طرف منسوب کر دیا۔ لیکن اس وجہ سے اس حدیث کو غیر صحیح قرار دینا درست نہیں ہے کیونکہ معمر، ہمام، سعید اور شیبان بھی قتادہ کے شاگرد ہیں اور صحاح ستہ کے راوی ہیں اور ان سے یہ ثابت نہیں ہے کہ انہوں نے قتادہ سے یہ پوری حدیث نہیں سنی اور ان کی اس حدیث کو صحاح اور سنن کے مصنفین نے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔ اور محققین نے ان کی ان روایات کو صحیح قرار دیا ہے لہٰذا امام احمد رضا کا اس حدیث کو صحیح لکھنا برحق ہے۔ پہلے میں نے سوچا تھا کہ جب میں الاحقاف یا الفتح کی تفسیر پر پہنچوں گا اس وقت اس اشکال کا جواب لکھ دوں گا پھر میں نے سوچا کہ پتا نہیں اس وقت تک میں زندہ رہوں یا نہ رہوں، حدیث کا ایک ادنیٰ خادم ہونے کی حیثیت سے مجھ پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ حدیث کی صحت پر جو اعتراض کیا جائے اس کو دور کر دوں۔ لہٰذا میں نے یہاں پر اس اعتراض کا جواب لکھ دیا ہے۔ اور اعلیٰ حضرت سے قلت فہم حدیث کی تہمت دور کر دی ہے۔

مغفرت ذنب کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرنے پر اعلیٰ حضرت کی دیگر عبارات

اس صحیح حدیث سے اعلیٰ حضرت نے یہ واضح کیا ہے کہ لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر میں مغفرت کا تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ اعلیٰ حضرت کی دیگر تصانیف سے بھی یہ ظاہر ہے، صحیح مسلم کی ایک اور حدیث کے ترجمہ میں لکھتے ہیں یعنی حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دروازہ اقدس کے پاس کھڑے تھے ایک شخص نے حضور سے عرض کی اور میں سن رہی تھی کہ یا رسول اللہ میں صبح کو جنب اٹھتا ہوں اور نیت روزے کی ہوتی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میں خود ایسا کرتا ہوں۔ اس نے عرض کی حضور کی ہماری کیا برابری؟ حضور کو تو اللہ عزوجل نے ہمیشہ کے لیے پوری معافی عطا فرما دی ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۶۱۶-۶۱۵، مطبوعہ دار العلوم امجدیہ کراچی، ۱۴۱۰ھ)

نیز اعلیٰ حضرت امام احمد رضا لکھتے ہیں:

ہر نعمت کا پورا شکر کون ادا کر سکتا ہے۔ از دست و زبان کہ بر آید کز عہدۂ شکرش بدر آید۔ شکر میں ایسی کمی ہرگز گناہ بمعنی معروف نہیں بلکہ لازمہ بشریت ہے۔ نعمائے الٰہیہ ہر وقت، ہر لحظہ، ہر آن، ہر حال میں متزاید ہیں خصوصا خاصوں پر

خصوصاً ان پر جو سب خاصوں کے سردار ہیں اور بشر کو کسی وقت کھانے پینے سونے میں مشغولی ضرور اگرچہ خاصوں کے یہ افعال بھی عبادت ہیں مگر اصل عبادت سے تو ایک درجہ کم ہیں۔ اس کمی کو تقصیر اور تقصیر کو ذنب فرمایا گیا۔(۵) بلکہ خود نفس عبارت گواہ ہے کہ یہ جسے ذنب فرمایا گیا ہرگز حقیقتاً ذنب بمعنی گناہ نہیں ماتقدم سے کیا مراد لیا وحی اترنے سے پیشتر کے اور گناہ کسے کہتے ہیں مخالفت فرمان کو اور فرمان کاہے سے معلوم ہو گا وحی سے تو جب تک وحی نہ اتری تھی فرمان کہاں تھا جب فرمان نہ تھا مخالفت فرمان کے کیا معنی اور جب مخالفت فرمان نہیں تو گناہ کیا۔(۶) جس طرح ماتقدم میں ثابت ہو گیا کہ حقیقتاً ذنب نہیں یونہی ماتاخر میں نقد وقت ہے قبل ابتداء نزول فرمان جو افعال جائز ہوئے کہ بعد کو فرمان ان کے منع پر اترا اور انہیں یوں تعبیر فرمایا گیا حالانکہ ان کا حقیقتاً گناہ ہونا کوئی معنی ہی نہ رکھتا تھا۔ یونہی بعد نزول وحی و ظہور رسالت بھی جو افعال جائز فرمائے اور بعد کو ان کی ممانعت اتری اسی طریقہ سے ان کو ماتاخر فرمایا کہ وحی بتدریج نازل ہوئی نہ کہ دفعتاً۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۹ ص ۷۵، مطبوعہ دار العلوم امجدیہ کراچی)

اسی بحث میں مزید لکھتے ہیں:

(۱۲) جتنا قرب زائد اسی قدر احکام کی شدت زیادہ ہے جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے۔ بادشاہ جبار جلیل القدر ایک جنگلی گنوار کی جو بات سن لے گا جو برتاؤ گوارا کرے گا ہرگز شہریوں سے پسند نہیں کرے گا، شہریوں میں بازاریوں سے معاملہ آسان ہو گا اور خاص لوگوں سے سخت اور خاصوں میں درباریوں اور درباریوں میں وزراء ہر ایک پر بار دوسرے سے زائد ہے۔ اسی لیے وارد ہوا حسنات الابرار سیئات المقربین۔ نیکوں کے جو نیک کام ہیں مقربوں کے حق میں گناہ ہیں وہاں ترک اولیٰ کو بھی گناہ سے تعبیر کیا جاتا ہے حالانکہ ترک اولیٰ ہرگز گناہ نہیں۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۹ ص ۷۶، مطبوعہ دار العلوم امجدیہ کراچی)

اعلیٰ حضرت کے والد رحمہ اللہ مولانا نقی علی خاں متوفی ۱۲۹۷ھ نے بھی الفتح: ۲-۱ کے ترجمہ سے یہ ظاہر فرمایا ہے کہ مغفرت کا تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے۔ لکھتے ہیں:

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۙ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ۔	ہم نے فیصلہ کر دیا تیرے واسطے صریح فیصلہ تا معاف کرے اللہ تیرے اگلے اور پچھلے گناہ۔

(الفتح: ۲-۱) (انوار جمال مصطفیٰ ص ۱۷، مطبوعہ شبیر برادرز لاہور)

اور خود اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی اپنے والد قدس سرہ کی کتاب احسن الوعاء و آداب الدعاء کی شرح ذیل الوعاء لاحسن الدعاء میں لکھتے ہیں:

قال الرضا یہ بھی ابو الشیخ نے روایت کی اور خود قرآن عظیم میں ارشاد ہوتا ہے:

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ۔	مغفرت مانگ اپنے گناہوں کی اور سب مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے۔

(احسن الوعاء ص ۳۶، مطبوعہ ضیاء الدین پبلی کیشنز کھارادر کراچی)

اعلیٰ حضرت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ذنب کا ترجمہ گناہ کیا ہے اس سے اعلیٰ حضرت کی مراد آپ کے خلاف اولیٰ کام ہیں جیسا کہ خود اعلیٰ حضرت نے فتاویٰ رضویہ ج ۹ ص ۷۶ میں اس کی تصریح کی ہے اور اس سے معروف گناہ مراد نہیں ہیں۔ بعض دیگر اکابرین اہل سنت نے بھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ذنب کا

ترجمہ گناہ کیا ہے ان کی بھی یہی مراد ہے۔ یہ تمام بزرگ صحیح العقیدہ تھے اور آپ کی محبت سے مالا مال اور آپ کے ادب و احترام سے معمور تھے۔ اور وہ اس تہمت سے بری ہیں کہ اس ترجمہ میں گناہ سے مراد اس کا معروف معنی مراد لیا جائے۔

تاہم میں نے قرآن مجید اور احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ذنب کا ترجمہ کسی جگہ بھی گناہ نہیں کیا میں نے یا تو اس کو ذنب ہی لکھ دیا یا اس کا ترجمہ بہ ظاہر خلاف اولیٰ کام کیا ہے اور میرے نزدیک اس کا ترجمہ گناہ کرنا مناسب نہیں ہے۔ اولاً اس وجہ سے کہ عربی میں ذنب بہ معنی ترک اولیٰ متعارف ہے لیکن اردو میں گناہ کا ایک ہی معنی متعارف ہے اور وہ ہے ایسا کام جو موجب تعزیر یا موجب عذاب ہو۔ اس لیے اردو تحریر میں جب ذنب کا ترجمہ گناہ کیا جائے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف گناہ منسوب ہو گا تو عوام کا ذہن مشوش ہو گا اور مخالفین اسلام کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت پر طعن کا موقع ملے گا۔ ثانیاً اگر پہلے ذنب کا ترجمہ گناہ کیا جائے پھر بعد میں اس کی تاویل ترک اولیٰ سے کی جائے تو کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ ابتداً ذنب کا ترجمہ ترک اولیٰ یا خلاف اولیٰ کے ساتھ کیا جائے۔

الاحقاف: ۹ کو منسوخ ماننے پر مخالفین اعلیٰ حضرت کے ایک اور اعتراض کا جواب

یہاں تک جو ہم نے گفتگو کی اس میں یہ مباحث پوری تفصیل سے باحوالہ دلائل کے ساتھ آ گئے ہیں کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے الاحقاف: ۹ کے منسوخ ہونے پر لیغفر لک اللہ سے استدلال کیا اور یہ ثابت کرنے کے لیے کہ اس آیت میں مغفرت کا تعلق آپ کے ساتھ ہے ترمذی کی صحیح حدیث سے استدلال کیا۔ اس پر مخالفین نے یہ اعتراض کیا کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے اس کے ہم نے شافی جوابات ذکر کر دیئے۔ پھر اعلیٰ حضرت کے مخالفین نے اس استدلال پر عقلی طور سے یہ اعتراض کیا کہ الاحقاف: ۹ مکی ہے اور سورۂ الفتح مدنی ہے اس سے لازم آئے گا کہ ایک طویل عرصہ صلح حدیبیہ تک آپ کو اپنی مغفرت کا علم نہیں ہوا۔ اس کا اولاً جواب یہ ہے کہ یہ صرف اعلیٰ حضرت نے نہیں کہا بلکہ بہت سے مفسرین اور محدثین نے کہا ہے جس میں سے چند کے حوالے اس بحث کے شروع میں آ چکے ہیں۔ ثانیاً کسی چیز کا علم اور چیز ہے اور اس کا بیان دوسری چیز ہے، دیکھئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب مکہ میں بھی نماز پڑھتے تھے اور وضو کر کے نماز پڑھتے تھے حالانکہ وضو کی آیت سورۂ المائدہ میں مدینہ میں آخری دور میں نازل ہوئی۔ آپ کو وضو کا علم بہت پہلے تھا لیکن اس کا بیان بہت بعد میں ہوا ہے۔ اسی طرح آپ کو اپنی کلی مغفرت کا علم بہت پہلے تھا لیکن اس کا بیان بعد میں کیا گیا۔

سورت کا اختتام

یقین کی تفسیر میں یہ اہم علمی مباحث آ گئے اب ہم اللہ کی حمد و ثناء کے ساتھ الحجر کی تفسیر کو ختم کرتے ہیں۔ آج ۱۶ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ / ۱۹ جولائی ۲۰۰۰ء بروز بدھ بعد نماز ظہر اس سورت کی تفسیر اختتام کو پہنچی۔ الہ العلمین جس طرح آپ نے محض اپنے کرم اور فضل سے یہاں تک اس تفسیر کو پہنچا دیا ہے اس کی باقی سورتوں کی تفسیر کو بھی مکمل کرا دیں۔ اس تفسیر کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائیں اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور قیامت تک کے تمام مسلمانوں کے دلوں میں اس کو مقبول بنا دیں۔ اس کی تحریر کو اثر آفرین بنائیں اور اس کو موافقین کے لیے استقامت اور مخالفین کے لیے ہدایت کا سبب بنا دیں، اور اس کے مصنف اور باقی معاونین کی محض اپنے فضل سے مغفرت فرما دیں، دنیا میں ہمیں بلاؤں اور مصائب سے مامون رکھیں اور آخرت میں ہر قسم کے عذاب سے محفوظ رکھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے بہرہ مند فرمائیں اور عزت و کرامت کے ساتھ ایمان پر خاتمہ فرمائیں اور خصوصاً مصنف کو نیک اعمال پر قائم اور بداعمال سے مجتنب رکھیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سیدنا محمد خاتم

النبیین قائد المرسلین اکرم الاولین والاخرین وعلی الہ الطاہرین واصحابہ الکاملین وازواجہ الراشدات امہات المؤمنین وعلی سائر المفسرین والمحدثین والفقہاء المجتہدین والمسلمین اجمعین۔



سُوْرَةُ النَّحْلِ

(۱۶)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

سورۃ النحل

سورت کا نام، وجہ تسمیہ اور زمانہ نزول

اس سورت کا نام النحل ہے، نحل کے معنی ہیں شہد کی مکھی، النحل کا لفظ اس آیت میں ہے:

وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِىْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ○ (النحل: ۶۸)

اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں ڈالا کہ پہاڑوں میں اور درختوں میں اور چھپروں میں گھر بنا۔

قرآن عظیم میں اس آیت کے سوا اور کسی جگہ النحل کا لفظ نہیں آیا، اسی لیے اس سورت کا یہ نام ہے اور مصاحف، کتب حدیث اور کتب تفسیر میں اس سورت کا یہی نام مشہور ہے۔

یہ سورت مکہ کے آخری دور میں نازل ہوئی ہے۔

سورۃ النحل کے متعلق احادیث

امام ابوالحسن علی بن احمد الواحدی نیشاپوری متوفی ۴۵۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے سورۃ النحل کو پڑھا، اس سے ان نعمتوں کا حساب نہیں لیا جائے گا جو اس کو دنیا میں دی گئیں اور اس کو اس شخص کی طرح اجر دیا جائے گا جس نے مرتے وقت اچھی وصیت کی ہو۔ (الوسیط ج ۳ ص ۵۵، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ پوری سورت مکی ہے، اور ایک روایت یہ ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد یہ آیت نازل ہوئی:

وَاِنۡ عَاقَبۡتُمۡ فَعَاقِبُوۡا بِمِثۡلِ مَا عُوۡقِبۡتُمۡ بِهٖ ۔ (النحل: ۱۲٦) اور اگر تم سزا دو تو اتنی ہی سزا دو جتنی تمہیں تکلیف پہنچائی گئی ہے۔

حضرت ابن عباس سے دوسری روایت یہ ہے کہ النحل: ۹۵-۹۷ کے سوا باقی تمام آیتیں مکہ میں نازل ہوئی ہیں اور شعبی نے کہا النحل: ۱۲٦-۱۲۸ کے سوا باقی تمام آیات مکہ میں نازل ہوئی ہیں' اس طرح اور بھی اقوال ہیں۔

(زاد المسیر ج ۴ ص ۴۲۵' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

سورۃ النحل کے مضامین اور مقاصد

اس سورت کے اکثر مضامین اللہ تعالیٰ کی توحید' الوہیت اور استحقاق عبادت میں منفرد ہونے پر مشتمل ہیں اور اس پر انواع و اقسام کے دلائل دیئے گئے ہیں اور شرک کی مذمت کی گئی ہے اور ایمان نہ لانے پر عذاب آخرت کی وعید سنائی گئی ہے' اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت کو ثابت کیا گیا ہے' اور یہ بتایا گیا ہے کہ آپ پر قرآن عظیم نازل کیا گیا ہے اور یہ کہ شریعت اسلام حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملت پر قائم ہے اور قیامت اور مرنے کے بعد زندہ کیے جانے اور جزا اور سزا کو بیان کیا گیا ہے۔

اس سورت کی ابتداء اس سے کی گئی ہے کہ مشرکین کو جس عذاب سے ڈرایا گیا ہے اور جس عذاب کا وہ مذاق اڑاتے ہیں وہ قریب آپہنچا ہے' اور ان کے شرک پر ڈٹے رہنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرنے پر ناراضگی کا اظہار کیا گیا ہے اور ان کی مذمت کی گئی ہے اور عقیدۂ شرک کے بطلان پر آسمان و زمین اور سورج اور چاند اور دن اور رات کے تواتر اور انسانوں اور حیوانوں کی تخلیق سے استدلال کیا گیا ہے۔

شہد کی مکھی سے خصوصیت کے ساتھ اس لیے استدلال کیا گیا ہے کہ شہد کی مکھی کے گھر بنانے میں عجیب و غریب دقائق ہیں' اور شہد میں بہت زیادہ منافع ہیں۔

پچھلی امتوں کے جن کافروں نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی ان پر دنیا میں بھی عذاب مسلط کیا گیا اور آخرت میں بھی ان کو سخت عذاب دیا جائے گا اور ان کے احوال سنا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو مشرکین تھے ان کو نصیحت حاصل کرنے اور عبرت پکڑنے کا حکم دیا گیا ہے' اور پچھلی امتوں میں جن ایمان والوں نے مشرکین کے مظالم پر صبر کیا اور اللہ کی راہ میں ہجرت کی ان کا احوال ذکر کیا ہے تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے مسلمانوں کو تسلی ہو کہ ایمان لانے کی وجہ سے ان پر جو سختیاں اور مصائب نازل ہو رہے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے' حق کی راہ میں چلنے والوں کو ہمیشہ اس قسم کے مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اسلام کو ترک کرکے دوسرا مذہب اختیار کرنے والوں کو عذاب الٰہی سے ڈرایا ہے' اور جو شخص دشمن سے جان بچانے کے لیے کلمۂ کفر کہے اور اس کے دل میں اللہ اور اس کے رسول کی تصدیق ہو اس کو اجازت دی ہے۔ عدل' احسان' مسلمانوں کی ہمدردی اور غمگساری' وعدہ نبھانے اور عہد پورا کرنے کا حکم دیا ہے۔ بُرے کاموں' بے حیائی' بغاوت اور عہد شکنی سے منع فرمایا ہے' شیطان کے پھندوں سے بچنے کا حکم دیا ہے' اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے اور ناشکری سے بچنے کا حکم دیا ہے' اور اگر انسان جہالت سے کوئی گناہ کر بیٹھے تو اس کو توبہ کرنے کا حکم دیا ہے' حکمت اور نرمی کے ساتھ اسلام کی تبلیغ کرنے کا حکم دیا ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلام کی تبلیغ پر ثابت قدم رہنے کی تلقین کی ہے اور یہ وعدہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی مدد اور تائید فرمائے گا۔

اس مختصر سے سورت کے تعارف اور تمہید کے بعد اب ہم اللہ تعالیٰ کی تائید اور اس کی اعانت سے سورۃ النحل کی تفسیر شروع کرتے ہیں۔ الٰہ العالمین! مجھے حق و صواب لکھنے پر کاربند رکھنا، اور غلط اور باطل سے مجتنب رکھنا۔ غلام رسول سعیدی

۱۸ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ / ۱۶ جولائی ۲۰۰۰ء

سُوْرَةُ النَّحْلِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّثَمَانٍ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّسِتَّةَ عَشَرَ رُكُوْعًا

سورۃ النحل مکی ہے، اس میں ایک سو اٹھائیس آیتیں ہیں اور سولہ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے ○

اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ①

اللہ کا حکم آ پہنچا! سو (اے کافرو) تم اس کو بہ عجلت طلب نہ کرو، اللہ ان چیزوں سے پاک اور بلند و برتر ہے جن کو وہ اس کا

يُنَزِّلُ الْمَلٰۤئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ

شریک قرار دیتے ہیں ○ وہی جبریل کو وحی کے ساتھ اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے نازل فرماتا

عِبَادِهٖۤ اَنْ اَنْذِرُوْۤا اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ② خَلَقَ

ہے کہ لوگوں کو اس سے ڈراؤ کہ میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے سو تم مجھ سے ڈرو ○ اسی نے آسمانوں

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ③ خَلَقَ

اور زمینوں کو برحق پیدا کیا، وہ ان سے بلند و برتر ہے جن کو وہ اس کا شریک قرار دیتے ہیں ○ اسی نے انسان

الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ④ وَالْاَنْعَامَ

کو نطفہ سے پیدا کیا تو وہ (اس کے متعلق) علی الاعلان جھگڑنے لگا ○ اور اسی نے چوپایوں کو

خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ⑤ وَلَكُمْ

پیدا کیا ان میں تمہارے لیے گرم کپڑے اور دوسرے فوائد ہیں اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے ہو ○ اور ان میں

فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ⑥ وَتَحْمِلُ

تمہارے لیے حسن و زیبائش ہے جب تم شام کو انہیں چرا کر واپس لاتے ہو اور جب صبح کو انہیں چراگاہ میں چھوڑتے ہو ○ اور وہ چوپائے

أَتُقَالَكُمْ إِلَىٰ بَلَدٍ لَّمْ تَكُونُوا بَالِغِيهِ إِلَّا بِشِقِّ الْأَنفُسِ ۚ إِنَّ

تمہارا سامان لاد کر اس شہر تک لے جاتے ہیں جہاں تم بغیر مشقت کے خود نہیں پہنچ سکتے تھے ، بے شک تمہارا

رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿٧﴾ وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا

رب نہایت رحیم بہت مہربان ہے ○ اور گھوڑے اور خچر اور گدھے تمہاری سواری اور زیبائش کے لیے

وَزِينَةً ۚ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٨﴾ وَعَلَى اللَّهِ قَصْدُ السَّبِيلِ

پیدا کیے ، اور وہ ان چیزوں کو پیدا کرتا ہے جن کو تم نہیں جانتے ○ اور سیدھا راستہ اللہ تک پہنچتا ہے ،

وَمِنْهَا جَائِرٌ ۚ وَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٩﴾

اور بعض راستے ٹیڑھے ہیں، اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو (جبراً) ہدایت دے دیتا ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ کا حکم آپہنچا! سو (اے کافرو) تم اس کو بہ عجلت طلب نہ کرو' اللہ ان چیزوں سے پاک اور بلند و برتر ہے جن کو وہ اس کا شریک قرار دیتے ہیں ○ (النحل: ۱)

عذاب کی وعید سے سورۃ النحل کی ابتداء کرنے کی توجیہ

اس سورت کا بڑا مقصد مشرکین کو شرک اور دوسرے برے کاموں سے روکنا ہے اور ان کاموں پر ان کو آخرت کے عذاب سے ڈرانا ہے' اس سے پہلے بھی بہ کثرت آیات میں انہیں عذاب کی وعید سنائی جا چکی ہے اور ان کو یہ بتایا جا چکا ہے کہ وہ دن آنے والا ہے' جس میں ان کی شوکت اور قوت زائل ہو جائے گی وہ کافی عرصہ تک اس دن کا انتظار کرتے رہے حتیٰ کہ انہیں یہ یقین ہو گیا کہ یہ محض خالی خولی دھمکی ہے حقیقت میں وہ دن آنے والا نہیں ہے تو انہوں نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کا مذاق اڑانا شروع کر دیا اور کہنے لگے جس عذاب سے آپ ہمیں اتنے عرصہ سے ڈرا رہے ہیں آخر وہ اب تک کیوں نہیں آیا اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی: اللہ کا حکم آپہنچا سو (اے کافرو) تم اس کو بہ عجلت طلب نہ کرو۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابن جریج بیان کرتے ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی کہ اللہ کا حکم یعنی اس کا عذاب آپہنچا تو منافقین نے آپس میں کہا یہ شخص یہ گمان کر رہا ہے کہ اللہ کا عذاب آپہنچا ہے تو تم فی الحال اپنی کارروائیاں موقوف کر دو اور پھر انتظار کرو کہ کیا ہوتا ہے' پھر جب انہوں نے دیکھا کہ کوئی چیز نازل نہیں ہوئی تو انہوں نے کہا ہمارا گمان یہ ہے کہ کوئی عذاب نازل نہیں ہو گا اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مُّعْرِضُونَ ○ (الانبیاء: ۱) لوگوں کے لیے ان کا حساب قریب آ گیا اور وہ غفلت سے روگردانی کیے ہوئے ہیں۔

منافقین نے کہا کہ یہ تو پہلے کی مثل ہے' اور پھر جب انہوں نے دیکھا کہ کوئی عذاب نازل نہیں ہوا تو انہوں نے کہا

ہمارا گمان یہ ہے کہ کوئی چیز نازل نہیں ہوگی اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ مَا يَحْبِسُهٗ ؕ اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ۔ (ھود: ۸)

اور اگر ہم چند دنوں کے لیے ان سے عذاب روک لیں تو وہ ضرور کہیں گے کہ کس چیز نے اسے روک لیا؟ سنو جس دن وہ عذاب ان پر آئے گا تو ان سے پھیرا نہ جائے گا اور جس عذاب کا وہ مذاق اڑاتے تھے وہ ان کا احاطہ کرلے گا۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۶۱۹۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

بہ ظاہر یہ روایت صحیح نہیں معلوم ہوتی کیونکہ النحل مکی سورت ہے اور مکہ میں منافقین موجود نہ تھے، امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ نے اس روایت کو اس طرح بیان کیا ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین کو کبھی دنیا کے عذاب سے ڈراتے تھے، یعنی ان کو قتل کردیا جائے گا اور ان پر غلبہ حاصل کیا جائے گا جیسا کہ غزوہ بدر میں ہوا اور کبھی ان کو قیامت کے عذاب سے ڈراتے تھے جو قیامت کے دن واقع ہوگا، پھر جب مشرکین نے کسی قسم کے عذاب کو نہیں دیکھا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرنے لگے، اور آپ سے عذاب کا مطالبہ کرنے لگے تب یہ آیت نازل ہوئی کہ اللہ کا عذاب آپہنچا سو (اے کافرو) تم اس کو بہ عجلت طلب نہ کرو۔ (تفسیر کبیر ج ۷ ص ۱۶۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

مستقبل میں آنے والے عذاب کو ماضی سے تعبیر کرنے کی توجیہ

اس آیت میں فرمایا ہے وہ عذاب آپہنچا حالانکہ ابھی وہ عذاب آیا نہیں ہے قیامت کے بعد آئے گا اس کی وجہ یہ ہے کہ جس چیز کا تحقق اور وقوع واجب ہو اور اس کے واقع ہونے پر قطعی عقلی دلائل قائم ہوں اس کو ماضی کے ساتھ تعبیر کردیا جاتا ہے اس کی مثال حسب ذیل آیات میں ہے:

وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا۔ (الاعراف: ۴۴)

اور جنت والوں نے دوزخ والوں کو پکارا بے شک ہمارے رب نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا ہم نے اس کو سچا پالیا۔

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۝ وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ۝ (الزلزال: ۳-۱)

اور جب زمین زلزلہ سے ہلا دی گئی ۝ اور جب زمین نے اپنے تمام بوجھ باہر نکال دیے ۝ اور انسان نے (تعجب سے) کہا اس کو کیا ہوا ۝

نیز اللہ تعالیٰ نے جس چیز کی خبر دی ہے اس میں ماضی اور مستقبل کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کے ہونے کی خبر دی ہے وہ لامحالہ ہوگی۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس آیت میں فرمایا ہے اللہ کا امر آپہنچا اس کا معنی ہے اللہ کا حکم آپہنچا حالانکہ یہاں مراد ہے اللہ کا عذاب آپہنچا، اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن عظیم میں امر کا اطلاق عذاب پر بھی کیا گیا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے:

قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ (ھود: ۴۳)

نوح نے کہا آج اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں ہے، مگر وہی (بچے گا) جس پر اللہ رحم فرمائے۔

امام محمد بن ادریس ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عقبہ بن ابی عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے وقت مغرب کی جانب سے ڈھال کی مانند ایک سیاہ بادل طلوع ہوگا اور وہ مسلسل آسمان میں بلند ہوتا رہے گا اور آسمان سے ایک منادی ندا کرے گا: اے لوگو! پھر لوگ ایک دوسرے سے سوال کریں گے کیا تم نے کوئی آواز سنی ہے، بعض کہیں گے ہاں! اور بعض کو شک ہوگا، پھر دوبارہ منادی ندا کرے گا اے لوگو! پھر لوگ ایک دوسرے سے کہیں گے کیا تم نے سنا، پس لوگ کہیں گے ہاں، پھر تیسری بار منادی ندا کرے گا اے لوگو! اللہ کا عذاب آپہنچا! سو اب تم اس کو بہ عجلت طلب نہ کرو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے دو شخص کپڑے کھول رہے ہوں گے وہ ان کو لپیٹ نہیں سکیں گے اور ایک شخص اپنے حوض کو بھر رہا ہوگا وہ اس میں سے کچھ پی نہیں سکے گا، اور ایک شخص اپنی اونٹنی کا دودھ دوہ رہا ہوگا وہ اس میں سے پی نہیں سکے گا اور لوگ اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہوں گے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۲۴۵۸، ۱۲۴۶۰، الدر المنثور ج ۵ ص ۱۰۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (دو انگلیاں ملا کر) فرمایا میں اور قیامت اس طرح بھیجے گئے ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۰۵، ۶۵۰۴، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۵۱، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۶۴۲)

کفار اور مشرکین نے کہا چلو ہم نے مان لیا کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا یا آخرت میں عذاب نازل کرنے کا حکم نازل فرمایا ہے، مگر ہم جن بتوں کی عبادت کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہماری شفاعت کریں گے تو ان بتوں کی شفاعت کی وجہ سے ہماری عذاب سے نجات ہو جائے گی!

اللہ تعالیٰ نے اس کے رد میں فرمایا: اللہ ان چیزوں سے پاک اور بلند و برتر ہے جن کو وہ اس کا شریک قرار دیتے ہیں۔

(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۱۶۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہی جبریل کو وحی کے ساتھ اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے نازل فرماتا ہے کہ لوگوں کو اس سے ڈراؤ کہ میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے سو تم مجھ سے ڈرو○ (النحل: ۲)

ملائکہ سے جبریل کا مراد ہونا

اس آیت کا لفظی ترجمہ اس طرح ہے کہ اللہ ملائکہ کو روح کے ساتھ اپنے امر سے نازل فرماتا ہے۔

اب اس آیت میں ایک بحث یہ ہے کہ ملائکہ سے کیا مراد ہے اور دوسری بحث یہ ہے کہ روح سے کیا مراد ہے۔

امام عبدالرحمٰن جوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس آیت میں ملائکہ سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں۔ (زاد المسیر ج ۴ ص ۴۲۸، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

امام ابن جریر نے ملائکہ سے عام فرشتوں کا ارادہ کیا ہے، اور امام رازی نے حضرت ابن عباس کی مذکور الصدر روایت سے یہ استدلال کیا ہے کہ اس سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں۔ اب اگر اس پر یہ اعتراض کیا جائے کہ ملائکہ جمع ہے اور جبریل واحد ہیں تو واحد پر جمع کے اطلاق کی کیا توجیہ ہے اس کا امام واحدی نے یہ جواب دیا ہے کہ جب واحد رئیس مقدم ہو تو اس پر جمع کا اطلاق جائز ہے، قرآن مجید اور کلام عرب میں اس کی بہت نظائر ہیں۔

روح میں متعدد اقوال

اور روح کے متعلق حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) ابن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اس سے مراد وحی ہے۔ (۲) عکرمہ نے حضرت

ابن عباس سے روایت کیا ہے اس سے مراد نبوت ہے۔ (۳) زجاج نے کہا جس چیز میں اللہ کا امر ہو وہ روح ہے۔ (۴) حسن اور قتادہ نے کہا اس سے مراد رحمت ہے۔ (۵) ابن زید نے کہا اس سے مراد قرآن ہے اور قرآن کو روح اس لیے فرمایا کہ جس طرح بدن روح سے زندہ ہوتا ہے اسی طرح دین قرآن سے زندہ ہوتا ہے۔

(زاد المسیر ج ۴ ص ۴۲۸، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

روح سے وحی اور اللہ کے کلام کا مراد ہونا

میں کہتا ہوں کہ اگر روح سے مراد وحی لی جائے تو اس میں یہ تمام اقوال جمع ہو جاتے ہیں کیونکہ نبوت بھی وحی سے ثابت ہوتی ہے، اور تمام اوامر اور احکام بھی وحی سے ثابت ہوتے ہیں اور اللہ کی رحمت کے حصول کا ذریعہ بھی وحی پر عمل کرنا ہے، اور قرآن عظیم بھی وحی سے حاصل ہوا اس لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کے مطابق روح سے وحی کو مراد لینا سب سے جامع قول ہے اور قرآن عظیم کی حسب ذیل آیات میں روح کا اطلاق وحی پر کیا گیا ہے اور یہ مخفی نہ رہے کہ وحی کا معنی ہے اللہ کا کلام جو اس نے اپنے نبیوں اور رسولوں پر نازل فرمایا ہے:

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا۔ (الشوریٰ: ۵۲) — اور اسی طرح ہم نے اپنے کلام کی آپ کی طرف وحی فرمائی اپنے حکم سے۔

يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ۔ (المومن: ۱۵) — وہ اپنے حکم سے جس پر چاہتا ہے کلام القا فرماتا ہے۔

قرآن عظیم اور وحی کے ذریعہ معارف ربانیہ کامل ہوتے ہیں اور ان معارف سے عقل صاف اور روشن ہوتی ہے اور عقل سے روح کامل ہوتی ہے اور روح سے جسم کامل ہوتا ہے، اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اصلی اور حقیقی روح، اللہ کی وحی اور قرآن کریم ہے کیونکہ اسی کے ذریعہ انسان کو غفلت اور جہالت کی نیند سے بیداری حاصل ہوتی ہے اور اسی کی وجہ سے انسان حیوانیت کی پستی سے ملکوتیت کی بلندی کی طرف منتقل ہوتا ہے اس سے واضح ہو گیا کہ روح کا اطلاق وحی پر کرنا انتہائی مناسب اور مماثلت پر مبنی ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام جو حامل وحی ہیں ان پر بھی اللہ تعالیٰ نے روح کا اطلاق فرمایا ہے:

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ٥ عَلٰى قَلْبِكَ۔ (الشعراء: ۱۹۴-۱۹۳) — اس قرآن کو جبریل نے آپ کے قلب پر نازل کیا۔

قوت نظریہ اور قوت عملیہ کا کمال

انسان کا کمال قوت نظریہ اور قوت عملیہ سے ہوتا ہے، قوت نظریہ کا کمال یہ ہے کہ اس کے عقائد صحیح ہوں، اور قوت عملیہ کا کمال یہ ہے اس کا ہر کام اللہ کی رضا کے لیے اور اس کے خوف کی وجہ سے ہو، اس لیے فرمایا کہ آپ لوگوں سے یہ کہیں کہ میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں سو تم مجھ سے ڈرو، جب بندے یہ یقین رکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے تو ان کا عقیدہ اور ایمان صحیح ہو گا اور یہ ان کی قوت نظریہ کا کمال ہے، اور جب وہ صرف اللہ سے ڈریں گے تو وہ برے کاموں اور گناہوں کو ترک کریں گے اور نیک کام کریں گے اور یہ ان کی قوت عملیہ کا کمال ہے، خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو انتہائی جامع پیغام پہنچانے کا حکم دیا ہے جس سے انسان کی قوت نظریہ اور قوت عملیہ دونوں کامل ہو جاتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اسی نے آسمانوں اور زمینوں کو برحق پیدا کیا، وہ ان سے بلند و برتر ہے جن کو وہ اس کا شریک قرار دیتے ہیں ○ اسی نے انسان کو نطفہ سے پیدا کیا تو وہ (اس کے متعلق) علی الاعلان جھگڑنے لگا ○ (النحل: ۴-۳)

اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلیل

ان آیتوں سے اللہ تعالیٰ نے اپنی الوہیت اور اپنی توحید پر استدلال فرمایا ہے، پہلے آسمانوں اور زمینوں سے استدلال کیا اور وجہ استدلال یہ ہے کہ آسمان، زمین اور انسان مخصوص جسامت اور مخصوص شکل و صورت کے ساتھ موجود ہیں اور اس جسامت اور اس تشکل کا کوئی موجد ہونا ضروری ہے، اور یہ ضروری ہے کہ وہ موجد واجب اور قدیم ہو کیونکہ اگر وہ موجد ممکن اور حادث ہوا تو اس کے لیے پھر ایک موجد ماننا ہو گا اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ ان کا موجد واجب اور قدیم ہو گا تو یہ بھی ماننا ہو گا کہ وہ موجد واحد ہو ورنہ پھر تعدد وجباء لازم آئے گا اور یہ باطل ہے جیسا کہ ہم کئی بار بتا چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو نطفہ سے پیدا کیا اور ایک ناپاک قطرہ سے عجیب و غریب مخلوق بنائی، ماں کے پیٹ میں تین اندھیروں میں اس قطرہ کو مختلف اشکال میں ڈھالتا رہا، پھر اس کی خلقت مکمل کرنے اور اس میں روح پھونکنے کے بعد اس کو دنیا کی روشنی میں لایا اس کو غذا اور روزی دی اس کی پرورش کرتا رہا حتیٰ کہ جب وہ بلوغت کو پہنچ گیا اور اس قابل ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرے اور اس کی عبادت کرے تو اس نے اپنے رب کی نعمتوں کا کفر کیا اور اپنے پیدا کرنے والے کو ماننے اور صرف اسی کی عبادت کرنے سے انکار کیا اور ان بتوں کی عبادت کی جو اس کو نفع پہنچا سکتے تھے اور نہ نقصان پہنچا سکتے تھے اور اپنے پروردگار کی قدرت کا اور اس کے دوبارہ پیدا کرنے کا انکار کیا اور کہنے لگا:

قَالَ مَنۡ يُّحۡىِ الۡعِظَامَ وَهِىَ رَمِيۡمٌ ○ قُلۡ يُحۡيِيۡهَا الَّذِىۡۤ اَنۡشَاَهَاۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ خَلۡقٍ عَلِيۡمُ ○ (یٰسین: ۷۹-۷۸)

اس نے کہا جب ہڈیاں بوسیدہ ہو کر گل جائیں گی تو ان کو کون زندہ کرے گا؟ ○ آپ کہیے ان کو وہی زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی بار پیدا کیا تھا اور وہ ہر پیدائش کو خوب جاننے والا ہے۔

اور وہ اس کو بھول گیا جس نے ایک ناپاک اور گندہ قطرہ سے اس کو ایسی پاکیزہ اور حسین شکل دی تھی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس نے چوپایوں کو پیدا کیا، ان میں تمہارے لیے گرم کپڑے اور دوسرے فوائد ہیں اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے ہو ○ اور ان میں تمہارے لیے حسن اور زیبائش ہے جب تم شام کو انہیں چرا کر واپس لاتے ہو اور جب صبح کو انہیں چراگاہ میں چھوڑتے ہو ○ اور وہ چوپائے تمہارا سامان لاد کر اس شہر تک لے جاتے ہیں جہاں تم بغیر مشقت کے خود نہیں پہنچ سکتے تھے، بے شک تمہارا رب نہایت رحیم، بہت مہربان ہے ○ (النحل: ۷-۵)

مشکل الفاظ کے معانی

اَنعام: مویشی، بھیڑ، بکری، گائے، بھینس اور اونٹ، مویشیوں کو اس وقت تک انعام نہیں کہا جاتا جب تک ان میں اونٹ نہ ہوں، انعام نعم کی جمع ہے، اصل میں نعم اونٹ کو کہتے ہیں، لیکن بھیڑ، بکری اور گائے وغیرہ پر بھی اَنعام کا اطلاق ہوتا ہے۔ عرب کے نزدیک چونکہ اونٹ بہت بڑی نعمت ہے اس لیے وہ اونٹ کو نعم کہتے ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۰ ص ۶۴-۶۳)

دف ء: جاڑے کی پوشاک، گرم کپڑے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلائل میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے مویشی پیدا کیے اور ان کو تمہارے فوائد

کے لیے مسخر کردیا، ان کے جسموں پر تمہارے گرم لباس کے لیے اون پیدا کیا اور ان میں اور فوائد بھی ہیں، تم ان کے دودھ سے غذا حاصل کرتے ہو ان پر سواری کر کے سفر کرتے ہو اور ان پر اپنا سامان لاد کر لے جاتے ہو پھر ان جانوروں کی جو نسل چلتی ہے اس سے تمہارے مال و دولت میں اضافہ ہوتا ہے۔

اون کے لباس پہننے کا جواز

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اون کا لباس پہننا جائز ہے، ہمارے رسول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ سے پہلے جو رسول تھے مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام انہوں نے اون کا لباس پہنا ہے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک سفر میں رات کے وقت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا، آپ نے مجھ سے پوچھا: کیا تمہارے پاس پانی ہے میں نے کہا جی ہاں! آپ سواری سے اترے اور ایک طرف کو گئے حتیٰ کہ رات کی سیاہی میں آپ چھپ گئے پھر آپ آئے تو میں نے برتن سے آپ کے اوپر پانی ڈالا آپ نے اپنا چہرہ دھویا آپ نے اون کا ایک جبہ پہنا ہوا تھا آپ کے لیے اس کی آستینوں سے اپنی کلائیاں نکالنا مشکل ہوا حتیٰ کہ آپ نے جبہ کے نیچے سے اپنی کلائیاں نکال لیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۳، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۳)

جمال کا معنی اور مویشیوں کا جمال

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان مویشیوں میں تمہارے لیے جمال ہے، حدیث میں ہے اللہ جمیل ہے اور جمال سے محبت کرتا ہے (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۱) علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں کہ بہت زیادہ حسن کو جمال کہتے ہیں، اور جمال کی دو قسمیں ہیں، ایک جمال وہ ہے جو اس کے نفس یا اس کے بدن یا اس کے افعال میں ہو، اور جمال کی دوسری قسم وہ حسن ہے جس کو وہ دوسروں تک پہنچائے، حدیث میں جو ارشاد ہے: اللہ جمیل ہے اور جمال سے محبت کرتا ہے اس میں بھی اس امر پر متنبہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ دوسروں تک خیر اور خوبی کو پہنچاتا ہے اور ان ہی لوگوں سے محبت کرتا ہے جو دوسرے لوگوں تک نیکیوں اور اچھائیوں کو پہنچائیں۔ (المفردات ج ۱ ص ۱۲۷، طبع مکہ مکرمہ)

علامہ قرطبی نے لکھا ہے: جس چیز سے حسن اور زیبائش حاصل ہو وہ جمال ہے اور جمال حسن کو کہتے ہیں، ہمارے علماء نے کہا ہے کہ جمال جسمانی بناوٹ اور صورت میں بھی ہوتا ہے اور اخلاق باطنہ اور افعال میں بھی ہوتا ہے، شکل و صورت کا جمال وہ ہے جس کو آنکھوں سے دیکھا جاتا ہے اور دل میں وہ صورت نقش ہو جاتی ہے، اور اخلاق باطنہ کا جمال یہ ہے کہ انسان کی صفات خوب صورت ہوں، اس میں علم اور حکمت ہو، عدل اور عفت (پاک دامنی) ہو وہ غصہ ضبط کرتا ہو اور ہر شخص کے ساتھ اچھائی کرتا ہو، اور افعال کا جمال یہ ہے کہ اس کے افعال سے مخلوق کو فائدہ پہنچتا ہو اور وہ لوگوں کی مصلحتیں تلاش کرنے میں کوشاں رہتا ہو اور ان سے ضرر اور نقصان کو دور کرنے کے درپے رہتا ہو۔

مویشیوں کا جمال یہ ہے کہ ان کی جسمانی بناوٹ اور ان کی شکل و صورت دیکھنے میں اچھی لگتی ہو اور مویشیوں کی تعداد کا زیادہ ہونا بھی ان کے جمال میں داخل ہے کہ لوگ دیکھ کر یہ کہیں کہ یہ فلاں کے مویشی ہیں کیونکہ جب مویشی زیادہ تعداد میں اکٹھے ہو کر چلتے ہیں تو اچھے لگتے ہیں، اسی اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور ان میں تمہارے لیے حسن اور زیبائش ہے جب تم شام کو انہیں چرا کر واپس لاتے ہو اور جب صبح کو انہیں چراگاہ میں چھوڑتے ہو۔

بکریوں، گایوں اور اونٹوں کے مقاصد اور وظائف خلقت

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور وہ چوپائے تمہارا سامان لاد کر اس شہر تک لے جاتے ہیں جہاں تم بغیر مشقت کے خود

نہیں پہنچ سکتے تھے۔

اللہ سبحانہ نے مویشی پیدا کرنے کا بالعموم احسان فرمایا اور ان میں سے اونٹوں کا خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا کیونکہ وہ دوسرے جانوروں کی بہ نسبت بار برداری اور بوجھ اٹھانے کے زیادہ کام آتے ہیں، بکریوں کا دودھ دوہا جاتا ہے اور ان کو ذبح کر کے کھایا جاتا ہے اور بھیڑوں سے اون بھی حاصل کیا جاتا ہے اور ان کے چمڑے سے بہت کار آمد اور مفید چیزیں بنائی جاتی ہیں اور گائے اور بیلوں سے ان فوائد کے علاوہ ہل بھی چلایا جاتا ہے اور اونٹنیوں سے ان کے علاوہ ان پر بوجھ بھی لادا جاتا ہے۔

حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص گائے کو لے کر جا رہا تھا جس پر اس نے سامان لادا ہوا تھا، گائے نے اس کی طرف مڑ کر کہا میں اس لیے پیدا نہیں کی گئی لیکن میں ہل چلانے کے لیے پیدا کی گئی ہوں، لوگوں نے کہا سبحان اللہ! اور انہوں نے تعجب اور خوف سے کہا کیا گائے نے کلام کیا تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اور ابو بکر اور عمر اس پر ایمان لے آئے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۸۸، السنن الکبریٰ رقم الحدیث: ۱۴۱۴)

یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ گائے کو اس لیے نہیں پیدا کیا گیا کہ اس کے اوپر سواری کی جائے یا اس پر سامان لادا جائے وہ صرف ہل چلانے، نسل بڑھانے، اس کا دودھ پینے اور اس کو ذبح کر کے اس کا گوشت کھانے کے لیے پیدا کی گئی ہے۔

جانوروں کے ساتھ نرمی کرنے کی ہدایت

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ مویشیوں پر سواری کر کے سفر کرنا اور ان پر سامان لادنا جائز ہے لیکن ان کی قوت برداشت سے زیادہ ان پر سامان نہ لادا جائے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں کے ساتھ بھی نرمی اور ملائمت سے پیش آنے کا حکم دیا ہے، اور ان کے چارہ اور دانہ کا خیال رکھنے کا حکم دیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم فصلوں کے سرسبز اور زرخیز ہونے کے زمانہ میں سفر کرو تو اونٹوں کو بھی زمین کی پیداوار سے حصہ دو، اور جب تم قحط کے ایام میں سفر کرو تو سفر جلدی طے کرو اور جب تم رات کے پچھلے حصہ میں ہو تو راستہ میں قیام کرنے سے احتراز کرو کیونکہ رات میں وہ زمین کیڑے مکوڑوں کی آماجگاہ ہوتی ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۲۶، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۸۱۴)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ امام ابو داؤد نے روایت کیا ہے کہ مسیب بن آدم بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا حضرت عمر بن الخطاب نے ایک شتربان کو مارا اور فرمایا اونٹ پر اس کی طاقت سے زیادہ سامان نہ لادا کرو۔

جانوروں کے ساتھ نرمی اور حسن سلوک میں یہ بھی داخل ہے کہ جب وہ کسی جانور سے ساری عمر کام اور خدمت لیں اور جب وہ جانور بوڑھا ہو جائے اور کام کے قابل نہ رہے تو اس کی دیکھ بھال میں کمی نہ کریں جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

یعلیٰ بن مرہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں تین چیزیں دیکھی ہیں جن کو مجھ سے پہلے کسی نے نہیں دیکھا میں آپ کے ساتھ مکہ کے راستے میں تھا آپ ایک عورت اور اس کے بیٹے کے پاس سے گزرے اس کے بیٹے پر جنون کی کیفیت تھی میں نے اس سے زیادہ جنون کسی میں نہیں دیکھا، اس عورت نے کہا یا رسول اللہ! آپ میرے بیٹے کی حالت دیکھ رہے ہیں آپ نے فرمایا اگر تم چاہو تو میں اس کے لیے دعا کروں! آپ نے اس

کے لیے دعا کی پھر وہاں سے چلے گئے، آپ کے پاس سے ایک اونٹ گزرا وہ اپنی گردن دراز کر کے آپ سے بڑبڑا رہا تھا، آپ نے فرمایا اس اونٹ کے مالک کو لاؤ وہ آیا تو آپ نے فرمایا یہ اونٹ کہہ رہا ہے میں ان کے گھر میں پیدا ہوا اور یہ مجھ سے کام لیتے رہے حتیٰ کہ اب جب میں بوڑھا ہو گیا ہوں تو یہ مجھے ذبح کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں، پھر آپ چلے گئے آپ نے دو الگ الگ درخت دیکھے، آپ نے مجھ سے کہا جاؤ ان درختوں سے جا کر کہو کہ آپس میں مل جائیں وہ درخت مل گئے آپ نے قضاء حاجت کی آپ نے مجھ سے فرمایا ان درختوں سے کہو کہ پھر الگ الگ ہو جائیں، پھر آپ چلے گئے، جب واپس اس بچہ کے پاس سے لوٹے، تو وہ بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا، اور اس کی ماں نے چھ مینڈھے مہیا کیے تھے جس میں سے دو مینڈھے آپ کو ہدیہ کیے اور کہنے لگی کہ اس کے بچہ کو پھر جنون نہیں ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مامن شیء الا یعلم انی رسول اللہ الا کفرۃ الجن والانس۔ کافر جنات اور انسانوں کے سوا ہر چیز کو علم ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔

(المعجم الکبیر ج ۲۲ ص ۲۶۳-۲۶۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حافظ ابن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۴ھ نے امام حاکم اور امام بیہقی کے حوالے اس حدیث کو اپنی تاریخ میں درج کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کی اسناد جید ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔ (البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۵۳۵۔۵۳۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۸ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور گھوڑے اور خچر اور گدھے تمہاری سواری اور زیبائش کے لیے پیدا کیے اور وہ ان چیزوں کو پیدا کرتا ہے جن کو تم نہیں جانتے○ (النحل: ۸)

گھوڑوں، خچروں اور گدھوں کو اونٹوں، گایوں اور بھیڑوں سے علیحدہ ذکر کرنے کی توجیہ

اللہ تعالیٰ نے مویشی اور چوپائے ہماری ملکیت میں دے دیے اور ان کو ہمارے لیے مسخر کر دیا اور ہمارے تابع بنا دیا، اور جو شخص جائز اور شرعی طریقہ سے ان جانوروں کا مالک ہو جائے اس کے لیے ان جانوروں کو فروخت کرنا اور ان کو باربرداری کے لیے کرایہ پر دینا جائز ہے، اس سے پہلی آیت میں انعام یعنی اونٹوں، بکریوں اور گایوں کا ذکر فرمایا تھا اور یہ فرمایا تھا ان سے تم گرم کپڑے حاصل کرتے ہو، ان کو کھاتے ہو اور ان پر تم باربرداری کرتے ہو یعنی بوجھ لادتے ہو، اس کے بعد گھوڑوں، خچروں اور گدھوں کا ان سے الگ ایک آیت میں ذکر کیا، اور یہ فرمایا کہ تم ان پر سواری کرتے ہو، اس کی وجہ یہ ہے، گھوڑے اور خچر اور گدھے زیادہ تر سواری کے کام آتے ہیں، ان کے جسموں پر اون نہیں ہوتا جس سے لباس بنا جا سکے، نہ ان کا دودھ پیا جاتا ہے، نہ ان کو کھایا جاتا ہے، یہ صرف سواری کے کام آتے ہیں یا بعض اوقات ان پر سامان لاد لیا جاتا ہے، اس کے برخلاف اونٹوں، گایوں اور بھیڑوں سے اون بھی حاصل کیا جاتا ہے، اونٹوں کی سواری بھی کی جاتی ہے، ان پر بوجھ بھی لادا جاتا ہے اور ان کو کھایا بھی جاتا ہے، اس وجہ سے گھوڑوں، خچروں اور گدھوں کو ان سے علیحدہ دوسری آیت میں ذکر فرمایا ہے۔

گھوڑوں کا گوشت حرام ہونے کے دلائل

فقہاء مالکیہ کے نزدیک گھوڑوں کا گوشت کھانا جائز نہیں ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلی آیت میں انعام یعنی اونٹوں، گایوں اور بھیڑوں کا ذکر کر کے فرمایا ان کو تم کھاتے ہو، اور اس کے بعد گھوڑوں، خچروں اور گدھوں کا ذکر کر کے فرمایا تاکہ تم ان پر سواری کرو اور ان کے ساتھ کھانے کا ذکر نہیں فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ ان کو کھانا جائز نہیں ہے۔

امام علی بن عمر الدار قطنی المتوفی ۳۸۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے پالتو گدھوں، گھوڑوں اور خچروں کو کھانے سے منع فرمایا۔ (سنن الدار قطنی ج ۴ ص ۲۸۷ رقم الحدیث: ۴۷۲۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ)

واقدی نے کہا یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ حضرت خالد فتح خیبر کے بعد مسلمان ہوئے تھے۔

امام ابو داؤد اپنی سند کے ساتھ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑوں، خچروں، اور گدھوں کو کھانے سے منع فرمایا اور حیٰوۃ بن شریح نے یہ اضافہ کیا کہ ہر کچلیوں والے درندے کے گوشت کو کھانے سے منع فرمایا۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۷۹۰، سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۳۳۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۹۸)

امام ابو داؤد متوفی ۲۷۵ھ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں: گھوڑوں کا گوشت کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اس حدیث پر عمل نہیں ہے۔ نیز امام ابو داؤد نے کہا یہ حدیث منسوخ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی ایک جماعت نے گھوڑوں کا گوشت کھایا ہے، ان میں سے حضرت عبد اللہ ابن الزبیر ہیں، فضالہ بن عبید ہیں، انس بن مالک ہیں، اسماء بنت ابی بکر ہیں، سوید بن غفلہ ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں قریش گھوڑوں کو ذبح کیا کرتے تھے۔

مذکورہ دلائل کے جوابات اور گھوڑوں کا گوشت کھانے کے حلال ہونے کے دلائل

صحیح یہ ہے کہ گھوڑوں کا گوشت کھانا جائز ہے اور اس آیت سے گھوڑوں کے گوشت کے کھانے کی حرمت پر استدلال کرنا درست نہیں ہے، اور فقہاء مالکیہ نے جو کہا ہے کہ اونٹوں، بکریوں اور گایوں کے بعد فرمایا ہے اور ان کو تم کھاتے ہو اور گھوڑوں اور خچروں کے بعد یہ نہیں فرمایا کہ تم ان کو کھاتے ہو، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کا کھانا جائز نہیں ہے کیونکہ اس آیت سے پہلے اونٹوں وغیرہ کے بعد ذکر ہے اور تم ان پر سامان لادتے ہو اور گھوڑوں وغیرہ کے ذکر کے بعد سامان لادنے کا ذکر نہیں ہے سو اس طریقہ استدلال سے یہ لازم آئے گا کہ گھوڑوں، خچروں اور گدھوں پر سامان لادنا بھی جائز نہ ہو حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے، نیز سورہ النحل مکی ہے اور فتح خیبر تک پالتو گدھوں کا گوشت کھانا حلال تھا اس لیے اس سورت کی آیت سے ان کی حرمت پر استدلال صحیح نہیں ہے۔ اور گھوڑے کے گوشت کھانے کی حرمت میں جو احادیث پیش کی گئی ہیں وہ سب ضعیف ہیں یا منسوخ ہیں، گھوڑوں کے گوشت کھانے کے جواز پر حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ غزوہ خیبر کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمادیا اور گھوڑوں کا گوشت کھانے کی رخصت دی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۲۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۴۱، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۷۸۸، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۹۳، سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۳۲۷، سنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۴۸۳۹)

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ہم نے ایک گھوڑے کو نحر کیا (ذبح کیا) پھر ہم نے اس کو کھالیا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۴۲، صحیح البخاری رقم الحدیث ۵۵۱۱-۵۵۱۰، سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۴۰۶، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۹۰، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۶۶۴۴)

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ہمارے پاس ایک گھوڑی تھی

وہ مرنے لگی تو ہم نے اس کو ذبح کر کے کھالیا۔ (سنن دار قطنی ج ۴ ص ۲۸۹، رقم الحدیث: ۴۷۳۹، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ)
اس کی سند حسن ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں گھوڑوں کا گوشت کھانے کا حکم دیا۔
(سنن دار قطنی ج ۴ ص ۲۸۹، رقم الحدیث: ۴۷۳۷، مطبوعہ بیروت)

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ جس طرح گدھے کے سم ہوتے ہیں اسی طرح گھوڑے کے بھی سم ہوتے ہیں اس لیے اس کو بھی گدھے کی طرح حرام ہونا چاہیے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قیاس نص صریح کے مقابلہ میں ہے اس لیے مردود ہے، جس طرح کوئی یہ کہے کہ گائے اور بیل کی طرح خنزیر کے بھی کھر ہوتے ہیں تو اس کو بھی حلال ہونا چاہیے اس سے بھی یہی کہا جائے گا کہ یہ قیاس نص کے مقابلہ میں ہے اس لیے مردود ہے۔

گھوڑوں کا گوشت کھانے کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

تمام قسم کے گھوڑوں کا گوشت کھانا حلال ہے، خواہ وہ عربی ہوں یا غیر عربی، امام احمد نے اس کی تصریح کی ہے، اور یہی ابن سیرین کا قول ہے، حضرت ابن الزبیر، حسن بصری، عطا اور اسود بن یزید سے بھی یہی منقول ہے، حماد بن زید، ابن المبارک، امام شافعی اور ابو ثور کا بھی یہی قول ہے، سعید بن جبیر نے کہا میں نے گھوڑے سے زیادہ پاکیزہ اور لذیذ کوئی گوشت نہیں کھایا، اس کو امام ابو حنیفہ نے حرام کہا ہے اور امام مالک نے مکروہ کہا ہے، اسی طرح اوزاعی اور ابو عبید کا قول ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: والخیل والبغال والحمیر لترکبوھا۔ (النحل: ۸) اور خالد سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم پر پالتو گدھے، گھوڑے اور خچر حرام ہیں، نیز یہ سم والا جانور ہے اس لیے گدھوں کے مشابہ ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن پالتو گدھوں کے گوشت سے منع فرمادیا، اور گھوڑوں کے گوشت کی اجازت دے دی، اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ہم نے ایک گھوڑے کو ذبح کر کے کھالیا تھا ہم اس وقت مدینہ میں تھے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم) اور اس لیے بھی کہ وہ ایک پاک اور لذیذ گوشت والا جانور ہے نہ کچلیوں سے کھانے والا ہے نہ ناخنوں اور پنجوں سے شکار کر کے کھانے والا ہے تو وہ اونٹ، گائے اور بکری کی طرح ہے، اور وہ ان آیات اور احادیث کے عموم میں داخل ہے جن میں کچلیوں اور پنجوں سے شکار کرنے والے جانوروں کے غیر کو کھانے کی اجازت دی ہے، اور آیت سے استدلال اس طرح ہے کہ گھوڑے، خچر اور گدھے تمہاری سواری کرنے کے لیے ہیں نہ کہ کھانے کے لیے، اور یہ مفہوم مخالف سے استدلال ہے اور وہ اس کے قائل نہیں ہیں اور حضرت خالد کی حدیث ضعیف ہے۔

(المغنی ج ۹ ص ۳۲۸-۳۲۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ)

گھوڑوں کا گوشت کھانے کے متعلق فقہاء احناف کا موقف

علامہ محمد بن علی بن محمد حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک گھوڑے حلال ہیں، اور امام شافعی (اور اسی طرح امام احمد) کے نزدیک بھی حلال ہیں اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک گھوڑے حلال نہیں ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ وفات سے تین دن پہلے امام ابو حنیفہ نے

گھوڑوں کی حرمت سے رجوع کرلیا تھا' اور اسی پر فتویٰ ہے (عمادیہ) اور گھوڑی کا دودھ پینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

الاختیار' قدوری اور ہدایہ میں مذکور ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک گھوڑے کا گوشت کھانا مکروہ ہے' اور مکروہ تحریمی کا اطلاق اس پر ہوتا ہے جو حلال نہ ہو' (شرنبلالیہ) اس سے معلوم ہوا کہ گھوڑا نجاست کی وجہ سے حرام نہیں ہے' اس لیے غایۃ البیان میں ظاہر الروایہ سے نقل کرکے لکھا ہے کہ گھوڑے کا جھوٹا پاک ہے اور اس کا کھانا اس کے احترام کی وجہ سے حرام ہے' کیونکہ گھوڑوں سے اللہ کے دشمنوں کو ڈرایا جاتا ہے' اور نجاست کی وجہ سے اس کا کھانا حرام نہیں ہے' اسی وجہ سے اس کا جھوٹا بھی نجس نہیں ہے جیسے آدمی کا حال ہے' مصنف نے لکھا ہے اسی پر فتویٰ ہے لہٰذا اس کا کھانا مکروہ تنزیہی ہے اور یہی ظاہر الروایہ ہے جیسا کہ کفایۃ البیہقی میں مذکور ہے' اور یہی صحیح ہے جیسا کہ فخر الاسلام وغیرہ نے ذکر کیا ہے' (قہستانی) اور الخلاصہ' الھدایہ' المحیط' المغنی' قاضی خاں اور العمادی اور دیگر متون میں لکھا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ اس کا کھانا مکروہ تحریمی ہے' اور اگر یہ کہا جائے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کا کھانا مکروہ تنزیہی ہے تو پھر امام اعظم اور صاحبین میں کوئی اختلاف نہیں رہتا کیونکہ صاحبین اگرچہ گھوڑا کھانے کو حلال کہتے ہیں لیکن وہ اس کو مکروہ تنزیہی کہتے ہیں شرنبلالیہ میں برھان سے اسی طرح منقول ہے اور یہ اختلاف خشکی کے گھوڑے میں ہے اور دریائی گھوڑا بالاتفاق حرام ہے۔

(رد المحتار مع الدر المختار' ج ۹ ص ۳۶۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک گھوڑا کھانے کی کراہت اجتہادی ہے' قرآن اور حدیث کی کسی نص کی بناء پر نہیں ہے' اور کراہت کی وجہ گھوڑے کی تکریم ہے کیونکہ وہ جہاد میں استعمال ہوتا ہے' یعنی اگر لوگوں نے گھوڑوں کو کھا کھا کر ختم کردیا تو جہاد کس پر بیٹھ کر کریں گے لیکن اب چونکہ جہاد میں گھوڑوں کا استعمال کلیتاً متروک ہوچکا ہے اور جیپ' ٹرک' بکتر بند گاڑی' ٹینک اور توپ وغیرہ کو لڑائی میں استعمال کیا جاتا ہے اس لیے اب گھوڑوں کے گوشت کا کھانا کسی قسم کی کراہت کے بغیر جائز ہے' یہ اور بات ہے کہ ہمارے علاقوں میں گھوڑے کا گوشت کھانے کا رواج نہیں ہے۔

پالتو گدھوں اور خچروں کا گوشت کھانے کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ علاؤ الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

پالتو گدھوں کا کھانا حلال نہیں ہے اس کے برخلاف جنگلی گدھوں کو کھانا جائز ہے ان کا دودھ بھی حلال ہے' اگر خچر کی ماں گدھی ہو تو اس کا کھانا بھی جائز نہیں ہے' اور اگر اس کی ماں گائے ہو تو اس کا کھانا بالاتفاق جائز ہے' اور اگر اس کی ماں گھوڑی ہو تو پھر وہ اپنی ماں کی طرح حلال ہے۔ علامہ شامی نے لکھا ہے جانوروں میں حلت اور حرمت کا مدار ماں پر ہوتا ہے' گھوڑی کا گوشت کھانے میں اختلاف ہے' آیا اس کا گوشت کھانا مکروہ تحریمی ہے یا مکروہ تنزیہی ہے یا بلا کراہت جائز ہے تو اگر خچر کی ماں گھوڑی ہو تو خچر کا گوشت کھانے کا بھی وہی حکم ہے جو اس کی ماں کا ہے۔

(الدر المختار مع رد المحتار ج ۹ ص ۳۶۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

پالتو گدھوں کی حرمت پر درج ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن پالتو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمادیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۲۱' سنن ابو داؤد رقم الحدیث ۳۸۲۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۵۶۱۱)

حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پالتو گدھوں کے گوشت کو حرام فرما

دیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث ۵۵۲۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۳۶، سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۳۳۴)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آنے والا آیا اور کہا گدھوں کا گوشت کھایا گیا، پھر ایک اور آنے والا آیا اور کہا گدھوں کا گوشت کھایا گیا، پھر ایک اور آنے والا آیا اور کہا گدھے ختم ہو گئے، تب آپ نے ایک منادی کو حکم دیا کہ وہ لوگوں میں یہ اعلان کرے کہ بے شک اللہ اور اس کا رسول تم کو پالتو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع کرتے ہیں کیونکہ یہ ناپاک ہے، پھر دیگچیاں الٹ دی گئیں حالانکہ اس وقت ان میں گوشت ابل رہا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۲۸، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۹۲۰، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۷۱۳۱، عالم الکتب، موطا رقم الحدیث: ۲۹۰)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں اس حدیث سے یہ واضح ہو گیا کہ گدھوں کے گوشت کو اس لیے نہیں حرام کیا گیا کہ سواریوں اور مال لادنے میں کمی کا خطرہ تھا، بلکہ آپ نے اس کو اس لیے حرام قرار دیا ہے کہ گدھے نجس ہیں۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۶۵۵، مطبوعہ لاہور، ۱۴۰۱ھ)

گھوڑوں میں زکوٰۃ کے متعلق احادیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان کے گھوڑے اور اس کے غلام میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۶۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۸۲، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۹۵، ۱۵۹۴، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۶۲۸، سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۴۶۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۱۲)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے گھوڑے اور غلام میں (زکوٰۃ کو) معاف کر دیا ہے، پس تم چاندی کی زکوٰۃ ادا کرو ہر چالیس درہم سے ایک درہم، اور ایک سو نوے درہم تک کوئی چیز لازم نہیں ہے، اور جب دو سو درہم ہو جائیں تو ان پر پانچ درہم زکوٰۃ ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۹۳، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۶۲۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۹۰)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنگلوں کی گھاس چرنے والوں گھوڑوں میں سے ہر گھوڑے پر ایک دینار ادا کیا جائے گا۔

(سنن الدار قطنی ج ۲ ص ۱۰۹، رقم الحدیث: ۲۰۰۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ)

اس کی سند میں غورک بن جعفر منفرد ہے اور وہ ضعیف ہے۔

حارثہ بن مضرب بیان کرتے ہیں کہ مصر کے لوگ حضرت عمر بن الخطاب کے پاس آئے اور کہا ہمیں گھوڑے اور غلام ملے ہیں اور ہم ان کی زکوٰۃ ادا کرنا چاہتے ہیں، حضرت عمر نے کہا مجھ سے پہلے دو صاحبوں نے ایسا نہیں کیا، اور میں بغیر مشورہ کے زکوٰۃ نہیں لوں گا، پھر انہوں نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے مشورہ کیا، انہوں نے کہا یہ اچھا کام ہے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ خاموش رہے، حضرت عمر نے کہا اے ابو الحسن! آپ نے کچھ نہیں کہا، حضرت علی نے کہا آپ کو اصحاب نے یہ مشورہ دے دیا ہے کہ یہ اچھا کام ہے، بہ شرطیکہ یہ ایسا جزیہ لازمہ نہ بن جائے جو آپ کے بعد وصول کیا جائے، پھر حضرت عمر نے ایک غلام سے دس درہم لیے اور ان کو ہر مہینہ دو جریب (آٹھ بوری) گندم وظیفہ دیا، اور ایک گھوڑے سے دس درہم لیے اور ان کو ہر مہینہ دس جریب (چالیس بوری) جو دیئے اور معمولی گھوڑوں سے آٹھ درہم لیے اور ان کو ہر مہینہ آٹھ جریب (بتیس بوری) جو دیئے، اور خچروں سے پانچ درہم فی خچر لیے اور ان کو ہر مہینہ پانچ جریب (بیس بوری) جو

دیئے۔ (سنن دار قطنی ج ۲ص ۱۱۰ رقم الحدیث: ۲۰۰۱، مجمع الزوائد ج ۲ص ۶۹) اس حدیث کی سند صحیح ہے

گھوڑوں میں زکوٰۃ کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

اکثر اہل علم کے نزدیک اونٹوں، گایوں اور بکریوں کے علاوہ اور کسی مویشی پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے اور امام ابو حنیفہ نے کہا اگر گھوڑے نر اور مادہ ہوں تو ان پر زکوٰۃ ہے، اور اگر وہ صرف نر ہوں یا صرف مادہ ہوں تو ان میں دو قول ہیں، اور ان کی زکوٰۃ یہ ہے کہ ہر گھوڑے کی طرف سے ایک دینار دیا جائے، یا اس کی قیمت کا چالیسواں حصہ دیا جائے، اور یہ مالک کی مرضی ہے کہ وہ جو زکوٰۃ چاہے ادا کرے، کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جنگلوں کی خودرو گھاس چرنے والے گھوڑوں میں سے ہر ایک گھوڑے میں ایک دینار ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ ہر غلام سے دس درہم لیتے اور ہر گھوڑے سے دس درہم لیتے اور ہر خچر سے پانچ درہم لیتے، نیز گھوڑا ایک ایسا حیوان ہے جس کو جنگلوں کی خودرو گھاس کھلا کر اس سے بڑھوتری اور افزائش کو طلب کیا جاتا ہے لہٰذا وہ بکریوں کے مشابہ ہے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان کے گھوڑے اور اس کے غلام میں زکوٰۃ نہیں ہے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے تمہارے لیے گھوڑوں اور غلام کا صدقہ معاف کر دیا یہ حدیث صحیح ہے اور اس کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔

(المغنی ج ۲ص ۲۵۵۔ ۲۵۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

امام شافعی، امام مالک، امام احمد، امام ابو یوسف اور امام محمد یہ کہتے ہیں کہ گھوڑوں میں بالکل زکوٰۃ نہیں ہے، اور ان کا استدلال اس حدیث سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے گھوڑوں کی زکوٰۃ کو معاف کر دیا ہے، اور امام ابو حنیفہ یہ فرماتے ہیں کہ جب جنگلوں کی گھاس کھانے والے گھوڑے نر اور مادہ ہوں تو ان کے مالک کو اختیار ہے اگر وہ چاہے تو ہر گھوڑے کی طرف سے ایک دینار دے اور اگر وہ چاہے تو ان کی قیمت نکال کر ان کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ نکال دے ہر دو سو درہم سے پانچ درہم ادا کرے، امام ابو حنیفہ کا استدلال امام دار قطنی کی روایت سے ہے جس میں مذکور ہے کہ حضرت عمر نے صحابہ کے مشورہ سے ہر گھوڑے سے دس درہم لیے، (سنن دار قطنی رقم الحدیث: ۲۰۰۱) نیز امام ابو حنیفہ کا استدلال اس حدیث سے ہے:

امام محمد کتاب الآثار میں اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ ابراہیم نخعی نے کہا کہ وہ گھوڑے جو جنگلوں کی خودرو گھاس کھاتے ہوں اور ان کی نسل میں افزائش مقصود ہو تو اگر تم چاہو تو ہر گھوڑے سے ایک دینار لو، یا دس درہم لو، اور اگر تم چاہو تو ان کی قیمت سے چالیسواں حصہ لے لو، (کتاب الآثار ص ۴۷) اور حضرت جابر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنگلوں کی خودرو گھاس کھانے والے گھوڑوں میں سے ہر گھوڑے میں ایک دینار ہے، امام بیہقی نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے کیونکہ اس کی سند میں ابو یوسف ہیں اور وہ مجہول ہیں، علامہ عینی فرماتے ہیں یہ ابو یوسف قاضی یعقوب ہیں جو امام اعظم کے مشہور شاگرد ہیں ان کو مجہول قرار دینا امام بیہقی کا پرلے درجہ کا تعصب ہے۔

اور علامہ عینی نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑوں کا ذکر کر کے فرمایا ایک وہ شخص ہے جس نے گھوڑے کو غنا کے لیے اور سوال سے بچنے کے

لیے باندھا پھر وہ اس گھوڑے کی گردن اور اس کی پشت میں اللہ کے حق کو نہیں بھولا تو وہ گھوڑا اس کے گناہوں کی پردہ پوشی کا موجب ہے" (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۶۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۸۷، مسند احمد رقم الحدیث: ۹۸۶۵، عالم الکتب) اس حدیث میں اللہ کے حق سے مراد زکوٰۃ ہے۔ (شرح ابو داؤد ج ۶ ص ۲۵۸-۲۵۵، مکتبہ الریاض، ۱۴۲۰ھ)

جن احادیث میں ہے کہ گھوڑے میں زکوٰۃ نہیں ہے یا فرمایا میں نے گھوڑوں کی زکوٰۃ کو معاف کر دیا اس گھوڑے سے مراد غازی فی سبیل اللہ اور مجاہد کا گھوڑا ہے، ان سے مراد وہ گھوڑے نہیں جن کو افزائش نسل کے لیے رکھا جاتا ہے اور ان کو جنگلوں کی خودرو گھاس کھلائی جاتی ہے۔ (شرح ابو داؤد ج ۶ ص ۲۹۵، مکتبہ الریاض، ۱۴۲۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور سیدھا راستہ اللہ تک پہنچتا ہے، اور بعض راستے ٹیڑھے ہیں، اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو (جبراً) ہدایت دے دیتا ○ (النحل: ۹)

لوگوں کو جبراً ہدایت یافتہ بنانا اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے از راہ کرم سیدھے راستے کے بیان کو اپنے ذمہ لے لیا ہے، وہ رسولوں اور نبیوں کو بھیج کر اور کتابوں اور صحائف کو نازل کر کے اور براہین اور دلائل قائم کر کے سیدھا راستہ بیان فرماتا ہے، اور جو شخص سیدھا راستہ حاصل کرنے کا ارادہ کرے اور نیک اعمال کا قصد کرے اس کے لیے نیک اعمال پیدا فرما دیتا ہے، اور بعض راستے ٹیڑھے ہیں جن پر چلنے سے ہدایت حاصل نہیں ہوتی اس ٹیڑھے راستہ کی دو تفسیریں ہیں: (۱) کافروں کی مختلف ملتیں، یہودیت، نصرانیت اور مجوسیت: (۲) اہل الاہواء اور اہل البدعات، جنہوں نے محض اپنی خواہشات سے نئے نئے مسالک بنا لیے ہیں جن کی قرآن عظیم اور احادیث صحیحہ میں کوئی اصل نہیں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا جس شخص کو اللہ تعالیٰ ہدایت دینے کا ارادہ کرتا ہے اس کے لیے ایمان کے طریقے آسان کر دیتا ہے اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ گمراہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے اس کے لیے ایمان لانا اور اس کے طریقوں پر عمل کرنا دشوار کر دیتا ہے، حضرت ابن عباس کے اس قول کا معنی یہ ہے کہ جو شخص ایمان کو اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایمان لانے کے راستے آسان کر دیتا ہے اور جو شخص کفر اور گمراہی کو اختیار کرتا ہے اس کے لیے کفر اور گمراہی کو پیدا کر دیتا ہے، وہ جبراً کسی کو مسلمان نہیں بناتا اسی لیے فرمایا: اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو (جبراً) ہدایت دے دیتا لیکن لوگوں کو جبراً ہدایت یافتہ بنانا اس کی حکمت کے خلاف ہے۔

هُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِیْهِ

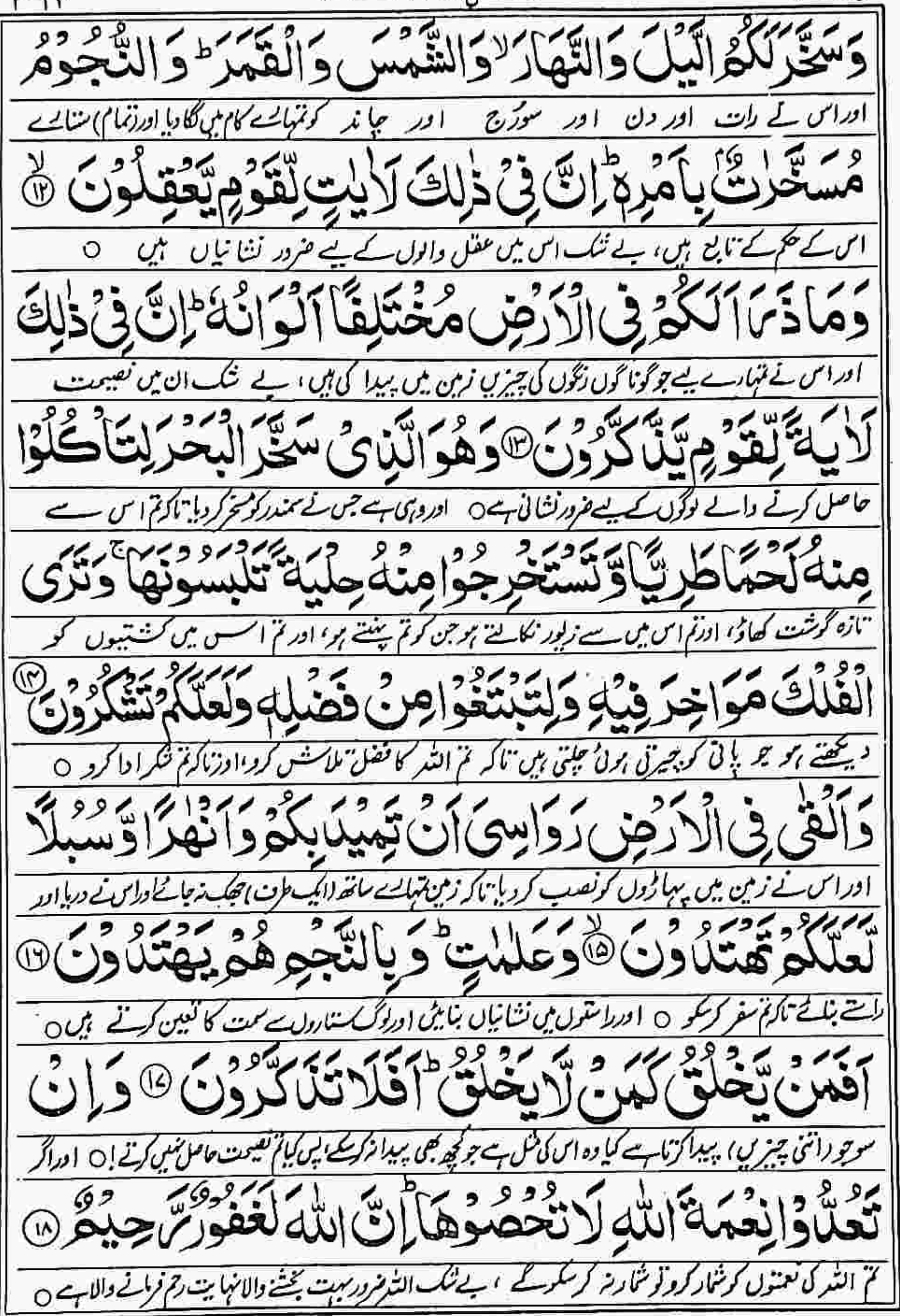
وہی ہے جس نے تمہارے لیے آسمان سے پانی نازل کیا جس کو تم پیتے ہو، اور اسی سے درخت (بھی سیراب ہوتے) ہیں جن میں تم

تُسِیْمُوْنَ ﴿۱۰﴾ یُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّیْتُوْنَ وَالنَّخِیْلَ وَالْاَعْنَابَ

مویشی چراتے ہو ○ وہ اس پانی سے تمہارے لیے فصل اگاتا ہے اور زیتون، اور کھجور اور انگور اور

وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۱﴾

ہر قسم کے پھل، بے شک اس میں غور و فکر کرنے والے لوگوں کے لیے نشانی ہے ○



وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۗ وَالنُّجُوْمُ

اور اس نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو تمہارے کام میں لگا دیا اور (تمام) ستارے

مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ۗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۙ﴿۱۲﴾

اس کے حکم کے تابع ہیں، بے شک اس میں عقل والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں ○

وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ۗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

اور اس نے تمہارے لیے جو گوناگوں رنگوں کی چیزیں زمین میں پیدا کی ہیں، بے شک ان میں نصیحت

لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَهُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا

حاصل کرنے والے لوگوں کے لیے ضرور نشانی ہے ○ اور وہی ہے جس نے سمندر کو مسخر کر دیا تاکہ تم اس سے

مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى

تازہ گوشت کھاؤ، اور تم اس میں سے زیور نکالتے ہو جن کو تم پہنتے ہو، اور تم اس میں کشتیوں کو

الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۴﴾

دیکھتے ہو جو پانی کو چیرتی ہوئی چلتی ہیں تاکہ تم اللہ کا فضل تلاش کرو، اور تاکہ تم شکر ادا کرو ○

وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا

اور اس نے زمین میں پہاڑوں کو نصب کر دیا تاکہ زمین تمہارے ساتھ (ایک طرف) جھک نہ جائے اور اس نے دریا اور

لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَعَلٰمٰتٍ ۗ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۶﴾

راستے بنائے تاکہ تم سفر کر سکو ○ اور راستوں میں نشانیاں بنائیں اور لوگ ستاروں سے سمت کا تعین کرتے ہیں ○

اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ۗ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَاِنْ

سو جو (اتنی چیزیں) پیدا کرتا ہے کیا وہ اس کی مثل ہے جو کچھ بھی پیدا نہ کر سکے پس کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے! ○ اور اگر

تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۸﴾

تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرو تو شمار نہ کر سکو گے، بے شک اللہ ضرور بہت بخشنے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے ○

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَالَّذِيْنَ

اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو ○ اور وہ

يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ

جن غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے وہ خود پیدا

يُخْلَقُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۙ

کیے ہوئے ہیں ○ وہ مردہ ہیں زندہ نہیں ہیں اور وہ نہیں جانتے کہ

اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۲۱﴾ ع

وہ کب اٹھائے جائیں گے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہی ہے جس نے تمہارے لیے آسمان سے پانی نازل کیا جس کو تم پیتے ہو، اور اسی سے درخت (بھی سیراب ہوتے) ہیں جن میں تم مویشی چراتے ہو ○ وہ اس پانی سے تمہارے لیے فصل اگاتا ہے اور زیتون اور کھجور اور انگور اور ہر قسم کے پھل، بیشک اس میں غور و فکر کرنے والے لوگوں کے لیے نشانی ہے ○ (النحل: ۱۱-۱۰)

مشکل الفاظ کے معانی

تسیمون: اس کا مادہ سوم ہے، سوم کا معنی ہے جانوروں کو چرانا اور چگانا، اسی سے ماخوذ ہے الابل السائمۃ جنگل کی خود رو گھاس چرنے والے اونٹ، جو بغیر اگائی ہوئی قدرتی گھاس چرتے ہوں۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حیوانوں کا ذکر فرمایا تھا، ان کے ذکر سے ایک تو اللہ تعالیٰ نے ان کے وجود سے اپنی الوہیت اور توحید پر استدلال فرمایا تھا، اور دوسرے انسان کو یہ بتایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان حیوانوں میں انسان کے لیے کتنی نعمتیں رکھی ہیں، اور اس جہان میں حیوانات کے بعد جس مخلوق کو شرف اور فضیلت حاصل ہے وہ نباتات ہیں سو اللہ تعالیٰ حیوانات کے ذکر کے بعد نباتات کا ذکر فرما رہا ہے۔

بارش کے پانی سے کھیتوں اور باغوں کی روئیدگی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہی ہے جس نے تمہارے لیے آسمان سے پانی نازل کیا جس کو تم پیتے ہو اور اسی سے درخت ہیں جن میں تم مویشی چراتے ہو، اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ہم جو پانی پیتے ہیں، وہ سب بارش کا پانی تو نہیں ہوتا، کنوؤں، چشموں اور دریاؤں سے حاصل شدہ پانی کو ہم زیادہ تر پیتے ہیں اور کھیت اور باغات بھی زیادہ تر دریاؤں اور نہروں کے پانی سے سیراب ہوتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ دریاؤں اور نہروں کا پانی بھی بارش سے حاصل ہوتا ہے اور بارش کا پانی ہی زمین کے اندر اس کی تہہ میں چلا جاتا ہے، جو کنوؤں اور چشموں سے نکالا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے پانی سے فصلوں اور باغات کے اگانے کا ذکر فرمایا ہے، اس پانی سے جو روئیدگی اور سبزہ حاصل ہوتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں: ایک تو وہ خود رو گھاس اور خود رو درخت ہیں جو جنگلوں، میدانوں اور سبزہ زاروں میں ہیں جن میں

مویشی اور جانور چرتے پھرتے ہیں‘ اس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرمایا ہے: اور اسی پانی سے درخت ہیں جن میں تم مویشی چراتے ہو‘ اور روئیدگی کی دوسری قسم اناج اور غلہ کے لہلہاتے ہوئے کھیت ہیں‘ اور زیتون‘ کھجور‘ انگور اور مختلف پھلوں کے باغات ہیں جن سے انسان اپنی غذا اور خوراک حاصل کرتے ہیں‘ اس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرمایا ہے: وہ اس پانی سے تمہارے لیے فصل اگاتا ہے اور زیتون اور کھجور اور انگور اور ہر قسم کے پھل۔

زمین کی پیداوار میں اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید پر نشانی

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا بے شک اس میں غور و فکر کرنے والے لوگوں کے لیے نشانی ہے۔

زمین کی اس روئیدگی میں اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید پر دلیل ہے کیونکہ ایک دانہ یا بیج کو مٹی میں دبا دیا جاتا ہے‘ پھر کچھ عرصہ گزرنے کے بعد اس دانہ میں زمین کے مرطوب اجزاء سرایت کر جاتے ہیں‘ پھر وہ دانہ پھول جاتا ہے اور پھولنے کے بعد اوپر اور نیچے سے پھٹ جاتا ہے اور اس کے اوپر اور نیچے سے دو باریک کونپلیں نکلتی ہیں۔ اوپر والی کونپل زمین کا سینہ چیر کر باہر نکل آتی ہے اور نیچے والی کونپل زمین کے اندر نفوذ کر جاتی ہے‘ پھر اوپر کی جانب پہلے سر سبز پودا ہوتا ہے‘ پھر ایک تناور درخت بن جاتا ہے اور زمین کے نیچے گہرائی میں جڑیں چلی جاتی ہیں‘ درخت اوپر کو جاتا ہے جڑیں نیچے کو جاتی ہیں۔ درخت کا تنا بھی لکڑی ہے اور جڑیں بھی لکڑی ہیں اور ایک چیز کی طبیعت کا ایک تقاضا ہوتا ہے‘ پھر تنا اوپر کیوں جا رہا ہے‘ جڑیں نیچے کیوں جا رہی ہیں‘ معلوم ہوا کہ یہاں طبیعت کے تقاضے پر عمل نہیں ہو رہا یہاں اس قادر قیوم‘ قہار مطلق اور صناع ازل کے حکم پر عمل ہو رہا ہے۔ اس نے لکڑی کے جس حصہ کو اوپر جانے کا حکم دیا وہ بڑھتا ہوا اوپر چلا گیا اور اس نے لکڑی کے جس حصہ کو نیچے جانے کا حکم دیا وہ زمین کی تہوں کو چیرتا ہوا نیچے چلا گیا‘ پھر ہم دیکھتے ہیں اسی دانہ یا بیج سے شاخیں‘ پتے‘ کلیاں‘ پھول اور پھل نکل آتے ہیں‘ پھر ان کے رنگ مختلف ہوتے ہیں‘ خوشبو مختلف ہوتی ہے‘ پھولوں اور پھلوں کا ذائقہ مختلف ہوتا ہے‘ بیج ایک تھا‘ ایک زمین میں بویا گیا‘ ایک قسم کا پانی ملا‘ ایک سورج کی حرارت اور ایک چاند کی کرنوں سے اس بیج کو نشوونما حاصل ہوئی‘ پھر اس میں یہ مختلف تاثیرات اور مختلف آثار کس کے کرنے سے وجود میں آئے‘ اگر ان آثار کا سبب سورج یا چاند ہے یا زمین یا بارش ہے تو وہ ایک ہی نوع کی چیزیں ہیں‘ ان سے الگ الگ آثار کیوں ظاہر ہوئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ رنگ اور خوشبو اور ذائقہ اور تاثیر کا موجد ان میں سے کوئی چیز نہیں ہے‘ وہی ایک صناع مطلق اور قادر ازل ہے جس نے ایک ننھے سے بیج سے اتنے مختلف آثار پر مشتمل عظیم الشان درخت پیدا کر دیا!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو تمہارے کام میں لگا دیا‘ اور (تمام) ستارے اس کے حکم کے تابع ہیں‘ بے شک اس میں عقل والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں ○ اور اس نے تمہارے لیے جو گوناگوں رنگوں کی چیزیں زمین میں پیدا کی ہیں‘ بے شک ان میں نصیحت حاصل کرنے والے لوگوں کے لیے ضرور نشانی ہے ○

(النحل: ۱۳-۱۲)

سورج اور چاند اور دن اور رات کے تواتر میں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ اے لوگو! تم پر جن نعمتوں کا پہلے ذکر کیا ہے ان کے علاوہ اللہ تعالیٰ کا تم پر یہ انعام ہے کہ اس نے دن اور رات کو تمہارے کام میں لگا دیا‘ دن کو اس لیے بنایا کہ تم اس میں کاروبار حیات کرو اور تلاش روزگار کے لیے سعی کرو اور رات اس لیے بنائی کہ تم اس میں آرام کرو‘ فرض کیجئے اگر مسلسل دن ہوتا تو لوگ آرام کے ایک لمحے کے لیے بھی ترس جاتے اور اگر مسلسل رات ہوتی تو لوگوں کو کام کاج کرنے اور اپنی ضروریات پوری کرنے اور رزق فراہم کرنے

کے مواقع میسر نہ ہوتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ؕ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ○ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ○ وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ (القصص: ۷۳-۷۱)

آپ کہیے یہ بتاؤ اگر اللہ قیامت تک کی رات بنا دیتا تو اللہ کے سوا کوئی اور خدا تھا جو تمہارے پاس دن کی روشنی لے آتا؟ سو کیا تم (غور سے) نہیں سنتے! ○ آپ کہیے یہ بتاؤ کہ اگر اللہ قیامت تک کا دن بنا دیتا تو اللہ کے سوا کوئی خدا تھا جو تمہارے پاس رات کو لے آتا جس میں تم آرام کرتے؟ سو کیا تم دیکھتے نہیں ہو! ○ اور اس نے اپنی رحمت سے تمہارے لیے رات اور دن بنائے تاکہ تم (رات میں) آرام کرو اور (دن میں) اس کا فضل (روزگار) تلاش کرو' اور تاکہ تم (اس نعمت پر) شکر ادا کرو۔

اور اللہ کی تم پر یہ نعمت بھی ہے کہ اس نے سورج اور چاند کو تمہارے کام میں لگا دیا' ایک دن میں سورج کے طلوع اور غروب کے دورانیہ سے تم اپنے کام کاج اور نمازوں کے اوقات معین کرتے اور روزے کے سحر اور افطار کو معین کرتے ہو اور چاند کے دکھائی دینے اور اس کے چھپنے سے تم مہینوں کا تعین کرتے ہو۔ رمضان' عید الفطر' عید الاضحیٰ' حج اور قربانی کے مہینوں اور تاریخوں کا تعین چاند سے ہوتا ہے' نیز سورج کی گردش سے مختلف موسم وجود میں آتے ہیں اس کی حرارت سے کھیتیاں اور پھل پکتے ہیں' سمندر سے بخارات اٹھتے ہیں اور اس کے نتیجہ میں بارشیں ہوتی ہیں اور چاند کی کرنوں سے پھلوں میں ذائقہ پیدا ہوتا ہے اور چاند کے گھٹنے بڑھنے سے سمندر میں مدوجزر ہوتا ہے' غرض سورج اور چاند میں اللہ تعالیٰ کی بہت نعمتیں ہیں۔

سورج اور چاند سے اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید پر استدلال

اور سورج اور چاند میں اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید کی نشانی ہے' کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ سورج اور چاند ایک مخصوص نظام کے تحت گردش کر رہے ہیں' وہ ایک مخصوص جانب سے طلوع کرتے ہیں اور مخصوص جانب میں غروب ہو جاتے ہیں' ان کو اس کام پر کس نے لگایا ہے اور کس نے ان کو اس نظام کا پابند کیا ہے' کسی بت نے' کسی انسان نے' کسی جانور نے' کسی درخت نے' کسی دیوی یا دیوتا نے' ہم دیکھتے ہیں کہ یہ تمام چیزیں حادث اور فانی ہیں' ان سے پہلے بھی سورج اور چاند اسی طرح گردش کرتے رہے تھے اور ان کے بعد بھی اسی طرح گردش کرتے رہے' اس سے معلوم ہوا کہ سورج اور چاند کا خالق اس کائنات میں سے کوئی چیز نہیں ہے بلکہ ان کا خالق اس کائنات سے باہر کوئی ہستی ہے اور وہ واحد ہے' اس کا کوئی شریک اور سہیم نہیں ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو یہ گردش ایک طرز اور ایک نمط پر نہ ہوتی اور ان کے طلوع اور غروب کی ایک جہت نہ ہوتی' اس لیے سورج اور چاند کا خالق ایسی ذات ہے جو اس کائنات سے خارج ہے اور واحد ہے' اور اس کا وجود واجب اور قدیم ہے' کیونکہ اگر وہ ممکن اور حادث ہو تو وہ اپنے وجود میں کسی علت کا محتاج ہوگا' اور یہ سلسلہ کسی ایسی ذات پر منتہی ماننا ہوگا جو سب کی علت ہو اور اس کی کوئی علت نہ ہو' وہ واجب اور قدیم ہو اور حادث نہ ہو' وہی ساری کائنات کا خدا ہے' سب کا پیدا کرنے والا اور پالنے والا ہے اور وہی سب کی عبادت کا مستحق ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور اس نے تمہارے لیے جو گوناگوں رنگوں کی چیزیں زمین میں پیدا کی ہیں' بے شک ان میں

نصیحت حاصل کرنے والے لوگوں کے لیے ضرور نشانی ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے انواع و اقسام کے جانور اور رنگ برنگے پرندے، درخت، پھول، پھل اور پودے پیدا کیے ہیں، ان میں اللہ تعالیٰ کی بہت نعمتیں ہیں جن کا تم کو شکر کرنا چاہیے اور اگر تم غور کرو تو ان میں اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کی قدرت اور اس کی وحدت کی بہت نشانیاں ہیں۔

ان آیتوں کی تقریر بھی اسی طرح ہے جس طرح ہم نے اس سے پہلی دو آیتوں کی تقریر کی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہی ہے جس نے سمندر کو مسخر کر دیا تاکہ تم اس سے تازہ گوشت کھاؤ اور تم اس میں سے زیور نکالتے ہو جن کو تم پہنتے ہو، اور تم اس میں کشتیوں کو دیکھتے ہو جو پانی کو چیرتی ہوئی چلتی ہیں تاکہ تم اللہ کا فضل تلاش کرو، اور تاکہ تم شکر ادا کرو○ (النحل: ۱۴)

سمندر میں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں

اس سورت کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی الوہیت اور اپنی توحید پر مختلف طریقوں سے استدلال فرمایا ہے، پہلے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کے اجسام سے اپنی الوہیت اور اپنی توحید پر استدلال فرمایا، پھر انسان کے بدن اور اس کی روح سے استدلال فرمایا، پھر تیسری بار حیوانات کی مختلف قسموں اور ان کے عجائب و غرائب سے استدلال فرمایا، اور چوتھی بار نباتات سے استدلال فرمایا اور اس کے ضمن میں سورج اور چاند اور دن اور رات سے استدلال فرمایا اور اب سمندر سے استدلال فرمایا ہے۔ سمندر کے بے شمار منافع اور فوائد ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان میں سے یہاں تین منافع اور فوائد کا ذکر فرمایا ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ تم سمندر سے ترو تازہ گوشت کھاتے ہو، اس سے مراد مچھلیاں ہیں اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ تم سمندر سے موتی، یاقوت اور مونگے وغیرہ نکالتے ہو اور ان سے خواتین کے زیورات بناتے ہو، اور تیسرا فائدہ یہ ہے کہ تم سمندر میں کشتیاں چلاتے ہو اور ان میں بیٹھ کر سفر کرتے ہو اور اپنا مال و متاع ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتے ہو۔

سمندر کی تسخیر کا معنی

سمندر کو مسخر کرنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو سمندر میں تصرف کرنے پر قادر کر دیا، وہ اس میں تیر سکتے ہیں، کشتیوں اور جہازوں کے ذریعہ ایک جگہ سے دوسری جگہ جا سکتے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی بہت عظیم نعمت ہے، وہ اگر چاہتا تو سمندر کو انسانوں کے اوپر مسلط کر دیتا اور سمندر لوگوں کو غرق کر دیتا اور ان کے لیے سمندر میں تیرنا، کشتیوں کے ذریعہ اس میں سفر کرنا کچھ بھی ممکن نہ ہوتا، اور یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام اور اس کا احسان ہے کہ اس نے سمندر کو ایسا بنا دیا کہ انسان آسانی کے ساتھ اس سے فوائد کو حاصل کر سکتا ہے۔

کڑوے پانی میں لذیذ مچھلی کا پیدا کرنا

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: تاکہ تم اس سے تازہ گوشت کھاؤ، ترو تازہ فرمانے میں یہ اشارہ ہے کہ اس کو جلدی کھا لینا چاہیے ورنہ یہ گوشت سڑ کر خراب ہو جائے گا، نیز ترو تازہ فرمانے میں یہ اشارہ ہے کہ انسان اس کو کھانے میں رغبت کرتا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کا اظہار ہے کیونکہ سمندر کا پانی سخت کھاری اور کڑوا ہوتا ہے، انسان اس کا ایک گھونٹ بھی نہیں پی سکتا، اور اس کھاری اور کڑوے پانی میں پیدا ہونے والی اور پلنے بڑھنے والی مچھلی کے گوشت میں کھاری پن اور کڑواہٹ کا ذائقہ بھی نہیں ہوتا اور اس کا گوشت بہت خوش ذائقہ اور لذیذ ہوتا ہے، پس سبحان ہے وہ ذات جو ایک چیز میں اس کی ضد پیدا کر دیتا ہے۔

مچھلی پر گوشت کے اطلاق کی بحث

اس آیت میں مچھلی کو لحما طریا یعنی تر و تازہ گوشت فرمایا ہے، لیکن امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک مچھلی پر گوشت کا اطلاق نہیں ہوتا، امام ابوبکر جصاص متوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں: اس میں فقہاء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اگر کسی شخص نے قسم کھائی کہ وہ لحم (گوشت) نہیں کھائے گا اور اس نے مچھلی کھالی تو وہ حانث نہیں ہوگا یعنی اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو لحما طریا (تر و تازہ گوشت) فرمایا ہے۔ (احکام القرآن ج ۳ ص ۱۸۴، مطبوعہ لاہور، ۱۴۰۰ھ)

امام اعظم کی دلیل یہ ہے کہ مچھلی میں خون نہیں ہوتا اور عرف میں گوشت اس کو کہتے ہیں جو خون سے بنتا ہے، نیز مچھلی کے گوشت میں گائے، بکری اور مرغی کے گوشت کی طرح قوت نہیں ہوتی، لیکن دوسرے فقہاء نے اس مسئلہ میں امام اعظم سے اختلاف کیا ہے اور وہ مچھلی کے گوشت پر بھی گوشت کا اطلاق کرتے ہیں۔ امام رازی شافعی فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں صراحت سے مچھلی پر لحم کا اطلاق فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ کے بیان کے اوپر کس کا بیان ہو سکتا ہے، نیز امام رازی فرماتے ہیں: لغت اور عرف میں مچھلی پر گوشت کا اطلاق کرنا حقیقت ہے مجاز نہیں ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۱۸۸، مطبوعہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

سمندری جانوروں کے کھانے کے متعلق مذاہب فقہاء

اس آیت میں چونکہ سمندر کے تر و تازہ گوشت کا ذکر آ گیا ہے، اس لیے ہم یہاں مچھلی اور سمندر کے دیگر جانوروں کا حکم بیان کرنا چاہتے ہیں:

علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

جو جانور پانی کے بغیر زندہ نہیں رہتے جیسے مچھلی اور اس کے مشابہ دیگر جانور، ان کو بغیر ذبح کیے ہوئے کھانا جائز ہے، ہم کو اس میں کسی کا اختلاف معلوم نہیں ہے، اور روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارے لیے دو مردہ جانور اور دو خون حلال کیے گئے ہیں، رہے دو مردہ جانور تو وہ مچھلی اور ٹڈی ہیں (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۲۱۸) اور صحیح حدیث میں ہے کہ حضرت ابوعبیدہ اور ان کے اصحاب نے ساحل سمندر پر ایک مرا ہوا جانور پڑا دیکھا جس کو عنبر کہا جاتا تھا، وہ ایک ماہ تک اس مچھلی کو کھاتے رہے، حتیٰ کہ خوب موٹے ہو گئے، اور جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے اور اس واقعہ کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: یہ اللہ کا رزق تھا جو اس نے تمہیں دیا تھا، کیا تمہارے پاس اس کے گوشت میں سے کچھ ہے تو تم ہمیں وہ کھلاؤ۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۴۹۴، ۵۴۹۳، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۴۳۵)

امام شافعی کے نزدیک مینڈک کے سوا سمندر کے تمام جانوروں کا شکار حلال ہے، اور حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا: سمندر میں جتنے جانور ہیں ان کو اللہ نے تمہارے لیے حلال کر دیا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ. — تمہارے لیے سمندر کا شکار اور اس کا طعام حلال کر دیا گیا۔

(المائدہ: ۹۶)

سمندر کے تمام جانوروں کے حلال ہونے پر یہ حدیث دلالت کرتی ہے: عطاء اور عمرو بن دینار بیان کرتے ہیں کہ ان کو یہ حدیث پہنچی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ نے ابن آدم کے لیے سمندر میں ہر چیز کو ذبح کر دیا ہے، رہا مینڈک تو امام نسائی نے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے، سو یہ حدیث مینڈک کی تحریم پر دلالت کرتی ہے، اور رہا مگرمچھ تو آپ سے ایسی حدیث منقول ہے جو اس پر دلالت کرتی ہے کہ اس کو نہ کھایا جائے،

اور امام اوزاعی نے یہ کہا ہے کہ جس شخص کو مگرمچھ کھانے کی خواہش ہو وہ اس کو کھا سکتا ہے' اور ابن حامد نے یہ کہا ہے کہ مگرمچھ اور شارک مچھلی کو نہیں کھایا جائے گا کیونکہ وہ انسانوں کو کھا جاتے ہیں اور ابراہیم نخعی نے کہا ہے کہ سمندری درندوں کو کھانا مکروہ تحریمی ہے جس طرح خشکی کے درندوں کو کھانا مکروہ تحریمی ہے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر کچلیوں سے پھاڑنے والے درندے کو کھانے سے منع فرمایا ہے' اور ابو علی النجار نے کہا ہے کہ جس جانور کی نظیر خشکی میں حرام ہے اس کی نظیر سمندر میں بھی حرام ہے' جیسے سمندری کتا' سمندری خنزیر اور سمندری انسان' اور امام ابو حنیفہ نے کہا: مچھلی کے سوا کوئی سمندری جانور حلال نہیں ہے اور امام مالک نے کہا کہ سمندر کا ہر جانور حلال ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مطلقاً فرمایا ہے: تمہارے لیے سمندر کا شکار اور اس کا طعام حلال کر دیا گیا۔

(علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں:) ہم اس آیت کے عموم اور حدیث سے استدلال کرتے ہیں' عبداللہ نے کہا میں نے اپنے والد سے سمندری کتے کے متعلق پوچھا تو انہوں نے عمرو بن دینار اور ابی الزبیر سے روایت کیا کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ سمندر کی ہر چیز ذبح کی ہوئی ہے' وہ کہتے ہیں میں نے اس کا عطاء سے ذکر کیا تو انہوں نے کہا رہے پرندے تو ہم ان کو ذبح کرتے ہیں۔ ابو عبداللہ نے کہا ہم سمندری کتے کو ذبح کریں گے۔

(المغنی ج ۹ ص ۲۳۹-۲۳۸' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۰۵ھ)

سمندری جانوروں کو کھانے کے متعلق مذہب احناف

امام علاء الدین ابو بکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں:

حیوان کی اصل میں دو قسمیں ہیں: ایک وہ قسم ہے جو سمندر میں زندہ رہتی ہے' اور ایک وہ قسم ہے جو خشکی میں زندہ رہتی ہے۔ رہے وہ جانور جو سمندر میں زندہ رہتے ہیں تو مچھلی کے سوا سمندر کے تمام جانوروں کا کھانا حرام ہے' مچھلی کا کھانا حلال ہے البتہ جو مچھلی طبعی موت مر کر سطح آب پر ابھر آئے اس کا کھانا حلال نہیں ہے' یہ ہمارے اصحاب کا قول ہے اور ابن ابی لیلیٰ نے کہا کہ مچھلی کے علاوہ مینڈک' کیکڑے' سمندری سانپ' سمندری کتے اور سمندری خنزیر وغیرہ کو بھی کھانا جائز ہے لیکن ذبح کر کے' اور لیث بن سعد کا بھی یہی قول ہے لیکن انہوں نے کہا کہ سمندری انسان اور سمندری خنزیر کا کھانا جائز نہیں ہے' اور امام شافعی نے کہا یہ تمام جانور بغیر ذبح کے حلال ہیں' ان کو پکڑنا ہی ان کو ذبح کرنا ہے اور جو مچھلی مر کر سطح آب پر آ جائے وہ بھی حلال ہے۔

ائمہ ثلاثہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ تمہارے لیے سمندری شکار اور اس کا طعام حلال کر دیا گیا ہے۔ (المائدہ: ۹۶) اور شکار کا اطلاق مچھلی کے علاوہ سمندر کے دوسرے جانوروں پر بھی ہوتا ہے' اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ سمندر کے تمام جانور حلال ہوں' اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سمندر کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا اس کا پانی پاک کرنے والا ہے اور اس کا مردار حلال ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۶۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۶' سنن دارمی رقم الحدیث: ۷۳۵' مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۷) اس حدیث میں آپ نے مطلقاً سمندر کے مردار کو حلال فرمایا ہے خواہ وہ مچھلی ہو یا کوئی اور جانور ہو۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ۔ (المائدہ: ۳)

تم پر مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت حرام کیا گیا ہے۔

اس آیت میں مطلقاً مردہ جانور کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے خواہ خشکی کا مردہ جانور ہو یا سمندر کا۔
اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ۔ (الاعراف: ۱۵۷) — وہ (نبی) ان پر خبیث چیزوں کو حرام کرتے ہیں۔

اور مینڈک، کیکڑا، سانپ وغیرہ خبیث جانور ہیں، اور روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ مینڈک کی چربی کو دوا میں استعمال کیا جاتا ہے تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا وہ خبائث میں سے ایک خبیث جانور ہے، (یہ جزئیات سے قاعدہ کلیہ پر استدلال ہے) اور انہوں نے جو اس آیت سے استدلال کیا ہے: احل لکم صید البحر وطعامہ: المائدہ: ۹۶، اس آیت میں صید سے مراد مصید ہے یعنی شکار کیا ہوا اور یہ اطلاق مجازی ہے اور شکار اس کو کہتے ہیں جو جانور گھبرا کر بھاگ رہا ہو اور بغیر حیلہ کے اس کو پکڑا نہ جا سکتا ہو، یا تو وہ اڑ جائے یا بھاگ جائے اور یہ حالت شکار کے وقت ہوتی ہے پکڑنے کے بعد نہیں ہوتی کیونکہ اس کے بعد تو وہ گوشت ہو جاتا ہے اور حقیقتاً شکار نہیں رہتا اور اس پر دلیل یہ ہے کہ اس کا عطف اس آیت پر ہے:

وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا۔ (المائدہ: ۹۶) — اور تم پر خشکی کا شکار حرام کر دیا گیا ہے جب تک محرم ہو۔

اور اس سے مراد محرم کا شکار کرنا ہے نہ کہ اس کا کھانا کیونکہ محرم اگر خود شکار نہ کرے اور نہ شکار کا حکم دے تو اس کے لیے غیر محرم کا کیا ہوا شکار کھانا جائز ہے، اس تفصیل سے ثابت ہو گیا کہ اس آیت میں کھانے کی اباحت نہیں ہے، بلکہ یہ آیت اس لیے ذکر کی گئی ہے تاکہ محرم کو بتایا جائے کہ خشکی کے شکار اور سمندر کے شکار میں فرق ہے اول الذکر محرم کے لیے ممنوع ہے اور ثانی الذکر جائز ہے، (علامہ کاسانی کی یہ دلیل بے سود ہے کیونکہ جب محرم ہر قسم کے سمندری جانور کا شکار کر سکتا ہے تو اس کو کھا بھی سکتا ہے کیونکہ محرم کے لیے صرف خشکی کے جانور کو شکار کر کے کھانا ممنوع ہے اور سمندری جانور کو شکار کر کے کھانا ممنوع نہیں ہے)۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہے اور سمندر کا مردار حلال ہے، اس سے آپ کی مراد خصوصیت کے ساتھ مچھلی ہے۔ کیونکہ آپ نے فرمایا ہے ہمارے لیے دو مردار اور دو خون حلال کیے گئے ہیں دو مردار مچھلی اور ٹڈی اور دو خون جگر اور تلی ہیں، اس حدیث میں آپ نے مردار کی تفسیر مچھلی اور ٹڈی سے کی ہے اس سے معلوم ہوا کہ سمندری مردار سے آپ کی مراد مچھلی ہے۔

رہا دوسرا مسئلہ کہ مچھلی طبعی موت سے مر کر پانی پر ابھر آئے تو وہ امام شافعی کے نزدیک حلال ہے، انہوں نے اس پر وطعامہ سے استدلال کیا ہے، یعنی تمہارے لیے سمندر کا شکار کیا ہوا جانور بھی حلال ہے اور جس کا شکار نہ کیا گیا ہو وہ بھی حلال ہے اور جو مچھلی طبعی موت مر کر پانی کے اوپر آجائے وہ شکار نہیں کی گئی اور وہ طعامہ میں داخل ہے اور نیز آپ نے فرمایا سمندری مردار حلال ہے اور اس میں آپ نے اس مچھلی کا استثناء نہیں کیا جو مر کر سطح آب پر آجائے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مچھلی مر کر پانی کے اوپر آجائے اس کو مت کھاؤ۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۲۴۸) اور حدیث میں جو آپ نے فرمایا ہے کہ سمندری مردار حلال ہے اس سے آپ کی مراد اس مچھلی کا غیر ہے جو طبعی موت سے مر کر سطح آب پر آجائے۔

(بدائع الصنائع ج ٦ ص ۱۷۸۔ ۱۷۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ)

فقہاء احناف نے اس سے بھی استدلال کیا ہے کہ قرآن مجید میں ہے کہ وہ ان پر خبیث چیزیں حرام کرتے ہیں اور مچھلی کے سوا تمام سمندری جانور خبیث ہیں یعنی طبائع سلیمہ اس سے متنفر ہوتی ہیں، اس دلیل پر یہ اعتراض ہے کہ طبائع سلیمہ کا تنفر ایک اضافی چیز ہے، ہم چوہے، چھپکلی، سانپ اور گرگٹ وغیرہ سے متنفر ہوتے ہیں لیکن چینی اور جاپانی ان کو بڑے شوق سے اور رغبت سے کھاتے ہیں، اسی طرح ائمہ ثلاثہ اور ان کے مقلدین تمام سمندری جانوروں کو بڑے شوق اور رغبت سے کھاتے ہیں، پھر دیکھئے امام ابوحنیفہ کے نزدیک مچھلی کے سوا تمام سمندری جانور حرام ہیں اور ان کے مقلدین زیادہ تر خشکی کے علاقوں میں رہتے ہیں جیسے ہندوستان، پاکستان، افغانستان، وسط ایشیاء کی ریاستیں اور ترکی وغیرہ اور ائمہ ثلاثہ کے مقلدین زیادہ تر سمندری جزائر میں رہتے ہیں جیسے انڈونیشیا، ملیشیا، جزائر مالدیپ وغیرہ۔

اور وہ وہاں ائمہ ثلاثہ کے فیضان سے مستفید ہوتے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی نہایت حکمت بالغہ ہے۔

گوشت کو کمی اور زیادتی کے ساتھ فروخت کرنے میں مذاہب فقہاء

اس آیت میں تر و تازہ گوشت کا ذکر ہے اس لیے ہم نے مچھلی اور سمندر کے دیگر جانوروں کے متعلق مذاہب فقہاء بیان کیے ہیں، اس مناسبت سے اب ہم گوشت کی خرید و فروخت کے متعلق بھی مذاہب فقہاء بیان کرنا چاہتے ہیں، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک تمام جانوروں کا گوشت ایک جنس ہے، اس لیے ہر قسم کے گوشت کی دوسرے گوشت کے ساتھ مساوی بیع ضروری ہے اور کمی اور زیادتی کے ساتھ بیع جائز نہیں ہے مثلاً ایک کلو بکری کے گوشت کی اگر گائے یا اونٹ کے گوشت کے بدلہ میں بیع کی جائے تو ضروری ہے کہ گائے یا اونٹ کا گوشت بھی ایک کلو ہو، اگر ایک کلو بکری کے گوشت کے مقابلہ میں دو کلو گائے کا گوشت ہو تو یہ ان کے نزدیک سود ہوگا، اور امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے نزدیک جس طرح بکری، گائے اور اونٹ الگ الگ اجناس ہیں اسی طرح ان کے گوشت بھی الگ الگ اجناس ہیں اور ایک جنس کے گوشت کو دوسری جنس کے ساتھ کمی اور زیادتی کے ساتھ فروخت کیا جا سکتا ہے، البتہ بکری اور بھیڑ، گائے اور بھینس، عربی اونٹ اور بختی اونٹ ایک جنس کی اصناف ہیں اور ان کے گوشت کی بیع مساوی گوشت کے ساتھ کرنا ضروری ہے۔

علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

تمام گوشت ایک جنس ہیں اور ان کی انواع مختلف ہیں، اس سلسلہ میں امام احمد سے دو روایتیں ہیں، ایک روایت یہ ہے کہ گوشت کی چار اجناس ہیں، ایک جنس اونٹ، گائے اور بکری ہیں، دوسری جنس وحشی جانور ہیں (مثلاً نیل گائے، ہرن، بارہ سنگھا وغیرہ) تیسری جنس پرندے ہیں اور چوتھی جنس پانی کے جانور ہیں، اسی طرح ان کے گوشت کی چار اجناس ہیں، البتہ امام مالک اونٹ، گائے، بکری اور وحشی جانوروں کو ایک جنس قرار دیتے ہیں اس لیے ان کے نزدیک گوشت کی تین اجناس ہیں، امام احمد کا دوسرا قول یہ ہے کہ گوشت کا مختلف اجناس ہونا ان کی اجناس کے تابع ہے مثلاً اونٹ، گائے اور بکری الگ الگ اجناس ہیں تو ان کا گوشت بھی الگ الگ جنس ہے اور یہ امام ابوحنیفہ کا قول ہے۔

(المغنی ج ۴ ص ۴۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ)

گوشت کو کمی اور زیادتی کے ساتھ فروخت کرنے میں مذہب احناف

علامہ عبد الواحد کمال ابن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں:

مختلف اجناس کے گوشت کو ایک دوسرے کے ساتھ کمی اور زیادتی کے ساتھ فروخت کرنا جائز ہے، اور مصنف کی

مراد یہ ہے کہ اونٹ، گائے اور بکری کے گوشت کو ایک دوسرے کے ساتھ کمی اور زیادتی کے ساتھ فروخت کرنا جائز ہے کیونکہ یہ گوشت مختلف اجناس ہیں جس طرح ان کے اصول مختلف اجناس ہیں، لیکن گائے اور بھینس ایک جنس ہے، اس لیے گائے کے گوشت کو بھینس کے گوشت کے ساتھ کمی اور زیادتی کے ساتھ فروخت کرنا جائز نہیں ہے، اسی طرح بکرا اور دنبہ اور عربی اونٹ اور بختی اونٹ ایک جنس ہیں، اس لیے ایک کے گوشت کو دوسرے کے گوشت کے ساتھ کمی اور زیادتی کے ساتھ فروخت کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ ان کی ایک جنس ہے۔ (فتح القدیر ج ۷ ص ۳۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

زیورات کے متعلق احادیث

اللہ تعالیٰ نے سمندر کی دوسری نعمت یہ بتائی اور تم اس میں سے زیورات نکالتے ہو جن کو تم پہنتے ہو۔ اس سے مراد موتی اور مرجان ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَ الْمَرْجَانُ۔ ان سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں۔

(الرحمٰن: ۲۲)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ بیان کرتے ہیں کہ وہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے پانی مانگا تو ایک مجوسی پانی لایا، جب اس نے پیالہ ان کے ہاتھ میں رکھا تو انہوں نے وہ پیالہ اٹھا کر پھینک دیا اور کہا میں نے اس کو کئی مرتبہ منع کیا ہے کہ چاندی کے پیالہ میں پانی مت دیا کرو، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: ریشم اور دیباج مت پہنو اور سونے اور چاندی کے پیالوں میں مت پیو اور نہ ان کی پلیٹوں میں کھاؤ، کیونکہ یہ ان کے لیے دنیا میں ہیں اور ہمارے لیے آخرت میں ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۴۲۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۶۷، سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۳۰۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض عجمیوں کو خط لکھنے کا ارادہ کیا، آپ کو بتایا گیا کہ وہ اسی خط کو قبول کرتے ہیں جس پر مہر لگی ہوئی ہو، تو آپ نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنوائی جس پر محمد رسول اللہ نقش تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۸۷۲، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۲۱۴، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۷۱۸، سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۲۱۶، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۴۱)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی بنائی اور اس کا نگینہ ہتھیلی کے باطن کی طرف رکھا، اور اس میں محمد رسول اللہ نقش کرایا، جب صحابہ نے یہ دیکھا تو انہوں نے بھی سونے کی انگوٹھیاں بنوالیں، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھا کہ انہوں نے بھی سونے کی انگوٹھیاں بنوالیں ہیں تو آپ نے اس انگوٹھی کو اتار دیا، اور فرمایا میں اس کو کبھی نہیں پہنوں گا، پھر آپ نے ایک چاندی کی انگوٹھی بنوائی جس میں محمد رسول اللہ نقش تھا، پھر اس کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے وہ انگوٹھی پہنی، اور ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس انگوٹھی کو پہنا حتیٰ کہ وہ انگوٹھی اریس نامی کنوئیں میں گر گئی۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث: ۵۸۶۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۹۲، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۲۱۸، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۴۱، سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۳۰۵)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص آیا اور اس نے پیتل کی انگوٹھی پہنی ہوئی تھی، آپ نے اس سے فرمایا: کیا وجہ ہے کہ مجھے تم سے بتوں کی بو آرہی ہے اس نے اس انگوٹھی کو پھینک دیا، وہ پھر آیا تو اس کے ہاتھ میں لوہے کی انگوٹھی تھی، آپ نے فرمایا کیا وجہ ہے کہ میں تمہارے اوپر دوزخیوں کا زیور دیکھ رہا ہوں، اس نے اس انگوٹھی کو بھی پھینک دیا پھر کہا یا رسول اللہ! میں کس چیز کی انگوٹھی بناؤں؟ آپ نے فرمایا ایک مثقال سے کم چاندی کی انگوٹھی بناؤ۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۲۳، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۸۵، سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۲۱۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نجاشی کی طرف سے وہ زیورات آئے جو اس نے آپ کو ہدیہ کیے تھے، ان میں سونے کی ایک انگوٹھی تھی جس میں حبشی نگینہ تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اعراض کرتے ہوئے ایک چھڑی یا اپنی انگلیوں سے ایک انگوٹھی اٹھائی پھر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی صاحبزادی حضرت امامہ بنت ابی العاص کو بلا کر فرمایا: اے بیٹا! تم یہ انگوٹھی پہن لو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۳۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۴۴، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۴۴۰۷)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کے مردوں پر ریشم اور سونا پہننا حرام کر دیا گیا ہے اور میری امت کی عورتوں پر حلال کر دیا گیا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۲۰، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۳۴۲، مسند احمد ج ۴ ص ۳۹۴، ۴۰۷، سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۱۶۳)

زیورات کے متعلق فقہی احکام

علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر المرغینانی الحنفی المتوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں:

مردوں کے لیے سونے کے زیورات پہننا جائز نہیں ہے جیسا کہ حدیث میں گزر چکا ہے، اور چاندی کے زیورات پہننا بھی جائز نہیں ہے کیونکہ وہ بھی اسی کے حکم میں ہیں، البتہ چاندی کی انگوٹھی اور منطقہ (کمر کی پیٹی) اور تلوار کا زیور چاندی کا بنانا جائز ہے، اور چاندی نے سونے سے مستغنی کر دیا کیونکہ وہ دونوں ایک جنس سے ہیں، اور الجامع الصغیر میں ہے کہ صرف چاندی کی انگوٹھی بنائی جائے اور اس میں یہ تصریح ہے کہ پتھر، لوہے اور پیتل کی انگوٹھی بنانا جائز نہیں ہے، اور مردوں کے لیے سونے کی انگوٹھی پہننا حرام ہے اور عورتوں کے لیے جائز ہے کیونکہ زینت ان کا حق ہے، صرف قاضی اور سلطان کے لیے انگوٹھی بنائی جائے کیونکہ ان کو مہر لگانے کی ضرورت ہوتی ہے، اور ان کے غیر کے لیے انگوٹھی نہ پہننا افضل ہے، کیونکہ ان کو ضرورت نہیں ہے، سونے سے دانت نہ باندھا جائے، چاندی سے باندھا جائے، یہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہے اور امام محمد کے نزدیک سونے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے اور امام ابو یوسف کے اس میں دو قول ہیں۔

صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عرفجہ بن اسعد الکنانی کی جنگ کلاب میں ناک کٹ گئی، انہوں نے چاندی کی ناک بنالی تو اس میں بدبو ہو گئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ حکم دیا کہ وہ سونے کی ناک بنا کر لگا لیں۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۳۲، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۷۰، سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۱۷۶، مسند احمد ج ۵ ص ۲۳، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۴۹۹، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۱۵۰۱، المعجم الکبیر ج ۱۷ رقم الحدیث: ۳۶۹، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۴۶۲، سنن بیہقی ج ۲ ص ۴۲۵) نابالغ لڑکوں کو سونا اور ریشم پہنانا مکروہ ہے۔ (ہدایہ اخیرین ص ۴۵۷، مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ ملتان)

زیورات کی زکوٰۃ کے متعلق احادیث اور آثار

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ

وسلم کی خدمت میں آئی اور اس کے ساتھ اس کی بیٹی تھی اور اس کی بیٹی کے ہاتھ میں سونے کے موٹے موٹے کنگن تھے۔ آپ نے اس عورت سے فرمایا: کیا تم ان کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو؟ اس عورت نے کہا نہیں! آپ نے فرمایا کیا تم اس سے خوش ہو گی کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمہیں ان کے بجائے آگ کے کنگن پہنادے، پھر اس عورت نے ان کنگنوں کو اتار کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھ دیا، اور کہا یہ اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہیں۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۶۳، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۶۳۷، سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۴۷۵، مسند احمد ج ۲ ص ۲۷۸، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۷۰۶۵، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۱۵۳، حلیۃ الاولیاء ج ۹ ص ۲۳۴، سنن بیہقی ج ۹ ص ۱۹۹-۱۹۸، شرح السنہ رقم الحدیث: ۲۷۵۳)

امام ابن القطان نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے، امام منذری نے مختصر سنن ابوداؤد میں لکھا ہے اس حدیث کی سند میں کوئی مقال نہیں ہے کیونکہ امام ابوداؤد نے ابو کامل جحدری اور حمید بن مسعدہ سے روایت کیا ہے اور وہ ثقات سے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، آپ نے میرے ہاتھ میں چاندی کی انگوٹھیاں دیکھیں، آپ نے فرمایا: اے عائشہ! یہ کیا ہے؟ میں نے کہا یا رسول اللہ! میں نے ان انگوٹھیوں کو زیب و زینت کے لیے پہنا ہے، آپ نے پوچھا کیا تم ان کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو۔ میں نے کہا نہیں! آپ نے فرمایا تمہیں دوزخ کے عذاب کے لیے یہ کافی ہیں۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۶۵، حاکم نے کہا شیخین کی شرط کے مطابق یہ حدیث صحیح ہے، المستدرک ج ۱ ص ۳۹۰-۳۸۹، سنن دار قطنی رقم الحدیث: ۱۹۳۴، سنن بیہقی ج ۴ ص ۱۳۹)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں سونے کا زیور پہنے ہوئے تھی، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا یہ کنز ہے؟ (وہ جمع کیا ہوا سونا جس پر دوزخ کے عذاب کی وعید ہے) آپ نے فرمایا جو زیور زکوٰۃ کے نصاب کو پہنچ گیا اور اس کی زکوٰۃ ادا کر دی گئی تو وہ کنز نہیں ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۶۴، حاکم نے کہا یہ حدیث امام بخاری کی شرط کے مطابق صحیح ہے، المستدرک ج ۱ ص ۳۹۰، سنن بیہقی ج ۴ ص ۱۴۰)

حضرت اسماء بنت یزید بیان کرتی ہیں کہ میں اور میری خالہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم نے سونے کے کنگن پہنے ہوئے تھے۔ آپ نے پوچھا کیا تم دونوں ان کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو؟ ہم نے کہا نہیں! آپ نے فرمایا کیا تم کو اس کا خوف نہیں ہے کہ اللہ تم دونوں کو آگ کے کنگن پہنادے! تم دونوں ان کی زکوٰۃ ادا کرو۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۴۶۱، حمزہ احمد زین نے کہا اس کی سند حسن ہے، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۷۴۸۶، دار الحدیث قاہرہ، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۸۱۲۶، عالم الکتب)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کو خط لکھا کہ تمہاری طرف جو مسلمان عورتیں ہیں ان کو حکم دو کہ وہ اپنے زیورات کی زکوٰۃ ادا کریں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۷، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۶ھ)

حضرت ابن مسعود نے فرمایا: زیورات میں زکوٰۃ ہے۔

(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۷۰۵۶، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۹۵۹۴، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۶۷)

زیورات کی زکوٰۃ میں مذاہب فقہاء اور بحث و نظر

امام مالک، امام احمد بن حنبل اور ایک قول میں امام شافعی کے نزدیک زیورات پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک زیورات پر زکوٰۃ ہے اور امام شافعی کا راجح قول بھی یہی ہے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ ھ لکھتے ہیں:

ظاہر مذہب یہ ہے کہ عورت کے زیورات پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ امام مالک اور امام شافعی کا بھی یہی مسلک ہے اور حضرت عمر، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم اور تابعین میں سے سعید بن مسیب، سعید بن جبیر، عطاء، مجاہد، عبداللہ بن شداد، جابر بن زید، ابن سیرین، میمون بن مہران، زہری، ثوری اور اصحاب رائے کا نظریہ یہ ہے کہ زیورات میں زکوٰۃ ہے۔ (المغنی ج ۲ ص ۳۲۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ)

ائمہ ثلاثہ کی طرف سے دلائل دیتے ہوئے علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پانچ صحابہ کہتے تھے کہ زیورات میں زکوٰۃ نہیں ہے اور زیورات کو عاریتاً دینا ہی ان کی زکوٰۃ ہے، نیز عافیہ بن ایوب لیث بن سعد سے وہ ابو زبیر سے اور وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زیورات میں زکوٰۃ نہیں ہے علاوہ ازیں زیورات کو مباح استعمال کے لیے رکھا جاتا ہے اس لیے اس میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے جس طرح کام کاج کی چیزوں میں اور استعمال کے کپڑوں میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

علامہ ابن قدامہ نے اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے ہماری پیش کردہ صحیح السند ابو داؤد کی روایت بھی ذکر کی ہے لیکن اس کا کوئی جواب نہیں دیا اور اگر پانچ صحابہ اس مسئلہ میں زکوٰۃ کے قائل نہیں تو پانچ سے زیادہ صحابہ اس مسئلہ میں وجوب زکوٰۃ کے قائل ہیں مثلاً حضرت عمر، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص، حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت زینب زوجہ ابن مسعود رضی اللہ عنہم اور ان کی فقاہت ان صحابہ سے زیادہ مسلم ہے جو زکوٰۃ کے قائل نہیں ہیں۔ علامہ ابن قدامہ نے اس سلسلے میں جن صحابہ کا ذکر کیا ہے وہ یہ ہیں: حضرت ابن عمر، حضرت جابر، حضرت عائشہ اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہم، نیز یہ بھی قاعدہ ہے کہ جب حلت اور حرمت میں تعارض ہو تو ترجیح تحریم کو ہوتی ہے۔

ائمہ ثلاثہ کی دوسری دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت جابر سے مروی ہے، اس پر بحث کرتے ہوئے امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ لکھتے ہیں:

حضرت جابر سے مروی ہے زیورات میں زکوٰۃ نہیں ہے، یہ صرف حضرت جابر کا قول ہے، حدیث مرفوع نہیں ہے۔ عافیہ بن ایوب نے از لیث از ابی الزبیر از جابر اس کو مرفوعاً روایت کیا ہے اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

(معرفۃ السنن والآثار ج ۳ ص ۲۹۹-۲۹۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۲ھ)

علامہ ابن قدامہ نے اس مسئلہ میں جو کام کاج کی چیزوں پر قیاس کیا ہے وہ ظاہر ہے کہ احادیث صحیحہ کے مقابلہ میں متروک ہے۔

مواخر کا معنی

اور تم اس میں کشتیوں کو دیکھتے ہو جو پانی کو چیرتی ہوئی چلتی ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے پانی کو چیرنے والی کشتیوں کو مواخر فرمایا ہے اور مواخر کے معنی حسب ذیل ہیں:

مواخر، ماخرہ کی جمع ہے، ماخرہ کا معنی ہے پانی کو پھاڑنے والی کشتی، آواز دینے والی کشتی، ہوا کے ایک جھونکے سے آگے بڑھنے والی کشتی، اس کا مصدر مخیر اور مخور ہے، اس کا معنی ہے کشتی کا چلنا، پانی کو پھاڑنا، چلنے میں آواز پیدا ہونا، پانی کو ہاتھوں سے چیرنا، زمین کو نرم کرنے کے لیے اس کو پانی سے سیراب کرنا۔ حدیث میں ہے:

اذا بال احدکم فلیتمخر الریح۔ جب تم پیشاب کرو تو ہوا کا رخ دیکھو، (یعنی یہ دیکھو کہ ہوا کس رخ سے آرہی ہے اور ہوا کے رخ کی طرف پیشاب نہ کرو ورنہ تم پر چھینٹیں پڑیں گی۔)

(النہایہ ج ۴ ص ۲۶۰، کتاب العین ج ۳ ص ۱۶۸۲، المفردات ج ۲ ص ۶۰۰، قاموس ج ۲ ص ۱۸۵)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس نے زمین میں پہاڑوں کو نصب کر دیا تاکہ زمین تمہارے ساتھ (ایک طرف) جھک نہ جائے اور اس نے دریا اور راستے بنائے تاکہ تم سفر کر سکو O اور راستوں میں نشانیاں بنائیں اور لوگ ستاروں سے سمت کا تعین کرتے ہیں O (النحل: ۱۶-۱۵)

زمین پر پہاڑوں کا نصب کرنا اس کی حرکت کے منافی نہیں ہے

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ان تمید بکم، اس کا معنی ہے کسی بڑی چیز کا ہلنا اور اس کا حرکت کرنا، اس آیت کا لفظی معنی اس طرح ہوا کہ اور اس نے زمین پر پہاڑوں کو اس لیے نصب کیا ہے تاکہ وہ ہلے اور حرکت کرے، حالانکہ مقصود یہ ہے کہ وہ نہ ہلے اور حرکت نہ کرے، اس لیے یہاں پر لفظ لا محذوف ہے۔ اس کی نظیر یہ آیت ہے:

یبین اللہ لکم ان تضلوا۔ (النساء: ۱۸۶) اس کا لفظی معنی ہے: اللہ تمہارے لیے بیان فرماتا ہے تاکہ تم گمراہ ہو حالانکہ مقصود یہ ہے کہ تاکہ تم گمراہ نہ ہو، یہاں بھی اسی طرح لا محذوف ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور اس نے زمین میں رواسی کو ڈال دیا، رواسی کا لفظ رسو سے بنا ہے۔

امام خلیل بن احمد الفراہیدی المتوفی ۱۷۵ھ لکھتے ہیں:

رسا یرسو کا معنی ہے کسی شخص کو محکم اور مضبوط کرنا، رسوت الحدیث کا معنی ہے میں نے اپنی بات کو پختہ کیا، رسا الجبل کا معنی ہے پہاڑ کی جڑ زمین پر ثابت ہے، اور رست السفینۃ کا معنی ہے جہاز لنگر انداز ہوا اور اب ادھر ادھر ڈولتا نہیں ہے۔ (کتاب العین ج ۱ ص ۶۷۸، مطبوعہ ایران، ۱۴۱۴ھ)

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

رسا کا معنی ہے کسی چیز کا ثابت ہونا، قدور راسیات (سبا: ۱۳) کا معنی ہے چولہوں پر جمی ہوئی دیگیں، اور رواسی شامخات (المرسلات: ۲۷) کا معنی ہے مضبوط پہاڑ۔ (المفردات ج ۱ ص ۲۵۹، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر بھاری پہاڑ نصب کر دیئے تاکہ زمین اپنے مرکز پر قائم رہے، اور اپنے محور پر گردش کرتی رہے اور اس سے ادھر ادھر نہ ہٹ سکے۔

زمین، چاند اور سورج کی حرکت کے حساب سے سائنس دان یہ متعین کرتے ہیں کہ چاند گرہن کب ہوگا اور سورج کو گرہن کب لگے گا، اور ان کا حساب اس قدر صحیح ہوتا ہے کہ وہ کئی کئی مہینے اور بعض اوقات کئی کئی سال پہلے بتا دیتے ہیں کہ فلاں تاریخ کو اتنے بج کر اتنے منٹ پر سورج یا چاند گرہن ہوگا اور اتنی دیر تک گرہن لگا رہے گا، اور فلاں ملک میں یہ گرہن اتنے وقت پر دکھائی دے گا اور فلاں ملک میں یہ گرہن اتنے وقت پر دکھائی دے گا، اور ان کا یہ حساب اتنا حتمی اور درست

ہوتا ہے کہ آج تک اس میں ایک سیکنڈ کا بھی فرق نہیں پڑا۔ سورج گرہن کا معنی ہے زمین اور سورج کے درمیان چاند کے حائل ہو جانے سے سورج کا جزوی یا کلی طور پر تاریک نظر آنا‘ عربی میں اس کو کسوف شمس کہتے ہیں۔ (اردو لغت ج ۱۶ ص ۱۵۵) ابھی چند ماہ پہلے سورج کو گرہن لگا‘ اور مغرب سے کچھ دیر پہلے سورج تاریک ہونا شروع ہوا اور رفتہ رفتہ سورج مکمل تاریک ہو گیا اور تقریباً پانچ منٹ تک تاریک رہا۔ ہم نے کراچی میں اس کا مشاہدہ کیا‘ اور سائنس دانوں نے کئی ماہ پہلے بتا دیا تھا کہ کراچی میں فلاں تاریخ کو اتنی دیر کے لیے اتنے بج کر اتنے منٹ پر سورج مکمل تاریک ہو جائے گا‘ سائنس دان نہ جادو گر ہیں نہ غیب دان ہیں‘ ان کی یہ پیش گوئی ان کے حساب پر مبنی ہے‘ وہ زمین‘ چاند اور سورج کی حرکات کا مکمل حساب رکھتے ہیں اور ان کی رفتار کا بھی صحیح حساب رکھتے ہیں‘ اس لیے ان کو معلوم ہوتا ہے کہ چاند کس تاریخ کو اور کس وقت زمین اور سورج کے درمیان حائل ہو گا اور کتنی دیر حائل رہے گا اور انہیں تمام دنیا کے نظام الاوقات کا بھی علم ہوتا ہے اس لیے وہ بہت پہلے اپنے حساب سے بتا دیتے ہیں کہ فلاں تاریخ کو اتنے بجے سورج کو گرہن لگے گا اور اتنی دیر رہے گا‘ اسی طرح چاند گرہن کا معنی ہے کہ چاند اور سورج کے درمیان زمین حائل ہو جائے جس کی وجہ سے چاند جزوی یا کلی طور پر تاریک ہو جائے‘ ابھی چند ہفتے پہلے چاند کو گرہن لگا اور پاکستان میں رات کو دس بجے چاند مکمل طور پر تاریک ہو گیا تھا‘ اور سائنس دانوں نے کافی پہلے بتا دیا تھا کہ فلاں تاریخ کو اتنے بجے چاند گرہن لگے گا اور فلاں فلاں ملک میں اتنے اتنے بجے نظر آئے گا اور اس کی یہی وجہ ہے کہ ان کو زمین کی حرکت اور اس کی رفتار کا علم ہوتا ہے اور وہ اس حساب سے جان لیتے ہیں کہ فلاں تاریخ کو اتنے بجے زمین چاند اور سورج کے درمیان حائل ہو جائے گی اور اتنی دیر تک حائل رہے گی اور تدریجاً حائل ہو گی اور کس وقت مکمل حائل ہو جائے گی۔ قدیم خیال کے علماء جو زمین کو ساکن مانتے ہیں اور اس کی حرکت کے قائل نہیں ہیں اور وہ یہ نہیں مانتے کہ زمین اور چاند کی حرکت اور اس کی رفتار کا سائنس دان حساب رکھتے ہیں وہ اس کی کیا توجیہ کریں گے کہ سائنس دان ہفتوں اور مہینوں پہلے سورج اور چاند کے گرہن ہونے اور ان کے نظام الاوقات کی بالکل ٹھیک پیش گوئی کرتے ہیں اور آج تک ان کی پیش گوئی غلط نہیں ہوئی‘ کیا وہ سائنس دانوں کو جادو گر یا غیب دان گردانتے ہیں!

اس دور میں سائنس کی جتنی ایجادات ہیں ہمارے علماء ان سے استفادہ کرتے ہیں۔ گھڑیوں کے اوقات سے نماز پڑھاتے ہیں‘ مسجدوں اور گھروں میں بجلی کی روشنی اور برقی پنکھے لگواتے ہیں‘ ٹیلی فون پر بات کرتے ہیں‘ لاؤڈ اسپیکر پر تقریریں کرتے ہیں اور نمازیں پڑھاتے ہیں‘ کاروں‘ ٹرینوں اور طیاروں میں سفر کرتے ہیں اس کے باوجود وہ سائنسی علوم کی مذمت کرتے ہیں۔ واضح رہے کہ سائنس کا علم کسی فکر اور نظریہ سے مستفاد نہیں ہوتا‘ سائنس کا علم مشاہدہ اور تجربہ سے حاصل ہوتا ہے‘ یہ تمام ایجادات مشاہدہ اور تجربہ سے وجود میں آئی ہیں‘ اسی طرح زمین اور چاند کی حرکت اور ان کی رفتار کا تعین بھی انہوں نے رصد گاہوں میں مشاہدات اور آلات کے ذریعہ کیا ہے‘ قدیم فلسفہ کی طرح یہ صرف فکر اور نظریہ کا معاملہ نہیں ہے‘ قرآن مجید رشد و ہدایت کی کتاب ہے‘ فلسفہ اور سائنس کی کتاب نہیں ہے‘ قرآن کریم نے اس سے بحث نہیں کی کہ زمین ساکن ہے یا متحرک ہے کیونکہ دنیا میں صالح حیات اور اخروی فلاح کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے کہ زمین حرکت کرتی ہے یا حرکت نہیں کرتی‘ اس لیے علماء کو چاہیے کہ زمین کی حرکت اور سکون کو دین اور اعتقاد کا مسئلہ نہ بنائیں۔ بعض قدیم الخیال علماء یہ کہنے سے باز نہیں آتے کہ قرآن اور حدیث میں ہے کہ زمین ساکن ہے‘ اور تعلیم یافتہ لوگوں اور ترقی یافتہ اقوام پر اس سے اسلام کے متعلق منفی اثر پڑتا ہے‘ ایسا کہنا کوئی اسلام کی خدمت اور دین کی تبلیغ نہیں ہے بلکہ یہ پڑھے لکھے لوگوں کو اسلام سے متنفر کرنے کا ذریعہ ہے اور دوسری اقوام کو اسلام پر ہنسنے کا موقع فراہم کرنا ہے‘ اللہ تعالیٰ

ہدایت عطا فرمائے، بہر حال اس آیت میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر پہاڑوں کو نصب کر دیا تاکہ وہ اپنے مدار سے ادھر ادھر نہ ہو، یہ آیت زمین کی گردش کے منافی نہیں ہے اور نہ زمین کے سکون کو مستلزم ہے۔

دنیا اور آخرت میں انسان کی ہدایت کے انتظامات

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور راستوں میں نشانیاں بنائیں اور لوگ ستاروں سے سمت کا تعین کرتے ہیں۔

راستوں میں نشانیاں بنانے کا مطلب یہ ہے کہ تمام راستے ایک جیسے سیدھے اور سپاٹ نہیں ہیں، اور پوری زمین کو ایک ہموار میدان نہیں بنایا، بلکہ کہیں انواع واقسام کے جنگل ہیں، کہیں اونچی نیچی پگڈنڈیاں ہیں، مختلف طرح کے چھوٹے بڑے پہاڑوں کا سلسلہ ہے، کہیں دریا ہیں کہیں میدان ہیں، کہیں چشمے ہیں اور کہیں آبشار ہیں، اور یہ سب اس لیے ہیں کہ تمہیں راستوں اور مقامات کی نشانیاں متعین کرنے میں آسانی ہو۔ برطانیہ میں تمام مکان ایک ڈیزائن اور ایک طرح کے قطار در قطار بنے ہوئے ہوتے ہیں، کوئی مہمان وہاں جائے اور اس کو مکان نمبر بھول جائے تو وہ مطلوبہ مکان تک نہیں پہنچ سکتا، میرے ساتھ خود ایک مرتبہ برسٹل میں یہ واقعہ ہو چکا ہے، غرض اللہ تعالیٰ نے راستوں اور گزرگاہوں میں ایسی قدرتی علامتیں بنا دی ہیں جن سے انسان اپنی مطلوبہ جگہ کی نشانیاں متعین کر سکتا ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور لوگ ستاروں سے سمت کا تعین کرتے ہیں، اس نعمت کی قدر انسان کو اس وقت ہوتی ہے جب اس کا گزر کسی لق و دق ریگستان سے ہو، اس وقت وہ صرف ستاروں سے اپنی منزل کا تعین کرتا ہے یا سمندری سفر میں انسان کو اس عظیم الشان نعمت کا احساس ہوتا ہے، کیونکہ وہاں پر اور کوئی علامت اور نشانی نہیں ہوتی جس سے وہ اپنی منزل کی شناخت کر سکے، سو جہاں راستوں کا تعین کرنے کے لیے اور منزل کی شناخت کے لیے کوئی قدرتی علامت نہیں ہوتی ایسے صحراؤں اور سمندروں میں اللہ تعالیٰ نے مسافروں کی رہنمائی کے لیے آسمان پر ستاروں کا جال بچھا رکھا ہے اور قدیم زمانے سے لے کر آج تک ان ہی ستاروں کے سہارے مسافر اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہوتے ہیں۔

یہاں اس پر بھی غور کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جب انسان کے دنیاوی سفر میں اس کی رہنمائی کے اتنے انتظام کر رکھے ہیں، تو وہ اس کے آخرت کی طرف سفر میں اس کی رہنمائی سے کب غافل ہو سکتا ہے، اس نے سفر آخرت میں انسان کی رہنمائی کے لیے انبیاء اور رسل بھیجے، کتابوں اور صحیفوں کو نازل کیا۔ ہر دور میں مجددین اور نیک انسانوں کو پیدا کیا جو انسانوں کو بھلائی اور برائی کے راستوں سے مطلع کرتے رہتے ہیں اور اس کو نیکی کی تلقین کرتے ہیں اور اس کو برائی سے متنفر کرتے رہتے ہیں بلکہ خود انسان میں عقل و خرد رکھی جو اس کو برے کاموں سے روکتی ہے، اس کے اندر ضمیر کی طاقت پیدا کی جو اس کو برائی پر ملامت اور سرزنش کرتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو اپنے رحم و کرم سے ہماری دنیا اور آخرت کی رہنمائی کے لیے ذرائع اور وسائل مہیا کر دیئے ہیں، یہ اور بات ہے کہ ہم خود ان ذرائع اور وسائل سے استفادہ نہ کریں، اور نیکی کے بجائے بدی اور ہدایت کے بجائے گمراہی کو اختیار کر لیں!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو جو (اتنی چیزیں) پیدا کرتا ہے کیا وہ اس کی مثل ہے جو کچھ بھی پیدا نہ کر سکے، پس کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے!O (النحل: ۱۷)

اس کائنات کی تخلیق سے اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید پر استدلال

اللہ تعالیٰ نے اپنے وجود اور اپنی توحید پر اپنی تخلیق سے استدلال فرمایا: النحل: ۴ میں ذکر فرمایا کہ اس نے انسان کو نطفہ سے پیدا فرمایا اور یہ اس کے وجود اور الوہیت پر قوی دلیل ہے کہ اس نے پانی کی ایک بوند سے جیتا جاگتا انسان بنا دیا اور اس کو

اتنی ذہنی اور جسمانی طاقت عطا کی کہ اس نے بحر و بر کو مسخر کر لیا، پھر النحل : ۸-۵ میں فرمایا: اس نے چوپایوں کو پیدا کیا جن کے اون میں تمہارے لیے لباس ہے، جن کے گوشت اور دودھ میں تمہاری غذا ہے، جن کی پیٹھوں میں تمہارے لیے سواری ہے اور بار برداری کا ذریعہ ہے پھر ان کو اتنا حسین بنایا کہ ان کو دیکھنا تمہارے لیے خوشی اور فرحت کا موجب ہے، پھر النحل : ۱۰ میں بیان فرمایا کہ اس نے تمہارے پینے کے لیے اور تمہاری زراعت کی سیرابی کے لیے آسمان سے پانی نازل فرمایا اور النحل : ۱۲ میں فرمایا: اس نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو اور ستاروں کو تمہارے مصالح اور منافع کے لیے مسخر کیا، النحل : ۱۳ میں فرمایا: اس نے زمین میں تمہارے لیے گوناگوں اقسام کی مخلوق پیدا کی، النحل : ۱۴ میں فرمایا: اس نے سمندر میں تمہاری غذا کے لیے ترو تازہ گوشت پیدا کیا، اور تمہاری زینت کے لیے اس میں انواع و اقسام کے زیورات رکھے، اور النحل : ۱۵ میں فرمایا کہ اس نے سمندر کے پانی میں تمہارے سفر کے لیے کشتیاں اور جہاز بنائے اور اس نے زمین پر پہاڑوں کو بنایا تا کہ وہ اپنی گردش کے دوران اپنے محور سے نہ ہٹ سکے، اس نے راستوں میں مختلف نشانیاں رکھیں تا کہ تمہارے لیے منزل کا تعین آسان ہو اور النحل : ۱۶ میں بتایا کہ اس نے آسمان پر ستارے بنائے تا کہ ریگستانوں اور سمندروں میں دورانِ سفر تم اپنی منزل کا سراغ لگا سکو!

اب دیکھو یہ اللہ کی تخلیقات ہیں، کیا یہ تخلیقات اللہ کے وجود اور اس کی وحدانیت کا پتا نہیں دیتیں، کیا کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ سب چیزیں خود بخود وجود میں آ گئی ہیں، اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ یہ سب چیزیں خود بخود بن گئی ہیں تو وہ بتائے کہ وہ خود کیوں خود بخود وجود میں نہیں آیا! وہ اپنے وجود میں اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے تولیدی نظام کا کیوں محتاج تھا، جو شخص یہ کہتا ہے کہ یہ پوری کائنات ایک اتفاقی حادثہ ہے تو ہم اس سے یہ کہتے ہیں کہ اتفاقات میں دوام، ربط اور تسلسل نہیں ہوتا، پھر کیا وجہ ہے کہ سیب کے درخت میں ہمیشہ سیب ہی لگتا ہے آم یا امرود کیوں نہیں لگتا، اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ یہ کائنات کئی خداؤں کی مجموعی کاوش کا نتیجہ ہے تو اول تو ہم یہ کہتے ہیں کہ کس کا یہ دعویٰ ہے کہ اس کائنات کے بنانے میں اس کا دخل ہے! کیا بے جان، اندھے اور گونگے بت یہ کہتے ہیں، کیا حضرت عیسیٰ اور عزیر نے یہ کہا! کیا گائے اور پیپل کا درخت یہ کہتا ہے۔ قرآن مجید کی ظاہر آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نمرود نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ وہ اس کائنات کو پیدا کرنے والا ہے، جب حضرت ابراھیم علیہ السلام نے اس سے یہ فرمایا: اگر یہ بات ہے تو سورج کو مغرب سے طلوع کر کے دکھاؤ تو وہ مبہوت ہو گیا، پھر نمرود تو عبرت ناک موت مر گیا اور خدا وہ ہے جو ہمیشہ سے ہو اور ہمیشہ رہے!

اور اگر کوئی شخص یہ کہے کہ کچھ غیر مرئی قوتیں ہیں جنہوں نے مل کر اس کائنات کو بنایا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو بھیج کر اور کتابیں نازل فرما کر یہ اعلان کیا کہ وہ تنہا بلا شرکت غیر اس کائنات کو بنانے والا ہے تو انہوں نے اپنے نمائندے بھیج کر اللہ تعالیٰ کے دعویٰ توحید کو رد کیوں نہیں کیا، انہوں نے اپنی خدائی پر کوئی دلیل کیوں نہیں قائم کی، پھر ہم بغیر کسی برہان اور دلیل کے بلکہ بغیر کسی دعویٰ کے اللہ تعالیٰ کے کسی غیر کی خدائی یا خدائی میں شرکت کیوں مانیں! ثانیاً جس چیز کے بنانے میں کئی لوگ شریک ہوں ان میں ضرور اختلاف بھی ہوتا ہے، پھر اس کائنات کے تمام نظام میں یکسانیت کیوں ہے؟

اللہ تعالیٰ نے اپنی الوہیت اور توحید پر ان تمام تخلیقات کو بطور دلیل پیش کیا اور جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو خالق مانتا ہے، اس کی کون سی تخلیق ہے اور اس نے کیا بنایا ہے!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرو تو شمار نہ کر سکو گے، بے شک اللہ ضرور بہت بخشنے والا

نہایت رحم فرمانے والا ہے○(النحل : ۱۸)

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا عموم اور اس کے ساتھ مغفرت کا ارتباط

اس دنیا میں کئی قسم کے لوگ ہیں، بعض دہریئے ہیں جو سرے سے اللہ کے وجود کے قائل ہی نہیں ہیں، بعض مشرکین ہیں جو اللہ کے وجود کے تو قائل ہیں لیکن انہوں نے اور بہت سی چیزوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دے رکھا ہے۔ بعض عصاۃ مومنین (گناہ گار مسلمان) ہیں جو اغواء شیطان یا نفسانی لغزشوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرتے رہتے ہیں اور بعض اطاعت شعار مسلمان ہیں، لیکن ایسا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اطاعت شعار بندوں کو ہی نعمتیں عطا فرماتا ہو اور اپنے منکروں، مشرکوں اور گناہ گاروں کو محروم رکھتا ہو، مذکور الصدر آیات میں جن نعمتوں کا بیان ہے ان میں مومن اور کافر اور مطیع اور عاصی کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں کیا گیا، انسان کو سب سے زیادہ ضرورت ہوا کی ہے، اگر چند منٹ کے لیے بھی ہوا نہ ملے تو انسان مرجائیں، اللہ تعالیٰ کا بے پایاں کرم ہے کہ اس نے ہوا کو سب سے زیادہ آسان، عام اور ارزاں بنادیا ہے، فضا میں ہوا کے سمندر رواں دواں ہیں اور ہر شخص کو بغیر کسی کوشش اور اجرت کے سانس لینے کے لیے ہوا میسر ہے، اس کے بعد زندہ رہنے کے لیے پانی کی ضرورت ہے، اس کی ضرورت ہوا کی بہ نسبت کم ہے تو اس کی ارزانی بھی ہوا کی بہ نسبت کم ہے۔ اسی حکمت سے بتدریج دوسری نعمتوں کا فیضان ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی غیر متناہی نعمتوں کا ذکر کرنے کے بعد اپنی مغفرت اور رحمت کا بھی ذکر فرمایا ہے اور اس میں یہ بتایا ہے کہ کوئی دہریہ یا مشرک جو ساری عمر انکار خدا اور شرک میں زندگی گزار تا رہا ہو اگر مرنے سے پہلے صرف ایک مرتبہ دہریت اور شرک سے تائب ہو کر کلمہ پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ اس کی ساری عمر کے کفر اور شرک کو اس ایک کلمہ کی وجہ سے معاف کر دیتا ہے اور اس پر اپنی جنت حلال کر دیتا ہے، اسی طرح حرص وہوا اور نفس پرستی میں ڈوبا ہوا گناہ گار انسان جب صدق دل سے تائب ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف کر دیتا ہے اور اگر توبہ کے بعد وہ پھر لغزش میں پڑ جائے اور پھر معافی مانگے تو وہ پھر معاف فرما دیتا ہے، یہ کتنی عظیم نعمت ہے اور کتنی عظیم مغفرت ہے!

نعمتوں کے بعد مغفرت اور رحمت کا اس لیے بھی ذکر فرمایا ہے کہ انسان پر واجب ہے کہ وہ نعمتوں کا شکر ادا کرے اور نعمتیں جتنی ہوں شکر بھی اتنا کرنا چاہیے اور جب اس کی نعمتیں غیر متناہی ہیں تو اس کا شکر بھی غیر متناہی کرنا چاہیے، اور انسان متناہی وقت میں غیر متناہی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کر سکتا، یہ اس کی استطاعت میں ہی نہیں ہے اس لیے ساتھ ہی اپنی مغفرت اور رحمت کا بھی ذکر کیا کہ اگر تم اس کی نعمتوں کا کماحقہ شکر ادا نہ کر سکو تو وہ غفور رحیم ہے، نیز اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ اگر کوئی بندہ بجائے شکر کرنے کے ناشکری کرے یا بجائے اطاعت کرنے کے گناہوں کا مرتکب ہو جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کے کرم سے مایوس نہ ہو، وہ صدق نیت سے معافی مانگے، اللہ اس کو معاف کر دے گا، نہ صرف معاف کر دے گا بلکہ مزید نعمتوں اور انعامات سے بھی نوازے گا۔

اس آیت کی مزید تفصیل جاننے کے لیے ابراھیم: ۳۴ کی تفسیر کا مطالعہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو○(النحل : ۱۹)

کافروں کو ان کے کفر کے باوجود نعمتیں عطا فرمانے کی توجیہ

اس آیت میں ان لوگوں کو تنبیہہ فرمائی ہے جو اپنے ظاہری کفر کے علاوہ اپنے باطن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف طرح طرح کی سازشیں چھپائے رکھتے تھے، اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ وہ تمہارے ظاہری کفر کو بھی جانتا ہے اور باطنی

سازشوں سے بھی باخبر ہے۔ اس آیت کا دوسرا محمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دہریوں اور مشرکوں اور نافرمانوں پر جو مسلسل نعمتوں کی بارش فرما رہا ہے اس سے وہ یہ نہ سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ کو ان کے کفر اور ان کی سرکشی کا علم نہیں ہے، وہ ظاہر اور چھپی ہوئی ہر بات کا جاننے والا ہے، اور ظلم اور سرکشی کے باوجود اس کا نعمتیں عطا فرمانا سرکشوں اور ظالموں کے حق میں استدراج ہے اور ان کو ڈھیل دینا ہے، اور اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتا کہ اس کے کسی بندہ کو دنیا ملے نہ آخرت، ان ظالموں نے اپنے ظلم اور سرکشی کی وجہ سے اپنی آخرت تو خود ضائع کر دی تو اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ کم از کم یہ لوگ دنیا سے تو محروم نہ ہوں، اور اس میں مسلمانوں کے لیے یہ سوچنے کی چیز ہے کہ اللہ کے اوصاف اور اس کے اخلاق ایسے ہیں کہ وہ منکروں اور مخالفوں کو بھی نواز تا ہے تو انہیں چاہیے کہ وہ بھی اپنے دشمنوں کو معاف کر دیں اور درگزر سے کام لیں اور اللہ کے اخلاق سے متخلق ہو جائیں، اور اس آیت کا تیسرا محمل یہ ہے کہ کفار بتوں کی پوجا پاٹ کرتے ہیں اور ان کو پکارتے ہیں حالانکہ وہ بت بول سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں نہ دیکھ سکتے ہیں نہ ان کو کسی چیز کے ظاہر کا علم ہے نہ باطن کا جبکہ اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ اس سے ظاہر اور باطن کی کوئی چیز مخفی نہیں ہوتی!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ جن غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے وہ خود پیدا کیے ہوئے ہیں○ وہ مُردہ ہیں زندہ نہیں ہیں اور وہ نہیں جانتے کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے○ (النحل: ۲۱-۲۰)

بتوں کے خدا اور سفارشی ہونے کا ابطال

سابقہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی بکثرت تخلیقات ذکر فرمائی تھیں اور ان تخلیقات سے اپنی الوہیت اور توحید پر استدلال فرمایا تھا، مشرکین مکہ پتھر کی بے جان مورتیوں کی عبادت کرتے تھے اور ان مورتیوں کو اس جہان کا پیدا کرنے، پالنے والا اور خدا مانتے تھے، ان کی عبادت کرتے تھے اور یہ مانتے تھے کہ وہ اللہ کے سامنے ان کی سفارش کریں گے، ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان کی ان تمام باتوں کا رد فرمایا ہے۔

پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ بت کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے وہ خود پیدا کیے ہوئے ہیں اور خدا مخلوق نہیں ہوتا بلکہ وہ ساری کائنات کا خالق ہوتا ہے۔ پھر فرمایا: وہ مُردہ ہیں زندہ نہیں ہیں اور خدا زندہ ہوتا ہے مُردہ نہیں ہوتا، اس کے بعد فرمایا: اور وہ نہیں جانتے کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے۔ مشرکین یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ یہ بت قیامت کے دن ان کی سفارش کریں گے، اللہ تعالیٰ نے بتایا یہ سفارش کیا کریں گے، یہ تو یہ بھی نہیں جانتے کہ قیامت کب ہوگی، ان کو کب اٹھایا جائے گا۔ امام رازی اور علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بتوں کو اٹھائے گا، ان کے ساتھ ارواح ہوں گی اور ان کے شیاطین ہوں گے، پھر ان سب کو دوزخ میں ڈالنے کا حکم دیا جائے گا۔

"والذین یدعون من دون اللہ" کی وہ تفسیر جو سید مودودی نے کی

ہم نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ والذین یدعون من دون اللہ۔ الآیہ۔ اور وہ جن غیر اللہ کی عبادت کرتے تھے الخ۔ اس سے مراد بت ہیں، تمام قدیم اور مستند مفسرین نے والذین یدعون من دون اللہ کی تفسیر بتوں کے ساتھ کی ہے لیکن اس کے برخلاف سید ابو الاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ نے اس کی تفسیر انبیاء اور اولیاء کے ساتھ کی ہے اور جو لوگ انبیاء اور اولیاء کو پکارتے ہیں انہوں نے اس پکارنے کو عبادت قرار دیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

یہ الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ یہاں خاص طور پر جن بناوٹی معبودوں کی تردید کی جا رہی ہے وہ فرشتے یا جن یا شیاطین یا لکڑی اور پتھر کی مورتیاں نہیں ہیں بلکہ اصحاب قبور ہیں اس لیے کہ فرشتے اور شیاطین تو زندہ ہیں، ان پر اموات غیر

احیاء کا اطلاق نہیں ہو سکتا' اور لکڑی پتھر کی مورتیوں کے معاملہ میں بعث بعد الموت کا کوئی سوال نہیں ہے اس لیے ما یشعرون ایان یبعثون کے الفاظ انہیں بھی خارج از بحث کر دیتے ہیں۔ اب لامحالہ اس آیت میں الذین یدعون من دون اللہ سے مراد وہ انبیاء' اولیاء' شہداء صالحین اور دوسرے غیر معمولی انسان ہی ہیں جن کو غالی معتقدین داتا' مشکل کشا' فریاد رس' غریب نواز' گنج بخش اور نہ معلوم کیا کیا قرار دے کر' اپنی حاجت روائی کے لیے پکارنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس کے جواب میں اگر کوئی یہ کہے کہ عرب میں اس نوعیت کے معبود نہیں پائے جاتے تھے' تو ہم عرض کریں گے کہ یہ جاہلیت عرب کی تاریخ سے اس کی ناواقفیت کا ثبوت ہے۔ کون پڑھا لکھا نہیں جانتا ہے کہ عرب کے متعدد قبائل ربیعہ' کلب' تغلب' قضاعہ' کنانہ' حرث' کعب' کندہ وغیرہ میں کثرت سے عیسائی اور یہودی پائے جاتے تھے اور یہ دونوں مذاہب بری طرح انبیاء' اولیاء اور شہداء کی پرستش سے آلودہ تھے' پھر مشرکین عرب کے اکثر نہیں تو بہت سے معبود وہ گزرے ہوئے انسان ہی تھے' جنہیں بعد کی نسلوں نے خدا بنا لیا تھا۔ بخاری میں ابن عباس کی روایت ہے کہ ود' سواع' یغوث' یعوق' نسر یہ سب صالحین کے نام ہیں جنہیں بعد کے لوگ بت بنا بیٹھے' حضرت عائشہ کی روایت ہے کہ اساف اور نائلہ دونوں انسان تھے' اسی طرح کی روایات لات' منات اور عزیٰ کے بارے میں بھی موجود ہیں اور مشرکین کا یہ عقیدہ بھی روایات میں آیا ہے کہ لات اور عزیٰ اللہ کے ایسے پیارے تھے کہ اللہ میاں جاڑا لات کے ہاں اور گرمی عزیٰ کے ہاں بسر کرتے تھے۔ سبحانہ وتعالی عما یصفون۔ (تفہیم القرآن ج ۲ ص ۵۳۴ - ۵۳۳' مطبوعہ لاہور' ۱۴۰۲ھ)

سید مودودی کی تفسیر پر بحث و نظر

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے جو الذین یدعون من دون اللہ کا مصداق انبیاء' اولیاء' شہداء اور صالحین کو قرار دیا یہ خالص تفسیر بالرائے ہے' قدیم اور مستند تفاسیر کے خلاف ہے' پہلے ہم مستند تفاسیر کے حوالہ جات کے ساتھ والذین یدعون من دون اللہ کا معنی اور اس کا صحیح مصداق بیان کریں گے' اور احادیث صحیحہ سے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کی وفات کے بعد ان سے مدد طلب کرنے کا جواز بیان کریں گے اور اس سلسلہ میں محققین علماء کرام اور خصوصاً سید ابوالاعلیٰ مودودی کے مسلم بزرگوں کی تصریحات نقل کریں گے اور مشکل کشا اور فریاد رس ایسے الفاظ کا ثبوت بھی ان ہی کے مسلم بزرگوں کے حوالوں سے بیان کریں گے' فنقول وباللہ التوفیق وبہ الاستعانۃ یلیق۔

"والذین یدعون من دون اللہ میں یدعون" کا صحیح ترجمہ عبادت کرنا ہے پکارنا نہیں ہے

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اس آیت میں یدعون کا ترجمہ پکارتے ہیں کیا ہے جبکہ ایسے مواقع پر یدعون کا صحیح ترجمہ ہے عبادت کرتے ہیں' شاہ ولی اللہ محدث دہلوی متوفی ۱۱۷۶ھ اس آیت کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

و آنانکہ مے پرستند کافراں ایشاں را' بجز خدا نمے آفرینند چیزے را و خود شان آفریدہ مے شوند۔

اور شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۴ھ لکھتے ہیں:

اور جن کی یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے اور وہ خود ہی مخلوق ہیں۔

اور سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ اس آیت میں والذین یدعون من دون اللہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

والالھۃ الذین تعبدونھم ایھا الکفار۔ اور وہ معبود جن کی تم عبادت کرتے ہوائے کفار!

(روح المعانی جز ۱۴ ص ۱۷۶' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

دراصل سید مودودی نے اس آیت میں یدعون کا معنی پکارتے ہیں اس لیے کیا ہے کہ اس آیت کو ان مسلمانوں پر

چسپاں کر سکیں جو اپنی مہمات میں انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کو پکارتے ہیں، کیونکہ اگر وہ اس آیت کا معنی عبادت کرتے تو پھر وہ اس آیت کو مسلمانوں پر چسپاں نہیں کر سکتے تھے کیونکہ وہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کی بہر حال عبادت نہیں کرتے۔

"والذین یدعون من دون اللہ" کا مصداق اصنام اور بت ہیں، انبیاء اور اولیاء نہیں!

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے لکھا ہے کہ یہاں خاص طور پر جن بناوٹی معبودوں کی تردید کی جارہی ہے وہ لکڑی یا پتھر کی مورتیاں نہیں ہیں بلکہ اصحابِ قبور ہیں، لکڑی اور پتھر کی مورتیوں کے معاملہ میں بعث بعد الموت کا کوئی سوال نہیں ہے، اس لیے ما یشعرون ایان یبعثون کے الفاظ انہیں بھی خارج از بحث کر دیتے ہیں، اب لامحالہ اس آیت میں الذین یدعون من دون اللہ سے مراد وہ انبیاء، اولیاء، شہداء، صالحین اور دوسرے غیر معمولی انسان ہی ہیں۔

اب دیکھئے قدیم اور مستند مفسرین نے الذین یدعون من دون اللہ سے مراد کس کو لیا ہے!

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ ذکر فرماتا ہے: اور تمہارے وہ بت جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو، اے لوگو یہ معبود کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے یہ خود پیدا کیے ہوئے ہیں، پس جو خود بنایا ہوا ہو، اور اپنے لیے بھی کسی نفع اور ضرر کا مالک نہ ہو وہ کیسے معبود ہو سکتا ہے۔

اور اموات غیر احیاء وما یشعرون ایان یبعثون کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ یہ بت جن کی اللہ کو چھوڑ کر عبادت کی جاتی ہے، مُردہ ہیں، ان میں روحیں نہیں ہیں اور یہ اپنی پرستش کرنے والوں کے لیے کسی ضرر اور نفع کے مالک نہیں ہیں۔ (جامع البیان جز ۱۴ ص ۱۲۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس رازی ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ لکھتے ہیں:

قتادہ نے کہا یہ بت جن کی اللہ کے سوا عبادت کی جاتی ہے مُردہ ہیں، ان میں روحیں نہیں ہیں، الخ۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۲۳۴۹، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

امام عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں:

اموات غیر احیاء اس سے مراد اصنام (بت) ہیں، فراء نے کہا اموات کا معنی یہاں پر ہے ان میں روح نہیں ہے۔ اخفش نے کہا غیر احیاء، اموات کی تاکید ہے، اور ما یشعرون ایان یبعثون کی تفسیر میں لکھتے ہیں: اس میں دو قول ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد اصنام (بت) ہیں، ان کو آدمیوں کے صیغے سے تعبیر فرمایا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ حشر میں اصنام کو بھی اٹھائے گا، ان کے ساتھ روحیں ہوں گی اور ان کے ساتھ ان کے شیاطین ہوں گے، اور وہ کفار کی عبادت سے بیزاری کا اظہار کریں گے، پھر شیاطین کو اور ان بتوں کی عبادت کرنے والوں کو دوزخ میں ڈالنے کا حکم دیا جائے گا۔

(۲) مقاتل نے کہا: وما یشعرون سے مراد کفار ہیں، وہ نہیں جانتے کہ ان کو کب اٹھایا جائے گا۔

(زاد المسیر ج ۴ ص ۴۳۸-۴۳۷، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۱۲ھ)

امام فخرالدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اصنام (بتوں) کی کئی صفات ذکر فرمائی ہیں: (۱) وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کرتے اور خود پیدا کیے ہوئے ہیں۔ (۲) وہ مُردہ ہیں زندہ نہیں ہیں، اس کا معنی یہ ہے کہ اگر وہ حقیقت میں معبود ہوتے تو زندہ ہوتے مُردہ نہ ہوتے حالانکہ ان اصنام (بتوں) کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ (۳) وما یشعرون ایان یبعثون، وما یشعرون کی ضمیر اصنام کی طرف لوٹتی ہے یعنی یہ بت نہیں جانتے کہ ان کو کس وقت اٹھایا جائے گا۔

(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۱۹۶-۱۹۵، ملخصاً، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

اموات غیر احیاء سے مراد اصنام (بت) ہیں، ان میں روحیں نہیں ہیں اور نہ وہ سنتے اور دیکھتے ہیں، یعنی وہ جمادات ہیں سو تم کیسے ان کی عبادت کرتے ہو جبکہ تم زندہ ہونے کی بناء پر ان سے افضل ہو۔ وما یشعرون اس کا معنی یہ ہے کہ یہ بت نہیں جانتے کہ ان کو کب اٹھایا جائے گا، ان کو آدمیوں کے صیغے سے تعبیر فرمایا ہے کیونکہ کافروں کا یہ عقیدہ تھا کہ یہ عقل اور علم رکھتے ہیں اور اللہ کے پاس ان کی شفاعت کریں گے تو ان کے عقیدہ کے اعتبار سے ان سے خطاب فرمایا۔ اور ایک تفسیر یہ ہے کہ قیامت کے دن ان بتوں کو اٹھایا جائے گا، اور ان کی روحیں ہوں گی اور وہ کافروں کی عبادت سے بیزاری کا اظہار کریں گے اور دنیا میں یہ بت جماد ہیں، یہ نہیں جانتے کہ ان کو کب اٹھایا جائے گا۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۰ ص ۸۶-۸۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی دمشقی متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ یہ اصنام (بت) جن کی کفار اللہ کے سوا عبادت کرتے ہیں کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے اور وہ خود پیدا کیے گئے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ۔ (الصّٰفّٰت: ۹۵) کیا تم ان بتوں کی عبادت کرتے ہو جن کو تم خود تراشتے ہو۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۶۲۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۹ھ)

شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے یہ بیان شروع کیا کہ اصنام کسی بھی چیز کو پیدا کرنے سے عاجز ہیں تو وہ عبادت کے کس طرح مستحق ہو سکتے ہیں۔ اموات غیر احیاء: یعنی یہ اصنام مُردہ اجسام ہیں اور وما یشعرون ایان یبعثون کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ان بے جان بتوں کو یہ پتا نہیں ہے کہ جو کفار ان کی عبادت کرتے ہیں ان کو کب اٹھایا جائے گا۔

(فتح القدیر ج ۳ ص ۲۱۶-۲۱۵، مطبوعہ دار الوفاء بیروت، ۱۴۱۸ھ)

اس تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ تمام معتمد اور قدیم مفسرین نے والذین یدعون من دون اللہ کا مصداق بتوں کو قرار دیا ہے اور سید ابو الاعلیٰ مودودی نے جو اس کا مصداق انبیاء، اولیاء، شہداء اور صالحین کو قرار دیا ہے یہ ان کی منفرد رائے ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ خوارج بدترین مخلوق ہیں، جو آیات کافروں کے متعلق نازل ہوتی ہیں وہ ان کو مومنین پر چسپاں کرتے ہیں۔ (صحیح بخاری کتاب استتابۃ المرتدین باب (۶) قتل الخوارج)

اور سید ابو الاعلیٰ مودودی نے جو آیت بتوں کے متعلق نازل ہوئی ہے اس کو انبیاء، اولیاء، شہداء اور صالحین پر منطبق کیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ○

والذین یدعون من دون اللہ سے انبیاء اور اولیاء مراد لینے کے شبہات اور ان کے جوابات

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے لکھا ہے کہ لکڑی اور پتھر کی مورتیوں کے معاملہ میں بعث بعد الموت کا کوئی سوال نہیں ہے۔ ہم متعدد مفسرین کے حوالوں سے لکھ چکے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ بتوں کو قیامت کے دن اٹھایا جائے گا، ان میں روح ڈالی جائے گی اور وہ ان کافروں سے بیزاری کا اظہار کریں گے جو ان کی عبادت کرتے تھے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر سید مودودی کی تفسیر پر بہرحال مقدم ہے، نیز انہوں نے لکھا ہے کہ وما یشعرون ایان یبعثون کے الفاظ انہیں بھی خارج از بحث کر دیتے ہیں، سید ابوالاعلیٰ مودودی کی یہ دلیل بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ مفسرین نے اس کی دو تفسیریں کی ہیں: ایک یہ ہے کہ وما یشعرون کی ضمیر بتوں کی طرف لوٹتی ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: بتوں کے لیے ذوی العقول کا صیغہ استعمال فرمایا ہے کیونکہ کفار ان کے لیے علم، عقل اور شفاعت کرنے کا عقیدہ رکھتے تھے اور معنی یہ ہے کہ بتوں کو شعور نہیں ہے کہ ان کو کب اٹھایا جائے گا، اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ وما یشعرون کی ضمیر بتوں کی طرف لوٹتی ہے اور یبعثون کی ضمیر کفار کی طرف لوٹتی ہے اور معنی یہ ہے کہ یہ بت نہیں جانتے کہ کافروں کو کب اٹھایا جائے گا اس لیے یہ الفاظ خارج از بحث نہیں ہیں۔

نیز مودودی صاحب نے لکھا ہے کہ عرب کے متعدد قبائل ربیعہ، کلب، تغلب وغیرہ میں کثرت سے عیسائی اور یہودی پائے جاتے تھے، اور یہ دونوں مذاہب بری طرح انبیاء، اولیاء اور شہداء کی پرستش سے آلودہ تھے۔ یہ استدلال بھی باطل ہے کیونکہ جن قبائل کا مودودی صاحب نے ذکر کیا ہے یہ مدینہ اور اس کے مضافات میں تھے اور سورۃ النحل مکی ہے اور اس میں مکہ کے مشرکین سے خطاب ہے، یہود و نصاریٰ کی اعتقادی خرابیوں پر مدنی سورتوں میں خطاب کیا گیا ہے۔

نیز مودودی صاحب نے لکھا ہے کہ پھر مشرکین عرب کے اکثر نہیں تو بہت سے معبود وہ گزرے ہوئے انسان ہی تھے جنہیں بعد کی نسلوں نے خدا بنا لیا تھا۔ بخاری میں ابن عباس کی روایت ہے کہ ود، سواع، یغوث، یعوق، نسر یہ سب صالحین کے نام ہیں جنہیں بعد کے لوگ بت بنا بیٹھے۔ یہ استدلال بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ مشرکین نے صالحین کی فرضی صورتیں اور مورتیاں بنالی تھیں، وہ ان صالحین کی پرستش اور عبادت نہیں کرتے تھے بلکہ ان فرضی صورتوں اور مورتیوں کی عبادت کرتے تھے اور ان فرضی صورتوں اور بتوں کا ان نیک بندوں سے کوئی تعلق نہ تھا، اللہ تعالیٰ نے حضرت ہود علیہ السلام کا یہ قول نقل فرمایا ہے:

اَتُجَادِلُوْنَنِیْ فِیْۤ اَسْمَآءٍ سَمَّیْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ (الاعراف: ۷۱)

کیا تم مجھ سے ان ناموں کے متعلق جھگڑتے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں اللہ نے ان کے بارے میں کوئی دلیل نازل نہیں کی۔

اللات، العزیٰ اور المنات کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنْ هِیَ اِلَّاۤ اَسْمَآءٌ سَمَّیْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ مَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ۚ (النجم: ۲۳)

یہ صرف نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں، اللہ نے ان کے متعلق کوئی دلیل نازل نہیں کی وہ صرف گمان کی اور اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کرتے ہیں۔

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

کفار نے جن اصنام کا نام خدا رکھا ہے یہ محض اسماء ہیں' ان کا کوئی مسمّیٰ نہیں ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ما تعبدون من دونہ الا اسماء ۔ (یوسف: ۴۰) تم اللہ کے سوا جن کی پرستش کرتے ہو وہ صرف اسماء ہیں۔

(روح المعانی جز ۲۷ ص ۸۸' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اس لیے مودودی صاحب کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ وہ صالحین کی عبادت کرتے تھے بلکہ وہ خالی ناموں کی عبادت کرتے تھے جن کا کوئی نام والا نہ تھا۔

مشرکین صالحین کی عبادت کرتے تھے' اس پر مزید استدلال کرتے ہوئے سید مودودی صاحب اس سیاق میں لکھتے ہیں کہ یہ سب صالحین کے نام ہیں جنہیں بعد کے لوگ بُت بنا بیٹھے' وہ لکھتے ہیں کہ حضرت عائشہ کی روایت ہے کہ اساف اور نائلہ دونوں انسان تھے۔

حیرت ہے کہ سید مودودی نے بُتوں کو صالحین قرار دینے کے وفور شوق میں اساف اور نائلہ کا بھی ذکر کر دیا حالانکہ یہ صالح انسان نہ تھے بلکہ بدکار انسان تھے' اساف اور نائلہ کا ذکر صحیح مسلم کی حدیث: ۱۲۷۷ میں ہے' اس کی شرح میں قاضی عیاض بن موسیٰ اندلسی متوفی ۵۴۴ھ اور ان کے حوالے سے دیگر شارحین اساف اور نائلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

مرد کا نام اساف بن نقاد تھا اور عورت کا نام نائلہ بنت ذئب تھا' ان دونوں کا تعلق قبیلہ جرہم سے تھا' ان دونوں نے کعبہ کے اندر زنا کیا' اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو مسخ کر کے پتھر بنا دیا اور ان دونوں پتھروں کو کعبہ میں نصب کر دیا گیا' ایک قول یہ ہے کہ ان کو صفا اور مروہ پر نصب کر دیا گیا تاکہ لوگ عبرت پکڑیں اور نصیحت حاصل کریں' پھر قصی نے ان کو وہاں سے نکالا اور ایک پتھر کو کعبہ میں نصب کیا اور ایک کو زمزم کے پاس' ایک قول ہے کہ دونوں کو زمزم کے پاس نصب کیا' اور ان پتھروں کے پاس قربانی کرنے اور ان کی عبادت کا حکم دیا' جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کیا تو ان پتھروں کو توڑ ڈالا۔

(اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۴ ص ۳۵۳' المفہم ج ۳ ص ۳۸۵' ۱۳' المسلم مع شرح النواوی ج ۵ ص ۳۳۷۹' ۴' اکمال اکمال المعلم ج ۴ ص ۳۳۸)

ان دلائل سے معلوم ہو گیا کہ مشرکین مکہ انبیاء' اولیاء' شہداء اور صالحین کی عبادت نہیں کرتے تھے' وہ صرف ان ناموں کی عبادت کرتے تھے جن کی انہوں نے فرضی مورتیاں بنا رکھی تھیں اور ناموں کا کوئی مسمّیٰ نہیں تھا اور وہ ان بدکار انسانوں کی عبادت کرتے تھے جن کو مسخ کر کے اللہ تعالیٰ نے پتھر بنا دیا تھا۔

انبیاء' اولیاء' شہداء اور صالحین کی حیات کا ثبوت

سید مودودی لکھتے ہیں: اب لامحالہ اس آیت میں الذین یدعون من دون اللہ سے مراد وہ انبیاء' اولیاء' شہداء' صالحین اور دوسرے غیر معمولی انسان ہی ہیں جن کو غالی معتقدین داتا' مشکل کشا' فریاد رس' غریب نواز' گنج بخش اور نہ معلوم کیا کیا قرار دے کر اپنی حاجت روائی کے لیے پکارنا شروع کر دیتے ہیں۔

سید مودودی صاحب کا شہداء کو اموات غیر احیاء میں شامل کرنا صراحتاً قرآن عظیم کے خلاف ہے' اللہ تعالیٰ شہداء کے متعلق فرماتا ہے:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝ (البقرہ: ۱۵۴)

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے جاتے ہیں ان کو مُردہ مت کہو' بلکہ وہ زندہ ہیں مگر تم شعور نہیں رکھتے۔

نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ (آل عمران: ۱۶۹)

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے ان کو مُردہ گمان (بھی) مت کرو بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں اور ان کو رزق دیا جاتا ہے۔

اور انبیاء علیہم السلام بھی اپنی قبروں میں زندہ ہیں کیونکہ جن کی صرف موت فی سبیل اللہ ہے جب وہ زندہ ہیں تو جن کی موت اور حیات دونوں فی سبیل اللہ ہے تو وہ تو بطریق اولیٰ زندہ ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔ (الانعام: ۱۶۲)

آپ کہیے کہ میری نماز اور میرا حج و قربانی، اور میری زندگی اور موت سب اللہ ہی کے لیے ہے۔

اور خصوصیت کے ساتھ قبر میں انبیاء علیہم السلام کی حیات پر یہ حدیث دلیل ہے:

اوس بن اوس بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے دنوں میں سب سے افضل جمعہ کا دن ہے، اسی دن حضرت آدم کو پیدا کیا گیا، اسی دن ان کی روح قبض کی گئی، اسی دن صور پھونکا جائے گا، اسی دن لوگ بے ہوش ہوں گے، تم اس دن مجھ پر بکثرت درود پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ نے کہا: آپ پر ہمارا درود کیسے پیش کیا جائے گا، حالانکہ آپ کا جسم بوسیدہ ہو چکا ہو گا! آپ نے فرمایا: اللہ عزوجل نے زمین پر انبیاء کے جسم کو کھانا حرام فرما دیا ہے۔ (سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۰۴۷، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۳۷۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۰۸۵، ۱۶۳۶)

حافظ ابن کثیر شافعی اور مفتی محمد شفیع دیوبندی نے انبیاء علیہم السلام کی حیات کی تصریح کی ہے۔

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں عاصیوں اور گناہ گاروں کو یہ ہدایت دی ہے کہ جب ان سے خطا اور گناہ ہو جائے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور آپ کے پاس آکر استغفار کریں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ درخواست کریں کہ آپ بھی ان کے لیے اللہ سے درخواست کریں اور جب وہ ایسا کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وہ ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا اور بہت مہربان پائیں گے۔ مفسرین کی ایک جماعت نے ذکر کیا ہے کہ ان میں الشیخ ابو منصور الصباغ بھی ہیں، انہوں نے اپنی کتاب الشامل میں عتبی کی یہ مشہور حکایت لکھی ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر بیٹھا ہوا تھا کہ ایک اعرابی نے آکر کہا: السلام علیک یا رسول اللہ۔ میں نے اللہ عزوجل کا یہ ارشاد سنا ہے: ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاء وك۔ الآیہ۔ اور میں آپ کے پاس آگیا ہوں اور اپنے گناہ پر اللہ سے استغفار کرتا ہوں اور اپنے رب کی بارگاہ میں آپ سے شفاعت طلب کرنے والا ہوں، پھر اس نے دو شعر پڑھے:

اے وہ جو زمین کے مدفونین میں سب سے بہتر ہیں
جن کی خوشبو سے زمین اور ٹیلے خوشبودار ہو گئے
میری جان اس قبر پر فدا ہو جس میں آپ ساکن ہیں
اسی میں عفو ہے اس میں سخاوت ہے اور لطف و کرم ہے

پھر وہ اعرابی چلا گیا، عتبی بیان کرتے ہیں کہ مجھ پر نیند غالب آگئی، میں نے خواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور آپ نے فرمایا: اے عتبی! اس اعرابی کے پاس جا کر اس کو خوشخبری دو کہ اللہ نے اس کی مغفرت کر دی

ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۸۹، الجامع لاحکام القرآن ج ۵ ص ۲۶۵، البحر المحیط ج ۳ ص ۶۹۴، مدارک التنزیل علی ہامش الخازن ج ۱ ص ۳۹۹)

مفتی محمد شفیع متوفی ۱۳۹۶ھ لکھتے ہیں:

یہ آیت اگرچہ خاص واقعہ منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن اس کے الفاظ سے ایک عام ضابطہ نکل آیا کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جائے اور آپ اس کے لیے دعاء مغفرت کر دیں اس کی مغفرت ضرور ہو جائے گی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری جیسے آپ کی دنیاوی حیات کے زمانہ میں ہو سکتی تھی اسی طرح آج بھی روضۂ اقدس پر حاضری اسی حکم میں ہے، اس کے بعد مفتی صاحب نے بھی عتبی کی مذکور الصدر حکایت بیان کی۔ (معارف القرآن ج ۲ ص ۴۶۰-۴۵۹، مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی)

ان آیات، احادیث اور ایسے علماء کی تصریحات سے، جن کی ثقاہت سید مودودی کے نزدیک بھی مسلم ہے، یہ ثابت ہو گیا کہ انبیاء علیہم السلام اور شہداء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں، اور رہے اولیاء کرام اور صالحین سو وہ بھی اپنی قبروں میں برزخی حیات کے ساتھ زندہ ہوتے ہیں اور اسی وجہ سے ان کو قبروں میں ثواب ہوتا ہے بلکہ برزخی حیات کے ساتھ تو کفار بھی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور اسی وجہ سے ان کو قبروں میں عذاب ہوتا ہے، اگر برزخی حیات نہ مانی جائے تو عذابِ قبر اور ثوابِ قبر کا کوئی معنی ہی نہیں ہے، اس تفصیل سے واضح ہو گیا کہ انبیاء، شہداء، اولیاء اور صالحین کو اموات غیر احیاء کا مصداق قرار دینا باطل ہے، اموات غیر احیاء کا مصداق صرف بت ہیں جن میں حیات کی کوئی رمق نہیں ہے۔

غوث اعظم اور غوث الثقلین ایسے القاب کا ثبوت

سید مودودی نے اپنے زعم میں الذین یدعون من دون اللہ کا مصداق انبیاء، اولیاء، شہداء اور صالحین کو ثابت کر کے لکھا ہے کہ جن کو غالی معتقدین داتا، مشکل کشا، فریادرس، غریب نواز، گنج بخش اور نہ معلوم کیا کیا قرار دے کر اپنی حاجت روائی کے لیے پکارنا شروع کر دیتے ہیں۔

گویا کسی صالح انسان کو داتا، مشکل کشا اور فریادرس وغیرہ کہنا اس آیت کی رو سے ممنوع اور ناجائز ہے، ہم ان القاب میں سے صرف فریادرس کے متعلق گفتگو کر رہے اور فریادرس کو عربی میں غوث کہتے ہیں اور سید مودودی کے مسلم بزرگوں نے حضرت عبد القادر جیلانی قدس سرہ کو غوث اعظم اور غوث الثقلین کہا ہے۔

شیخ اسماعیل دہلوی متوفی ۱۲۴۶ھ لکھتے ہیں:

بے سمجھ طالب جب معرفت ذات کے مقام پر پہنچتے ہیں اور سلوک متعارف کو ختم کر لیتے ہیں تو جانتے ہیں کہ ہم بھی حضرت غوث اعظم اور حضرت خواجہ بزرگ نائب رسول اللہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اور حضرت قطب الاقطاب حضرت خواجہ بختیار کاکی اور پیشوائے شریعت و طریقت، حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند اور حضرت امام ربانی قیوم زمانی حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی وغیرہم قدس اللہ اسرارہم اجمعین جیسے بڑے اولیاء اللہ کے ہم پایہ اور ہم مقام ہو گئے۔

(صراط مستقیم (فارسی) ص ۱۳۲، صراط مستقیم (اردو) ص ۲۲۵)

اس عبارت میں حضرت شیخ عبد القادر جیلانی کو غوث اعظم کہا ہے۔

نیز شیخ اسماعیل دہلوی، سید احمد بریلوی کی روحانی تربیت کے متعلق لکھتے ہیں:

جناب حضرت غوث الثقلین اور جناب حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند کی روح مقدس آپ کے متوجہ حال ہوئیں اور قریباً عرصہ ایک ماہ تک آپ کے حق میں ہر دو روح مقدس کے مابین فی الجملہ تنازع رہا کیونکہ ہر ایک ان دونوں عالی مقام

اماموں میں سے اس امر کا تقاضا کرتا تھا کہ آپ کو بتمامہ اپنی طرف جذب کرلے تا آنکہ تنازع کا زمانہ گزرنے اور شرکت پر صلح کے واقع ہونے کے بعد ایک دن ہر دو مقدس روحیں آپ پر جلوہ گر ہوئیں اور تقریباً ایک پہر کے عرصہ تک وہ دونوں امام آپ کے نفس نفیس پر توجہ قوی اور پُر زور اثر ڈالتے رہے، پس اسی ایک پہر میں ہر دو طریقہ کی نسبت آپ کو نصیب ہوئی۔

(صراط مستقیم (اردو) ص ۲۸۳، مطبوعہ لاہور، صراط مستقیم (فارسی) ص ۱۶۶، طبع ۱۱۰، در)

ان عبارات میں حضرت عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کو غوث اعظم اور غوث الثقلین کہا ہے یعنی سب سے بڑے فریاد رس اور جن وانس کے فریاد رس، نیز دوسرے اقتباس سے یہ ظاہر ہو گیا کہ حضرت غوث اعظم اور خواجہ بہاء الدین جو اولیاء اور صالحین امت میں سے ہیں نہ صرف زندہ ہیں بلکہ وہ مسلمانوں کی تطہیر، تزکیہ اور ان کی تربیت بھی کرتے ہیں، چنانچہ انہوں نے سید احمد بریلوی پر اپنی توجہ ڈالی اور ان کو اپنی نسبت سے مشرف فرمایا، اور یہ سب امور سید ابوالاعلیٰ مودودی کے خلاف ہیں، ہم نے لکھا تھا کہ یہ لکھنے والے سید مودودی کے مسلم بزرگ ہیں، سو ملاحظہ فرمائیں۔

شاہ عبدالعزیز اور شیخ اسماعیل دہلوی کا سید مودودی کے نزدیک حجت ہونا

سید ابوالاعلیٰ مودودی، شیخ اسماعیل دہلوی اور سید احمد بریلوی کے متعلق لکھتے ہیں:

یہی وجہ ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب کی وفات پر پوری نصف صدی بھی نہ گزری تھی کہ ہندوستان میں ایک تحریک اٹھ کھڑی ہوئی جس کا نصب العین وہی تھا جو شاہ صاحب نگاہوں کے سامنے روشن کر کے رکھ گئے تھے۔ سید صاحب کے خطوط اور ملفوظات اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی منصب امامت، عبقات، تقویۃ الایمان اور دوسری تحریریں دیکھئے، دونوں جگہ وہی شاہ ولی اللہ صاحب کی زبان بولتی نظر آتی ہے۔ شاہ صاحب نے عملاً جو کچھ کیا وہ یہ تھا کہ حدیث اور قرآن کی تعلیم اور اپنی شخصیت کی تاثیر سے صحیح الخیال اور صالح لوگوں کی ایک کثیر تعداد پیدا کر دی، پھر ان کے چاروں صاحبزادوں نے، خصوصاً شاہ عبدالعزیز صاحب نے اس حلقہ کو بہت زیادہ وسیع کیا، یہاں تک کہ ہزارہا ایسے آدمی ہندوستان کے گوشے گوشے میں پھیل گئے جن کے اندر شاہ صاحب کے خیالات نفوذ کیے ہوئے تھے، جن کے دماغوں میں اسلام کی صحیح تصویر آچکی تھی اور جو اپنے علم و فضل اور اپنی عمدہ سیرت کی وجہ سے عام لوگوں میں شاہ صاحب اور ان کے حلقے کا اثر قائم ہونے کا ذریعہ بن گئے تھے۔ اس چیز نے اس تحریک کے لیے گویا زمین تیار کر دی جو بالآخر شاہ صاحب ہی کے حلقے سے، بلکہ یوں کہئے کہ ان کے گھر سے اٹھنے والی تھی۔

(تجدید واحیاء دین ص ۱۲۵۔ ۱۲۴، مطبوعہ لاہور، ۱۹۵۵ء)

بہرحال سید ابوالاعلیٰ مودودی کے مسلم بزرگ شاہ اسماعیل کی تحریر سے ثابت ہو گیا کہ اولیاء اللہ زندہ ہوتے ہیں اور اس جہان میں تصرف بھی کرتے ہیں جیسا کہ حضرت غوث اعظم اور خواجہ بہاء الدین رحمہما اللہ نے سید احمد بریلوی پر تصرف فرمایا اور ان کو اپنی نسبتوں سے نوازا۔

انبیاء علیہم السلام سے حاجت روائی

اس بحث کو مکمل کرنے سے پہلے ہم چاہتے ہیں کہ یہ بھی واضح کر دیں کہ سید مودودی نے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء

لہ سید صاحب ۱۲۰۱ھ / ۱۷۸۶ء میں پیدا ہوئے اور ۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۱ء میں شہادت پائی۔ شاہ اسماعیل صاحب ۱۱۹۳ھ / ۱۷۷۹ء میں پیدا ہوئے، ۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۱ء میں شہادت پائی۔ انقلابی تحریک کی چنگاری سید صاحب کے دل میں غالباً ۱۸۱۰ء کے لگ بھگ زمانے ہی میں بھڑک اٹھی تھی۔ (حاشیہ تجدید واحیاء دین ص ۱۲۴۔ ۱۲۵، مطبوعہ لاہور، ۱۹۵۵ء)

کرام سے حاجت روائی کو اس آیت کے تحت کافروں کا فعل قرار دیا ہے، ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ حضرت عمر اور حضرت عثمان کے دور خلافت میں صحابہ اور تابعین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاجت روائی کی ہے لہٰذا انبیاء علیہم السلام سے حاجت روائی کرنا صحابہ اور تابعین کی سُنّت اور ان کی اقتداء ہے، کافروں اور مشرکوں کا فعل نہیں ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں صحابہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کی درخواست کرنا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک سال قحط پڑ گیا تو حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ پر حاضر ہوئے اور عرض کیا: اپنی امت کے لیے بارش کی دعا کیجئے۔

حافظ ابن ابی شیبہ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

مالک الدار، جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وزیر خوراک تھے، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں (ایک بار) لوگوں پر قحط آ گیا، ایک شخص (حضرت بلال بن حارث مزنی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر گیا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! اپنی امت کے لیے بارش کی دعا کیجئے کیونکہ وہ (قحط سے) ہلاک ہو رہے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کے خواب میں تشریف لائے اور فرمایا: عمر کے پاس جاؤ، ان کو سلام کہو اور یہ خبر دو کہ تم پر یقیناً بارش ہوگی، اور ان سے کہو تم پر سوجھ بوجھ لازم ہے، تم پر سوجھ بوجھ لازم ہے، پھر وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان کو یہ خبر دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رونے لگے اور کہا: اے اللہ! میں صرف اسی چیز کو ترک کرتا ہوں جس سے میں عاجز ہوں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۲ ص ۳۲، البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۱۶۷، الکامل فی التاریخ ج ۲ ص ۳۹۰-۳۸۹)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۴۹۶-۴۹۵، طبع لاہور)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں صحابہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کی درخواست کرنا

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص اپنے کسی کام سے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس جاتا تھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے، اور نہ اس کے کام کی طرف دھیان دیتے تھے۔ ایک دن اس شخص کی حضرت عثمان بن حنیف سے ملاقات ہوئی، اس نے حضرت عثمان بن حنیف سے اس بات کی شکایت کی۔ حضرت عثمان نے اس سے کہا: تم وضو خانہ جا کر وضو کرو، پھر مسجد میں جاؤ، وہاں دو رکعت نماز پڑھو، پھر یہ کہو اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور ہمارے نبی، نبی رحمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں، اے محمد میں آپ کے واسطے سے آپ کے رب عزوجل کی طرف متوجہ ہوا ہوں تاکہ وہ میری حاجت روائی کرے اور اپنی حاجت کا ذکر کرنا پھر میرے پاس آنا حتیٰ کہ میں تمہارے ساتھ جاؤں۔ وہ شخص گیا اور اس نے حضرت عثمان بن حنیف کے بتائے ہوئے طریقہ پر عمل کیا، پھر وہ حضرت عثمان بن عفان کے پاس گیا۔ دربان نے ان کے لیے دروازہ کھولا اور ان کو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس لے گیا۔ حضرت عثمان نے اس کو اپنے ساتھ مسند پر بٹھایا اور پوچھا تمہارا کیا کام ہے؟ اس نے اپنا کام ذکر کیا، حضرت عثمان نے اس کا کام کر دیا اور فرمایا: تم نے اس سے پہلے اب تک اپنے کام کا ذکر نہیں کیا تھا اور فرمایا: جب بھی تمہیں کوئی کام ہو تو تم ہمارے پاس آ جانا، پھر وہ شخص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس سے چلا گیا اور جب اس کی حضرت عثمان بن حنیف سے ملاقات ہوئی تو اس نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میری طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے اور میرے معاملہ میں غور نہیں کرتے تھے، حتیٰ کہ آپ نے ان سے میری

سفارش کی۔ حضرت عثمان بن حنیف نے کہا: بخدا! میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کوئی بات نہیں کی، لیکن ایک مرتبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موجود تھا، آپ کے پاس ایک نابینا شخص آیا اور اس نے اپنی نابینائی کی آپ سے شکایت کی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم اس پر صبر کرو گے؟ اس نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے راستہ دکھانے والا کوئی نہیں ہے اور مجھے بڑی مشکل ہوتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: تم وضو خانے جاؤ اور وضو کرو، پھر دو رکعت نماز پڑھو، پھر ان کلمات سے دعا کرو۔ حضرت عثمان بن حنیف نے کہا: ابھی ہم الگ نہیں ہوئے تھے اور نہ ابھی زیادہ باتیں ہوئی تھیں کہ وہ نابینا شخص آیا در آنحالیکہ اس میں بالکل نابینائی نہیں تھی۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

(المعجم الصغیر ج ا ص ۱۸۴۔ ۱۸۳، ۱۹۱۸۳ المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۸۳۱۱)

حافظ منذری، حافظ الہیثمی اور شیخ ابن تیمیہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

(الترغیب والترہیب ج ا ص ۴۷۶۔ ۴۷۴، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۷۹، فتاویٰ ابن تیمیہ ج ا ص ۱۹۵۔ ۱۹۴)

اولیاء اللہ سے حاجت روائی

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی متوفی ۱۲۳۹ھ بھی سید مودودی کے مسلم بزرگ اور حجت ہیں للہذا ہم اولیاء اللہ سے حاجت روائی کے جواز پر ان کی عبارت نقل کر رہے ہیں، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں:

از اولیاء مدفونین و دیگر صلحا مومنین انتفاع و استفادہ جاری است و آنہا را افادہ و اعانت نیز متصور بخلاف مردہ ہائے سوختہ کہ این چیزہا اصلاً نسبت بآنہا و راہل مذہب آنہا نیز واقع نیست۔

وصال پانے والے اولیاء اور دیگر صلحاء مومنین سے استفادہ اور استعانت جاری و ساری ہے اور ان اولیاء و صلحاء سے افادہ اور امداد بھی متصور ہے۔ بخلاف ان مُردوں کے جن کو جلا دیا جاتا ہے کیونکہ ان سے یہ امور ان کے مذہب میں بھی جائز نہیں ہیں۔ (تفسیر عزیزی پ ۳۰ ص ۵۰، مطبوعہ افغانستان)

نیز شاہ صاحب لکھتے ہیں:

و بعضے از خواص اولیاء اللہ را کہ آلہ جارحہ تکمیل و ارشاد بنی نوع خود گردانیدہ اند دریں حالت ہم تصرف در دنیا دادہ و استغراق آنہا بہ جہت کمال وسعت مدارک آنہا مانع توجہ بایں سمت نمے گردد و اویسیاں تحصیل کمالات باطنی از آنہا مے نمایند و ارباب حاجات و مطالب حل مشکلات خود از آنہا مے طلبند و مے یابند و زبان حال آنہا در آنوقت ہم مترنم بایں مقالات است۔ مصرعہ "من آیم بجاں گر تو آئی بہ تن"۔

(تفسیر عزیزی پ ۳۰ ص ۱۱۳، مطبوعہ افغانستان)

وہ خاص اولیاء اللہ جنہوں نے بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیے اپنے آپ کو وقف کیا ہوا ہے وفات کے بعد بھی دنیا میں تصرف کرنے کی طاقت پاتے ہیں اور ان کا امور اخروی میں مستغرق ہونا بسبب وسعت ادراک کے دنیا کی طرف توجہ کرنے سے مانع نہیں ہوتا۔ اویسی سلسلہ کے حضرات اپنے باطنی کمالات ان کی طرف منسوب کرتے ہیں اور حاجت مند ان سے حاجت طلب کرتے ہیں اور مراد پاتے ہیں اور ان کی زبانِ حال اس وقت یوں گویا ہوتی ہے کہ اگر تم بدن سے میری طرف بڑھو گے تو میں روح سے تمہاری طرف پیش قدمی کروں گا۔

سید مودودی کی تفسیر کے رد میں بحث طویل ہو گئی لیکن ہم یہ چاہتے تھے کہ اس بحث کا کوئی پہلو تشنہ نہ رہے اور یہ واضح ہو جائے کہ والذین یدعون من دون اللہ اور اموات غیر احیاء کا مصداق انبیاء علیہم السلام، اولیاء کرام اور شہداء اور صالحین نہیں، اس کا مصداق صرف بُت ہیں اور اس سلسلہ میں سید ابوالاعلیٰ مودودی کے تمام شبہات کا جواب ہو

جائے۔ انبیاء علیہم السلام کی تعظیم و تکریم اور ان کی حرمت جو میرے دل میں جاگزین ہے اس کے تقاضے سے میں نے یہ بحث لکھی ہے، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ واولیاء امتہ وعلماء ملتہ وشہداء دینہ والمسلمین اجمعین۔

إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۚ فَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ

تمہاری عبادت کا مستحق، واحد عبادت کا مستحق ہے، سو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے

قُلُوبُهُمْ مُنْكِرَةٌ وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ ﴿٢٢﴾ لَا جَرَمَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ

ان کے دل انکار کرنے والے ہیں اور وہ تکبر کرنے والے ہیں ○ یقیناً اللہ ان چیزوں کو جانتا ہے

مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِينَ ﴿٢٣﴾

جن کو وہ چھپاتے ہیں اور جن کو وہ ظاہر کرتے ہیں، بے شک وہ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ○

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ مَاذَا أَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٢٤﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا نازل کیا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ وہ تو پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں ○

لِيَحْمِلُوا أَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۙ وَمِنْ أَوْزَارِ الَّذِينَ

تاکہ یہ قیامت کے دن اپنے (گناہوں کے) مکمل بوجھ اٹھائیں اور ان لوگوں کے بوجھ بھی

يُضِلُّونَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ أَلَا سَاءَ مَا يَزِرُونَ ﴿٢٥﴾ قَدْ مَكَرَ الَّذِينَ

جن کو یہ بغیر علم کے گمراہ کر رہے ہیں، سنو! وہ کیسا برا بوجھ ہے جو یہ اٹھا رہے ہیں ○ بے شک ان سے پہلے لوگوں نے

مِنْ قَبْلِهِمْ فَأَتَى اللَّهُ بُنْيَانَهُمْ مِنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ

(بھی ایسی) سازشیں کی تھیں تو اللہ نے ان کی عمارت کو بنیادوں سے

السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَأَتَاهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٢٦﴾

اکھاڑ دیا سو ان کے اوپر سے ان پر چھت گر پڑی پھر ان پر وہاں سے عذاب آگیا جہاں سے انہیں گمان تک نہ تھا ○

ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُخْزِيهِمْ وَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَائِيَ الَّذِينَ كُنْتُمْ

پھر وہ ان کو قیامت کے دن (بھی) رسوا کرے گا اور فرمائے گا کہاں ہیں وہ میرے شرکاء جن کے متعلق تم

تُشَاقُّونَ فِيهِمْ ۚ قَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ إِنَّ الْخِزْيَ

جھگڑتے تھے، جن لوگوں کو علم دیا گیا تھا وہ کہیں گے آج ساری رسوائی

الْيَوْمَ وَالسُّوٓءَ عَلَى الْكٰفِرِينَ ﴿٢٧﴾ الَّذِينَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ

اور برائی کافروں پر ہے ○ (ان کا حال یہ ہے کہ) جب فرشتے ان کی روحیں قبض کرتے ہیں

ظَالِمِيٓ أَنْفُسِهِمْ ۖ فَأَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوٓءٍ ۚ بَلٰٓى إِنَّ

تو اس وقت وہ اپنی جانوں پر ظلم کر رہے ہوتے ہیں، اس وقت وہ اطاعت شعار بن جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم کوئی برائی نہیں کرتے تھے

اللّٰهَ عَلِيمٌ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٢٨﴾ فَادْخُلُوٓا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِينَ

کیوں نہیں! بے شک اللہ خوب جاننے والا ہے جو کچھ تم کیا کرتے تھے ○ سو اب تم دوزخ کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ، ہمیشہ

فِيهَا ۖ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ ﴿٢٩﴾ وَقِيلَ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا مَاذَآ

اس میں رہو گے، سو تکبر کرنے والوں کا کیسا برا ٹھکانا ہے ○ اور متقین سے کہا گیا کہ تمہارے

أَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۚ قَالُوا خَيْرًا ۗ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هٰذِهِ الدُّنْيَا

رب نے کیا نازل کیا ہے، انہوں نے کہا اچھا (کلام)، جن لوگوں نے اس دنیا میں نیک کام کیے

حَسَنَةٌ ۚ وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ ۚ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِينَ ﴿٣٠﴾ جَنّٰتُ

ان کے لیے اچھا اجر ہے، اور آخرت کا گھر سب سے اچھا ہے اور بے شک متقین کا گھر کیا ہی اچھا ہے ○ جن میں وہ

عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ لَهُمْ فِيهَا

داخل ہوں گے وہ دائمی جنتیں ہیں، ان کے نیچے سے دریا بہتے ہیں ان کے لیے اس میں وہ سب کچھ ہے

مَا يَشَآءُونَ ۚ كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِينَ ﴿٣١﴾ الَّذِينَ

جس کی وہ خواہش کریں گے، اللہ متقین کو اسی طرح جزا دیتا ہے ○ ان (متقین) کی

تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِينَ ۙ يَقُولُونَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا

جب فرشتے روحیں قبض کرتے ہیں تو اس وقت وہ پاکیزہ ہوتے ہیں فرشتے کہتے ہیں تم پر سلام ہو، تم جنت

الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۲﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ

میں داخل ہو جاؤ، ان کاموں کی وجہ سے جو تم کرتے تھے ○ وہ (کافر) اس کے سوا اور کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں کہ

الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ

ان کے پاس فرشتے آ جائیں یا آپ کے رب کا عذاب آ جائے، ان سے پہلے لوگوں نے بھی اسی طرح کیا تھا،

وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۳۳﴾ فَاَصَابَهُمْ

(اللہ نے ان پر (بالکل) ظلم نہیں کیا، وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے ○ سو ان کے کاموں کی برائیاں

سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۴﴾ ع

انہیں پہنچ گئیں اور ان کو اس عذاب نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے ○

ع ۹ / ۱۰

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تمہاری عبادت کا مستحق، واحد عبادت کا مستحق ہے، سو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان کے دل انکار کرنے والے ہیں اور وہ تکبر کرنے والے ہیں ○ یقیناً اللہ ان چیزوں کو جانتا ہے جن کو وہ چھپاتے ہیں اور جن کو وہ ظاہر کرتے ہیں، بے شک وہ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ○ (النحل: ۲۳-۲۲)

کفار مکہ کے شرک پر اصرار کا سبب

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے بتوں کی عبادت کا رد فرمایا، اور کافروں کے مذہب کا قوی دلائل سے رد فرمایا، اور اس آیت میں یہ بیان فرمایا ہے کہ کفار مکہ کس وجہ سے توحید کا انکار کرتے تھے اور شرک پر اصرار کرتے تھے اور اس وجہ کا خلاصہ یہ ہے کہ جو لوگ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ جب نیکیوں پر ثواب کے دلائل اور برائیوں پر عذاب کے دلائل سنتے ہیں تو وہ ثواب کے حصول میں رغبت کرتے ہیں اور دائمی عذاب سے ڈرتے ہیں، اور وہ ان دلائل کو سن کر ان میں غور و فکر کرتے ہیں، اور ان دلائل سے نفع حاصل کرتے ہیں اور باطل سے حق کی طرف رجوع کرتے ہیں اور جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور آخرت کا انکار کرتے ہیں وہ نہ دائمی عذاب کی وعید سے ڈرتے ہیں اور نہ حصول ثواب کی توقع کرتے ہیں، وہ ہر اس دلیل اور نصیحت کا انکار کرتے ہیں جو ان کے قول کے مخالف ہو اور دوسرے شخص کے قول کو ماننے اور قبول کرنے سے تکبر کرتے ہیں، سو وہ اپنی جہالت اور گمراہی کی وجہ سے اپنے قول پر ڈٹے رہتے ہیں۔

تکبر کی مذمت کے متعلق احادیث

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کا شرک پر اصرار کرنا اور اپنے باطل مذہب پر ڈٹے رہنا اس وجہ سے نہ تھا کہ اسلام کے خلاف ان کے کچھ شبہات اور اشکالات تھے بلکہ وہ محض باپ دادا کی تقلید کی وجہ سے اور حق کو قبول کرنے سے تکبر کی وجہ سے تھا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا، تکبر کی مذمت میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبر ہو وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا، ایک شخص نے کہا ایک انسان یہ چاہتا ہے کہ اس کے کپڑے

خوبصورت ہوں اس کی جوتی خوبصورت ہو، آپ نے فرمایا اللہ جمیل ہے اور جمال سے محبت کرتا ہے، تکبر حق کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۹۱، سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۰۹۱، سنن الترمذی رقم الحدیث:۱۹۹۹–۱۹۹۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۴۱۷۳، ج۱ص ۴۱۲، صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۲۲۴، المستدرک ج۱ص ۲۶)

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن تکبر کرنے والوں کو چیونٹیوں کی صورت میں اٹھایا جائے گا، ان کو ہر طرف سے ذلت اور رسوائی گھیرلے گی، ان کو دوزخ کے قید خانہ کی طرف ہانک کرلے جایا جائے گا، جس کا نام بولس ہے، جس میں ہر طرف اور اوپر تلے آگ ہوگی، ان کو دوزخیوں کے جسموں سے نکلی ہوئی پیپ اور خون کا آمیزہ پلایا جائے گا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۴۹۲، مسند الحمیدی رقم الحدیث:۵۹۸، مصنف ابن ابی شیبہ ج۹ص ۹۰، مسند احمد ج۲ص ۱۷۹، الادب المفرد رقم الحدیث:۵۵۷، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۸۸۰۰)

متکبرین کی مغفرت نہ ہونے کی احادیث کی توجیہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تکبر کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا، اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ تکبر زیادہ سے زیادہ گناہ کبیرہ ہے اور مرتکب کبائر کی تو بخشش ہوجائے گی، علامہ خطابی نے اس کا جواب دیا ہے کہ جس شخص کا خاتمہ ایمان لانے سے تکبر پر ہوا وہ جنت میں بالکل داخل نہیں ہوگا اور دوسرا جواب یہ ہے کہ وہ تکبر کے ساتھ جنت میں نہیں داخل نہیں ہوگا بلکہ جنت میں دخول سے پہلے اللہ تعالیٰ اس کے سینے سے تکبر نکال لے گا جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

وَنَزَعۡنَا مَا فِیۡ صُدُوۡرِهِمۡ مِّنۡ غِلٍّ۔ (الاعراف: ۴۳)

اور ہم ان کے سینوں میں سے جو کچھ بھی کھوٹ ہے اس کو نکال لیں گے۔

لیکن یہ دونوں جواب بعید ہیں، پہلا جواب اس لیے بعید ہے کہ حدیث میں تکبر کا معروف معنی مراد ہے یعنی حق بات کو قبول نہ کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا، اس لیے حدیث کا صحیح محمل یہ ہے کہ وہ تکبر کی سزا پائے بغیر پہلی مرتبہ یا ابتداءً جنت میں داخل نہیں ہوگا، دوسرا صحیح جواب یہ ہے کہ اگر اس کو سزا دی گئی تو وہ اس سزا کا مستحق ہے، اور کبھی ایسا بھی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کرم فرما کر اس کو سزا نہیں دے گا، اس نے اپنے کرم سے وعدہ فرمالیا ہے کہ وہ موحدین کو جنت میں داخل فرمائے گا خواہ ابتداءً خواہ بعض ان مرتکبین کو سزا دینے کے بعد جو اس حال میں مرے کہ وہ اپنے کبیرہ گناہوں پر اصرار کررہے تھے، اس کا ایک اور جواب یہ ہے کہ وہ پہلی بار متقین کے ساتھ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ ایک اور صحیح جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہے کہ جس کے دل میں رائی کے برابر بھی ایمان ہو وہ دوزخ میں داخل نہیں ہوگا اس سے مراد یہ ہے کہ وہ کفار کی طرح دوام اور خلود کے لیے دوزخ میں داخل نہیں ہوگا۔

امت مسلمہ کو مطلقاً عذاب نہ ہونے کی تحقیق

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری یہ امت، امت مرحومہ ہے، اس پر آخرت میں عذاب نہیں ہوگا، اس کا عذاب دنیا میں فتنوں، زلزلوں اور قتل کی صورت میں ہوگا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۲۷۸، المعجم الصغیر ج۱ص ۱۰، المستدرک ج۴ص ۴۴۴، حاکم نے کہا یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور ذہبی نے اس کی موافقت کی ہے، کنز العمال رقم الحدیث:۳۴۴۵۲، صحیح الجامع للالبانی رقم الحدیث:۱۳۹۶، الجامع الصغیر رقم الحدیث:۱۶۲۲)

حافظ سیوطی نے اس حدیث کے صحیح ہونے کی رمز (اشارہ) کی ہے۔

حافظ منذری متوفی ۶۵۶ھ اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

اس حدیث کی سند میں ایک راوی مسعودی ہے، اس کا نام عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود الہزلی الکوفی ہے، اس کی حدیث سے امام بخاری نے استدلال کیا ہے اور ایک سے زیادہ ائمہ حدیث نے اس پر کلام کیا ہے، عقیلی نے کہا ہے کہ آخر عمر میں اس کا حافظہ متغیر ہو گیا تھا اور اس کی حدیث میں اضطراب ہے، امام ابن حبان نے کہا اس کی احادیث خلط ملط ہیں اور ایک دوسرے سے ممتاز نہیں ہیں اس کی روایت ترک کرنے کی مستحق ہے۔

(مختصر سنن ابوداؤد ج ۶ ص ۱۵۵، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

علامہ عبدالرؤف مناوی شافعی متوفی ۱۰۰۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

آپ نے جو فرمایا ہے میری امت تو اس سے مراد آپ کی وہ امت ہے جو آپ کے دور اور آپ کے قرن میں موجود تھی، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد آپ کی امت اجابت ہو، یعنی سابقہ کتابوں میں اس امت پر خصوصی رحمت کا ذکر کیا گیا ہے، اور یہ جو فرمایا ہے کہ اس امت پر آخرت میں عذاب نہیں ہو گا، اس سے مراد یہ ہے کہ اس امت کے جن افراد کو عذاب دیا جائے گا ان کو درد محسوس نہیں ہو گا اور دوزخ کی جلن محسوس نہیں ہو گی کیونکہ جب ان کو دوزخ میں داخل کیا جائے گا تو ان پر موت طاری کر دی جائے گی، اور بعض لوگوں نے یہ جواب دیا ہے کہ اس کے عام اعضاء کو عذاب نہیں ہو گا کیونکہ اعضاء وضو کو عذاب نہیں دیا جائے گا مگر اس جواب میں بلاوجہ تکلف ہے۔

(فیض القدیر ج ۳ ص ۱۴۱۷، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

امت مسلمہ کو مطلقاً عذاب نہ ہونے کے متعلق حضرت مجدد الف ثانی کا نظریہ

حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ اس مسئلہ کے متعلق فرماتے ہیں:

فقیر کے نزدیک دوزخ کا عذاب خواہ موقت خواہ دائمی، کفر اور صفات کفر کے ساتھ مخصوص ہے چنانچہ اس کی تحقیق آگے آئے گی، اور وہ اہل کبائر کہ جن کے گناہ توبہ یا شفاعت یا صرف عفو و احسان کے ساتھ مغفرت میں نہیں آئے یا جن کبیرہ گناہوں کا کفارہ دنیا کے رنج اور تکلیفوں اور موت کی سکرات اور سختیوں کے ساتھ نہیں ہوا، امید ہے کہ ان کے عذاب میں بعض کو عذاب قبر کے ساتھ کفایت کریں گے۔ اور بعض کو قبر کی تکلیفوں کے علاوہ قیامت کی سختیوں اور ہول کے ساتھ کفایت کریں گے، اور ان کے گناہوں میں سے کوئی ایسا گناہ باقی نہ چھوڑیں گے جس کے لیے عذاب دوزخ کی ضرورت پڑے۔ آیت کریمہ:

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ۔ (پ ۷: ع ۱۵)	وہ لوگ جو ایمان لائے اور اپنے ایمان کو ظلم سے نہ ملایا ان کے لیے امن ہے۔

اس مضمون کی موید ہے کیونکہ ظلم سے مراد شرک ہے:

وَاللہ سبحانہ اعلم بحقائق الامور کلھا۔	اور تمام امور کی حقیقت اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

اگر کہیں کہ کفر کے سوا بعض اور برائیوں کی جزا بھی دوزخ کا عذاب ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ	جس نے کسی مومن کو عمداً قتل کیا اس کی جزا جہنم ہے اور

خَالِدًا فِيۡهَا۔ وہ اس میں ہمیشہ رہے گا۔

اور اخبار میں بھی آیا ہے کہ جو شخص ایک نماز فریضہ کو عمداً قضا کرے گا۔ اس کو ایک حقبہ دوزخ میں عذاب دیں گے۔ پس دوزخ کا عذاب صرف کفار کے ساتھ مخصوص نہ رہا۔

میں کہتا ہوں کہ قتل کا یہ عذاب اس شخص کے لیے ہے جو قتل کو حلال جانے' کیونکہ قتل کو حلال جاننے والا کافر ہے' جیسے کہ مفسرین نے ذکر کیا ہے۔ اور کفر کے سوا اور برائیاں جن کے لیے دوزخ کا عذاب آیا ہے۔ وہ بھی صفات کفر کی آمیزش سے خالی نہ ہوں گی۔ جیسے کہ اس برائی کو خفیف سمجھنا اور اس کے بجالانے کے وقت لاپروائی کرنا اور شریعت کے امر و نہی کو خوار سمجھنا وغیرہ وغیرہ۔

اور حدیث میں آیا ہے:

شفاعتی لاھل الکبائر من امتی۔ میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لیے ہوگی۔

اور دوسری جگہ فرمایا ہے کہ:

امتی امة مرحومة لا عذاب لها فی الاخرة۔ میری امت' امت مرحومہ ہے۔ اس کو عذاب آخرت نہ ہوگا۔

اور آیت کریمہ الذین امنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلم اولئک لھم الامن اسی مضمون کی موید ہے' جیسے کہ مذکور ہوا۔ اور مشرکوں کے اطفال اور شاہقان جبل اور پیغمبروں کے زمانہ فترت کے مشرکوں کا حال اس مکتوب میں جو فرزندی محمد سعید کے نام لکھا ہے مفصل ہو چکا ہے وہاں سے معلوم کر لیں۔

(اردو ترجمہ مکتوبات حصہ چہارم دفتر اول مکتوب: ۲۶۶' ج ۲ ص ۱۷۵۔ ۱۷۴' مطبوعہ کراچی)

امت مسلمہ کو مطلقاً عذاب نہ ہونے کے متعلق اعلیٰ حضرت کے والد کا نظریہ

مولانا نقی علی خاں متوفی ۱۲۹۷ھ لکھتے ہیں:

مسئلہ (۱۲)۔ نظر بدلیل سابق یہ دعاء کہ خدایا سب مسلمانوں کے سب گناہ بخش دے جائز نہیں۔ کہ جس طرح وہاں تکذیب آیات لازم آتی ہے اس دعاء سے ان احادیث کی تکذیب ہوتی ہے جن میں بعض مسلمانوں کا دوزخ میں جانا وارد ہوا۔ اور ان کا آحاد ہونا اس جرأت کا مجوز نہیں۔ اور قولہ عزوجل یستغفرون لمن فی الارض اور فاغفر للذین تابوا ای من الکفر فیعم المسلمین ان کے منافی اور اس دعاء کے جواز کے لیے کافی نہیں۔ کہ افعال سیاق ثبوت میں اجماعاً عموم پر دلالت نہیں کرتے۔ اور برتقدیر تسلیم اس جگہ خصوص مراد ہے۔ تا قواعد شرع سے خلاف لازم نہ آئے۔ ہاں اللھم اغفرلی ولجمیع المسلمین سے نیت تعمیم حقیقی جائز ہے۔ ھذا حاصل کلام القرافی ذکرہ فی شرح المنیة لابن امیر الحاج۔

(احسن الوعا لاداب الدعا ص ۱۰۱۔ ۱۰۰' مطبوعہ کراچی)

امت مسلمہ کو مطلقاً عذاب نہ ہونے کے متعلق اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کا نظریہ

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا متوفی ۱۳۴۰ھ اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

قال الرضاء۔ یہ دوسرا مسئلہ معرکۃ الآراء ہے۔ علامہ قرافی وغیرہ علماء تو عدم جواز کی طرف گئے۔ اور علامہ کرمانی نے

اس میں منازعت کی۔ جسے شرح منیہ میں رد کر دیا۔ پھر محقق حلبی نے اس بنا پر کہ مسلمانوں کے لیے خلف وعید بمعنی عطاو مغفرت جائز (بلکہ قطعاً واقع ہے) اور اس دعاء میں برادران دینی پر شفقت سمجھی جاتی ہے۔ اور جواز دعاء جواز مغفرت پر مبنی ہے۔ نہ وقوع پر۔ تو عدم وقوع مغفرت جمیع کی حدیثیں اس دعاء کے خلاف نہیں۔ اس کے جواز کی طرف میل کیا۔ علامہ زین نے بحرالرائق میں پھر علامہ محقق علائی نے درمختار میں ان کی تبعیت کی۔ مگر اس میں صریح خدشہ ہے کہ جواز صرف عقلی ہے نہ شرعی۔ کہ حدیث متواترۃ المعنی سے بعض مومنین کی تعذیب ثابت۔ اور نووی وابی ولقانی نے اس پر اجماع نقل کیا۔ اور جواز دعاء کے لیے صرف جواز عقلی باوجود استحالہ شرعی کافی ہونا مسلم نہیں۔ اس طرف محقق شامی نے ردالمحتار میں اشارہ فرمایا۔ رہا اظہار شفقت سے عذر میں کہتا ہوں وہ محل تکذیب نصوص میں قابل سماعت نہیں۔ فتامل۔ ثم اقول وباللہ التوفیق۔ یہاں تعمیمیں دو ہیں۔ ایک تعمیم مسلمین دوسری تعمیم ذنوب اگر داعی صرف تعمیم اول پر قناعت کرے مثلاً کہے۔ اللھم اغفرلی ولوالدی وللمؤمنین والمؤمنات یا اللھم اغفر لامۃ محمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم تو قطعاً جائز ہے۔ اور اس کا امام قرافی کو بھی انکار نہیں۔ اور اس کے فضل میں احادیث وارد اور اس کا جواز آیات سے مستفاد اور یہ طبقہ بطبقہ مسلمین میں بلا نکیر شائع اور اگر صرف تعمیم ثانی پر اکتفا کرے مثلاً اپنے لیے کہے الٰہی میرے سب گناہ چھوٹے بڑے ظاہر چھپے اگلے پچھلے معاف فرمایا کہے یا الٰہی میرے اور میرے والدین و مشائخ و احباب واصول و فروغ اور تمام اہل سنت کے لیے ایسی مغفرت کر جو اصلاً کسی گناہ کا نام نہ رکھے جب بھی قطعاً جائز، اور اس قسم کی دعاء بھی حدیث میں وارد اور مسلمین میں متوارث ان دونوں صورتوں کے جواز میں تو کسی کو کلام نہیں ہو سکتا کہ اس میں اصلاً کسی نص کی تکذیب نہیں۔ صورت ثانیہ میں تو ظاہر ہے کہ نصوص صرف اس قدر دال کہ بعض مسلمین معذب ہوں گے ممکن کہ وہ داعی اور اس کے والدین و مشائخ و احباب و جمع اہلسنت کے سوا اور لوگ ہوں۔ اسی طرح صورت اولیٰ میں کوئی حرج نہیں۔ کہ ہر مسلمان کے لیے فی الجملہ مغفرت اور بعض پر بعض ذنوب کی وجہ سے عذاب ہونے میں تنافی نہیں۔

اقول بعض نصوص سے نکال سکتے ہیں۔ کہ فی الجملہ مغفرت ہر مسلمان کے لیے ہوگی۔ احادیث صریحہ ناطق کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت سے ہر وہ شخص جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہے دوزخ سے نکال لیا جائے۔ تو ضرور ہے کہ یہ نکلنا قبل پوری سزا پالینے کے ہو۔ ورنہ شفاعت کا اثر کیا ہوا۔ اب رہی صورت ثالثہ یعنی داعی دونوں تعمیمیں کرے۔ مثلاً کہے۔ الٰہی سب مسلمانوں کے سب گناہ بخش دے۔

اقول اس کے پھر دو معنی محتمل ایک یہ کہ مغفرت بمعنی تجاوز فی الجملہ کے لیں تو حاصل یہ ہوگا کہ الٰہی کسی مسلمان کو اس کے گناہ کی پوری سزا نہ دے۔ اس کے جواز میں بھی کچھ کلام نہیں کہ مفاد نصوص مطلقاً تعذیب بعض عصاۃ ہے نہ استیفائے جزائے بعض ذنوب۔ بلکہ کریم کبھی استقصا نہیں فرماتا۔ الا تری الی قولہ تعالی عرف بعضہ واعرض عن بعض جب اکرم الخلق مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کبھی پورا مواخذہ نہیں فرمایا تو ان کا مولیٰ عزوجل تو اکرم الاکرمین ہے۔

دوسرے یہ کہ مغفرت تامہ کاملہ مراد لی جائے۔ یعنی ہر مسلمان کے ہر گناہ کی پوری مغفرت کر، کہ کسی مسلمان کے کسی گناہ پر اصلاً مواخذہ نہ کیا جائے یہ بے شک تکذیب نصوص کی طرف جائے گا۔ اور اسی کو امام قرافی ناجائز فرماتے ہیں اور بے شک یہی من حیث الدلیل راجح نظر آتا ہے اور اس طرح کی دعاء کسی آیت یا حدیث سے ثابت نہیں اور مسلمین کے حق میں خلف وعید کا جواز (جس سے خود حسب تصریح حلیہ و دیگر قائلان جواز عفو و مغفرت مراد اور وہ یقیناً اجماعاً جائز بلکہ واقع ہے) اس مسئلہ میں کیا مفید کہ بعض کے لیے اس کا عدم و وقوع عذاب تواتر و اجماع سے ثابت تو یہاں کلام حلیہ محل کلام

ہے۔اور مسئلہ ائمہ کیا مشائخ سے بھی منقول نہیں ہے کہ دوسروں کو مجال تخن نہ رہے پس احوط یہی ہے کہ اس صورت ثالثہ کے معنی ثانی سے احتراز کرے شاید مصنف علام قدس سرہ نے اسی لیے کلام امام قرانی پر اقتصار فرمایا۔ کہ رجحان واحتیاط اسی طرف ہے۔ واللہ تعالی اعلم ھذا ما ظھرلی فی النظر الحاضر فنامل لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا۔ (ذیل المدعاء لاحسن الوعاء ص ۱۰۵۔۱۰۱ مطبوعہ کراچی)

امت مسلمہ کو مطلقاً عذاب نہ ہونے کے متعلق مصنف کی تحقیق

بعض گنہگار، مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ کی وجہ سے بخش دے گا' اور بعض گنہگار مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ ان کے نابالغ بچوں، شہداء، صلحاء اور بعض خوش نصیبوں کو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی وجہ سے بخش دے گا' اور بعض کو محض اپنے فضل سے بخش دے گا' اور بعض کو کچھ سزا دینے کے بعد بخشے گا اور کچھ عرصہ کے بعد دوزخ سے نکال لے گا' جیسا کہ ان احادیث سے ظاہر ہے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل جنت، جنت میں داخل ہوں گے اور اہل دوزخ، دوزخ میں، پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا جس کے دل میں ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہے اس کو دوزخ سے نکال لو، پھر ان کو دوزخ سے اس حال میں نکالا جائے گا کہ وہ جل کر سیاہ ہو چکے ہوں گے، پھر ان کو حیاء یا نہر حیات میں ڈال دیا جائے گا، پھر وہ اس طرح نشوونما پانے لگیں گے جس طرح سیلاب کی مٹی میں دانہ بہت جلد بڑھنے لگتا ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ وہ زرد رنگ کا لپٹا ہوا نکلتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۲۲، صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۸۴، مسند احمد رقم الحدیث:۱۱۵۵۴)

امام بخاری اور امام مسلم حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث روایت کرتے ہیں اس کے آخر میں ہے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اگر تم میری اس بیان کردہ حدیث کی تصدیق نہیں کرتے تو قرآن کریم کی اس آیت کو پڑھو: (ترجمہ) "لاریب اللہ تعالیٰ ایک ذرہ کے برابر بھی کسی کے ساتھ زیادتی نہیں فرمائے گا اور جس شخص نے ایک نیکی بھی کی ہو تو اس کو دگنا کر دے گا اور اپنے پاس سے اجر عظیم عطا فرمائے گا۔" پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا فرشتے، انبیاء اور تمام مسلمان شفاعت کر کے فارغ ہو گئے اب گنہگاروں کے لیے سوائے ارحم الراحمین کے کوئی باقی نہیں رہا، پھر اللہ تعالیٰ ایک مٹھی بھر کر دوزخ میں سے ان لوگوں کو نکال لے گا، جنہوں نے اصلاً کوئی نیکی نہیں کی ہوگی، اور وہ لوگ جل کر کوئلہ ہو چکے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جنت کے دروازہ پر آب حیات کی نہر میں ڈال دے گا اور وہ اس نہر سے اس طرح تر و تازہ نکل کھڑے ہوں گے جیسے سیلاب کی مٹی میں سے دانہ اگ پڑتا ہے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو دانہ پتھر یا درخت کے پاس آفتاب کے رخ پر ہوتا ہے وہ زرد یا سبز رنگ کا پودا بن جاتا ہے جو دانہ سائے کی جانب ہوتا ہے اس کا پودا سفید رنگ کا ہوتا ہے، صحابہ کرام نے عرض کیا حضور آپ تو زرعی معاملات کو اس طرح بیان فرما رہے ہیں جیسے آپ جنگلوں میں جانور چراتے رہے ہوں، آپ نے (سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے) فرمایا وہ لوگ اس نہر سے موتیوں کی طرح چمکتے ہوئے نکلیں گے اور ان کی گردنوں میں سونے کے پٹے پڑے ہوئے ہوں گے جن کی وجہ سے اہل جنت انہیں پہچان لیں گے اور ان کے بارے میں کہیں گے یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی نیک عمل کے جہنم سے آزاد کر دیا ہے اور جنت میں داخل کر دیا ہے، پھر اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا جنت میں داخل ہو جاؤ اور جس چیز کو تم دیکھو گے وہ تمہاری ہو جائے گی، وہ لوگ کہیں گے اے ہمارے رب تو نے ہم کو وہ کچھ عطا فرمایا ہے جو جہان والوں میں سے کسی کو عطا نہیں فرمایا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے پاس

تمہارے لیے اس سے افضل چیز ہے وہ لوگ کہیں گے اے ہمارے رب وہ کیا چیز ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میری رضا اس کے بعد اب میں تم سے کبھی ناراض نہیں ہوں گا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۳، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۴۳۹، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۱۵۵۴)

نیز امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہنمیوں سے جو لوگ کافر اور مشرک ہیں وہ نہ تو جہنم میں مریں گے اور نہ ہی زندگی کا لطف پائیں گے البتہ کچھ مسلمان ایسے ہوں گے جن کو ان کے گناہوں کی وجہ سے جہنم میں ڈالا جائے گا اور اللہ تعالیٰ ان پر موت طاری کر دے گا یہاں تک کہ وہ جل کر کوئلہ ہو جائیں گے پھر جب شفاعت کی اجازت ہوگی تو ان کو گروہ در گروہ بلایا جائے گا اور انہیں جنت کی نہروں میں ڈال دیا جائے گا پھر اہل جنت سے کہا جائے گا ان پر پانی ڈالو جس کے سبب وہ اس طرح تر و تازہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوں گے جیسے پانی کے بہاؤ سے آنے والی مٹی میں دانہ سر سبز و شاداب ہو کر نکل آتا ہے یہ سن کر صحابہ میں سے ایک شخص کہنے لگا یوں لگتا ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگل میں رہے ہوں۔

امام مسلم فرماتے ہیں کہ ایک اور سند کے ساتھ حضرت ابو سعید خدری کی یہی روایت منقول ہے مگر اس میں دانہ کے اگ پڑنے تک کا ذکر ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۴ صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۶۰)

صحیح مسلم اور صحیح بخاری کی ان احادیث صحیحہ سے واضح ہو گیا کہ بعض گنہگار مسلمانوں کو کچھ عرصہ تطہیر کے لیے دوزخ میں ڈالا جائے گا اور پھر دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کر دیا جائے گا' اور سنن ابوداؤد کی جس حدیث میں ہے یہ امت مرحومہ ہے اس پر آخرت میں عذاب نہیں ہوگا (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۷۸) اس کے ساتھ اس طرح تطبیق دی جائے گی کہ عذاب کا معنی ہے درد اور اذیت کا ادراک' جب کسی شخص کو بے ہوش کر کے اس کے جسم کا کوئی بڑا آپریشن کرتے ہیں تو اس کو درد اور تکلیف کا مطلقاً احساس نہیں ہوتا' اس لیے ہو سکتا ہے کہ جب گنہگار مسلمانوں کو دوزخ میں ڈالا جائے تو ان کے مشاعر اور ہوش و حواس کو ماؤف کر دیا جائے اور ان کو دوزخ میں جلنے کا مطلقاً ادراک نہ ہو اس طرح صورتاً عذاب میں مبتلا ہوں گے کہ ان کا جسم جل کر کوئلہ ہو گیا ہو گا اور یہی صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی احادیث کا محمل ہے' اور ان کو حقیقتاً عذاب نہیں ہو گا اور یہی سنن ابوداؤد کی روایت کا محمل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا نازل کیا ہے' تو وہ کہتے ہیں کہ وہ تو پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں ○ تاکہ یہ قیامت کے دن اپنے (گناہوں کے) مکمل بوجھ اٹھائیں' اور ان لوگوں کے بوجھ بھی جن کو یہ بغیر علم کے گمراہ کر رہے ہیں' سنو! وہ کیسا برا بوجھ ہے جس کو یہ اٹھا رہے ہیں۔ (النحل: ۲۵-۲۴)

کافروں کو اپنے پیروکاروں کے کفر پر عذاب ہونے کی توجیہ

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے توحید کے دلائل بیان فرمائے اور بت پرستوں کے مذہب کا رد فرمایا' اور اب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں مشرکین جو شبہات پیش کرتے تھے ان کا ازالہ فرما رہا ہے۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوت پر قرآن مجید کو بہ طور معجزہ پیش فرمایا' مشرکین نے اس پر یہ شبہ پیش کیا کہ یہ تو پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں' امام ابن جریر نے لکھا ہے کہ کفار مکہ' مکہ کے راستوں میں بیٹھ جاتے تھے' اور باہر سے آنے والے قرآن عظیم کے متعلق سوال کرتے تو وہ کہتے کہ اس میں تو پہلے لوگوں کے قصے ہیں' (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۶۲۷۷)

اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ جب مشرکین لوگوں کو قرآن عظیم کے متعلق گمراہ کرتے ہیں اور ان کو اسلام لانے سے روکتے ہیں تو ان پر ان کے اپنے کفر پر قائم رہنے کے گناہ کا بوجھ بھی ہوگا اور جو لوگ ان کے گمراہ کرنے کی وجہ سے اسلام نہیں لائیں گے ان کے کفر کے گناہ کا بوجھ بھی ان پر ہوگا۔ کیونکہ جو شخص کسی کے گناہ کا سبب ہوتا ہے تو اس کے گناہ کا بوجھ بھی اس شخص پر ہوتا ہے اور اس سے دوسرے شخص کے گناہ میں کوئی کمی نہیں ہوتی کیونکہ پہلے شخص کے دو جرم ہیں ایک تو اس نے خود گناہ کا کام کیا اور دوسرا جرم یہ ہے کہ اس نے دوسرے لوگوں کو اس گناہ کی رہنمائی کی سو اس کو گناہ کے کام کا عذاب بھی ہوگا اور گناہ کا راستہ دکھانے کا بھی عذاب ہوگا اور جتنے لوگوں کو وہ گناہ کا راستہ دکھائے گا ان سب کے گناہوں کے سبب بننے کا اس کو عذاب ہوگا اور اس کی رہنمائی سے جو گناہ کریں گے ان کو صرف اپنے گناہ کا عذاب ہوگا اس لیے اب یہ اعتراض نہیں ہوگا کہ دوسروں کے فعل کا اس کو عذاب کیوں ہوگا کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی۔ (الزمر: ۷) اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

جو شخص کسی کام کا سبب ہو تو اس سبب سے جو لوگ بعد میں اس کام کو کریں گے ان کے عمل میں اس شخص کا بھی حصہ ہوگا جو اس کام کا سبب تھا خواہ وہ کام اچھا ہو یا برا، اس کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو بھی ظلماً قتل کیا جائے گا آدم کے پہلے بیٹے پر اس کا خون ہوگا، کیونکہ وہ پہلا شخص تھا جس نے قتل کا طریقہ ایجاد کیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۳۵، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۷۷، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۷۳، سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۹۸۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۶۱۶، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۱۴۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے ہدایت کی دعوت دی اس کو اس کی اتباع کرنے والوں کے اجور کی مثل اجر بھی ملے گا اور ان کے اجور میں کوئی کمی نہیں ہوگی اور جس شخص نے گمراہی کی دعوت دی اس کے اوپر اس کی اتباع کرنے والوں کے گناہوں کی مثل بھی گناہ ہوں گے اور ان کے گناہوں میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۷۴، سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۵۵۴، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۰۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۶، مسند احمد ج ۲ ص ۳۹۷، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۷۴)

اسلام میں کسی نیک کام کی ابتداء کرنے کا استحسان اور استحباب

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ دیہاتی آئے جنہوں نے اون کے موٹے کپڑے پہنے ہوئے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بدحالی کو دیکھا وہ فقر میں مبتلا تھے، آپ نے لوگوں کو صدقہ کرنے پر برانگیختہ کیا، لوگوں کو صدقہ کرنے میں کچھ دیر ہوگئی حتیٰ کہ آپ کے روئے مبارک پر ناگواری کے آثار نمودار ہوئے پھر انصار میں سے ایک شخص چاندی کی ایک تھیلی لے کر آیا، پھر دوسرا شخص آیا، پھر لوگوں کا تانتا بندھ گیا، حتیٰ کہ آپ کے چہرے مبارک پر خوشی کے آثار ظاہر ہوئے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اسلام میں کسی نیک کام کے طریقہ کی ابتداء کی پھر اس کے بعد نیک کام پر عمل کیا گیا تو اس نیک کام پر عمل کرنے والوں کا اجر بھی اس شخص کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا اور ان عمل کرنے والوں کے اجور میں کوئی کمی نہیں ہوگی، اور جس

شخص نے اسلام میں کسی برے کام کی ابتداء کی اور اس کے بعد اس برے کام پر عمل کیا گیا تو اس کے نامہ اعمال میں ان بعد والوں کے گناہوں کو بھی لکھا جائے گا اور ان کے گناہوں میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

(صحیح مسلم، کتاب العلم: رقم حدیث الباب: ۱۵، رقم الحدیث المسلسل بلا تکرار ۲۶۷۴، رقم الحدیث بالتکرار: ۶۶۷۴)

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی شافعی متوفی ۶۷۶ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ دونوں حدیثیں اس مفہوم میں صریح ہیں کہ نیک کاموں کی ابتداء کرنا مستحب ہے اور برے کاموں کی ابتداء کرنا حرام ہے اور جو شخص ابتداءً کوئی نیک کام کرے یا کسی نیک کام کے طریقہ کو ایجاد کرے، خواہ وہ علم کی تعلیم ہو یا عبادت یا ادب کا کام ہو یا اس کے سوا کوئی چیز ہو، تو اس کو اپنے متبعین کی نیکیوں کا اجر بھی ملے گا اور جو شخص کسی برے کام کے طریقہ کی ابتداء کرے گا تو اس کو اپنے پیروکاروں کے برے کاموں کا بھی عذاب ہوگا۔

(صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۱۰ ص ۶۷۵۰، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

عبادت میں کسی نیک کام کو ایجاد کرنے کی مثال یہ حدیث ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز کے وقت حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے بلال! یہ بتاؤ کہ تم نے اسلام میں ایسا کون سا عمل کیا ہے جس کے اجر کی تم کو سب سے زیادہ توقع ہے! کیونکہ میں نے جنت میں اپنے آگے تمہاری جوتیوں کی آواز سنی ہے! حضرت بلال نے کہا میرے نزدیک میرے جس عمل کے اجر کی زیادہ توقع ہے وہ یہ ہے کہ میں دن اور رات میں جب بھی وضو کرتا ہوں تو اس وضو سے جتنی نماز میرے لیے مقدر کی گئی ہے میں وہ نماز پڑھتا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۴۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۵۸، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۲۳۶)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ اپنے اجتہاد سے نفلی عبادت کا وقت معین کرنا جائز ہے، کیونکہ حضرت بلال نے اپنے اجتہاد سے ہر وضو کے بعد نماز پڑھنے کا وقت معین فرمایا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصویب اور تصحیح فرمائی، امام ابن جوزی نے فرمایا اس حدیث میں اس پر ترغیب دی ہے کہ ہر وضو کے بعد نماز پڑھی جائے تاکہ وضو اپنے مقصود سے خالی نہ رہے اور مہلب نے کہا اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ بندہ اپنے جس عمل کو مخفی رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس عمل پر بہت عظیم جزا عطا فرماتا ہے، اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ صالحین کو اللہ تعالیٰ جن اعمال صالحہ کی ہدایت دیتا ہے، ان سے ان اعمال کے متعلق سوال کرنا چاہیے تاکہ دوسرے لوگ اس عمل میں ان کی اقتداء کرسکیں۔

(فتح الباری ج ۳ ص ۳۴، مطبوعہ لاہور، ۱۴۰۱ھ)

ہر وضو کے بعد نماز پڑھنے کو سنت بلال کہتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تحسین فرمائی اور قیامت تک جتنے مسلمان ہر وضو کے بعد نماز پڑھنے کو معمول بنائیں گے ان کے اجر و ثواب سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حصہ ملتا رہے گا۔

اس طرح حضرت عمر نے جماعت کے ساتھ تراویح پڑھنے کے طریقہ کی ابتداء کی اور قیامت تک جتنے مسلمان جماعت کے ساتھ تراویح پڑھتے رہیں گے ان کے ان اعمال سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حصہ ملتا رہے گا۔

اسی طرح مسلمانوں نے میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محافل منعقد کرنے کا طریقہ شروع کیا اور ان محافل میں آپ کے فضائل اور محاسن اور آپ کی سیرت طیبہ کا بیان کرنے کا اہتمام کیا اور ادب اور تعظیم سے کھڑے ہو کر آپ پر صلوٰۃ و

سلام پڑھنے کا طریقہ شروع کیا، لاریب نبی صلی اللہ علیہ وسلم، خلفاء راشدین اور اخیار تابعین کے دور میں یہ طریقہ مروج نہ تھا لیکن یہ تمام افعال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور تکریم پر دلالت کرتے ہیں اور ہر وہ کام جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور اجلال پر دلالت کرتا ہو اس کا کرنا مستحسن اور باعث ثواب ہے خواہ وہ نیا کام ہو۔

علامہ کمال الدین محمد بن عبدالواحد حنفی متوفی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں:

جب انسان مدینہ کے قریب پہنچے تو مدینہ میں داخل ہونے سے پہلے غسل کرے یا وضو کرے اور غسل کرنا افضل ہے اور صاف ستھرے یا نئے کپڑے پہنے اور نئے کپڑے پہننا افضل ہے، اور بعض مسلمان مدینہ کے قریب پہنچ کر پیدل چلنا شروع کر دیتے ہیں حتیٰ کہ پیدل چلتے ہوئے مدینہ میں داخل ہوتے ہیں یہ مستحسن ہے اور ہر وہ کام جس میں زیادہ ادب اور زیادہ اجلال ہو وہ مستحسن ہے۔ (فتح القدیر ج ۳ ص ۱۶۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس کام کو مسلمانوں نے اچھا سمجھا وہ اللہ کے نزدیک اچھا ہے اور جس کام کو مسلمانوں نے برا سمجھا وہ اللہ کے نزدیک برا ہے، اور تمام مسلمانوں نے یہ سمجھا تھا کہ وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنائیں (حافظ ابو عبداللہ حاکم نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے اور حافظ ذہبی نے بھی یہ لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے) (المستدرک ج ۳ ص ۷۸-۷۹، مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ان سے پہلے لوگوں نے (بھی ایسی) سازشیں کیں تھیں تو اللہ نے ان کی عمارت کو بنیادوں سے اکھاڑ دیا، سو ان کے اوپر سے ان پر چھت گر پڑی، پھر ان پر وہاں سے عذاب آ گیا جہاں سے انہیں گمان تک نہ تھا ۝ پھر وہ ان کو قیامت کے دن (بھی) رسوا کرے گا اور فرمائے گا کہاں ہیں وہ میرے شرکاء جن کے متعلق تم جھگڑتے تھے، جن لوگوں کو علم دیا گیا تھا وہ کہیں گے آج ساری رسوائی اور برائی کافروں پر ہے ۝ (النحل: ۲۶-۲۷)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ان سے پہلے لوگوں نے سازشیں تیار کیں تھیں۔

امام ابن جوزی فرماتے ہیں اس سے مراد نمرود بن کنعان ہے اس نے ایک نہایت بلند عمارت بنائی تھی تاکہ اس عمارت پر چڑھ کر آسمان والوں سے جنگ کر کے ان کو ہلاک کر دے، اس عمارت کے طول میں اختلاف ہے، حضرت ابن عباس نے فرمایا اس کا طول پانچ ہزار ہاتھ تھا، اور مقاتل نے کہا اس کا طول دو فرسخ تھا پھر اللہ تعالیٰ نے ایک زبردست آندھی بھیجی جس نے اس محل کی چوٹی کو سمندر میں گرا دیا، اور باقی عمارت اس کے رہنے والوں پر گر پڑی۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ کفار مکہ ہیں جو مکہ کے راستہ میں کھڑے رہتے تھے تاکہ مکہ میں آنے والوں کو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق گمراہ کریں، اس سلسلہ میں تیسرا قول یہ ہے کہ پچھلی امتوں کے بڑے بڑے کافر بھی اپنے نبیوں کے خلاف سازش کرتے تھے لیکن ان کی سازشیں ان پر الٹ گئیں۔

نیز فرمایا پھر ان پر وہاں سے عذاب آیا جہاں سے انہیں گمان تک نہ تھا، یعنی وہ سمجھتے تھے کہ وہ بہت امن سے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کر دیا، ان کے مکان ان پر گر پڑے یا ان پر کوئی آسمانی عذاب آ گیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا پھر اللہ تعالیٰ ان کو قیامت کے دن رسوا کرے گا یعنی ان پر ذلت والا عذاب نازل فرمائے گا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہاں ہیں میرے شرکاء جن کے متعلق تم جھگڑتے تھے۔ اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا تو کوئی شریک نہیں ہے، پھر اس نے کیسے فرمایا کہاں ہیں میرے شرکاء؟ اس کا جواب یہ ہے کہ تمہارے زعم اور اعتقاد میں جو میرے شرکاء تھے وہ کہاں ہیں۔ پھر فرمایا جن لوگوں کو علم دیا گیا وہ کہیں گے... حضرت ابن عباس نے فرمایا اس

سے مراد فرشتے ہیں اور دوسروں نے کہا اس سے مراد مومنین ہیں جب وہ قیامت کے دن کافروں کی ذلت اور رسوائی دیکھیں گے تو کہیں گے کہ آج ساری رسوائی اور برائی کافروں پر ہے اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ کافر دنیا میں مسلمانوں کا انکار کرتے تھے اور ان کا مذاق اڑاتے تھے، اور جب قیامت کے دن مسلمان کافروں سے یہ بات کہیں گے تو یہ کلام کافروں کی اہانت اور ان کو ایذا پہنچانے میں زیادہ موثر ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (ان کا حال یہ ہے کہ) جب فرشتے ان کی روحیں قبض کرتے ہیں تو اس وقت وہ اپنی جانوں پر ظلم کر رہے ہوتے ہیں اس وقت وہ اطاعت شعار بن جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم کوئی برائی نہیں کرتے تھے، کیوں نہیں! بے شک اللہ خوب جاننے والا ہے، جو کچھ تم کیا کرتے تھے ○ (النحل: ۲۸)

اس جگہ دو قول ہیں، ایک قول یہ ہے کہ جب ان کی موت کا وقت قریب آتا ہے تو وہ اسلام کو ظاہر کرتے ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا جس وقت ان کی موت کا وقت قریب آتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی عبودیت کا اقرار کرتے ہیں اور اسلام لے آتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہم کوئی برا کام نہیں کرتے تھے یعنی شرک نہیں کرتے تھے، اور فرشتے ان کی تکذیب کرتے ہیں اور ان کے قول کو رد کرتے ہیں، کیوں نہیں بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے تم جو کچھ شرک کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے دین کی تکذیب کرتے تھے۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن جو کچھ وہ کہیں گے اس کی حکایت کی ہے وہ اس دن شدت خوف کی وجہ سے اور قیامت کی ہولناکیوں کی وجہ سے جھوٹ بولیں گے اور کہیں گے کہ ہم شرک نہیں کرتے تھے اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ قیامت کے دن کوئی شخص جھوٹ نہیں بولے گا وہ کہتے ہیں کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ وہ کہیں گے کہ ہم اپنے اعتقاد میں یا اپنے خیال میں کوئی برا کام یا شرک نہیں کرتے تھے، پھر اللہ تعالیٰ یا فرشتے ان کے قول کا رد کرتے ہوئے کہیں گے کہ اللہ خوب جاننے والا ہے کہ تم دنیا میں کیا کرتے تھے لہٰذا یہ جھوٹ تمہیں کوئی نفع نہیں دے گا وہ تم کو تمہارے کفر اور شرک کی سزا دے گا پھر اللہ تعالیٰ نے صراحتاً ان کے عذاب کا ذکر فرمایا:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو اب تم دوزخ کے دروازں میں داخل ہو جاؤ، ہمیشہ اس میں رہو گے، سو تکبر کرنے والوں کا کیسا برا ٹھکانہ ہے ○ (النحل: ۲۹)

اس آیت میں جہنم کے دروازوں کا ذکر فرمایا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جہنم میں سزا کے مختلف درجات ہیں، لہٰذا بعض لوگوں کی سزا بعض دوسرے لوگوں سے زیادہ ہوگی، اللہ تعالیٰ نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے تاکہ ان کا رنج اور غم زیادہ ہو، پھر فرمایا متکبرین کا کیسا برا ٹھکانہ ہے، ان کا تکبر یہ تھا کہ وہ حق کو قبول نہیں کرتے تھے، توحید پر واضح دلائل دیکھنے اور سننے کے باوجود اللہ تعالیٰ کو واحد نہیں مانتے تھے، اور انبیاء علیہم السلام اللہ کی طرف سے جو دین لے کر آئے تھے اس کو قبول نہیں کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور متقین سے کہا گیا کہ تمہارے رب نے کیا نازل کیا ہے؟ انہوں نے کہا اچھا (کلام) جن لوگوں نے اس دنیا میں نیک کام کیے ان کے لیے اچھا اجر ہے، اور آخرت کا گھر سب سے اچھا ہے اور بے شک متقین کا گھر کیا ہی اچھا ہے ○ جن میں وہ داخل ہوں گے وہ دائمی جنتیں ہیں، ان کے نیچے سے دریا بہتے ہیں، ان کے لیے اس میں وہ سب کچھ ہے جس کی وہ خواہش کریں گے، اللہ متقین کو اسی طرح جزا دیتا ہے ○ ان (متقین) کی جب فرشتے روحیں قبض کرتے ہیں تو اس وقت وہ پاکیزہ ہوتے ہیں، فرشتے کہتے ہیں تم پر سلام ہو تم جنت میں داخل ہو جاؤ، ان کاموں کی وجہ سے جو تم کرتے تھے ○

(النحل: ۳۰)

آیات سابقہ سے ارتباط

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کے احوال بیان فرمائے تھے، جن سے جب پوچھا جاتا تمہارے رب نے کیا نازل کیا ہے؟ تو وہ کہتے کہ پہلے لوگوں کے قصے اور کہانیاں ہیں' اور فرمایا وہ لوگ اپنے گناہوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں اور اپنے پیروکاروں کے گناہوں کا بوجھ بھی اٹھاتے ہیں اور فرمایا کہ فرشتے ان کی روحیں اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کر رہے ہوتے ہیں اور فرمایا کہ وہ آخرت میں اسلام کا اظہار کریں گے، لیکن اس وقت ان کا اسلام مقبول نہیں ہوگا اور یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ۔ اس کے بعد اب اللہ تعالیٰ مومنوں کا ذکر فرما رہا ہے کہ جب ان سے پوچھا جائے گا کہ تمہارے رب نے کیا نازل کیا ہے تو وہ کہیں گے کہ اچھا کلام نازل کیا ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے دنیا اور آخرت میں کیا کیا درجات تیار فرمائے ہیں تاکہ کافروں کی وعید کے ساتھ مومنوں کے وعدہ اور ان کی بشارت کا بھی متصل ذکر ہو۔

امام رازی کے نزدیک متقی کا مصداق اور بحث و نظر

اس آیت میں فرمایا ہے اور متقین سے کہا گیا کہ تمہارے رب نے کیا نازل کیا ہے، تقویٰ کا معنی ہے کسی چیز کو ترک کرنا اور اس سے بچنا، امام رازی کی تحقیق یہ ہے کہ متقی کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ تمام حرام کاموں سے مجتنب ہو اور تمام نیک کاموں کو کرنے والا ہو ہرچند کہ کامل متقی وہی ہوتا ہے، بلکہ اس آیت میں متقی سے مراد وہ شخص ہے جو شرک سے مجتنب ہو اور لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر ایمان اور یقین رکھتا ہو' امام رازی کی دلیل یہ ہے کہ جب ہم کسی شخص کو قاتل یا ضارب کہتے ہیں تو اس کا معنی یہ نہیں ہوتا کہ وہ دنیا کے تمام انسانوں کا قاتل ہو یا دنیا کے تمام انسانوں کو مارنے والا ہو بلکہ جس شخص نے کسی ایک کو بھی قتل کر دیا وہ قاتل کہلائے گا اور جس نے کسی ایک شخص کو بھی مارا وہ ضارب کہلائے گا، اسی طرح جو شخص تقویٰ کے افراد میں سے کسی ایک فرد کے ساتھ متصف ہو گیا وہ متقی ہے، مگر اس پر ہمارا اجماع ہے کہ تقویٰ کے لیے کفر اور شرک سے اجتناب ضروری ہے' اس لیے ضروری ہے کہ اس قید پر کسی اور قید کا اضافہ نہ کیا جائے کیونکہ مطلق کو مقید کرنا خلاف اصل ہے لہٰذا مقید میں زیادہ قیود کا اضافہ بھی خلاف اصل ہے اس لیے متقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو کفر اور شرک سے مجتنب ہوں اور اللہ اور رسول پر ایمان لے آئیں اور اس کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ تمام برے کاموں سے مجتنب ہوں اور تمام نیک کاموں سے متصف ہوں' نیز اللہ تعالیٰ نے متقین کا ذکر کفار اور مشرکین کے مقابلہ میں کیا ہے اس لیے ضروری ہے کہ متقین سے مراد وہ لوگ ہوں جو کفر اور شرک سے مجتنب ہوں۔

(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۲۰۰، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

ہماری رائے یہ ہے کہ جو لوگ کفر اور شرک سے مجتنب ہوں اور اللہ اور رسول پر ایمان رکھتے ہوں اور ان میں برائیوں سے اجتناب اور نیکیوں سے اتصاف کی اور قیود کا لحاظ نہ کیا جائے تو ان پر مومنین کا اطلاق کر دینا کافی ہے، لیکن جب ان پر متقین کا اطلاق کیا جائے گا تو اس میں مزید قیود کا اضافہ کرنا اور تقویٰ کے مزید افراد کا بھی لحاظ کرنا ہوگا ورنہ پھر محض مومنین اور محض متقین میں کوئی فرق نہیں رہے گا' امام رازی نے اس سلسلہ میں قاتل اور ضارب کی جو مثال دی ہے وہ صحیح نہیں ہے' اس مقام پر عالم اور مفتی کی مثال درست ہے' عرف میں اس شخص کو عالم نہیں کہتے جس کو صرف ایک مسئلہ کا علم ہو نہ اس شخص کو جسے تمام مسائل کا علم ہو بلکہ جس شخص کو قابل ذکر اور قابل شمار مسائل کا علم ہو اس کو عالم کہتے ہیں' اسی

طرح اس کو مفتی نہیں کہتے جو کسی کو ایک مسئلہ بتادے نہ اس کو مفتی کہتے ہیں جو سارے جہان کے مسائل بتائے بلکہ جو قابل ذکر اور قابل شمار مسائل کا حل بتائے اس کو مفتی کہتے ہیں' اسی طرح صرف ایک بار کپڑا بیچنے والے کو بزاز اور صرف ایک بار جوتی مرمت کرنے والے کو خصاف (موچی) اور صرف ایک بار کپڑا دھونے والے کو قصار (دھوبی) نہیں کہتے اسی طرح اس شخص کو متقی نہیں کہا جائے گا جو کفر اور شرک سے اجتناب کر کے کلمہ پڑھ لے اور بس! بلکہ اس شخص کو متقی کہا جائے گا' جو کفر اور شرک سے مجتنب ہو' اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور تمام فرائض اور واجبات کو ادا کرے اور بشری تقاضے سے اگر اس سے فرائض اور واجبات کی ادائیگی میں کوئی کوتاہی ہو جائے تو وہ اس کا تدارک اور تلافی کرلے اور اگر انسانی کمزوری اور نفس امارہ کی لغزش سے وہ کسی گناہ میں مبتلا ہو جائے تو اس پر نادم ہو اور توبہ استغفار کرے اور اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت کا امیدوار رہے' تقویٰ کے مفہوم میں صرف کفر اور شرک سے اجتناب داخل نہیں ہے بلکہ نفسانی خواہشوں سے بچنا بھی تقویٰ کی حقیقت میں داخل ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ۔ (البقرہ: ۱۰۳)

اور اگر وہ ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو اللہ کی طرف سے ثواب بہت بہتر ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ تقویٰ ایمان لانے کے بعد کا مرتبہ ہے' ایمان لانے کے بعد اللہ کے ڈر سے نیک کام کرنا اور برے کام ترک کرنا یہ تقویٰ ہے اور جو ایسا کرے وہ متقی ہے۔ اور جو جتنی زیادہ نیکیاں کرے گا اور جس قدر زیادہ برے کاموں سے بچے گا وہ اتنا بڑا اور کامل متقی ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ۔ (آل عمران: ۱۷۲)

مومنوں میں سے جو نیک کام کرتے ہیں اور تقویٰ اختیار کرتے ہیں ان کے لیے اجر عظیم ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایمان لانے اور احسان (نیک کام) کے بعد تقویٰ کا درجہ اور مرتبہ ہے' قرآن مجید اور احادیث سے یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ تقویٰ میں ایمان کے بعد نیک کام کرنے اور برے کاموں سے بچنے کی صفت کا بھی دخل ہے' تقویٰ کا پہلا مرتبہ کبیرہ گناہوں اور فرائض کے ترک سے بچنا ہے' دوسرا مرتبہ صغیرہ گناہوں اور واجبات کے ترک سے بچنا ہے' تیسرا مرتبہ مکروہات تنزیہیہ اور خلاف سنت سے بچنا ہے اور چوتھا مرتبہ دنیاوی امور میں انہماک اور اشغال اور یاد الٰہی سے غافل کرنے والی چیزوں سے بچنا ہے' امام رازی متقی میں کفر اور شرک سے اجتناب اور اللہ اور رسول پر ایمان کے علاوہ اور کسی قید کے اعتبار کرنے کو خلاف اصل کہتے ہیں بلکہ وہ کہتے ہیں کہ یہ واجب ہے کہ اس میں صرف کفر اور شرک سے اجتناب کا اعتبار کیا جائے تو امام رازی کی اس تحقیق کے اعتبار سے یہ لازم آئے گا کہ جو مومن شرابی' جواری اور زانی ہو اور نماز' روزہ کا تارک ہو اس کو بھی متقی کہا جائے گا' یہ بات ہماری ناقص فہم سے بالاتر ہے' اللہ تعالیٰ امام رازی کے درجات بلند فرمائے وہ معتزلہ کے رد کی شدت میں مرجئہ کی طرف چلے گئے۔

نیکو کاروں کے دنیاوی اجر کی متعدد صورتیں

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جن لوگوں نے اس دنیا میں نیک کام کیے ان کے لیے اچھا اجر ہے' اس اچھے اجر کی تفسیر میں اختلاف ہے' بعض مفسرین نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ ان کو آخرت میں اجر عظیم ملے گا' اور بہت ثواب ہوگا اور بعض نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ ان کی نیکیوں کا دس گنا اجر دیا جائے گا یا سات سو گنا اجر دیا جائے گا یا بے حد و حساب اجر دیا جائے گا۔

اس آیت کی تفسیر میں دوسرا قول یہ ہے کہ جن لوگوں نے دنیا میں نیک کام کیے اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی ان کو ان کی نیکیوں کا اجر عطا فرماتا ہے اور دنیا میں نیکیوں کے اجر سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے دلوں میں ان کی محبت اور عقیدت پیدا فرما دیتا ہے' وہ ان کی زندگی میں بھی ان کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں اور ان کی وفات کے بعد بھی ان کی قبروں کی زیارت کرتے ہیں اور ان کے لیے ایصال ثواب کرتے ہیں' قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا۔ (مریم: ۹۶)

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے عنقریب رحمٰن' (اپنے بندوں کے دلوں میں) ان کے لیے محبت پیدا کردے گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو جبریل کو بلا کر فرماتا ہے کہ میں فلاں بندہ سے محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو' پھر اس بندہ سے جبریل محبت کرتا ہے تو جبریل ندا کرتا ہے کہ اللہ فلاں بندہ سے محبت کرتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو' پھر اس بندہ سے آسمان والے محبت کرتے ہیں' پھر اس کے لیے زمین میں مقبولیت رکھ دی جاتی ہے۔ الحدیث۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۳۷)

حضرات صحابہ کرام' اولیاء عظام اور ائمہ مجتہدین اس آیت اور اس حدیث کے مصداق ہیں' آج تک مسلمان غوث اعظم اور حضرت علی ہجویری اور حضرت مجدد الف ثانی رحمہم اللہ سے محبت کرتے ہیں ان کے فضائل اور مناقب بیان کرتے ہیں اور ان کے لیے اپنے ماں باپ اور رشتہ داروں سے زیادہ ایصال ثواب اور دعا کرتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ان کی نیکیوں کا صلہ عطا فرمایا ہے حضرت سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی اجر کے حصول کی دعا فرمائی تھی:

وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ○ (الشعراء: ۸۴)

اور میرے لیے میرے بعد والوں میں میرا اچھا ذکر جاری رکھ۔

نیک عمل کرنے والوں کے لیے دنیا میں اچھے اجر کی دوسری صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صالح علماء کو اپنے دینی مخالف کے مقابلہ میں بحث کے اندر کامیابی عطا فرماتا ہے اور نیک مسلمانوں کو کفار کے مقابلہ میں فتح اور نصرت سے نوازتا ہے۔

اور اس کی تیسری صورت یہ ہے کہ جب بندہ فرائض پر پابندی کرنے کے بعد دوام کے ساتھ نوافل ادا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس بندہ پر مکاشفات اور مشاہدات کے دروازے کھول دیتا ہے' اس کے سینہ میں کائنات کے اسرار اور موجودات کے حقائق اور دقائق منکشف کر دیتا ہے' اس کا دل تجلیات الٰہیہ کا آئینہ بن جاتا ہے اور وہ اسے اپنی صفات کی معرفت عطا فرماتا ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰهُمْ تَقْوٰهُمْ۔ (محمد: ۱۷)

اور جن لوگوں نے ہدایت قبول کی اللہ نے ان کی ہدایت کو اور زیادہ کر دیا اور انہیں ان کا تقویٰ عطا فرمایا۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ (العنکبوت: ۶۹)

اور وہ لوگ جو ہماری راہ میں جدوجہد کرتے ہیں ہم ان کو ضرور اپنی راہیں دکھاتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے جس شخص نے میرے ولی سے عداوت رکھی میں اس کے ساتھ اعلان جنگ کر دیتا ہوں' اور میں نے اپنے بندہ پر جو چیزیں فرض کیں ہیں اس سے زیادہ کسی چیز کے ساتھ تقرب حاصل کرنا مجھے محبوب نہیں ہے' اور میرا بندہ ہمیشہ نوافل کے ساتھ

میرا تقرب حاصل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اس کو اپنا محبوب بنالیتا ہوں اور جب میں اس کو اپنا محبوب بنالیتا ہوں، تو میں اس کے کان ہو جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھیں ہو جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے ہاتھ ہو جاتا ہوں جن سے وہ چیزوں کو پکڑتا ہے اور اس کے پیر ہو جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے، اگر وہ مجھ سے کسی چیز کا سوال کرے تو میں اس کو وہ ضرور عطا کروں گا اور اگر وہ کسی چیز سے میری پناہ طلب کرے تو میں اس کو ضرور پناہ دوں گا، اور میں کسی کام کے کرنے میں اتنی تاخیر نہیں کرتا جتنی تاخیر مومن کی روح قبض کرنے میں کرتا ہوں، وہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور میں اس کو رنجیدہ کرنا ناپسند کرتا ہوں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۰۲، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۴۷)

سو جو لوگ دنیا میں اللہ عزوجل کی اچھی عبادت کرتے ہیں تو اللہ دنیا میں ان کو اچھا اجر عطا فرماتا ہے بایں طور کہ دنیا میں انہیں اپنی صفات کا مظہر بنالیتا ہے، ان کی دعا کو اپنے کرم سے ضرور قبول فرماتا ہے اور جب تک وہ اپنی موت پر راضی نہ ہو جائیں ان پر موت طاری نہیں کرتا۔

نیکو کاروں کا آخرت میں اجر و ثواب

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور آخرت کا گھر سب سے اچھا ہے اور بے شک متقین کا گھر کیا ہی اچھا ہے، یعنی نیکو کاروں کو آخرت میں جو جنت کا ثواب ملے گا وہ دنیا کے گھر سے بہت اچھا اور بہت عظیم ہے، کیونکہ دنیا فانی ہے اور آخرت باقی ہے، اور فرمایا متقین کا گھر کیا ہی اچھا ہے اس کے دو محمل ہیں ایک یہ کہ متقین کا جنت میں گھر کیا ہی اچھا ہے کیونکہ دنیا میں نیک عمل کر کے انہوں نے آخرت کے ثواب کو اور جنت کو حاصل کر لیا، اور اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ متقین کا آخرت میں گھر کیا ہی اچھا ہے اور یہ جمہور کا قول ہے۔

اس کے بعد فرمایا جن میں وہ داخل ہوں گے وہ دائمی جنتیں ہیں، ان کے نیچے سے دریا بہتے ہیں یعنی ان کو جنت میں اونچے اور بلند مکان ملیں گے اور ان کے نیچے سے دریا بہہ رہے ہوں گے، پھر فرمایا اس میں ان کے لیے وہ سب کچھ ہے جس کی وہ خواہش کریں گے، یعنی ان کو ہر سعادت اور خیر مل جائے گی، اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ دنیا میں انسان کی ہر خواہش پوری نہیں ہوتی، البتہ جنت میں غلط قسم کی ناجائز خواہشیں پیدا نہیں ہوں گی، مثلاً کسی کے دل میں یہ خواہش نہیں ہوگی کہ اس کو نبیوں سے اونچا درجہ اور مرتبہ مل جائے، اسی طرح کسی کے دل میں قوم لوط کے عمل کی خواہش پیدا نہیں ہوگی۔

قبض روح کے وقت نیکو کاروں کی کیفیت

پھر فرمایا اللہ متقین کو اسی طرح جزا دیتا ہے، یعنی یہ تقویٰ کی جزاء ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے متقین کی یہ صفت بیان کی ان متقین کی جب فرشتے روحیں قبض کرتے ہیں تو اس وقت وہ پاکیزہ ہوتے ہیں یہ اس کے مقابلہ میں ہے کہ جب فرشتے کافروں کی روحیں قبض کرتے ہیں تو وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہوتے ہیں، امام رازی فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا متقین اس وقت طیبین (پاکیزہ) ہوتے ہیں یہ ایک جامع کلمہ ہے جو معانی کثیرہ کا متحمل ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن کاموں کا حکم دیا متقین نے وہ تمام کیے اور جن کاموں سے منع کیا وہ ان تمام کاموں سے مجتنب رہے اور وہ پاکیزہ اخلاق سے مزین تھے اور برے اخلاق سے گریزاں تھے اور وہ نفسانی اور جسمانی لذتوں سے خالی اور روحانی لذتوں سے معمور تھے اور طیبین میں یہ معنی بھی داخل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس وقت ان کی روح قبض کی اس وقت ان کو جنت کی بشارت بھی دی گویا کہ وہ اس حال میں جنت اور اس کی نعمتوں کا مشاہدہ کر رہے تھے اور جس شخص کی مرتے وقت یہ کیفیت ہو اس کو قبض روح کے وقت جان کنی کی تکلیف اور اذیت نہیں ہوتی، اکثر مفسرین کی یہی رائے ہے کہ فرشتے متقین کی روحیں جس وقت قبض

کرتے ہیں اس وقت وہ طیب و طاہر ہوتے ہیں اور اس وقت فرشتے ان سے کہتے ہیں کہ تم پر سلام تم جنت میں داخل ہو جاؤ ان کاموں کی وجہ سے جو تم کرتے تھے۔ (تفسیر کبیر ج ۷ ص ۲۰۳-۲۰۲، مطبوعہ بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام رازی نے فرمایا ہے کہ طیبین، متقین کی صفت ہے اور پھر طیبین کی تعریف میں ذکر کیا ہے کہ وہ تمام نیک صفات سے متصف ہوتے ہیں اور تمام بری صفات سے مجتنب ہوتے ہیں، امام رازی کی اس عبارت سے بھی یہ واضح ہو گیا کہ صرف کلمہ گو متقی نہیں ہے بلکہ متقی وہ ہوتا ہے جو تمام نیک کام کرتا ہو اور تمام برے کاموں سے بچتا ہو۔

اور بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ اس آیت میں حشر کی کیفیت بیان کی گئی ہے اس موقع پر فرشتے متقین سے کہیں گے تم پر سلام ہو تم جنت میں داخل ہو جاؤ۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ طیبین میں چھ اقوال ہیں: (۱) یہ لوگ شرک سے پاک ہیں۔ (۲) یہ لوگ صالحین ہیں۔ (۳) ان کے اقوال اور افعال پاکیزہ ہیں۔ (۴) ان کے نفوس پاکیزہ ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ کے ثواب پر اعتماد ہے۔ (۵) اللہ کی طرف رجوع کے وقت ان کے نفوس پاکیزہ ہیں۔ (۶) ان کی موت پاکیزہ اور سہل ہے، ان کی روح قبض کرتے وقت کوئی دشواری ہو گی نہ ان کو درد ہو گا اس کے برخلاف کافر کی روح بہت سختی سے نکالی جاتی ہے اور اس کو بہت درد اور اذیت ہوتی ہے۔

محمد بن کعب قرظی بیان کرتے ہیں کہ جب ملک الموت بندۂ مومن کی روح قبض کرنے کے لیے آتا ہے تو اس سے کہتا ہے اے اللہ کے ولی تم پر میرا سلام ہو اللہ تعالیٰ تم پر سلام بھیجتا ہے، اور حضرت ابن مسعود نے کہا جب ملک الموت مومن کی روح قبض کرتا ہے تو کہتا ہے کہ تمہارا رب تم پر سلام بھیجتا ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۰ ص ۹۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ (کافر) اس کے سوا اور کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آجائیں یا آپ کے رب کا عذاب آجائے، ان سے پہلے لوگوں نے بھی اسی طرح کیا تھا، اللہ نے ان پر (بالکل) ظلم نہیں کیا وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے ○ سو ان کے کاموں کی برائیاں انہیں پہنچ گئیں اور ان کو اس عذاب نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے ○

(النحل: ۳۴-۳۳)

کفار کے انتظار عذاب کی توجیہ

اس آیت میں کفار کے دوسرے شبہ کا جواب دیا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر طعن کرتے ہوئے کفار کہتے تھے کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو پھر چاہیے کہ آسمان سے کوئی فرشتہ آکر یہ کہے کہ آپ اللہ کے فرستادہ اور اس کے رسول ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس کا رد کرتے ہوئے فرمایا وہ تو ایمان لانے کے لیے صرف فرشتوں کے منتظر بیٹھے ہیں، اس آیت کی دوسری تقریر یہ ہے کہ جب کافروں نے قرآن مجید پر یہ طعن کیا کہ یہ تو پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کو عذاب کی وعید سنائی، اس کے بعد مومنوں کا ذکر فرمایا کہ جب ان سے قرآن مجید کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ یہ عمدہ کلام ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ثواب کی بشارت سنائی اس کے بعد پھر کافروں کی مذمت شروع کی کہ یہ اپنے اقوال باطلہ سے رجوع نہیں کریں گے الایہ کہ ان کے پاس عذاب کے فرشتے ان کی روح قبض کرنے کے لیے آجائیں یا یہ کسی آسمانی عذاب کے انتظار میں ہیں، اس کے بعد فرمایا ان سے پہلے لوگوں نے بھی اسی طرح کیا تھا وہ بھی انبیاء علیہم السلام کا انکار کرتے رہے اور جب انبیاء علیہم السلام ان کو اللہ کے عذاب سے ڈراتے تو وہ کہتے کہ وہ آسمانی عذاب کب آئے گا اور انبیاء علیہم السلام کا مذاق اڑاتے تھے حتیٰ کہ ان پر وہ آسمانی عذاب آگیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے، اور ان پر جو عذاب نازل کیا گیا اس میں اللہ تعالیٰ نے

ان پر کوئی ظلم نہیں کیا تھا بلکہ خود انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور ایسے کام کیے جس کے نتیجہ میں ان پر عذاب آیا، کیونکہ وہ نہ صرف رسولوں کا انکار کرتے تھے بلکہ رسولوں سے کہتے تھے کہ تم ہم کو جس عذاب کی دھمکیاں دے رہے ہو وہ اب تک آ کیوں نہیں چکتا!

اس آیت میں فرمایا ہے کہ وہ اس کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آجائیں، یا آپ کے رب کا عذاب آ جائے، اس عذاب سے مراد یا تو دنیا میں عذاب ہے، جیسے غزوہ بدر میں کافروں کو قتل کیا گیا اور ان کو قید کیا گیا، یا اس قسم کا عذاب ہے کہ ان پر زلزلے آئیں یا ان کو زمین میں دھنسا دیا جائے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے قیامت کا عذاب مراد ہو اور کفار مکہ کسی آسمانی عذاب کے منتظر تھے نہ قیامت کے عذاب کے منتظر تھے، لیکن چونکہ وہ ایمان نہیں لا رہے تھے اور ان کا ایمان نہ لانا ان پر عذاب نازل کرنے کا موجب تھا اس لیے عذاب کا انتظار کرنے کی ان کی طرف اضافت کی گئی یعنی ان کے ایمان نہ لانے کا انجام دنیا میں آسمانی عذاب ہے یا قیامت کے دن کا ہولناک عذاب ہے۔

وَقَالَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُونِهِ

اور مشرکین نے کہا اگر اللہ چاہتا تو ہم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرتے

مِنْ شَيْءٍ نَحْنُ وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ

(نہ) ہم نہ ہمارے باپ دادا، اور نہ ہم اس کے حکم کے بغیر کسی چیز کو حرام کہتے،

شَيْءٍ ۚ كَذَٰلِكَ فَعَلَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ

ان سے پہلے لوگوں نے بھی اسی طرح کیا تھا، سو پیغمبروں کے ذمہ تو صرف (اللہ کے) پیغام کو

إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿٣٥﴾ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ

صاف صاف پہنچا دینا ہے ○ اور ہم نے ہر قوم میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ

اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ ۖ فَمِنْهُمْ مَنْ هَدَى اللَّهُ

کی عبادت کرو اور شیطان سے اجتناب کرو، پس ان میں سے بعض وہ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی

وَمِنْهُمْ مَنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلَالَةُ ۚ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ

اور ان میں سے بعض وہ ہیں جن پر گمراہی ثابت ہو گئی، سو تم زمین میں سفر کرو پھر

فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴿٣٦﴾ إِنْ تَحْرِصْ عَلَىٰ

دیکھو کہ (رسولوں کی) تکذیب کرنے والوں کا کیسا انجام ہوا ○ اگر آپ ان کی ہدایت

هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ

پر حریص ہیں (تو سن لیں کہ) بیشک اللہ اس کو ہدایت نہیں دیتا جس کو وہ گمراہ کر دے اور ان کے لیے کوئی

نّٰصِرِيْنَ ﴿۳۷﴾ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ

مددگار نہیں ہے ○ اور انہوں نے اپنی پکی پکی قسموں میں سے اللہ کی قسم کھائی کہ اللہ مرنے والوں کو دوبارہ

مَنْ يَّمُوْتُ ؕ بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا

زندہ کر کے نہیں اٹھائے گا، کیوں نہیں! یہ اللہ کا برحق وعدہ ہے اور لیکن اکثر لوگ نہیں

يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِيْ يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ وَلِيَعْلَمَ

جانتے ○ تاکہ وہ ان پر اس حقیقت کو کھول دے جس میں وہ اختلاف کرتے تھے اور اس لیے کہ

الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ

کفار جان لیں کہ وہ جھوٹے تھے ○ اور ہم جس چیز کا ارادہ کرتے ہیں

اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۴۰﴾ ع

ع ۵ ۶ ۱۱

تو اس کے متعلق ہمیں صرف یہ کہنا ہوتا ہے کہ "ہو جا" سو وہ ہو جاتی ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور مشرکین نے کہا اگر اللہ چاہتا تو ہم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرتے (نہ) ہم نہ ہمارے باپ دادا، اور نہ ہم اس کے حکم کے بغیر کسی چیز کو حرام کہتے، ان سے پہلے لوگوں نے بھی اسی طرح کیا تھا، سو پیغمبروں کے ذمہ تو صرف (اللہ کے پیغام کو) صاف صاف پہنچا دینا ہے ○ (النحل: ۳۵)

کفار مکہ کے اس اعتراض کا جواب کہ اگر اللہ چاہتا تو ہمیں مومن بنا دیتا

کفار مکہ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں پہلے یہ شبہ پیش کیا کہ آپ جس قرآن کو اپنی نبوت کی دلیل قرار دیتے ہیں اس میں تو صرف پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے اس شبہ کو ذکر کر کے اس کا جواب دیا، پھر دوسرا شبہ یہ پیش کیا کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو ہمارے نہ ماننے کی وجہ سے اب تک ہم پر عذاب کیوں نہیں آیا، سابقہ آیت میں اس کا جواب دیا، اور اب اس آیت میں ان کا تیسرا شبہ پیش فرمایا ہے، جس میں کفار مکہ نے جبر کے طریقہ سے استدلال کیا ہے، انہوں نے کہا اگر اللہ چاہتا تو ہم ایمان لے آتے، خواہ آپ دنیا میں آتے یا نہ آتے، اور جب ہر چیز اللہ کے پیدا کرنے سے ہوتی ہے تو اگر اللہ کو ہمارا ایمان مطلوب ہوتا تو وہ ہم کو مومن بنا دیتا اور اس میں آپ کو پیغام دے کر بھیجنے اور آپ کی تبلیغ کرنے کا کوئی دخل نہیں ہے۔ الانعام: ۱۴۸ میں کفار کا یہ اعتراض گزر چکا ہے، ان کے اس اعتراض کا مفصل جواب ہم اس آیت کی تفسیر میں ذکر کر چکے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو پیدا کیا، تمام فرشتے اور مخلوق اپنے اختیار کے بغیر جبراً اللہ کی

اطاعت کرتی ہے، بجز انسان اور جنات کے، اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ تھی کہ انسان اور جن اپنے اختیار سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف ان ہی کے لیے جنت اور دوزخ کو بنایا اور باقی کسی مخلوق کے لیے جزاء اور سزا کا نظام نہیں بنایا، پھر اللہ تعالیٰ نے شیطان کو بھی پیدا کیا جو لوگوں کو کفر اور برے کاموں کی طرف اکساتا ہے اور نبیوں اور رسولوں کو بھی بھیجا جو لوگوں کو ایمان لانے اور نیک کام کرنے کا حکم دیتے ہیں، اور انسان کے اندر بھی دو قوتیں پیدا کیں ایک وہ قوت جو اس کو نیکیوں پر ابھارتی ہے اور ایک وہ قوت ہے جو اس کو برائیوں پر اکساتی ہے پھر انسان کو عقل سلیم عطا کی کہ وہ کفر اور ایمان اور برائی اور نیکی میں سے کسی ایک چیز کو اختیار کرے اور اس کے تقاضوں پر عمل کرے، جو ایمان اور نیکی کو اختیار کرے گا اس میں وہ ایمان اور نیک کاموں کو پیدا کر دے گا، اور جو کفر اور برے کاموں کو اختیار کرے گا تو وہ اس میں کفر اور برے کاموں کو پیدا کر دے گا کیونکہ وہی ہر چیز کا خالق ہے، پھر ایمان لانے والوں اور نیک کام کرنے والوں کو اپنے فضل سے جنت اور اخروی نعمتیں عطا فرمائے گا اور کفر کرنے والوں اور برے کام کرنے والوں کو اپنے عدل سے دوزخ کے دائمی عذاب میں مبتلا کر دے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے ہر قوم میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور شیطان سے اجتناب کرو، پس ان میں سے بعض وہ ہیں، جن کو اللہ نے ہدایت دی اور ان میں سے بعض وہ ہیں جن پر گمراہی ثابت ہو گئی، سو تم زمین میں سفر کرو پھر دیکھو کہ (رسولوں کی) تکذیب کرنے والوں کا کیسا انجام ہوا○ (النحل: ۳۶)

طاغوت کا معنی

علامہ راغب اصفہانی نے لکھا ہے ہر سرکش کو اور ہر اس چیز کو جس کی اللہ کے سوا عبادت کی جاتی ہو اس کو طاغوت کہتے ہیں۔ ساحر، کاہن، سرکش جن اور نیکی کے راستے سے بھٹکانے والے کو بھی طاغوت کہتے ہیں۔ (المفردات ج ۲ ص ۳۹۷)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ طاغوت کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا طاغوت شیطان ہے، مجاہد، شعبی، ضحاک، قتادہ وغیرہم سے بھی اسی طرح منقول ہے، ابو العالیہ نے کہا طاغوت ساحر ہے، سعید بن جبیر نے کہا طاغوت کاہن ہے، امام ابن جریر نے فرمایا میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو اللہ کے سامنے سرکشی کرے اور جس کی اللہ کو چھوڑ کر عبادت کی جائے وہ طاغوت ہے، خواہ اس کی جبراً عبادت کی جائے یا خوشی سے عبادت کی جائے، خواہ وہ معبود انسان ہو یا بت ہو یا شیطان ہو یا کوئی چیز بھی ہو۔

(جامع البیان جز ۳ ص ۲۸-۲۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابن جریر نے طاغوت کی تعریف میں جو عموم بیان کیا ہے اس عموم سے عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت عزیر کا استثناء کرنا ضروری ہے، کیونکہ عیسائی اور یہودی حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر کی عبادت کرتے تھے لیکن ان پر طاغوت کا اطلاق کرنا جائز نہیں ہے۔

امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ نے لکھا ہے کہ طاغوت میں پانچ قول ہیں: (۱) حضرت عمر، مجاہد اور قتادہ نے کہا کہ طاغوت شیطان ہے۔ (۲) سعید بن جبیر نے کہا طاغوت کاہن ہے۔ (۳) ابو العالیہ نے کہا طاغوت ساحر ہے۔ (۴) طاغوت اصنام ہیں۔ (۵) سرکش جن اور شیطان ہیں اور ہر وہ جو سرکشی کرے، اور تحقیق یہ ہے کہ جب ان چیزوں کے اتصال سے سرکشی ہوتی ہے تو ان چیزوں کو طاغوت کہا جاتا ہے، کیونکہ یہ چیزیں سرکشی کا سبب ہیں۔

(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۱۶، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اس اعتراض کا جواب کہ جب اللہ تعالیٰ نے کافروں کو گمراہ کر دیا تو ان کا گمراہی میں کیا قصور ہے

امام رازی فرماتے ہیں اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ان میں سے بعض وہ ہیں جن پر گمراہی ثابت ہو گئی، یہ آیت ہمارے مذہب پر دلالت کرتی ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ ان پر گمراہی ثابت ہو گئی تو اب یہ محال ہے کہ ان سے گمراہی صادر نہ ہو ورنہ اللہ تعالیٰ کی خبر صادق، کاذب ہو جائے گی اور یہ محال ہے اور جو چیز محال کو مستلزم ہو وہ بھی محال ہوتی ہے، اس لیے ان کا گمراہ نہ ہونا بھی محال ہے اور ان کا گمراہ ہونا عقلاً واجب ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۲۰۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اس آیت کی امام رازی نے جو تقریر کی ہے اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے کافروں کو گمراہ کر دیا اور اب ان کا ہدایت کو قبول کرنا محال ہے اور ان کا گمراہ ہونا واجب ہے تو پھر اس گمراہی میں ان کا کیا قصور ہے؟ اور دنیا میں ان کی مذمت اور آخرت میں ان کو دائمی عذاب دینے کی کیا توجیہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ازل میں اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ ان کافروں کو اختیار دیا جائے گا پھر یہ اپنے اختیار سے ایمان کے مقابلہ میں کفر کو اور نیک اعمال کے مقابلہ میں بداعمالیوں کو اختیار کریں گے اور بندہ اپنے لیے جس چیز کو اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے وہی چیز پیدا کر دیتا ہے، سو اللہ تعالیٰ نے ان کے اختیار کے مطابق ان میں گمراہی کو پیدا کر دیا اور اپنے علم کے مطابق اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دے دی کہ ان پر گمراہی ثابت ہو چکی ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو خبر دی ہے اس کا واقع ہونا ضروری ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کا علم جہل سے اور اس کا صدق کذب سے منقلب ہو جائے گا اور یہ دونوں چیزیں محال ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اگر آپ ان کی ہدایت پر حریص ہیں (تو سن لیں کہ) بیشک اللہ اس کو ہدایت نہیں دیتا جس کو وہ گمراہ کر دے، اور ان کے لیے کوئی مددگار نہیں ہے ○ (النحل: ۳۷)

کافروں کے ایمان نہ لانے پر آپ کو تسلی دینا

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کفار مکہ کے اسلام اور ایمان لانے کے لیے بہت کوشش کرتے تھے اس کے باوجود وہ اپنی سرکشی اور ہٹ دھرمی سے باز نہیں آتے تھے۔ اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت رنج ہوتا تھا تو اللہ تعالیٰ آپ کو تسلی دینے کے لیے فرماتا ہے کہ ان لوگوں نے اپنے لیے کفر اور گمراہی کو اختیار کر لیا سو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے کفر اور گمراہی کو پیدا کر دیا اور جب اللہ ان کے لیے کفر اور گمراہی کو پیدا کر چکا ہے تو وہ اب ان کے لیے ہدایت کو پیدا نہیں کرے گا اور اب ان کی کوئی مدد نہیں کر سکتا، سو اب آپ ان پر افسوس نہ کریں اور ان کے متعلق غمگین نہ ہوں، قرآن عظیم میں اس نوع کی اور بھی آیات ہیں:

وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا۔ (المائدہ: ۴۱)

اور جس کو اللہ گمراہ کرنا چاہے تو آپ ہرگز اللہ کی طرف سے اس کے لیے کسی چیز کی طاقت نہیں رکھتے۔

اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ۔ (القصص: ۵۶)

بے شک آپ اسکو ہدایت یافتہ نہیں بناتے جسکا ہدایت یافتہ ہونا آپکو پسند ہو، لیکن اللہ جسکو چاہتا ہے ہدایت یافتہ بنا دیتا ہے۔

اس معنی کو بیان کرتے ہوئے حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا:

وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ هُوَ رَبُّكُمْ

اور اگر میں تمہاری خیر خواہی چاہوں تو میری خیر خواہی تم کو نفع نہیں دے سکتی اگر اللہ نے تمہیں گمراہ کرنے کا ارادہ کر لیا

وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ۔ (ھود: ۳۴) ہو وہی تمہارا رب ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

اور جو لوگ کفر اور گمراہی کو اختیار کرلیں اور ان کے اس اختیار کی وجہ سے اللہ ان کو کافر اور گمراہ بنادے تو پھر اللہ کے دائمی عذاب سے ان کو کوئی چھڑا نہیں سکتا، واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ جبراً کسی کو مومن اور ہدایت یافتہ بناتا ہے اور نہ ہی جبراً کسی کو کافر اور گمراہ بناتا ہے، جو ایمان کو اختیار کرتا ہے اس کو مومن بنادیتا ہے اور جو کفر کو اختیار کرتا ہے اس کو کافر بنادیتا ہے۔

اس آیت میں آپ کو تسلی دینے کا پہلو یہ ہے کہ آپ کا منصب اللہ کا پیغام پہنچانا اور دین اسلام کی تبلیغ کرنا ہے، سو آپ نے اللہ کے پیغام کو احسن اور کامل طریقہ سے پہنچادیا، اب اگر آپ کی پیہم تبلیغ کے باوجود یہ ایمان نہیں لائے تو آپ غم نہ کریں کیونکہ ان کے دل میں ایمان کو پیدا کردینا اور کفر کو ایمان سے اور گمراہی کو ہدایت سے بدل دینا یہ آپ کی ذمہ داری نہیں ہے اور نہ یہ آپ کی قدرت اور اختیار میں ہے یہ صرف اللہ عزّوجلّ کا کام ہے اور اس کو ازل میں علم تھا کہ یہ ایمان کو اختیار نہیں کریں گے اور کفر پر اصرار کریں گے سو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے کفر اور گمراہی کو مقدر کردیا اور اللہ کے لکھے کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے اپنی پکی پکی قسموں میں سے اللہ کی قسم کھائی کہ اللہ مرنے والوں کو دوبارہ زندہ کرکے نہیں اٹھائے گا، کیوں نہیں! یہ اللہ کا برحق وعدہ ہے، اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے○ تاکہ وہ ان پر اس حقیقت کو کھول دے جس میں وہ اختلاف کرتے تھے اور اس لیے کہ کفار جان لیں کہ وہ جھوٹے تھے○ اور ہم جس چیز کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کے متعلق ہمیں صرف یہ کہنا ہوتا ہے کہ "ہوجا" سو وہ ہوجاتی ہے○ (النحل: ۴۰-۳۸)

کفار کا حشر و نشر کو محال کہنا

ان آیتوں میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر کفار مکہ کا چوتھا شبہ پیش کرکے اس کا جواب دیا گیا ہے، وہ کہتے تھے کہ مرکر دوبارہ زندہ ہونا اور حشر نشر باطل ہے اور چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے تھے کہ مرنے کے بعد سب لوگوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا، تو وہ اس بناء پر آپ کی رسالت کو باطل قرار دیتے تھے، ان کا یہ کہنا تھا کہ مرنے کے بعد یہ جسم ریزہ ریزہ ہوجاتا ہے، اور مٹی میں مل کر مٹی ہوجاتا ہے، اسی طرح دوسرے اجسام بھی مٹی ہوکر مٹی میں مل کر ریزہ ریزہ ہوجاتے ہیں، پھر یہ ذرات ایک دوسرے میں خلط ملط ہوجاتے ہیں اور زمانے کے تغیرات اور حوادث سے اور آندھیوں اور طوفانوں سے یہ ذرات کہیں سے کہیں پہنچ جاتے ہیں، پھر ان مختلف اور مختلط ذرات کو ایک دوسرے سے الگ کرنا، پھر ہر جسم کے ذرات کو اس جسم میں جمع کرنا اور جوڑنا اور پھر اس کو مکمل جسم بناکر زندہ کرنا ان کے نزدیک نہ صرف بے حد مشکل تھا بلکہ محال تھا، وہ اس پر کوئی دلیل پیش نہیں کرتے تھے بلکہ بداہت کا دعویٰ کرتے تھے، اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بات بہت غضب کی موجب تھی کہ وہ فرماتا ہے کہ وہ لوگوں کو موت کے بعد پھر زندہ کرے گا اور کفار پختہ قسمیں کھاکر اس بات کی تکذیب کریں اور کہیں کہ لوگوں کو مرنے کے بعد زندہ نہیں کیا جاسکتا، حدیث میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ابن آدم نے میری تکذیب کی اور اس کو یہ سزاوار نہ تھا اور اس نے مجھے گالی دی اور اس کو یہ لائق نہ تھا، اس نے میری جو تکذیب کی ہے وہ یہ ہے کہ میں لوگوں کو پہلی شکل و صورت میں زندہ کرنے پر قادر نہیں ہوں، اور اس نے مجھے جو گالی دی ہے وہ یہ کہ میرا بیٹا ہے اور میں اس سے پاک ہوں کہ میری کوئی بیوی ہو یا بیٹا ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۸۲، مسند احمد رقم الحدیث: ۸۲۲۲، طبع جدید دار الفکر)

حشرونشر کے امکان اور وقوع پر دلائل

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیوں نہیں! یہ اللہ کا برحق وعدہ ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اور جس چیز کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمالیا ہے اس کا ہونا ضروری ہے، اور رہا کفار کا یہ شبہ کہ یہ مختلف اور مختلط ذرات کیسے باہم الگ الگ اور ممتاز ہوں گے تو یہ اس کے لیے مشکل ہے جس کا علم کامل اور محیط نہ ہو، اللہ تعالیٰ کا علم ذرہ ذرہ کو محیط ہے، سمندر کی تہہ میں، پہاڑ کے کسی غار میں، کسی بھی جگہ کوئی چیز ہو وہ اللہ تعالیٰ کے علم سے باہر نہیں ہے، اور ان کا یہ کہنا کہ ان تمام ذرات کو مختلف جگہوں سے نکال کر ایک جگہ جمع کرنا، پھر ان سب کو جوڑ کر ویسا ہی جسم بنانا پھر اس کو زندہ کرنا محال ہے تو یہ اس کے لیے محال ہے جس کی قدرت کامل نہ ہو، اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کامل ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے اور جب وہ پہلے کسی نمونہ اور مثال کے بغیر ایک شخص کو پیدا کر چکا ہے تو دوبارہ اس کو پیدا کرنا اس کے لیے کیا مشکل ہوگا!

دوسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس گورکھ دھندے کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ ان مختلف اور مختلط ذرات کو پہلے تلاش کرے پھر ان کو اکٹھا کرے پھر ان کا ویسا ہی جسم بنائے پھر اس کو زندہ کرے، اسے کسی بھی چیز کو بنانے کے لیے کسی قسم کے مادہ، مثال، مدت اور آلہ کی ضرورت نہیں ہے وہ جب کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو وہ صرف یہ فرماتا ہے کہ "فلاں چیز ہو جا" سو وہ ہو جاتی ہے۔ اس نے پہلے بھی اس تمام کائنات کو لفظ "کن" سے بنایا تھا دوبارہ بھی اس کائنات کو اس لفظ "کن" سے پیدا کر دے گا۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عبادت گزاروں کو ثواب دینا ہے اور کافروں اور سرکشوں کو عذاب دینا ہے، ظالموں کو ان کے ظلم کی سزا دینی ہے اور مظلوموں کو ان کے ظلم سہنے کی جزا دینی ہے اگر اس جہان کے بعد کوئی دوسرا جہان نہ ہو تو عبادت گزار بغیر ثواب کے اور کافر بغیر عذاب کے اور ظالم بغیر سزا کے اور مظلوم بغیر جزا کے رہ جائیں گے اور یہ احکم الحاکمین کی حکمت کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے تمام انسانوں کو بیک وقت زندہ کرنا یا پیدا کرنا، کسی ایک انسان کو زندہ یا پیدا کرنے کی طرح ہے وہ چاہے تو ایک آن میں سب کو ہلاک کر دے اور وہ چاہے تو ایک آن میں سب کو زندہ کر دے، قرآن عظیم میں ہے:

مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ۔ (لقمان: ۲۸)

تم سب کو پیدا کرنا اور تم سب کو دوبارہ زندہ کر کے اٹھانا اللہ کے نزدیک ایسا ہے جیسے کسی ایک شخص کو پیدا کرنا اور اس کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنا۔

وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ۔ (القمر: ۵۰)

ہمارا کام تو ایک لمحہ کی بات ہے جیسے پلک جھپکنا○

"کن فیکون" پر ایک اعتراض کا جواب

اس آیت میں فرمایا ہے اور ہم جس چیز کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کے متعلق ہمیں یہ کہنا ہوتا ہے کہ "ہو جا" سو وہ ہو جاتی ہے، ایک اور جگہ بھی اس طرح ارشاد ہے:

اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ۔ (یٰسین: ۸۲)

اس کا کام یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس چیز سے فرماتا ہے "ہو جا" سو وہ ہو جاتی ہے۔

اس پر اعتراض کیا گیا ہے کہ جب وہ چیز موجود نہیں تھی اور اللہ تعالیٰ نے اس سے فرمایا "ہو جا" تو یہ معدوم کو خطاب

ہے اور معدوم سے خطاب کرنا عبث ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں ہے اور اگر وہ چیز موجود تھی اور پھر اللہ تعالیٰ نے اس سے فرمایا "ہو جا" تو یہ تحصیل حاصل ہے اور یہ بھی عبث ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ وہ چیز اللہ تعالیٰ کے علم اجمالی میں موجود تھی اللہ تعالیٰ نے اس مرتبہ میں اس سے متوجہ ہو کر فرمایا: "ہو جا۔" سو یہ معدوم سے خطاب نہیں ہے اور وہ پہلے معلوم اور موجود ذہنی کے درجہ میں تھی اللہ تعالیٰ کے "کن" فرمانے سے وہ خارج میں موجود ہو گئی لہٰذا یہ تحصیل حاصل بھی نہیں ہے۔

امام رازی نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو سمجھانے کے لیے بطور مثال یہ فرمایا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ جس چیز کا ارادہ فرمائے وہ اسی وقت فوراً ہو جاتی ہے، اگر اللہ تعالیٰ تمام دنیا اور آخرت کو چشم زدن میں پیدا فرمانا چاہے تو وہ پلک جھپکنے سے پہلے تمام دنیا اور آخرت کو پیدا فرما دے گا، لیکن اس نے بندوں سے ان کی عقلوں کے مطابق خطاب فرمایا۔

(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۲۰۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حضرت سلیمان علیہ السلام کے وزیر آصف بن برخیا نے پلک جھپکنے سے پہلے تخت بلقیس حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے لا کر رکھ دیا اور آصف بن برخیا کو یہ قدرت اللہ تعالیٰ نے عطا کی تھی تو اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کون اندازہ کر سکتا ہے، وہ چاہے تو پلک جھپکنے سے پہلے اس جہان جیسے کروڑوں عالم پیدا کر دے، اس کی قدرت کا کون تصور کر سکتا ہے!

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي

اور جن لوگوں نے ظلم برداشت کرنے کے بعد اللہ کے لیے ہجرت کی، ہم ان کو ضرور دنیا میں اچھا

الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝۴۱

ٹھکانا دیں گے اور آخرت میں اجر تو بہت بڑا ہے کاش کہ وہ جانتے ○

الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝۴۲ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ

جنہوں نے صبر کیا اور وہ اپنے رب پر ہی توکل کرتے ہیں ○ اور ہم نے آپ سے پہلے صرف

قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ

مردوں ہی کو رسول بنایا تھا جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے، اگر تم لوگ نہیں جانتے تو اہل ذکر

لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۴۳ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ۭ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ

(اہل کتاب) سے پوچھ لو ○ (ان رسولوں کو) واضح دلائل اور کتابوں کے ساتھ بھیجا تھا، اور ہم نے آپ کی طرف ذکر

لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝۴۴

(قرآن عظیم) اس لیے نازل کیا ہے کہ آپ لوگوں کو وضاحت کے ساتھ بتائیں کہ ان کی طرف کیا نازل کیا گیا اور تاکہ وہ غور و فکر کریں ○

وقف لازم

النصف



أَفَأَمِنَ الَّذِينَ مَكَرُوا السَّيِّئَاتِ أَن يَخْسِفَ اللَّهُ بِهِمُ الْأَرْضَ

جو لوگ بری سازشیں کرتے ہیں کیا وہ اس بات سے بے خوف ہیں کہ اللہ انہیں زمین میں دھنسا دے

أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٤٥﴾ أَوْ يَأْخُذَهُمْ

یا ان پر وہاں سے عذاب لے آئے جہاں سے عذاب آنے کا انہیں وہم و گمان بھی نہ ہو ○ یا ان کو چلتے پھرتے

فِي تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُم بِمُعْجِزِينَ ﴿٤٦﴾ أَوْ يَأْخُذَهُمْ عَلَىٰ تَخَوُّفٍ

پکڑ لے، سو وہ خدا کو عاجز نہیں کر سکتے ○ یا وہ ان کو عین حالت خوف میں پکڑ لے،

فَإِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿٤٧﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَىٰ مَا خَلَقَ اللَّهُ

تو بے شک تمہارا رب بہت مہربان، نہایت رحم فرمانے والا ہے ○ کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ اللہ نے جو

مِن شَيْءٍ يَتَفَيَّأُ ظِلَالُهُ عَنِ الْيَمِينِ وَالشَّمَائِلِ سُجَّدًا

چیز بھی پیدا کی ہے اس کا سایہ اللہ کو سجدہ کرتے ہوئے دائیں اور بائیں جھکتا ہے، اور

لِّلَّهِ وَهُمْ دَاخِرُونَ ﴿٤٨﴾ وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا

اس وقت وہ اللہ کے حضور عاجزی کرتے ہیں ○ اور جو چیزیں آسمانوں میں ہیں اور جو چیزیں زمینوں میں ہیں،

فِي الْأَرْضِ مِن دَابَّةٍ وَالْمَلَائِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ﴿٤٩﴾

زمین پر چلنے والے اور فرشتے سب اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے ○

يَخَافُونَ رَبَّهُم مِّن فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ﴿٥٠﴾ السجدة ٤ ع

وہ اپنے اوپر اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے ہیں اور وہ وہی کام کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے ○

السجدة ٣ — ع ١٠ ٦ ١٢

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جن لوگوں نے ظلم برداشت کرنے کے بعد اللہ کے لیے ہجرت کی، ہم ان کو ضرور دنیا میں اچھا ٹھکانا دیں گے، اور آخرت میں اجر تو بہت بڑا ہے کاش کہ وہ جانتے ○ جن لوگوں نے صبر کیا اور وہ اپنے رب پر ہی توکل کرتے ہیں ○ (النحل: ۴۲-۴۱)

مہاجرین کی تعریف اور تحسین

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بتایا تھا کہ کفار مکہ نے اللہ کی بڑی بڑی قسمیں کھائیں کہ اللہ تعالیٰ مرنے کے بعد لوگوں کو پیدا نہیں کرے گا اور حشر و نشر کا انکار کیا، اس سے پتا چلتا ہے کہ وہ اپنی سرکشی، جہالت اور گمراہی میں حد سے تجاوز کر

چکے تھے اور جو مسلمان ان کے اس عقیدہ میں ان کے مخالف تھے ان پر طرح طرح کے مظالم کرتے تھے' ان کے اس ظلم و ستم کے نتیجہ میں مسلمانوں نے مکہ سے ہجرت کی' سو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان مسلمانوں کی تعریف اور تحسین فرمائی جنہوں نے اللہ کے دین پر آزادی اور بے خوفی سے عمل کرنے کے لیے مکہ سے ہجرت کی۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: یہ وہ مسلمان ہیں جنہوں نے اہل مکہ کے ظلم سہنے کے بعد ہجرت کی' ان پر مشرکین نے ظلم کیا تھا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۶۳۰۸' الدر المنثور ج ۵ ص ۱۳۱)

امام ابو الحسن علی بن احمد واحدی متوفی ۴۶۸ھ لکھتے ہیں:

یہ آیت مکہ میں رہنے والے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے متعلق نازل ہوئی' حضرت بلال' حضرت صہیب' حضرت خباب' حضرت عمار اور حضرت ابو جندل بن سہیل کے متعلق' مشرکین نے ان کو مکہ میں پکڑ کر رکھا ہوا تھا اور ان کو سخت ایذا پہنچاتے تھے اور عذاب دیتے تھے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کا مدینہ میں ٹھکانا بنا دیا۔

(اسباب نزول القرآن رقم الحدیث: ۵۵۷' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کی ہجرت

حضرت صہیب بن سنان بن مالک رومی کی کنیت ابو یحییٰ ہے ان کی یہ کنیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھی تھی' ان کو رومی اس لیے کہتے ہیں کہ صغر سنی میں ان کو رومیوں نے قید کر لیا تھا' انہوں نے روم میں ہی پرورش پائی' ان سے بنو کلب نے ان کو خرید لیا اور مکہ میں لے آئے' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو انہوں نے اسلام قبول کر لیا' علامہ واقدی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت صہیب اور حضرت عمار ایک دن میں مسلمان ہوئے تھے' ان سے پہلے تیس اور کچھ لوگ مسلمان ہو چکے تھے' یہ ان کمزور لوگوں میں تھے جن کو اسلام لانے کی وجہ سے مکہ میں عذاب دیا جاتا تھا' جن لوگوں نے سب کے بعد ہجرت کی ان میں حضرت علی اور حضرت صہیب رضی اللہ عنہ تھے' جب حضرت صہیب ہجرت کرنے لگے تو مشرکین کی ایک جماعت نے ان کا پیچھا کیا' حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے اپنے ترکش میں سے تیر نکال کر کہا: اے قریش کے لوگو! تم جانتے ہو کہ میں تم سب سے بہترین تیر انداز ہوں' اور اللہ کی قسم! تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک میرے نزدیک نہیں آسکتا جب تک کہ میرے ترکش کے سارے تیر ختم نہ ہو جائیں' پھر میرے ہاتھ میں تلوار ہے اور میں آخری دم تک تم سے تلوار کے ساتھ مقابلہ کرتا رہوں گا' اور اگر تم میرا مال چاہتے ہو تو میں تمہیں اپنے مال کا پتا بتا دیتا ہوں۔ انہوں نے اس پر معاہدہ کر لیا' اور حضرت صہیب نے ان کو اپنے مال کا پتا بتا دیا اور حضرت صہیب رسول اللہ سے جا ملے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھ کر فرمایا: ابو یحییٰ نے تجارت میں نفع حاصل کر لیا۔ اور اللہ عزوجل نے ان کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ۔ (البقرہ: ۲۰۷)

اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو اپنی جان اللہ کی رضا کے حصول کے لیے فروخت کر دیتے ہیں۔

ہجرت کی وجہ سے اسلام کی تقویت

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہجرت کی عظیم اہمیت بیان فرمائی ہے' اور مہاجرین کا مقام بیان فرمایا ہے' کیونکہ ان کی ہجرت کی وجہ سے اسلام کو قوت حاصل ہوئی' اللہ تعالیٰ نے فرمایا جن لوگوں نے ظلم برداشت کرنے کے بعد ہجرت کی' یہ لوگ

کفار کے ہاتھوں عذاب جھیل رہے تھے، اہل مکہ یہ چاہتے تھے کہ یہ اسلام سے نکل کر کفر کی طرف لوٹ آئیں لیکن ان مسلمانوں نے وطن چھوڑ دیا دین نہیں چھوڑا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم ان کو ضرور دنیا میں اچھا ٹھکانہ دیں گے، اچھے ٹھکانے کی تفسیر میں کئی اقوال ہیں ایک یہ ہے کہ ہم ضرور ان ہجرت کرنے والے مسلمانوں کو مکہ کے ان کافروں پر غلبہ عطا فرمائیں گے جو ان پر ظلم کرتے تھے اور پھر تمام جزیرہ عرب پر غلبہ عطا فرمائیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب مہاجرین میں سے کسی کو وظیفہ عطا فرماتے تو کہتے تھے لو تمہیں اللہ تعالیٰ اس میں برکت دے یہ وہ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے تم سے دنیا میں دینے کا وعدہ کیا تھا اور اللہ نے تمہارے لیے آخرت میں جس اجر کا ذخیرہ کر رکھا ہے وہ بہت بڑا اجر ہے، دوسری تفسیر یہ ہے کہ ہم تمہیں دنیا میں اچھا گھر عطا فرمائیں گے، لہٰذا مدینہ میں انصار نے ان کو اپنے گھروں میں رکھا اور اللہ تعالیٰ نے مکہ کے عوض ان کو مدینہ عطا فرمایا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کاش کہ وہ جانتے، اس کی بھی دو تفسیریں ہیں: ایک یہ ہے کہ اس کی ضمیر مکہ کے کافروں کی طرف لوٹتی ہے یعنی کاش یہ کافر جان لیتے کہ اللہ تعالیٰ نے ان مظلوم مسلمانوں کے لیے دنیا اور آخرت میں کتنا عظیم اجر تیار کر رکھا ہے تو وہ ان پر ظلم و ستم کرنے سے باز آجاتے اور کفر کے بجائے اسلام اور دنیا کی بجائے آخرت کی طرف رغبت کرتے۔ اور اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ یہ ضمیر مظلوم مسلمانوں کی طرف لوٹتی ہے یعنی کاش یہ مظلوم مسلمان جان لیتے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا اور آخرت میں ان کے لیے کتنا عظیم اجر تیار کر رکھا ہے تو یہ عبادت میں اور زیادہ کوشش کرتے۔

صبر اور توکل

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جن لوگوں نے صبر کیا اور وہ اپنے رب پر ہی توکل کرتے ہیں ○ اس سے مراد وہی لوگ ہیں جنہوں نے کفار کے مظالم برداشت کیے اور مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی، اس آیت میں ان کی مزید مدح فرمائی ہے یعنی یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفار کی ایذاء اور ان کے عذاب پر صبر کیا اور وطن سے جدائی کو برداشت کیا اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں کو خرچ کیا، اس آیت میں صبر اور توکل کا ذکر ہے، صبر کا معنی ہے نفس پر قہر کرنا اور اس کو مغلوب کرنا اور اسے مصائب برداشت کرنے کا عادی بنانا اور توکل کا معنی ہے مخلوق سے بالکلیہ منقطع ہو کر خالق کی طرف بالکلیہ متوجہ ہونا اور صبر اللہ کی طرف سلوک کی پہلی منزل ہے اور توکل اللہ کی طرف سلوک کی انتہائی منزل ہے۔

ہجرت کا لغوی اور اصطلاحی معنی اور ہجرت کی اقسام

ان آیتوں میں چونکہ ہجرت کا ذکر آ گیا ہے اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ ہجرت کا لغوی اور اصطلاحی معنی اور اس کی اقسام بیان کر دیں۔ علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

ہجر اور ہجران کا معنی ہے انسان اپنے غیر سے الگ ہو جائے، خواہ جسمانی طور پر الگ ہو یا زبان سے یا قلب سے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: ہجرت کی تعریف ہے دار الکفر سے دار الاسلام کی طرف جانا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ۭ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ۭ فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا۔ (النساء: ۹۷)

جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے (یعنی جنہوں نے ہجرت نہیں کی تھی) جب فرشتوں نے ان کی روحوں کو قبض کرتے وقت پوچھا: تم کیا کرتے رہے؟ انہوں نے کہا ہم زمین میں کمزور اور بے بس تھے، فرشتوں نے کہا: کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے، ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور یہ بُرا ٹھکانا ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے: انا بریٔ من مسلم بین مشرکین لا تراء انارا ھما (ابوداؤد) "میں اس مسلمان سے بیزار ہوں جو مشرکوں کے درمیان رہتا ہے، ان دونوں کی آگ (ایک جگہ) دکھائی نہ دے۔" یعنی مسلمان ایسی جگہ نہ رہیں جہاں سے ان کی آگ مشرکوں کو دکھائی دے اور مشرکوں کی آگ مسلمانوں کو دکھائی دے۔ اس موضوع کے متعلق بکثرت احادیث ہیں۔ جمہور فقہاء کے نزدیک قیامت تک ہجرت کا حکم باقی ہے اور بعض فقہاء کا یہ نظریہ ہے کہ اب ہجرت منقطع ہو چکی ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے۔" نیز آپ نے فرمایا: ہجرت منقطع ہو چکی ہے اور جہاد اور نیت باقی ہے۔

روایت ہے کہ جب صفوان بن امیہ اسلام لائے تو ان سے کہا گیا کہ جو شخص ہجرت نہ کرے اس کا دین نہیں ہے، سو وہ مدینہ آئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا: اے ابو وہب تم یہاں کیوں آئے ہو؟ انہوں نے کہا مجھے یہ بتایا گیا ہے کہ "جو ہجرت نہ کرے اس کا کوئی دین نہیں ہے۔" آپ نے فرمایا: اے ابو وہب مکہ کی وادیوں میں لوٹ جاؤ اور اپنے گھروں میں رہو کیونکہ اب ہجرت ختم ہو چکی ہے تاہم جہاد اور نیت باقی ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے ہجرت اس وقت تک منقطع نہیں ہوگی جب تک توبہ منقطع نہیں ہوگی، اور جب تک سورج مغرب سے طلوع نہ ہو توبہ منقطع نہیں ہوگی۔ (ابوداؤد)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے جب تک جہاد ہے ہجرت منقطع نہیں ہوگی اس کے علاوہ قرآن مجید کی آیات اور احادیث ہجرت کے عموم اور اطلاق پر دلالت کرتی ہیں، جس کا تقاضا یہ ہے کہ ہجرت ہر زمانہ میں مشروع ہے اور جس حدیث میں یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شہر فتح ہو گیا اس سے منتقل ہونا ہجرت نہیں ہے اور صفوان کی جس روایت میں ہے ہجرت منقطع ہو گئی، اس کا مطلب یہ ہے کہ مکہ سے ہجرت منقطع ہو گئی، کیونکہ ہجرت کا معنی ہے کفار کے شہر سے نکلنا اور جب کوئی شہر فتح ہو گیا تو پھر وہ کافروں کا شہر نہیں رہا اس لیے اب اس شہر سے ہجرت کا حکم باقی نہیں رہا، ہر شہر کا یہی حکم ہے اس لیے ہجرت کے اعتبار سے لوگوں کی تین قسمیں ہیں:

(۱) جو لوگ کفار کے شہر میں ہوں اور اس شہر سے ہجرت پر قادر ہوں، اور ان کے لیے ان کافروں کے ساتھ رہتے ہوئے دین کا اظہار کرنا اور فرائض و واجبات کو ادا کرنا ممکن نہ ہو، ان لوگوں پر ہجرت کرنا واجب ہے، کیونکہ قرآن مجید میں ہے: الم تکن ارض اللہ واسعۃ فتھاجروا فیھا فاولئک ماوھم جھنم وساءت مصیرا۔ (النساء: ۹۷) "کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر لیتے، ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور یہ بُرا ٹھکانا ہے۔" اور یہ بہت شدید وعید ہے، جو وجوب پر دلالت کرتی ہے نیز اس لیے کہ واجب کا مقدمہ واجب ہوتا ہے اور واجبات کی ادائیگی ہجرت پر موقوف ہو تو ہجرت واجب ہو جائے گی۔

(۲) جو شخص کفار کے ملک میں فرائض وغیرہ کے ادا کرنے پر قادر نہ ہو اور کسی عذر کی بناء پر ہجرت نہ کر سکتا ہو، مثلاً بیمار ہو، یا اس کو جبراً ٹھہرایا گیا ہو یا عورتوں اور بچوں کا ضعف ہو، اس پر ہجرت واجب نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ حِیْلَةً وَّلَا یَهْتَدُوْنَ سَبِیْلًا ۙ فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّعْفُوَ

ہاں! جو مرد، عورتیں اور بچے واقعی بے بس ہوں اور (کفار کے شہروں سے) نکلنے کا کوئی راستہ اور ذریعہ نہیں پاتے، ان سے شاید اللہ تعالیٰ درگزر فرمائے، اور اللہ تعالیٰ بڑا معاف

عَنْهُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا۔ کرنے والا اور بہت درگزر کرنے والا ہے۔

(النساء: ۹۹-۹۸)

(۳) جو لوگ دارالکفر میں رہتے ہیں اور اس شہر سے ہجرت کرنے پر قادر ہوں لیکن وہ دارالکفر میں دین کے اظہار اور فرائض وواجبات کی ادائیگی بھی بخوبی کر سکتے ہوں، ان کے لیے ہجرت کرنا مستحب ہے واجب نہیں ہے، اور یہ استحباب اس وجہ سے ہے کہ وہ دارالاسلام میں رہ کر مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں شامل ہو سکیں گے، اور مسلمانوں کی افرادی قوت میں اضافہ کا سبب بنیں گے اور دیگر معاملات میں ان کے معاون ہوں گے اور کفار کے ساتھ اختلاط، ان کی عددی قوت میں اضافہ اور ان کے فواحش اور منکرات کو دیکھنے سے بچے رہیں گے، اور ان پر ہجرت کرنا واجب اس لیے نہیں ہے کہ وہ ہجرت کے بغیر بھی فرائض اور واجبات کو ادا کر سکتے ہیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت سیدنا عباس رضی اللہ عنہ اسلام لانے کے باوجود مکہ میں مقیم رہے، اور روایت ہے کہ حضرت نعیم نحام نے جب ہجرت کا ارادہ کیا تو ان کی قوم (بنو عدی) ان کے پاس گئی اور کہا تم اپنے دین پر قائم رہو اور ہمارے پاس ٹھہرو، اور جو شخص تمہیں اذیت پہنچانے کا ارادہ کرے گا ہم تم کو اس سے محفوظ رکھیں گے، اور تم جو ہماری کفالت کیا کرتے تھے وہ کرتے رہنا، (حضرت نعیم بنو عدی کے یتیموں اور بیواؤں کی کفالت کرتے تھے۔) سو ایک مدت تک انہوں نے ہجرت نہیں کی اور کافی عرصہ کے بعد انہوں نے ہجرت کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تمہاری قوم میری قوم سے بہتر ہے، میری قوم نے مجھے وطن سے نکال دیا اور مجھے قتل کرنے کا ارادہ کیا، اور تمہاری قوم نے تمہاری حفاظت اور حمایت کی اور تمہیں جانے نہیں دیا۔ حضرت نعیم نے کہا یا رسول اللہ! بلکہ آپ کی قوم نے آپ کو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور دشمن کے خلاف جہاد کی طرف نکالا اور میری قوم نے مجھے ہجرت اور اللہ کی عبادت سے روک لیا۔ (المغنی ج ۹ ص ۲۳۷-۲۳۶، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ)

علامہ ابن قدامہ نے جو ہجرت کی تیسری قسم بیان کی ہے آج کل اس کا مصداق وہ مسلمان ہیں جو معاشی ضروریات کی بناء پر ترک وطن کر کے انگلینڈ، آسٹریلیا، امریکہ، ہالینڈ، جرمنی اور افریقہ وغیرہ میں سکونت اختیار کر چکے ہیں اور انہوں نے ان علاقوں کی مستقل شہریت اختیار کر لی ہے۔

علامہ ابن قدامہ نے ہجرت کی تین اقسام بیان کیں ان کے علاوہ بھی ہجرت کی اقسام ہیں ایک قسم ہے دارالخوف سے دارالامن کی طرف ہجرت کرنا اگرچہ وہ دونوں دارالکفر ہوں، جیسے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے سے پہلے مسلمانوں نے مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کی مکہ اور حبشہ اس وقت دونوں دارالکفر تھے لیکن مکہ میں مسلمانوں کو کفار کے مظالم کا خوف تھا اور حبشہ میں یہ خوف نہیں تھا، سو انہوں نے دارالخوف سے دارالامن کی طرف ہجرت کی، اور آج کل اس کی مثال یہ ہے جیسے مسلمان بھارت سے افریقی ملکوں میں، برطانیہ، ہالینڈ، امریکا اور جرمنی وغیرہ چلے جاتے ہیں، حالانکہ بھارت بھی کافر ملک ہے اور یہ ممالک بھی دارالکفر ہیں مگر بھارت میں آئے دن ہندو مسلم فسادات ہوتے رہتے ہیں، مسلمانوں کی مساجد کو مسمار کر دیا جاتا ہے، اجودھیا کی بابری مسجد اس کی تازہ مثال ہے، عید گاہوں میں عین نماز عید کے وقت وہ میدان میں خنزیر چھوڑ دیتے ہیں، مسلمان گائے کی قربانی نہیں کر سکتے، اگر کہیں پتا چل جائے کہ مسلمانوں نے گائے ذبح کی ہے تو بڑے پیمانہ پر مسلمانوں کا قتل عام شروع ہو جاتا ہے، ہندوؤں کے ان مظالم سے تنگ آکر مسلمان افریقی ممالک، برطانیہ، امریکا، جرمنی وغیرہ ہجرت کر جاتے ہیں اور یہ دارالخوف سے دارالامن کی طرف ہجرت ہے، ہرچند کہ دونوں ملک دارالکفر ہیں۔

ہجرت کی دوسری قسم یہ ہے کہ انسان اپنی زبان اور اپنے تمام اعضاء کو اللہ تعالیٰ کی معصیت سے الگ کر لے اور تمام

قسم کے گناہوں کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی طرف منتقل ہو جائے، گویا شیطان کی سلطنت سے اللہ کی سلطنت کی طرف منتقل ہو جائے اور اس نے اپنے تمام اعضاء کو جو شیطان کا محکوم اور مطیع بنایا ہوا ہے تو وہ اس کی اطاعت کو ترک کر کے اللہ کی اطاعت کی طرف منتقل ہو جائے اور وہ اپنے تمام اعضاء کو اللہ کا محکوم اور مطیع بنالے تو یہ کامل ہجرت ہے حدیث میں ہے: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (کامل) مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور اس کے ہاتھوں (کے شر) سے دوسرے مسلمان سلامت رہیں اور (کامل) مہاجر وہ ہے جو ان چیزوں سے ہجرت کرے (ان کو ترک دے) جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۸۴، ۱۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۰، مسند احمد رقم الحدیث: ۶۵۱۵، ۶۸۰۶، ۶۸۳۵، مطبوعہ عالم الکتب بیروت)

اور ہجرت کی تیسری قسم یہ ہے کہ انسان ان تمام چیزوں کو ترک کردے اور ان سے الگ ہو جائے جو یاد الٰہی اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے غافل کرتی ہیں اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان اپنی عائلی اور معاشرتی ذمہ داریوں کو ترک کر کے جنگل میں یا کسی غار میں لوٹا، مصلیٰ اور تسبیح لے کر چلا جائے، بوڑھے ماں باپ کی خدمت کرے نہ اپنے بیوی بچوں کی کفالت کرے اور ان کے حقوق ادا کرے، نہ رزق حلال کے حصول کے لیے سعی اور جدوجہد کرے اور نہ اسلامی معاشرہ میں اپنے حصہ کا رول ادا کرے، یہ محض رہبانیت ہے اور اسلام میں اس کی گنجائش نہیں ہے۔

لوگوں کی زبان پر یہ حدیث مشہور ہے: "لا رھبانیۃ فی الاسلام" حافظ ابن حجر نے کہا میں نے ان لفظوں کے ساتھ حدیث نہیں دیکھی لیکن امام بیہقی نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

ان اللہ ابدلنا بالرھبانیۃ الحنیفۃ السمحۃ۔ — اللہ تعالیٰ نے ہمیں رہبانیت کے بدلہ میں سہل اور آسان دین عطا فرمایا ہے۔

(کشف الخفا للعجلونی رقم الحدیث: ۳۱۵۴، مکتبۃ الغزالی دمشق)

اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے عائلی حقوق اور ماں باپ کی خدمت اور بیوی بچوں کی کفالت اور نادار رشتہ داروں اور پڑوسیوں کی اعانت کے لیے بہ قدر ضرورت حصول رزق کی کوشش کرے، یہ نہ کرے کہ کاروبار کی وسعت اور تجارت کو بڑھانے کی جدوجہد میں اس طرح مشغول ہو جائے اور اس میں ایسا منہمک ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے فرائض اور اس کے احکام سے غافل ہو جائے یا دنیا کی زیب و زینت، عیش و آرام اور دوسرے اللوں تللوں رنگ رلیوں اور عیاشیوں میں اس طرح گم ہو جائے کہ اسے اللہ تعالیٰ کے احکام بھول جائیں، خلاصہ یہ ہے کہ وہ خلق اور خالق دونوں سے کامل رابطہ رکھے اور ہر ایسی چیز کو ترک کردے اور اس سے الگ ہو جائے جو اس کو اللہ تعالیٰ کے احکام سے غافل کرے اور یہ حقیقی ہجرت ہے، علامہ ابن قدامہ نے ہجرت کی تین قسمیں بیان کی ہیں اور تین یہ اقسام ہیں اس طرح ہجرت کی کل چھ اقسام ہو گئیں۔

بعض احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فتح مکہ کے بعد ہجرت منسوخ ہو گئی ہے اور بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت قیامت تک باقی ہے، ہم پہلے وہ احادیث بیان کر رہے ہیں جن کا تقاضا یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد ہجرت منسوخ ہو گئی:

ہجرت منقطع ہونے کے متعلق احادیث

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فتح (مکہ) کے بعد ہجرت نہیں ہے، لیکن جہاد اور نیت ہے، اور جب تم کو جہاد کے لیے طلب کیا جائے تو تم جہاد کے لیے روانہ ہو جاؤ۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۸۳، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۰۳۵، مسند احمد رقم الحدیث: ۹۵۹)

حضرت عبید بن عمر لیثی بیان کرتے ہیں کہ ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت کے متعلق سوال کیا، آپ نے فرمایا آج کل ہجرت نہیں ہے، پہلے مومنین اپنے دین کی حفاظت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھاگ کر آتے تھے اس خوف سے کہ کہیں وہ دین کی وجہ سے کسی فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائیں، لیکن آج اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ عطا فرما دیا ہے، آج وہ جہاں چاہے اپنے رب کی عبادت کرے لیکن جہاد اور اس کی نیت باقی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۹۰۰)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک اعرابی آیا اور اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت کے متعلق سوال کیا: آپ نے فرمایا: تم پر افسوس ہے ہجرت کا معاملہ تو بہت سخت ہے، کیا تمہارے اونٹ ہیں؟ اس نے کہا جی! آپ نے فرمایا تم ان کی زکوٰۃ دیتے ہو؟ اس نے کہا جی! آپ نے فرمایا کیا تم لوگوں کو ان کا دودھ پلاتے ہو، اس نے کہا جی! آپ نے فرمایا جس دن تم اونٹنیوں کو پانی پلانے لے جاتے ہو اس دن تم ان کا دودھ دوہ کر لوگوں کو پلاتے ہو؟ اس نے کہا جی! آپ نے فرمایا تم سمندروں کے پار عمل کرو، بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال میں سے کسی چیز کو (قبول کے بغیر) ترک نہیں کرے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۹۲۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۶۵، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۴۷۷، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۷۷۷، سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۱۶۴)

حضرت مجاشع بن مسعود سلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لیے حاضر ہوا، آپ نے فرمایا ہجرت تو اصحاب ہجرت کے لیے گزر چکی لیکن تم اسلام، جہاد اور خیر پر بیعت کرو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۹۶۲، ۴۳۰۵، ۴۳۰۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۶۳)

حضرت یعلیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں فتح مکہ کے دن اپنے والد کو لے کر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے والد کو ہجرت پر بیعت کر لیجئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اس کو جہاد پر بیعت کروں گا، ہجرت تو منقطع ہو چکی ہے۔ (سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۱۷۹، ۴۱۷۱، ۴۱۷)

نعیم بن دجاجہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہجرت نہیں ہے۔ (سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۱۸۲)

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک اعرابی آیا جو بہت نڈر اور بے باک تھا اس نے پوچھا: یا رسول اللہ! آپ کی طرف ہجرت کرنے کی کون سی جگہ ہے؟ وہ کوئی خاص جگہ ہے یا کسی خاص قوم کا علاقہ یا آپ کی وفات کے بعد ہجرت منقطع ہو جائے گی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑی دیر خاموش رہے، پھر آپ نے فرمایا ہجرت کے متعلق پوچھنے والا کہاں ہے؟ اس نے کہا میں یہاں ہوں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا جب تم نماز پڑھو اور زکوٰۃ ادا کرو تو تم مہاجر ہو، خواہ تم حضر موت میں فوت ہو، یعنی یمامہ کی سرزمین میں۔ الحدیث۔

(مسند احمد رقم الحدیث: ۶۸۹۰، مطبوعہ عالم الکتب بیروت، ۱۴۱۹ھ)

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک نڈر اور بے باک اعرابی آیا اور کہا یا رسول اللہ آپ کی طرف ہجرت کس جگہ ہے؟ آپ جہاں بھی ہوں، یا کسی خاص سرزمین کی طرف، یا کسی خاص قوم کی طرف، یا جب آپ وفات پا جائیں گے تو ہجرت منقطع ہو جائے گی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم تھوڑی دیر خاموش رہے، پھر آپ نے فرمایا، وہ ہجرت کے متعلق سوال کرنے والا کہاں گیا؟ اس نے کہا میں یہاں ہوں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا ہجرت یہ ہے کہ تم بے حیائی کے کاموں کو ترک کرو خواہ وہ کام ظاہر ہوں یا پوشیدہ! اور تم نماز پڑھو اور زکوٰۃ ادا کرو تو تم مہاجر ہو، خواہ تم حضر موت میں فوت ہو۔ (مسند احمد رقم الحدیث: ۷۰۹۵، مطبوعہ عالم الکتب ۱۴۱۹ھ)

ان احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اب ہجرت باقی نہیں ہے اور بعض احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت قیامت تک باقی رہے گی۔ اب ہم ان احادیث کو ذکر کر رہے ہیں:

ہجرت باقی رہنے کے متعلق احادیث

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہجرت اس وقت تک منقطع نہیں ہوگی جب تک کہ توبہ منقطع نہ ہو اور توبہ اس وقت تک منقطع نہیں ہوگی جب تک کہ سورج مغرب سے طلوع نہ ہو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۴۷۹، مسند احمد ج ۱ ص ۱۹۲، ج ۴ ص ۹۹، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۲۳۴۶، تہذیب تاریخ دمشق ج ۲ ص ۲۰۲، کنز العمال رقم الحدیث: ۴۶۲۴۹، شرح السنہ رقم الحدیث: ۲۶۳۶)

حضرت عبداللہ بن واقد السعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک وفد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا ہم اپنی کوئی حاجت طلب کر رہے تھے، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سب سے آخر میں پیش ہوا، میں نے کہا یا رسول اللہ! میں نے اپنے پیچھے کچھ لوگوں کو چھوڑا ہوا ہے اور ان کا یہ گمان ہے کہ اب ہجرت منقطع ہو چکی ہے، آپ نے فرمایا جب تک کفار سے قتال کیا جاتا رہے گا ہجرت منقطع نہیں ہوگی۔

(سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۱۸۳، ۴۱۸۴)

ہجرت کی متعارض حدیثوں میں تطبیق

بہ ظاہر ان دونوں قسم کی حدیثوں میں یہ تعارض ہے پہلی قسم کی احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اب ہجرت ختم ہو چکی ہے اور دوسری قسم کی احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت قیامت تک باقی رہے گی، علامہ حمد بن محمد خطابی متوفی ۳۸۸ھ ان میں تطبیق دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

ابتداء اسلام میں ہجرت مستحب تھی فرض نہیں تھی، جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے:

وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ۚ (النساء: ۱۰۰)

جو شخص اللہ کی راہ میں ہجرت میں کرے گا وہ زمین میں بہت جگہ اور وسعت پائے گا۔

پھر جب مشرکوں کی ایذا رسانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت بڑھ گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے اور مسلمانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفار کے خلاف جہاد کا حکم دیا گیا، تاکہ وہ آپ کے ساتھ رہیں اور جہاد میں آپ کی مدد کریں تو اس وقت ہجرت فرض کر دی گئی تاکہ مسلمان آپ سے دین سیکھیں اور شریعت کا علم حاصل کریں، اور اللہ تعالیٰ نے متعدد آیات میں ہجرت کا حکم موکد فرمایا ہے حتیٰ کہ جن مسلمانوں نے ہجرت نہیں کی ان کی دوسرے مسلمان کے ساتھ حمایت، نصرت اور ولایت کو منقطع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۚ

اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت نہیں کی، تمہارے لیے ان کی حمایت جائز نہیں ہے حتیٰ کہ وہ ہجرت کر

لیں۔ (الانفال: ۷۲)

اس زمانہ میں سب سے زیادہ خطرہ قریش مکہ سے تھا، جب مکہ فتح ہو گیا اور اہل مکہ نے اطاعت کر لی تو ہجرت کے فرض ہونے کی علت زائل ہو گئی اور ہجرت کا حکم پھر ندب اور استحباب کی طرف لوٹ آیا، پس یہاں دو ہجرتیں ہیں جو ہجرت منقطع ہو چکی ہے یہ وہ ہجرت ہے جو فرض تھی اور جو ہجرت باقی ہے یہ وہ ہجرت ہے جو مستحب ہے۔

(معالم السنن مع مختصر سنن ابوداؤد ج ۳ ص ۳۵۲، دار المعرفہ بیروت)

امام الحسین بن مسعود بغوی متوفی ۵۱۶ھ علامہ خطابی کا مذکورہ جواب نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

ان دونوں حدیثوں کو ایک اور طریقے سے بھی جمع کیا جا سکتا ہے، اور وہ یہ ہے کہ جس حدیث میں ہے کہ فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے، اس سے مراد خاص ہجرت ہے یعنی مکہ سے مدینہ کی طرف منتقل ہونا اب ہجرت نہیں ہے کیونکہ اب مکہ بھی دار الاسلام ہے، اور جس حدیث میں ہے کہ ہجرت منقطع نہیں ہوگی، اس سے مراد یہ ہے کہ جو آدمی دار الکفر میں مسلمان ہوا اس پر واجب ہے کہ وہ دار الکفر سے دار الاسلام کی طرف منتقل ہو جائے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ہر اس مسلمان سے بری ہوں جو مشرکین کے درمیان رہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۴۵، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۰۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۵۳۶) اور حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مشرک کے ساتھ جمع ہیں اور اس نے ان کے ساتھ سکونت کی وہ اس کی مثل ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۷۸۷)۔

(شرح السنہ ج ۱۰ ص ۳۷۴، ۳۷۳، مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۳ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، علامہ خطابی اور امام بغوی کے جوابوں کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

زیادہ ظاہر یہ ہے کہ جس حدیث میں ہے کہ فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے اس سے مراد یہ ہے کہ جس شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کی، اور آپ کی اجازت کے بغیر اس کا اپنے وطن کی طرف جانا جائز نہ ہو ایسی ہجرت فتح مکہ کے بعد نہیں ہے، اور جس حدیث میں ہے کہ ہجرت منقطع نہیں ہوگی اس سے مراد وہ ہجرت ہے جو اس طرح نہ ہو جیسا کہ مختلف علاقوں سے ہجرت کر کے اعرابی آتے تھے، اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے کہ اسماعیلی نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے کہا فتح مکہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت منقطع ہو گئی اور جب تک کفار کے ساتھ جہاد کیا جاتا رہے گا ہجرت منقطع نہیں ہوگی، یعنی جب تک دنیا میں کفر ہے تو ان لوگوں پر ہجرت کرنا واجب ہے جو دار الکفر میں مسلمان ہوئے اور ان کو یہ خطرہ ہو کہ وہ اپنے دین کی وجہ سے فتنہ میں مبتلا ہو جائیں گے اور اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اگر وہ دار الکفر میں بغیر فتنہ کے رہ سکیں تو ان پر وہاں سے ہجرت کرنا واجب نہیں ہے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۲۳۰، مطبوعہ لاہور، ۱۴۰۱ھ)

النساء: ۹۷ میں بھی ہم نے ہجرت پر بحث کی ہے اس موضوع پر مکمل واقفیت حاصل کرنے کے لیے اس بحث کا بھی مطالعہ کر لینا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے آپ سے پہلے صرف مردوں ہی کو رسول بنایا تھا جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے، اگر تم لوگ نہیں جانتے تو اہل ذکر (اہل کتاب) سے پوچھ لو○ (ان رسولوں کو) واضح دلائل اور کتابوں کے ساتھ بھیجا تھا، اور ہم نے آپ کی طرف ذکر (قرآن عظیم) اس لیے نازل کیا ہے کہ آپ لوگوں کو وضاحت کے ساتھ بتائیں کہ ان کی طرف کیا

نازل کیا گیا اور تاکہ وہ غور و فکر کریں○ (النحل: ۴۴-۴۳)

انسان اور بشر کو نبی اور رسول بنانے کی تحقیق

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں مشرکین مکہ کا یہ پانچواں شبہ ہے جس کا یہاں ذکر کر کے اس کا رد کیا جا رہا ہے، مشرکین یہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی شان اس سے بہت بلند اور بالا ہے کہ وہ کسی بشر اور انسان کو رسول بنائے اور اپنا پیغام دے کر بھیجے، اللہ تعالیٰ نے اگر کسی کو اپنا رسول بنا کر بھیجنا ہوتا تو وہ فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتا جو انسان کی بہ نسبت بہت معزز اور مکرم مخلوق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے اس اعتراض کا قرآن مجید میں کئی جگہ ذکر فرمایا ہے، اور اس کا ازالہ فرمایا ہے:

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۭ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ○ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّ لَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ○ (الانعام: ۹-۸)

اور انہوں نے کہا اس رسول پر فرشتہ کیوں نہیں نازل کیا گیا، اور اگر ہم فرشتہ نازل کرتے تو ان کا کام پورا ہو چکا ہوتا پھر انہیں مہلت نہ دی جاتی○ اور اگر ہم رسول کو فرشتہ بنا دیتے تب بھی اس کو (صورتاً) مرد بناتے اور ان پر وہی اشتباہ ڈال دیتے جو اشتباہ وہ اب کر رہے ہیں○

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر فرشتہ اپنی اصلی شکل میں آتا تو وہ نہ اس کا کلام سن سکتے، نہ اس کو دیکھ سکتے اور نہ اس کو چھو سکتے تو اس کو اصلی شکل میں بھیجنا بالکل عبث ہوتا، اور اگر ہم اس کو انسانی پیکر اور بشر کی صورت اور مرد کے لباس میں بھیجتے تو وہ اس پر یقین نہ کرتے کہ یہ فرشتہ ہے اور ہرگز نہ مانتے کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔ سو جو شبہ ان کو لاحق ہے وہ پھر بھی لاحق ہوتا۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ ۔ (یونس: ۲)

کیا لوگوں کو اس پر تعجب ہے کہ ہم نے ان ہی میں سے ایک مرد پر وحی کی ہے کہ آپ لوگوں کو (اللہ کے عذاب سے) ڈرائیں۔

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ○ وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ○ (المؤمنون: ۳۴-۳۳)

اور نبی کی قوم کے ان لوگوں نے کہا جنہوں نے کفر کیا تھا، اور آخرت کی ملاقات کی تکذیب کی تھی، اور ہم نے ان کو دنیاوی زندگی میں خوشحالی عطا فرمائی تھی، یہ رسول تو تم جیسا بشر ہے یہ ان چیزوں میں سے کھاتا ہے جن سے تم کھاتے ہو اور ان چیزوں سے پیتا ہے جن سے تم پیتے ہو○ اور اگر تم نے اپنے جیسے بشر کی اطاعت کر لی تو اس وقت تم ضرور نقصان اٹھانے والے لوگوں میں سے ہو گے○

سو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بھی ان کے اس اعتراض کا جواب دیا اور ہم نے آپ سے پہلے بھی صرف مردوں کو ہی رسول بنا کر بھیجا تھا، جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے، خلاصہ یہ ہے کہ مخلوق کی آفرینش کی ابتداء سے اللہ تعالیٰ کی یہ عادت جاریہ رہی ہے کہ اس نے انسانوں کی ہدایت کے لیے صرف انسان اور بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے اور ظاہر ہے کہ بشر اور انسان کی ہدایت کے لیے اس کی جنس سے ہی رسول بھیجا جائے گا۔ چونکہ اس زمین پر انسان رہتے ہیں اس لیے ان کی ہدایت کے لیے بشر اور انسان کو رسول بنا کر بھیجا گیا، اگر یہاں فرشتے رہتے ہوتے تو ان کی ہدایت کے لیے کسی فرشتے ہی کو رسول بنا کر بھیجا

جاتا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ○ (بنی اسرائیل: ۹۵)

آپ کہیے اگر زمین میں (رہنے والے) فرشتے ہوتے جو اس میں اطمینان سے چلتے پھرتے تو ہم ضرور ان پر آسمان سے کوئی فرشتہ ہی رسول بنا کر نازل کرتے ○

اس لیے کفار مکہ کا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر یہ اعتراض لایعنی ہے اگر اللہ تعالیٰ نے اپنا پیغام دے کر کسی کو بھیجنا تھا تو چاہیے تھا کہ وہ کسی فرشتے کو پیغام دے کر اور اپنا رسول بنا کر بھیجتا، امام رازی اور علامہ قرطبی وغیرہ نے کہا ہے کہ اس آیت میں تقدیم و تاخیر ہے اور بالبینات والزبر آیت کے پہلے اجزا کے ساتھ مربوط ہے اور معنی یوں ہے: اور ہم نے آپ سے پہلے واضح دلائل اور کتابوں کے ساتھ صرف مردوں کو ہی رسول بنا کر بھیجا ہے جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے، سو اگر تم کو یقین نہ ہو تو اہلِ ذکر یعنی اہلِ کتاب سے پوچھ لو۔ نیز اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی صرف مرد کو بنایا جاتا ہے عورت کو نہیں بنایا جاتا۔

اھل الذکر کا مصداق

امام عبد الرحمن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

اہل الذکر کی تفسیر میں چار قول ہیں: (۱) ابو صالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد اہل التوراۃ والانجیل ہیں، (۲) مجاہد نے کہا اس سے مراد اہلِ تورات ہیں، (۳) ابن زید نے کہا اس سے مراد اہلِ قرآن ہیں، (۴) الماوردی نے بیان کیا اس سے مراد ہے پہلے لوگوں کی خبر رکھنے والے۔

اور اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے: اگر تم نہیں جانتے ہو تو، اس کی تفسیر میں بھی دو قول ہیں: (۱) اگر تم یہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ نے بشر میں سے کسی کو رسول بنایا ہے۔ اس بنا پر معنی یہ ہے کہ اگر تم یہ نہیں جانتے تو علم والوں سے پوچھ لو خواہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ہوں یا نہ لائے ہوں، کیونکہ اہلِ کتاب اور تاریخ کا علم رکھنے والے سب اس پر متفق ہیں کہ تمام انبیاء علیہم السلام بشر سے مبعوث کیے گئے۔ (۲) اگر تم یہ نہیں جانتے کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں تو اہلِ کتاب سے جو ایمان لائے ہیں ان سے پوچھ لو اور مجاہد سے روایت ہے کہ اہل الذکر سے مراد حضرت عبد اللہ بن سلام ہیں اور قتادہ سے مروی ہے کہ اس سے مراد حضرت سلمان فارسی ہیں۔

(زاد المسیر ج ۴ ص ۴۵۰-۴۴۹، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

میرے نزدیک امام ابن جوزی کی ذکر کی ہوئی یہ دوسری تفسیر صحیح نہیں ہے کیونکہ سورۃ النحل مکی ہے اور اس آیت میں مکہ کے مشرکین سے یہ فرمایا گیا ہے کہ اگر تم یہ نہیں جانتے کہ اللہ نے کسی بشر کو رسول بنایا ہے تو اہلِ کتاب سے پوچھ لو، اور حضرت عبد اللہ بن سلام تو ہجرت کے بعد مدینہ میں اسلام لائے تھے، اس لیے اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے مشرکو! اگر تم کو اس بات میں شک ہے کہ بشر رسول ہوتا ہے تو اہلِ کتاب سے پوچھ لو، کیونکہ تمام اہلِ کتاب اس کا اعتراف کرتے ہیں اور اس کو نہیں چھپاتے۔

مسئلہ تقلید پر "فسئلوا اھل الذکر" سے استدلال

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

علامہ جلال الدین سیوطی نے الاکلیل میں لکھا ہے کہ اس آیت سے عام آدمی کی فروعی مسائل میں تقلید پر استدلال

کیا گیا ہے۔ علامہ سیوطی نے فروعی مسائل کی جو قید لگائی ہے اس پر غور کرنا چاہیے، کیونکہ اس آیت کا ظاہر عموم ہے، خاص طور پر جب ہم یہ کہیں کہ اس آیت میں جس چیز کے متعلق سوال کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس کا تعلق اصول سے ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی سُنّت یہ ہے کہ وہ انسان اور بشر سے رسول بناتا ہے، اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ جلال الدین محلی سے منقول ہے کہ غیر المجتہد عام ہو یا خاص اس کو مجتہد کی تقلید کرنا لازم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اگر تم لوگ نہیں جانتے تو اہل ذکر سے پوچھ لو، اور صحیح یہ ہے کہ مسائل اعتقادیہ اور غیر اعتقادیہ میں کوئی فرق نہیں ہے اور نہ اس میں کوئی فرق ہے کہ مجتہد زندہ ہو یا مُردہ۔

علامہ سیوطی اور دیگر علماء نے کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ مجتہد کے لیے تقلید کرنا منع ہے، خواہ اس کے پاس کوئی قطعی دلیل ہو یا نہ ہو اور خواہ وہ بالفعل مجتہد ہو یا اس کے پاس اجتہاد کی اہلیت ہو، اور ان کے اس کلام کا تقاضا یہ ہے کہ ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید کرنے میں یا ان کے علاوہ کسی اور کی تقلید کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، ہاں! علامہ ابن حجر وغیرہ نے یہ لکھا ہے کہ غیر کی تقلید کرنے میں یہ شرط ہے کہ اس کا مذہب مدون ہو اور اس کی شرائط اور معتبرات محفوظ ہوں، اور علامہ سبکی نے جو کہا ہے کہ جو ائمہ اربعہ کا مخالف ہو وہ اجماع کے مخالف کی مثل ہے یہ ان مجتہدین پر محمول ہے جن کے مسائل محفوظ اور مدون نہیں ہیں اور ان کی شرائط معروف نہیں ہیں اور ان کی کتابیں گم ہو چکی ہیں جیسے ثوری، اوزاعی، ابن ابی لیلیٰ وغیرہم کے مذاہب، (یعنی ان لوگوں کی تقلید نہیں کرنی چاہیے) ائمہ اربعہ کے غیر کی تقلید کا جواز صرف عمل میں ہے، اور افتاء اور قضاء کے لیے ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کے مذہب کا متعین کرنا ضروری ہے۔

(روح المعانی جز ۱۴ ص ۳۱۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۷ھ)

آیت مذکورہ سے استدلال پر نواب صدیق حسن خان کے اعتراضات

مشہور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خاں بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ تقلید کے رد میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں اہلِ ذکر سے مطلقاً سوال کرنے کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ ایک خاص چیز کے متعلق سوال کرنے کا حکم دیا ہے اور وہ ہے کسی بشر اور انسان کو رسول بنانا۔ امام ابن جریر، امام بغوی اور اکثر مفسرین کا یہی مختار ہے۔ علامہ سیوطی نے ان تمام اقوال کو الدر المنثور میں جمع کیا ہے اور سیاق اور سباق سے بھی یہی معنی متعین ہے اور اگر بالفرض یہ مان لیا جائے کہ یہاں کسی بھی چیز کے متعلق اہلِ ذکر سے سوال کرنے کا حکم دیا گیا ہے تب بھی یہاں کتاب اللہ اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سُنّت کے متعلق سوال کرنے کا حکم مراد ہے اور ان کے علاوہ اور کسی چیز کے متعلق سوال کرنے کا حکم مراد نہیں ہے، اور میں مخالف کے متعلق یہ گمان نہیں رکھتا کہ وہ اس سے اختلاف کرے گا، اس لیے کہ شریعت مطہرہ یا تو اللہ عزوجل کی طرف سے ہے اور وہ قرآن کریم ہے اور یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے اور وہ آپ کی سنت مطہرہ ہے، ان کے علاوہ کوئی تیسری چیز شریعت نہیں ہے۔ اور جب کہ لوگوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اہلِ قرآن اور حدیث سے سوال کریں، تو یہ آیت کریمہ مقلدین کے خلاف ہے، ان کے حق میں نہیں ہے کیونکہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ وہ اہل الذکر سے سوال کرتے تھے اور وہ ان کو جواب دیتے تھے، پس جن سے سوال کیا جاتا تھا ان کا جواب یہ ہوتا تھا کہ وہ کہیں کہ اللہ اس طرح فرماتا ہے، اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح فرماتے ہیں، پھر سوال کرنے والے اس پر عمل کرتے ہیں، اور یہ وہ چیز نہیں ہے جو مقلدین کی مراد ہے اور جس کا وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں، کیونکہ وہ اس آیت سے لوگوں کے اقوال پر عمل کرنے کے جواز پر استدلال کرتے ہیں اور ان کے اقوال کی دلیل کے متعلق سوال نہیں کرتے، اور اسی چیز کو تقلید کہتے

ہیں کیونکہ انہوں نے تقلید کی یہ تعریف کی ہے کہ وہ بغیر دلیل کے غیر کے قول کو قبول کرنا ہے۔

تقلید کا خلاصہ یہ ہے کہ مقلد کتاب اللہ سے سوال کرتا ہے اور نہ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے بلکہ وہ فقط اپنے امام کے مذہب کو معلوم کرتا ہے' اور جب وہ امام کے مذہب سے متجاوز ہو کر کتاب اور سنت کے متعلق سوال کرے تو پھر وہ مقلد نہیں ہے اور اس بات کو ہر مقلد تسلیم کرتا ہے اور اس کا انکار نہیں کرتا' اور جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ جب مقلد اہلِ ذکر سے اللہ کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت کے متعلق سوال کرے گا تو وہ مقلد نہیں ہوگا' تو تم نے جان لیا کہ اگر یہ فرض کیا جائے کہ اس آیت میں کسی خاص چیز کے سوال کرنے کا حکم نہیں دیا گیا' بلکہ شریعت سے متعلق ہر چیز کے سوال کرنے کا حکم دیا ہے جیسا کہ مقلد کا زعم ہے تو اس کا قول اس کے منہ پر مار دیا جائے گا اور اس کی ناک خاک آلودہ کی جائے گی اور اس کی کمر توڑ دی جائے گی' کیونکہ جس سوال کرنے کو اللہ تعالیٰ نے مشروع کیا ہے وہ یہ ہے کہ عالم سے حجت شرعیہ کا سوال کیا جائے اور اس کو معلوم کیا جائے' پس وہ عالم حدیث کا راوی ہوگا اور وہ سائل روایت کا طالب ہوگا اور مقلد خود اس کا اقرار کرتا ہے کہ وہ عالم کے قول کو قبول کرتا ہے اور حجت کا مطالبہ نہیں کرتا پس یہ آیت اتباع کی دلیل ہے تقلید کی دلیل نہیں ہے' پس اس تقریر سے تم پر ظاہر ہو گیا ہوگا کہ مقلد اس آیت کو جو اپنی حجت کے طور پر پیش کرتا ہے تو یہ حجت ساقط ہے' جب کہ اس آیت کا مفہوم خاص چیز کے متعلق سوال کرنے کا حکم دینا ہے نہ کہ عام چیزوں کے متعلق' سو یہ آیت مقلد کے خلاف ہے نہ کہ اس کے حق میں۔ (فتح البیان ج ۷ ص ۲۴۷-۲۴۶' مطبوعہ المکتبۃ العصریہ' ۱۴۱۵ھ)

اعتراضات مذکورہ کے جوابات اور اس پر دلائل کہ اعتبار خصوصیت مورد کا نہیں عموم الفاظ کا ہوتا ہے

نواب صدیق حسن خان نے پہلی بات یہ کہی ہے کہ اس آیت کا مورد اور شان نزول خاص ہے یعنی اس چیز کے متعلق سوال کرو کہ پہلی امتوں میں انسان اور بشر سے رسولوں کو بھیجا جاتا رہا ہے' اور اس کو عموم پر محمول کرنا جائز نہیں ہے یعنی جس چیز کا بھی علم نہ ہو اس کے متعلق سوال کیا جائے' اس کا جواب یہ ہے کہ قاعدہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں کسی آیت کے مورد کی خصوصیت کا اعتبار نہیں کیا جاتا بلکہ الفاظ کے عموم کا اعتبار کیا جاتا ہے' قرآن مجید میں ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔ (الحجرات: ۱) — اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو۔

نواب صدیق حسن خان نے اس آیت کے دو شانِ نزول ذکر کیے ہیں:

حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ بنو تمیم کے کچھ سوار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے' حضرت ابوبکر نے کہا ان پر قعقاع بن معبد بن زرارہ کو امیر بنا دیں' حضرت عمر نے کہا بلکہ ان پر اقرع بن حابس کو امیر مقرر کر دیں' حضرت ابوبکر نے حضرت عمر سے کہا تم نے صرف میری مخالفت کرنے کا ارادہ کیا ہے' حضرت عمر نے کہا میں نے آپ کی مخالفت کا ارادہ نہیں کیا' وہ دونوں بحث کرنے لگے حتیٰ کہ ان کی آوازیں بلند ہو گئیں۔ اس واقعہ کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی: یایہا الذین امنوا لا تقدموا بین یدی اللہ ورسولہ۔ اس حدیث کو امام بخاری اور دیگر محدثین نے روایت کیا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۳۶۷' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۶۶' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۶۲۳۲) حضرت ابن عباس نے کہا مسلمانوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بحث کرنے سے منع کر دیا گیا' یہ ممانعت رائے کے ساتھ کتاب و سُنّت کے معارضہ کو بھی شامل ہے اور تقلید سے ممانعت کو بھی شامل ہے۔ (فتح البیان ج ۱۳ ص ۱۳۰' مطبوعہ المکتبۃ العصریہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

دیکھئے اس آیت کا شانِ نزول نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حضرت ابوبکر اور عمر کے ساتھ خاص ہے' لیکن حضرت

ابن عباس رضی اللہ عنہمانے اس آیت کے الفاظ کے عموم کی وجہ سے فرمایا: یہ ممانعت تمام مسلمانوں کو شامل ہے اور خود نواب صاحب نے تو اس کو اور بھی عام کر دیا کہ یہ ممانعت رائے کے ساتھ کتاب و سُنّت کے معارضہ کی ممانعت اور تقلید کی ممانعت کو بھی شامل ہے، حالانکہ تقلید کی ممانعت کا تو اس آیت میں دور کا اشارہ بھی نہیں ہے کیونکہ مقلدین جن مسائل میں اپنے ائمہ کی تقلید کرتے ہیں وہ کتاب و سُنّت کے خلاف نہیں ہیں بلکہ کتاب و سُنّت کے موافق ہیں اور مذاہب اربعہ کی فقہی کتابیں اس پر شاہد عادل ہیں، بہر حال نواب صاحب کے خود اپنے بیان سے ثابت ہو گیا کہ خصوصیت مورد کا اعتبار نہیں ہوتا بلکہ عموم الفاظ کا اعتبار ہوتا ہے اور اسی قاعدہ کے مطابق انہوں نے یہ تفسیر کی ہے۔

اور اس آیت کا دوسرا شانِ نزول انہوں نے یہ بیان کیا ہے:

امام بخاری نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ مسلمان رمضان سے ایک یا دو دن پہلے روزہ رکھنا شروع کر دیتے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (فتح البیان ج ۱۳ ص ۱۳۱، مطبوعہ بیروت، ۱۴۱۵ھ)

نواب صاحب نے اس مورد اور شانِ نزول کے ساتھ اس آیت کو خاص نہیں کیا بلکہ الفاظ کے عموم کا اعتبار کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں اس آیت میں مومنوں کو حکم دیا ہے کہ وہ کتاب اور سنت کے خلاف نہ کہیں اور یہی زیادہ ظاہر ہے، یا اللہ اور رسول کی اجازت کے بغیر کوئی قطعی حکم نہ دیں یا جس طرح علامہ خازن نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے سے پہلے کوئی بات نہ کہو یا آپ کے فعل کرنے سے پہلے کوئی فعل نہ کرو اور علامہ بیضاوی نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول کے حکم دینے سے پہلے کسی چیز کا قطعی فیصلہ نہ کرو۔ (فتح البیان ج ۱۳ ص ۱۳۰۔ ۱۲۹ ملخصاً، مطبوعہ بیروت، ۱۴۱۵ھ)

بہر حال یہ واضح ہو گیا کہ خود نواب صاحب کی تفسیر اسی قاعدہ پر مبنی ہے کہ قرآن عظیم کی آیات میں خصوصیت مورد کا لحاظ نہیں ہوتا بلکہ عموم الفاظ کا لحاظ ہوتا ہے لہٰذا ان کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ فاسئلوا اھل الذکران کنتم لا تعلمون۔ (النحل: ۴۳) کا تعلق ایک خاص سوال سے ہے یعنی یہ معلوم کرو کہ بشر اور انسان سے رسول مبعوث ہوتے ہیں اور اس میں عام نامعلوم چیزوں کے متعلق سوال کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔

آیت مذکورہ کا تمام مسائل کے لیے عام ہونا خواہ ان کا علم ہو یا نہ ہو

دوسری بات جو نواب صاحب نے کہی وہ یہ ہے کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ یہاں پر عموم مراد ہے یعنی جو چیز بھی معلوم نہ ہو اس کے متعلق سوال کرو تو اس آیت سے مراد یہ ہے کہ جس چیز کا شرعی حکم تم کو معلوم نہ ہو تم اس کے متعلق اللہ عزوجل کا ارشاد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم معلوم کرو اور یہ بات مقلدین کے حق میں نہیں ہے کیونکہ وہ اس آیت سے یہ مراد لیتے ہیں کہ جس چیز کے متعلق تمہیں شرعی حکم معلوم نہیں ہے اس چیز کے متعلق اپنے امام کا قول معلوم کرو۔

نواب صاحب نے جو یہ لکھا ہے یہ واقع کے خلاف ہے مقلدین علماء اس آیت سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ جس چیز یا جس کام کا تمہیں شرعی حکم معلوم نہیں ہے اس کے متعلق اہل علم سے سوال کرو پھر وہ جو کہیں اس پر عمل کرو خواہ وہ تمہیں اس کی دلیل بتائیں یا نہ بتائیں۔

امام علی بن محمد آمدی مالکی متوفی ۶۳۱ھ اس آیت (النحل: ۴۳) سے تقلید کے جواز پر استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔　　اگر تم نہیں جانتے تو اہل ذکر سے سوال کرو۔

(النحل: ۴۳)

یہ آیت تمام مخاطبین کے لیے عام ہے اور واجب ہے کہ ہر اس چیز کے سوال کے لیے عام ہو جس کا مخاطب کو علم نہ ہو اور تخصیص خلاف اصل اور بلا دلیل ہے اور جب یہ آیت تمام اشخاص اور تمام نامعلوم مسائل کے لیے عام ہے تو اس آیت میں جو سوال کرنے کا حکم ہے اس کا ادنیٰ درجہ جواز ہے۔

(الاحکام فی اصول الاحکام ج ۴ ص ۲۳۴، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت، ۱۴۱۸ھ)

علامہ آمدی نے اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہیں یہ نہیں لکھا کہ مقلد اپنے امام کا قول معلوم کرے بلکہ یہ استدلال کیا ہے کہ جس شخص کو کوئی مسئلہ معلوم نہ ہو وہ اہل علم سے اس کے متعلق سوال کرے۔

علامہ ابن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ اور ان کی عبارت کی شرح میں علامہ ابن امیر الحاج حنفی متوفی ۸۷۹ھ تقلید کے جواز پر استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ہماری دلیل اس آیت کا عموم ہے فسئلوا اھل الذکران کنتم لاتعلمون۔ (النحل: ۴۳) یہ آیت اس شخص کے متعلق عام ہے جو کسی چیز کا شرعی حکم نہ جانتا ہو خواہ وہ محض عام شخص ہو، یا بعض مسائل کا عالم ہو اور کسی ایک مسئلہ کا شرعی حکم نہ جانتا ہو، اس پر لازم ہے کہ وہ پیش آمدہ مسئلہ کا حکم معلوم کرنے کے لیے اہل علم سے سوال کرے، سوال کرنے کی علت علم نہ ہونا ہے، پس جب بھی علم کا نہ ہونا ثابت ہو گا تو اس کے متعلق سوال کرنے کا وجوب متحقق ہو گا، لہٰذا جو شخص کسی مسئلہ کا عالم نہ ہو اس پر اس مسئلہ کے متعلق سوال کرنا واجب ہے اور ہمیشہ سوال کرنے والے مفتیوں کی اتباع کرتے رہے ہیں خواہ مفتیوں نے اس شرعی حکم کی دلیل نہ بتائی ہو اور یہ ہر دور میں رائج رہا ہے اور اس پر کبھی انکار نہیں کیا گیا لہٰذا عالم مجتہد کے اقوال کی اتباع پر اجماع سکوتی ہو گیا اور بلا دلیل علماء کے اقوال کی اتباع کا عدم جواز ان علماء کے لیے ہے جو اجتہاد کے اہل ہوں، ہاں اگر سوال کرنے والا ان کے قول کی دلیل کا سوال کرے تو ان پر دلیل کا بیان کرنا واجب ہے الا یہ کہ اس مسئلہ کی دلیل بہت غامض اور دقیق ہو اس وقت سائل پر اس دلیل کو ظاہر کرنے سے تھکاوٹ کے سوا کچھ حاصل نہیں ہو گا، ایسی صورت میں علماء اس دلیل کو ظاہر نہ کرنے میں معذور ہیں۔ (التقریر والتحریر ج ۳ ص ۴۵۸۔۴۵۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۷ھ)

مقلدین تقلید کے جواز پر فسئلوا اھل الذکران کنتم لاتعلمون۔ (النحل: ۴۳) سے استدلال کرتے ہیں، مشہور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خان بھوپالی نے اس استدلال پر جو اعتراضات کیے تھے ہم ان کے جوابات سے فارغ ہو گئے، اب ہم پہلے تقلید کی تعریف کریں گے پھر تقلید کے ثبوت پر قرآن مجید، احادیث، آثار صحابہ اور اقوال تابعین سے استدلال کریں گے اور پھر علماء متقدمین نے تقلید کے جواز پر جو دلائل پیش کیے ہیں ان کو پیش کریں گے، فنقول وباللہ التوفیق۔

تقلید کا لغوی اور اصطلاحی معنی اور اس کی وضاحت

علامہ محمد بن یعقوب فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ تقلید کا لغوی معنی لکھتے ہیں:

کسی کے گلے میں ہار ڈالنا، حاکموں کا کسی کے ذمہ کوئی کام سپرد کرنا، اونٹنیوں کے گلے میں کوئی ایسی چیز لٹکانا جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ وہ ھدی ہیں۔ (القاموس ج ۱ ص ۶۲۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۲ھ)

علامہ سید علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۱۶ھ تقلید کا اصطلاحی معنی لکھتے ہیں:

انسان اپنے غیر کی اس کے قول اور فعل میں اتباع کرے اس اعتقاد کے ساتھ کہ وہ برحق ہے، دلیل میں غور و فکر اور تامل کیے بغیر گویا کہ اتباع کرنے والے نے اپنے غیر کے قول اور فعل کا قلادہ (ہار) اپنے گلے میں لٹکا لیا اور بلا دلیل غیر کے قول

کو قبول کرنا تقلید ہے۔(التعریفات ص ۴۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۸ھ)

علامہ بحر العلوم عبد العلی بن نظام الدین متوفی ۱۲۲۵ھ لکھتے ہیں:

بغیر حجت اور دلیل کے غیر کے قول کو قبول کرنا تقلید ہے، حجت سے مراد ہے کتاب، سنت، اجماع اور قیاس، ورنہ مجتہد کا قول مقلد کی دلیل ہے، جیسے عام آدمی مفتی اور مجتہد سے مسئلہ معلوم کرتا ہے۔

(فواتح الرحموت ج ۲ ص ۴۰۰، مطبوعہ مطبعہ امیریہ کبریٰ بولاق مصر، ۱۳۲۴ھ)

امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ فرماتے ہیں:

عام آدمی پر لازم ہے کہ وہ اسی شخص سے مسئلہ معلوم کرے جو علم اور پرہیزگاری میں معروف اور مشہور ہو، اور جو شخص جہل میں مشہور ہو اس سے بالکل سوال نہ کرے اور جو آدمی فسق و فجور میں معروف ہو اس سے بھی بالکل سوال نہ کرے۔(المستصفیٰ ج ۲ ص ۳۹۰، مطبوعہ مطبعہ امیریہ کبریٰ بولاق مصر، ۱۳۲۴ھ)

قرآن کریم سے تقلید پر استدلال

ہم اس سے پہلے النحل: ۴۳ سے تقلید کے جواز پر استدلال اور مشہور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خاں بھوپالی کے اعتراضات اور ان کے جوابات لکھ چکے ہیں، اس سلسلہ میں دوسرا استدلال اس آیت کریمہ سے ہے:

فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ۝ (التوبہ: ۱۲۲)

ایسا کیوں نہ ہوا کہ ہر گروہ میں سے ایک جماعت علم دین کے حصول کے لیے نکلتی تاکہ جب وہ واپس آتی تو اپنے گروہ کو (اللہ کے عذاب سے) ڈراتی تاکہ وہ گناہوں سے بچتے ۝

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صرف بعض مسلمانوں پر یہ ذمہ داری ڈالی ہے کہ وہ علم حاصل کرنے کے بعد اپنی پوری قوم کو احکام پہنچائیں یعنی صرف بعض مسلمان دین کا علم اور فقہ کو حاصل کریں اور ان کی قوم کے باقی مسلمان ان کے اقوال پر عمل کریں، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فقہاء کے اقوال کو واجب العمل قرار دیا ہے کیونکہ ان پر عمل کر کے اللہ کے عذاب سے بچا جا سکتا ہے۔ اور اسی کا نام تقلید ہے۔

احادیث سے تقلید پر استدلال

ابو جمرہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباس اور لوگوں کے درمیان ترجمانی کے فرائض ادا کیا کرتا تھا، حضرت ابن عباس نے کہا کہ عبد القیس کا وفد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، آپ نے فرمایا یہ کون سا وفد ہے یا فرمایا یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا ہم ربیعہ ہیں، آپ نے فرمایا اس قوم کو یا اس وفد کو خوش آمدید ہو، یہ رسوا ہوں گے نہ شرمندہ ہوں گے، انہوں نے کہا ہم آپ کے پاس بہت دور سے آئے ہیں اور ہمارے اور آپ کے درمیان کفار مضر کا قبیلہ حائل ہے اور ہم سوا حرمت والے مہینوں کے آپ کے پاس آنے کی طاقت نہیں رکھتے، آپ ہمیں ایسے احکام بتائیے جن کی ہم ان کو خبر دیں جو ہمارے پیچھے ہیں اور اس وجہ سے جنت میں داخل ہو جائیں، سو آپ نے ان کو چار چیزوں کا حکم دیا اور چار چیزوں سے روکا، آپ نے ان کو صرف عزوجل وحدہ پر ایمان لانے کا حکم دیا، پھر فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ اللہ وحدہ پر ایمان لانے کا کیا معنی ہے؟ انہوں نے کہا اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جاننے والے ہیں، آپ نے فرمایا اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور محمد اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا، اور مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ ادا کرنا اور ان کو خشک کھوکھلے کدو، سبز گھڑے اور تار کول ملے ہوئے برتنوں کے استعمال سے

منع فرمایا اور بسا اوقات آپ نے ان کو کھو کھلی لکڑی کے برتن کے استعمال سے بھی منع فرمایا۔ آپ نے فرمایا ان احکام کو یاد کر لو اور جب لوگ تمہارے پیچھے ہیں ان کو ان احکام کی خبر دو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۹۲، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۱۱،۱۵۹۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷)

حضرت مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، ہم سب نوجوان اور ہم عمر تھے، ہم آپ کے پاس بیس راتیں ٹھہرے، پھر آپ نے یہ گمان فرمایا کہ ہمیں اپنے گھر والوں کی یاد آ رہی ہے، آپ نے ہم سے سوال کیا کہ ہم اپنے گھروں میں کس کس کو چھوڑ کر آئے ہیں، ہم نے آپ کو بتایا آپ بہت رفیق اور رحیم تھے آپ نے فرمایا اپنے گھر والوں کے پاس واپس جاؤ اور ان کو تعلیم دو اور ان کو (نیک کاموں کا) حکم دو، اور تم اس طرح نماز پڑھو جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ الحدیث۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۰۸، مسند احمد رقم الحدیث: ۹۹۳۳، عالم الکتب بیروت)

یہ صحابہ کرام جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے دین سیکھ کر گئے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنے اپنے علاقوں میں جا کر دین کی تبلیغ کریں اور اپنی قوم کو دین کی تعلیم دیں اور نیک کاموں کے احکام دیں اور اب ان کے علاقہ کے لوگ ان کے اقوال پر عمل کریں گے اس اعتماد پر کہ یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے دین سیکھ کر آئے ہیں اور جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں وہ کتاب اور سنت کے مطابق کہہ رہے ہیں اور کسی شخص کے قول پر اس اعتماد سے عمل کرنا کہ وہ کتاب اور سنت کے مطابق کہہ رہا ہے یہی تقلید ہے۔

آثار صحابہ اور اقوال تابعین سے تقلید پر استدلال

عن عکرمة ان اهل المدينة سالوا ابن عباس عن امراة طافت ثم حاضت قال لهم تنفر قالوا لا ناخذ بقولك وندع قول زيد قال اذا قدمتم المدينة فاسئلوا فقدموا المدينة فكان في من سالوا ام سليم فذكرت حديث صفية۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۷۵۹،۱۷۵۱)

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ اہلِ مدینہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ سوال کیا کہ جس عورت نے طواف (زیارت) کر لیا ہو پھر اس کو حیض آ جائے (تو آیا وہ طواف وداع کے بغیر واپس جا سکتی ہے؟) حضرت ابن عباس نے فرمایا: جا سکتی ہے، اہلِ مدینہ نے کہا: ہم آپ کے قول کی وجہ سے حضرت زید بن ثابت کے قول کو ترک نہیں کریں گے، (حضرت زید کہتے تھے کہ وہ طواف وداع کیے بغیر نہیں جا سکتی) حضرت ابن عباس نے فرمایا جب تم مدینہ جاؤ تو اس مسئلہ کی تحقیق کر لینا، جب وہ مدینہ گئے تو انہوں نے اس کی تحقیق کی، اور حضرت ام سلیم سے بھی پوچھا انہوں نے حضرت صفیہ کی (یہ) حدیث بیان کی: (کہ ایسی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ کو طواف وداع کیے بغیر جانے کی اجازت دی تھی۔)

جب اہلِ مدینہ کو حضرت صفیہ کی حدیث مل گئی تو انہوں نے حضرت ابن عباس کے پاس جا کر حق کا اعتراف کر لیا: حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

فرجعوا الى ابن عباس فقالوا وجدنا

پھر اہلِ مدینہ حضرت ابن عباس کے پاس گئے اور کہا جس

الحديث كما حدثتنا۔

طرح آپ نے ہمیں حدیث سنائی تھی ہمیں اسی طرح حدیث مل گئی۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۵۸۸، طبع لاہور)

اور حضرت زید بن ثابت کو جب یہ حدیث مل گئی تو انہوں نے بھی رجوع فرمالیا۔

حافظ ابن عسقلانی، امام مسلم اور امام نسائی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

قال فرجع اليه: فقال ما اراك الا قد صدقت لفظ مسلم وللنسائی کنت عند ابن عباس فقال له زيد بن ثابت انت الذی تفتی و قال فيه فسالها ثم رجع و هو يضحك فقال: الحديث كما حدثتنی۔

(فتح الباری ج ۳ ص ۵۸۸ طبع لاہور)

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ پھر حضرت زید بن ثابت نے رجوع کرلیا اور حضرت ابن عباس سے فرمایا مجھے یہ یقین ہے کہ آپ نے سچ کے سوا کچھ نہیں کہا، یہ صحیح مسلم کی عبارت ہے اور سنن نسائی میں یہ عبارت ہے: عکرمہ کہتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباس کے پاس بیٹھا تھا، ان سے حضرت زید بن ثابت نے پوچھا آپ یہ فتویٰ دیتے ہیں؟ حضرت ابن عباس نے فرمایا اس انصاری خاتون سے اس کے متعلق حدیث معلوم کر لو، حضرت زید نے ان سے حدیث پوچھی اور ہنستے ہوئے (اپنے قول سے) رجوع کرلیا اور کہا جس طرح آپ نے بیان کیا تھا، اسی طرح حدیث ہے۔

اس حدیث میں تقلید شخصی کا بھی ثبوت ہے کہ اہل مدینہ حضرت زید بن ثابت کے فتویٰ کی تقلید کرتے تھے اور یہ بھی دلیل ہے کہ اگر امام کے قول کے خلاف دلیل مل جائے تو حدیث پر عمل کرنا تقلید شخصی کے خلاف نہیں ہے۔

اب ہم صحابہ اور تابعین کے ایک سو آثار پیش کر رہے ہیں، لوگوں نے ان سے متعدد معاملات اور مختلف مسائل میں سوالات کیے اور انہوں نے ان کے جوابات میں قرآن مجید اور احادیث کی تصریحات کے بجائے اپنے اقوال پیش کیے ہرچند کہ ان کے اقوال قرآن اور سنت پر ہی مبنی تھے اور سائلین کا بھی یہ عقیدہ تھا کہ یہ لوگ کتاب اور سنت کے ماہر ہیں اور ہمیں اس کے خلاف نہیں بتائیں گے اور اسی کا نام تقلید ہے اور مقلدین بھی اپنے ائمہ کی اسی معنی میں تقلید کرتے ہیں۔

(۱) عبدالرحمٰن الاعرج بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ محرم اپنی چادر میں بٹن لگا سکتا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۱۴۶۶۶، مطبوعہ دارالکتب العربیہ، ۱۴۱۶ھ)

حضرت ابی بن کعب نے سائل کو قرآن اور حدیث بیان کرنے کے بجائے صرف اپنا قول بیان کیا اور سائل نے اس پر عمل کیا اور یہی تقلید ہے۔

(۲) عمرو بن ہرم بیان کرتے ہیں کہ جابر بن زید سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص کھڑا ہوا نماز پڑھ رہا ہے اور دوسرا شخص اس کے قریب کھڑا ہوا نماز پڑھ رہا ہے اس نے آیت سجدہ پڑھی تو پہلے شخص نے اس آیت کو سن لیا تو کیا وہ سجدہ کرے گا؟ انہوں نے کہا نہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۴۳۰۸)

(۳) عمرو بن ہرم کہتے ہیں کہ جابر بن زید سے سوال کیا گیا کہ حائضہ عورت کے کپڑے پر خون لگ جائے وہ اس کو دھولے اور اس میں خون کا نشان باقی رہے تو وہ اس میں نماز پڑھ سکتی ہے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۱۰۲۰)

(۴) عمرو بیان کرتے ہیں کہ جابر بن زید سے سوال کیا گیا کہ طلوع آفتاب کے وقت یا غروب آفتاب کے وقت یا جب

سورج کچھ غروب ہوا ہو، اس وقت جنازہ دفن کیا جا سکتا ہے؟ کہا نہیں۔ (ہمارے نزدیک اس وقت نماز جنازہ نہیں پڑھی جا سکتی البتہ دفن کیا جا سکتا ہے... سعیدی غفرلہ) (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۱۱۳۲۵)

(۵) یونس بیان کرتے ہیں کہ حسن سے سوال کیا گیا کہ سفر میں دو نمازوں کو جمع کیا جا سکتا ہے؟ وہ اس کو بغیر عذر کے مستحسن نہیں سمجھتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۸۲۴۹)

(۶) عبد الملک بیان کرتے ہیں کہ سعید بن جبیر سے سوال کیا گیا کہ کیا عمرہ واجب ہے؟ انہوں نے کہا ہاں! (ہمارے نزدیک عمرہ کرنا سنت ہے... سعیدی غفرلہ) (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۱۳۶۵۴)

(۷) قتادہ بیان کرتے ہیں کہ ابراہیم نے کہا جس شخص پر رمضان کے قضا روزے ہوں وہ نفلی روزے نہ رکھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۹۸۲۶)

(۸) مالک بن انس بیان کرتے ہیں کہ سلیمان بن یسار اور سعید بن المسیب سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نفلی روزے رکھتا ہے اور اس پر رمضان کے روزوں کی قضا ہے؟ ان دونوں نے اس کو مکروہ قرار دیا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۹۲۸۹)

(۹) عمرو بن الحریث بیان کرتے ہیں کہ مُردہ بھینسوں کی کھالوں کی بیع کے متعلق شعبی سے سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا دباغت (رنگنے) سے پہلے ان کی بیع مکروہ ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۲۰۳۷۵)

(۱۰) الصلت بن راشد بیان کرتے ہیں کہ طاؤس سے نماز میں پانی پینے کے متعلق سوال کیا گیا؟ انہوں نے کہا نہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۸۳۵۹)

(۱۱) عبد الملک بیان کرتے ہیں کہ عطاء سے سوال کیا گیا کہ کیا محرمہ شلوار پہن سکتی ہے۔ انہوں نے کہا ہاں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۱۵۷۱۶)

(۱۲) ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ عطاء سے سوال کیا گیا کہ ایک عورت مرجائے اور اس کے پیٹ میں بچہ ہو اور مرد اس کو پیٹ سے نکال لے؟ انہوں نے کہا یہ مکروہ ہے۔ (ہمارے نزدیک مُردہ عورت سے زندہ بچہ کو نکالنا ضروری ہے... سعیدی غفرلہ) (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۲۳۷۴)

(۱۳) حسن بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ کیا اہلِ ایلہ پر جمعہ ہے؟ انہوں نے کہا نہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۵۰۶۲)

(۱۴) سعید بن المسیب بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر سے سوال کیا گیا کہ فصل اچھی ہونے تک کے ادھار پر ایک بکری کی دو بکریوں کے عوض بیع کی جائے، آیا یہ جائز ہے، حضرت عمر نے اس کو مکروہ کہا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۲۰۴۳۸)

(۱۵) سلیمان بن مغیرہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حسن سے پوچھا ایک آدمی قل ھو اللہ احد اچھی طرح نہیں پڑھ سکتا، کیا وہ اپنی قوم کو نماز پڑھائے اور پھر دہرا لے؟ انہوں نے کہا ہاں! (ایسی صورت میں ہمارے نزدیک صحیح قاری کو امام بنانا ضروری ہے... سعیدی غفرلہ) (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۸۷۶۶)

(۱۶) حصین بیان کرتے ہیں کہ میں نے سعید بن جبیر سے سوال کیا آیا میں حج کے چھ دن بعد عمرہ کر سکتا ہوں؟ انہوں نے کہا اگر تم چاہو تو عمرہ کرلو۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۱۳۰۱۸)

(۱۷) جعفر بن نجیح بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے طاؤس سے سوال کیا میں نے عجلت سے دو دن میں حج کر لیا، کیا میں

عمرہ کر سکتا ہوں؟ انہوں نے کہا ہاں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث:۱۳۰۱۹)

(۱۸) عبیداللہ بن ابی یزید بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عبید بن عمیر سے سوال کیا آیا کوئی شخص جہاد پر جا سکتا ہے جبکہ اس کے ماں باپ یا دونوں میں سے ایک ناپسند کرتے ہوں؟ انہوں نے کہا نہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث:۳۳۴۵۱)

(۱۹) یونس بن خباب بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابو جعفر سے سوال کیا آیا بچوں کے گلوں میں تعویذ لٹکانا جائز ہے' انہوں نے اس کی اجازت دی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث:۲۳۵۴۱)

(۲۰) بسام بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابو جعفر سے سوال کیا آیا نرد (ایک قسم کا کھیل) کھیلنا جائز ہے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ (یہ اس صورت میں ہے جب اس میں ہار جیت پر شرط لگائی جائے) (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث:۲۶۱۴۶)

(۲۱) شعبہ بیان کرتے ہیں کہ اہل واسط کے ایک بوڑھے نے ابو عیاض سے سوال کیا' آیا چوپائے کے زخم پر خنزیر کے بال رکھنا جائز ہے؟ انہوں نے اس کو مکروہ کہا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث:۲۳۶۸۸)

(۲۲) خالد حذاء بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابو قلابہ سے بیان کیا کہ ایک معلم تعلیم دیتا ہے اور اس پر اجرت لیتا ہے! انہوں نے کہا اس میں کوئی حرج نہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث:۲۰۸۲۴)

(۲۳) منصور بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابراہیم سے سوال کیا آیا میں دو سجدوں کے درمیان کچھ قرأت کروں؟ انہوں نے کہا نہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث:۸۸۴۳)

(۲۴) حماد بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابراہیم سے سوال کیا کہ آیا سوئے ہوئے شخص کو نماز کا سترہ قرار دیا جا سکتا ہے! انہوں نے کہا نہیں! میں نے سوال کیا اور بیٹھے ہوئے شخص کو' کہا ہاں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث:۲۸۸۲)

(۲۵) زید بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابراہیم سے سوال کیا بہن کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے؟ انہوں نے کہا ہاں! (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث:۱۰۵۳۸)

(۲۶) مغیرہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابراہیم سے سوال کیا ایک شخص نے دوسرے شخص کو بکری فروخت کی پھر اس سے پہلے کہ وہ بکری پر قبضہ کرتا اس نے کہا اس بیع کو واپس کر لو' خریدار نے انکار کیا اور کہا مجھے ایک درہم دو تو میں بیع فسخ کر لوں گا' آیا یہ جائز ہے؟ تو ابراہیم نے اس کو مکروہ کہا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث:۲۰۴۰۹)

(۲۷) حماد بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابراہیم سے سوال کیا آیا محرم چوہے کو مار سکتا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں! (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث:۱۴۸۲۲)

(۲۸) الصباح بن ثابت بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابن جبیر سے سوال کیا: آیا محرم کپڑے فروخت کر سکتا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں! (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث:۱۴۷۸۴)

(۲۹) ثابت بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر سے سوال کیا آیا معصیت کی نذر کو پورا کیا جائے گا؟ انہوں نے کہا نہیں! (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث:۱۲۱۵۴)

(۳۰) طاؤس بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر سے مغرب کے بعد دو رکعت نماز پڑھنے کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے منع نہیں کیا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث:۷۳۸۶)

(۳۱) ہشام معیطی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ام الدرداء سے حج کے بعد عمرہ کرنے کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے حج کے بعد عمرہ کرنے کا حکم دیا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث:۱۳۰۱۴)

(۳۲) الصباح بن عبداللہ البجلی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک سے سوال کیا آیا محرم ذبح کر سکتا ہے؟ انہوں نے کہاہاں! (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۱۴۵۱۸)

(۳۳) ابوالزبیر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر سے پوچھا آیا محرم خوشبو سونگھ سکتا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں!
(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۱۳٦۰۵)

(۳۴) شعبہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حکم اور حماد سے سوال کیا آیا گندم کی آٹے کے بدلہ میں بیع جائز ہے تو دونوں نے اس کو مکروہ کہا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۲۰۲۵۹)

(۳۵) شعبہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حکم اور حماد سے سوال کیا کہ ایک شخص دشمن کے علاقہ میں چلا جائے تو آیا وہ ان کی عورت سے نکاح کر سکتا ہے؟ ایک نے کہاہاں، دوسرے نے کہا نہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۱۷٦۸۷)

(۳٦) شعبہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حکم اور حماد سے سوال کیا آیا پیتل کو لوہے کے بدلہ میں ادھار فروخت کرنا جائز ہے؟ حماد نے کہا مکروہ ہے، اور حکم نے کہا کوئی حرج نہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۲۲۵۳۸)

(۳۷) ابوالمنبہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حسن سے پوچھا ایک شخص کو بارش یا سخت سردی کی وجہ سے اہل ذمہ کے ہاں جانے کی ضرورت پیش آجائے تو آیا وہ ان سے اجازت طلب کرے انہوں نے کہاہاں!
(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۲۵۹۷۸)

(۳۸) شعبہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حکم اور حماد سے سوال کیا آیا خنزیر کے بالوں کو استعمال کرنا جائز ہے تو دونوں نے اس کو مکروہ کہا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۲۵۲۷۰)

(۳۹) سلیمان بن مغیرہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حسن سے سوال کیا کہ ایک شخص نے اہل ذمہ کی ایک عورت سے بیع کی، اس عورت کی کچھ رقم اس کے پاس بچ گئی اس نے اس عورت کو تلاش کیا وہ نہیں ملی آیا وہ اس رقم کو مسلمانوں کے بیت المال میں داخل کر دے؟ انہوں نے کہاہاں! (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۳۱۵۸۹)

(۴۰) شعبہ کہتے ہیں کہ میں نے حکم اور حماد سے سوال کیا آیا کسی شخص کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے اور قبلہ کے درمیان مصحف رکھ لے؟ تو دونوں نے اس کو مکروہ کہا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۴۵۸۰)

(۴۱) شعبہ کہتے ہیں میں نے حکم اور حماد سے سوال کیا جب امام جمعہ کے خطبہ کے لیے باہر نکل آئے اور خطبہ شروع کر دے، اور جب منبر سے اتر آئے اور ابھی نماز شروع نہ کی ہو آیا ان دونوں وقتوں میں کلام کرنا جائز ہے؟ حکم نے کہا مکروہ ہے اور حماد نے کہا کوئی حرج نہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۵۳۱۷)

(۴۲) شعبہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حکم اور حماد سے سوال کیا سر پر کتنی بار مسح کیا جائے دونوں نے کہا ایک مرتبہ۔
(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۱۴۳)

(۴۳) شعبہ کہتے ہیں کہ میں نے حکم اور حماد سے سوال کیا آیا حائضہ عورت تسبیح، تہلیل اور تکبیر پڑھ سکتی ہے؟ تو ان دونوں نے اس کو مکروہ کہا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۷۲٦۸)

(۴۴) شعبہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حکم اور حماد سے سوال کیا آیا نماز میں ناک کو ڈھانپنا جائز ہے؟ تو ان دونوں نے اس کو مکروہ کہا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۷۳۱۴)

(۴۵) یعقوب بن قیس کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن جبیر سے سوال کیا کہ ایک شخص کو روزے میں قے آجائے تو آیا وہ

اس روزے کی قضا کرے گا؟ انہوں نے کہا نہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۹۱۹۴)

(۴۶) شعبہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حماد اور منصور سے سوال کیا آیا بغیر وضو کے بیت اللہ کا طواف کرنا جائز ہے؟ تو انہوں نے اس میں کوئی حرج نہیں سمجھا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۱۴۳۴۹)

(۴۷) شعبہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حکم اور حماد سے سوال کیا کہ ایک عورت کسی شخص سے خلع کرے اور اس نے جو کچھ اس عورت کو دیا ہے وہ خلع کے عوض اس سے زیادہ طلب کرے تو آیا یہ جائز ہے، تو دونوں نے اس کو مکروہ کہا۔
(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۱۸۵۱۵)

(۴۸) زیاد بن ابی مسلم بیان کرتے ہیں کہ میں نے سعید بن جبیر سے سوال کیا آیا زمین کو دراہم اور طعام کے عوض کرایہ پر دینا جائز ہے تو انہوں نے اس میں کوئی حرج نہیں سمجھا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۲۱۲۶۲)

(۴۹) خصیف بیان کرتے ہیں کہ میں نے سعید بن مسیب سے سوال کیا کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہو آیا وہ (عدت سے پہلے) گھر سے نکل سکتی ہے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۱۸۸۶۱)

(۵۰) حجاج بیان کرتے ہیں کہ میں نے عطا سے پوچھا آیا بیت اللہ کے گرد طواف کرتے ہوئے قرآن عظیم پڑھنا جائز ہے تو انہوں نے اس میں کوئی حرج نہیں سمجھا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۱۵۱۹۰)

(۵۱) ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ ایک انسان نے عطا سے سوال کیا کہ ایک روزہ دار نے سحری کی پھر نماز سے پہلے اس کو معلوم ہوا کہ اس کے دانتوں میں کوئی چیز ہے عطا نے کہا اس میں اس پر کوئی تاوان نہیں ہے۔
(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۷۵۰۴)

(۵۲) ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عطاء سے سوال کیا کہ میں مسجد میں آیا اور امام فرض پڑھا چکا تھا، آیا میں اس وقت فرض پڑھنے سے پہلے دو رکعت پڑھ لوں، انہوں نے کہا نہیں، بلکہ پہلے فرض پڑھو، حق پہلے ادا کرو، پھر جو چاہو پڑھو میں نے کہا اگر میں جنگل میں ہوں؟ انہوں نے کہا جنگل میں فرض سے پہلے جو چاہو پڑھ لو۔
(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۳۴۴۷)

(۵۳) ابن طاؤس بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابن عمر سے پوچھا آیا ایک اونٹ کو دو اونٹوں کے عوض ادھار خریدنا جائز ہے؟ انہوں نے کہا نہیں اور اس بیع کو مکروہ کہا، پھر میرے والد نے حضرت ابن عباس سے سوال کیا انہوں نے کہا کبھی ایک اونٹ دو اونٹوں سے بہتر ہوتا ہے۔ (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۴۱۴۰، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۵ ص ۲۸۷)

(۵۴) ایوب بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے ابن المسیب سے سوال کیا کہ ایک آدمی نے معصیت کی نذر مانی آیا وہ اس نذر کو پورا کرے؟ ابن المسیب نے کہا وہ اس نذر کو پورا کرے، اس شخص نے پھر عکرمہ سے سوال کیا، انہوں نے کہا وہ اپنی قسم کا کفارہ دے اور اپنی اس نذر کو پورا نہ کرے، وہ شخص دوبارہ ابن المسیب کے پاس گیا اور عکرمہ کے قول کی خبر دی، ابن المسیب نے کہا عکرمہ سے کہو کہ باز آجائے ورنہ میں اس کی پیٹھ پر کوڑے ماروں گا، وہ شخص پھر عکرمہ کے پاس گیا اور بتایا کہ ابن المسیب نے کیا کہا ہے، تب عکرمہ نے کہا جب تم نے اس کی بات مجھے پہنچائی ہے تو میرا جواب بھی اس کو پہنچا دو، اسے کہو اس کو تو مدینہ کے امراء دھوپ میں کھڑا کر کے کوڑے مار چکے ہیں، پھر اس کو اپنی نذر بیان کر کے پوچھو کہ آیا یہ اللہ کی اطاعت ہے یا اس کی معصیت ہے؟ اگر وہ کہے کہ یہ معصیت ہے تو اس سے کہو کہ تم نے اللہ کی معصیت کرنے کا حکم دیا ہے اور اگر وہ کہے کہ یہ اللہ کی اطاعت ہے تو اس سے کہو کہ تم نے اللہ پر جھوٹ باندھا کہ اللہ کی معصیت کو اللہ کی اطاعت گمان

کیا۔ (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۵۸۲۶)

(۵۵) اسود بیان کرتے ہیں کہ کعب کے پاس وحشی گدھے کے شکار کا گوشت لایا گیا انہوں نے اس کو کھانے کے متعلق حضرت عمر سے سوال کیا کہ وہ لوگ محرم تھے اور اس کو غیر محرم نے شکار کیا تھا کعب نے کہا ہم لوگوں نے اس کو کھالیا، حضرت عمر نے فرمایا اگر تم لوگ اس کو چھوڑ دیتے تو میں یہ سمجھتا کہ تم لوگوں میں تفقہ بالکل نہیں ہے۔

(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۸۳۴۱)

(۵۶) سالم بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ میرے والد (حضرت ابن عمر) سے کہہ رہے تھے مجھ سے محرم لوگوں نے سوال کیا کہ غیر محرم لوگوں نے ان کو شکار کا گوشت ہدیہ کیا میں نے ان کو حکم دیا کہ وہ اس کو کھالیں، پھر میری حضرت عمر سے ملاقات ہوئی تو میں نے ان سے اس کے متعلق سوال کیا، حضرت عمر نے فرمایا تم نے ان کو کیا فتویٰ دیا تھا میں نے ان کو بتایا حضرت عمر نے فرمایا اگر تم اس کے علاوہ کوئی اور فتویٰ دیتے تو میں تم کو کوڑے مارتا، ابو مجلز بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر سے پوچھا آپ کی اس میں کیا رائے ہے، حضرت ابن عمر نے کہا میں اس میں کیا کہوں عمر مجھ سے بہتر ہیں اور ابوہریرہ مجھ سے بہتر ہیں، عمرو بن دینار کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر کی رائے یہ تھی کہ محرم کے لیے شکار کا گوشت کھانا مکروہ ہے۔

(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۸۳۴۲، السنن الکبریٰ ج ۵ ص ۱۸۹)

(۵۷) حضرت ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ شام کے ایک شخص نے مجھ سے پوچھا کہ وہ محرم ہو اور اس کو شکار کا گوشت دیا جائے تو آیا وہ اس کو کھا سکتا ہے؟ حضرت ابوہریرہ نے اس کو فتویٰ دیا کہ تم اس کو کھا سکتے ہو، پھر میری حضرت عمر سے ملاقات ہوئی میں نے ان کو اس کا سوال اور اپنا جواب بتایا، حضرت عمر نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے اگر تم اس کے علاوہ کوئی اور فتویٰ دیتے تو میں تمہیں کوڑے مارتا۔

(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۸۳۴۴، السنن الکبریٰ ج ۵ ص ۱۸۸)

(۵۸) حیات بن عمیر بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت ابن عباس سے سحری کے متعلق سوال کیا کہ ابھی رات تھی اور اس نے فجر کی اذان سنی حضرت ابن عباس نے فرمایا وہ کھاتا رہے۔ (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۷۳۷۰)

(۵۹) مغیرہ بیان کرتے ہیں کہ ابراہیم سے سوال کیا گیا کہ اہل ذمہ کو دشمن نے قید کرلیا پھر مسلمانوں نے ان کو حاصل کر لیا، ان کا اب کیا حکم ہے، ابراہیم نے کہا ان کو غلام نہیں بنایا جائے گا۔ (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۹۳۶۴)

(۶۰) ابن ابی نجیح بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر نے مسلمانوں سے سوال کیا کہ جب تم حبشیوں کے علاقے میں گئے تو وہ تمہارے ساتھ کیا سلوک کرتے تھے، مسلمانوں نے کہا وہ ہم سے ہماری چیزوں کا دسواں حصہ وصول کرتے تھے، فرمایا جتنا وہ تم سے وصول کرتے تھے تم بھی ان سے اتنا وصول کرو۔ (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۰۱۲۱)

(۶۱) ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ آیا خصی آزاد عورت سے نکاح کر سکتا ہے، ابن شہاب نے کہا کہ اگر عورت راضی ہو تو اس نکاح میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۰۷۱۸)

(۶۲) ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ ابن شہاب سے یہ سوال کیا گیا کہ ایک نصرانی کے پاس نصرانی باندی تھی اس سے اولاد ہوگئی پھر وہ مسلمان ہوگئی، ابن شہاب نے کہا اسلام کی وجہ سے ان کے درمیان علیحدگی ہو جائے گی اور اس کو اور اس کی اولاد کو آزاد قرار دیا جائے گا۔ (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۹۹۵۸)

(۶۳) مجاہد بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس سے الصابئین کے متعلق سوال کیا گیا، انہوں نے کہا وہ یہود اور نصاریٰ

کی ایک درمیانی قوم ہے ان کا ذبیحہ حلال ہے اور نہ ان سے نکاح کرنا حلال ہے۔ (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۰۲۰۸)

(۶۴) زہری بیان کرتے ہیں کہ ابن مسیب سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص پر حد لگائی گئی پھر کسی شخص نے اس حد کی وجہ سے اس کی مذمت کی انہوں نے کہا اگر اس نے سچی توبہ کی تھی تو اس مذمت کرنے والے کو تعزیر لگائی جائے گی۔

(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۳۷۵۷)

(۶۵) ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ ابن شہاب سے سوال کیا گیا کہ ایک عورت کا خاوند فوت ہو گیا اور وہ اس وقت حاملہ تھی اس کا نفقہ (کھانے پینے کا خرچ) کس پر ہو گا؟ ابن شہاب نے کہا حضرت ابن عمر کی رائے یہ تھی کہ اس کا خرچ اس کے خاوند کے ترکہ سے لیا جائے گا خواہ وہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ، لیکن ائمہ نے اس کا انکار کیا اور کہا اس کا خرچ اس کے ذمہ نہیں ہے۔ (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۲۰۹۲، المحلیٰ ج ۱۰ ص ۲۸۹)

(۶۶) مورق العجلی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سفر میں نماز پڑھنے کے متعلق سوال کیا گیا، انہوں نے کہا دو، دو رکعت نماز پڑھو جس نے سنت کے خلاف کیا اس نے کفران نعمت کیا۔

(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۴۲۸۱)

(۶۷) قتادہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر سے سوال کیا گیا آیا ٹڈی کا کھانا جائز ہے، انہوں نے کہا وہ مکمل ذبح شدہ ہے۔ (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۸۷۵۳)

(۶۸) نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر سے پنیر کے متعلق سوال کیا گیا جس کو مجوس بناتے ہیں، انہوں نے کہا میں نے اس کو مسلمانوں کے بازار میں نہیں پایا، میں نے اس کو خرید لیا اور اس کے متعلق سوال نہیں کیا۔

(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۸۷۸۵)

(۶۹) ابن سیرین بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر سے میت پر مشک لگانے کے متعلق سوال کیا گیا، انہوں نے کہا کیا وہ تمہاری بہترین خوشبو نہیں ہے۔ (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۶۱۳۹)

(۷۰) ابو اسحاق بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا کہ اگر ناتمام مردہ بچہ ساقط ہو جائے تو کیا اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی، انہوں نے کہا نہیں حتیٰ کہ وہ آواز سے روئے جب وہ آواز سے روئے گا تو اس پر نماز بھی پڑھی جائے گی اور اس کو وارث بھی بنایا جائے گا۔ (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۶۵۹۹، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۴ ص ۹)

(۷۱) عبدالملک بن مغیرہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر سے سوال کیا گیا کہ کوئی شخص کسی عورت کو اس کے خاوند کے لیے حلال کرنے کے قصد سے حلالہ کرے اس کا کیا حکم ہے فرمایا یہ زنا ہے۔

(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۰۷۷۶، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۲۰۸)

(۷۲) حضرت ابن عمر سے متعہ کے متعلق سوال کیا گیا انہوں نے کہا یہ زنا ہے۔ (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۴۰۴۲)

(۷۳) شعبی سے سوال کیا گیا آیا عورت نماز جنازہ پڑھ سکتی ہے؟ انہوں نے کہا عورت نماز جنازہ نہ پڑھے خواہ وہ حائضہ ہو یا پاک ہو۔ (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۶۲۹۷)

(۷۴) ابن طاؤس بیان کرتے ہیں کہ میرے والد سے بچہ کے ذبیحہ کے متعلق سوال کیا گیا انہوں نے کہا اگر وہ چھری پکڑ سکتا ہو تو جائز ہے۔ (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۸۵۵۵)

(۷۵) مجاہد بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر سے استمناء کے متعلق سوال کیا گیا انہوں نے کہا وہ شخص اپنے نفس سے زنا

کرنے والا ہے۔ (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۳۵۸۷)

(۷۶) عبیداللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے ایک عورت سے زنا کیا پھر اس نے اس عورت سے نکاح کا ارادہ کیا' آیا یہ جائز ہے؟ حضرت ابوبکر نے فرمایا اس کے لیے اس سے افضل توبہ نہیں ہے کہ وہ اس عورت سے نکاح کرلے' وہ دونوں زنا سے نکل کر نکاح کی طرف آ گئے۔

(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۲۷۹۵)

(۷۷) موسیٰ بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر سے زمین کو کرائے پر دینے کے متعلق سوال کیا گیا' انہوں نے کہا میری زمین اور میرا اونٹ برابر ہے۔ (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۴۴۵۸' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۶ ص ۱۳۳)

(۷۸) معمر بیان کرتے ہیں کہ حسن سے سوال کیا گیا آیا صراف کا طعام کھانا جائز ہے؟ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہود اور نصاریٰ کے بعد مبعوث کیا ہے' وہ سود کھاتے تھے' اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ان کا طعام حلال کر دیا ہے۔ (ہمارے نزدیک اس سے بچنا چاہیے کیونکہ صراف سونے چاندی کی ادھار بیع بھی کرتے ہیں اور یہ ممنوع ہے... سعیدی غفرلہ) (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۴۶۸۱)

(۷۹) صاعد بیان کرتے ہیں کہ شعبی سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص ایک جماعت کو نماز پڑھا رہا تھا' اس نے ایک یا دو رکعت نماز پڑھائی پھر وہ کسی چیز کو دیکھ کر ڈر گیا اور اس نے اپنی نماز توڑ دی۔ شعبی نے کہا وہ از سر نو نماز پڑھیں۔

(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۳۶۵۸)

(۸۰) معمر بیان کرتے ہیں کہ زہری سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی تلوار سے ذبح کیا اور اس نے ذبیحہ کا سر کاٹ ڈالا۔ زہری نے کہا اس نے برا کام کیا' اس شخص نے پوچھا آیا وہ اس ذبیحہ کو کھالے؟ انہوں نے کہا ہاں!

(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۸۶۰۰)

(۸۱) معمر بیان کرتے ہیں کہ زہری سے سوال کیا گیا کہ یتیم کے مال کے ساتھ کیا کیا جائے' زہری نے کہا اس کے مال میں سب صورتیں جائز ہیں' بعض لوگ اس کے مال سے قرض لے کر اس کی حفاظت کرتے تھے' تاکہ وہ مال ضائع نہ ہو اور بعض یہ کہتے کہ اس کا مال امانت ہے میں اس مال کو صرف اس کے مالک کو ادا کروں گا' اور بعض اس کے مال کو مضاربت میں لگا دیتے' ان میں سے ہر صورت نیت پر موقوف ہے۔ (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۷۰۰۰)

(۸۲) علی بن حاکم بیان کرتے ہیں کہ شعبی سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے تکیہ کے اوپر اپنی بیوی کو طلاق لکھ دی؟ انہوں نے کہا یہ جائز ہے۔ (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۱۴۴۰)

(۸۳) ابو خالد بیان کرتے ہیں کہ شعبی سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق واقع کرنے کا اختیار دیا وہ خاموش رہی' اس نے دوسری بار اختیار دیا وہ خاموش رہی اس نے تیسری بار اختیار دیا تو اس عورت نے اپنے نفس کو اختیار کر لیا' شعبی نے کہا اب وہ عورت اس کے اوپر حلال نہیں ہے حتیٰ کہ وہ شوہر کے علاوہ کسی اور شخص سے نکاح کرلے۔

(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۱۹۹۵)

(۸۴) ثوری بیان کرتے ہیں کہ شعبی سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے ایک معین جگہ تک کے لیے سواری کو کرایہ پر لیا' پھر اس جگہ کے آنے سے پہلے اس کا کام ہو گیا' شعبی نے کہا وہ اس جگہ کے حساب سے اجرت دے گا۔

(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۴۹۳۶)

(۸۵) معمر بیان کرتے ہیں کہ زہری سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص کسی کے ہاں مہمان ہوا اس نے ان کے ہاں خیانت کی، زہری نے کہا اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ (مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۸۸۶۵)

(۸۶) عبید اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ قاسم بن محمد اور سالم بن عبد اللہ سے سوال کیا گیا کہ بچہ کو حد کب لگائی جائے گی انہوں نے کہا جب اس کے زیر ناف بال نکل آئیں۔ (مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۸۷۳۶)

(۸۷) ثوری بیان کرتے ہیں کہ حماد سے سوال کیا گیا کہ آیا میت کے ناخن کاٹنا جائز ہے؟ انہوں نے کہا یہ بتاؤ کہ اگر وہ غیر مختون ہو تو کیا تم اس کا ختنہ کرو گے! (مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۶۲۳۳)

(۸۸) ہمام بن منبہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت جابر بن عبد اللہ سے نشرہ (افسوں، منتر) کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا یہ شیطان کے عمل سے ہے۔ (مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۹۷۶۲)

(۸۹) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ آدمی نے جس جگہ فرض نماز پڑھی ہو آیا وہیں نفل پڑھ سکتا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ (مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۳۹۲۴)

(۹۰) ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ عطاء سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص اپنے منہ کو ڈھانپ کر نماز پڑھتا ہے؟ انہوں نے کہا میرے نزدیک پسندیدہ یہ ہے کہ وہ منہ کھول کر نماز پڑھے، کیونکہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ جب تم نماز پڑھتے ہو تو اپنے رب سے سرگوشی کرتے ہو۔ (مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۴۰۵۹)

(۹۱) ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ عطاء سے سوال کیا گیا کہ آیا نابینا شخص لوگوں کی امامت کرا سکتا ہے؟ عطاء نے کہا اگر وہ لوگوں میں سے سب سے زیادہ فقیہ ہو تو وہ کیوں نہ نماز پڑھائے، ایک شخص نے عطاء سے کہا کہ الّا یہ کہ وہ قبلہ میں خطا کرے، عطاء نے کہا اگر وہ خطاء کرے تو تم اس کو درست کر دو، جب وہ زیادہ فقیہ ہو تو اسی کو نماز پڑھانی چاہیے۔

(مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۳۸۳۱)

(۹۲) ابن حرملہ بیان کرتے ہیں کہ سعید بن المسیب سے سوال کیا گیا اگر محرم چچڑی کو قتل کر دے تو اس پر کیا تاوان ہے، انہوں نے کہا ایک یا دو کھجور صدقہ کر دے۔ (مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۸۴۰۴)

(۹۳) ابو عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ سلمان سے سوال کیا گیا کہ آیا پنیر، جنگلی گدھے اور گھی کو کھانا جائز ہے، انہوں نے کہا کہ اللہ کا حلال وہ چیزیں ہیں جن کو اس نے قرآن عظیم میں حلال کر دیا اور اللہ کا حرام وہ چیزیں ہیں جن کو اس نے قرآن مجید میں حرام کر دیا، ان کے ماسوا جو چیزیں ہیں وہ مباح ہیں۔ (مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۸۷۶۵)

(۹۴) ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ عطاء سے سوال کیا گیا کہ جو عورت اعتکاف میں بیٹھی ہو آیا وہ بناؤ سنگھار کرے؟ انہوں نے کہا نہیں کیا وہ ارادہ کرتی ہے کہ اس کا خاوند اس کے ساتھ مباشرت کرے، انہوں نے کہا وہ ایسا کیوں کرتی ہے! اعتکاف تو عبادت ہے اور عورت اپنے خاوند کے لیے بناؤ سنگھار کرتی ہے اور خوشبو لگاتی ہے!

(مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۸۱۰۴)

(۹۵) بکار بیان کرتے ہیں کہ طاؤس سے سوال کیا گیا کہ فریضہ حج ادا کرنے کے بعد مزید حج کرنا افضل ہے یا صدقہ کرنا؟ انہوں نے کہا، کہاں احرام باندھنا، سفر کرنا، شب بیداری کرنا، اللہ کی راہ میں تھکنا، بیت اللہ کا طواف کرنا، حرم میں نماز پڑھنا، میدان عرفات میں وقوف کرنا، مزدلفہ میں وقوف کرنا، رمی جمار کرنا، گویا وہ کہتے تھے حج افضل ہے۔

(مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۸۸۲۲)

(۹۶) ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ عطاء سے سوال کیا گیا کہ اگر کوئی مشرک کسی مسلمان کے پاس بغیر کسی معاہدہ کے آ جائے؟ انہوں نے کہا اس کو اختیار ہے چاہے اسے اپنے پاس رکھ لے اور چاہے اس کو اس کے ٹھکانے پر پہنچا دے۔

(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۹۶۵۲)

(۹۷) علقمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے عزل کے متعلق سوال کیا گیا انہوں نے کہا اگر اللہ نے آدم کی پشت میں کسی روح سے میثاق لے لیا ہے تو اگر وہ اپنے نطفہ کو پتھر پر گرا دے تو اللہ تعالیٰ اس پتھر سے بچہ پیدا کر دے گا، تم عزل کرو یا نہ کرو۔ (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۲۵۶۸)

(۹۸) ابو الضحیٰ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن معقل سے سوال کیا گیا کہ کسی شخص نے کسی کانے کی کانی آنکھ نکال دی؟ انہوں نے کہا اس میں نصف دیت ہے۔ (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۷۴۳۵)

(۹۹) ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ عطاء سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے قسم کھائی کہ وہ ایک ماہ تک اپنی بیوی کے قریب نہیں جائے گا، پھر وہ پانچ ماہ تک اس کے قریب نہیں گیا؟ انہوں نے کہا یہ ایلاء نہیں ہے۔

(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۱۶۲۰)

(۱۰۰) ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ عطاء سے سوال کیا گیا کہ کسی شخص کو یہ اجازت ہے کہ وہ اپنے نوکر کو رمضان میں روزے نہ رکھنے پر مجبور کرے؟ انہوں نے کہا نہیں، اس نے کہا کیا بکریاں چرانے والے کے لیے روزہ نہ رکھنے کی رخصت ہے؟ انہوں نے کہا میں نے اس کے لیے رخصت نہیں سنی۔ (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۷۵۶۹)

غیر مقلد علماء کی عبارات سے تقلید پر استدلال

ہم نے فسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون (النحل: ۴۳) سے تقلید پر استدلال کیا تھا کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ جب تمہیں کوئی مسئلہ معلوم نہ ہو تو اس کے متعلق اہل علم سے سوال کرو اور ہم نے جو ایک سو آثار صحابہ اور اقوال تابعین پیش کیے ہیں، ان میں اسی چیز کا بیان ہے اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین اور ان کے اتباع سب یہی سمجھتے تھے کہ اس آیت کا یہی معنی ہے، اس کے برخلاف غیر مقلدین یہ کہتے ہیں کہ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ اس آیت میں مطلق سوال کرنے کا حکم ہے یا عام چیزوں کے متعلق سوال کرنے کا حکم ہے تو اس کا معنی یہ ہے کہ تم پیش آمدہ مسائل میں اہل علم سے کتاب اور سنت کے دلائل یا کتاب اور سنت کی تصریحات کا سوال کرو، حالانکہ ان مذکور الصدر آثار سے واضح ہو گیا ہے کہ تابعین اور تبع تابعین ان سے اپنے پیش آمدہ مسائل میں رجوع کرتے تھے اور ان سے کتاب اور سنت سے دلائل دینے کا مطالبہ نہیں کرتے تھے کیونکہ انہیں ان پر اعتماد تھا کہ وہ اپنے اجتہاد سے جو بھی فتویٰ دیں گے وہ کتاب و سنت کے خلاف نہیں ہو گا اور اسی معنی میں مقلدین اپنے ائمہ کی تقلید کرتے ہیں۔

حافظ عبداللہ روپڑی متوفی ۱۳۸۴ھ تقلید کے خلاف بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اور تقلید فی نفسہٖ بھی بدعت ہے محدث ہے کیونکہ ہم قطعاً جانتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں کسی شخص کا مذہب معین نہیں تھا، جو اس کو حاصل کیا جائے یا اس کی تقلید کی جائے اور سوا اس کے نہیں کہ حادثوں میں کتاب و سنت کی طرف رجوع کرتے تھے جب کہ کتاب و سنت میں دلیل نہ ملتی، اور اسی طرح تابعین کی حالت تھی وہ بھی کتاب و سنت کی طرف رجوع کرتے تھے، پس اگر کوئی مسئلہ کتاب و سنت میں نہ پاتے تو اس بات کو دیکھتے جس پر صحابہ کا اجماع ہے، اگر اجماع بھی نہ پاتے تو اپنے طور پر اجتہاد کرتے اور بعض صحابی کے قول کو لیتے اور اس کو اللہ کے دین میں اقویٰ سمجھتے۔

(فتاویٰ اہل حدیث ج ۱ ص ۶۱، مطبوعہ ادارہ احیاء السنۃ النبویہ سرگودھا، ۱۴۰۴ھ)

حافظ روپڑی نے لکھا ہے کہ پیش آمدہ مسائل میں صحابہ اور تابعین کا عام اور غالب طریقہ یہ تھا کہ وہ کتاب و سنت کی طرف رجوع کرتے تھے یعنی کسی کے قول پر عمل نہیں کرتے تھے اور ہم نے جو ایک سو آثار صحابہ اور اقوال تابعین پیش کیے ہیں ان سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ حافظ روپڑی کا یہ کہنا خلاف واقع ہے۔

ظاہر ہے کہ غیر مقلدین عوام میں سے ہر شخص قرآن و سنت سے براہ راست مسائل کا استخراج نہیں کر سکتا اور وہ پیش آمدہ مسائل میں اپنے علماء کی طرف رجوع کرتا ہے اور ان سے فتوے طلب کرتا ہے اور وہ بھی ہر فتویٰ میں قرآن و حدیث سے دلائل پیش نہیں کرتے بلکہ اس کو اس مسئلہ کا حکم بتاتے ہیں سو غیر مقلدین بھی اپنے علماء کی تقلید کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ ان علماء کا علم امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد کے پائے کا نہیں ہوتا تو کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ ان عام علماء کی بجائے ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک تقلید کر لی جائے!

ہم نے ابھی حافظ روپڑی کی یہ عبارت نقل کی ہے کہ حادثوں (پیش آمدہ مسائل) میں کتاب و سنت یا اجماع کی طرف رجوع کرنا چاہیے، حافظ روپڑی کا فتاویٰ اہل حدیث کے نام سے ایک مجموع فتاویٰ ہے ہم نے یہ دیکھا ہے کہ حافظ روپڑی نے بہت سے سوالات کے جوابات میں صرف اپنا قول نقل کیا ہے اور قرآن سنت سے دلائل نہیں دیئے اور سائلین نے ان کے اقوال پر ہی عمل کیا ہو گا، علماء غیر مقلدین کے دیگر مجموع ہائے فتاویٰ کا بھی یہی حال ہے تو کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ حافظ روپڑی، شیخ نذیر حسین دہلوی اور شیخ عبدالستار کے اقوال کی تقلید کرنے کی بجائے عوام غیر مقلدین ائمہ اربعہ میں سے کسی امام کی تقلید کر لیں جن کے اقوال پر کتاب و سنت سے دلائل موجود ہیں اور اس موضوع پر بیسیوں کتابیں لکھی ہوئی ہیں۔

اب ہم فتاویٰ اہل حدیث سے چند مثالیں پیش کر رہے ہیں جن میں حافظ روپڑی نے کتاب و سنت سے دلائل پیش کرنے کی بجائے صرف اپنے اقوال پیش کیے ہیں:

(۱) سوال: پانی میں پاک شے پڑ جائے اور اس کا رنگ، بو، مزا بدل جائے کیا اس پانی سے غسل و وضو ہو سکتا ہے؟

جواب: پانی میں پاک شے پڑنے سے بعض دفعہ اس کا نام کچھ اور ہو جاتا ہے مثلاً شربت یا عرق یا لسی وغیرہ تو اس سے وضو اور غسل نہیں ہو گا، ہاں اگر پانی کا نام نہ بدلے جیسے کنویں میں پتے گرنے سے رنگ، بو، مزا بدل جاتا ہے مگر اس کا نام پانی ہی رہتا ہے، دوسرا نام اس پر نہیں بولا جاتا اس لیے اس سے وضو یا غسل وغیرہ بالاتفاق درست ہے۔

(فتاویٰ اہل حدیث ج ۱ ص ۲۳۵، مطبوعہ سرگودھا)

(۲) سوال: کوئی شخص اپنی دکان کا سامان خریدنے کے لیے دوسرے شہروں کو جاتا ہے کیا وہ دوگانہ پڑھ سکتا ہے۔ اگر پڑھ سکتا ہے تو اپنے شہر سے کتنے فاصلے پر جا کر دوگانہ پڑھے۔

جواب: دکان کے لیے سامان خریدنے کے لیے یا کسی اور ضرورت کے تحت سفر پر روانہ ہو تو وہ دوگانہ پڑھ سکتا ہے۔ سفر خواہ ریل کا ہو یا لاری کا، جب اپنے گاؤں یا شہر کی حدود سے نکل جائے تو وہ دوگانہ شروع کر دے کیونکہ حدود سے نکلتے ہی دوگانہ شروع ہو جاتا ہے۔ (فتاویٰ اہل حدیث ج ۱، ص ۵۹۰، مطبوعہ سرگودھا)

(۳) سوال: جن گھڑوں اور برتنوں کی مٹی لید یا گوبر کے ساتھ گوندھی گئی ہو تو ان کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جن گھڑوں اور برتنوں کی مٹی لید اور گوبر سے گوندھی جائے تو وہ برتن پاک ہیں اول تو پکنے سے وہ چیز جل جاتی ہے، صرف مٹی رہ جاتی ہے دوسرے گوبر وغیرہ ماکول اللحم جانور کا پاک ہے۔ (فتاویٰ اہل حدیث: ج ۱ ص ۵۹۰، مطبوعہ سرگودھا)

(۴) سوال: کارخانہ یا مشین پر زکوۃ ہے؟
جواب: کارخانہ یا مشین جس میں مال تیار ہو کر نکلتا ہے، اس کی قیمت مال تجارت میں نہیں لگائی جائے گی، کیونکہ یہ ذریعہ کسب ہے جیسے اوزار ہوتے ہیں، پس اس میں صرف تیار شدہ مال اور غیر تیار شدہ مال کی قیمت لگائی جائے گی۔
(فتاویٰ اہل حدیث: ج ا ص ۱۸۷، مطبوعہ سرگودھا)

(۵) سوال: جو شخص مقروض ہو کیا اس پر زکوۃ ہے؟
جواب: اگر اور جائیداد ہو جس سے قرض ادا ہو سکتا ہو تو زکوۃ دینی پڑے گی ورنہ نہیں۔
(فتاویٰ اہل حدیث: ج ۲ ص ۱۹۰ مطبوعہ سرگودھا)

(۶) سوال: بیر بہوٹی، کچھوا، جونک، قضیب گاؤ (بیل کا آلہ تناسل) قضیب ریچھ، چربی شیر مذکور بالا اشیاء کا استعمال بطور دوائی جائز ہے؟
جواب: بیر بہوٹی، کچھوے، جونکیں اور اسی قسم کی دوسری اشیاء جن میں دم سائل (وہ خون جو ذبح کے وقت بہہ جاتا ہے) نہیں وہ سب پاک ہیں اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مکھی برتن میں یا کھانے میں گر جائے تو اس کو ڈبو دے کیونکہ اس کے ایک پر میں شفا ہے دوسرے میں بیماری ہے (الی قولہ) سانڈھا گوہ کی قسم ہے اس کا استعمال بھی ہر طرح سے جائز ہے، نیز کچھوے کا کھانے کے علاوہ استعمال میں کوئی حرج نہیں، قضیب گاؤ، حنفیہ کے نزدیک مکروہ ہے مگر یہ مذہب صحیح نہیں ہے بلکہ ماکول اللحم کا گوبر پیشاب تک پاک اور حلال ہے، ریچھ اور شیر چونکہ قطعاً حرام ہیں اس لیے ریچھ کی قضیب (آلت) اور شیر کی چربی وغیرہ بھی اسی حکم میں ہیں، ہاں کھانے کے علاوہ کسی اور طریق سے استعمال منع نہیں کیا جاتا۔
(فتاویٰ اہل حدیث ج ۲ ص ۵۶۶، مطبوعہ سرگودھا)

فتاویٰ اہل حدیث سے جو جوابات نقل کیے گئے ہیں، ان میں جوابات پر کتاب و سنت سے تصریحات پیش نہیں کی گئیں اور نہ ان پر اجماع صحابہ سے استدلال کیا گیا ہے یہ محض غیر مقلدین علماء کے اقوال ہیں۔ سو ان اقوال پر جو لوگ عمل کریں گے وہ بھی مقلد ہی ہوں گے، غیر مقلد نہیں ہوں گے، یہ اور بات ہے کہ ہم ائمہ مجتہدین کی تقلید کرتے ہیں اور یہ اس زمانہ کے مولویوں کی تقلید کرتے ہیں جن کے علم و فضل اور زہد و تقویٰ کی ائمہ اربعہ کے علم و فضل اور زہد و تقویٰ کے مقابلہ میں کوئی نسبت نہیں ہے اور کوئی صاحب انصاف اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکے گا۔
اب ہم پہلے تقلید کی ضرورت کو بیان کریں گے، پھر تقلید شخصی پر دلائل دیں گے اور اس کے بعد تقلید کے جواز پر مستند علماء کی تصریحات اور تقریرات کو بیان کریں گے، فنقول وباللہ التوفیق وبہ الاستعانۃ یلیق:

تقلید کی ضرورت

یہ صحیح ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اصولی طور پر تمام احکام بیان کر دیئے ہیں لیکن جیسا کہ ہم نے پہلے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ہر شخص کے لیے یہ عادتاً ممکن نہیں ہے کہ وہ بذات خود تمام احکام شرعیہ قرآن مجید کی آیات سے مستنبط کر سکے، کیونکہ اول تو قرآن مجید کو سمجھنے کے لیے لغت عربی، صرف و نحو اور علم بلاغت کو حاصل کرنا ایک طویل اور صبر آزما کام ہے، پھر قرآن مجید میں بعض جگہ تو احکام صراحتاً امر اور نہی کے صیغہ سے بیان کیے گئے ہیں، اور بعض جگہ امر اور نہی کا صیغہ نہیں استعمال کیا گیا بلکہ مختلف اسالیب سے کسی چیز کا وجوب یا تحریم سمجھ میں آتی ہے، جس کو جاننے کے لیے بہت باریک بینی اور دقت نظری کی ضرورت ہے مثلاً قرآن مجید میں شراب اور جوئے کو صراحتاً حرام نہیں فرمایا بلکہ ایک خاص

اسلوب سے فرمایا:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ○ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِى الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ○ (المائدہ: ۹۱-۹۰)

اے ایمان والو! شراب، جوا، بتوں پر جانوروں کی بھینٹ چڑھانا اور پانسے پھینکنا یہ سب محض ناپاک اور شیطانی کام ہیں ان سے بچو تاکہ تم کامیاب ہو○ شیطان صرف یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ تمہارے درمیان بغض اور عداوت پیدا کرے اور تم کو اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز سے روکے، کیا اب تم باز آجاؤ گے؟

قرآن مجید بعض اوقات کسی مسئلہ کی لم اور علت بیان کر دیتا ہے اور اس کی شرائط اور موانع ذکر نہیں کرتا نہ اس کی تمام جزئیات بیان کرتا ہے مثلاً خمر (انگور کی شراب) کے بیان میں اس کے نشہ آور ہونے کا ذکر فرمایا ہے لیکن یہ نہیں فرمایا کہ ہر نشہ آور چیز حرام ہے نہ یہ بیان فرمایا ہے کہ نشہ آور چیز کو مقدار نشہ تک پینا حرام ہے یا اس کا مطلقاً پینا حرام ہے؟ نشہ آور چیز پر حد ہے یا نہیں؟ اگر حد ہے تو کتنی ہے؟ ان تمام جزئیات اور تفصیلات کو جاننا ایک عام آدمی کے بس کی بات نہیں ہے۔

قرآن مجید میں کبھی کوئی حکم اجمالاً بیان کیا جاتا ہے جس کی تفصیل متعین کرنے کے لیے دلائل کی چھان بین کرنا عام آدمی کی استطاعت سے باہر ہے مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ۔ (المائدہ: ۶۱)

اپنے سروں کا مسح کرو۔

اس آیت سے یہ پتا نہیں چلتا کہ پورے سر کا مسح کرنا فرض ہے یا چوتھائی سر کا مسح کرنا فرض ہے یا ایک بال پر مسح کرنے سے بھی فرض ادا ہو جاتا ہے۔

قرآن مجید میں کہیں ایک حکم کو مطلقاً بیان کیا جاتا ہے اور کہیں وہی حکم مقید اذکر ہوتا ہے، مثلاً قرآن مجید میں ہے:

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ۔ (البقرہ: ۱۷۳)

تم پر صرف مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور جس جانور کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے حرام کیا گیا ہے۔

اس آیت میں مطلقاً خون کو حرام قرار دیا ہے اور ایک جگہ یوں ہے:

اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ۔ (الانعام: ۱۴۵)

مگر یہ کہ مردار ہو یا بہنے والا خون ہو یا خنزیر کا گوشت کیونکہ یہ ناپاک ہیں۔

اس آیت میں مطلقاً خون نہیں بلکہ بہنے والا خون حرام فرمایا ہے، اسی طرح کفارہ ظہار میں غلام آزاد کرنے اور دو ماہ تک مسلسل روزوں کے ساتھ قبل از مباشرت کی قید ہے اور کھانا کھلانے کے ساتھ یہ قید نہیں ہے۔ ان صورتوں میں کیا مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا یا نہیں، یہ ایک بہت مشکل اور پیچیدہ مسئلہ ہے۔

قرآن مجید کی بعض آیات کا حکم منسوخ ہو گیا مثلاً بیوہ عورت کی عدت اس آیت میں ایک سال بیان کی گئی ہے:

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ

جو لوگ تم میں فوت ہو جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ اپنی بیویوں کے لیے نکالے بغیر ایک سال کی وصیت کر

اخراج (البقرہ: ۲۴۰) جائیں۔

اور ایک اور آیت میں بیوہ عورت کی عدت چار ماہ دس دن بیان کی گئی ہے:

والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا یتربصن بانفسھن اربعۃ اشھر و عشرا۔ (البقرہ: ۲۳۴)

اب یہ فیصلہ کرنا ہے کہ ان میں کون سی آیت ناسخ ہے اور کون سی منسوخ ہے یہ عام آدمی کے بس سے باہر ہے اس قسم کی علمی باریکیاں اور فقہی پیچیدگیاں بہت زیادہ ہیں۔ ان چند مثالوں سے باقی مشکلات کا اندازہ بھی کیا جا سکتا ہے۔

احادیث سے احکام مستنبط کرنے میں ایک دشواری یہ ہے کہ احادیث مختلف اسانید سے مروی ہیں جن میں سند متواتر سے لے کر سند غریب تک اور سند صحیح سے لے کر سند ضعیف تک احادیث ذخیرہ کتب میں موجود ہیں، بلکہ موضوع روایات بھی ہیں جس طرح ایک جیسی شیشیوں میں ایک جیسا سفید رنگ کا مائع مادہ ہو اور ہر مادہ کی تاثیر الگ الگ ہو، کوئی مادہ کسی مرض میں مفید ہو اور دوسرا مادہ اس میں مضر ہو تو ان مادوں اور دواؤں کو باہم متمیز کرنے کے لیے کیمسٹری کے کسی بہت بڑے ماہر کی ضرورت ہوگی جو مختلف کیمیائی تجربات کے بعد یہ فیصلہ کرے گا کہ کون سی شیشی میں کون سی دوا ہے اسی طرح جب کوئی شخص علم حدیث میں مہارت حاصل کیے بغیر احادیث پر عمل کرے گا تو اس بات کا خطرہ ہے کہ وہ صحیح حدیث کے مقابلہ میں کسی ضعیف یا منسوخ روایت پر عمل کرے گا۔

احادیث سے احکام مستنبط کرنے میں ایک ضرورت یہ ہے کہ احادیث سے احکام شرعیہ حاصل کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ احکام سے متعلق احادیث پر اس کو عبور ہو کیونکہ جس حدیث پر وہ عمل کر رہا ہے ہو سکتا ہے دوسری جگہ اس کے خلاف حدیث ہو جس سے وہ حکم منسوخ ہو گیا ہو یا اس حدیث کے حکم کی تفصیل دوسری حدیث میں موجود ہو، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی مسئلہ میں حدیث نہ ملنے کی بناء پر وہ قیاس کر رہا ہو حالانکہ اس مسئلہ میں حدیث موجود ہو، اس لیے احادیث سے احکام حاصل کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ احکام سے متعلق تمام احادیث اس کی نظر میں ہوں، اور یہی حال قرآن مجید سے احکام حاصل کرنے کا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن اور حدیث سے احکام حاصل کرنے کے لیے جس وسعت علم اور دقت نظری کی ضرورت ہے یہ عام آدمی کے بس کی بات نہیں ہے اور صرف ائمہ مجتہدین ہی اس پر آشوب گھاٹی کے پار اتر سکتے ہیں۔ اس لیے عام آدمی کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ وہ ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک امام کی تقلید کرے۔

ایک مقلد کے لیے متعدد ائمہ کی تقلید کا عدم جواز اور تقلید شخصی کا وجوب

ائمہ اربعہ میں سے ہر امام کے اکثر اصول اجتہاد الگ الگ اور باہم متضاد ہیں، انہوں نے نیک نیتی، اخلاص اور اپنے علم کے تقاضے سے کسی چیز کا صحیح حکم معلوم کرنے کے لیے وہ اصول وضع کیے، مثلاً جب مطلق اور مقید میں تعارض ہو تو امام شافعی مطلق کو مقید پر محمول کر دیتے ہیں، امام ابو حنیفہ اس صورت میں ہر ایک کو اپنے محل پر رکھتے ہیں، امام شافعی قرآن کے عموم اور اطلاق کی خبر واحد سے تخصیص جائز قرار دیتے ہیں اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ ناجائز ہے۔ امام شافعی کے نزدیک قِران فی الذکر، قِران فی الحکم کو مستلزم ہوتا ہے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک قِران فی الذکر، قِران فی الحکم کو مستلزم نہیں ہوتا۔ امام شافعی کے نزدیک قرآن مجید، حدیث کا اور حدیث متواتر قرآن مجید کے لیے ناسخ نہیں ہے جبکہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک قرآن مجید حدیث کے لیے اور حدیث متواتر قرآن مجید کے حکم کے لیے ناسخ ہو سکتی ہے، امام ابو حنیفہ کے نزدیک حدیث

مرسل مطلقاً مقبول ہوتی ہے جبکہ امام شافعی اور دوسرے ائمہ کے نزدیک حدیث مرسل مطلقاً مقبول نہیں ہے، جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول اور فعل میں تعارض ہو تو امام ابو حنیفہ آپ کے قول کو مقدم کرتے ہیں اور امام شافعی آپ کے فعل کو مقدم کرتے ہیں، علی هذا القیاس - اس لیے جو شخص مختلف ائمہ کی تقلید کرے گا وہ اپنے دینی اعمال میں تضاد کا شکار ہو گا مثلاً کسی مسئلہ میں مطلق کو مقید پر محمول کرے گا اور کسی مسئلہ میں نہیں کرے گا بلکہ ایک ہی مسئلہ میں کبھی مطلق کو مقید پر محمول کرے گا اور کبھی نہیں کرے گا، کبھی آثار صحابہ کو احادیث پر مقدم کرے گا اور کبھی نہیں کرے گا، کبھی کہے گا کہ خون نکلنے سے وضو ٹوٹ گیا ہے اور کبھی کہے گا کہ نہیں ٹوٹا- اور بعض لوگ اپنی نفسانی خواہشات پر عمل کرنے کے لیے اقوال مجتہدین میں سہارا تلاش کریں گے مثلاً عورت کو ہاتھ لگانے سے امام شافعی کے نزدیک وضو ٹوٹ جاتا ہے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک نہیں ٹوٹتا- اور خون نکلنے سے امام ابو حنیفہ کے نزدیک وضو ٹوٹ جاتا ہے اور امام شافعی کے نزدیک نہیں ٹوٹتا- اب فرض کیجئے ایک شخص نے اپنی بیوی کے ہاتھ کو چھوا بھی ہے اور اس کا خون بھی نکل آیا ہے تو دونوں اماموں کے نزدیک اس کا وضو ٹوٹ گیا لیکن وہ شخص وضو کی زحمت سے بچنے کے لیے کہتا ہے کہ کیونکہ احناف کے نزدیک عورت کو ہاتھ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا اس لیے بیوی کو ہاتھ لگانے سے حنفی مذہب کے مطابق میرا وضو نہیں ٹوٹا، اور چونکہ خون نکلنے سے شوافع کے نزدیک وضو نہیں ٹوٹتا اس لیے خون نکلنے سے شافعی مذہب کے مطابق میرا وضو نہیں ٹوٹا، درحقیقت یہ شخص امام ابو حنیفہ کا مقلد ہے نہ امام شافعی کا بلکہ یہ اپنی ہوائے نفس کا مقلد ہے، اور قانونی امور میں اور زیادہ مشکلات پیش آئیں گی- ایک حنفی شخص کوئی جرم کرنے کے بعد فقہ شافعی کے قانون سے اپنے آپ کو آزاد کرالے گا اور سزا سے بچ جائے گا اور شافعی شخص جرم کر کے فقہ حنفی کے قانون سے اپنے آپ کو بچالے گا، مثلاً ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یتیم کے مال پر زکوٰۃ ہے اور احناف کے نزدیک نہیں ہے اب کسی شافعی شخص نے یتیم کے مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کی تو وہ حنفی فقہ سے اپنے آپ کو بچالے گا- اسی طرح چوری کے نصاب میں ائمہ کا اختلاف ہے اور ایک مسلک کا مقلد چوری کر کے دوسرے مسلک کی فقہ سے اپنے آپ کو بچالے گا- اس طرح شریعت اور قانون انسانی خواہشات کے تابع ہو جائیں گے بلکہ کوئی شخص کسی حکم کا مکلف نہیں رہے گا کیونکہ جب اس پر کوئی چیز واجب ہو گی تو وہ دوسری فقہ سے اس وجوب کو ساقط کر دے گا اور جب اس پر کوئی چیز حرام ہو گی تو وہ دوسرے مجتہد کے قول سے اس کو حلال کرلے گا اور انسان شریعت اور قانون دونوں سے آزاد ہو جائے گا اس لیے ضروری ہے کہ انسان ایک امام کی تقلید کرے اور ایک شخص کے لیے متعدد ائمہ کی تقلید ناجائز اور تقلید شخصی واجب ہے-

تقلید پر امام غزالی کے دلائل

امام غزالی شافعی متوفی ۵۰۵ھ نے عام آدمی کی تقلید پر دو دلیلیں قائم کی ہیں، ایک یہ ہے کہ صحابہ کرام کا اس پر اجماع تھا کہ وہ عام آدمی کو مسائل بتلاتے تھے اور اس کو یہ نہیں کہتے تھے کہ وہ درجہ اجتہاد کا علم حاصل کرے اور دوسری دلیل یہ قائم کی ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ عام آدمی احکام شرعیہ کا مکلف ہے اور اگر ہر آدمی درجہ اجتہاد کا علم حاصل کرنے کا مکلف ہو تو زراعت، صنعت و حرفت اور تجارت بلکہ دنیا کے تمام کاروبار معطل ہو جائیں گے کیونکہ ہر شخص مجتہد بننے کے لیے دن رات علم کے حصول میں لگا رہے گا- اور نہ کسی کے لیے کچھ کھانے کو ہو گا اور نہ پہننے کو اور دنیا کا نظام برباد ہو جائے گا اور حرج عظیم واقع ہو گا اور یہ بداہتاً باطل ہے، اور یہ بطلان اس بات کے ماننے سے لازم آیا ہے کہ عام آدمی درجہ اجتہاد کا مکلف ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ عام آدمی درجہ اجتہاد کا مکلف نہیں ہے اور عام آدمی پر مجتہدین کی تقلید لازم ہے-

(المستصفی ج ۲ ص ۳۸۹، مطبوعہ مطبع بولاق مصر، ۱۳۲۴ھ)

تقلید پر امام رازی کے دلائل

امام فخر الدین رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں: عام آدمی کے لیے احکام شرعیہ فرعیہ میں مجتہد کی تقلید کرنا جائز ہے، اور اس پر ہماری دو دلیلیں ہیں پہلی دلیل یہ ہے کہ تقلید کی مخالفت پیدا ہونے سے پہلے اس پر امت کا اجماع تھا، کیونکہ ہر زمانہ میں علماء عوام کو محض ان کے اقوال پر اقتصار کرنے سے منع نہیں کرتے تھے اور ان پر یہ لازم نہیں کرتے تھے کہ وہ ان کے اقوال کے دلائل کا بھی علم حاصل کریں۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ جب عام آدمی کو کوئی فرعی مسئلہ پیش آئے پس یا تو وہ اس میں کسی حکم کا مکلف نہیں ہوگا اور یہ بالا جماع باطل ہے، کیونکہ ہم اس پر لازم کرتے ہیں کہ وہ علماء کے قول پر عمل کرے، اور تقلید کے مخالفین اس پر یہ لازم کرتے ہیں کہ وہ کتاب و سنت سے استدلال کرے اور اگر وہ کسی حکم پر عمل کرنے کا مکلف ہے تو وہ یا استدلال سے عمل کا مکلف ہوگا یا تقلید سے اور استدلال سے اس کا مکلف ہونا باطل ہے کیونکہ اگر وہ استدلال سے عمل کرنے کا مکلف ہے تو یا تو وہ عقل کامل ہوتے ہی استدلال کا مکلف ہوگا اور یہ اس لیے باطل ہے کہ صحابہ کرام کسی شخص کے بالغ ہوتے ہی اس پر یہ لازم نہیں کرتے تھے کہ وہ مجتہد کا رتبہ حاصل کرے، اور یا وہ اس وقت حکم کا مکلف ہوگا جب اس کو وہ مسئلہ پیش آئے گا اور یہ اس لیے باطل ہے کہ اس کا وجوب اس کو دنیاوی امور میں مشغول ہونے سے مانع ہوگا، پس متعین ہوگیا کہ جب اسے کوئی مسئلہ پیش آئے گا تو اس پر لازم ہے کہ وہ علماء سے سوال کرے اور ان کے اقوال کی تقلید کرے۔

(المحصول ج ۴ ص ۱۴۰۴۔ ۱۴۰۳، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

تقلید پر امام آمدی کے دلائل

امام علی بن محمد آمدی مالکی متوفی ۶۳۱ھ لکھتے ہیں: عام آدمی جس میں اجتہاد کی صلاحیت نہ ہو اس پر مجتہدین کے اقوال کی اتباع کرنا لازم ہے خواہ اس کو بعض وہ علوم حاصل ہوں جو اجتہاد میں معتبر ہیں، اس پر قرآن مجید کی نص صریح، اجماع اور عقلی دلائل ہیں، نص صریح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون (النحل: ۴۳) یہ آیت تمام مخاطبین کو عام ہے اور واجب ہے کہ یہ ہر اس سوال کو عام ہو جس کا مخاطب کو علم نہیں ہے، اور اس پر اجماع ہے کہ صحابہ اور تابعین کے زمانہ سے لے کر تقلید مخالفین کے ظہور سے پہلے تک عام آدمی مجتہدین سے فتویٰ طلب کرتے تھے اور احکام شرعیہ میں ان کی اتباع کرتے تھے اور علماء ان کے سوال کا جواب دیتے تھے اور اپنے قول کی دلیل کی طرف اشارہ نہیں کرتے تھے اور ان کو سوال کرنے سے منع نہیں کرتے تھے پس آدمی کے لیے مجتہد کے قول کی اتباع کرنے پر اجماع ہوگیا۔ اور عقلی دلیل یہ ہے کہ اگر ہر آدمی پر یہ لازم کیا جائے کہ جب اسے کوئی مسئلہ پیش آئے تو وہ کتاب اور سنت سے اس کا حل تلاش کرے تو لازم آئے گا کہ وہ معاش کے ذرائع میں مشغول نہ ہو اور اس سے صنعت اور حرفت معطل ہو جائے گی اور کھیتی باڑی ختم ہو جائے گی اور اس سے حرج عظیم لازم آئے گا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ۔ — اور تم پر دین میں کچھ تنگی نہیں رکھی۔

(الحج: ۷۸)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام میں ضرر اور ضرار نہیں ہے (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۳۴۱) یعنی اسلام کا کوئی ایسا حکم نہیں ہے جس سے کسی کو نقصان پہنچے اور اگر آدمی کو اس کا مکلف کیا جائے کہ وہ ہر پیش آمدہ مسئلہ کا حل خود کتاب و سنت سے حاصل کرے تو لوگوں پر حرج اور ضرر لازم آئے گا پس ضروری ہوا کہ عام آدمی اپنے مسائل کے حل کے لیے

علماء کی طرف رجوع کرے اور ان کے اقوال کی تقلید کرے۔ (الاحکام فی اصول الاحکام ج ۴ ص ۲۳۵-۲۳۴)

تقلید پر شیخ ابن تیمیہ کے دلائل

شیخ تقی الدین احمد بن تیمیہ متوفی ۷۲۸ھ لکھتے ہیں:

اجتہادی مسائل میں جو شخص بعض علماء کے قول پر عمل کرے اس پر انکار نہیں کیا جائے گا اور جو شخص دو قولوں میں سے کسی ایک قول پر عمل کرے اس پر بھی انکار نہیں کیا جائے گا' اور جب کسی مسئلہ میں دو قول ہوں اولا انسان پر ان میں سے کسی ایک قول کی ترجیح ظاہر ہو جائے تو اس پر عمل کرے ورنہ ان بعض علماء کی تقلید کرے جن پر بیان ترجیح میں اعتماد کیا جاتا ہے۔ (مجموع الفتاوی ج ۲۰ ص ۱۱۵' مطبوعہ دار الجیل ریاض' ۱۴۱۸ھ)

نیز شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں: جب انسان احکام شرعیہ کی معرفت سے عاجز ہو تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ کسی ایک معین شخص کے معین مذہب کی اتباع کرے' کیونکہ ہر شخص پر احکام شرعیہ کی معرفت واجب نہیں ہے۔

(مجموعۃ الفتاوی ج ۲۰ ص ۱۱۶' مطبوعہ دار الجیل ریاض' ۱۴۱۸)

شیخ ابن تیمیہ اس سوال کے جواب میں لکھتے ہیں کہ کسی مذہب کا مقلد بغیر دلیل یا بغیر عذر کے اپنے مذہب کی مخالفت کر سکتا ہے؟ وہ لکھتے ہیں: جس شخص نے کسی معین مذہب کا التزام کیا پھر کسی دوسرے عالم کی تقلید کے بغیر اس کی مخالفت کی' اور نہ کسی دلیل کے تقاضے کی وجہ سے اور نہ کسی شرعی عذر کی وجہ سے تو وہ شخص محض اپنی خواہش کا متبع ہے' وہ کسی کے اجتہاد پر عمل کر رہا ہے اور نہ کسی کی تقلید کر رہا ہے وہ بغیر عذر شرعی کے حرام کا ارتکاب کر رہا ہے اور اس پر انکار کیا جائے گا۔

(مجموعۃ الفتاوی ج ۲۰ ص ۱۲۳' مطبوعہ دار الجیل ریاض' ۱۴۱۸)

اسی بحث میں آگے چل کر لکھتے ہیں: اس مسئلہ میں اصل یہ ہے کہ آیا عام آدمی کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ کسی مذہب معین کا التزام کرے اور اس کی عزیمتوں اور رخصتوں پر عمل کرے' امام احمد کے اصحاب کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں' اسی طرح امام شافعی کے اصحاب کے بھی دو قول ہیں اور جمہور میں سے بعض اس پر معین مذہب کی تقلید کو واجب کرتے ہیں اور بعض واجب نہیں کرتے اور جو اس معین مذہب کی تقلید کو واجب کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ جب اس نے کسی معین مذہب کا التزام کر لیا تو اب اس کے لیے اس مذہب سے نکلنا جائز نہیں ہے جب تک وہ اس مذہب کا مقلد ہے اور جب تک اس پر واضح نہ ہو جائے کہ دوسرے امام کا قول دلائل کے اعتبار سے راجح ہے۔

(مجموعۃ الفتاوی ج ۲۰ ص ۱۲۴' مطبوعہ دار الجیل ریاض' ۱۴۱۸ھ)

مسئلہ تقلید میں حرف آخر

میں نے شرح صحیح مسلم ج ۳ میں ص ۳۴۵۔ ۳۱۸ تک اجتہاد اور تقلید پر بحث کی ہے' ہمارے علماء عام طور پر فسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون (النحل: ۴۳) سے تقلید پر استدلال کرتے ہیں جب سورۃ النحل کی تفسیر میں یہ آیت آئی تو میں نے چاہا کہ میں مسئلہ تقلید کو زیادہ تفصیل اور زیادہ دلائل کے ساتھ لکھوں' ہمارے علماء نے یہ تو لکھا ہے کہ تابعین اور تبع تابعین صحابہ اور تابعین کے اقوال پر کتاب و سنت سے دلائل کے بغیر عمل کرتے تھے لیکن انہوں نے اس کی مثالیں نہیں دیں' حالانکہ کتب احادیث میں اس کی سینکڑوں مثالیں ہیں' لہٰذا میں نے تتبع کر کے صحابہ اور تابعین کے ایک سو اقوال پیش کیے جن پر سوال کرنے والوں نے بغیر دلائل کے عمل کیا' پھر میں نے اتمام حجت کے لیے غیر مقلدین علماء کے فتاویٰ سے بھی ایسے اقوال پیش کیے جن میں انہوں نے دلائل کا ذکر نہیں کیا اور چونکہ غیر مقلدین شیخ ابن تیمیہ کو بہت

اہمیت دیتے ہیں اس لیے آخر میں ان کی عبارات بھی پیش کیں جن عبارات میں انہوں نے تقلید شخصی کے جواز کی تصریح کی ہے، تقلید کا معنی ہے عالم اور مفتی کے قول پر بلا دلیل عمل کرنا، لیکن اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ وہ عالم اور مفتی کتاب اور سنت کے مقابلہ میں اپنا قول پیش کرتا ہے، جیسا کہ غیر مقلدین یہ تاثر دیتے ہیں بلکہ سوال کرنے والے اسی شخص سے سوال کرتے ہیں جس کے متعلق انہیں یہ اعتماد ہوتا ہے کہ وہ کتاب اور سنت کا ماہر ہے اور وہ اس مسئلہ کا جو جواب دے گا وہ کتاب اور سنت کے مخالف نہیں ہوگا جس طرح تابعین اور تبع تابعین اسی اعتماد کے ساتھ صحابہ اور تابعین سے سوال کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے آپ کی طرف ذکر (قرآن عظیم) اس لیے نازل کیا ہے کہ آپ لوگوں کو وضاحت کے ساتھ بتائیں کہ ان کی طرف کیا نازل کیا گیا اور تاکہ وہ غور و فکر کریں○ (النحل: ۴۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی ضرورت اور حکمت

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی حکمت اور ضرورت بیان فرمائی ہے، یہ بھی ہو سکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ صرف کتاب نازل فرما دیتا، لیکن اس سے اللہ تعالیٰ کی حجت بندوں پر پوری نہ ہوتی، کوئی انسان یہ کہہ سکتا تھا کہ اس کتاب کے مضامین ہمارے لیے ناقابل فہم ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مبعوث فرمایا کہ وہ اس کتاب کے مضامین کی تعلیم دے اور ان کو سمجھائے، جس جگہ ان کو شک ہو وہ ان کے شک کو دور کرے اور جس آیت پر کوئی اعتراض ہو وہ ان کے اعتراض کا جواب دے، اگر وہ یہ سمجھیں کہ کوئی حکم ناقابل عمل ہے تو وہ اس پر عمل کر کے دکھائے، جو چیزیں قرآن مجید میں اجمالی طور پر ذکر کی گئیں ہیں، ان کی تفصیل بیان کرے، قرآن مجید میں بعض احکام ایسے ہیں جن پر حکومت اور اقتدار کے بغیر عمل نہیں کیا جا سکتا مثلاً چوری پر ہاتھ کاٹنا، زانی پر کوڑے لگانا یا اس کو رجم کرنا، پاک دامن عورت پر تہمت لگانے والے کو اسی کوڑے مارنا، دو گواہوں کے ثبوت یا مدعیٰ علیہ کی قسم پر مقدمہ کا فیصلہ کرنا، جہاد کے لیے لشکر روانہ کرنا، ایسے اور بہت احکام ہیں جن پر اقتدار اور حکومت کے بغیر عمل نہیں ہو سکتا اس لیے ضروری تھا کہ نبی کو بھیجا جائے اور وہ ایک اسلامی ریاست قائم کرے اور ایسے تمام احکام پر عمل کر کے دکھائے وہ ایک جامع زندگی گزارے اس کی زندگی میں ایک فرماں روا کا بھی نمونہ ہو، ایک تاجر کا بھی نمونہ ہو ایک مزدور کا بھی نمونہ ہو بلکہ انسانی حیات کے ہر شعبہ کے لیے اس کی زندگی میں نمونہ ہو تاکہ کسی بھی شعبہ سے تعلق رکھنے والا یہ نہ کہہ سکے کہ اس دین میں ہمارے لیے کوئی نمونہ نہیں ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور اتباع کا حکم دیا ہے:

اَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ۔ (النساء: ۵۹)	اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔
مَنۡ يُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰهَ۔ (النساء: ۸۰)	جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کر لی۔
وَمَاۤ اٰتٰكُمُ الرَّسُوۡلُ فَخُذُوۡهُ وَمَا نَهٰكُمۡ عَنۡهُ فَانۡتَهُوۡا۔ (الحشر: ۷)	اور رسول تم کو جو حکم دیں اس کو قبول کرو اور جس کام سے تم کو روکیں اس سے رک جاؤ۔
قُلۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوۡنِىۡ يُحۡبِبۡكُمُ اللّٰهُ وَيَغۡفِرۡلَـكُمۡ ذُنُوۡبَكُمۡ۔ (آل عمران: ۳۱)	آپ کہیے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ (الاحزاب: ۲۱)

بے شک تمہارے لیے رسول اللہ میں اچھا نمونہ ہے۔

ان آیات مبارکہ سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی اطاعت اور آپ کے افعال کی اتباع قیامت تک مسلمانوں پر واجب ہے۔

حجیتِ حدیث

منکرین حدیث کہتے ہیں کہ جس طرح قرآن مجید کا ایک قطعی الثبوت اور منضبط متن ہے اگر احادیث کا بھی اسی طرح قطعی الثبوت اور منضبط متن ہے پھر تو احادیث حجت ہیں ورنہ نہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ قرآن عظیم کی متعدد آیات سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی اطاعت اور آپ کے افعال کی اتباع واجب ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں صحابہ کرام آپ کے احکام سن کر آپ کی اطاعت کرتے تھے اور آپ کو دیکھ کر آپ کی اتباع کرتے تھے، اب سوال یہ ہے کہ بعد کے لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام اور آپ کے افعال کا کس ذریعہ سے علم ہوگا، اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو ہمارے لیے نمونہ بنایا ہے، پس جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہمارے سامنے نہ ہو، ہم اپنی زندگی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ اور نمونہ میں کیسے ڈھال سکیں گے اور جب تک مروجہ احادیث ہمارے سامنے اور ہمارے علم میں نہ ہوں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام، آپ کے افعال اور آپ کے اسوہ پر مطلع نہیں ہو سکتے، اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح صحابہ کرام کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ مجسم ہدایت تھی اسی طرح بعد کے لوگوں کے لیے مروجہ کتب احادیث مجسم ہدایت ہیں اور اگر ان کتب احادیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام، افعال اور آپ کے اسوہ کے لیے معتبر ماخذ نہ مانا جائے تو اللہ تعالیٰ کی حجت بندوں پر ناتمام رہے گی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رشد و ہدایت کے لیے صرف قرآن عظیم کو کافی نہیں قرار دیا بلکہ قرآن مجید کے احکام کے ساتھ ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی اطاعت اور آپ کے افعال کی اتباع کو بھی ضروری قرار دیا ہے، اور بعد کے مسلمانوں کے لیے آپ کے احکام، افعال اور آپ کے اسوہ کو جاننے کے لیے مروجہ احادیث کے سوا اور کوئی ذریعہ نہیں ہے۔

مروجہ احادیث کو اگر معتبر ماخذ نہ مانا جائے اور ان کو دین میں حجت تسلیم نہ کیا جائے تو نہ صرف یہ کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی ہدایات سے محروم ہوں گے بلکہ ہم قرآن کریم کی دی ہوئی ہدایات سے بھی مکمل طور پر مستفید نہیں ہو سکیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لیے قرآن مجید کے الفاظ نازل فرمائے لیکن ان الفاظ کے معانی بیان کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر دیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ۔ (النحل: ۴۴)

ہم نے آپ کی طرف ذکر (قرآن عظیم) اس لیے نازل کیا ہے کہ آپ لوگوں کو وضاحت کے ساتھ بتائیں کہ ان کی طرف کیا نازل کیا گیا ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ

وہی ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں ان ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتے ہیں اور ان کا

الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۙ﴿۲﴾ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۗ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۳﴾ (الجمعہ: ۳-۲)

باطن صاف کرتے ہیں اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتے ہیں' اور بے شک وہ لوگ ایمان لانے سے پہلے ضرور کھلی گمراہی میں تھے○ اور ان میں سے دوسروں کو بھی (کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتے ہیں) جو ابھی ان (پہلے لوگوں) سے واصل نہیں ہوئے اور وہی بہت غالب بڑی حکمت والا ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتے تھے اور آپ کے بعد کے لوگوں کو بھی کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں جو ابھی لاحق نہیں ہوئے' صحابہ کرام کو تو آپ نے بہ نفس نفیس کتاب اور حکمت کی تعلیم دے دی' لیکن بعد کے لوگوں کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دینے کی کیا صورت ہو گی اگر ان مروجہ احادیث کو کتاب و حکمت کی تعلیم کے لیے معتبر ذریعہ نہ مانا جائے تو قرآن مجید کی یہ آیت مبارکہ صادق نہیں رہے گی!

ہم نے یہ کہا تھا کہ قرآن مجید میں الفاظ ہیں اور ان کے معانی مروجہ احادیث میں ہیں دیکھیے قرآن مجید میں ہے اقیموا الصلوۃ اور صلوۃ کے جو معنی مراد ہیں وہ کسی لغت سے معلوم نہیں ہوتے لغت میں صلوٰۃ کا معنی ہے دعا کرنا' یا ٹیڑھی لکڑی کو آگ کی حرارت پہنچا کر سیدھا کرنا اور صلوۃ کا معنی برکت بھی ہے' لیکن صلوٰۃ کا معنی جو مقصود ہے وہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے معلوم ہوا' اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ بلند کر کے ہاتھ باندھنے سے لے کر سلام پھیرنے تک جن ارکان' آداب اور ہیئت مخصوصہ پر صلوٰۃ مشتمل ہے' ان کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے' اذان کے کلمات اور اذان دینے کے طریقہ کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے' اقامت کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے' پانچ نمازوں کی رکعات کی تعداد کا ذکر قرآن کریم میں نہیں ہے اور نہ ان اوقات کی تعیین اور حد بندی کا ذکر ہے' وضو کے فرائض کا قرآن عظیم میں ذکر ہے' لیکن وضو کن کن چیزوں سے ٹوٹتا ہے اس کی تفصیل کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے' ان تمام چیزوں کا ذکر مروجہ احادیث میں ہے اگر ان مروجہ احادیث کو نہ مانا جائے تو انسان نہ وضو کر سکتا ہے' نہ اذان دے سکتا ہے نہ نماز پڑھ سکتا ہے۔

اسی طرح قرآن مجید میں زکوۃ ادا کرنے کا حکم ہے' لیکن کتنے مال پر کتنے عرصہ کے بعد کتنی زکوۃ دی جائے اس کا قرآن مجید میں ذکر نہیں ہے' اونٹ' گائے' بکری' زرعی پیداوار' سونے چاندی اور مال تجارت میں ادائیگی زکوۃ کا کیا نصاب ہے اس کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے' اور ان تمام چیزوں کی تفصیل کو جاننے کے لیے مروجہ احادیث کے سوا ہمارے پاس اور کوئی ذریعہ نہیں ہے۔

قرآن مجید میں صرف روزہ رکھنے کا حکم دیا ہے' روزہ کن چیزوں سے ٹوٹتا ہے اور کن چیزوں سے نہیں ٹوٹتا' اسی طرح روزہ کی باقی تفصیلات قرآن عظیم میں مذکور نہیں ہیں' ان کا علم صرف مروجہ احادیث سے حاصل ہوتا ہے۔

قرآن مجید میں حج اور عمرہ کا ذکر ہے' لیکن حج اور عمرہ کے احکام' ان کی شرائط ان کے موانع اور مفسدات کیا ہیں ان کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے حتیٰ کہ قرآن مجید میں تو یہ بھی ذکر نہیں ہے کہ حج کس دن ادا کیا جائے گا' اور آیا حج زندگی میں صرف ایک بار فرض ہے یا ہر سال فرض ہے۔

قرآن مجید میں حکم دیا ہے کہ چور کا ہاتھ کاٹ دو' لیکن کتنی چوری پر ہاتھ کاٹا جائے گا اور ہاتھ کس جگہ سے کاٹا جائے گا اور ہاتھ کاٹنے کی کیا شرائط ہیں اور کیا موانع ہیں ان کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے۔

قصاص اور دیت کا قرآن مجید میں ذکر ہے' لیکن اعضاء کی دیت کی تفصیل قرآن مجید میں مذکور نہیں ہے۔

نکاح اور طلاق کا قرآن مجید میں ذکر ہے لیکن شوہر اور زوجہ کے حقوق و فرائض کی تفصیل اور دیگر عائلی احکام قرآن مجید میں مذکور نہیں ہیں۔

وراثت کا بھی قرآن مجید میں ذکر ہے لیکن عصبات اور ذوی الارحام کے فرق اور ان میں ترتیب اور احق بالوراثت کا بیان نہیں ہے' اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لیے صرف کتاب نازل کرنے پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ کتاب کے ساتھ اس کی تعلیم، تشریح اور تفصیل کے لیے نبی کو بھی مبعوث فرمایا اور کتاب میں مذکور تمام احکام کی عملی تصویر اور نمونہ کے لیے آپ کو بھیجا صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست یہ تعلیم حاصل کی اور ہمارے لیے اس تعلیم کے حصول کا ذریعہ صرف مروجہ کتب احادیث ہیں اور اگر ان کتب احادیث کو معتبر ماخذ اور حجت نہ مانا جائے تو دین نامکمل اور ناقابل عمل رہے گا اور بندوں پر اللہ کی حجت قائم نہیں ہوگی' اور قرآن مجید کی اکثر و بیشتر آیتوں کے معانی معلوم نہیں ہو سکیں گے' اللہ تعالیٰ نے بندوں پر اپنی حجت تمام کرنی تھی اس لیے ذرائع اور وسائل پیدا کیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث محفوظ اور مدون ہو گئیں۔ اس بحث کی زیادہ تفصیل کے لیے آل عمران: ۱۳۲ کا بھی مطالعہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو لوگ بری سازشیں کرتے ہیں کیا وہ اس بات سے بے خوف ہیں کہ اللہ انہیں زمین میں دھنسا دے' یا ان پر وہاں سے عذاب لے آئے جہاں سے عذاب آنے کا انہیں وہم و گمان بھی نہ ہو O یا ان کو چلتے پھرتے پکڑ لے سو وہ خدا کو عاجز نہیں کر سکتے O یا وہ ان کو عین حالت خوف میں پکڑ لے تو بے شک تمہارا رب بہت مہربان نہایت رحم فرمانے والا ہے O (النحل: ۴۷-۴۵)

کفار مکہ کو انواع و اقسام کے عذاب سے ڈرانا اور دھمکانا

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے الذین مکروا السیئات' مکر کا معنی ہے خفیہ طریقہ سے فساد کی کوشش کرنا' مفسرین نے کہا ہے کہ کفار مکہ غیر اللہ کی عبادت میں اور بت پرستی میں مشغول رہتے تھے اور گناہوں میں مبتلا رہتے تھے اور زیادہ قریب یہ ہے کہ وہ خفیہ طریقہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو ایذا پہنچانے کی کوشش میں مشغول رہتے تھے' تو اللہ تعالیٰ نے ان کو چار قسم کی دھمکیاں دیں۔

پہلی دھمکی یہ دی کہ اللہ تعالیٰ ان کو زمین میں اس طرح دھنسا دے گا جس طرح قارون کو زمین میں دھنسا دیا تھا۔

زمین میں دھنسانے کے عذاب کا حدیث میں بھی ذکر آیا ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شخص تکبر سے اپنے تہبند کو گھسیٹتا ہوا چل رہا تھا' اس کو زمین میں دھنسا دیا گیا اور وہ قیامت تک زمین میں دھنستا رہے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۸۵' سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۳۴۱)

دوسری دھمکی یہ دی کہ ان پر وہاں سے عذاب آئے گا جہاں سے عذاب کا انہیں وہم و گمان بھی نہ ہوگا' جیسے قوم لوط پر اچانک عذاب آ گیا تھا۔

تیسری دھمکی یہ دی کہ اللہ تعالیٰ حالت سفر میں ان پر عذاب نازل فرمائے گا' کیونکہ جس طرح اللہ تعالیٰ ان کو ان کے شہروں میں ہلاک کرنے پر قادر ہے اسی طرح ان کو ان کے سفر کے دوران بھی ہلاک کرنے پر قادر ہے' وہ کسی دور دراز علاقہ میں پہنچ کر اپنے آپ کو اللہ کی گرفت سے نہیں بچا سکتے بلکہ وہ جہاں کہیں بھی ہوں اللہ تعالیٰ ان کو پکڑ لے گا وہ کسی دور جگہ جا کر اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے' جیسے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے:

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ○ (آل عمران: ۱۹۶) (اے مخاطب) کافروں کا شہروں میں سفر کرنا تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے۔

چوتھی دھمکی یہ دی کہ اللہ تعالیٰ ان کو عین حالت خوف میں پکڑ لے گا اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ابتداءً ان پر عذاب طاری نہیں کرے گا بلکہ پہلے ان کو خوف میں مبتلا کرے گا اور اس کی صورت یہ ہوگی کہ پہلے اللہ تعالیٰ ان کے قریب والوں پر ہلاکت طاری کر دے گا اور وہ اس خوف میں مبتلا ہوں گے کہ ان پر بھی ایسا عذاب آجائے گا اور وہ بڑے عرصہ تک خوف اور گھبراہٹ اور وحشت اور دہشت میں مبتلا رہیں گے۔

اس آیت میں یہ الفاظ ہیں اویاخذھم علی تخوف اور تخوف کا معنی خوف اور گھبراہٹ ہے جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا ہے اور اس کا معنی تنقص بھی ہے یعنی نقصان اور کمی کرنا یعنی اللہ تعالیٰ ابتداءً ان پر عذاب نہیں لائے گا بلکہ پہلے ان کے آس پاس کی بستیوں کو ہلاک کرے گا اور ان کے گرد بستیاں کم ہوتی جائیں گی اور بہ تدریج عذاب کا ریلا ان کی طرف بڑھتا رہے گا یا اس کا معنی یہ ہے کہ آہستہ آہستہ ان کے مالوں اور جانوں میں کمی ہوتی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ اللہ نے جو چیز بھی پیدا کی ہے اس کا سایہ اللہ کو سجدہ کرتے ہوئے دائیں اور بائیں جھکتا ہے، اور اس وقت وہ اللہ کے حضور عاجزی کرتے ہیں ○ اور جو چیزیں آسمانوں میں ہیں، اور جو چیزیں زمینوں میں ہیں، زمین پر چلنے والے اور فرشتے سب اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے ○

(النحل: ۴۹-۴۸)

ہر چیز کے سائے کے سجدہ کی توضیح اور توجیہ

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے چار قسم کے عذابوں سے کفار مکہ کو ڈرایا اور دھمکایا تھا اور ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے کمال کو ظاہر فرمایا ہے کہ اس نے تمام آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا ہے اور آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے فرمان کی تابع ہے اور ہر چیز اس کی عظمت اور قدرت کا اعتراف کرتے ہوئے سجدہ ریز ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اللہ نے جو چیز بھی پیدا کی ہے اس کا سایہ اللہ کو سجدہ کرتے ہوئے دائیں اور بائیں جھکتا ہے، اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بہت سی چیزیں ایسی پیدا کی ہیں جن کا سایہ نہیں ہوتا مثلاً فرشتے، جنات، ہوا اور خوشبوئیں اور اس نوع کی دیگر چیزیں، اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے اللہ نے جو چیز بھی پیدا کی ہے اس سے مراد ہے ایسی چیز جس کا سایہ ہو سکتا ہو مثلاً کثیف مادی اجسام اور فرشتے، جنات اور ہوائیں لطیف اجسام ہیں اور خوشبو وغیرہ از قبیل اعراض ہیں۔

عربی میں سائے کے لیے ظل اور فے دونوں لفظ مستعمل ہیں، علامہ سمعانی متوفی ۴۸۹ھ نے لکھا ہے کہ صبح کے وقت کے سائے کو ظل کہتے ہیں اور دوپہر کے وقت کے سائے کو فے کہتے ہیں اور ان دونوں کا ایک دوسرے پر بھی اطلاق کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اللہ نے جو چیز بھی پیدا کی ہے اس کا سایہ اللہ کو سجدہ کرتے ہوئے دائیں اور بائیں جھکتا ہے۔

اکثر متقدمین کا یہ نظریہ ہے کہ سجدہ سے یہاں مراد اللہ کی اطاعت ہے، حضرت ابن عباس، مجاہد، اور قتادہ نے کہا تمام چیزیں خواہ حیوانات ہوں یا جمادات وہ اللہ کی اطاعت کرتے ہوئے اس کو سجدہ ریز ہیں، حسن بصری نے کہا اے ابن آدم تیرا سایہ اللہ کو سجدہ کرتا ہے اور تو اللہ کو سجدہ نہیں کرتا، یہ تیرا بہت برا فعل ہے!

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زوال کے بعد ظہر کی چار رکعات پڑھنا نماز سحر کی مثل ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ساعت میں ہر چیز اللہ کی تسبیح کرتی ہے پھر یہ آیت پڑھی: یتفیؤا ظللہ عن الیمین والشمائل سجدا للہ (النحل: ۴۸)

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۲۸، تاریخ بغداد ج ۱ ص ۲۵۳، کتاب العظمۃ رقم الحدیث: ۱۲۳۶، ۱۲۳۵)

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: زوال کے بعد ظہر کی چار رکعات سنتیں پڑھنا نماز سحر کی مثل ہے، نماز سحر کی تشریح میں اختلاف ہے، بعض علماء نے کہا اس سے مراد تہجد کی نماز ہے اور بعض نے کہا اس سے مراد فجر کی دو سنتیں اور فرض کی دو رکعات ہیں، یعنی ظہر کی چار رکعات ثواب میں فجر کی چار رکعتوں کی مثل ہیں، انہوں نے کہا اس سے مراد تہجد کی نماز نہیں ہو سکتی، کیونکہ تہجد کی نماز نفل ہے اور ظہر کی چار رکعات سنت ہیں اور سنت نفل کی مثل نہیں ہو سکتی جب کہ مشبہ بہ اقوی ہوتا ہے اس لیے مراد یہ ہے کہ ظہر کی چار سنتیں صبح کے فرض اور اس کی سنتوں کی چار رکعات کی مثل ہیں اور مشبہ بہ کے اقوی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ فجر کی نماز کے وقت فرشتے حاضر ہوتے ہیں قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا۔ بے شک فجر کی نماز میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔

(بنی اسرائیل: ۷۸)

یعنی ظہر کی چار سنتیں، صبح کی دو سنتوں اور دو فرض کے اجر کے برابر ہیں۔

اور ملا علی قاری نے یہ کہا ہے کہ نماز سحر سے مراد اخیر شب میں تہجد کی نماز ہے اور مشبہ بہ کے اقوی ہونے کی یہ وجہ ہے، اس وقت عبادت کرنے میں بہت مشقت ہوتی ہے اور تہجد کی نماز پڑھنا بہت مشکل اور بہت دشوار ہوتا ہے۔

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اس وقت ہر چیز اللہ کی تسبیح کرتی ہے، حالانکہ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر چیز ہر وقت اللہ کی تسبیح کرتی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ اور ہر چیز اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتی ہے۔

(بنی اسرائیل: ۴۴)

اس لیے اس حدیث میں جو فرمایا ہے کہ زوال کے بعد ہر چیز اللہ کی تسبیح کرتی ہے اس سے مراد ہے کہ وہ اس وقت میں خاص تسبیح کرتی ہے، جو باقی اوقات کی تسبیح سے مختلف ہوتی ہے۔

ہر چیز کے سجدہ ریز ہونے کا محمل

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور جو چیزیں آسمانوں میں ہیں اور جو چیزیں زمینوں میں ہیں، زمین پر چلنے والے اور فرشتے، سب اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے○

سجدہ کی دو قسمیں ہیں سجدہ عبادت اور سجدہ بہ معنی اطاعت اور خضوع، سجدہ عبادت وہ ہے جیسے مسلمان اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں اور سجدہ بہ معنی اطاعت اور خضوع یہ وہ سجدہ ہے کہ اس معنی میں کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتی ہے کیونکہ کائنات کی ہر چیز ممکن ہے اور ممکن کا عدم اور وجود مساوی ہوتے ہیں، اس لیے اس کو عدم سے وجود میں لانے کے لیے کسی مرجح کی ضرورت ہوتی ہے سو ہر ممکن زبان حال سے یہ بتاتا ہے کہ وہ اپنے وجود میں واجب الوجود کا محتاج ہے، اور اللہ تعالیٰ نے ممکنات میں سے جس چیز کو جس کام میں لگا دیا ہے وہ اسی کام میں لگا ہوا ہے اور اسی کی اطاعت کر رہا ہے، سورج، چاند، اور دیگر سیاروں کے لیے جو نظام بنا دیا ہے وہ اسی نظام کے تحت کام کر رہے ہیں، دریاؤں اور سمندروں کی روانی،

درختوں میں پتوں، پھلوں اور پھولوں کا کھلنا، حیوانات کی نشوونما، موسموں کا بدلنا، دن اور رات کا توارد، سب کچھ اس کے حکم سے ہو رہا ہے اور سب اس کی اطاعت کر رہے ہیں اور کائنات کی ہر چیز جو اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہے وہ اسی معنی میں ہے، بعض مفسرین نے کہا کہ فرشتے جو سجدہ کرتے ہیں وہ اس معنی میں ہے جیسے مسلمان اللہ کو سجدہ کرتے ہیں اور کائنات کی باقی چیزیں جو سجدہ کرتی ہیں وہ سجدہ بہ معنی اطاعت اور خضوع ہے لیکن اس پر یہ اعتراض ہوگا لفظ مشترک سے ایک جملہ میں دو معنی مراد نہیں ہو سکتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ اپنے اوپر اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے ہیں اور وہ وہی کام کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے○ (النحل: ٥٠)

فرشتوں کا معصوم ہونا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے دابہ اور ملائکہ سب اللہ کو سجدہ کرتے ہیں، دابہ زمین پر چلنے والے چوپائے کو کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ایک طرف حیوانات کا ذکر کیا ہے اور دوسری طرف فرشتوں کا ذکر کیا ہے اور حیوانات ادنیٰ مخلوق ہیں اور فرشتے اعلیٰ مخلوق ہیں خلاصہ یہ ہے ادنیٰ سے لے کر اعلیٰ تک تمام مخلوقات اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتی ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور وہ فرشتے تکبر نہیں کرتے۔

آیت کے اس حصہ سے فرشتوں کی عصمت بیان کرنا مقصود ہے اور یہ آیت اس پر قوی دلیل ہے کہ فرشتے معصوم ہیں وہ کوئی گناہ نہیں کرتے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ وہ تکبر نہیں کرتے اس بات کو واضح کرتا ہے کہ وہ اپنے خالق اور صانع کے اطاعت گزار ہیں، اور وہ کسی بات اور کسی کام میں اللہ کی مخالفت نہیں کرتے، اس کی نظیر قرآن کریم میں اور آیات بھی ہیں: اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کا قول نقل فرمایا:

وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ (مریم: ٦٤)
اور ہم صرف آپ کے رب کے حکم سے نازل ہوتے ہیں۔

بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ○ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ○
بلکہ سب فرشتے اس کے عزت والے بندے ہیں○ وہ کسی بات میں اس پر سبقت نہیں کرتے اور وہ اس کے حکم پر عمل کرتے ہیں۔ (الانبیاء: ٢٧-٢٦)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا فرشتے وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ انہوں نے وہی کیا ہے جس کا انہیں حکم دیا گیا اور اس میں یہ دلیل ہے کہ وہ تمام گناہوں سے معصوم ہیں۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ ان کو جو حکم دیا گیا اس پر انہوں نے عمل کیا، لیکن اس آیت میں یہ دلیل نہیں ہے کہ ان کو جس کام سے منع کیا گیا وہ اس سے باز رہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ممنوعہ کاموں سے باز رہنے کا بھی ان کو حکم دیا گیا تھا لہٰذا جب یہ فرمایا کہ وہ وہی کام کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے تو معلوم ہو گیا کہ وہ ہر حکم پر عمل بھی کرتے ہیں اور ہر ممنوع کام سے اجتناب بھی کرتے ہیں، نیز جب یہ ثابت ہو گیا کہ فرشتے ہر گناہ سے معصوم ہوتے ہیں تو ثابت ہو گیا کہ ھاروت اور ماروت کا جو قصہ مشہور ہے وہ باطل ہے۔ اس کی پوری تحقیق ہم نے البقرہ: ١٠٢ میں بیان کر دی ہے۔ اس آیت میں فرمایا ہے فرشتے تکبر نہیں کرتے اور ابلیس تکبر کرتا تھا قرآن مجید میں ہے:

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ۫ وَكَانَ مِنَ
اور جب ہم نے فرشتوں سے فرمایا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور

الْكٰفِرِيْنَ ○ (البقرہ: ۳۴) کافر ہو گیا۔

پس ثابت ہو گیا کہ ابلیس جنات میں سے تھا فرشتوں میں سے نہیں تھا، قرآن مجید میں ہے:

فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ پس ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا وہ جنات میں سے تھا

فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ۔ (الکھف: ۵۰) اس نے اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی۔

اس مسئلہ کی مکمل تحقیق ہم نے تبیان القرآن ج ا ص ۳۶۰-۳۵۸ میں کر دی ہے اس کی تفصیل کے لیے اس مقام کا مطالعہ فرمائیں یہ آیت سجدہ ہے اور یہ قرآن مجید میں تیسرا سجدۂ تلاوت ہے۔

وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ

اور اللہ نے فرمایا دو کو عبادت کا مستحق نہ بناؤ، وہ (اللہ) صرف ایک ہی عبادت کا مستحق ہے،

فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۵۱﴾ وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ

سو مجھ سے ہی ڈرو ○ اور جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے، (سب اسی کی ملکیت ہے) اور اسی کی

الدِّيْنُ وَاصِبًا ؕ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ

عبادت لازم ہے، کیا تم اللہ کے سوا کسی اور سے ڈرو گے؟ ○ تمہارے پاس جو بھی نعمت ہے،

فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ ۚ ﴿۵۳﴾ ثُمَّ اِذَا

وہ اللہ کی طرف سے ہے، پھر جب تمہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو تم اسی سے فریاد کرتے ہو ○ پھر جب وہ

كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ۙ ﴿۵۴﴾

تم سے اس مصیبت کو دور کر دیتا ہے تو پھر تم میں سے ایک فریق اپنے رب کے ساتھ شریک بنا لیتا ہے ○

لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ؕ فَتَمَتَّعُوْا ۫ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَ

تاکہ وہ ہماری دی ہوئی نعمتوں کی ناشکری کریں، سو تم (عارضی) فائدہ اٹھا لو! پھر تم عنقریب جان لوگے ○ اور

يَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ؕ تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔلُنَّ

وہ ہماری دی ہوئی چیزوں میں سے ان کا حصہ مقرر کرتے ہیں جن کو وہ جانتے ہی نہیں، تم جو کچھ افتراء کرتے تھے اللہ کی

عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۶﴾ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ

قسم تم سے اس کے متعلق ضرور پوچھا جائے گا ○ اور وہ (فرشتوں کو) اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے ہیں، اللہ اس سے پاک ہے،

وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَإِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ

اور اپنے لیے وہ جس کو وہ پسند کرتے ہیں (یعنی بیٹے) ○ اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی بشارت دی جاتی ہے تو اس کا منہ

مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۵۸﴾ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ

سارا دن سیاہ رہتا ہے اور وہ غم زدہ رہتا ہے ○ اور وہ اس بشارت کو برا سمجھنے کی وجہ سے لوگوں سے چھپتا رہتا ہے

اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا

(وہ سوچتا ہے) کہ ذلت کے ساتھ اس کو رکھ لے یا اس کو (زندہ) زمین میں دبا دے، سنو وہ کیسا برا

يَحْكُمُوْنَ ﴿۵۹﴾ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ

فیصلہ کرتے ہیں ○ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان ہی کی بری صفات ہیں،

وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۶۰﴾

اور اللہ کی بہت بلند صفات ہیں اور وہی بہت غلبہ والا بڑی حکمت والا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ نے فرمایا دو کو عبادت کا مستحق نہ بناؤ، وہ (اللہ) صرف ایک ہی عبادت کا مستحق ہے سو مجھ سے ہی ڈرو ○ اور جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے، سب اسی کی ملکیت ہے، اور اسی کی عبادت لازم ہے کیا تم اللہ کے سوا کسی اور سے ڈرو گے؟ ○ (النحل: ۵۲-۵۱)

الٰہ کا معنی معبود ہے یا عبادت کا مستحق؟

اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے یہ بتایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز اس کی مطیع اور فرماں بردار ہے خواہ وہ چیز عالم ارواح سے ہو یا عالم اجسام سے ہو فرشتے ہوں، جنات ہوں، انسان ہوں یا حیوان ہوں سب اختیاری یا اضطراری طور پر اسی کی عبادت اور اطاعت کرتے ہیں، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے شرک سے منع فرمایا اور فرمایا سارا جہان اس کی ملک ہے، سب اپنے وجود اور اپنی بقاء میں اس کے محتاج ہیں اور وہ ہر چیز سے مستغنی ہے۔

اس آیت کا لفظی ترجمہ اس طرح ہے کہ دو الٰہ، دو عدد نہ بناؤ، الٰهين کا معنی ہے دو الٰہ اور اثنين کا معنی ہے دو عدد، اب سوال یہ ہے کہ الٰهين کے بعد اثنين کیوں فرمایا؟ اس کے تین جواب ہیں، پہلا جواب یہ ہے کہ اصل عبارت یوں ہے کہ دو چیزوں کو دو الٰہ نہ بناؤ، اور دوسرا جواب یہ ہے کہ جس چیز سے زیادہ تنفر کرنا مقصود ہوتا ہے، اس چیز کا ذکر زیادہ الفاظ سے اور تاکید سے کیا جاتا ہے، تیسرا جواب یہ ہے کہ جب فرمایا دو الٰہ نہ بناؤ تو یہ پتا نہیں چلا کہ مقصود نفس الوہیت کی نفی ہے یا تعدد کی نفی مقصود ہے اور جب فرمایا دو عدد تو واضح ہو گیا کہ اس آیت میں تعدد کی نفی مقصود ہے۔ اس لیے ہم نے آیات کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ دو کو عبادت کا مستحق نہ بناؤ۔

عام طور پر مترجمین الٰہ کا معنی معبود کرتے ہیں اور ہم نے اس کا ترجمہ ہر جگہ عبادت کا مستحق کیا ہے، کیونکہ معبود کا معنی

ہے جس کی عبادت کی گئی ہو' اور اللہ تعالیٰ کے سوا بے شمار چیزوں کی عبادت کی گئی ہے اور کی جاتی ہے' لیکن اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کا مستحق کوئی نہیں ہے وہ صرف واحد ذات ہے جو عبادت کی مستحق ہے اور لا الہ الا اللہ کا یہ معنی نہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے' کیونکہ یہ معنی واقع کے خلاف ہے' اللہ تعالیٰ کے سوا بہت چیزوں کی عبادت کی گئی ہے اور کی جاتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کا کوئی مستحق نہیں ہے۔

توحید پر دلائل

خدا کے لیے ضروری ہے کہ وہ واجب اور قدیم ہو' اگر ہم دو خدا فرض کریں تو ضروری ہوگا کہ وہ دونوں واجب اور قدیم ہوں اور دو چیزوں کا ایک دوسرے سے ممیز اور ممتاز ہونا بھی ضروری ہے' پس ان دونوں میں سے ہر ایک دو جزؤں پر مشتمل ہوگا ایک جز وجوب اور قدم ہوگا اور دوسرا جز وجہ امتیاز اور ممیز ہوگا پس ہر خدا دو جزؤں سے مرکب ہوگا' اور جو چیز مرکب ہو وہ ممکن اور حادث ہوتی ہے واجب اور قدیم نہیں ہوتی پس اگر آپ دو چیزوں کو خدا فرض کریں گے تو ان میں سے ایک بھی خدا نہیں ہوگا۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر بالفرض دو خدا ہوں' اور ان میں سے ایک خدا ایک معین وقت میں کسی خاص جسم کو حرکت دینے کا ارادہ کرے اور دوسرا اس معین وقت میں اس خاص جسم کو ساکن کرنے کا ارادہ کرے تو یا تو وہ خاص جسم اس وقت میں متحرک بھی ہوگا اور ساکن بھی ہوگا اور یہ اجتماع ضدین ہے اور محال ہے' یا وہ خاص جسم اس معین وقت میں نہ متحرک ہوگا نہ ساکن یہ اس لیے محال ہے کہ پھر دونوں کا عجز لازم آئے اور دونوں میں سے کوئی بھی خدا نہیں ہوگا' اور اگر وہ خاص جسم اس وقت متحرک ہوا تو جس نے اس کو ساکن رکھنے کا ارادہ کیا تھا وہ خدا نہیں رہا اور اگر وہ اس معین وقت میں ساکن ہوا تو جس نے اس کو متحرک رکھنے کا ارادہ کیا تھا وہ خدا نہیں رہا پس ثابت ہوا کہ دو خدا نہیں ہو سکتے' اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ وہ دونوں ہمیشہ اتفاق کرتے ہیں اور کبھی اختلاف نہیں کرتے تو اول تو اس کا یہ جواب ہے کہ ان میں اختلاف کرنا ممکن تو ہے ہم اس اختلاف کی صورت میں پھر یہی تقریر کریں گے ثانی یہ کہ جب وہ ہمیشہ اتفاق کرتے ہیں تو ضروری ہوگا کہ پہلے ایک خدا کسی چیز کا ارادہ کرے اور دوسرا اس سے اتفاق کرے پس پہلا متبوع اور دوسرا اس کا تابع ہوگا اور تابع خدا نہیں ہو سکتا پس لازم آیا کہ آپ جب بھی دو خدا فرض کریں گے تو خدا ایک ہی ہوگا دو خدا نہیں ہو سکتے۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ اگر دو خدا ہوں تو ان میں سے ایک خدا اپنی مخلوق اور اپنے ملک کو دوسرے خدا سے چھپانے پر قادر ہوگا یا نہیں' اگر وہ اپنے ملک اور مخلوق کو دوسرے خدا سے چھپانے پر قادر نہ ہوا تو یہ اس کا عجز ہوگا اور عاجز خدا نہیں ہو سکتا' اور اگر وہ اپنے ملک اور اپنی مخلوق کو دوسرے خدا سے چھپانے پر قادر ہے تو جس سے چھپانے پر قادر ہے اس کا جہل لازم آئے گا' اور جاہل خدا نہیں ہو سکتا' خلاصہ یہ ہے کہ جب بھی دو خدا فرض کیے جائیں گے تو ان میں سے ایک خدا ہوگا دوسرا خدا نہیں ہوگا۔

چوتھی دلیل یہ ہے کہ اگر دو خدا فرض کیے جائیں تو ان میں سے ایک خدا دوسرے خدا کی مخالفت کرنے پر قادر ہوگا یا نہیں' اگر وہ اس کی مخالفت کرنے پر قادر نہیں ہے تو یہ اس کا ضعف ہوگا اور ضعیف خدا نہیں ہو سکتا اور اگر وہ اس کی مخالفت پر قادر ہے تو پہلا اس کی مخالفت کی مدافعت کر سکتا ہے یا نہیں اگر نہیں کر سکتا تو پہلے کا عجز ہے اور عاجز خدا نہیں ہو سکتا اور اگر پہلا دوسرے کی مخالفت کی مدافعت کر سکتا ہے تو پھر یہ دوسرے کا ضعف ہے اور ضعیف خدا نہیں ہو سکتا۔

ان دلائل سے واضح ہو گیا کہ دو چیزیں خدا اور مستحق عبادت نہیں ہو سکتیں اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہی فرمایا

ہے کہ دو چیزوں کو عبادت کا مستحق نہ بناؤ!

اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایک اور آسان اور عام فہم دلیل یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر کثرت وحدت کے تابع ہوتی ہے، طالب علموں پر ایک استاذ ہوتا ہے، چند اساتذہ ہوں تو ہیڈ ماسٹر ایک ہوتا ہے، چند سپاہیوں پر ہیڈ کانسٹیبل ایک ہوتا ہے، چند ہیڈ کانسٹیبل ہوں تو ان پر سب انسپکٹر ایک ہوتا ہے، پھر چند انسپکٹر ہوں تو ان پر ڈی۔ایس۔پی ایک ہوتا ہے، پھر ایس۔پی ایک ہوتا ہے چند ڈی۔ آئی۔جی ہوں تو ان پر انسپکٹر جنرل ایک ہوتا ہے، چند وزیر ہوں تو وزیر اعلیٰ ایک ہوتا ہے اور چند وزیر اعلیٰ ہوں تو وزیر اعظم ایک ہوتا ہے، کسی ملک کے وزیر اعظم دو نہیں ہوتے اور نہ کسی ملک کے صدر دو ہوتے ہیں اگر کسی بھی محکمہ میں اقتدار اعلیٰ دو آدمیوں کے پاس ہو تو اس محکمہ کا نظام فاسد ہو جائے گا تو اگر اس پوری کائنات کا اقتدار اعلیٰ دو خداؤں کے پاس ہوتا تو اس کا نظام بھی فاسد ہو جاتا، اور جب ابتداء آفرینش عالم سے لے کر آج تک اس کائنات کا نظام فاسد نہیں ہوا تو ثابت ہو گیا کہ اس پوری کائنات کا مقتدر اعلیٰ بھی ایک ہے اور وہی ہم سب کی عبادت کا مستحق ہے۔

اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایک آسان دلیل یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس پوری کائنات کا نظام ایک نہج واحد اور ایک طرز واحد پر چل رہا ہے، پھلوں اور پھولوں کے پیدا ہونے کا ایک طریقہ ہے، کھیتوں کے پکنے کا ایک طریقہ ہے، جانوروں کے پیدا ہونے اور ان کے پلنے اور بڑھنے کا ایک طریقہ ہے، انسانوں کے پیدا ہونے اور ان کی نشوونما پانے کا طریقہ ایک ہے، بارش ہونے کا دریاؤں اور سمندروں کے اترنے اور چڑھنے کا طریقہ ایک ہے، سورج، چاند اور ستاروں کے طلوع اور غروب کا طریقہ واحد ہے غرض ساری کائنات ایک نمط واحد اور نسق واحد پر چل رہی ہے اور اس کا ایک نہج اور ایک طرز سے چلنا زبان حال سے ندا کرتا ہے کہ اس کا ناظم اور خالق بھی واحد ہے، سو ساری کائنات کی اطاعت اور عبادت کا مستحق بھی واحد ہے۔

ہم اللہ سے کیوں نہیں ڈرتے ؟

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا سو مجھ سے ہی ڈرو، پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنا ذکر غائب کے صیغوں سے فرمایا تھا اور آیت کے اس حصہ میں اپنا ذکر متکلم کے صیغے سے فرمایا ہے، یہ بھی بلاغت کا اسلوب ہے اس کو التفات کہتے ہیں، اس میں ایک اور نکتہ یہ ہے کہ اس میں حصر ہے، یعنی مخلوق کو چاہیے کہ وہ صرف اللہ سے ڈرے اور کسی سے نہ ڈرے، اور فضل اور احسان کی طلب میں اللہ کے سوا اور کسی کی طرف رغبت نہ کرے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے سب اللہ کی ملکیت ہے کیونکہ جب ثابت ہو گیا کہ آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے والا اور ان کے نظام کو چلانے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے تو اس کا لازمی نتیجہ ہے کہ یہ آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے مابین ہے وہ سب اللہ ہی کی ملکیت ہے۔

پھر فرمایا ولہ الدین واصبا۔ دین کے معنی ہیں اطاعت اور عبادت اور واصبا کا معنی ہے جو چیز دائمی طور پر لازم ہو، قرآن مجید میں ہے ولھم عذاب واصب (الصّٰفّٰت: ۹) اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے، لہٰذا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اس کائنات میں اللہ کے سوا جو بھی چیز ہے اس پر اس کی اطاعت اور عبادت لازم ہے کیونکہ اس کائنات کی ہر چیز اپنے وجود میں بھی اللہ کی محتاج ہے اور اپنی بقاء میں بھی اللہ کی محتاج ہے سو اس پر لازم ہے کہ وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کرے۔

اس کے بعد فرمایا کیا تم اللہ کے سوا کسی اور سے ڈرو گے؟ اس کا معنی یہ ہے کہ جب تم نے جان لیا کہ تمام کائنات کا

خالق اور ناظم اللہ ہے اور وہی واحد عبادت اور اطاعت کا مستحق ہے اور جب تم نے یہ جان لیا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز اپنے وجود میں اور اپنی بقاء میں اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے' تو ان اصولی چیزوں کے جاننے کے بعد کیا انسان کی عقل اس چیز کو جائز قرار دیتی ہے کہ انسان اپنے مقاصد اور مطالب میں اللہ تعالیٰ کے غیر کی طرف رغبت کرے' اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کے ڈر اور خوف سے کوئی کام کرے یا کسی کام سے باز رہے۔

آج ہم دیکھتے ہیں کہ ہم اپنے شاگردوں' مریدوں اور ماتحت لوگوں سے ڈرتے ہے' اپنی جھوٹی بڑائی قائم رکھنے کے لیے ہم ان کے سامنے کوئی بے حیائی کا کام نہیں کرتے اور خلوت اور تنہائی میں کر لیتے ہیں' سو ہم مخلوق سے ڈرتے ہیں خالق سے نہیں ڈرتے' اور کبھی افسران بالا کے خوف سے ماتحت عملہ ان کے سامنے غیر قانونی کام نہیں کرتا اور جب افسران بالا سامنے نہ ہوں تو پھر ماتحت عملہ غیر قانونی کام کر لیتا ہے' کیونکہ اس کو معلوم ہے کہ مخلوق کی گرفت فوراً ہو جائے گی اور اللہ کی گرفت تو آخرت میں ہو گی نیز مخلوق کی گرفت ظاہر ہے اور خالق کی گرفت غیب ہے' سو ہم اللہ سے نہیں ڈرتے مخلوق سے ڈرتے ہیں وجہ یہ ہے کہ ہمارا آخرت پر ایمان کمزور ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا جب سے آپ نے یہ بتایا ہے کہ قبر مردہ کو دباتی ہے میری راتوں کی نیند اڑ گئی ہے' ہم نے بھی یہ حدیث سنی ہے لیکن کبھی ایسا نہیں ہوا کہ قبر کے دبانے کے خوف سے کسی رات ہمیں نیند نہ آئی ہو' وجہ یہ ہے کہ جس طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر کی تصدیق تھی ہمیں اس طرح آپ کی خبر کی تصدیق نہیں ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب قبر کو دیکھتے تھے تو اس قدر روتے کہ ان کی ڈاڑھی انسوؤں سے بھیگ جاتی تھی ان سے پوچھا گیا اس کی کیا وجہ ہے انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ قبر آخرت کی پہلی منزل ہے اس میں آسانی ہو تو باقی منازل زیادہ آسان ہوں گی اور اگر اس میں مشکل ہو تو باقی منازل زیادہ مشکل ہوں گی' یہ تو ان کا حال ہے جن کو زندگی میں دو مرتبہ جنت کی بشارت دی گئی تھی لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے جلال اور اس کی بے نیازی کے ڈر اور خوف سے روتے تھے' ہمیں تو یہ بھی معلوم نہیں کہ ہمارا خاتمہ ایمان پر ہو گا یا نہیں لیکن ہم تو کبھی کسی قبر کے پاس بیٹھ کر خوف خدا سے نہیں روئے! معلوم ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر جتنا قوی ایمان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا تھا ہمارا ایمان اتنا قوی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تمہارے پاس جو بھی نعمت ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے' پھر جب تمہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو تم اسی سے فریاد کرتے ہو○ پھر جب وہ تم سے اس مصیبت کو دور کر دیتا ہے تو پھر تم میں سے ایک فریق اپنے رب کے ساتھ شریک بنا لیتا ہے○ تاکہ وہ ہماری دی ہوئی نعمتوں کی ناشکری کریں' سو تم (عارضی) فائدہ اٹھا لو' پھر تم عنقریب جان لو گے○ (النحل: ۵۵-۵۳)

شکر کے شرعی احکام اور اس کے متعلق احادیث

اس سے پہلی آیت میں یہ بتایا تھا کہ انسان کو اللہ کے سوا کسی سے ڈرنا نہیں چاہیے' اور اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ انسان کے سب سے زیادہ شکر کا مستحق اللہ تعالیٰ ہے' کیونکہ شکر نعمت پر واجب ہوتا ہے اور انسان کو ہر نعمت اللہ تعالیٰ سے ملی ہے' اس لیے اس کے شکر کا سب سے زیادہ مستحق اللہ تعالیٰ ہے۔

نعمت یا دنیوی ہوتی ہے یا نعمت دینی ہوتی ہے' اور دنیوی نعمت یا اس کے بدن میں ہوتی ہے یا اس کے نفس میں ہوتی ہے یا کوئی خارجی نعمت ہوتی ہے' اور دینی نعمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندہ کو مومن بنایا اور اس کو اعمال صالحہ کی توفیق دی

اس کو دین کا علم عطا فرمایا، سو بندہ پر واجب ہے کہ وہ ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے اور جن ذرائع اور وسائل سے اور جن لوگوں کی وساطت سے اس کو یہ نعمتیں حاصل ہوئی ہیں ان کا بھی شکر ادا کرے کیونکہ حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص لوگوں کا شکر گزار نہیں ہے وہ اللہ کا شکر گزار بھی نہیں ہے۔ (سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۸۱۱، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۵۴)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مہاجرین نے کہا یا رسول اللہ! سارا اجر تو انصار لے گئے، آپ نے فرمایا نہیں! جب تک تم ان کے لیے اللہ سے دعا کرتے رہو گے اور ان کی نیکیوں کی تعریف کرتے رہو گے۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۸۱۲)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو کوئی نعمت دی گئی اور اس نے اس نعمت کا ذکر کیا تو اس نے اس نعمت کا شکر ادا کر دیا اور جس نے اس نعمت کو چھپا لیا تو اس نے کفران نعمت کیا۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث ۴۸۱۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ عزوجل جس بندہ کو کوئی نعمت عطا فرمائے اور اس کو یہ یقین ہو کہ یہ نعمت اللہ عزوجل کی طرف سے ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا شکر لکھ لیتا ہے، اور اللہ عزوجل کو جس بندہ کے متعلق یہ علم ہو گا کہ وہ گناہ پر نادم ہوا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے استغفار کرنے سے پہلے اس کو بخش دیتا ہے، اور جو شخص کسی کپڑے کو ایک دینار کا خریدے اور اس کو پہنتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی حمد کرے تو ابھی وہ کپڑا اس کے گھٹنوں تک نہیں پہنچا کہ اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت کر دیتا ہے۔

(المستدرک ج ۱ ص ۵۱۴، کتاب الخرائطی باب الشکر رقم الحدیث: ۴۰، رسائل ابن ابی الدنیا باب الشکر رقم الحدیث: ۷۴)

شکر کے متعلق ہم نے زیادہ احادیث اور آثار ابراھیم: ۷ میں بیان کیے ہیں اور وہاں اس کی تعریف اور تحقیق کی ہے۔

مصیبت کے وقت اللہ کو پکارنا اور مصیبت ٹلنے کے بعد اللہ کو بھول جانا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: پھر جب تمہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو تم اسی سے فریاد کرتے ہو۔

اس آیت میں فریاد کے لیے لفظ ہے تجئرون، اس کا معنی ہے چلا کر فریاد کرنا، یعنی جب تم پر مصیبت آتی ہے تو تم رو رو کر اور چلا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہو اور اس سے فریاد کرتے ہو۔

اس کے بعد فرمایا! پھر جب وہ تم سے اس مصیبت کو دور کر دیتا ہے تو پھر تم میں سے ایک فریق اپنے رب کے ساتھ شریک بنا لیتا ہے تاکہ (انجام کار) وہ ہماری دی ہوئی نعمتوں کی ناشکری کریں۔

اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ تمام نعمتیں انسانوں کو اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے، پھر جب انسان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے اور اس سے وہ نعمت زائل ہو جاتی ہے، تو وہ اللہ سے فریاد کرتا ہے کیونکہ اس کو یقین ہوتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی اس کی فریاد کو نہیں پہنچ سکتا، اور نہ اللہ کے سوا اس کی کوئی جائے پناہ ہے، پھر جب اللہ تعالیٰ انسان سے اس مصیبت کو زائل کر دیتا ہے، تو پھر اس صورت میں انسانوں کے احوال مختلف ہوتے ہیں، بعض انسان تو اللہ عزوجل کے ساتھ وابستگی پر قائم رہتے ہیں اور اس مصیبت کے زائل ہونے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں، اور بعض انسانوں کے عقائد میں تبدیلی آجاتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے غیر کو شریک بنا لیتے ہیں، اور یہ انتہائی ناسپاسی، احسان فراموشی، جہالت اور گمراہی ہے، قرآن مجید میں اس طرح کی اور بھی آیات ہیں:

فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ○ (العنکبوت: ۶۵)

پھر جب وہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو وہ اللہ کو پکارتے ہیں وہ اس وقت اخلاص کے ساتھ اس کی اطاعت کرنے والے ہوتے ہیں، پھر جب وہ ان کو بچاکر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو اچانک وہ شرک کرنے لگتے ہیں ○

وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ إِلَّا إِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰكُمْ إِلَى الْبَرِّ أَعْرَضْتُمْ ۚ وَكَانَ الْإِنْسَانُ كَفُوْرًا ○ (بنی اسرائیل: ۶۷)

اور جب سمندر میں تمہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو اللہ کے سوا جن کی تم پرستش کرتے تھے وہ سب گم ہو جاتے ہیں، پھر جب وہ تمہیں بچاکر خشکی پر لے آتا ہے تو تم (اس سے) منہ پھیر لیتے ہو اور انسان بڑا ہی ناشکرا ہے ○

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهُ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ لَئِنْ أَنْجٰنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ○ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ أَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ○ (الانعام: ۶۴-۶۳)

آپ کہیے کہ تمہیں خشکی اور سمندروں کی تاریکیوں سے کون نجات دیتا ہے، جس کو تم گڑگڑا کر اور چپکے چپکے پکارتے ہو، کہ اگر اس نے ہم کو اس مصیبت سے نجات دے دی تو ہم ضرور شکر گزاروں میں سے ہو جائیں گے ○ آپ کہیے تمہیں اللہ تعالیٰ ہی اس مصیبت سے اور ہر تکلیف سے نجات دیتا ہے، پھر (بھی) تم شرک کرتے ہو ○

پھر جب اللہ تمہیں مصائب اور پریشانیوں سے نجات دے دیتا ہے تو تم اللہ عزوجل کے اس انعام کا انکار کرتے ہو اور کہتے ہو کہ ہمیں تو ہمارے خود ساختہ معبودوں نے اور بتوں نے بچایا ہے، اسی طرح جب انسان کسی مہلک بیماری میں مبتلا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو شفا عطا فرماتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میں فلاں دوا سے ٹھیک ہو گیا یا فلاں ڈاکٹر کے علاج سے میں صحت مند ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیتا، جو موثر حقیقی ہے، مسلمان اولیاء کرام کے توسل سے دعائیں کرتے ہیں اور اپنی حاجتیں طلب کرتے ہیں اور جب ان کی حاجت پوری ہو جاتی ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ صرف ان اولیاء کا ذکر کرتے ہیں کہتے ہیں کہ فلاں بزرگ نے کرم فرمایا، اور فلاں بزرگ نے میرا کام کر دیا، وہ بزرگوں کا نام لیتے ہیں اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیتے، ہم یہ نہیں کہتے کہ بزرگوں کا نام نہ لیا جائے یا ان کو ایصال ثواب نہ کیا جائے اور ان کی تعظیم و تکریم نہ کی جائے لیکن جو موثر حقیقی ہے اور اصل کارساز ہے اس کا بھی تو نام لیں اور اس کا بھی شکر ادا کریں کیونکہ یہ بزرگ تو مجازی کارساز ہیں حقیقی کارساز تو اللہ عزوجل ہے وہ اگر نہ چاہے تو کسی کا وسیلہ کام آ سکتا ہے نہ کسی کی دعا کام آ سکتی ہے!

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

آج یکم محرم ۶۰۲ھ کو جب میں اس کتاب کے اوراق لکھ رہا تھا، اس وقت صبح کا وقت تھا اچانک بہت سخت زلزلہ آیا اور زبردست جھٹکے لگنے لگے، میں نے لوگوں کو دیکھا وہ چیخ چیخ کر دعا مانگ رہے تھے اور گڑگڑا رہے تھے، پھر جب زمین پر سکون ہو گئی اور ٹھنڈی ہوا چلنے لگی اور حالات معمول پر آ گئے تو میں نے دیکھا لوگ پھر اپنی حرکتوں کی طرف لوٹ گئے اور اسی طرح لغو اور بے ہودہ کاموں میں مشغول ہو گئے اور وہ بھول گئے کہ ابھی وہ تھوڑی دیر پہلے چیخ و پکار کر رہے تھے، اللہ کے نام کی دہائی دے رہے تھے اور اس سے گڑگڑا کر دعائیں کر رہے تھے۔ (تفسیر کبیر ج ۷ ص ۲۴۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام رازی نے اپنے دور کے حالات کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ اس آیت کا مصداق ہے:

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْٓا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ ۔ (الزمر: ۸)

اور جب انسان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب کی طرف رجوع کرتا ہوا اس کو پکارتا ہے، پھر جب اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے اسے کوئی نعمت عطا فرمادیتا ہے تو وہ اس مصیبت کو بھول جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ اللہ کو پکارتا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ ہماری دی ہوئی چیزوں میں سے ان کا حصہ مقرر کرتے ہیں جن کو وہ جانتے ہی نہیں، تم جو کچھ افتراء کرتے ہو اللہ کی قسم! تم سے اس کے متعلق ضرور پوچھا جائے گا○ (النحل: ۵۶)

اللہ کے لیے حصہ مقرر کرنے پر مشرکین کو زجر و توبیخ

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ وہ اللہ کی پیداوار میں سے ان چیزوں کا حصہ مقرر کرتے ہیں جنہیں وہ جانتے ہی نہیں اور یہ بھی ان کی جاہلانہ باتوں میں سے ایک بات ہے۔

"جنہیں وہ جانتے ہی نہیں" اس کے متعلق مفسرین کے دو قول ہیں ایک یہ کہ مشرکین نہیں جانتے، دوسرا قول یہ ہے کہ بت نہیں جانتے، لیکن پہلا قول راجح ہے، کیونکہ زندہ لوگوں سے علم کی نفی کرنا حقیقت ہے اور جمادات سے علم کی نفی کرنا مجاز ہے، اور رواؤ اور نون کے ساتھ جو جمع آتی ہے وہ ذوی العقول کے ساتھ خاص ہے اور بت غیر ذوی العقول ہیں۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ وہ کس چیز کا حصہ مقرر کرتے تھے؟ مجاہد نے کہا وہ جانتے تھے کہ ان کو اللہ نے پیدا کیا ہے اور وہی ان کو نقصان اور نفع پہنچانے پر قادر ہے پھر وہ ان کی اطاعت کرتے تھے جن کے متعلق وہ نہیں جانتے تھے کہ ان کی اطاعت کرنے میں کوئی نفع ہے یا ان سے اعراض کرنے میں کوئی نقصان ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ وہ ان کی عبادت کرتے تھے جن کے متعلق وہ نہیں جانتے تھے کہ وہ عبادت کے مستحق ہیں، تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے ان بتوں کی تحقیر مقصود ہے کہ ان بتوں کے متعلق کوئی کچھ نہیں جانتا تھا۔

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ وہ کس چیز کا حصہ مقرر کرتے تھے اس میں بھی کئی قول ہیں، ایک قول یہ ہے کہ وہ اپنے کھیتوں اور مویشیوں میں سے ایک حصہ اللہ کے لیے مقرر کرتے تھے تاکہ وہ اللہ کا تقرب حاصل کریں اور ایک حصہ اپنے بتوں کے لیے مقرر کرتے تھے تاکہ ان کا تقرب حاصل کریں۔

فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۔ (الانعام: ۱۳۶)

پس انہوں نے کہا یہ ان کے زعم میں اللہ کے لیے ہے اور یہ ان کے زعم میں ہمارے شرکاء کے لیے ہے۔

الانعام: ۱۳۶ میں ہم اس کی تفسیر بیان کر چکے ہیں۔ دوسرا قول حسن بصری کا ہے انہوں نے کہا اس سے مراد بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام ہے، تیسرا قول یہ ہے کہ ان میں سے بعض مشرکین کا اعتقاد یہ تھا کہ بعض اشیاء بتوں کی اعانت سے حاصل ہوتی ہیں، جیسے نجومیوں نے اس جہان کی تاثیرات کو سات سیاروں میں منحصر کر دیا ہے وہ کہتے ہیں کہ فلاں چیز زحل کی تاثیر سے ہے اور فلاں چیز عطارد کی تاثیر سے ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ کی قسم! تم سے اس کے متعلق ضرور پوچھا جائے گا، یعنی مشرکین سے ان کے اس مذہب کے متعلق ضرور پوچھا جائے گا کہ تم کچھ حصہ اللہ کے لیے اور کچھ حصہ بتوں کے لیے رکھتے تھے اس پر تمہاری کیا دلیل ہے یا ایسا کرنے کا کیا جواز ہے؟ اور اس کی نظیر قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ○ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۔ (الحجر: ۹۲-۹۳)

آپ کے رب کی قسم ہم ان سب سے ضرور سوال کریں گے○ ان کاموں کے متعلق جو وہ کرتے رہے تھے۔

ان دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی قسم کھائی ہے کہ وہ ان سے ضرور سوال کرے گا' یہ زبردست تہدید ہے اللہ تعالیٰ ان کو ڈانٹ کر اور جھڑک کر سوال کرے گا' ہو سکتا ہے کہ جس وقت عذاب کے فرشتے ان کی روح قبض کرنے کے لیے آئیں اس وقت ان سے یہ سوال کیا جائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آخرت میں ان سے یہ سوال کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ (فرشتوں کو) اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے ہیں' اللہ اس سے پاک ہے' اور اپنے لیے وہ جس کو وہ پسند کرتے ہیں (یعنی بیٹے) ○ اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی بشارت دی جاتی ہے تو اس کا منہ سارا دن سیاہ رہتا ہے اور وہ غم زدہ رہتا ہے ○ اور وہ اس بشارت کو برا سمجھنے کی وجہ سے لوگوں سے چھپتا رہتا ہے (وہ سوچتا ہے) کہ ذلت کے ساتھ اس کو رکھ لے یا اس کو (زندہ) زمین میں دبا دے' سنو وہ کیسا برا فیصلہ کرتے ہیں ○ (النحل: ٥٩-٥٧)

بیٹیوں کو عار سمجھنے کی مذمت

مشرکین کی فاسد باتوں میں سے ایک بات یہ تھی کہ وہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے جیسا کہ اس آیت میں بھی ہے:

وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ؕ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ؕ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْـَٔلُوْنَ۔

اور انہوں نے فرشتوں کو جو رحمن کے بندے ہیں بیٹیاں قرار دیا' کیا یہ ان کی پیدائش کے وقت موجود تھے' عنقریب ان کی گواہی لکھ لی جائے گی اور ان سے سوال کیا جائے گا۔

(الزخرف: ١٩)

ہو سکتا ہے کہ مشرکین فرشتوں کو اس وجہ سے بیٹیاں کہتے ہوں کہ فرشتے آنکھوں سے پوشیدہ رہتے ہیں' جس طرح عورتیں مردوں سے پوشیدہ رہتی ہیں اور اس بناء پر انہوں نے فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہا' یہ ان کی انتہائی جہالت اور گمراہی ہے' اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا' ان کی پرورش کی تدبیر اور انتظام کیا' ان پر انواع و اقسام کے انعام کیے' ان نعمتوں کے عطا کرنے کی وجہ سے وہ اس کا مستحق تھا کہ اس کی حمد کی جائے اور اس کا شکر ادا کیا جائے اس کے بجائے انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی چیزوں کو منسوب کیا جو اس کی شان کے لائق نہیں ہیں' اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ اس کے کوئی بیٹا ہو یا کوئی بیٹی ہو' پھر کتنا ظلم ہے کہ وہ اپنے لیے تو بیٹے پسند کرتے تھے اور اللہ کے لیے انہوں نے بیٹیاں پسند کیں' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَمْ لَهُ الْبَنٰتُ وَلَكُمُ الْبَنُوْنَ ○

کیا اس کی بیٹیاں ہیں اور تمہارے بیٹے!

(الطور: ٣٩)

اس کے بعد فرمایا: اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی بشارت دی جاتی ہے تو اس کا منہ سارا دن سیاہ رہتا ہے اور وہ غم زدہ رہتا ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ غم سے اس کا چہرہ متغیر ہو جاتا ہے' اور جس شخص کو کسی مکروہ اور ناپسندیدہ چیز کی خبر ملے تو اس کا چہرہ بگڑ جاتا ہے اور غم و غصہ سے اس کا چہرہ سیاہی مائل ہو جاتا ہے اور اس کے برعکس جب انسان کو کوئی خوش خبری ملے تو اس کا سینہ فراخ ہو جاتا ہے اور خوشی سے اس کا چہرہ کھل جاتا ہے اور چمکنے لگتا ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور وہ اس بشارت کو برا سمجھنے کی وجہ سے لوگوں سے چھپتا رہتا ہے' (وہ سوچتا ہے) کہ ذلت کے ساتھ اس کو رکھ لے یا اس کو (زندہ) زمین میں دبا دے سنو! وہ کیسا برا فیصلہ کرتے ہیں۔ (النحل: ٥٩-٥٨)

مفسرین نے کہا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں جب کسی شخص کی بیوی کی زچگی کا زمانہ قریب آتا تو جب تک بچہ نہ ہو جاتا وہ اپنی قوم سے چھپا رہتا' پھر اگر اسے معلوم ہوتا کہ بیٹا ہوا ہے تو وہ خوش ہو جاتا اور اس کا چہرہ دمکنے لگتا' اور جب اس کو پتا چلتا کہ اس کے ہاں بیٹی ہوئی ہے تو وہ کئی دنوں تک لوگوں کے سامنے نہ آتا' اور اس پر غور کرتا رہتا کہ وہ اس معاملہ میں کیا کرے' آیا

وہ ذلت برداشت کر کے اس بیٹی کی پرورش کرے یا عار سے بچنے کے لیے اس بیٹی کو زندہ در گور کر دے۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے متعلق سوال کیا گیا:

وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ۔ (التکویر: ۸) اور جب زندہ در گور کی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا۔

حضرت عمر نے کہا قیس بن عاصم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا میں نے زمانہ جاہلیت میں آٹھ بیٹیوں کو زندہ در گور کر دیا تھا' آپ نے فرمایا ہر بیٹی کی طرف سے ایک غلام آزاد کرو' انہوں نے کہا یا رسول اللہ! میرے پاس تو اونٹ ہیں' آپ نے فرمایا ہر بیٹی کی طرف سے ایک اونٹ نحر (ذبح) کرو۔

(المعجم الکبیر ج ۱۸ ص ۷-۳۳۷' رقم الحدیث: ۸۶۳' مسند البزار رقم الحدیث: ۲۲۸۰' السنن الکبری للبیہقی ج ۸ ص ۱۶' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۶۹۰' حافظ الہیثمی نے لکھا ہے کہ امام بزار کی سند صحیح ہے' سوا حسین بن مہدی کے اور وہ بھی ثقہ ہے' مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۳۴)

روایت ہے کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ میں نے جب سے اسلام قبول کیا ہے میں نے اسلام کی مٹھاس نہیں محسوس کی' زمانہ جاہلیت میں میری ایک بیٹی تھی میں نے اپنی بیوی سے کہا اس کو بناؤ سنگھار کر کے مزین کرو' پھر میں اس کو بہت دور دراز وادی میں لے گیا جہاں ایک گہرا کنواں تھا' میں نے اس کو اس کنویں میں ڈال دیا' اس بیٹی نے کہا اے ابا جان! آپ نے مجھے قتل کر ڈالا' مجھے اس کی جب بھی یہ بات یاد آتی ہے مجھے کسی چیز کی سے راحت نہیں ملتی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زمانہ جاہلیت میں جو گناہ ہوئے تھے' ان کو اسلام نے منہدم کر دیا اور جو گناہ اسلام میں ہوں گے ان کو استغفار منہدم کر دے گا۔ (تفسیر کبیر ج ۷ ص ۲۲۶-۲۲۵' روح المعانی جز ۱۴ ص ۲۵۰)

امام رازی نے لکھا ہے کہ جو لوگ بیٹیوں کو قتل کرتے تھے ان کفار کا طریقہ کار مختلف تھا' ان میں سے بعض گڑھا کھود کر بیٹی کو اس میں ڈال کر گڑھا مٹی سے بند کر دیتے حتی کہ وہ مر جاتی' اور بعض اس کو پہاڑ کی چوٹی سے پھینک دیتے تھے' بعض اس کو غرق کر دیتے تھے اور بعض اس کو ذبح کر دیتے تھے' ان کا یہ اقدام بعض اوقات غیرت اور حمیت کی بناء پر ہوتا تھا اور بعض اوقات فقر و فاقہ کے خوف کی وجہ سے وہ ایسا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا سنو! وہ کیسا برا فیصلہ کرتے تھے' کیونکہ وہ بیٹیوں کو باعث عار سمجھنے کی وجہ سے حد سے بڑھ گئے تھے' وہ بیٹی کی پیدائش کی خبر سنتے تو رنج و غم سے ان کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا' بیٹیوں سے نفرت کی وجہ سے وہ اپنی بیوی کے ہاں پیدائش کے موقع پر لوگوں سے چھپتے پھرتے تھے' اولاد سے انسان کو فطرتاً محبت ہوتی ہے لیکن جب ان کو خبر ملتی کہ ان کے ہاں بیٹی ہوئی ہے' تو وہ اس کو قتل کرنے کی تدبیریں کرتے تھے۔

بیٹیوں کی پرورش کی فضیلت کے متعلق احادیث

نبیط بن شریح بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کسی شخص کے ہاں بیٹی پیدا ہوتی ہے تو اللہ عزوجل اس کے ہاں فرشتوں کو بھیجتا ہے وہ آ کر کہتے ہیں: اے گھر والو السلام علیکم! اور اس بیٹی کا اپنے پروں سے احاطہ کر لیتے ہیں' اور اس کے سر پر اپنے ہاتھ پھیرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایک کمزور لڑکی کمزور عورت سے پیدا ہوئی ہے جو اس کی کفالت کرے گا اس کی قیامت تک مدد کی جائے گی۔

نبیط کا بیٹا اس روایت میں منفرد ہے۔ (المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۷۰)

حضرت عائشہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ' رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے پاس ایک عورت آئی اور اس کے ساتھ اس کی دو بیٹیاں بھی تھیں' اس نے مجھ سے سوال کیا' میرے پاس سوائے ایک کھجور کے اور کوئی چیز نہ تھی' میں

نے وہ کھجور اس کو دے دی، اس عورت نے اس کھجور کے دو ٹکڑے کیے اور ان ٹکڑوں کو اپنی بیٹیوں میں تقسیم کردیا اور خود اس میں سے کچھ نہیں کھایا، پھر وہ اور اس کی دونوں بیٹیاں چلی گئیں، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں نے یہ واقعہ آپ کو سنایا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ان بیٹیوں میں سے کسی کی پرورش کرنے میں مبتلا کیا گیا، اور اس نے ان کی اچھی طرح پرورش کی وہ اس کے لیے دوزخ کی آگ سے حجاب ہو جائیں گی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۹۵، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۲۹، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۱۱۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے پاس ایک مسکین عورت اپنی دو بیٹیوں کو اٹھائے ہوئے آئی، میں نے اس کو تین کھجوریں دیں، اس نے ان میں سے ہر بیٹی کو ایک کھجور دی، اور ایک کھجور کھانے کے لیے اپنے منہ کی طرف اٹھائی، اس کی بیٹیوں نے اس سے وہ کھجور مانگی، اس نے اس کھجور کے دو ٹکڑے کیے اور آدھی آدھی دونوں بیٹیوں کو دے دی، مجھے اس پر تعجب ہوا پھر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا کہ کس طرح اس عورت نے اپنی بیٹیوں کو اپنے حصہ کی بھی کھجور کھلا دی۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس عورت کے لیے جنت کو واجب کر دیا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۳۰)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے دو لڑکیوں کی پرورش کی حتیٰ کہ وہ دونوں بالغ ہو گئیں، آپ نے اپنی انگلیوں کو ملا کر فرمایا قیامت کے دن میں اور وہ اس طرح ہوں گے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۳۱)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کی تین بیٹیاں ہوں اور وہ ان پر صبر کرے، ان کو کھلائے اور پلائے اور ان کو اپنی کمائی سے کپڑے پہنائے تو وہ لڑکیاں اس کے لیے دوزخ کی آگ سے حجاب بن جائیں گی۔

(مسند احمد رقم الحدیث: ۱۷۵۳۸، الادب المفرد رقم الحدیث: ۷۶، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۶۹، مسند احمد ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۱۷۶۴)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کی ایک بیٹی ہو وہ اس کو ادب سکھائے اور اچھا ادب سکھائے، اور اس کو تعلیم دے اور اچھی تعلیم دے، اور اللہ تعالیٰ نے اس کو جو نعمتیں دی ہیں ان نعمتوں میں سے اس کو بھی دے تو اس کی وہ بیٹی دوزخ کی آگ سے ستر اور حجاب ہو جائے گی۔

(حلیۃ الاولیاء ج ۵ ص ۵۷، طبع قدیم، حلیۃ الاولیاء رقم الحدیث: ۶۳۴۸، طبع جدید، تنزیہ الشریعہ رقم الحدیث: ۲۰۱۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۴۵۳۹۱)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص ان بیٹیوں کی پرورش میں مبتلا ہوا، اس کا مطلب ہے بیٹی کی پرورش بلا اور مصیبت ہے، یہ اس وقت درست ہو گا جب کوئی شخص بیٹیوں کی پرورش کراہت کے ساتھ کرے تب ہی ان کی پرورش اس کے لیے بلا اور مصیبت ہو گی، کیونکہ جو محبت سے ان کی پرورش کرے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرے اس کے لیے ان کی پرورش نعمت ہو گی نہ کہ بلا، اس کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ عام طور پر بیٹیوں کو بلا اور مصیبت سمجھا جاتا ہے اس وجہ سے آپ نے فرمایا جو شخص ان کی پرورش میں مبتلا ہوا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لائے ان ہی کی بری صفات ہیں اور اللہ کی بہت بلند صفات ہیں اور وہی بہت غلبہ والا بڑی حکمت والا ہے ○ (النحل: ۶۰)

اللہ تعالیٰ کے لیے اچھی صفات کا معنی اور اللہ کے اسماء کا توقیفی ہونا

جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے اس سے مراد وہ کافر ہیں جو کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں، پھر فرمایا ان ہی کی بری صفات ہیں، یعنی یہ لوگ جاہل اور کافر ہیں، جاہل اس لیے کہ یہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد نہیں ہو سکتی کیونکہ اولاد والد کی جنس سے ہوتی ہے اللہ تعالیٰ واجب اور قدیم ہے اور اس کی اولاد واجب اور قدیم نہیں ہو سکتی کیونکہ اولاد والد سے متاخر ہوتی ہے اور والد کے بعد حادث اور ممکن ہوتی ہے اور جو کسی سے متاخر ہو اور ممکن اور حادث ہو وہ واجب اور قدیم نہیں ہو سکتا، جب کہ اگر اللہ کی اولاد ہوتی تو اس کا واجب اور قدیم ہونا ضروری تھا کیونکہ اولاد والد کی جنس سے ہوتی ہے، اور وہ کافر اس لیے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف بیٹیوں کی نسبت کرنا کفر ہے، اور بری صفت کا ایک معنی یہ ہے کہ ان کے لیے آخرت میں دوزخ کا عذاب ہو گا۔ اور فرمایا اللہ کی بہت بلند مثالیں ہیں، یعنی بہت بلند صفات ہیں، جیسے قرآن مجید میں ہے:

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ (النور: ۳۵)
اللہ آسمانوں اور زمینوں کو منور کرنے والا ہے۔

اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ۔ (الحشر: ۲۳)
بادشاہ ہے، ہر عیب سے پاک ہے، ہر نقص سے سلامت ہے، امان دینے والا، نگہبان، بہت غالب، نہایت عظمت والا، سب پر بڑائی رکھنے والا۔

هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى۔ (الحشر: ۲۴)
وہی ہے اللہ، پیدا کرنے والا، ایجاد کرنے والا، صورت بنانے والا، سب اچھے نام اسی کے لیے ہیں۔

یہاں پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ۔ (النحل: ۷۴)
سو تم اللہ کے لیے مثالیں نہ بیان کرو۔

زیر تفسیر آیت میں فرمایا ہے اللہ کے لیے بلند مثالیں ہیں اور اس آیت میں مثالیں بیان کرنے سے منع فرمایا ہے، اس کا ایک جواب یہ ہے کہ اللہ کی ایسی مثالیں بیان نہ کرو جو نقص اور عیب کی موجب یا موہم ہوں اور ایسی صفات یا مثالیں بیان کرو جن کی مخلوق میں کسی کے ساتھ مشابہت نہ ہو، دوسرا جواب یہ ہے کہ تم از خود اللہ کی کوئی مثال یا صفت بیان نہ کرو، اللہ تعالیٰ نے جو خود اپنی مثالیں یا صفات بیان کی ہیں صرف ان ہی پر اکتفا کرو، اس آیت سے بھی اس نظریہ کی تائید ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء سماع شرع پر موقوف ہیں، قرآن اور حدیث میں جن اسماء کا اللہ تعالیٰ پر اطلاق آیا ہے، اللہ تعالیٰ پر صرف ان ہی کا اطلاق جائز ہے اور اپنی عقل سے اللہ تعالیٰ پر کسی صفت یا کسی مثال کا اطلاق جائز نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کو علام کہنا جائز ہے علامہ کہنا جائز نہیں ہے، بعض پڑھے لکھے لوگ بھی اللہ میاں کہتے ہیں یہ جائز نہیں ہے، اللہ تعالیٰ یا اللہ عزوجل کہنا چاہیے۔

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ

اور اگر اللہ لوگوں کے ظلم کی بناء پر ان کی گرفت فرماتا تو روئے زمین پر کسی جاندار کو نہ

دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ

چھوڑتا، لیکن وہ ان کو معین مدت تک ڈھیل دیتا ہے، سو جب ان کا معین وقت آ جائے گا تو

لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُونَ ﴿٦١﴾ وَيَجْعَلُونَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُونَ

وہ نہ ایک لمحہ پیچھے ہو سکیں گے نہ ایک لمحہ آگے بڑھ سکیں گے ○ اور وہ اللہ کے لیے ان چیزوں کو تجویز کرتے ہیں

وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى ؕ لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ

جن کو وہ خود اپنے لیے ناپسند کرتے ہیں، اور ان کی زبانیں جھوٹ کہتی ہیں کہ ان کے لیے بھلائی ہے، بے شک ان کے لیے دوزخ

مُّفْرَطُونَ ﴿٦٢﴾ تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ

کی آگ ہے اور وہ (اس میں) سب سے پہلے بھیجے جائیں گے ○ اللہ کی قسم! ہم نے آپ سے پہلے (بھی) کئی امتوں کی طرف رسول بھیجے، پس شیطان نے

اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٦٣﴾ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ

ان کے اعمال کو مزین کر دیا سو آج وہی ان کا دوست ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے ○ اور ہم نے آپ پر یہ کتاب صرف اس

الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ

لیے نازل کی ہے تاکہ آپ اس چیز کو صاف بیان کر دیں جس میں یہ اختلاف کرتے ہیں اور (یہ کتاب) مومنوں کے لیے

يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٦٤﴾ وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ

ہدایت اور رحمت ہے ○ اور اللہ نے آسمان سے پانی برسایا، پھر اس پانی سے زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد

مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿٦٥﴾ وَاِنَّ لَكُمْ فِي

زندہ کیا، بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے ضرور نشانی ہے جو (غور سے) سنتے ہیں ○ اور بے شک مویشیوں میں

الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهِ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ

بھی تمہارے لیے غور کا مقام ہے، ہم تمہیں اس چیز سے پلاتے ہیں جو ان کے پیٹوں میں گوبر اور خون کے درمیان ہے

لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿٦٦﴾ وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ

اور وہ خالص دودھ ہے جو پینے والوں کے لیے خوش گوار ہے ○ اور ہم تمہیں کھجوروں اور انگوروں کے پھلوں سے پلاتے ہیں

تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ

تم ان سے میٹھے مشروبات تیار کرتے ہو، اور عمدہ رزق، بے شک اس میں عقل والوں کے لیے ضرور

يَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۶۷﴾ وَاَوۡحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحۡلِ اَنِ اتَّخِذِىۡ مِنَ الۡجِبَالِ

نشانی ہے ○ اور تیرے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں ڈالا کہ وہ پہاڑوں میں، اور

بُيُوۡتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعۡرِشُوۡنَ ﴿۶۸﴾ ثُمَّ كُلِىۡ مِنۡ كُلِّ الثَّمَرٰتِ

درختوں میں اور اونچے چھپروں میں گھر بنائے ○ پھر تو ہر قسم کے پھلوں سے رس چوس،

فَاسۡلُكِىۡ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ‌ؕ يَخۡرُجُ مِنۡۢ بُطُوۡنِهَا شَرَابٌ مُّخۡتَلِفٌ

پھر اپنے رب کے بنائے ہوئے آسان راستوں پر چلتی رہ، ان کے پیٹوں سے رنگ برنگ کے مشروب نکلتے

اَلۡوَانُهٗ فِيۡهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ‌ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوۡمٍ

ہیں، اس مشروب (شہد) میں لوگوں کے لیے شفاء ہے، بے شک اس میں غور و فکر کرنے والوں کے لیے

يَّتَفَكَّرُوۡنَ ﴿۶۹﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمۡ ثُمَّ يَتَوَفّٰٮكُمۡ‌ ۛ وَمِنۡكُمۡ مَّنۡ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرۡذَلِ

ضرور نشانی ہے ○ اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا پھر وہی تم کو وفات دے گا، اور تم میں سے بعض کو ناکارہ عمر کی طرف لوٹا

الۡعُمُرِ لِكَىۡ لَا يَعۡلَمَ بَعۡدَ عِلۡمٍ شَيۡــئًا‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌ قَدِيۡرٌ ﴿۷۰﴾

دیا جاتا ہے تاکہ انجام کار وہ حصول علم کے بعد کچھ بھی نہ جان سکے، بے شک اللہ نہایت علم والا بے حد قدرت والا ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر اللہ لوگوں کے ظلم کی بناء پر ان کی گرفت فرماتا تو روئے زمین پر کسی جاندار کو نہ چھوڑتا، لیکن وہ ان کو معین مدت تک ڈھیل دیتا ہے، سو جب ان کا معین وقت آجائے گا تو نہ وہ ایک لمحہ پیچھے ہو سکیں گے نہ ایک لمحہ آگے بڑھ سکیں گے ○ (النحل: ۶۱)

اس سوال کا جواب کہ سب لوگ ظلم کرتے ہیں

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کا نہایت قبیح کفر بیان فرمایا تھا کہ وہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے، اب یہاں یہ سوال ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو فوری عذاب کیوں نہیں دیا، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ ان پر فوری عذاب نازل نہیں فرماتا اور ان کو ڈھیل دیتا ہے تاکہ اس کی رحمت اور اس کے فضل و کرم کا اظہار ہو، اور اگر وہ لوگوں کے ظلم کی بناء پر ان کی فوراً گرفت فرماتا تو روئے زمین پر کوئی جاندار باقی نہ رہتا۔

اس آیت میں ظلم سے مراد اللہ کی نافرمانی اور گناہ ہے، اور بہ ظاہر اس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ سب لوگ اللہ کی نافرمانی اور گناہ کرتے ہیں حالانکہ سب لوگوں میں تو انبیاء علیہم السلام اور رسل کرام بھی ہیں اس وہم کا ازالہ یہ ہے کہ خود قرآن عظیم سے ثابت ہے کہ تمام لوگ نافرمان اور گنہگار نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ثُمَّ اَوۡرَثۡنَا الۡـكِتٰبَ الَّذِيۡنَ اصۡطَفَيۡنَا مِنۡ — پھر ہم نے اس کتاب کا وارث ان لوگوں کو بنایا جن کو ہم نے

عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ○ (فاطر: ۳۲)

اپنے بندوں میں سے چن لیا تھا' ان میں سے بعض اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہیں اور ان میں سے بعض معتدل ہیں اور ان میں سے بعض نیک کاموں میں سبقت لے جانے والے ہیں اللہ کے اذن سے' یہی بہت بڑا فضل ہے۔

اس آیت سے واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کے تمام بندے ظالم اور گنہگار نہیں ہیں' بعض معتدل ہیں یعنی وہ نیکی کرنے والے ہیں اور کبھی بشری کمزوری سے کوئی گناہ ہو جائے تو اس پر فوراً توبہ کر لیتے ہیں اور بعض وہ ہیں جو بڑھ چڑھ کر نیکی کرنے والے ہیں۔

اس سوال کا جواب کہ غیر ظالموں کو ہلاک کرنا عدل کے خلاف ہے

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس آیت کا ظاہر معنی یہ ہے کہ لوگوں کا ظلم اس بات کو واجب کرتا ہے کہ روئے زمین کے تمام جانداروں کو ہلاک کر دیا جائے اور یہ اللہ تعالیٰ کی شان سے بعید ہے کیونکہ جانداروں میں ایسے بھی ہیں جنہوں نے کوئی گناہ نہیں کیا' اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کے کفر اور معصیت کی وجہ سے ان پر گرفت فرماتا تو ان کو فوراً ہلاک کر دیتا اور پھر ان کی نسل وجود میں نہ آتی اور یہ بات بدیہی ہے کہ ہر شخص کے آباء واجداد میں ایسے لوگ ضرور گزرے ہیں جو عذاب کے مستحق تھے اور جب وہ لوگ ہلاک کر دیے جاتے تو ان کی نسل آگے نہ چلتی اور اس سے لازم یہ آتا کہ دنیا میں کوئی آدمی بھی نہ ہوتا اور جب دنیا میں انسان نہ ہوتے تو پھر جانور بھی نہ ہوتے' کیونکہ جانوروں کو انسانوں کے فائدے کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔

(۲) جب لوگ کفر اور معصیت کرتے تو اللہ تعالیٰ سب انسانوں اور جانوروں کو ہلاک کر دیتا اور ظالموں کے حق میں یہ ہلاکت عذاب ہوتی اور غیر ظالموں کے حق میں یہ ہلاکت امتحان ہوتی اور ان کو اس پر آخرت میں اجر ملتا۔

(۳) احادیث سے یہ ثابت ہے کہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ لوگوں کو بالعموم ہلاک کر دے گا ان میں صالحین بھی ہوں گے اور فاسقین بھی' وہ احادیث حسب ذیل ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو عذاب دیتا ہے تو جو لوگ بھی اس قوم میں ہوں ان سب کو عذاب پہنچتا ہے' پھر ان سب کا ان سب کے اعمال کے حساب سے حشر کیا جائے گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۱۰۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۷۹)

حافظ احمد بن علی ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

اس قوم کے ہر فرد کو اس کے عمل کے اعتبار سے اٹھایا جائے گا اگر اس کے اعمال نیک ہوں تو اس کی عاقبت اچھی ہو گی اور اگر اس کے اعمال برے ہوں تو اس کی عاقبت خراب ہو گی' اور نیک لوگوں کے لیے یہ عذاب طہارت کا باعث ہو گا اور فاسقوں کے لیے عذاب بطور سزا ہو گا' اور صحیح ابن حبان میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب ظالموں کی وجہ سے اللہ اپنا عذاب نازل فرماتا ہے اور اس قوم میں نیک لوگ بھی ہوتے ہیں تو ان کی روحیں بھی قبض کر لی جاتی ہیں پھر ان کو ان کی نیات اور اعمال کے اعتبار سے اٹھایا جاتا ہے' اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے جب کسی علاقہ میں برائی کا غلبہ ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس علاقہ کے لوگوں پر اپنا عذاب نازل فرماتا ہے

آپ سے کہا گیا یا رسول اللہ ان میں تو اللہ کے اطاعت گزار بندے بھی ہوتے ہوں گے آپ نے فرمایا ہاں پھر ان کو (قیامت کے دن) اللہ تعالیٰ کی رحمت کی طرف اٹھایا جائے گا' علامہ ابن بطال نے کہا یہ حدیث حضرت زینب بنت جحش کی حدیث کی وضاحت کر دیتی ہے' انہوں نے کہا یا رسول اللہ! کیا ہم ہلاک کر دیئے جائیں گے حالانکہ ہم میں نیک لوگ بھی ہوں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں جب گناہوں کی کثرت ہو جائے گی! پس جب برائیوں کا ظہور ہو گا اور سر عام گناہ ہونے لگیں گے تو تمام لوگوں کو ہلاک کر دیا جائے گا' میں کہتا ہوں کہ اس کے مناسب یہ حدیث ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب لوگ کسی برائی کو دیکھیں اور اس کو مٹانے کی کوشش نہ کریں تو عنقریب اللہ ان سب پر عذاب لے آئے گا یہ حدیث سنن ابوداؤد' سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ میں ہے اور ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ اس باب میں حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث اور حضرت زینب بنت جحش کی حدیث ایک دوسرے کے مناسب ہیں اور ان کا معنی یہ ہے کہ نیکوکار اور گنہگار دونوں ہلاک کیے جائیں گے' اور حضرت ابن عمر کی حدیث میں یہ اضافہ ہے کہ نیکوکار کو جب قیامت کے دن اٹھایا جائے گا تو اس کو اس کے نیک اعمال کی جزا ملے گی' اور اس کی مثل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تعجب ہے کہ میری امت کے کچھ لوگ بیت اللہ (پر حملہ) کا قصد کریں گے' حتیٰ کہ جب وہ مقام بیداء پر پہنچیں گے تو ان کو زمین میں دھنسا دیا جائے گا' ہم نے کہا یا رسول اللہ! اس راستہ میں سب لوگ جمع ہوں گے' آپ نے فرمایا ہاں ان میں قصداً جانے والے بھی ہوں گے' اور جبراً جانے والے بھی ہوں گے اور مسافر بھی ہوں گے' ان سب کو یکبارگی ہلاک کر دیا جائے گا اور قیامت کے دن وہ مختلف جگہوں سے اٹھائے جائیں گے' اللہ تعالیٰ ان کو ان کی نیات کے اعتبار سے اٹھائے گا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۸۴)

نیز امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ حارث بن ابی ربیعہ اور عبداللہ بن صفوان حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور یہ زمانہ وہ تھا جب حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما سے یزید کی جنگ ہو رہی تھی' حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص بیت اللہ کی پناہ میں ہو گا اس کی طرف ایک لشکر بھیجا جائے گا' پس جب وہ مقام بیداء پر ہوں گے تو ان کو زمین میں دھنسا دیا جائے گا' حضرت ام سلمہ نے کہا یا رسول اللہ جس شخص کو وہاں جبراً بھیجا جائے گا اس کو کیوں زمین میں دھنسا دیا جائے گا؟ آپ نے فرمایا اس کو بھی زمین میں دھنسا دیا جائے گا لیکن قیامت کے دن اس کو اس کی نیت کے اعتبار سے اٹھایا جائے گا' (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۸۲) اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہر بندہ کو اس نیت پر اٹھایا جائے گا جس نیت پر وہ مرا تھا' (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۷۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۳۰) اور الداؤدی نے کہا ہے کہ حضرت ابن عمر کی حدیث کا معنی یہ ہے کہ جن امتوں کو ان کے کفر پر عذاب دیا جائے گا' وہ عذاب ان پر' ان کے بازار والوں پر اور جو ان میں سے نہیں تھے ان سب پر آئے گا' پھر ان کے اعمال کے اعتبار سے ان کا حشر کیا جائے گا' اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو عذاب دینے کا ارادہ کرتا ہے تو پندرہ سال کے لیے ان کی عورتوں کو بانجھ کر دیتا ہے' تاکہ ان بچوں پر وہ عذاب نہ آئے جن سے قلم تکلیف اٹھا لیا گیا ہے' (حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:) اس توجیہ کی کوئی بنیاد نہیں ہے' اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث اس کو مسترد کرتی ہے' اور یہ مشاہدہ کیا گیا ہے کہ جہاز مردوں اور عورتوں اور بچوں سے بھرا ہوا ہوتا ہے' اور وہ پورا جہاز غرق ہو جاتا ہے اور سب ہلاک ہو جاتے ہیں (آج کل ہوائی جہاز کے حادثات میں ایسا بہ کثرت ہوتا ہے) اسی طرح بہت بڑی حویلی جل جاتی ہے' اور کسی قافلہ پر ڈاکو حملہ کرتے ہیں اور تمام قافلے والوں کو مار دیتے ہیں' اسی طرح بعض

مسلمانوں کے شہروں پر کفار حملہ کرتے ہیں اور شہر والوں کا قتل عام کرتے ہیں اور قدیم زمانہ میں خوارج نے مسلمانوں کو تہ تیغ کیا اور قرامطہ نے اور ان کے بعد چنگیز خان، اور ہلاکو اور تاتاریوں نے بکثرت مسلمانوں کو قتل کیا اور ان میں بہت لوگ بے قصور اور بے گناہ تھے اور بچے بھی تھے۔ خلاصہ یہ ہے اگر بہت لوگ مرنے میں مشترک ہوں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ثواب یا عذاب میں بھی مشترک ہوں اور ابن ابی جمرہ کا اس طرف میلان ہے کہ اگر ظالموں کے ساتھ غیر ظالم بھی ہلاک کیے جائیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ غیر ظالموں نے نیکی کا حکم نہیں دیا تھا اور برائی سے منع نہیں کیا تھا، لیکن جن لوگوں نے نیکی کا حکم دیا اور برائی سے منع کیا وہ برحق مومن ہیں اللہ تعالیٰ ان پر عذاب نہیں بھیجتا بلکہ ان کی وجہ سے عذاب کے مستحق لوگوں سے بھی عذاب دور کر دیتا ہے، اور اس کی تائید میں قرآن مجید کی حسب ذیل آیات ہیں:

وَلَوۡلَا دَفۡعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعۡضَهُمۡ بِبَعۡضٍ لَّفَسَدَتِ الۡاَرۡضُ۔ (البقرہ: ۲۵۱)

اور اگر اللہ بعض لوگوں (کے عذاب) کو بعض (نیک) لوگوں کے سبب سے دور نہ فرماتا تو ضرور زمین تباہ ہو جاتی۔

وَمَا كُنَّا مُهۡلِكِى الۡقُرٰٓى اِلَّا وَاَهۡلُهَا ظٰلِمُوۡنَ○ (القصص: ۵۹)

اور ہم بستیوں کو اسی وقت ہلاک کرتے ہیں جب ان میں رہنے والے ظالم ہوں۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمۡ وَاَنۡتَ فِيۡهِمۡ‌ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمۡ وَهُمۡ يَسۡتَغۡفِرُوۡنَ○ (الانفال: ۳۳)

اور اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ ان کو عذاب دے حالانکہ آپ ان میں موجود ہیں، اور نہ اللہ انہیں عذاب دینے والا ہے جب کہ وہ مغفرت طلب کر رہے ہوں۔

اگر غیر ظالم، نیکی کا حکم نہ دے اور برائی سے منع نہ کرے تو وہ بھی ظالموں کے حکم میں ہے اس پر دلیل یہ آیت ہے:

اِذَا سَمِعۡتُمۡ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكۡفَرُ بِهَا وَيُسۡتَهۡزَاُ بِهَا فَلَا تَقۡعُدُوۡا مَعَهُمۡ حَتّٰى يَخُوۡضُوۡا فِىۡ حَدِيۡثٍ غَيۡرِهٖۤ ‌ۖ اِنَّكُمۡ اِذًا مِّثۡلُهُمۡ۔ (النساء: ۱۴۰)

جب تم سنو کہ اللہ کی آیات کا انکار کیا جا رہا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے تو ان کے ساتھ مت بیٹھو، حتیٰ کہ وہ دوسری کسی بات میں مشغول ہو جائیں، ورنہ بلاشبہ اس وقت تم بھی ان ہی کی مثل ہو جاؤ گے۔

اور اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کافروں اور ظالموں کی مجلس سے اٹھ جانا چاہیے، کیونکہ ان کے ساتھ بیٹھنے میں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے، یہ اس وقت ہے کہ جب وہ ان کی مدد نہ کرے اور ان کے کاموں سے راضی نہ ہو اور اگر اس نے ان کی مدد کی اور ان کے کاموں سے راضی ہوا تو پھر اس کا شمار ان ہی لوگوں میں سے ہوگا، اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت تیزی کے ساتھ دیار ثمود سے نکلنے کا حکم دیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب غیر ظالم، ظالموں کے ساتھ ہلاک کیے جائیں تو ان کو ان کی نیتوں پر اٹھایا جائے گا تو یہ اللہ تعالیٰ کا عادلانہ حکم ہے کیونکہ ان کے نیک کاموں کی جزا صرف آخرت میں دی جائے گی اور دنیا میں ان پر جو مصیبت آئی وہ ان کے سابقہ گناہوں کے لیے کفارہ ہو جائے گی، پس دنیا میں جو عذاب ظالموں پر بھیجا گیا اس میں ان کے ساتھ غیر ظالم بھی شریک ہوں گے جنہوں نے ان کے ظلم اور برے کاموں پر انکار نہیں کیا تھا اور یہ ان کی مداہنت کی سزا ہے، پھر قیامت کے دن ہر شخص کو اٹھایا جائے گا اور اس کو اس کے اعمال کی سزا ملے گی، اور اس حدیث میں ان لوگوں کے لیے سخت وعید اور تہدید ہے جو ظلم اور برے کاموں کو دیکھ کر خاموش رہتے ہیں تو ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جو مداہنت کرتے ہیں یعنی ظالموں کے ساتھ نرم رویہ رکھتے ہیں اور ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جو ظالموں سے راضی رہتے ہیں، اور ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جو ظلم پر معاونت کرتے ہیں، ہم اللہ تعالیٰ سے ان

امور سے سلامتی کا سوال کرتے ہیں۔ (حافظ عسقلانی فرماتے ہیں:) میں کہتا ہوں کہ ابن ابی جمرہ کے کلام کا تقاضا یہ ہے کہ گنہگاروں کے جرائم کی وجہ سے ان پر جو عذاب آئے گا وہ عذاب نیکو کاروں پر نہیں آئے گا، علامہ قرطبی نے التذکرہ میں اسی طرف میلان کیا ہے اور ہم نے جو اس بحث میں لکھا ہے کہ ان پر بھی (بعض اوقات) عذاب آئے گا وہ ظاہر حدیث کے زیادہ مشابہ ہے اور قاضی ابن العربی کا بھی اسی طرف رجحان ہے، حضرت زینب بنت جحش کی حدیث: کیا ہم ہلاک ہو جائیں گے حالانکہ ہم میں نیک لوگ ہوں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں جب خبث اور برائی بہ کثرت ہوگی، اس حدیث میں ہم اس مسئلہ پر مزید گفتگو کریں گے۔ (فتح الباری ج ۱۳ ص ۶۱-۶۰، مطبوعہ لاہور، ۱۴۰۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی جس حدیث کا ذکر کیا ہے وہ یہ ہے:

حضرت زینب بن جحش رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک دن ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھبرائے ہوئے آئے، آپ فرما رہے تھے لا الہ الا اللہ، عرب کو اس شر سے ہلاکت ہو جو قریب آپہنچا ہے، یاجوج اور ماجوج کی دیوار میں اتنا سوراخ ہو گیا ہے، پھر آپ نے اپنی انگلی اور انگوٹھے کا حلقہ بنا کر دکھایا، حضرت زینب بنت جحش کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ہم ہلاک ہو جائیں گے خواہ ہمارے درمیان نیک لوگ بھی ہوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں جب خبث بہت زیادہ ہو جائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۴۶، ۷۱۳۵، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۸۰، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۸۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۵۳)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے جس مزید گفتگو کا کہا تھا وہ یہ ہے:

علماء نے خبث کی تفسیر زنا، اولاد زنا اور فسق و فجور کے ساتھ کی ہے اور فسق و فجور مراد لینا اولیٰ ہے کیونکہ یہ صلاح اور نیکی کے مقابلہ میں ہے، قاضی ابن العربی نے کہا کہ اس حدیث میں یہ بیان ہے کہ بدکار لوگوں کے ساتھ نیک لوگ بھی ہلاک ہو جائیں گے جب وہ فسق و فجور کو مٹانے کی کوشش نہیں کریں گے، اور اسی طرح نیک لوگ اس وقت بھی ہلاک ہو جائیں گے جب وہ فسق و فجور کو مٹانے کی کوشش کریں لیکن اس کا فائدہ نہ ہو اور بدکار لوگ اپنے فسق و فجور پر قائم رہیں اور ان کا فسق و فجور عام ہو جائے اور کثرت سے پھیل جائے اس وقت سب لوگ ہلاک ہو جائیں گے خواہ قلیل ہوں یا کثیر، اور ہر شخص کا حشر اس کی نیت کے اعتبار سے ہوگا اور یہ اللہ تعالیٰ کا عادلانہ اور حکیمانہ فیصلہ ہے۔ (عارضۃ الاحوذی ج ۹ ص ۲۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ) حضرت زینب بنت جحش نے یہ سوال اس لیے کیا کہ انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ یاجوج ماجوج کی دیوار کا سوراخ اتنا بڑا ہو گیا کہ وہ اس سوراخ سے باہر آسکیں گے اور ان کو یہ علم تھا کہ جب یاجوج ماجوج باہر نکل آئیں گے تو وہ لوگوں کا قتل عام شروع کر دیں گے۔ (فتح الباری ج ۱۳ ص ۱۰۹، مطبوعہ لاہور، ۱۴۰۱ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ گنہگار لوگوں کو بالعموم ہلاک کر دے گا اور اس کی لپیٹ میں نیک لوگ بھی آ جائیں گے اس سلسلہ میں ایک اور حدیث یہ ہے:

(۴) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس آیت کو پڑھ کر فرمایا اگر اللہ تعالیٰ گنہگاروں کے گناہ کی وجہ سے مخلوق پر گرفت فرماتا تو اس کا عذاب ساری مخلوق کو پہنچتا حتیٰ کہ بلوں اور سوراخوں میں کیڑوں مکوڑوں کو بھی عذاب پہنچتا اور آسمان سے بارش کو روک لیتا اور زمین سے کچھ پیدا نہ ہوتا، اور تمام جاندار مرجاتے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے عفو، درگزر اور فضل و کرم سے کام لیتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ — اور تم کو جو مصیبت بھی پہنچتی ہے وہ تمہارے ہاتھوں کے

اَيۡدِيۡكُمۡ وَيَعۡفُوۡا عَنۡ كَثِيۡرٍ ۝ کرتوتوں کی وجہ سے پہنچتی ہے اور تمہاری بہت سی خطاؤں کو تو

(الشوریٰ: ۳۰) وہ معاف کر دیتا ہے ۝

(۵) اس بحث میں ہمیں قرآن مجید کی اس آیت کو بھی ذہن میں رکھنا چاہیے:

لَا يُسۡـَٔلُ عَمَّا يَفۡعَلُ وَهُمۡ يُسۡـَٔلُوۡنَ ۝ اللہ جو کچھ کرتا ہے اس کے متعلق اس سے سوال نہیں کیا

(الانبیاء: ۲۳) جائے گا اور ان سے سوال کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ مالک علی الاطلاق ہے اور تمام مخلوق اس کی مملوک ہے اور مالک اپنی ملکیت میں جو چاہے تصرف کرے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ اللہ کے لیے ان چیزوں کو تجویز کرتے ہیں جن کو وہ خود اپنے لیے ناپسند کرتے ہیں' اور ان کی زبانیں جھوٹ کہتی ہیں کہ ان کے لیے بھلائی ہے' بے شک ان کے لیے دوزخ کی آگ ہے اور وہ (اس میں) سب سے پہلے بھیجے جائیں گے ۝ (النحل: ۶۲)

"اور وہ اللہ کے لیے ان چیزوں کو تجویز کرتے ہیں جن کو وہ خود اپنے لیے ناپسند کرتے ہیں۔" اس سے مراد ان کے وہ فاسد اور بے ہودہ اقوال ہیں کہ وہ اللہ کی طرف بیٹیوں کی نسبت کرتے تھے اور کہتے تھے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔

"اور ان کی زبانیں جھوٹ کہتی ہیں کہ ان کے لیے بھلائی ہے" بھلائی کی تفسیر میں کئی قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد بیٹے ہیں وہ کہتے تھے کہ اللہ کی بیٹیاں ہیں اور ہمارے بیٹے ہیں' دوسرا قول یہ ہے کہ وہ اپنے کفر' شرک اور فاسد اقوال کے باوجود یہ کہتے تھے کہ ہمارا دین برحق ہے اور اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہے' تیسرا قول یہ ہے کہ وہ یہ کہتے تھے کہ ہم کو آخرت میں ثواب ہوگا اور جنت ملے گی' اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ کفار مکہ قیامت اور آخرت کے قائل نہیں تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ مشرکین کی ایک جماعت آخرت اور حشر کی قائل تھی۔ (زاد المسیر ج ۴ ص ۴۶۰)

"مُفرطون" کا معنی

"بے شک ان کے لیے دوزخ کی آگ ہے اور وہ اس میں سب سے پہلے بھیجے جائیں گے۔"

اس آیت میں مفرطون کا لفظ ہے اور یہ لفظ فرط سے بنا ہے' علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ اس کے معنی میں لکھتے ہیں:

جب کوئی شخص اپنے قصد اور ارادہ سے پہلے یا آگے پہنچے تو فرط کہتے ہیں اور رفارط اس شخص کو کہتے ہیں جو کنویں کے ڈول کی اصلاح کے لیے کنویں پر پہلے پہنچ جائے! بچہ کی نماز جنازہ میں یہ دعا ہے:

اللھم اجعلہ لنا فرطا۔ اے اللہ اس کو ہمارا پیش رو بنا دے۔

(سنن بیہقی ج ۴ ص ۱۰-۹)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انا فرطکم علی الحوض۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۷۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۹۷) میں حوض کوثر پر تمہارا پیش رو ہوں گا۔

(المفردات ج ۲ ص ۴۸۷' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

امام عبد الرحمان علی بن محمد الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

مفرطون "ر" کی زبر اور "ر" کی زیر دونوں سے پڑھا گیا ہے اور اکثر کی قرأت "ر" کی زبر ہے' اس صورت میں اس

کے معنی میں دو قول ہیں: حضرت ابن عباس اور فراء نے یہ کہا کہ انہیں دوزخ کی آگ میں ڈال کر بھلا دیا جائے گا' اور حضرت ابن عباس کا دوسرا قول ہے' کہ انہیں دوزخ میں جلدی ڈال دیا جائے گا' ابن قتیبہ نے بھی یہی کہا ہے' اور زجاج نے کہا لغت میں فرط کا معنی ہے متقدم' پس مفرطون کا معنی ہے وہ دوزخ میں سب سے پہلے بھیجے جائیں گے اور جنہوں نے مفرطون کی یہ تفسیر کی ہے کہ ان کو دوزخ میں چھوڑ دیا جائے گا ان کی بھی یہی مراد ہے یعنی ان کو سب سے پہلے دوزخ میں ڈالا جائے گا پھر ان کو دائمی عذاب میں چھوڑ دیا جائے گا۔

ابو عمر' کسائی اور قتیبہ نے مفرطون کو "ر" کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے زجاج نے کہا اس کا معنی ہے انہوں نے اللہ کی معصیت میں افراط کیا یعنی بہت زیادہ معصیت کی' اور ابو جعفر اور ابن ابی عبلہ نے اس کو "ف" کی زبر اور "ر" کی تشدید اور زیر کے ساتھ پڑھا' زجاج نے کہا اس کا معنی ہے انہوں نے دنیا میں تفریط کی اور آخرت کے لیے عمل نہیں کیا اس کی تصدیق اس آیت میں ہے:

أَنْ تَقُولَ نَفْسٌ يَٰحَسْرَتَىٰ عَلَىٰ مَا فَرَّطْتُ فِي جَنْبِ اللَّهِ۔ (الزمر: ۵۶) — کوئی شخص کہے ہائے افسوس ان کوتاہیوں پر جو میں نے اللہ کے متعلق کیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ کی قسم! ہم نے آپ سے پہلے (بھی) کئی امتوں کی طرف رسول بھیجے' پس شیطان نے ان کے اعمال کو مزین کر دیا سو آج وہی ان کا دوست ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے ○ (النحل: ۶۳)

یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے قائم مقام ہے' کیونکہ کفار مکہ کے شرک اور کفر اور ان کی جاہلانہ باتوں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو غم ہوتا تھا' اس آیت میں فرمایا ہے سو آج وہی ان کا دوست ہے' اس سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ہے یعنی کفار مکہ کو جو شیطان گمراہ کر رہا ہے اور ان کو آپ سے دور کر رہا ہے' جیسا کہ آپ سے پہلے پچھلی امتوں کے زمانہ میں شیطان ان امتوں کو گمراہ کرتا تھا اور ان امتوں کو ان کے رسولوں سے دور کرتا تھا' اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ یوم سے مراد یوم قیامت ہے یعنی قیامت کے دن شیطان کافروں کا دوست ہوگا' اور قیامت کے دن پر الیوم کا اطلاق اس لیے کیا ہے کہ اس پر یوم کا اطلاق بہت مشہور ہے اور اس سے مقصود یہ ہے کہ قیامت کے دن کفار کا کوئی دوست اور مددگار نہیں ہوگا' کیونکہ جب کفار قیامت کے دن عذاب کو دیکھیں گے پھر شیطان کو بھی اسی عذاب میں مبتلا دیکھیں گے اور اس وقت ان کو یقین ہو جائے گا کہ ان کے لیے عذاب سے نجات کی کوئی صورت نہیں ہے جس طرح شیطان کے لیے بھی عذاب سے نجات کی کوئی صورت نہیں ہے اس وقت بطور زجر و توبیخ اور بطور طنز اور استہزاء ان سے کہا جائے گا آج کے دن تمہارا یہی دوست اور کارساز ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے آپ پر یہ کتاب صرف اس لیے نازل کی ہے تاکہ آپ اس چیز کو صاف بیان کر دیں جس میں یہ اختلاف کرتے ہیں اور (یہ کتاب) مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے ○ (النحل: ۶۴)

کفار کے مختلف نظریات کا بطلان

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے لیے وعید شدید بیان کی تھی اور اس آیت میں ان پر ایک بار پھر حجت قائم کی ہے' اور ان کے شبہات کو زائل کیا ہے۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ بعثت میں لوگ مختلف دینوں اور ملتوں کے پیروکار تھے' اور لوگوں نے اپنی خواہشوں سے مختلف دین گھڑ لیے تھے' یہودی حضرت عزیر کو خدا کا بیٹا کہتے تھے' عیسائی حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا کہتے تھے'

کفار مکہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے، بعض مشرکین بتوں کی پرستش کرتے تھے اور ان کو اللہ کی بارگاہ میں سفارشی کہتے تھے، بعض قیامت کا انکار کرتے تھے اور بعض مشرکوں نے خود ساختہ احکام بنا رکھے تھے وہ حرام کو حلال اور حلال کو حرام کہتے تھے، کیونکہ وہ مردار جانور کو حلال کہتے تھے اور جن حلال جانوروں کو وہ بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے ان کو حرام کہتے تھے، ان مختلف نظریات میں وہ ایک دوسرے سے بحث کرتے تھے اور جھگڑتے تھے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم نے آپ پر یہ کتاب صرف اس لیے نازل کی ہے تاکہ آپ اس چیز کو صاف بیان کر دیں جن میں یہ جھگڑتے ہیں، سو آپ نے قرآن مجید کی روشنی میں ان کو صاف بتا دیا کہ اللہ کا کوئی بیٹا ہے نہ بیٹی ہے، نہ اس کی بیوی ہے نہ اولاد ہے، بت پرستی کی مذمت کی اور قیامت کے وجود پر دلائل قائم کیے اور بتایا کہ جس جانور کو اللہ کے نام پر ذبح نہ کیا گیا ہو وہ حرام ہے، اور بتوں کے نام پر چھوڑ دینے سے یا کان چیر دینے سے یا مسلسل مادہ کو جنم دینے سے یا مخصوص تعداد میں مادہ کو گابھن کرنے سے کوئی حلال جانور حرام نہیں ہوتا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا (یہ کتاب) مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔ درحقیقت یہ کتاب تمام انسانوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے لیکن انجام کار اس کی ہدایت اور رحمت سے صرف مومنین فائدہ اٹھاتے ہیں، اس لیے فرمایا یہ کتاب مومنین کے لیے ہدایت اور رحمت ہے، اس کی نظیر یہ ہے کہ قرآن مجید کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ھدی للناس (البقرہ: ۱۸۵) یہ قرآن تمام لوگوں کے لیے ہدایت ہے، اور پھر فرمایا: ھدی للمتقین (البقرہ: ۲) یہ قرآن متقین کے لیے ہدایت ہے، یعنی فی نفسہ تو قرآن مجید تمام لوگوں کے لیے ہدایت ہے، لیکن چونکہ اس سے فائدہ صرف متقین حاصل کرتے ہیں اس لیے فرمایا یہ متقین کے لیے ہدایت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ نے آسمان سے پانی برسایا، پھر اس پانی سے زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد زندہ کیا، بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے ضرور نشانی ہے جو (غور سے) سنتے ہیں O (النحل: ۶۵)

اللہ تعالیٰ کی الوہیت، توحید اور مردوں کو زندہ کرنے پر دلیل

اس قرآن کا اہم مقصود توحید، رسالت، مبدء اور معاد کو ثابت کرنا ہے، پھر تہذیب اخلاق، تدبیر منزل اور سیاست مدنیہ کو بیان کرنا ہے، اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کا رد فرمایا تھا اب اس کے بعد پھر اہم مقصود کا ذکر فرمایا اور وہ الوہیت اور توحید ہے، کیونکہ آسمان سے پانی برسانا اور زمین سے فصل اگانا، یہ کس کا کارنامہ ہے، حضرت عیسیٰ، حضرت عزیر اور فرعون اور نمرود کو خدا کہا گیا لیکن ان کے پیدا ہونے سے پہلے بھی بارش ہوتی تھی اور زمین سبزہ اگاتی تھی، بے جان مورتیوں اور دیوتاؤں کا بھی یہ کارنامہ نہیں ہو سکتا، کیونکہ بت تو خود بے جان ہیں وہ بارش اور فصل اگانے میں موثر نہیں ہو سکتے اور دیوی دیوتا بھی حادث اور فانی ہیں ان کے پیدا ہونے سے پہلے بھی بارش ہوتی تھی اور فصلیں اگتی تھیں، اس لیے ان میں سے کوئی بھی بارش نازل کرنے اور زمینی پیداوار کا خالق نہیں ہے اور نہ ہی متعدد چیزیں اس کی خالق ہو سکتی ہیں ورنہ ان میں یہ نظم اور تسلسل نہ ہوتا، اور نہ ہی اللہ کے سوا کسی اور ہستی نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ آسمان سے بارش نازل کرنے اور زمین سے غلہ پیدا کرنے کا وہ خالق ہے صرف اللہ تعالیٰ نے ہی یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ بارش نازل فرماتا ہے اور وہ زمین سے فصل اگاتا ہے تو پھر ہم کیوں نہ اس کی الوہیت اور توحید کی تصدیق کریں اور کیوں نہ اس پر ایمان لائیں!

اس آیت میں یہ بھی فرمایا ہے کہ وہ مردہ زمین کو زندہ کرتا ہے، اس میں قیامت اور حشر پر دلیل ہے کہ جب وہ مردہ زمین کو زندہ کر سکتا ہے تو وہ مردہ انسان کو کیوں نہیں زندہ کر سکتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک مویشیوں میں بھی تمہارے لیے غور کا مقام ہے، ہم تمہیں اس چیز سے پلاتے

ہیں جو ان کے پیٹوں میں گوبر اور خون کے درمیان ہے' اور وہ خالص دودھ ہے جو پینے والوں کے لیے خوشگوار ہے O

(النحل: ۶۶)

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے بارش اور نباتات کے احوال سے اپنی الوہیت اور توحید پر استدلال فرمایا تھا اور اس آیت میں حیوانات کے عجیب و غریب احوال سے استدلال فرمایا ہے۔

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ مما فی بطونہ میں مذکر کی ضمیر ہے اور دودھ مذکر میں نہیں مونث میں ہوتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ضمیر مذکور کی طرف لوٹ رہی ہے یعنی جن مویشیوں کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے بعض کی یہ صفت ہے کہ ہم تمہیں اس چیز سے پلاتے ہیں جو ان کے پیٹوں میں گوبر اور خون کے درمیان ہے، حضرت ابن عباس نے فرمایا مادہ جانور گھاس کھاتی ہے وہ گھاس اس کے معدہ میں مستقر رہتی ہے پھر وہاں وہ گھاس پکتی ہے پھر اس کا نچلا حصہ گوبر بن جاتا ہے اور اس کے درمیان میں دودھ ہوتا ہے اور اس کے اوپر خون ہوتا ہے اور ان اقسام پر جگر مسلط رہتا ہے وہ خون کو متمیز کر کے رگوں میں جاری کرتا ہے اور دودھ کو تھنوں میں جاری کرتا ہے اور گوبر اسی طرح اوجھڑی میں باقی رہتا ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۰ص ۱۱۳' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

گوبر اور خون کے درمیان دودھ پیدا کرنے کی صحیح کیفیت

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اس مقام پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ خون اور دودھ یقینی طور پر اوجھڑی میں نہیں پیدا ہوتے اور اس کی دلیل مشاہدہ ہے' کیونکہ ان حیوانات کو تواتر اور تسلسل کے ساتھ ذبح کیا جاتا ہے اور ذبح کے بعد جب اوجھڑی کو چیرا جاتا ہے تو کسی شخص نے بھی اس میں خون کا مشاہدہ کیا نہ دودھ کا' اگر خون اور دودھ اوجھڑی میں پیدا ہوتا تو ضروری تھا کہ کسی نہ کسی موقع پر وہ دکھائی دیتا' اور جس چیز کے فساد اور بطلان پر مشاہدہ دلالت کرتا ہے اس سے استدلال کرنا اور اس پر اعتماد کرنا جائز نہیں ہے' بلکہ صحیح یہ ہے کہ جب کوئی جان دار غذا کھاتا ہے تو اگر وہ جان دار انسان ہو تو غذا اس کے معدہ میں پہنچ جاتی ہے اور اگر وہ جاندار مویشی ہوں تو پھر وہ غذا اس کی اوجھڑی میں پہنچ جاتی ہے اور مویشیوں میں سے جب مادہ غذا کھاتی ہے اور وہ غذا یا چارہ اس کی اوجھڑی میں پہنچتا ہے اور چارہ وہاں پک جاتا ہے تو ہضم اول حاصل ہوتا ہے' پس اس میں سے جو صاف جوہر ہوتا ہے اس کو جگر جذب کر لیتا ہے اور جو کثیف مادہ ہوتا ہے وہ انتڑیوں کی طرف اتر جاتا ہے' پھر جس صاف جوہر کو جگر جذب کرتا ہے وہ جگر میں پکتا ہے اور وہ خون بن جاتا ہے اور یہ ہضم ثانی ہے اور یہ خون صفراء اور سوداء سے مخلوط ہوتا ہے اور اس میں پانی کے اجزاء بھی ہوتے ہیں پھر صفراء پتہ کی طرف چلا جاتا ہے اور سوداء تلی کی طرف چلا جاتا ہے اور پانی گردوں کی طرف چلا جاتا ہے اور گردوں سے مثانہ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور خون رگوں میں چلا جاتا ہے اور یہ وہ رگیں ہیں جو جگر میں پیدا کی گئی ہیں اور یہاں ہضم ثالث حاصل ہوتا ہے اور جگر اور تھنوں کے درمیان بھی بہت باریک باریک رگیں ہیں، جگر سے خون ان رگوں میں آتا ہے اور ان رگوں سے تھنوں میں آ جاتا ہے اور تھنوں میں سفید رنگ کے نرم غدود ہیں اور جب وہ خون رگوں سے تھنوں میں پہنچتا ہے اور ان سفید غدود میں آتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے خون کی صورت کو دودھ میں منتقل کر دیتا ہے اور تھنوں میں دودھ کے پیدا ہونے کی صحیح کیفیت یہی ہے۔

نر حیوانوں میں دودھ کیوں نہیں پیدا ہوتا؟

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ مویشیوں میں جو نر ہیں ان کی اوجھڑیوں میں بھی غذا اور چارہ ان ہی مراحل سے گزرتا ہے

پھران میں دودھ کیوں نہیں پیدا ہوتا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی تدبیر اس طرح کی ہے جو اس کے لائق اور مناسب ہو اور جس میں اس کی مصلحت ہو ہر حیوان میں مذکر کا مزاج گرم خشک ہوتا ہے اور مونث کا مزاج سرد تر ہوتا ہے اور اس میں حکمت یہ ہے کہ مونث کے بدن کے اندر بچہ تیار ہوتا ہے، اور خلقت کے مراحل طے کرتا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ مونث کے بدن میں زیادہ رطوبات ہوں، اور اس کی دو وجہیں ہیں، پہلی وجہ یہ ہے کہ بچہ رطوبتوں سے پیدا ہوتا ہے اس لیے ضروری ہے کہ مونث کے بدن میں زیادہ رطوبات ہوں، تاکہ وہ رطوبتیں بچہ کے تولد کا مادہ بن جائیں دوسری وجہ یہ ہے کہ جب بچہ بتدریج بڑا ہوتا ہے تو ماں کے جسم میں پھیلنے اور بڑھنے کی صلاحیت ہو، تاکہ بچہ بہ تدریج بڑھتا رہے اور جب کہ ماں کے بدن میں رطوبتیں غالب ہوتی ہیں تو اس کا بدن پھیلنے اور بڑھنے کی صلاحیت رکھتا ہے، حتیٰ کہ بچہ بھی بڑھتا رہتا ہے۔ پس ہماری اس تقریر سے واضح ہو گیا کہ ہر جان دار مونث کے جسم میں خصوصیت کے ساتھ رطوبات زیادہ ہوتی ہیں، پھر یہ رطوبتیں پیٹ (رحم) کے بچہ کے بدن بڑھنے اور زیادہ ہونے کا مادہ بن جاتی ہیں، جب وہ بچہ ماں کے رحم میں ہوتا ہے اور جب بچہ ماں کے رحم سے منفصل ہو کر پیدا ہو جاتا ہے تو وہ رطوبتیں رحم سے منتقل ہو کر ماں کے پستانوں اور تھنوں میں پہنچ جاتی ہیں تاکہ وہ اس نومولود بچہ کی غذا کا مادہ بن جائیں اور جب تم نے اس تفصیل کو جان لیا تو تم کو معلوم ہو گیا کہ کس سبب سے خون مادہ اور مونث میں دودھ کی شکل میں متشکل ہوتا ہے اور مذکر اور نر میں خون دودھ کی صورت نہیں اختیار کرتا پس دونوں کا فرق واضح ہو گیا۔

اوجھڑی میں دودھ پیدا نہ ہونے کے دلائل

جب تم نے دودھ پیدا ہونے کی اس تصویر کو جان لیا، تو مفسرین کہتے ہیں کہ یہ تین چیزیں ایک جگہ سے پیدا ہوتی ہیں گوبر اوجھڑی کے نچلے حصہ میں ہوتا ہے اور خون اوپر کے حصہ میں ہوتا ہے اور دودھ درمیانی حصہ میں ہوتا ہے اور ہم دلائل سے واضح کر چکے ہیں کہ یہ قول مشاہدہ اور تجربہ کے خلاف ہے، اس لیے کہ اگر خون معدہ کے اوپر کے حصہ میں ہو تو ضروری ہے کہ جب انسان یا حیوان کو قے آئے تو اس کو خون کی قے آئے اور یہ قطعاً باطل ہے، اور ہم یہ کہتے ہیں کہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ خون کے بعض اجزاء سے دودھ پیدا ہوتا ہے اور خون ان لطیف اجزاء سے پیدا ہوتا ہے جو گوبر میں ہوتے ہیں اور یہ وہ کھائی ہوئی اشیاء ہیں جو اوجھڑی میں ہوتی ہیں، اور یہ دودھ ان اجزاء لطیفہ سے پیدا ہوتا ہے جو پہلے گوبر میں تھے، پھر وہ اجزاء لطیفہ دوسری بار خون میں آئے پھر اللہ تعالیٰ نے ان اجزاء کثیفہ اور غلیظہ سے خون کو مصفیٰ کر لیا اور اس میں وہ صفات پیدا کر دیں کہ وہ ایسا دودھ بن گیا جو بچہ کے بدن کے موافق تھا، خلاصہ یہ ہے کہ گوبر اور خون کے درمیان سے دودھ پیدا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جانور جو غذا کھاتے ہیں اس سے ایک طرف تو خون بنتا ہے اور دوسری طرف گوبر بنتا ہے مگر ان ہی جانوروں کی مادہ صنف میں اسی غذا سے ایک تیسری چیز بھی پیدا ہو جاتی ہے جو خاصیت، رنگ، بو اور مقاصد میں ان دونوں سے بالکل مختلف ہوتی ہے، پھر خصوصاً مویشیوں میں اس چیز کی پیداوار اس قدر زیادہ ہوتی ہے کہ وہ ان کے اپنے بچوں کی ضرورت کو پورا کرنے کے علاوہ انسانوں کے لیے بھی اس چیز کو کثیر مقدار میں فراہم کرتے رہتے ہیں۔

دودھ کی خلقت میں اسرار اور دقائق

مادہ کے تھنوں اور پستانوں میں جو دودھ پیدا ہوتا ہے وہ ایسی خصوصیات سے متصف ہوتا ہے کہ جن کی وجہ سے وہ دودھ بچہ کی غذا کی صلاحیت رکھتا ہے اور اس کے موافق ہوتا ہے اور اس دودھ کی خلقت ایسی عجیب و غریب حکمتوں اور

ایسے دقیق اسرار پر مشتمل ہے جس سے عقل سلیم یہ شہادت دیتی ہے کہ دودھ کی یہ خلقت کسی عظیم مدبر اور زبردست قادر وقیوم کی تدبیر اور اس کے فعل کے بغیر وجود میں نہیں آسکتی' ان اسرار اور حکمتوں میں سے ہم چند کا یہاں ذکر کر رہے ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے معدہ اور اوجھڑی کے نچلے حصہ میں ایک منفذ اور سوراخ پیدا کیا ہے' جس سے غذا کا تلچھٹ اور فضلہ دوسری طرف بڑی آنت میں نکل جاتا ہے اور جب انسان کوئی چیز کھاتا ہے یا پیتا ہے تو وہ منفذ کلی طور پر بند ہو جاتا ہے کہ اس کھائی ہوئی اور پی ہوئی چیز میں سے کوئی ذرہ یا کوئی قطرہ اس منفذ سے نہیں نکلتا حتیٰ کہ معدہ میں ہضم کے مراحل مکمل ہو جائیں اس وقت اس غذا کے صاف جوہر کو جگر جذب کر لیتا ہے اور تلچھٹ وہاں باقی رہ جاتا ہے' پھر اس منفذ کا منہ کھلتا ہے اور وہ تلچھٹ معدہ سے نکل کر بڑی آنت میں چلا جاتا ہے' اور یہ عجیب و غریب کارروائی فاعل حکیم کی تدبیر کے بغیر نہیں ہو سکتی۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے جگر میں ایسی قوت رکھی ہے جو کھائی ہوئی اور پی ہوئی چیز میں جو اجزاء لطیف ہوتے ہیں ان کو جذب کر لیتا ہے اور اجزاء کثیفہ کو جذب نہیں کرتا اور انتڑیوں میں ایسی قوت رکھی ہے جو کھائی ہوئی یا پی ہوئی چیز میں جو اجزاء کثیفہ ہوتے ہیں ان کو وہ جذب کر لیتی ہے اور اجزاء لطیفہ کو جذب نہیں کرتی اور اگر معاملہ اس کے الٹ اور برعکس ہوتا تو انسان کے بدن کی مصلحت اور اس کے بدن کا نظام فاسد ہو جاتا۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے جگر میں غذا کے لطیف اجزاء کو پکانے اور ان کو ہضم کرنے کی قوت رکھی ہے' حتیٰ کہ یہ اجزاء لطیفہ غذا میں پک کر اور ہضم کے بعد خون بن جاتے ہیں' پھر اللہ تعالیٰ نے پتہ میں قوت رکھی ہے کہ وہ صفراء کو جذب کر لیتا ہے اور تلی میں یہ قوت رکھی ہے کہ وہ سوداء کو جذب کر لیتی ہے اور گردہ میں یہ قوت رکھی ہے کہ وہ ان اجزاء میں سے زائد پانی کو جذب کر لیتا ہے' پھر صاف خون باقی رہ جاتا ہے جو بدن کی غذا کے لیے کافی ہے۔

(۴) جس وقت ماں کے رحم میں بچہ ہوتا ہے تو خون کی وافر مقدار ماں کے رحم میں پہنچتی ہے تاکہ وہ خون بچہ کی نشوونما کے لیے مادہ بن جائے اور بچہ ماں کے رحم سے منتقل ہو جاتا ہے یعنی پیدا ہو جاتا ہے' تو خون جو پہلے رحم میں پہنچتا تھا اب وہ خون مادہ کے تھنوں اور پستانوں میں پہنچنے لگتا ہے تاکہ وہ خون دودھ کی صورت اختیار کر لے تاکہ وہ دودھ بچہ کی غذا بن جائے اور جب بچہ بڑا ہو جاتا ہے اور اس کا دودھ چھوٹ جاتا ہے تو اب خون ماں کے رحم میں جاتا ہے نہ ماں کے پستانوں اور تھنوں میں بلکہ غذا کھانے والی کے بدن میں پہنچتا رہتا ہے پس خون کا کبھی رحم میں پہنچنا' کبھی پستانوں میں پہنچنا اور کبھی کسی جگہ نہ پہنچنا اور صرف ماں کے بدن میں رہنا اور جس وقت جس جگہ خون کی ضرورت ہو وہاں خون کا پہنچنا اور مصلحت اور حکمت کے مطابق اپنا رول ادا کرنا کیا کسی حکمت اور قدرت والے فاعل مختار کی تدبیر کے بغیر ہو سکتا ہے!

(۵) جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ تھنوں اور پستانوں کے سروں میں باریک باریک سوراخ اور تنگ مسام پیدا کر دیتا ہے اور جب کہ وہ مسام نہایت تنگ اور باریک ہوتے ہیں تو ان سے وہی چیز نکل سکتی ہے جو نہایت صاف اور بہت لطیف ہو اور رہے اجزاء کثیفہ تو ان کا ان تنگ اور باریک منافذ سے نکلنا ممکن نہیں ہے لہٰذا وہ چیز تھنوں کے اندر ہی رہے گی اس طرح تھنوں سے وہ دودھ نکلے گا جو خالص بچہ کے مزاج کے موافق ہوگا اور پینے والوں کے لیے خوشگوار ہوگا۔

(۶) اللہ تعالیٰ نے بچہ کے دل میں یہ بات ڈالی کہ جب بھی ماں اپنے پستان کا سر بچہ کے منہ میں داخل کرتی ہے وہ اس کو چوسنے لگتا ہے' اسی طرح جانور کا بچہ خود اچھل کر اپنی ماں کے تھنوں کے پاس پہنچتا ہے اور ان تھنوں کو چوسنے لگتا ہے' پس اگر وہ قادر وقیوم بچوں کے دلوں میں یہ عمل مخصوص نہ ڈالتا تو پستانوں اور تھنوں میں دودھ پیدا کرنے کا کوئی فائدہ حاصل نہ

ہوتا۔

(۷) ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خون کے مصفیٰ جوہر سے دودھ پیدا کیا اور حیوان جو غذا کھاتا ہے اس کے لطیف اجزاء سے خون پیدا کیا، پس بکری جو گھاس کھاتی ہے اور پانی پیتی ہے اللہ تعالیٰ نے اس گھاس اور پانی کے لطیف اجزاء سے خون پیدا کیا، پھر اس خون کے بعض اجزاء سے دودھ کو پیدا کیا پھر دودھ میں تین متضاد کیفیات اور تاثیرات پیدا فرمائیں، دودھ میں چکنائی ہے وہ گرم تر ہے، اور اس میں جو پانی کا عنصر ہے وہ سرد تر ہے اور اس میں جو پنیر کا عنصر ہے وہ گرم خشک ہے، اور جس گھاس کو بکری نے کھایا تھا اس میں یہ مختلف اور متضاد تاثیرات نہیں تھیں، اس تفصیل سے یہ ظاہر ہوا کہ یہ اجسام ایک رنگ سے دوسرے رنگ کی طرف اور ایک صفت سے دوسری صفت کی طرف اور ایک صورت سے دوسری صورت کی طرف اور ایک تاثیر سے دوسری تاثیر کی طرف منتقل ہوتے رہتے ہیں بکری نے جو گھاس کھائی تھی اس کی صورت، اس کا رنگ اور اس کی صفت اور اس کی تاثیر اور تھی پھر اس سے خون، دودھ اور فضلہ بنا ان کی صورت ان کا رنگ ان کی صفت اور ان کی تاثیر اور ہے اور آپس میں مختلف اور الگ الگ ہے، ان احوال سے یہ ظاہر ہو گیا کہ یہ مختلف صورتیں اور متضاد تاثیرات اس قادر و قیوم اور حکیم مطلق کے پیدا کرنے سے حاصل ہوئی ہیں، جو اپنے بندوں کی مصلحتوں کے موافق چیزوں کی تدبیر فرماتا ہے پس سبحان ہے وہ ذات جو ہر عالم کے ہر ہر ذرہ کی خبر رکھتا ہے اور اپنی تمام مخلوق کی ضرورتوں اور ان کی مصلحتوں کو جاننے والا ہے اور ان کی ضرورتوں اور مصلحتوں کے موافق عالم کے ذرہ ذرہ میں تدبیر اور تصرف فرماتا ہے۔

دودھ کی خلقت میں حشر و نشر کے امکان کی دلیل

محققین نے کہا کہ جس طرح دودھ کے پیدا کرنے کے نظام میں غور و فکر کرنے سے اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت کا پتا چلتا ہے اسی طرح اس میں غور و فکر کرنے سے حشر و نشر کا امکان بھی معلوم ہو جاتا ہے، کیونکہ یہ گھاس جس کو حیوان کھاتے ہیں یہ زمین اور پانی سے پیدا ہوتی ہے پس اس قادر و قیوم اور حکیم مطلق نے اس زمین کی مٹی کو سبزہ اور گھاس بنا دیا پھر جب اس گھاس کو حیوان کھا لیتے ہیں تو اس نے ایک اور تدبیر سے اس گھاس کو خون بنا دیا پھر ایک اور تدبیر سے اس خون کو دودھ بنا دیا، پھر اس دودھ میں چکنائی کا عنصر پیدا کیا اس سے معلوم ہوا کہ وہ قادر و قیوم اور حکیم مطلق اس پر قادر ہے کہ وہ اجسام کو ایک صفت سے دوسری صفت کی طرف منتقل کرتا رہے اور ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل کرتا رہے اور جب وہ اس پر قادر ہے تو اس پر بھی قادر ہے کہ وہ مردہ بدنوں کے اجزاء میں حیات منتقل کر دے اور ان میں عقل اور شعور کو پیدا کر دے جس طرح موت سے پہلے ان اجزاء میں حیات اور عقل و شعور کو پیدا فرمایا تھا اور ان چیزوں پر غور و فکر کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کو قائم کرنا اور مردوں کو زندہ کرنا ایک ممکن امر ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک قیامت قائم کرنے اور مردوں کو زندہ کرنے کا جو وقت مقرر ہے اس وقت میں اللہ تعالیٰ قیامت کو قائم کرے گا اور مردوں کو زندہ کرے گا۔ (تفسیر کبیر ج ۷ ص ۲۳۴۔ ۲۳۲، ملخصاً، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

لذیذ طعام اور مشروب کھانے پینے کا جواز

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو پینے کے لیے خوشگوار ہے۔ سائغا کے معنی ہیں وہ مشروب جو آسانی سے گلے سے اتر جائے نیز اس کا معنی ہے لذیذ اور خوشگوار طعام۔

نیز اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ میٹھے اور لذیذ کھانوں کا کھانا پسندیدہ ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اس پیالے سے ہر قسم کا

مشروب پلایا ہے، شہد، نبیذ، پانی اور دودھ۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۰۸)

کھجوروں، یا انگوروں کو پانی میں ڈال دیا جائے تو اس پانی کو نبیذ کہتے ہیں پھر اس کو ہلکا سا جوش دیا جائے تو یہ نبیذ حلال ہے، اور اگر اس کو جوش نہ دیا جائے اور وہ مشروب پڑے پڑے جھاگ چھوڑ دے تو پھر نشہ آور ہو جاتا ہے اور یہ نبیذ حرام ہے۔ (ردالمحتارج ۱۰ص ۳۲، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۹ھ)

دودھ کے متعلق احادیث

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا جب ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ جا رہے تھے تو ہم ایک چرواہے کے پاس سے گزرے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیاس لگی میں نے آپ کے لیے کچھ دودھ دوہا پھر میں وہ دودھ آپ کے پاس لے کر آیا آپ نے وہ دودھ پیا حتی کہ میں راضی ہو گیا۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۳۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۰۹)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے سدرہ کی طرف بلندی پر لے جایا گیا، وہاں چار دریا تھے، دو دریا ظاہر تھے اور دو دریا باطن تھے، جو دریا ظاہر تھے وہ نیل اور فرات ہیں، اور جو دریا باطن تھے وہ جنت میں ہیں، پھر میرے پاس تین پیالے لائے گئے، ایک پیالہ میں دودھ تھا، دوسرے پیالہ میں شہد تھا، اور تیسرے پیالہ میں شراب تھی، میں نے وہ پیالہ لے لیا جس میں دودھ تھا، میں نے اس کو پی لیا، مجھ سے کہا گیا آپ نے اور آپ کی امت نے فطرت کو پالیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۱۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۳، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۲۷۰۲)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے پاس دودھ کا پیالہ لایا گیا، میں نے اس سے دودھ پیا حتی کہ میں نے دیکھا کہ میں اس قدر سیر ہو گیا کہ اس کی سیری میرے ناخنوں سے نکلنے لگی، پھر میں نے اپنا بچا ہوا عمر بن الخطاب کو دیا، آپ سے پوچھا گیا یا رسول اللہ آپ نے اس کی کیا تعبیر لی، آپ نے فرمایا: علم۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۲، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۹۱، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۸۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، آپ کے ساتھ حضرت خالد بن الولید تھے لوگ دو بھنی ہوئی گوہ دو لکڑیوں پر رکھ کر لائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوکا، حضرت خالد نے کہا میرا خیال ہے کہ آپ کو ان سے گھن آ رہی ہے، آپ نے فرمایا: ہاں! پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دودھ لایا گیا تو آپ نے اس کو پی لیا، آپ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص کھانا کھائے تو یہ دعا کرے: اے اللہ! اس میں ہمیں برکت دے اور دودھ عطا فرما، کیونکہ کھانے پینے کی چیزوں میں دودھ کا بدل کوئی چیز نہیں ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۷۳۰، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۵۵)

حضرت طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل نے جو بیماری رکھی ہے اس کے لیے شفاء بھی رکھی ہے تم گائے کے دودھ کو لازم رکھو۔ (مسند احمد رقم الحدیث: ۱۹۰۳۶)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، میں بھوک کی شدت سے اپنے جگر کو زمین سے ٹکائے ہوئے تھا، اور میں نے بھوک کی شدت سے اپنے پیٹ پر پتھر باندھا ہوا تھا، میں اس راستہ پر بیٹھ گیا جس راستے سے صحابہ گزرتے تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ گزرے میں نے ان سے کتاب اللہ کی ایک آیت پوچھی میں نے صرف اس لیے پوچھا تھا کہ وہ مجھے پیٹ بھر کر کھانا کھلا دیں، وہ چلے گئے اور انہوں نے کھانا نہیں کھلایا، پھر

میرے پاس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ گزرے میں نے ان سے بھی کتاب اللہ کی ایک آیت پوچھی، میں نے ان سے صرف اس لیے سوال کیا تھا کہ وہ مجھے سیر ہو کر کھانا کھلادیں، وہ بھی چلے گئے اور انہوں نے کھانا نہیں کھلایا، پھر میرے پاس سے ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم گزرے، آپ نے جب مجھے دیکھا تو مسکرائے اور آپ نے جان لیا کہ میرے دل میں کیا ہے اور میرے چہرے میں کیا ہے، پھر آپ نے فرمایا: ابو ہریرہ! میں نے عرض کیا لبیک یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا میرے ساتھ چلو، اور آپ چل پڑے، میں آپ کے پیچھے چلا گیا، آپ گئے اور اجازت طلب کی، تو میرے لیے اجازت دی گئی، آپ داخل ہوئے تو آپ نے ایک پیالے میں دودھ دیکھا آپ نے پوچھا یہ دودھ کہاں سے آیا؟ گھر والوں نے کہا فلاں مرد یا فلاں عورت نے آپ کے لیے ہدیہ بھیجا ہے آپ نے فرمایا اباھر! میں نے کہا لبیک یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا اہل صفہ کے پاس جاؤ اور ان کو بلا کر لاؤ، حضرت ابو ہریرہ نے کہا اور اہل صفہ اسلام کے مہمان تھے، ان کے بیوی بچے تھے نہ ان کے پاس سامان وغیرہ تھا، اور جب بھی آپ کے پاس صدقہ آتا تو آپ ان کے پاس بھیج دیتے تھے اور اس میں سے خود نہیں کھاتے تھے، اور جب آپ کے پاس ہدیہ آتا تو آپ اس میں سے خود بھی لیتے تھے، اور ان کو بھی کھلاتے تھے، مجھے آپ کی اس بات سے بہت رنج ہوا اور میں نے دل میں کہا اہل صفہ کے مقابلہ میں اس ایک پیالہ کی کیا حیثیت ہے! اس پیالہ کے دودھ پینے کا میں حقدار تھا، تاکہ اس سے قوت حاصل کرتا، جب وہ لوگ آجائیں گے تو آپ مجھے حکم دیں گے کہ میں ان کو وہ دودھ پلاؤں، پھر کیا توقع ہے کہ اس دودھ میں سے میرے لیے بھی کچھ بچے گا! لیکن اللہ کی اطاعت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے، پھر میں اہل الصفہ کے پاس گیا اور ان کو بلایا، وہ آگئے اور انہوں نے اجازت طلب کی، آپ نے ان کو اجازت دے دی، اور وہ گھر میں اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے، آپ نے فرمایا: یا اباھر! میں نے کہا لبیک یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا ان سب کو دودھ کا پیالہ دو، حضرت ابو ہریرہ نے کہا: میں نے دودھ کا پیالہ لیا اور ان میں سے ایک شخص کو دیا وہ اس پیالے سے دودھ پیتا رہا حتی کہ سیر ہو گیا، پھر میں ایک ایک کر کے سب کو اس پیالے سے دودھ پلاتا رہا، حتی کہ آخر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا، اور اس وقت تمام اصحاب الصفہ سیر ہو چکے تھے، آپ نے پیالہ لیا اور اس کو اپنے ہاتھ پر رکھا، پھر میری طرف دیکھ کر مسکرائے پھر فرمایا: یا اباھر! میں نے کہا لبیک یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: اب میں اور تم باقی بچ گئے ہیں، میں نے کہا آپ نے سچ فرمایا: یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: چلو بیٹھ کر پیو، میں نے بیٹھ کر پیا، آپ نے فرمایا (اور) پیو میں نے پیا، آپ مسلسل فرماتے رہے پیو، حتی کہ میں نے کہا نہیں! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے، میں اب اس کے لیے راستہ نہیں پاتا، آپ نے فرمایا: مجھے پیالہ دکھاؤ، میں نے آپ کو پیالہ دیا، آپ نے اللہ کی حمد کی بسم اللہ پڑھی، اور باقی دودھ پی لیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۵۲، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۷۷، مسند احمد ج ۲ ص ۵۱۵، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۵۳۵، المستدرک ج ۳ ص ۱۵-۱۶، حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۳۳۸-۳۳۹، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۱۰۱-۱۰۲، شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۳۲۱)

دودھ کا کیمیائی تجزیہ

دودھ انسان کے لیے بہترین غذا ہے اس میں گوشت، خون اور ہڈی پیدا کرنے کے تمام اجزاء توازن کے ساتھ موجود ہیں، سو گرام گائے کے دودھ میں ۶۵ حرارے، ۳٫۳ گرام پروٹین، ۳٫۸ گرام چکنائی، ۱۲۰ ملی گرام کیلشیم، ۰٫۰۵ ملی گرام فولاد، ۰٫۰۴ ملی گرام وٹامن بی، ۰٫۰۴ ملی گرام، وٹامن سی ۱٫۵ ملی گرام، وٹامن اے ۳۵ ملی گرام، فولک ایسڈ ۵ مائیکرو گرام۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم تمہیں کھجوروں اور انگوروں کے پھلوں سے پلاتے ہیں، تم ان سے میٹھے مشروبات

تیار کرتے ہو، اور عمدہ رزق، بے شک اس میں عقل والوں کے لیے ضرور نشانی ہے○ (النحل: ۶۷)

سکر کے لغوی معنی کی تحقیق

اس آیت میں فرمایا ہے "تم ان سے سکر اور رزق حسن تیار کرتے ہو" اب ہم سکر کا معنی بیان کر رہے ہیں، امام خلیل بن احمد فراہیدی متوفی ۱۷۵ھ لکھتے ہیں سکر کا معنی صحو (ہوش میں آنا، نشہ اترنا) کی ضد ہے (کتاب العین ج ۳ ص ۹۷۲) اور علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

سکر وہ حالت ہے جو انسان کی عقل پر طاری ہو جاتی ہے، اس کا اکثر استعمال مشروبات میں ہوتا ہے، غضب اور عشق کی وجہ سے جو حالت طاری ہوتی ہے اس کو بھی سکر کہتے ہیں، سکرات الموت بھی اسی سے ماخوذ ہے، قرآن مجید میں ہے:

وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ۔ (ق: ۱۹) اور موت کی بے ہوشی حق کے ساتھ آپہنچی۔

اور سکران مشروبات کو بھی کہتے ہیں جن میں سکر (نشہ) ہوتا ہے، قرآن مجید میں ہے:

تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا۔ (النحل: ۶۷) تم ان سے نشہ آور مشروبات اور عمدہ رزق بناتے ہو۔

اور سکر کا معنی ہے پانی کو روک لینا، یہ وہ حالت ہے جو انسان کی عقل کے ماؤف ہونے سے پیدا ہوتی ہے، کسی چیز کے بند کر دینے کو بھی سکر کہتے ہیں، قرآن مجید میں ہے:

اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا۔ (الحجر: ۱۵) ہماری نظر بندی کر دی گئی ہے۔

(المفردات ج ۱ ص ۳۱۱، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

علامہ المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ لکھتے ہیں:

سکر اس شراب کو کہتے ہیں جو انگوروں سے نچوڑی جاتی ہے، یہ معنی اس وقت ہے جب کاف پر زبر ہو اگر کاف پر جزم ہو اور سین پر پیش ہو تو اس کا معنی ہے نشہ کی کیفیت، پس نشہ کی وجہ سے شراب کو حرام قرار دیا جاتا ہے نہ کہ نفس نشہ آور مشروب کی وجہ سے پس وہ نشہ آور مشروب کی اس قلیل مقدار کو جائز کہتے ہیں جس سے نشہ نہ ہو، حدیث میں ہے:

حرمت الخمر بعينها والسكر من كل شراب۔ خمر (انگور کی شراب) کو بعینہا حرام کیا گیا ہے اور ہر مشروب میں سے نشہ آور کو۔

(کتاب الضعفاء الکبیر للعقیلی ج ۴ ص ۱۴۴، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ)

اور مشہور پہلا معنی ہے یعنی انگور کی شراب اور ایک قول یہ ہے کہ سکر (سین اور کاف پر زبر) کا معنی ہے: طعام، ازہری نے کہا اہل لغت نے اس کا انکار کیا ہے کہ اہل عرب اس کو نہیں پہچانتے۔

(النہایہ ج ۲ ص ۳۴۴، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ)

علامہ محمد بن مکرم بن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں۔

سکر صحو کی ضد ہے یعنی نشہ میں ہونا، قرآن مجید میں ہے:

لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ۔ (النساء: ۴۳) نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ حتیٰ کہ تم سمجھنے لگو کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔

سکرۃ الموت، موت کی شدت کو کہتے ہیں اور سکر، خمر (انگور کی شراب) کو بھی کہتے ہیں، اور سکر اس شراب کو بھی کہتے

ہیں جو کھجوروں اور گھاس وغیرہ سے بنائی جاتی ہے' امام ابو حنیفہ نے کہا سکر اس مشروب کو کہتے ہیں جو پانی میں کھجوروں اور گھاس وغیرہ کو ڈال کر بنایا جاتا ہے۔ (نبیذ) مفسرین نے کہا ہے کہ قرآن مجید میں سکر کا لفظ آیا ہے اس سے مراد سرکہ ہے لیکن یہ ایسا معنی ہے جس کو اہل لغت نہیں پہچانتے' فرا نے کہا ہے کہ تتخذون منہ سکرا ورزقا حسنا۔ میں جو سکر کا لفظ ہے اس سے مراد خمر ہے' اور رزق حسن سے مراد کشمش اور چھوارے ہیں اور یہ آیت حرمت خمر سے پہلے نازل ہوئی تھی' الازہری نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ سکر سے مراد ہے جن پھلوں کے مشروب کو حرام قرار دیا گیا ہے اور رزق حسن سے مراد ہے جن پھلوں کے مشروب کو حلال قرار دیا گیا ہے' ابن الاعرابی نے کہا سکر کا معنی نبیذ ہے حدیث میں ہے کہ خمر کو بعینہا حرام کیا گیا ہے اور ہر مشروب میں سے نشہ آور کو۔

(لسان العرب ج ۴ ص ۳۷۴-۳۷۳ ملخصاً' مطبوعہ ایران' ۱۴۰۵ھ)

سکر کی تفسیر میں مفسرین کی تصریحات

امام عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

سکر کی تفسیر میں تین اقوال ہیں:

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعود' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور حسن' سعید بن جبیر' مجاہد' ابراہیم ابن ابی لیلی' الزجاج' ابن قتیبہ اور عمرو بن سفیان نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سکر وہ ہے جس کے پھلوں کا مشروب حرام ہے' ان مفسرین نے کہا یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب خمر (انگور کی شراب) کا پینا مباح تھا' پھر فاجتنبوہ "ان سے اجتناب کرو" (المائدہ: ۹۰) نازل ہوئی تو یہ آیت منسوخ ہو گئی' سعید بن جبیر' مجاہد' شعبی اور نخعی نے اس آیت کے منسوخ ہونے کا قول کیا ہے۔

اس قول کا خلاصہ یہ ہے کہ سکر سے مراد خمر (انگور کی شراب) ہے اور یہ سورت (النحل) مکی ہے اس وقت شراب کا پینا مباح تھا اور بعد میں مدینہ منورہ میں جب سورۃ المائدہ: ۹۰ نازل ہوئی تو خمر کو حرام کر دیا گیا۔

(۲) حبشہ کی لغت میں سکر کا معنی ہے سرکہ' یہ عوفی کی حضرت ابن عباس سے روایت ہے اور ضحاک نے کہا کہ یمن کی لغت میں سکر کا معنی سرکہ ہے۔

(۳) ابو عبیدہ نے کہا سکر کا معنی ہے ذائقہ' ان آخری دو قولوں کی بناء پر یہ آیت محکمہ ہے منسوخ نہیں ہے اور رزق حسن سے مراد ہے ان میں سے جو چیزیں حلال ہیں' جیسے کھجور' انگور' کشمش اور سرکہ وغیرہ۔

(زاد المسیر ج ۴ ص ۴۶۵-۴۶۴' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

امام ابو بکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں:

جب کہ علماء متقدمین نے سکر کا اطلاق خمر پر بھی کیا ہے اور نبیذ پر بھی اور ان میں سے حرام مشروب پر بھی تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ سکر کا اطلاق ان سب پر کیا جاتا ہے' اور ان کا یہ کہنا کہ خمر کی تحریم سے یہ آیت منسوخ ہو گئی ہے اس کا تقاضا کرتا ہے کہ نبیذ حرام نہیں ہے' پس آیت کے ظاہر سے نبیذ کا حلال ہونا واجب ہے' کیونکہ اس کا نسخ ثابت نہیں ہے' قتادہ نے کہا ہے کہ سکر عجمیوں کی خمر ہے' اور رزق حسن سے مراد ہے جس چیز کو وہ نبیذ اور سرکہ بناتے ہیں' جس وقت یہ آیت نازل ہوئی اس وقت خمر حرام نہیں ہوئی تھی' خمر اس وقت حرام ہوئی جب المائدہ: ۹۰ نازل ہوئی' امام ابو یوسف نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا تو ان کو یہ

حکم دیا کہ وہ لوگوں کو سکر پینے سے منع کریں' امام ابوبکر نے کہا کہ سکر ہمارے نزدیک حرام ہے اور وہ نقیع التمر ہے (نقیع التمر سے مراد ہے کھجوروں کو پانی میں ڈال دیا جائے اور اس پانی میں جھاگ پیدا ہو جائیں)

(احکام القرآن ج ۳ ص ۱۸۵' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۴۰۰ھ)

نقیع الزبیب کی تعریف یہ ہے: انگور کے کچے شیرہ کو پانی میں ڈال دیا جائے' حتیٰ کہ اس کی مٹھاس پانی میں منتقل ہو جائے خواہ اس میں جھاگ پیدا ہوں یا نہ ہوں۔ (بدائع الصنائع ج ۶ ص ۴۱۶' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

علامہ الحصکفی الحنفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے نقیع الزبیب کی یہ تعریف کی ہے کہ وہ انگور کا کچا شیرہ ہے بہ شرطیکہ جوش دینے کے بعد اس میں جھاگ پیدا ہو جائیں' علامہ شامی نے کہا ہے کہ اولیٰ یہ ہے کہ نقیع التمر والزبیب کہا جائے یعنی کشمش یا چھواروں کو پانی میں ڈال دیا جائے جب ان کو جوش دیا جائے اور یہ گاڑھے ہو جائیں اور ان میں جھاگ پیدا ہو جائیں پھر یہ حرام ہیں ورنہ نہیں۔ (رد المحتار ج ۱۰ ص ۳۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اس آیت کی تفسیر میں مکمل بصیرت حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ خمر' سکر اور نبیذ کی تعریفات سمجھ لی جائیں۔

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک خمر کی تعریف اور اس کا حکم

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک' ہر نشہ آور مشروب خمر ہے اور ہر نشہ آور مشروب کا وہی حکم ہے جو خمر کا حکم ہے' یعنی وہ حرام ہے۔

علامہ عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

ہر نشہ آور مشروب حرام ہے خواہ قلیل ہو یا کثیر ہو' اور وہ خمر ہے' اور انگور کے شیرہ کی تحریم کا جو حکم ہے وہی اس کا حکم ہے' اور اس کے پینے پر حد لگانا واجب ہے (اور وہ اسی کوڑے ہیں) حضرت عمر' حضرت علی' حضرت ابن مسعود' حضرت ابن عمر' حضرت ابو ہریرہ' حضرت سعد بن ابی وقاص' حضرت ابی بن کعب' حضرت انس اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم کا یہی مذہب ہے' فقہاء تابعین اور تبع تابعین میں سے عطاء' طاؤس' مجاہد' قاسم' قتادہ' عمر بن عبدالعزیز' امام مالک' امام شافعی' ابو ثور' ابو عبید' اور اسحاق کا یہی مذہب ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نشہ آور (مشروب) خمر ہے اور ہر خمر حرام ہے۔ (سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۶۸۰)

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس (مشروب) کی کثیر مقدار نشہ آور ہو اس کی قلیل مقدار (بھی) حرام ہے۔ (سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۶۸۱)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے ہر نشہ آور حرام ہے اور فرمایا جو مشروب فرق (بارہ کلو) کی مقدار میں نشہ آور ہو اس سے ایک چلو پینا بھی حرام ہے۔ (سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۶۸۷' سنن الترمذی رقم الحدیث ۱۸۶۶) اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خمر کی تحریم نازل ہوئی اور یہ انگور' چھوہارے' شہد' گندم' اور جو سے بنتی ہے اور خمر اس چیز کو کہتے ہیں جو عقل کو ڈھانپ لے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۸۱' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۶۶۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۸۷۴' السنن الکبریٰ للنسائی: ۶۷۸۳' سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۵۷۸) نیز اس لیے کہ نشہ آور مشروب انگور کے شیرہ کے مشابہ ہے اور امام احمد نے کہا نشہ آور مشروب پینے کی رخصت میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے۔ (المغنی ج ۳ ص ۱۳۶' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

نیز علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

جو شخص نشہ آور مشروب کو پیے خواہ قلیل یا کثیر اس پر حد واجب ہوگی، کیونکہ اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ انگور کا کچا شیرہ پینے پر حد واجب ہوتی ہے اور ہمارے امام (احمد) کا یہ مذہب ہے کہ انگور کا شیرہ اور ہر نشہ آور مشروب کا حکم برابر ہے۔ حسن، عمر بن عبد العزیز، قتادہ، اوزاعی، امام مالک، اور امام شافعی کا یہی مذہب ہے اور ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ انگور کے کچے شیرہ کے علاوہ کسی مشروب کے پینے سے اس وقت حد واجب ہوگی جب پینے والے کو نشہ آجائے، ابو وائل، ابراہیم نخعی، اکثر اہلِ کوفہ اور اصحابِ رائے کا یہی مذہب ہے، جس نے تحریم کے اعتقاد کے ساتھ کسی مشروب کو پیا اس پر حد لگائی جائے گی اور جس نے تاویل کے ساتھ کسی مشروب کو پیا اس پر حد نہیں لگائی جائے گی کیونکہ خمر کی تعریف میں اختلاف ہے، پس یہ اس نکاح کے مشابہ ہے جو بغیر ولی کے کیا گیا ہو۔ (المغنی ج ۹ ص ۱۳۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام ابو حنیفہ کے نزدیک خمر کی تعریف اور اس کا حکم

علامہ علاء الدین بن ابی بکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں:

انگور کے کچے شیرہ میں جب جوش پیدا ہو جائے اور گاڑھا ہو جائے اور اس میں جھاگ آجائیں تو وہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک خمر ہے۔ امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک جب انگور کے کچے شیرے میں جوش آجائے اور وہ گاڑھا ہو جائے تو وہ خمر ہے خواہ اس میں جھاگ پیدا ہوں یا نہ ہوں۔ (بدائع الصنائع ج ۶ ص ۴۰۶، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ)

انگور کے شیرہ کو جب پکایا جائے حتیٰ کہ دو تہائی سے کم اڑ جائے اور صحیح یہ ہے کہ دو تہائی اڑ جائے اور ایک تہائی رہ جائے تو اس کو طلاء کہتے ہیں اور تازہ کھجوروں کو کچے پانی میں ڈالا جائے اور وہ پانی گاڑھا ہو جائے اور اس میں جھاگ پیدا ہو جائیں تو اس کو سکر کہتے ہیں، اور کچے پانی میں منقی یا کشمش ڈال دی جائے اور اس میں جوش آجائے اور جھاگ پیدا ہو جائیں تو اس کو نقیع الزبیب کہتے ہیں یہ تینوں مشروب بھی حرام ہیں بہ شرطیکہ یہ تینوں گاڑھے ہوں اور ان میں جوش آجائے ورنہ یہ بالاتفاق حرام نہیں ہیں، اور ان تینوں مشروبات کی حرمت خمر کی حرمت سے کم ہے اور جو ان کو حلال کہے اس کو کافر نہیں کہا جائے گا، کیونکہ ان کی حرمت اجتہاد سے ثابت ہے۔ (خمر کا ایک قطرہ پینے سے بھی حد واجب ہے اور ان مشروبات کے پینے سے اس وقت حد لگے گی جب نشہ ہو جائے)

ان میں سے چار مشروبات حلال ہیں نبیذ التمر، اور نبیذ الزبیب یعنی کھجوروں یا کشمش کو پانی میں ڈال کر ہلکا سا جوش دے لیا جائے جب کہ یہ نشہ آور نہ ہوں، اگر اس کو ظن غالب ہو کہ یہ نشہ آور ہیں تو پھر ان کا پینا حرام ہے، کیونکہ ہر نشہ آور مشروب حرام ہے۔ دوسرا مشروب خلیطان ہے، یعنی چھواروں اور کشمش دونوں کو پانی میں ڈال کر جوش دے لیا جائے، اور تیسرا مشروب ہے شہد، گندم، جو اور جوار وغیرہ کا نبیذ ان میں پانی ملا کر رکھا جائے خواہ جوش دیں یا نہ دیں، اور چوتھا مشروب ہے المثلث یعنی انگور کے شیرہ کو پکایا جائے حتیٰ کہ اس کا دو تہائی اڑ جائے اور ایک تہائی باقی رہ جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اکابر صحابہ اور اہل بدر مثلاً حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبد اللہ بن مسعود اور حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہم ان مشروبات کو حلال قرار دیتے تھے، اسی طرح شعبی اور ابراہیم نخعی سے روایت ہے کہ امام اعظم نے اپنے بعض تلامذہ سے کہا کہ اہل السنۃ والجماعۃ کی شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ نبیذ کو حرام نہ کہا جائے۔

معراج میں مذکور ہے کہ امام ابو حنیفہ نے کہا اگر مجھے تمام دنیا بھی دی جائے تو میں نبیذ کے حرام ہونے کا فتویٰ نہیں دوں گا، کیونکہ اس سے بعض صحابہ کو فاسق قرار دینا لازم آئے گا اور اگر مجھے تمام دنیا بھی دی جائے تو میں نبیذ نہیں پیوں گا کیونکہ

مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے' اور یہ امام اعظم کا انتہائی تقویٰ ہے۔

(ردالمحتار ج ۱۰ ص ۳۳۔ ۳۰' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اس حدیث کا جواب جس کی کثیر مقدار نشہ آور ہو اس کی قلیل مقدار بھی حرام ہے

امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک خمر کے علاوہ جس مشروب کی کثیر مقدار نشہ آور ہو اس کی قلیل مقدار پینا جائز ہے اور امام محمد اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس کی قلیل مقدار بھی پینا جائز نہیں ہے' ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کی کثیر مقدار نشہ دے اس کی قلیل مقدار بھی حرام ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۸۶۵' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۶۸۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۹۳' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۳۸۵)

علامہ کاسانی متوفی ۵۸۷ھ اس حدیث کے جواب میں لکھتے ہیں:

یحییٰ بن معین نے اس حدیث کو رد کر دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے۔ (حافظ زیلعی متوفی ۵۹۳ھ نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند میں ابو عثمان مجہول ہے' امام دار قطنی نے اس حدیث کی کئی اسانید ذکر کی ہیں اور وہ سب ضعیف ہیں۔ نصب الرایہ ج ۵ ص ۱۴' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ)

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ان لوگوں پر محمول ہے جو اس قسم کے مشروبات کو بطور لہو و لعب پئیں (اور جو بدن میں طاقت حاصل کرنے کے لیے ان کو پئیں وہ اس حکم میں داخل نہیں ہیں' در مختار و ردالمحتار ج ۱۰ ص ۳۴' مطبوعہ بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اور تیسرا جواب یہ ہے کہ جس مشروب کی کثیر مقدار نشہ آور ہو اس کا وہ آخری گھونٹ ہے جس سے نشہ پیدا ہوا' اور اس کی قلیل مقدار جو غیر نشہ آور ہے وہ حرام نہیں ہے اور یہ حدیث اس آخری گھونٹ پر محمول ہے۔

(بدائع الصنائع ج ۶ ص ۴۷۴' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

خمر کا لعینہٖ حرام ہونا اور باقی مشروبات کا بہ قدر نشہ حرام ہونا

امام ابو حنیفہ جو یہ فرماتے ہیں کہ جس مشروب کی کثیر مقدار نشہ آور ہو اس کی قلیل مقدار حرام نہیں ہے' ان کے اس قول پر حسب ذیل احادیث سے استدلال کیا گیا ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا اور مروہ کے درمیان سات چکر لگائے' پھر آپ نے مکہ کی دیواروں میں سے ایک دیوار کے ساتھ ٹیک لگائی' پھر آپ نے فرمایا کوئی پینے کی چیز ہے؟ تو آپ کے پاس نبیذ کا ایک پیالہ لایا گیا آپ نے اس کو چکھا' پھر ماتھے پر شکن ڈالی' اور اس کو واپس کر دیا' پھر آل حاطب میں سے ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا یا رسول اللہ! یہ اہل مکہ کا مشروب ہے' پھر آپ نے اس کو لوٹایا اور اس پر پانی ڈالا' حتیٰ کہ اس میں جھاگ آ گئے' پھر آپ نے اس کو پیا اور فرمایا خمر تو عینھا حرام ہے اور ہر مشروب میں سے نشہ آور (مقدار) حرام ہے۔

(کتاب الضعفاء للعقیلی ج ۴ ص ۱۲۴' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

امام نسائی نے بھی اس حدیث کو مختلف سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے۔

(السنن الکبری للنسائی رقم الحدیث: ۵۱۹۳' ۵۱۹۴' ۵۱۹۵' ۵۱۹۶' ۶۷۷۸' ۶۷۸۰)

امام طبرانی نے بھی اس حدیث کو متعدد اسانید کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۰۸۳۷' ۱۰۸۳۹' ۱۰۸۴۰' ۱۰۸۴۱' ۱۰۸۹۹' ۱۲۳۸۹' ۱۲۶۳۳)

ان احادیث کی سندیں ہر چند کہ ضعیف ہیں لیکن تعدد اسانید کی وجہ سے یہ احادیث حسن لغیرہ ہیں اور لائق استدلال ہیں۔

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے آپ کے پاس ایک پیالہ لایا گیا جس میں مشروب تھا' آپ نے اس کو اپنے منہ کے قریب کیا' پھر اس کو واپس کر دیا' مجلس کے بعض شرکاء نے پوچھا' یا رسول اللہ کیا یہ حرام ہے؟ آپ نے فرمایا اس کو واپس لاؤ' وہ اس کو واپس لائے' آپ نے پانی منگا کر اس میں پانی ڈالا' پھر اس کو پی لیا' پھر آپ نے فرمایا ان مشروبات میں غور کیا کرو' اگر یہ مشروب جوش مار رہا ہو تو اس کی تیزی کو پانی کے ساتھ توڑ دو۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۲۴۲۰۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ)

ہمام بن الحارث بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس کشمش کا نبیذ لایا گیا' آپ نے اس کو پیا اور ماتھے پر بل ڈالا اور پانی منگایا اس میں پانی ڈالا پھر اس کو پی لیا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۲۴۱۹۷)

ابن عون بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ثقیف کے لوگ آئے' ان کے کھانے کا وقت ہو گیا تو حضرت عمر نے کہا گوشت سے پہلے ثرید (گوشت کے سالن میں روٹی کے ٹکڑے) کھاؤ یہ خلل کی جگہوں کو بھر لیتا ہے' اور جب تمہارے نبیذ میں تیزی ہو تو اس کو پانی سے توڑو۔ اور دیہاتیوں کو نہ پلاؤ۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۲۴۱۹۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اگر تمہارے نبیذ میں تیزی ہو تو اس کی تیزی کو پانی سے توڑلو۔

(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۲۴۱۹۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا جس شخص کو اپنی نبیذ کے متعلق شک ہو تو وہ اس میں پانی ڈال لے' اس کا حرام عنصر چلا جائے گا اور حلال باقی رہ جائے گا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۲۴۲۰۱)

نافع بن عبد الحارث بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ان مشکوں میں سے اس نبیذ کو پیو کیونکہ یہ کمر کو قائم رکھتا ہے اور کھانے کو ہضم کرتا ہے اور جب تک تمہارے پاس پانی ہے یہ تم پر غالب نہیں آسکے گا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۲۴۲۰۳)

امام علی بن عمر دار قطنی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کے پاس جائے اور وہ اس کو کھانا کھلائے تو وہ کوئی سوال کیے بغیر اس کا کھانا کھائے اور اگر وہ اس کو مشروب پلائے تو وہ اس مشروب کو پیئے اور اگر اس میں کوئی شبہ ہو تو وہ اس مشروب میں پانی ملالے۔

(سنن دار قطنی رقم الحدیث: ۴۶۲۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۷ھ)

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس برتن میں نبیذ لایا گیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو لیا پھر ماتھے پر بل ڈال کر اس کو واپس کر دیا' ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ کیا یہ حرام ہے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو لیا اور زمزم کے ڈول سے اس میں پانی ڈالا اور فرمایا جب تمہارا مشروب جوش مار رہا ہو تو اس کی تیزی کو پانی سے توڑلو۔ (سنن دار قطنی رقم الحدیث: ۴۵۶۱)

مالک بن قعقاع بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے گاڑھے نبیذ کے متعلق سوال کیا تو انہوں

نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے، آپ کو ایک شخص سے نبیذ کی بو آئی آپ نے پوچھا یہ کیسی بو ہے؟ اس نے کہا یہ نبیذ کی بو ہے، آپ نے فرمایا جاؤ اس میں سے لے کر آؤ، وہ لے کر آیا، آپ نے سرجھکا کر اس کو سونگھا پھر واپس کر دیا وہ شخص کچھ دور جا کر واپس آیا اور پوچھا: آیا یہ حرام ہے یا حلال ہے؟ آپ نے سر جھکا کر دیکھا تو اس کو گاڑھا پایا آپ نے اس میں پانی ڈالا اور پی لیا اور فرمایا جب تمہارے برتنوں میں مشروب جوش مارنے لگے تو اس کے گاڑھے پن کو پانی سے توڑو۔ (سنن دار قطنی رقم الحدیث: ۴۶۴۸، مطبوعہ بیروت، ۱۴۱۷ھ)

ان احادیث کی اسانید بھی ضعیف ہیں لیکن تعدد اسانید کی وجہ سے یہ احادیث حسن لغیرہ ہیں اور ان سے استدلال کرنا صحیح ہے، ان بکثرت احادیث سے یہ واضح ہو گیا کہ نبیذ پینا جائز ہے، اور جس مشروب کی کثیر مقدار نشہ آور ہو اس کی قلیل مقدار پینا جائز ہے بہ شرطیکہ وہ مشروب غیر خمر ہو، اور اسی طرح جو مشروب غیر خمر ہو اور اس کے تیز اور گاڑھے ہونے کی وجہ سے نشہ کا خطرہ ہو تو اس میں پانی ملا کر اور اس کی تیزی کو توڑ کر اس کو پینا جائز ہے، اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ ایلوپیتھک دواؤں میں جو قلیل مقدار میں الکوحل ملی ہوئی ہوتی ہے اور اس میں دیگر دواؤں کی آمیزش ہوتی ہے اور اس کا چمچہ یا دو چمچے پیے جاتے ہیں وہ دوائیں شراب نہیں ہیں اور ان کا پینا جائز ہے اسی طرح پرفیوم بھی قلیل مقدار میں اسپرے کیا جاتا ہے اس کا اسپرے کرنا بھی جائز ہے اور وہ نجس نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تیرے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں ڈالا کہ وہ پہاڑوں میں اور درختوں میں اور اونچے چھپروں میں گھر بنائے ○ پھر تو ہر قسم کے پھلوں سے رس چوس، پھر اپنے رب کے بنائے ہوئے آسان راستوں پر چلتی رہ، ان کے پیٹوں سے رنگ برنگ کے مشروب نکلتے ہیں، اس مشروب (شہد) میں لوگوں کے لیے شفاء ہے، بے شک اس میں غور و فکر کرنے والوں کے لیے ضرور نشانی ہے ○ (النحل: ۶۹-۶۸)

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ اس نے انسان کے لیے مویشیوں میں سے دودھ نکالا، پھر اس نے یہ بتایا کہ اس نے کھجوروں اور انگوروں سے سکر اور رزق حسن مہیا کیا اور حیوانات اور نباتات میں اپنی خلقت کے عجائب اور غرائب سے اپنی الوہیت اور توحید پر استدلال فرمایا اور ان آیات میں شہد کی مکھی کے شہد نکالنے سے اپنی الوہیت اور توحید پر استدلال فرمایا۔ یہ حیوانات سے بھی استدلال ہے اور نباتات سے بھی، کیونکہ شہد کی مکھی پھلوں اور پھولوں کا رس چوستی ہے۔

شہد کی مکھی کی طرف وحی کی تحقیق

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور ہم نے شہد کی مکھی کی طرف وحی کی۔ علامہ ابن اثیر جزری متوفی ۶۰۶ھ وحی کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حدیث میں وحی کا بکثرت ذکر ہے، لکھنے، اشارہ کرنے، کسی کو بھیجنے، الہام اور کلام خفی پر وحی کا اطلاق کیا جاتا ہے۔

(النہایہ ج ۴ ص ۱۶۳، مطبوعہ ایران، ۱۳۶۴ھ)

اصطلاح شرع میں وحی کا معنی یہ ہے:

اللہ کے نبیوں میں سے کسی پر جو کلام نازل کیا جاتا ہے وہ وحی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱ ص ۱۴، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ)

وحی کا اطلاق الہام پر بھی کیا جاتا ہے، علامہ تفتازانی الہام کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

دل میں بطریق فیضان خیر کسی معنی کو ڈالنا۔ (شرح عقائد نسفی مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

کسی چیز کو کسی کے دل میں القاء کرنے اور ڈالنے کو بھی وحی کہا جاتا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے۔
انبیاء علیہم السلام کے لیے وحی کے استعمال کی مثال یہ آیت ہے:
وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا۔ (الشوریٰ: ۵۱) اور کسی بشر کے یہ لائق نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے مگر وحی سے۔
اور اولیاء اللہ پر الہام کے لیے جو وحی کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے' اس کی مثال یہ آیت ہے:
وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ۔ (المائدہ: ۱۱۱) اور جب میں نے حواریین کی طرف الہام کیا۔
اور عام انسانوں کے دل میں کسی نیک بات کے ڈالنے کی مثال یہ آیت ہے:
وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ۔ (القصص: ۷) اور ہم نے موسیٰ کی ماں کے دل میں یہ بات ڈالی کہ تم اس کو دودھ پلاؤ۔
اور حیوانات کے دلوں میں کسی بات کے ڈالنے کے لیے وحی کے استعمال کی مثال یہ آیت ہے:
وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا۔ (النحل: ۶۸) اور ہم نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ ڈالا کہ وہ پہاڑوں میں گھر بنائے۔
یہاں شہد کی مکھی کا ذکر ایک مثال کے طور پر ہے' ورنہ جانور کا نوزائیدہ بچہ جو اپنی ماں کے تھنوں کو چوستا ہے' اس کو کوئی خارجی چیز آ کر یہ نہیں سکھاتی' اللہ ہی اس کے دل میں یہ ڈالتا ہے' اسی طرح جانور جو باقی فطری عمل کرتے ہیں' وہ اللہ ہی ان کے دلوں میں ڈالتا ہے اور ان کو سکھاتا ہے' اسی طرح انسانوں کو کسی اچھے کام کا طریقہ اور حسن عمل کی تدبیر سوجھتی ہے تو یہ بھی اللہ ہی ان کے دلوں میں ڈالتا ہے۔

شہد کی مکھی کی دو قسمیں

اور ہم نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ ڈالا کہ وہ پہاڑوں اور درختوں میں اور اونچے چھپروں میں گھر بنائے۔
شہد کی مکھیوں کی دو قسمیں ہیں ایک وہ ہے جو پہاڑوں اور جنگلوں میں گھر بناتی ہے' اور لوگ اس کی دیکھ بھال اور حفاظت نہیں کرتے' اور دوسری قسم وہ ہے جس کی لوگ دیکھ بھال اور حفاظت کرتے ہیں اور یہ وہ ہے جو چھپروں میں گھر بناتی ہے۔ من الجبال ومن الشجر سے پہلی قسم مراد ہے اور ومما یعرشون سے دوسری قسم مراد ہے۔
اور اس آیت سے مراد یہ ہے کہ بعض پہاڑوں اور بعض درختوں میں گھر بنائے' اسی طرح یہ مراد ہے کہ بعض چھپروں میں گھر بنائے۔
اللہ تعالیٰ نے جو شہد کی مکھی کو حکم دیا کہ وہ پہاڑوں اور جنگلوں اور چھپروں میں گھر بنائے' اس کی تفسیر میں علماء نے اختلاف کیا ہے کہ آیا حیوانوں میں عقل ہوتی ہے اور ان کی طرف احکام متوجہ ہوتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ انہیں کسی چیز کا حکم دیتا ہے اور کسی چیز سے منع فرماتا ہے جیسا کہ اس آیت میں اس کو حکم دیا ہے کہ وہ گھر بنائے۔ یا ان میں عقل نہیں ہوتی' بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طبائع اور فطرتوں میں یہ چیز رکھ دی ہے کہ وہ اس قسم کے افعال کرتے ہیں' مثلاً چڑیا ایک ایک تنکا اکٹھا کر کے اپنا گھونسلا بناتی ہے' جنگلوں میں بعض پرندے دو تین منزلہ گھونسلہ بناتے ہیں' جب کہ عام آدمی اپنے ہاتھوں سے تنکے اٹھا کر ایسا دو منزلہ گھونسلا بنانا چاہے تو اس کے لیے مشکل ہو گا' اسی طرح اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھی کے طبیعت میں یہ ودیعت کر دیا ہے کہ وہ ایسا عجیب و غریب گھر بنا لیتی ہے۔

شہد کی مکھی کے عجیب وغریب افعال

اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھی کے نفس اور اس کی طبیعت میں ایسی چیز رکھی ہے جس کی وجہ سے وہ ایسا عجیب وغریب گھر بناتی ہے کہ عقل والے ایسا گھر بنانے سے عاجز ہیں اور اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) شہد کی مکھی جو گھر بناتی ہے وہ مسدس ہوتا ہے اور اس کے تمام اضلاع مساوی ہوتے ہیں اور عقل والے انسان بھی بغیر پرکار اور اسکیل کے ایسا مسدس نہیں بنا سکتے۔

(۲) علم ہندسہ میں یہ ثابت ہے کہ اگر مسدس کے علاوہ اور کسی شکل کے گھر بنائے جائیں تو ان گھروں کے درمیان ضرور کچھ نہ کچھ خالی جگہ رہ جائے گی لیکن جب مسدس شکل پر گھر بنائے جائیں گے تو ان کے درمیان کوئی خالی جگہ نہیں بچے گی، پس اس انتہائی خورد حیوان کا اس حکمت کے مطابق گھر بنانا، بہت عجیب وغریب امر ہے۔

(۳) شہد کی مکھیوں میں ایک مکھی ملکہ ہوتی ہے اور اس کا جسم دوسری مکھیوں سے بڑا ہوتا ہے، اور باقی مکھیوں پر اس کی حکومت ہوتی ہے اور تمام مکھیاں اس کی اطاعت کرتی ہیں اور جب وہ سب مل کر اڑتی ہیں تو سب اس کو اپنے اوپر اٹھا لیتی ہیں۔

(۴) جب شہد کی مکھیاں اپنے چھتے سے روانہ ہوتی ہیں تو موسیقی سے مشابہ آوازیں نکالتی ہوئی روانہ ہوتی ہیں اور ان ہی آوازوں کے واسطے سے دوبارہ اپنے چھتے کی طرف لوٹ آتی ہیں۔

(۵) اللہ تعالیٰ کی قدرت سے درخت کے پتوں پر شبنم پڑتی ہے اور پتوں اور کلیوں پر شبنم کے باریک باریک ذرات ہوتے ہیں اور شہد کی مکھی درخت کے پتوں سے ان باریک ذرات کو کھا لیتی ہے اور جب وہ سیر ہو جاتی ہے تو دوبارہ ان ذرات کو چن کر کھا لیتی ہے اور اپنے گھر (چھتے) میں جا کر ان ذرات کو اگل دیتی ہے تا کہ آئندہ کے لیے اپنی غذا کا ذخیرہ رکھے۔

(۶) یہ بھی کہا گیا ہے کہ شہد کی مکھی پتوں، کلیوں، پھلوں اور پھولوں سے رس چوس لیتی ہے، پھر اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے اس کے پیٹ میں جمع کیے ہوئے رس کو شہد بنا دیتا ہے، شہد کی مکھی اپنی غذا کو ذخیرہ کرنے کے لیے اس شہد کو اگل دیتی ہے اور یہی وہ شہد ہے جس کو ہم کھاتے ہیں، امام رازی نے پہلے قول کو ترجیح دی ہے اور زیادہ صحیح اور زیادہ قرین قیاس دوسرا قول ہے۔

حشرات الارض کو مارنے کا شرعی حکم

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چار جانوروں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے، چیونٹی، شہد کی مکھی، ہدہد، لٹورا (سبز رنگ کا پرندہ جو چھوٹے پرندوں کا شکار کرتا ہے)

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۵۲۶۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۲۲۴، مسند احمد رقم الحدیث: ۳۰۶۷، دار الفکر)

بعض اوقات گھروں میں چیونٹیاں، مچھر، مکھیاں، کھٹمل وغیرہ بہت زیادہ ہو جاتے ہیں جن سے لوگوں کو ضرر پہنچتا ہے، چیونٹیاں بستروں پر چڑھ جاتی ہیں اور انسان کی آنکھوں اور بدن کے دوسرے حصوں پر کاٹ لیتی ہیں، جس سے انسان شدید تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے، آیا ان کو فنس وغیرہ اسپرے کر کے مارنا جائز ہے یا نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ خود سے ضرر کو دور کرنے کے لیے ان کو مارنا جائز ہے اور بلاوجہ کسی کو مارنا جائز نہیں ہے اور اس کی اصل وہ احادیث ہیں جن میں آپ نے کاٹنے والے کتے، چوہے، سانپ اور بچھو کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے۔

علاج کرنے اور دوا استعمال کرنے کے متعلق احادیث

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اس (شہد) میں لوگوں کے لیے شفاء ہے۔

قرآن مجید کی اس آیت میں بیماریوں کا علاج کرنے اور دوا پینے کے جواز کی دلیل ہے۔ بعض صوفی علاج کرنے اور دوا پینے سے منع کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ مسلمان اس وقت تک اللہ تعالیٰ کا ولی نہیں بنتا جب تک وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہوئی تمام بیماریوں اور تمام بلاؤں پر راضی نہ ہو، وہ کہتے ہیں کہ دوا اور علاج کرنا جائز نہیں ہے، لیکن ان کا یہ قول مردود ہے، اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں شہد کو لوگوں کے لیے شفاء فرمایا ہے اور اس کا شفاء ہونا تب ہی ثابت ہوگا جب کسی بیماری میں اس کو استعمال کیا جائے۔ نیز ان لوگوں کو چاہیے کہ پھر دعا بھی نہ کیا کریں، حالانکہ قرآن مجید اور احادیث میں دعا کرنے کی ترغیب ہے، اور علاج کرنے کے متعلق بھی بہت احادیث ہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر بیماری کی دوا ہے پس جب دوا صحیح ہو تو (مریض) اللہ عزوجل کے حکم سے شفاء پا جاتا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۰۴، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۵۵۶)

عمر بن قتادہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے خود پہنے ہوئے شخص کی عیادت کی، پھر فرمایا میں اس وقت تک نہیں جاؤں گا جب تک تم پچھنے نہ لگوالو کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اس میں شفاء ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۰۵، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۸۳، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۵۶۸۳)

عاصم بن عمرو بن قتادہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما ہمارے گھر آئے اور ہمارے گھر میں ایک آدمی کو زخم سے تکلیف تھی، حضرت جابر نے پوچھا تم کو کیا تکلیف ہے؟ اس نے کہا مجھ کو ایک زخم سے بہت تکلیف ہے، حضرت جابر نے کہا ایک فصد لگانے والے لڑکے کو بلاؤ، اس شخص نے کہا اے ابو عبداللہ! آپ فصد لگانے والے کو کیوں بلا رہے ہیں؟ حضرت جابر نے فرمایا میں اس زخم پر فصد لگوانا چاہتا ہوں! اس نے کہا پھر میرے زخم پر مکھیاں بیٹھیں گی یا میرے زخم پر کپڑا لگے گا جس سے مجھے تکلیف ہوگی، جب حضرت جابر نے یہ دیکھا کہ یہ شخص فصد لگوانے سے گھبرا رہا ہے تو انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے: اگر تمہاری دواؤں میں سے کسی دوا میں خیر ہے تو فصد لگوانے میں ہے یا شہد کے ایک گھونٹ میں ہے یا لوہے کی آگ سے گرم کرکے داغ لگوانے میں ہے، آپ نے فرمایا میں داغ لگوانے کو پسند نہیں کرتا، پھر ایک فصد لگانے والا آیا اور اس کی فصد لگائی اس سے اس کی تکلیف ختم ہوگئی۔

(صحیح مسلم، باب السلام: ۷۱، الرقم المسلسل: ۲۲۰۵)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فصد لگوانے کی اجازت طلب کی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو طیبہ رضی اللہ عنہ کو فصد لگانے کا حکم دیا، حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ حضرت ابو طیبہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی بھائی تھے یا نابالغ لڑکے تھے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۰۶، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۱۰۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۸۰)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پاس ایک طبیب بھیجا انہوں نے ان کی ایک رگ کاٹ کر داغ دیا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۰۷، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۸۶۴، سنن ابن ماجہ ۳۴۹۳)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے بازو کی ایک رگ میں تیر لگا تو نبی

صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک ہاتھ سے تیر کے پھل کے ساتھ اس کو داغا' ان کا ہاتھ سوج گیا تو آپ نے اس کو دوبارہ داغا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۲۰۸)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بخار جہنم کے جوش سے ہے اس کو پانی سے ٹھنڈا کرو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۲۶۴' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۲۰۹)

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب ان کے پاس بخار میں مبتلا کوئی عورت لائی جاتی تو وہ پانی منگوا کر اس کے گریبان میں ڈالتیں اور بیان کرتیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے بخار کو پانی سے ٹھنڈا کرو اور فرمایا ہے یہ جہنم کے جوش سے ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۲۳' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۲۱۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۷۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۷۴' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۷۶۰۹)

حضرت عکاشہ بن محصن کی بہن ام قیس بنت محصن بیان کرتی ہیں میں اپنے دودھ پیتے بچے کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی' اس نے آپ پر پیشاب کر دیا' آپ نے پانی منگا کر اس پر بہا دیا' پھر میں اپنے ایک اور بچے کو لے کر آپ کی خدمت میں گئی' جس کا میں نے گلا دبا دیا تھا (تالو کی بیماری کی وجہ سے) آپ نے فرمایا تم اپنے بچے کا حلق کیوں دباتے ہو؟ تم اس عود ھندی کو لازم رکھو' اس میں سات چیزوں سے شفاء ہے' ان میں سے نمونیہ بھی ہے' تالو کی بیماری میں ناک سے دوا ڈالی جائے اور نمونیہ میں منہ سے دوا ڈالی جائے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۲۱۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ کلونجی میں موت کے سوا ہر بیماری کی شفا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۲۱۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۴۴۷)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرے بھائی کو دست لگ گئے ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو شہد پلاؤ' اس نے اس کو شہد پلایا' پھر آ کر کہا میں نے اس کو شہد پلایا تھا اس کے دست بڑھ گئے' آپ نے تین بار اس سے یہی فرمایا' جب وہ چوتھی بار آیا تو آپ نے فرمایا اس کو شہد پلاؤ' اس نے کہا میں نے اس کو شہد پلایا تھا' مگر اس کے دست اور بڑھ گئے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کا قول سچا ہے اور تمہارے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے' اس نے پھر اپنے بھائی کو شہد پلایا اور اس کے بھائی کو شفاء ہو گئی۔

علاج کرنے کا استحباب

ان احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ علاج کرنا مستحب ہے' جمہور فقہاء متقدمین اور متاخرین کا یہی نظریہ ہے' قاضی عیاض نے کہا ہے کہ ان احادیث میں ان غالی صوفیوں کا رد ہے جو دوا لینے اور علاج کرنے کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہر چیز اللہ تبارک و تعالیٰ کی تقدیر سے ہے' اس لیے دوا لینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے' جمہور علماء کی دلیل یہ احادیث ہیں ان کا اعتقاد یہ ہے کہ فاعل صرف اللہ تعالیٰ ہے اور دوا اور علاج بھی اللہ تعالیٰ کی قضاء اور قدر سے ہے' جس طرح اللہ تعالیٰ نے دعا کرنے کا حکم دیا ہے اور کفار سے لڑنے کا حکم دیا ہے اور اپنی حفاظت کرنے کا حکم دیا ہے اور اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے سے منع فرمایا ہے' حالانکہ موت اپنے وقت مقرر سے موخر نہیں ہو سکتی اور تقدیر کے معین وقت سے پہلے کوئی چیز نہیں مل سکتی' سو جس طرح دعا کرنا' کفار سے قتال کرنا اور اپنی حفاظت کرنا تقدیر کے خلاف نہیں ہے' اسی طرح دوا لینا اور علاج کرنا

بھی تقدیر کے خلاف نہیں ہے۔

ذیابیطس کے مریض کے لیے شہد کا شفا نہ ہونا

علامہ مازری نے کہا کہ امام مسلم نے طب اور علاج کے متعلق بہ کثرت احادیث ذکر کی ہیں، بعض ملحدین ان احادیث پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اطباء کا اس پر اتفاق ہے کہ شہد سے اسہال ہوتا ہے، پھر اسہال میں شہد کیسے مفید ہو سکتا ہے؟ نیز اس پر بھی علماء کا اتفاق ہے کہ بخار والے شخص کے لیے ٹھنڈا پانی استعمال کرنا نقصان دہ ہے، اسی طرح نمونیہ میں قسط ہندی کا استعمال کرنا بھی حرج کا باعث ہے اور مضر ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مزاج اور ہر علاقہ کے لوگوں کے لیے یہ دوائیں تجویز نہیں کیں اور مرض کی ہر کیفیت میں یہ دوائیں تجویز نہیں کیں، بعض مزاج کے لوگوں اور خصوصاً اہل عرب کے لیے ان دواؤں کو تجویز فرمایا ہے، آج کل جدید میڈیکل سائنس کے ماہرین بھی اس پر متفق ہیں کہ جب بخار بہت تیز ہو جائے تو مریض پر برف کا مساج کرنا چاہیے اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بخار کے لیے ٹھنڈے پانی سے غسل کو تجویز فرمانا ہر بخار کے لیے نہیں ہے بلکہ یہ علاج صفراوی بخار کے لیے ہے، علی ھذا القیاس آپ نے دوسری بیماریوں کے لیے جو علاج تجویز فرمائے ہیں وہ بھی مرض کی خاص کیفیت، مریض کی عمر، مزاج اور عرب کی مخصوص آب و ہوا کے اعتبار سے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کلونجی کے متعلق فرمایا ہے اس میں موت کے سوا ہر بیماری کی شفاء ہے، اس کا شفاء بخش ہونا بھی ٹھنڈے مزاج کے لوگوں کے لیے ہے، کلونجی بند ریاح کو کھولتی ہے، پیٹ کے کیڑوں کو مارتی ہے، زکام میں نافع ہے، حیض کو جاری کرتی ہے، خارش میں مفید ہے، بلغمی اورام کو شفاء دیتی ہے، پیشاب کو کنٹرول کرتی ہے، موٹاپا دور کرتی ہے اور میرا تجربہ ہے کہ کلونجی خون میں شکر کو کم کرتی ہے۔

قرآن مجید میں شہد کو شفاء فرمایا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی شہد کو شفاء فرمایا ہے لیکن اس کا شفاء ہونا بھی ہر شخص کے اعتبار سے نہیں ہے ذیابیطس کے مریض کو شہد استعمال نہیں کرنا چاہیے اس مرض میں شہد نقصان دہ ہے۔

صوفیاء کے نزدیک علاج کرنا رخصت ہے اور علاج کو ترک کرنا عزیمت ہے

اصل میں شریعت نے جس کام کو کرنے کا حکم دیا ہے اس کو کرنا عزیمت ہے اور کسی عذر کی بناء پر اس میں جو تخفیف کی جائے اس پر عمل کرنا رخصت ہے مثلاً وطن میں ظہر کی چار رکعت نماز پڑھنا عزیمت ہے اور سفر میں دو رکعت نماز پڑھنا رخصت ہے۔

مشہور صوفی محمد بن علی الشہیر بابی طالب مکی متوفی ۳۸۶ھ لکھتے ہیں:

دوا استعمال کرنا توکل کے منافی نہیں ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علاج کرنے کا حکم دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے علاج کرنے کی حکمت کی خبر دی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر بیماری کی دوا ہے، جس نے اس دوا کو جان لیا اس نے جان لیا اور جس نے نہیں جانا اس نے نہیں جانا، ماسوا موت کے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ کے بندو، دوا کیا کرو، آپ سے دوا اور دم کرنے کے متعلق سوال کیا گیا آیا یہ تقدیر کو ٹال دیتی ہے تو آپ نے فرمایا یہ بھی تقدیر سے ہیں، اور حدیث مشہور ہے میں جب بھی فرشتوں کے پاس سے گزرا تو انہوں نے کہا اپنی امت کو فصد لگوانے کا حکم دیجئے، اور ایک حدیث میں ہے آپ نے فرمایا کہ سترہ یا انیس یا اکیس دن بعد فصد لگواؤ، اور حضرت عمر نے دھوپ سے گرم پانی کے متعلق فرمایا کہ یہ برص پیدا کرتا ہے۔

دوا کرنا رخصت ہے اور دوا نہ کرنا عزیمت ہے اور اللہ تعالیٰ جس طرح بندہ کے عزیمت پر عمل سے محبت کرتا ہے اسی طرح اس کی دی ہوئی رخصت پر عمل کرنے سے بھی محبت کرتا ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ. اور تمہارے اوپر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔

(الحج: ۷۸)

اور بعض اوقات دوا کرنے میں دو وجہ سے فضیلت ہے' ایک اس لیے کہ دوا کرنے والا اتباع سنت کی نیت کرے اور دوسرے اس وجہ سے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی رخصت پر عمل کرنے کی نیت کرے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم شریعت کے جو آسان احکام لے کر آئے ہیں ان پر عمل کرے' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سے زیادہ صحابہ کو دوا اور پرہیز کا حکم دیا' بعض لوگوں کو فصد لگوائی اور بعض لوگوں کو گرم لوہے سے داغ لگوایا' حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں تکلیف تھی تو ان سے فرمایا تم تازہ کھجوریں نہ کھاؤ (یہ حدیث صہیب کے متعلق ہے' ہم عنقریب اس کا ذکر کریں گے) اور بہت احادیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بچھو کے ڈنک کی دوا لگائی' روایت ہے کہ وحی نازل ہونے سے پہلے آپ کے سر میں درد ہو جاتا' تو آپ سر پر مہندی لگاتے' اور حدیث میں ہے کہ جب آپ کے چھالا ہو جاتا تو آپ اس پر مہندی لگاتے حالانکہ آپ سب سے زیادہ توکل کرنے والے تھے اور سب سے زیادہ قوی تھے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لیے علاج کیا تھا کہ امت کے لیے علاج کرنا سنت ہو جائے' تو ہم اس کے جواب میں یہ کہیں گے کہ ہم آپ کی سنت سے اعراض نہیں کرتے اور آپ کے خلاف عمل کرنے کو زہد قرار نہیں دیتے' جب کہ آپ نے ہماری خاطر علاج کیا تاکہ آپ کا یہ فعل بے مقصد نہ ہو' اور آپ کی سنت سے اعراض کو توکل کا نام دینا شرع میں طعن کا موجب ہے' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری سیرت اس لیے تھی کہ اس کی اتباع کی جائے' اور اسی سلسلہ میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت گرمی کے سفر میں روزہ رکھا' اور سر پر پانی ڈالا اور درخت کا سایہ طلب کیا' تاکہ روزہ دار کے لیے سر پر پانی ڈالنے کی رخصت سنت ہو جائے' آپ سے کہا گیا کہ کچھ لوگوں نے روزہ رکھا ہے اور ان پر روزہ سخت دشوار ہو رہا ہے' آپ نے ایک پیالہ میں پانی منگایا اور پی لیا' پھر لوگوں نے بھی روزہ افطار کر لیا' اور آپ نے اپنا حال لوگوں کی وجہ سے ترک کر دیا' پھر آپ کو بتایا گیا کہ بعض لوگوں نے روزہ افطار نہیں کیا' آپ نے فرمایا وہ نافرمان ہیں!

اور علاج کرنے کی فضیلت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ یہ پسند کرتے تھے کہ آپ بیماری سے جلد تندرست ہو جائیں تاکہ اپنے مولیٰ کے احکام کی اطاعت کے لیے جلد حاضر ہو جائیں اور اس کی عبادت میں جلد مشغول ہو جائیں یعنی بیماری کی وجہ سے جن عبادات کو ترک کرنے کی رخصت ہے اس رخصت کو ترک کر کے جلد عزیمت کی طرف لوٹ آئیں۔

ہمارے بعض علماء نے ذکر کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کسی بیماری میں مبتلا ہو گئے' ان کے پاس بنو اسرائیل آئے' انہوں نے ان کے مرض کو پہچان لیا اور حضرت موسیٰ سے کہا کہ آپ فلاں چیز سے علاج کر لیں تو آپ تندرست ہو جائیں گے' حضرت موسیٰ نے فرمایا میں کوئی دوا نہیں کروں گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ مجھے بغیر کسی دوا کے شفاء دے' پھر مرض نے طول کھینچا' انہوں نے پھر کہا اس مرض کی فلاں دوا مشہور اور مجرب ہے' اگر آپ وہ دوا پی لیں گے تو تندرست ہو جائیں گے' حضرت موسیٰ نے کہا میں دوا نہیں کروں گا' ان کی بیماری اسی طرح جاری رہی' پھر اللہ عزوجل نے ان کی طرف وحی فرمائی: مجھے اپنی عزت کی قسم! میں تمہیں اس وقت تک صحت نہیں دوں گا جب تک تم اس دوا سے علاج نہیں کرو گے جو انہوں نے

تمہیں بتائی ہے، تب حضرت موسیٰ نے بنو اسرائیل سے فرمایا، تم نے مجھ سے جس دوا کا ذکر کیا تھا وہ دوا مجھے لا کر دو، انہوں نے وہ دوا لا کر دی، حضرت موسیٰ نے اس دوا سے علاج کیا اور وہ تندرست ہو گئے، پھر حضرت موسیٰ نے اپنے دل میں توجہ کی تو اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی تم نے مجھ پر اپنے توکل کی وجہ سے میری اس حکمت کو باطل کرنے کا ارادہ کیا تھا کہ میں نے جڑی بوٹیوں میں چیزوں کی منفعت رکھی ہے، بعض روایات میں ہے کہ ایک نبی نے اللہ سے اس بیماری کی شکایت کی جس میں وہ مبتلا تھے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ انڈے کھاؤ، اور ایک اور روایت میں ہے کہ ایک نبی نے اللہ تعالیٰ سے ضعف کی شکایت کی تو ان سے فرمایا کہ وہ گوشت کو دودھ کے ساتھ کھائیں، کیونکہ ان دونوں چیزوں میں طاقت ہے اور وہب بن منبہ نے ذکر کیا ہے کہ ایک بادشاہ کسی بیماری میں مبتلا ہو گیا، اور وہ بہت نیک سیرت بادشاہ تھا، تو اللہ تعالیٰ نے شعیاء نبی علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ وہ زیتون کا عرق پیئے اور ہم نے ایک اس سے بھی عجیب چیز روایت کی ہے کہ ایک قوم نے اپنے نبی سے شکایت کی کہ اس کی اولاد بد صورت پیدا ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ ان سے کہو جب ان کی عورتیں حاملہ ہوں تو وہ ان کو بہی دانہ کھلائیں پھر ان کے بچے خوب صورت پیدا ہوں گے، پھر وہ حاملہ عورتوں کو بہی دانہ اور نفاس والی عورتوں کو تازہ کھجوریں کھلاتے تھے اور یہ عمل حمل کے تیسرے یا چوتھے مہینہ میں ہوتا تھا۔

بہرحال قوی لوگوں کے لیے دوا ترک کرنا افضل ہے اور یہ عزائم دین میں سے ہے اور یہ صدیقین میں سے اولوالعزم لوگوں کا طریقہ ہے کیونکہ دین میں دو طریقے ہیں ایک طریقہ یہ ہے کہ دنیا سے منقطع ہو کر اللہ کی طرف متوجہ ہو اور عزیمت کو اختیار کرے اور دوسرا توسع اور رخصت کا طریقہ ہے، سو جو شخص قوی ہو وہ زیادہ سخت راستہ پر چلے جو اقرب اور اعلیٰ ہے اور مقربین کا راستہ ہے اور یہی لوگ سابقین ہیں اور جو شخص کمزور ہو وہ آسان اور سہل راستہ پر چلے اور یہ متوسط طریقہ ہے لیکن یہ منزل سے زیادہ دور ہے اور یہ لوگ بھی اصحاب الیمین اور درمیانہ درجہ کے اور معتدل لوگ ہیں اور مومنین میں قوی بھی ہوتے ہیں اور ضعیف بھی ہوتے ہیں اور نرم بھی ہوتے ہیں اور سخت بھی ہوتے ہیں۔

(قوت القلوب ج ۲ص ۳٦-۳۴، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ)

مشہور صوفی ابو طالب مکی کے کلام پر مصنف کا تبصرہ

صوفی ابو طالب مکی کے اس تجزیہ سے ہمیں اختلاف ہے کہ علاج کرنا رخصت ہے اور یہ ضعیف مسلمانوں کا طریقہ ہے، اور علاج نہ کرنا عزیمت ہے یعنی اصل کے مطابق ہے اور ہمت والوں کا کام ہے اور یہی صدیقین اور اولوالعزم لوگوں کا طریقہ ہے، خود صوفی ابو طالب مکی نے نقل کیا ہے کہ انبیاء سابقین کو اللہ تعالیٰ علاج کرنے کی وحی فرماتا تھا اور حضرت موسیٰ نے علاج کے بغیر توکل کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سے منع کیا اور علاج کرنے کا حکم دیا، اور سید المرسلین وسیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد مرتبہ علاج فرمایا اور علاج کرنے کی ہدایت دی، اور اگر یہ نفوس قدسیہ اولوالعزم نہیں اور قوی نہیں ہیں تو کون قوی اور اولوالعزم ہو گا! اور علاج کرنے والوں کو ضعیف کہنا ان حضرات انبیاء علیہم السلام کے ایمان کو ضعیف کہنے کے مترادف ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ ایسا شخص خود ضعف ایمان کے خطرہ میں ہے۔

سب سے پہلے ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ خود قرآن عظیم نے علاج کرنے کا حکم دیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ۔ اور اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

(البقرہ: ۱۹۵)

جس حاملہ عورت کے پیٹ میں بچہ آڑا ہو، وہ معروف طبعی طریقہ سے پیدا نہیں ہو سکتا اس کے لیے اس عورت کے

پیٹ کا آپریشن کرنا ناگزیر ہے اگر اس کے پیٹ کی سرجری نہ کی جائے تو عورت اور بچہ دونوں مرجائیں گے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے سے منع فرمایا ہے' نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۔ (النساء: ۲۹) اور اپنی جانوں کو قتل نہ کرو بے شک اللہ تم پر بہت رحم فرمانے والا ہے۔

اور صورت مذکورہ میں سرجری کے ذریعہ علاج نہ کرنے سے عورت اور بچہ دونوں مرجائیں گے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی جانوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے سو اس صورت میں علاج نہ کرنا حرام ہوا اور حرام کی ضد فرض ہوتی ہے لہٰذا ایسی تمام صورتوں میں جن میں علاج نہ کرنے سے موت کا اور جان ضائع ہونے کا خطرہ ہو ان تمام صورتوں میں علاج کرنا فرض ہے' ہم ایسی چند اور مثالیں پیش کرتے ہیں:

ایک عورت مرجائے اور اس کے پیٹ میں بچہ زندہ ہو اگر اس کے پیٹ کی سرجری کر کے زندہ بچہ کو مردہ عورت کے پیٹ سے نہ نکالا جائے تو وہ بچہ مرجائے گا اور اگر اس عورت کو یونہی دفن کر دیا گیا تو اس بچہ کو زندہ درگور کرنا لازم آئے گا لہٰذا اس صورت میں سرجری کے ذریعہ اس بچہ کو مردہ عورت کے پیٹ سے نکالنا فرض ہے۔

ایک شخص بلڈ کینسر کا مریض ہے اور اس کا علاج یہی ہے کہ اس کے جسم کے پورے خون کو تبدیل کر دیا جائے ورنہ وہ شخص مرجائے گا لہٰذا اس صورت میں بھی انتقال خون کے ذریعہ علاج کرنا فرض ہے۔

ایک شخص کا جگر فیل ہو گیا اس نے خون بنانا بند کر دیا اب اس کو زندہ رکھنے کے لیے انتقال خون کے ذریعہ اس کے جسم میں نیا خون پہنچانا ضروری ہے بلکہ فرض ہے ورنہ وہ شخص مرجائے گا۔

ایک شخص شوگر کا مریض ہے اس کا پیر زخمی ہے اس میں زہر پھیل گیا ہے' اگر سرجری کے ذریعہ اس کا پیر کاٹ کر الگ نہ کیا گیا تو یہ زہر پورے جسم میں پھیل جائے گا اور اس کی موت واقع ہو جائے گی اس صورت میں اس کی جان بچانے کے لیے سرجری کے ذریعہ اس کا علاج کرانا ضروری ہے۔

ایک شخص کو برین ہیمبرج ہو گیا یعنی اس کے دماغ کی شریان پھٹ گئی اگر سرجری کے ذریعہ اس کا بروقت علاج نہ کیا گیا تو اس کی موت واقع ہو جائے گی اس صورت میں بھی سرجری کے ذریعہ اس کا علاج کرانا فرض ہے۔

دہشت گردی کی کارروائی کے نتیجہ میں اچانک ایک شخص کے سینہ اور پیٹ میں گئی گولیاں لگ گئیں اگر بروقت کارروائی کر کے سرجری کے ذریعہ اس کے جسم سے گولیاں نہ نکالی گئیں تو اس کی موت واقع ہو جائے گی' اس صورت میں بھی سرجری کے ذریعہ اس کا علاج کرانا فرض ہے۔

کسی بڑے حادثہ میں ایک شخص بری طرح زخمی ہو گیا اور اس کے جسم سے بہت زیادہ خون نکل گیا حتیٰ کہ وہ موت کے قریب آ پہنچا اگر بروقت اس کے جسم میں خون نہ پہنچایا گیا تو وہ مرجائے گا' اس صورت میں بھی انتقال خون کے ذریعہ اس کا علاج کرانا فرض ہے۔

بعض دفعہ اچانک ہائی بلڈ پریشر بڑھ جانے کی وجہ سے ایک آدمی کے جسم کے کسی عضو پر فالج گر جاتا ہے' اس صورت میں مرنے کا خطرہ اگرچہ نہ ہو لیکن ہلاکت میں مبتلا ہونے کا یقینی خطرہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو ہلاکت میں مبتلا کرنے سے بھی منع فرمایا ہے۔

شوگر' ہائی بلڈ پریشر یہ ایسی بیماریاں ہیں کہ اگر ان کا باقاعدگی سے علاج اور پرہیز نہ کیا گیا تو فالج' برین ہیمبرج' ہارٹ

انیک، گردے فیل ہو جانے، جگر فیل ہو جانے، کسی عضو کے ناکارہ ہونے اور کینسر وغیرہ کا خطرہ لگا رہتا ہے اور ان بیماریوں کا علاج نہ کرنا اپنے آپ کو ہلاکت میں مبتلا کرنا ہے۔

شدید کالی کھانسی، نمونیہ، چیچک، تپ دق، گردن توڑ بخار وغیرہ یہ ایسی بیماریاں ہیں کہ اگر ان کا بروقت علاج نہ کرایا جائے تو انسان مرتا تو نہیں لیکن اس کی زندگی مردے سے بدتر ہو جاتی ہے' اور یہی اپنے آپ کو ہلاکت میں مبتلا کرنا ہے لہٰذا ان صورتوں میں بھی علاج کرنا ضروری ہے۔

اور یہ تو ایک واضح اور بدیہی بات ہے کہ بیماری کے دوران شدید بیماری میں انسان اپنے روزمرہ کے معمول کے کام انجام نہیں دے پاتا اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت بھی عذر کی وجہ سے نہیں کر سکتا اور عبادات سے بھی قاصر رہتا ہے اگر وہ مزدور ہے یا روزمرہ کی اجرت پر کام کرتا ہے تو اگر وہ علاج نہیں کرے گا تو کام پر نہیں جا سکے گا اور نہ صرف یہ کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت اور اس کی عبادات میں خلل واقع ہوگا بلکہ روٹیوں کے بھی لالے پڑ جائیں گے وہ اہل و عیال کی کفالت نہیں کر سکے گا اور اس کے اہل و عیال پر بھیک مانگنے کی نوبت آجائے گی ہمارے معاشرہ میں قرض بھی اسی کو دیا جاتا ہے جس سے رقم واپس ملنے کی امید ہو' اندریں حالت یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ علاج نہ کرنا افضل ہے اور عزیمت ہے اور یہ ایمان کا درجہ ہے اور ہمت والے مومنوں کا کام ہے اور علاج کرنا رخصت ہے اور یہ ضعیف مسلمانوں کا شعار ہے اور یہ منزل سے زیادہ دور ہے۔

ان صوفیوں نے توکل کا معنی یہ سمجھ رکھا ہے کہ اسباب کو ترک کرنا توکل ہے، حالانکہ توکل کا معنی یہ ہے کہ کسی مطلوب کے اسباب کو حاصل کر کے نتیجہ کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا جائے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! میں اونٹنی کو باندھ کر توکل کروں یا اس کو کھلا چھوڑ کر توکل کروں؟ آپ نے فرمایا اونٹنی کو باندھو اور توکل کرو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۱۷، حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۳۹۰، کنز العمال رقم الحدیث: ۵۶۸۷، حافظ ذہبی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند جید ہے۔ المستدرک ج ۳ ص ۶۲۳، مسند الشہاب رقم الحدیث: ۶۳۳، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۳۱، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۲۹۱-۳۱۰)

ترک علاج کو افضل کہنے والوں کے دلائل اور ان کے جوابات

جو صوفیاء علاج نہ کرنے کو افضل اور عزیمت کہتے ہیں' ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت عمران بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت سے ستر ہزار لوگ بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے، صحابہ نے پوچھا وہ کون لوگ ہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو گرم لوہے سے داغ لگواتے ہوں گے اور نہ دم کرواتے ہوں گے اور اپنے رب پر توکل کرتے ہوں گے، عکاشہ نے کھڑے ہو کر کہا: آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ وہ مجھے ان لوگوں میں سے کر دے، آپ نے فرمایا تم ان میں سے ہو، پھر ایک اور شخص نے کھڑے ہو کر کہا: یا نبی اللہ! آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ اللہ مجھے بھی ان میں سے کر دے! آپ نے فرمایا تم پر عکاشہ سبقت کر چکا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۸، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۰۵، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۴۶، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۹۸۱۹، المعجم الکبیر ج ۱۰ ص ۶)

امام ابو عبداللہ مازری نے کہا ہے کہ بعض لوگوں نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ علاج کرنا مکروہ ہے اور جمہور علماء کا قول اس کے خلاف ہے، کیونکہ بکثرت احادیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دواؤں کے فوائد بیان

فرمائے ہیں، مثلاً کلونجی اور قسط ہندی کے فوائد بیان فرمائے ہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی علاج فرمایا ہے، اور دوسروں کا بھی علاج فرمایا ہے، اس لیے یہ حدیث ان لوگوں پر محمول ہے جو یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ دوائیں اپنی طبعی خواص کی بناء پر شفاء دیتی ہیں اور دوا سے علاج کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے شفاء کی امید نہیں رکھتے بلکہ دوا کی تاثیر پر بھروسہ کرتے ہیں۔

اور علامہ داؤدی نے کہا ہے یہ حدیث ان لوگوں پر محمول ہے، جو حالت صحت میں دواؤں سے علاج کرتے ہیں، کیونکہ جس شخص کو کوئی بیماری نہ ہو اس کے لیے گلے میں تعویذ ڈالنا مکروہ ہے، اور جو شخص کسی بیماری میں تعویذ لٹکائے تو یہ جائز ہے اور دم کروانا، اور گرم لوہے سے داغ لگوانا طب کی اقسام سے ہے اور طب یعنی علاج کرانا توکل کے منافی نہیں ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سلف صالحین نے علاج کرایا ہے اور ہر یقینی سبب مثلاً غذا حاصل کرنے کے لیے کھانا اور پینا توکل کے منافی نہیں ہے، اسی وجہ سے متکلمین نے علاج کرانے سے منع نہیں کیا، اور اسی وجہ سے انہوں نے اپنی اور اپنے اہل و عیال کی روزی حاصل کرنے کے لیے کسب معاش سے منع نہیں کیا اور اس کو توکل کے منافی قرار نہیں دیا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علاج کرنے اور گرم لوہے سے داغ لگوانے کو جائز قرار دیا ہے۔

(اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۱ ص ۶۰۳، ملخصاً، مطبوعہ دار الوفا بیروت ۱۴۱۹ھ)

علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ العربی المالکی المتوفی ۵۴۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے داغ لگانے سے اس لیے منع فرمایا ہے کہ وہ لوگ گرم لوہے سے داغ لگوانے کو بہت اہم اور تیر بہدف علاج سمجھتے تھے ان کا یہ عقیدہ تھا کہ داغ لگوانے سے بیماری جڑ سے اکھڑ جاتی ہے اور اگر کسی عضو کے اوپر گرم لوہے سے داغ نہ لگوایا گیا تو وہ عضو ضائع اور ہلاک ہو جائے گا، سو آپ نے اس عقیدہ کے ساتھ ان کو داغ لگوانے سے منع فرمایا اور جب اس کو محض شفاء کا سبب قرار دیا جائے اور اس کو شفاء کی قطعی علت نہ سمجھا جائے تو اس طور پر اس کو علاج کے لیے جائز قرار دیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی بیماری سے شفاء دیتا ہے اور مرض سے بری کرتا ہے۔ اور لوگ اس معاملہ میں بہت شکوک میں مبتلا ہوتے ہیں، مثلاً وہ کہتے ہیں کہ اگر وہ دوا پی لیتا تو نہ مرتا اور اگر وہ اپنے شہر میں قیام کرتا تو قتل نہ کیا جاتا اور یہ بھی جواب دیا گیا ہے کہ اس حدیث میں اس لیے منع کیا گیا ہے کہ بعض لوگ مرض پیدا ہونے سے پہلے اس کے علاج کے لیے داغ لگوانا شروع کر دیتے ہیں اور یہ مکروہ فعل ہے ضرورت کے وقت داغ لگوانے کو مشروع کیا گیا ہے اور دم کروانے کے جواز کے متعلق بہت احادیث ہیں اور اس حدیث میں ممانعت اس صورت پر محمول ہے جب اللہ تعالیٰ کے اسماء، اس کی صفات اور اس کی نازل کی ہوئی کتابوں کے بغیر اور الفاظ کے ساتھ دم کرایا جائے یا جس کا عقیدہ ہو کہ دم کرانے سے لامحالہ فائدہ ہوگا اور وہ اسی دم کرانے پر توکل کرے اور اللہ تعالیٰ پر توکل نہ کرے۔

(عارضۃ الاحوذی ج ۵ ص ۲۰۰-۱۹۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ)

علامہ علی بن خلف بن عبدالمالک المعروف بابن بطال المالکی الاندلسی المتوفی ۴۹۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے مستفاد ہوتا ہے کہ گرم لوہے سے داغ لگوانا اور فصد لگوانا مباح ہے اور ان دونوں میں شفاء ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو اس چیز کی رہنمائی فرمائیں گے جس میں ان کے لیے شفاء ہوگی۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ میں خود گرم لوہے سے داغ لگواؤں جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے کئی افراد کا گرم لوہے سے داغ لگوا کر علاج کرایا ہے، اس کا جواب یہ

ہے کہ گرم لوہے سے داغ لگوانے سے اپنے جسم کو آگ کی حرارت سے تکلیف پہنچانا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم بکثرت آگ کے عذاب سے پناہ طلب کیا کرتے تھے اگر آپ گرم لوہے سے داغ لگواتے تو آپ اسی درد کے حصول میں عجلت کرتے جس سے آپ اللہ کی پناہ طلب کیا کرتے تھے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ آیا شریعت میں اس کی کوئی اور مثال ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چیز کو امت کے لیے مباح کیا ہو اور خود اس کو خصوصیت کے ساتھ نہ کیا ہو' اس کا جواب یہ ہے کہ کیوں نہیں! نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کے لیے دسترخوان پر رکھی ہوئی گوہ کے کھانے کو مباح کر دیا اور خود تناول نہیں فرمایا' اور یہ ارشاد فرمایا یہ میرے علاقہ کی زمین کا جانور نہیں ہے مجھے اس سے گھن آتی ہے' اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کچی پیاز اور کچا لہسن نہیں کھایا اور فرمایا اس سے بدبو آتی ہے اور امت کے لیے اس کا کھانا مباح کر دیا' اور فرمایا میں اس سے سرگوشی میں بات کرتا ہوں جس سے تم سرگوشی میں بات نہیں کرتے اور ایک مرتبہ فرمایا میرے پاس اللہ کی بارگاہ سے (فرشتے) آتے ہیں' اسی طرح آپ نے امت کے لیے داغ لگوانے کو مباح کر دیا اور خود داغ لگوانے کو پسند نہیں فرمایا۔

آپ نے فرمایا وہ لوگ نہ بدشگونی کرتے ہوں گے اور نہ دم کراتے ہوں گے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ کوئی ایسا کام نہیں کرتے ہوں گے جس میں ان کا یہ اعتقاد ہو کہ اس کام کے بعد شفاء حاصل ہو گی خواہ اللہ کا اذن نہ ہو' اگرچہ وہ شفاء داغ لگوانے یا دم کرانے کے سبب سے حاصل ہوئی ہو' اور بدشگونی نہ کرتے ہوں گے کا یہ مطلب ہے کہ وہ کسی کام کو جا رہے تھے اور کسی بدشگونی سے یہ ظاہر ہوا کہ اس کام پر نہیں جانا چاہیے ورنہ نقصان ہو گا اور یہ نقصان لازماً ہو گا خواہ اللہ کا حکم نہ ہو' تو وہ اس بدشگونی کی پرواہ نہیں کریں گے اور اپنے کام پر چلے جائیں گے۔

اور اس حدیث میں ہے نہ وہ دم کراتے ہوں گے اس کا معنی یہ ہے کہ وہ ایسا دم نہیں کرائیں گے جیسا دم زمانہ جاہلیت میں کرایا جاتا تھا' اور یہ وہ دم ہے جو اللہ تعالیٰ کے اسماء' اس کی صفات اور اس کی کتاب کے کلمات کے غیر پر مشتمل ہو' اور یہ ایک قسم کا جادو ہے' اور اللہ کی کتاب کے کلمات اور اس کی صفات اور اس کے اسماء پر مشتمل دم کرانا جائز ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کا دم کیا ہے اور اس طرح کے دم کرنے کا حکم دیا ہے' اور اس طرح کے دم کرنے سے انسان توکل سے خارج نہیں ہوتا اور وہ شفاء کے حصول میں صرف اللہ کی رضا کا قصد کرتا ہے۔

اور آپ نے فرمایا وہ صرف اپنے رب پر توکل کرتے ہیں' امام طبری نے کہا ہے کہ لوگوں کا توکل کی تعریف میں اختلاف ہے' ایک جماعت نے یہ کہا کہ جب انسان کے دل میں اللہ کے سوا اور کسی کا خوف نہ ہو تو یہ توکل ہے' اور وہ پھاڑنے والے درندوں اور کافروں سے بالکل نہ ڈرے حتیٰ کہ وہ رزق کے لیے جدوجہد بھی نہ کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے رزق کا ضامن ہے' اور طلب معاش میں مشغول ہونے سے اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت میں خلل آتا ہے اور انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے عمران بن حصین بیان کرتے ہیں جو شخص سب سے منقطع ہو کر اللہ کی طرف متوجہ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ ہر مشقت سے اس کی کفایت کرتا ہے اور جہاں سے اس کا گمان بھی نہیں ہوتا اس کو وہاں سے رزق دیتا ہے' اور حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم میں سے کوئی شخص اپنے رزق سے بھاگے تو وہ رزق اس کو اس طرح پائے گا جس طرح موت اس کو پا لیتی ہے۔

اور ایک دوسری جماعت نے یہ کہا کہ توکل کی تعریف یہ ہے کہ اپنے کاموں میں اللہ پر اعتماد کیا جائے' اور اس کے امر کو تسلیم کیا جائے اور یہ یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ نے جو اس کے لیے مقدر کیا ہے وہ ہونے والا ہے اور وہ اللہ کے رسول کی سنت

کی اتباع کرے اور اللہ کے رسول کی سنتوں میں سے ہے کھانا، پینا اور لباس پہننا یہ انسان کے لیے ناگزیر ہیں ان کاموں کے حصول کے لیے سعی اور جدوجہد کرے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ۔ (الانبیاء: ۸)

اور ہم نے ان (نبیوں) کو ایسے جسم والا نہیں بنایا جو کھانا نہ کھاتے ہوں۔

اور آپ کی سنتوں میں سے یہ ہے کہ آپ دشمنوں سے حفاظت کرتے تھے، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ احد کے دن دو زرہیں پہنیں اور سر پر خود پہنا جس سے آپ دشمنوں کے حملے سے محفوظ رہتے تھے اور آپ نے گھاٹیوں کے منہ پر تیر اندازوں کو بٹھایا تاکہ جو آپ کی طرف آنے کا ارادہ کرے وہ اس کو وہاں سے بھگادیں، اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی حفاظت کے لیے مدینہ کے گرد خندق کھودی، حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے رب عزوجل پر جتنا اعتماد اور توکل تھا دوسرا کوئی شخص اس کے پاسنگ کو بھی نہیں پہنچ سکتا (مزید یہ کہ آپ نے خود متعدد بیماریوں میں اپنا علاج کیا اور آپ ازواج مطہرات کو ایک سال کا غلہ فراہم کردیتے تھے، حالانکہ آپ سید المتوکلین ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ بیماری کا علاج کرنا اور مستقبل کے تحفظ کے لیے اسباب فراہم کرنا توکل کے خلاف نہیں بلکہ توکل کے عین مطابق ہے) پھر آپ کے اصحاب کے متعلق سب کو معلوم ہے کہ انہوں نے مشرکین مکہ کے خوف سے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی اور پھر مدینہ کی طرف ہجرت کی تاکہ وہ اپنے دین کو اور اپنی جانوں اور مالوں کو مشرکین کے فتنوں اور ان کی ایذا رسانیوں سے محفوظ رکھ سکیں، انہوں نے ایسا نہیں کیا کہ اللہ پر توکل کرکے وہیں بیٹھے رہتے۔

ایک شخص نے حسن بصری سے کہا عامر بن عبداللہ شام کے راستے میں پانی کی طرف جارہے تھے، ناگاہ ان کے اور پانی کے درمیان ایک شیر حائل ہوگیا، عامر نے شیر کی پرواہ نہیں کی اور پانی پر پہنچے اور پانی پی لیا، ان سے کہا گیا کہ تم نے اپنی جان کو خطرہ میں ڈال دیا تھا، انہوں نے کہا شیر مجھے پھاڑ کھاتا تو یہ اس سے بہتر تھا کہ اللہ تعالیٰ یہ دیکھتا کہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور چیز سے ڈرتا ہوں! حسن بصری نے کہا حضرت موسیٰ علیہ السلام عامر سے بہت بہتر تھے اور وہ دشمنوں کے خوف سے مصر سے مدین کی طرف چلے گئے تھے، قرآن مجید میں ہے:

وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى ز قَالَ يٰمُوْسٰى اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّىْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ ○ فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ ز قَالَ رَبِّ نَجِّنِىْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ○ (القصص: ۲۱-۲۰)

اور شہر کے پرلے کنارے سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا، اس نے کہا اے موسیٰ! بے شک (فرعون کے) درباری آپ کو قتل کرنے کے متعلق مشورہ کررہے ہیں سو آپ (اس شہر سے) نکل جائیں بے شک میں آپ کے خیر خواہوں میں سے ہوں○ سو موسیٰ اس شہر سے خوف زدہ ہو کر نکلے اور یہ دعا کی کہ اے میرے رب مجھے ظالم قوم سے بچالے۔

اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک قبطی کو قتل کردیا تھا اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کیفیت کا ذکر فرمایا:

فَاَصْبَحَ فِى الْمَدِيْنَةِ خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ۔ (القصص: ۱۸)

تو موسیٰ نے اس شہر میں ڈرتے ہوئے صبح کی وہ یہ انتظار کررہے تھے (کہ اب کیا ہوگا)

اور جب فرعون کے جادوگروں سے مقابلہ ہوا اور جادوگروں نے رسیاں اور لاٹھیاں پھینکیں جو سانپوں کی طرح

دوڑنے لگیں اس موقع پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جو کیفیت تھی اس کا ذکر فرمایا:

فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ خِیْفَةً مُّوْسٰی ○ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰی ○ (طٰہٰ: ۶۸-۶۷)

سو موسیٰ نے اپنے دل میں خوف محسوس کیا○ ہم نے کہا آپ مت ڈریے بے شک آپ ہی سرخرو ہوں گے○

انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ نے بنو آدم کے دلوں میں جو کیفیات پیدا کی ہیں جو شخص ان کیفیات کے خلاف اپنے دل کی کیفیت بتاتا ہے وہ جھوٹا ہے' اور اللہ تعالیٰ نے بنو آدم کے دلوں میں یہ کیفیت پیدا کی ہے وہ ضرر رساں چیزوں کو دیکھ کر ان کے خوف سے بھاگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اپنی کمائی سے پاک چیزوں کو خرچ کریں' اور جو شخص بھوک سے اضطرار کی حالت میں ہو اس کے متعلق فرمایا:

فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْهِ۔ (البقرہ: ۱۷۳)

سو جو شخص (بھوک سے) بے تاب ہو جائے در آں حالیکہ وہ نہ نافرمانی کرنے والا ہو' نہ حد سے بڑھنے والا' تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔

پس جس شخص کو کھانے کے لیے کچھ نہ ملے اور وہ بھوک سے بے تاب ہو تو اللہ تعالیٰ نے اس کو اجازت دی ہے کہ جن چیزوں کا کھانا اس پر حرام کر دیا گیا ہے اس حالت میں وہ ان چیزوں کو بقدر ضرورت کھالے' اور اس کو یہ حکم نہیں دیا کہ وہ اللہ پر توکل کر کے بیٹھا رہے اور اس انتظار میں بیٹھا رہے کہ اس پر آسمان سے کھانا نازل ہو گا اور اگر اس حالت میں اس نے کھانے پینے کی چیزوں کے حصول کے لیے جدوجہد نہیں کی حتیٰ کہ وہ مر گیا تو وہ اپنی جان کا قاتل قرار دیا جائے گا' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھوک کی شدت میں کھانے پینے کی چیزیں تلاش کرتے تھے اور آپ پر کبھی آسمان سے کھانا نازل نہیں ہوا حالانکہ آپ افضل البشر تھے (بلکہ افضل الخلق تھے) اور جب اللہ تعالیٰ نے آپ پر فتوحات کی کثرت کر دی تو آپ ایک سال کی غذا کو ذخیرہ کر کے رکھتے تھے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص اونٹ لے کر آیا اور پوچھا یا رسول اللہ میں اس کو باندھ کر توکل کروں یا اس کو کھلا چھوڑ کر توکل کروں؟ آپ نے فرمایا اس کو باندھ کر توکل کرو۔ اور رہا یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: میری امت میں سے ستر ہزار نفر بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے اور یہ وہ لوگ ہیں جو دم کراتے ہوں گے نہ بد شگونی لیتے ہوں گے اور نہ گرم لوہے سے داغ لگوا کر علاج کراتے ہوں گے' اور اپنے رب پر توکل کرتے ہوں گے' اس حدیث سے صوفیا کا ترک اسباب اور ترک علاج پر استدلال کرنا ان کی بے خبری اور نا سمجھی ہے' اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ وہ لوگ اس اعتقاد سے داغ نہیں لگواتے ہوں گے کہ اللہ کے اذن کے بغیر داغ لگوانے سے شفاء اور تندرستی حاصل ہو جاتی ہے اور جس نے اس اعتقاد سے داغ لگوایا کہ اس علاج کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اس کو شفاء دے گا اور جب اس کو شفاء ہو گئی تو اس نے کہا مجھے اللہ تعالیٰ نے ہی شفاء دی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ پر صحیح توکل کرنے والا متوکل ہے اور جنت میں داخل ہونے میں کوئی بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سبقت نہیں کر سکتا اور آپ نے فرمایا بھی ہے میں سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا' مجھ سے پوچھا جائے گا آپ کون ہیں؟ میں کہوں گا (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) (جنت کا) خازن کہے گا مجھے یہ حکم دیا گیا تھا کہ میں آپ سے پہلے کسی کے لیے دروازہ نہ کھولوں' نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کی ایک جماعت کو گرم لوہے سے داغ لگوایا' اور حضرت ابو امامہ نے حضرت اسعد بن زرارہ کے گرم لوہے سے داغ لگایا اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے جنگ خندق کے دن اپنے زخم پر داغ لگوایا اور جنگ احد کے دن

حضرت ابی بن کعب کے بازو کی ایک رگ پر تیر لگا انہوں نے اس زخم پر گرم لوہے سے داغ لگوایا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حضرت ابو طلحہ نے داغ لگوایا اور جریر بن عبداللہ نے کہا کہ حضرت عمر بن الخطاب نے میرے سامنے قسم کھائی کہ وہ ضرور داغ لگوائیں گے اور حضرت خباب بن ارت نے اپنے پیٹ پر سات مرتبہ داغ لگوایا اور حضرت ابن عمر نے لقوہ کی وجہ سے داغ لگوایا (لقوہ کا معنی ہے چہرے پر فالج ہو جس کی وجہ سے باچھ یا جبڑا ٹیڑھا ہو جائے) اسی طرح حضرت معاویہ نے بھی لقوہ کی وجہ سے داغ لگوایا، یہ تمام آثار امام طبری نے اسانید صحیحہ کے ساتھ روایت کیے ہیں۔

امام طبری نے کہا اب ظاہر ہو گیا کہ حدیث کا معنی وہ ہے جو ہم نے بیان کیا ہے اور توکل کی صحیح تعریف یہ ہے کہ تمام آمور میں اللہ تعالیٰ پر اعتماد ہو، اور کسی بھی مقصود میں اپنی وسعت کے مطابق سعی اور کوشش اور انتہائی جدوجہد کر کے اس کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا جائے خواہ اس کا وہ مقصود دینی ہو یا دنیاوی، اور صوفیاء نے جو توکل کی تعریف کی ہے وہ غلط ہے ان کی تعریف یہ ہے کہ درندوں سے نہ ڈرنا اور ان کو دیکھ کر نہ بھاگنا اور دشمنوں سے بچنے کے لیے حفاظت کا انتظام نہ کرنا، اور روزی حاصل کرنے کے لیے کسب معاش نہ کرنا، اور بیماریوں کا علاج نہ کرنا، کیونکہ ایسا کرنا قرآن اور حدیث سے جہالت کا نتیجہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو جو احکام دیے ہیں ان کے مخالف ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو جو احکام دیے ہیں ان کے بھی مخالف ہے اور صحابہ کرام، فقہاء، تابعین اور ائمہ مجتہدین کے طریقہ کے بھی خلاف ہے۔ (شرح صحیح البخاری لابن بطال ج ۹ ص ۴۰۸۔ ۴۰۴، مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض ۱۴۲۰ھ)

قاضی عیاض، علامہ نووی، علامہ ابن حجر عسقلانی اور علامہ سیوطی نے اس مسئلہ پر بحث کر کے آخر میں یہ لکھا ہے کہ افضل یہ ہے کہ علاج کو ترک کر کے اللہ پر توکل کیا جائے اور علاج کرنا خلاف اولیٰ یا مکروہ تنزیہی ہے، ہر چند کہ یہ بہت قد آور علماء ہیں لیکن ان کی یہ رائے صحیح نہیں ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی علاج کیا ہے اور اپنے اصحاب کا بھی علاج کرایا ہے اور بالعموم مسلمانوں کو علاج کرنے کا حکم دیا ہے اور آپ خلاف اولیٰ اور خلاف افضل کام کا حکم نہیں دیتے آپ سید المتوکلین ہیں اور جب آپ نے علاج کیا ہے تو علاج کرنا توکل کے خلاف کیسے ہو سکتا ہے، علامہ ابن بطال نے جو توکل پر نفیس بحث فرمائی ہے اس سے یہ مسئلہ بہت واضح ہو جاتا ہے۔

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ نے اس مسئلہ میں صحیح موقف اختیار کیا ہے وہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ بلا ضرورت دم کروانا اور داغ لگوانا خلاف افضل ہے اور جب ضرورت ہو تو جائز ہے، نیز تفصیل سے لکھتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ہے وہ دم نہیں کرواتے ہوں گے یعنی زمانہ جاہلیت میں جن الفاظ کے ساتھ دم کرایا جاتا تھا ان الفاظ کے ساتھ دم نہیں کرواتے تھے، اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی دم فرمایا ہے اور اس کا حکم بھی دیا ہے لہٰذا اس کے ساتھ دم کرنا توکل سے خارج نہیں ہے، اور آپ نے فرمایا ہے وہ بد شگونی پر عمل نہیں کرتے تھے اس سے مراد یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں پرندوں سے شگون لیا جاتا تھا کہ اگر پرندہ آدمی کے دائیں جانب پرواز کرے تو اس کے سفر میں کامیابی ہے اور اگر بائیں جانب پرواز کرے تو ناکامی ہے، اور نیک فال لینا جائز ہے، اور فرمایا وہ داغ نہیں لگواتے تھے، اس کا معنی یہ ہے کہ وہ یہ اعتقاد نہیں کرتے تھے کہ شفاء اسی سے حاصل ہو گی جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں کفار کا عقیدہ تھا اور آپ نے فرمایا وہ اپنے رب پر بھی توکل کرتے تھے اس کا معنی یہ ہے کہ مسببات پر اسباب کو مرتب کر کے نتیجہ کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا جائے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۴۵۔ ۲۴۴، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، مصر ۱۳۴۸ھ)

صوفیاء اور علاج کو مکروہ کہنے والوں نے اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے:

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے گرم لوہے سے داغ لگوایا یا دم کروایا تو وہ توکل سے بری ہو گیا' یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۵۵، مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۷۶۳، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۷۰، مسند احمد ج ۴ ص ۲۴۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۸۹، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۰۸۷، المستدرک ج ۴ ص ۴۱۵، شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۲۴۱، الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۸۵۰۷)

اس حدیث کا بھی وہی محمل ہے جو ہم اس سے پہلی حدیث کا محمل بیان کر چکے ہیں مزید تفصیل یہ ہے:

علامہ عبد الرؤف مناوی متوفی ۱۰۰۳ھ لکھتے ہیں:

جو شخص داغ لگوانے اور دم کروانے پر ہی شفاء کو موثر جانے اور اسی پر اعتماد کرے وہ توکل سے بری ہو گیا اور جو ان چیزوں کو سبب قرار دے اور حصول شفاء میں اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرے وہ توکل سے بری نہیں ہوا بلکہ وہ اللہ پر توکل کرنے والا ہے' علامہ ابن قتیبہ نے کہا داغ لگوانے کی دو قسمیں ہیں ایک قسم یہ ہے کہ وہ صحت کے زمانہ میں داغ لگوائے تاکہ آئندہ بیمار نہ ہو' یہ حدیث اسی پر محمول ہے کیونکہ وہ گرم لوہے سے داغ لگوا کر یہ چاہتا ہے کہ وہ آئندہ بیمار نہ ہو اور اس طرح وہ تقدیر کو ٹال رہا ہے اور کوئی تقدیر کو ٹالنے والا نہیں ہے اور اس کی دوسری قسم وہ ہے کہ انسان کے کسی عضو میں زخم ہو جائے یا کوئی اور بیماری ہو جائے تو وہ اس کے علاج کے لیے اس پر گرم لوہے سے داغ لگوائے اور یہی صورت ہے جس کے لیے علاج کرنا مشروع ہے۔ (فیض القدیر ج ۱۰ ص ۵۶۹۳، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

علاج کے ثبوت میں قرآن مجید اور احادیث سے مزید دلائل

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ (البقرۃ: ۱۹۶)

پھر تم میں سے جو بیمار ہو یا اس کے سر میں تکلیف ہو (مثلاً جوئیں ہوں) تو اس پر (بال منڈوانے کا) فدیہ روزے ہیں' یا خیرات ہے یا قربانی ہے۔

حج کرنے والے کے لیے قربانی کرنے سے پہلے سر منڈوانا جائز نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ بیماری کی حالت میں اس کو بھی سر منڈوانے کی اجازت دے رہا ہے' اور جس شخص کے سر میں جوئیں ہوں اس کا یہی علاج ہے کہ اس کا سر مونڈ دیا جائے اور یہ علاج کے مشروع ہونے کا واضح ثبوت ہے۔

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت میرے متعلق نازل ہوئی ہے' ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حدیبیہ میں تھے اور ہم محرم تھے' اور مشرکین نے ہم کو آگے بڑھنے سے روکا ہوا تھا' اور میرے بہت لمبے لمبے بال تھے' اور جوئیں میرے چہرے پر گر رہی تھیں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس سے گزرے اور فرمایا: کیا تمہاری جوئیں تمہیں تکلیف پہنچا رہی ہیں' میں نے عرض کیا جی ہاں! آپ نے فرمایا پس اپنا سر منڈوالو اور یہ آیت نازل ہو گئی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴، مسند احمد ج ۴ ص ۲۴۱، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۸۵۸)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کو سر منڈوانے کا حکم دیا' دوسرے لفظوں میں آپ نے ان کو علاج کرانے کا حکم دیا' اور صراحتاً بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علاج کرنے کا حکم دیا ہے۔

حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے اصحاب اس طرح بیٹھے ہوئے تھے جس طرح ان کے سر پر پرندے ہوں میں سلام کر کے بیٹھ گیا پھر ادھر ادھر سے اعرابی آگئے، انہوں نے پوچھا یا رسول اللہ! آیا ہم علاج کریں؟ آپ نے فرمایا دوا کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری نہیں رکھی مگر اس کی دوا بھی رکھی ہے، سوا ایک بیماری کے وہ بڑھاپا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۵۵، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۳۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۳۶)

اس حدیث میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دوا اور علاج کرنے کا حکم دیا ہے، اور ایسی متعدد احادیث ہیں جن میں سے کچھ ہم اس سے پہلے صحیح مسلم کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں، یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی کام فی نفسہ مکروہ تنزیہی ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان جواز کے لیے اس کام کو کیا ہو، لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مکروہ تنزیہی یا خلاف افضل کام کا حکم دیا ہو، اور کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں ہے کہ آپ نے کسی غیر افضل یا مکروہ تنزیہی کام کا حکم دیا ہو اور آپ نے چونکہ دوا کرنے، اور دم کرانے کا حکم دیا ہے اس لیے ان احکام کا کم سے کم درجہ یہ ہے کہ یہ کام مستحب ہوں، بلکہ بعض صورتوں میں علاج کرانا فرض اور واجب ہوتا ہے جیسا کہ ہم صوفیاء کے کلام پر تبصرہ میں بیان کر چکے ہیں، للہٰذا جن صوفیاء اور بعض علماء نے علاج کرانے اور دم کرانے کو غیر افضل یا مکروہ تنزیہی کہا ہے ان کا یہ قول اصول شرع سے ناواقفیت پر مبنی ہے اور غلط ہے۔

اس مسئلہ میں مزید احادیث یہ ہیں:

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے بیماری اور دوا (دونوں) کو نازل کیا ہے اور ہر بیماری کی دوا بنائی ہے سو تم دوا کرو اور حرام کے ساتھ دوا نہ کرو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۷۴)

یہ حدیث حالت اختیار پر محمول ہے یعنی جب کسی مرض کی حلال اور حرام دونوں دوائیں موجود ہوں تو حرام دواء کے ساتھ علاج نہ کیا جائے لیکن جب کسی مسلم طبیب کے علم میں حرام دواء کے علاوہ اور کوئی حلال دواء نہ ہو اور مرض کی وجہ سے جان کا خطرہ یا ناقابل برداشت تکلیف کا خطرہ ہو تو اس طرح کی حالت اضطرار میں حرام دواء کے ساتھ بھی علاج جائز ہے اور جان بچانے کے لیے واجب ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ناک میں دوا چڑھائی۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۶۷)

حضرت سہل بن سعد سے غزوہ احد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کے زخم کے متعلق سوال کیا گیا اس دن آپ کا سامنے کا نچلا دانت بھی شہید ہو گیا تھا (یعنی تھوڑا سا ٹوٹ گیا تھا) اور آپ کا خود آپ کے سر پر ٹوٹ گیا تھا، حضرت سیدتنا فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے چہرے سے خون دھو رہی تھیں اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ڈھال سے پانی ڈال رہے تھے، جب حضرت سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا نے یہ دیکھا کہ پانی ڈالنے سے تو خون زیادہ بہہ رہا ہے، تو انہوں نے ایک چٹائی کے ٹکڑے کو جلایا اور جب وہ راکھ ہو گیا تو اس راکھ کو زخم میں بھر دیا پھر خون رک گیا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۹۰، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۲۴۸، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۸۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۶۴)

نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے لقوہ کی وجہ سے گرم لوہے سے داغ لگوایا، اور بچھو کے کاٹنے کی وجہ سے دم کرایا۔ (موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۸۰۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نمونیے کی وجہ سے گرم لوہے سے داغ لگوایا اور اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ تھے، میرے پاس حضرت ابو طلحہ، حضرت انس بن النضر اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم آئے حضرت ابو طلحہ نے مجھے داغ لگایا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۲۱، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۹۶، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۸۸۹، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۵۶، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۱۶)

حضرت سلمہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتی تھیں وہ بیان کرتی ہیں کہ جب بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی زخم آتا یا کوئی چھالا ہوتا تو آپ مجھے اس پر مہندی لگانے کا حکم دیتے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۵۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۰۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اثمد کا سرمہ لگایا کرو کیونکہ وہ نظر تیز کرتا ہے اور (پلکوں کے) بال اگاتا ہے اور ان کا گمان تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سرمہ دانی تھی اور آپ ہر رات تین بار ایک آنکھ میں اور تین بار دوسری آنکھ میں سرمہ لگاتے تھے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۵۷، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۸۷۸)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم زیتون کے تیل اور ورس (ایک جڑی بوٹی) کی نمونیہ میں تعریف کرتے تھے، قتادہ کہتے ہیں کہ جس جانب درد ہو اس جانب زیتون کے تیل کی مالش کی جائے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۷۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۶۷)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ حکم دیا کہ ہم نمونیہ میں قسط بحری (سمندری کوٹھ، ایک دوا) اور زیتون کے تیل سے علاج کریں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۷۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۶۸)

حضرت عوف بن مالک اشجعی بیان کرتے ہیں کہ ہم زمانہ جاہلیت میں دم کرتے تھے ہم نے کہا یا رسول اللہ! آپ کی اس کے متعلق کیا رائے ہے؟ آپ نے فرمایا تم جو کچھ پڑھ کر دم کرتے ہو وہ مجھے سناؤ جب تک اس میں کوئی شرکیہ کلمہ نہ ہو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۰۰، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۸۸۶)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دم کرنے سے منع فرمایا، پھر آل عمرو بن حزم آپ کے پاس آئے اور کہا یا رسول اللہ! ہمارے پاس کچھ کلمات تھے جن کو پڑھ کر ہم بچھو کے کاٹے پر دم کرتے تھے اور آپ نے دم کرنے سے منع فرمادیا ہے، آپ نے فرمایا مجھے بتاؤ تم کیا پڑھ کر دم کرتے تھے، انہوں نے پڑھ کر سنایا، آپ نے فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں ہے، تم میں سے جو شخص اپنے بھائی کو نفع پہنچا سکتا ہو وہ اس کو نفع پہنچائے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۹۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۱۵)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لڑکی کے متعلق فرمایا جس کے چہرے پر کسی چیز کا نشان پڑ گیا تھا اور وہ لڑکی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت ام سلمہ رضی

اللہ عنہا کے گھر میں تھی آپ نے فرمایا اس کو نظر لگ گئی ہے اس پر دم کراؤ۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۳۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۹۷)

ابو خزاعہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ! یہ بتائیے کہ ہم کچھ کلمات کو پڑھ کر دم کرتے ہیں اور دواؤں سے علاج کرتے ہیں اور ہم بعض چیزوں سے پرہیز کرتے ہیں، آیا یہ چیزیں اللہ کی تقدیر سے کسی چیز کو ٹال سکتی ہیں؟ آپ نے فرمایا یہ چیزیں بھی اللہ کی تقدیر سے ہیں۔ یہ حدیث حسن ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۶۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۳۷، مسند احمد ج ۳ ص ۴۲۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوا سے علاج کرنے اور اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات کے کلمات پڑھ کر دم کرنے کا حکم دیا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی مکروہ تنزیہی یا خلاف افضل کام کا حکم نہیں دیتے تھے۔ آپ نے جن کاموں کا حکم دیا ہے ان کا کم سے کم درجہ فضیلت اور استحباب ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چونکہ خود بھی دواء سے علاج کیا ہے اور دم کیا ہے اس لیے ان کاموں کا افضل اور مستحب ہونا اور بھی موکد ہو جاتا ہے اور بعض صوفیاء اور بعض علماء کا یہ کہنا قطعاً غلط اور باطل ہے کہ علاج نہ کرنا افضل ہے اور علاج کرنا اگرچہ جائز ہے مگر مکروہ تنزیہی اور خلاف افضل ہے۔

قرآن مجید اور احادیث سے "پرہیز" کے ثبوت پر دلائل

علاج معالجہ کی بحث میں ایک اہم مسئلہ پرہیز کرنا ہے، ہم نے اکثر ذیابیطس کے مریضوں کو مٹھائی، چاول اور میٹھے پھل کھاتے ہوئے دیکھا ہے، اگر ان کو منع کیا جائے تو وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں اور ہم اللہ کی نعمتوں کو چھوڑ نہیں سکتے یہ کفران نعمت ہے، اور کئی لوگوں کو فخر سے یہ کہتے ہوئے سنا ہے: صاحب ہم پرہیز نہیں کرتے، پھر ہم نے ان ہی لوگوں کو اس بدپرہیزی کے نتیجے میں کئی مہلک امراض میں مبتلا دیکھا، کسی کی بینائی چلی گئی، کسی کے جگر میں کینسر ہو گیا، اور کسی کے پیر سوج گئے، کسی کو ایسا زخم ہو گیا جس کے نتیجہ میں اس کا پیر کاٹ دیا گیا، کسی کی ٹانگ کاٹ دی گئی، اور کسی کی شریانیں بند ہو گئیں۔ اسی طرح ہائی بلڈ پریشر کے مریضوں کو دیکھا جو بدپرہیزی کرتے تھے، کسی کے کسی عضو پر فالج گر گیا اور کسی کے دماغ کی رگ پھٹ گئی، کسی کی بینائی متاثر ہو گئی، غرض بدپرہیزی کے نتیجہ میں لوگ زیادہ مہلک بیماریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں اس لیے دواء کے ساتھ پرہیز بھی بہت ضروری ہے اور قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں پرہیز کے متعلق بھی ہدایات موجود ہیں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا۔

اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو، یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت کر کے آیا ہو، یا تم نے اپنی عورتوں سے مجامعت کی، پھر تم پانی نہ پاؤ تو تم پاک مٹی سے تیمم کر لو۔

(النساء: ۴۳، المائدہ: ۶)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس بیمار آدمی کو جسے پانی کے استعمال سے ضرر ہوتا ہے اس کو غسل اور وضو کے بجائے تیمم کرنے کا حکم دیا ہے اور تیمم کا حکم دینا پانی کے استعمال سے منع کرنے کو مستلزم ہے، اور جس بیمار کو وضو یا غسل سے ضرر ہوتا ہو اس کو تیمم کا حکم دینا ہی پرہیز کرنے کا حکم ہے۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ سردی کی شدت کی وجہ سے پانی کا پرہیز کیا اور غسل کی بجائے تیمم

کرلیا۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوہ ذات السلاسل کی ایک سرد رات مجھے احتلام ہو گیا، مجھے یہ خوف ہوا کہ اگر میں نے غسل کیا تو میں ہلاک ہو جاؤں گا، میں نے تیمم کیا، پھر میں نے اپنے اصحاب کے ساتھ صبح کی نماز پڑھی، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ کا ذکر کیا، آپ نے مجھ سے فرمایا اے عمرو! تم نے حالت جنابت میں اپنے اصحاب کے ساتھ نماز پڑھی ہے، میں نے آپ کو وہ سبب بتایا جس کی وجہ سے میں نے غسل نہیں کیا تھا اور کہا میں نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد سنا ہے:

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ○ (النساء: ۲۹) اور اپنی جانوں کو قتل نہ کرو، بے شک اللہ تم پر بہت رحم فرمانے والا ہے ○

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے اور کچھ نہیں فرمایا۔ (سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۳۴)

امام بخاری نے کتاب التیمم میں اس حدیث کا اختصار سے ذکر کیا ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک زخمی شخص نے پانی سے پرہیز نہیں کیا اور وہ فوت ہو گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر افسوس فرمایا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں گئے، ہم میں سے ایک شخص کو پتھر آکر لگا اور وہ زخمی ہو گیا، پھر اس کو احتلام ہو گیا، تو اس نے اپنے اصحاب سے پوچھا آیا اس کے لیے تیمم کرنے کی رخصت ہے؟ اصحاب نے کہا ہم تمہارے لیے رخصت کی گنجائش نہیں پاتے، جب کہ تم پانی استعمال کرنے پر قادر ہو، اس نے غسل کیا اور وہ مر گیا جب ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے تو ہم نے آپ کو اس واقعہ کی خبر سنائی، آپ نے فرمایا: ان لوگوں نے تو اس شخص کو قتل کر دیا اللہ ان کو قتل کرے! جب تم کو مسئلہ معلوم نہیں تھا تم نے پوچھا کیوں نہیں؟ لاعلمی کا حل تو صرف سوال کرنا ہے اس کے لیے تیمم کرنا کافی تھا، پھر اپنے زخم پر پٹی باندھ کر اس پر گیلا ہاتھ پھیرتا اور باقی جسم کو دھو ڈالتا۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۳۶، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۵۷۲)

اس حدیث سے یہ واضح ہو گیا کہ مریض کے لیے پرہیز کرنا ضروری ہے اور بعض اوقات بدپرہیزی کا نتیجہ موت کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کی مذمت کی جنہوں نے فتویٰ دینے میں سختی کی اور معذور کے حال کی رعایت نہیں کی رخصت کی جگہ عزیمت پر عمل کرنے کا حکم دیا۔ اس حدیث میں ان صوفیاء کے لیے عبرت کا مقام ہے جو کہتے ہیں بیمار کے لیے علاج کی رخصت پر عمل کرنا خلاف افضل ہے اور مکروہ تنزیہی ہے۔ اس شخص کے اصحاب نے بھی ان ہی کی طرح اس معذور شخص کو عزیمت پر عمل کرنے کا حکم دیا تھا جس کے نتیجہ میں اس کی موت واقع ہو گئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کی مذمت کی۔ اور اس حدیث میں یہ واضح دلیل ہے کہ جس شخص کو پانی سے ضرر ہو وہ پانی سے پرہیز کرے اور یہ حدیث پرہیز کے ثبوت میں بہت واضح دلیل ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی پرہیز کی ہدایت دی ہے اور بدپرہیزی سے منع فرمایا ہے:

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ہجرت کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا اس وقت آپ چھوارے کھا رہے تھے میں نے بھی چھوارے کھانے شروع کر دیے اس وقت میری آنکھیں دکھ رہی تھیں، آپ نے فرمایا تمہاری آنکھیں دکھ رہی ہیں اور تم چھوارے کھا رہے ہو! ۔الحدیث۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۴۳، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۳۰۴، مسند احمد ج ۴ ص ۶۱، المستدرک رقم الحدیث: ۳۴۴۴)

امام احمد بن ابو بکر بوصیری متوفی ۸۴۰ھ لکھتے ہیں: اس حدیث کی سند صحیح ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔
(زوائد ابن ماجہ ص ۴۴۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۴ھ)

علامہ سید محمد بن محمد حسینی الزبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث کو امام ابن ماجہ نے سند جید کے ساتھ روایت کیا ہے۔ علامہ ابن حجر مکی نے شرح الشمائل میں لکھا ہے کہ جو مریض کمزور ہو اس کے لیے سب سے نفع بخش چیز یہ ہے کہ وہ پرہیز کرے۔ بعض اوقات انسان کی رغبت اور میلان اس چیز کو کھانے کی طرف ہوتا ہے جو اس کے لیے نقصان دہ ہوتی ہے اور اس حدیث میں پرہیز کی طرف اشارہ ہے اور یہ کہ آنکھ کی تکلیف میں چھوارے نقصان دہ ہوتے ہیں۔ (اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۲۰۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اس سلسلہ میں یہ حدیث بھی ہے:

حضرت ام المنذر رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تھے اور ہمارے پاس ادھ پکی (گدری) کھجوروں کا ایک خوشہ تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کھجوروں کو کھانے لگے، حضرت علی بھی آپ کے ساتھ کھانے لگے، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ٹھیرو، ٹھیرو یا علی، تم کمزور ہو، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ بیٹھے رہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھاتے رہے، حضرت ام المنذر نے کہا پھر میں ان کے لیے چقندر اور جو لائی، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے علی اس میں سے کھاؤ، یہ تمہارے مزاج کے موافق ہے۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۸۵۶، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۳۷، مسند احمد ج ۶ ص ۳۶۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۴۲، المستدرک ج ۴ ص ۴۰۷)

اس حدیث میں پرہیز کے مشروع ہونے پر واضح دلالت ہے۔

نیز امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اس کو دنیا سے اس طرح پرہیز کراتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی شخص استسقاء کے مریض کو پانی سے پرہیز کراتا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۳۶، مسند احمد ج ۴ ص ۴۲۷، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۶۹، المعجم الکبیر ج ۱۹ ص ۱۷، المستدرک ج ۴ ص ۲۰۷)

ان تمام احادیث سے یہ واضح ہو گیا کہ بیمار شخص کو ان چیزوں سے پرہیز کرانا ضروری ہے جو اس کی صحت کے لیے مضر ہیں، ہم اس جان کے مالک نہیں ہیں اور نہ ہم اس بدن کے مالک ہیں ہمارے پاس یہ جسم اور جان اللہ تعالیٰ کی امانت ہے، ہمارے لیے اس جسم کو ضائع کرنا یا نقصان پہنچانا جائز نہیں ہے اس لیے ذیابیطس کے مریض کو میٹھی اور نشاستہ دار چیزوں سے پرہیز کرانا ضروری ہے اور ہائی بلڈ پریشر کے مریض کو نمکین اور چکنائی والی چیزوں کے استعمال سے پرہیز کرانا ضروری ہے اور جس کے معدہ میں السر ہو اس کو بڑے گوشت، تیز مصالحہ جات اور ترش چیزوں سے پرہیز کرانا ضروری ہے اور جس کو یرقان ہو اس کو چکنائی اور گائے کے گوشت سے پرہیز کرانا ضروری ہے اور جس کو عارضہ قلب ہو اس کو انڈے، گائے کے گوشت اور چکنائی سے پرہیز کرانا ضروری ہے اسی طرح جس کے مسوڑوں پر ورم ہو اس کو بھی گائے کے گوشت سے پرہیز کرانا ضروری ہے۔ اور تمام مہلک بیماریوں میں بسیار خوری سے پرہیز کرنا اشد ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا پھر وہی تم کو وفات دے گا، اور تم میں سے بعض کو ناکارہ عمر کی طرف لوٹا دیا

جاتا ہے تاکہ انجام کار وہ حصول علم کے بعد کچھ بھی نہ جان سکے' بے شک اللہ نہایت علم والا' بے حد قدرت والا ہے ○

(النحل: ۷۰)

انسان کی عمر کے تغیرات سے اللہ تعالیٰ کے خالق ہونے پر استدلال

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حیوانات کے عجیب و غریب افعال ذکر کر کے ان سے اپنے خالق ہونے اور قادر ہونے پر استدلال فرمایا تھا' اور اس آیت میں انسان کی عمر کے مختلف مدارج اور مختلف احوال سے اپنی ذات پر استدلال فرمایا ہے۔

حکماء نے انسان کی عمر کے چار مراتب ذکر کیے ہیں پہلا مرتبہ اس کی عمر کا وہ زمانہ ہے جب اس کے بچپن اور نوجوانی کا زمانہ ہوتا ہے اور اس کی نشو و نما ہوتی ہے اور یہ ولادت سے لے کر بیس سال کی عمر ہے' دوسرا مرتبہ وہ ہے جب اس کی عمر اپنے شباب کو پہنچ جاتی ہے اور یہ بیس سال سے چالیس سال کی عمر ہے' اور تیسرا مرتبہ دور انحطاط ہے جب اس کی عمر ڈھل جاتی ہے اور وہ ادھیڑ عمر کو پہنچ جاتا ہے یہ چالیس سال سے ساٹھ سال تک کی عمر کا زمانہ ہوتا ہے اس کو کہولت کہتے ہیں' اور چوتھا مرتبہ انحطاط کبیر کا ہے یہ بڑھاپے کا زمانہ ہے یہ ساٹھ سے ستر اسی سال کی عمر کا زمانہ ہوتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ انسان کی عمر کے ان تغیرات کا خالق کون ہے' اللہ تعالیٰ کے سوا کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ ان تغیرات کا خالق ہے اور لوگوں نے اللہ کے سوا جن چیزوں کو خالق مانا ان میں سے کوئی چیز موجود نہ تھی تب بھی انسان کی عمر میں یہ تغیرات ہو رہے تھے تو ہم کیوں نہ مانیں کہ انسان کی عمر کے ان تغیرات کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے سوا کوئی نہیں ہے' سو وہی عبادت کا مستحق ہے اور اس کے سوا اور کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو ان کی غفلت کی نیند سے جگایا اور ان کو اپنے علم کے شمول اور قدرت کے عموم پر متنبہ کیا اور جب کہ اس کا علم اور اس کی قدرت ہر چیز کو محیط ہے تو وہ انسانوں کو مرنے کے بعد دوبارہ ضرور زندہ کرے گا اور وہ جس چیز کو چاہے گا اس کو وجود میں لے آئے گا اور اس نے اس کائنات میں ان پر دلائل قائم کیے ہیں پہلے اللہ تعالیٰ نے جمادات سے استدلال فرمایا پھر حیوانات سے پھر ان دلائل کو شہد کی مکھی پر ختم کیا جس سے حاصل ہونے والا شہد تمام انسانوں کے لیے شفاء ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے انسان سے استدلال کیا اور فرمایا کہ انسان کی عمر کے چار مراتب ہیں پہلا مرتبہ طفولیت اور نشو و نما کا ہے اور دوسرا مرتبہ شباب کا ہے جس مرتبہ پر پہنچ کر انسان کی نشو و نما رک جاتی ہے اور تیسرا مرتبہ کہولت کا ہے اس مرتبہ میں اگرچہ قوت باقی رہتی ہے لیکن انسان کا انحطاط شروع ہو جاتا ہے اور چوتھا مرتبہ سن انحطاط کا ہے اس مرتبہ میں انسان کا ضعف شروع ہو جاتا ہے اور وہ بتدریج بڑھاپے کی طرف بڑھتا ہے حتیٰ کہ وہ اس منزل پر پہنچ جاتا ہے جب کوئی دوا اس کی جوانی کی قوت اور شباب کو واپس نہیں لا سکتی' اس آیت میں انسان کو اس پر برانگیختہ کیا ہے کہ وہ عمر کے اس دور کے شروع ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی آیات میں غور و فکر کرے اور بصیرت سے کام لے کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کے غور و فکر کرنے کی صلاحیت بھی جاتی رہے' اس لیے فرمایا کہ اللہ نے تم کو پیدا کیا یعنی عدم سے وجود میں لایا' پھر وہ مختلف عمروں میں تمہاری روحیں قبض کرے گا' بچہ اس پر قادر نہیں ہو گا کہ وہ اپنی عمر کو بڑھا لے اور جوانی تک پہنچ جائے اور بوڑھا اس پر قادر نہیں ہو گا کہ وہ لوٹ کر جوانی تک پہنچ جائے' پھر تم میں سے بعض لوگوں کو ان ہی عمروں میں موت آ جائے گی' بعض اپنی قوت اور اپنی طاقت کے زمانہ میں مر جائیں گے اور بعض ارذل عمر کی طرف لوٹا دیے جائیں گے جس طرح طفولیت میں وہ کمزور اور بے علم تھے' اسی طرح بڑھاپے میں وہ کمزور اور بے علم ہوں گے ان کی یادداشت جاتی رہے گی اور ان کی ذکاوت کا شعلہ بجھ جائے گا' پھر وہ موت سے متصل ہو جائے گا اسے کوئی دوا نفع نہیں دے گی' اس لیے اس حالت کو پہنچنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی

آیات میں غور و فکر کرو۔

"ارذل عمر" کا معنیٰ اور مصداق

ابن قتیبہ نے کہا: ارذل عمر کا معنیٰ یہ ہے کہ جن چیزوں کا اسے پہلے علم تھا بڑھاپے کی شدت کی وجہ سے اس کا وہ علم زائل ہو جائے گا۔ زجاج نے کہا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ تم میں سے بعض لوگ اس قدر بوڑھے ہو جائیں گے کہ ان کی عقل فاسد اور خراب ہو جائے گی اور وہ عالم ہونے کے بعد جاہل ہو جائیں گے تاکہ اللہ تم کو اپنی قدرت دکھائے کہ جس طرح وہ مارنے اور زندہ کرنے پر قادر ہے اسی طرح وہ عالم بنانے کے بعد جاہل بنانے پر قادر ہے۔

عطاء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت مسلمانوں کے متعلق نہیں ہے مسلمان کی عمر جس قدر زیادہ ہوتی جاتی ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی عزت اور کرامت بڑھتی جاتی ہے اور اس کی عقل اور معرفت بھی زیادہ ہوتی جاتی ہے اور عکرمہ نے کہا جو شخص قرآن عظیم پڑھتا رہتا ہے وہ ارذل عمر کی طرف نہیں لوٹایا جاتا۔

(زاد المسیر ج ۴ ص ۴۶۸-۴۶۷، مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت، ۱۴۱۲ھ)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ارذل عمر کا مصداق پچھتر سال کی عمر ہے۔ (جامع البیان جز ۱۴ ص ۱۸۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو المظفر منصور بن محمد سمعانی الشافعی المتوفی ۴۸۹ھ لکھتے ہیں:

حضرت علی سے منقول ہے کہ ارذل عمر پچھتر سال کی عمر ہے، قطرب نے کہا کہ یہ اسی سال کی عمر ہے، ایک قول یہ ہے کہ یہ نوے سال کی عمر ہے، عکرمہ نے کہا جو شخص زیادہ قرآن پڑھتا ہے وہ ارذل عمر کی طرف نہیں لوٹایا جائے گا اس کا معنی یہ ہے کہ اس کی عقل زائل ہوگی نہ فاسد ہوگی، ایک قول یہ ہے کہ ارذل عمر کی طرف لوٹایا جانا کفار کے لیے ہے۔

(تفسیر القرآن للسمعانی ج ۳ ص ۱۸۷، مطبوعہ دار الوطن، الریاض، ۱۴۱۸ھ)

ارذل عمر سے پناہ طلب کرنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ کثرت دعاؤں میں ارذل عمر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کی ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرتے تھے اور فرماتے تھے: اے اللہ! میں سستی سے تیری پناہ میں آتا ہوں، اور میں بزدلی سے تیری پناہ میں آتا ہوں، اور میں ارذل عمر سے تیری پناہ میں آتا ہوں اور میں بخل سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۰۷)

مصعب اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا ان کلمات سے پناہ طلب کرو جن کلمات سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پناہ طلب کرتے تھے، اے اللہ! میں بزدلی سے تیری پناہ میں آتا ہوں، اور میں بخل سے تیری پناہ میں آتا ہوں اور میں اس سے تیری پناہ میں آتا ہوں کہ میں ارذل عمر کی طرف لوٹا دیا جاؤں اور میں دنیا کے فتنہ اور عذاب قبر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۰۷)

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِى الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا

اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت دی ہے سو جن کو رزق میں فضیلت دی گئی ہے

بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ؕ

وہ اپنا رزق اپنے ان غلاموں کو دینے والے تو نہیں ہیں جو ان کی ملکیت میں ہیں تاکہ وہ رزق میں برابر ہو جائیں ،

اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ

پس کیا وہ اللہ کی نعمت کا انکار کریں گے ○ اور اللہ نے تم میں سے تمہارے لیے

اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ

بیویاں بنائیں اور تمہارے لیے تمہاری بیویوں سے بیٹے اور پوتے بنائے اور تمہیں پاکیزہ

مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ

چیزوں سے رزق دیا، تو کیا وہ باطل پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ کی نعمت کا وہی کفر

يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ

کرتے ہیں ○ اور وہ اللہ کے سوا ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو ان کے لیے آسمانوں اور

رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۷۳﴾ ج فَلَا

زمینوں میں سے کسی بھی رزق کے مالک نہیں ہیں اور نہ کسی چیز کی طاقت رکھتے ہیں ○ سو تم

تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۴﴾

اللہ کے لیے مثالیں نہ گھڑو اور بے شک اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ○

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّمَنْ

اور اللہ ایک ایسے غلام کی مثال بیان فرماتا ہے جو کسی کی ملکیت میں ہے اور کسی چیز پر قادر نہیں ہے اور

رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ؕ هَلْ

(دوسرا) ایسا شخص ہے جس کو ہم نے اپنی طرف سے عمدہ رزق عطا فرمایا ہے سو وہ اس میں سے پوشیدہ طور سے اور ظاہراً

يَسْتَوٗنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَضَرَبَ

خرچ کرتا ہے کیا یہ دونوں شخص برابر ہیں، تمام تعریفوں کا مستحق اللہ ہے، بلکہ ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے ○ اور اللہ (ایک اور)

اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَیْءٍ وَّهُوَ

مثال بیان فرماتا ہے دو مرد ہیں ان میں سے ایک گونگا ہے جو کوئی کام نہیں کر سکتا اور وہ

كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ هَلْ يَسْتَوِیْ

اپنے مالک پر بار ہے اس کا مالک اسے جہاں بھی بھیجے وہ کوئی خیر کی خبر نہیں لاتا، کیا یہ شخص اس کے برابر

هُوَ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۶﴾

ہو جائے گا۔ جو نیکی کا حکم دیتا ہے اور وہ راہ راست پر ہے ٥

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت دی ہے، سو جن کو رزق میں فضیلت دی گئی ہے وہ اپنا رزق اپنے ان غلاموں کو دینے والے تو نہیں ہیں جو ان کی ملکیت میں ہیں، تاکہ وہ رزق میں برابر ہو جائیں۔ پس کیا وہ اللہ کی نعمت کا انکار کریں گے؟ (النحل: ۷۱)

شرک کے رد پر ایک دلیل

اللہ تعالیٰ نے یہ مثال بت پرستوں کے لیے بیان فرمائی ہے یعنی جب تم اپنے غلاموں کو اپنے برابر نہیں قرار دیتے تو تم میرے بندوں کو یا میری مخلوق کو میرے برابر کیسے قرار دیتے ہو کہ ان کو بھی میری طرح عبادت کا مستحق قرار دیتے ہو، اور جب تم اپنے غلاموں کو اپنے برابر قرار نہیں دیتے اور ان کو اپنے اموال میں شریک نہیں کرتے تو تم میرے بندوں کو میرے برابر کیوں قرار دیتے ہو اور ان کو میری عبادت میں کیوں شریک قرار دیتے ہو۔ جس طرح مشرکین نے بتوں کو فرشتوں اور بعض نبیوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں شریک کر لیا حالانکہ وہ سب اللہ کے بندے اور اس کی مخلوق ہیں۔

ابو صالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت نجران کے عیسائیوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جب انہوں نے یہ کہا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام (نعوذ باللہ) اللہ کے بیٹے ہیں۔

(زاد المسیر ج ۴ ص ۴۷، مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

رزق میں ایک دوسرے پر فضیلت کا سبب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت دی ہے۔ اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی شخص کا تونگر یا سرمایہ دار ہونا اس لیے نہیں ہے کہ اس میں عقل زیادہ ہے یا اس نے محنت اور کوشش زیادہ کی ہے اور دوسرے شخص کا تنگ دست اور مفلس ہونا اس وجہ سے نہیں ہوتا کہ اس کے پاس عقل یا علم کی کمی ہے بلکہ مال و دولت کی کثرت اور قلت اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَةَ رَبِّكَ ؕ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِی الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ (الزخرف: ۳۲)	کیا وہ آپ کے رب کی رحمت کو تقسیم کرتے ہیں، ہم نے ان کے درمیان ان کی روزی ان کی دنیاوی زندگی میں تقسیم کر دی ہے۔
وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِی	اور اگر اللہ اپنے تمام بندوں کے لیے رزق کشادہ کر دیتا تو وہ

الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ ۚ (الشوریٰ: ۲۷) ضرور زمین میں سرکشی کرتے، لیکن وہ جتنا چاہے اندازہ کے مطابق (رزق) نازل فرماتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ فقراء مہاجرین رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے مال دار لوگ تو بلند درجات اور دائمی جنت کو لے گئے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس کی کیا وجہ ہے؟ انہوں نے کہا وہ ہماری طرح نماز پڑھتے ہیں اور ہماری طرح روزے رکھتے ہیں اور وہ صدقہ اور خیرات بھی کرتے ہیں اور ہم صدقہ اور خیرات نہیں کرسکتے اور وہ غلام آزاد کرتے ہیں اور ہم غلام آزاد نہیں کرسکتے۔ تب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو ایسی چیز کی تعلیم نہ دوں کہ تم ان کے درجہ کو پا لو جو تم پر سبقت کر رہے ہیں اور تم اپنے بعد والوں پر سبقت حاصل کرلو اور تم سے کوئی شخص افضل نہیں ہو مگر وہ جو تمہاری مثل عمل کرے۔ انہوں نے کہا کیوں نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا تم ہر نماز کے بعد ۳۳، ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ، اللہ اکبر اور الحمد للہ پڑھو۔ ابو صالح نے کہا فقراء مہاجرین پھر دوبارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے ہمارے جو مال دار بھائی تھے وہ بھی ہماری طرح عمل کرنے لگے۔ تب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ اللہ کا فضل ہے وہ جس کو چاہے عطا فرمائے۔ (صحیح مسلم صلاۃ: ۱۴۲، رقم الحدیث بلا تکرار ۵۹۵، رقم الحدیث المسلسل: ۱۳۲۲)

اسی مفہوم کے قریب قرآن کریم کی یہ آیت ہے:

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۡ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ (آل عمران: ۲۶)

آپ کہیے اے اللہ! ملک کے مالک! تو جس کو چاہے سلطنت دیتا ہے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لیتا ہے اور تو جس کو چاہے عزت دیتا ہے اور جس کو چاہے ذلت دیتا ہے، تیرے ہی ہاتھ میں تمام بھلائی ہے۔ بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ نے تم میں سے تمہارے لیے بیویاں بنائیں اور تمہارے لیے تمہاری بیویوں سے بیٹے اور پوتے بنائے اور تمہیں پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا تو کیا وہ باطل پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ کی نعمت کا وہی کفر کرتے ہیں ۝ اور وہ اللہ کے سوا ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو ان کے لیے آسمانوں اور زمینوں میں سے کسی بھی رزق کے مالک نہیں ہیں اور نہ کسی چیز کی طاقت رکھتے ہیں۔ (النحل: ۷۳-۷۲)

اس آیت کی دو تفسیریں کی گئی ہیں۔ ایک تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت حوا کو حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا کیا۔ اور یہ اس کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم میں سے تمہاری بیویاں بنائیں۔ لیکن یہ قول ضعیف ہے کیونکہ اس آیت میں واحد کے ساتھ خطاب نہیں ہے بلکہ کل کے ساتھ خطاب ہے اور حضرت آدم اور حضرت حوا کے ساتھ اس آیت کی تخصیص کرنا بلا دلیل ہے اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ مرد ان سے شادی کریں۔ اور اس کی مثال یہ آیت ہے:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا۔ (الروم: ۲۱)

اور اللہ کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہاری جنس سے تمہاری بیویاں بنائیں۔

اس کے بعد فرمایا اور تمہارے لیے تمہاری بیویوں سے بیٹے اور حفدہ (پوتے) بنائے۔ قرآن مجید میں یہاں حفدہ کا لفظ

ہے اس کے معنی میں تفصیل ہے۔

"حفدہ" کے معنی

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

حفدہ، حافد کی جمع ہے۔ حافد اس شخص کو کہتے ہیں جو بلا معاوضہ خدمت کرتا ہو خواہ وہ رشتہ دار ہو یا اجنبی ہو۔ مفسرین نے کہا یہ لفظ پوتوں اور نواسوں کے لیے ہے کیونکہ ان کی خدمت سچی اور بے لوث ہوتی ہے۔ عرب کہتے ہیں کہ فلاں شخص محفود ہے۔ یعنی مخدوم ہے اور یہ لفظ دامادوں اور سسروں کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔ دعا قنوت میں ہے الیک نسعی و نحفد (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۱۰۶) ہم تیری طرف بھاگتے ہیں اور تیرے احکام پر عمل کرنے میں جلدی کرتے ہیں۔

(المفردات ج ۱ ص ۱۶۳، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

علامہ ابو السعادات المبارک بن محمد المعروف بابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

المحفود اس شخص کو کہتے ہیں جس کی اس کے اصحاب تعظیم کرتے ہیں اور اس کے احکام کی اطاعت میں جلدی کرتے ہیں اور حافد کا معنی ہے، خادم۔ (النہایہ ج ۱ ص ۳۹۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ)

علامہ ابن العربی نے لکھا ہے کہ بنین سے مراد ہے، کسی شخص کے صلبی بیٹے اور حفدہ سے مراد بیٹے کی اولاد ہے۔ نیز علامہ ابن العربی نے کہا ہے کہ حضرت ابن عباس، مجاہد، امام مالک اور علماء لغت نے کہا ہے کہ حفدہ کے معنی ہیں خدام۔ تو قرآن مجید کی اس آیت سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ کسی شخص کی بیوی اور اس کی اولاد اس کے خدمتگار ہوتے ہیں۔ اس صورت میں اس آیت کا معنی ہے تمہارے لیے تمہاری بیویوں اور بیٹوں کو خدمتگار بنایا۔

کسی شخص کی بیوی کا اس کی خدمت کرنا

سہل بیان کرتے ہیں کہ ابو اسید ساعدی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی شادی میں دعوت دی، ان کی بیوی دلہن ہونے کے باوجود ان سب کی خدمت کر رہی تھی۔ سہل نے کہا تمہیں معلوم ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو کیا پلایا تھا؟ میں نے رات کو ایک برتن میں چھوارے بھگو دیئے تھے، جب رات کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کھانا کھا چکے تو میں نے آپ کو وہ پانی (نبیذ) پلایا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۱۷۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۰۶، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹۱۴، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۶۱۵۹، عالم الکتب)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ حضرت ابو اسید ساعدی کی بیوی اپنی شادی کے دن بھی ان کی خدمت کر رہی تھیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ہدی کے لیے ہار بنتی تھی پھر آپ اس ہدی میں اشعار کرتے (اشعار کا معنی ہے چھری سے اونٹ کے کوہان میں شگاف ڈال دینا جس سے اس پر خون کا سرخ دھبہ پڑ جائے) اور اس کے گلے میں ہار ڈال دیتے یا میں ہار ڈال دیتی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۶۹۹، سنن نسائی رقم الحدیث: ۲۷۷۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۰۹۸، ۳۰۹۴)

ایک اور روایت میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا میں اپنے ہاتھوں سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ہدی کا ہار بنتی تھی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۷۰۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جنابت سے آلودہ کپڑے دھوتی تھی، آپ نماز پڑھنے کے لیے جاتے اور آپ کے کپڑوں میں پانی سے بھیگنے کے نشانات ہوتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۲۹، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۳، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۱۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۶)

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے احرام باندھتے وقت میں آپ کے بدن پر خوشبو لگاتی تھی اور جب آپ احرام کھولتے تھے تو بیت اللہ کے طواف (زیارت) سے پہلے آپ کے بدن پر خوشبو لگاتی تھی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۵۳۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۸۹، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۷۴۵، سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۶۸۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں دستیاب خوشبوؤں میں سے سب سے عمدہ خوشبو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو لگاتی تھی حتیٰ کہ اس خوشبو کی چمک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سر میں اور ڈاڑھی میں نظر آتی تھی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۲۳، سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۶۹۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۹۲۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں حائضہ ہوتی تھی اور میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سر میں کنگھی کرتی تھی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۲۵، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۴۶۷، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۲۰۸، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۵۲۳۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں معتکف ہوتے تھے، آپ حجرے میں سر داخل کرتے تو میں آپ کا سر دھوتی تھی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۰۱، سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۷۵، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۳۳۸۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم گھر میں داخل ہوئے، اس وقت آگ پر ہانڈی ابل رہی تھی۔ آپ نے کھانا منگایا۔ آپ کو روٹی اور گھر کا سالن پیش کیا گیا۔ آپ نے فرمایا کیا میں گوشت نہیں دیکھ رہا! گھر والوں نے کہا کیوں نہیں یا رسول اللہ! لیکن یہ وہ گوشت ہے جو بریرہ پر صدقہ کیا گیا ہے اور اس نے ہم کو ہدیہ کر دیا ہے۔ آپ نے فرمایا یہ اس پر صدقہ ہے اور ہمارے لیے ہدیہ ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۴۳۰، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۲۳، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۱۵۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۵۲۱، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۲۷۲، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۴۸۸، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۵۰۲۷)

اس حدیث میں یہ بیان ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا گھر کا کھانا پکاتی تھیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ علیہا السلام نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس یہ شکایت کرنے گئیں کہ چکی پیستے پیستے ان کے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے ہیں اور ان کو یہ خبر ملی ہے کہ آپ کے پاس کچھ غلام آئے ہیں۔ سیدتنا فاطمہ کی آپ سے ملاقات نہیں ہوئی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم گھر تشریف لائے تو حضرت عائشہ نے ذکر کیا کہ حضرت فاطمہ آپ سے ملنے آئی تھیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہمارے گھر تشریف لے آئے، اس وقت ہم بستر میں لیٹ چکے تھے۔ ہم کھڑے ہونے لگے تو آپ نے فرمایا تم اسی طرح رہو۔ آپ آ کر میرے اور حضرت فاطمہ کے درمیان بیٹھ گئے حتیٰ کہ میں نے آپ کے پیروں کی ٹھنڈک اپنے پیٹ کے پاس محسوس کی آپ نے فرمایا تم نے جو سوال کیا ہے کیا میں تم کو اس سے بہتر چیز نہ بتاؤں؟ جب تم اپنے بستر پر لیٹو تو تم ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ، ۳۳ مرتبہ الحمد للہ اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر پڑھو، یہ تمہارے لیے خادم سے بہتر ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۶۱، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۲۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۶۲)

ہم نے جو احادیث ذکر کی ہیں ان سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ہدی کے لیے ہار بنتی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کپڑے دھوتی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سر اور ڈاڑھی میں خوشبو لگاتی تھیں۔ آپ کا سر دھوتی تھیں اور آپ کے سر میں کنگھی کرتی تھیں اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا کھانا پکاتی تھیں اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا گھر میں چکی پیستی تھیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ آپ کی خدمت کرتی تھیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زوجہ ان کی خدمت کرتی تھیں۔ اسی طرح باقی صحابہ کی ازواج بھی ان کی خدمت کرتی تھیں۔ گاؤں اور دیہات میں رہنے والی خواتین اب بھی اپنے شوہروں کی خدمت کرتی ہیں اور گھر کے باقی کام بھی کرتی ہیں، کھیت سے چارہ کاٹ کر لاتی ہیں، جانوروں کو چارہ ڈالتی ہیں، دودھ دوہتی ہیں، کھانا پکاتی ہیں اور کپڑے دھوتی ہیں۔ البتہ شہر کی عورتیں اس قسم کے کام نہیں کرتیں اور امیر لوگوں نے گھر کے کام کاج کے لیے نوکر اور نوکرانیاں رکھی ہوئی ہوتی ہیں۔

شوہروں کو خود بھی گھر کے کام کاج میں حصہ لینا چاہیے اور بیویوں کی مدد کرنی چاہیے۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بھی گھر کے کام کاج کیا کرتے تھے۔

اسود بن یزید بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم گھر میں کیا کرتے تھے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا آپ گھر کا کام کاج کرتے تھے اور اذان سن کر چلے جاتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۶۳، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۸۹، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۵۴۶۱)

ہشام اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر میں کیا کرتے تھے؟ فرمایا جیسے تم میں سے کوئی شخص اپنے گھر میں کام کرتا ہے۔ آپ اپنی جوتی کی مرمت کر لیتے تھے اور کپڑوں کو پیوند لگا لیتے تھے۔

(حمزہ احمد زین نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے، مسند احمد ج ۱۷ ص ۴۱۹، رقم الحدیث: ۲۴۶۳۰، سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۶۸۴، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۹۳۴، مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۲۱۲)

عروہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم گھر میں کیا کام کرتے تھے؟ فرمایا آپ کپڑے سی لیتے تھے اور جوتی کو مرمت کر لیتے تھے اور مرد جو گھروں میں کام کرتے ہیں، وہ سب کرتے تھے۔

(حمزہ احمد زین نے کہا، اس حدیث کی سند صحیح ہے، مسند احمد ج ۱۷ ص ۴۵۹، رقم الحدیث: ۲۴۷۸۴، مطبوعہ دار المعارف مصر، الادب المفرد رقم الحدیث: ۵۳۹، شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۳۴۵، مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۲۰۴۹۲)

مشرکین کی اوندھی عقل

اس کے بعد فرمایا اور وہ اللہ کے سوا ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو آسمانوں اور زمینوں میں سے کسی بھی رزق کے مالک نہیں ہیں اور نہ کسی چیز کی طاقت رکھتے ہیں۔

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا اللہ تعالیٰ نے تمہیں پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا ہے۔ اس آیت میں فرمایا ہے کہ مشرکین جن چیزوں کی عبادت کرتے ہیں، وہ کسی رزق کے مالک نہیں ہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے شرک اور بت پرستی کا مزید رد فرمایا ہے کہ لوگوں کو چاہیے کہ اس کی عبادت کریں جو انہیں رزق دینے والا ہے، جس نے ان کو پیدا کیا اور ان کو

پالنے والا ہے اور یہ کیسی اوندھی عقل کے لوگ ہیں کہ ان کی عبادت کرتے ہیں جو کسی رزق کے مالک نہیں ہیں اور کسی چیز کی طاقت نہیں رکھتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تم اللہ کے لیے مثالیں نہ گھڑو، اور بے شک اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ (النحل: ۷۴)

اللہ تعالیٰ کے لیے مثال گھڑنے کے محامل

اس آیت کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) کسی مخلوق کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو تشبیہ نہ دو کیونکہ کوئی چیز اس کی مثل نہیں ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ کی کوئی مثال نہ بناؤ کیونکہ وہ واحد ہے اور اس کی کوئی مثل نہیں ہے۔

(۳) بت پرست یہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی شان اس سے بہت بلند ہے کہ ہم میں سے کوئی ایک اس کی عبادت کرے بلکہ ہم ستاروں کی یا ان بتوں کی عبادت کرتے ہیں پھر یہ ستارے یا بت اللہ کی عبادت کرتے ہیں جو سب سے بڑا خدا ہے اور ان ستاروں اور ان بتوں کا بھی خدا ہے کیونکہ دنیا میں یہ ہوتا ہے کہ عام لوگ بادشاہ کے وزراء اور اکابرین سلطنت کی خدمت کرتے ہیں اور ان کی تعظیم کرتے ہیں اور بادشاہ تک رسائی کی جرأت نہیں کرتے اور وزراء اور اکابرین سلطنت بادشاہ کی تعظیم اور اس کی خدمت کرتے ہیں، سو اسی طرح ہم بھی ان بتوں اور ستاروں کی عبادت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ تک رسائی اور اس کی عبادت کی جرأت نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ تم یہ مثالیں نہ گھڑو، بتوں کی عبادت کو ترک کرو اور صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو جو بہت جاننے والا اور بہت قدرت والا ہے اور بے حد حکمت والا ہے۔

اس کے بعد فرمایا: بے شک اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ اس کے بھی دو محمل ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ تمہاری اس بت پرستی اور مثالیں گھڑنے کے نتیجہ میں تم پر کتنا بڑا عذاب نازل ہونے والا ہے اور تم اس عذاب کی کیفیت اور مدت کو نہیں جانتے۔ اگر تم جانتے ہوتے تو اس بت پرستی کو چھوڑ چکے ہوتے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے تم کو بتوں کی عبادت سے منع فرمایا ہے سو تم ان کی عبادت کو ترک کر دو اور اپنی اس دلیل کو بھی ترک کر دو جس پر اعتماد کر کے تم بتوں کی عبادت کر رہے ہو کہ عام لوگوں کی یہ مجال نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اس لیے وہ بتوں کی عبادت کرتے ہیں کیونکہ یہ فاسد قیاس ہے اور قرآن مجید کی صریح آیت کے مقابلہ میں اس قیاس کو ترک کرنا واجب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ ایک ایسے غلام کی مثال بیان فرماتا ہے جو کسی کی ملکیت میں ہے اور کسی چیز پر قادر نہیں ہے اور (دوسرا) ایسا شخص ہے جس کو ہم نے اپنی طرف سے عمدہ رزق عطا فرمایا ہے سو وہ اس میں سے پوشیدہ طور سے اور ظاہراً خرچ کرتا ہے۔ کیا یہ دونوں شخص برابر ہیں؟ تمام تعریفوں کا مستحق اللہ ہے بلکہ ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (النحل: ۷۵)

عاجز غلام اور آزاد فیاض کی مثال کی وضاحت

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دو شخصوں کی مثال بیان فرمائی ہے۔ ایک شخص کسی کا غلام ہے جو اپنی مرضی سے کچھ نہیں کر سکتا اور دوسرا شخص آزاد ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مال و دولت سے نوازا ہے اور وہ اس میں سے پوشیدہ اور ظاہر طور پر

خرچ کرتا ہے۔ کیا یہ دونوں شخص برابر ہیں؟ ظاہر ہے یہ دونوں شخص برابر نہیں ہیں‘ اس مثال کے حسب ذیل محامل ہیں۔

(۱) جب ایک غلام جو مجبور ہو وہ آزاد دولتمند اور فیاض شخص کے برابر نہیں ہے‘ تو بت اللہ تعالیٰ کے برابر کیسے ہو سکتے ہیں جبکہ بتوں کا حال ایک مجبور غلام سے بھی ابتر اور بدتر ہے‘ پھر مشرکین کی کیسی اوندھی عقل ہے کہ وہ ان بتوں کو اللہ کی عبادت میں اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں۔

(۲) اس آیت میں جس (بندہ) غلام کا ذکر کیا گیا ہے اس سے مراد کافر ہے‘ کیونکہ جب وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی اطاعت سے محروم ہے تو وہ حقیر‘ فقیر اور عاجز غلام کی مانند ہے‘ اور اللہ تعالیٰ نے جس دوسرے شخص کا ذکر فرمایا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے عمدہ رزق عطا فرمایا ہے‘ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی اطاعت میں مشغول رہتا ہے اور مخلوق پر شفقت کرتا ہے اور ضرورت مندوں کو اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال و دولت سے فیاضی کے ساتھ دیتا ہے‘ سو یہ دونوں شخص یعنی کافر اور مومن شرف اور مرتبہ اور اخروی اجر و ثواب میں برابر نہیں ہیں۔

(۳) اس آیت میں مذکور دونوں شخصوں سے مراد عام ہے‘ جو شخص بھی ان صفات کے ساتھ متصف ہوں وہ اس آیت کے مصداق ہیں یعنی ایک مجبور غلام اور ایک آزاد فیاض شخص برابر نہیں ہیں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا الحمد للہ تمام کمالات اللہ کے لیے ہیں‘ یعنی بتوں کا کوئی کمال نہیں ہے اور وہ کسی تعریف کے مستحق نہیں ہیں‘ کیونکہ بتوں نے کسی پر کوئی انعام نہیں کیا جس کی وجہ سے وہ کسی تعریف کے مستحق ہوں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا بلکہ ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے کہ تمام تعریفوں کا مستحق اللہ تعالیٰ ہے اور بت کسی تعریف کے مستحق نہیں ہیں‘ اور اس آیت کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اس میں اس شخص سے خطاب ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے عمدہ رزق عطا فرمایا ہے اس کو چاہیے کہ وہ یہ کہے الحمد للہ (تمام تعریفوں کا مستحق اللہ ہے) یعنی اللہ کے لیے حمد ہے جس نے اس کو ایک عاجز اور حقیر غلام سے ممتاز کیا‘ اور اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر حمد فرمائی کہ اس نے ایسی مثال بیان فرمائی جو مقصود کی بہت اچھی وضاحت کر دیتی ہے یعنی ایسی واضح اور قوی حجت کے پیش فرمانے پر اللہ ہی کے لیے حمد ہے پھر فرمایا اور اکثر لوگ نہیں جانتے یعنی باوجود اس کے کہ یہ مثال بہت واضح ہے پھر بھی اکثر لوگ اس مثال کو نہیں سمجھتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ (ایک اور) مثال بیان فرماتا ہے دو مرد ہیں ان میں سے ایک گونگا ہے جو کوئی کام نہیں کر سکتا اور وہ اپنے مالک پر بار ہے‘ اس کا مالک اسے جہاں بھی بھیجے وہ کوئی خیر کی خبر نہیں لاتا کیا یہ شخص اس کے برابر ہو جائے گا جو نیکی کا حکم دیتا ہے اور وہ راہ راست پر ہے۔ (النحل: ۷۶)

گونگے عاجز غلام اور نیک آزاد شخص کی مثال کے محامل

اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے مشرکین کا رد فرمایا ہے کہ یہ بدیہی بات ہے کہ جو شخص گونگا اور عاجز ہو وہ فضل اور شرف میں اس شخص کے مساوی نہیں ہو سکتا جو بولنے والا اور قادر ہو‘ باوجود اس کے کہ بشریت اور باقی اعضاء کی سلامتی میں دونوں مساوی ہوں تو جب گونگا اور عاجز‘ بولنے والے اور قادر کے برابر نہیں ہو سکتا تو زیادہ لائق ہے کہ بے جان اور ساکت پتھر اللہ تعالیٰ کے برابر نہیں ہو سکتے تو پھر تمہارا ان بتوں کو عبادت میں اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دینا کس طرح عقل کے نزدیک صحیح ہو گا۔

یہ مثال جو دی گئی ہے اس کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) العوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ مومن اور کافر کی مثال بیان فرمائی ہے، جو شخص گونگا اور عاجز ہے وہ کافر اور بت پرست ہے کیونکہ وہ حق کے ساتھ کلام نہیں کرتا اور کوئی نیک کام نہیں کرتا جس میں خیر اور برکت ہو اور جو شخص ناطق اور قادر ہے وہ مومن ہے کیونکہ وہ کلمہ حق بولتا ہے، نیکی کا حکم دیتا ہے اور راہ راست پر ہے۔

(۲) ابراہیم بن یعلیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور ان کے غلام کے متعلق نازل ہوئی ہے، ان کا غلام کافر تھا اور اسلام کو ناپسند کرتا تھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے منع کرتا تھا کیونکہ وہ کلمہ حق نہیں کہتا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کو گونگا قرار دیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نیکی کا حکم دیتے تھے اور راہ راست پر تھے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے یہ مثال اپنی اور بتوں کی دی ہے۔ بت گونگے تھے اور عاجز تھے کیونکہ وہ بول سکتے تھے نہ کوئی کام کر سکتے تھے اور وہ بت اپنی پرستش کرنے والوں پر بوجھ تھے کیونکہ بت اپنے عبادت گزاروں کو کچھ نہیں دے سکتے تھے بلکہ بتوں کی عبادت کرنے والے بتوں پر خرچ کرتے تھے، اور بتوں سے جس مہم میں بھی مدد طلب کی جاتی وہ اس میں اپنے عبادت گزاروں کو کوئی خیر نہیں پہنچا سکتے تھے اور جو نیکی کا حکم دینے والا ہے اور راہ راست دکھانے والا ہے وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ یہ مجاہد، قتادہ، ابن السائب اور مقاتل کا قول ہے۔

(۴) عطا نے یہ کہا ہے کہ اس مثال میں گونگے اور عاجز سے مراد ابی بن خلف ہے، اور جو نیکی کا حکم دیتا ہے اس سے مراد حضرت حمزہ، حضرت عثمان بن عفان اور حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہم ہیں۔

(زاد المسیر ج ۴ ص ۴۷۳، مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

امام رازی نے کہا اس آیت سے مقصود ہر وہ غلام ہے، جو ان صفاتِ مذمومہ کے ساتھ موصوف ہو اور ہر وہ آزاد شخص جو ان صفاتِ محمودہ کے ساتھ موصوف ہو۔

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَاۤ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ

اور آسمانوں اور زمینوں کا (سب) غیب (کا علم) اللہ ہی کے ساتھ خاص ہے، اور قیامت کا وقوع صرف

الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۷۷﴾ وَ

پلک جھپکنے میں یا اس سے بھی جلد ہو گا، بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○ اور

اللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ وَّجَعَلَ

اللہ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے پیدا کیا اس وقت تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے، اور اس نے تمہارے

لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾ اَلَمْ يَرَوْا

کان اور تمہاری آنکھیں اور تمہارے دل بنائے تاکہ تم (اللہ کا) شکر ادا کرو ○ کیا ان لوگوں نے

إِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ ۖ مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا اللّٰهُ ۗ

آسمان کی فضا میں پرندے نہیں دیکھے جو اللہ کے نظام کے تابع ہیں، انہیں اللہ کے سوا کوئی گرنے سے نہیں

إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٧٩﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ

روکتا، بے شک اس میں ایمان لانے والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں ○ اور اللہ نے تمہاری رہائش کے لیے

مِّنْ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا

تمہارے گھر بنائے اور تمہارے لیے مویشیوں کی کھالوں سے خیمے بنائے، جن

تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ وَمِنْ اَصْوَافِهَا

کو تم ہلکا پھلکا دیکھ کر سفر کے دن اور اقامت کے دن کام میں لاتے ہو اور ان (مویشیوں) کے اون

وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَآ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿٨٠﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ

اور پشم اور بالوں سے ایک معین وقت تک فائدہ اٹھانے کے لیے گھریلو چیزیں بناتے ہو ○ اور اللہ نے اپنی پیدا

لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ

کی ہوئی چیزوں میں سے تمہارے فائدے کے لیے سایہ دار چیزیں بنائیں اور اس نے تمہارے لیے پہاڑوں میں محفوظ

لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ ۚ كَذٰلِكَ

غار بنائے اور تمہارے لیے ایسے لباس بنائے جو تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں اور ایسے لباس (زرہیں) بنائے جو تم کو حملوں سے محفوظ

يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ﴿٨١﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ

رکھتے ہیں، وہ تم پر اسی طرح اپنی نعمت پوری کرتا ہے تاکہ تم اس کی اطاعت کرو ○ پھر اگر یہ روگردانی کریں تو آپ کا کام تو صرف

الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿٨٢﴾ يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ

وضاحت کے ساتھ (اللہ کے احکام کو) پہنچا دینا ہے ○ یہ لوگ اللہ کی نعمتوں کو پہچانتے ہیں (اس کے باوجود) پھر ان کا انکار کرتے ہیں اور ان میں

الْكٰفِرُوْنَ ﴿٨٣﴾ ع

سے اکثر کافر ہیں ○

ع ۱۱ / ۱۷

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آسمانوں اور زمینوں کا (سب) غیب (کا علم) اللہ ہی کے ساتھ خاص ہے اور قیامت کا وقوع صرف پلک جھپکنے میں یا اس سے بھی جلد ہو گا' بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○ اور اللہ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے پیدا کیا اس وقت تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے' اور اس نے تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں اور تمہارے دل بنائے تا کہ تم (اللہ کا) شکر ادا کرو ○ کیا ان لوگوں نے آسمان کی فضا میں پرندے نہیں دیکھے جو اللہ کے نظام کے تابع ہیں' انہیں اللہ کے سوا کوئی (گرنے سے) نہیں روکتا' بے شک اس میں ایمان لانے والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں ○ (النحل: ۷۹-۷۷)

مشکل الفاظ کے معانی

وللہ غیب السموت والارض: یعنی آسمانوں اور زمینوں میں جو چیزیں حواس سے غائب ہیں اور بغیر غور و فکر کے جن کا علم حاصل نہیں ہو سکتا ان تمام غیوبات کا بذاتہٖ علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ ایک معنی یہ بھی ہے کہ قیامت کا علم بذاتہٖ اللہ تعالیٰ کے خواص میں سے ہے۔

الساعہ: یعنی قیامت کے وقوع کا وقت اس کو ساعت اس لیے کہتے ہیں کہ یہ اچانک ایک ساعت میں واقع ہو گی اور ایک گرج دار آواز سے آن واحد میں تمام مخلوق فنا ہو جائے گی۔

لمح البصر' اللمح کا معنی ہے سرعت سے کسی چیز کو دیکھنا اور لمح البصر کا معنی ہے پلک جھپکنا۔

او ھو اقرب: پلک جھپکنے سے بھی قریب تر یعنی اس سے بھی جلدی' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جب کسی کام کو کرنا ہوتا ہے تو وہ اس کام کے لیے صرف "کن" فرماتا ہے' خلاصہ یہ ہے کہ قیامت کا واقع کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس قدر سہل اور سریع ہے جیسے ہمارے لیے پلک جھپکنا بلکہ اس سے بھی زیادہ سہل اور سریع۔

مسخرات فی جو السماء: جو کے معنی ہیں آسمان اور زمین کے درمیان فضا' تسخیر کے معنی ہیں بغیر اجرت کے کسی کو کسی کام کا مکلف کرنا' بیگار لینا' کسی کو مغلوب اور ذلیل کرنا (مختار الصحاح ص ۱۷۹) یہاں مراد ہے اللہ تعالیٰ کا کسی کو اپنے بنائے ہوئے نظام کے تحت چلانا۔ یعنی اللہ نے پرندوں کی طبیعت میں جو فضاء میں اڑنے کا نظام ودیعت کر دیا ہے وہ اس فطری نظام کے تحت فضا میں اڑتے ہیں' وہ اس فطری صلاحیت کے تحت فضاء میں پر پھیلاتے ہیں اور سکیڑتے ہیں اور جس وقت وہ فضاء میں اڑ رہے ہوتے ہیں تو ان کو زمین پر گرنے سے اللہ کے سوا کوئی روکنے والا نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کے علم اور قدرت کی وسعت پر دلائل

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے عاجز اور گونگے شخص کے ساتھ بتوں کی مثال دی کیونکہ وہ بول سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں نہ کسی کے کام آ سکتے ہیں' اور اپنی مثال اس شخص کے ساتھ دی جو راہ راست پر ہو اور نیکی کا حکم دیتا ہو' اور ایسا شخص وہی ہو سکتا ہے جس کا علم بھی کامل ہو اور جس کی قدرت بھی کامل ہو تو ان آیتوں میں سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال علم پر دلیل قائم کی اور دوسری آیت میں اپنے کمال قدرت پر دلیل قائم فرمائی' کمال علم کی دلیل یہ ہے کہ وہ تمام آسمانوں اور زمینوں کے غیب کا جاننے والا ہے اور کمال قدرت پر دلیل یہ ہے کہ وہ پلک جھپکنے سے بھی پہلے قیامت کو قائم کر دے گا اور تمام دنیا کو فنا کر دے گا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "تمام آسمانوں اور زمینوں کے غیب کا علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے"۔ لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہے اپنے غیب میں سے جتنا چاہے اس پر مطلع فرماتا ہے۔ جیسا کہ ان آیات میں ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ — اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ تم (عام) لوگوں کو اپنے غیب پر

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ۔ (آل عمران: ۱۷۹)

مطلع فرمائے البتہ (غیب پر مطلع فرمانے کے لیے) جن کو چاہتا ہے، منتخب فرمالیتا ہے اور وہ اللہ کے (سب) رسول ہیں۔

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۔ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ۔ (الجن: ۲۷-۲۶)

وہ عالم الغیب ہے، وہ اپنے غیب کو کسی پر ظاہر نہیں فرماتا سوا ان کے جن کو اس نے پسند فرمالیا (اور) وہ اللہ کے (سب) رسول ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ بلا واسطہ غیب پر مطلع فرماتا ہے اور اولیاء کرام کو ان کے واسطے سے غیب پر مطلع فرماتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کو جو غیب کا علم عطا فرماتا ہے وہ ان کا معجزہ ہے، اور اولیاء کرام کو جو غیب پر مطلع فرماتا ہے وہ ان کی کرامت ہے۔ معتزلہ، اولیاء اللہ کی کرامت کے منکر تھے، اس لیے وہ ان کے لیے علم غیب نہیں مانتے تھے اور اہل سنت اولیائے کرام کے غیب پر مطلع ہونے کے قائل ہیں۔

اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ چیزوں کو حلال یا حرام کرنا صرف اس کا منصب ہے جو تمام چیزوں کی حقیقتوں، ان کے خواص، ان کے لوازم اور عوارض اور ان کی تاثیرات کو جاننے والا ہو اور چونکہ تمام آسمانوں اور زمینوں کے غیوب کو جاننے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے، اس لیے چیزوں کو حلال اور حرام کرنا بھی صرف اسی کو زیب دیتا ہے اور مشرکین کا اپنی ہوائے نفس سے بعض چیزوں کو حلال اور بعض چیزوں کو حرام کہنا محض غلط اور باطل ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت پر دلیل قائم کی اور فرمایا ان اللہ علی کل شیء قدیر یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ پلک جھپکنے سے پہلے تمام دنیا کو فنا کر دے گا اور قیامت کو واقع کر دے گا۔

اللہ تعالیٰ کی بندوں پر نعمتیں اور ان کا شکر ادا کرنے کے طریقے

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے مزید مظاہر کا ذکر فرمایا اور انسان پر اپنی نعمتوں کو گنوایا کہ اللہ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے پیدا کیا ہے، اس وقت تم کو کسی چیز کا علم نہیں تھا، انسان اپنی پیدائش کے وقت اشیاء کی معرفت سے خالی تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو عقل عطا فرمائی جس سے اس نے چیزوں کو پہچانا اور اس کو خیر اور شر اور نفع اور نقصان کی تمیز حاصل ہوئی۔ اس نے اپنے کانوں سے مختلف آوازوں کو سنا اور لوگوں سے سن سن کر اس کو بہت سی چیزوں کا علم حاصل ہوا، اللہ تعالیٰ نے اس کو آنکھیں عطا کیں جس سے اس نے لوگوں کو اور چیزوں کو دیکھا پھر کانوں اور آنکھوں کی مدد سے اس کو کتابوں کا علم حاصل ہوا پھر اس کو دل اور دماغ عطا کیے جس سے اس نے حقائق اشیاء میں غور کیا اور اس پر سوچ بچار کی راہیں کھلیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۔ قُلْ هُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ۔ (الملک: ۲۴-۲۳)

آپ کہیے وہی (اللہ) ہے جس نے تمہیں پیدا فرمایا اور تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنائے، تم لوگ بہت کم شکر کرتے ہو ○ آپ کہیے وہی ہے جس نے تم کو زمین پر پھیلا دیا اور اسی کی طرف تم جمع کیے جاؤ گے۔

اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کے شکر ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے کانوں سے ان ہی چیزوں اور ان ہی آوازوں کو سنے جن کے سننے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور جن کے سننے سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے اور ان باتوں اور ان آوازوں کو نہ سنے جن کے سننے سے اللہ تعالیٰ ناخوش اور ناراض ہوتا ہے۔ مثلاً جن مجلسوں میں اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ

وسلم کا مذاق اڑایا جاتا ہے، اسلام پر پھبتیاں کسی جاتی ہیں یا احکام شرعیہ کی مخالفت کی جاتی ہے، عورت کی آدھی گواہی اور اس کی عقل کی کمی کا رد کیا جاتا ہے، عورت کے پردہ کو اس کی آزادی کے خلاف قرار دیا جاتا ہے، دوسری شادی کی اجازت کو ظلم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل و مناقب میں کمی کی جاتی ہے اور آپ کی تعظیم و تکریم کے مظاہر کو ناجائز کہا جاتا ہے۔ آپ کے اصحاب اور اہل بیت کی توہین کی جاتی ہے، اسی طرح لہو و لعب کی باتیں، میوزک، فسق و فجور پر مبنی ڈائیلاگ اور فلمی گانے سنے سنائے جاتے ہیں سو ایسی مجلسوں میں نہ بیٹھا جائے اور ایسی باتیں نہ سنی جائیں۔ قرآن عظیم میں ہے:

اِذَا سَمِعۡتُمۡ اٰیٰتِ اللّٰہِ یُکۡفَرُ بِہَا وَیُسۡتَہۡزَاُ بِہَا فَلَا تَقۡعُدُوۡا مَعَہُمۡ حَتّٰی یَخُوۡضُوۡا فِیۡ حَدِیۡثٍ غَیۡرِہٖۤ ۫ۖ اِنَّکُمۡ اِذًا مِّثۡلُہُمۡ۔ (النساء: ۱۴۰)

جب تم سنو کہ اللہ کی آیتوں کا انکار کیا جا رہا ہے اور ان کا استہزا کیا جا رہا ہے تو ان کی مجلس میں نہ بیٹھو، حتیٰ کہ وہ دوسری باتوں میں مشغول ہو جائیں ورنہ تمہارا شمار بھی ان ہی لوگوں میں ہو گا۔

فَذَرۡہُمۡ یَخُوۡضُوۡا وَیَلۡعَبُوۡا حَتّٰی یُلٰقُوۡا یَوۡمَہُمُ الَّذِیۡ یُوۡعَدُوۡنَ ۝ (المعارج: ۴۲)

آپ ان کو ان کی بے ہودہ باتوں اور کھیل تماشوں میں چھوڑ دیجئے حتیٰ کہ وہ اس دن سے آملیں جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے۔

قُلِ اللّٰہُ ۙ ثُمَّ ذَرۡہُمۡ فِیۡ خَوۡضِہِمۡ یَلۡعَبُوۡنَ۔ (الانعام: ۹۱)

آپ کہیئے اللہ! پھر ان کو چھوڑ دیجئے کہ وہ اپنی کج بحثی میں کھیلتے رہیں۔

غرض انسان پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کانوں کی جو نعمت دی ہے وہ اس کی ناشکری نہ کرے اور اسلام کے خلاف کی جانے والی باتوں اور کھیل تماشوں اور راگ و رنگ اور یاد الٰہی سے غافل کرنے والی باتوں کو نہ سنے، اور کانوں کی نعمت کا شکریہ ہے کہ وہ قرآن اور حدیث کو سنے، اللہ تعالیٰ کی حمد اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نعت پر مشتمل مضامین سنے، حکمت کی باتوں کو سنے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کو رغبت اور قبول کرنے کی نیت سے سنے اور اپنی، اپنے اہل و عیال اور ملک و ملت کی بہتری کی تجاویز اور مشوروں کو سنے اور ہر اچھی اور نیک بات کو سنے۔

اللہ تعالیٰ نے آنکھوں کی جو نعمت عطا فرمائی ہے اس کا شکر ادا کرنے کا بھی یہی طریقہ ہے، آنکھوں سے ان ہی چیزوں کو دیکھے جن کا دیکھنا جائز اور مستحسن ہے۔ مثلاً قرآن کریم کو دیکھے، خانہ کعبہ کو دیکھے، ماں باپ کے چہرے کو محبت سے دیکھے، اپنی اولاد کو شفقت کی نگاہ سے دیکھے اور ہر اس چیز کو دیکھے جس کا دیکھنا جائز ہے، اور آنکھوں کی ناشکری نہ کرے کہ جن چیزوں کو دیکھنے سے منع کیا ہے ان کو دیکھے، پرائی اور اجنبی عورتوں کو نہ دیکھے جو چیزیں اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کرتی ہیں ان کو نہ دیکھے۔

قرآن مجید اور احادیث میں جہاں دل کا ذکر ہوتا ہے اس سے مراد دماغ ہوتا ہے، کیونکہ عرف میں دماغ اور ذہن پر دل کا اطلاق کیا جاتا ہے اور ذہن اور دماغ کے شکر کا طریقہ یہ ہے کہ اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات پر جو دلائل ہیں ان میں غور و فکر کرے، تبلیغ اسلام کے لیے تدبیریں سوچے، اپنے گھر، محلہ اور اپنے ملک میں اسلام کے احکام پر عمل کرانے کے طریقوں پر غور کرے اور اسی طرح اپنی ذات، اپنے محلہ اور ملک و ملت کی فلاح کے پروگرام بنائے، اور ذہن اور دماغ کی

ناشکری یہ ہے کہ وہ چوری، ڈکیتی، قتل و غارت گری اور دہشت گردی کے منصوبے بنائے اور اپنی ذہنی صلاحیتوں کو منفی سرگرمیوں میں صرف کرے، جھوٹے قصے کہانیاں، دیومالائی افسانے اور فحش لٹریچر تیار کرنے کے لیے سوچ بچار اور غور و فکر کرے۔

اسی طرح ہاتھوں کا شکر یہ ہے کہ ہاتھوں سے صرف نیک کام کرے، برے کام نہ کرے اور پیروں کا شکر یہ ہے کہ پیروں سے نیک اور جائز مقامات پر اور نیک اور جائز کاموں کے لیے چل کر جائے اور ہاتھوں اور پیروں کی ناشکری یہ ہے کہ وہ ہاتھوں سے برے کام کرے اور پیروں سے بری جگہ اور برے کام کرنے کے لیے جائے۔

پرندوں کی پرواز سے اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید پر استدلال

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا ان لوگوں نے آسمان کی فضاء میں پرندے نہیں دیکھے جو اللہ کے نظام کے تابع ہیں، انہیں (دوران پرواز) گرنے سے اللہ کے سوا کوئی نہیں روکتا، بے شک اس میں ایمان لانے والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں۔

یعنی جب پرندے آسمان اور زمین کے درمیان فضاء میں پرواز کر رہے ہوتے ہیں تو وہ کس طرح اپنے بازو پھیلا کر ہوا میں اڑ جاتے ہیں، ان پرندوں میں کس نے ایسی طاقت رکھی ہے جو انہیں اڑا کر ہوا میں لے جاتی ہے اور ثقیل جسم کا طبعی تقاضا یہ ہے کہ وہ زمین کی کشش سے فوراً بلندی سے نیچے گر جاتا ہے تو دوران پرواز ان پرندوں کو فضاء میں کون قائم رکھتا ہے اور نیچے گرنے سے کون روکتا ہے۔ کیا پتھر کے بنائے ہوئے یہ بت ان پرندوں کو اڑاتے ہیں اور ان کو دوران پرواز گرنے سے روکے رکھتے ہیں؟ جب یہ بت نہیں تراشے گئے تھے، جب بھی پرندوں کے اڑنے اور فضاء میں قائم رہنے کا یہی نظام تھا، اس لیے بت ان کے خالق نہیں ہو سکتے۔ کیا سورج یا چاند اس نظام کے خالق ہیں؟ رات کو جب سورج نہیں ہوتا تب بھی پرندوں کی پرواز کا یہی نظام ہوتا ہے، اور دن کو جب چاند نہیں ہوتا اس وقت بھی پرندے اسی طرح پرواز کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ سورج یا چاند اس نظام کے خالق نہیں ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا حضرت عزیر بھی اس نظام کے خالق نہیں ہیں کیونکہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت عزیر پیدا نہیں ہوئے تھے، اس وقت بھی پرندوں کی پرواز کا نظام اسی طرح جاری تھا اور ان کے بعد بھی یہ نظام اسی طرح جاری ہے۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا جس جس کی بھی پرستش کی گئی ہے اور اس کو خدا مانا گیا ہے، ان میں سے کوئی بھی پرندوں کی پرواز کے اس طبعی نظام کا خالق نہیں ہے۔ وہی واحد لاشریک اس نظام کا خالق ہے اور اس کے سوا کسی کا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ وہ اس نظام کا خالق ہے اور نہ اللہ کے سوا کسی اور نے کوئی کتاب نازل کی نہ کوئی رسول بھیجا جو یہ پیغام لایا ہو کہ اللہ کے علاوہ میں اس نظام کا خالق ہوں یا اس نظام کے بنانے میں، میں بھی اس کا شریک ہوں، تو پھر ہم کیوں نہ مانیں کہ وہی واحد لاشریک پرندوں کی اس پرواز کے نظام کا خالق ہے، اس کے سوا اور کوئی خالق نہیں ہے اور نہ اس کا کوئی شریک ہے۔ جبکہ اس نظام کی وحدت اور یکسانیت بھی یہ بتاتی ہے کہ اس نظام کا خالق واحد ہے اور جب پرندوں کے اس نظام کا وہی واحد لاشریک خالق ہے تو کائنات کے باقی تمام نظاموں کا بھی وہی خالق ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ نے تمہاری رہائش کے لیے تمہارے گھر بنائے اور تمہارے لیے مویشیوں کی کھالوں سے خیمے بنائے جن کو تم ہلکا پھلکا دیکھ کر سفر کے دن اور اقامت کے دن کام میں لاتے ہو اور ان (مویشیوں) کے اون اور پشم اور بالوں سے ایک معین وقت تک فائدہ اٹھانے کے لیے گھریلو چیزیں بناتے ہو○ اور اللہ نے اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں

میں سے تمہارے فائدے کے لیے سایہ دار چیزیں بنائیں اور اس نے تمہارے لیے پہاڑوں میں محفوظ غار بنائے اور تمہارے لیے ایسے لباس بنائے جو تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں اور ایسے لباس (زرہیں) بنائے جو تم کو حملوں سے محفوظ رکھتے ہیں وہ تم پر اسی طرح اپنی نعمت پوری کرتا ہے تاکہ تم اس کی اطاعت کرو○ پھر اگر یہ روگردانی کریں تو آپ کا کام تو صرف وضاحت کے ساتھ (اللہ کے احکام کو) پہنچا دینا ہے○ یہ لوگ اللہ کی نعمتوں کو پہچانتے ہیں (اس کے باوجود) پھر ان سے انکار کرتے ہیں اور ان میں سے اکثر کافر ہیں○ (النحل: ۸۳-۸۰)

مشکل الفاظ کے معانی

سکنا: مسکن جس میں تم رہتے ہو۔

بیوتا تستخفونها یوم ظعنکم ویوم اقامتکم۔ ہلکے پھلکے خیمے تمہارے سفر اور تمہارے قیام کے دنوں میں۔ جب خانہ بدوش لوگ پانی اور چارہ کی تلاش میں سفر کرتے ہیں۔

اصواف: صوف کی جمع ہے۔ بھیڑوں کے بال جس کو اون کہتے ہیں، اوبار، وبر کی جمع ہے، اونٹ کے بال اس کو پشم کہتے ہیں، اشعار، شعر کی جمع ہے، اس کا معنی ہے بکریوں کے بال۔

اثاثا: گھر کا ساز و سامان مثلاً بستر اور کپڑے وغیرہ، اثاث کا واحد من لفظہ نہیں ہے۔

متاعا: نفع والی چیزیں جن کی تجارت کی جاتی ہے جو کچھ عرصہ تک باقی رہ سکیں۔

ظلالا: ظل کی جمع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو سایہ دار چیزیں پیدا کی ہیں مثلاً بادل، درخت، پہاڑ وغیرہ۔ آدمی سورج کی گرمی سے بچنے کے لیے ان میں پناہ حاصل کرتا ہے۔

اکنانا: کن کی جمع ہے، جس میں انسان چھپتا ہے، کسی پہاڑ میں کوئی غار ہو یا سرنگ ہو۔

سرابیل: سربال کی جمع ہے، قمیص کو کہتے ہیں خواہ سوتی ہو یا اونی اور سرابیل الحرب زرہوں کو کہتے ہیں، سربال کا لفظ ہر قسم کے لباس کو عام ہے۔

باس: اصل میں شدت کو کہتے ہیں خواہ وہ جنگ کی شدت ہو یا موسم کی شدت ہو۔

مذکورہ آیات کا خلاصہ

یہ آیتیں بھی گزشتہ آیات کا تتمہ ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلائل بیان کیے گئے تھے اور بندوں پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر کیا گیا تھا۔ پہلی آیتوں میں انسان کے پیدا کرنے کا ذکر فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے کان، اس کی آنکھیں اور دل و دماغ بنائے جب وہ پیدا ہوا تو اس کو کسی چیز کا علم نہیں تھا پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو علم اور معرفت سے نوازا، اور ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ان نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے جن نعمتوں سے انسان اپنی دنیاوی زندگی میں فائدہ حاصل کرتا ہے، مثلاً وہ رہنے کے لیے اینٹوں، پتھروں، سیمنٹ، لوہے اور لکڑی سے مکان بناتا ہے اور یہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں۔ جنگلوں میں سفر کے لیے وہ ہلکے پھلکے خیمے لے جاتا ہے، قدیم زمانہ میں مویشیوں کی کھالوں کے خیمے بنائے جاتے تھے اب کینوس یا اور کسی مضبوط کپڑے کے خیمے بنائے جاتے ہیں یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہیں، اور ان مویشیوں کے بالوں، اون اور ریشم سے انسان اپنے لباس بناتا ہے جن سے موسم کی شدت کو دور کرتا ہے خواہ سخت گرمی ہو یا سخت سردی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے مثال کے طور پر سخت گرمی کا ذکر فرمایا کیونکہ عرب کے لوگ عموماً سخت سردی سے ناآشنا تھے، انہوں نے کبھی برف باری نہیں دیکھی تھی، ان کے لیے سخت سردی کا ذکر نا بہت حیران کن ہوتا۔ تاہم ایک چیز سے اس کی ضد سمجھ میں آجاتی ہے سو جس طرح

لباس انسان کو سخت گرمی سے بچاتا ہے اسی طرح سخت سردی سے بھی بچاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اسی طرح اللہ تم پر اپنی نعمت مکمل فرماتا ہے تا کہ تم اپنی زندگی کی ضروریات میں اور اپنی مصلحتوں میں اور اپنی عبادتوں میں ان چیزوں سے مدد حاصل کر سکو تا کہ تم اس کی اطاعت کرو۔ یعنی ان نعمتوں کا اعتراف کر کے اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آؤ اور اگر وہ رد گردانی کریں یعنی ان نعمتوں کا بیان سننے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کے احسانات کو نہ پہچانیں تو آپ کا کام تو صرف اللہ تعالیٰ کے احکام کو صاف صاف پہنچا دینا ہے۔ آپ کا منصب کسی کو جبراً مومن بنانا نہیں ہے' آپ ان کے ایمان نہ لانے پر غم نہ کریں' ان میں سے اکثر لوگ ضدی اور سرکش ہیں' وہ حق کو ماننے والے نہیں ہیں عناد اور ہٹ دھرمی سے کفر کرنے والے ہیں۔

ہڈی کے نجس ہونے کے متعلق علامہ قرطبی کے دلائل

ان آیتوں میں مویشیوں سے حاصل ہونے والے اون' پشم اور بالوں کا ذکر ہے۔ علامہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ جانوروں کے بالوں کے متعلق مذاہب فقہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ہمارے اصحاب نے کہا ہے کہ مردار کے بال اور اس کا اون پاک ہے اور ان سے ہر حال میں نفع حاصل کرنا جائز ہے البتہ استعمال سے پہلے اس کے بالوں اور اون کو دھولیا جائے گا' اس خوف سے کہ اس کے ساتھ کوئی میل لگا ہوا نہ ہو۔ اس سلسلہ میں یہ حدیث ہے:

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مردار کی کھال کو جب رنگ لیا جائے تو اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے اور اس کے اون' اس کے بالوں اور اس کے سینگھوں کو استعمال کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے جب ان کو دھولیا جائے۔ اس حدیث کی سند میں یوسف بن اسفر متروک الحدیث ہے اور اس کے سوا اور کسی نے اس کو روایت نہیں کیا۔

(سنن دار قطنی ج۱ ص۴۶' رقم الحدیث: ۱۱۳' السنن الکبریٰ للبیہقی ج۱ ص۲۴' حافظ الہیثمی نے لکھا کہ یوسف اسفر کے ضعف پر اجماع ہے' مجمع الزوائد ج۱ ص۲۱۸' امام ابن الجوزی نے لکھا ہے کہ ابو زرعہ اور النسائی نے کہا کہ یہ متروک الحدیث ہے' رحیم نے کہا یہ کچھ بھی نہیں' امام ابن حبان نے کہا اس کی حدیث سے استدلال کرنا کسی حال میں جائز نہیں۔ التحقیق ج۱ ص۹۱-۹۰)

علامہ قرطبی اس حدیث سے استدلال کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

بالوں میں موت حلول نہیں کرتی خواہ وہ بال اس جانور کے ہوں جس کا کھانا حلال ہے یا اس جانور کے ہوں جس کا کھانا حلال نہیں ہے۔ مثلاً انسان کے بال ہوں یا خنزیر کے' تمام قسم کے بال پاک ہیں۔ امام حنیفہ کا بھی یہی قول ہے لیکن انہوں نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ جانور کے سینگھ' اس کے دانت اور اس کی ہڈی بالوں کی مثل ہے۔ امام ابو حنیفہ نے کہا ان میں سے کسی چیز میں روح نہیں ہوتی اس لیے حیوان کی موت سے یہ چیزیں نجس نہیں ہوں گی۔

امام شافعی سے اس مسئلہ میں تین روایات ہیں:

(۱) بال پاک ہیں اور موت سے نجس نہیں ہوتے۔ (۲) بال نجس ہیں۔

(۳) انسان اور حیوان کے بالوں میں فرق ہے۔ انسان کے بال پاک ہیں اور حیوان کے بال نجس ہیں۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مطلقاً فرمایا ومن اصوافها واوبارها واشعارها۔ (النحل: ۸۰) اور ان (مویشیوں) کے اون اور پشم اور بالوں سے ایک معین وقت تک فائدہ اٹھانے کے لیے گھریلو چیزیں بناتے ہو۔

اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں سے فائدہ حاصل کرنے کو ہم پر احسان قرار دیا ہے اور ذبح شدہ جانور اور اس کے غیر میں فرق نہیں فرمایا' لہٰذا یہ آیت مویشیوں سے فائدہ حاصل کرنے کے جواز میں عام ہے سوا اس کے کہ کسی خاص دلیل سے ممانعت ثابت ہو۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ مویشیوں کی موت سے پہلے تو ان کے بال اصل کے مطابق پاک تھے اور ان کے پاک ہونے پر اجماع ہے' اب جس شخص کا یہ زعم ہے کہ موت کے بعد ان میں نجاست منتقل ہو گئی اس پر دلیل پیش کرنا لازم ہے اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قرآن کریم میں ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ۔ (المائدہ: ۳) تم پر مردار حرام کر دیا گیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مردار حرام اور نجس ہے لہٰذا موت کے بعد اس کے بال بھی نجس ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کے عموم سے بال خارج ہیں اور اس پر دلیل سورہ النحل کی یہ آیت ہے جس میں مویشیوں کے بال' پشم اور اون سے فائدہ حاصل کرنے کو جائز فرمایا ہے۔ اس آیت میں اون وغیرہ سے فائدہ حاصل کرنے پر نص صریح ہے جبکہ معترض کی پیش کردہ آیت میں مردار کا ذکر ہے' اس کے بالوں کا صریح ذکر نہیں ہے۔

امام ابو اسحاق شافعی نے یہ کہا ہے کہ بال پیدائشی طور پر حیوان کے ساتھ متصل اور اس کا جز ہوتے ہیں اور حیوان کے بڑھنے کے ساتھ اس کے بال بڑھتے ہیں اور اس کی موت سے جیسے اس کے باقی اجزاء نجس ہوتے ہیں' اس کے بال بھی نجس ہو جاتے ہیں۔ اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ نشو و نما حیات کی دلیل نہیں ہے کیونکہ نباتات میں بھی نشو و نما ہے لیکن وہ زندہ نہیں ہیں اور اگر وہ بالوں کے اتصال اور ان کے بڑھنے سے بالوں کی حیات پر استدلال کرسکتے ہیں تو ہم یہ استدلال کرسکتے ہیں کہ جب زندہ حیوان کے جسم سے بال کاٹے جاتے ہیں تو اس کو بالکل احساس نہیں ہوتا اور یہ اس پر دلیل ہے کہ اس میں حیات نہیں ہے۔

فقہاء احناف نے یہ کہا ہے کہ مردار کی ہڈی' اس کے دانت اور اس کے سینگ بھی اس کے بالوں کی مثل ہیں۔ ہمارے مذہب میں مشہور یہ ہے کہ مردار کی ہڈی' اس کے دانت اور اس کا سینگ اس کے گوشت کی طرح نجس ہے' اور ابن وہب مالکی کا قول امام ابو حنیفہ کے قول کی مثل ہے۔ ہماری دلیل یہ حدیث ہے: مردار کی کسی چیز سے نفع حاصل نہ کرو۔ یہ حدیث مردار کے ہر جز کو شامل ہے' سوا اس کے جس کی خصوصیت پر کوئی دلیل قائم ہو۔ (حدیث کا متن اس طرح نہیں ہے جس طرح علامہ قرطبی نے ذکر کیا ہے اس کی تفصیل انشاء اللہ ہم عنقریب ذکر کریں گے) علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ ہڈیوں کے نجس ہونے پر دلیل قطعی حسب ذیل آیات ہیں:

قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ۔ (یٰسین: ۷۸) اس (کافر) نے کہا جب ہڈیاں گل کر بوسیدہ ہو چکی ہوں گی تو ان کو کون زندہ کرے گا؟

وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا۔ (البقرہ: ۲۵۹) اور ان ہڈیوں کو دیکھو ہم کس طرح ان کو جوڑتے ہیں پھر کس طرح ان کو گوشت پہناتے ہیں۔

فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا۔ (المومنون: ۱۴) پھر گوشت کی بوٹی سے ہڈیاں بنائیں پھر ہڈیوں پر گوشت پہنایا۔

ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً۔ (النّٰزعٰت: ۱۱) کیا جب ہم گلی ہوئی ہڈیاں ہو جائیں گے۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ جس طرح چمڑے اور گوشت میں حیات ہوتی ہے اسی طرح ہڈیوں میں حیات ہوتی ہے

اور مرنے کے بعد باقی جسم کی طرح ہڈیاں بھی نجس ہو جاتی ہیں۔

اور حدیث میں ہے:

عبداللہ بن حکیم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا مکتوب آیا کہ مردار کی کھال اور پٹھوں سے نفع حاصل نہ کرو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۲۹، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۱۲۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۱۳، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۱۰۴، مسند احمد ج ۴ ص ۳۱۸)

ہو سکتا ہے کہ اس پر اس حدیث سے معارضہ کیا جائے:

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ صدقہ کی ایک بکری ہم پر ہدیہ کی گئی، وہ مرگئی۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس کے پاس سے گزرے آپ نے فرمایا تم نے اس کھال کو رنگ کر اس سے فائدہ کیوں نہیں اٹھایا؟ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ تو مردار تھی۔ آپ نے فرمایا اس کا صرف کھانا حرام ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۱۲۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۶۳، سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۲۴۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۱۰)

اس حدیث میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ اس کا صرف کھانا حرام ہے اور ہڈی کو کھایا نہیں جاتا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ ہڈی حرام نہیں ہے اور وہ نجس بھی نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہڈی بھی کھائی جاتی ہے، خاص طور پر دودھ پیتے اونٹ کی ہڈی اور بکری کے بچے کی ہڈی اور پرندوں کی ہڈیاں، اور ہم اس سے پہلے یہ بھی ثابت کر چکے ہیں کہ ہڈیوں میں حیات ہوتی ہے اور جو چیز اپنی حیات میں پاک ہو وہ ذبح کرنے سے پاک رہتی ہے اور موت سے نجس ہو جاتی ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۰ ص ۱۴۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

خنزیر کے بالوں کا نجس ہونا

النحل: ۸۰ کی جو علامہ قرطبی نے تفسیر کی ہے ہمیں اس میں دو چیزوں سے اختلاف ہے ایک یہ کہ انہوں نے مویشیوں کے بالوں کے عموم میں خنزیر کو بھی شامل کر لیا ہے اور صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ خنزیر کے بال پاک ہیں اور ہمارے نزدیک خنزیر کے بال بھی نجس ہیں، اور دوسری چیز یہ ہے کہ انہوں نے ہڈی کو نجس لکھا ہے اور ہمارے نزدیک ہڈی پاک ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ یَّكُوْنَ مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ۔ (الانعام: ۱۴۵)

آپ کہیے کہ میری طرف جو وحی کی گئی ہے میں اس میں کسی کھانے والے پر ان چیزوں کے سوا اور کوئی چیز حرام نہیں پاتا: وہ مردار ہو یا بہا ہوا خون ہو یا خنزیر کا گوشت ہو کیونکہ وہ (خنزیر) نجس ہے۔

علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی متوفی ۹۷۰ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں فانہ رجس کی ضمیر لحم کی طرف نہیں لوٹتی بلکہ خنزیر کی طرف لوٹتی ہے، کیونکہ اگر یہ ضمیر لحم کی طرف لوٹے تو اس کا معنی ہوگا کہ خنزیر کا گوشت حرام ہے کیونکہ خنزیر کا گوشت نجس ہے اور یہ بعینہ دعویٰ کو دلیل بنانا ہے اور اگر یہ ضمیر خنزیر کی طرف لوٹائی جائے تو معنی ہوگا کہ خنزیر کا گوشت حرام ہے کیونکہ خنزیر نجس ہے، اور اس کا معنی یہ ہے کہ خنزیر نجس العین ہے اور مجسم نجاست ہے، اس کا گوشت بھی نجس ہے، اس کی کھال بھی نجس ہے، اس کی ہڈیاں بھی نجس ہیں

اور اس کے بال بھی نجس ہیں۔
اس کی نظیر قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۭ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ۭ وَسَآءَ سَبِيْلًا۔ (النساء: ۲۲)

ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے باپ دادا نکاح کر چکے ہیں، ماسوا اس کے جو پہلے ہو چکا ہے، کیونکہ ایسا کام بے حیائی ہے اور (اللہ کے) غضب کا موجب ہے اور بہت برا طریقہ ہے۔

اس آیت میں جو فرمایا ہے کہ یہ بے حیائی کا کام ہے اور غضب الٰہی کا موجب ہے اور برا طریقہ ہے یہ باپ دادا کی بیویوں سے نکاح کے حرام ہونے کی علت ہے۔ حالانکہ ان کے ساتھ نکاح حرام ہونا ہی اس بات کی علامت تھا کہ یہ بہت برا کام ہے اور اللہ تعالیٰ کے غضب کا موجب ہے۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اس کے حرام ہونے کی علت کو صراحتاً بیان فرمایا۔ اسی طرح خنزیر کے گوشت کو حرام کرنے سے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ خنزیر نجس ہے اس لیے اس کے گوشت کو حرام فرمایا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے صراحت کے ساتھ خنزیر کے گوشت کے حرام ہونے کی علت بیان فرمائی کہ وہ نجس ہے یعنی نجس العین ہے۔ (البحر الرائق ج ۱ ص ۱۰۵۔ ۱۰۴، ملخصاً مطبوعہ کوئٹہ)

امام ابوبکر احمد بن علی الرازی المتوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں:

ہرچند کہ خنزیر کے تمام اجزاء حرام ہیں لیکن خصوصیت کے ساتھ اس کے گوشت کا اسی لیے ذکر کیا ہے کہ کسی جانور سے نفع حاصل کرنے کا اہم نفع اور بڑا مقصود اس کا گوشت کھانا ہوتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ۔ (المائدہ: ۹۵)

اے ایمان والو! حالت احرام میں شکار کو قتل نہ کرو۔

اس آیت میں شکار کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے حالانکہ حالت احرام میں شکار کو بھگانا، اس کو پریشان کرنا، اس کی طرف اشارہ کرنا سب افعال حرام ہیں لیکن اس آیت میں شکار کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ اہم مقصود شکار کو قتل کرنا ہے۔

اسی طرح قرآن مجید میں ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ۔ (الجمعہ: ۹)

اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز (جمعہ) کے لیے اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید و فروخت کو چھوڑ دو۔

اس آیت میں اذان جمعہ کے وقت صرف خرید و فروخت سے منع فرمایا ہے حالانکہ اذان جمعہ کے وقت ہر وہ کام ممنوع ہے جو جمعہ کی طرف جانے سے مانع ہو، لیکن جو چیز لوگوں کو زیادہ مشغول رکھتی ہے وہ خرید و فروخت ہے۔ اللہ نے اس کا ذکر فرمایا حالانکہ اس وقت تمام ایسے کام ممنوع ہیں جو جمعہ کی طرف جانے سے مانع ہوں، اسی طرح خنزیر کے تمام اجزاء نجس اور حرام ہیں لیکن گوشت کا اس لیے ذکر فرمایا ہے کہ لوگوں کا اہم مقصود گوشت کھانا ہوتا ہے۔

(احکام القرآن ج ۱ ص ۱۲۴، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور)

علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی متوفی ۹۷۰ھ لکھتے ہیں:

رہا خنزیر تو اس کے بال اور اس کی ہڈی اور اس کے تمام اجزاء نجس ہیں۔ البتہ ضرورت کی بناء پر اس کے بالوں سے جوتی گانٹھنے کی اجازت دی گئی ہے کیونکہ اس کے علاوہ اور کوئی چیز اس کے قائم مقام نہیں ہے' اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے اس کو بھی مکروہ کہا ہے' اور فقہاء احناف کے تمام اقوال کے مطابق خنزیر کے بالوں کی بیع جائز نہیں ہے اور خنزیر کا بال کم یا ساکن پانی میں گر جائے تو امام ابو یوسف کے نزدیک وہ پانی نجس ہو جائے گا اور اگر کپڑوں میں اس کا بال ہو تو نماز ناجائز ہو گی۔ امام ابو یوسف نے جو خنزیر کے بال کو ناجائز کہا ہے' یہی ظاہر الروایہ ہے' بدائع' الاختیار اور التجنیس نے اسی کو صحیح کہا ہے۔

(البحر الرائق ج ۱ ص ۱۰۷' مطبوعہ کوئٹہ)

علامہ ابو بکر بن مسعود کاسانی متوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں:

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ خنزیر نجس العین ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو رجس (نجس) فرمایا ہے۔ لہٰذا اس کے بالوں اور دیگر تمام اجزاء کو استعمال کرنا حرام ہے' موچیوں کی ضرورت کی وجہ سے اس کے بالوں سے جوتی گانٹھنے کی اجازت دی گئی۔ امام ابو یوسف نے اس کو بھی مکروہ کہا ہے' صحیح یہ ہے کہ اس کے بال بھی نجس ہیں۔

(بدائع الصنائع ج ۱ ص ۱۷۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

خنزیر نجس العین (مجسم نجاست) ہے۔ یعنی اس کی ذات تمام اجزاء کے ساتھ نجس ہے' خواہ وہ زندہ ہو یا مردہ جیسے دیگر حیوانات خون کی وجہ سے نجس ہوتے ہیں اس کا یہ معاملہ نہیں ہے (یعنی اس کے جن اجزاء میں خون نہ ہو جیسے بال' ہڈی وغیرہ وہ بھی نجس ہیں) (رد المحتار ج ۱ ص ۳۱۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

قدیم فقہاء نے جو ضرورت کی بنا پر خنزیر کے بالوں سے جوتی گانٹھنے کی اجازت دی تھی وہ اس زمانہ کے اعتبار سے تھی کیونکہ اس وقت جوتی گانٹھنے کے لیے اس سے زیادہ اور کوئی مضبوط چیز میسر نہیں تھی لیکن اب چونکہ زمانہ بہت ترقی کر چکا ہے اور جوتی گانٹھنے کے لیے مختلف نوع کے مضبوط دھاگے ایجاد ہو چکے ہیں اس لیے اب خنزیر کے بالوں کا کسی حال میں استعمال جائز نہیں ہے۔

ہڈی کا پاک ہونا

علامہ محمد بن احمد مالکی قرطبی نے ہڈی کے نجس ہونے پر بہت دلائل پیش کیے ہیں۔ ہم پہلے ہڈی کے پاک ہونے پر دلائل پیش کریں گے اس کے بعد علامہ قرطبی مالکی کے دلائل کا جائزہ لیں گے۔

متعدد احادیث' آثار صحابہ اور تابعین سے ثابت ہے کہ وہ ہاتھی دانت سے بنی ہوئی کنگھی کا استعمال کرتے تھے اگر ہڈی نجس ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہڈی سے بنی ہوئی کنگھی کو استعمال نہ فرماتے۔

امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ہاتھی دانت سے بنی ہوئی کنگھی تھی جس سے آپ کنگھی کرتے تھے۔

(الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۳۷۵' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ' سبل الہدیٰ والرشاد ج ۷ ص ۴۳۶)

امام بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ ایک طویل حدیث ذکر کی ہے' اس کے آخر میں ہے:

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے آزاد شدہ غلام حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں (آخر میں ہے) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا اے ثوبان! (سیدتنا) فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کے لیے سوتی پٹی کا ایک ہار خریدو اور ہاتھی دانت کے دو کنگن خریدو۔ (ج ا ص ۲٦)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم جب رات کو بستر پر جاتے تو اپنے وضو کا پانی اور مسواک اور کنگھی رکھتے اور جب اللہ تعالیٰ آپ کو رات کو اٹھاتا تو آپ مسواک کرتے اور وضو کرتے اور کنگھی کرتے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے پاس ہاتھی دانت کی ایک کنگھی تھی جس سے آپ کنگھی کرتے تھے۔ (السنن الکبریٰ ج ا ص ۲٦، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان)

امام بیہقی نے اس حدیث کو منکر کہا ہے کیونکہ ہڈی نجس ہوتی ہے۔ علامہ ترکمانی نے کہا ہے کہ امام بیہقی کو اپنے مذہب کی وجہ سے اس حدیث پر اعتراض کرنے کے بجائے اس پر عمل کرنا چاہیے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵٦ھ بیان کرتے ہیں:

زہری نے کہا جب تک پانی کا ذائقہ، اس کی بو یا اس کا رنگ متغیر نہ ہو، اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے۔ حماد نے کہا مردار پرندے کے پر میں کوئی حرج نہیں ہے۔ زہری نے کہا مردار جانوروں مثلاً ہاتھی وغیرہ کی ہڈیوں میں کوئی حرج نہیں ہے اور میں نے بہت زیادہ علماء متقدمین کو دیکھا وہ ہاتھی دانت کی بنی ہوئی کنگھیوں سے کنگھی کرتے تھے، اور ہاتھی دانت کے بنے ہوئے برتنوں میں تیل رکھتے تھے اور اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے، اور ابن سیرین اور ابراہیم نے کہا ہاتھی دانت کی تجارت میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (صحیح البخاری کتاب الوضوء باب: ٦۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا **قل لا اجد فیما اوحی الی محرما علی طاعم یطعمہ** رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا، مردار کی ہر چیز حلال ہے سوا اس چیز کے جس کو کھایا جاتا ہے، اس کی کھال، اس کا سینگ، اس کے بال، اس کے دانت اور اس کی ہڈی، یہ تمام چیزیں حلال ہیں، کیونکہ اس کو ذبح نہیں کیا گیا (اس لیے اس کا گوشت حلال نہیں ہے)

امام دار قطنی نے اس حدیث کو دو سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (رقم الحدیث: ۱۱۱، ۱۱۲) امام بیہقی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے اور ابو بکر الہذلی کی بناء پر اعتراض کیا ہے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی: ج ا ص ۲۳) تاہم تعدد اسانید کی وجہ سے اس کا ضعف مضر نہیں ہے۔

علامہ زین الدین ابن نجیم لکھتے ہیں:

ہڈی، سینگ اور بال وغیرہ مردار نہیں ہیں کیونکہ عرف شرع میں مردار ان حیوانات کو کہتے ہیں جو بغیر ذبح کے مر گئے ہوں یا جن کو کسی نے بغیر ذبح کے مار کر ان کی حیات زائل کر دی ہو اور بال اور ہڈی وغیرہ میں حیات نہیں ہوتی لہٰذا وہ مردار نہیں ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ مردار کی نجاست مردار کی خصوصیت کی وجہ سے نہیں ہوتی بلکہ اس میں جو بہنے والا خون اور نجس رطوبات ہوتی ہیں، اس کی وجہ سے مردار نجس ہوتا ہے اور بال اور ہڈی میں خون اور رطوبات نہیں ہوتیں اس لیے بال اور ہڈی نجس نہیں ہیں۔

علامہ قرطبی مالکی نے ہڈی میں حیات کے ہونے پر اس آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے:

قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ۞ — اس (کافر) نے کہا جب ہڈیاں گل کر بوسیدہ ہو چکی ہوں گی تو

ان کو کون زندہ کرے گا۔ (یٰسین: ۷۸)

علامہ زمخشری نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ جو لوگ ہڈیوں میں حیات ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مردوں کی ہڈیاں نجس ہوتی ہیں، وہ کہتے ہیں کہ حیوان کے مرنے کے بعد اس کی ہڈیاں بھی مردہ ہو جاتی ہیں اور مردہ نجس ہوتا ہے لہٰذا ہڈیاں بھی نجس ہیں، اور امام ابو حنیفہ کے اصحاب اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ ہڈیاں پاک ہیں، اسی طرح بال بھی پاک ہیں اور اس آیت میں ہڈیوں کو زندہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ جس طرح پہلے زندہ انسان کے جسم میں ہڈیاں صحیح و سالم تھیں، ان کو دوبارہ اصل حالت پر کون لائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس نے پہلی بار انسان کو پیدا کیا تھا اور اس کے جسم میں صحیح و سالم ہڈیاں بنائی تھیں وہی دوبارہ انسان کو ہڈیوں سمیت پیدا فرمائے گا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ہڈیوں کو زندہ کرنے سے مراد ہے ہڈیوں والے انسان کو زندہ کرنا، اور کفار کو دراصل اسی میں شبہ تھا کہ انسان مرنے کے بعد دوبارہ کیسے زندہ ہو گا۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ کفار نے کہا ان بوسیدہ ہڈیوں والوں کو کون زندہ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان ہڈیوں والوں کو وہی زندہ کرے گا جس نے پہلی بار ان کو پیدا کیا تھا۔

خلاصہ یہ ہے کہ العظام سے مراد ہے اصحاب العظام۔ (البحر الرائق ج ۱ ص ۱۰۹۔۱۰۸، ملخصاً مطبوعہ کوئٹہ)

انسان کے بالوں کا طاہر ہونا

زیر تفسیر آیت میں بالوں کا ذکر ہے۔ امام شافعی کے نزدیک زندہ انسان کے جسم سے جو بال الگ ہو گیا وہ نجس ہے۔ امام بخاری نے اس کا رد کیا ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابن سیرین بیان کرتے ہیں کہ میں نے عبیدہ سے کہا کہ ہمارے پاس نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ایک بال (مبارک) ہے جو ہم کو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی طرف سے ملا تھا۔ تو عبیدہ نے کہا اگر میرے پاس آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ایک بال ہو تو وہ مجھے دنیا اور ما فیہا سے زیادہ محبوب ہوتا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۷۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جب اپنا سر منڈوایا تو جس نے سب سے پہلے آپ کے بال لیے وہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۷۱، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۰۵، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۹۸۱، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۸۱)

علامہ ابو الحسین علی بن خلف الشہیر بابن بطال المالکی الاندلسی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ مہلب لکھتے ہیں کہ ان حدیثوں کو وارد کرنے سے امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ امام شافعی کے اس قول کا رد کیا جائے کہ انسان کا بال جب اس کے جسم سے الگ ہو جائے تو وہ نجس ہے اور اگر وہ پانی میں گر جائے تو وہ پانی بھی نجس ہو جاتا ہے اور جبکہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بالوں کو رکھنا اور ان سے تبرک حاصل کرنا جائز ہے تو معلوم ہوا کہ انسان کے بال پاک ہیں۔

علامہ مہلب نے کہا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ انسان کے جسم سے جو بال یا ناخن لیے جائیں تو وہ نجس نہیں ہیں اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اپنی ٹوپی میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ایک بال رکھا ہوا تھا۔ جنگ یمامہ میں ایک بار ان کی ٹوپی گر گئی تو وہ بہت گھبرائے اور دوران جنگ وہ ٹوپی اٹھائی۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب نے اس پر سخت اعتراض کیا انہوں نے کہا میں نے اس ٹوپی کی وجہ سے اس کو نہیں اٹھایا بلکہ اس

ٹوپی کو اس لیے اٹھایا ہے کہ اس میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ایک بال ہے اور میں نے اس کو ناپسند کیا کہ یہ ٹوپی مشرکین کے ہاتھ لگ جائے جبکہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا بال ہے۔

(شرح صحیح البخاری لابن بطال ج ۱ ص ۲۶۵، مکتبہ الرشد ریاض، ۱۴۲۰ھ)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام شافعی کا قول قدیم اور قول جدید یہ ہے کہ زندہ انسان کے جسم سے الگ ہونے والے بال پاک ہیں اور عراقی فقہاء شافعیہ نے یہ کہا ہے کہ صحیح قول یہ ہے کہ یہ بال نجس ہیں، اور امام بخاری نے ان احادیث سے انسان کے بالوں کی طہارت پر استدلال کیا ہے۔ اس استدلال پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بال مکرم ہیں، ان پر دوسروں کے بالوں کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ علامہ ابن المنذر اور علامہ خطابی نے اس اعتراض کا جواب یہ دیا ہے کہ خصوصیت پر کوئی دلیل نہیں ہے اور بغیر دلیل کے خصوصیت ثابت نہیں ہوتی۔ فقہاء شافعیہ نے کہا جو شخص آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بالوں کی خصوصیت کا قائل ہے، اس پر یہ لازم آئے گا کہ جس حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کپڑوں سے منی کو کھرچ دیتی تھیں وہ اس حدیث سے منی کے پاک ہونے پر استدلال نہ کرے کیونکہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی منی پاک تھی۔ دوسروں کی منی کو اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ (تمام فقہاء شافعیہ کے نزدیک انسان کی منی پاک ہے کیونکہ یہ وہ تخم ہے جس سے انبیاء علیہم السلام بھی پیدا ہوتے ہیں) اور تحقیق یہ ہے کہ تمام احکام تکلیفیہ میں آپ کا حکم وہی ہے جو تمام مکلفین کا حکم ہے۔ ماسوا اس خصوصیت کے جو کسی دلیل سے ثابت ہو اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی فضلات کی طہارت پر بکثرت دلائل قائم ہیں۔ اسی وجہ سے ائمہ نے اس کو آپ کے خصائص میں سے شمار کیا ہے۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۲۷۴، مطبوعہ لاہور، ۱۴۰۱ھ)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فضلات کے متعلق احادیث

حافظ ابن حجر عسقلانی سے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فضلات کی طہارت پر بکثرت دلائل قائم ہیں، اس لیے ہم یہاں چند احادیث ذکر کر رہے ہیں۔ ان تمام احادیث کو حافظ ابن حجر نے معتبر قرار دیا ہے۔

(تلخیص الحبیر ج ۱ ص ۴۴-۴۲)

عامر بن عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد (حضرت ابن الزبیر) نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گئے، اس وقت آپ فصد لگوا رہے تھے، جب آپ فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا اے عبداللہ! یہ خون لے جاؤ اور اس کو ایسی جگہ ڈال دینا جہاں اس کو کوئی نہ دیکھے۔ جب میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے گیا تو میں نے اس خون کو پی لیا، جب میں واپس نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گیا تو آپ نے پوچھا اے عبداللہ! تم نے اس خون کا کیا کیا؟ انہوں نے کہا میں نے اس کو ایسی جگہ رکھ دیا جس کے متعلق میرا گمان ہے کہ وہ لوگوں سے مخفی رہے گی۔ آپ نے فرمایا شاید تم نے اس کو پی لیا۔ میں نے عرض کیا جی ہاں! آپ نے فرمایا تم کو خون پینے کا کس نے حکم دیا تھا؟ لوگوں کو تم سے افسوس ہوگا اور تم کو لوگوں سے افسوس ہوگا۔ اس حدیث کو امام طبرانی اور امام دار قطنی نے بھی روایت کیا ہے اور اس میں ہے کہ تم کو دوزخ کی آگ نہیں چھوئے گی۔

(المستدرک رقم الحدیث: ۶۴۰۰، طبع جدید، المستدرک ج ۳ ص ۵۵۴، طبع قدیم، حلیۃ الاولیاء رقم الحدیث: ۱۱۲۶، تلخیص الحبیر ج ۱ ص ۴۳، حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۳۳۰، حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کو امام بیہقی اور امام ابو یعلیٰ کے حوالوں سے روایت کیا ہے، الاصابہ

ج ۴ ص ۸۱ طبع جدید، نیز حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا خون پاک ہے، المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۳۸۴۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۷۲۲۶، ۳۷۲۳۴، حافظ الہیثمی نے لکھا ہے اس حدیث کو امام طبرانی اور امام بزار نے روایت کیا ہے اور امام بزار کی سند صحیح ہے، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۷۰)

حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام کیسان بیان کرتے ہیں کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گئے اس وقت حضرت عبداللہ بن الزبیر کے پاس ایک طشت تھا جس میں سے وہ پی رہے تھے پھر حضرت عبداللہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گئے، آپ نے ان سے فرمایا تم فارغ ہوگئے۔ انہوں نے کہا جی ہاں! حضرت سلمان نے کہا یا رسول اللہ! کس کام سے؟ آپ نے فرمایا میں نے فصد لگوانے کے بعد ان کو خون پھینکنے کے لیے دیا تھا۔ سلمان نے کہا جس ذات نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا اس کی قسم! انہوں نے اس خون کو پی لیا آپ نے حضرت عبداللہ بن الزبیر سے پوچھا تم نے وہ خون پی لیا؟ انہوں نے کہا جی ہاں! آپ نے پوچھا کیوں؟ انہوں نے کہا میں نے یہ پسند کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا خون میرے پیٹ میں پہنچ جائے۔ پھر آپ نے حضرت ابن الزبیر کے سر پر ہاتھ رکھ کر فرمایا تمہیں لوگوں سے افسوس ہوگا اور لوگوں کو تم سے افسوس ہوگا، تم کو صرف قسم پوری کرنے کے لیے آگ چھوئے گی۔

(حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۳۳۰، طبع قدیم، حلیۃ الاولیاء رقم الحدیث: ۱۱۶۷، طبع جدید، تہذیب تاریخ دمشق ج ۶ ص ۸۵، ج ۷ ص ۴۰۱، تلخیص الحبیر ج ۱ ص ۴۳، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۳۵۹۱۔ ۳۷۲۲۳)

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو فصد لگائی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ خون لو اور اس کو دفن کردو حیوانات، پرندوں اور لوگوں سے (محفوظ کردو) میں نے چھپ کر وہ خون پی لیا پھر میں نے آپ سے ذکر کیا تو آپ ہنس پڑے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۶۴۳۴، مسند البزار رقم الحدیث: ۲۴۳۵، حافظ الہیثمی نے لکھا ہے کہ امام طبرانی کی سند میں ثقہ راوی ہیں۔ مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۷۰، تلخیص الحبیر ج ۱ ص ۳۲، المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۳۸۴۸)

ام عبدالرحمٰن بنت ابی سعد اپنے والد سے روایت کرتی ہیں کہ جنگ احد میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ زخمی ہوگیا۔ حضرت مالک بن سنان نے آگے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا زخم چوس لیا۔ آپ نے فرمایا جو شخص اس کی طرف دیکھنا چاہتا ہو جس کے خون کے ساتھ میرا خون مل گیا ہے وہ مالک بن سنان کو دیکھ لے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۵۴۳۰، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۷۰، الاصابہ ج ۵ ص ۵۳۸)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ احد کے دن جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم زخمی ہوگئے تو حضرت ابو سعید خدری کے والد حضرت مالک بن سنان نے آپ کا زخم چوس لیا حتیٰ کہ اس کو بالکل صاف اور سفید کردیا۔ ان سے کہا گیا اس کو تھوک دو۔ انہوں نے کہا بخدا میں اس کو کبھی نہیں تھوکوں گا، پھر انہوں نے جاکر قتال کرنا شروع کردیا تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص اہل جنت میں سے کسی کو دیکھنا چاہتا ہو، وہ اس کی طرف دیکھ لے۔ پھر وہ شہید ہوگئے۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۳ ص ۲۶۶، تلخیص الحبیر ج ۱ ص ۴۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قضائے حاجت کے لیے داخل ہوئے، آپ کے بعد میں داخل ہوئی تو وہاں مجھے کوئی چیز نظر نہیں آئی اور مجھے وہاں مشک کی خوشبو محسوس ہورہی تھی، میں

نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے تو کوئی چیز نہیں دیکھی۔ آپ نے فرمایا: کیا تم نہیں جانتیں کہ انبیاء علیہم السلام سے جو چیز نکلتی ہے زمین اس کو نگل لیتی ہے، پھر اس میں سے کوئی چیز دکھائی نہیں دیتی۔

(الطبقات الکبریٰ ج ا ص ۳۵ ۱۳۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ)

حکیمہ بنت امیمہ اپنی والدہ سے روایت کرتی ہیں انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے پاس لکڑی کا ایک پیالہ تھا، اس کو تخت کے نیچے سے اٹھاتے تھے۔ آپ نے اس میں پیشاب کیا پھر دوبارہ اس پیالے کو دیکھا تو اس میں کچھ بھی نہیں تھا۔ آپ نے برکہ سے فرمایا جو حضرت ام حبیبہ کی خادمہ تھیں اور حبشہ سے آئیں تھیں، پیالے میں جو پیشاب تھا، وہ کہاں ہے؟ انہوں نے کہا میں نے اس کو پی لیا۔ آپ نے فرمایا تم نے دوزخ کی آگ کو اپنے سے دور کر دیا۔

(المعجم الکبیر ج ۲۴ ص ۱۸۹، حافظ الہیثمی نے لکھا ہے اس حدیث کے راوی ثقہ اور صحیح ہیں، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۷۱-۲۷۰ تلخیص الحبیر ج ا ص ۴۴)

حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ گھر کی ایک جانب مٹی کا پیالہ رکھا ہوا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم رات کو اٹھ کر اس میں پیشاب کرتے تھے، ایک رات کو میں اٹھی، میں پیاسی تھی اس میں جو کچھ تھا وہ میں نے پی لیا اور مجھے پتا نہیں چلا جب صبح ہوئی تو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا اے ام ایمن اٹھو! اور اس برتن میں جو کچھ ہے، اس کو پھینک دو۔ میں نے عرض کیا اللہ کی قسم اس میں جو کچھ تھا وہ میں نے پی لیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم ہنسے حتیٰ کہ آپ کی مبارک ڈاڑھیں ظاہر ہو گئیں پھر فرمایا تمہارے پیٹ میں کبھی درد نہیں ہو گا۔

(المعجم الکبیر ج ۲۵ ص ۹۰-۸۹، حافظ الہیثمی نے کہا ہے کہ اسکی سند میں ایک راوی ابو مالک النخعی ضعیف ہے، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۷۱، المستدرک ج ۴ ص ۶۴-۶۳، طبع قدیم، المستدرک رقم الحدیث: ۶۹۹۶، المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۴۸۴۹، تلخیص الحبیر ج ا ص ۴۴)

فضلات کریمہ کی طہارت پر فنی اعتراضات کے جوابات

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے فضلات کریمہ کی طہارت کی جو احادیث ہیں، ان پر ملا علی قاری نے کچھ عقلی اور کچھ فنی اعتراضات کیے ہیں۔ (شرح الشفاء علی ہامش نسیم الریاض ج ا ص ۳۵۴-۳۵۳) ہم نے ان اعتراضات کے تفصیل سے جوابات شرح صحیح مسلم ج ۶ ص ۸۹-۸۳ میں لکھ دیئے ہیں جن احادیث کی بنیاد پر ملا علی قاری نے اعتراضات کیے ہیں حافظ ابن حجر عسقلانی نے ان کی فنی حیثیت واضح کی ہے، اس لیے ہم یہاں ان کی عبارت تفصیل سے نقل کر رہے ہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ ابو طیبہ جو فصد لگانے والے تھے، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کا خون پی لیا اور آپ نے ان پر انکار نہیں فرمایا۔ (اتحاف السنن ج ۲ ص ۳۱۷) اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ان کے پینے کے بعد فرمایا دوبارہ نہ پینا، ہر خون حرام ہے۔ (ملا علی قاری اور شیخ اشرف علی تھانوی نے بوادر نوادر میں اسی لفظ سے آپ کے خون کے نجس ہونے پر استدلال کیا ہے لیکن اہل فہم پر مخفی نہیں کہ حرمت نجاست کو مستلزم نہیں ہوتی۔ مثلاً مال غیر کو بلا اجازت کھانا حرام ہے لیکن وہ نجس نہیں ہے۔) حافظ ابن حجر فرماتے ہیں پہلی روایت میں میں نے ابو طیبہ کا ذکر نہیں دیکھا بلکہ ظاہر یہ ہے کہ وہ کوئی اور شخص تھا کیونکہ ابو طیبہ کا تعلق انصار کے قبیلہ بنو بیاضہ سے تھا، بلکہ میرے نزدیک وہ خون، قریش کے کسی آزاد شدہ غلام نے پیا تھا۔ اور وہ روایت صحیح نہیں ہے۔ (یعنی حسن یا ضعیف ہے) امام ابن حبان نے کتاب الضعفاء میں از نافع ابی ہرمز از عطاء از ابن عباس یہ روایت ذکر کی ہے کہ قریش کے کسی غلام نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کو فصد لگائی، جب وہ فصد لگانے سے فارغ ہوا تو وہ اس خون کو لے کر دیوار کے پیچھے چلا گیا۔ اس نے دائیں بائیں دیکھا جب اسے کوئی نظر نہیں آیا تو اس نے اس خون کو

پی لیا۔ جب وہ فارغ ہو کر آیا تو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے چہرہ کی طرف دیکھا اور فرمایا تم پر افسوس ہے تم نے اس خون کے ساتھ کیا کیا۔ اس نے کہا میں نے اس خون کو دیوار کے پیچھے غائب کر دیا۔ آپ نے پوچھا تم نے کہاں غائب کیا؟ اس نے کہا میں نے آپ کے خون کو زمین پر گرانا ناپسند کیا سو وہ میرے پیٹ میں ہے۔ آپ نے فرمایا جاؤ تم نے اپنے نفس کو دوزخ کی آگ سے محفوظ کر لیا۔ نافع جس نے یہ حدیث روایت کی ہے امام ابن حبان نے کہا اس نے اس حدیث کو نسخہ عطاء کے نسخہ موضوعہ سے روایت کیا ہے۔ یحییٰ بن معین نے کہا وہ کذاب ہے' اور رہی دوسری روایت تو میں نے اس میں بھی ابوطیبہ کا ذکر نہیں دیکھا۔ بلکہ وہ روایت ابوہند کے متعلق ہے' امام ابونعیم نے معرفۃ الصحابہ میں ذکر کیا ہے سالم ابوہند فصد لگانے والے تھے' انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کے فصد لگائی جب میں فارغ ہوا تو میں نے خون کو پی لیا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! میں نے اس خون کو پی لیا۔ آپ نے فرمایا تم پر افسوس ہے اے سالم! کیا تم نہیں جانتے کہ خون حرام ہے' دوبارہ نہ پینا۔ (کنزالعمال رقم الحدیث: ۴۰۹۶۱ ۴۱۷۲۸) اس حدیث کی سند میں ابوالحجاف ہے اور اس پر جرح کی گئی ہے۔ (اس سے معلوم ہوا کہ جس حدیث کی بنیاد پر ملا علی قاری اور شیخ تھانوی نے فضلات کریمہ کی نجاست پر استدلال کیا ہے' وہ ضعیف روایت ہے اور سند کے ضعف کے علاوہ ان کا مدعا ثابت نہیں ہے کیونکہ حرمت نجاست کو مستلزم نہیں ہوتی۔)

(تلخیص الحبیر ج ۱ ص ۴۴-۴۲' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں لکھا ہے اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فضلات کی طہارت پر بکثرت دلائل قائم ہیں۔ اسی وجہ سے ائمہ نے اس کو آپ کے خصائص میں سے شمار کیا ہے اور المطالب العالیہ میں حضرت ابن الزبیر کے خون پینے کی حدیث پر یہ عنوان قائم کیا "نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے خون کی طہارت" اور تلخیص الحبیر میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فضلات مبارکہ کی طہارت کی احادیث کی تخریج کی اور ان احادیث کو معتبر قرار دیا اور جو احادیث بظاہر اس کے خلاف ہیں ان کے فنی اسقام بیان کیے پھر مجھے امام احمد رضا کی اس عبارت پر سخت حیرت ہوئی۔

میری نظر میں امام ابن حجر عسقلانی شارح صحیح بخاری کی وقعت ابتداءً امام بدرالدین عینی شارح صحیح بخاری سے زیادہ تھی' فضلات شریفہ کی طہارت کی بحث ان دونوں صاحبوں نے کی ہے' امام ابن حجر نے ابحاث محدثانہ لکھی ہیں کہ یوں کہا جاتا ہے اور اس پر یہ اعتراض ہے اخیر میں لکھا ہے کہ فضلات شریفہ کی طہارت ان کے نزدیک ثابت نہیں۔

(ملفوظات اعلیٰ حضرت ص ۳۵۷' مطبوعہ فرید بک سٹال لاہور)

دراصل ملا علی قاری نے شرح الشفاء میں محدثانہ بحث کی ہے اور ان احادیث پر اعتراضات کیے اور لکھا ہے کہ طہارت کے بجائے اس کی ضد ثابت ہے۔ ہم نے شرح صحیح مسلم (جلد ۶) میں ان تمام اعتراضات کے جواب دیئے ہیں اور ملا علی قاری نے جمع الوسائل میں اس کے برعکس لکھا ہے اور حضرت ام ایمن کے پیشاب پینے کی حدیث درج کر کے یہ لکھا ہے ائمہ متقدمین اور متاخرین نے اس حدیث سے آپ کے فضلات مبارکہ کی طہارت پر استدلال کیا ہے اور متاخرین کی ایک جماعت کا بھی یہی مختار ہے اور اس پر بکثرت دلائل قائم ہیں اور ائمہ نے اس کو آپ کے خصائص میں سے لکھا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کا سبب آپ کا شق صدر اور آپ کے باطن کو دھونا ہے۔

(جمع الوسائل ج ۲ ص ۳' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

فضلات کریمہ کی طہارت کے متعلق دیگر علماء کی عبارات

علامہ احمد بن حجر ہیتمی مکی شافعی متوفی ۹۷۴ھ لکھتے ہیں:

امام طبرانی نے سند حسن یا سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا یا رسول اللہ! میں دیکھتی ہوں کہ آپ بیت الخلاء میں جاتے ہیں پھر جو شخص آپ کے بعد جاتا ہے وہ ایسی کسی چیز کا کوئی نشان نہیں دیکھتا جو آپ سے خارج ہوئی ہو۔ آپ نے فرمایا اے عائشہ! کیا تم یہ نہیں جانتیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے جو چیز بھی نکلے وہ اس کو نگل لے۔ امام ابن سعد نے اس حدیث کو ایک اور سند سے روایت کیا ہے اور امام حاکم نے مستدرک میں ایک دوسری سند سے روایت کیا ہے۔ لہٰذا امام بیہقی کا ابن علوان کی وجہ سے اس حدیث پر اعتراض کرنا درست نہیں ہے اور شاید کہ وہ اس حدیث کے دیگر طرق پر مطلع نہیں ہوئے۔ اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پیشاب کے متعلق متعدد روایات ہیں۔ آپ کی باندی برکہ، ام ایمن اور حضرت ام حبیبہ کی خادمہ برکہ ام یوسف نے آپ کا پیشاب پیا۔ اور آپ نے ام یوسف کو صحت کی بشارت دی اور ام ایمن سے فرمایا تم کو کبھی پیٹ کی بیماری نہیں ہوگی۔ ان احادیث سے ہمارے ائمہ متقدمین نے اور علمائے متاخرین نے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فضلات کی طہارت پر استدلال کیا ہے اور اس پر بکثرت دلائل ہیں اور ائمہ نے اس کو آپ کی خصوصیات میں سے شمار کیا ہے۔

(اشرف الوسائل ص ۲۹۶-۲۹۵، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۹ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

امام ابو حنیفہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پیشاب اور آپ کے تمام فضلات کو طاہر قرار دیتے تھے۔

(عمدۃ القاری جز ۳ ص ۷۹، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

بعض ائمہ شافعیہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیشاب اور تمام فضلات کو طاہر قرار دیا ہے اور امام ابو حنیفہ کا بھی یہی قول ہے جیسا کہ المواہب اللدنیہ میں علامہ عینی کی شرح بخاری سے منقول ہے اور علامہ بیری نے شرح الاشباہ میں اس کی تصریح کی ہے۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۳۵۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۹ھ)

علمائے دیوبند کے مشہور محدث شیخ انور شاہ کشمیری متوفی ۱۳۵۲ھ لکھتے ہیں:

انبیاء علیہم السلام کے فضلات کی طہارت کا مسئلہ مذاہب اربعہ کی کتابوں میں موجود ہے لیکن میرے پاس اس کی ائمہ سے کوئی نقل نہیں ہے۔ الا یہ کہ المواہب اللدنیہ میں عینی کے حوالے سے یہ لکھا ہوا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک آپ کے فضلات طاہر ہیں لیکن مجھے یہ بات عینی میں نہیں ملی۔ (فیض الباری ج ۱ ص ۲۵۱، مطبوعہ مطبع حجازی قاہرہ، ۱۳۵۷ھ)

غالباً شیخ کشمیری کی نظر سے علامہ عینی کی مذکور الصدر عبارت نہیں گزری۔ (عمدۃ القاری جز ۳ ص ۷۹)

شرح صحیح مسلم ج ۳ اور ج ۶ میں بھی ہم نے اس مسئلہ پر بحث کی ہے، وہاں بھی اس بحث کا مطالعہ مفید ہوگا۔

وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِن كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا

اور جس دن ہم ہر امت سے ایک گواہ پیش کریں گے، پھر کافروں کو بولنے کی اجازت نہیں دی جائے گی

وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ﴿٨٤﴾ وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا

اور نہ ان سے عتاب دور کرنے کا مطالبہ کیا جائے گا ○ اور جب ظالم لوگ عذاب دیکھیں گے تو ان سے نہ

يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿۸۵﴾ وَإِذَا رَاَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا

عذاب میں تخفیف کی جائے گی اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی ○ اور جب مشرکین اپنے شرکاء کو

شُرَكَآءَهُمْ قَالُوْا رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا الَّذِيْنَ كُنَّا نَدْعُوْا

دیکھیں گے تو کہیں گے کہ اے ہمارے رب! یہ ہیں ہمارے وہ شرکاء جن کی ہم تیرے سوا

مِنْ دُوْنِكَ ۚ فَاَلْقَوْا اِلَيْهِمُ الْقَوْلَ اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۸۶﴾ وَاَلْقَوْا

عبادت کرتے تھے تو وہ جواب میں کہیں گے کہ بے شک تم ضرور جھوٹے ہو ○ اور اس دن وہ

اِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذِ ِالسَّلَمَ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۸۷﴾

اطاعت شعاری کرتے ہوئے اللہ کے سامنے گر جائیں گے اور جو کچھ وہ بہتان باندھتے تھے وہ ان سے جاتے رہیں گے ○

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا

جن لوگوں نے کفر کیا اور (لوگوں کو) اللہ کے راستے سے روکا ہم ان کے عذاب پر مزید

فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ﴿۸۸﴾ وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ

عذاب بڑھا دیں گے کیونکہ وہ فساد کرتے تھے ○ اور جس دن ہم ہر امت کے خلاف

اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى

ان ہی میں سے ایک گواہ پیش کریں گے اور (اے رسول مکرم!) ہم ان سب پر آپ کو گواہ بنا کر پیش

هٰٓؤُلَآءِ ؕ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى

کریں گے، اور ہم نے آپ پر ایسی کتاب نازل کی ہے جس میں ہر چیز کا روشن بیان ہے اور وہ مسلمانوں

وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۸۹﴾ ع

کے لیے ہدایت، رحمت اور بشارت ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جس دن ہم ہر امت سے ایک گواہ پیش کریں گے پھر کافروں کو بولنے کی اجازت نہیں دی جائے گی اور نہ ان سے عتاب دور کرنے کا مطالبہ کیا جائے گا ○ اور جب ظالم لوگ عذاب دیکھیں گے تو ان سے نہ عذاب میں تخفیف کی جائے گی اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی ○ (النحل: ۸۵-۸۴)

آخرت میں کفار کے احوال

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کفار کے متعلق بیان فرمایا تھا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو پہچاننے کے باوجود ان کا کفر کیا اور یہ فرمایا کہ ان میں سے اکثر کافر ہیں۔ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب کی وعید بیان فرمائی اور قیامت کے دن ان کا جو حال ہو گا اس کا بیان فرمایا۔ سو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جس دن ہم ہر امت سے ایک گواہ پیش کریں گے، یہ قول اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ گواہ ان کے خلاف ان کے کفر کی گواہی دیں گے، ان گواہوں سے مراد انبیاء علیہم السلام ہیں جیسا کہ اس آیت میں ارشاد ہے:

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا۔ (النساء: ۴۱)

اس وقت کیا حال ہو گا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ پیش کریں گے اور (اے رسول مکرم!) اور ہم آپ کو ان سب پر گواہ بنا کر پیش کریں گے۔

اس کے بعد فرمایا پھر کافروں کو بولنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ اس ارشاد کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) قیامت کے دن کافروں کو اپنے کفر پر عذر پیش کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ○ (المرسلات: ۳۶)

اور ان کو یہ اجازت نہیں دی جائے گی کہ وہ عذر پیش کریں۔

(۲) ان کو آخرت سے دنیا کی طرف جانے کی اجازت نہیں دی جائے گی اور ان کو دوبارہ ایمان لانے کا موقع نہیں دیا جائے گا۔

(۳) جس وقت گواہ ان کے خلاف گواہی دیں گے اس گواہی کے دوران ان کو بولنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

(۴) ان کو زیادہ باتیں کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی کیونکہ اس دن وہ اللہ کی رحمت سے مایوس ہوں گے۔

اس کے بعد فرمایا ولا ھم یستعتبون اور نہ ان سے عتاب دور کرنے کا مطالبہ کیا جائے گا۔

عتاب کا معنی

العتبة اسم جامد ہے اس کا معنی ہے سیڑھی کا ڈنڈا یا چوکھٹ، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بیوی سے کہا کہ جب تمہارا شوہر آئے تو اس سے کہنا غیر عتبة بابه اپنے دروازہ کی چوکھٹ تبدیل کر لو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۶۵) اور العتب اسم مصدر ہے رنج اور غصہ کرنا، ملامت کرنا، سرزنش کرنا، اعتب کا معنی ہے ناراضگی کے سبب کو دُور کرنا، راضی کرنا، اس میں ہمزہ سلب ماخذ کے لیے ہے اور استعتب کا معنی ہے رضامندی طلب کرنا۔ کہا جاتا ہے استعتبته فاعتبنی میں نے اس سے رضامندی طلب کی تو اس نے مجھ سے خفگی زائل کر دی اور مجھ سے راضی ہو گیا۔ العتب کا معنی شدت اور سختی بھی ہے۔

(کتاب العین ج ۲ ص ۱۱۳۰، ایران، المفردات ج ۲ ص ۴۱۷، مکہ مکرمہ، مختار الصحاح ص ۲۴۷، بیروت، المنجد ص ۴۸۵، ایران)

علامہ ابو السعادات المبارک بن محمد المعروف بابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

العتب کا معنی ہے رنج اور افسوس کرنا، ناراضگی کا اظہار کرنا اور العتاب کا معنی ہے کسی پر افسوس کرنا اور اس کو ملامت کرنا اور استعتب کا معنی ہے کسی کی رضا کو طلب کرنا۔ حدیث میں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا یتمنی احدکم الموت اما محسنا فلعله یزداد واما مسیئا فلعله یستعتب۔

تم میں سے کوئی شخص موت کی تمنا نہ کرے کیونکہ اگر وہ نیک ہے تو ہو سکتا ہے وہ زیادہ نیکیاں کرے اور اگر وہ بدکار ہے تو ہو سکتا ہے وہ برائی سے باز آ جائے اور اللہ تعالیٰ سے اس کی رضا کو طلب کرے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۲۳۵، سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۰۴۹، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۰۹۴۵)

کافروں کے عذاب میں تخفیف نہ کرنے کی تفسیر البقرہ: ۸٦ میں ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب مشرکین اپنے شرکاء کو دیکھیں گے تو کہیں گے کہ اے ہمارے رب! یہ ہیں ہمارے وہ شرکاء جن کی ہم تیرے سوا عبادت کرتے تھے تو وہ جواب میں کہیں گے کہ بے شک تم ضرور جھوٹے ہو○ اور اس دن وہ اطاعت شعاری کرتے ہوئے اللہ کے سامنے گر جائیں گے اور جو کچھ وہ بہتان باندھتے تھے وہ ان سے جاتے رہیں گے○

(النحل: ۸۷-۸٦)

قیامت کے دن بتوں اور مشرکوں کا مکالمہ

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان بتوں کو اٹھائے گا جن کی کفار عبادت کرتے تھے اور ان کو اٹھانے سے مقصود یہ ہے کہ مشرکین ان بتوں کا انتہائی ذلت اور حقارت میں مشاہدہ کریں نیز وہ بت مشرکین کی تکذیب کریں گے۔ اس سے ان کے دلوں میں غم اور حسرت اور زیادہ ہو گی۔ اللہ تعالیٰ نے ان بتوں کو شرکاء اس لیے فرمایا ہے کہ کفار ان بتوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک کہتے تھے۔ مشرکین جو کہیں گے کہ اے ہمارے رب! یہ ہیں ہمارے وہ شرکاء جن کی ہم عبادت کرتے تھے، اس سے ان کا منشاء یہ تھا کہ وہ اپنا گناہ ان بتوں پر ڈال دیں اور انہوں نے یہ گمان کیا کہ اس سے ان کو عذاب سے نجات مل جائے گی یا ان کے عذاب میں کمی ہو جائے گی۔ بت ان سے کہیں گے بے شک تم ضرور جھوٹے ہو۔ اس پر سوال ہوتا ہے کہ بت تو از قبیل جمادات ہیں وہ کیسے کلام کریں گے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان بتوں میں حیات، عقل اور نطق پیدا کر دے گا اور یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بالکل بعید نہیں ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ مشرکین بتوں کی طرف اشارہ کر کے کہیں گے، یہ ہیں ہمارے وہ شرکاء جن کی ہم تیرے سوا عبادت کرتے تھے تو مشرکین کا یہ کلام سچا ہے پھر بت کیوں کہیں گے کہ تم جھوٹے ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بتوں کے قول کا معنی یہ ہے کہ تم اپنے اس قول میں جھوٹے ہو کہ ہم عبادت کے مستحق ہیں یا تم اس قول میں جھوٹے ہو کہ عبادت کے مستحق ہونے میں ہم اللہ کے شریک ہیں اور تمہارا ہم کو اللہ کا شریک قرار دینا یہ جھوٹ ہے۔

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے کسی صورت میں آنے کی توجیہ

بتوں کو قیامت کے دن اٹھائے جانے کا ذکر اس حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا قیامت کے دن ہم اپنے رب کو دیکھیں گے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا چودھویں شب کو چاند دیکھنے میں تمہیں کوئی تکلیف ہوتی ہے مسلمانوں نے کہا نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا جب سورج پر بادل نہ ہوں تو کیا سورج کو دیکھنے میں کوئی تکلیف ہوتی ہے؟ مسلمانوں نے کہا نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا تم اپنے رب کو عنقریب اسی طرح دیکھو گے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لوگوں کو جمع کرے گا اور فرمائے گا جو شخص جس کی اتباع کرتا تھا وہ اس کے پیچھے چلا

جائے۔ سو جو شخص سورج کی پرستش کرتا تھا وہ سورج کے پیچھے چلا جائے گا اور جو شخص چاند کی پرستش کرتا تھا وہ چاند کے پیچھے چلا جائے گا اور جو شخص بتوں کی پرستش کرتا تھا وہ بتوں کے پیچھے چلا جائے گا اور یہ امت باقی رہ جائے گی اس میں منافقین بھی ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کے پاس ایک ایسی صورت میں آئے گا جو اس صورت کی غیر ہوگی جس کو وہ پہچانتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں تمہارا رب ہوں۔ وہ کہیں گے ہم تم سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں، ہم یہیں پر رہیں گے حتیٰ کہ ہمارے پاس ہمارا رب آجائے، پس جب ہمارا رب آجائے گا تو ہم اس کو پہچان لیں گے، پھر اللہ تعالیٰ ان کے پاس اس صورت میں آئے گا جس صورت میں وہ اس کو پہچانتے تھے، پس فرمائے گا میں تمہارا رب ہوں۔ پس مسلمان کہیں گے تو ہمارا رب ہے پھر وہ اس کے پیچھے چل پڑیں گے، الحدیث۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۲، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۷۳، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۵۷، مسند احمد ج ۲ ص ۳۶۸)

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے: اس امت میں منافقین بھی ہوں گے۔ علماء نے کہا کہ مومنوں کے گروہ میں منافقین کو اس لیے رکھا گیا ہے کہ منافقین دنیا میں بھی مسلمانوں کے ساتھ چھپے ہوئے رہتے تھے سو ان کو آخرت میں بھی مسلمانوں کے ساتھ چھپا ہوا رکھا گیا سو وہ ان کے ساتھ رہیں گے اور ان کے ساتھ چل پڑیں گے اور ان کے نور میں چلیں گے حتیٰ کہ ان کے اور مومنوں کے درمیان ایک آڑ کر دی جائے گی اس کے باطن میں رحمت ہے اور اس کے ظاہر میں عذاب ہے اور ان سے مومنین کا نور نکال دیا جائے گا۔

اس حدیث میں مذکور ہے: اللہ تعالیٰ ان کے پاس ایک ایسی صورت میں آئے گا جو اس صورت کی غیر ہوگی جس کو وہ پہچانتے تھے۔ جن احادیث میں اللہ تعالیٰ کے آنے جانے اور اترنے چڑھنے کا ذکر ہوتا ہے ان میں اہل علم کے دو مسلک ہیں۔ متکلمین کا مذہب یہ ہے کہ ان میں بحث نہیں کرنی چاہیے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم پر واجب ہے کہ ہم ان احادیث پر ایمان لائیں اور آنے جانے سے ایسے معنی کا اعتقاد رکھیں جو اللہ تعالیٰ کی جلال ذات کے لائق ہے اور اس کی عظمت کے مناسب ہے اور اس کے ساتھ یہ عقیدہ رکھیں کہ کوئی چیز اس کی مثل نہیں ہے اور وہ جسم ہونے، منتقل ہونے اور کسی ایک جہت اور جگہ میں ہونے سے پاک ہے اور مخلوق کی تمام صفات سے منزہ ہے اور متکلمین کی ایک جماعت اور محققین کا یہی مذہب ہے اور اسی میں زیادہ سلامتی ہے۔ اس سلسلہ میں دوسرا مذہب جمہور متکلمین کا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس قسم کے الفاظ میں موقع محل کے لحاظ سے تاویل کی جائے گی اور ان میں وہی شخص تاویل کر سکتا ہے جو عربی زبان کے مجازات اور محاورات سے واقف ہو۔ اصول اور فروع کا عالم ہو اور اس کو فنون عربیہ میں مہارت ہو۔ اس لیے اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہے ان کے پاس اللہ آئے گا اس کا معنی ہے وہ اللہ کو دیکھیں گے، اور اس کی دوسری تاویل یہ کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے آنے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعض فرشتے آئیں گے۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ تاویل زیادہ مناسب ہے اور اس صورت میں معنی یہ ہے کہ فرشتہ ان کے پاس اس صورت میں آیا جس کو وہ پہچانتے نہیں تھے اور اس پر حادث ہونے کی علامات ظاہر تھیں جیسی علامات مخلوق میں ہوتی ہیں، اس لیے جب وہ فرشتہ کہے گا کہ میں تمہارا رب ہوں تو مومنین کہیں گے ہم تم سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں، ہم یہیں پر رہیں گے حتیٰ کہ ہمارے پاس ہمارا رب آجائے یا پھر آپ کے ارشاد: "اللہ ان کے پاس ایسی صورت میں آئے گا" کا معنی یہ ہے اللہ ان کے پاس فرشتوں یا مخلوق کی صورتوں میں سے کسی ایسی صورت میں ظاہر ہوگا کہ وہ صورت اللہ تعالیٰ کی صفات کے مشابہ نہیں ہوگی تاکہ ان کو آزمائے، اور یہ مومنین

کا آخری امتحان ہوگا اور جب ان سے فرشتہ کہے گا یا اللہ تعالیٰ ایسی صورت میں فرمائے گا میں تمہارا رب ہوں، اور وہ اس فرشتہ یا اس صورت میں مخلوق کی علامات دیکھیں گے تو وہ اس کا انکار کریں گے اور ان کو یقین ہو چکا ہوگا کہ وہ ان کا رب نہیں ہے اور وہ اس سے اللہ کی پناہ طلب کریں گے۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے پھر اللہ ان کے پاس اس صورت میں آئے گا جس کو وہ پہچانتے تھے۔ یہاں صورت سے مراد صفت ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ اس صفت کے ساتھ ان پر تجلی فرمائے گا جس صفت کو وہ جانتے اور پہچانتے تھے اور مومنوں نے ہر چند کہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا تھا لیکن جب وہ یہ دیکھیں گے کہ یہ صورت مخلوقات کے بالکل مشابہ نہیں ہے اور ان کو یہ معلوم ہے کہ مخلوق میں سے کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے مشابہ نہیں ہے تو ان کو یقین ہو جائے گا کہ یہ ان کا رب ہے۔ لہٰذا وہ یہ کہیں گے کہ تو ہمارا رب ہے۔

نیز اس حدیث میں ہے: پھر وہ اس کے پیچھے چل پڑیں گے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو جنت کی طرف جانے کا حکم دے گا اور وہ اس کے حکم کے موافق چل پڑیں گے یا وہ فرشتوں کے پیچھے پیچھے چل پڑیں گے جو ان کو جنت کی طرف لے جائیں گے۔ (صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۱ ص ۱۰۰۹-۱۰۰۸، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جن لوگوں نے کفر کیا اور (لوگوں کو) اللہ کے راستہ سے روکا ہم ان کے عذاب پر مزید عذاب بڑھادیں گے کیونکہ وہ فساد کرتے تھے ○ (النحل: ۸۸)

دوسروں کو کافر بنانے والوں کو دگنا عذاب ہونا

اس سے پہلی آیت میں ان کافروں کی وعید ذکر فرمائی تھی جنہوں نے خود کفر کیا تھا، اور اس آیت میں ان کافروں کی وعید ذکر فرمائی ہے جو خود بھی کافر تھے اور دوسرے لوگوں کو بھی اللہ کے راستے سے روک کر اور ان کو گمراہ کرکے انہیں کافر بنایا۔ چونکہ ان کا کفر دگنا تھا اس لیے ان کی سزا بھی دگنی فرمائی۔ لہٰذا فرمایا ہم ان کے عذاب پر مزید عذاب بڑھادیں گے یعنی ان کو اپنے کفر کا بھی عذاب ہوگا اور اپنے ان پیروکاروں کے کفر کا بھی عذاب ہوگا جنہوں نے ان کی پیروی میں کفر کیا۔

اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے بھی کسی شخص کو ظلماً قتل کیا اس کے قتل کے عذاب میں سے ایک حصہ پہلے ابن آدم کو بھی ملے گا کیونکہ اس نے سب سے پہلے قتل کا طریقہ ایجاد کیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۳۵، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۷۷، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۹۸۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۶۱۶، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۱۴۲)

نیز اس کی نظیر یہ حدیث ہے:

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اسلام میں نیک طریقہ ایجاد کیا اس کو اپنی نیکی کا بھی اجر ملے گا اور بعد والوں کی نیکیوں کا بھی اجر ملے گا اور ان کے اجر و ثواب میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی، اور جس شخص نے اسلام میں کسی گناہ کا طریقہ ایجاد کیا اس کو اپنے گناہ کا بھی عذاب ہوگا اور بعد والوں میں سے جو اس پر عمل کرے گا اس کے گناہ کا بھی عذاب ہوگا اور بعد والوں کے عذاب میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۱۷، سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۵۵۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۳)

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں نیک کاموں میں ابتدا کرنے کی ترغیب دی ہے اور اچھے کاموں کی ابتدا کرنے پر ابھارا ہے اور باطل اور قبیح کاموں کے ایجاد کرنے سے ڈرایا ہے اور جو شخص نیکی کی ابتدا کرتا ہے اس کے لیے فضل عظیم ہے۔ ایک حدیث میں ہے: ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۰۷، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۷۶، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳) اس باب کی حدیث ابن جریر اس حدیث کی مخصص ہے اور اس سے مراد وہ نئے کام ہیں جو باطل ہوں اور وہ بدعات مذمومہ ہیں۔ (یعنی وہ نیا کام جو خلاف شرع ہو، کسی سنت کا مغیر ہو اور اس کو دین میں داخل کرلیا جائے) نماز جمعہ کے باب میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے اور ہم نے وہاں یہ ذکر کیا ہے کہ بدعت کی پانچ قسمیں ہیں: واجبہ، مندوبہ، محرمہ، مکروہہ اور مباحہ۔ (صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۴ ص ۲۸۰۶، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ نے علامہ نووی کی اس عبارت کو نقل کیا ہے اور مزید یہ لکھا ہے کہ اس حدیث میں ہے کہ نیکی کی ابتدا کرنے والے کو بعد والوں کی نیکیوں کا اجر ملتا ہے۔ لہٰذا یہ حدیث اس حدیث کی مخصص ہے۔ جس میں ہے ہر عمل (کے ثواب) کا مدار نیت پر ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱) (اکمال اکمال المعلم ج ۳ ص ۴۸۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جس دن ہم ہر امت کے خلاف ان ہی میں سے ایک گواہ پیش کریں گے اور (اے رسول مکرم) ہم ان سب پر آپ کو گواہ بنا کر پیش کریں گے اور ہم نے آپ پر ایسی کتاب نازل کی ہے جس میں ہر چیز کا روشن بیان ہے اور وہ مسلمانوں کے لیے ہدایت، رحمت اور بشارت ہے ○ (النحل: ۸۹)

زمانۂ فترت میں علماء مبلغین کا حجت ہونا

علامہ قرطبی نے لکھا ہے۔ اس آیت میں گواہ سے مراد انبیاء ہیں جو اپنی امتوں کے خلاف قیامت کے دن گواہی دیں گے کہ انہوں نے اللہ کا پیغام پہنچایا اور ان کو ایمان لانے کی دعوت دی، اور ہر زمانہ میں ایک گواہ ہو گا خواہ وہ نبی نہ ہو، اور ان کے متعلق دو قول ہیں ایک یہ ہے کہ وہ ہدایت دینے والے ائمہ ہیں جو انبیاء علیہم السلام کے نائبین ہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ علماء مبلغین ہیں جو انبیاء علیہم السلام کی شرائع کی حفاظت کرتے ہیں اور ان کی تبلیغ کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اس تقدیر پر فترت (انقطاع نبوت کا زمانہ) میں وہ لوگ ہوں گے جو اللہ کو ایک مانتے ہوں گے جیسے قس بن ساعدہ اور زید بن عمرو بن نفیل۔ جس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ بطور ایک امت اٹھایا جائے گا اور ورقہ بن نوفل جس کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے اس کو جنت کے دریاؤں میں غوطے لگاتے ہوئے دیکھا ہے پس یہ لوگ اور ان کی مثل ہیں، وہ اپنے زمانہ کے لوگوں پر حجت ہیں اور ان پر گواہی دیں گے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۰ ص ۱۴۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

قرآن مجید کا ہر چیز کے لیے روشن بیان ہونا

اس کے بعد فرمایا اور ہم نے آپ پر ایسی کتاب نازل کی ہے جس میں ہر چیز کا روشن بیان ہے۔

بعض علماء نے اس آیت کی یہ تفسیر کی ہے کہ قرآن مجید میں تمام دنیا کے علوم کا ذکر ہے بلکہ بعض علماء نے یہ کہا کہ ابتداء آفرنیش عالم سے لے کر قیامت تک کے تمام واقعات کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے قرآن عظیم ہدایت کی کتاب ہے اور ہدایت کے لیے جن چیزوں کی ضرورت ہے، وہ سب قرآن مجید میں مذکور ہیں اور تمام اصول اور فروع کا ذکر قرآن کریم میں ہے۔ پچھلی امتوں کے جن قصص اور واقعات کا قرآن عظیم میں ذکر ہے وہ بھی ہدایت اور موعظت کے لیے

ہے، اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ پھر سنت، اجماع اور قیاس کی بھی ضرورت نہیں ہونی چاہیے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جن چیزوں کا قرآن مجید میں صراحتاً ذکر نہیں ہے ان کے حل کے لیے قرآن مجید نے سنت، اجماع اور قیاس کی طرف رجوع کرنے کی ہدایت دی ہے اور ان کا حجت ہونا قرآن کریم میں مذکور ہے۔ اس پر تفصیلی بحث ہم نے الانعام: ۳۸ تبیان القرآن ج ۳ ص ۴۶۴۔۴۵۸ میں کی ہے۔

علامہ ابوالحسن ابراہیم بن عمر البقاعی المتوفی ۸۸۵ھ لکھتے ہیں:

امام شافعی رضی اللہ عنہ نے اپنے رسالہ کے خطبہ کے آخر میں یہ دعا کی کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی کتاب اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی فہم عطا فرمائے۔ اس کے بعد فرمایا مسلمانوں کو اپنی زندگی میں جو بھی حادثہ پیش آئے گا اس کے متعلق اللہ کی کتاب میں ہدایت موجود ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب میں دنیا اور آخرت سے متعلق تمام عقائد بیان فرمائے ہیں اور امر و نہی اور حلال و حرام اور حدود بیان فرمائی ہیں۔ بعض کا قرآن مجید میں صراحتاً ذکر ہے اور بعض کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی سنت کے حوالے کر دیا ہے اور بعض احکام کو اجماع کے سپرد کر دیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا ہے:

وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ۔ (النساء: ۱۱۵) اور جو شخص مومنین کے راستہ کے سوا کوئی راستہ ڈھونڈے۔

اس آیت میں اس شخص پر وعید ہے جو مومنین کے راستے کے سوا کوئی اور راستہ تلاش کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جمہور مومنین کے طریقہ حجت ہے اور یہ اجماع کا ثبوت ہے، اور نبی کریم ﷺ نے خلفاء راشدین کی اقتداء کا حکم دیا ہے۔

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز کے بعد ہم کو بہت موثر اور بلیغ نصیحت فرمائی جس سے ہماری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور ہمارے دل خوفزدہ ہو گئے۔ ایک شخص نے کہا یہ تو کسی الوداع ہونے والے کی نصیحت ہے، آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں، آپ نے فرمایا میں تم کو اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں، خواہ تمہارا حاکم حبشی غلام ہو تم اس کا حکم ماننا اور اس کی اطاعت کرنا کیونکہ جو میرے بعد زندہ رہے گا وہ بکثرت اختلاف دیکھے گا اور تم اپنے آپ کو دین میں نئی باتیں نکالنے سے بچانا کیونکہ یہ گمراہی ہے۔ تم میں سے جو شخص ایسی چیزوں کو دیکھے تو اس پر میری سنت اور میرے خلفاء راشدین مھدیین کی سنت لازم ہے اس کو ڈاڑھوں کے ساتھ پکڑ لو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۷۶، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۰۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳، مسند احمد ج ۴ ص ۱۲۶، سنن دارمی رقم الحدیث: ۹۶، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۰۵، المعجم الکبیر ج ۱۸ رقم الحدیث: ۶۱۷، المستدرک ج ۱ ص ۹۵)

اور آپ نے تمام اصحاب کی اقتداء کا بھی حکم دیا ہے کیونکہ آپ نے فرمایا "میرے تمام اصحاب ستاروں کی مانند ہیں، تم ان میں سے جس کی بھی اقتداء کرو گے، ہدایت پا لو گے"۔ اور آپ کے اصحاب نے اجتہاد کیا اور قیاس کیا اور ان میں سے کوئی بھی کتاب و سنت سے باہر نہیں ہوا، اور یہ حدیث دلائل نبوت سے ہے کیونکہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان پر گواہ ہیں کیونکہ آپ نے ان کے متعلق اسی چیز کی خبر دی ہے۔ جس کے وہ اہل تھے۔

(نظم الدرر ج ۴ ص ۳۰۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ بقاعی نے جو یہ حدیث ذکر کی ہے کہ میرے تمام اصحاب ستاروں کی مانند ہیں۔ الحدیث۔ یہ حدیث سند کے اعتبار سے بہت ضعیف ہے۔ اس کو القضاعی نے مسند الشہاب (رقم الحدیث: ۱۳۴۶) میں روایت کیا ہے لیکن دیگر احادیث معتبرہ سے صحابہ کا ستاروں کی مانند ہونا ثابت ہے اور چونکہ ستاروں سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے اس لیے ان کی اقتداء کرنا بھی معناً

ثابت ہے اور اس حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ عصر صحابہ کے بعد فتنوں اور حوادث کا ظہور ہو گا اور سنتیں مٹ جائیں گی اور بدعات کا ظہور ہو گا اور روئے زمین میں فسق و فجور کی کثرت ہو گی۔ واللہ المستعان۔

(تلخیص الحبیر لابن حجر ج ۴ ص ۱۵۶۸-۱۵۶۷، ملخصاً، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ

بے شک اللہ حکم دیتا ہے کہ عدل اور احسان (نیک کام) کرو اور رشتہ داروں کو دو

وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ

اور بے حیائی اور برائی اور سرکشی سے منع فرماتا ہے وہ تم کو نصیحت فرماتا ہے تاکہ تم

تَذَكَّرُونَ ﴿٩٠﴾ وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللَّهِ إِذَا عَاهَدتُّمْ وَلَا تَنقُضُوا

نصیحت قبول کرو ○ اور جب تم عہد کرو تو اللہ کے عہد کو پورا کرو اور قسموں کو پکا

الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللَّهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلًا ۚ

کرنے کے بعد نہ توڑو جب کہ تم اللہ کو اپنا ضامن قرار دے چکے ہو،

إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ ﴿٩١﴾ وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ

بے شک اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو ○ اور اس عورت کی طرح نہ ہو جاؤ جس نے اپنا

غَزْلَهَا مِن بَعْدِ قُوَّةٍ أَنكَاثًا تَتَّخِذُونَ أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا

سوت مضبوطی سے کاتنے کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کر دیا کہ تم اپنی قسموں کو آپس میں اس کا ذریعہ

بَيْنَكُمْ أَن تَكُونَ أُمَّةٌ هِيَ أَرْبَىٰ مِنْ أُمَّةٍ ۚ إِنَّمَا يَبْلُوكُمُ

بناتے لگو کہ ایک گروہ دوسرے گروہ سے زیادہ فائدہ مند رہے، اللہ اس سے محض تم کو آزمائش میں

اللَّهُ بِهِ ۚ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَا كُنتُمْ فِيهِ

ڈالتا ہے، اور جن چیزوں میں تم اختلاف کرتے ہو ان کی حقیقت قیامت کے دن تم کو ضرور بیان

تَخْتَلِفُونَ ﴿٩٢﴾ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً

فرما دے گا ○ اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک امت بنا دیتا،

وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ

لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کردیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دے دیتا ہے'

وَلَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ

اور تم جو کچھ کرتے رہے ہو اس کے متعلق تم سے ضرور سوال کیا جائے گا ○ اور اپنی قسموں کو آپس میں دھوکا

دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ

نہ بناؤ کہ قدم جمنے کے بعد پھسل جائیں اور تم عذاب چکھو گے

بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۹۴﴾

کیونکہ تم نے (لوگوں کو) اللہ کے راستہ سے روکا ہے اور تمہارے لیے بہت بڑا عذاب ہے ○

وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ

اور اللہ کے عہد کے بدلہ میں تھوڑی قیمت نہ لو، کیونکہ جو اللہ کے پاس (ایفاء عہد کا صلہ) ہے وہی

خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۵﴾ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا

تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو ○ جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہوجائے گا اور جو

عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ؕ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ

اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہے گا اور جن لوگوں نے صبر کیا ان کو ہم ان کے

بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ

کاموں کے اچھے اجر کی جزاء دیں گے ○ جس نے نیک کام کیے خواہ وہ

ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ

مرد ہو یا عورت بہ شرطیکہ وہ مومن ہو تو ہم اس کو پاکیزہ زندگی کے ساتھ ضرور زندہ رکھیں گے،

وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۷﴾ فَاِذَا

اور ہم ان کو ان کے نیک کاموں کی ضرور جزا دیں گے ○ پس اے رسول

قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿۹۸﴾ اِنَّهٗ

مکرم! جب آپ قرآن پڑھیں تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ طلب کریں ○ بے شک

لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۹۹﴾

جو لوگ ایمان لائے اور وہ اپنے رب پر ہی توکل کرتے ہیں ان پر اس کا کوئی تسلط نہیں ہے ○

اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ

اس کا تسلط تو صرف ان لوگوں پر ہے جو اس سے دوستی رکھتے ہیں اور اس کو اللہ کا

مُشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ ع

شریک قرار دیتے ہیں ○

۱۳ ع ۱۱ ۱۹

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک اللہ حکم دیتا ہے کہ عدل اور احسان (نیک کام) کرو اور رشتہ داروں کو دو اور بے حیائی اور برائی اور سرکشی سے منع فرماتا ہے وہ تم کو نصیحت فرماتا ہے تاکہ تم نصیحت قبول کرو۔ (النحل: ۹۰)

زیر تفسیر آیت کی فضیلت

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی فضیلت بیان فرمائی تھی جو صراط مستقیم پر ہو اور نیکی کا حکم دیتا ہو، اور گزشتہ آیت میں قرآن عظیم کی یہ فضیلت بیان فرمائی کہ اس میں تمام پیش آمدہ مسائل اور احکام شرعیہ کا روشن بیان ہے اور اس میں تمام اخلاق حسنہ اور آداب فاضلہ کی ہدایت ہے۔ لہٰذا اس آیت میں عدل، احسان اور (ضرورت مند) رشتہ داروں کو دینے کا حکم فرمایا اور بے حیائی، برائی اور سرکشی سے منع فرمایا۔

عامر بیان کرتے ہیں کہ شتیر بن شکل اور مسروق بن الاجدع بیٹھے ہوئے تھے، ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا خیر اور شر کے متعلق سب سے زیادہ جامع آیت سورۃ النحل میں ہے۔ ان اللہ یامر بالعدل والاحسان۔ الایہ انہوں نے کہا تم نے سچ کہا ہے۔

(حافظ سیوطی نے کہا اس حدیث کو سعید بن منصور نے، امام بخاری نے الادب المفرد میں، امام ابن جریر اور امام ابن ابی حاتم نے اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے۔ الدر المنثور ج ۴ ص ۲۴۱، المستدرک رقم الحدیث: ۳۳۴۰، یہ اثر صحیح ہے۔)

حضرت ابو بکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سرکشی اور رشتہ داروں سے تعلق کے سوا اور کوئی ایسا گناہ نہیں ہے جس کی اللہ تعالیٰ دنیا میں جلد سزا دے اور آخرت میں بھی اس کی سزا کا ذخیرہ کر رکھا ہو۔ (المستدرک ج ۴ ص ۱۰۱، رقم الحدیث: ۳۴۱۰، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۹۰۲، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۲۵)

عدل کا معنی

عدل کا معنی ہے مساوات۔ اس کی دو قسمیں ہیں، عدل عقلی اور عدل شرعی۔ عدل عقلی کی مثال یہ ہے کہ اس شخص کے ساتھ نیکی کی جائے جس نے تمہارے ساتھ نیکی کی ہو اور اس شخص سے اذیت اور تکلیف دور کی جائے جس نے تم سے

اذیت اور تکلیف دور کی ہو' اور عدل شرعی وہ ہے جس کا سمجھنا شریعت پر موقوف ہو جیسے قصاص اور دیت کے احکام' یا قتل خطا میں کفارہ اسی طرح مرد کی مکمل دیت (سو اونٹ) اور عورت کی نصف دیت (پچاس اونٹ ہونا) اسی طرح باقی اعضاء کی دیت کی مقداروں کا جاننا شرع پر موقوف ہے اس کو عقل سے نہیں جانا جا سکتا۔ عدل اور احسان میں یہ فرق ہے کہ برائی کا بدلہ برائی سے دینا عدل ہے اور برائی کے بدلہ میں نیکی کرنا یہ احسان ہے' اور کسی کی نیکی کے بدلہ میں اتنی ہی نیکی کرنا عدل ہے اور اس سے زائد نیکی کرنا احسان ہے اور کسی کے شر کے مقابلہ میں اتنا ہی شر کرنا عدل ہے اور اس سے کم شر کرنا احسان ہے۔

(المفردات ج ۲ ص ۴۲۳-۴۲۲' ملخصاً' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

حدیث میں "عدل" بمعنی فرض اور "صرف" بمعنی نفل آیا ہے:

فمن اخفر مسلما فعليه لعنة الله والملائكة والناس اجمعين لا يقبل الله منه صرفا ولا عدلا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱۷۹)

جس نے کسی مسلمان کے ساتھ عہد کر کے اس کو توڑا اس پر اللہ' فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔ اللہ اس کے نفل کو قبول کرے گا نہ فرض کو۔

(النہایہ لابن الاثیر ج ۳ ص ۱۷۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

عدل کی تعریف کی روشنی میں اسلام اور اہل سنت کا برحق ہونا

میر سید شریف علی بن محمد الجرجانی المتوفی ۸۱۶ھ عدل کی تعریف میں لکھتے ہیں:

افراط اور تفریط کے درمیان امر متوسط کو عدل کہتے ہیں۔ (التعریفات ص ۱۰۶' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۸ھ)

عقائد اور اعمال کے لحاظ سے دین اسلام اور مذہب اہل سنت امر متوسط ہے' کیونکہ دہریے کہتے ہیں کہ اس جہان کا کوئی پیدا کرنے والا نہیں ہے' یہ خود بخود وجود میں آگیا ہے یہ تفریط ہے' اور مشرکین کہتے ہیں کہ اس جہان کے متعدد پیدا کرنے والے ہیں یہ افراط ہے' اور اسلام یہ کہتا ہے کہ اس جہان کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ ایک ہی ہے اور یہی امر متوسط ہے۔ اسی طرح یہودی کہتے ہیں کہ جس نے قتل کیا اس سے لازماً قصاص لیا جائے گا یہ تفریط ہے' اور عیسائی کہتے ہیں کہ قاتل کو معاف کرنا لازم ہے یہ افراط ہے' اور اسلام کہتا ہے کہ مقتول کے ورثاء کو اختیار ہے وہ چاہیں تو قصاص لے لیں اور چاہیں تو معاف کر دیں اور یہی امر متوسط ہے۔ جبریہ کہتے ہیں کہ انسان اپنے افعال میں مجبور محض ہے یہ تفریط ہے اور معتزلہ کہتے ہیں کہ انسان اپنے افعال کا خود خالق ہے یہ افراط ہے' اور اہل سنت کہتے ہیں کہ انسان کاسب ہے اور اللہ تعالیٰ خالق ہے اور یہ امر متوسط ہے۔ ناصبی اہل بیت کی توہین کرتے ہیں یہ تفریط ہے اور رافضی اہل بیت کی محبت میں صحابہ کی توہین کرتے ہیں یہ افراط ہے اور اہل سنت اہل بیت سے محبت رکھتے ہیں اور صحابہ کی تعظیم کرتے ہیں اور یہی امر متوسط ہے۔ غیر مقلدین تقلید کا انکار کرتے ہیں اور ہر شخص کو اجتہاد کا اہل قرار دیتے ہیں یہ افراط ہے اور غالی مقلدین احادیث صحیحہ اور صریحہ دیکھنے کے باوجود اپنے امام کا قول ترک نہیں کرتے یہ تفریط ہے' اور معتدل مقلدین احادیث صحیحہ صریحہ کے مقابلے میں امام کے قول کو ترک کر دیتے ہیں۔ مثلاً امام اعظم نے عید کے متصل شوال کے چھ روزے رکھنے کو مکروہ کہا لیکن فقہاء احناف نے احادیث صحیحہ کی بناء پر شوال کے چھ روزے اتصال کے ساتھ رکھنے کو مستحب کہا۔ اسی طرح امام اعظم نے عقیقہ کو مکروہ یا مباح کہا لیکن ہمارے علماء نے اس کو مستحب قرار دیا۔ متقدمین فقہاء نے امامت اور خطابت اور تعلیم قرآن کی اجرت کو حرام کہا لیکن متاخرین علماء نے احادیث صحیحہ صریحہ اور آثار قویہ کی بناء پر اس کو جائز کہا اور یہی امر متوسط ہے۔ اسی طرح بعض متشدد لوگ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ' آپ کی شفاعت اور آپ کے توسل آپ کے علم کی وسعت اور

آپ کے علوم پر علم غیب کے اطلاق کا انکار کرتے ہیں۔ اسی طرح آپ پر نور کے اطلاق کا انکار کرتے ہیں' یہ تفریط ہے اور بعض غالی لوگ آپ کی بشریت کا انکار کرتے ہیں اور آپ کو خدا سے ملا دیتے ہیں اور بعض اوقات بڑھا دیتے ہیں' یہ افراط ہے اور معتدل مسلمان کہتے ہیں کہ آپ پر ایک آن کے لیے موت آئی اور اللہ تعالیٰ نے پھر آپ کو زندگی عطا کر دی۔ آپ روضہ انور میں قریب اور بعید کو دیکھتے اور سنتے ہیں لیکن ہر وقت ہر چیز کی طرف آپ کی توجہ نہیں ہوتی۔ آپ بشر ہیں اور نوع انسان سے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت لطیف بنایا ہے اور آپ سے بعض اوقات حسی نورانیت بھی ظاہر ہوتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سب سے زیادہ علوم غیبیہ عطا فرمائے لیکن آپ کا ایک ذرہ کا علم بھی اللہ کے علم کے مماثل نہیں ہے اور ایسا ماننا شرک ہے۔ آپ کا وسیلہ دعا کی قبولیت کے لیے اکسیر ہے اور دنیا اور آخرت میں آپ سے شفاعت طلب کرنا اور آپ سے مدد حاصل کرنا جائز ہے اور یہی امر متوسط ہے۔ اسی طرح اولیائے کرام کے بارے میں بھی متشدد کہتے ہیں کہ ان کا وسیلہ پیش کرنا یا ان سے مدد مانگنا شرک ہے اور قرآن مجید میں جو بتوں کے متعلق آیات نازل ہوئی ہیں' ان کو انبیاء اور اولیاء پر چسپاں کرتے ہیں یہ تفریط ہے' اور بعض غالی لوگ اولیائے کرام کی نذر مانتے ہیں اور ان کے مزارات پر سجدہ کرتے ہیں' عرس کے ایام میں مزارات پر میلہ لگتا ہے' اس میں کھیل تماشے' راگ رنگ اور خرافات ہوتی ہیں یہ افراط ہے' اور معتدل مسلمان کہتے ہیں کہ اولیائے کرام کو ایصال ثواب کرنا اور مالی اور بدنی عبادات کا ہدیہ کرنا جائز ہے لیکن کسی کام کے لیے ان کی نذر ماننا حرام ہے۔ ان کے وسیلہ سے دعا کرنا جائز ہے' ان سے مدد طلب کرنا بھی جائز ہے لیکن افضل اور اولیٰ یہ ہے کہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی جائے۔

یہ تو عقائد میں امر متوسط کا بیان تھا اور اعمال میں امر متوسط کی تفصیل یہ ہے کہ مال کو ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا اسراف اور تبذیر ہے اور یہ افراط ہے اور ضرورت کے موقع پر بھی مال کو خرچ نہ کرنا بخل ہے اور یہ تفریط ہے اور ضرورت کے مطابق مال کو خرچ کرنا جود اور سخا ہے اور یہی امر متوسط ہے۔ شب و روز نماز اور روزے میں اور ذکر اذکار اور تسبیح اور تہلیل میں مشغول رہنا اور ماں باپ اور اہل و عیال کی ضروریات اور ان کے حقوق کو فراموش کر دینا عبادات میں افراط ہے' اور کاروبار' دنیاداری' عیش و طرب اور راگ رنگ میں مستغرق اور منہمک ہونا اور اللہ کے احکام اور اس کی یاد سے غافل ہو جانا تفریط ہے' اور دین و دنیا دونوں کو ساتھ لے کر چلنا' تمام فرائض و واجبات اور سنتوں کو اپنے اپنے وقت پر ادا کرنا اور تمام محرمات اور مکروہات سے بچنا اور ماں باپ' اہل و عیال اور اقرباء کی بقدر استطاعت کفالت کرنا اور ان کے حقوق ادا کرنا اور تعمیر وطن اور ملک و ملت کی خدمت میں اپنا حصہ ادا کرنا یہی امر متوسط ہے۔ اسی طرح بیس کے مقابلے میں ایک آدمی کا نکل آنا تہور اور حماقت ہے اور یہ دلیری میں افراط ہے اور بیس آدمی کامل کر ایک کا بھی مقابلہ نہ کر سکیں' یہ بزدلی اور تفریط ہے اور اپنے سے دگنے دشمن کا مقابلہ کرنا شجاعت ہے اور یہ امر متوسط ہے۔ عورتوں سے بالکل تعلق نہ رکھنا اور بلا عذر برہمچاری ہو جانا تفریط ہے اور دن رات شہوت رانی کرنا اور اسیر ہوس رہنا اور اس میں جائز اور ناجائز کی تمیز نہ رکھنا' فسق و فجور اور افراط ہے اور حلال محل میں اپنی طاقت کے مطابق خواہش پوری کرنا اور حرام سے بچے رہنا عفت ہے۔ اسی طرح تمام اعمال میں جائز اور ناجائز اور حلال اور حرام کو ملحوظ رکھتے ہوئے اعتدال پر قائم رہنا ہی امر متوسط اور عدل ہے۔ اسی طرح نظام سرمایہ داری میں افراط ہے اور سوشلزم میں تفریط ہے اور اسلام کے معاشی نظام میں عدل ہے اور یہی آئیڈیل (مثالی) نظام حیات ہے۔

احسان کا معنی

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

ہر وہ چیز جو خوبصورت اور مرغوب ہو' اس کو حسن کہتے ہیں۔ اس کی تین قسمیں ہیں:

(۱) جو عقل کے اعتبار سے مستحسن ہو جیسے علمی نکات۔

(۲) جو نفسانی خواہش کے اعتبار سے مستحسن ہو جیسے خوبصورت عورتیں۔

(۳) جو حواس کے اعتبار سے مستحسن ہو جیسے خوبصورت مناظر' خوش ذائقہ اور دل آویز خوشبوئیں۔

ہر وہ نعمت جس کا اثر انسان اپنے نفس' بدن اور احوال میں محسوس کرتا ہے' الحسنہ ہے' اور اس کی ضد السیئہ ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

فَاِذَا جَآءَتۡهُمُ الۡحَسَنَةُ قَالُوۡا لَـنَا هٰذِهٖ‌ ۚ وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوۡا بِمُوۡسٰى وَمَنۡ مَّعَهٗ ؕ (الاعراف: ۱۳۱)

اور اگر ان کو کوئی خوشحالی (مہمات میں کامیابی' فصلوں کی زرخیزی) پہنچے تو کہتے ہیں کہ یہ ہماری وجہ سے ہے اور اگر ان کو کوئی بدحالی (مثلاً قحط' مہمات میں ناکامی' مصائب) پہنچے تو اس کو موسیٰ اور ان کے اصحاب کی نحوست قرار دیتے ہیں۔

حسن کا اطلاق عام لوگوں کے نزدیک اکثر ان چیزوں پر ہوتا ہے جن کا ادراک آنکھوں سے ہوتا ہے اور قرآن مجید میں حسن کا اطلاق اکثر ان چیزوں پر ہوتا ہے جن کا ادراک بصیرت (عقل) سے ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

اَلَّذِيۡنَ يَسۡتَمِعُوۡنَ الۡقَوۡلَ فَيَتَّبِعُوۡنَ اَحۡسَنَهٗ ‌ؕ اُولٰٓـئِكَ الَّذِيۡنَ هَدٰٮهُمُ اللّٰهُ (الزمر: ۱۸)

جو لوگ غور سے اللہ کا کلام سنتے ہیں پھر اس پر عمدہ طریقہ سے عمل کرتے ہیں' یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی ہے۔

یعنی وہ اس طریقہ سے اس حکم پر عمل کرتے ہیں کہ اس میں گناہ کا شائبہ بھی نہیں ہوتا۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا ایمان کیا ہے؟ فرمایا جب تم اپنی نیکی سے خوش ہو اور جب تم اپنی برائی سے رنجیدہ ہو تو پھر تم مومن ہو۔ اس نے پوچھا یا رسول اللہ! گناہ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تمہارے دل میں کسی چیز سے کھٹک ہو تو وہ گناہ ہے' اس کو چھوڑ دو۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۲۵۲' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۰۱۰۴)

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے یہ حدیث یاد رکھی ہے کہ جس چیز میں شک ہو اس کو ترک کر کے اس چیز کو اختیار کر لو جس میں شک نہ ہو۔ بے شک صدق میں طمانیت ہے اور کذب میں شک ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۱۸' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۴۹۸۴' مسند احمد ج ۱ ص ۲۰۰' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۵۳۵' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۳۴۸' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۶۷۶۲' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۲۲' المستدرک ج ۲ ص ۱۳' حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۲۶۴' شرح السنہ رقم الحدیث: ۲۰۳۲)

علامہ اصفہانی فرماتے ہیں کہ احسان کا اطلاق دو معنوں پر کیا جاتا ہے: کسی شخص پر انعام کرنا' کہا جاتا ہے فلاں شخص پر انعام کیا یعنی کسی شخص کو کوئی نعمت دی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

هَلۡ جَزَآءُ الۡاِحۡسَانِ اِلَّا الۡاِحۡسَانُ ۞ (الرحمٰن: ۶۰)

نعمت دینے کا بدلہ نعمت دینے کے سوا اور کیا ہے۔

اور احسان کا دوسرا معنی ہے نیک کام کرنا۔ قرآن مجید میں ہے:

اِنۡ اَحۡسَنۡتُمۡ اَحۡسَنۡتُمۡ لِاَنۡفُسِكُمۡ۔ (بنی اسرائیل: ۷) اگر تم نے کوئی نیک کام کیا ہے تو اپنے فائدہ کے لیے نیک کام کیا ہے۔

(المفردات ج ۱ ص ۱۵۶، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

عدل اور احسان میں فرق

احسان کا درجہ عدل سے بڑھ کر ہے کیونکہ عدل یہ ہے کہ وہ کسی کو اتنا دے جتنا دینا اس پر واجب ہے اور اس سے اتنا لے جتنا لینے کا اس کا حق ہے اور احسان یہ ہے کہ جتنا اس پر واجب ہے اس سے زیادہ دے اور جتنا اس کا حق ہے اس سے کم لے۔ اسی طرح عدل یہ ہے کہ کسی نے اس کو جتنی ایذاء پہنچائی تھی وہ اس کو اتنی ہی ایذاء پہنچائے اور احسان یہ ہے کہ وہ اس کی زیادتی کو معاف کردے اور اس کے ساتھ نیکی کرے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثۡلُهَا ۚ فَمَنۡ عَفَا وَاَصۡلَحَ فَاَجۡرُهٗ عَلَى اللّٰهِ۔ (الشوریٰ: ۴۰) برائی کا بدلہ اتنی ہی برائی ہے پھر جس نے معاف کردیا اور نیکی کی تو اس کا اجر اللہ (کے ذمہ کرم) پر ہے۔

اور حدیث میں ہے:

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میری رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات ہوئی، میں نے آپ سے ہاتھ ملانے میں پہل کی پھر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے سب سے افضل عمل بتایئے! آپ نے فرمایا: اے عقبہ! جو تم سے قطع تعلق کرے، اس سے تعلق جوڑو، جو تم کو محروم کرے اس کو عطا کرو، اور جو تم پر ظلم کرے اس سے اعراض کرو۔ (ایک روایت میں ہے کہ اس کو معاف کردو)

(مسند احمد ج ۴ ص ۱۴۸، مسند احمد رقم الحدیث ۱۷۲۶۷، مطبوعہ مصر، تہذیب تاریخ دمشق ج ۳ ص ۶۱)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو تم سے تعلق توڑے اس سے تعلق جوڑو اور جو تم سے برا سلوک کرے اس سے اچھا سلوک کرو اور حق بات کہو خواہ وہ تمہارے خلاف ہو۔ (ابن النجار ج ۳ ص ۶۹۲۹، الجامع الصغیر قم الحدیث: ۵۰۰۴، کنز العمال رقم الحدیث: ۶۹۲۹)

اسی طرح کسی کی نیکی کے بدلہ میں اتنی ہی نیکی کرنا عدل ہے اور اس سے زائد کرنا احسان ہے اور کسی کے شر کے بدلہ میں اتنا ہی شر کرنا عدل ہے اور اس سے کم شر کرنا احسان ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَاِنۡ عَاقَبۡتُمۡ فَعَاقِبُوۡا بِمِثۡلِ مَا عُوۡقِبۡتُمۡ بِهٖ ۚ وَلَئِنۡ صَبَرۡتُمۡ لَهُوَ خَيۡرٌ لِّلصّٰبِرِيۡنَ۔ (النحل: ۱۲۶) اگر تم ان کو سزا دو تو اتنی ہی تکلیف دو جتنی تمہیں تکلیف پہنچائی گئی ہے اگر صبر کرو تو وہ صبر کرنے والوں کے لیے بہت اچھا ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ عدل فرض ہے اور احسان نفل ہے۔ سفیان بن عیینہ نے کہا عدل یہ ہے کہ تمہارا ظاہر اور باطن برابر ہو، اور احسان یہ ہے کہ تمہارا ظاہر باطن سے افضل ہو۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کہا عدل انصاف ہے اور احسان انصاف سے زائد چیز ہے۔ ابن عطیہ نے کہا کہ عقائد، شرائع اور امانات کو ادا کرنا، ظلم کو ترک کرنا، انصاف کرنا اور حق ادا کرنا یہ تمام امور بقدر فرض ادا کرنا عدل ہے اور تمام کاموں کو درجہ استحباب اور استحسان تک پہنچانا احسان ہے۔

ابن العربی نے کہا عدل کی دو حیثیتیں ہیں ایک حیثیت بندہ اور اس کے رب کے درمیان ہے اور ایک حیثیت بندہ اور

لوگوں کے درمیان ہے جو حیثیت بندہ اور اس کے رب کے درمیان ہے وہ یہ ہے کہ وہ اللہ کے حق کو اپنے حق پر ترجیح دے، اور اس کی رضا کو اپنی خواہش پر مقدم رکھے، اور ہر حال میں قناعت کو لازم رکھے، اور عدل کی جو حیثیت بندہ اور لوگوں کے درمیان ہے وہ یہ ہے کہ وہ لوگوں کو نصیحت کرے، خیانت بالکل نہ کرے اور ہر طریقہ کے ساتھ لوگوں سے انصاف کرے اور کسی شخص کے ساتھ قول اور عمل میں برائی نہ کرے، ظاہر میں نہ باطن میں، اور اس پر جو مصائب نازل ہوں ان پر صبر کرے۔ اور احسان کی بھی دو حیثیتیں ہیں اللہ کے ساتھ احسان کی حیثیت کا ذکر اس حدیث میں ہے:

حضرت جبریل علیہ السلام نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا یا محمد! مجھے بتائیے کہ احسان کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک۔

تم اللہ کی اس طرح عبادت کرو گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو۔ پس اگر تم اس کو نہ دیکھ سکو تو وہ تو تمہیں دیکھ رہا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۰، ۴۷۷۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹،۱۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۶۴، مصنف ابن ابی شیبہ: ج ۱۱ ص ۵۰۶، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۵۹، یہ تمام روایات حضرت ابو ہریرہ سے ہیں۔ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸،۳، سنن الترمذی رقم الحدیث ۲۶۱۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۶۳، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۶۹۷، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۴۴، یہ تمام روایات حضرت عمر سے ہیں)

اس حدیث میں احسان سے مراد اخلاص ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ جس نے اخلاص نیت کے بغیر زبان سے کلمہ پڑھا وہ مرتبہ احسان پر پہنچا اور نہ اس کا ایمان صحیح ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس کی تمام شرائط کے ساتھ کی جائے اور اس عبادت کے تمام فرائض، واجبات سنن اور مستحبات کی رعایت کی جائے اور عبادت شروع کرتے وقت اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کے جلال کو ذہن میں حاضر کیا جائے۔ اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جو فرمایا ہے کہ تم اللہ کی اس طرح عبادت کرو گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو اور اگر تم اس کو نہ دیکھ سکو تو وہ تو تمہیں دیکھ رہا ہے۔ اس ارشاد سے آپ کی یہی مراد ہے۔ اہل دل نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ذہن میں حاضر کرنے کے دو معنی ہیں ایک یہ ہے کہ اس کے اوپر اللہ تعالیٰ کی ذات کا مشاہدہ اس قدر غالب ہو کہ گویا کہ وہ اس کو دیکھ رہا ہے اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ایک ارشاد میں اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا:

وجعلت قرۃ عینی فی الصلوٰۃ۔

اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں بنا دی گئی ہے۔

(مسند احمد رقم الحدیث: ۱۲۲۹۵، دار الفکر)

اور دوسرا معنی یہ ہے کہ بندہ اس مرتبہ تک نہیں پہنچا لیکن اس کو یقین واثق ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ اس پر مطلع ہے اور اس کو دیکھ رہا ہے اور اسی کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے:

اَلَّذِیْ یَرٰىكَ حِیْنَ تَقُوْمُ ○ وَ تَقَلُّبَكَ فِی السّٰجِدِیْنَ ○ (الشعراء: ۲۱۹۔ ۲۱۸)

جب آپ قیام میں ہوتے ہیں تو وہ آپ کو دیکھتا ہے اور سجدہ کرنے والوں میں وہ آپ کے پلٹنے کو دیکھتا ہے۔

ہم نے ذکر کیا تھا کہ احسان کی دو حیثیتیں ہیں۔ خالق کے ساتھ احسان اور اس کا معنی ہے خالق کی تعظیم اور مخلوق کے ساتھ احسان اور اس کا معنی ہے مخلوق پر شفقت۔ اس پر یہ حدیث دلالت کرتی ہے:

شداد بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے ساتھ احسان کرنا (حسن سلوک کرنا، نیکی کرنا) فرض کر دیا ہے پس جب تم قتل کرو تو اچھی طرح سے قتل کرو اور جب ذبح

کرو تو اچھی طرح سے ذبح کرو اور تم میں سے کسی ایک کو چاہیے کہ وہ چھری تیز کرے اور ذبیحہ کو راحت پہنچائے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۵۵، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۸۱۵، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۴۰۹، سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۴۰۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۷۰، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۴۴۹۴)

رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور رشتہ داروں کو دو، یعنی ان کی قرابت کے حقوق ادا کرنے کے لیے ان کو مال دو۔ نیز فرمایا:

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ۔ (بنی اسرائیل: ۲۶) قرابت دار کو اس کا حق ادا کرو۔

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! مجھے ایسا عمل بتایئے جو مجھے جنت میں داخل کردے۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رشتہ داروں کے ساتھ ملاپ رکھو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۸۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳، سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۶۸)

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا رشتہ داروں سے قطع تعلق کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۸۴، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۵۶، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۶۹۶، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۰۹، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۶۸۵۲، طبع عالم الکتب، مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۲۰۲۳۸، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۵۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص کو اس سے خوشی ہو کہ اس کے رزق میں کشادگی کی جائے اور اس کی عمر دراز کی جائے اس کو چاہیے کہ رشتہ داروں کے ساتھ ملاپ رکھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۸۵، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۶۹۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۵۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا حتیٰ کہ جب وہ ان کو پیدا کرنے سے فارغ ہو گیا تو صلہ (رشتہ اور قرابت) نے اس سے عرض کیا یہ اس کا مقام ہے جو رشتہ داری توڑنے سے تیری پناہ چاہے۔ فرمایا ہاں! کیا تو اس بات سے راضی نہیں ہے کہ جو تجھ سے تعلق جوڑے میں اس سے تعلق جوڑوں اور جو تجھ سے تعلق توڑے میں اس سے تعلق توڑوں۔ عرض کیا اے میرے رب کیوں نہیں! فرمایا تجھ کو یہ مقام عطا کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو۔

فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ○ (محمد: ۲۲) سو کیا تم اس کے قریب ہو کہ اگر تم حکمران ہو گئے تو زمین میں فساد پھیلاؤ گے اور رشتوں کو قطع کرو گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۸۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۵۴، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۴۹۷)

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں ایک عورت مانگنے کے لیے آئی اور اس کے ساتھ دو بیٹیاں تھیں میرے پاس ایک کھجور کے سوا اور کچھ نہ تھا، میں نے اس کو وہ کھجور دے دی۔ اس نے اس کھجور کے دو ٹکڑے کیے اور اپنی بیٹیوں کو دے دیئے پھر وہ جانے کے لیے کھڑی ہو گئی۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

تشریف لائے تو میں نے آپ سے یہ واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا جو شخص ان بیٹیوں کی کفالت میں مبتلا ہوا اور اس نے ان کی اچھی طرح پرورش کی وہ اس کے لیے دوزخ کی آگ سے حجاب بن جائیں گی۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۹۵، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۲۹، السنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۱۵)

الفحشاء، المنکر اور البغی سے ممانعت

اس کے بعد فرمایا اور بے حیائی اور برائی اور سرکشی سے منع فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تین چیزوں کو حکم دیا: عدل، احسان اور قرابت داروں کو دینا اور تین چیزوں سے منع فرمایا: بے حیائی، برائی اور سرکشی۔

امام رازی نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے انسان میں چار قوتیں رکھی ہیں۔ قوت غضبیہ، قوت شہوانیہ، قوت عقلیہ اور قوت وہمیہ۔ قوت غضبیہ سے درندوں کے آثار ظاہر ہوتے ہیں، قوت شہوانیہ سے بہائم اور جانوروں کے آثار ظاہر ہوتے ہیں اور قوت وہمیہ سے شیطانی اثرات ظاہر ہوتے ہیں اور قوت عقلیہ سے ملائکہ کے آثار ظاہر ہوتے ہیں۔ قوت عقلیہ کی اصلاح کی ضرورت نہ تھی اور باقی تین قوتوں کی اصلاح کی ضرورت ہے۔ قوت شہوانیہ کی اصلاح کی ضرورت ہے کیونکہ اگر قوت شہوانیہ کو بے لگام چھوڑ دیا جائے تو وہ لذات شہوانیہ کے حصول میں جائز اور ناجائز کا فرق نہیں کرے گا اور شہوت برآری کے لیے ہر جگہ منہ مارتا پھرے گا۔ اس لیے فرمایا وہ الفحشاء یعنی بے حیائی کے کاموں سے منع فرماتا ہے۔ ایک اور جگہ فرمایا:

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓی اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا۔ (بنی اسرائیل: ۳۲)

اور زنا کے قریب (بھی) نہ جاؤ کیونکہ وہ بے حیائی کا کام ہے اور بہت ہی برا راستہ ہے۔

اس آیت میں زنا کو فاحشہ یعنی بے حیائی کا کام فرمایا ہے۔ ایک اور آیت میں قوم لوط کی اغلام بازی کو فاحشہ فرمایا ہے:

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ○ (الاعراف: ۸۰)

اور لوط (کو بھیجا اس) نے جب اپنی قوم سے کہا کیا تم ایسی بے حیائی کا کام کرتے ہو جو تم سے پہلے جہان والوں میں سے کسی نے نہیں کیا۔

ان دونوں آیتوں میں زنا اور اغلام دونوں کاموں کو بے حیائی کے کام فرمایا اور اس آیت میں بے حیائی کے کاموں سے منع فرمایا۔ گویا زنا اور اغلام دونوں کاموں سے منع فرمایا ہے۔ ایک اور جگہ فرمایا:

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ۔ (الاعراف: ۳۳)

آپ کہئے میرے رب نے تو صرف بے حیائی کے کاموں کو حرام فرمایا ہے خواہ وہ کھلی بے حیائی ہو یا چھپی ہوئی اور گناہ کو اور ناحق سرکشی کو۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام قسم کے بے حیائی کے کاموں کو حرام فرمادیا خواہ وہ علانیہ کیے جائیں یا چھپ کر۔

اور قوت غضبیہ سے درندوں کے افعال صادر ہوتے ہیں۔ انسان غضب میں آکر کسی کو قتل کر دیتا ہے یا اس کا مال چھین لیتا ہے یا اس کو کسی اور طریقہ سے نقصان اور ضرر پہنچاتا ہے یا اس پر ظلم کرتا ہے۔

اور قوت وہمیہ شیطانیہ سے انسان ہمیشہ لوگوں پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے اور اپنی قیادت اور ریاست کے حصول کے لیے جدوجہد کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو بغاوت اور سرکشی سے منع فرمایا ہے اس کا یہی محمل ہے کہ

انسان اپنے لیے بڑائی حاصل کرنے کی خاطر جائز اور ناجائز طریقہ استعمال کرتا ہے اور کبھی کبھی یہ کوشش قتل اور غارت گری تک بھی پہنچا دیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے منکر اور بغاوت سے منع فرمایا ہے۔ ان الفاظ کا بہت وسیع مفہوم ہے اور یہ الفاظ تمام خراب اور برے کاموں کو شامل ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں؛

اعتداء (حد سے تجاوز کرنا) بخل، بہتان، غضب، فساد کرنا، چغلی کرنا، غیبت کرنا، حسد کرنا، اسراف کرنا، ملاوٹ کرنا، ذخیرہ اندوزی کرنا، بغض رکھنا، ناحق قتل کرنا، نشہ آور اشیاء کھانا پینا، اترانا، تکبر کرنا، جوا کھیلنا، میدان جنگ میں دشمن کے مقابلہ میں پیٹھ دکھانا، جھوٹ بولنا، مذاق اڑانا، ریاکاری کرنا، خیانت کرنا، ناحق مقدمہ کرنا، کسی کے خلاف سازش کرنا، کسی کو رسوا کرنا، کسی کا نام بگاڑنا، کسی کے متعلق بدگمانی کرنا، عہد شکنی کرنا، دھوکا دینا، انتقام لینا، خمر پینا، بغاوت کرنا، چوری کرنا، ڈاکا ڈالنا، کسی پاک دامن پر زنا کی تہمت لگانا، عورتوں کا اجنبی مردوں کو دیکھنا، مردوں کا اجنبی عورتوں کو دیکھنا، کسی کا مال غصب کرنا اور کسی پر ظلم کرنا۔ ان میں سے ہر ہر کام پر قرآن مجید میں صریح ممانعت ہے۔ ہم نے اختصار کی وجہ سے ان آیتوں کا ذکر نہیں کیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب تم عہد کرو تو اللہ کے عہد کو پورا کرو اور قسموں کو پکا کرنے کے بعد نہ توڑو جبکہ تم اللہ کو اپنا ضامن قرار دے چکے ہو، بے شک اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ (النحل: ۹۱)

اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہد کی اقسام

اس آیت میں اللہ کے عہد کا ذکر ہے۔ مفسرین نے اس عہد کی حسب ذیل اقسام بیان فرمائی ہیں:

(۱) اللہ کے عہد سے مراد بیعت رضوان ہے جب چودہ سو مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر قصاص عثمان لینے کے لیے بیعت کی تھی۔ جس کا ذکر اس آیت میں ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ۔ (الفتح: ۱۰)	بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ سے ہی بیعت کرتے ہیں ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے، پس جس نے بیعت توڑی اس کا وبال اسی پر ہوگا۔

یعنی جب تم بیعت کرنے کے بعد اللہ کی قسم کھا کر اس بیعت کو پکا کرو، یا عہد کر کے اللہ کی قسم کھا کر اس عہد کو پکا کرو تو پھر اس بیعت یا عہد کو نہ توڑو۔

(۲) اس سے مراد ہر وہ عہد ہے جو انسان اپنے اختیار سے کسی کے ساتھ کرتا ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا وعدہ بھی عہد کی قسم سے ہے۔ میمون بن مہران نے کہا تم جس شخص سے بھی عہد کرو اس عہد کو پورا کرو خواہ مسلمان سے عہد کرو یا کافر سے کیونکہ اس عہد پر تم نے اللہ کا نام لیا ہے اور اس کو ضامن بنایا ہے۔

(۳) اس عہد سے مراد اللہ کی قسم ہے اور جب کوئی شخص کسی کام کو کرنے کے لیے اللہ کی قسم کھائے تو اس پر اس قسم کو پورا کرنا واجب ہے، سوا اس صورت کے جب اس نے گناہ کا کام کرنے کی قسم کھائی تو اس پر واجب ہے کہ وہ اس قسم کے خلاف کرے یعنی گناہ نہ کرے اور اس قسم کا کفارہ دے۔ حدیث میں ہے:

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس چیز کا انسان مالک نہ ہو اس پر قسم نہ کھائے، اور نہ اللہ کی نافرمانی کرنے پر قسم کھائے اور نہ رشتہ داروں سے قطع تعلق کرنے پر قسم کھائے، اور جس شخص نے کسی کام کرنے کی قسم کھائی پھر اس نے غور کیا کہ اس کام کے خلاف کرنا

اچھا ہے تو وہ اس کام کو ترک کر دے اور جو کام اچھا ہو اس کو کرے اس کام کو ترک کرنا ہی اس کا کفارہ ہے۔ امام ابوداؤد فرماتے ہیں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے جو تمام احادیث مروی ہیں ان سب میں یہ ہے کہ وہ اس قسم کا کفارہ دے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۷۴، سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۸۰۱)

حضرت عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے عبدالرحمن بن سمرہ! جب تم کسی کام پر قسم کھاؤ پھر تم یہ سمجھو کہ اس کام کے خلاف کرنا بہتر ہے تو وہ کام کرو جو بہتر ہے اور اس قسم کا کفارہ دے دو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۷۷، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۷۲۱، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۵۲، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۵۲۹، سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۷۹۱)

(۴) عہد سے مراد ہر وہ کام ہے جس کے تقاضے سے اس کو پورا کرنا واجب ہو کیونکہ عقلی اور سمعی دلائل قسم کے پورا کرنے کے وجوب پر دلالت کرتے ہیں۔

ایک دوسرے سے تعاون کے معاہدہ کے متعلق متعارض احادیث

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اسلام میں حلف (ایک دوسرے سے تعاون کا معاہدہ) نہیں ہے جس شخص نے زمانہ جاہلیت میں حلف (تعاون کا معاہدہ) کیا تھا، اسلام نے اس کو اور پختہ کر دیا ہے۔ حَلَف (ح اور لام کی زبر) کا معنی ہے، قسم کھانا اور حِلْف (ح کی زیر اور لام پر جزم) کا معنی ہے ایک دوسرے سے تعاون کا معاہدہ کرنا۔ (مختار الصحاح ص ۹۹، المنجد ص ۱۴۹) (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۳۰، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۹۲۵)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہمارے گھر میں مہاجرین اور انصار کے درمیان حلف کرایا (یہ معاہدہ کرایا کہ یہ آپس میں بھائی ہیں) حضرت انس سے کہا گیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ اسلام میں حلف نہیں ہے۔ اس پر انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہمارے گھر میں دو یا تین بار حلف برداری کرائی۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۹۲۶، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۸۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۳۱، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۲۰۹۰، طبع جدید دار الفکر)

ان احادیث میں تطبیق

علامہ ابن اثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

حِلْف کا معنی ہے ایک دوسرے کا بازو بننا، ایک دوسرے کی مدد کرنا اور ایک دوسرے کے ساتھ اتفاق سے رہنے کا معاہدہ کرنا، زمانہ جاہلیت میں دو قبیلے یا دو دوست یہ معاہدہ کرتے تھے کہ وہ جنگ میں، لوٹ مار میں اور قتل اور غارت گری میں ایک دوسرے کا ساتھ دیں گے خواہ حق ہو یا باطل، اسلام میں اس سے منع کر دیا اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اسلام میں حلف نہیں ہے اور جن لوگوں نے زمانہ جاہلیت میں یہ معاہدہ کیا تھا کہ وہ مل کر مظلوموں کی مدد کریں گے، رشتہ داروں سے ملاپ رکھیں گے اس کے متعلق نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا زمانہ جاہلیت میں جو حلف بھی اٹھایا گیا (جو معاہدہ بھی کیا گیا) اسلام نے اس کو اور پختہ کر دیا ہے سو جس حلف کو اسلام نے جائز قرار دیا اور باقی رکھا ہے، یہ وہ حلف ہے جس میں نیک کاموں اور حق کے راستے میں مدد کرنے پر معاہدہ ہو اور یہی وہ حلف ہے جس کا اسلام تقاضا کرتا ہے اور جو حلف

اسلام میں ممنوع ہے' یہ وہ حلف ہے جو اسلام کے احکام کے خلاف ہو' لہٰذا حلف کی ممانعت اور حلف کے جواز کی حدیثوں کے محمل الگ الگ ہو گئے اور ان حدیثوں میں تعارض نہ رہا اور یہ حدیثیں مجتمع ہو گئیں۔

(النہایہ ج ۱ص ۴۰۸۔ ۴۰۷' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

زمانہ جاہلیت میں جو حلف اٹھا کر معاہدہ کیا جاتا تھا' اس میں یہ حلف بھی ہوتا تھا کہ وہ ایک دوسرے کے وارث ہوں گے اس حلف کو اسلام نے منسوخ کر دیا۔ قرآن مجید میں ہے:

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ۔ (الانفال: ۷۵)

اور بعض رشتہ دار دوسرے بعض رشتہ داروں سے (بہ اعتبار وراثت کے) اللہ کی کتاب میں زیادہ مستحق ہیں۔

علامہ نووی فرماتے ہیں جو معاہدہ وراثت سے متعلق ہو تو اس کی مخالفت کرنا جمہور علماء کے نزدیک مستحب ہے اور رہا اسلام میں مواخاۃ (بھائی بننا) اور اللہ کی اطاعت کرنا اور دین میں ایک دوسرے کی نصرت کرنا اور نیکی کرنے' تقویٰ اور حق کو قائم کرنے پر ایک دوسرے کے ساتھ حلف برداری کرنا (معاہدہ کرنا) تو یہ ہنوز باقی ہے اور منسوخ نہیں ہوا' اور ان احادیث کا یہی معنی ہے جن میں آپ کا ارشاد ہے: زمانہ جاہلیت میں جو بھی حلف تھا' اس کو اسلام نے اور مضبوط کر دیا ہے۔ اور آپ نے جو فرمایا ہے اسلام میں حلف نہیں ہے اس سے مراد ہے' ایک دوسرے کا وارث بننے اور خلاف شرع کاموں میں معاونت کرنے کا اسلام میں کوئی حلف نہیں ہے۔ (صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۱۰ص ۶۵۰۵' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

"مواخاۃ" کا معنی

علامہ نووی نے اپنی شرح میں مواخاۃ کا بھی ذکر کیا ہے۔ یہ لفظ اخوت سے بنا ہے' اس کا معنی یہ ہے کہ دو آدمی ایک دوسرے کی مدد کرنے' ایک دوسرے کی غم خواری کرنے اور ایک دوسرے کا وارث بننے کا معاہدہ کریں حتیٰ کہ وہ دونوں نسبی بھائیوں کی طرح ہو جائیں۔ اس معاہدہ کو مواخاۃ کہتے ہیں اور کبھی اس کو حلف بھی کہتے ہیں جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے گھر میں قریش کے درمیان حلف برداری کرائی۔ یہ چیز زمانہ جاہلیت میں معروف تھی اور اس پر عمل بھی کیا جاتا تھا اور وہ اس کو حلف ہی کہتے تھے' جب اسلام آیا تو پھر بھی اس پر عمل کیا گیا اور ایک دوسرے کا وارث بھی بنایا گیا' جیسا کہ کتب سیرت میں ہے کہ ہجرت سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا۔ علامہ ابن عبد البر نے کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ آئے تو مسجد نبوی بنانے کے بعد آپ نے مہاجرین اور انصار کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا کہ وہ نیکی کے راستے میں ایک دوسرے کا تعاون کریں گے اور اقامت حق میں ایک دوسرے کا ساتھ دیں گے' صحابہ اس مواخاۃ کی وجہ سے بغیر نسب اور رحم کی قرابت کے ایک دوسرے کے وارث بھی ہوتے تھے حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہو گئی:

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ۔ (الانفال: ۷۵)

اور بعض رشتہ دار دوسرے بعض رشتہ داروں سے (بہ اعتبار وراثت کے) اللہ کی کتاب میں زیادہ مستحق ہیں۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا بھائی بنایا اور فرمایا تم میرے بھائی اور میرے صاحب ہو' اور ایک روایت میں ہے کہ تم دنیا اور آخرت میں میرے بھائی ہو۔ اور حضرت علی کہتے تھے کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا بھائی ہوں اور مجھ سے پہلے کسی نے یہ نہیں کہا اور جو

میرے بعد کہے گا وہ کذاب مفتری ہوگا۔ اور آپ نے حضرت ابوبکر اور حضرت خارجہ بن زید کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا اور حضرت عمر اور حضرت عتبان بن مالک کو اور حضرت عثمان اور حضرت اوس بن مالک کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا۔

حلف الفضول (مظلوم کا بدلہ لینے کا باہمی معاہدہ)

ہم نے جو مواخات کا ذکر کیا ہے یہ زمانہ جاہلیت کے حلف الفضول کی مثل ہے۔ اس میں بھی نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کا حلف اٹھایا گیا تھا۔ امام ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ قریش کے قبائل عبداللہ بن جدعان کے شرف اور نسب کی فضیلت کی وجہ سے اس کے گھر جمع ہوئے۔ انہوں نے ایک دوسرے کے ساتھ حلف اٹھا کر یہ معاہدہ کیا کہ مکہ میں ان کو جو مظلوم بھی دکھائی دے گا، خواہ وہ مکہ کا رہنے والا ہو یا نہ ہو، وہ اس کی مدد کریں گے اور اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک کہ اس کا حق اس کو نہیں دلا دیتے۔ قریش نے اس حلف کا نام حلف الفضول رکھا اس کا معنی تھا حلف الفضائل اور فضول فضل کی جمع کثرت ہے جیسے فلس کی جمع فلوس ہے۔ امام ابن اسحاق نے ابن شہاب سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس وقت عبداللہ بن جدعان کے گھر میں حلف ہو رہا تھا، میں بھی اس موقع پر تھا اور اگر اس تقریب میں شرکت کے بدلہ مجھے سرخ اونٹ بھی دیئے جاتے تو مجھے پسند نہ تھا اور اگر زمانہ اسلام میں بھی مجھے اس تقریب میں شرکت کی دعوت دی جاتی تو میں قبول کر لیتا۔ امام ابن اسحاق نے کہا کہ ولید بن عتبہ نے حضرت حسین بن علی کے خلاف اپنے مال کا مقدمہ ولید کے پاس پیش کیا، وہ اس وقت مدینہ کا گورنر تھا۔ حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ تم اللہ کی قسم کھاؤ کہ تم میرے حق کے ساتھ انصاف کرو گے ورنہ میں اپنی تلوار پکڑ لوں گا۔ پھر میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مسجد میں لوگوں کو حلف الفضول کے لیے بلاؤں گا۔ حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما نے فرمایا اللہ کی قسم! اگر انہوں نے مجھے حلف الفضول کی دعوت دی تو میں اپنی تلوار اٹھا لوں گا پھر میں ان کا ساتھ دوں گا حتیٰ کہ یا تو انہیں ان کا حق مل جائے یا ہم ان کے حق کی خاطر لڑتے لڑتے مر جائیں گے۔ یہ بات حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچی تو انہوں نے بھی اسی طرح کہا پھر یہ بات عبدالرحمٰن بن عثمان بن عبیداللہ التیمی تک پہنچی تو انہوں نے بھی اسی طرح کہا اور جب یہ خبر ولید کو پہنچی جو امیر مدینہ تھا تو اس نے کہا میں انصاف کروں گا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۰ ص ۱۵۴)

علماء نے کہا یہ وہ حلف (معاہدہ) ہے جو زمانہ جاہلیت میں کیا جاتا تھا اور اسلام نے اس کو اور مضبوط کر دیا اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جو فرمایا ہے اسلام میں حلف (تعاون کا معاہدہ) نہیں ہے آپ نے اپنے ارشاد کے عموم سے اس معاہدہ کو مستثنیٰ کر دیا جس میں جائز اور ناجائز حمایت کا عہد کیا جاتا تھا۔ اور اس کی حکمت یہ ہے کہ شریعت کا بھی یہ حکم ہے کہ ظالم سے بدلہ لیا جائے اور اس سے مظلوم کا حق لے کر مظلوم تک پہنچایا جائے اور اس کام کو مکلفین پر بقدر استطاعت واجب کر دیا ہے اور مظلوموں سے حق وصول کرنے کی ان کو اجازت دی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ۝ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

(الشوریٰ: ۴۲-۴۱)

جو شخص اپنے مظلوم ہونے کے بعد بدلہ لے تو اس پر گرفت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ گرفت کی گنجائش تو صرف ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق سرکشی کرتے ہیں، ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

اور اس کی تائید ان حدیثوں میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم ہو۔ صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! ہم مظلوم کی تو مدد کریں گے، ظالم کی کیسے مدد کریں؟ آپ نے فرمایا: اس کا ہاتھ پکڑلو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۴۴۴، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۳۱۱۰، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۵۵، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۱۶۷)

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب لوگ ظالم کو دیکھ کر اس کے ہاتھوں کو نہ پکڑیں تو عنقریب اللہ تعالیٰ ان سب پر عام عذاب نازل کردے گا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۶۷، مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۳، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۵ ص ۱۷۵۔ ۱۷۴، مسند احمد ج ۱ ص ۵، ۷، ۹)

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۳۳۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۰۵، مسند البزار رقم الحدیث: ۶۶، ۶۵ مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۱۲۸، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۰۴، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۲۵۳۲، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۹)

عہد شکنی کی مذمت

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور قسموں کو پکا کرنے کے بعد نہ توڑو جبکہ تم اللہ کو اپنا ضامن قرار دے چکے ہو۔

قسموں کو پکا کرنے سے مراد یہ ہے کہ انسان کسی چیز پر یا کسی کام کے کرنے پر دو یا تین بار اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم کھائے اور اس کو مؤکد کرنے کے لیے کہے اللہ کی قسم! میں اس کے خلاف نہیں کروں گا۔ تاہم اس مؤکد قسم کے کفارہ اور غیر مؤکد قسم کے کفارہ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ قسم بھی عہد ہے اور ہر قسم عہد ہوتی ہے لیکن جس عہد کے ساتھ قسم نہ کھائی جائے اس کے توڑنے پر کفارہ نہیں ہوتا لیکن عہد شکنی کی شرع میں سخت مذمت کی گئی ہے اور اس پر سخت وعید ہے۔

نافع بیان کرتے ہیں کہ جب اہل مدینہ نے یزید بن معاویہ کی بیعت توڑ دی تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے نوکروں اور بال بچوں کو جمع کیا اور فرمایا میں نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہر عہد شکن کے لیے قیامت کے دن جھنڈا نصب کیا جائے گا، اور ہم نے اس شخص سے بیعت کی ہے جو اللہ اور اس کے رسول کی بیعت ہے اور میرے علم میں اس سے بڑی عہد شکنی نہیں ہے کہ ایک شخص کسی کے ہاتھ پر اللہ اور اس کے رسول کی بیعت کرے اور پھر اس سے جنگ کرنا شروع کردے اور مجھے تم میں سے جس شخص کے متعلق یہ معلوم ہوا کہ وہ اس شخص سے بیعت توڑ رہا ہے اور اس بیعت کو قائم نہیں رکھ رہا، میرے اور اس کے درمیان تعلق منقطع ہو جائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۱۱۱، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۳۸، السنن الکبریٰ رقم الحدیث: ۸۷۳۷، مسند احمد رقم الحدیث: ۵۴۵۷، عالم الکتب بیروت)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن عہد شکن کے لیے جھنڈا بلند کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ فلاں بن فلاں کی عہد شکنی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۷۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۳۵)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس عورت کی طرح نہ ہو جاؤ جس نے اپنا سوت مضبوطی سے کاتنے کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کردیا کہ تم اپنی قسموں کو آپس میں اس کا ذریعہ بنانے لگو کہ ایک گروہ دوسرے گروہ سے زیادہ فائدہ مند رہے، اللہ اس سے محض تم کو آزمائش میں ڈالتا ہے، اور جن چیزوں میں تم اختلاف کرتے ہو ان کی حقیقت قیامت کے دن تم کو بیان فرما دے گا۞ (النحل: ۹۲)

مشکل الفاظ کے معانی

نکث الغزل کا معنی ہے، دھاگا توڑنا۔ اس لفظ کو عہد توڑنے کے لیے استعارہ کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ۔ (التوبہ: ۱۲) اور اگر یہ لوگ اپنی قسمیں توڑ دیں۔

(المفردات ج ۲ ص ۶۵۳، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

دخل کالفظ فساد سے کنایہ ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے:

تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ۔ تم آپس میں فساد کرنے کے لیے قسمیں کھاتے ہو۔

(النحل: ۹۲) (المفردات ج ۱ ص ۲۲۲، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

سوت کات کر توڑ دینے کی مثال سے کیا مقصود ہے؟

جو شخص قسم کھا کر کوئی معاہدہ کرے اور اس کو تاکیدات سے مؤکد کرے پھر اس معاہدہ کو توڑ دے اس کو اس عورت کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو سوت کاتنے کے بعد اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔

روایت ہے کہ مکہ مکرمہ میں ایک بے وقوف عورت تھی، جس کا نام ریطہ بنت عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ تھا۔ وہ اسی طرح کیا کرتی تھی پھر یہ واقعہ ضرب المثل بن گیا جو شخص بھی کوئی کام محنت سے بنا کر اس کو بگاڑ دے اس کے متعلق یہی کہا جاتا ہے۔

مفسرین نے کہا ہے کہ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ عرب کا کوئی قبیلہ کسی قبیلہ کے ساتھ دوستی اور تعاون کا معاہدہ کرتا اور جب کسی دوسرے قبیلے سے اس کا تعلق ہوتا جس کو پہلے قبیلے پر عددی اور مالی برتری حاصل ہوتی تو وہ اس پہلے قبیلہ سے کیا ہوا عہد توڑ دیتا اور اس دوسرے قبیلہ سے عہد و پیمان کر لیتا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور اس کا منشا یہ ہے کہ تم اس وجہ سے اپنے کیے ہوئے پختہ معاہدوں کو نہ توڑو کہ فلاں قبیلہ کے افراد کی تعداد زیادہ ہے یا ان کے پاس مال و دولت زیادہ ہے یا ان کے پاس مادی قوت زیادہ ہے، اور اس سے مقصود یہ ہے کہ تم اسلام میں داخل ہونے کے بعد کفار کی طرف اس وجہ سے نہ لوٹ جاؤ کہ ان کی تعداد زیادہ ہے یا ان کے پاس مال و دولت اور مادی طاقت زیادہ ہے۔ اللہ تم کو ان کی عددی اور مالی برتری دکھا کر آزماتا ہے کہ کون ان کی کثرت اور طاقت سے مرعوب ہوتا ہے اور کون مرعوب نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک امت بنا دیتا لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دے دیتا ہے اور تم جو کچھ کرتے رہے ہو اس کے متعلق تم سے ضرور سوال کیا جائے گا○ (النحل: ۹۳)

بعض بندوں کو اللہ تعالیٰ کے گمراہ کرنے اور پھر ان سے سوال کرنے کی توجیہ

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس کا مکلف کیا کہ وہ عہد کو پورا کریں اور ان پر عہد توڑنے کو حرام کر دیا، اس کے بعد بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ ان سب کو عہد پورا کرنے پر کاربند کر دے۔ اسی طرح وہ اس پر قادر ہے کہ دنیا کے تمام انسانوں کو ایمان لانے پر اور تمام احکام شرعیہ کے مطابق عمل پر ان کو کاربند کر دے وہ اگر کسی کو جبراً مومن بنانا چاہے یا کسی کو جبراً کافر بنانا چاہے تو یہ اس کے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہے لیکن یہ اس کی حکمت کے خلاف ہے کیونکہ باقی تمام کائنات، عرش، کرسی، زمین و آسمان، فرشتے، جمادات، نباتات اور حیوانات سب اس کے احکام کے تابع ہیں اور ہر چیز جبراً اس کی اطاعت کر رہی ہے۔ اس کی حکمت یہ تھی کہ وہ ایک ایسی مخلوق بنائے جو اپنے اختیار سے اس پر ایمان لائے اور اس کے احکام کی اطاعت کرے یا اپنے اختیار سے اس کا کفر کرے اور اس کے احکام کی نافرمانی کرے۔ اول الذکر آخرت میں

اس کی رضا اور اس کے ثواب کی مستحق ہو اور ثانی الذکر اس کے غضب اور اس کے عذاب کی مستحق ہو۔ پھر جس کے متعلق اس کو ازل میں یہ علم تھا کہ وہ اپنے اختیار سے ایمان لائے گا اس نے اس کے لیے ایمان مقدر کر دیا اور دنیا میں اس کے لیے ہدایت پیدا کر دی اور جس کے متعلق اس کو ازل میں یہ علم تھا کہ یہ کفر کرے گا اس کے لیے اس نے کفر مقدر کر دیا اور دنیا میں اس کے لیے گمراہی پیدا کر دی، اور یہی اس کا معنی ہے وہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ ہماری اس تقریر سے اب یہ اعتراض نہیں ہو گا کہ جب اللہ ہی گمراہ کرتا ہے تو بندہ کا کیا قصور ہے؟

اس کے بعد فرمایا تم جو کچھ کر رہے ہو اس کے متعلق تم سے ضرور سوال کیا جائے گا۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے یہ سوال نہیں ہو گا کہ اس نے بندوں کو گمراہ کیوں کیا کیونکہ اس نے اسی کو گمراہ کیا جس نے اپنے اختیار سے گمراہی کو پسند کر لیا، لیکن ان بندوں سے ضرور سوال کیا جائے گا کہ انہوں نے گمراہی کو کیوں اختیار کیا جبکہ ان کے لیے ہدایت اور گمراہی کے دونوں راستے واضح کر دیئے گئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں اور اپنی کتابوں کے ذریعہ ان کو ہدایت کی دعوت دی تھی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اپنی قسموں کو آپس میں دھوکہ نہ بناؤ کہ قدم جمنے کے بعد پھسل جائیں اور تم عذاب چکھو گے کیونکہ تم نے (لوگوں کو) اللہ کے راستے سے روکا ہے اور تمہارے لیے بہت بڑا عذاب ہے○ اور اللہ کے عہد کے بدلہ میں تھوڑی قیمت نہ لو کیونکہ جو اللہ کے پاس (ایفاء عہد کا صلہ) ہے وہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو○ (النحل: ۹۵-۹۴)

قسم توڑنے کی ممانعت کو دوبارہ ذکر کرنے کی توجیہ

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے معاہدوں اور قسموں کے توڑنے سے مطلقاً منع فرمایا تھا اور اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ تم اپنی قسموں کو آپس میں دھوکا نہ بناؤ اور اس آیت سے مطلقاً قسم توڑنے سے ممانعت مراد نہیں ہے ورنہ ان آیتوں میں ایسی تکرار لازم آئے گی جو فائدہ سے خالی ہو، بلکہ اس سے مراد قرآن مجید کے مخاطبین کو مخصوص قسموں کے توڑنے سے منع فرمانا ہے، اسی لیے مفسرین نے یہ کہا ہے کہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی ان کو قسم توڑنے یعنی اس بیعت کے توڑنے سے منع فرمایا ہے، اسی لیے اس کے بعد یہ وعید ذکر فرمائی ہے کہ قدم جمنے کے بعد پھسل جائیں، یہ وعید کسی سابق عہد کے توڑنے پر نہیں ہے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے اور آپ کی شریعت کو ماننے کے عہد کو توڑنے کے مناسب ہے کیونکہ جس شخص نے اسلام کا عہد توڑ دیا، وہ بلند درجات سے نیچے جا گرا اور اس طرح گمراہی میں مبتلا ہو گیا اور اس پر دلیل یہ ہے کہ اس کے بعد فرمایا اور تم عذاب کو چکھو گے کیونکہ تم نے (لوگوں کو) اللہ کے راستے سے روکا ہے اور تمہارے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔ اس کی توضیح یہ ہے کہ جس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کر کے اس کو توڑ دیا اور آپ کی شریعت کا انکار کر دیا، اس کا یہ فعل لوگوں کو اسلام قبول کرنے سے مانع ہوا کیونکہ لوگ یہ سوچ سکتے ہیں اگر اسلام برحق دین ہوتا تو یہ لوگ اسلام قبول کر کے اور اس پر پکی بیعت کر کے اس بیعت کو نہ توڑتے، تو یوں ان لوگوں کا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر اسلام اور آپ کی شریعت کو ماننے کی بیعت کر کے اور اس پر مؤکد قسمیں کھا کر توڑ دینا لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکنے کا سبب بنا اور ان کے آخرت میں بہت بڑے عذاب کا موجب ہوا کیونکہ مطلقاً قسم توڑنا اس قدر شدید عذاب کا موجب نہیں ہے بلکہ اس کی تلافی قسم کا کفارہ ادا کر دینے سے ہو جاتی ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس ممانعت کو یہ کہہ کر مزید مؤکد فرمایا: اور اللہ کے عہد کے بدلہ میں تھوڑی قیمت نہ لو، یعنی تم کفار سے رشوت لے کر اسلام کی بیعت کر کے اس کو توڑ دیتے ہو۔ پس تم دنیا کے قلیل مال کے عوض عہد شکنی نہ کرو اور اسلام کی

بیعت کر کے اس کو نہ توڑو کیونکہ مال دنیا خواہ کتنا زیادہ ہو وہ آخرت کے اجر و ثواب کے مقابلہ میں تھوڑا ہے کیونکہ دنیا کا مال فانی ہے اور اخروی اجر و ثواب باقی ہے اور باقی رہنے والی چیز فانی سے بہر حال افضل ہے۔ اس کے بعد فرمایا:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہے گا، اور جن لوگوں نے صبر کیا ان کو ہم ان کے کاموں کے اچھے اجر کی جزا دیں گے○ (النحل: ۹۶)

اخروی نعمتوں کا دنیاوی نعمتوں سے افضل ہونا

آخرت کی نعمتیں دنیا کی نعمتوں سے دو وجوہات کی بناء پر افضل ہیں۔ ایک وجہ یہ ہے کہ جس شخص کے پاس اعلیٰ درجہ کی دنیا کی نعمتیں ہوں تو جس وقت وہ نعمتیں اس کے پاس ہوں گی اس وقت بھی وہ بہت فکر اور پریشانی میں ہوگا کہ کہیں وہ نعمتیں اس کے پاس سے چھن نہ جائیں، چوری نہ ہو جائیں، گم نہ ہو جائیں یا ضائع نہ ہو جائیں، اور جب وہ نعمتیں اس کے پاس سے چھن جائیں گی تو اس کا دن رات غم و غصہ حسرت اور افسوس میں گزرے گا، کاش وہ ان کی حفاظت کرتا، کاش وہ اس کے پاس سے نہ جاتیں۔ پس واضح ہو گیا کہ آخرت کی نعمتیں ہی بہتر ہیں جن کو فنا نہیں ہے جو دائمی اور غیر منقطع ہیں، اور اگر دنیا کی وہ نعمتیں اعلیٰ درجہ کی نہیں ہیں، بہت معمولی قسم کی ہیں تو پھر ظاہر ہے کہ جنت کی نعمتیں ان سے بہت اعلیٰ اور بہت افضل ہیں۔

مومن کے ہر عمل کا باعث اجر و ثواب ہونا

مومن جب اللہ پر ایمان لے آتا ہے تو وہ اسلام کے تمام احکام شرعیہ کو ماننے اور ان پر عمل کرنے کا التزام کر لیتا ہے، اس وقت اس پر دو امر لازم ہوتے ہیں ایک یہ ہے کہ اس نے جن احکام شرعیہ کو ماننے اور ان پر عمل کرنے کا التزام کیا ہے اس التزام پر ثابت قدم رہے، کسی حال میں اس سے نہ پھرے اور جو وہ عہد کر چکا ہے اس کو کبھی نہ توڑے۔ دوسرا یہ ہے کہ اس نے جن چیزوں کا التزام کیا ہے ان پر عمل کرے۔ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے مومن کو اس کی ترغیب دی کہ وہ جو التزام کر چکا ہے، اس پر صبر کرے۔ اس لیے فرمایا اور جن لوگوں نے صبر کیا ان کو ہم ان کے اچھے کاموں کی جزا دیں گے۔ یعنی انہوں نے جن احکام شرعیہ پر عمل کرنے کا التزام کیا ہے جب وہ ان پر اچھی طرح عمل کریں گے تو ہم ان کے نیک اعمال کی اچھی جزا دیں گے، کیونکہ مومن مباح، مستحب، واجب اور فرض عمل کرتا ہے اور مکروہ اور حرام سے بچتا ہے اور حسن نیت سے مباح بھی مستحب ہو جاتا ہے۔ مثلاً کھانا پینا اور سونا مباح ہے لیکن وہ اس لیے کھائے پیئے کہ اس سے عبادت پر تقویت حاصل ہو تو کھانا پینا بھی مستحب ہے اور اس طرح کھائے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کھاتے تھے اور ان چیزوں کو کھائے جن کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کھاتے تھے تو اس کا کھانا پینا سنت ہے اور اس کے عبادت ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے۔ اسی طرح سونا، جاگنا، اٹھنا، بیٹھنا، باتیں کرنا، چلنا، پھرنا، دوستوں سے ملاقات کرنا، مہمان نوازی کرنا، ان سب کاموں کو سنت کے مطابق کیا جائے تو ان کے عبادت ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اس کے ان تمام کاموں پر اللہ تعالیٰ اچھے اجر کی جزا دے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جس نے نیک کام کیے خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو تو ہم اس کو پاکیزہ زندگی کے ساتھ ضرور زندہ رکھیں گے اور ہم ان کو ان کے نیک کاموں کی ضرور جزا دیں گے○ (النحل: ۹۷)

اعمال کا ایمان سے خارج ہونا

ائمہ ثلاثہ اور محدثین کا مذہب یہ ہے کہ اعمال ایمان میں داخل ہیں اور محققین متکلمین اور فقہاء احناف کا مذہب یہ

ہے کہ اعمال ایمان سے خارج ہیں اور یہ آیت فقہاء احناف کے مذہب پر قوی دلیل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں نیک اعمال کے لیے ایمان کو شرط قرار دیا ہے۔ لہٰذا اعمال مشروط اور ایمان شرط ہے اور مشروط، شرط سے خارج ہوتا ہے۔ مثلاً نماز مشروط ہے اور وضو شرط ہے تو نماز وضو سے خارج ہے۔ اسی طرح ایمان اعمال سے خارج ہے۔

مومن کی پاکیزہ زندگی کے متعلق متعدد اقوال اور اس کے ضمن میں قناعت اور رزق حلال کی فضیلت

اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو شخص ایمان کے ساتھ نیک عمل کرے گا ہم اس کو پاکیزہ زندگی کے ساتھ رکھیں گے۔ اس میں اختلاف ہے کہ وہ پاکیزہ زندگی کہاں میسر ہوگی؟ مفسرین کے اس میں تین قول ہیں:

(۱) العوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ پاکیزہ زندگی دنیا میں میسر ہوگی۔ پھر دنیا میں اس پاکیزہ زندگی کے مصداق کے متعلق حسب ذیل اقوال ہیں:

(الف) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ایک روایت کے مطابق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ایک روایت کے مطابق حسن بصری اور وہب بن منبہ نے کہا اس کا مصداق قناعت ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ قناعت ایک ایسا مال ہے جو ختم نہیں ہوتا اور ایک ایسا خزانہ ہے جو فنا نہیں ہوتا۔ محمد بن درویش البیرونی المتوفی ۱۲۷۶ھ نے لکھا ہے کہ حافظ ذہبی نے کہا کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

(اسنی المطالب رقم الحدیث:۱۰۲۱)

اور العجلونی متوفی ۱۱۶۲ھ نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو امام طبرانی اور العسکری نے حضرت جابر سے روایت کیا ہے اور امام القضاعی نے حضرت انس سے روایت کیا ہے۔ ذہبی نے کہا اس حدیث کی سند ضعیف ہے اور قناعت کے متعلق بہت احادیث ہیں۔ (کشف الخفاء ج ۲ ص ۱۰۳۔ ۱۰۲، مطبوعہ مکتبہ الغزالی دمشق)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ شخص کامیاب ہو گیا جو اسلام لایا اور اس کو بقدر کفایت رزق دیا گیا اور اللہ نے اس کو جو کچھ دیا تھا، اس میں اس کو قناعت کرنے والا بنا دیا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۵۴، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۴۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۳۸، مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۸، حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۱۲۹، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۴ ص ۱۹۶، شرح السنہ رقم الحدیث: ۴۰۴۳، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۵۱۶۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کی اے اللہ! آل محمد کا رزق بقدر کفایت کر دے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۶۱، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۳ ص ۲۴۰، مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۲، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۶۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۵۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۳۹، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۶۱۰۳، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۳۴۴، سنن کبری للبیہقی ج ۲ ص ۱۵۰، دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۸۷، شرح السنہ رقم الحدیث: ۴۰۴۲)

سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فلنحیینہ حیوۃ طیبۃ کی تفسیر میں فرمایا اس سے مراد قناعت ہے۔ نیز انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دعا میں فرماتے تھے اے اللہ! تو نے مجھے جو رزق دیا ہے، اس میں مجھے قناعت کرنے والا بنا دے اور اس میں میرے لیے برکت رکھ دے اور میرے لیے ہر غائب چیز میں خیر رکھ دے۔ (المستدرک رقم الحدیث: ۳۴۱۱، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ۱۴۱۸ھ)

دنیا میں اطمینان کے ساتھ وہی شخص زندگی گزارتا ہے جو قناعت کرتا ہو کیونکہ حریص شخص تو ہر وقت زیادہ سے زیادہ مال کی طلب میں سرگرداں رہتا ہے اور اپنے جسم اور ذہن کو زیادہ سے زیادہ مال کی طلب میں تھکاتا رہتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر ابن آدم کے پاس مال کی دو وادیاں ہوں تو وہ تیسری وادی کو تلاش کرے گا اور مٹی کے سوا ابن آدم کا کوئی چیز پیٹ نہیں بھر سکتی اور جو شخص توبہ کرے' اللہ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۳۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۴۹)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ابن آدم بوڑھا ہو جاتا ہے اس میں دو خصلتیں جوان ہو جاتی ہیں' مال کی حرص اور عمر کی حرص۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۲۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۴۷)

(ب) ابو مالک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ دنیا کی پاکیزہ زندگی سے مراد حلال ہے۔ ضحاک نے کہا وہ حلال کھاتا ہو اور حلال پہنتا ہو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے لوگو! اللہ تعالیٰ طیب ہے اور وہ صرف طیب چیز کو قبول کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مومنین کو وہی حکم دیا ہے جو اس نے رسولوں کو حکم دیا تھا۔ اس نے فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا۔ (المومنون: ۵۱)

اے رسولو! پاک چیزوں سے کھاؤ اور نیک عمل کرو۔

اور مسلمانوں کو حکم دیا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ۔ (البقرہ: ۱۷۲)

اے ایمان والو! ان پاک چیزوں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو دی ہیں۔

پھر آپ نے فرمایا ایک آدمی لمبا سفر کرتا ہے' اس کے بال غبار آلود ہوتے ہیں پھر وہ ہاتھ اٹھا کر دعا کرتا ہے اے میرے رب! اے میرے رب! اس کا کھانا حرام ہے اور اس کا پینا حرام ہے' اس کا لباس حرام ہے اور اس کو حرام غذا دی گئی تو اس کی دعا کیسے قبول ہو گی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۱۵' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۹۸۹)

(ج) حضرت علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ دنیا کی پاکیزہ زندگی سے مراد سعادت ہے۔

(د) عکرمہ نے کہا دنیا کی پاکیزہ زندگی سے مراد اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت ہے۔

(ہ) قتادہ نے کہا اس سے مراد ہر روز رزق کا ملنا ہے۔

(و) اسماعیل بن ابی خالد نے کہا اس سے مراد رزق طیب اور عمل صالح ہے۔

(ز) ابو بکر وراق نے کہا اس سے مراد اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت میں مٹھاس کا ذائقہ محسوس کرنا ہے۔

(ح) الماوردی نے کہا اس سے مراد اللہ کی تقدیر پر راضی رہنا ہے اور بلاؤں اور مصیبتوں میں کسی قسم کی شکایت نہ کرنا ہے۔

(۲) حسن، مجاہد، سعید بن جبیر، قتادہ، ابن زید وغیرہم یہ کہتے ہیں کہ مومنین کو یہ حیات طیبہ جنت میں حاصل ہوگی۔
(۳) ابو غسان نے شریک سے روایت کیا ہے کہ ایمان والوں کو یہ حیاتِ طیبہ قبر میں حاصل ہوگی۔
(زاد المسیر ج ۴ ص ۴۸۹-۴۸۸، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

مومن کی دنیا کی زندگی اور کافر کی دنیا کی زندگی کا فرق

مومن کی زندگی کئی وجوہ سے کافر کی زندگی سے پاکیزہ اور بہتر ہے۔

(۱) مومن کا یہ ایمان ہوتا ہے کہ اس کا رزق اللہ کے ہاتھ میں ہے اور اس کی قدرت اور اختیار میں ہے اور اللہ تعالیٰ جواد اور کریم ہے اور وہ اپنے بندوں کے حق میں جو کچھ بھی کرتا ہے، وہ ان کے لیے صحیح اور بہتر ہوتا ہے۔ اس لیے مومن اللہ تعالیٰ کی قضاء اور قدر پر راضی اور مطمئن ہوتا ہے اور رزق میں کم ملے یا زیادہ، وہ حرف شکایت زبان پر نہیں لاتا، نہ اس کے دل میں کوئی تنگی پیدا ہوتی ہے، اس کا ایمان ہوتا ہے کہ اس کے حق میں یہی بہتر ہے اور اسی میں مصلحت ہے اور کافر کا چونکہ تقدیر پر ایمان نہیں ہوتا اور نہ وہ یہ مانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہر فعل صحیح اور حکمت پر مبنی ہوتا ہے، اس لیے وہ ہر وقت شاکی غیر مطمئن اور رنج اور غم میں مبتلا ہوتا ہے۔

(۲) مومن کا یہ ایمان ہوتا ہے کہ اس کو جو خوشی اور راحت اور کامیابی نصیب ہوتی ہے جو فراخی، وسعت اور کشادگی حاصل ہوتی ہے وہ محض اللہ کی طرف سے ہوتی ہے اور اس میں اس کی کسی کوشش اور کاوش کا دخل نہیں ہوتا وہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کا انعام ہوتا ہے، اور اس پر جو مصیبت اور بلا نازل ہوتی ہے، وہ اس کی بد اعمالیوں کا نتیجہ ہے۔ لہٰذا وہ ان مصائب پر کڑھتا نہیں ہے، نہ گلہ شکوہ کرتا ہے بلکہ اپنے گناہوں پر توبہ کرتا ہے اور ان مصائب، آفات اور بیماریوں پر خوش ہوتا ہے اور اللہ کا شکر ادا کرتا ہے اور یہ امید رکھتا ہے کہ یہ تکلیفیں اور بلائیں اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جائیں گی اور ان دنیاوی مصائب کی وجہ سے وہ اخروی عذاب سے بچ جائے گا۔ اس کے برخلاف چونکہ کافر کا آخرت پر ایمان نہیں ہوتا اس لیے وہ ان مصائب اور آفات اور بیماریوں پر سوا افسوس کرنے اور کڑھنے کے اور کچھ نہیں کرتا۔

(۳) مومن کا دل چونکہ معرفت الٰہی سے روشن ہوتا ہے، اس لیے اس پر جو مصائب بھی نازل ہوتے ہیں اس کو یقین ہوتا ہے کہ اس پر جو حال بھی وارد ہوا ہے وہ اس کے محبوب کی طرف سے نازل ہوا ہے، اور جب انسان کی نظر اپنے محبوب پر ہو تو محبوب کی طرف سے آنے والے مصائب بھی نعمت معلوم ہوتے ہیں، جیسے مصر کی عورتوں کی نظر جب حسن یوسف پر تھی تو انہیں ہاتھوں کی انگلیاں کٹنے کا کوئی درد نہیں ہوا، اور کافر کا دل چونکہ ان پاکیزہ واردات سے خالی ہوتا ہے بلکہ اس کے دل میں کفر کا اندھیرا ہوتا ہے، اس لیے اس کو صرف درد اور اذیت کا ادراک ہوتا ہے اور اس کے سامنے کوئی ایسا پاکیزہ ہدف نہیں ہوتا جس کی وجہ سے اس کی مشکلات اس پر آسان ہو جائیں۔

(۴) مومن کو یہ یقین ہوتا ہے کہ دنیا کی کامیابیاں اور راحتیں عارضی اور فانی ہیں اس لیے وہ دنیا کی کامیابیوں کے ملنے کی وجہ سے زیادہ خوش نہیں ہوتا اور نہ ان کامیابیوں کے نہ ملنے یا چھن جانے کی وجہ سے زیادہ ملول اور غمگین ہوتا ہے، وہ انا للہ وانا الیہ راجعون کہہ کر صبر کر لیتا ہے اور مطمئن ہو جاتا ہے اور کسی نعمت کے چلے جانے سے آہ و بکا، نالہ شیون اور واویلا نہیں کرتا۔ اس کے برخلاف چونکہ کافر کو آخرت پر یقین نہیں ہوتا، اس کو کوئی نعمت مل جائے تو خوشی سے اتراتا پھرتا ہے اور اس سے کوئی نعمت زائل ہو جائے تو اس کی دنیا تاریک ہو جاتی ہے۔

(۵) مومن کو یقین ہوتا ہے کہ یہ دنیا ناپائیدار ہے اور دنیا کی ہر چیز تغیر پذیر ہے، اس لیے جب اس کو کوئی خیر یا نعمت ملتی

ہے تو وہ ذہنی طور پر اس نعمت کے زوال کے لیے تیار رہتا ہے' وہ یہ سمجھتا ہے کہ جب خود اس کی ذات کو ثبات اور قرار نہیں ہے وہ خود بھی ایک دن اس دنیا سے جانے والا ہے تو اس کے پاس جو نعمتیں ہیں' ان کو کب ثبات اور قرار ہو سکتا ہے۔ اس لیے اگر اس کے ہاتھ سے کوئی نعمت جاتی رہے تو یہ اس کے لیے کوئی تعجب اور اچنبھے کی بات نہیں ہوتی' اور کافر چونکہ ان دقیق حقائق پر گہری نظر نہیں رکھتا' اس لیے اس کے پاس سے کسی نعمت کا زائل ہو جانا اس کے لیے قیامت کے صدمہ سے کم نہیں ہوتا۔

(۶) کافر پوری زندگی نجس اور ناپاک رہتا ہے' وہ ختنہ کرتا ہے نہ غیر ضروری بال صاف کرتا ہے' نہ غسل جنابت کرتا ہے' نہ قضائے حاجت کے بعد اپنے اعضاء کو دھو کر پاک اور صاف کرتا ہے' اس کی پوری زندگی نجاست اور ناپاکی میں گزرتی ہے۔ اس کے برخلاف مومن ختنہ کرتا ہے' غیر ضروری بال صاف کرتا ہے' بڑھے ہوئے ناخن تراشتا ہے' غسل جنابت کرتا ہے' قضائے حاجت کے بعد اپنے اعضاء کو دھو کر پاک کرتا ہے' دن میں پانچ مرتبہ وضو کرتا ہے اور اس کا یہ ایمان ہوتا ہے کہ طہارت نصف ایمان ہے لہٰذا مومن دنیا میں جو زندگی گزارتا ہے وہ پاکیزہ زندگی ہوتی ہے اور کافر دنیا میں جو زندگی گزارتا ہے وہ نجس اور ناپاک زندگی ہوتی ہے۔

(۷) کافر کی غذا نجس ہوتی ہے وہ بغیر ذبح کے مردار کھاتا ہے' اور نجس اور ناپاک غذا سے جو جسم بنتا ہے وہ بھی نجس اور ناپاک ہوتا ہے اس کے برخلاف مومن حلال ذبیحہ کھاتا ہے جو طیب اور پاک ہوتا ہے اور اس سے اس کا جو جسم بنتا ہے وہ بھی طیب اور پاک ہوتا ہے اس لیے کافر جو زندگی گزارتا ہے وہ نجس اور ناپاک ہوتی ہے اور مومن کی زندگی طیب اور پاکیزہ ہوتی ہے۔

(۸) کافر خنزیر کھاتا ہے' خنزیر بے غیرت جانور ہے' اس کے اثر سے کافر بھی بے غیرت اور بے حیا ہوتے ہیں' وہ بکثرت حرام کاری کرتے ہیں اور وہ کھلے عام بے حیائی کے کام کرتے ہیں' سڑکوں پر' پارکوں اور ساحل سمندر پر' مرد' مردوں کے ساتھ جنسی آسودگی حاصل کرتے ہیں اور عورتیں عورتوں کے ساتھ۔ اس جنسی آوارگی کی وجہ سے ان کا ذہنی سکون غارت ہو چکا ہے پھر سکون کے حصول کے لیے ان میں سے بعض نے خود کو شراب کے نشے میں ڈبو دیا بعض نے ہیروئن' چرس اور دیگر نشہ آور چیزوں میں پناہ حاصل کی' اور مومن اول تو اس قسم کے غیر اخلاقی کاموں میں ملوث نہیں ہوتا جس کی وجہ سے اس کا ذہنی سکون جاتا رہے اور اگر کسی ناگہانی افتاد یا کسی اچانک صدمہ کی وجہ سے اس کا سکون جاتا رہے تو اسے اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی یاد میں سکون ملتا ہے' اس لیے کافر کی بے چینی اور بے سکونی بھی نجس ہے اور اس کے سکون کے ذرائع بھی نجس ہیں۔ اس کے برخلاف مومن کی بے سکونی بھی غیر اختیاری اور پاک ہے اور اس کے سکون کے ذرائع بھی طیب اور پاکیزہ ہیں۔ اس لیے کافر دنیا میں جو زندگی گزارتا ہے وہ نجس اور ناپاک ہے اور مومن جو زندگی دنیا میں گزارتا ہے وہ طیب اور پاکیزہ ہے۔

(۹) بعض کافر انسانوں کو خدا مانتے ہیں جیسے یہودی اور عیسائی۔ بعض حیوانوں کو خدا مانتے ہیں جیسے ہندو۔ بعض آگ اور سورج کو خدا مانتے ہیں جیسے پارسی اور مجوسی۔ اور بعض پتھروں اور درختوں کو خدا مانتے ہیں جیسے مشرکین اور بت پرست۔ حالانکہ یہ تمام چیزیں عناصر کائنات ہیں' خالق کائنات نہیں ہیں۔ مومن کی شان یہ ہے کہ وہ عناصر کائنات کی پرستش نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کر کے عناصر کائنات کو اپنا تابع بنا لیتا ہے۔ جیسے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے دریائے نیل جاری ہو گیا۔

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

کافر عناصر کائنات کا پرستار اور پجاری ہے اور مومن عناصر کائنات پر حاکم اور حاوی ہے۔

(۱۰) دنیا میں کافر کی دعاؤں کی قبولیت کے لیے کوئی صحیح اور مستند وسیلہ نہیں ہے اور مومن کی دعاؤں کی قبولیت کے لیے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور دیگر انبیاء اور صالحین کا صحیح اور مستند وسیلہ ہے۔

ہم نے جو مومن اور کافر کی دنیا کی زندگی کا تقابل کیا ہے، وہ ان کی مثالی اور آئیڈیل زندگی ہے۔ اگر کوئی مومن، مومن ہونے کے باوجود کافرانہ طرز حیات کو اختیار کرے اور اس کی زندگی میں نجاست اور ناپاکی در آئے تو یہ ناپاکی اس کے ایمان کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ کافروں کی سی زندگی کو اختیار کرنے کی وجہ سے ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی زندگی کو پاکیزہ بنائے اور ہماری کوتاہیوں اور غلط کاریوں کو معاف فرمائے۔ (آمین)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **پس (اے رسول مکرم!) جب آپ قرآن پڑھیں تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ طلب کریں** ○ (النحل: ۹۸)

قرآن مجید کی تلاوت سے پہلے اعوذ باللہ پڑھنے کی حکمت

اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے دلوں میں وسوسہ ڈالنے کی شیطان کو قدرت دی ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰۤاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ○ (طٰہٰ: ۱۲۰)

پھر شیطان نے آدم کی طرف وسوسہ ڈالا، کہا اے آدم! کیا میں تم کو دوام کے درخت کا پتا بتاؤں اور ایسی بادشاہت کا جو کبھی کمزور نہ ہو۔

اور جب شیطان کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کی جائے تو پھر انسان شیطان کے شر سے محفوظ رہتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ○ (الاعراف: ۲۰۱)

بے شک جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں جب انہیں شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آتا ہے تو وہ فوراً (اللہ کو) یاد کرتے ہیں اور اسی وقت ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔

اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ نبیوں کی طرف بھی شیطان وسوسہ ڈالتا ہے اور اللہ کو یاد کرنے کے سبب سے وہ وسوسہ زائل ہو جاتا ہے اور اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا ہم نے آپ پر ایسی کتاب نازل کی ہے جس میں ہر چیز کا روشن بیان ہے۔ (النحل: ۸۹) اور اس سے متصل پہلی آیت میں فرمایا تھا اور ہم ان کے کاموں کی اچھی جزا دیں گے۔ (النحل: ۹۷) اور یہ دونوں آیتیں اس کا تقاضا کرتی ہیں کہ قرآن مجید کو پڑھا جائے تو اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا جب آپ قرآن پڑھیں تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ طلب کریں، تاکہ آپ کا قرآن پڑھنا شیطان کی وسوسہ اندازی سے محفوظ اور مامون ہو۔ اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ آپ قرآن کریم کی تلاوت سے پہلے اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم پڑھیں تو تمام مسلمان اس حکم کے تحت داخل ہیں۔

اس آیت کا بظاہر معنی ہے قرآن مجید پڑھنے کے بعد اعوذ باللہ پڑھی جائے، اس کا جواب

اس آیت کا بظاہر معنی یہ ہے کہ جب آپ قرآن مجید پڑھ چکیں تو پھر اعوذ باللہ پڑھیں حالانکہ ہونا یہ چاہیے کہ قرآن

مجید پڑھنے سے پہلے اعوذ باللہ پڑھی جائے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں عربی اسلوب کے مطابق اذا اردت ان تقرا القرآن محذوف ہے یعنی جب تم قرآن مجید پڑھنے کا ارادہ کرو تو اعوذ باللہ پڑھو۔ اس کی نظیر یہ آیت ہے اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم وایدیکم (المائدہ: ۶) اس کا ظاہر معنی یہ ہے جب تم نماز کی طرف کھڑے ہو تو پھر وضو کرو۔ حالانکہ نماز سے پہلے وضو کیا جاتا ہے اس کا بھی یہی جواب ہے کہ یہاں عربی اسلوب کے مطابق اذا اردتم القیام الی الصلوٰۃ محذوف ہے یعنی جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو تو وضو کرو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جو لوگ ایمان لائے اور وہ اپنے رب پر ہی توکل کرتے ہیں ان پر اس کا کوئی تسلط نہیں ہے ○ (النحل: ۹۹)

لاحول ولاقوۃ الا باللہ پڑھنے کی فضیلت

جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو شیطان کے شر سے پناہ طلب کرنے کا حکم دیا تو اس سے یہ وہم پیدا ہوتا تھا کہ شاید شیطان کو انسانوں کے بدنوں اور جسموں پر تصرف کرنے کی قدرت ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس وہم کا ازالہ فرمایا کہ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور وہ اپنے رب پر ہی توکل کرتے ہیں ان پر اس کا کوئی تسلط نہیں ہے، اور یہ جاننا چاہیے کہ اللہ کی عصمت اور اس کے بچانے کے بغیر شیطان کے وسوسوں سے بچنا ممکن نہیں ہے۔ اس لیے محققین نے کہا ہے کہ اللہ کے بچانے کے بغیر اللہ تعالیٰ کی معصیت سے بچنا ممکن نہیں ہے اللہ کی توفیق کے بغیر اس کی عبادت پر قوت ممکن نہیں ہے اور لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم کا یہی معنی ہے۔ عام لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ لاحول ولاقوۃ شیطان کو کہا جاتا ہے، اس لیے اگر کسی کے سامنے لاحول ولاقوۃ پڑھو تو وہ کہتے ہیں آپ نے مجھے شیطان کہہ دیا۔ حالانکہ اس کلمہ کا شیطان سے کوئی تعلق نہیں اور اس کلمہ کی احادیث میں بہت فضیلت ہے۔

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے، لوگ بلند آواز سے اللہ اکبر، اللہ اکبر کہہ رہے تھے تو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے لوگو! اپنے نفسوں کے ساتھ نرمی کرو، تم کسی بہرے کو پکار رہے ہو نہ غائب کو، تم اس کو پکار رہے ہو جو سننے والا ہے اور قریب ہے اور وہ تمہارے ساتھ ہے۔ حضرت ابو موسیٰ نے کہا میں آپ کے پیچھے کھڑا ہوا یہ پڑھ رہا تھا لاحول ولاقوۃ الا باللہ آپ نے فرمایا اے عبداللہ بن قیس کیا میں جنت کے خزانوں میں سے کسی خزانہ پر تمہاری رہنمائی نہ کروں۔ میں نے کہا کیوں نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: کہو لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۰۹، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۲۶، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۶۱، مسند احمد رقم الحدیث: ۷، ۴۷، ۱۰، عالم الکتب بیروت)

علامہ نووی نے لکھا ہے کہ لاحول پڑھنے کا اتنا عظیم ثواب اس لیے ہے کہ اس کلمہ کا معنی یہ ہے کہ بندہ نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے بالکل سپرد کر دیا اور اس کی بارگاہ میں سر اطاعت خم کر دیا۔ اور یہ یقین کر لیا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خالق نہیں ہے اور اس کے حکم کو کوئی ٹالنے والا نہیں ہے، اور بندہ کسی چیز کا مالک نہیں ہے، اور جنت کے خزانے کا معنی یہ ہے کہ اس کے پڑھنے کا ثواب جنت میں ذخیرہ کیا ہوا ہے اور اس کا ثواب بہت نفیس اور بہت عمدہ ہے کیونکہ تم خزانہ میں وہی چیز رکھتے ہو جو بہت نفیس اور بہت قیمتی ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس کا تسلط تو صرف ان لوگوں پر ہے جو اس سے دوستی رکھتے ہیں اور اس کو اللہ کا شریک قرار

دیتے ہیں ○ (النحل : ۱۰۰)

اس آیت کا معنی یہ ہے جو لوگ شیطان کے وسوسوں کو قبول کر کے اس کی اطاعت کرتے ہیں، یعنی ان کے دل میں جب کسی برے کام کرنے کا یا گناہ کا خیال آتا ہے تو وہ فوراً اس کے در پے ہو جاتے ہیں حالانکہ اس کے ساتھ ہی یہ خیال بھی آتا ہے کہ یہ گناہ کا کام ہے، اس کو نہیں کرنا چاہیے لیکن وہ برائی اور گناہ کی تحریک کو ترجیح دیتے ہیں اور گناہ سے منع کرنے کی آواز کو دبا دیتے ہیں، اور یہ جو فرمایا ہے وہ اس کو اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ وہ شیطان کے گمراہ کرنے کے سبب سے مختلف چیزوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنا لیتے ہیں۔

وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا

اور جب ہم ایک آیت کو دوسری آیت سے تبدیل کر دیتے ہیں، اور اللہ ہی خوب جانتا ہے جو وہ نازل فرماتا ہے تو کافر

اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ

کہتے ہیں کہ آپ تو صرف اپنے دل سے گھڑتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے اکثر علم نہیں رکھتے ○ آپ کہیے اس کو

الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى

روح القدس نے آپ کے رب کی جانب سے حق کے ساتھ نازل کیا ہے تاکہ ایمان والوں کو ثابت قدم رکھے اور یہ مسلمانوں

وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ

کے لیے ہدایت اور بشارت ہے ○ اور ہم جانتے ہیں کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ اس

اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ۭ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ

(رسول) کو ایک آدمی سکھا کر جاتا ہے، وہ جس کی طرف سکھانے کو منسوب کرتے ہیں اس کی زبان تو عجمی ہے

وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ

اور یہ قرآن تو بہت واضح عربی زبان ہے ○ بے شک جو لوگ اللہ کی آیتوں پر

بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۙ لَا يَهْدِيْهِمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾

ایمان نہیں لاتے اللہ ان کو ہدایت نہیں فرماتا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے ○

اِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۚ

جھوٹا بہتان تو وہی لوگ لگاتے ہیں جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ

اور وہی لوگ جھوٹے ہیں ○ جس نے اللہ پر ایمان لانے کے بعد

اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَىِٕنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ

کفر کیا سوا اس کے جس کو کفر پر مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو بلکہ

مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ

وہ لوگ جو کھلے دل کے ساتھ کفر کریں تو ان پر اللہ کا غضب ہے

وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا

اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے ○ کیونکہ انہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت پر

عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۷﴾

ترجیح دی اور بے شک اللہ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا ○

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَ

یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں اور کانوں اور آنکھوں پر اللہ نے مہر

اَبْصَارِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي

لگا دی ہے اور یہی لوگ غافل ہیں ○ بے شک صرف یہی لوگ آخرت میں نقصان

الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا

اٹھانے والے ہیں ○ پھر بے شک آپ کا رب، ان لوگوں کے لیے جنہوں نے آزمائشوں

مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ

میں مبتلا ہونے کے بعد ہجرت کی پھر جہاد کیا اور صبر کیا، بے شک آپ کا رب ان (آزمائشوں) کے بعد

مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾ ع

ضرور بہت بخشنے والا، بہت رحم فرمانے والا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ہم ایک آیت کو دوسری آیت سے تبدیل کر دیتے ہیں اور اللہ ہی خوب جانتا ہے جو وہ نازل فرماتا ہے تو کافر کہتے ہیں کہ آپ تو صرف اپنے دل سے گھڑتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے اکثر علم نہیں رکھتے O (النحل: ۱۰۱)

نسخ کی وجہ سے کفار کے اعتراض کا جواب

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کی ایک آیت نازل ہوتی جس میں بہت سختی اور شدت ہوتی اور ایک ایسی آیت نازل ہوتی جس میں بہت نرمی ہوتی تو کفار قریش کہتے کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) تو اپنے اصحاب کے ساتھ مذاق کرتے ہیں۔ آج ایک چیز کا حکم دیں گے تو کل اس چیز سے منع کر دیں گے اور یہ تمام باتیں اپنے دل سے گھڑتے ہیں۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

تبدیل کا معنی ہے: ایک چیز کو اٹھا کر دوسری چیز کو اس کی جگہ رکھ دینا اور آیت کو تبدیل کرنے کا معنی یہ ہے کہ ایک آیت کو اٹھا کر دوسری آیت کو اس کی جگہ رکھ دینا اور اسی کو نسخ کہتے ہیں۔ یعنی ایک آیت کا حکم منسوخ کر کے دوسرا حکم نازل کر دینا اور جو آیت ناسخ ہوتی ہے وہ دراصل یہ بیان کرتی ہے کہ حکم سابق کی مدت ختم ہو گئی اور اب دوسرا حکم واجب العمل ہو گا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ ہی خوب جانتا ہے جو وہ نازل فرماتا ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ جو سخت اور نرم احکام نازل فرماتا ہے اس کی حکمت اللہ ہی خوب جانتا ہے کیونکہ وہ عالم الغیب ہے اور بدلتے ہوئے حالات کے تقاضوں کو جانتا ہے۔ اس قول میں کفار کی اس بات کا رد ہے جو انہوں نے کہا تھا آپ اپنے دل سے گھڑتے ہیں۔ یعنی اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ وہ اپنے بندوں کی مصلحتوں کے موافق کس وقت کیا حکم نازل فرمائے اور دوسرے وقت میں کیا حکم نازل فرمائے گا، تو وہ احکام کو تبدیل کرنے کی وجہ سے (سیدنا) محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف افتراء کی نسبت کیوں کرتے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا بلکہ ان میں سے اکثر علم نہیں رکھتے۔ یعنی وہ حقیقت قرآن کو نہیں جانتے اور نہ ان کو نسخ اور تبدیل احکام کے فوائد کی خبر ہے، کیونکہ جس طرح مریض کے مرض کی کیفیت بدلنے کی وجہ سے حکیم اس کی دوائیں بدلتا رہتا ہے، کبھی ایک چیز کے کھانے کا حکم دیتا ہے اور کبھی اس چیز کے کھانے سے منع کرتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی مختلف حالات کے تحت مختلف احکام نازل فرماتا ہے۔

نسخ کا لغوی اور اصطلاحی معنی، نسخ میں مذاہب، قرآن مجید میں کتنی آیتیں منسوخ ہیں اور اس میں ہمارا مختار کیا ہے، اس سب کو ہم نے اس کتاب کے مقدمہ میں اور البقرہ: ۱۰۶ میں تفصیل سے بیان کر دیا ہے۔ وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ اس کو روح القدس نے آپ کے رب کی جانب سے حق کے ساتھ نازل کیا ہے تاکہ ایمان والوں کو ثابت قدم رکھے اور یہ مسلمانوں کے لیے ہدایت اور بشارت ہے O (النحل: ۱۰۲)

سنت سے قرآن مجید کے منسوخ نہ ہونے کے استدلال کا جواب

روح القدس کا معنی ہے الروح المقدس۔ اس سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں۔ یعنی حضرت جبریل علیہ السلام اپنے رب کی طرف سے قرآن لے کر نازل ہوئے ہیں تاکہ اس کے ذریعہ مومنین کی آزمائش کی جائے حتیٰ کہ وہ یہ کہیں کہ ان مختلف احکام کا نازل ہونا برحق ہے اور وہ دین میں ثابت قدم رہیں اور ان کا یہ یقین رہے کہ اللہ تعالیٰ برحق ہے اور حکیم ہے وہ جو حکم بھی نازل فرماتا ہے وہی اس حال کے مناسب ہوتا ہے، اور یہ قرآن ہدایت ہے اور اس ہدایت کو قبول کرنے

والوں کے لیے بشارت ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا قرآن عظیم سنت سے منسوخ نہیں ہوتا۔ اور انہوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ جب ہم ایک آیت کو دوسری آیت سے تبدیل کر دیں یعنی قرآن مجید کی آیت قرآن مجید ہی کی دوسری آیت سے منسوخ ہوتی ہے، سنت سے منسوخ نہیں ہوتی، اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں حصر کا کوئی کلمہ نہیں ہے کہ آیت، آیت سے ہی منسوخ ہوتی ہے تاکہ اس کا یہ مطلب ہو کہ آیت سنت سے منسوخ نہیں ہوتی اور حضرت جبریل جس طرح آیت کو لے کر نازل ہوتے تھے، وہ سنت کو بھی لے کر نازل ہوتے تھے اور جب سنت سے آیت ثابت ہو سکتی ہے تو تبدیل بھی ہو سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم جانتے ہیں کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ اس (رسول) کو ایک آدمی سکھا کر جاتا ہے، وہ جس کی طرف سکھانے کو منسوب کرتے ہیں اس کی زبان تو عجمی ہے اور یہ قرآن تو بہت واضح عربی زبان ہے ○ (النحل: ۱۰۳)

"الحاد" اور "عجم" کا معنی

اس آیت میں دو لفظ ہیں، جن کی وضاحت ضروری ہے۔ ایک یلحدون ہے، اس کا مادہ لحد ہے اور دوسرا اعجمی ہے، اس کا مادہ عجم ہے۔

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

لحد اس گڑھے کو کہتے ہیں جو درمیان سے ایک جانب کی طرف جھکا ہوا ہو، گڑھا کھود کر اس کی ایک جانب میں ایک اور گڑھا کھود لیا جائے اس کو بھی لحد اور بغلی قبر کہتے ہیں۔ الحاد کہتے ہیں حق اور صداقت سے نکل کر دوسری جانب میلان کرنا۔ الحاد کی دو قسمیں ہیں اللہ کے شریک کی طرف میلان کرنا، اللہ کو چھوڑ کر مادی اسباب کی طرف میلان کرنا۔ قرآن مجید میں ہے:

وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍۢ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ۔ (الحج: ۲۵) — اور جو اس (حرم) میں ظلم کے ساتھ زیادتی کا ارادہ کرے، ہم اسے دردناک عذاب چکھائیں گے۔

اگر کوئی شخص جائز سمجھ کر حرم شریف میں کسی پر ظلم کرے، خواہ کسی کو گالی دے یا مارے تو یہ کفر ہے اور اگر وہ اس کو جائز نہیں سمجھتا اور یونہی غضب میں اگر کسی کو گالی دی یا اس کو مارا تو یہ کفر نہیں ہے گناہ کبیرہ ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

اَلَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ۔ (الاعراف: ۱۸۰) — جو اس کے اسماء میں کج روی اختیار کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے اسماء میں الحاد کی بھی دو قسمیں ہیں ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وہ صفت ذکر کی جائے جو صحیح اور جائز نہیں مثلاً کہا جائے اللہ کا بیٹا ہے یا اس کی بیٹی ہے یہ کفر اور شرک ہے، یا اس کی ایسی صفت ذکر کی جائے جو اس کی شان کے لائق نہیں جیسے بعض لوگ کہتے ہیں اللہ میاں! (المفردات ج ۲ ص ۵۷۷، موضحا مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

لغت میں الحاد کا معنی ہے، میانہ روی سے دوسری جانب میلان کرنا، اسی وجہ سے جو شخص حد سے تجاوز کرے اس کو ملحد کہتے ہیں اور اس آیت میں یلحدون کا معنی یہ ہے، جس زبان کی طرف یہ نسبت کرتے ہیں وہ عجمی ہے۔

نیز علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

عجمہ اظہار کی ضد ہے اور اعجام ابہام کو کہتے ہیں۔ حیوانات کو عجماء کہتے ہیں کیونکہ وہ زبان سے اظہار نہیں کر سکتے، دن

کی نمازوں کو بھی عجماء کہتے ہیں کیونکہ ان کی بلند آواز سے تلاوت نہیں کی جاتی۔

(المفردات ج ۲ ص ۴۲۰، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

امام فخرالدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

عجم کا معنی کلام عرب میں ابہام اور اخفاء ہے اور یہ بیان اور وضاحت کی ضد ہے جو شخص اپنے مافی الضمیر کو واضح نہ کر سکے' اس کو عرب رجل اعجم کہتے ہیں پھر عرب ہر اس شخص کو اعجم اور اعجمی کہتے ہیں جو عربی لغت کو نہ جانتا ہو اور ان کی زبان میں بات نہ کر سکتا ہو۔

مشرکین نے جس عجمی شخص کی طرف یہ منسوب کیا تھا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس سے تعلیم حاصل کر کے قرآن مجید پڑھتے ہیں' اس کے متعلق امام ابن جوزی نے متعدد اقوال ذکر کیے ہیں' جو حسب ذیل ہیں:

مشرکین نے جس شخص کے متعلق تعلیم دینے کا افتراء کیا تھا' اس کے بارہ میں متعدد اقوال

(۱) عکرمہ نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ یہ شخص بنی مغیرہ کا غلام تھا' یہ تورات پڑھتا تھا' مشرکین کہتے تھے کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) اس سے سیکھتے تھے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ یہ شخص بنی عامر بن لوئی کا غلام تھا اور یہ رومی تھا۔

(۲) یہ مکہ میں رہنے والا ایک نوجوان تھا۔ یہ نصرانی اور عجمی تھا اور اس کا نام بلعام تھا' رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس کو تعلیم دیتے تھے اس وجہ سے یہ آپ کے پاس آتا رہتا تھا' مشرکین نے جب اس کو آپ کے پاس آتے جاتے دیکھا تو یہ افتراء کر دیا۔ یہ بھی حضرت ابن عباس سے روایت ہے۔

(۳) سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک کاتب تھا جو آپ کے لکھوانے کے برعکس لکھ دیتا تھا۔ یہ اسلام لانے کے بعد مرتد ہو گیا تھا۔

(۴) قریش کی ایک عورت کا ایک عجمی غلام تھا' جس کا نام جابر تھا وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آکر پڑھتا تھا' مشرکین نے اس کے متعلق افتراء کیا کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) اس سے پڑھتے ہیں۔ یہ سعید بن جبیر کی روایت ہے۔

(۵) ابن زید نے کہا کہ یحنس نام کا ایک نصرانی تھا' انہوں نے اس کے متعلق یہ افتراء کیا تھا۔

(۶) فرا اور زجاج نے کہا یہ شخص حو۔یطب کا ایک عجمی غلام تھا' جس کے متعلق مشرکین نے یہ افتراء کیا تھا۔

(زادالمسیر ج ۴ ص ۴۹۳۔۴۹۲، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

مشرکین کے افتراء کے متعدد جوابات

امام فخرالدین رازی نے مشرکین کے اس افتراء کے باطل ہونے کی متعدد وجوہات بیان کی ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں:

(۱) مشرکین رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے معاند اور مخالف تھے اور انہوں نے جو یہ افتراء کیا تھا' یہ بلادلیل تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس افتراء کا یہ رد فرمایا ہے کہ جس شخص کی طرف مشرکین آپ کو تعلیم دینے کی نسبت کرتے ہیں' وہ تو عجمی ہے اور یہ قرآن انتہائی فصیح اور بلیغ عربی زبان میں ہے' جس کی فصاحت اور بلاغت کی نظیر لانے سے تمام جن اور انس عاجز ہیں تو ایک عجمی شخص اس کی نظیر کیسے لا سکتا ہے۔

(۲) تعلیم کا عمل ایک نشست میں تو مکمل نہیں ہو سکتا اس کے لیے تو بار بار آنے جانے اور نشست و برخواست کی ضرورت ہے یا تو آپ اس شخص کے گھر بار بار آتے جاتے یا وہ شخص بار بار آپ کے گھر آتا جاتا اور اگر ایسا ہوتا تو یہ معاملہ لوگوں کے درمیان بہت مشہور ہو جاتا کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم) فلاں شخص سے تعلیم حاصل کرتے ہیں اور جب یہ معاملہ مشہور نہیں ہوا تو معلوم ہوا کہ یہ افتراء باطل ہے۔

(۳) قرآن مجید میں غیب کی خبریں ہیں، گزشتہ اقوام اور انبیاء سابقین کے واقعات ہیں اور انسان کی دنیا اور آخرت کی کامیابی کے لیے انتہائی جامع اور کامل اصول بیان کیے ہیں۔ عبرت انگیز اور سبق آموز مثالیں بیان فرمائی ہیں اگر کوئی شخص ان تمام علوم کو جاننے والا ہوتا تو اس کی تمام دنیا میں شہرت ہو جاتی اور جبکہ ایسا نہیں ہوا تو معلوم ہوا کہ یہ افتراء باطل ہے۔

(۴) جب نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم بار بار یہ چیلنج فرما رہے تھے کہ اس کلام کی نظیر کوئی نہیں لا سکتا اور یہ اللہ کا کلام ہے تو وہ شخص سامنے کیوں نہیں آیا، وہ سامنے آ کر بتاتا یہ تو میرا کلام ہے اور میرا اعزاز ہے اور تمام عرب اس کو سروں پر اٹھا لیتے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی نبوت میں طعن کرنے کے لیے مشرکین نے جو یہ افتراء کیا اس سے واضح ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی نبوت بالکل عیاں اور ظاہر تھی اور آپ کے مخالفین سوائے جھوٹ اور بہتان طرازی کے آپ نبوت میں اور کوئی گنجائش نہیں پاتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جو لوگ اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے، اللہ ان کو ہدایت نہیں فرماتا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے○ (النحل: ۱۰۴)

مشرکین کو ہدایت نہ دینے کی وجوہ

یعنی یہ مشرکین جو قرآن مجید پر ایمان نہیں لاتے، ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ یہ مشرکین کبھی قرآن مجید کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ اگلوں پچھلوں کے قصے کہانیاں ہیں، کبھی کہتے ہیں کہ یہ شاعر کا قول ہے یعنی خیالی اور افسانوی باتیں ہیں، کبھی کہتے ہیں کہ یہ جادو ہے اور کبھی کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کو کسی بشر نے یہ کلام سکھا دیا تھا، یہ لوگ قرآن عظیم کے کلام اللہ ہونے پر ایمان نہیں لاتے اور طرح طرح کے اعتراضات کرتے ہیں، اور ان کے اعتراضات مکڑی کے جالے سے بھی کمزور اور باطل ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ کی آیتوں سے مراد نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے معجزات ہیں اور قرآن مجید کی آیات بھی آپ کے معجزات میں داخل ہیں بلکہ وہ سب سے بڑا معجزہ ہیں۔

اللہ ان کو ہدایت نہیں فرماتا، اس کا ایک معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں ان کو ہدایت نہیں دیتا، اور اس کا دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو آخرت میں جنت کی طرف ہدایت نہیں دے گا، یعنی جنت کا راستہ نہیں دکھائے گا۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ جب اللہ ان کو ہدایت نہیں دیتا تو پھر ان کے ایمان نہ لانے میں ان کا کیا قصور ہے۔ اس سوال کے متعدد جوابات ہیں:

(۱) چونکہ انہوں نے ایمان لانے کا ارادہ نہیں کیا اس لیے اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں ایمان کو پیدا نہیں کرے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ انسان میں اسی چیز کو پیدا فرماتا ہے جس کا انسان ارادہ کرتا ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر پر اصرار، عناد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت نہیں دے گا۔

(۳) چونکہ انہوں نے قرآن مجید کی آیات کو اللہ کا کلام نہیں مانا بلکہ اس کو کسی عجمی بشر کا کلام کہا اس کی سزا کے طور پر اللہ

ان کو ہدایت نہیں دے گا۔

(۴) اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت نہیں دیتا' اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کو قبول نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے تو سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ ان کو بار بار ہدایت دی اور قرآن مجید کے ذریعہ ہدایت دی نیز آپ کو جو معجزات عطا فرمائے' ان کے واسطہ سے ہدایت دی لیکن انہوں نے ان تمام اقسام کی ہدایتوں کے باوجود آپ کی ہدایت کو قبول نہیں کیا۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى ۔ (حم السجدہ: ۱۷)

اور رہے ثمود کے لوگ تو ہم نے ان کو ہدایت فرمائی' سو انہوں نے گمراہی کو ہدایت پر ترجیح دی۔

(۵) اس آیت میں تقدیم اور تاخیر ہے اور اس کا معنی اس طرح ہے جو لوگ اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لائیں گے اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت نہیں دے گا۔ جیسا کہ قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۔ (الصف: ۵)

پھر جب انہوں نے کج روی اختیار کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل ٹیڑھے کر دیئے اور نافرمانی کرنے والے لوگوں کو اللہ ہدایت نہیں فرماتا۔

(۶) جو لوگ اپنے کفر اور ہٹ دھرمی پر اصرار کرتے ہیں اور تمام شبہات کو زائل کر دینے کے باوجود اپنی ضد اور عناد سے باز نہیں آتے اور قرآن مجید کی آیتوں کے کلام اللہ ہونے سے انکار کرتے اور اس کو کسی بشر کی تعلیم کا نتیجہ کہتے ہیں' اس آیت میں ان کو تہدید کی گئی ہے اور ان کو دردناک عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جھوٹا بہتان تو وہی لوگ لگاتے ہیں جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے اور وہی لوگ جھوٹے ہیں○ (النحل: ۱۰۵)

جو کام دائماً ہو اس کو اسم سے اور جو کام عارضی ہو اس کو فعل کے ساتھ تعبیر کرنا

اس آیت میں مشرکین کے متعلق فرمایا ہے اولئک ھم الکاذبون ہے اور یہ جملہ اسمیہ ہے اور عربی قواعد کے مطابق جب کسی کام کو جملہ اسمیہ کے ساتھ تعبیر کیا جائے تو وہ دوام و استمرار پر دلالت کرتا ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ مشرکین ہمیشہ جھوٹ بولتے ہیں' اور جب کسی کام کو جملہ فعلیہ کے ساتھ تعبیر کیا جائے تو اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ اس میں دوام و استمرار کا قصد نہیں کیا گیا۔ قرآن مجید میں ہے:

ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ۔ (یوسف: ۳۵)

پھر یوسف کی پاکیزگی دیکھنے کے بعد انہوں نے یہی مناسب جانا کہ کچھ عرصہ کے لیے ان کو قید کر دیں۔

چونکہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو ہمیشہ قید میں نہیں رکھنا چاہتے تھے' اس لیے انہوں نے لیسجننہ کہا اور قید کرنے کو جملہ فعلیہ کے ساتھ تعبیر کیا' اور فرعون کا ارادہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہمیشہ قید میں رکھنا تھا' اس لیے انہیں قید میں رکھنے کو اس نے اسم کے ساتھ تعبیر کیا اور من المسجونین کہا۔

قَالَ لَىِٕنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ۔ (الشعراء: ۲۹)

فرعون نے کہا (اے موسیٰ!) اگر تم نے میرے علاوہ کسی اور کو معبود بنایا تو میں تم کو ضرور قیدیوں میں شامل کر دوں گا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق الکاذبون فرمایا اور اس میں یہ تنبیہ ہے کہ کذب ان کی صفت ثابتہ راسخہ

دائمہ ہے۔ یعنی جھوٹ بولنا ان کی دائمی عادت ہے' اسی لیے انہوں نے اللہ تعالیٰ پر بھی جھوٹ باندھنے کی جرأت کی۔

اس آیت میں مشرکین کا رد ہے' وہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف افتراء کی نسبت کرتے تھے کہ ایک عجمی شخص سے کلام سیکھ کر العیاذ باللہ یہ افتراء کرتے ہیں کہ یہ اللہ کا کلام ہے' حالانکہ وہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو الصادق الامین کہتے تھے' پھر بھی ان ظالموں نے یہ کہا کہ آپ معاذ اللہ' اللہ پر افتراء کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے فرمایا افتراء تو وہی لوگ کرتے ہیں جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے' یہ آیت اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ کاذب اور مفتری وہی ہے جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتا' کیونکہ سب سے بڑا کذب اور افتراء اللہ کا شریک قرار دینا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا انکار کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جس نے اللہ پر ایمان لانے کے بعد کفر کیا' سوا اس کے جس کو کفر پر مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو' بلکہ وہ لوگ جو کھلے دل کے ساتھ کفر کریں تو ان پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے○ (النحل: ۱۰۶)

جان کے خوف سے کلمۂ کفر کہنے کی رخصت اور جان دینے کی عزیمت

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفر پر وعید بیان فرمائی تھی اور اس آیت میں ان کا ذکر تھا جو مطلقاً ایمان نہیں لاتے اور اس آیت میں ان کا حکم بیان فرمایا ہے جو فقط زبان سے کسی مجبوری کی وجہ سے کفر کرتے ہیں دل سے کفر نہیں کرتے اور ان کا حکم بیان فرمایا ہے جو زبان اور دل دونوں سے کفر کرتے ہیں۔

امام ابو الحسن علی بن احمد الواحدی المتوفی ۴۶۸ھ لکھتے ہیں:

یہ آیت حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے کیونکہ مشرکین نے حضرت عمار کو' ان کے والد یاسر کو اور ان کی ماں سمیہ کو اور حضرت صہیب کو حضرت بلال کو' حضرت خباب کو اور حضرت سالم کو پکڑ لیا اور ان کو سخت عذاب میں مبتلا کیا۔ حضرت سمیہ کو انہوں نے دو اونٹوں کے درمیان باندھ دیا اور نیزہ ان کی اندام نہانی کے آر پار کر دیا اور ان سے کہا تم مردوں سے اپنی خواہش پوری کرنے کے لیے اسلام لائی ہو سو ان کو قتل کر دیا اور ان کے خاوند یاسر کو بھی قتل کر دیا' یہ دونوں وہ تھے جن کو اسلام کی خاطر سب سے پہلے شہید کیا گیا اور رہے عمار تو ان سے انہوں نے جبریہ کفر کا کلمہ کہلوایا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خبر دی گئی کہ حضرت عمار نے کلمہ کفر کہا ہے تو آپ نے فرمایا بے شک عمار سر سے پاؤں تک ایمان سے معمور ہے' اس کے گوشت اور خون میں ایمان رچ چکا ہے۔ پھر حضرت عمار رضی اللہ عنہ' رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس روتے ہوئے آئے' رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کی آنکھوں سے آنسو پونچھ رہے تھے اور فرما رہے تھے اگر وہ دوبارہ تم سے جبراً کلمہ کفر کہلوائیں تو تم دوبارہ کہہ دینا۔

(اسباب نزول القرآن رقم الحدیث: ۵۶۷' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' المستدرک ج ۲ ص ۳۵۷' تفسیر عبد الرزاق رقم الحدیث: ۲۱۹۴۶)

محمد بن عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مشرکین نے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو پکڑ لیا اور ان کو اس وقت تک نہیں چھوڑا حتی کہ انہوں نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو برا کہا اور ان کے معبودوں کو اچھا کہا' تب ان کو چھوڑ دیا۔ حضرت عمار رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے پوچھا تمہارے ساتھ کیا ہوا؟ حضرت عمار نے کہا بہت برا ہوا' یا رسول اللہ! انہوں نے مجھے اس وقت تک نہیں چھوڑا حتی کہ میں آپ کو برا کہوں اور ان کے بتوں کو اچھا کہوں۔ آپ نے پوچھا تم اپنے دل کو کیسا پاتے ہو؟ انہوں نے کہا میرا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہے۔

آپ نے فرمایا اگر وہ تمہیں دوبارہ مجبور کریں تو دوبارہ کہہ دینا۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے اور امام بخاری اور مسلم نے اس کو روایت نہیں کیا۔ (المستدرک ج ۲ ص ۳۵۷، طبع قدیم، المستدرک رقم الحدیث: ۳۳۶۲، طبع جدید، حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۱۴۰)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنہوں نے سب سے پہلے اسلام کا اظہار کیا وہ سات افراد تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، حضرت ابوبکر، حضرت بلال، حضرت خباب، حضرت عمار، حضرت سمیہ (حضرت عمار کی والدہ) اور حضرت صہیب۔ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا دفاع آپ کے چچا نے کیا۔ حضرت ابوبکر کا دفاع ان کی قوم نے کیا، باقی پانچوں کو مشرکین نے پکڑ لیا اور ان کو لوہے کی زرہیں پہنا کر دھوپ میں تپانا شروع کر دیا، حتیٰ کہ انہوں نے اپنی پوری کوشش سے ان کو عذاب پہنچایا پھر حضرت بلال کے سوا سب نے جان بچانے کے لیے ان کی موافقت کر لی پھر ان میں سے ہر ایک کے پاس ان کی قوم آئی اور ان کو ایک چمڑے پر ڈال کر لے گئی پھر شام کو ابوجہل آیا اور حضرت سمیہ کو گالیاں دینے لگا پھر اس نے ان کی اندام نہانی میں نیزہ مارا جو ان کے منہ کے پار ہو گیا۔ وہ اسلام کی راہ میں شہید ہونے والی سب سے پہلی خاتون تھیں۔ حضرت بلال نے کفار کی موافقت کرنے کے مقابلہ میں اللہ کی راہ میں جان دینے کو آسان سمجھا، کفار نے ان کے گلے میں رسی ڈال کر بچوں کو تھما دی وہ ان کو مکہ کی گلیوں میں گھسیٹتے پھرتے تھے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ احد، احد (اللہ ایک ہے) پکارتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۲ ص ۴۸-۴۷، ج ۱۴ ص ۳۱۳، مسند احمد ج ۱ ص ۴۰۴، طبع قدیم، مسند احمد رقم الحدیث: ۳۸۳۲، طبع جدید، عالم الکتب، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۵۰، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۰۸۳، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۲۸۲-۲۸۱، اس حدیث کی سند صحیح ہے)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت کا ارادہ کیا تو آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا میرے پاس سے منتشر ہو جاؤ، پس جس شخص کے پاس طاقت ہے وہ آخر رات تک ٹھہر جائے اور جس کے پاس طاقت نہیں ہے وہ رات کے پہلے حصہ میں چلا جائے اور جب تم یہ سن لو کہ میں اس جگہ ٹھہر گیا ہوں تو مجھ سے آکر مل جانا۔ جب صبح ہوئی حضرت بلال، حضرت خباب، حضرت عمار اور قریش کی ایک کنیز جو اسلام لا چکی تھی، ان سب کو ابوجہل اور دوسرے مشرکین نے پکڑ لیا۔ انہوں نے حضرت بلال سے کہا تم کفر کرو۔ انہوں نے انکار کیا تو انہوں نے ان کو لوہے کی زرہیں پہنا کر انہیں دھوپ میں تپایا، وہ ان کو گھسیٹ رہے تھے اور وہ احد، احد کہہ رہے تھے۔ حضرت خباب کو وہ کانٹوں میں گھسیٹ رہے تھے اور رہے حضرت عمار تو انہوں نے جان بچانے کے لیے کلمہ کفر کہہ لیا اور قریش کی اس کنیز کے جسم میں ابوجہل نے چار کیلیں ٹھونکیں پھر اس کو گھسیٹا پھر ان کی اندام نہانی میں نیزہ مار کر ان کو شہید کر دیا پھر حضرت بلال، حضرت خباب اور حضرت عمار رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے جا ملے اور آپ کو یہ واقعہ سنایا۔ آپ نے حضرت عمار سے پوچھا جب تم نے کلمہ کفر کہا تھا تو تمہارے دل کی کیفیت کیا تھی؟ کیا تم نے کھلے دل سے کلمہ کفر کہا تھا؟ انہوں نے کہا نہیں! حضرت ابن عباس نے فرمایا پھر یہ آیت نازل ہوئی الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۲۶۶۶، الدر المنثور ج ۵ ص ۱۷۱-۱۷۰)

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایک چادر سے ٹیک لگائے ہوئے کعبہ کے سائے میں بیٹھے ہوئے تھے، ہم نے آپ سے شکایت کی اور ہم نے آپ سے کہا کیا آپ ہمارے لیے مدد نہیں طلب کرتے، کیا آپ ہمارے لیے دعا نہیں کرتے؟ آپ نے فرمایا تم سے پہلی امتوں میں ایک شخص کے لیے زمین میں

گڑھا کھودا جاتا' اس کو اس گڑھے میں کھڑا کر دیا جاتا پھر اس کے سر پر آری رکھ کر اس کو دو ٹکڑوں میں کاٹ دیا جاتا اور لوہے کی کنگھی سے اس کے جسم کو چھیل دیا جاتا اور وہ کنگھی اس کے گوشت اور اس کی ہڈیوں کو کاٹتی ہوئی گزر جاتی' اور ایسی سخت آزمائشیں بھی اس کو اس کے دین سے منحرف نہیں کرتی تھیں۔ اللہ کی قسم! اللہ اس دین کو تکمیل تک پہنچائے گا حتیٰ کہ ایک سوار' صنعاء سے حضر موت تک سفر کرے گا اور اس کو اللہ کے سوا کسی کا خوف نہیں ہو گا اور بھیڑیا بکریوں کا نگہبان ہو گا لیکن تم جلدی کرتے ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۹۴۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۴۹' سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۳۰۴' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۷۲۱۳' طبع جدید عالم الکتب بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ نے میری امت سے خطاء' نسیان اور اس کام کے حکم کو اٹھا لیا ہے جس پر انہیں مجبور کیا گیا ہو۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۴۵' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۳۵۷-۳۵۶' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۲۱۹' سنن الدار قطنی ج ۴ ص ۱۷۱-۱۷۰' المستدرک ج ۲ ص ۱۹۸' اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ عطا کا ابن عباس سے سماع نہیں ہے لیکن عبید بن عمیر از ابن عباس یہ روایت صحیح ہے)

حسن بصری بیان کرتے ہیں کہ مسیلمہ کے جاسوس دو مسلمانوں کو پکڑ کر اس کے پاس لے گئے' اس نے ان میں سے ایک سے کہا کیا تم یہ گواہی دیتے ہو کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں؟ اس نے کہا ہاں! پھر اس نے کہا کیا تم یہ گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ اس نے اپنے کانوں کو ہاتھ لگا کر کہا میں بہرہ ہوں۔ اس نے کہا کیا وجہ ہے' جب میں تم سے کہتا ہوں کہ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں تو تم کہتے ہو کہ میں بہرہ ہوں پھر اس نے ان کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ پھر اس نے دوسرے مسلمان سے کہا کیا تم گواہی دیتے ہو کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں؟ اس نے کہا ہاں! پھر اس نے کہا کیا تم یہ گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ اس نے کہا ہاں! پھر اس نے اس کو چھوڑ دیا پھر وہ مسلمان نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ! میں ہلاک ہو گیا۔ آپ نے پوچھا کیا ہوا؟ تو اس نے اپنا اور اپنے مسلمان ساتھی کا ماجرا سنایا۔ آپ نے فرمایا رہا تمہارا ساتھی تو وہ اپنے ایمان پر قائم رہا اور رہے تم تو تم نے رخصت پر عمل کیا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۳۳۰۴۲' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ)

اکراہ (دھمکی دینے) کی تعریف اور اس کے مسائل

علامہ علی بن ابی بکر المرغینانی الحنفی المتوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں:

الاکراہ (جبراً کوئی کام کرانا) کا حکم اس وقت ثابت ہو گا جب دھمکی دینے والا شخص اپنی دھمکی کو پورا کرنے پر قادر ہو۔ امام ابوحنیفہ نے اپنے زمانہ کے اعتبار سے کہا کہ اکراہ یا بادشاہ کا معتبر ہو گا یا چور کا' کیونکہ بادشاہ کے پاس بھی اقتدار ہوتا ہے اور چور بھی مسلح ہوتا ہے' لیکن اب زمانہ متغیر ہو گیا ہے لہٰذا جس شخص کے پاس بھی ہتھیار ہوں' جن سے وہ اپنی دھمکی پوری کرنے پر قادر ہو اور جس شخص کو دھمکی دی جائے وہ خوفزدہ ہو کہ اگر اس کی بات نہ مانی گئی تو وہ اپنی دھمکی پوری کر گزرے گا' تو یہ اکراہ ہے۔

اور جب کسی شخص پر جبر کیا جائے کہ وہ اپنا مال بیچے یا کوئی سودا خریدے یا ہزار روپے ادا کرنے کا اقرار کرے ورنہ وہ اس کو قتل کر دے گا یا بہت شدید مار پیٹ کرے گا' یا قید کر لے گا تو بعد میں اس کو اختیار ہے چاہے تو بیع نافذ کر دے اور چاہے تو

بیع فسخ کردے۔

اور اگر کسی شخص پر جبر کیا گیا کہ وہ مردار کھائے یا شراب پیئے ورنہ اس کو قید کرلیا جائے گا یا اس کو مارا پیٹا جائے گا تو اس کے لیے مردار کھانا یا شراب پینا جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر اس کو یہ خوف ہو کہ اگر اس کی بات نہ مانی تو وہ اس کو قتل کردے گا یا اس کا کوئی عضو کاٹ دے گا تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ کام کرلے جس کی اس کو دھمکی دی ہے' اور اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ شراب نہ پیئے اور ان کو اسے قتل کرنے کا موقع دے یا عضو کاٹنے کا موقع دے۔ حتیٰ کہ اگر اس نے ان کا کہنا نہ مانا اور انہوں نے اس کو قتل کردیا تو وہ گنہگار ہوگا کیونکہ اس حالت میں اس کے لیے مردار کھانا یا شراب پینا مباح تھا اور وہ اپنے ہلاک کیے جانے میں ان کا معاون ہوا۔

اور اگر کسی شخص پر جبر کیا گیا کہ وہ کفریہ کلمہ کہے' معاذ اللہ! اللہ تعالیٰ کا کفر کرے یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دے ورنہ اس کو قید کردیا جائے گا یا ضرب شدید لگائی جائے گی تو یہ اکراہ نہیں ہے' حتیٰ کہ اس کو قتل کرنے کی دھمکی دی جائے یا اس کے کسی عضو کو کاٹنے کی دھمکی دی جائے' اور جب اس کو اپنی جان کا خطرہ ہو تو اس کے لیے ان کا کہنا مان لینا جائز ہے مگر کفر میں توریہ کرے اگر اس نے کلمہ کفریہ کہا اور اس کا دل ایمان سے مطمئن تھا تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے' جیسا کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے اور قرآن مجید میں ہے الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان اور اگر اس نے کلمہ کفریہ نہیں کہا اور اس کو قتل کردیا گیا تو اس کو اجر ملے گا۔ اس لیے کہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے صبر کیا اور ان کو سولی دے دی گئی۔ (یہ مثال درست نہیں ہے۔ حضرت خبیب نے جنگ بدر میں حارث بن عامر ایک کافر کو قتل کردیا تھا' کافروں نے حضرت خبیب کو اس کے انتقام میں سولی دی تھی۔ صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۰۴۵' علامہ مرغینانی کو حضرت سمیہ اور حضرت یاسر رضی اللہ عنہما کی مثال دینی چاہیے تھی جو اپنی جان پر کھیل گئے اور کلمہ کفر نہیں کہا یا اس مسلمان کی جس نے کلمہ کفر نہیں کہا اور مسیلمہ کذاب نے اس کو قتل کردیا' ان کے حوالے گزر چکے ہیں' سعیدی غفرلہ)

اگر اس پر جبر کیا گیا کہ وہ کسی مسلمان کا مال تلف کردے ورنہ اس کو قتل کردیا جائے گا' یا اس کا کوئی عضو کاٹ دیا جائے گا تو اس کے لیے اس مال کو تلف کرنا جائز ہے اور جس کا مال ہے یہ اس کے لیے ضامن ہوگا۔

اور اگر اس پر جبر کیا گیا کہ وہ فلاں شخص کو قتل کردے تو اس کے لیے اس کو قتل کرنا جائز نہیں ہے اور اگر اس نے اس کو قتل کردیا تو وہ گنہگار ہوگا اور اگر یہ قتل عمداً ہو تو جبر کرنے والے سے قصاص لیا جائے گا۔

اور اگر کسی شخص پر جبر کیا گیا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے اور اس نے طلاق دے دی تو یہ طلاق واقع ہو جائے گی۔ (زبانی طلاق ہو جائے گی اور اگر اس سے جبراً طلاق لکھوائی تو واقع نہیں ہوگی' ردالمحتار ج ۴ ص ۳۲۴' طبع جدید' ۱۴۱۹ھ)

اگر اس کو زنا کرنے پر جبر کیا گیا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس پر حد ہوگی اور اگر سلطان نے اس پر جبر کیا ہے تو اس پر حد نہیں ہوگی اور امام ابویوسف اور امام محمد کے نزدیک اس پر حد نہیں ہے۔

اور اگر اس کو مرتد ہونے پر مجبور کیا گیا اور اس نے زبان سے کلمہ کفر کہا اور اس کا دل اسلام پر مطمئن تھا تو اس کی عورت اس کے نکاح سے خارج نہیں ہوگی۔ (ہدایہ اخیرین ص ۳۵۱-۳۴۶' ملخصاً' مطبوعہ شرکت علمیہ ملتان)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیونکہ انہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دی اور بے شک اللہ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا ○ یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں اور کانوں اور آنکھوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے اور یہی لوگ غافل ہیں ○ بے شک صرف یہی لوگ آخرت میں نقصان اٹھانے والے ہیں ○ (النحل: ۱۰۹-۱۰۷)

مرتدین کے دلوں، کانوں اور آنکھوں پر مہر لگانے کی توجیہ

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا بلکہ جو لوگ ایمان لانے کے بعد کھلے دل کے ساتھ کفر کریں تو ان پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لیے بہت سخت عذاب ہے۔

اور اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ جن لوگوں نے ایمان لانے کے بعد کھلے دل سے کفر کیا اور مرتد ہو گئے تو ان کا یہ ارتداد اس وجہ سے تھا کہ انہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دی تھی اور چونکہ اللہ تعالیٰ کو ازل میں یہ علم تھا کہ یہ لوگ اپنے اختیار سے دنیا کو آخرت پر ترجیح دیں گے اور ایمان لانے کے بعد کھلے دل سے کفر کریں گے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ہدایت پیدا نہیں کی اور ان کے ارتداد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں، کانوں اور آنکھوں پر مہر لگا دی ہے، یعنی اب وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایمان لانے اور ہدایت کے قابل نہیں رہے۔ اب اگر وہ بالفرض ایمان لانا بھی چاہیں تو ان کو ایمان نصیب نہیں ہو گا۔ اب وہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہیں لاتے بلکہ تم لوگ اس قابل نہیں ہو کہ تمہیں اللہ اور رسول پر ایمان لانے والوں میں شمار کیا جائے۔

اس جگہ یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ جب اللہ نے ان کو ہدایت نہیں دی اور ان کے دلوں اور کانوں اور آنکھوں پر مہر لگا دی تو پھر ایمان نہ لانے میں ان کا کیا قصور ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو ان کو ہدایت دی تھی، ان کی ہدایت کے لیے اپنے رسول کو بھیجا، ان کو انواع واقسام کے معجزات عطا کیے، قرآن مجید کو نازل کیا لیکن انہوں نے اپنے اختیار سے گمراہی کو ہدایت پر ترجیح دی اور جب انہوں نے اس نعمت کی قدر نہیں کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کی یہ سزا دی کہ دنیا میں ان کے دلوں، کانوں اور آنکھوں پر مہر لگا دی اور آخرت میں ان کے لیے سخت عذاب رکھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر بے شک آپ کا رب، ان لوگوں کے لیے جنہوں نے آزمائشوں میں مبتلا ہونے کے بعد ہجرت کی پھر جہاد کیا اور صبر کیا، بے شک آپ کا رب (ان آزمائشوں کے بعد) ضرور بہت بخشنے والا، بہت رحم فرمانے والا ہے ○ (النحل: ۱۱۰)

جان کے خوف سے صرف زبان سے کلمہ کفر کہنے والوں کی معافی کا حکم

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا حال اور ان کا حکم بیان فرمایا تھا جنہوں نے ایمان لانے کے بعد شرح صدر سے کفر کیا اور جن لوگوں نے جان بچانے کے لیے زبانی طور سے کفر کیا تھا لیکن ان کا دل اسلام پر مطمئن تھا، ان کا حکم اب بیان فرما رہا ہے کہ جو لوگ فتنہ میں مبتلا ہو گئے تھے پھر انہوں نے ہجرت کی اور صبر کیا تو ان سے زبانی طور پر جو کفر سرزد ہوا تھا اللہ تعالیٰ اس کو بخشنے والا مہربان ہے۔ اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ جن لوگوں نے اسلام کی راہ میں مشکلات اٹھائیں اور کفار کے مظالم برداشت کیے اور ہجرت کی اللہ تعالیٰ ان کو بخشنے والا مہربان ہے۔

اس کی تیسری تفسیر یہ ہے کہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح مرتد ہو گئے تھے، فتح مکہ کے بعد نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا، انہوں نے حضرت عثمان کے پاس پناہ لی۔ حضرت عثمان ان کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے کر آئے اور ان کی معافی چاہی۔ آپ نے ان کو معاف کر دیا۔ یہ دوبارہ اسلام لائے اور انہوں نے اسلام میں نیک عمل کیے۔ اس کی تفصیل سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۳۵۸ اور سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۰۷۸ میں ہے لیکن یہ تیسری تفسیر مناسب نہیں ہے کیونکہ یہ مکی سورہ ہے اور یہ ہجرت کے کافی بعد کا واقعہ ہے۔

يَوْمَ تَأْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ

جس دن ہر شخص اپنی جان کی طرف سے جھگڑتا ہوا آئے گا، اور ہر شخص کو اس کے کیے ہوئے

نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا

کاموں کی پوری پوری جزا دی جائے گی اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا ○ اور اللہ ایک ایسی بستی کی مثال بیان فرماتا

قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ

ہے جو بے خوف تھی، ہر طرف سے مطمئن تھی، اس کے پاس ہر جگہ سے وسعت کے ساتھ

كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ

رزق پہنچتا تھا، پس اس نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ نے ان کی بداعمالیوں کے سبب

الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ

ان کو بھوک اور خوف کے لباس کا مزہ چکھایا ○ اور ان کے پاس ان ہی میں سے

رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ

ایک رسول آیا تو انہوں نے اس کی تکذیب کی سو ان کو عذاب نے آپکڑا درآں حالیکہ وہ

ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۪ وَّ

ظلم کرنے والے تھے ○ سو اللہ کے دیے ہوئے حلال طیب رزق میں سے کھاؤ، اور

اشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ اِنَّمَا

اللہ کی نعمت کا شکر ادا کرو اگر تم صرف اسی کی عبادت کرتے ہو ○ تم پر صرف (یہ) چیزیں

حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ

حرام کی ہیں، مردار اور (بہتا ہوا) خون، اور خنزیر کا گوشت، اور جس (جانور) پر ذبح

لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ

کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا، پس جو شخص مجبور ہو جائے وہ سرکشی کرنے والا نہ ہو اور نہ حد سے تجاوز کرنے والا تو بے شک اللہ

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ

بہت بخشنے والا، بے حد رحم فرمانے والا ہے ○ اور جن چیزوں کے متعلق تمہاری زبانیں جھوٹ بولتی ہیں ان کے بارے میں یہ نہ کہو

هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ

کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے تاکہ تم اللہ پر جھوٹا بہتان باندھو، بے شک جو

الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ ؕ مَتَاعٌ

لوگ اللہ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں وہ کامیاب نہیں ہوں گے ○ یہ تھوڑا

قَلِيْلٌ ۪ وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا

فائدہ ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے ○ اور صرف یہودیوں پر ہم نے ان چیزوں کو حرام کیا ہے

مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا

جو ہم پہلے آپ سے بیان کر چکے ہیں، اور ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا لیکن وہ خود

اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ

اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے ○ پھر آپ کا رب، جن لوگوں نے ناواقفیت سے کوئی

بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْ

گناہ کیا، پھر اس کے بعد توبہ کر لی اور نیک کام کیے (سو) بے شک آپ کا رب اس کے بعد

بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۹﴾ ع

ضرور بہت بخشنے والا، بے حد رحم فرمانے والا ہے ○

۱۵ ع ۹ ۲۱

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جس دن ہر متنفس اپنی جان کی طرف سے جھگڑتا ہوا آئے گا اور ہر شخص کو اس کے کیے ہوئے کاموں کی پوری پوری جزا دی جائے گی اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا○ (النحل: ۱۱۱)

روح اور بدن میں سے ہر ایک عذاب کا مستحق ہے

اس سے پہلی آیتوں میں یہ بتایا تھا کہ جن لوگوں نے ایمان لانے کے بعد کھلے دل سے کفر کیا ان پر اللہ کا غضب ہو گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے اور جن مسلمانوں نے جان کے خوف سے صرف زبان سے کلمۂ کفر کہا اور ان کے دل ایمان پر مطمئن تھے، اللہ تعالیٰ ان کو بخش دے گا اور ان پر رحم فرمائے گا۔ اور اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ مرتدین پر غضب اور

مومنین پر رحم کس دن ہوگا اور وہ قیامت کا دن ہے۔

اس آیت کا لفظی ترجمہ اس طرح ہے اس دن ہر نفس اپنے نفس سے جھگڑے گا۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ہر انسان کا ایک نفس ہوتا ہے، دو نفس نہیں ہوتے پھر یہ معنی کس طرح درست ہوگا ہر نفس اپنے نفس سے جھگڑے گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے نفس سے مراد انسان کا بدن ہے اور دوسرے نفس سے خود وہ انسان مراد ہے یا انسان کی روح ہے۔ یعنی انسان کی روح اور اس کے بدن میں بحث اور تکرار ہوگی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ روح کہے گی اے میرے رب! تو نے مجھ کو پیدا کیا ہے، کسی چیز کو پکڑنے کے لیے میرے ہاتھ تھے اور نہ کہیں جانے کے لیے میرے پیر تھے، کسی چیز کو دیکھنے کے لیے میری آنکھیں تھیں اور نہ کسی چیز کو سننے کے لیے میرے کان تھے اور نہ سوچنے کے لیے عقل تھی، حتیٰ کہ تو نے مجھے اس جسم میں داخل کر دیا سو تو ہر قسم کا عذاب اس جسم پر نازل فرما اور مجھے نجات دے دے۔ اور جسم کہے گا اے میرے رب! تو نے مجھے پیدا کیا تو میں تو لکڑی کے ایک تختے کی طرح تھا، میں اپنے ہاتھوں سے نہ پکڑ سکتا تھا اور نہ قدموں سے چل سکتا تھا اور نہ آنکھوں سے دیکھ سکتا تھا اور نہ کانوں سے سن سکتا تھا پھر یہ روح نور کی شعاع کی طرح مجھ میں داخل ہوئی، اسی سے میری زبان بولنے لگی اور اسی سے میری آنکھیں دیکھنے لگیں اور اسی سے میرے پیر چلنے لگے اور میرے کان سننے لگے سو ہر قسم کا عذاب تو اس روح پر نازل کر اور مجھے نجات دے دے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اندھے اور لنجے کی مثال بیان فرمائی جو ایک باغ میں گئے، اندھا پھلوں کو دیکھ نہیں سکتا تھا اور لنجا پھلوں کو توڑ نہیں سکتا پھر لنجے نے اندھے سے کہا تو مجھے اپنے اوپر سوار کر لے میں خود بھی پھل توڑ کر کھاؤں گا اور تجھے بھی کھلاؤں گا پھر دونوں نے باغ سے پھل توڑ کر کھائے۔ اب کس پر عذاب ہوگا؟ فرمایا دونوں پر عذاب ہوگا۔ علامہ قرطبی نے اس حدیث کو ثعلبی کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۰ ص ۱۷۵)

قیامت کے دن ہر شخص کا نفسی نفسی کہنا

قیامت کے دن نفسی نفسی ہوگی۔ ہر نفس اپنے نفس سے بحث و تکرار کر رہا ہوگا۔ قرآن مجید میں ہے:

لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُّغْنِيهِ۔ اس دن ہر شخص کو اپنی پریشانی دوسروں سے بے پرواہ کر دے گی۔

(عبس: ۳۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گوشت لایا گیا، آپ نے اس میں سے ایک دستی اٹھائی، وہ آپ کو اچھی لگی اور آپ اس کو دانتوں سے کھانے لگے پھر آپ نے فرمایا میں قیامت کے دن تمام لوگوں کا سردار ہوں گا۔ کیا تم جانتے ہو کہ یہ کس وجہ سے ہے؟ اللہ تعالیٰ اولین اور آخرین کو ایک میدان میں جمع فرمائے گا جس میں وہ پکارنے والے کی آواز سن سکیں گے اور سب کو دیکھ سکیں گے، سورج ان کے قریب ہو جائے گا، لوگوں کو اس قدر رنج و غم ہوگا جس کو وہ برداشت نہیں کر سکیں گے، پھر وہ لوگ آپس میں کہیں گے تم دیکھ رہے ہو کہ تمہاری کیا حالت ہو چکی ہے، سنو کسی ایسے شخص کو تلاش کرو جو تمہارے رب کے پاس تمہاری شفاعت کرے، پھر وہ ایک دوسرے سے کہیں گے حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جاؤ، پھر وہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں گے کہ آپ ابو البشر ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے دست اقدس سے پیدا کیا ہے اور آپ میں اپنی پسندیدہ روح پھونکی ہے اور فرشتوں کو حکم دیا ہے کہ آپ کو سجدہ کریں۔ آپ ہمارے لیے اپنے رب سے شفاعت کیجئے، کیا آپ نہیں دیکھ رہے کہ ہمارا کیا حال ہے؟ کیا آپ نہیں دیکھ رہے کہ ہم کس حالت میں ہیں؟ پس حضرت آدم کہیں گے کہ آج میرا رب غضب میں ہے، وہ اتنے شدید

غضب میں نہ پہلے تھا اور نہ آئندہ کبھی ہوگا۔ اور اس نے مجھے ایک درخت سے کھانے سے منع کیا تھا اور میں نے اس کی (بظاہر) معصیت کی، مجھے اپنے نفس کی فکر ہے، مجھے اپنے نفس کی فکر ہے، مجھے اپنے نفس کی فکر ہے، میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ، نوح کے پاس جاؤ۔

پھر لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جاکر کہیں گے اے نوح! بے شک آپ زمین والوں کے سب سے پہلے رسول ہیں اور بے شک اللہ نے آپ کا نام بہت شکرادا کرنے والا بندہ رکھا ہے، آپ اپنے رب کی طرف ہماری شفاعت کیجئے! کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ہم کس حال میں ہیں؟ حضرت نوح علیہ السلام کہیں گے آج میرا رب سخت غضب میں ہے، وہ اس سے پہلے اتنے غضب میں تھا نہ اس کے بعد اتنے غضب میں ہوگا اور بے شک میں نے اپنی قوم کے خلاف ایک دعا کی تھی، نفسی، نفسی، نفسی۔ تم لوگ میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ، تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ۔

پھر لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں گے اے ابراہیم! آپ اللہ کے نبی ہیں اور تمام زمین میں سے اللہ کے خلیل ہیں، آپ اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت کیجئے، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ہم کس حال میں ہیں؟ وہ ان سے کہیں گے کہ آج میرا رب بہت غضب میں ہے، وہ اس سے پہلے اتنے غضب میں تھا اور نہ اس کے بعد اتنے غضب میں ہوگا اور میں نے (بظاہر) تین جھوٹ بولے تھے، نفسی، نفسی، نفسی۔ میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔

پھر وہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں گے اے موسیٰ! آپ اللہ کے رسول ہیں، اللہ نے آپ کو رسالت سے اور اپنے کلام سے سرفراز کیا ہے، آپ اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت کیجئے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ہم کس حال میں ہیں؟ وہ کہیں گے کہ بے شک آج میرا رب سخت غضب میں ہے، وہ اس سے پہلے اتنے غضب میں تھا اور نہ اس کے بعد اتنے غضب میں ہوگا اور میں نے ایک ایسے شخص کو قتل کر دیا تھا جس کو قتل کرنے کا مجھے حکم نہیں دیا تھا۔ نفسی، نفسی، نفسی۔ تم میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ، تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔

پھر لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں گے کہ اے عیسیٰ! آپ اللہ کے رسول ہیں اور اس کا وہ کلمہ ہیں جس کو اس نے مریم کی طرف القاء کیا تھا اور اس کی پسندیدہ روح ہیں اور آپ نے لوگوں سے پنگھوڑے میں کلام کیا تھا، آپ ہماری شفاعت کیجئے، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ہم کس حال میں ہیں؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہیں گے کہ آج میرا رب بہت غضب میں ہے، وہ اس سے پہلے اتنے غضب میں تھا اور نہ اس کے بعد اتنے غضب میں ہوگا اور وہ کسی گناہ کا ذکر نہیں کریں گے۔ نفسی، نفسی، نفسی۔ تم میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ، تم (سیدنا) محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس جاؤ۔

پھر لوگ (سیدنا) محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس جائیں گے اور کہیں گے کہ اے محمد! آپ اللہ کے رسول ہیں اور خاتم الانبیاء ہیں، اللہ نے آپ کے سب اگلے اور پچھلے بظاہر خلاف اولیٰ کاموں کی مغفرت کردی ہے، آپ اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت کیجئے۔ کیا آپ نہیں دیکھ رہے کہ ہم کس حال میں ہیں؟ (رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے) فرمایا پھر میں عرش کے نیچے جاؤں گا اور اپنے رب کے حضور سجدہ میں گر جاؤں گا پھر اللہ عزوجل میرے لیے حمد و ثنا کے ایسے کلمات کھول دے گا جو مجھ سے پہلے کسی کے لیے نہیں کھولے ہوں گے، پھر مجھ سے کہا جائے گا اے محمد! اپنا سر اٹھائیے، آپ سوال کیجئے، آپ کو دیا جائے گا، آپ شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ میں اپنا سر اٹھا کر کہوں گا اے

میرے رب! میری امت، اے میرے رب! میری امت، پس کہا جائے گا اے محمد! آپ جنت کے دائیں دروازے سے اپنی امت کے ان لوگوں کو داخل کر دیجئے جن سے کوئی حساب نہیں لیا جائے گا اور باقی دروازوں میں بھی وہ لوگوں کے شریک ہوں گے۔ پھر آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے، جنت کی دو چوکھٹوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا مکہ اور بصریٰ میں فاصلہ ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۱۲، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۴، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۳۴، مسند احمد ج ۲ ص ۴۳۶، ۴۳۵، طبع قدیم، مسند احمد رقم الحدیث: ۹۵۸۹، طبع جدید دارالحدیث قاہرہ، مسند احمد رقم الحدیث: ۹۶۲۰، عالم الکتب بیروت، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۴۶۵، ابن مندہ رقم الحدیث: ۸۸۲، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۴۴۴، مسند ابو عوانہ ج ۱ ص ۱۷۰، الاسماء والصفات للبیہقی ص ۳۱۵، شرح السنہ رقم الحدیث: ۴۳۳۲، السنہ لابن ابی عاصم رقم الحدیث: ۸۱۱)

امام ترمذی کی دوسری روایت میں ہے جو لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے تو وہ کہیں گے اللہ کو چھوڑ کر میری عبادت کی گئی ہے تم (سیدنا) محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) کے پاس جاؤ۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۴۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت کو اس سے محفوظ رکھا ہے کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر آپ کی عبادت کریں ورنہ آپ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح عذر پیش کرتے اور امت کی شفاعت نہ کرتے لیکن آپ امت کی شفاعت کریں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی امت نے آپ کی عبادت نہیں کی اور اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ آپ کو یا رسول اللہ! ندا کرنا، آپ کے لیے ما کان وما یکون کا علم اور علم غیب ماننا اور آپ کی تعظیم وتکریم کے دیگر معمولات اہل سنت، ان میں سے کوئی چیز شرک نہیں ہے اور ان امور کو شرک کہنا اس حدیث کی روشنی میں باطل ہے۔

کعب بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ انہوں نے کہا اے کعب! ہمیں اللہ تعالیٰ کا خوف دلاؤ۔ میں نے کہا اے امیر المومنین! کیا آپ کے پاس اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول کی حکمت نہیں ہے؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں لیکن ہمیں ڈراؤ۔ میں نے کہا اے امیر المومنین! اگر آپ قیامت کے دن ستر نبیوں کے عمل کے برابر عمل لے کر جائیں تو قیامت کی ہولناکیوں کو دیکھ کر اپنے عمل کو حقیر پائیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اور زیادہ بیان کرو، انہوں نے کہا اگر مشرق میں دوزخ میں بیل کے نتھنے کے برابر بھی سوراخ کیا جائے تو اس کی تپش سے مغرب میں کھڑے ہوئے آدمی کا دماغ کھولنے لگے گا۔ حتیٰ کہ اس کی تپش سے اس کا دماغ بہنے لگے گا۔ انہوں نے کہا اور زیادہ بیان کرو۔ میں نے کہا اے امیر المومنین! بے شک قیامت کے دن دوزخ ایک لمبا سانس لے گی، جس کے اثر سے ہر مقرب فرشتہ اور ہر نبی مرسل گھٹنوں کے بل گر جائے گا، حتیٰ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی گھٹنوں کے بل گر جائیں گے اور کہیں گے کہ اے میرے رب! نفسی، نفسی! میں آج تجھ سے صرف اپنے نفس کے متعلق سوال کرتا ہوں۔ پھر حضرت عمر کافی دیر تک سر جھکا کر بیٹھے رہے۔ میں نے کہا اے امیر المومنین! کیا آپ اللہ کی کتاب میں اس کو نہیں پاتے؟ آپ نے کہا کیسے؟ تو میں نے یہ آیت پڑھی:

يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا۔ (النحل: ۱۱۱) — جس دن ہر متنفس اپنی جان کی طرف سے جھگڑتا ہوا آئے گا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۲۶۷۱، زاد المسیر ج ۴ ص ۴۹۹، الدر المنثور ج ۵ ص ۱۷۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ ایک ایسی بستی کی مثال بیان فرماتا ہے جو بے خوف تھی، ہر طرف سے مطمئن تھی،

اس کے پاس ہر جگہ سے وسعت کے ساتھ رزق پہنچتا تھا' پس اس نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ نے ان کی بداعمالیوں کے سبب ان کو بھوک اور خوف کے لباس کا مزہ چکھایا○ (النحل: ۱۱۲)

کفار مکہ پر بھوک اور خوف کو مسلط کرنا

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کفار کو آخرت کی وعید شدید سے ڈرایا تھا اور اس آیت میں ان کو دنیا کی شدید آفتوں اور مصیبتوں سے ڈرایا ہے اور وہ یہ ہے کہ ان پر قحط مسلط کر دیا جائے گا۔ جس بستی کی اس آیت میں مثال دی گئی ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے زمانہ ماضی کی کوئی بستی مراد ہو۔ جیسے حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت لوط یا حضرت شعیب علیہم السلام کے زمانوں میں بستیاں تھیں جو بہت آرام اور خوشحالی سے رہتی تھیں پھر جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر پر اصرار کیا تو ان کو دنیا میں آفتوں اور مصیبتوں نے آگھیرا اور ان پر قحط کی صورت میں بھوک اور پیاس کو مسلط کر دیا گیا' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد کفار مکہ کی بستیاں ہوں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' مجاہد' قتادہ اور ابن زید سے روایت ہے کہ اس بستی سے مراد مکہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ کو بھوک کا لباس پہنا دیا' اس بھوک کی اذیت ان کے اجسام کو پہنچی اور ان کے اجسام کا اس طرح احاطہ کر لیا جس طرح لباس اجسام کا احاطہ کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کے خلاف دعاء ضرر کی تھی جس کی وجہ سے ان پر کئی سال قحط طاری رہا' حتیٰ کہ وہ مردار، چمڑہ اور اس کے بال بھی کھا جاتے تھے اور یہ ان کی بداعمالیوں کی سزا تھی۔

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے دعائے ضرر کرنے کا ذکر اس حدیث میں ہے:

مسروق بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے' انہوں نے کہا کہ جب نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے لوگوں کی شقاوت دیکھی تو آپ نے دعا کی اے اللہ! ان پر ایسے سات قحط کے سال مسلط فرما جیسے حضرت یوسف کے زمانہ میں قحط کے سات سال تھے۔ پھر ایسا قحط آیا جس سے سب چیزیں ختم ہو گئیں حتیٰ کہ انہوں نے چمڑے، مردے اور مردار بھی کھائے' ان میں سے کوئی شخص آسمان کی طرف دیکھتا تو اس کو آسمان دھوئیں کی طرح نظر آتا۔ ان دنوں میں ابوسفیان نے آپ کے پاس آ کر کہا اے محمد! آپ اللہ کا حکم ماننے اور رشتہ داروں سے حسن سلوک کا حکم دیتے ہیں اور آپ کی قوم ہلاک ہو رہی ہے' آپ اس کے لیے اللہ سے دعا کیجئے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ - (الدخان: ۱۰) — اس دن کا انتظار کرو جب آسمان کھلا ہوا دھواں لائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۰۰۷، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۵۴)

یہ بھوک کا لباس ہے' اور خوف کا لباس یہ ہے کہ کفار مکہ کو ہر وقت یہ خوف رہتا تھا کہ مسلمان ان پر حملہ کر دیں گے۔

اس آیت میں مکہ کے کافروں کی مثال دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو نعمتیں عطا کی تھیں لیکن جب انہوں نے ان نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر بھوک اور خوف کا عذاب مسلط کر دیا۔

اسی طرح جس جگہ کے لوگ بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کریں گے' ان پر بھوک اور خوف کا عذاب طاری کر دیا جائے گا۔ آج مسلمان جو معاشی ناہمواری اور دشمنوں کے خوف میں مبتلا ہیں اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ وہ اجتماعی طور پر اللہ تعالیٰ کی ناشکری کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان کے پاس ان ہی میں سے ایک رسول آیا تو انہوں نے اس کی تکذیب کی سو ان کو

عذاب نے آپکڑا درآنحالیکہ وہ ظلم کرنے والے تھے○ سو اللہ کے دیئے ہوئے حلال طیب رزق میں سے کھاؤ اور اللہ کی نعمت کا شکر ادا کرو اگر تم صرف اسی کی عبادت کرتے ہو○ (النحل: ۱۱۴-۱۱۳)

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ کے لیے مثال دی تھی کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے نعمتیں دی ہوں اور وہ ان نعمتوں کی ناشکری کریں تو اللہ ان لوگوں پر بھوک اور خوف مسلط کر دیتا ہے، اور اس آیت میں ان لوگوں یعنی اہل مکہ سے خطاب فرمایا ہے جن کے لیے یہ مثال دی تھی فرمایا: اے اہل مکہ! تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک رسول آیا ہے جو تمہاری ہی قوم کا ایک عظیم اور کامل فرد ہے جس کے حسب و نسب کو تم پہچانتے ہو اور اس کی گزاری ہوئی پوری زندگی سے تم واقف ہو۔ پھر مکہ والوں نے اس رسول کی تکذیب کی تو اللہ کے عذاب نے ان کو گرفت میں لے لیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس سے مراد بھوک کا عذاب ہے، یعنی تم پر جو قحط اور بھوک کا عذاب آیا ہے وہ تمہارے کفر کے سبب سے ہے۔ تم کفر کو ترک کر دو تو تم سے قحط کے اس عذاب کو دور کر دیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم اللہ کے دیئے ہوئے حلال طیب رزق سے کھاؤ۔

امام عبدالرحمٰن جوزی نے فرمایا اس کی دو تفسیریں ہیں۔ جمہور مفسرین نے کہا اس آیت کے مخاطب مسلمان ہیں۔ اور فراء وغیرہ نے کہا اس آیت کے مخاطب اہل مکہ اور مشرکین ہیں۔ جب اہل مکہ کی بھوک بہت بڑھ گئی تو ان کے سرداروں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے کہا اگر آپ کو مردوں سے دشمنی ہے تو عورتوں اور بچوں کا کیا قصور ہے؟ پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے لوگوں کو اجازت دی کہ ان کے پاس غلہ لے جائیں۔

(زاد المسیر ج ۴ ص ۵۰۱، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تم پر صرف (یہ) چیزیں حرام کی ہیں: مردار اور (بہتا ہوا) خون اور خنزیر کا گوشت اور جس (جانور) پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا، پس جو شخص مجبور ہو جائے وہ سرکشی کرنے والا نہ ہو اور نہ حد سے تجاوز کرنے والا تو اللہ بہت بخشنے والا، بے حد رحم فرمانے والا ہے○ (النحل: ۱۱۵)

اللہ تعالیٰ نے ان چار چیزوں کی حرمت دو مدنی سورتوں اور دو مکی سورتوں میں بیان فرمائی ہے اور مدنی سورتیں یہ ہیں: البقرہ: ۱۷۳ اور المائدہ: ۳، اور مکی سورتیں یہ ہیں! الانعام: ۱۴۵ اور النحل: ۱۱۵۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان چیزوں کا حرام ہونا نبوت اور رسالت کے پورے دور کو محیط ہے اور یہ چیزیں کسی وقت بھی حلال نہیں تھیں۔ ہم نے ان کی مکمل تفسیر البقرہ اور المائدہ میں بیان کر دی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جن چیزوں کے متعلق تمہاری زبانیں جھوٹ بولتی ہیں، ان کے بارے میں یہ نہ کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے، تاکہ تم اللہ پر جھوٹا بہتان باندھو، بے شک جو لوگ اللہ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں، وہ کامیاب نہیں ہوں گے○ یہ تھوڑا فائدہ ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے○ (النحل: ۱۱۷-۱۱۶)

اس آیت میں پہلی آیت کی تاکید ہے۔ یعنی یہی چار چیزیں حرام کی گئی ہیں۔ مشرکین اپنی طرف سے ان چار چیزوں کو حلال کہتے تھے اور انہوں نے اپنی طرف سے بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام کو حرام قرار دے رکھا تھا۔ بحیرہ اس اونٹنی کو کہتے تھے جس کا دودھ دوہنا چھوڑ دیتے تھے اور اس کو بتوں کے لیے نامزد کر دیتے تھے۔ سائبہ اس اونٹنی کو کہتے تھے جسے وہ بتوں کے لیے آزاد چھوڑ دیتے تھے، اس کو وہ سواری کے لیے استعمال کرتے تھے نہ بار برداری کے لیے، اور وصیلہ وہ اس اونٹنی کو کہتے تھے جس سے پہلی مرتبہ مادہ پیدا ہوتی اور اس کے بعد دوبارہ بھی مادہ ہی پیدا ہوتی اور ان کے درمیان کوئی نر نہیں ہوتا تھا، ایسی

اونٹنی کو بھی وہ بتوں کے لیے آزاد چھوڑ دیتے تھے' اور حام وہ اس نر اونٹ کو کہتے تھے جس سے کئی بچے ہو چکے ہوتے تھے اور جب اس سے کافی بچے ہو جاتے تو وہ اس کو بھی آزاد چھوڑ دیتے اور اس سے سواری اور بار برداری کا کام نہ لیتے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں نے عمرو بن عامر الخزاعی کو دیکھا وہ دوزخ میں اپنی انتڑیاں گھسیٹ رہا تھا یہ وہ شخص تھا جس نے سب سے پہلے بتوں کے لیے جانوروں کو چھوڑا تھا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۶۲۳)

اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تمہاری زبانیں جھوٹ بولتی ہیں اور تم یہ کہہ کر کہ فلاں چیز حلال ہے اور فلاں چیز حرام ہے' اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہو۔ وہ ان چیزوں کے حرام کرنے اور حلال کرنے کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے تھے' یہ ان کا دوسرا جرم تھا۔ خود کسی چیز کو حرام کرتے پھر کہتے کہ اس کو اللہ نے حرام کیا ہے' یہ لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے تھے۔

اسی طرح آج بھی کچھ لوگ سوئم' چالیسویں' برسی اور گیارہویں کے کھانے کو اپنی طرف سے حرام کہتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان مخصوص دنوں میں کھانے کی حرمت پر کوئی دلیل نازل نہیں کی۔ ان مخصوص دنوں میں میت کو ایصال ثواب کیا جاتا ہے اور دنوں کی یہ تعیین شرعی نہیں ہوتی کہ ان کے علاوہ کسی اور دن میں ایصال ثواب کرنا جائز نہ ہو' بلکہ لوگوں کے اجتماع کے لیے سہولت کی خاطر تاریخ معین کر لی جاتی ہے جیسے جلسہ' منگنی اور شادی کی تاریخ معین کی جاتی ہے یا جیسے مساجد میں نمازوں کے اوقات گھڑیوں کے حساب سے معین کیے جاتے ہیں۔

اسی طرح جس چیز کو اللہ اور اس کے رسول نے واجب نہیں کیا وہ اس کو واجب اور فرض بھی کہتے ہیں۔ مثلاً قبضہ بھر ڈاڑھی کو بعض فرض اور بعض واجب کہتے ہیں۔ ایسے تمام لوگ اس آیت کے مصداق ہیں جو اپنی طرف سے کسی چیز کو حلال یا حرام کہتے ہیں۔ العیاذ باللہ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور صرف یہودیوں پر ہم نے ان چیزوں کو حرام کیا ہے جو ہم پہلے آپ سے بیان کر چکے ہیں' اور ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا لیکن وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے ○ (النحل: ۱۱۸)

اس آیت کی تفسیر کے لیے النساء: ۱۶۰ اور الانعام: ۱۴۶ کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر آپ کا رب' جن لوگوں نے ناواقفیت سے کوئی گناہ کیا پھر اس کے بعد توبہ کر لی اور نیک کام کیے' (سو) بے شک آپ کا رب اس کے بعد ضرور بہت بخشنے والا' بے حد رحم فرمانے والا ہے ○ (النحل: ۱۱۹)

اس آیت پر یہ سوال ہوتا ہے کہ جو شخص لاعلمی یا ناواقفیت کی وجہ سے کوئی گناہ کرے اس پر تو شرعی قواعد کے اعتبار سے ویسے ہی گرفت نہیں ہونی چاہیے۔ مثلاً کسی شخص کو کوکا کولا کی بوتل میں شراب بھر کر دے دی اور اس نے لاعلمی میں اس کو پی لیا تو اس پر تو ویسے ہی مواخذہ نہیں ہوتا اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے میری امت سے خطا اور نسیان کو اٹھا لیا گیا ہے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۴۵)

اس کا جواب یہ ہے کہ جس شخص نے کفر یا کوئی اور معصیت کی اور اس کو یہ علم نہیں تھا کہ اس پر کتنا شدید عذاب ہو گا یا کتنی مدت عذاب ہو گا یا اس کا گناہ ہونا تو معلوم تھا لیکن گناہ کے ارتکاب کے وقت اس پر توجہ نہیں تھی' پھر بعد میں وہ نادم ہوا اور اس گناہ پر توبہ کر لی تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرما دے گا۔

إِنَّ إِبْرٰهِيْمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ۗ وَلَمْ يَكُ مِنَ

بے شک ابراہیم (اپنی ذات میں) ایک امت تھے' اللہ کے اطاعت گزار' باطل سے مجتنب' اور مشرکین

الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٢٠﴾ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ؕ اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ

میں سے نہ تھے ○ اس کی نعمتوں کے شکر گزار تھے، (اللہ نے) ان کو منتخب کر لیا اور ان کو سیدھے راستہ

مُّسْتَقِيْمٍ ﴿١٢١﴾ وَاٰتَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ

کی ہدایت دی ○ اور ہم نے ان کو دنیا میں اچھائی عطا فرمائی اور وہ آخرت میں بھی

لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿١٢٢﴾ ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ

نیکو کاروں میں سے ہوں گے ○ پھر ہم نے آپ کی طرف یہ وحی کی کہ آپ ملتِ ابراہیم کی پیروی کریں

اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٢٣﴾ اِنَّمَا جُعِلَ

جو باطل سے مجتنب تھے اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے ○ ہفتہ کا دن تو صرف

السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ

ان لوگوں پر لازم کیا گیا تھا جنہوں نے اس میں اختلاف کیا تھا، اور بے شک آپ کا رب ان کے درمیان قیامت

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿١٢٤﴾ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ

کے دن ان چیزوں کا فیصلہ فرما دے گا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے ○ آپ اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت

رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِىْ هِىَ

اور عمدہ نصیحت کے ساتھ بلائیے اور احسن طریقہ کے ساتھ ان پر حجت قائم

اَحْسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَ

کیجئے، بے شک آپ کا رب ان کو بہت جاننے والا ہے جو اس کے راستہ سے بھٹک گئے اور

هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿١٢٥﴾ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا

وہ ہدایت پانے والوں کو بھی خوب جاننے والا ہے ○ اور اگر تم ان کو سزا دو تو اتنی ہی سزا دینا جتنی تمہیں

عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ؕ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ﴿١٢٦﴾ وَاصْبِرْ

تکلیف پہنچائی گئی ہے، اور اگر تم صبر کرو تو بے شک صبر کرنے والوں کے لیے صبر بہت اچھا ہے ○ اور آپ

وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ

صبر کیجئے، اور آپ کا صبر صرف اللہ کی توفیق سے ہے، اور آپ ان (کی سرکشی) پر غمگین نہ ہوں اور نہ

ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا

ان کی سازشوں سے تنگ دل ہوں ○ بے شک اللہ ڈرنے والوں کے ساتھ ہے

وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ ع

اور ان لوگوں کے ساتھ ہے جو نیک کام کرنے والے ہیں ○

ع ۱۶ ۹ ۲۲

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ابراہیم (اپنی ذات میں) ایک امت تھے، اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار، باطل سے مجتنب اور مشرکین میں سے نہ تھے ○ اس کی نعمتوں کے شکر گزار تھے، (اللہ نے) ان کو منتخب کر لیا اور ان کو سیدھے راستہ کی ہدایت دی ○ اور ہم نے ان کو دنیا میں اچھائی عطا فرمائی اور وہ آخرت میں بھی نیکو کاروں میں سے ہوں گے ○ پھر ہم نے آپ کی طرف یہ وحی کی کہ آپ ملت ابراہیم کی پیروی کریں جو باطل سے مجتنب تھے اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے ○

(النحل: ۱۲۳-۱۲۰)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صفات سے مشرکین کے خلاف استدلال

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی بدعقیدگیوں کا رد فرمایا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے شریک مانتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت پر اعتراض کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے کوئی رسول بنانا ہوتا تو فرشتوں میں سے کسی کو رسول بناتا۔ اور جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے ان کو حلال کہتے تھے، اور جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے مباح قرار دیا ہے، ان کو حرام کہتے تھے۔ ان کے ان باطل نظریات کا رد بلیغ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ اب ایک اور طریقہ سے اپنی توحید اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو ثابت فرماتا ہے اور اس کی تقریر یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سب سے بڑے موحد تھے اور توحید کے علمبردار تھے۔ انہوں نے تمام لوگوں کو توحید کی دعوت دی اور شرک کی جڑیں کاٹ دیں اور مکہ کے مشرکین ان پر فخر کرتے تھے اور ان کے دین کے برحق ہونے کے معترف تھے اور یہ تسلیم کرتے تھے کہ ان کی اقتداء کرنا واجب ہے، تو ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کا ذکر فرمایا کہ تم اپنے آپ کو ان کی طرف منسوب کرتے ہو، ان کے بنائے ہوئے کعبہ کی تولیت کے دعویدار ہو تو پھر ان کے طریقہ پر عمل کر لو، وہ اللہ کے رسول تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو رسالت کے لیے منتخب فرمایا اور ایک بشر اور انسان کو رسول بنایا تو مان لو کہ انسانوں کے لیے انسان کو ہی رسول بنایا جاتا ہے، فرشتہ کو رسول نہیں بنایا جاتا، ان کی طرف اللہ وحی نازل فرماتا تھا، سو اسی طرح اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بھی رسالت کے لیے منتخب فرمایا، ان پر وحی نازل فرمائی اور ان کو بکثرت معجزات عطا فرمائے۔ پس ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایسی صفات بیان فرمائیں جو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر منطبق ہوتی ہیں۔

امت کا معنی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا بے شک ابراہیم ایک امت تھے۔

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

ہر وہ جماعت جو کسی ایک امر میں مجتمع ہو، اس کو امت کہتے ہیں۔ خواہ ان کا دین ایک ہو یا ان کا زمانہ ایک ہو یا ان کی جگہ ایک ہو، اور خواہ وہ اس چیز میں اپنے اختیار سے مجتمع ہوں یا بغیر اختیار کے۔ مثلاً دین میں اختیار سے جمع ہوں گے اور کسی ایک زمانہ کے لوگ یا کسی ایک ملک یا شہر کے لوگ غیر اختیاری طور پر مجتمع ہوں گے کیونکہ وہ ایک زمانہ میں یا ایک ملک میں پیدا ہوئے۔

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً۔ (البقرہ: ۲۱۳) — تمام لوگ ایک صنف اور ایک طریقہ پر تھے۔

یعنی سب لوگ کفر اور گمراہی میں مجتمع تھے۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَّاحِدَةً۔ (ھود: ۱۱۸) — اگر آپ کا رب چاہتا تو تمام لوگوں کو ایک امت بنا دیتا۔

یعنی تمام لوگوں کو ایمان میں مجتمع کر دیتا۔

وَادَّكَرَ بَعْدَ أُمَّةٍ۔ (یوسف: ۴۵) — اس (ساقی) کو ایک عرصہ کے بعد یوسف یاد آیا۔

امت کا معنی ہے ایک زمانہ کے لوگوں کے ختم ہونے کے بعد یا ایک عصر کے لوگوں کے گزرنے کے بعد، اور یہاں مراد ہے لمبی مدت گزرنے کے بعد۔

إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ۔ (النحل: ۱۲۰) — بے شک ابراہیم (اپنی ذات میں) ایک امت تھے۔

یعنی وہ ایک ایسے شخص تھے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے میں ایک جماعت کے قائم مقام تھے، پوری امت مل کر جتنی عبادت کرتی، وہ تنہا اتنی عبادت کرتے تھے۔ اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت سعید بن زید بیان کرتے ہیں کہ میں نے اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت زید بن عمرو بن نفیل کے متعلق پوچھا آپ نے فرمایا: وہ اکیلا قیامت کے دن ایک امت کے طور پر آئے گا۔ (مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۹۷۳، حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کی سند حسن ہے)

(المفردات ج ۱ ص ۲۸، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو امت فرمانے کی توجیہات

(۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام پر جو امت کا اطلاق کیا گیا ہے، اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ ایک قوم یا ایک امت مل کر جتنے نیکی کے کام کرتی یا جتنی عبادت کرتی، حضرت ابراہیم علیہ السلام تنہا اتنی عبادت کرتے تھے اور اتنے نیکی کے کام کرتے تھے۔

(۲) مجاہد نے کہا حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے ابتدائی دور میں صرف ایک مومن تھے اور باقی تمام لوگ کافر تھے، اس لیے وہ اپنی ذات میں امت تھے۔ جیسے آپ نے زید بن عمرو بن نفیل کے متعلق فرمایا وہ قیامت کے دن ایک امت کے طور پر اٹھایا جائے گا۔ (زاد المسیر ج ۴ ص ۵۰۳، تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۲۶۸۲)

(۳) شہر بن حوشب بیان کرتے ہیں روئے زمین کبھی ایسے چودہ آدمیوں سے خالی نہیں رہی جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اہل زمین سے عذاب دور کرتا ہے اور ان کی برکت کو ظاہر فرماتا ہے، سوائے حضرت ابراہیم کے وہ اپنے زمانہ میں صرف ایک مومن تھے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۶۵۸۸)

(۴) امت کا معنی یہاں پر یہ ہے جس کی اقتداء کی جائے اور وہ امام ہو یہ مصدر مفعول کے معنی میں ہے جیسے خلق مخلوق

کے معنی میں ہے سوامت ماموم کے معنی میں ہے یعنی امام۔ قرآن مجید میں ہے انی جاعلک للناس اماما۔ (البقرہ: ۱۲۴)

(۵) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سبب سے ان کی امت توحید اور دین حق میں دوسری امتوں سے ممتاز ہوئی اور چونکہ وہ امت کے امتیاز کا سبب تھے، اس وجہ سے ان کو امت کہا گیا۔

(۶) امت کا ایک معنی ہے، نیکی اور خیر کی تعلیم دینے والا۔ حدیث میں ہے:

فروہ بن نوفل اشجعی بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود نے کہا کہ حضرت معاذ ایک امت تھے، اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار باطل سے مجتنب۔ میں نے دل میں کہا ابو عبد الرحمن نے غلط کہا، اللہ تعالیٰ نے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے فرمایا ہے ان ابراھیم کان امۃ قانتا للہ، حضرت ابن مسعود نے کہا تم جانتے ہو کہ امت کا کیا معنی ہے اور قانت کا کیا معنی ہے؟ میں نے کہا اللہ تعالیٰ ہی زیادہ جاننے والا ہے۔ انہوں نے کہا امت وہ شخص ہے جو نیکی اور خیر کی تعلیم دے اور قانت وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرنے والا ہو اور حضرت معاذ نیکی اور خیر کی تعلیم دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۶۵۸۵، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۹۹۴۳، المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۳۶۶۵، المستدرک رقم الحدیث: ۳۳۱۸)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دوسری صفت یہ ذکر فرمائی کہ وہ قانت ہیں۔ قانت کے معنی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنے والا ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا قانت کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تیسری صفت یہ ذکر فرمائی کہ وہ حنیف ہیں جو دین اسلام کی طرف دوام وثبات کے ساتھ میلان کرنے والا ہو، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا حضرت ابراہیم علیہ السلام پہلے شخص تھے جنہوں نے ختنہ کیا اور جنہوں نے مناسک حج قائم کیے اور قربانی کی اور یہ صفات حنیفیہ ہیں۔

چوتھی صفت ذکر فرمائی کہ وہ مشرکین میں سے نہیں ہیں، وہ اپنے بچپن، جوانی اور تمام عمر موحد رہے اور توحید پر دلائل قائم کرتے رہے۔ نمرود پر حجت قائم کرتے ہوئے انہوں نے کہا ربی الذی یحی ویمیت۔ (البقرہ: ۲۵۸) میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ پھر بتوں اور ستاروں کی عبادت کو باطل فرمایا۔ بتوں کے متعلق فرمایا:

قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ۝ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ (الانبیاء: ۶۷-۶۶)

ابراہیم نے کہا کیا تم اللہ کے سوا ایسوں کی عبادت کرتے ہو جو تم کو نہ کچھ نفع پہنچا سکیں اور نہ تم کو نقصان پہنچا سکیں۔ تف ہے تم پر اور تمہارے ان معبودوں پر جن کی تم اللہ کے سوا پرستش کرتے ہو، تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟

اور ستاروں کی الوہیت باطل کرتے ہوئے فرمایا لا احب الافلین (الانعام: ۷۶) پھر حضرت ابراہیم نے بتوں کو توڑ ڈالا اور انجام کار بت پرستوں نے آپ کو بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈال دیا پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مزید طمانیت حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ وہ آپ کو دکھائے کہ وہ مردوں کو کیسے زندہ فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں مردے زندہ کر کے دکھا دیا۔ غرض جو شخص بھی قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صفات کا مطالعہ کرے گا اس پر یہ منکشف ہو گا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بحر توحید میں مستغرق تھے۔

پانچویں صفت یہ ذکر فرمائی کہ وہ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے والے ہیں۔ روایت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کسی مہمان کے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے، ایک دن ان کو کوئی مہمان نہیں ملا تو انہوں نے اپنا کھانا موخر کر دیا پھر کچھ فرشتے

انسانوں کی صورت میں آئے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہیں کھانے کی دعوت دی۔ انہوں نے بتایا کہ انہیں جذام کی بیماری ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اب تو مجھ پر واجب ہے کہ میں تم کو کھانا کھلاؤں کیونکہ اگر اللہ کے نزدیک تمہاری قدر و منزلت نہ ہوتی تو وہ تم کو اس بلا میں مبتلا نہ کرتا۔

چھٹی صفت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو نبوت کے لیے پسند فرمالیا۔

ساتویں صفت یہ فرمائی کہ ان کو سیدھے راستے کی ہدایت دی۔ یعنی ان کو تبلیغ کرنے، اللہ کی طرف دعوت دینے، دین حق کی طرف راغب کرنے اور بت پرستی سے لوگوں کو متنفر کرنے میں ان کو صراط مستقیم کی ہدایت دی۔ وہ لوگوں سے کہتے تھے میرا یہ طریقہ سیدھا راستہ ہے، تم اس کی پیروی کرو۔ (الانعام: ۱۵۳)

آٹھویں صفت میں فرمایا ہم نے ان کو دنیا میں اچھائی دی۔ قتادہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کے دلوں میں ان کی محبت ڈال دی، تمام مذاہب والے ان کو مانتے ہیں، یہودیوں اور عیسائیوں کا ان کو ماننا تو بالکل ظاہر ہے، باقی رہے کفار قریش اور باقی عرب تو وہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہونے پر فخر کرتے تھے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی:

وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ۔ (الشعراء: ۸۴) — اور میرے بعد آنے والوں میں میری نیک نامی جاری کر دے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول فرمائی اور تمام ادیان میں ان کا نام عزت اور احترام سے لیا جاتا ہے، ہم ہر نماز میں ان پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں، کما صلیت علی ابراہیم وعلی آل ابراہیم۔

نویں صفت یہ ہے اور وہ آخرت میں بھی نیکوکاروں سے ہوں گے اور اس صفت کا ذکر کر کے یہ ظاہر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول فرمائی ہے:

رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ۔ (الشعراء: ۸۳) — اے میرے رب مجھے حکم عطا فرما اور مجھے صالحین کے ساتھ ملا دے۔

ملت ابراہیم کی اتباع کی توجیہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ صفات ذکر فرمائیں پھر یہ فرمایا کہ اور پھر ہم نے آپ کی طرف یہ وحی کی کہ آپ ملت ابراہیم کی پیروی کریں۔ بعض لوگوں نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی منفرد شریعت نہیں تھی اور آپ کی بعثت سے مقصود یہ تھا کہ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کو زندہ کریں اور وہ لوگ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صفات ذکر کرنے بعد یہ حکم دیا کہ آپ ان کی ملت کی پیروی کیجئے۔ ہم کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی اتباع کرنے سے مراد یہ ہے کہ تبلیغ کے طریقہ میں ان کی پیروی کیجئے یعنی جس طرح وہ نرمی اور سہولت سے تبلیغ کرتے تھے، آپ بھی اسی طرح نرمی اور سہولت سے تبلیغ کیجئے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہفتہ کا دن تو صرف ان لوگوں پر لازم کیا گیا تھا جنہوں نے اس میں اختلاف کیا تھا، اور بے شک آپ کا رب ان کے درمیان قیامت کے دن ان چیزوں کا فیصلہ فرما دے گا جس میں وہ اختلاف کرتے تھے O (النحل: ۱۲۴)

یہودیوں کا ہفتہ کو اور عیسائیوں کا اتوار کو عبادت کے لیے مخصوص کرنا

ہفتہ کے دن میں جو انہوں نے اختلاف کیا تھا، اس کی تفصیل میں امام عبدالرحمٰن جوزی متوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنو اسرائیل سے فرمایا ہفتہ کے دنوں میں سے ایک دن اللہ کے لیے فارغ کرو اور جمعہ کے دن اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس دن تم اپنے کاموں میں سے کوئی کام نہ کرو۔ انہوں نے اس حکم کو ماننے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے کہا ہم اسی دن کو عبادت کے لیے مقرر کرنا چاہتے ہیں جس دن اللہ تعالیٰ مخلوق کی تخلیق سے فارغ ہو گیا تھا اور وہ ہفتہ کا دن ہے۔ پس ان کے لیے ہفتہ کا دن مقرر کر دیا گیا پھر ان پر اس دن کی عبادت کرنے میں سختی کی گئی۔ یہ ابو صالح نے حضرت ابن عباس سے روایت بیان کی ہے، اور مقاتل نے بیان کیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو جمعہ کا دن عبادت کے لیے مقرر کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے کہا ہم ہفتہ کے دن کو فارغ کریں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس دن میں کوئی چیز پیدا نہیں کی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا مجھے تو جمعہ کے دن کا حکم دیا گیا ہے۔ بنی اسرائیل کے علماء نے کہا تم اپنے نبی کے حکم کی تعمیل کرو۔ بنو اسرائیل نے اپنے علماء کے حکم کو بھی ماننے سے انکار کر دیا اور یہ ان کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ یہ ہفتہ کے دن کو مقرر کرنے پہ بہت حریص ہیں تو آپ نے انہیں ہفتہ کے دن کو مقرر کرنے کا حکم دے دیا، اور انہوں نے اس دن میں گناہ کرنے شروع کر دیئے۔ اور قتادہ نے کہا ہے کہ بعض یہودیوں نے ہفتہ کے دن کو حلال قرار دیا اور بعض نے حرام قرار دیا۔ (زاد المسیر ج ۴ ص ۵۰۵، مطبوعہ مکتبہ اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

امام رازی نے لکھا ہے ان کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئے، ان کو بھی جمعہ کے دن کا حکم دیا گیا۔ نصاریٰ نے کہا ہم یہ نہیں چاہتے کہ ہماری عید ان کی عید سے پہلے ہو اور انہوں نے اتوار کا دن اپنا لیا۔

(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۲۸۶، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

مسلمانوں کا جمعہ کے دن کی ہدایت کو پانا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہم (بعثت میں) آخر ہیں اور قیامت کے دن سابق ہوں گے۔ البتہ ان کو ہم سے پہلے کتاب دی گئی ہے پھر یہ (جمعہ کا دن) وہ دن ہے جو ان پر بھی فرض کیا گیا تھا، انہوں نے اس دن میں اختلاف کیا اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس دن کی ہدایت دے دی۔ لوگ اس (دن) میں ہمارے تابع ہیں، یہود (جمعہ کے بعد) اگلا دن مانتے ہیں اور نصاریٰ اس کے بعد والا دن۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۷۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۵۵، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۳۶۷، مسند احمد رقم الحدیث: ۷۳۹۵، عالم الکتب)

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان پر بعینہٖ جمعہ کا دن فرض ہوا تھا اور انہوں نے اس کو ترک کر دیا، کیونکہ کسی مومن کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اللہ کے فرض کو ترک کر دے۔ البتہ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ ان پر ہفتہ میں سے کوئی ایک دن فرض کیا گیا تھا اور ان کے اختیار کے سپرد کر دیا گیا تھا کہ اس دن میں اپنی شریعت قائم کریں پھر انہوں نے اس میں اختلاف کیا کہ اس کے لیے کون سا دن مقرر کریں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں جمعہ کے دن کی ہدایت نہیں دی اور جمعہ کے دن کو اس امت کے لیے ذخیرہ کر رکھا تھا، اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس امت کو جمعہ کے دن کی ہدایت دے دی اور اس وجہ سے اس امت کو باقی تمام امتوں پر فضیلت دی گئی ہے، کیونکہ جن دنوں میں سورج طلوع ہوتا ہے، ان میں سب سے افضل دن جمعہ کا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس دن کو یہ فضیلت دی ہے کہ اس دن میں وہ ساعت ہے جس میں اللہ تعالیٰ دعا قبول فرماتا ہے۔ (شرح صحیح البخاری لابن بطال، ج ۲ ص ۴۷۶-۴۷۵، مطبوعہ مکتبہ الرشید ریاض، ۱۴۲۰ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

علامہ نووی نے یہ کہا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ یہودیوں کو صراحتاً جمعہ کے دن کا حکم دیا گیا ہو، پھر انہوں نے اس میں اختلاف کیا کہ آیا ان پر جمعہ کے دن کی تعیین لازم ہے یا ان کے لیے جمعہ کے دن کو کسی اور دن کے ساتھ تبدیل کرنے کی گنجائش ہے، پھر انہوں نے اجتہاد کیا اور اس میں خطا کی اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ امام ابن جریر نے سند صحیح کے ساتھ مجاہد سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ۔ (النحل: ۱۲۴)　　ہفتہ کا دن تو صرف ان لوگوں پر لازم کیا تھا جنہوں نے اس میں اختلاف کیا تھا۔

مجاہد نے کہا انہوں نے جمعہ کا ارادہ کیا تھا پھر اس میں خطا کی اور اس کی جگہ ہفتہ کا دن مقرر کر لیا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۶۵۹۶) اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس اختلاف سے مراد یہود اور نصاریٰ کا اختلاف ہو، اور یہودیوں سے اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کرنا کوئی بعید نہیں ہے۔ ان سے کہا گیا تھا کہ دروازہ سے جھکتے ہوئے جانا اور حطۃ کہنا۔ انہوں نے اس قول کو تبدیل کر لیا، اور وہ کہتے تھے سمعنا و عصینا ہم نے سنا اور اس کی مخالفت کی، اور امام عبدالرزاق نے سند صحیح کے ساتھ محمد بن سیرین سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے پہلے اہل مدینہ جمع ہوئے۔ پس انصار نے کہا یہود کا ایک دن ہے جس میں وہ ہر ہفتے میں ایک دن جمع ہوتے ہیں۔ اسی طرح نصاریٰ کا بھی ایک دن ہے، آؤ ہم بھی ایک دن مقرر کر لیں اس دن ہم جمع ہو کر اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کریں اور نماز پڑھیں پھر انہوں نے جمعہ کا دن مقرر کر لیا۔ یہ حدیث اگرچہ مرسل ہے لیکن اس کی سند حسن ہے، اور امام احمد اور امام ابوداؤد اور امام ابن ماجہ نے اور دیگر ائمہ حدیث نے روایت کیا ہے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے آنے سے پہلے مدینہ میں ہم کو سب سے پہلے اسعد بن زرارہ نے نماز جمعہ پڑھائی اور چالیس مسلمانوں نے نماز جمعہ پڑھی۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۰۶۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۰۸۲) اس حدیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ان صحابہ نے اپنے اجتہاد سے نماز جمعہ پڑھی اور اس میں کوئی ممانعت نہیں ہے کہ جب نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں تھے، اس وقت آپ کو نماز جمعہ کا حکم دیا گیا ہو لیکن وہاں آپ نماز جمعہ قائم کرنے پر قادر نہ تھے، لہٰذا مدینہ میں آ کر سب سے پہلے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نماز جمعہ قائم کی۔ جیسا کہ امام ابن اسحاق نے روایت کیا ہے۔ مسلمانوں نے اپنے اجتہاد سے جو جمعہ کا دن اختیار کیا اس کی حکمت یہ ہے کہ جمعہ کے دن ہی حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی اور انسان کو عبادت کے لیے پیدا کیا گیا ہے، اس لیے مناسب یہ ہے کہ وہ جمعہ کے دن عبادت میں مشغول ہو، اور اللہ تعالیٰ نے جمعہ کے دن موجودات کو مکمل کیا اور اسی دن انسان کو پیدا کیا تاکہ وہ ان سے نفع حاصل کرے۔ اس لیے مناسب یہ تھا کہ وہ اس دن عبادت کر کے اس پر اللہ کا شکر ادا کریں۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۳۵۶، مطبوعہ لاہور، التوشیح للسیوطی ج ۲ ص ۵، مطبوعہ بیروت، ۱۴۲۰ھ)

جمعہ کے دن کی چھٹی کا مسئلہ

آج کل دنیا میں یہودی ہفتہ کے دن چھٹی کرتے ہیں کیونکہ یہ ان کا مذہبی مقدس دن ہے اور عیسائی اور ان کے زیر اثر یورپی ممالک اتوار کے دن چھٹی کرتے ہیں کیونکہ یہ ان کا مذہبی مقدس دن ہے اور مسلمان ملکوں میں جمعہ کے دن چھٹی کی جاتی ہے کیونکہ یہ مسلمانوں کا مقدس دن ہے۔ انگریزی میں چھٹی کے دن کو Holy Day کہتے ہیں۔ یعنی مقدس دن اور عیسائیوں کا مقدس دن اتوار ہے اس لیے وہ اتوار کے دن چھٹی کرتے ہیں تاکہ دنیاوی کام کاج سے اتوار کے دن عبادت کے لیے فارغ ہو جائیں اور اب بھی عیسائی اتوار کے دن چرچ میں جا کر عبادت اور خصوصی دعا کرتے ہیں۔

مسلمانوں کے ابتدائی دور میں چھٹی کا کوئی رواج اور دستور نہیں تھا' وہ ہفتہ کے تمام ایام میں کام کاج بھی کرتے تھے' کاروبار بھی کرتے تھے' محنت مزدوری اور ملازمت بھی کرتے تھے پھر جب دنیا میں یہ شعور پیدا ہوا کہ ہفتہ میں ایک دن کام کاج سے فراغت کا ہونا چاہیے اور عیسائیوں نے اتوار کو اور یہودیوں نے ہفتہ کو آرام اور چھٹی کے لیے مخصوص کرلیا تو مسلمانوں نے جمعہ کے دن کو مخصوص کرلیا۔ چنانچہ تمام عرب ریاستوں' مشرق وسطیٰ' انڈونیشیا' ملیشیا' افغانستان اور بنگلہ دیش وغیرہ میں جمعہ کو چھٹی کی جاتی ہے۔ پاکستان میں بھی پہلے جمعہ کی چھٹی ہوتی تھی تا آنکہ یکم فروری ۱۹۹۷ء میں نواز شریف نے برسراقتدار آکر جمعہ کی چھٹی منسوخ کرکے اتوار کی چھٹی کرنے کا اعلان کیا۔

اتوار کی چھٹی کرنے کے دلائل اور ان کے جوابات

نواز شریف کے حواریوں نے اتوار کی چھٹی پر دو دلیلیں پیش کی ہیں۔ پہلی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید نے جمعہ کے دن کاروبار کرنے کا امر کیا ہے اور امر وجوب کے لیے آتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن کاروبار کرنا واجب ہے اور اس دن چھٹی کرنا وجوب کے منافی ہے' اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن چھٹی کرنا جائز نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا الْبَيْعَ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ۔ (الجمعہ: ۱۰-۹)

اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن اذان دی جائے تو تم اللہ کے ذکر (نماز جمعہ) کی طرف دوڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔ یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے اگر تم جانتے ہو○ اور جب نماز پوری ہو جائے تو تم زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔

اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ اس آیت سے جمعہ کے دن کاروبار کرنے کا وجوب ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اذان جمعہ کے وقت کاروبار کرنے سے منع فرمایا ہے اور نماز کے بعد کاروبار کرنے اور اللہ کے فضل کو تلاش کرنے کا حکم دیا ہے اور ممانعت کے بعد جو امر آئے وہ وجوب کے لیے نہیں اباحت کے لیے آتا ہے جیسے اذا حللتم فاصطادوا میں ہے۔ پہلے محرم کو شکار سے منع فرمایا پھر احرام کھولنے کے بعد شکار کرنے کا امر فرمایا' اس کا مطلب یہ نہیں کہ احرام کھولنے کے بعد اس پر شکار کرنا واجب ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے لیے شکار کرنے کی ممانعت نہیں ہے' وہ چاہے تو شکار کرسکتا ہے۔ اسی طرح نماز جمعہ کے بعد کاروبار کرنے کی ممانعت نہیں ہے' مسلمان چاہیں تو کاروبار کرسکتے ہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ "اور اللہ کا فضل تلاش کرو" کا لازمی مطلب یہ نہیں ہے کہ کاروبار کرو بلکہ اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نماز کے بعد دعا کرو تو اپنی نماز کی بناء پر سوال نہ کرو بلکہ اللہ کے فضل کی بناء پر سوال کرو' اور اس کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ عبادت کرنا بھی اللہ کے فضل سے میسر ہوتا ہے سو نماز کے بعد تم مزید اللہ کے فضل کو تلاش کرو اور اللہ تعالیٰ سے مزید اللہ کی عبادت کی توفیق مانگو۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ اگر بالفرض جمعہ کی چھٹی کرنا اس آیت سے ممنوع بھی ہو تو اس پر یہ کب لازم آتا ہے کہ خواہ مخواہ اتوار کی چھٹی کی جائے' کسی اور دن بھی چھٹی کی جاسکتی ہے۔

اتوار کی چھٹی کے مثبتین کی دوسری دلیل یہ ہے کہ یورپی ممالک میں اتوار کی چھٹی ہوتی ہے اور ان ممالک سے تجارت کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم بھی اسی دن چھٹی کریں اگر ہم جمعہ کے دن چھٹی کریں تو دو دن ہمارا کاروبار متاثر ہوگا اتوار

کو ان کی چھٹی کی وجہ سے اور جمعہ کو ہماری چھٹی کی وجہ سے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان ممالک کے ساتھ جغرافیائی فرق کی وجہ سے ویسے بھی ہمارے اور ان کے اوقات کی یکسانیت نہیں ہے۔ مثلاً امریکہ کا وقت ہم سے تقریباً بارہ گھنٹے پیچھے ہے، آسٹریلیا کا وقت ہم سے تقریباً دس بارہ گھنٹے پہلے ہے اور برطانیہ کا وقت پانچ گھنٹے پیچھے ہے۔ اسی طرح مشرق بعید کے ممالک کا وقت بھی ہم سے کافی مختلف ہے اس لیے اتوار کی چھٹی کرنے پر ان ممالک کی یکسانیت سے استدلال کرنا درست نہیں ہے۔

جمعہ کی چھٹی کرنے کے دلائل

اسلام میں چھٹی کرنے کا کوئی حکم نہیں ہے لیکن جب ہفتہ میں ایک دن چھٹی کرنی ہی ہے تو اس دن چھٹی کرنی چاہیے جو اسلام میں مقدس دن ہے۔ عیسائی اور یہودی اپنے اپنے مقدس دنوں میں اتوار اور ہفتہ کی چھٹی کرتے ہیں سو ہمیں اپنے مقدس دن میں چھٹی کرنی چاہیے اور وہ جمعہ کا دن ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ باقی تمام مسلمان ملکوں میں جمعہ کے دن چھٹی ہوتی ہے تو ہمیں بھی باقی مسلمان ملکوں سے موافقت کرتے ہوئے جمعہ کے دن چھٹی کرنی چاہیے۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ اتوار کو چھٹی کرنے سے عیسائیوں کی موافقت ہوگی جبکہ ہمیں عیسائیوں کی مخالفت کرنے کا حکم دیا گیا ہے جیسا کہ حسب ذیل احادیث سے ظاہر ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہود اور نصاریٰ بالوں کو نہیں رنگتے سو تم ان کی مخالفت کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۸۹۹، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۲۰۳، سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۲۷۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۲۱، مسند احمد الحدیث: ۷۲۷۳)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم باہر نکلے اور انصار کے بوڑھوں کے پاس آئے، ان کی ڈاڑھیاں سفید تھیں۔ آپ نے فرمایا اے انصار کی جماعت! اپنی ڈاڑھیوں کو سرخ اور زرد رنگ میں رنگو اور اہل کتاب کی مخالفت کرو۔ انہوں نے کہا۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! اہل کتاب شلوار پہنتے ہیں اور تہبند نہیں باندھتے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا شلوار پہنو اور تہبند باندھو اور اہلِ کتاب کی مخالفت کرو۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! اہل کتاب موزے پہنتے ہیں اور اس پر چمڑے کی جوتی نہیں پہنتے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم موزے پہنو اور اس پر چمڑے کی جوتی پہنو اور اہل کتاب کی مخالفت کرو۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! اہلِ کتاب ڈاڑھیاں کاٹتے ہیں اور مونچھیں چھوڑ دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا تم مونچھیں تراشو اور ڈاڑھیاں چھوڑ دو اور اہل کتاب کی مخالفت کرو۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۲۶۵۔ ۲۶۴، طبع قدیم، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۲۶۳۹، طبع جدید عالم الکتب بیروت، حافظ زین نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۲۱۸۴، دار الحدیث قاہرہ، حافظ الہیثمی نے کہا امام احمد کی سند صحیح ہے، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۳۱، ۱۶۰، المعجم الکبیر ج ۸ ص ۲۸۲، رقم الحدیث: ۷۹۲۴)

خلاصہ یہ ہے کہ جمعہ کی چھٹی کرنے میں مسلمان ملکوں کی موافقت ہے اور اتوار کی چھٹی کرنے میں عیسائیوں کی موافقت ہے۔ اب ہمیں غور کرنا چاہیے کہ ہم کس کی موافقت کریں اور ہمارا مقدس دن (Holy Day) جمعہ ہے یا اتوار!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ بلایئے اور احسن طریقے کے ساتھ ان پر حجت قائم کیجئے۔ بے شک آپ کا رب ان کو بہت جاننے والا ہے جو اس کے راستے سے بھٹک گئے اور

وہ ہدایت پانے والوں کو بھی خوب جاننے والا ہے O (النحل : ۱۲۵)

حکمت، موعظت حسنہ اور جدل کے لغوی اور اصطلاحی معنی

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا تھا کہ مشرکین رسولوں کا مذاق اڑاتے تھے، ان کے پیغام کی تکذیب کرتے تھے اور وہ جو آخرت کے عذاب سے ڈراتے تھے، اس کا انکار کرتے تھے اور اس کے ساتھ استہزا کرتے تھے جس کی وجہ سے رسولوں کو ان کی گمراہی پر افسوس ہوتا تھا اور ان کے عناد، ضد اور ہٹ دھرمی کو دیکھ کر وہ ان کے ایمان لانے سے مایوس ہو جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت دینے کے لیے بہت مستحکم دلائل قائم کیے اور بہت عام فہم مثالیں بیان فرمائیں اور اسی نہج پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دعوت دینے کے لیے ارشاد فرمایا کہ آپ ان کو اپنے رب کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ بلائیے۔ اپنے رب کے راستے سے مراد ہے اسلام یعنی آپ ان کو حکمت کے ساتھ اسلام کی دعوت دیجئے۔

حکمت کا معنی ہے افعال کے حسن اور قبح اور صحت اور فساد کو جاننا اور ایک قول یہ ہے کہ کسی چیز کو اس کے نتائج کے فساد اور خرابی کی وجہ سے اختیار کرنے سے منع کرنا یا کسی چیز کو اس کے نتائج کی عمدگی کی وجہ سے اختیار کرنے کی تلقین کرنا، اور جو دلیل مقدمات یقینیہ سے مرکب ہو اس کو بھی حکمت کہتے ہیں، اور موعظت حسنہ سے مراد ہے کسی کام کی ترغیب کے لیے اچھے اجر کی مثال دینا یا کسی کام سے باز رکھنے کے لیے سزا اور عذاب سے ڈرانا، اور جو دلیل مقدمات ظنیہ سے مرکب ہو اس کو بھی موعظت حسنہ کہتے ہیں۔ اس اعتبار سے جو دلیل قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ ہو، وہ حکمت ہے اور جو دلیل ظنی الثبوت اور قطعی الدلالۃ ہو یا قطعی الثبوت اور ظنی الدلالۃ ہو، وہ موعظت حسنہ ہے اور جو دلیل مخالف کے مسلمات پر مبنی ہو وہ جدل اور جدال ہیں۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے توحید اور رسالت پر جو دلائل قائم کیے ہیں، وہ سب از قبیل حکمت ہیں اور نیک کاموں پر اجر وثواب اور برے کاموں پر عذاب کی جو مثالیں دی ہیں، وہ از قبیل موعظت حسنہ ہیں، اور جدل کی مثال یہ ہے:

اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ ؕ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى

جب انہوں (یہودیوں) نے کہا اللہ نے کسی بشر پر کوئی چیز نازل نہیں کی، آپ کہیے پھر اس کتاب کو کس نے نازل کیا ہے جس کو موسیٰ لے کر آئے تھے؟ (الانعام : ۹۱)

یہودیوں نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت اور آپ پر نزول قرآن کا انکار کرتے ہوئے کہا کہ اللہ نے کسی بشر پر کچھ نازل نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا کہ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات کس نے نازل کی تھی؟ کیونکہ وہ اس کو مانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ پر تورات نازل کی ہے۔

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

علم اور عقل سے حق اور صواب کو حاصل کرنا حکمت ہے، اللہ تعالیٰ کی حکمت کا معنی ہے اشیاء کی معرفت اور ان کو مضبوط طریقہ سے پیدا کرنا، اور انسان کی حکمت ہے موجودات کی معرفت اور نیک کاموں کا کرنا، اور میر سید شریف نے حکمت کی حسب ذیل تعریفات کی ہیں:

(۱) قوت عقلیہ جو افراط اور تفریط کے درمیان متوسط ہو۔

(۲) انسان کا اپنی طاقت کے مطابق نفس الامر میں حق اور صدق کو حاصل کرنا۔

(۳) ہر وہ کلام جو حق کے موافق ہو، وہ حکمت ہے۔

(۴) ہر چیز کو اپنے مقام پر رکھنا حکمت ہے۔
(۵) جس چیز کا انجام اچھا ہو' وہ حکمت ہے۔ (المفردات ج ۱ ص ۱۶۸-۱۶۷' التعریفات ص ۶۶ مطبوعہ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)
علامہ راغب نے لکھا ہے جس وعظ میں کسی سزا سے ڈرایا گیا ہو وہ موعظت ہے' خلیل نے کہا نیکی کے کاموں کو اس طور سے یاد دلانا کہ اس سے دل نرم ہو جائیں یہ موعظت ہے۔ (المفردات ج ۲ ص ۶۸۳' مطبوعہ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)
علامہ راغب اصفہانی نے کہا کسی شخص کا دوسرے پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے دلائل پیش کرنا جدل ہے۔ میر سید شریف نے کہا جو قیاس مقدمات مشہورہ اور مقدمات مسلمہ سے مرکب ہو' اس کو جدل کہتے ہیں۔ اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ مخالف پر الزام قائم کیا جائے اور خصم کو ساکت کیا جائے۔ (المفردات ج ۱ ص ۱۱۷' التعریفات ص ۵۵)
اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا بے شک آپ کا رب ان کو بہت جاننے والا ہے جو اس کے راستہ سے بھٹک گئے اور وہ ہدایت پانے والوں کو بھی خوب جاننے والا ہے۔
اس کا معنی یہ ہے کہ آپ صرف ان تین طریقوں سے لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں باقی کسی کو ہدایت یافتہ بنا دینا یہ آپ کا منصب نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کو خوب علم ہے کہ ان میں سے کون اپنے اختیار سے ہدایت کو قبول کرے گا اور کون اپنے اختیار سے گمراہی پر ڈٹا رہے گا۔ سو جس نے اپنے اختیار سے ہدایت کو قبول کرنا ہو اس کو اللہ تعالیٰ ہدایت یافتہ بنا دے گا' اور جس نے اپنے اختیار سے گمراہی پر ڈٹے رہنا ہو اس کو گمراہ رکھے گا۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر تم ان کو سزا دو تو اتنی ہی سزا دینا جتنی تمہیں تکلیف پہنچائی گئی ہے اور اگر تم صبر کرو تو بے شک صبر کرنے والوں کے لیے صبر بہت اچھا ہے ○ (النحل: ۱۲۶)

بدلہ لینے میں تجاوز نہ کیا جائے

اس آیت کے شان نزول میں یہ روایت بیان کی گئی ہے:
حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ احد کے دن ۶۴ انصار شہید ہوئے اور ۶ مہاجرین شہید ہوئے' ان میں سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ بھی تھے جن کو انہوں نے مثلہ کیا تھا تب انصار نے کہا اگر کسی دن ہمیں موقع ملا تو ہم بھی ان کے ساتھ اس طرح کر کے دکھا دیں گے' پھر فتح مکہ کے دن اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور اگر تم ان کو سزا دو تو اتنی ہی سزا دینا جتنی تمہیں تکلیف پہنچائی گئی ہے۔
(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۲۹' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۸۷' المستدرک ج ۲ ص ۳۵۹' ۳۵۸' قدیم' المستدرک رقم الحدیث ۳۴۱۹' جدید' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۳ ص ۲۸۹' مسند البزار رقم الحدیث: ۱۷۹۵' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۲۹۳۷' اسباب النزول ص ۲۱۴' مجمع الزوائد ج ۶ ص ۱۲۲)
اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ جب مظلوم ظالم سے بدلہ لے تو وہ حد سے تجاوز نہ کرے اور اتنی ہی سزا دے جتنا اس پر ظلم کیا گیا ہے۔ ابن سیرین نے کہا ہے اگر کسی شخص نے تم سے کوئی چیز چھینی ہے تو تم بھی اس سے اتنی ہی چیز لے لو۔
اس سے پہلے یہ فرمایا تھا کہ آپ لوگوں کو دین کی دعوت دیجئے' حکمت سے' موعظت حسنہ سے اور جدل سے۔ پھر جب آپ ان کو اسلام کی طرف بلائیں گے تو ان کو ان کے سابق دین سے اور ان کے آباؤ اجداد کے دین سے رجوع کرنے کا حکم دیں گے اور اس دین پر کفر اور ضلالت کا حکم لگائیں گے اور اس سے ان کے دلوں میں آپ کے خلاف نفرت اور عداوت پیدا ہوگی اور اس دعوت کو سننے والے آپ کو برا کہیں گے اور آپ کو ضرر اور ایذاء پہنچائیں گے اور آپ کو قتل کرنے کے

درپے ہوں گے، پھر اگر تبلیغ کرنے والے مسلمان ان کی ایذاء رسانی کا بدلہ لینا چاہیں یا بدلہ لینے پر قادر ہوں تو ان کو اتنی ہی ایذاء پہنچائیں جتنی ان کو ایذا پہنچائی گئی ہے۔

بدلہ لینے کے بجائے صبر کرنے میں زیادہ فضیلت ہے

اس آیت میں مسلمانوں کو عدل اور انصاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس آیت میں اس کے دو مرتبے بیان کیے گئے ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر تم ان کو سزا دو تو اتنی ہی سزا دینا جتنی تمہیں تکلیف پہنچائی گئی ہے۔ یعنی اگر تم بدلہ لینے میں رغبت کرو تو بدلہ لینے میں زیادتی نہ کرنا کیونکہ زیادتی کرنا ظلم ہے اور تم کو ظلم کرنے سے منع کیا گیا ہے' اور اس طرز بیان میں یہ رمز اور تعریض ہے کہ اگر تم بدلہ لینے کو ترک کر دو تو یہ تمہارے حق میں زیادہ اولیٰ اور افضل ہے۔

(۲) اس کے بعد جب یہ فرمایا اور اگر تم صبر کرو تو بے شک صبر کرنے والوں کے لیے صبر بہت اچھا ہے۔ پہلے رمز اور تعریض کے طور پر فرمایا کہ بدلہ نہ لیا جائے اور اس آیت کے اس حصہ میں صراحتاً فرمایا ہے کہ بدلہ نہ لیا جائے اور بدلہ لینے کی بہ نسبت صبر کرنا بہتر ہے۔

قرآن مجید کی حسب ذیل آیتوں میں بھی یہ فرمایا ہے کہ ہر چند کہ ظلم کا بدلہ لینا جائز ہے لیکن بدلہ لینے کی بجائے صبر کرنے کی بہت زیادہ فضیلت ہے۔

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ○ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ○ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ○ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ○ (الشوریٰ: ۴۳-۳۹)

اور جو لوگ کسی کے ظلم کا شکار ہوں وہ بدلہ لیتے ہیں ○ اور برائی کا بدلہ اسی کی مثل برائی ہے پھر جو معاف کر دے اور نیکی کرے تو اس کا اجر اللہ (کے ذمہ کرم) پر ہے بے شک اللہ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ○ اور جن لوگوں نے اپنے اوپر ظلم کے بعد بدلہ لے لیا تو ان لوگوں پر (گرفت کا) کوئی جواز نہیں ○ (گرفت کا) جواز تو صرف ان لوگوں پر ہو گا جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق سرکشی کرتے ہیں' ان لوگوں کے لیے نہایت دردناک عذاب ہے ○ اور جو صبر کرے اور معاف کر دے تو یہ ضرور ہمت کے کاموں میں سے ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ صبر کیجئے آپ کا صبر صرف اللہ کی توفیق سے ہے اور آپ ان (کی سرکشی) پر غمگین نہ ہوں اور نہ ان کی سازشوں سے تنگ دل ہوں ○ بے شک اللہ ڈرنے والوں کے ساتھ ہے اور ان لوگوں کے ساتھ ہے جو نیک کام کرنے والے ہیں ○ (النحل: ۱۲۸-۱۲۷)

صبر کرنے کی ترغیب

اس سے پہلی آیت میں تعریضاً اور تصریحاً یہ فرمایا تھا کہ بدلہ لینے کی نسبت صبر کرنا افضل ہے اور اس آیت میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ظلم پر صبر کرنے کا حکم دیا ہے اور کیونکہ مظلوم کے لیے ظلم پر صبر کرنا بہت مشکل اور دشوار ہوتا ہے اس لیے فرمایا آپ کا صبر کرنا صرف اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی اعانت سے ہو گا' اور انسان جب صبر کرتا ہے تو اس کا صبر کرنا اس وقت معتبر ہوتا ہے جب اس کا دل کسی کے ظلم کی وجہ سے جوش غضب میں ہو اور وہ انتقام لینے کے لیے آمادہ ہو' اس

وقت جب وہ صبر کرے گا تو اس وقت اس کو اپنے نقصان پر غم ہو گا۔ یعنی آپ اپنے اصحاب کے نقصان پر غم نہ کریں اور ان سے بدلہ نہ لینے کی وجہ سے تنگ دل نہ ہوں۔

بدلہ نہ لینے میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی مبارک سیرت

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کو صبر کرنے اور بدلہ نہ لینے کا حکم دیا ہے۔ اس سے یہ وہم نہ ہو کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم طبعاً بدلہ لینا چاہتے تھے لیکن آپ کو اللہ تعالیٰ نے منع فرمادیا، بلکہ آپ کی سیرت اور صفت یہی تھی کہ آپ صبر فرماتے تھے اور بدلہ نہیں لیتے تھے اور ان آیتوں سے مراد یہ ہے کہ آپ اپنی صبر اور درگزر کرنے کی صفت پر برقرار رہیے۔ حدیث میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم طبعاً سخت مزاج اور درشت کلام کرنے والے تھے اور نہ تکلفاً سخت مزاج تھے اور نہ بازار میں شور کرتے تھے اور نہ برائی کا جواب برائی سے دیتے تھے لیکن معاف کردیتے تھے اور درگزر کرتے تھے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۱۶، مسند احمد ج ۶ ص ۱۷۴، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۳۳۰، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۴۰۹، سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۴۵)

علامہ شہاب الدین احمد بن حجر ہیتمی متوفی ۹۷۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے معاف کرنے اور بدلہ نہ لینے کے لیے تمہارے واسطے یہ کافی ہے کہ آپ کے دشمنوں نے آپ کو سخت ایذاء پہنچائی حتیٰ کہ آپ کے سامنے کا نچلا دانت شہید کردیا اور آپ کا چہرہ خون آلود کردیا۔ آپ کے بعض اصحاب نے فرمایا آپ ان کے خلاف دعائے ضرر فرمائیں۔ آپ نے فرمایا مجھے لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا لیکن مجھے دعا کرنے والا اور رحمت کرنے والا بنا کر بھیجا گیا ہے، اے اللہ! میری قوم کی مغفرت فرما یا فرمایا میری قوم کو ہدایت دے کیونکہ وہ مجھے نہیں پہچانتے۔ آپ کی دعا کا مطلب یہ ہے کہ میرے سر پر چوٹ لگانے کے ان کے گناہ کو معاف فرما، نہ یہ کہ ان کو مطلقاً معاف فرما، ورنہ وہ مسلمان ہو جاتے۔ یہ امام ابن حبان نے کہا ہے، اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے جنگ خندق کے دن فرمایا ان لوگوں نے ہمیں درمیانی نماز جو عصر کی نماز ہے، پڑھنے سے مشغول رکھا۔ اے اللہ! ان کے پیٹوں کو آگ سے بھر دے۔ آپ کا چہرہ خون آلود کیا گیا اس کو آپ نے معاف کردیا کیونکہ وہ آپ کا حق تھا اور کافروں نے نماز عصر میں خلل ڈالا اس کو معاف نہیں کیا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے کیونکہ آپ کا معاف کرنا اور درگزر کرنا آپ کے حقوق سے متعلق ہے۔ امام طبرانی، امام ابن حبان، امام حاکم اور امام بیہقی نے بعض ان یہودی علماء سے روایت کیا جو مسلمان ہو چکے تھے انہوں نے کہا نبوت کی جتنی علامات تھیں وہ سب میں نے سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے چہرے کو دیکھتے ہی پہچان لیں مگر دو علامتوں کے متعلق مجھے کوئی خبر نہ تھی، ایک یہ کہ آپ کا حلم اور آپ کی بردباری آپ کے غضب پر غالب ہے۔ میں آپ کے ساتھ مل جل کر رہتا تھا تاکہ میں آپ کے حلم اور آپ کی بردباری کا مشاہدہ کرسکوں۔ میں نے مدت معینہ کے ادھار پر آپ کو کھجوریں فروخت کیں اور مدت کے آنے سے پہلے میں نے آپ سے قیمت کا تقاضا کیا، ابھی دو تین دن رہتے تھے کہ میں نے آپ کی قمیص پکڑ لی اور سخت غصہ سے آپ کو گھورا اور کہا اے محمد! آپ میرا حق ادا نہیں کرتے، اللہ کی قسم! اے عبدالمطلب کی اولاد! تم لوگ سخت نادہند ہو۔ حضرت عمر نے کہا اے اللہ کے دشمن! تو میرے سامنے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم سے ایسی بات کہہ رہا ہے، اللہ کی قسم اگر مجھے تیری قوم سے معاہدہ کا خیال نہ ہوتا تو میں اپنی تلوار سے تیرا

سر قلم کر دیتا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم انتہائی سکون سے تبسم فرماتے ہوئے حضرت عمر کی طرف دیکھ رہے تھے۔ پھر فرمایا مجھے اور اس شخص کو کسی اور بات کے کہنے کی ضرورت تھی، تم مجھے اچھی طرح سے قرض ادا کرنے کا کہتے اور اس کو اچھے طریقے سے تقاضا کرنے کا کہتے، جاؤ عمر! (رضی اللہ عنہ) اس کا قرض ادا کردو اور اس کو اس کے حق کے علاوہ بیس صاع زیادہ دینا۔ حضرت عمر نے اسی طرح کیا۔ میں نے کہا اے عمر! میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے میں نبوت کی تمام علامات دیکھ چکا تھا مگر میں دو علامتیں دیکھنا چاہتا تھا، ایک یہ کہ آپ کا حلم آپ کے غضب پر غالب رہتا ہے اور دوسری یہ کہ زیادہ غضب آپ میں صرف حلم کو ہی زیادہ کرتا ہے۔ اب میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کو رب مان کر راضی ہوں اور اسلام کو دین مان کر اور سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو نبی مان کر راضی ہوں۔

امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے کہ ایک اعرابی نے آپ کی چادر اتنے زور سے کھینچی کہ آپ کی گردن پر نشان پڑ گیا۔ وہ یہ کہہ رہا تھا کہ مجھے ان دو اونٹوں پر طعام لاد کر دیجئے کیونکہ آپ مجھے اپنے مال سے لاد کر دیں گے نہ اپنے باپ کے مال سے لاد کر دیں گے۔ آپ نے فرمایا نہیں اور تین بار اللہ سے مغفرت چاہی اور فرمایا میں اس وقت تک تم کو ان اونٹوں پر غلہ لاد کر نہیں دوں گا جب تک کہ تم مجھے اس چادر کھینچنے کا بدلہ نہیں دو گے۔ اس نے کہا اللہ کی قسم! میں بدلہ نہیں دوں گا۔ آپ نے ایک شخص کو بلا کر فرمایا اس شخص کے ایک اونٹ پر کھجوریں لاد دو اور ایک اونٹ پر جو لاد دو۔ اور امام بخاری نے جو روایت کی ہے اس میں ہے کہ جب اس نے زور سے چادر کھینچی تو آپ نے اس کی طرف مڑ کر دیکھا پھر آپ ہنسے اور اس کو دینے کا حکم دیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ معاف کرنے اور درگزر کرنے اور ایذاء رسانی پر صبر کرنے کی آپ میں بہت عظیم صفت تھی۔ آپ کی اس عظیم صفت کی وجہ سے سخت طبیعت اور جفاکش سنگ دل لوگ جو پہلے آپ سے وحشیوں کی طرح متنفر تھے، آپ کی اس نرم دلی کو دیکھ کر آپ کے مطیع اور فرمانبردار ہو گئے اور آپ کے اوپر اپنی جان اور مال نچھاور کرنے لگے۔ (اشرف الوسائل ص ۵۰۳-۵۰۲، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۹ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے کبھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے اوپر کیے جانے والے ظلم کا بدلہ لیتے ہوئے نہیں دیکھا، جب تک کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے کسی حد کو نہیں توڑے اور جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے کسی حد کو توڑتا تھا تو آپ سے بڑھ کر غضب ناک کوئی نہیں ہوتا تھا اور جب بھی آپ کو دو کاموں میں سے کسی ایک کام کا اختیار دیا جاتا تو آپ ان میں سے آسان کام کو اختیار فرما لیتے بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہو۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۶۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۲۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۸۵، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۷۱۷)

علامہ ابن حجر ہیتمی متوفی ۹۷۴ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر ظلم کرنا اور آپ کو ایذاء پہنچانا کفر ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے تو آپ اس کو کیسے معاف کر دیتے تھے؟ اس کا جواب یہ ہے آپ کو ایذاء یا تو کسی سخت دل مسلمان نے پہنچائی جیسے ایک اعرابی نے آپ کی چادر کھینچ کر سوال کیا کہ اس کو دو اونٹوں میں غلہ لاد کر دیا جائے۔ تو اس کے لیے اس کی سخت دلی کا عذر ہے، اس لیے آپ نے اسے معاف کر دیا اور یا کسی منافق نے ایسا کیا تھا اور آپ کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ آپ ان کی ایذاء رسانیوں کو برداشت کریں تاکہ لوگ آپ سے متنفر نہ ہوں۔ آپ سے کہا جاتا کہ آپ ان کو قتل کر دیں تو آپ فرماتے کہ لوگ کہیں گے کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) اپنے اصحاب کو قتل کر رہے ہیں یا کوئی ذمی کافر آپ کو ایذاء پہنچاتا تو آپ مصلحت کی وجہ سے ان کے

جرم پر مواخذہ نہ فرماتے یا کوئی حربی آپ کو ایذا پہنچاتا تو آپ اس لیے اس سے مواخذہ نہ فرماتے کہ اس نے اسلام کے احکام کا التزام نہیں کیا تھا۔(اشرف الوسائل ص ۵۰۵۔ ۵۰۴، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۹ھ)

اختتامی کلمات

آج ۷ رجب ۱۴۲۱ھ / ۱۶ اکتوبر ۲۰۰۰ء بروز جمعہ بعد نماز عصر سورۃ النحل کی تفسیر مکمل ہو گئی۔ الٰہ العالمین آپ نے محض اپنے فضل و کرم سے سورۃ النحل تک یہ تفسیر مکمل کرا دی ہے۔ آپ اپنی عنایت اور توجہ سے باقی قرآن عظیم کی تفسیر بھی مکمل کرا دیں اور مجھے صحت اور نیک سیرت کے ساتھ اس کو لکھنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ میری، میرے والدین، میرے اساتذہ، میرے احباب اور قارئین کی مغفرت فرمائیں۔ دنیا میں سلامتی اور نیکی کے ساتھ زندہ رکھیں، ایمان پر خاتمہ فرمائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب فرمائیں اور قبر اور آخرت کے عذاب سے محفوظ رکھیں۔(آمین)

وآخر دعوانا ان الحمدلله رب العلمين والصلوة والسلام على سيدنا محمد خاتم النبيين وعلى اصحابه الراشدين وآله الطاهرين وازواجه امهات المئومنين وعلى اولياء امته وعلماء ملته اجمعين وسائر المسلمين۔





(۱۷)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بنی اسرائیل

سورت کانام

بعض علماء نے یہ کہا کہ اس سورت کا نام الاسراء ہے، الاسراء کامعنی ہے رات کو جانا یا رات کو سفر کرنا اور جب یہ لفظ ب کے ساتھ متعدی ہو تو اس کا معنی ہے رات کو لے جانا یا رات کو سفر کرانا اور چونکہ اس سورت کی پہلی آیت میں اسری کا لفظ ہے اس مناسبت سے اس کا نام الاسراء ہے۔

اور محققین نے یہ کہا ہے کہ اس سورت کا نام بنی اسرائیل ہے، کیونکہ اس سورت میں بنی اسرائیل کا ذکر ہے۔

وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِى الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِى الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا۔ (بنی اسرائیل: ۴)

اور ہم نے بنی اسرائیل کے لیے کتاب میں فیصلہ کر دیا تھا کہ تم ضرور زمین میں دو بار فساد کرو گے اور تم ضرور بہت بڑی سرکشی کرو گے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اور بھی کئی سورتوں میں بنی اسرائیل کا ذکر ہے تو ان کا نام بنی اسرائیل کیوں نہیں رکھا گیا اس کا جواب ہم کئی بار ذکر کر چکے ہیں کہ وجہ تسمیہ جامع مانع نہیں ہوتی۔

اگرچہ اس سورت کا نام الاسراء بھی ذکر کیا گیا ہے اور بنی اسرائیل بھی، لیکن احادیث اور آثار سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ اس کا نام بنی اسرائیل ہے۔

عن ابی لبابة قالت عائشة کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا ینام حتی یقرء بنی اسرائیل والزمر۔

ابولبابہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک نہیں سوتے تھے حتیٰ کہ بنی اسرائیل اور الزمر کی تلاوت کر لیں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۹۲۰، مسند احمد ج ۶ ص ۶۸، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۴۸۹۲، عالم الکتب، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۱۶۳، المستدرک ج ۲ ص ۴۳۴)

عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال فی بنی اسرائیل والکہف و مریم انھن من العتاق الاول وھن من تلادی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۰۸)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بنی اسرائیل، الکہف اور مریم انتہائی کمال کو پہنچی ہوئی ہیں اور یہ مجھے شروع سے یاد ہیں۔

سورہ بنی اسرائیل کا زمانہ نزول

جمہور مفسرین کے نزدیک سورہ بنی اسرائیل مکی ہے البتہ تین آیتوں کا استثناء کیا گیا ہے:
بنی اسرائیل:۷۶، بنی اسرائیل:۸۰، بنی اسرائیل:۶۰' اور مقاتل نے بنی اسرائیل:۱۰۷ کا بھی استثناء کیا ہے۔ یہ سورت اس وقت نازل ہوئی جب مکہ میں مسلمانوں کی ایک کثیر جماعت ہو چکی تھی' یہ سورت سورۃ القصص کے بعد سورۃ یونس سے پہلے نازل ہوئی ہے' اور تعداد نزول کے اعتبار سے یہ پچاسویں سورت ہے۔ مدینہ' مکہ' شام اور بصرہ کے علماء کی گنتی کے مطابق اس کی ایک سو دس آیتیں ہیں اور کوفہ کے علماء کی گنتی کے مطابق اس کی ایک سو گیارہ آیتیں ہیں۔
واقعہ معراج ہجرت سے ڈیڑھ سال پہلے واقع ہوا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ سورت واقعہ معراج کے فوراً بعد نازل ہوئی ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ سورت واقعہ معراج کے کچھ مدت بعد نازل ہوئی ہو۔

سورۃ النحل اور سورۃ بنی اسرائیل میں مناسبت

(۱) سورۃ النحل میں فرمایا تھا کہ بنی اسرائیل نے ہفتہ کے ایک دن کی تعیین میں اختلاف کیا تو ان پر ہفتہ کا دن مقرر کر دیا گیا اور اس سورت میں بنو اسرائیل کے مزید مسائل اور احکام بیان فرمائے ہیں۔
(۲) ان دونوں سورتوں میں انسان پر اللہ تعالیٰ کے انعامات اور احسانات کا ذکر فرمایا ہے۔
(۳) سورۃ النحل میں فرمایا تھا قرآن عظیم اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل ہوا ہے کسی بشر کا کلام نہیں ہے' اور اس سورت میں یہ بیان فرمایا ہے کہ قرآن مجید کو نازل کرنے سے کیا مقصود ہے۔
(۴) سورۃ النحل کے آخر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا تھا کہ آپ مشرکین کے مظالم اور ان کی پہنچائی ہوئی اذیتوں پر صبر کریں اور اس سورت کی ابتداء میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور شان کی بلندی بیان فرمائی ہے بایں طور کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو واقعہ معراج سے فضیلت عطا فرمائی۔
(۵) سورۃ النحل میں یہ بیان فرمایا تھا کہ انسان کس طرح سورج' چاند' ستاروں' دن اور رات کے تواتر' حیوانوں اور پرندوں سے نفع حاصل کرتا ہے اور اس سورت میں یہ بیان فرمایا ہے کہ ان نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے لیے انسان صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے' ماں باپ کے ساتھ نیکی کرے' رشتہ داروں' پڑوسیوں اور مسافروں کے ساتھ حسن سلوک کرے اور لوگوں پر ظلم کرنے سے اجتناب کرے' قتل اور زنا نہ کرے' یتیم کا مال نہ کھائے' ناپ تول میں کمی نہ کرے' اور دیگر برائیوں سے بچے۔

سورۃ بنی اسرائیل کے مشمولات

(۱) اس سورت کی ابتداء میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ معراج کا ذکر ہے کہ آپ رات کے ایک لمحہ میں مکہ سے مسجد اقصیٰ پہنچ گئے' اور اس رات اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت ساری فضیلتیں عطا فرمائیں جن کا تفصیلی ذکر ان شاء اللہ آگے چل کر آئے گا۔
(۲) اس سورت میں بنی اسرائیل کا مفصل ذکر آئے گا' اللہ تعالیٰ نے ان کو زمین میں بہت عزت دی اور سرفرازی عطا فرمائی۔
(۳) اللہ تعالیٰ نے تخلیق کائنات سے اپنے وجود اور اپنی توحید پر استدلال فرمایا۔
(۴) ان لوگوں پر رد فرمایا جو یہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اور لوگوں کو اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت

کرنے کا حکم دیا۔

(۵) ان مشرکین کا رد فرمایا جو یہ کہتے تھے کہ قرآن مجید کے علاوہ کوئی اور کتاب لاؤ، اور مکہ میں باغات اور چشمے بنا دو، اور سونے کا مکان بنا دو اور ہمیں آسمان پر چڑھ کر دکھاؤ۔

(۶) یہ قرآن سلیم الفطرت لوگوں کو ہدایت دیتا ہے اور یہ مومنین کے لیے شفاء اور رحمت ہے۔

(۷) تمام جن اور انس مل کر بھی قرآن عظیم کی مثل نہیں لا سکتے اور یہ قرآن کریم کا بہت بڑا معجزہ ہے۔

(۸) انسانوں کی تکریم کا ذکر، کیونکہ تمام فرشتوں کو حکم دیا گیا کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں اور ابلیس لعین کے سجدہ نہ کرنے کا بیان اور انسانوں کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دینے کا ذکر۔

(۹) اللہ تعالیٰ کا انسانوں کو عظیم نعمتیں عطا فرمانا، اور انسان کے شکر نہ کرنے پر اس کو ملامت کرنا۔

(۱۰) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز قائم کرنے اور رات میں تہجد ادا کرنے کا حکم دینا۔

(۱۱) مکہ مکرمہ سے آپ کے ہجرت کرنے اور مدینہ منورہ میں داخل ہونے کا ذکر۔

(۱۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے قصہ کا کچھ ذکر۔

(۱۳) قرآن مجید کو تھوڑا تھوڑا نازل کرنے کی حکمت کا بیان۔

(۱۴) اس سورت کا اختتام اللہ تعالیٰ کی تنزیہ اور تقدیس پر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی شریک سے کسی مددگار سے کسی بیٹے سے پاک اور منزہ ہے اور وہ پاکیزہ اور بلند صفات کے ساتھ متصف ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ مکہ میں نازل ہونے والی تمام سورتیں دین اسلام کے تمام عقائد پر مشتمل ہوتی ہیں جن میں توحید اور رسالت، قیامت، مرنے کے بعد اٹھنے اور جزا اور سزا پر زور دیا جاتا ہے اور مشرکین اور مخالفین کے شبہات کا ازالہ کیا جاتا ہے۔

ان افتتاحی سطور کے بعد ہم سورۂ بنی اسرائیل کے ترجمہ اور تفسیر کو شروع کرتے ہیں، الٰہ العلمین مجھے صحت اور نیکی کے ساتھ اس کو مکمل کرنے کی توفیق مرحمت فرما۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ، کراچی

۱۷ رجب ۱۴۲۱ھ / ۱۶ اکتوبر ۲۰۰۰ء

سُوْرَةُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ وَّاِحْدٰى عَشْرَةَ اٰيَةً وَّاثْنَا عَشَرَ رُكُوْعًا

سورہ بنی اسرائیل مکی ہے اور اس میں ایک سو گیارہ آیتیں اور بارہ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے ○

سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ

ہر عیب سے پاک ہے وہ جو اپنے (مکرم) بندہ کو رات کے ایک قلیل وقفہ میں مسجد حرام

الجزء ۱۵



الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَا الَّذِي بٰرَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ

سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا جس کے ارد گرد کو ہم نے برکتیں دی ہیں تاکہ ہم اس (عبد مکرم) کو

مِنْ اٰيٰتِنَا ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴿١﴾ وَاٰتَيْنَا مُوسَى الْكِتٰبَ

اپنی بعض نشانیاں دکھائیں، بے شک وہی بہت سننے والا، بہت دیکھنے والا ہے ○ اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی

وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِبَنِي إِسْرَاءِيلَ أَلَّا تَتَّخِذُوا مِنْ دُونِي

اور اس کو بنی اسرائیل کے لیے ہدایت دینے والا بنایا تھا کہ میرے سوا کسی کو کارساز نہ قرار

وَكِيلًا ﴿٢﴾ ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ ۚ إِنَّهُ كَانَ عَبْدًا

دو ○ (اے) ان لوگوں کی اولاد! جن کو ہم نے نوح کے ساتھ کشتی میں سوار کیا، بے شک وہ بہت شکر گزار

شَكُورًا ﴿٣﴾ وَقَضَيْنَا إِلَى بَنِي إِسْرَاءِيلَ فِي الْكِتٰبِ

بندے تھے ○ اور ہم نے بنی اسرائیل کو بتا دیا تھا کہ تم ضرور دو بار

لَتُفْسِدُنَّ فِي الْأَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا

زمین میں فساد کرو گے اور تم ضرور بہت بڑی سرکشی

كَبِيرًا ﴿٤﴾ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ أُولٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَنَا

کرو گے ○ سو جب ان میں سے پہلے وعدہ کا وقت آیا تو ہم نے تم پر اپنے ایسے بندے مسلط

أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ فَجَاسُوا خِلٰلَ الدِّيَارِ ۚ وَكَانَ

کر دیے جو سخت جنگجو تھے پس وہ شہروں میں تمہیں ڈھونڈنے کے لیے پھیل گئے اور یہ وعدہ پورا

وَعْدًا مَفْعُولًا ﴿٥﴾ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَأَمْدَدْنٰكُمْ

ہونے والا تھا ○ پھر ہم نے تم کو دوبارہ ان پر غلبہ دیا اور ہم نے مالوں

بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَجَعَلْنٰكُمْ أَكْثَرَ نَفِيرًا ﴿٦﴾ إِنْ أَحْسَنْتُمْ

اور بیٹوں سے تمہاری مدد کی اور ہم نے تم کو بڑا گروہ بنا دیا ○ اور اگر تم نیکی کرو گے تو

اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۗ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ؕ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ

اپنی جانوں کے لیے ہی نیکی کرو گے اور اگر تم برے عمل کرو گے تو اس کا وبال بھی تم پر ہی ہوگا، پھر جب دوسرے وعدہ کا

الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ

وقت آیا (تو ہم نے دوسروں کو تم پر مسلط کر دیا) تاکہ وہ تمہیں روسیاہ کر دیں اور اس طرح مسجد میں داخل ہوں جس طرح پہلے

اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ۝۷ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ

داخل ہوئے تھے اور وہ جس چیز پر بھی غلبہ پائیں اسے تباہ و برباد کر دیں ○ عنقریب تمہارا رب تم پر

يَّرْحَمَكُمْ ۚ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ

رحم فرمائے گا اور اگر تم نے دوبارہ تجاوز کیا تو ہم دوبارہ سزا دیں گے اور ہم نے کافروں کے لیے دوزخ کو قید خانہ

حَصِيْرًا ۝۸ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ

بنا دیا ہے ○ بے شک یہ قرآن اس راستہ کی ہدایت دیتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھا اور مستحکم ہے

الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ۝۹ لا

اور جو ایمان والے نیک کام کرتے ہیں ان کو بشارت دیتا ہے کہ ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے ○

وَّاَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝۱۰ ع

اور یہ کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لائے ان کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے ○

وقف لازم

ع ۱

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہر عیب سے پاک ہے وہ جو اپنے (مکرم) بندہ کو رات کے ایک قلیل وقفہ میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا جس کے ارد گرد کو ہم نے برکتیں دی ہیں تاکہ ہم اس (عبد مکرم) کو اپنی بعض نشانیاں دکھائیں، بے شک وہی بہت سننے والا بہت دیکھنے والا ہے۔ (بنی اسرائیل: ۱)

سبحان کا معنی

سبحان: سبح کا معنی ہے پانی میں سرعت سے تیرنا، مجازاً سیاروں کے اپنے مدار میں گردش کرنے کو بھی کہتے ہیں، قرآن مجید میں ہے:

وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۔ (یٰسین: ۴۰) اور ہر ایک اپنے مدار میں تیر رہا ہے۔ (یعنی گردش کر رہا ہے۔)

اور تسبیح کا معنی ہے ان اوصاف سے اللہ تعالیٰ کے پاک ہونے کو بیان کرنا جو اس کی شان کے لائق نہیں ہیں، اور اس کا

اصل معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کو بہت تیزی اور سرعت کے ساتھ انجام دینا اور تسبیح کا لفظ تمام عبادات کے لیے عام ہے خواہ اس عبادت کا تعلق قول سے ہو فعل سے ہو یا نیت سے ہو۔

(المفردات ج ۱ ص ۲۹۲، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ '۱۴۱۸ھ)

سبحان کا لفظ ہر عیب اور ہر نقص سے اللہ تعالیٰ کی تنزیہ اور تقدیس کے لیے ہے' اور اللہ تعالیٰ کے غیر کو اس صفت سے موصوف کرنا ممتنع ہے' اس آیت میں بھی یہ لفظ تنزیہ کے لیے ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس نقص سے پاک ہے کہ وہ رات کے ایک لمحہ میں اتنی عظیم سیر نہ کرا سکے۔ تسبیح کا لفظ قرآن مجید میں تسبیح پڑھنے یعنی اللہ تعالیٰ کی تنزیہ اور تقدیس کرنے اور نماز پڑھنے کے معنی میں بھی ہے:

فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى۔ (طٰہٰ: ۱۳۰) اور دن کے دو کناروں میں آپ نماز پڑھیے اور تسبیح کیجئے تاکہ آپ راضی ہو جائیں۔

حدیث میں یہ لفظ نور کے معنی میں بھی آیا ہے: لاحرقت سبحات وجهه ما ادرکه بصره "اللہ تعالیٰ کے چہرے کے انوار منتہاء بصر تک کو جلا ڈالتے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹۶-۱۹۵، مسند احمد ج ۴ ص ۴۰۵، ۴۰۱)

نیز احادیث میں سبحان کا معنی اللہ تعالیٰ کی تنزیہ ہے۔

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سبحان اللہ کی تفسیر پوچھی' آپ نے فرمایا ہر بری چیز سے اللہ تعالیٰ کی تنزیہ بیان کرنا۔

(المستدرک ج ۱' ص ۵۰۲' قدیم المستدرک' رقم الحدیث: ۱۸۹۱' کتاب الدعا للطبرانی رقم الحدیث: ۱۷۵۱، ۱۷۵۲' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۹۴)

سبحان اللہ کہنے کی فضیلت میں احادیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے ایک دن میں سو مرتبہ پڑھا سبحان اللہ وبحمدہ تو اس کے گناہ مٹا دیئے جاتے ہیں خواہ اس کے گناہ سمندر کے جھاگ سے بھی زیادہ ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۰۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۹۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۶۸' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۵۰۹۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۹۸)

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں! اللہ تعالیٰ کو کون سا کلام سب سے زیادہ محبوب ہے؟ فرمایا وہ کلام جس کو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے لیے پسند فرما لیا ہے! سبحان ربی وبحمدہ سبحان ربی وبحمدہ۔

(المستدرک ج ۱ ص ۵۰۱' قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۱۸۸۹' جدید' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۳۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۸۷' مسند احمد ج ۵ ص ۱۴۸' ۱۶۱' شرح السنۃ ج ۵ ص ۴۱)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے سبحان اللہ العظیم کہا اس کے لیے جنت میں کھجور کا ایک درخت اگا دیا جاتا ہے۔

(المستدرک ج ۱ ص ۵۰۱' قدیم المستدرک رقم الحدیث: ۱۸۹۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' دو کلمے زبان پر ہلکے ہیں' میزان میں

بھاری ہیں، اللہ کے نزدیک محبوب ہیں: سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۵۶۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۹۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۰۶، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۶۷، مسند احمد رقم الحدیث: ۷۱۶۷، عالم الکتب)

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے نزدیک سب سے محبوب کلام چار ہیں: سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر، تم ان میں سے جس کلام سے ابتداء کرو تمہیں کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ (الحدیث) (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۳۷)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

سبحان اللہ کہنے کا معنی ہے اللہ تعالیٰ ہر نقص سے اور ہر ایسی چیز سے پاک ہے جو اس کی شان کے لائق نہیں ہے اور اس کو یہ لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ شریک سے، بیوی سے، بچوں سے، اور تمام رذائل سے پاک ہے، تسبیح کا لفظ بولا جاتا ہے اور اس سے ذکر کے تمام الفاظ مراد ہوتے ہیں اور کبھی اس سے نفلی نماز مراد ہوتی ہے، صلوٰۃ التسبیح اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں بکثرت تسبیحات ہیں، سبحان کا لفظ بالعموم اضافت کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ (فتح الباری ج ۱۱ ص ۲۰۷۔۲۰۶ مطبوعہ لاہور، ۱۴۰۱ھ)

اسریٰ کا معنی

اسریٰ کا لفظ سری سے بنا ہے، اس کا معنی ہے رات کو جانا، اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط سے فرمایا:

فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ۔ (ھود: ۸۱) آپ رات میں اپنے اہل کو لے جائیں۔

نیز فرمایا:

سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا۔ (بنی اسرائیل: ۱) سبحان ہے وہ جو اپنے بندے کو رات کے ایک لمحہ میں لے گیا۔

(المفردات: ج ۲ ص ۳۰۵، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

خواب میں معراج ہونے کی روایات

بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ معراج خواب کا واقعہ ہے اور بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صرف آپ کی روح کو معراج ہوئی تھی آپ کے جسم کو معراج نہیں ہوئی تھی، ہم ان روایات کو ذکر کرکے پھر ان کے جوابات کا ذکر کریں گے ان شاء اللہ۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عتبہ بن مغیرہ بن الاخنس بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا یہ اللہ کی طرف سے سچا خواب تھا۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۶۶۲۸، الدر المنثور: ج ۵ ص ۲۲۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

محمد بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے بعض آل ابی بکر نے کہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم گم نہیں ہوا تھا بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی روح کو سیر کرائی تھی۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۶۶۳۰، الدر المنثور ج ۵ ص ۲۲۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

سلمہ بیان کرتے ہیں کہ امام ابن اسحاق نے کہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول کا انکار نہیں کیا گیا اور راس کی

تائید اس آیت سے ہوتی ہے:

وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ ۔ (بنی اسرائیل: ۶۰)

اور وہ جلوہ جو ہم نے آپ کو (شب معراج) دکھایا تھا ہم نے اس کو لوگوں کے لیے محض آزمائش بنادیا۔

ان کا استدلال اس سے ہے کہ رویا کا معنی خواب ہے یعنی شب معراج آپ کو جو خواب دکھایا تھا اس کی وجہ سے لوگ فتنہ میں پڑ گئے بعض اس کی تصدیق کر کے اپنے ایمان پر قائم رہے اور بعض اس کا انکار کر کے مرتد ہو گئے' (ہمیں مرتد ہونے والوں کے ناموں کی تصریح نہیں ملی) اور حضرت ابراہیم نے اپنے بیٹے سے کہا:

يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ۔ (الصّٰفّٰت: ۱۰۲)

اے میرے بیٹے! بے شک میں نے خواب میں یہ دیکھا ہے کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں تو اب غور کرو تمہاری کیا رائے ہے۔

• پھر حضرت ابراہیم نے اپنے خواب پر عمل کیا' اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کے پاس خواب اور بیداری دونوں حالتوں میں وحی نازل ہوتی تھی اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل جاگتا رہتا ہے اور اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ واقعہ معراج آپ کو نیند میں دکھایا گیا تھا یا بیداری میں' اور یہ واقعہ جس حالت میں بھی پیش آیا تھا وہ حق اور صادق ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۶۶۳۰' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

خواب میں معراج کی روایات کے جوابات

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں:

ہمارے نزدیک صحیح اور برحق قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کی سیر کرائی جیسا کہ احادیث میں ہے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو براق پر سوار کرایا اور آپ نے مسجد اقصیٰ میں انبیاء اور رسل کو نماز پڑھائی' اور آپ کو بہت سی نشانیاں دکھائیں' اور جس شخص نے یہ کہا کہ صرف آپ کی روح کو معراج کرائی گئی تھی اور یہ جسمانی معراج نہیں تھی یہ صحیح نہیں ہے' کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو یہ واقعہ آپ کی نبوت پر دلیل نہ ہوتا' اور نہ اس کی حقیقت کا منکرین انکار کرتے' اور اگر یہ صرف خواب کا واقعہ ہوتا تو مشرکین اس کا رد نہ کرتے' کیونکہ خواب میں کسی عجیب و غریب چیز کو دیکھنے پر کسی کو حیرت نہیں ہوتی اور نہ کوئی اس کا انکار کرتا ہے' اور اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ اسری بعبدہ یہ نہیں فرمایا کہ اسری بروح عبدہ' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا براق پر سوار ہونا بھی اس کا تقاضا کرتا ہے کہ یہ جسمانی معراج تھی کیونکہ کسی سواری پر سوار ہونا جسم کا تقاضا ہے نہ کہ روح کا۔

(جامع البیان ج ۱۵ ص ۲۴۔ ۲۳' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

اگر یہ خواب کا واقعہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ فرماتا بروح عبدہ اور بعبدہ نہ فرماتا' نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ۔ (النجم: ۱۷)

نہ نظر ایک طرف مائل ہوئی اور نہ حد سے بڑھی۔

سورہ النجم کی یہ آیت بھی اس پر دلالت کرتی ہے کہ یہ بیداری کا واقعہ تھا' نیز اگر یہ خواب کا واقعہ ہوتا تو اس میں اللہ تعالیٰ کی کوئی نشانی اور معجزہ نہ ہوتا' اور آپ سے حضرت ام ہانی یہ نہ کہتیں کہ آپ لوگوں سے یہ واقعہ بیان نہ کریں وہ آپ کی تکذیب کریں گے' اور نہ حضرت ابو بکر کی تصدیق کرنے میں کوئی فضیلت ہوتی' اور نہ قریش کے طعن و تشنیع اور تکذیب کی

کوئی وجہ ہوتی، حالانکہ جب آپ نے معراج کی خبر دی تو قریش نے آپ کی تکذیب کی اور کئی مسلمان مرتد ہو گئے، اور اگر یہ خواب ہوتا تو اس کا انکار نہ کیا جاتا، اور نیند میں جو واقعہ ہو اس کے لیے اسریٰ نہیں کہا جاتا۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ١٠ ص ١٨٩، مطبوعہ دار الفکر، ١٤١٥ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ١٢٧٠ھ لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو فرمایا ہے کہ آپ کا جسم شب معراج گم نہیں ہوا تھا اور آپ کی روح کو سیر کرائی گئی تھی۔ حضرت عائشہ سے یہ روایت صحیح نقل نہیں کی گئی کیونکہ جب یہ واقعہ ہوا اس وقت آپ بہت چھوٹی تھیں، (تقریباً ساڑھے چار سال کی) اس وقت تک آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ بھی نہیں تھیں، اور معاویہ بن ابی سفیان اس وقت کافر تھے، اور اس آیت سے جو استدلال کیا گیا ہے۔

وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ۔ (بنی اسرائیل: ٦٠)

اور ہم نے آپ کو جو رویا دکھایا وہ صرف ان لیے تھا کہ لوگوں کو آزمائش میں مبتلا کریں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ رویا نیند اور بیداری دونوں میں دیکھنے کے لیے آتا ہے اور جمہور کے نزدیک یہ رویا بیداری میں بدن اور روح کے ساتھ واقع ہوا۔ (روح المعانی ج ١٥ ص ١١۔ ١٠، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ١٤١٧ھ)

شریک کی ایک روایت جس سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ معراج کا واقعہ خواب کا تھا:

شریک بن عبداللہ بن ابی نمر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے معراج کا واقعہ سنا انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کعبہ میں سوئے ہوئے تھے، نزول وحی سے پہلے آپ کے پاس تین شخص آئے، پھر معراج کا پورا واقعہ بیان کیا۔ امام مسلم فرماتے ہیں شریک نے بعض چیزوں کو مقدم کر دیا اور بعض کو مؤخر کر دیا اور روایت میں بعض چیزوں کی زیادتی کی اور بعض کی کمی کی۔

(صحیح مسلم باب الاسراء: ٢٦٢، رقم الحدیث: ١٦٢، رقم الحدیث المسلسل ٤٠٧، صحیح البخاری رقم الحدیث: ٣٥٧٠، ٧٥١٧)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ٦٧٦ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کے متعلق علماء کا اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ پوری معراج خواب میں ہوئی تھی، لیکن اکثر متقدمین اور متاخرین علماء، فقہاء، محدثین اور متکلمین کا اس پر اتفاق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جسمانی معراج ہوئی ہے، اور تمام احادیث صحیحہ اس پر دلالت کرتی ہیں اور بغیر کسی دلیل کے ان کے ظاہر معنی سے عدول کرنا جائز نہیں ہے، شریک کی جس روایت کا ابھی ذکر کیا گیا ہے وہ بظاہر اس کے خلاف ہے، لیکن شریک کے بہت اوہام ہیں جن کا علماء نے انکار کیا ہے، اور خود امام مسلم نے اس پر تنبیہ کی ہے اور کہا ہے کہ اس نے اپنی روایت میں تقدیم، تاخیر اور زیادتی اور کمی کی ہے، اور یہ کہا کہ معراج کا واقعہ نزول وحی سے پہلے کا ہے، اس کا یہ قول غلط ہے کسی نے اس کی موافقت نہیں کی، معراج کی تاریخ میں کافی اختلاف ہے زیادہ قوی یہ ہے کہ معراج ہجرت سے تین سال پہلے ہوئی ہے، کیونکہ اس میں اختلاف نہیں ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے نماز کی فرضیت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی ہے اور اس میں بھی اختلاف نہیں ہے کہ حضرت خدیجہ کی وفات ہجرت سے پہلے ہوئی ہے ایک قول یہ ہے کہ ہجرت سے تین سال پہلے اور ایک قول ہے ہجرت سے پانچ سال پہلے۔

(صحیح مسلم بشرح النواوی ج ١ ص ٩٣٩۔ ٩٣٥ مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ، ١٤١٧ھ)

علامہ نووی نے یہ تحقیق قاضی عیاض مالکی اندلسی متوفی ۵۴۴ھ سے اخذ کی ہے۔
(اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۱ ص ۴۹۷-۴۹۱، مطبوعہ دار الوفاء ۱۴۱۹ھ)

عبد کے معنی

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

عبد کے حسب ذیل معانی ہیں:

(۱) جو حکم شرع کے اعتبار سے عبد ہو یعنی کسی کا غلام ہو اس کو بیچنا اور خریدنا جائز ہو، واضح رہے کہ یہ حکم اس وقت تھا جب دنیا میں غلام بنانے کا رواج تھا، لیکن اسلام نے حکمت سے بہ تدریج غلامی کا چلن ختم کر دیا اور باقی دنیا میں بھی اب غلام بنانے کا رواج ختم ہو گیا۔ اس معنی کے اعتبار سے عبد بہ معنی غلام کے متعلق حسب ذیل آیتیں ہیں:

اَلْعَبْدُ بِالْعَبْدِ۔ (البقرہ: ۱۷۸) غلام کو غلام کے بدلہ میں (قتل کیا جائے۔)

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ۔ (النحل: ۷۵) اللہ مثال بیان فرماتا ہے ایک مملوک غلام کی جس کو کسی چیز پر قدرت نہیں ہے۔

(۲) عبد کا دوسرا معنی ہے عبادت گزار اور اطاعت گزار، بعض وہ ہیں جو اپنے اختیار کے بغیر اضطراری طور پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں اس معنی کے لحاظ سے ہر چیز عبد ہے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتی ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا۔ (مریم: ۹۳) آسمانوں اور زمینوں میں جو بھی ہے وہ رحمان کی عبادت کرنے والا ہے۔

(۳) جو لوگ اپنے اختیار سے اللہ کے غیر کی عبادت کرتے ہیں اور انہوں نے اپنے آپ کو ان کا عبد قرار دے رکھا ہے، قرآن مجید میں ان کے متعلق ہے:

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ هٰٓؤُلَآءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ۔ (الفرقان: ۱۷) جس دن اللہ انہیں جمع کرے گا اور ان کو جن کی وہ اللہ کے سوا عبادت کرتے تھے، پھر اللہ ان (معبودوں) سے فرمائے گا کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا یا وہ خود ہی گمراہ ہو گئے تھے۔

(۴) جو لوگ اپنے اختیار سے اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور وہ اپنے آپ کو اللہ کا عبد کہتے ہیں لیکن ان کی عبادت ناقص ہے، ان کے متعلق درج ذیل آیتیں ہیں:

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ○ (المائدہ: ۱۱۸) اگر تو انہیں عذاب دے تو بے شک وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو بے شک تو ہی بہت غالب ہے بڑی حکمت والا ہے۔

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ۔ (الزمر: ۵۳) آپ کہیے اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہو۔

(۵) جو اپنے اختیار سے اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور ان کی عبادت بہت کامل اور اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہوتی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے مثالی عبد ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے عبد ہونے پر ناز فرماتا ہے اور فخر سے فرماتا ہے کہ وہ میرے بندے ہیں، ان

کاذکر درج ذیل آیتوں میں ہے:

إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَٰنٌ۔ (الحجر: ۴۲)
(اے ابلیس) بے شک میرے بندوں پر تیرا کوئی زور نہیں (چل سکے گا)۔

سُبْحَٰنَ الَّذِي أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَا۔ (بنی اسرائیل: ۱)
سبحان ہے وہ جو اپنے بندہ کو رات کے ایک قلیل وقفہ میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا۔

(المفردات ج ۲ ص ۴۱۵، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

اللہ تعالیٰ کا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا عبد فرمانا

تمام انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے کامل عبد ہیں لیکن سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے کامل ترین عبد اور محبوب ترین عبد ہیں۔

اس آیت میں یہ فرمایا "سبحان ہے وہ جو اپنے عبد کو رات کے ایک قلیل وقت میں لے گیا" ایک سوال یہ ہے کہ رسول کا ذکر کیوں نہیں کیا؟ یوں کیوں نہیں فرمایا: "سبحان ہے وہ جو اپنے رسول کو لے گیا" اس کا جواب یہ ہے کہ رسول وہ ہے جو اللہ کے پاس سے بندوں کی طرف لوٹ آئے اور عبدوہ ہے جو بندوں کی طرف سے اللہ کے پاس جائے، اور یہ اللہ کے پاس سے آنے کا نہیں اللہ کی طرف جانے کا موقع تھا' اس لیے یہاں رسول کا ذکر نہیں عبد کا ذکر مناسب تھا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ کے متعلق فرمایا:

أَنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيَىٰ مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَسَيِّدًا وَحَصُورًا۔ (آل عمران: ۳۹)
(اے زکریا) اللہ آپ کو یحییٰ کی بشارت دیتا ہے جو (عیسیٰ) کلمۃ اللہ کے مصدق ہوں گے اور سردار ہوں گے اور عورتوں سے بہت بچنے والے ہوں گے۔

حضرت یحییٰ کو سید کہا اور آپ کو عبد فرمایا اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سیادت، سلطنت اور مالکیت حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں، بندے کو اگر سید یا مالک یا صاحب سلطنت کہا جائے گا تو یہ مجاز ہو گا، اور بندے کی ایسی صفت جو اس کی حقیقی صفت ہو اور اللہ کی نہ ہو وہ صرف عبدیت ہے، تو اللہ تعالیٰ نے یہ چاہا کہ اپنے محبوب کا ذکر حقیقی وصف کے ساتھ کرے مجاز اور مستعار وصف کے ساتھ نہ کرے، اور فضیلت حقیقی وصف میں ہے مجاز اور مستعار وصف میں نہیں ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ آپ کو محض عبد نہیں فرمایا عبدہ فرمایا ہے، یعنی اس کا بندہ، عبد تو دنیا میں ہزاروں ہیں لیکن کامل عبد وہ ہے جس کو مالک خود کہے یہ میرا بندہ ہے، اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جہاں بھی ذکر فرمایا اپنی طرف اضافت کر کے فرمایا:

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنزَلَ عَلَىٰ عَبْدِهِ الْكِتَابَ۔ (الکھف: ۱)
اللہ ہی کے لیے سب تعریفیں ہیں جس نے اپنے بندہ پر کتاب نازل کی۔

أَلَيْسَ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ۔ (زمر: ۳۶)
کیا اللہ اپنے بندہ کو کافی نہیں؟

حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اسری "اللہ آپ کو لے گیا" اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا. اور جب موسیٰ ہمارے مقرر کیے ہوئے وقت پر آئے۔

(الاعراف: ۱۴۳)

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

وَقَالَ اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ. (الصّٰفّٰت: ۹۹) اور (ابراہیم نے) کہا: بے شک میں اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں۔

حضرت موسیٰ از خود گئے حضرت ابراہیم از خود گئے اور حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ لے جانے والا تھا اور وہی لانے والا تھا اور ان دونوں صورتوں میں بڑا فرق ہے۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

میں نے اپنے والد اور شیخ عمر بن الحسین رحمہ اللہ سے سنا، انہوں نے کہا میں نے شیخ سلیمان انصاری سے سنا کہ جب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بلند درجات اور عظیم مراتب پر پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی اے محمد! تم کو کس وجہ سے یہ بلندی عطا کی گئی آپ نے جواب دیا اے میرے رب کیونکہ تو میرے عبد ہونے کو اپنی طرف منسوب فرماتا ہے اور مجھے اپنا عبادت گزار قرار دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: سبحان الذی اسری بعبدہ۔

(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۲۹۲، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

مسجد اقصیٰ سے ہو کر آسمانوں کی طرف جانا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے حدیث معراج بیان کرتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر میں براق پر سوار ہوا حتیٰ کہ میں بیت المقدس پہنچا پھر میں نے براق کو اس حلقہ میں باندھ دیا جہاں انبیاء علیہم السلام کی سواریاں باندھی جاتی ہیں، پھر میں مسجد میں داخل ہوا اور میں نے وہاں دو رکعت نماز پڑھی، پھر میں مسجد سے باہر آ گیا، پھر میرے پاس جبریل علیہ السلام ایک برتن میں شراب اور ایک برتن میں دودھ لے کر آ گئے، میں نے دودھ لے لیا تو جبریل نے کہا آپ نے فطرت کو اختیار کر لیا، پھر ہمیں آسمان کی طرف معراج کرائی گئی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۲)

اس جگہ یہ سوال ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو براہ راست آسمانوں کی طرف کیوں نہیں لے جایا گیا درمیان میں مسجد اقصیٰ کیوں لے جایا گیا اس کی حسب ذیل حکمتیں ہیں:

(۱) اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم صرف آسمانوں پر جانے کا ذکر فرماتے تو مشرکین کے لیے اطمینان اور تصدیق کا کوئی ذریعہ نہ ہوتا کیونکہ آسمانوں کے طبقات اور درجات، سدرہ، اور سدرہ سے اوپر کے حقائق میں سے کوئی چیز ان کی دیکھی ہوئی تھی نہ انہیں اس کے متعلق کوئی علم تھا، لیکن مسجد اقصیٰ ان کی دیکھی ہوئی تھی تو جب آپ نے یہ فرمایا کہ میں رات کے ایک لمحے میں مسجد اقصیٰ گیا اور واپس آ گیا، اور ان کو یہ بھی معلوم تھا کہ آپ اس سے پہلے مسجد اقصیٰ نہیں گئے ہیں تو انہوں نے آپ سے مسجد اقصیٰ کی نشانیاں پوچھنی شروع کیں اور جب آپ نے سب نشانیاں بتادیں تو واضح ہو گیا کہ آپ کے دعویٰ کا اتنا حصہ تو بہر حال سچا ہے کہ آپ مسجد اقصیٰ جا کر واپس آئے ہیں جب کہ بظاہر یہ بھی بہت مشکل اور مستبعد اور محال تھا، تو پھر آپ کے دعویٰ کے باقی حصہ کا بھی صدق ثابت ہو گیا کیونکہ جب آپ رات کے ایک لمحہ میں مسجد اقصیٰ تک جا کر واپس آ سکتے ہیں تو پھر آسمانوں تک جا کر بھی واپس آ سکتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مسجد اقصیٰ کی نشانیوں کے متعلق سوالات اور آپ کے

جوابات دینے کا ذکر اس حدیث میں ہے:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب قریش نے مجھے جھٹلایا تو میں حطیم میں کھڑا ہو گیا اللہ نے میرے لیے بیت المقدس منکشف کر دیا تو میں بیت المقدس کی طرف دیکھ دیکھ کر ان کو اس کی نشانیاں بتا رہا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٤٧١٠، صحیح مسلم رقم الحدیث: ١٧٠، سنن الترمذی رقم الحدیث: ٣١٣٣، مسند احمد رقم الحدیث: ١٥٠٩٩، مسند عبدالرزاق رقم الحدیث: ٩٧١٩، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ٥٥)

(٢) دوسری وجہ یہ ہے کہ عالم میثاق میں تمام انبیاء اور مرسلین نے اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کیا تھا کہ جب ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوں تو تمام انبیاء علیہم السلام ان پر ایمان لے آئیں اور ان کی نصرت کریں قرآن مجید میں ہے:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ ○ فَمَنْ تَوَلّٰی بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○ (آل عمران: ٨٢-٨١)

اور (اے رسول!) یاد کیجئے جب اللہ نے تمام نبیوں سے پختہ عہد لیا کہ میں تم کو جو کتاب اور حکمت دوں پھر تمہارے پاس وہ عظیم رسول آ جائیں جو اس چیز کی تصدیق کرنے والے ہوں جو تمہارے پاس ہے تو تم ان چیزوں پر ضرور بہ ضرور ایمان لانا اور ضرور بہ ضرور ان کی مدد کرنا، فرمایا کیا تم نے اقرار کر لیا اور میرے اس بھاری عہد کو قبول کر لیا؟ انہوں نے کہا ہم نے اقرار کر لیا، فرمایا پس گواہ رہنا اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں ○ پھر اس کے بعد جو عہد سے پھرا سو وہی لوگ نافرمان ہیں ○

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ٣١٠ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابو ایوب بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ عزوجل نے حضرت آدم کے بعد جس نبی کو بھیجا اس سے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق عہد لیا کہ اگر آپ کو اس نبی کی حیات میں مبعوث کیا گیا تو وہ ضرور آپ پر ایمان لائے اور آپ کی مدد کرے اور اپنی امت سے بھی آپ کی اطاعت کا عہد لے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ٥٧٩٠، الدر المنثور ج ٢ ص ٢٥٣-٢٥٢، تفسیر فتح القدیر ج ١ ص ٥٨٧)

سدی بیان کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے حضرت نوح علیہ السلام کے بعد جس نبی کو بھی بھیجا اس سے یہ عہد لیا کہ وہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ضرور ایمان لائے گا اور آپ کی ضرور مدد کرے گا اگر آپ اس کی حیات میں مبعوث ہوئے ورنہ وہ اپنی امت سے یہ عہد لے گا کہ اگر آپ مبعوث ہوئے اور وہ امت زندہ ہوئی تو وہ ضرور آپ پر ایمان لائے گی اور ضرور آپ کی مدد کرے گی۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ٥٧٩٢، تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ٣٧٦١، الدر المنثور ج ٢ ص ٢٥٣)

امام الحسین بن مسعود الفراء البغوی المتوفی ٥١٦ھ لکھتے ہیں:

اللہ عزوجل نے یہ ارادہ کیا کہ تمام نبیوں اور ان کی امتوں سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق عہد لے اور صرف انبیاء کے ذکر پر اکتفا کر لیا، جیسا کہ حضرت ابن عباس اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے بعد جس نبی کو بھی بھیجا اس سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملہ میں عہد لیا اور ان سے ان

کی امتوں کے متعلق بھی عہد لیا کہ اگر ان کی زندگی میں آپ کو مبعوث کیا گیا تو وہ ضرور آپ پر ایمان لائیں گے اور آپ کی نصرت کریں گے، جب حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی ذریت کو نکالا گیا ان میں انبیاء علیہم السلام بھی چراغوں کی طرح تھے اس وقت اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق عہد لیا۔

(معالم التنزیل ج ۱ ص ۲۵۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۴ھ)

حافظ عمر بن اسماعیل بن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۴ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت ابن عباس نے کہا اللہ تعالیٰ نے جس نبی کو بھی بھیجا اس سے یہ عہد لیا کہ اگر اس کی حیات میں اللہ تعالیٰ نے (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیج دیا تو وہ ان کی ضرور اطاعت کرے گا اور ضرور ان کی نصرت کرے گا اور اس کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنی امت سے بھی یہ عہد لے کہ اگر ان کی زندگی میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا گیا تو وہ سب ان پر ایمان لائیں گے اور ان کی نصرت کریں گے اور طاؤس، حسن بصری اور قتادہ نے کہا کہ اللہ نے نبیوں سے یہ عہد لیا کہ بعض نبی دوسرے بعض نبیوں کی تصدیق کریں گے، اور یہ عہد سابق کے منافی نہیں ہے اسی لیے امام عبد الرزاق نے حضرت علی اور حضرت ابن عباس کے قول کو روایت کیا ہے۔

امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت عمر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ میں نے بنو قریظہ کے ایک یہودی سے کہا ہے تو اس نے میرے لیے تورات کی آیات لکھ کر دی ہیں کیا میں وہ آیات آپ کو دکھاؤں! یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ متغیر ہو گیا، عبد اللہ بن ثابت کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر سے کہا کیا آپ نہیں دیکھتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ کس قدر متغیر ہو گیا ہے، پھر حضرت عمر نے کہا میں اللہ کو رب مان کر راضی ہوں، اور اسلام کو دین مان کر اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول مان کر! پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے سے غصہ کی کیفیت دور ہو گئی، اور آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام تمہارے پاس ہوں اور پھر تم مجھے چھوڑ کر ان کی پیروی کرو تو تم گمراہ ہو جاؤ گے (مسند احمد ج ۳ ص ۳۳۸) اور امام ابو یعلیٰ اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل کتاب سے کسی چیز کا سوال نہ کرو وہ ہرگز تمہیں ہدایت نہیں دیں گے، وہ خود گمراہ ہو چکے ہیں تم ان سے کوئی بات سن کر یا کسی باطل کی تصدیق کرو گے یا کسی حق بات کی تکذیب کرو گے، بے شک اللہ عزوجل کی قسم اگر تمہارے دور میں حضرت موسیٰ زندہ ہوتے تو میری پیروی کرنے کے سوا ان کے لیے اور کوئی چیز جائز نہ ہوتی (مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۲۱۳۵) اور بعض احادیث میں ہے کہ اگر حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ زندہ ہوتے تو میری پیروی کرنے کے سوا ان کے لیے اور کوئی کام جائز نہ ہوتا، پس قیامت تک کے دائمی رسول سیدنا محمد خاتم الانبیاء صلوات اللہ وسلامہ علیہ ہیں اور آپ جس زمانہ میں بھی ہوتے تو آپ ہی امام اعظم ہوتے اور آپ ہی واجب الاطاعت ہوتے اور تمام انبیاء پر مقدم ہوتے، اسی وجہ سے جب تمام انبیاء علیہم السلام معراج کی شب بیت المقدس میں جمع ہوئے تو آپ ہی تمام نبیوں کے امام ہوئے اور میدان حشر میں بھی آپ ہی اللہ تعالیٰ کے حضور سب کی شفاعت فرمائیں گے اور یہی وہ مقام محمود ہے جو آپ کے سوا اور کسی کے لائق نہیں ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۲۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۹ھ)

اس تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا شب معراج، مسجد اقصیٰ سے ہوتے ہوئے آسمانوں پر جانا اس لیے تھا کہ اپنے اپنے زمانوں میں انبیاء سابقین علیہم السلام نے آپ پر ایمان لانے اور آپ کی نصرت کرنے کا جو عہد کیا تھا

وہ عہد پورا ہو جائے۔

(۳) مسجد اقصیٰ سے ہو کر آسمانوں کی طرف جانے کی تیسری حکمت یہ ہے کہ آپ کا مسجد اقصیٰ جانا اور نبیوں کی امامت فرمانا معراج کی تصدیق کا اور خصوصاً بیداری میں اور جسم کے ساتھ معراج کی تصدیق کا ذریعہ بن گیا۔

حافظ ابن کثیر دمشقی لکھتے ہیں:

محمد بن کعب القرظی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت دحیہ بن خلیفہ کو قیصر روم کے پاس بھیجا پھر ان کے وہاں جانے اور قیصر روم کے سوالات کے جوابات دینے کا ذکر کیا، پھر بیان کیا کہ شام کے تاجروں کو بلایا گیا تو ابو سفیان بن صخر بن حرب اور اس کے ساتھیوں کے آنے کا ذکر کیا پھر ہرقل نے ابو سفیان سے سوالات کیے اور ابو سفیان نے جوابات دیئے جن کا تفصیلی ذکر صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے، ابو سفیان نے پوری کوشش کی کہ قیصر روم کی نگاہوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ کم کر دے، ان ہی باتوں کے دوران اس کو واقعہ معراج یاد آیا، اس نے قیصر روم سے کہا اے بادشاہ! کیا میں تم کو ایسی بات نہ سناؤں جس سے اس شخص کا جھوٹ تم پر واضح ہو جائے، اس نے پوچھا وہ کیا بات ہے؟ اس نے کہا وہ یہ کہتے ہیں کہ وہ ایک رات ہماری زمین ارض حرم سے نکل کر تمہاری اس مسجد، بیت المقدس میں پہنچے اور اسی رات کو صبح سے پہلے ہمارے پاس حرم میں واپس پہنچ گئے، بیت القدس کا بڑا عابد جو بادشاہ کے سرہانے کھڑا ہوا تھا وہ کہنے لگا مجھے اس رات کا علم ہے، قیصر نے اس کی طرف مڑ کر دیکھا اور پوچھا تمہیں اس رات کا کیسے علم ہے؟ اس نے کہا میں ہر رات کو سونے سے پہلے مسجد کے تمام دروازے بند کر دیا کرتا تھا، اس رات کو میں نے ایک دروازہ کے علاوہ سارے دروازے بند کر دیئے، وہ دروازہ بند نہیں ہوا، اس وقت وہاں جتنے کارندے دستیاب تھے سب نے پوری کوشش کی مگر وہ دروازہ بند نہیں ہوا، ہم اس دروازہ کو اپنی جگہ سے ہلا بھی نہیں سکے، یوں لگتا تھا جیسے ہم کسی پہاڑ کے ساتھ زور آزمائی کر رہے ہوں، ہم نے کہا صبح کو بڑھئیوں کو بلا کر دکھائیں گے کہ اس میں کیا نقص ہو گیا ہے، اور اس رات کو دروازہ یونہی کھلا چھوڑ دیا، صبح کو ہم نے دیکھا کہ مسجد کے ایک گوشہ میں جو پتھر تھا، اس میں سوراخ تھا اور پتھر میں سواریوں کے باندھنے کے نشانات تھے، میں نے اپنے اصحاب سے کہا گزشتہ رات کو وہ دروازہ اس لیے بند نہیں ہو سکا تھا کہ اس دروازہ سے ایک نبی کو آنا تھا، اور اس رات ہماری اس مسجد میں نبیوں نے نماز پڑھی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۹ھ)

اس روایت سے بھی یہ معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد اقصیٰ سے گزر کر جو آسمانوں کی طرف گئے اس میں یہ حکمت بھی تھی کہ آپ کا وہاں جانا واقعہ معراج کی تصدیق کا ذریعہ بن جائے۔

(۴) چوتھی حکمت یہ تھی کہ تمام انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں مدفون ہیں، اور وہ سب اس رات کو مسجد اقدس میں جمع ہوئے، تمام نبیوں نے خطبات پڑھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو جو نعمتیں دی ہیں ان کا بیان کیا اور سب کے آخر میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور اپنی نعمتوں کا ذکر فرمایا اور آپ نے سب نبیوں کو نماز پڑھائی اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور جہاں چاہتے ہیں چلے جاتے ہیں، اور ایک وقت میں متعدد جگہ بھی تشریف لے جاتے ہیں اس وقت سب نبی اپنی اپنی قبروں میں بھی تھے اور مسجد اقصیٰ میں بھی تھے۔

شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۴ھ لکھتے ہیں:

حضرت آدم علیہ السلام جمیع انبیاء میں اس کے قبل بیت المقدس میں بھی مل چکے ہیں اور اسی طرح وہ اپنی قبر میں بھی موجود ہیں اور اسی طرح بقیہ آسمانوں میں جو انبیاء علیہم السلام کو دیکھا سب جگہ یہی سوال ہوتا ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ قبر

میں تو اصل جسد سے تشریف رکھتے ہیں اور دوسرے مقامات پر ان کی روح کا تمثل ہوا ہے یعنی عنصری جسد سے۔ جس کو صوفیہ جسد مثالی کہتے ہیں روح کا تعلق ہو گیا اور اس جسد میں تعدد بھی اور ایک وقت میں روح کا سب کے ساتھ تعلق بھی ممکن ہے لیکن ان کے اختیار سے نہیں بلکہ محض بہ قدرت و مشیت حق۔ (نشر الطیب ص ۶۵۔ ۶۴، مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی)

خلاصہ یہ ہے کہ مسجد اقصیٰ میں آپ کے تشریف لے جانے کی وجہ سے یہ معلوم ہو گیا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے ہیں اور ایک وقت میں کئی جگہ بھی ہوتے ہیں اسی مفہوم کو بعض علماء حاظر و ناظر سے بھی تعبیر کرتے ہیں لیکن اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ انبیاء علیہم السلام ہر وقت ہر جگہ موجود ہوتے ہیں، ہر وقت ہر جگہ موجود ہونا اور ہر وقت ہر چیز کا علم ہونا یہ صرف اللہ تعالیٰ کی شان ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض نشانیاں دکھانا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جس کے ارد گرد ہم نے برکتیں دی ہیں، تاکہ ہم اس (عبد مکرم) کو اپنی بعض نشانیاں دکھائیں مسجد اقصیٰ کے ارد گرد جو برکتیں ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں کہ مسجد اقصیٰ تمام انبیاء سابقین کی عبادت گاہ ہے اور ان کا قبلہ ہے، اس میں بکثرت دریا اور درخت ہیں، اور یہ ان تین مساجد میں سے ہے جن کی طرف قصد رخت سفر باندھا جاتا ہے، اور یہ ان چار مقامات میں سے ہے جہاں دجال کا داخلہ ممنوع ہے، امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ دجال تمام روئے زمین میں گھومے گا، سوا چار مساجد کے، مسجد مکہ، مسجد مدینہ، مسجد اقصیٰ اور مسجد طور، اور اس میں ایک نماز پڑھنے کا اجر پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے، (سنن ابن ماجہ) اور امام ابو داؤد اور امام ابن ماجہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باندی حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، انہوں نے کہا یا نبی اللہ! ہمیں بیت المقدس کے بارے میں بتائیں، آپ نے فرمایا اس جگہ حشر نشر ہوگا، اس جگہ آکر نماز پڑھو کیونکہ اس جگہ ایک نماز پڑھنے کا اجر ایک ہزار نمازوں کے برابر ہے، نیز امام احمد نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض ازواج سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا یا رسول اللہ! ہم میں سے کوئی بیت المقدس حاضر ہونے کی طاقت نہیں رکھتا، آپ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی وہاں حاضر نہ ہو سکے تو وہاں زیتون کا تیل بھیج دے جس سے وہاں چراغ جلایا جائے، اس مسجد میں چراغ جلانے کا اجر بھی وہاں نماز پڑھنے کے برابر ہے، اور امام ابو داؤد نے روایت کیا ہے کہ مسجد اقصیٰ وہ دوسری مسجد ہے جس کو روئے زمین پر بنایا گیا ہے، حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں میں نے پوچھا یا رسول اللہ! زمین میں سب سے پہلی کون سی مسجد بنائی گئی؟ آپ نے فرمایا مسجد الحرام، میں نے کہا پھر کون سی؟ آپ نے فرمایا المسجد الاقصیٰ، میں نے پوچھا ان کے درمیان کتنی مدت ہے؟ آپ نے فرمایا چالیس سال! پھر تمہیں جہاں بھی موقع ملے تم نماز پڑھ لو، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کعبہ کو تعمیر کرنے کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام نے مسجد اقصیٰ کو تعمیر کیا اور پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کی تجدید کی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا تاکہ ہم ان کو اپنی بعض نشانیاں دکھائیں، یعنی تاکہ ہم آپ کو آسمانوں کی طرف لے جائیں تاکہ ہم اس میں بہت عجیب و غریب امور دکھائیں، حدیث صحیح میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس کے پتھر سے آسمانوں کی طرف چڑھ کر گئے اور ہر آسمان میں آپ کی ایک نبی سے ملاقات ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنت اور دوزخ کے احوال سے مطلع ہوئے اور آپ نے فرشتوں کو دیکھا جن کی تعداد کے بارے میں اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس میں انبیاء علیہم السلام کو دو رکعت نماز پڑھائی پہلی رکعت میں قل یایھا الکافرون اور دوسری میں سورہ اخلاص پڑھی، انبیاء علیہم السلام کی سات صفیں تھیں اور تین صفیں مرسلین کی

تھیں اور فرشتوں نے بھی ان کے ساتھ نماز پڑھی اور یہ آپ کی خصوصیت ہے اور اس میں یہ حکمت تھی کہ ظاہر کیا جائے کہ آپ سب کے امام ہیں' اس میں اختلاف ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے اپنی روحوں کے ساتھ نماز پڑھی یا جسموں کے ساتھ' اس میں بھی اختلاف ہے کہ یہ نماز آسمانوں کی طرف جاتے ہوئے پڑھی یا واپسی میں' حافظ ابن کثیر نے کہا واپسی میں پڑھی اور قاضی عیاض نے کہا پہلے پڑھی' ایک روایت میں یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر آسمان میں دو رکعت نماز پڑھی اور وہاں کے فرشتوں کی امامت فرمائی' آپ کا رات کو جانا اور آسمانوں کی طرف عروج رات کے ایک حصہ میں ہوا' وہ ایک حصہ کتنی دیر پر مشتمل تھا اس کی مقدار معلوم نہیں ہے۔

بعض روایات میں ہے کہ جب آپ واپس آئے تو بستر اسی طرح گرم تھا' آپ کے عمامہ کے ٹکرانے سے جو درخت کی شاخیں ہلیں تھیں وہ اسی طرح ہل رہی تھیں' آپ کو پہلے بیت المقدس لے جایا گیا اور پھر آسمانوں کی طرف عروج کرایا گیا' تاکہ بہ تدریج بلند مقامات کی طرف عروج ہو اور عجیب و غریب امور دیکھنے کے لیے آپ مرحلہ وار مانوس ہوں اور آپ کے آنے اور جانے سے محشر کی زمین مشرف ہو جائے' کعب احبار نے بیان کیا ہے کہ آسمان دنیا سے بیت المقدس کی طرف ایک دروازہ کھلا ہوا ہے اور اس دروازے سے ہر روز ستر ہزار فرشتے نازل ہوتے ہیں اور جو شخص بیت المقدس میں آئے اور نماز پڑھے اس کے لیے استغفار کرتے ہیں اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے بیت المقدس لے جایا گیا پھر آسمانوں کی طرف عروج کرایا گیا' ایک قول یہ ہے کہ بیت المقدس کا ہر ستون یہ دعا کرتا تھا کہ اے ہمارے رب ہمیں ہر نبی کی زیارت کا شرف حاصل ہوا ہے' اب ہم سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے مشتاق ہیں' ہمیں آپ کی زیارت کا شرف عطا فرما تو پہلے آپ کو بیت المقدس لے جایا گیا تاکہ ان کی دعا قبول ہو پھر آپ کو آسمانوں کی طرف عروج کرایا گیا' اور اس ناکارہ کا گمان یہ ہے کہ آپ نے بیت المقدس میں نماز پڑھی تاکہ آپ کی امت کے لیے بیت المقدس میں نماز پڑھنے کا نمونہ قائم ہو اور آپ کی سنت ہو جائے نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بیت المقدس میں نماز پڑھنے کا ثواب جو پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہوا ہے اس کی وجہ یہی ہو کہ آپ نے وہاں نماز پڑھی ہے' ورنہ یہ مسجد تو بہت پہلے سے بنی ہوئی تھی لیکن اس میں نماز پڑھنے کا اجر و ثواب پہلے اتنا نہ تھا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مِن تبعیضیہ داخل کر کے اس پر متنبہ کیا ہے کہ آپ کو بعض نشانیاں دکھائی گئی ہیں تمام نشانیاں نہیں دکھائی گئیں کیونکہ تمام نشانیاں تو غیر متناہی ہیں اور جسم متناہی غیر متناہی نشانیوں کو نہیں دیکھ سکتا۔

(روح المعانی جز ۱۵ ص ۱۸۔ ۱۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ شہاب الدین خفاجی نے ان نشانیوں کے بیان کے بارے میں لکھا ہے' مثلاً رات کے ایک قلیل وقفہ میں آپ کا بیت المقدس پہنچ جانا' اور آپ کے سامنے بیت المقدس کو منکشف کر دینا جب مشرکین نے آپ سے بیت المقدس کی نشانیوں کے متعلق پوچھا' اور تمام انبیاء علیہم السلام کا متمثل ہو کر بیت المقدس میں آنا اور آپ کا ان کو نماز پڑھانا اور ہر نبی کا اپنے مقام کے اعتبار سے کسی آسمان میں موجود ہونا۔

اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں اور زمینوں کی تمام نشانیاں دکھائیں ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَكَذٰلِكَ نُرِيٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ (الانعام: ۷۵)	اور اسی طرح ہم نے ابراہیم کو آسمانوں اور زمینوں کی تمام نشانیاں دکھائیں۔

اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض نشانیاں دکھائیں‘ اس سوال کا ایک جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم کو جو بعض نشانیاں دکھائی گئیں ان کا تعلق توحید کے دلائل کے ساتھ ہے اور آپ کو جو بعض نشانیاں دکھائی گئیں ہیں ان کا تعلق معراج کے ساتھ ہے‘ دوسرا جواب یہ ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو بعض نشانیاں دکھائی گئیں وہ ان تمام نشانیوں سے بڑھ کر ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دکھائی گئیں تھیں‘ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْکُبْرٰی ○ (النجم: ۱۸) بے شک انہوں نے اپنے رب کی بہت بڑی نشانیاں ضرور دیکھی ہیں۔

اس آیت کے آخر میں فرمایا: بے شک وہی بہت سننے والا‘ بہت دیکھنے والا ہے۔

اس کے دو محمل ہیں: (۱) اللہ تعالیٰ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کو بہت سننے والا اور آپ کو بہت دیکھنے والا ہے۔
(۲) سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے کلام کو سننے والے اور اس کے جمال کو دیکھنے والے ہیں۔

(عنایت القاضی ج ۶ ص ۱۳-۱۴‘ مطبوعہ دار الفکر بیروت‘ ۱۴۱۷ھ)

رات کے ایک قلیل وقفہ میں معراج کا ہونا

علامہ علائی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ شب معراج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر کے پانچ مرحلے تھے‘ پہلا مرحلہ براق پر سوار ہو کر مسجد اقصیٰ تک‘ دوسرا مرحلہ معراج (سیڑھی) پر چڑھ کر آسمان دنیا تک‘ تیسرا مرحلہ فرشتوں کے پروں پر سوار ہو کر ساتویں آسمان تک‘ چوتھا مرحلہ حضرت جبریل علیہ السلام کے پروں پر سوار ہو کر سدرۃ المنتہیٰ تک‘ پانچواں مرحلہ رفرف پر سوار ہو کر قاب قوسین تک‘ آپ کو براق‘ معراج‘ فرشتوں کے پروں اور حضرت جبریل کے پروں پر سوار کرانے کی حکمت یہ تھی کہ آپ کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزت‘ وجاہت اور کرامت کو ظاہر کیا جائے‘ ورنہ اللہ سبحانہ اس پر قادر ہے کہ آپ کو پلک جھپکنے سے پہلے جہاں چاہے بغیر کسی سواری کے ذریعہ پہنچا دے‘ ایک قول یہ ہے کہ براق صرف مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک تھا اور مسجد اقصیٰ سے لے کر جہاں تک اللہ تعالیٰ نے چاہا معراج (سیڑھی) تھی اور اس نورانی سیڑھی کے آسمانوں تک سات ڈنڈے تھے‘ آٹھواں ڈنڈا ساتویں آسمان سے لے کر سدرۃ المنتہیٰ تک تھا‘ اور نواں ڈنڈا مقام مستوی تک تھا جہاں پر قلم چلنے کی آواز سنائی دیتی ہے اور دسواں ڈنڈا صریف الاقلام سے لے کر عرش تک تھا۔

ظاہر یہ ہے کہ شب معراج نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس مسافت کو طے کیا اپنی اصل پر تھی یعنی اس مسافت کو لپیٹ کر کم نہیں کیا گیا‘ مکہ مکرمہ سے لے کر اس مقام تک جہاں سے آپ کو وحی کی جاتی ہے تین لاکھ سال کی مسافت ہے‘ ایک قول یہ ہے کہ پچاس ہزار سال کی مسافت ہے‘ اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں اور یہ اس طرح نہیں ہے جس طرح بعض صوفیاء کہتے ہیں کہ مسافت لپیٹ دی جاتی ہے اور فقہاء بھی اس کو بطور کرامت ثابت کرتے ہیں۔

(روح المعانی ج ۱۵ ص ۱۶-۱۴‘ مطبوعہ دار الفکر بیروت‘ ۱۴۱۷ھ)

اس جگہ یہ سوال ہوتا ہے کہ ایک لمحہ میں اتنی طویل اور عظیم سیر کیسے واقع ہو گئی اس کے جواب میں بعض علماء نے یہ نکتہ بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بہ منزلہ روح ہیں اور یہ کائنات بہ منزلہ جسم ہے اور جب جسم سے روح نکل جائے تو جسم مردہ ہو جاتا ہے‘ سو جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کائنات سے نکل گئے تو یہ کائنات مردہ ہو گئی اور جب آپ اس کائنات میں واپس آئے تو یہ کائنات پھر زندہ ہو گئی آسمانوں‘ زمینوں‘ سورج اور سیاروں کی گردش جہاں تک پہنچی تھی وہیں پر رک گئی اور جب آپ اس کائنات میں داخل ہوئے تو پھر وہ گردش وہیں سے پھر شروع ہو گئی اور جب آپ گھر آئے تو آپ کا بستر

اسی طرح گرم تھا اور زنجیر ہل رہی تھی۔

اس جواب پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ براق، مسجد اقصیٰ، ساتوں آسمان، سدرہ، رفرف، اور عرش وغیرہ یہ سب چیزیں بھی تو اس کائنات میں ہیں جب سفر معراج کے دوران یہ کائنات مردہ ہوگئی تھی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مسجد اقصیٰ میں جاکر امامت فرمانا، آسمانوں پر انبیاء علیہم السلام سے ملاقات فرمانا اور رباقی معراج کے واقعات کیسے ظہور پذیر ہوئے؟ اس لیے یہ کہا جاسکتا ہے کہ جن جن چیزوں کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کا تعلق تھا ان کو اللہ تعالیٰ نے زندہ اور اپنے حال پر متحرک رکھا اور ان کے علاوہ باقی کائنات کو بے جان اور ساکن کر دیا اور جب آپ سفر معراج سے واپس تشریف لائے تو پھر ہر چیز وہیں سے حرکت کرنے لگی جہاں سے آپ اسے چھوڑ کر گئے تھے، اور جب آصف بن برخیا ایک ماہ کی مسافت سے تخت بلقیس کو پلک جھپکنے سے پہلے لا سکتے ہیں تو پلک جھپکنے سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عرش پر جاکر لوٹ آنا کیونکر قابل اعتراض ہو سکتا ہے۔

واقعۂ معراج کی تاریخ

ملا علی قاری لکھتے ہیں:

بکثرت علماء محدثین نے یہ کہا ہے کہ معراج کا واقعہ ہجرت سے ایک سال پہلے ہوا ہے، علامہ نووی نے ذکر کیا ہے کہ متقدمین عظام، جمہور محدثین اور فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ واقعہ معراج بعثت کے سولہ ماہ بعد ہوا، علامہ سبکی نے کہا اس پر اجماع ہے کہ واقعہ معراج مکہ میں ہوا اور مختار وہ ہے جو ہمارے شیخ ابو محمد دمیاطی نے کہا کہ معراج ہجرت سے ایک سال پہلے ہوئی ہے، اور سید جمال الدین محدث نے روضۃ الاحباب میں لکھا ہے کہ واقعہ معراج ماہ رجب کی ستائیس تاریخ کو ہوا جیسا کہ حرمین شریفین میں اسی پر عمل ہوتا ہے، ایک قول یہ ہے کہ معراج الربیع الآخر میں ہوئی، ایک قول یہ ہے کہ رمضان میں ہوئی، ایک قول یہ ہے کہ شوال میں ہوئی اس کے علاوہ اور بھی متعدد اقوال ہیں۔

(شرح الشفاء علی ہامش نسیم الریاض ج ۲ ص ۲۴۴)

علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

علامہ نووی نے روضہ میں لکھا ہے کہ اعلان نبوت کے دس سال بعد واقعہ معراج ہوا، اور فتاوی میں ہے کہ نبوت کے پانچویں یا چھٹے سال معراج ہوئی، فاضل ملا امین عمری نے شرح ذات الشفاء میں وثوق سے لکھا ہے کہ بعثت کے بارہ سال بعد معراج ہوئی، اور ابن حزم نے اس پر اجماع کا دعوی کیا ہے، علامہ نووی نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ معراج الربیع الاول میں ہوئی، اور شرح مسلم میں لکھا ہے کہ الربیع الآخر میں ہوئی اور روضہ میں وثوق سے لکھا ہے کہ رجب میں ہوئی، ایک قول رمضان کا اور ایک قول شوال کا ہے اور یہ ستائیسویں شب کو واقع ہوئی بعض نے کہا جمعہ کی شب ہوئی بعض نے کہا ہفتہ کی شب ہوئی، علامہ دمیری نے ابن الاثیر سے نقل کیا ہے کہ معراج پیر کی شب ہوئی۔

(روح المعانی ج ۱۵ ص ۷۔ ۶۔ ۱۰۔ ۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۷ھ)

واقعۂ معراج کی ابتداء کی جگہ

علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

اس میں بھی اختلاف ہے کہ معراج کس جگہ ہوئی، امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی اور امام نسائی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حطیم کعبہ میں نیند اور بیداری کے عالم میں تھے کہ آپ کے پاس

ایک آنے والا آیا اور اس نے آپ کا یہاں سے یہاں تک (گلے سے ناف تک) سینہ چاک کیا' الحدیث۔
امام نسائی نے حضرت ابن عباس سے اور امام ابو یعلیٰ نے اپنی مسند میں اور امام طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت ام ہانی سے یہ روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز کے بعد ان کے (حضرت ام ہانی فاختہ بنت ابی طالب) کے گھر سوئے ہوئے تھے تو آپ کو معراج کرائی گئی اور اسی شب آپ لوٹ آئے' الحدیث۔

(روح المعانی جز ۱۵ ص ۹-۸ مطبوعہ دار الفکر' ۱۴۱۷ھ)

ان روایات میں اس طرح تطبیق ہو سکتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پہلے حضرت ام ہانی کے گھر سوئے پھر وہاں سے اٹھ کر حطیم کعبہ میں چلے گئے اور وہاں سے سفر معراج شروع ہوا اور چونکہ ابتداء میں آپ حضرت ام ہانی کے گھر تھے اور بعد میں حطیم کعبہ تشریف لے گئے' اس لیے دونوں جگہوں کی طرف معراج کی نسبت کر دی گئی۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ کے گھر سے معراج ہوئی' اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ام ہانی سے تعلق کی بناء پر آپ نے حضرت ام ہانی کے گھر کو اپنا گھر فرمایا' اس کی مزید تفصیل ان شاء اللہ عنقریب آئے گی۔

معراج کی احادیث میں تعارض کی توجیہ

واقعہ معراج تیس سے زیادہ صحابہ کرام سے مروی ہے اور کسی ایک روایت میں بھی پورا واقعہ مفصل مذکور نہیں ہے صحیح بخاری کی کسی حدیث میں مسجد اقصیٰ جانے کا ذکر نہیں ہے' اس کا ذکر امام مسلم اور امام نسائی نے کیا ہے' کسی روایت میں شق صدر کا ذکر نہیں ہے اور کسی میں براق پر سوار ہونے کا ذکر نہیں ہے' اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھنے کا امام بخاری نے ذکر نہیں کیا' اس کا ذکر امام مسلم اور امام نسائی اور دیگر محدثین نے کیا ہے' صحاح کی روایات میں برزخ کے واقعات دیکھنے کا ذکر نہیں ہے' اس کا ذکر امام بیہقی' امام ابن جریر' حافظ ابن کثیر' علامہ حلبی اور دیگر محدثین نے کیا ہے' اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعہ معراج متعدد بار متعدد صحابہ کرام کے سامنے بیان فرمایا اور ہر شخص کے سامنے آپ نے اس کی صلاحیت اور استعداد کے اعتبار سے واقعہ معراج بیان فرمایا اس وجہ سے یہ تمام روایات غیر مربوط اور باہم متعارض ہیں۔
اب ہماری یہ کوشش یہ ہے کہ ہم واقعہ معراج کو مختلف کتب حدیث سے اخذ کر کے مربوط طریقہ سے پیش کریں اور جو چیز پہلے ہے اس کو پہلے اور جو بعد میں ہے اس کو بعد میں ذکر کریں' صحاح کی روایات سے واقعہ معراج کو نقل کرنے کے بعد ہم امام بیہقی کے حوالے سے برزخ کے دیکھے ہوئے واقعات پیش کریں گے' اس کے بعد ہم ان احادیث کے اسرار اور نکات بیان کریں گے۔ فنقول وباللہ التوفیق وبہ الاستعانۃ یلیق۔

کتب احادیث کے مختلف اقتباسات سے واقعۂ معراج کا مربوط بیان

امام بخاری روایت کرتے ہیں:
حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ' حضرت مالک بن صعصعہ سے نقل کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے اس رات کا بیان فرمایا جس میں آپ کو معراج کرائی گئی تھی' آپ نے فرمایا جس وقت میں حطیم میں لیٹا ہوا تھا کہ اچانک میرے پاس ایک آنے والا (فرشتہ) آیا اور اس نے میرا سینہ یہاں سے یہاں تک چاک کر دیا' راوی کہتے ہیں میرے پہلو میں جارود تھے میں نے پوچھا: یہاں سے یہاں تک کا کیا مطلب ہے؟ انہوں کہا حلقوم سے ناف تک' آپ نے فرمایا پھر میرا دل نکالا' پھر ایک سونے کا طشت لایا گیا جو ایمان (اور حکمت) سے لبریز تھا' پھر میرا دل دھویا گیا' پھر اس کو ایمان اور حکمت سے

لبریز کیا گیا پھر اس دل کو اپنی جگہ رکھ دیا گیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۸۸۷)

اور امام بخاری کتاب التوحید میں حضرت انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں کہ:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں سوئے ہوئے تھے کہ تین فرشتے آپ کو مسجد حرام سے اٹھا کر زمزم پر لے گئے، ان فرشتوں کے متولی حضرت جبریل تھے، پھر حضرت جبریل نے آپ کے حلقوم اور ناف کے درمیان سینہ کو چاک کیا، پھر اپنے ہاتھ سے دل کو زمزم کے پانی سے دھویا حتیٰ کہ پیٹ کو صاف کر دیا، پھر سونے کا ایک طشت لایا گیا جو ایمان اور حکمت سے بھرا ہوا تھا، پھر ایمان اور حکمت کو سینہ میں بھر دیا اور رتمام گوشت اور رگوں میں ایمان اور حکمت کو سمو دیا گیا پھر سینہ کو بند کر دیا گیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۵۱۷)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کرائی گئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس براق لایا گیا جس کو لگام ڈالی ہوئی تھی اور اس پر زین چڑھائی ہوئی تھی، اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شوخی سے اچھل کود کی تو اس سے حضرت جبریل نے کہا کیا تم سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس طرح کر رہے ہو؟ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر مکرم کوئی شخصیت آج تک تم پر سوار نہیں ہوئی، تب براق تھم گیا اور اس کا پسینہ بہنے لگا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۳۱)

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر میرے پاس ایک سواری لائی گئی جو خچر سے چھوٹی اور گدھے سے بڑی تھی، اس کا رنگ سفید تھا، جارود نے کہا: اے ابو حمزہ! (حضرت انس) کیا وہ براق تھا؟ حضرت انس نے کہا ہاں وہ منتہائے نظر پر قدم رکھتا تھا مجھے اس پر سوار کرایا گیا اور جبریل مجھے لے کر چلے گئے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۸۸۷)

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

عن انس بن مالک ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال مررت علی موسی لیلۃ اسری بی عند الکثیب الاحمر وھو قائم یصلی فی قبرہ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس رات مجھے معراج کرائی گئی میرا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کثیب احمر کے پاس سے گزر ہوا اس وقت وہ اپنی قبر میں کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۷۴، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۶۳۱)

امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے اصحاب نے عرض کیا: آپ ہمیں شب معراج کا واقعہ بیان کیجئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے مسجد حرام میں عشاء کی نماز پڑھی، پھر میں سو گیا پھر ایک آنے والا آیا اور اس نے مجھے بیدار کیا، میں بیدار ہوا مجھے کچھ نظر نہ آیا، پھر میں مسجد سے باہر نکلا اور غور سے دیکھا تو مجھے خچر سے مشابہ ایک جانور نظر آیا ان کے کان اوپر کو اٹھے ہوئے تھے اور اس کو براق کہا جاتا ہے، اور مجھ سے پہلے

انبیاء علیہم السلام اس (قسم کے) جانور پر سواری کرتے تھے وہ منتہائے نظر پر قدم رکھتا تھا' میں اس پر سوار ہوا' جس وقت میں اس پر سواری کر رہا تھا تو مجھے دائیں جانب سے کسی شخص نے آواز دی یا محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں تم سے سوال کرتا ہوں مجھے دیکھو' یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں تم سے سوال کرتا ہوں مجھے دیکھو' میں نے اس کو جواب نہیں دیا اور میں اس کے پاس نہیں ٹھہرا' پھر مجھے اپنی بائیں جانب سے کسی نے آواز دی یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں تم سے سوال کرتا ہوں مجھے دیکھو! یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں تم سے سوال کرتا ہوں مجھے دیکھو' میں نے اس کو بھی جواب نہیں دیا اور نہ اس کے پاس ٹھہرا' پھر اسی سیر کے دوران ایک عورت انتہائی زینت سے آراستہ اپنی باہیں کھولے کھڑی تھی' اس نے بھی کہا یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں تم سے سوال کرتی ہوں' مجھے دیکھو' میں نے اس کی طرف بھی التفات نہیں کیا نہ اس کے پاس ٹھہرا حتیٰ کہ میں بیت المقدس پہنچ گیا میں نے اس حلقہ میں اپنی سواری کو باندھا جس حلقے میں انبیاء علیہم السلام اپنی سواریاں باندھتے تھے پھر جبریل (علیہ السلام) میرے پاس دو برتن لے کر آئے' ایک میں شراب تھی اور دوسرے میں دودھ' میں نے دودھ پی لیا اور شراب کو چھوڑ دیا' حضرت جبریل نے کہا آپ نے فطرت کو پالیا میں نے کہا اللہ اکبر' اللہ اکبر' حضرت جبریل نے پوچھا آپ نے راستہ میں کیا دیکھا تھا؟ میں نے کہا جب میں جا رہا تھا تو دائیں جانب سے ایک شخص نے مجھے پکار کر کہا یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں تم سے سوال کرتا ہوں مجھے دیکھو' میں نے اس کو جواب نہیں دیا اور نہ اس کے پاس ٹھہرا حضرت جبریل نے کہا یہ بلانے والا یہودی تھا اگر آپ اس کی دعوت پر لبیک کہتے اور اس کے پاس ٹھہرتے تو آپ کی امت یہودی ہو جاتی' آپ نے فرمایا جب میں جا رہا تھا تو ایک شخص نے مجھے بائیں جانب سے آواز دی یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں تم سے سوال کرتا ہوں مجھے دیکھو' جبریل نے کہا یہ نصاریٰ تھا اگر آپ اس کی دعوت پر لبیک کہتے تو آپ کی امت عیسائی ہو جاتی' آپ نے فرمایا اس سیر کے دوران ایک عورت انتہائی زینت سے آراستہ اپنی باہیں کھولے کھڑی تھی اس نے بھی کہا: اے محمد! میں تم سے سوال کرتی ہوں مجھے دیکھو میں نے اس کو جواب نہیں دیا اور نہ اس کے پاس ٹھہرا' جبریل نے کہا یہ دنیا تھی اگر آپ اس کو جواب دیتے تو آپ کی امت دنیا کو آخرت پر اختیار کر لیتی۔

آپ نے فرمایا پھر میں اور جبریل علیہ السلام بیت المقدس میں داخل ہوئے اور ہم میں سے ہر ایک نے دو رکعت نماز پڑھی پھر میرے پاس ایک معراج (نورانی سیڑھی) لائی گئی جس پر بنو آدم کی روحیں اس وقت چڑھتی ہیں جب تم دیکھتے ہو کہ میت کی آنکھیں آسمان کی طرف کھلی ہوئی ہوتی ہیں' وہ بہت حسین معراج تھی' کسی مخلوق نے ایسی معراج نہ دیکھی ہوگی میں اور جبریل اس معراج پر چڑھے حتیٰ کہ ہماری ملاقات آسمان دنیا کے فرشتے سے ہوئی اس کا نام اسماعیل تھا اس کے ماتحت ستر ہزار فرشتے تھے اور ان میں سے ہر فرشتے کے ماتحت ایک لاکھ فرشتے تھے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ - (المدثر: ۳۱) آپ کے رب کے لشکروں کو صرف وہی (اللہ تعالیٰ) جانتا ہے۔

پھر جبریل نے آسمان کا دروازہ کھلوایا' کہا گیا: یہ کون ہیں؟ کہا جبریل' پوچھا گیا تمہارے ساتھ کون ہیں؟ کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پوچھا گیا کیا انہیں بلایا گیا ہے؟ کہا ہاں! آپ نے فرمایا پھر میں نے حضرت آدم کو ان کی اس صورت میں دیکھا جس میں انہیں بنایا گیا تھا ان پر جب ان کی اولاد میں سے مومنین کی روحیں پیش کی جاتیں تو فرماتے یہ پاکیزہ روح ہے اس کو علیین میں لے جاؤ اور جب ان پر ان کی اولاد میں سے کفار کی روحیں پیش کی جاتیں تو فرماتے یہ خبیث روح ہے اس کو سجین میں لے جاؤ' ابھی میں کچھ ہی چلا ہوں گا کہ میں نے دیکھا کہ دستر خوان بچھے ہوئے ہیں اور ان پر نہایت نفیس بھنا ہوا گوشت رکھا ہے'

اور دوسری جانب اور خوان رکھے ہیں جن پر نہایت بدبودار اور سڑا ہوا گوشت رکھا ہے اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو عمدہ گوشت کے تو پاس نہیں جاتے اور سڑا ہوا بدبودار گوشت کھا رہے ہیں، میں نے کہا: اے جبریل یہ کون لوگ ہیں؟ کہا یہ آپ کی امت کے وہ لوگ ہیں جو حلال کو چھوڑ کر حرام کے پاس جاتے ہیں، پھر میں کچھ آگے چلا تو کچھ اور لوگوں کو دیکھا ان کے پیٹ کوٹھڑیوں کی طرح ہیں ان میں سے جب بھی کوئی اٹھتا تو گر جاتا اور کہتا اے اللہ قیامت کو قائم نہ کرنا، ان کو فرعونی جانور روند رہے تھے اور وہ اللہ تعالیٰ سے فریاد کر رہے تھے، میں نے کہا جبریل یہ کون لوگ ہیں؟ کہا یہ آپ کی امت میں سے سود کھانے والے ہیں یہ قیامت کے دن اس طرح اٹھیں گے جس طرح آسیب زدہ شخص اٹھتا ہے، پھر میں کچھ آگے چلا تو ایسے لوگوں کو دیکھا جن کے ہونٹ اونٹوں کے ہونٹوں کی طرح تھے ان کے منہ کھول کر ان میں پتھر ڈالے جاتے پھر وہ پتھر ان کے نچلے دھڑ سے نکل جاتے، میں نے ان کو اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتے ہوئے سنا میں نے کہا جبریل یہ کون لوگ ہیں؟ کہا یہ آپ کی امت کے وہ لوگ ہیں جو ظلماً یتیموں کا مال کھاتے تھے دراصل یہ لوگ اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے تھے اور عنقریب یہ لوگ جہنم میں داخل ہوں گے، پھر میں کچھ آگے چلا تو دیکھا کہ کچھ عورتیں اپنے سینوں کے بل لٹکی ہوئی ہیں، میں نے سنا وہ اللہ تعالیٰ سے فریاد کر رہی تھیں، میں نے کہا جبریل یہ کون عورتیں ہیں؟ انہوں نے کہا یہ آپ کی امت میں سے زنا کرنے والیاں ہیں، پھر میں کچھ اور آگے چلا تو دیکھا کچھ لوگوں کے پہلوؤں سے گوشت کاٹ کاٹ کر ان کے منہ میں ڈالا جا رہا ہے اور ان سے کہا جا رہا ہے اس کو کھاؤ جیسا کہ تم (دنیا میں) اپنے بھائی کا گوشت کھاتے تھے۔ میں نے کہا جبریل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا یہ آپ کی امت میں سے غیبت کرنے والے اور چغلی کرنے والے لوگ ہیں، الحدیث۔ (دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۳۹۳-۳۹۰)

اس حدیث کو امام ابن جریر نے سورہ اسراء کی تفسیر میں اپنی سند سے روایت کیا ہے اور اس کو امام ابن ابی حاتم نے بھی روایت کیا ہے اس کی سند میں ایک راوی ابوہارون عبدی متروک ہے۔

امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سبحان الذی اسری بعبدہ الایہ کی تفسیر میں فرمایا:

میرے پاس ایک گھوڑی لائی گئی اور اس پر مجھ کو سوار کرایا گیا، آپ نے فرمایا اس کا قدم منتہائے بصر پر تھا، آپ روانہ ہوئے اور آپ کے ساتھ حضرت جبریل علیہ السلام بھی چلے، آپ ایک ایسی قوم کے پاس پہنچے جو ایک دن فصل بوتی تھی اور دوسرے دن وہ فصل کاٹ لیتی تھی اور جس قدر وہ فصل کاٹتے تھے اتنی ہی فصل بڑھ جاتی تھی، آپ نے کہا اے جبریل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا یہ اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والے ہیں، ان کی نیکیوں کو سات سو گنا تک بڑھا دیا گیا ہے، اور تم جو چیز بھی خرچ کرتے ہو، اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ میں اور چیز لے آتا ہے اور وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے پھر آپ ایک ایسی قوم کے پاس آئے جن کے سروں کو پتھروں سے کچلا جا رہا تھا، اور جب سر کچل دیا جاتا تو وہ سر پھر درست ہو جاتا اور ان کو مہلت نہ ملتی (کہ سر پھر کچل دیا جاتا) میں نے کہا اے جبریل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جن کے سر (فرض) نماز کے وقت بھاری ہو جاتے تھے، پھر آپ ایک ایسی قوم کے پاس گئے جن کے آگے اور پیچھے کپڑے کی دھجیاں تھیں اور وہ جہنم کے کانٹے دار درخت زقوم کو جانوروں کی طرح چر چگ رہے تھے، اور جہنم کے پتھر اور انگارے کھا رہے تھے، میں نے کہا اے جبریل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے مالوں کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتے تھے، اور اللہ تعالیٰ نے ان پر بالکل ظلم نہیں کیا اور نہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم کرتا ہے، پھر آپ ایک ایسی قوم کے پاس آئے جن کے سامنے دیگچیوں

میں پاکیزہ گوشت پکا ہوا رکھا تھا اور دوسری جانب سڑا ہوا خبیث گوشت رکھا ہوا تھا وہ سڑے ہوئے خبیث گوشت کو کھا رہے تھے اور پاکیزہ گوشت کو چھوڑ رہے تھے۔ آپ نے کہا جبرائیل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جن کے پاس حلال اور طیب بیوی تھی اور وہ اس کو چھوڑ کر رات بھر بدکار عورت کے پاس رہتے تھے، پھر آپ نے دیکھا کہ راستے میں ایک لکڑی ہے، جو ہر کپڑے کو پھاڑ دیتی ہے اور ہر چیز کو زخمی کر دیتی ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا تَقۡعُدُوۡا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوۡعِدُوۡنَ۔ اور ہر راستہ میں اس لیے نہ بیٹھو کہ مسلمانوں کو ڈراؤ۔

(الاعراف: ۸۶)

آپ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا یہ آپ کی امت کے ان لوگوں کی مثال ہے جو لوگوں کا راستہ روک کر بیٹھ جاتے ہیں، پھر ایک ایسے شخص کے پاس سے گزرے جس نے لکڑیوں کا ایک گٹھا جمع کر لیا جس کو وہ اٹھا نہیں سکتا تھا، اور وہ اس گٹھے میں مزید لکڑیاں ڈالنا چاہتا تھا، آپ نے فرمایا اے جبریل یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا یہ آپ کی امت میں سے وہ شخص ہے جس کے پاس امانتیں تھیں اور وہ ان کو ادا نہیں کر سکتا تھا، اور وہ مزید امانتیں رکھ لیتا تھا، پھر آپ ایک ایسی قوم کے پاس سے گزرے جن کی زبانیں اور ہونٹ آگ کے انگاروں سے کاٹے جاتے تھے، اور جب بھی ان کو کاٹ دیا جاتا وہ پھر پہلے کی طرح ہو جاتے اور ان کو ذرا مہلت نہ ملتی، آپ نے کہا اے جبرائیل یہ کون لوگ ہیں؟ کہا یہ آپ کی امت کے فتنہ پرور خطیب ہیں، پھر آپ کا گزر ایک چھوٹے پتھر سے ہوا جس کے سوراخ سے ایک بڑا بیل نکل رہا تھا، پھر وہ بیل اس سوراخ میں داخل ہونا چاہتا لیکن داخل نہ ہو سکتا، آپ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا یہ وہ شخص ہے جو کوئی (بڑی بری) بات کہہ کر اس پر نادم ہوتا ہے، اس کو واپس لینا چاہتا ہے اور واپس نہیں لے سکتا، پھر آپ کا گزر ایک ایسی وادی سے ہوا جہاں سے بہت خوشگوار، ٹھنڈی اور خوشبودار ہوا آ رہی تھی، جس میں مشک کی خوشبو تھی، اور وہاں سے آواز آ رہی تھی آپ نے پوچھا اے جبریل یہ مشک کی خوشبو والی پاکیزہ ہوا کیسی ہے اور یہ آواز کیسی ہے؟ انہوں نے کہا یہ جنت کی آواز ہے، جو یہ کہہ رہی ہے کہ اے اللہ! مجھ سے کیا ہوا اپنا وعدہ پورا کر اور مجھے میرے اہل عطا فرما، کیونکہ میری خوشبو، میرا ریشم، میرا سندس اور استبرق، میرے موتی، میرے مرجان، میرے مونگے، میرا سونا اور چاندی، میرے کوزے اور کٹورے، میرا شہد، میرا دودھ، اور میری شراب بہت زیادہ ہو گئے ہیں پس تو اپنے وعدہ کے مطابق مجھے اہل جنت عطا فرما، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تیرے لیے ہر مسلم اور ہر مسلمہ ہے اور ہر مومن اور ہر مومنہ ہے، جو مجھ پر اور میرے رسولوں پر ایمان لائیں اور اعمال صالحہ کریں اور میرے ساتھ بالکل شرک نہ کریں اور میرے سوا کسی کو شریک نہ بنائیں اور جو مجھ سے ڈریں گے میں ان کو امان دوں گا اور جو مجھ سے سوال کریں گے میں ان کو عطا کروں گا اور جو مجھے قرض دیں گے میں ان کو جزا دوں گا اور جو مجھ پر توکل کریں گے میں ان کے لیے کافی ہوں اور میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں میں وعدہ کے خلاف نہیں کرتا، جنت نے کہا میں راضی ہو گئی۔

پھر آپ ایک ایسی وادی میں آئے جہاں سے نہایت بری، بھیانک اور مکروہ آوازیں آ رہی تھیں، آپ نے فرمایا اے جبریل یہ کیسی آوازیں ہیں، انہوں نے کہا یہ جہنم کی آواز ہے جو کہہ رہی ہے مجھے اہل دوزخ عطا کر جن کا تو نے مجھ سے وعدہ کیا ہے، کیونکہ میرے طوق میری زنجیریں، میرے شعلے اور میری گرمی، میرا تھوہر، میرا لہو اور پیپ اور میرے عذاب اور سزا کے اسباب بہت وافر ہو گئے ہیں، میری گہرائی بہت زیادہ ہے، اور میری آگ بہت تیز ہے، مجھے وہ لوگ دے جن کا تو نے مجھ سے وعدہ کیا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہر مشرک اور کافر، خبیث اور منکر بے ایمان مرد اور عورت تیرے لیے ہے یہ سن کر

جہنم نے کہا میں راضی ہو گئی۔

آپ نے فرمایا پھر آپ روانہ ہوئے حتی کہ بیت المقدس پر آئے اور آپ نے ایک پتھر کے پاس اپنی سواری باندھی، پھر آپ بیت المقدس میں داخل ہوئے اور فرشتوں کے ساتھ نماز پڑھی، پھر جب آپ نے نماز پڑھ لی تو انہوں نے کہا اے جبرائیل یہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ انہوں نے کہا یہ (سیدنا) محمد رسول اللہ ہیں اور خاتم النبیین ہیں، انہوں نے پوچھا کیا انہیں بلایا گیا ہے؟ جبرائیل نے کہا ہاں! انہوں نے کہا اللہ ہمارے بھائی اور ہمارے خلیفہ کو سلامت رکھے وہ اچھے بھائی اور اچھے خلیفہ ہیں انہیں خوش آمدید ہو، پھر انبیاء علیہم السلام کی روحیں آئیں، انہوں نے اپنے رب کی ثناء کی، پھر حضرت ابراھیم علیہ السلام نے کہا:

الحمدلله الذی اتخذ ابراهیم خلیلا واعطانی ملکا عظیما وجعلنی امة قانتا لله یؤتم بی وانقذنی من النار وجعلها علی بردا وسلاما۔

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، جس نے ابراھیم کو خلیل بنایا اور جس نے مجھے عظیم ملک دیا اور مجھے اللہ سے ڈرنے والی امت بنایا، میری پیروی کی جاتی ہے اور مجھے آگ سے بچایا اور اس آگ کو میرے لیے ٹھنڈک اور سلامتی کر دیا۔

پھر حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے رب کی ثناء کرتے ہوئے کہا:

الحمدلله الذی خولنی ملکا وانزل علی الزبور والان لی الحدید و سخرلی الطیر والجبال، واتانی الحکمة وفصل الخطاب۔

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے حکومت کی نعمت دی اور مجھ پر زبور نازل کی اور لوہے کو میرے لیے نرم کر دیا اور پرندوں اور پہاڑوں کو میرے لیے مسخر کر دیا اور مجھے حکمت دی اور فیصلہ سنانے کا منصب دیا۔

پھر حضرت سلیمان نے اپنے رب کی ثناء کرتے ہوئے فرمایا:

الحمدلله الذی سخرلی الریاح والجن والانس وسخرلی الشیاطین یعملون ما شئت من محاریب و تماثیل الایة وعلمنی منطق الطیر وکل شئی واسال لی عین القطر واعطانی ملکا عظیما لا ینبغی لاحد من بعدی۔

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے میرے لیے ہواؤں کو، جنوں کو اور انسانوں کو مسخر کر دیا اور میرے لیے شیاطین کو مسخر کر دیا جو عمارتیں اور مجسمے بناتے تھے اور مجھے پرندوں کی بولی سکھائی اور ہر چیز سکھائی، اور میرے لیے پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ بہایا۔ اور مجھے ایسا عظیم ملک دیا جو میرے بعد کسی اور کے لیے سزاوار نہیں ہے۔

پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کی ثناء کرتے ہوئے کہا:

الحمدلله الذی علمنی التوراة والانجیل وجعلنی ابرئ الاکمه والابرص واحی الموتی باذنه ورفعنی وطهرنی من الذین کفروا واعاذنی وامی من الشیطان الرجیم فلم یکن للشیطان علیهما سبیل۔

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے تورات اور انجیل کی تعلیم دی او مجھے مادر زاد اندھوں اور برص والوں کو ٹھیک کرنے والا بنایا، اور میں اس کے اذن سے مردوں کو زندہ کرتا ہوں اور مجھے آسمان پر اٹھایا اور مجھے کفار سے نجات دی اور مجھے اور میری والدہ کو شیطان رجیم سے محفوظ رکھا، اور شیطان کا ان پر کوئی زور نہیں ہے۔

پھر حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کی ثناء کرتے ہوئے فرمایا:

الحمدلله الذی ارسلنی رحمة للعلمین وکافة للناس بشیرا و نذیرا وانزل علی الفرقان فیه تبیان کل شئی وجعل امتی خیرامة اخرجت للناس وجعل امتی امة وسطا وجعل امتی هم الاولون وهم الاخرون وشرح صدری ووضع عنی وزری ورفع لی ذکری وجعلنی فاتحا وخاتما۔

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا اور تمام لوگوں کے لیے بشیر اور نذیر بنایا اور مجھ پر قرآن مجید نازل کیا جس میں ہر چیز کا واضح بیان ہے' اور میری امت کو تمام امتوں سے بہتر بنایا اور میری امت کو امت وسط بنایا اور میری امت کو امت اول بنایا اور میری امت کو امت آخر بنایا اور میرا سینہ کھول دیا اور مجھ سے بوجھ اتار دیا اور میرا ذکر بلند کیا اور مجھے ابتداء کرنے والا اور انتہاء کرنے والا بنایا۔

حضرت ابراھیم علیہ السلام نے کھڑے ہو کر فرمایا انہی فضائل کی وجہ سے تم سب پر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو فضیلت دی گئی ہے۔

اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام نبیوں کو نماز پڑھائی' امام بیہقی کی اس روایت میں اس کا ذکر نہیں ہے' اس کو امام مسلم اور امام نسائی نے روایت کیا ہے۔

امام نسائی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

ثم دخلت الی بیت المقدس فجمع لی الانبیاء علیهم السلام فقدمنی جبرائیل حتی امتهم۔

پھر میں بیت المقدس میں داخل ہوا' اس میں میرے لیے تمام انبیاء علیہم السلام کو جمع کیا گیا پھر حضرت جبرائیل نے مجھے پکڑ کر ان کے آگے کھڑا کیا اور میں نے سب انبیاء کو نماز پڑھائی۔

امام بیہقی حدیث سابق کے تسلسل میں بیان کرتے ہیں:

آپ نے فرمایا پھر تین برتن لائے گئے جن کے منہ ڈھکے ہوئے تھے آپ کے پاس ایک برتن لایا گیا جس میں پانی تھا آپ سے کہا گیا کہ اس کو پئیں' آپ نے اس میں سے تھوڑا سا پانی پی لیا' پھر ایک اور برتن پیش کیا گیا جس میں دودھ تھا' آپ نے اسے سیر ہو کر پیا' پھر ایک اور برتن پیش کیا گیا جس میں شراب تھی' آپ نے فرمایا میں سیر ہو چکا ہوں اور اس کو پینا نہیں چاہتا' آپ سے کہا گیا آپ نے ٹھیک کیا' آپ کی امت پر عنقریب شراب حرام کر دی جائے گی اور اگر آپ (بالفرض) شراب پی لیتے تو آپ کی امت میں سے بہت کم لوگ آپ کی پیروی کرتے' اس کے بعد آپ آسمان کی طرف چڑھ گئے۔ (الحدیث بطولہ)

(دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۴۰۱)

اس حدیث کو امام ابن ابی جریر طبری نے سورہ اسراء کی تفسیر میں اور امام ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے' امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

اس حدیث کو حافظ ابن کثیر نے بھی امام ابن جریر کے حوالے سے روایت کیا ہے۔

اس حدیث کو حافظ الہیثمی نے امام بزار کے حوالے سے ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کی سند کے تمام راویوں کی توثیق کی گئی ہے ماسوا ایک راوی کے اور وہ ربیع بن انس ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۷۳-۶۷)

(اس حدیث کا بقیہ حصہ انشاء اللہ ہم واقعاتی ترتیب کے مطابق بعد میں ذکر کریں گے)۔

امام بخاری مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام مجھے لے کر چلے یہاں تک کہ ہم آسمان دنیا پر پہنچے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آسمان کا دروازہ کھلوایا۔ پوچھا گیا کون ہے؟ انہوں نے کہا جبرائیل ہے، پھر آسمان سے فرشتوں نے پوچھا تمہارے ساتھ کون ہے؟ انہوں نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم، پوچھا گیا وہ بلائے گئے ہیں؟ جبرائیل علیہ السلام نے جواب دیا کہ ہاں! کہا گیا کہ انہیں خوش آمدید ہو۔ ان کا آنا بہت اچھا اور مبارک ہے دروازہ کھول دیا گیا، جب میں وہاں پہنچا تو آدم علیہ السلام ملے، جبرائیل علیہ السلام نے کہا یہ آپ کے باپ آدم علیہ السلام ہیں، آپ انہیں سلام کیجئے! میں نے سلام کیا، انہوں نے سلام کا جواب دیا اور کہا خوش آمدید ہو صالح بیٹے اور صالح نبی کو، پھر جبرائیل علیہ السلام (میرے ہمراہ) اوپر چڑھے، یہاں تک کہ دوسرے آسمان پر پہنچے، اور انہوں نے کہا اس کا دروازہ کھلوایا، پوچھا کون؟ انہوں نے کہا جبرائیل! دریافت کیا گیا تمہارے ہمراہ کون ہے؟ انہوں نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم، پھر پوچھا کہ وہ بلائے گئے ہیں؟ جبرائیل علیہ السلام نے کہا ہاں، اس (دوسرے آسمان کے دربان) نے کہا خوش آمدید ہو، ان کا آنا بہت اچھا اور مبارک ہے۔ یہ کہہ کر دروازہ کھول دیا، پھر جب میں وہاں پہنچا تو وہاں یحییٰ اور عیسیٰ علیہما السلام ملے اور وہ دونوں آپس میں خالہ زاد بھائی ہیں۔ جبرائیل علیہ السلام نے کہا یہ یحییٰ اور عیسیٰ ہیں آپ انہیں سلام کیجئے، میں نے انہیں سلام کیا، ان دونوں نے سلام کا جواب دیا اور کہا خوش آمدید ہو اخ صالح اور نبی صالح کو۔ پھر جبرائیل علیہ السلام مجھے تیسرے آسمان پر لے گئے اور اس کا دروازہ کھلوایا پوچھا گیا کون؟ انہوں نے کہا جبرائیل! جبرائیل سے دریافت کیا گیا تمہارے ساتھ کون ہے؟ انہوں نے بتایا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پھر دریافت کیا گیا وہ بلائے گئے ہیں؟ جبرائیل علیہ السلام نے کہا ہاں! اس کے جواب میں کہا گیا انہیں خوش آمدید ہو، ان کا آنا بہت ہی اچھا اور نہایت مبارک ہے اور دروازہ کھول دیا گیا، پھر جب میں وہاں پہنچا تو یوسف علیہ السلام ملے، جبرائیل علیہ السلام نے کہا یہ یوسف ہیں انہیں سلام کیجئے، میں نے انہیں سلام کیا، انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ پھر انہوں نے کہا خوش آمدید ہو اخ صالح اور نبی صالح کو، اس کے بعد جبرائیل علیہ السلام مجھے چوتھے آسمان پر لے گئے اور اس کا دروازہ کھلوایا پوچھا گیا کون؟ انہوں نے کہا جبرائیل، پھر دریافت کیا گیا تمہارے ہمراہ کون ہے؟ جبرائیل علیہ السلام نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم، پھر پوچھا گیا وہ بلائے گئے ہیں؟ انہوں نے کہا ہاں چوتھے آسمان کے دربان نے کہا انہیں خوش آمدید ہو، ان کا آنا بہت ہی اچھا اور مبارک ہے اور دروازہ کھول دیا گیا، پھر جب میں وہاں پہنچا تو ادریس علیہ السلام ملے۔ جبرائیل علیہ السلام نے کہا یہ ادریس ہیں انہیں سلام کیجئے میں نے انہیں سلام کیا، انہوں نے سلام کا جواب دیا اس کے بعد کہا خوش آمدید ہو اخ صالح اور نبی صالح کو۔ پھر جبرائیل علیہ السلام مجھے لے کر اوپر چڑھے، یہاں تک کہ پانچویں آسمان تک پہنچے اور انہوں نے دروازہ کھلوایا، پوچھا گیا کون؟ انہوں نے کہا جبرائیل! دریافت کیا گیا تمہارے ساتھ کون ہے؟ انہوں نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پوچھا گیا کیا وہ بلائے گئے ہیں؟ انہوں نے کہا ہاں، پانچویں آسمان کے دربان نے کہا انہیں خوش آمدید ہو، ان کا آنا بہت ہی اچھا اور مبارک ہے، پھر جب میں وہاں پہنچا تو ہارون علیہ السلام ملے، جبرائیل علیہ السلام نے کہا یہ ہارون ہیں انہیں سلام کیجئے میں نے انہیں سلام کیا انہوں نے سلام کا جواب دیا، پھر کہا خوش آمدید ہو اخ صالح کو اور نبی صالح کے لیے۔ پھر جبرائیل مجھے اوپر چڑھا لے گئے، یہاں تک کہ ہم چھٹے آسمان پر پہنچے، جبرائیل علیہ السلام نے اس کا دروازہ کھلوایا، پوچھا گیا کون؟ انہوں نے کہا جبرائیل، دریافت کیا گیا تمہارے ساتھ کون ہے؟ انہوں نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ پوچھا گیا کیا وہ بلائے گئے ہیں انہوں نے کہا ہاں، اس فرشتے

نے کہا انہیں خوش آمدید ہو، ان کا آنا بہت ہی اچھا اور مبارک ہے۔ میں وہاں پہنچا تو موسیٰ علیہ السلام ملے، جبرائیل علیہ السلام نے کہا یہ موسیٰ ہیں انہیں سلام کیجئے۔ میں نے انہیں سلام کیا انہوں نے سلام کا جواب دیا اور کہا خوش آمدید ہو اخ صالح کو اور نبی صالح کو۔ پھر جب میں آگے بڑھا تو وہ روئے۔ ان سے پوچھا گیا آپ روتے کیوں ہیں تو انہوں نے کہا میں اس لیے روتا ہوں کہ میرے بعد ایک مقدس لڑکا مبعوث کیا گیا جس کی امت کے لوگ میری امت سے زیادہ جنت میں داخل ہوں گے۔ پھر جبرائیل علیہ السلام مجھے ساتویں آسمان پر چڑھا لے گئے اور اس کا دروازہ کھلوایا! پوچھا گیا کون؟ انہوں نے کہا جبرائیل، پوچھا گیا تمہارے ساتھ کون ہے؟ انہوں نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پوچھا گیا کیا وہ بلائے گئے ہیں؟ انہوں نے کہا ہاں، تو اس فرشتے نے کہا خوش آمدید ہو ان کا آنا بہت اچھا اور نہایت مبارک ہے، پھر جب میں وہاں پہنچا تو ابراہیم علیہ السلام ملے جبرائیل علیہ السلام نے کہا یہ آپ کے باپ ابراہیم علیہ السلام ہیں انہیں سلام کیجئے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے انہیں سلام کیا انہوں نے سلام کا جواب دیا اور کہا خوش آمدید ہو ابن صالح کو اور نبی صالح کو۔

پھر میں سدرۃ المنتہیٰ تک چڑھایا گیا تو اس درخت سدرہ کے پھل مقام ہجر کے مٹکوں کی طرح تھے اور اس کے پتے ہاتھی کے کانوں جیسے تھے۔ جبرائیل علیہ السلام نے کہا یہ سدرۃ المنتہیٰ ہے اور وہاں چار نہریں تھیں دو پوشیدہ اور دو ظاہر، میں نے پوچھا اے جبرائیل یہ نہریں کیسی ہیں؟ انہوں نے کہا ان میں جو پوشیدہ ہیں وہ تو جنت کی نہریں ہیں اور جو ظاہر ہیں وہ نیل و فرات ہیں پھر بیت المعمور میرے سامنے ظاہر کیا گیا، اس کے بعد مجھے ایک برتن شراب کا اور ایک دودھ کا اور ایک برتن شہد کا دیا گیا۔ میں نے دودھ کو لے لیا، جبرائیل علیہ السلام نے کہا یہی فطرت (دین اسلام) ہے آپ اور آپ کی امت اس پر قائم رہیں گے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۸۸۷)

علامہ نظام الدین نیشاپوری سدرۃ المنتہیٰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

فالمنتهی حینئذ موضع لایتعداہ ملک ولا یعلم ماوراءہ احد والیہ ینتهی ارواح الشهداء۔

سدرۃ المنتہیٰ وہ جگہ ہے جس سے آگے فرشتے نہیں جا سکتے اور نہ کسی کو یہ علم ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ کے ماوراء کیا ہے۔ شہداء کی روحیں بھی یہاں تک جاتی ہیں۔

نیز علامہ نیشاپوری لکھتے ہیں:

ان جبرائیل تخلف عنه فی مقام لودنوت انملة لاحترقت۔

ایک مقام پر جبرائیل آپ سے پیچھے رہ گئے (اور کہا) اگر میں ایک پور بھی قریب ہوا تو جل جاؤں گا۔

(غرائب القرآن ج ۶ ص ۲۰۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ)

علامہ اسماعیل حقی لکھتے ہیں:

وهو مقام جبرائیل وکان قد بقی هناک عند عروجه علیه السلام الی مستوی العرش وقال لودنوت انملة لاحترقت۔

یہ مقام جبرائیل ہے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عرش کی جانب عروج فرمایا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام وہیں رہ گئے اور کہا اگر میں ایک پور کے برابر بھی قریب ہوا تو جل جاؤں گا۔

(روح البیان ج ۹ ص ۲۲۴، مطبوعہ کوئٹہ)

ملا علی قاری لکھتے ہیں:

عن الحسن قال فارقنی جبرائیل ای

حسن بصری روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

فی مقام قرب الجلیل وقال لودنوت انملۃ لاحترقت۔ فرمایا: رب جلیل کے قرب کے مقام میں حضرت جبرائیل مجھ سے الگ ہو گئے اور کہا اگر میں ایک پور کے برابر بھی قریب ہوا تو جل جاؤں گا۔ (شرح الشفاء ج ۱ ص ۱۳۶، بیروت)

علامہ عبدالوہاب شعرانی، شیخ محی الدین ابن عربی سے نقل کرتے ہیں:

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سدرۃ المنتہیٰ کی طرف عروج کرایا گیا اس کے پھل مٹکوں کے برابر تھے اور اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کی طرح تھے، آپ نے اس کو دیکھا در آں حالیکہ اس کو اللہ کی طرف سے نور نے ڈھانپ رکھا تھا اور کوئی شخص اس کی کیفیت بیان کرنے کی طاقت نہیں رکھتا، کیونکہ شدت نور کی وجہ سے آنکھ اس کا ادراک نہیں کر سکتی، آپ نے دیکھا سدرہ کی جڑ سے چار دریا نکل رہے ہیں دو دریا ظاہری تھے اور دو دریا باطنی تھے، آپ کو حضرت جبرائیل نے بتایا کہ ظاہری دریا نیل اور فرات ہیں اور باطنی دریا جنت کی طرف جا رہے ہیں اور نیل اور فرات بھی قیامت کے دن جنت میں چلے جائیں گے اور یہ جنت میں شہد اور دودھ کے دریا ہوں گے، شیخ ابن عربی نے کہا ان دریاؤں سے پینے والوں کو مختلف قسم کے علوم حاصل ہوتے ہیں اور بتایا کہ بنو آدم کے اعمال سدرۃ المنتہیٰ کے پاس رک جاتے ہیں اور یہ روحوں کی جائے قرار ہے، اوپر سے جو چیزیں نیچے نازل ہوتی ہیں یہ ان کی انتہاء ہے اوپر سے کوئی چیز نیچے نہیں جا سکتی، اور جو چیزیں نیچے سے اوپر جاتی ہیں یہ ان کی بھی انتہاء ہے، نیچے سے کوئی چیز اس کے اوپر نہیں جا سکتی، اور یہیں پر حضرت جبرائیل علیہ السلام کی جائے قیام ہے۔ اس جگہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم براق سے اترے اور آپ کے لیے رفرف (سبز رنگ کا تخت) لایا گیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم رفرف پر بیٹھے اور جبرائیل نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو رفرف کے ساتھ نازل ہونے والے فرشتے کے سپرد کر دیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل سے آگے چلنے کا سوال کیا تاکہ آپ کو ان کی وجہ سے انسیت رہے، حضرت جبرائیل نے کہا میں اس پر قادر نہیں ہوں، اگر میں ایک قدم بھی چلا تو جل جاؤں گا، ہم میں سے ہر فرشتے کے لیے ایک معروف جائے قیام ہے، اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ نے یہ سیر آپ کو اس لیے کرائی ہے تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی نشانیاں دکھائے، آپ اس سے غافل نہ ہوں پھر حضرت جبرائیل نے آپ کو الوداع کہا اور آپ اس فرشتے کے ساتھ روانہ ہوئے، رفرف آپ کو لے کر روانہ ہوا حتیٰ کہ آپ مقام استواء پر پہنچے جہاں آپ نے صریف اقلام (قلم چلنے) کی آواز سنی اور اقلام الواح میں اللہ تعالیٰ کے ان احکام کو لکھ رہے تھے جو اللہ اپنی مخلوق کے متعلق جاری فرماتا ہے اور ملائکہ جو بندوں کے اعمال لکھتے ہیں، اور ہر قلم ایک فرشتہ ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم جو کچھ عمل کرتے ہو ہم اس کو لکھ رہے ہیں پھر آپ نور میں تیزی سے دوڑے اور جو فرشتہ آپ کے ساتھ تھا وہ پیچھے رہ گیا جب آپ نے اپنے ساتھ کسی کو نہ دیکھا تو آپ گھبرائے اور عالم نور میں آپ حیران و پریشان تھے اور آپ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آپ کیا کریں، اب فرشتہ تھا نہ رفرف تھا آپ کے ہر طرف نور تھا اور آپ عالم وجد میں دائیں بائیں جھوم رہے تھے، اس وقت آپ نے دیدار کی اجازت طلب کی تاکہ اپنے رب کے حضور خاص میں داخل ہوں تب حضرت ابوبکر کی آواز سے مشابہ ایک آواز آئی:

قف یا محمد فان ربک یصلی۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ٹھہریئے آپ کا رب صلوٰۃ پڑھتا ہے۔

آپ اس آواز سے متعجب ہوئے اور دل میں سوچا کہ کیا میرا رب نماز پڑھ رہا ہے؟ جب آپ کے دل میں تعجب پیدا ہوا اور آپ ابوبکر کی آواز سے مانوس ہوئے تو آپ پر اس آیت کی تلاوت ہوئی:

ھو الذی یصلی علیکم وملائکتہ. وہ جو تم پر صلوٰۃ پڑھتا ہے اور اس کے فرشتے صلوٰۃ پڑھتے ہیں۔
تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذہن اس طرف متوجہ ہوا کہ اس سے مراد نماز نہیں بلکہ اس سے اللہ کی رحمت کا نزول مراد ہے۔

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حضرت شریفہ میں داخل ہونے کا اذن ملا' اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر وحی نازل کی جو وحی نازل کرنی تھی اور آپ کی آنکھ نے وہ جلوہ دیکھا جس کو آپ کے علاوہ اور کوئی نہیں دیکھ سکتا۔

(الیواقیت والجواہر ج ۲ ص ۳۶۷-۳۶۶ 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۸ھ)

امام بیہقی حضرت ابو ہریرہ کی سابق طویل حدیث کے آخر میں روایت کرتے ہیں:

اس وقت اللہ تعالیٰ آپ سے ہمکلام ہوا اور فرمایا مانگئے! آپ نے عرض کیا: تو نے حضرت ابراھیم کو خلیل اللہ بنایا اور ان کو ملک عظیم عطا فرمایا اور تو نے حضرت موسیٰ سے کلام کیا' اور تو نے حضرت داؤد کو ملک عظیم عطا فرمایا اور ان کے لیے لوہے کو نرم کر دیا اور پہاڑوں کو مسخر کر دیا' اور تو نے حضرت سلیمان کو ملک عظیم عطا فرمایا اور ان کے لیے پہاڑوں' جنوں' انسانوں' شیطانوں اور ہواؤں کو مسخر کر دیا' اور ان کو اتنی عظیم سلطنت دی جو ان کے بعد اور کسی کے لائق نہیں ہے اور تو نے حضرت عیسیٰ کو توریت اور انجیل کا علم عطا فرمایا اور انہیں مادر زاد اندھوں اور برص کے مریضوں کے لیے شفا دینے والا بنا دیا اور وہ تیری اجازت سے مردوں کو زندہ کرتے تھے اور تو نے ان کو اور ان کی والدہ کو شیطان سے اپنی پناہ میں رکھا۔ تب آپ کے رب نے فرمایا: میں نے آپ کو اپنا خلیل بنایا اور تورات میں لکھا ہوا ہے کہ وہ خلیل الرحمان ہیں اور تمام لوگوں کی طرف آپ کو بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا اور آپ کا شرح صدر کیا اور آپ سے بوجھ دور کر دیا اور آپ کے ذکر کو بلند کیا' جب بھی میرا ذکر کیا جاتا ہے اس کے ساتھ آپ کا ذکر ہوتا ہے (یعنی اذان وغیرہ میں) اور آپ کی امت تمام امتوں سے بہتر بنائی گئی اور آپ کی امت امت عادلہ بنائی گئی اور آپ کی امت کو اول اور آخر بنایا گیا' اور آپ کی امت کے بعض لوگوں کے دلوں میں آپ کی کتاب رکھی گئی اور ان کا کوئی خطبہ اس وقت تک درست نہیں ہو گا جب تک وہ آپ کے عبد اور رسول ہونے کی گواہی نہ دیں' اور میں نے آپ کو از روئے خلق کے تمام انبیاء میں اول اور از روئے بعثت کے تمام انبیاء میں آخر بنایا اور آپ کو سبع مثانی (سورہ فاتحہ) اور سورہ بقرہ کی آیات عرش کے خزانے کے نیچے سے دی ہیں جو آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیں' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے رب نے مجھے فضیلت دی مجھ کو رحمت للعالمین بنایا' تمام انسانوں کے لیے بشیر اور نذیر بنایا' میرے دشمنوں کے دل میں ایک ماہ کی مسافت سے میرا رعب ڈال دیا' میرے لیے مال غنیمت کو حلال کر دیا جو مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں ہوا' اور تمام روئے زمین کو میرے لیے مسجد اور تیمم کا ذریعہ بنایا اور مجھے کلام کے فواتح' خواتم اور جوامع عطا کیے اور مجھ پر تمام امت کو پیش کیا گیا اور اب امت کا کوئی فرد مجھ پر مخفی نہیں ہے خواہ وہ تابع ہو یا متبوع' پھر مجھ پر پچاس نمازیں فرض کی گئیں اور میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس لوٹا۔ (دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۴۰۳-۴۰۲)

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ساتویں آسمان سے اوپر سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے اور جبار رب العزت آپ کے نزدیک ہو گیا پھر اور قریب ہوا حتیٰ کہ وہ آپ سے دو کمانوں کی مقدار برابر ہو گیا یا اس سے بھی زیادہ نزدیک ہو گیا' پھر اللہ تعالیٰ جو آپ پر وحی نازل کرتا ہے اس نے آپ پر وہ وحی نازل کی اور آپ کی امت پر دن اور رات میں پچاس نمازیں فرض کر دیں' پھر آپ نیچے اترے حتیٰ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تک پہنچے' حضرت موسیٰ نے آپ کو روک لیا اور کہا یا محمد! آپ کے رب نے آپ کو کیا

حکم دیا؟ آپ نے فرمایا اس نے مجھ کو ہر روز (دن اور رات میں) پچاس نمازیں پڑھنے کا حکم دیا ہے، حضرت موسیٰ نے فرمایا آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھتی، آپ واپس جائیے تاکہ آپ کا رب آپ کی امت سے تخفیف کردے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبرائیل کی طرف متوجہ ہوئے، گویا اس معاملہ میں ان سے مشورہ لیتے تھے، حضرت جبرائیل نے کہا ٹھیک ہے اگر آپ پسند کریں تو! آپ پھر حضرت جبار میں پہنچے اور آپ نے اسی پہلے مقام پر پہنچ کر عرض کیا: اے ہمارے رب ہمارے لیے تخفیف کردے کیونکہ میری امت اتنی نمازوں کی طاقت نہیں رکھتی، تب اللہ تعالیٰ نے دس نمازیں کم کردیں، پھر آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچے حضرت موسیٰ نے آپ کو پھر روک لیا، پھر حضرت موسیٰ آپ کو بار بار آپ کے رب کے پاس بھیجتے رہے حتیٰ کہ پانچ نمازیں رہ گئیں، حضرت موسیٰ نے آپ کو پانچ نمازوں پر پھر روک لیا اور کہا یا محمد! خدا کی قسم میں اپنی قوم بنو اسرائیل کا اس سے کم نمازوں میں تجربہ کرچکا ہوں، وہ پانچ سے کم نمازیں بھی نہ پڑھ سکے اور ان کو ترک کر دیا آپ کی امت کے اجسام، ابدان، قلوب، آنکھیں اور کان تو ان سے زیادہ کمزور ہیں، آپ پھر جائیے اور اپنے رب سے تخفیف کرائیے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر بار حضرت جبرائیل کی طرف متوجہ ہوتے تھے تاکہ وہ آپ کو مشورہ دیں اور حضرت جبرائیل نے اس کو ناپسند نہیں کیا اور آپ پانچویں بار پھر گئے اور عرض کیا اے میرے رب! میری امت کے جسم، دل، کان اور بدن کمزور ہیں آپ ہم سے تخفیف کر دیجئے۔ جبار نے فرمایا: یا محمد! آپ نے فرمایا لبیک وسعدیک، اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے لوح محفوظ میں جس طرح لکھ دیا ہے میرے اس قول میں تبدیلی نہیں ہوتی، ہر نیکی کا دس گنا اجر ہے، پس یہ لوح محفوظ میں پچاس نمازیں ہیں اور آپ پر پانچ نمازیں فرض ہیں، آپ حضرت موسیٰ کی طرف لوٹے حضرت موسیٰ نے پوچھا آپ نے کیا کیا، آپ نے فرمایا ہمارے رب نے تخفیف کردی ہے اور ہمارے لیے ہر نیکی کا اجر دس گنا کردیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا خدا کی قسم! میں بنو اسرائیل کا اس سے کم نمازوں میں تجربہ کرچکا ہوں، انہوں نے اس سے کم نمازوں کو بھی ترک کر دیا تھا، آپ پھر اپنے رب کے پاس جائیے اور ان نمازوں میں بھی کمی کرائیے، آپ نے فرمایا اے موسیٰ! بہ خدا مجھے اپنے رب سے حیا آتی ہے! پھر اسی رات آپ واپس آکر مسجد حرم میں سوگئے اور صبح بیدار ہوئے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۵۱۷)

امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ ایک طویل حدیث کے آخر میں بیان کرتے ہیں، معراج کی صبح کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کو ان عجائبات کی خبر دی، آپ نے فرمایا میں گزشتہ رات بیت المقدس گیا اور مجھے آسمان کی معراج کرائی گئی اور میں نے فلاں فلاں چیز دیکھی، ابو جہل بن ہشام نے کہا کیا تم کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی باتوں پر تعجب نہیں ہوتا ان کا دعویٰ ہے کہ یہ گزشتہ رات بیت المقدس گئے اور صبح کو یہاں ہمارے ساتھ ہیں حالانکہ ہم میں سے ایک شخص ایک ماہ کی مسافت طے کرکے بیت المقدس پہنچتا ہے اور پھر ایک ماہ کی مسافت طے کرکے یہاں واپس پہنچتا ہے، تو یہ آنا اور جانا دو ماہ میں طے ہوتا ہے، اور یہ ایک رات میں جاکر واپس آگئے؟ پھر آپ نے ان کو قریش کے قافلہ کی خبر دی اور فرمایا میں نے جاتے وقت اس قافلہ کو فلاں فلاں جگہ دیکھا ہے اور جب میں واپس لوٹا تو میں نے اپنے اس قافلہ کو فلاں گھاٹی کے پاس دیکھا ہے، پھر آپ نے قافلہ میں جانے والے ہر شخص اور اس کے اونٹ کی خبر دی کہ وہ اونٹ اس طرح تھا اور اس پر فلاں فلاں سامان لدا ہوا تھا، ابو جہل نے کہا انہوں نے ہمیں کئی چیزوں کی خبر دی ہے، پھر مشرکین میں سے ایک شخص نے کہا مجھے بیت المقدس کی عمارت اور اس کی ہیئت اور اس کی کیفیت کا سب سے زیادہ علم ہے، اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے دعوے میں سچے ہیں تو اس کا بھی پتہ چل جائے گا، پھر اس مشرک نے کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے بیت المقدس کا سب سے زیادہ علم ہے،

آپ مجھے اس کی عمارت، اس کی ہیئت اور پہاڑ سے اس کے قرب کے متعلق بتایئے؟ تب اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو اٹھا کر آپ کے سامنے رکھ دیا، پھر جس طرح ہم کسی چیز کو دیکھتے ہیں آپ اس طرح دیکھ کر بیت المقدس کے متعلق بیان فرما رہے تھے، آپ نے بتایا کہ اس اس طرح اس کی عمارت ہے اور اس کی اس اس طرح ہیئت ہے اور وہ پہاڑ کے اس اس طرح قریب ہے، اس نے کہا آپ نے سچ کہا، پھر وہ اپنے ساتھیوں کے پاس گیا اور کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے دعوے میں سچے ہیں۔ (دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۳۹۶-۳۹۵)

اس حدیث کو امام ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں روایت کیا ہے، امام ابن ابی حاتم نے بھی اس کو روایت کیا ہے، اور حافظ ابن کثیر نے بھی اس کا امام ابن جریر کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔

امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

اسماعیل بن عبدالرحمان قرشی بیان کرتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کرائی گئی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کو قافلہ کی علامتوں کی خبر دی، تو انہوں نے کہا یہ قافلہ کب آئے گا؟ آپ نے فرمایا یہ قافلہ بدھ کو آئے گا، پھر بدھ کے دن قریش صبح سے قافلہ کے انتظار میں بیٹھے رہے، حتیٰ کہ دن غروب ہونے لگا اور قافلہ نہیں آیا تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی تو دن بڑھا دیا گیا اور سورج کو روک دیا گیا، اور سورج کو صرف اس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے روکا گیا تھا یا حضرت یوشع بن نون کے لیے جب جمعہ کے دن انہوں نے جبارین سے جہاد کیا تھا اور ان کے فارغ ہونے سے پہلے سورج غروب ہونے لگا تو انہوں نے دعا کی کہ سورج کو موخر کر دیا جائے کیونکہ ہفتہ کے دن ان کے لیے جنگ کرنا جائز نہ تھا۔ (دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۴۰۴)

علامہ زرقانی لکھتے ہیں:

بعض روایات میں ہے کہ قافلہ بدھ کے دن نصف النہار کے وقت آ گیا تھا یہ روایت اس کے خلاف ہے لیکن حقیقت میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ آپ تین قافلوں کے پاس سے گزرے تھے اور مشرکین میں سے ہر ایک نے اپنے قافلہ کے متعلق پوچھا تھا ان میں سے ایک قافلہ بدھ کی دوپہر کو آ گیا تھا اور یہ قافلہ بدھ کی شام کو پہنچا تھا۔

(شرح المواہب اللدنیہ ج ۲ ص ۱۲۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب قریش نے میری تکذیب کی تو میں میزاب کعبہ کے نیچے کھڑا ہو گیا اللہ تعالیٰ نے میرے لیے بیت المقدس کو منکشف کر دیا، پھر میں بیت المقدس کو دیکھ دیکھ کر انہیں اس کی علامات کی خبر دیتا رہا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۸۸۷)

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

امام محمد بن اسحاق اپنی سند کے ساتھ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ جس رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی، اس رات آپ میرے گھر میں سوئے ہوئے تھے، پھر اس رات میں نے آپ کو وہاں موجود نہ پایا، پھر آپ نے معراج کا پورا واقعہ بیان فرمایا اور فرمایا میرا ارادہ ہے کہ میں قریش کو بتلاؤں کہ میں نے اس رات کیا دیکھا ہے، میں نے آپ کا دامن پکڑ لیا اور کہا اگر آپ اپنی قوم کے پاس گئے تو وہ آپ کا انکار کریں گے اور آپ کی تکذیب کریں گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا دامن چھڑا کر اپنی قوم کے پاس تشریف لے گئے، آپ نے ان کے پاس جا کر ان کو واقعہ

معراج کی خبر دی، جبیر بن مطعم نے کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر واقعی تم اس رات وہاں گئے ہوتے تو اس وقت ہمارے پاس نہ ہوتے، ایک شخص نے کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ نے فلاں فلاں جگہ ہمارے اونٹوں کو دیکھا تھا؟ آپ نے فرمایا: ہاں بخدا میں نے دیکھا ان کا ایک اونٹ گم ہو گیا تھا اور وہ اس کو ڈھونڈ رہے تھے، اس شخص نے کہا کیا آپ بنو فلاں کے اونٹوں کے پاس سے گزرے تھے؟ آپ نے فرمایا ہاں! میں نے ان کو فلاں فلاں جگہ دیکھا، ان کی سرخ رنگ کی اونٹنی کی ٹانگ ٹوٹ گئی تھی، ان کے پاس پیالے میں پانی تھا جس کو میں نے پی لیا، اس نے کہا اچھا بتایئے ان کی اونٹنیاں کتنی تھیں اور ان کے چرواہے کون کون تھے؟ آپ نے فرمایا میں نے اس وقت ان کی گنتی کی طرف توجہ نہیں کی تھی تو اسی وقت وہ اونٹ اور ان کے چرواہے آپ کے پاس حاضر کر دیئے گئے، آپ نے اونٹوں کو گن لیا اور ان کے چرواہوں کو جان لیا، پھر آپ نے قریش سے فرمایا تم نے مجھ سے بنو فلاں کے اونٹوں کی تعداد اور ان کے چرواہوں کی گنتی کے متعلق پوچھا تھا، سنو ان کے اونٹوں کی تعداد اتنی ہے اور ان کے فلاں فلاں چرواہے ہیں، اور ان میں ابو قحافہ کے بیٹے (حضرت ابو بکر) کے بھی چرواہے ہیں، اور صبح یہ اونٹ وادی ثنیہ میں پہنچ جائیں گے، وہ لوگ صبح وادی ثنیہ دیکھنے کے لیے پہنچ گئے کہ آیا آپ نے سچ فرمایا ہے یا نہیں؟ سو وہ اونٹ آ گئے، ان لوگوں نے اونٹ والوں سے پوچھا کیا تمہارا کوئی اونٹ گم ہو گیا تھا، انہوں نے کہا ہاں، پھر دوسرے سے پوچھا کیا تمہاری سرخ اونٹنی کی ٹانگ ٹوٹی تھی، انہوں نے کہا ہاں، پھر انہوں نے پوچھا کیا تمہارے پاس پیالہ تھا؟ حضرت ابو بکر نے کہا بخدا میں نے وہ پیالہ رکھا تھا، اس سے کسی نے پانی پیا تھا نہ کسی نے اس پانی کو زمین پر گرایا تھا (اور وہ پانی ختم ہو گیا تھا) حضرت ابو بکر نے کہا میں اس کی تصدیق کرتا ہوں، پھر اسی دن سے حضرت ابو بکر کا لقب صدیق ہو گیا۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۶-۲۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۹ھ)

امام ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے (اس روایت کے آخر میں ہے:) صبح کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کے سامنے واقعہ معراج سنایا، وہ لوگ حضرت ابو بکر کے پاس گئے اور کہا اے ابو بکر! تمہارے پیغمبر یہ کہہ رہے ہیں کہ وہ گزشتہ رات ایک ماہ کی مسافت کا سفر کر کے واپس لوٹ آئے ہیں، اب بولو کیا کہتے ہو؟ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا اگر واقعی آپ نے یہ فرمایا ہے تو سچ فرمایا ہے اور میں اس کی تصدیق کرتا ہوں! اور میں تو اس سے زیادہ بعید باتوں میں آپ کی تصدیق کرتا ہوں، آپ آسمان سے آنے والی خبریں بیان کرتے ہیں اور میں ان کی تصدیق کرتا ہوں، مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا آپ کے دعویٰ پر کیا دلیل ہے؟ آپ نے فرمایا میں فلاں فلاں جگہ پر قریش کے قافلہ کے پاس سے گزرا تھا، مجھے دیکھ کر ایک اونٹ بدک کر بھاگا اور چکر لگانے لگا اور اس قافلہ میں ایک اونٹ تھا جس پر سیاہ اور سفید رنگ کی دو بوریاں لدی ہوئی تھیں وہ گر پڑا اور اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی، جب قافلہ واپس آیا تو انہوں نے قافلے والوں سے پوچھا تو انہوں نے اسی طرح بیان کیا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا تھا اور اسی دن سے حضرت ابو بکر کا نام صدیق پڑ گیا۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۹-۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی اور اس کو بنی اسرائیل کے لیے ہدایت دینے والا بنایا تھا کہ میرے سوا کسی کو کارساز نہ قرار دو○ (اے) ان لوگوں کی اولاد جن کو ہم نے نوح کے ساتھ کشتی میں سوار کیا بے شک وہ بہت شکر گزار بندے تھے○ (بنی اسرائیل: ۳-۲)

اللہ کے سوا کسی اور کو وکیل نہ بنانے کا معنی

سورہ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر فرمایا تھا کہ اس نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کی

فضیلت عطا فرمائی اور اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ پر تورات نازل فرما کر ان کو فضیلت عطا فرمائی تھی، پھر تورات کے متعلق یہ فرمایا کہ ہم نے تورات کو بنی اسرائیل کے لیے ہدایت دینے والا بنایا تھا، یعنی تورات ہی بنواسرائیل کو جہالت اور کفر کے اندھیروں سے نکال کر علم اور دین حق کی روشنی کی طرف لے جانے والی تھی۔

اس کے بعد فرمایا کہ تورات کی ہدایت یہ تھی کہ تم میرے سوا کسی کو کارساز نہ قرار دو، یعنی تم اپنے معاملات میں اللہ کے سوا کسی اور پر بھروسہ نہ کرنا، اور غیر اللہ پر اعتماد نہ کرنا ہی توحید ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کے بعد اس کا ذکر فرمایا اس کا حاصل یہ ہے کہ بندہ کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی مرتبہ اور کوئی معراج نہیں ہے کہ وہ بحر توحید میں اس طرح مستغرق ہو جائے کہ وہ اپنے تمام مقاصد اور تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی پر توکل نہ کرے، اگر وہ زبان سے کچھ بولے تو اللہ تعالیٰ کے متعلق بات کرے، اگر وہ کچھ سوچے اور غور و فکر کرے تو اللہ تعالیٰ کی صفات کے متعلق سوچے اور غور و فکر کرے یہ سوچے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو کتنی عظیم اور کتنی کثیر نعمتیں عطا کی ہیں اور اس نے ان نعمتوں کی کتنی ناشکری کی ہے، اس کی اطاعت کرنے کی بجائے کتنے گناہ کیے، پھر اپنی تقصیر اور کوتاہیوں پر نادم اور شرمسار ہو اور اشک ندامت بہائے، اگر اسے کسی چیز کی طلب ہو تو صرف اللہ تعالیٰ سے طلب کرے، اور اگر کسی چیز سے پناہ مانگنی ہو تو صرف اللہ سے پناہ مانگے، اور اپنی کل اغراض اور مطالب کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرے اور جب اللہ کے سوا اور کسی پر اس کی نظر نہیں ہوگی اور صرف اس کی ذات ہی اس کا مطمح نظر ہوگی تو پھر یہ معنی صادق آئے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو اپنا وکیل نہیں بناتا۔

علامہ المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم وکیل ہے، اس کا معنی ہے جو بندوں کے رزق کا کفیل اور ضامن ہے اور ان کی ضروریات کو پورا کرنے والا ہے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ جس چیز میں اس پر توکل کیا گیا ہے وہ اس کو مہیا کرنے میں مستقل ہے۔ (النہایہ ج ۵ ص ۱۹۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ ھ)

سید محمد مرتضیٰ زبیدی متوفی ۱۲۰۵ ھ لکھتے ہیں:

لغت میں توکل کا معنی ہے کسی کام میں اپنے عجز کا اظہار کر کے غیر پر اعتماد کرنا، اور اہل حقیقت کے نزدیک اس کا معنی ہے، ہر چیز میں اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرنا اور لوگوں کے پاس جو کچھ ہے اس سے مایوس ہونا، اور المتوکل علی اللہ اس کو کہا جاتا ہے جس کو یہ یقین ہو کہ اس کے رزق اور اس کی تمام ضروریات کا اللہ تعالیٰ کفیل اور ضامن ہے، سو وہ اسی کی طرف رجوع کرے اور اس کے غیر پر توکل نہ کرے۔ (تاج العروس ج ۸ ص ۱۶۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مصیبت زدہ شخص کی یہ دعائیں ہیں: اے اللہ! میں تیری ہی رحمت کی امید رکھتا ہوں سو تو مجھے پلک جھپکنے کے لیے بھی میرے حوالے نہ کر، اور میرے تمام کاموں کو ٹھیک کر دے تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۹۰)

حضرت نوح علیہ السلام کا بہت شکر گزار ہونا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق فرمایا: بے شک وہ بہت شکر گزار بندے تھے۔

ان دونوں آیتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ تم میرے سوا کسی کو وکیل نہ بناؤ اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، کیونکہ نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام بہت شکر گزار بندے تھے اور وہ اس لیے بہت شکر کرتے تھے کیونکہ وہ موحد تھے اور ان کو جو نعمت بھی ملتی تھی اس کے متعلق ان کو یہ یقین تھا کہ وہ نعمت اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے عنایت فرمائی ہے، اور تم سب لوگ نوح

علیہ السلام کی اولاد ہو سو تم بھی ان کی اقتداء کرو‘ اللہ کے سوا کسی کو معبود نہ بناؤ اور اس کے سوا اور کسی پر توکل نہ کرو‘ اور ہر نعمت پر اس کا شکر ادا کرو۔

حضرت نوح علیہ السلام کے بہت شکر گزار ہونے کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سلمان بیان کرتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام جب کپڑے پہنتے یا کھانا کھاتے تو اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے اس وجہ سے ان کو عبد شکور فرمایا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۶۶۳۶)

سعد بن مسعود بیان کرتے ہیں کہ حضرت نوح نے جب بھی کوئی نیا کپڑا پہنایا کوئی کھانا کھایا تو اللہ تعالیٰ کی حمد کی‘ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو عبد شکور فرمایا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۶۶۳۷)

عمران بن سلیم بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح کو اس لیے عبد شکور فرمایا کہ جب وہ کھانا کھاتے تو یہ دعا کرتے: تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے طعام کھلایا اور اگر وہ چاہتا تو مجھے بھوکا رکھتا‘ اور جب لباس پہنتے تو یہ دعا کرتے تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے مجھے لباس پہنایا اور اگر وہ چاہتا تو مجھے برہنہ رکھتا‘ اور جب جوتی پہنتے تو دعا کرتے تمام تعریفیں اللہ عزوجل کے لیے ہیں جس نے مجھے جوتی پہنائی اور اگر چاہتا تو مجھے ننگے پیر رکھتا‘ اور قضاء حاجت کرتے تو یہ دعا کرتے کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے مجھ سے یہ گھن والی چیز دور کی اور اگر وہ چاہتا تو اس کو روک لیتا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۶۶۳۹)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت نوح علیہ السلام جب بھی بیت الخلاء سے فارغ ہوتے تو یہ دعا کرتے‘ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے مجھے کھانے کی لذت چکھائی اور اس کی افادیت میرے جسم میں باقی رکھی اور اس کا فضلہ مجھ سے نکال باہر کیا۔

(کتاب الشکر لابن ابی الدنیا رقم الحدیث: ۱۲۴‘ کتاب الخرائطی‘ باب الشکر رقم الحدیث: ۲۱‘ الاتحاف ج ۲ ص ۳۴۰)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے بنی اسرائیل کو بتا دیا تھا کہ تم ضرور دوبار زمین پر فساد کرو گے اور تم ضرور بہت بڑی سرکشی کرو گے ○ سو جب ان میں سے پہلے وعدہ کا وقت آیا تو ہم نے تم پر اپنے ایسے بندے مسلط کر دیئے جو سخت جنگجو تھے‘ پس وہ شہروں میں تمہیں ڈھونڈنے کے لیے پھیل گئے اور یہ وعدہ پورا ہونے والا تھا ○ پھر ہم نے تم کو دوبارہ ان پر غلبہ دیا اور ہم نے مالوں اور بیٹوں سے تمہاری مدد کی اور ہم نے تم کو بڑا گروہ بنا دیا ○ اور اگر تم نیکی کرو گے تو اپنی جانوں کے لیے ہی نیکی کرو گے اور اگر تم برے عمل کرو گے تو اس کا وبال بھی تم پر ہی ہو گا‘ پھر جب دوسرے وعدے کا وقت آیا (تو ہم نے دوسروں کو تم پر مسلط کر دیا) تاکہ وہ تمہیں روسیاہ کر دیں اور اس طرح مسجد میں داخل ہوں جس طرح پہلے داخل ہوئے تھے اور وہ جس چیز پر بھی غلبہ پائیں اسے تباہ و برباد کر دیں ○ عنقریب تمہارا رب تم پر رحم فرمائے گا اور اگر تم نے دوبارہ تجاوز کیا تو ہم دوبارہ سزا دیں گے‘ اور ہم نے کافروں کے لیے دوزخ کو قید خانہ بنا دیا ہے ○ (بنی اسرائیل: ۸-۴)

یہودیوں کی دوبارہ سرکشی اور اس کی سزا میں ان پر دوبار دشمنوں کے غلبہ پر بائبل کی شہادت

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے متعلق دو پیش گوئیاں کی ہیں‘ پہلی پیش گوئی یہ ہے کہ وہ ضرور زمین پر فساد کریں گے اور سرکشی کریں گے پھر اللہ تعالیٰ ان کے اس فساد اور سرکشی کی سزا میں ان پر ان کے ایسے دشمن کو مسلط کر دے گا جو ان کو ڈھونڈ کر قتل کر دیں گے پھر اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرمائے گا اور ان کو غلبہ عطا فرمائے گا۔ پھر جب انہوں نے دوبارہ

فساد اور سرکشی کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو دوبارہ سزا دی اور ان کے دشمنوں کو ان پر مسلط کر دیا' اس کی تصدیق بائبل میں بھی ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے ان کو تنبیہہ کی:

انہوں نے ان قوموں کو ہلاک نہ کیا' جیسا کہ خداوند نے ان کو حکم دیا تھا○ بلکہ ان قوموں کے ساتھ مل گئے اور ان کے سے کام سیکھ گئے○ اور ان کے بتوں کی پرستش کرنے لگے جو ان کے لیے پھندہ بن گئے○ بلکہ انہوں نے اپنے بیٹے بیٹیوں کو شیاطین کے لیے قربان کیا○ اور معصوموں کا یعنی اپنے بیٹے بیٹیوں کا خون بہایا جن کو انہوں نے کنعان کے بتوں کے لیے قربان کر دیا اور ملک خون سے ناپاک ہو گیا○ یوں وہ اپنے ہی کاموں سے آلودہ ہو گئے اور اپنے فعلوں سے بے وفا بنے○ اس لیے خداوند کا قہر اپنے لوگوں پر بھڑکا اور اسے اپنی میراث سے نفرت ہو گئی' اور اس نے ان کو قوموں کے قبضہ میں کر دیا○ اور ان سے عداوت رکھنے والے ان پر حکمران ہو گئے○ ان کے دشمنوں نے ان پر ظلم کیا اور وہ ان کے محکوم ہو گئے○ اس نے تو بار بار ان کو چھڑایا○ لیکن ان کا مشورہ باغیانہ ہی رہا○ اور وہ اپنی بدکاری کے باعث پست ہو گئے۔

(زبور' باب: ۱۰۶' آیت: ۳۴۔۴۳' کتاب مقدس ص ۵۹۳' مطبوعہ لاہور ۱۹۹۲ء)

یسعیاہ نبی نے فرمایا:

لوگوں میں سے ہر ایک دوسرے پر اور ہر ایک اپنے ہمسایہ پر ستم کرے گا اور بچے بوڑھوں کی اور رذیل شریفوں کی گستاخی کریں گے○ جب کوئی آدمی اپنے باپ کے گھر میں اپنے بھائی کا دامن پکڑ کر کہے کہ تو پوشاک والا ہے۔ آ تو ہمارا حاکم ہو اس اجڑے دیس پر قابض ہو جا○ اس روز وہ بلند آواز سے کہے گا کہ مجھ سے انتظام نہیں ہو گا کیونکہ میرے گھر میں نہ روٹی ہے نہ کپڑا مجھے لوگوں کا حاکم نہ بناؤ○ کیونکہ یروشلم کی بربادی ہو گئی اور یہوداہ گر گیا' اس لیے ان کی بول چال اور چال چلن خداوند کے خلاف ہیں کہ اس کی جلالی آنکھوں کو غضب ناک کریں○ ان کے منہ کی صورت ان پر گواہی دیتی ہے' وہ اپنے گناہوں کو سدوم کی مانند ظاہر کرتے ہیں اور چھپاتے نہیں' ان کی جانوں پر واویلا ہے! کیونکہ وہ آپ اپنے اوپر بلا لاتے ہیں○ راست بازوں کی بابت کہو کہ بھلا ہو گا' کیونکہ وہ اپنے کاموں کے پھل کھائیں گے○ شریروں پر واویلا ہے! کہ ان کو بدی پیش آئے گی کیونکہ وہ اپنے ہاتھوں کا کیا پائیں گے○ (یسعیاہ باب: ۳ آیت: ۱۲۔۶' کتاب مقدس ص ۶۲۲' مطبوعہ لاہور' ۱۹۹۲ء)

یرمیاہ نبی نے فرمایا:

میں بزرگوں کے پاس جاؤں گا اور ان سے کلام کروں گا کیونکہ وہ خداوند کی راہ اور اپنے خدا کے احکام کو جانتے ہیں لیکن انہوں نے جوا بالکل توڑ ڈالا اور بندھنوں کے ٹکڑے کر ڈالے○ اس لیے جنگل کا شیر ببران کو پھاڑے گا بیابان کا بھیڑیا ان کو ہلاک کرے گا چیتا ان کے شہروں کی گھات میں بیٹھا رہے گا' جو کوئی ان میں سے نکلے پھاڑا جائے گا کیونکہ ان کی سرکشی بہت ہوئی اور ان کی برگشتگی بڑھ گئی○ میں تجھے کیوں کر معاف کر دوں؟ تیرے فرزندوں نے مجھ کو چھوڑا اور ان کی قسم کھائی جو خدا نہیں ہیں' جب میں نے ان کو سیر کیا تو انہوں نے بدکاری کی اور پرے باندھ کر قحبہ خانوں میں اکٹھے ہوئے○ وہ پیٹ بھرے گھوڑوں کی مانند ہو گئے' ہر ایک صبح کے وقت اپنے پڑوسی کی بیوی پر ہنہنانے لگا○ خداوند فرماتا ہے کیا میں ان باتوں کے لیے سزا نہ دوں گا اور کیا میری روح ایسی قوم سے انتقام نہ لے گی○

(یرمیاہ' باب: ۵ آیت: ۹۔۵' کتاب مقدس ص ۷۱۸ مطبوعہ لاہور' ۱۹۹۲ء)

نیز یرمیاہ نے فرمایا:

اے اسرائیل کے گھرانے دیکھ میں ایک قوم کو دور سے تجھ پر چڑھا لاؤں گا خداوند فرماتا ہے وہ زبردست قوم ہے' وہ قدیم قوم ہے' وہ ایسی قوم ہے جس کی زبان تو نہیں جانتا اور ان کی بات کو تو نہیں سمجھتا○ ان کے ترکش کھلی قبریں ہیں وہ سب بہادر مرد ہیں○ اور وہ تیری فصل کا اناج اور تیری روٹی جو تیرے بیٹوں اور بیٹیوں کے کھانے کی تھی کھا جائیں گے' تیرے گائے بیل اور تیری بھیڑ بکریوں کو چٹ کر جائیں گے' تیرے انگور اور انجیر نگل جائیں گے' تیرے حسین شہروں کو جن پر تیرا بھروسہ ہے تلوار سے ویران کر دیں گے○ (یرمیاہ باب: ۵ آیت: ۱۷-۱۵' کتاب مقدس ص ۷۱۹' مطبوعہ لاہور' ۱۹۹۲ء)

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ہم نے کتاب (بائبل) میں بنی اسرائیل کے متعلق پیش گوئی کی تھی کہ وہ دو بار زمین میں فساد اور سرکشی کریں گے اور اس کی پاداش میں اللہ تعالیٰ دوبار ان کو ان کے دشمنوں کے ہاتھوں ذلیل اور رسوا کرے گا یہ پیش گوئیاں آج تک موجودہ بائبل میں مختلف انبیاء بنی اسرائیل کی زبانوں سے موجود ہیں اور یہ قرآن مجید کی صداقت پر زبردست دلیل ہے اور یہ کہ صحائف بنی اسرائیل کا جو جو حصہ غیر محرف ہے قرآن مجید اس کا مصدق ہے۔

یہودیوں کا انبیاء علیہم السلام کو ناحق قتل کرنا

امام عبدالرحمان بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

بنو اسرائیل نے جو فساد کیا تھا اس میں انہوں نے نبیوں کو بھی قتل کیا تھا ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے ان نبیوں میں حضرت زکریا علیہ السلام کو بھی قتل کیا تھا' اور دوسرا قول یہ ہے کہ انہوں نے حضرت شعیا کو قتل کیا تھا' حضرت زکریا علیہ السلام کو قتل کرنے کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے ان پر یہ تہمت لگائی تھی کہ انہوں نے حضرت مریم کو حاملہ کیا تھا' حضرت زکریا نے ان سے بھاگ کر ایک درخت میں پناہ لی' درخت شق ہو گیا اور وہ درخت میں داخل ہو گئے' ان کے کپڑے کا پلو درخت سے باہر رہ گیا' شیطان نے اس پلو کی طرف بنی اسرائیل کی راہنمائی کی انہوں نے آری سے درخت کو کاٹ ڈالا' اور حضرت شعیا کو قتل کرنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ ان کو اللہ کا پیغام پہنچاتے تھے اور گناہوں سے منع کرتے تھے' ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے درخت میں پناہ لی تھی اور اس درخت کو آری سے کاٹ ڈالا گیا تھا' اور حضرت زکریا کی طبعی موت سے وفات ہوئی تھی۔

انہوں نے حضرت یحییٰ بن زکریا کو بھی قتل کر دیا تھا اس کا سبب یہ تھا کہ بنی اسرائیل کے بادشاہ کی بیوی نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو دیکھا وہ بہت حسین و جمیل تھے اس نے ان سے کہا کہ وہ اس کی خواہش پوری کریں انہوں نے انکار کیا پھر اس نے اپنی بیٹی سے سوال کیا کہ وہ اپنے باپ سے کہے کہ وہ حضرت یحییٰ کا سر کاٹ کر اس کو پیش کرے' بادشاہ نے ایسا کر دیا' اس سلسلہ میں دوسرا قول یہ ہے کہ بنی اسرائیل کا بادشاہ اپنی بیوی کی بیٹی پر عاشق ہو گیا اور حضرت یحییٰ سے پوچھا کہ آیا وہ اس سے نکاح کر سکتا ہے حضرت یحییٰ نے منع کیا' اس کی ماں کو جب پتہ چلا تو اس نے اپنی بیٹی کو بنا سنوار کر بادشاہ کے پاس اس وقت بھیجا جب وہ شراب پی رہا تھا اور اس سے کہا جب بادشاہ اس سے اپنی خواہش پوری کرنی چاہے تو وہ انکار کر دے اور کہے کہ یہ تب ہو گا جب تم یحییٰ بن زکریا کا سر کاٹ کر مجھے تھال میں رکھ کر پیش کرو گے' اس لڑکی نے ایسا ہی کیا' بادشاہ نے کہا تم پر افسوس ہے تم کسی اور چیز کا سوال کر لو' اس نے کہا نہیں! میرا یہی سوال ہے پھر بادشاہ کے حکم سے حضرت یحییٰ کا سر کاٹ کر تھال میں لایا گیا اس وقت بھی وہ سر کلام کر رہا تھا "یہ لڑکی تمہارے لیے حلال نہیں ہے' یہ لڑکی تمہارے لیے حلال نہیں ہے"

علماء سیر نے کہا ہے کہ حضرت یحییٰ کا خون مسلسل بہتا رہا اور خون جوش مارتا رہا حتیٰ کہ ستر ہزار بنی اسرائیل قتل کر دیئے گئے پھر وہ خون ٹھنڈا ہوا ایک قول یہ ہے کہ وہ خون اس وقت تک نہیں رکا حتیٰ کہ اس کے قاتل نے کہا میں نے اس کو قتل کیا ہے اور اس کو قتل کیا گیا پھر وہ خون رک گیا۔ (زادالمسیر ج ۵ ص ۹-۷' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں:

یہودیوں کی سرکشی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے پہلی بار ان پر بابل کے بادشاہ بخت نصر کو مسلط کیا اور ایک قول یہ ہے کہ جالوت کو مسلط کیا اس نے وہاں قتل و غارت گری کا بازار گرم کیا بڑوں کو قتل کیا اور بچوں کو غلام بنالیا، اور بیت المقدس کو ویران کردیا پھر ان کی توبہ کی وجہ سے حضرت داؤد علیہ السلام اور طالوت کے ذریعہ ان کو نجات دی انہوں نے دوبارہ سرکشی کی تو اللہ تعالیٰ نے اہل فارس کے مجوسیوں کو ان پر مسلط کردیا، جب ان کا لشکر یہودیوں کی قربان گاہ پر پہنچا تو انہوں نے دیکھا کہ ایک جگہ خون مسلسل جوش سے ابل رہا ہے انہوں نے یہودیوں سے پوچھا یہ کیسا خون ہے؟ یہودیوں نے کہا ہماری ایک قربانی قبول نہیں ہوئی تھی یہ اس کا خون ہے، امیر لشکر نے کہا تم نے جھوٹ بولا ہے اور اس نے ستر ہزار یہودیوں کو قتل کردیا اور وہ خون مسلسل بہتا رہا، امیر لشکر نے کہا اگر تم سچ سچ نہیں بتاؤ گے تو میں تم میں سے کسی شخص کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا تب انہوں نے کہا کہ یہ یحییٰ کا خون ہے اس نے کہا اسی وجہ سے تمہارا رب تم سے انتقام لے رہا ہے پھر اس نے کہا: اے یحییٰ! میرے اور تمہارے رب نے جان لیا کہ تمہاری وجہ سے تمہاری قوم پر کیسی مصیبت آئی ہے اب تم اللہ تعالیٰ کے اذن سے پرسکون ہو جاؤ ورنہ تمہاری قوم کا کوئی فرد بھی زندہ نہیں رہے گا پھر وہ خون بہنے سے رک گیا۔

(تفسیر البیضاوی علی ہامش الخفاجی ج ۶ ص ۲۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۷ھ)

موجودہ بائبل میں بھی یہ مذکور ہے کہ یہودیوں نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو ناحق قتل کردیا تھا۔

مرقس کی انجیل میں ہے:

کیونکہ ہیرودیس نے آپ آدمی بھیج کر یوحنا کو پکڑوایا اور اپنے بھائی فلپس کی بیوی ہیرودیاس کے سبب اسے قید خانہ میں باندھ رکھا تھا کیونکہ ہیرودس نے اس سے بیاہ کرلیا تھا○ اور یوحنا نے اس سے کہا تھا کہ اپنے بھائی کی بیوی رکھنا تجھے روا نہیں○ پس ہیرودیاس اس سے دشمنی رکھتی اور چاہتی تھی کہ اسے قتل کرائے مگر نہ ہو سکا○ کیونکہ ہیرودیس یوحنا کو راست باز اور مقدس آدمی جان کر اس سے ڈرتا اور اسے بچائے رکھتا تھا اور اس کی باتیں سن کر بہت حیران ہو جاتا تھا مگر سنتا خوشی سے تھا○ اور موقع کے دن جب ہیرودیس نے اپنی سالگرہ میں اپنے امیروں اور فوجی سرداروں اور گلیل کے رئیسوں کی ضیافت کی○ اور اسی ہیرودیاس کی بیٹی اندر آئی اور ناچ کر ہیرودس اور اس کے مہمانوں کو خوش کیا تو بادشاہ نے اس لڑکی سے کہا جو چاہے مجھ سے مانگ میں تجھے دوں گا○ اور اس سے قسم کھائی کہ جو تو مجھ سے مانگے گی اپنی آدھی سلطنت تک تجھے دوں گا○ اور اس نے باہر جا کر اپنی ماں سے کہا کہ میں کیا مانگوں؟ اس نے کہا یوحنا بپتسمہ دینے والے کا سر○ وہ فی الفور بادشاہ کے پاس جلدی سے اندر آئی اور اس سے عرض کی میں چاہتی ہوں کہ تو یوحنا بپتسمہ دینے والے کا سر ایک تھال میں ابھی مجھے منگوادے○ بادشاہ بہت غمگین ہوا مگر اپنی قسموں اور مہمانوں کے سبب اس سے انکار نہ کرنا چاہا○ پس بادشاہ نے فی الفور ایک سپاہی کو حکم دے کر بھیجا کہ اس کا سر لائے۔ اس نے جا کر قید خانہ میں اس کا سر کاٹا○ اور ایک تھال میں لا کر لڑکی کو دیا اور لڑکی نے اپنی ماں کو دیا○ پھر اس کے شاگرد سن کر آئے اور اس کی لاش اٹھا کر قبر میں رکھی○

(مرقس کی انجیل باب: ۶، آیت: ۲۹-۱۷، نیا عہد نامہ ص ۴۰-۳۹، متی کی انجیل، باب: ۱۴، آیت: ۱۲-۳، نیا عہد نامہ ص ۱۸)

بنی اسرائیل کی سرکشی کی وجہ سے ان پر ان کے دشمنوں کو مسلط کرنا

بنی اسرائیل کی دو مرتبہ سرکشی پر ان کے دشمنوں کو دو بار ان پر غلبہ دیا گیا اور وہ دشمن کون تھے اور انہوں نے کس طرح بنی اسرائیل کی شکست دی اور ان کو ملیا میٹ کیا اس کے متعلق کتب تاریخ اور کتب تفسیر میں متعدد روایات ہیں اس

سلسلہ میں حافظ ابن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۴ھ نے جو کچھ چھان پھٹک کر لکھا ہے ہم اس کو پیش کر رہے ہیں:

متقدمین اور متاخرین مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ بنی اسرائیل کے جن دشمنوں کو ان پر مسلط کیا گیا تھا وہ کون تھے، حضرت ابن عباس اور قتادہ سے یہ روایت ہے کہ جو ان پر پہلے مسلط کیا گیا تھا وہ جالوت جزری تھا، پھر بعد میں بنی اسرائیل کی جالوت کے خلاف مدد کی گئی اور حضرت داؤد علیہ السلام نے جالوت کو قتل کر دیا اس لیے فرمایا پھر ہم نے تم کو دوبارہ ان پر غلبہ دیا، اور سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ وہ موصل کا بادشاہ سنجاریب اور اس کا لشکر تھا، اور ایک اور روایت یہ ہے کہ وہ بابل کا بادشاہ بخت نصر تھا، ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے اس مقام پر بہت عجیب و غریب روایات ذکر کی ہیں جن کے موضوع ہونے میں کوئی شک نہیں ہے، اسی طرح اس کی تفسیر میں بہت سی اسرائیلی روایات بھی ہیں جو بلاشبہ موضوع ہیں اور زندیقوں کی گھڑی ہوئی ہیں، اور ہمارے لیے صرف وہ کافی ہے جو اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے کہ جب بنی اسرائیل نے سرکشی اور بغاوت کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ان کے دشمن کو مسلط کر دیا، جس نے ان کے خون بہانے کو مباح کر لیا، ان کے گھروں کو تباہ اور برباد کر دیا اور ان کو ذلیل اور رسوا کر دیا اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا، انہوں نے سرکشی اور فساد کیا حتیٰ کہ نبیوں اور علماء کو قتل کیا، اور امام ابن جریر نے اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ بخت نصر نے شام پر حملہ کیا اور بیت المقدس کو تباہ اور برباد کر دیا اور بنی اسرائیل کو قتل کیا پھر وہ دمشق گیا وہاں اس نے دیکھا کہ ایک جگہ خون ابل رہا ہے اس نے لوگوں سے پوچھا یہ کیسا خون ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ ہم اپنے باپ دادا سے اسی طرح خون ابلتا ہوا دیکھ رہے ہیں پھر اس نے وہاں ستر ہزار یہودیوں کو قتل کر دیا، یہ مشہور روایت ہے، اور سعید بن مسیب تک اس کی سند صحیح ہے، بخت نصر نے معزز سرداروں اور علماء کو قتل کر دیا تھا حتیٰ کہ کوئی ایسا شخص باقی نہیں بچا جو تورات کا حافظ ہو اس نے انبیاء علیہم السلام کے بیٹوں اور دیگر بکثرت افراد کو گرفتار کر لیا، اسی طرح اور دیگر بہت حادثات پیش آئے جن کے ذکر سے طوالت ہو گی۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۳۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۹ھ)

حافظ ابن کثیر نے یہ ذکر نہیں کیا کہ دوسری بار جب بنی اسرائیل نے سرکشی کی تو پھر ان پر کس دشمن کو مسلط کیا گیا، امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری نے ایک مرفوع حدیث روایت کی ہے جس میں بنی اسرائیل کی دونوں بار سرکشی اور دونوں بار ان پر دشمنوں کے مسلط ہونے کا ذکر کیا ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بنی اسرائیل نے سرکشی اور تکبر کیا اور نبیوں کو قتل کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر فارس کے بادشاہ بخت نصر کو مسلط کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے سات سو سال تک اس کو حکمران رکھا تھا، وہ ان پر حملہ آور رہا حتیٰ کہ بیت المقدس میں داخل ہو گیا اور ان کا محاصرہ کر لیا، حضرت زکریا علیہ السلام کے خون کی پاداش میں اس نے ستر ہزار افراد کو قتل کر دیا، پھر نبیوں کے بیٹوں اور دوسرے لوگوں کو قتل کر دیا، اس نے بیت المقدس کے زیورات لوٹ لیے اور وہاں سے ایک لاکھ ستر ہزار سونے کے بنے ہوئے بچھڑوں کو بابل لے گیا، پھر وہ قتل کر دیا گیا، حضرت حذیفہ نے پوچھا: یا رسول اللہ کیا بیت المقدس اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت عظیم تھا؟ فرمایا ہاں! اس کو سلیمان بن داؤد نے سونے، موتیوں، یاقوت اور زمرد سے بنایا تھا، اس کا فرش سونے اور چاندی سے بنایا گیا تھا اور اس کے ستون سونے کے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ چیزیں عطا کی تھیں اور اس کو بنانے کے لیے جنات کو تابع کر دیا تھا، وہ پلک جھپکنے میں یہ ساری چیزیں لے آتے تھے، یہ تمام سونا اور چاندی بخت نصر لوٹ کر بابل میں لے گیا، اس نے ایک سو سال تک ان کو

اپنا غلام بنائے رکھا، مجوس اور مجوس کی اولاد ان کو عذاب میں مبتلا رکھتے تھے، ان میں انبیاء اور انبیاء کے بیٹے بھی تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم کیا اور فارس کے بادشاہوں میں سے کورس نام کا ایک بادشاہ تھا جو مومن تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں ڈالا کہ وہ باقی ماندہ بنی اسرائیل کو ان کی قید سے چھڑالے پھر کورس (خورس) ان کی مدد کے لیے آیا اور ان کو بخت نصر کی غلامی سے آزاد کرایا اور بیت المقدس کے زیورات انہیں واپس کر دیئے، پھر بنی اسرائیل اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر قائم رہے، کچھ عرصہ بعد وہ پھر گناہوں کی طرف لوٹ گئے پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر اطیانحوس کو مسلط کر دیا اور جو لوگ بخت نصر کے ساتھ تھے ان کو اپنے ساتھ ملا کر اس نے بنی اسرائیل پر حملہ کر دیا حتیٰ کہ بیت المقدس میں داخل ہو گیا اور وہاں رہنے والوں کو قید کر لیا اور بیت المقدس کو جلا دیا اور ان سے کہا اے بنی اسرائیل اگر تم نے دوبارہ نافرمانی کی تو ہم تم کو دوبارہ قید کر لیں گے، انہوں نے پھر نافرمانی کی تو ان کو تیسری بار ایک رومی بادشاہ نے قید کر لیا جس کا نام قاقس بن اسبایوس تھا، اس نے ان پر خشکی اور سمندر کے راستہ سے حملہ کیا ان کو غلام بنا لیا اور بیت المقدس کے زیورات چھین لیے اور بیت المقدس کو آگ سے جلا دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ بیت المقدس کے زیورات کی سرگزشت ہے، یہ زیورات ستر سو کشتیوں میں لدے ہوئے تھے ان کو مہدی واپس بیت المقدس میں پہنچائے گا اور اللہ تعالیٰ بیت المقدس میں ہی اولین اور آخرین کو جمع فرمائے گا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۶۶۴۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام عبد الرحمان بن محمد ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ پہلی بار ان پر جالوت مسلط کیا گیا پھر ان کی توبہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے طالوت اور حضرت داؤد کی مدد سے ان کو رہائی دلائی۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۳۱۹۱)

اور دوسری بار ان پر بخت نصر بابلی مجوسی کو مسلط کیا گیا اس نے بھی قتل و غارت گری کا بازار گرم کیا اور ان کو بہت برا عذاب چکھایا۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۳۱۹۳)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

ان کی سرکشی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے پہلی بار ان پر جالوت کو مسلط کر دیا جس نے ان کو ہلاک کر دیا اور ان کے ملک کو تباہ و برباد کر دیا پھر ان پر رحم فرمایا اور اللہ عزوجل نے طالوت کو طاقت دی حتیٰ کہ اس نے جالوت سے جنگ کی اور حضرت داؤد نے اس کی مدد کی حتیٰ کہ طالوت نے جالوت کو قتل کر دیا، پھر دوبارہ بنی اسرائیل نے سرکشی اور فساد کیا تو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے دلوں میں مجوس کا رعب اور خوف مسلط کر دیا اور مجوسیوں نے ان کو قتل کر ڈالا اور ان کے گھروں کو تباہ و برباد کر دیا۔ بہرحال اس بات کے جاننے میں کوئی فائدہ نہیں ہے، اور کوئی غرض علمی نہیں ہے کہ بنی اسرائیل کو ہلاک کرنے والے کون تھے، مقصود صرف یہ ہے کہ جب بنی اسرائیل نے شورش اور فساد کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمنوں کو ان پر مسلط کر دیا اور انہوں نے ان کو ہلاک اور برباد کر دیا۔ (تفسیر کبیر ج ۷ ص ۳۰۰-۲۹۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک یہ قرآن اس راستہ کی ہدایت دیتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھا اور مستحکم ہے اور جو ایمان والے نیک کام کرتے ہیں ان کو بشارت دیتا ہے کہ ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے O اور یہ کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لائے ان کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے O (بنی اسرائیل: ۱۰)

بنی اسرائیل کی غلامی کی ذلت سے مسلمان عبرت پکڑیں

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مخلص اور مقرب بندوں پر کیے ہوئے انعامات کا ذکر فرمایا تھا کہ ہمارے نبی

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے شرف معراج سے نوازا اور حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام پر کتاب نازل فرمائی اور اس کے بعد یہ فرمایا کہ منکروں، نافرمانوں اور سرکشوں پر اللہ تعالیٰ نے مختلف مصائب نازل فرمائے اور ان کے دشمنوں کو ان پر مسلط فرما کر ان کو ذلیل و خوار کر دیا، اور اس میں یہ تنبیہ فرمائی کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہر قسم کی عزت اور کرامت اور دنیا اور آخرت میں سعادت اور سرفرازی کا موجب ہے، اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی ذلت اور خواری کا سبب ہے بنی اسرائیل نے دو مرتبہ سرکشی اور نافرمانی کی تو دہ دو مرتبہ ذلیل کیے گئے پہلی بار جالوت نے ان پر حملہ کر کے ان کو غلام بنالیا اور دوسری بار مجوسیوں نے ان پر حملہ کر کے ان کو اپنا غلام بنالیا، مسلمانوں کی تاریخ بھی یہی ہے جب تک وہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہے وہ دنیا میں کامیاب و کامران اور سرفراز رہے اور جب وہ اجتماعی طور پر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی بجائے نافرمانی کرنے لگے انہوں نے تبلیغ اور جہاد کو چھوڑ دیا، ہندوؤں کی رسومات کو اپنے دین میں جذب کر لیا تو ہندوستان پر کئی صدیوں تک حکومت کرنے والے مسلمانوں کو انگریزوں نے اپنا غلام بنالیا اور وہ ڈیڑھ سو سال تک ان کی غلامی میں مبتلا رہے، اور جس طرح اللہ نے بنی اسرائیل کی توبہ قبول کر کے انہیں پھر آزادی کی نعمت عطا فرمائی تھی اسی طرح برصغیر کے مسلمانوں کو بھی ایک بار پھر موقع دیا اور ان کو آزادی کی نعمت سے نوازا اور پاکستان کی شکل میں ان کو ایک آزاد خطہ عطا فرمایا، لیکن ان کی روش پھر وہی رہی، سو چوبیس سال کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو متنبہ کرنے کے لیے آدھی نعمت ان سے سلب کر لی، لیکن اب بھی پاکستان کے مسلمانوں نے اجتماعی طور پر توبہ نہیں کی اور پاکستان کے اکثر باشندوں کی ثقافت، تمدن اور تہذیب یورپ کے رنگ میں رنگی ہوئی ہے وہ اسلامی معیشت کے بجائے سوشلزم اور سیکولرزم کے دلدادہ ہیں وہ اسلامی لباس کے بجائے یورپی لباس پر فخر کرتے ہیں، سنت کے مطابق زندگی گزارنا ان کے لیے باعث عار ہے، عورتوں کا پردہ میں رہنا ان کے نزدیک عورتوں کو بیڑیوں میں جکڑنے کے مترادف ہے وہ اسمبلیوں اور محکموں میں عورتوں کو مردوں کے مساوی دیکھنا چاہتے ہیں اور جو مسلمان ان چیزوں کے خلاف آواز اٹھاتے ہیں اس کو وہ رجعت پسند اور بنیاد پرست کہتے ہیں، اب تو یہ حالت ہو گئی ہے کہ دو قومی نظریہ کی برسرعام مذمت کی جاتی ہے اور یہ کہا جا رہا ہے کہ دنیا کے تمام مذاہب برحق ہیں اور اسلام کے خلاف جو دوسرے مذاہب ہیں ان کو غلط اور باطل کہنے والے علماء سوء تھے اور رام چندر کی فضیلت میں اقبال کے یہ اشعار اخبارات میں شائع کرائے جا رہے ہیں:

ہے رام کے وجود پہ ہندوستان کو ناز	اہل نظر سمجھتے ہیں اس کو امام ہند
اعجاز اس چراغ ہدایت کا ہے یہی	روشن تر از سحر ہے زمانہ میں شام ہند
تلوار کا دھنی تھا شجاعت میں فرد تھا	پاکیزگی میں، جوش محبت میں فرد تھا

(کلیات اقبال، بانگ درا، رام، ص ۱۱۸، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۹۸ء)

سو اب بھی وقت ہے اس سے پہلے کہ یہود کی طرح دوبارہ مسلمانوں پر بھی ذلت اور غلامی کے مصائب پلٹ آئیں وہ اللہ، اس کے رسول اور قرآن کی طرف لوٹ آئیں۔

اسلام کا سب سے مستحکم دین ہونا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا۔ ابراہیم کا دین مستحکم ہے، جو ہر باطل سے الگ ہے۔

(الانعام: ۱۶۱)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے متعلق فرمایا یہ اقوم ہے (ان ھذا القران یھدی للتی ھی اقوم' بے شک یہ قرآن اس راستہ کی ہدایت دیتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھا اور مستحکم ہے) خلاصہ یہ ہے کہ تمام دین قویم اور سیدھے ہیں اور دین اسلام اقوم ہے یعنی سب سے زیادہ سیدھا ہے' اور اس آیت کا حاصل معنی یہ ہے کہ بے شک قرآن اس ملت یا اس شریعت یا اس طریقہ کی ہدایت دیتا ہے جو اقوم ہے یعنی سب سے زیادہ قویم اور مستحکم ہے۔

اور جو لوگ اس شریعت پر عمل کریں گے ان کو اللہ تعالیٰ بہت بڑا اجر عطا فرمائے گا۔ اور جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لائے ان کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ آیت یہود کے احوال کے بیان میں ہے اور یہود آخرت کا انکار نہیں کرتے تھے' تو ان کے متعلق یہ کہنا کس طرح مناسب ہے کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لائے ان کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اکثر یہود جسمانی ثواب اور عذاب کا انکار کرتے تھے' اور دوسرا جواب یہ ہے کہ یہود کہتے تھے:

لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ۔ ہمیں دوزخ کی آگ صرف چند دن چھوئے گی۔

(آل عمران: ٢٤)

اس لیے ان کا آخرت کے متعلق ایمان صحیح نہ تھا۔

وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ

اور انسان جس طرح بھلائی کے جلد حصول کی دعا کرتا ہے، اسی طرح برائی کی دعا کرتا ہے' اور انسان بہت

عَجُوْلًا ﴿١١﴾ وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ

جلد باز ہے ○ اور ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنایا ہے' پھر ہم نے رات کی نشانی مٹا دی

وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا

اور دن کی نشانی کو روشن بنا دیا تاکہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو، اور سالوں کی گنتی اور

عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ۭ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ﴿١٢﴾

حساب کو جان لو، اور ہم نے ہر چیز کو تفصیل سے بیان کر دیا ہے ○

وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰۗىِٕرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ۭ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

اور ہم نے ہر انسان کا اعمال نامہ اس کے گلے میں لٹکا دیا ہے' اور ہم قیامت کے دن اس کا اعمال نامہ نکالیں گے

كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ﴿١٣﴾ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ۭ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ

جس کو وہ کھلا ہوا پائے گا ○ اپنا اعمال نامہ پڑھ لو آج تم خود ہی اپنا محاسبہ کرنے کے لیے

حَسِيبًا ﴿١٤﴾ مَنِ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ ۖ وَمَن ضَلَّ

کافی ہو ○ جس نے ہدایت کو اختیار کیا تو اس نے اپنے ہی فائدے کے لیے ہدایت کو اختیار کیا ہے، اور جو شخص گمراہی

فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۗ وَمَا كُنَّا

کو اختیار کرتا ہے تو اس کی گمراہی کا ضرر بھی اسی کو ہوگا، اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، اور ہم اس

مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا ﴿١٥﴾ وَإِذَا أَرَدْنَا أَن نُّهْلِكَ

وقت تک عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک کہ ہم رسول نہ بھیج دیں ○ اور جب ہم کسی بستی کے لوگوں کو ہلاک کرنے کا ارادہ

قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا

کرتے ہیں تو اس کے عیش پرستوں کو اپنے احکام بھیجتے ہیں سو وہ ان احکام کی نافرمانی کرتے ہیں پھر وہ عذاب کے حکم کے مستحق ہو جاتے ہیں سو ہم ان کو زیادہ

تَدْمِيرًا ﴿١٦﴾ وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُونِ مِن بَعْدِ نُوحٍ ۗ وَكَفَىٰ

برباد کر دیتے ہیں ○ اور ہم نے نوح کے بعد کتنی ہی امتوں کو ہلاک کر دیا، اور آپ کا رب اپنے

بِرَبِّكَ بِذُنُوبِ عِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا ﴿١٧﴾ مَّن كَانَ يُرِيدُ

بندوں کے گناہوں کی خبر رکھنے اور دیکھنے کے لیے کافی ہے ○ جو شخص (صرف) دنیا کا طلب گار ہو

الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَن نُّرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ

ہم اس کو اسی دنیا میں سے جتنا ہم چاہیں دے دیتے ہیں پھر ہم اس کا ٹھکانا دوزخ کو بنا دیتے ہیں

جَهَنَّمَ يَصْلَاهَا مَذْمُومًا مَّدْحُورًا ﴿١٨﴾ وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَ

جس میں وہ مذمت کے ساتھ دھتکارا ہوا داخل ہوگا ○ اور جو شخص آخرت کا طلب گار ہو اور

سَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُم

اس کے لیے ایمان کے ساتھ بھرپور کوشش کرے تو ان ہی لوگوں کی کوشش مشکور (مقبول)

مَّشْكُورًا ﴿١٩﴾ كُلًّا نُّمِدُّ هَٰؤُلَاءِ وَهَٰؤُلَاءِ مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ ۚ وَمَا

ہوگی ○ ہم آپ کے رب کی عطا سے اُس کی اور اس کی (ہر فریق کی) مدد کرتے ہیں، اور آپ کے رب کی عطا

كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ﴿۲۰﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ

کسی سے رو کی ہوئی نہیں ہے ○ آپ دیکھیے ہم نے کس طرح ان کے بعضوں کو بعض پر

عَلٰى بَعْضٍ ؕ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ﴿۲۱﴾ لَا

فضیلت دی ہے، اور آخرت کے بہت بڑے درجات ہیں اور اس کی فضیلت بھی بہت بڑی ہے ○ (اے مخاطب!)

تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ﴿۲۲﴾ ع

تو اللہ کے ساتھ کسی اور کو عبادت کا مستحق نہ بنا کہ تو ناکام اور مذمت کیا ہوا بیٹھا رہ جائے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انسان جس طرح بھلائی کے جلد حصول کی دعا کرتا ہے اسی طرح برائی کی دعا کرتا ہے اور انسان بہت جلد باز ہے ○ (بنی اسرائیل: ۱۱)

غصہ میں اپنے اور اپنے اہل کے خلاف دعا کرنا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: کہ اس سے مراد یہ ہے کہ انسان غصہ اور غضب میں کہتا ہے: اے اللہ اس پر لعنت فرما یا اس پر غضب فرما اگر اس کی یہ دعا جلد قبول کرلی جائے جیسا کہ اس کی خیر کی دعا جلد قبول کرلی جاتی ہے تو وہ ہلاک ہو جائے۔

قتادہ نے کہا انسان اپنے مال اور اولاد پر لعنت کرتا ہے اور ان کی ہلاکت کی دعا کرتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ ان کی یہ دعا قبول کر لیتا تو وہ ہلاک ہو جاتے۔

مجاہد نے کہا کبھی انسان اپنی بیوی اور اولاد کے خلاف دعا کرتا ہے اور ان کی قبولیت کے لیے جلدی کرتا ہے اور وہ یہ نہیں چاہتا کہ یہ دعا قبول ہو۔ (جامع البیان جز ۱۵ ص ۶۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اس کی نظیر یہ آیت ہے:

وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ ؕ فَنَذَرُ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ○ (یونس: ۱۱)

اور اگر اللہ لوگوں کو جلد برائی پہنچا دیتا جیسا کہ وہ بھلائی پہنچنے میں جلدی کرتے ہیں تو ان کی مدت ان کی طرف ضرور پوری ہو چکی ہوتی تو ہم ان لوگوں کو چھوڑ دیتے ہیں جو ہمارے سامنے پیش ہونے کی توقع نہیں رکھتے، وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے پھر رہے ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت النضر بن الحارث اور اس کے متبعین کے متعلق نازل ہوئی ہے، جس نے یہ دعا کی تھی:

وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ (الانفال: ۳۲)

اور جب انہوں نے کہا اے اللہ! اگر یہی (قرآن) تیری جانب سے حق ہے تو ہم پر اپنی طرف سے پتھر برسا یا ہم پر (کوئی اور) دردناک عذاب نازل کر۔

انسان کا جلد باز ہونا

اس کے بعد فرمایا اور انسان بہت جلد باز ہے، یعنی اپنی طبیعت اور فطرت سے ہر کام میں جلدی کرتا ہے۔
ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں: امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:
حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کا سر پیدا کیا وہ اپنی خلقت کو دیکھ رہے تھے، ابھی ان کی ٹانگیں رہ گئیں تھیں جب عصر کا وقت ہو گیا تو انہوں نے کہا اے میرے رب رات سے پہلے یہ کام مکمل کر دے۔
حضرت عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام میں روح پھونکی تو روح ان کے سر کی جانب سے آئی ان کے پتلے میں جہاں جہاں روح پہنچتی گئی وہ گوشت اور خون بنتا گیا جب روح ان کی ناف تک پہنچی تو ان کو اپنا جسم بہت اچھا لگا، انہوں نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن وہ اٹھ نہ سکے اور یہ اللہ عزوجل کے اس قول کی تفسیر ہے کہ انسان بہت جلد باز ہے۔ (جامع البیان جز ۱۵ص ۶۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)
حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی صورت بنا کر ان کو چھوڑا اور جب تک چاہا چھوڑے رکھا تو ابلیس ان کے گرد گھومتا رہا اور یہ سوچتا رہا کہ یہ کیا چیز ہے؟ جب اس نے دیکھا کہ یہ کھوکھلے ہیں تو اس نے سمجھ لیا کہ یہ ایسی مخلوق ہے جو غصہ کے وقت اپنے آپ پر قابو نہیں رکھ سکے گی۔
(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۱۱)
علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہ کے سپرد ایک قیدی کیا وہ رات کو رو رہا تھا، حضرت سودہ نے اس سے پوچھا کہ رو کیوں رہے ہو؟ اس نے کہا مجھے بہت سختی سے باندھا ہوا ہے، حضرت سودہ نے اس کی رسی ڈھیلی کر دی، جب حضرت سودہ سو گئیں تو وہ بھاگ گیا، انہوں نے صبح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ واقعہ بتایا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تمہارے ہاتھ کاٹ ڈالے، صبح حضرت سودہ اپنے اوپر کسی مصیبت کے نازل ہونے کی توقع کر رہی تھیں، تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کیا تھا کہ میرے اہل سے جو شخص میری دعاء ضرر کا مستحق نہ ہو تو اس کے حق میں میری دعاء ضرر کو دعاء رحمت بنا دے، کیونکہ میں ایک بشر ہوں اور جس طرح بشر غضب ناک ہوتے ہیں میں بھی غضب ناک ہوتا ہوں۔ (مسند احمد رقم الحدیث: ۱۳۰۴۰)
اور امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! محمد صرف بشر ہے بشر کی طرح غضب ناک ہوتا ہے اور میں تجھ سے یہ عہد کرتا ہوں اور تو اس عہد کے خلاف نہ کرنا کہ میں جس مومن کو بھی اذیت دوں یا برا کہوں یا اس کو ماروں تو اس چیز کو اس کے گناہوں کا کفارہ کر دے اور اس کو اس کی ایسی عبادت کر دے جس کی وجہ سے وہ قیامت کے دن تیرا قرب حاصل کرے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۰۱)
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنایا ہے، پھر ہم نے رات کی نشانی مٹادی اور دن کی نشانی کو روشن بنا دیا تاکہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو اور سالوں کی گنتی اور حساب کو جان لو، اور ہم نے ہر چیز کو تفصیل سے بیان کر دیا ہے O (بنی اسرائیل: ۱۲)
اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ ہم نے تمہارے لیے رات اور دن کی دو مختلف نشانیاں بنائی ہیں، رات کی نشانی اندھیرا ہے اور دن کی نشانی روشنی ہے، رات کو اس لیے بنایا ہے تاکہ تم اس میں آرام کرو، اور دن کو اس لیے بنایا ہے کہ تم اس کی

روشنی میں اس رزق کو تلاش کرو جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے تمہارے لیے مقدر کردیا ہے' اور تاکہ تم رات اور دن کے اختلاف سے اپنے لیے ہفتہ کے دنوں' مہینوں اور سالوں کا شمار کرسکو اور رات اور دن کے اوقات کی تعیین کرسکو۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو پیدا کیا تو اپنے عرش کے نور سے سورج اور چاند کو پیدا کیا پس یہ دونوں شمس کی طرح روشن تھے پھر اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں جس چیز کو شمس ہونا تھا اس کو تمام دنیا کے مشارق اور مغارب جتنا بنایا اور جس نے اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں قمر ہونا تھا اس کو شمس سے جسم اور ضیاء میں کم بنایا اور چونکہ یہ ہم سے بہت فاصلہ پر ہیں اس لیے ہم کو یہ جسم میں کم دکھائی دیتے ہیں' اگر اللہ تعالیٰ سورج اور چاند اپنے اصل جسم اور اصل ضیاء پر باقی رکھتا تو رات اور دن کا فرق معلوم نہ ہوتا اور نہ کام کرنے والے کے لیے اس تعیین کا ذریعہ ہوتا کہ وہ کب تک کام کرے اور نہ روزہ دار کے لیے علامت ہوتی کہ وہ کب تک روزہ رکھے' نہ عورت کی عدت کے لیے کوئی معیار اور پیمانہ ہوتا اور نہ نماز اور حج کے اوقات کی تعیین کی معرفت کا کوئی ذریعہ ہوتا' اور نہ قرض ادا کرنے اور وصول کرنے کی حد کا کوئی ذریعہ ہوتا' اللہ تعالیٰ نے رات اور دن کا سلسلہ قائم کیا اور نظام کائنات کے لیے تقویم بنادی' اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت رحم کرنے والا ہے اس نے اپنے بندوں کی ضروریات کے مطابق شمس کا نور اپنی اصل پر رکھا اور چاند کے نور کو کم کردیا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۰ ص ۲۰۶' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام ابن جوزی نے اس حدیث کو موضوعات میں شمار کیا ہے (کتاب الموضوعات ج ۱ ص ۱۳۹)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے ہر انسان کا اعمال نامہ اس کے گلے میں لٹکا دیا ہے' اور ہم قیامت کے دن اس کا اعمال نامہ نکالیں گے جس کو وہ کھلا ہوا پائے گا○ اپنا اعمال نامہ پڑھ لو' آج تم خود ہی اپنا محاسبہ کرنے کے لیے کافی ہو○

(بنی اسرائیل: ۱۴۔۱۳)

قیامت کے دن اعمال نامہ پڑھوانے کی وجوہ

(۱) اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا اور ہم نے ہر چیز کو تفصیل سے بیان کردیا ہے' یعنی توحید' نبوت اور رسالت اور مبدء اور معاد کے ثبوت کے لیے جن دلائل کی ضرورت ہوتی ہے وہ تمام دلائل قرآن عظیم میں بیان کردیے ہیں' اور وعد' وعید' ترغیب اور ترہیب کی وضاحت کے لیے جن امور کی ضرورت ہوتی ہے وہ سب ہم نے بیان کردیے ہیں' اسی طرح اعمال صالحہ اور اخلاق حسنہ کے لیے جن احکام اور ہدایات کی احتیاج ہوتی ہے اور نیک اعمال پر ابھارنے اور برے اعمال سے متنفر کرنے کے لیے جن مواعظ' قصص اور امثال کی ضرورت ہوتی ہے' ہم نے ان سب کو بیان کردیا ہے' اس طرح اب کسی شخص کے نیک عمل نہ کرنے کے لیے اور برے عمل کو ترک کرنے کے لیے کوئی عذر باقی نہیں رہا اس لیے ہم قیامت کے دن اس سے کہیں گے اپنا اعمال نامہ پڑھ لو' آج تم خود ہی اپنا محاسبہ کرنے کے لیے کافی ہو۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے جب مخلوق کی طرف ان تمام چیزوں کو پہنچا دیا جو ان کے دین اور دنیا میں نفع دینے والی ہیں مثلاً ان کے کسب اور کار معاش کے لیے دن کی روشنی بنادی اور دن کی تھکاوٹ کے ازالہ اور آرام اور سکون پہنچانے کے لیے رات کو بنادیا تو ان کے اوپر بہت بڑی نعمت کو مکمل کردیا' اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے تمام احکام پر عمل کریں اور اس کی اطاعت اور اس کی عبادت کے لیے کمربستہ رہیں اس وجہ سے جو شخص بھی میدان قیامت میں حاضر ہوگا اس سے اس کے اعمال کے متعلق پوچھا جائے گا۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے یہ بتادیا ہے کہ اس نے مخلوق کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے کیونکہ اس نے فرمایا ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ۔ اور میں نے ہر جن اور انس کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔ (الذاریات: ۵۶)

(۴) پھر اللہ تعالیٰ نے سورج اور چاند اور دن اور رات کے احوال بیان کیے ہیں اور جمادات، نباتات اور حیوانات میں انسانوں کے لیے جو نعمتیں رکھی ہیں ان کو بیان فرمایا ہے اور اس میں اس پر متنبہ فرمایا ہے کہ میں نے تمام کائنات تمہاری نفع اندوزی کے لیے بنائی ہے تاکہ تم ان نعمتوں سے بہرہ اندوز ہو کر میری اطاعت اور عبادت کر سکو پھر جو شخص میدان قیامت میں حاضر ہوگا میں اس سے سوال کروں گا کہ آیا تم نے میری اطاعت اور عبادت کی تھی یا سرکشی، نافرمانی اور بغاوت کی تھی۔

طائر کا لغوی اور عرفی معنی

طائر ہر اس جانور کو کہتے ہیں جس کے پر ہوں اور وہ ہوا میں اڑتا پھرے، اس کی جمع طیر ہے، اصل میں تو طائر کا معنی اڑنے والا ہے مگر زمانہ جاہلیت میں عربوں کا معمول تھا کہ جب وہ کسی اہم کام کا ارادہ کرتے تو پرندوں کو بلاتے اور ان سے فال نکالتے اگر پرندہ بائیں جانب اڑ جاتا تو وہ اس سے بدشگونی اور بری فال نکالتے اور اس کام کو منحوس جانتے اور پھر اس کام کو نہ کرتے، اس طرح طائر کے لفظ کا استعمال شگون لینے کے لیے ہونے لگا اور طائر اور طیر کو نحوست کے لیے استعمال کیا جانے لگا، ہمارے محاورات میں بھی مشہور ہے کہ آدمی کسی کام کے لیے جا رہا ہو اور بلی راستہ کاٹ جائے تو اس کام کو منحوس خیال کرتے ہیں اور پھر اس کام پر نہیں جاتے، لفظ طائر کا استعمال حصہ اور نصیب کے معنی میں بھی ہوتا ہے، علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ تطیر کی اصل ہے لوگوں میں مال متفرق کر دینا اور اڑا دینا، پھر اس کا زیادہ استعمال برائی اور نحوست میں ہونے لگا، طائرہ کا معنی ہے اس کی شامت اعمال یا اس کی بری قسمت، طائرھم کا معنی ہے ان کی نحوست اور ان کی بدشگونی۔

وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ؕ اَلَاۤ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (الاعراف: ۱۳۱) اور اگر انہیں کوئی برائی پہنچتی تو اسے موسیٰ اور ان کے اصحاب کی نحوست قرار دیتے، سنو! اللہ کے نزدیک ان ہی کی نحوست ہے لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ نے لکھا ہے کہ طائر کا اطلاق عمل پر بھی کیا جاتا ہے خواہ وہ نیک عمل ہو یا بد عمل ہو جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ۔ اور ہم نے ہر انسان کا اعمال نامہ اس کے گلے میں لٹکا دیا ہے۔ (بنی اسرائیل: ۱۳)

ہم ان شاء اللہ اس کی وضاحت کریں گے۔

طائر (بدشگونی) کے متعلق احادیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی مرض (خود بہ خود) متعدی نہیں ہوتا اور نہ کوئی تطیر (بدشگونی اور نحوست) ہے اور نہ الو (کی کوئی تاثیر) ہے اور نہ صفر (میں کوئی نحوست) ہے، اور مجذوم سے اس طرح بھاگو جس طرح شیر سے بھاگتے ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۰۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۲۰، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۱۱)

کسی چیز سے بدفالی نکال کر لوگ اپنے مطلوبہ کاموں سے رک جاتے تھے تو شریعت نے بتایا کسی نفع کے حصول یا کسی ضرر کے دور کرنے میں ان چیزوں کا کوئی دخل نہیں ہے۔

اسماعیل بن امیہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین چیزیں انسان کو عاجز نہیں کر سکتیں، بدفالی، بدگمانی اور حسد۔ آپ نے فرمایا بد شگونی سے تم کو یہ چیز نجات دے گی کہ تم اس پر عمل نہ کرو اور بدگمانی سے تمہیں یہ چیز نجات دے گی کہ تم اس کے متعلق کسی سے بات نہ کرو اور حسد سے تمہیں یہ چیز نجات دے گی کہ تم اپنے بھائی میں برائی نہ ڈھونڈو۔ (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۹۵۰۴، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۳ھ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طیرہ (بدشگونی) شرک سے ہے، اور ہم میں سے ہر شخص بدشگونی میں مبتلا ہے اور اس کی وجہ سے توکل جاتا رہتا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۱۴، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۱۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۳۸، مسند احمد ج ا ص ۳۸۹، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۵۰۹۲)

صحائف اعمال کو گلے میں لٹکانے کی توجیہ

ہم نے بتایا ہے کہ قرآن مجید کی اس آیت میں طائر کا معنی ہے اعمال خواہ نیک ہوں یا بد، امام ابو عبیدہ نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا ہر شخص کے لیے عقل، علم، عمر، رزق، سعادت اور شقاوت کی ایک خاص مقدار معین فرمادی اور انسان اس خاص مقدار سے تجاوز نہیں کر سکتا، اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ انسان اپنے اختیار سے نیک کام کرے گا یا بد اور اس کے نتیجہ میں وہ سعید ہوگا یا شقی ہوگا اور انسان اس مقدار سے تجاوز نہیں کر سکتا اور وہ مقدار لامحالہ اس پر چسپاں ہوگی، اور انسان کے گلے میں طائر (اعمال نامہ یا نوشتہ تقدیر) کو لٹکانے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو اس کے لیے مقدر کر دیا اور اس کے علم میں جن کا ہونا لازمی ہے وہ انسان کے لیے لازم ہیں اور وہ ان سے منحرف نہیں ہو سکتا جیسا کہ حدیث میں ہے قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے اس کو لکھ کر قلم خشک ہو چکا ہے۔ عقل، عمر، رزق، تنگی اور فراخی، بیماری اور صحت ان میں انسان کا کوئی اختیار نہیں ہے یہ محض اللہ کی تقدیر سے ہیں، اور نیک اعمال اور بد اعمال انسان کے اختیار سے ہیں اور ازل میں اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ انسان اپنے اختیار سے کیسے عمل کرے گا، اس نے ان تمام امور کو لکھ کر انسان کے گلے میں لٹکا دیا یعنی یہ تمام امور اس کے لیے لازم کر دیے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ عزوجل نے اپنی مخلوق کو ظلمت میں پیدا کیا پھر ان پر اپنا نور ڈالا پس جس شخص کو وہ نور پہنچ گیا وہ ہدایت پا گیا اور جس شخص نے اس نور سے خطا کی وہ گمراہ ہو گیا اسی وجہ سے میں کہتا ہوں کہ قلم اللہ کے علم کے مطابق لکھ کر خشک ہو چکا ہے۔ یہ حدیث حسن ہے۔

امام احمد کی روایت میں ہے قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے اس کو لکھ کر قلم خشک ہو چکا ہے (مسند احمد رقم الحدیث: ۶۸۵۴، مطبوعہ عالم الکتب بیروت)

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۴۲، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۱۷۰، ۶۱۶۹، المستدرک ج ا ص ۳۰، الشریعہ ص ۱۷۵)

اللہ تعالیٰ نے گردن میں اعمال نامہ ڈالنے کا ذکر فرمایا ہے کیونکہ اگر وہ نیک اعمال ہیں تو اس طرح ہیں جیسے زیب و زینت کے لیے گلے میں ہار ڈالا جاتا ہے اور اگر وہ بد اعمال ہیں تو جس طرح ذلت اور رسوائی کو ظاہر کرنے کے لیے گلے میں جوتیوں کا ہار یا طوق ڈالا جاتا ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ہم قیامت کے دن اس کا اعمال نامہ نکال لیں گے جس کو وہ کھلا ہوا پائے گا۔

امام ابن جریر لکھتے ہیں کہ حسن نے اس آیت کو تلاوت کر کے کہا: اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے ابن آدم! میں نے تیرے لیے تیرا صحیفہ اعمال کھول دیا ہے' اور دو مکرم فرشتے تیرے لیے مقرر کر دیے ہیں: ایک تیری دائیں جانب ہے اور دوسرا تیری بائیں جانب ہے' جو فرشتہ تیری دائیں جانب ہے وہ تیری نیکیوں کی حفاظت کرتا ہے اور جو فرشتہ تیری بائیں جانب ہے وہ تیری برائیوں کی حفاظت کرتا ہے' اب تو جو چاہے عمل کر' خواہ کم خواہ زیادہ' حتیٰ کہ جب تو مرجائے گا تو تیرا صحیفہ اعمال لپیٹ دیا جائے گا' اور وہ تیری گردن میں ڈال کر تیرے ساتھ تیری قبر میں رکھ دیا جائے گا حتیٰ کہ جب تو قیامت کے دن قبر سے اٹھے گا تو تو اس اعمال نامہ کو کھلا ہوا پائے گا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۶۷۱۹۸)

بندہ کا اپنے صحائف اعمال کو پڑھنا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اپنا اعمال نامہ پڑھ لو! آج تم خود ہی اپنا محاسبہ کرنے کے لیے کافی ہو۔

امام عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

حسن نے کہا اس اعمال نامہ کو ہر شخص پڑھے گا خواہ وہ دنیا میں امی ہو یا غیر امی ہو' اور یہ جو فرمایا ہے کہ وہ اپنے محاسبہ کے لیے خود کافی ہے اس کی تفسیر میں تین قول ہیں:

اس کا معنی ہے محاسب یا شاہد ہے یا کافی ہے' یعنی انسان کی طرف اس کا حساب سونپ دیا جائے گا تاکہ وہ بندوں کے درمیان اللہ کے عدل اور فضل کو جان سکے' اور وہ یہ جان لے کہ اس کے خلاف اللہ تعالیٰ کی حجت قائم ہے اور وہ اپنے اعمال کے مطابق سزا کا مستحق ہے اور وہ یہ جان لے کہ اگر وہ جنت میں داخل ہوا ہے تو اللہ عزوجل کے فضل سے داخل ہوا ہے نہ کہ اپنے عمل کی وجہ سے اور اگر وہ دوزخ میں داخل ہوا ہے تو اپنے گناہوں کی وجہ سے۔

(زاد المسیر ج ۵ ص ۱۶' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جس نے ہدایت کو اختیار کیا تو اس نے اپنے ہی فائدے کے لیے ہدایت کو اختیار کیا ہے' اور جو شخص گمراہی کو اختیار کرتا ہے تو اس کی گمراہی کا ضرر بھی اسی کو ہوگا' اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا' اور ہم اس وقت تک عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک کہ ہم رسول نہ بھیج دیں ○ (بنی اسرائیل: ۱۵)

اولاد اور شاگردوں کی نیکیوں کا ماں باپ اور اساتذہ کو ملنے کا جواز

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: ہم نے ہر انسان کا اعمال نامہ اس کے گلے میں لٹکا دیا ہے' اور اس کا معنی یہ ہے کہ ہر شخص اپنے عمل کے ساتھ مختص ہے' اور اسی معنی کو اللہ تعالیٰ نے یہاں دوسری طرح تعبیر فرمایا' کہ جس نے ہدایت کو اختیار کیا تو اس نے اپنے فائدہ ہی کے لیے ہدایت کو اختیار کیا ہے' اور جو شخص گمراہی کو اختیار کرتا ہے تو اس کی گمراہی کا ضرر بھی اسی کو ہوگا یعنی کسی نیک عمل کا ثواب اس نیک عمل کرنے والے ہی کو ہوگا اور اس کی نیکی کا ثواب کسی دوسرے کو نہیں ہوگا سوا اس صورت کے کہ اس نے اپنے نیک عمل کا ثواب کسی کو پہنچایا ہو جیسے حج بدل اور ایصال ثواب کی دوسری صورتیں جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ○ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ○ ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى ○ (النجم: ۴۱-۳۹)	اور یہ کہ انسان کو اسی عمل کا اجر ملے گا جس کی اس نے کوشش کی ہے ○ اور یہ کہ اس کے عمل کو عنقریب دیکھا جائے گا ○ پھر اس کے عمل کی پوری پوری جزا دی جائے گی۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اولاد کی نیکیوں کا اجر ماں باپ کو ملتا ہے اور علماء کی تعلیم اور تبلیغ سے نیک عمل کرنے والوں

کا اجر ان علماء اور مبلغین کو ملتا ہے اور حج بدل کرنے والے کے حج کا اجر حج کرانے والے کو ملتا ہے' اور دعا اور استغفار اور شفاعت سے ان لوگوں کو اجر ملتا ہے اور ان کی مغفرت ہوتی ہے اور اس میں کسی کی نیکی کا اجر دوسرے کو پہنچتا ہے اور یہ اس آیت کے خلاف ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں جو فرمایا ہے کہ کسی شخص کی سعی کا اجر اسی کو ملے گا اس آیت میں سعی اور عمل سے مراد عام ہے خواہ اس شخص نے وہ عمل کیا ہو یا اس سعی اور عمل کا سبب فراہم کیا ہو' مثلاً ماں باپ' اساتذہ' اور مبلغین نے اپنی اولاد اور تلامذہ اور عام لوگوں کو نیک کام کی تعلیم و تربیت دی اور نیکی کی تلقین کی اس سبب سے انہوں نے نیک کام کیے' اس لیے اولاد اور تلامذہ کی نیکیاں ماں باپ اور اساتذہ کی ہی نیکیاں ہیں اور ان کو اپنی ہی نیکیوں کا اجر ملتا ہے' اسی طرح کوئی شخص دوسرے کے لیے جبھی دعا' استغفار اور شفاعت کرتا ہے جب وہ اس کے ساتھ کوئی نیکی کرتا ہے تو حقیقت میں اسے اپنی ہی نیکی کا اجر مل رہا ہے' اور حج بدل کرانے والے کو حج کا ثواب اس لیے ملتا ہے کہ وہ اس حج کا خرچہ اٹھاتا ہے تو یہ بھی اس شخص کی نیکی ہے' اس طرح ہر شخص کو اپنی نیکی کا اجر ملتا ہے خواہ اس کی یہ نیکی بالواسطہ ہو یا بلاواسطہ۔

انسان اپنے افعال میں مجبور نہیں ہے مختار ہے

نیز یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ انسان اپنے اعمال میں مجبور نہیں ہے اس کو اختیار دیا جاتا ہے کہ خواہ وہ نیک عمل کرے خواہ برے عمل کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: جس نے ہدایت کو اختیار کیا تو اس نے اپنے ہی فائدہ کے لیے اختیار کیا ہے اور جس نے گمراہی کو اختیار کیا تو اس کی گمراہی کا ضرر بھی اسی کو ہوگا' پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا: اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ اس آیت کی دو تفسیریں ہیں:

(۱) کسی شخص سے دوسرے شخص کے گناہوں کا حساب نہیں لیا جائے گا اور دوسرے شخص سے اس کے گناہوں کا حساب نہیں لیا جائے گا بلکہ ہر شخص صرف اپنے گناہوں کا جواب دہ اور ذمہ دار ہے۔

(۲) کسی شخص کو دوسروں کے برے اعمال کی پیروی نہیں کرنی چاہیے کیونکہ اس وجہ سے ان کی نجات نہیں ہوگی کہ یہ برے اعمال اس نے از خود نہیں کیے بلکہ دوسروں کے برے اعمال کی پیروی کی ہے جیسا کہ کافروں نے کہا تھا:

بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ۔ (الزخرف: ۲۲)

بلکہ وہ کہتے ہیں کہ بے شک ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک دین پر پایا اور بے شک ہم ان ہی کے نشانات پر چل کر ہدایت پانے والے ہیں○

آیا گھر والوں کے رونے سے میت کو عذاب ہوتا ہے یا نہیں؟

اس آیت سے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ استدلال کیا تھا کہ میت پر زندہ لوگوں کے رونے سے میت کو عذاب نہیں ہوتا اس کی تفصیل ان حدیثوں میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ فرماتے تھے کہ میت پر گھر والوں کے رونے سے میت کو عذاب ہوتا ہے' پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو زخمی کر دیا گیا تو حضرت صہیب ان کے پاس روتے ہوئے آئے اور کہنے لگے ہائے میرے بھائی! ہائے میرے صاحب! حضرت عمر نے کہا اے صہیب تم مجھ پر رو رہے ہو حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے گھر والوں کے رونے سے میت کو عذاب دیا جاتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۸۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۲۷' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۸۴۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۵۹۳)

نیز حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عمر شہید ہو گئے تو میں نے حضرت عمر کا یہ قول

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بتایا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اللہ تعالیٰ عمر پر رحم فرمائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ گھر والوں کے رونے سے میت کو عذاب دیا جاتا ہے بلکہ یہ فرمایا تھا کہ گھر والوں کے رونے سے کافر کے عذاب کو زیادہ کیا جاتا ہے، اور تمہارے لیے قرآن مجید کی یہ آیت کافی ہے:

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی۔ — اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

(الانعام: ۱۶۴) (بنی اسرائیل: ۱۳)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۸۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۲۸-۹۲۷، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۸۴۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۵۹۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک یہودیہ کی قبر کے پاس سے گزرے جس کے گھر والے اس پر رو رہے تھے، آپ نے فرمایا یہ اس پر رو رہے ہیں اور اس کو قبر میں عذاب ہو رہا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۸۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۳۲، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۰۰۴، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۸۵۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مطلب یہ تھا کہ جب کوئی شخص کسی کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا تو گھر والوں کے رونے سے میت کو عذاب کیوں ہوگا، اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسائل میں اصاغر صحابہ اکابر صحابہ سے دلائل کے ساتھ عزت واحترام سے اختلاف کرتے تھے اور اس وجہ سے کوئی صحابی دوسرے صحابی پر طعن نہیں کرتا تھا نہ ان کے متبعین طعن کرتے تھے، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں نے ائمہ مجتہدین سے لے کر علامہ شامی تک تمام اکابر فقہاء سے اختلاف کیا ہے اور اس چیز کو ان کے فضائل میں شمار کیا جاتا ہے۔

اس مسئلہ میں بعض دوسرے فقہاء کی رائے یہ ہے کہ اگر کسی گھر میں مرنے والے پر رویا جاتا ہو تو اس گھر کے کسی فرد پر اگر رویا جائے تو اس کے رونے سے اس کو قبر میں عذاب ہوگا کیونکہ اس پر لازم تھا کہ وہ گھر والوں کو میت پر رونے سے منع کرتا اور جب اس نے ان کو اس سے منع نہیں کیا تو اس کے مرنے کے بعد ان کے رونے سے اس کو عذاب دیا جائے گا، قرآن مجید میں ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ نَارًا۔ (التحریم: ۶) — اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔

انسان پر صرف یہ لازم نہیں ہے کہ وہ صرف اپنے آپ کو برے کاموں سے بچائے بلکہ اس پر یہ بھی لازم ہے کہ وہ اپنے ماتحت لوگوں کو بھی برے کاموں سے بچائے، اگر وہ خود برے کاموں سے بچا رہا اور اس کے ماتحت لوگ برائیوں میں مبتلا رہے اور اس نے ان کو برے کاموں سے نہیں روکا تو اس سے باز پرس ہوگی اور وہ عذاب کا مستحق ہوگا۔ حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تم میں سے ہر شخص محافظ ہے اور ہر شخص سے اس کی رعیت کے متعلق سوال کیا جائے گا، امام محافظ ہے اور اس سے اس کی رعیت کے متعلق سوال کیا جائے گا، مرد اپنے گھر کا محافظ ہے اور اس سے اس کی رعیت کے متعلق سوال کیا جائے گا، عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگران ہے اور اس سے اس کی رعیت کے متعلق سوال کیا جائے گا، خادم اپنے مالک کے گھر کا محافظ ہے اور اس سے اس کی رعیت کے متعلق سوال کیا جائے گا اور ایک شخص اپنے باپ کے مال کا محافظ ہے اور اس سے اس کی رعیت کے متعلق سوال کیا جائے گا، تم میں سے ہر شخص محافظ ہے اور ہر شخص سے اس کی رعیت کے متعلق سوال کیا جائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۹۳۸۱۸، سنن الترمذی رقم الحدیث:۱۰۰۵، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث:۶۶۷۹۰، مسند احمد رقم الحدیث:۴۴۹۵)
جب ہر شخص پر یہ لازم ہے کہ وہ اپنے ماتحت لوگوں کی گناہوں سے حفاظت کرے تو اگر کسی گھرانے میں میت پر رونے کی رسم ہو تو اس گھر کے بڑے پر لازم ہے کہ وہ میت پر رونے سے منع کرے ورنہ اگر اس پر رویا گیا تو اس کو بھی عذاب ہو گا، امام بخاری نے یہ فرمایا ہے کہ اگر اس نے یہ وصیت کی تھی کہ مرنے کے بعد اس پر رویا جائے تو پھر وہ عذاب دیے جانے کا مستحق ہو گا۔

جن لوگوں تک دین کے احکام نہیں پہنچے ان کو عذاب ہونے یا نہ ہونے کی تحقیق

اس آیت میں یہ فرمایا ہے اور ہم اس وقت تک عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک کہ رسول نہ بھیج دیں○ (بنی اسرائیل: ۱۵)

اس آیت سے یہ مسئلہ نکالا گیا ہے کہ جو لوگ اصحاب فترت ہیں یعنی جس زمانہ کے لوگوں کے پاس کوئی رسول نہیں آیا جیسے اہل مکہ کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے کوئی رسول نہیں آیا تھا، قرآن مجید میں ہے:

یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا یُبَیِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ۔ (المائدہ: ۱۹)

اے اہل کتاب بے شک تمہارے پاس ہمارا رسول آگیا ہے جو تمہارے لیے (ہمارے احکام) بیان فرماتا ہے اس کے بعد کہ رسولوں کی آمد مدتوں رکی رہی تھی۔

اسی طرح وہ لوگ جو بلوغت کا زمانہ پانے سے پہلے بچپن میں فوت ہو گئے تھے اور وہ لوگ جو دور دراز کے علاقوں میں رہتے ہیں جہاں تک دین کے احکام نہیں پہنچے، ایسے تمام لوگوں کو صرف دنیا میں یا دنیا اور آخرت میں عذاب نہیں دیا جائے گا یہ ایک معرکۃ الاراء مسئلہ ہے، اس سلسلہ میں پہلے ہم قرآن مجید کی آیات بیان کریں گے، پھر احادیث بیان کریں گے اور اس کے بعد متکلمین کے مذاہب اور ان کے نظریات بیان کریں گے فنقول وباللہ التوفیق۔

جن لوگوں تک دین کے احکام نہیں پہنچے ان کے متعلق قرآن مجید کی آیات

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى یَبْعَثَ فِیْۤ اُمِّهَا رَسُوْلًا یَّتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِنَا۔ (القصص: ۵۹)

اور آپ کا رب اس وقت تک بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہیں ہے جب تک کہ ان کی کسی بڑی بستی میں ایک رسول نہ بھیج دے جو ان پر ہماری آیتوں کی تلاوت کرے۔

نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

كُلَّمَاۤ اُلْقِیَ فِیْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَاۤ اَلَمْ یَاْتِكُمْ نَذِیْرٌ○ قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِیْرٌ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ كَبِیْرٍ○ (الملک: ۹-۸)

جب بھی دوزخ میں کوئی گروہ ڈالا جائے گا تو اس کے محافظ کہیں گے کیا تمہارے پاس کوئی اللہ کے عذاب سے ڈرانے والا نہیں آیا تھا؟○ وہ کہیں گے کیوں نہیں! بے شک ہمارے پاس عذاب سے ڈرانے والے آئے تھے، سو ہم نے ان کو جھٹلایا اور ہم نے کہا اللہ نے کوئی چیز نازل نہیں کی اور تم صرف بہت بڑی گمراہی میں ہو۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ صرف ان ہی لوگوں پر عذاب ہو گا جن کے پاس رسول آئے اور انہوں نے ان کی تکذیب

کی۔

وَسِيۡقَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا‌ ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوۡهَا فُتِحَتۡ اَبۡوَابُهَا وَقَالَ لَهُمۡ خَزَنَتُهَاۤ اَلَمۡ يَاۡتِكُمۡ رُسُلٌ مِّنۡكُمۡ يَتۡلُوۡنَ عَلَيۡكُمۡ اٰيٰتِ رَبِّكُمۡ وَيُنۡذِرُوۡنَكُمۡ لِقَآءَ يَوۡمِكُمۡ هٰذَا‌ ؕ قَالُوۡا بَلٰى وَلٰـكِنۡ حَقَّتۡ كَلِمَةُ الۡعَذَابِ عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ ۞ (الزمر: ۷۱)

اور کافروں کو گروہ در گروہ دوزخ کی طرف ہانکا جائے گا، یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس پہنچ جائیں گے (پھر) اس کے دروازے کھول دیے جائیں گے، اور دوزخ کے نگہبان ان سے کہیں گے کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے رسول نہیں آئے تھے جو تم پر تمہارے رب کی آیات تلاوت کرتے تھے، اور تمہیں اس دن کے آنے سے ڈراتے تھے، وہ کہیں گے کیوں نہیں! مگر عذاب کا حکم کافروں پر ثابت ہو گیا۔

ان آیات کے علاوہ اور بھی آیات ہیں جن کو ہم مذاہب علماء کے ضمن میں بیان کریں گے۔ اب ہم اس سلسلہ میں احادیث بیان کر رہے ہیں:

جن لوگوں تک دین کے احکام نہیں پہنچے ان کے متعلق احادیث

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب قیامت کا دن ہو گا اور اللہ تبارک و تعالیٰ ان تمام روحوں کو جمع کرے گا جو زمانہ فترت (انقطاع نبوت کا زمانہ) میں مر گئے تھے اور کم عقل اور بہرے اور گونگے لوگوں کی روحوں کو اور ان بوڑھے لوگوں کی روحوں کو کہ جب اسلام آیا ان کی بڑھاپے کی وجہ سے عقل فاسد ہو چکی تھی، پھر اللہ تعالیٰ ان کے پاس ایک فرشتہ بھیجے گا جو ان سے کہے گا کہ تم سب دوزخ میں داخل ہو جاؤ، وہ کہیں گے کیوں ہمارے پاس کوئی رسول نہیں آیا تھا اور اللہ کی قسم اگر وہ اس میں داخل ہو جاتے تو وہ دوزخ ان پر ٹھنڈک اور سلامتی والی ہو جاتی، پھر اللہ ان کی طرف ایک رسول بھیجے گا اور ان میں سے جو ان کی اطاعت کرنی چاہے گا وہ ان کی اطاعت کرے گا، پھر حضرت ابو ہریرہ نے کہا اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو!

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيۡنَ حَتّٰى نَبۡعَثَ رَسُوۡلًا‏ ۔ (بنی اسرائیل: ۱۵)

اور ہم اس وقت تک عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک رسول نہ بھیج دیں۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۶۷۲۲، تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۳۲۱۳، الدر المنثور ج ۵ ص ۲۵۵۔ ۲۵۴)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

اسود بن سریع بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن چار قسم کے آدمی پیش ہوں گے، ایک بہرہ شخص جو کچھ نہیں سنتا تھا، ایک احمق آدمی، اور ایک بہت بوڑھا آدمی اور ایک وہ آدمی جو زمانہ فترت (جس زمانہ میں کوئی رسول نہیں تھا) میں فوت ہو گیا تھا، بہرہ شخص کہے گا، اے میرے رب! اسلام جس وقت آیا میں کچھ نہیں سنتا تھا اور رہا احمق تو وہ یہ کہے گا: اے میرے رب جس وقت اسلام آیا تو بچے مجھ پر اونٹ کی مینگنیاں پھینکتے تھے، اور بہت بوڑھا شخص کہے گا اے میرے رب! جس وقت اسلام آیا تو میں کچھ نہیں سمجھتا تھا اور جو شخص زمانہ فترت میں فوت ہو گیا تھا وہ کہے گا: اے میرے رب! میرے پاس تیرا کوئی رسول نہیں آیا جو مجھ سے عہد لیتا اور میں اس کی اطاعت کرتا، آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں محمد کی جان ہے! اگر یہ لوگ دوزخ میں داخل ہو جاتے تو وہ ان پر ٹھنڈک اور سلامتی بن جاتی۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۲۴، طبع قدیم، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۶۴۱۰، مطبوعہ عالم الکتب بیروت،)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن اس شخص کو لایا جائے گا جس کی عقل ناقص ہو چکی تھی اور اس شخص کو لایا جائے گا جو زمانہ فترت میں ہلاک ہو چکا تھا اور اس شخص کو لایا جائے گا جو بچپن میں مر گیا تھا، جس شخص کی عقل ناقص تھی وہ کہے گا: اے میرے رب کاش تو مجھے صحیح عقل عطا فرماتا تو میں اپنی عقل سے کامیاب ہو جاتا اور جو شخص زمانہ فترت میں ہلاک ہو چکا تھا وہ کہے گا: اے میرے رب! اگر تو میرے پاس اپنا پیغام بھیجتا تو میں تیرے پیغام پر عمل کر کے کامیاب ہو جاتا، اور جو شخص بچپن میں مر گیا تھا وہ کہے گا: اے میرے رب! اگر تو مجھے طویل عمر دیتا تو میں اس عمر میں نیک عمل کر کے کامیاب ہو جاتا، رب سبحانہ فرمائے گا میں تم کو ایک کام کرنے کا حکم دیتا ہوں کیا تم میری اطاعت کرو گے؟ وہ کہیں گے: ہاں ہمارے رب تیری عزت کی قسم! اللہ سبحانہ فرمائے گا جاؤ! دوزخ میں داخل ہو جاؤ! آپ نے فرمایا اگر وہ دوزخ میں داخل ہو جاتے تو وہ ان کو بالکل نقصان نہیں پہنچاتی، پھر دوزخ کی آگ کے ٹکڑے ان کی طرف اس طرح جھپٹیں گے جیسے شکاری جانور شکار کی طرف جھپٹتا ہے اور وہ یہ گمان کریں گے کہ اللہ نے جس چیز کو بھی پیدا کیا ہے یہ اس کو ہلاک کر دے گی سو وہ واپس آ جائیں گے اور کہیں گے اے ہمارے رب! ہم دوزخ میں داخل ہونے کے لیے گئے تو آگ کے ٹکڑے ہم پر جھپٹنے کے لیے آگے بڑھے اور ہم نے یہ گمان کیا کہ اللہ نے جس چیز کو بھی پیدا کیا ہے یہ آگ اس کو ہلاک کر دے گی، اللہ تعالیٰ ان کو دوبارہ حکم دے گا وہ دوبارہ پہلے کی طرح لوٹ آئیں گے، رب سبحانہ فرمائے گا میں تم کو پیدا کرنے سے پہلے جانتا تھا کہ تم کیا کرو گے، میں نے اپنے علم کے مطابق تم کو پیدا کیا اور میرے علم کے مطابق ہی تمہارا انجام ہونا ہے پھر ان کو دوزخ کی آگ پکڑ لے گی۔ (تمہید ج ۷ ص ۲۷۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۹ھ العلل المتناہیہ ج ۲ ص ۴۷۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ بتایئے کہ جو شخص بچپن میں فوت ہو گیا وہ آخرت میں کہاں ہو گا؟ آپ نے فرمایا اللہ ہی زیادہ جاننے والا ہے کہ وہ (بڑے ہو کر) کیا عمل کرنے والے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۰۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۵۹، مسند احمد رقم الحدیث: ۷۳۲۱، عالم الکتب، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۱۴، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۶۵)

حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انصار کے ایک بچے کے جنازہ میں بلایا گیا، میں نے کہا یا رسول اللہ! اس بچے کے لیے سعادت ہو! یہ جنت کی چڑیوں میں سے ایک چڑیا ہے، اس نے کوئی برائی کی نہ کسی برائی کو پایا، آپ نے فرمایا اے عائشہ! اس کے علاوہ بھی کچھ ہو سکتا ہے! اللہ تعالیٰ نے جنت کے لیے کچھ لوگوں کو پیدا کیا ہے اور ان کو جنت کے لیے اس وقت پیدا کیا جس وقت وہ اپنے باپوں کی پشتوں میں تھے، اور کچھ لوگوں کو دوزخ کے لیے پیدا کیا اور جس وقت ان لوگوں کو دوزخ کے لیے پیدا کیا اس وقت وہ اپنے باپوں کی پشتوں میں تھے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۶۲، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۱۳، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۹۴۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۸۲)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس لڑکے کو حضرت خضر علیہ السلام نے قتل کیا تھا اس پر کفر کی مہر تھی اور اگر وہ زندہ رہتا تو اپنے ماں باپ کو بھی کفر اور گمراہی میں مبتلا کر دیتا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۶۱، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۰۵، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۹۵۲)

جن لوگوں تک دین کے احکام نہیں پہنچے ان کے متعلق فقہاء مالکیہ کے نظریات

نیز اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ہم اس وقت تک عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک رسول نہ بھیج دیں۔ اس آیت سے اس چیز پر استدلال کیا گیا ہے کہ جس جزیرہ میں توحید اور رسالت کے دلائل نہ پہنچے ہوں ان لوگوں کے

لیے اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا ضروری نہیں ہے، علامہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ احکام صرف شرع سے ثابت ہوتے ہیں اور معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ عقل میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ چیزوں کا حسن اور قبح معلوم کر سکے اور بعض چیزوں کو مباح اور بعض کو ممنوع قرار دے سکے، اور جمہور یہ کہتے ہیں کہ یہ دنیا کا حکم ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کسی قوم کی طرف رسول بھیجے بغیر اور اس کو ڈرائے بغیر اس پر عذاب نازل نہیں فرمائے گا، اور ایک فرقہ نے کہا رسول کو بھیجے بغیر دنیا میں عذاب نازل فرمائے گا اور نہ آخرت میں عذاب دے گا، کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ۖ كُلَّمَا أُلْقِيَ فِيهَا فَوْجٌ سَأَلَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيرٌ ۝ قَالُوا بَلَىٰ قَدْ جَاءَنَا نَذِيرٌ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ كَبِيرٍ ۝ (الملک: ۹-۸)

گویا شدت غضب سے دوزخ ابھی پھٹ جائے گی، جب بھی دوزخ میں کوئی گروہ ڈالا جائے گا تو دوزخ کے نگہبان ان سے پوچھیں گے کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا○ وہ کہیں گے کیوں نہیں! ہمارے پاس ڈرانے والے آئے تھے، پس ہم نے ان کو جھٹلایا اور کہا اللہ نے کوئی چیز نازل نہیں کی اور تم محض بہت بڑی گمراہی میں مبتلا ہو۔

اس آیت سے واضح ہو گیا کہ آخرت میں ان ہی لوگوں کو عذاب ہو گا جن کے پاس رسول پہنچ گئے تھے، سو جس علاقہ میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور رسالت کا پیغام نہیں پہنچا ان پر دنیا میں عذاب نازل ہو گا اور نہ آخرت میں انہیں عذاب پہنچے گا۔

ابن عطیہ نے کہا نظر کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو توحید کے ساتھ بھیجا اور حضرت آدم نے تمام عقائد کی اپنے بیٹوں میں تبلیغ کر دی اور اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید پر دلائل قائم کر دیے جب کہ فطرت سلیمہ ہر شخص پر یہ واجب کرتی ہے کہ وہ اللہ پر ایمان لائے اور اس کی شریعت کی اتباع کرے، پھر حضرت نوح علیہ السلام نے کفار کے غرق ہونے کے بعد اپنی اولاد میں ان عقائد اور احکام کی تبلیغ کی، اور اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں تک رسالت کا پیغام نہیں پہنچا اور وہ اہل الفترات ہیں ان کو ایمان نہ لانے پر عذاب نہیں ہو گا۔

بعض روایات میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مجنونوں اور بچوں کی طرف رسول بھیجے گا مگر یہ حدیث صحیح نہیں ہے، اور شریعت کا بھی یہی تقاضا ہے کیونکہ آخرت دار تکلیف نہیں ہے، اور حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اہل فترت اور گونگوں اور بہروں کی طرف رسول بھیجے گا اور وہ ان کو دنیا میں جو جواب دیتے وہی جواب دیں گے یہ حدیث بھی صحیح نہیں ہے، اور ایک قوم نے یہ کہا ہے کہ جو لوگ جزیروں میں رہتے ہیں جب وہ اسلام کی خبر سنیں اور ایمان لائیں تو وہ ماضی کے عمل کے مکلف نہیں ہوں گے اور یہ صحیح ہے، اور جس شخص تک اسلام کی دعوت نہیں پہنچی وہ عقلاً عذاب کا مستحق نہیں ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۱۰ ص ۲۰۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

جن لوگوں تک دین کے احکام نہیں پہنچے ان کے متعلق فقہاء احناف کا نظریہ

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

متکلمین اشاعرہ اور فقہاء شافعیہ کا یہ نظریہ ہے کہ اہل فترت (جن کے زمانہ میں کوئی رسول نہیں تھا) کو مطلقاً عذاب نہیں دیا جائے گا دنیا میں نہ آخرت میں، اور جس احادیث میں یہ وارد ہے کہ آخرت میں ان کا امتحان لیا جائے گا یا اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق ان میں سے جو ایمان لانے والے ہوں گے ان کو جنت میں بھیج دیا جائے گا اور جن کے متعلق اس کو یہ علم ہو گا

وہ ایمان نہیں لائیں گے ان کو دوزخ میں بھیج دیا جائے گا' (ہم عنقریب ان احادیث کو باحوالہ بیان کریں گے) ان کا جواب یہ ہے کہ یہ احادیث اخبار احاد ہیں وہ ان نصوص کے مزاحم نہیں ہو سکتیں جن میں یہ تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ رسولوں کے بھیجنے سے پہلے عذاب نہیں دے گا' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اہل فترت میں سے بعض کو عذاب دیا جائے اور اس کی وجہ کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی علم ہے اور وہ بعض اہل فترت ان آیات کے عموم سے مستثنیٰ ہوں' اور استثناء کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ذکر ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے ایک لڑکے کو بچپن میں قتل کر دیا تھا کیونکہ اس نے بڑے ہو کر کافر ہونا تھا اسی طرح احادیث میں ذکر ہے کہ زمانہ فترت میں عمرو بن لحی نے جو کفریہ کام کیے تھے ان کی وجہ سے اس کو دوزخ میں عذاب ہو گا اور وہ اپنی انتڑیاں گھسیٹ رہا ہو گا' کیونکہ وہ پہلا شخص تھا جس نے بحیرہ' سائبہ' وصیلہ اور حام کے نام رکھے' ان کو بتوں کے لیے نامزد کیا اور ان کے کھانے کو حرام قرار دیا اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اصحاب فترت میں سے ان لوگوں کو عذاب نہیں ہو گا جن تک کسی بھی رسول کے احکام نہ پہنچے ہوں اور جو طریقہ انبیاء سابقین سے چلا آ رہا ہو اس میں انہوں نے تغیر اور تبدل نہ کیا ہو اور بت پرستی نہ کی ہو کیونکہ شرک اور بت پرستی ایسے گناہ ہیں جن کو معاف نہیں کیا جائے گا اور ان میں کوئی شخص معذور نہیں ہے۔

اور جس نظریہ کی طرف قلب مائل ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی وحدت اور اس کے اولاد سے منزہ ہونے کے لیے کسی شریعت سابقہ کے وارد ہونے سے پہلے بھی انسان کی عقل کافی ہے اور اللہ تعالیٰ کا رسولوں کو بھیجنا اور کتابوں کو نازل فرمانا محض اس کی رحمت ہے یا اس نے اس لیے رسولوں کو بھیجا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادات کی اقسام اور مختلف جرائم کی حدود کو انسان محض اپنی عقل سے نہیں جان سکتا' ورنہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کی معرفت اور اس کی توحید کو جاننے کے لیے انسان کی عقل کافی ہے کیونکہ ریگستان میں پڑی ہوئی اونٹوں کی مینگنیاں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ یہاں سے اونٹوں کا گزر ہوا ہے تو سورج' چاند اور ستاروں سے معمور فضاء آسمان اور سمندروں' دریاؤں اور چشموں والی زمین اللہ تعالیٰ کے وجود پر کیوں دلالت نہیں کرے گی!

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ دوزخ کے فرشتے دوزخیوں سے کہیں گے:

اَوَلَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا بَلٰى۔ (المؤمن: ۵۰)

کیا تمہارے پاس رسول روشن نشانیاں لے کر نہیں آئے تھے؟ وہ کہیں گے کیوں نہیں!

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ۔ (النساء: ۱۶۵)

ہم نے خوش خبری دیتے ہوئے اور عذاب کی وعید سناتے ہوئے رسول بھیجے تاکہ رسولوں کو بھیجنے کے بعد اللہ کے سامنے لوگوں کے لیے عذر پیش کرنے کا کوئی موقع نہ رہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو بھیجنے کی حکمت بیان فرمائی:

وَلَوْ اَنَّاۤ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَاۤ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى ○ (طٰہٰ: ۱۳۴)

اور اگر ہم رسولوں کو بھیجنے سے پہلے ان کو کسی عذاب سے ہلاک کر دیتے تو وہ ضرور کہتے کہ اے ہمارے رب! تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا تاکہ ہم ذلیل و خوار ہونے سے پہلے تیری آیتوں کی پیروی کر لیتے۔

نیز فرمایا:

ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ○ (الانعام: ۱۳۱)

یہ اس لیے کہ آپ کا رب بستیوں والوں کو ظلماً ہلاک کرنے والا نہیں اس حال میں کہ وہ (رسولوں کی تعلیمات سے) بے خبر ہوں۔

ایسی تمام آیتوں کا محمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ رسولوں کو بھیجے بغیر ان پر اس دنیا میں عذاب نازل نہیں فرمائے گا، لیکن آخرت میں کفار کے لیے عذاب لازم ہے، اور ان اہل فترت پر بھی عذاب ہو گا جن کو اللہ تعالیٰ نے عقل اور شعور عطا کیا تھا اور ان کو غور و فکر اور استدلال کرنے کی قوت عطا کی تھی جس سے وہ اس جہان کو دیکھ کر اس کے پیدا کرنے والے کو جان سکتے تھے، خاص طور پر وہ لوگ جن تک رسولوں میں سے کسی نہ کسی رسول کا پیغام پہنچ چکا تھا۔

اور ایسے کسی علاقہ کا پایا جانا بہت مشکل ہے جہاں کے لوگوں تک کسی نہ کسی رسول کا پیغام نہ پہنچا ہو، ہو سکتا ہے کہ کسی زمانہ میں امریکہ کے کسی دور دراز جزیرہ یا افریقہ کے جنگلات میں کوئی ایسی جگہ ہو، لیکن آج کی مہذب دنیا میں جب کہ پوری دنیا کی چھان بین کرلی گئی ہے اور روئے زمین کے ہر گوشہ کے متعلق معلومات اکٹھی کی جاچکی ہیں کسی ایسے علاقہ کا پایا جانا بہت مشکل ہے جہاں پر کسی بھی ذریعہ سے کسی نہ کسی رسول کا پیغام نہ پہنچا ہو، پھر ائمہ اور فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ جن لوگوں تک کسی رسول کا پیغام نہیں پہنچا آیا ان کو اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے عذاب ہو گا یا نہیں، بعض کے نزدیک ان کو بالکل عذاب نہیں ہو گا اور بعض ائمہ کے نزدیک ان لوگوں کو عذاب ہو گا جن کے پاس غور و فکر کرنے کی صلاحیت تھی، باقی رہا تمام قسم کی عبادات کو بجالانا اور جرائم کا ارتکاب نہ کرنا اور جرائم کے ارتکاب کرنے والے پر حدود جاری کرنا سو ظاہر ہے کہ یہ رسولوں کی تعلیمات کے بغیر نہیں ہو سکتا سو جن لوگوں تک رسولوں کا پیغام نہ پہنچا ہو ان پر ان امور کے ترک کی وجہ سے مطلقاً عذاب نہیں ہو گا۔

علامہ عبدالحق خیر آبادی متوفی ۱۳۱۸ھ لکھتے ہیں:

بعض احناف نے یہ کہا ہے کہ بعض احکام کا ادراک کرنے میں عقل مستقل ہے، اس لیے انہوں نے کہا کہ ایمان واجب ہے اور کفر حرام ہے، اسی طرح ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہ ہو مثلاً کذب اور جہل وغیرہ یہ بھی حرام ہے، حتیٰ کہ عقل مند بچہ جو ایمان اور کفر میں تمیز کر سکتا ہو اس پر ایمان لانا واجب ہے، اور اس مسئلہ میں ان کے اور معتزلہ کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، اور وہ (احناف) اس کے قائل ہیں کہ بعض اشیاء کا حکم عقل سے معلوم ہو جاتا ہے اور شرع پر موقوف نہیں ہوتا، اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے یہ منقول ہے کہ جو شخص اپنے خالق سے جاہل ہو اس کا عذر مقبول نہیں ہے، کیونکہ وہ اللہ کے وجود اور اس کی ذات پر دلائل کا مشاہدہ کر رہا ہے، اور حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات پر ایمان لانا تمام عقلاء کے نزدیک صفت کمال ہے او و اللہ تعالیٰ کا کفر کرنا سب کے نزدیک صفت نقصان ہے، نیز ایمان کا معنی ہے نعمت کا شکر ادا کرنا اور یہ صفت کمال ہے اور کفر کرنا نعمت کا کفر ہے اور یہ صفت نقصان ہے، پس عقل کے نزدیک ایمان حسن ہے اور کفر قبیح ہے لہٰذا اگر انسان اس کام کو ترک کر دے جو عقل کے نزدیک حسن ہے تو وہ عذاب کا مستحق ہو گا، خواہ اس تک اللہ کا حکم نہ پہنچے اور وہ معذور نہیں ہو گا، البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کو عذاب نہیں دیا جائے گا کیونکہ اس کے پاس بالفعل اللہ کا حکم نہیں پہنچا، اور عقل پر اعتماد کلی نہیں ہے۔

امام ابو حنیفہ کے مذہب پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اگر رسول کے بھیجنے اور اس کی دعوت کے بغیر ایمان لانا واجب ہو تو

اس سے لازم آئے گا کہ اگر کوئی شخص عقل کے حکم پر اللہ اور اس کی صفات پر ایمان لائے بغیر مرجائے تو لازم آئے گا کہ رسولوں کے بھیجے بغیر بھی اس کو عذاب دیا جائے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا۔ ہم اس وقت تک عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک کہ رسول نہ بھیج دیں۔ (الاسراء: ۱۵)

اس کا جواب یہ ہے کہ جب کسی انسان پر غور و فکر کی مدت گزر جائے تو پھر اس کے لیے کوئی عذر باقی نہیں رہتا، کیونکہ غور و فکر کی مدت عقل کو متنبہ کرنے کے لیے رسولوں کی بعثت کے قائم مقام ہے، اور یہ مدت مختلف ہوتی ہے، کیونکہ لوگوں کی عقلیں مختلف ہوتی ہیں۔ امام فخر الاسلام نے اصول بزدوی میں یہ کہا ہے کہ ہم جو کہتے ہیں کہ انسان عقل سے مکلف ہوتا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ جب اللہ اس کی تجربہ سے مدد فرماتا ہے اور اس کو انجام کا ادراک کرنے کی مہلت مل جاتی ہے تو پھر وہ معذور نہیں رہے گا، خواہ اس کو رسول کی دعوت نہ پہنچی ہو، جیسا کہ امام ابو حنیفہ نے کہا ہے کہ کم عقل شخص جب پچیس سال کی عمر کو پہنچ جائے تو اس سے اس کے مال کو روکا نہیں جائے گا، لیکن اللہ پر ایمان لانے کے باب میں عمر کی کوئی حد نہیں مقرر کی گئی۔ بہرحال جب انسان پر غور و فکر کی مدت گزر جائے جس مدت میں اس کا دل متنبہ ہو سکے تو یہ مدت اس کے حق میں رسول کی دعوت کے قائم مقام ہے۔

ہم نے بیان مذاہب کی جو تقریر کی ہے اس پر یہ مسئلہ متفرع ہوتا ہے کہ جو انسان دور دراز کے پہاڑوں میں بالغ ہوا اور اس تک رسول کی دعوت نہ پہنچی ہو، اور نہ اس نے ضروریاتِ دین کا عقیدہ رکھا ہو اور نہ احکام شرعیہ پر عمل کیا ہو، تو معتزلہ اور احناف کی ایک جماعت کے نزدیک اس کو آخرت میں عذاب ہو گا، کیونکہ اس کی عقل جن احکام کا ادراک کرنے میں مستقل تھی اس نے اس کے تقاضے پر عمل نہیں کیا، صحیح یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ معتزلہ اور بعض احناف کے نزدیک اس کو مطلقاً کفر کے اختیار کرنے پر عذاب ہو گا، خواہ وہ بلوغت کی ابتداء میں کفر کو اختیار کرے خواہ غور و فکر کی مدت گزرنے کے بعد کفر کو اختیار کرے، اسی طرح اگر وہ ایمان نہیں لایا پھر بھی اس کو عذاب ہو گا خواہ وہ بلوغت کی ابتداء میں اللہ پر ایمان نہ لایا ہو یا غور و فکر کی مدت گزرنے کے بعد ایمان نہ لایا ہو، اور اشاعرہ اور جمہور حنفیہ کے نزدیک اس کو عذاب نہیں ہو گا، کیونکہ حکم شرع سے ثابت ہوتا ہے اور مفروض یہ ہے کہ اس شخص کے پاس شریعت کی دعوت نہیں پہنچی، اس لیے اشاعرہ اور جمہور حنفیہ کے نزدیک اس شخص کے ایمان نہ لانے یا کفر کرنے کی وجہ سے اس کو عذاب نہیں دیا جائے گا کیونکہ ان کے نزدیک شرط یہ ہے کہ انسان تک تمام احکام کی دعوت پہنچ جانی لازم ہے۔ (شرح مسلم الثبوت ص ۶۲-۶۰، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ)

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ:

(۱) جمہور معتزلہ اور بعض احناف کے نزدیک رسول کی بعثت نہ ہو پھر بھی انسان پر واجب ہے کہ وہ اللہ کی ذات اور صفات پر ایمان لائے اور اس کے ساتھ کفر نہ کرے، اگر وہ ایمان نہیں لایا اور اس نے کفر کیا تو اس کو عذاب ہو گا۔

(۲) امام ابو حنیفہ سے ایک روایت یہ ہے کہ اگر ایسے شخص نے اللہ کی معرفت حاصل نہ کی تو وہ مستحق عذاب ہو گا خواہ اس کو عذاب نہ ہو۔

(۳) اشاعرہ اور جمہور احناف کا مذہب یہ ہے کہ جب تک کسی شخص کے پاس رسول کی دعوت اور شریعت کا پیغام نہ پہنچے وہ ایمان لانے یا کسی اور حکم کو بجا لانے کا مکلف نہیں ہے۔ جمہور کا استدلال النساء: ۱۶۵، الاسراء: ۱۵ اور حسبِ ذیل آیت سے ہے:

وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى - (طٰہٰ: ۱۳۴)

اور اگر ہم انہیں رسول کے آنے سے پہلے کسی عذاب میں ہلاک کر دیتے تو وہ ضرور کہتے اے ہمارے رب تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا کہ ہم تیری آیتوں کی اتباع کرتے، اس سے پہلے کہ ہم ذلیل اور رسوا ہو جاتے۔

امام حافظ یوسف بن عبداللہ بن عبدالبر مالکی قرطبی متوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

بالغ ہونے سے پہلے فوت ہونے والے بچوں کے متعلق حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) تمام بچے خواہ وہ مومنوں کے بچے ہوں یا کافروں کے جو بلوغت سے پہلے فوت ہو جائیں وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہیں وہ چاہے تو ان پر رحم فرمائے اور وہ چاہے تو ان کو عذاب دے اور یہ سب اس کا عدل ہے اور اسی کو علم ہے ان بچوں نے بڑے ہو کر کیا کرنا تھا۔

(۲) اکثر علماء کا مذہب یہ ہے کہ مسلمانوں کے بچے جنت میں ہوں گے اور کفار کے بچے اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہیں۔

(۳) تمام بچوں کا دنیا اور آخرت میں وہ حکم ہو گا جو ان کے آباء کا حکم ہو گا، مومنوں کے بچے اپنے آباء کے ایمان کے حکم سے مومن قرار پائیں گے اور کافروں کے بچے اپنے آباء کے حکم سے کافر قرار پائیں گے سو مسلمانوں کے بچے جنت میں ہوں گے اور کافروں کے بچے دوزخ میں ہوں گے۔

(۴) مشرکین کے بچے اہل جنت کے خادم ہوں گے۔

(۵) ان بچوں کا آخرت میں امتحان لیا جائے گا۔

(۶) مسلمانوں کی اولاد ہو یا کافروں کی جب وہ بلوغت سے پہلے فوت ہو گی تو وہ سب جنت میں ہو گی۔

ان تمام نظریات کے حاملین نے اپنے اپنے موقف پر احادیث اور آثار سے استدلال کیا ہے۔

(التمہید ج ۷ ص ۲۵۵، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۹ھ)

نابالغ اولاد کا اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہونا

حماد، ابن المبارک اور اسحاق کا مذہب یہ ہے کہ مومنوں کے بچے ہوں یا کافروں کے وہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہیں!

حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ امام مالک کا بھی یہی مذہب ہے (فتح الباری ج ۳ ص ۲۴۶) اس کی دلیل یہ ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر بچہ اسلام کی فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی، یا نصرانی بنا دیتے ہیں جیسے تم دیکھتے ہو کہ جانور کا بچہ صحیح سالم پیدا ہوتا ہے کیا تم اس میں کوئی نقص دیکھتے ہو؟ صحابہ نے کہا یا رسول اللہ یہ بتائیں کہ جو شخص بالغ ہونے سے پہلے فوت ہو جائے؟ آپ نے فرمایا اللہ ہی زیادہ جاننے والا ہے کہ وہ (بڑے ہو کر) کیا کرنے والے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۰۰، ۶۵۹۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۵۸، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۱۴، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۶۵، مسند احمد رقم الحدیث: ۷۳۲۱، عالم الکتب، التمہید ج ۷ ص ۲۵۶، ۲۵۵، ۱، المعجم الکبیر ج ۱۲ ص ۵۲)

حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس انصار کا ایک بچہ لایا گیا جس پر

نماز پڑھی جاتی تھی، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ اس بچہ کے لیے سعادت ہو یہ جنت کی چڑیوں میں سے ایک چڑیا ہے۔ اس نے نہ کوئی برا کام کیا نہ اس کے متعلق جانتا تھا، آپ نے فرمایا: اے عائشہ اس کے علاوہ اور بھی کچھ ہو سکتا ہے، اللہ تعالیٰ نے جنت کو پیدا کیا اور کچھ لوگوں کو جنت کے لیے پیدا کیا اور جس وقت ان کو جنت کے لیے پیدا کیا اس وقت وہ اپنے آباء کی پشتوں میں تھے اور اللہ تعالیٰ نے دوزخ کو پیدا کیا اور جس وقت ان کو دوزخ کے لیے پیدا کیا اس وقت وہ اپنے آباء کی پشتوں میں تھے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۶۲، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۱۳، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۹۴۶، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۸۲، مسند احمد ج ۶ ص ۲۰۸، التمہید ج ۷ ص ۲۶۰)

مسلمانوں کے بچوں کا جنت میں ہونا

بعض اصحاب شافعی اور ابن حزم کا مسلک یہ ہے کہ مسلمانوں کے بچے جنت میں ہوں گے اور کفار کے بچے اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہیں۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۲۴۶) ان کی دلیل یہ ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمانوں میں سے جس کے بھی تین نابالغ بچے فوت ہو جائیں اللہ تعالیٰ ان بچوں کو اور اس کے والد کو اپنے فضل اور رحمت سے جنت میں داخل فرمادے گا، قیامت کے دن ان کو لایا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا جنت میں داخل ہو جاؤ، وہ کہیں گے نہیں، حتیٰ کہ ہمارے آباء بھی جنت میں داخل ہوں، ان سے کہا جائے گا، تم اور تمہارے آباء میرے فضل اور رحم سے جنت میں داخل ہو جاؤ۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۶۰۵، مسند احمد ج ۲ ص ۴۷۳، التمہید ج ۷ ص ۲۶۵، کنز العمال رقم الحدیث: ۶۵۶۰، الکامل لابن عدی ج ۵ ص ۲۶۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ)

معاویہ بن قرۃ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنے بیٹے کو لے کر آیا، آپ نے فرمایا کیا تم اس بچے سے محبت کرتے ہو؟ اس نے کہا یا رسول اللہ! آپ سے بھی اللہ اتنی محبت رکھے جتنی محبت میں اس بچے سے رکھتا ہوں! پھر وہ بچہ فوت ہو گیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو کئی دن تک نہیں دیکھا آپ نے اس کے متعلق پوچھا وہ کہاں ہے، صحابہ نے کہا یا رسول اللہ اس کا بچہ فوت ہو گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے فرمایا: کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ تم جنت کے جس دروازہ سے بھی داخل ہونا چاہو تمہارا بچہ بھاگتا ہوا آئے اور تمہارے لیے وہ دروازہ کھول دے، صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! آیا یہ صرف اس کی خصوصیت ہے یا یہ ہم سب کے لیے ہے؟ آپ نے فرمایا بلکہ یہ تم سب کے لیے ہے۔

(سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۸۶۹، مسند احمد ج ۵ ص ۳۵، المستدرک ج ۱ ص ۳۸۴، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۵۴، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۰، التمہید ج ۷ ص ۲۶۵)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب ابراہیم رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کے لیے جنت میں دودھ پلانے والی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۸۲، مسند احمد ج ۴ ص ۳۰۰، المستدرک ص ۳۸، دلائل النبوۃ ج ۷ ص ۲۸۹، شرح السنہ ج ۱۴ ص ۱۱۵، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۷۹، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۱۶۲، التمہید ج ۷ ص ۲۶۶-۲۶۵)

مشرکین کے بچوں کا دوزخ میں داخل ہونا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ مسلمانوں کے

بچے کہاں ہوں گے؟ آپ نے فرمایا اے عائشہ جنت میں، پھر میں نے آپ سے سوال کیا کہ مشرکین کے بچے قیامت کے دن کہاں ہوں گے؟ آپ نے فرمایا دوزخ میں، حضرت عائشہ فرماتی ہیں میں نے کہا یا رسول اللہ انہوں نے اعمال کا زمانہ نہیں پایا اور ان پر قلم تکلیف جاری نہیں ہوا؟ آپ نے فرمایا تمہارا رب ہی زیادہ جاننے والا ہے کہ وہ (بڑے ہو کر) کیا عمل کرنے والے تھے! اور اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے اگر تم چاہو تو میں تمہیں دوزخ میں ان کے رونے اور چلانے کی آواز سنادوں!

حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں اس حدیث کا ایک راوی بہیتہ ہے اس جیسے راوی کی حدیث سے استدلال نہیں کیا جاتا۔ بالفرض اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو وہ اس جیسی دیگر احادیث کی طرح خصوصیت کی محتمل ہے۔

(تمہید ج ۷ ص ۲۷۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۹ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کو امام احمد کے حوالے سے لکھا ہے اور یہ کہا ہے کہ اس کی سند کا ایک راوی ابو عقیل متروک ہے۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۲۴۶، مطبوعہ لاہور، ۱۴۰۱ھ)

مشرکین کی اولاد کا اہل جنت کا خادم ہونا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مشرکین کی اولاد اہل جنت کی خادم ہوگی۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۲۹۹۶، یہ حدیث حضرت سمرہ بن جندب سے بھی مروی ہے المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۲۰۶۶، تمہید: ج ۷ ص ۲۶۸)

میدان قیامت میں بچوں اور دیگر کا امتحان ہونا

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جو شخص زمانہ فترت میں فوت ہوگیا اور کم عقل اور بچہ کے متعلق آپ نے فرمایا جو شخص زمانہ فترت میں فوت ہوگیا تھا وہ قیامت کے دن کہے گا نہ میرے پاس کتاب آئی اور نہ رسول آیا پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:

وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا۔ (طٰہٰ: ۱۳۴)

اور اگر ہم اس سے پہلے ہی انہیں عذاب سے ہلاک کر دیتے تو یقیناً یہ کہہ اٹھتے کہ اے ہمارے پروردگار تو نے ہمارے پاس اپنا رسول کیوں نہ بھیجا (تاکہ ہم تیری آیتوں کی اتباع کرتے؛ اس سے پہلے کہ ہم ذلیل و خوار ہوتے۔)

آپ نے پوری آیت پڑھی۔

اور کم عقل کہے گا اے میرے رب! تو نے میری کامل عقل کیوں نہ بنائی تاکہ میں خیر اور شر کو سمجھتا اور نابالغ بچہ کہے گا اے میرے رب! میں نے تو عمل کرنے کا زمانہ ہی نہ پایا، آپ نے فرمایا پھر ان کے لیے دوزخ پیش کی جائے گی اور ان سے کہا جائے گا اس میں داخل ہو جاؤ، جو شخص اللہ کے علم میں نیک ہوگا اور اچھے عمل کرے گا وہ اس میں داخل ہو جائے گا اور جو شخص اللہ کے علم میں شقی ہوگا خواہ وہ عمل کا زمانہ نہ پائے وہ اس میں داخل نہیں ہوگا آپ نے فرمایا: اللہ عزوجل فرمائے گا تم نے میری نافرمانی کی ہے تو اگر میرے رسول تمہارے پاس آتے تو تم ان کی فرمانی کیوں نہ کرتے۔ (تمہید ج ۷ ص ۲۷۴)

تمام بچوں کا جنت میں داخل ہونا خواہ مسلمان ہوں یا کافر

امام بخاری نے اپنی سند کے ساتھ ایک طویل حدیث روایت کی ہے جس کے آخر میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک خواب کی تعبیر بیان کرتے ہوئے فرمایا وہ دراز قامت شخص جو باغ میں تھے وہ حضرت ابراھیم علیہ الصلوۃ والسلام ہیں اور جو بچے آپ کے گرد تھے یہ وہ بچے تھے جو فطرت پر فوت ہو گئے، بعض مسلمانوں نے کہا یا رسول اللہ! مشرکین کی اولاد بھی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مشرکین کی اولاد بھی!

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۰۴۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۷۵، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۹۴، السنن الکبری للنسائی رقم الحدیث: ۷۶۵۸، مسند احمد ج ۵ ص ۸، المعجم الکبیر ج ۷ ص ۲۸۶، الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۳۸۹، التمہید ج ۷ ص ۳۶۹)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اولاد مشرکین کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: اللہ ہی زیادہ جاننے والا ہے کہ وہ (بڑے ہو کر) کیا کرنے والے تھے، پھر اسلام کے مستحکم ہونے کے بعد میں نے آپ سے سوال کیا تو یہ آیت نازل ہوئی:

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی - (بنی اسرائیل: ۱۵) اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

آپ نے فرمایا: وہ فطرت پر ہیں یا فرمایا وہ جنت میں ہیں۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۸۴، المعجم الکبیر ج ۸ ص ۱۰۳، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۳۱۶، التمہید ج ۷ ص ۳۶۸)

خنساء کے چچا بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ نبی جنت میں ہوگا، اور شہید جنت میں ہوگا اور بچہ جنت میں ہوگا، اور جس کو زندہ درگور کیا گیا وہ جنت میں ہوگا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۵۲۱، مسند احمد ج ۵ ص ۵۸، مصنف ابن شیبہ ج ۵ ص ۳۳۹، المعجم الکبیر ج ۱ ص ۲۶۳، التمہید ج ۷ ص ۳۶۶، مجمع الزوائد ج ۴ ص ۳۲۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انسان کی اولاد میں سے کھیلنے کودنے والوں (بچوں) کے متعلق میں نے اپنے رب سے سوال کیا کہ ان کو عذاب نہ دیا جائے تو اللہ تعالیٰ نے میری یہ دعا قبول فرمالی۔ (مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۳۵۷۰، مجمع الزوائد ج ۷ ص ۲۱۹، التمہید ج ۷ ص ۳۶۸)

خلاصہ مبحث

نابالغ بچوں کے متعلق صحیح مذہب یہی ہے کہ وہ جنت میں ہوں گے اور یہی احادیث صحیحہ کا تقاضا ہے قرآن مجید کی آیات سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے اور جو احادیث اس کے خلاف ہیں وہ اس پائے کی نہیں ہیں اور نہ قرآن مجید سے مزاحم ہونے کی صلاحیت رکھتی ہیں، یا اس وقت تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے متعلق علم نہیں دیا گیا تھا۔ اور اصحاب فترت کے متعلق بھی صحیح یہی ہے کہ جن لوگوں کی عقل کامل تھی اور ان کو قوت استدلال دی گئی تھی وہ اس بات کے مکلف تھے کہ اس جہان کا کوئی صانع ہے اور وہ صانع واحد ہے اور باقی معتقدات اور احکام شرعیہ کے وہ مکلف نہیں ہیں۔

حافظ ابن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۴ھ نے اس آیت (بنی اسرائیل: ۱۵) کے تحت اصحاب فترت اور اطفال کے متعلق علماء کے نظریات اور ان کے دلائل بہت تفصیل کے ساتھ ذکر کیے ہیں، اور حافظ ابن حجر عسقلانی اور علامہ بدرالدین عینی نے بھی اس مبحث کو اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۶۱۸-۶۱۷، مطبوعہ بیروت، عمدۃ القاری جز ۸ ص ۲۱۳-۲۱۲) اور حافظ ابن عبد البر مالکی نے اس بحث کو سب سے زیادہ تفصیل سے بیان کیا ہے، تمہید ج ۷ ص ۲۷۷-۲۵۵، الاستذکار ج ۸ ص ۴۰۸-۳۹۰)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ہم کسی بستی کے لوگوں کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کے عیش پرستوں کو اپنے احکام بھیجتے ہیں سو وہ ان احکام کی نافرمانی کرتے ہیں پھر وہ عذاب کے حکم کے مستحق ہو جاتے ہیں، سو ہم ان کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں O (بنی اسرائیل: ۱۶)

مشکل اور اہم الفاظ کے معانی

اترفنا: ترف کا معنی ہے کسی شخص کو بہت زیادہ نعمتیں عطا فرمانا اور اس کا مرفہ الحال ہونا۔

(المفردات ج ۱ ص ۹۶، مطبوعہ مکہ مکرمہ)

علامہ ابن اثیر نے لکھا ہے المترف کا معنی ہے جس شخص کو مرغوب اور لذت والی چیزیں بکثرت دی گئی ہوں۔ حدیث میں ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام جبار مترف یعنی ظالم عیش پرست کے پاس گئے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۲۴۴، رقم الحدیث: ۱۳۵۹۷)(النہایہ ج ۱ ص ۱۸۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ)

ففسقوا: فسق کا معنی ہے، کسی چیز کا خارج ہونا، جو شخص شریعت کی قیود سے خارج ہو وہ فاسق ہے، اس کا معنی کفر سے عام ہے، اس کا اطلاق گناہوں پر ہوتا ہے خواہ وہ کم ہوں یا زیادہ، فاسق کا اطلاق زیادہ تر اس شخص پر ہوتا ہے جو شخص احکام شرعیہ کا اقرار اور التزام کرے، پھر وہ تمام احکام یا بعض احکام کی خلاف ورزی کرے، اور جب کافر اصلی کو فاسق کہا جاتا ہے تو اس کا معنی ہوتا ہے اس نے ان احکام کی خلاف ورزی کی جو عقل اور فطرت کا تقاضا ہیں۔

(المفردات ج ۲ ص ۴۹۱، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

علامہ ابن اثیر متوفی ۶۰۳ھ نے لکھا ہے فسق کا معنی ہے استقامت اور میانہ روی سے خارج ہونا اور ظلم کرنا، معصیت کرنے والے کو فاسق کہتے ہیں، چوہے کو فاسق کہتے ہیں کیونکہ وہ اپنے بل سے نکل کر لوگوں کی چیزیں خراب کرتا ہے اسی طرح حدیث میں پانچ جانوروں، چیل، کوے، کاٹنے والے کتے، سانپ اور بچھو کو فاسق فرمایا ہے کیونکہ وہ حرم میں قتل نہ کیے جانے کے عمومی حکم سے خارج ہو گئے۔ (النہایہ ج ۳ ص ۳۹۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

عرف میں فاسق اس شخص کو کہتے ہیں جو گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو۔

تدمیرا: کسی چیز کو ہلاک کرنا اور تباہ و برباد کر دینا۔ (المفردات ج ۱، ص ۲۲۹، مطبوعہ مکہ مکرمہ)

اللہ تعالیٰ رحیم ہے وہ اپنے بندوں پر عذاب نازل کرنے کے لیے بہانے نہیں ڈھونڈتا

اس آیت پر بہ ظاہر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اصل میں کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتا ہے پھر اس کی بنیاد اور جواز فراہم کرنے کے لیے وہاں کے عیش پرستوں کو اپنے احکام بھیجتا ہے تاکہ وہ ان احکام کی نافرمانی کریں پھر اللہ تعالیٰ ان پر آسمانی عذاب نازل فرما کر ان کو تباہ و برباد کر دے۔ اور ان کو تباہ و برباد کرنے کے لیے یہ طریقہ اختیار فرماتا ہے کہ ان پر احکام نازل کیے جائیں اور وہ ان کی خلاف ورزی کریں تاکہ ان پر عذاب نازل کرنے کا جواز مہیا ہو۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے خوش نہیں ہوتا کہ اس کے بندوں کو عذاب میں مبتلا کیا جائے وہ صرف اس سے راضی ہوتا ہے کہ اس کی اطاعت اور عبادت کی جائے اور بندوں کو اجر و ثواب دیا جائے وہ فرماتا ہے:

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ۔ (النساء: ۱۴۷)

اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تم شکر ادا کرتے رہو اور ایمان پر قائم رہو۔

شکر ادا کرنے کا معنی یہ ہے کہ برے کاموں کو ترک کیا جائے اور نیک کاموں کو دوام اور تسلسل کے ساتھ کیا جائے اور

تاحیات ایمان کے خلاف کوئی کام نہ کیا جائے۔ اور فرماتا ہے:

وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ۝ (القصص: ۵۹)

اور ہم بستیوں کو صرف اسی وقت ہلاک کرتے ہیں جب ان کے رہنے والے ظلم کرنے پر کمر باندھ لیتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ۔ (الرعد: ۱۱)

بے شک اللہ کسی قوم میں تغیر نہیں کرتا جب تک کہ وہ قوم خود اپنے اندر تغیر نہ کرے۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے کسی قوم کو امن اور سلامتی اور خوش حالی اور آزادی کی جو نعمت دی ہے وہ نعمت اس وقت تک اس قوم سے واپس نہیں لیتا جب تک کہ وہ معصیت کرکے اپنے آپ کو ان نعمتوں کا نااہل ثابت نہیں کر دیتی۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خواہ مخواہ کسی قوم کو عذاب دینا نہیں چاہتا جب تک کہ وہ اپنے کرتوتوں سے اپنے آپ کو عذاب کا مستحق نہیں کر لیتی، اور اس آیت میں جو فرمایا ہے اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ازل میں یہ علم تھا کہ فلاں بستی کے لوگ ایمان نہیں لائیں گے اور وہ اپنے مال و دولت کی وجہ سے غرور و تکبر کی انتہاء کو پہنچ جائیں گے اور ان کی سرکشی اور بغاوت بہت بڑھ جائے گی، اللہ تعالیٰ ان پر اپنی حجت پوری کرنے کے لیے اپنے رسولوں کو بھیجے گا اور ان پر اپنے احکام نازل فرمائے گا اور جب وہ ان احکام کی کھلم کھلا نافرمانی کریں گے تو پھر اللہ تعالیٰ ان پر آسمانی عذاب نازل فرما کر ان کو نیست و نابود فرما دے گا۔

"دراصل یہ آیت ان ہی آیات کی تفسیر ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا۔ (بنی اسرائیل: ۱۵)

اور ہم اس وقت تک عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک کہ رسول نہ بھیج دیں۔

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ۝ (القصص: ۵۹)

آپ کا رب کسی بستی کو اس وقت تک ہلاک نہیں کرتا جب تک کہ ان کی کسی بڑی بستی میں اپنا رسول نہ بھیج دے جو ان کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائے اور ہم بستیوں کو صرف اسی وقت ہلاک کرتے ہیں جب ان کے رہنے والے ظلم پر کمر باندھ لیں۔

ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ۝ (الانعام: ۱۳۱)

یہ اس لیے ہے کہ آپ کا رب کسی بستی والوں کو ان کے کفر کی وجہ سے اس حال میں ہلاک نہیں کرتا کہ وہ غافل ہوں۔

اس جواب کی ایک اور تقریر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ محض اپنے علم کی وجہ سے کسی کو عذاب نہیں دے گا جب تک کہ لوگ ایسے عمل نہ کریں جن کی وجہ سے وہ عذاب کے مستحق ہوں، یعنی جن لوگوں کے متعلق اس کو علم ہے کہ جب وہ ان کو ایمان لانے اور نیک کام کرنے کا حکم دے گا تو وہ ایمان نہیں لائیں گے اور نیک کام نہیں کریں گے تو وہ محض اپنے علم کی وجہ سے ان لوگوں کو عذاب نہیں دے گا بلکہ ان کو ایمان لانے اور نیک کام کرنے کا حکم دے گا، اور جب لوگوں کے سامنے ان کی نافرمانی ظاہر ہو جائے گی تو پھر ان کو عذاب دے گا اس لیے فرمایا: اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کے عیش پرستوں کو اپنے احکام بھیجتے ہیں سو وہ ان احکام کی نافرمانی کرتے ہیں پھر وہ عذاب کے حکم کے مستحق ہو جاتے ہیں سو ہم ان کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں، اور اس کا معنی یہ ہے کہ جب ہم کسی قوم کو ہلاک کرنے کی تقدیر

کو نافذ کرنا چاہتے ہیں تو ہم اس قوم کے امیروں اور سرداروں کو ایمان لانے کا حکم دیتے ہیں جن کا یہ گمان ہوتا ہے کہ ان کا مال اور ان کی اولاد اور ان کے مددگار ان سے ہمارے اس عذاب کو دور کر دیں گے جو ہمارے رسولوں کی تبلیغ پر عمل نہ کرنے اور ان کی توہین کرنے اور ان کی مخالفت کرنے کی وجہ سے ان پر واجب ہوا ہے، وہ اس زعم میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ کی سابق تقدیر کے مطابق ان پر عذاب آ جاتا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں کیونکہ ہمیں علم ہوتا ہے کہ یہ نافرمانی کے علاوہ کچھ نہیں کریں گے تو ان کو ہلاک کرنے کے لیے ہم صرف اپنے علم پر اکتفاء نہیں کرتے بلکہ اس بستی کے امیروں اور سرداروں کو ایمان لانے کا حکم دیتے ہیں، وہ اس حکم کی نافرمانی کرتے ہیں جب ان کی نافرمانی حد سے بڑھ جاتی ہے تو ہم اس بستی کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔

اس جواب کی دوسری تقریر یہ ہے کہ جب کسی بستی میں کھلم کھلا ہمارے احکام کی خلاف ورزی کی جاتی ہے اور کھلے عام ہماری نافرمانی کی جاتی ہے تو ہم ان پر عذاب بھیجنے میں جلدی نہیں کرتے اور ان کی ابتدائی نافرمانیوں پر گرفت نہیں کرتے بلکہ اس بستی کے امیروں اور سرداروں کو ان نافرمانیوں سے باز رہنے کا حکم دیتے ہیں اور ان کو توبہ کرنے کی مہلت اور موقع دیتے ہیں، امیروں اور سرداروں کو حکم دینے کا خصوصیت سے اس لیے ذکر کیا کہ امیروں اور سرداروں پر اللہ تعالیٰ کی زیادہ نعمتیں ہوتی ہیں اور نعمتوں کی زیادتی زیادہ شکر کو واجب کرتی ہے، اور جب اللہ تعالیٰ ان کو بار بار توبہ کرنے اور رجوع کرنے کا حکم دیتا ہے اور ان کے توبہ نہ کرنے کے باوجود ان سے نعمتوں کا سلسلہ منقطع نہیں کرتا تو ان کا عناد، تکبر اور سرکشی بڑھ جاتی ہے تو پھر ان پر اللہ تعالیٰ عذاب نازل فرما دیتا ہے۔

اس جواب کی یہ دونوں تقریریں اس طرف راجع ہیں کہ اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والی قوم کو عذاب دینے میں جلدی نہیں کرتا بلکہ مہلت دیتا رہتا ہے حتیٰ کہ جب اللہ تعالیٰ کی حجت پوری ہو جاتی ہے اور پانی سر سے گزر جاتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ ان پر عذاب نازل فرما دیتا ہے۔

اب اس آیت پر یہ اعتراض نہیں ہو گا کہ اصل میں تو اللہ تعالیٰ ان بستیوں پر عذاب نازل کرنا چاہتا تھا لیکن عذاب نازل کرنے کا جواز مہیا کرنے کے لیے اور اس کا قانونی تقاضا پورا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس بستی کے عیش پرستوں کے پاس اپنے احکام بھیجے تاکہ وہ ان احکام کی نافرمانی کریں اور اللہ تعالیٰ ان پر عذاب نازل فرما سکے!

اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ وہ اپنے بندوں پر عذاب نازل کرنے کے لیے بہانے ڈھونڈے، اسے اپنے بندوں پر عذاب نازل کرنے کی کیا ضرورت ہے وہ تو اپنے بندوں پر رحم کرنا چاہتا ہے اور جس طرح ان کو دنیا میں نعمتیں دی ہیں آخرت میں بھی ان نعمتوں سے نوازنا چاہتا ہے، لیکن وہ اس کے بندے بنیں تو سہی اپنی خواہشوں کے بندے نہ بنیں اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا نااہل ثابت نہ کریں!

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے سو حصے کیے ہیں اس نے ننانوے حصے اپنے پاس رکھ لیے اور زمین پر رحمت کا ایک حصہ نازل کیا اور رحمت کے اس حصہ سے مخلوق ایک دوسرے پر رحم کرتی ہے حتیٰ کہ گھوڑی اپنے بچہ کے اوپر سے اپنا پیر اٹھا لیتی ہے کہ کہیں اس کے پیر کے نیچے اس کا بچہ کچلا نہ جائے۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث: ۶۰۰۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۵۲، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۴۱، مسند احمد رقم الحدیث: ۸۳۹۶)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے نوح کے بعد کتنی ہی امتوں کو ہلاک کر دیا اور آپ کا رب اپنے بندوں کے گناہوں

کی خبر رکھنے اور دیکھنے کے لیے کافی ہے○ (بنی اسرائیل: ۱۷)

بدکاروں کے لیے وعید اور نیکو کاروں کے لیے بشارت

اس آیت میں بتایا ہے کہ ہم نے جس طریقہ کا ذکر کیا ہے کہ رسولوں کو بھیجنے کے باوجود جب کوئی قوم نافرمانی اور سرکشی کرتی ہے تو ہم اس قوم کو ہلاک کر دیتے ہیں' یہی طریقہ ہماری سنت جاریہ ہے اور ہم نے پچھلی قوموں مثلاً عاد اور ثمود وغیرہم کے ساتھ بھی یہی طریقہ اختیار کیا تھا نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور آپ کا رب اپنے بندوں کے گناہوں کی خبر رکھنے اور دیکھنے کے لیے کافی ہے۔

اللہ تعالیٰ تمام معلومات کا جاننے والا ہے اور تمام چیزوں کا دیکھنے والا ہے' مخلوق کے احوال میں سے کوئی حال اس پر مخفی نہیں ہے لہٰذا وہ تمام مخلوق کو ان کے گناہوں کی سزا دینے پر قادر ہے اور وہ عبث اور فضول کام کرنے اور کسی پر ظلم کرنے سے پاک ہے اور اس کے علم عظیم' قدرت کاملہ اور ظلم سے پاک ہونے میں نیک بندوں کے لیے عظیم بشارت ہے کہ وہ ان کو ان کی نیکیوں کا اجر عطا فرمائے گا اور کافروں نافرمانوں کے لیے سخت وعید ہے اور ترہیب ہے کہ انہیں ان کے کرتوتوں کی سزا ملے گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو شخص (صرف) دنیا کا طلب گار ہو ہم اس کو اسی دنیا میں سے ہم جتنا چاہیں دے دیتے ہیں' پھر ہم اس کا ٹھکانہ دوزخ کو بنا دیتے ہیں جس میں وہ مذمت کے ساتھ دھتکارا ہوا داخل ہو گا○ اور جو شخص آخرت کا طلبگار ہو اور اس کے لیے ایمان کے ساتھ بھرپور کوشش کرے تو ان ہی لوگوں کی کوشش مشکور (مقبول) ہو گی○ ہم آپ کے رب کی عطا سے اس کی اور اس کے (ہر فریق کی) مدد کرتے ہیں اور آپ کے رب کی عطا کسی سے روکی ہوئی نہیں ہے○ آپ دیکھیے ہم نے کس طرح ان کے بعضوں کو بعض پر فضیلت دی ہے' اور آخرت کے بہت بڑے درجات ہیں اور اس کی فضیلت بھی بہت بڑی ہے○ (اے مخاطب!) تو اللہ کے ساتھ کوئی اور عبادت کا مستحق نہ بنا کہ تو مذمت کیا ہوا اور ناکام بیٹھا رہ جائے○
(بنی اسرائیل: ۲۲-۱۸)

مشکل الفاظ کے معانی

العاجلۃ: اس سے مراد ہے الدار العاجلہ' یعنی جو آسودگیاں جلد مل جائیں۔ یصلاھا: یعنی اس میں داخل ہو گا' مذموما: یعنی مذمت کیا ہوا اور ملامت کیا ہوا' مدحورا: یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کیا ہوا' ومن اراد الاخرۃ وسعی لھا سعیھا: یعنی جس نے آخرت کا ارادہ کیا اور ایسے عمل کیے جو آخرت کے لائق ہیں' اللہ تعالیٰ نے جن کاموں کا حکم دیا ہے ان کو بجالایا اور جن کاموں سے منع کیا ہے ان سے رکا رہا' اور من گھڑت کاموں یا آباء واجداد کی تقلید سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل نہیں کیا' کان سعیھم مشکورا: یعنی اس کے وہ عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہوں گے اور اس کو ان پر ثواب ملے گا' اللہ تعالیٰ کے شکر کرنے کا معنی یہ ہے کہ وہ عبادات پر ثواب عطا فرمائے گا۔ محظورا: ممنوع۔

صرف دنیا کے طلب گار کا انجام

بعض انسان دنیا میں اپنے اعمال سے دنیا کی منفعتوں' لذتوں اور دنیا میں اقتدار اور حاکمیت کے حصول کا ارادہ کرتے ہیں' یہ لوگ انبیاء علیہم السلام کی اطاعت کرنے میں عار محسوس کرتے ہیں کیونکہ ان کو یہ خوف ہوتا ہے کہ اگر انہوں نے انبیاء علیہم السلام کی اطاعت کی تو ان کی اپنی سرداری اور چودھراہٹ جاتی رہے گی' اللہ تعالیٰ ان کو دنیا میں سے جتنا حصہ انہیں دینا چاہے وہ ان کو دے دیتا ہے اور انجام کار آخرت میں ان کو جہنم میں داخل کر دے گا اور وہ مذمت کیے ہوئے اور

دھتکارے ہوئے جہنم میں داخل ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس کو ہم چاہیں' جتنا چاہیں دے دیتے ہیں' اس میں یہ بتایا ہے کہ دنیا کی زیب و زینت اور دنیا کی نعمتیں ہر ایک کافر کو نہیں ملتیں بلکہ کتنے کفار اور گمراہ لوگ ہیں جو دنیا کی طلب میں دین سے اعراض کرتے ہیں وہ دین اور دنیا دونوں سے محروم رہتے ہیں' اس میں بھی دنیا کی طلب میں دین سے اعراض کرنے والوں کی مذمت کی گئی ہے کہ انہوں نے دنیا کی طلب میں دین سے اعراض کیا اور وہ دنیا سے بھی محروم رہے۔

نیک اعمال مقبول ہونے کا ایمان پر موقوف ہونا

اس کے بعد فرمایا: اور جو شخص آخرت کا طلب گار ہو اور وہ اس کے لیے ایمان کے ساتھ بھرپور کوشش کرے تو ان ہی لوگوں کی کوشش مشکور (مقبول) ہوگی۔

اس آیت میں کوشش کے مقبول ہونے کی تین شرطیں بیان فرمائی ہیں: ایمان' نیت' اللہ کا تقرب حاصل کرنے کا صحیح طریقہ۔

ایمان کی شرط اس لیے ہے کہ ایمان کے بغیر کوئی نیک عمل مقبول نہیں ہوتا' قرآن مجید میں ہے:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (النحل : ۹۷)

جس شخص نے نیک عمل کیے خواہ مرد ہو یا عورت بہ شرطیکہ وہ مومن ہو تو ہم اس کو ضرور پاکیزہ زندگی کے ساتھ زندہ رکھیں گے' اور ان کے نیک اعمال کا ان کو ضرور بہترین اجر عطا فرمائیں گے ○

اس آیت میں بھی یہ فرمایا ہے کہ نیک اعمال کے مقبول ہونے کے لیے ایمان شرط ہے۔

وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا۔ (الفرقان : ۲۳)

اور ہم (کافروں کی طرف) متوجہ ہوں گے اور انہوں نے اپنے (زعم میں) جو بھی (نیک) عمل کیے ہم ان کو (فضا میں) بکھرے ہوئے غبار کے ذرات بنادیں گے۔

مَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○ (البقرہ : ۲۱۷)

جو لوگ اپنے دین سے پلٹ جائیں اور اسی کفر کی حالت میں مرجائیں تو ان کے (نیک) اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہوجائیں گے' اور وہ لوگ دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ○

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ۔ (المائدہ : ۵)

اور جس نے ایمان لانے سے انکار کیا اس کے (نیک) عمل ضائع ہوگئے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! زمانہ جاہلیت میں ابن جدعان رشتہ داروں کے ساتھ نیک سلوک کرتا تھا اور مسکینوں کو کھانا کھلاتا تھا' کیا یہ عمل اس کو آخرت میں نفع دے گا؟ آپ نے فرمایا یہ عمل اس کو نفع نہیں دے گا! کیونکہ اس نے ایک دن بھی یہ نہیں کہا: اے میرے رب! قیامت کے دن میری خطاؤں کو بخش دینا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۴)

علامہ نووی متوفی ۶۷۶ھ نے لکھا ہے:

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا اس پر اجماع ہے کہ کفار کو ان کے نیک اعمال سے نفع نہیں ہوگا' ان کو آخرت میں ان کی نیکیوں پر کوئی اجر وثواب نہیں ملے گا' اور نہ ان کے عذاب میں کوئی تخفیف ہوگی' البتہ کافروں کے جرائم کے اعتبار سے بعض کو بعض سے زیادہ شدید عذاب ہوگا۔ (صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۲ ص ۱۰۹۱' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ)

نیک اعمال کے مقبول ہونے کا نیت پر موقوف ہونا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (البینہ: ۵)

اور انہیں صرف یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اخلاص کے ساتھ اطاعت کرتے ہوئے اللہ کی عبادت کریں۔

اس آیت میں اخلاص کے ساتھ اللہ کی اطاعت کرنے کا حکم دیا ہے اور اسی طرح احادیث میں ہے:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر یہ فرماتے ہوئے سنا ہے اعمال کا مدار نیات پر ہے' ہر شخص کے کام پر وہی ثمر مرتب ہوگا جس کی اس نے نیت کی ہو' پس جس شخص نے اپنی ہجرت سے دنیا کی نیت کی ہو جس کو وہ حاصل کرے' یا کسی عورت کی نیت کی ہو جس کو وہ حاصل کرے تو اس کی ہجرت اسی طرف محسوب ہوگی جس کی طرف اس نے نیت کی ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۰۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۰۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۴۷' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۷۹۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۲۷' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۶۸)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: اور کہا یا رسول اللہ! کون سا قتال اللہ کی راہ میں ہے؟ کیونکہ ہم میں سے کوئی شخص غضب کی وجہ سے قتال کرتا ہے' اور کوئی شخص تعصب کی بناء پر قتال کرتا ہے' آپ نے سر اٹھا کر فرمایا جو شخص اللہ کے دین کو سربلند کرنے کے لیے قتال کرے وہ اللہ کی راہ میں قتال ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۰۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۵۱۷' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۴۶' سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۱۳۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۸۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نہ تمہارے جسموں کی طرف دیکھے گا نہ تمہاری صورتوں کی طرف دیکھے گا لیکن وہ تمہارے دلوں کی طرف دیکھے گا اور آپ نے اپنی انگلیوں سے اپنے سینے کی طرف اشارہ کیا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۶۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۱۳)

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب دو مسلمان ایک دوسرے کے ساتھ تلواروں کے ساتھ مقابلہ کرتے ہیں تو قاتل اور مقتول دونوں دوزخی ہیں۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! یہ قاتل تو مستحق ہے لیکن مقتول کا کیا قصور ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ بھی تو اپنے قاتل کے قتل پر حریص تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۸۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۶۸' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۱۲۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غزوہ میں فرمایا: ہم مدینہ میں کچھ لوگوں کو چھوڑ کر آئے ہیں' ہم جس گھاٹی میں بھی گئے یا جس وادی سے بھی گزرے وہ ہمارے ساتھ تھے' وہ کسی عذر کی وجہ سے نہیں جا سکے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۳۹' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۹۰۵' عالم الکتب' بیروت)

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی جہاد کے لیے گیا اور اس کی جہاد سے نیت فقط ایک رسی تھی تو اس کو وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی تھی۔

(سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۱۳۸، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۳۰۶۸، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۴۲۱)

حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے اور منافق کا عمل اس کی نیت سے بہتر ہے اور ہر شخص اپنی نیت کے مطابق عمل کرتا ہے اور جب مومن کوئی عمل کرتا ہے تو اس کے دل میں نُور پھیل جاتا ہے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۵۹۴۲، حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں ماسوا حاتم بن عباد کے، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۶۱)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شہداء کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا: میری امت کے اکثر شہداء وہ ہیں جو بستروں پر فوت ہوئے اور جو صفوں کے درمیان قتل کیے گئے ان کی نیتوں کو اللہ ہی جانتا ہے۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۳۹۷، طبع قدیم، احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند ضعیف ہے، مسند احمد رقم الحدیث: ۳۷۷۲، مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ ۱۴۱۶ھ، مسند احمد رقم الحدیث: ۳۷۷۱، مطبوعہ عالم الکتب بیروت، احیاء العلوم ج ۴ ص ۳۱۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم میں ایک شخص تھا، اس نے ام قیس نام کی ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا۔ اس نے کہا جب تک تم ہجرت نہیں کرو گے میں تمہارے ساتھ نکاح نہیں کروں گی۔ اس نے ہجرت کرلی اور اس عورت نے پھر اس شخص سے نکاح کرلیا، ہم اس شخص کو مہاجر ام قیس کہتے تھے۔ وہ مرد اور وہ عورت دونوں ہذلی تھے۔

(الاصابہ رقم الحدیث: ۱۲۲۱۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حضرت صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی عورت کا مہر مقرر کیا اور وہ اس مہر کو ادا کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا اس نے اللہ کا نام لے کر اس عورت کو دھوکا دیا اور جھوٹ کے بدلہ میں اس کی فرج کو حلال کیا، وہ قیامت کے دن اس حال میں اللہ سے ملاقات کرے گا کہ وہ زانی ہوگا، اور جس شخص نے کسی سے قرض لیا اور وہ اس کو ادا کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ وہ چور ہوگا۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۰۴۸)

حضرت عبداللہ بن ابی طلحہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے لیے خوشبو لگائی قیامت کے دن اس کی خوشبو مشک سے زیادہ اچھی ہوگی اور جس نے غیر اللہ کے لیے خوشبو لگائی قیامت کے دن اس کی بدبو مُردار سے زیادہ بُری ہوگی۔ (الاتحاف ج ۱۰ ص ۱۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

نیک اعمال کے مقبول ہونے کا صحیح طریقۂ عبادت پر موقوف ہونا

جو شخص اجر آخرت کا ارادہ کرے اس کے لیے تیسری شرط یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کا صحیح طریقہ استعمال کرے۔ امام فخر الدین رازی اللہ تعالیٰ کے تقرب کے حصول کے صحیح طریقہ کے متعلق لکھتے ہیں:

وہ ایسے عمل کرے جن کی وجہ سے وہ آخرت کے ثواب کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوسکے اور یہ تب ہوگا کہ وہ ایسے کام کرے جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادات سے ہو کیونکہ بعض لوگ باطل طریقوں سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرتے ہیں، کفار باطل کاموں سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرتے ہیں اور وہ دو تاویلوں سے ایسا کرتے ہیں:

(۱) وہ کہتے ہیں کہ تمام جہان کے خالق اور مالک کا رتبہ اس سے بہت بلند ہے کہ ہم میں سے کوئی ایک آدمی اس کی اطاعت اور عبادت کرنے کی جرأت کرے، بلکہ ہماری ادنیٰ حیثیت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم ان کی عبادت کریں جو اللہ کے مقرب بندے ہیں، مثلاً ہمیں چاہیے کہ ہم ستاروں کی یا فرشتوں کی عبادت کریں، سو وہ اس وجہ سے ستاروں اور فرشتوں کی عبادت کرتے ہیں اور یہ باطل طریقہ ہے۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے انبیاء اور اولیاء کی صورتوں کے مجسمے بنالیے ہیں (جیسے عیسائیوں کے کیتھولک فرقے نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم کی صورتوں کے بت بنالیے ہیں اور وہ ان کی عبادت کرتے ہیں اور ہندوؤں نے رام اور کرشن کی صورتوں کے بت بنالیے ہیں اور وہ ان کی عبادت کرتے ہیں) اور وہ کہتے ہیں کہ ان کی عبادت کرنے سے ہماری مراد یہ ہے کہ انبیاء اور اولیاء اللہ تعالیٰ سے ہماری شفاعت کریں گے، اور یہ بھی باطل طریقہ ہے، اسی طرح بعض ہندو جوگی نفس کشی کرتے ہیں اور بعض عیسائی رہبانیت اختیار کرلیتے ہیں، یہ سب باطل طریقے ہیں ان سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل نہیں ہوتا، اللہ کا تقرب حاصل کرنے کا مستحسن طریقہ یہ ہے کہ قرآن عظیم، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ، اجماع اور ائمہ مجتہدین کی ہدایات کے مطابق اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کی جائے۔ اور پیش آمدہ مصائب اور مشکلات میں اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے اور اسی پر بھروسہ کیا جائے اور دعا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام، آل اطہار اور مقبولان بارگاہ کا وسیلہ پیش کیا جائے۔

نیک اعمال کے مشکور ہونے یا اللہ تعالیٰ کے شکر کرنے کی توجیہ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے تو ان ہی لوگوں کی کوشش مشکور ہوگی۔ اس کا معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ ان کی کوشش کا شکر ادا کرے گا اس پر یہ اعتراض ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ اس کا شکر ادا کیا جائے نہ یہ کہ وہ شکر ادا کرے، اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے شکر کرنے کا معنی یہ ہے کہ وہ بندوں کے نیک اعمال کی تعریف و تحسین فرمائے گا، ان کی حوصلہ افزائی فرمائے گا اور ان کے نیک کاموں کی ان کو اچھی جزا دے گا۔

امام رازی نے لکھا ہے کہ شکر تین چیزوں کے مجموعے کا نام ہے، کسی شخص کے متعلق یہ اعتقاد رکھنا کہ وہ نیک عمل کرتا ہے اور زبان سے اس کی تعریف اور تحسین کرنا، اور ایسے کام کرنا جس سے یہ پتا چلے کہ یہ شخص شکر کرنے والے کے نزدیک مکرم اور معظم ہے، اور اللہ تعالیٰ نیک عمل کرنے والوں کے ساتھ یہ تینوں کام کرتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ یہ بندہ نیک کام کرنے والا ہے، اور اللہ تعالیٰ اپنے کلام سے ان کی مدح فرماتا ہے، اور اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ایسا معاملہ کرتا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک معظم اور مکرم ہیں اور یہی شکر کا مفہوم ہے اور جن آیات اور احادیث میں یہ آتا ہے کہ فلاں عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشکور ہے اس کی یہی توجیہ ہے۔

امیر و غریب کے طبقاتی فرق کی حکمتیں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ دیکھیے کہ ہم نے کس طرح ان کے بعضوں کو بعض پر فضیلت دی ہے اور آخرت کے بہت بڑے درجات ہیں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ آپ دیکھیے کس طرح ہماری عطا دین اور دنیا پر محیط ہے، ہم ایک مومن تک اپنی نعمتیں پہنچاتے ہیں اور دوسرے مومن پر دنیا تنگ کردیتے ہیں، اسی طرح ہم ایک کافر پر اپنی نعمتیں کھول دیتے ہیں اور دوسرے کافر پر اپنی نعمتیں بند کردیتے ہیں، اس کی حکمت بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي — ہم نے ہی ان کے درمیان دنیاوی زندگی کی روزی کو تقسیم

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا۔ (الزخرف: ۳۲)

کیا ہے اور ان میں سے بعضوں کو بعض پر درجات کی بلندی دی ہے تاکہ بعض دوسروں کو اپنا ماتحت اور تابع فرمان بنا سکیں۔

یعنی مال و دولت، جاہ و منصب اور عقل و فہم میں ہم نے اس لیے یہ فرق رکھا ہے تاکہ زیادہ مال والا کم مال والے کو اور بلند منصب والا کم منصب والے کو اور زیادہ عقل والا کم عقل والے کو اپنا ماتحت بنا سکے اور زیادہ مالدار تنگ دستوں سے کام لے سکے، اللہ تعالیٰ کی اسی حکمت بالغہ سے کائنات کا نظام چل رہا ہے، اگر سب برابر ہوتے تو کوئی کسی کا کام کرنے کے لیے تیار نہ ہوتا، بلڈنگوں کے بنانے کے لیے مزدور ضروری ہیں اسی طرح سڑکیں، پل اور کارخانے ان کے بغیر نہیں بن سکتے، جوتی کی مرمت کرنے والے، جوتی بنانے والے، جوتی فروخت کرنے والے، اسی طرح کپڑے بنانے والے، کپڑے سینے والے اور کپڑے دھونے والے ضروری ہیں علیٰ ھذا القیاس، اس کائنات کے نظام کے لیے سب قسم کے لوگ ناگزیر ہیں اور اگر سب لوگ ایک درجہ کے ہوتے تو یہ نظام کائنات چل ہی نہیں سکتا تھا۔ جو لوگ سوشلزم اور کمیونزم کے نعرے لگا کر لوگوں کے جذبات ابھارتے ہیں اور انہیں خوشحال لوگوں کے خلاف مشتعل کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ طبقاتی امتیاز ختم ہونے چاہئیں، اور سب لوگ ایک درجہ میں ہونے چاہئیں، وہ اپنے جسم کی ساخت پر غور کریں ان کا دماغ کھوپڑی میں ہے، پیشاب مثانے میں ہے اور فضلہ بڑی آنت میں ہے، اگر فضلہ کھوپڑی میں ہوتا، پیشاب رگوں میں ہوتا اور دماغ یا بھیجا بڑی آنت میں ہوتا تو ان کا کیا حال ہوتا، جو چیز جس جگہ کے لائق تھی اللہ تعالیٰ نے اس چیز کو اسی جگہ رکھا ہے اور جس طرح اس عالم صغیر میں ہر چیز اپنے صحیح محل میں ہے اسی طرح عالم کبیر میں بھی ہر چیز اپنے صحیح مقام پر ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کم دولت والوں کو زیادہ دولت والوں کا محتاج نہ بناتا تو اس کائنات کا طبعی نظام جاری نہیں رہ سکتا تھا اور تہذیب و تمدن اور تعمیر و ترقی کا سلسلہ برقرار نہیں رہ سکتا تھا بلکہ نظام عالم فاسد ہو جاتا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ ۭ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ○ (الشوریٰ: ۲۷)

اور اگر اللہ اپنے سب بندوں کا رزق وسیع کر دیتا تو وہ زمین میں فساد اور سرکشی کرتے، لیکن وہ (اپنے) اندازے سے جس قدر چاہتا ہے رزق نازل فرماتا ہے بے شک وہ اپنے بندوں کی خبر رکھنے والا انہیں خوب دیکھنے والا ہے○

اللہ تعالیٰ نے بعض لوگوں کو دوسرے بعض لوگوں کو رزق میں جو فضیلت دی ہے اس کی ایک اور حکمت بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ۭ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ڮ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ (الانعام: ۱۶۵)

اور وہی ہے جس نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا اور بعض کا درجہ دوسرے بعضوں پر بلند کیا تاکہ جو چیزیں تم کو دی ہیں ان میں تمہاری آزمائش کرے، بے شک آپ کا رب بہت جلد سزا دینے والا ہے اور بے شک وہ بے حد مغفرت کرنے والا ہے اور بے حساب رحم فرمانے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے رزق کی مساوی تقسیم نہیں کی اس کی ایک حکمت دنیا کے اعتبار سے ہے اور دوسری حکمت آخرت کے اعتبار سے ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کو زیادہ مال دیا ہے وہ عموماً مال و دولت کی بناء پر عیش و عشرت اور رنگ رلیوں میں پڑ کر گناہ کرتے ہیں اور آخرت کو کھو دیتے ہیں اور جن کو کم مال دیا ہے وہ اپنے فقر و فاقہ پر صبر کرتے ہیں، گناہوں سے بچتے ہیں اور عبادت میں زیادہ کوشش کر کے اپنی آخرت بنالیتے ہیں۔ پھر فرمایا اور آخرت کے بہت بڑے درجات ہیں○ دنیا میں مخلوق کی ایک دوسرے پر فضیلت محسوس اور مشاہد ہے اور آخرت میں ان کی ایک دوسرے پر فضیلت غیب ہے، اور جس طرح آخرت کی دنیا پر بے انتہاء فضیلت ہے حتیٰ کہ ہم یہاں اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے اسی طرح اخروی درجات کی جو دنیاوی درجات پر فضیلت ہے وہ بھی بے حد و حساب ہے سو انسان کو چاہیے کہ وہ دنیاوی بڑائی کے حصول کی بجائے اخروی بڑائی کے حصول کی کوشش کرے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے مخاطب!) تو اللہ کے ساتھ کسی اور کو عبادت کا مستحق نہ بنا کہ تو ناکام اور مذمت کیا ہوا بیٹھا رہ جائے○ (بنی اسرائیل: ۲۲)

آپ کی طرف عبادتِ غیر اللہ کی نسبت کی وضاحت

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا تھا کہ لوگوں کے دو فریق ہیں، ایک فریق دنیا کا طالب ہے اور وہ عتاب اور عذاب کا مستحق ہے اور دوسرا فریق وہ ہے جو آخرت کا طالب ہے اور وہ اطاعت گزار ہے، پھر آخرت کے طالب کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ صاحب ایمان ہو اور وہ ایسے عمل کرے جن سے اللہ تعالیٰ کا صحیح تقرب حاصل ہو اور اس کی نیت صحیح ہو، سو اللہ تعالیٰ نے پہلے ایمان اور پھر تقرب کے صحیح طریقہ کی ضرورت کو بیان فرمایا اور اس کے بعد پھر فرمایا کہ مومن صالح کو چاہیے کہ وہ اپنے اعمال میں کسی موقع پر بھی شرک کو در انداز ہونے کا موقع نہ دے، اس لیے فرمایا: تو اللہ کے ساتھ کسی اور کو عبادت کا مستحق نہ بنا کہ تو ناکام اور مذمت کیا ہوا بیٹھا رہ جائے○

اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ اس آیت میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے، اور ظاہر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان سے بہت بعید ہے بلکہ محال ہے کہ آپ اللہ کی عبادت میں کسی اور کو شریک بنائیں، اس لیے مفسرین نے کہا اس آیت میں بہ ظاہر آپ کی طرف نسبت ہے اور مراد آپ کی امت ہے جیسے اس آیت میں ہے:

وَلَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْکَ وَاِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکَ لَئِنْ اَشْرَکْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُکَ وَلَتَکُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ○ (الزمر: ۶۵)

بے شک آپ کی طرف وحی کی گئی ہے اور آپ سے پہلے لوگوں کی طرف بھی یہ وحی کی گئی ہے کہ اگر (بالفرض) آپ نے (بھی) شرک کیا تو آپ کے عمل ضرور ضائع ہو جائیں گے اور ضرور آپ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے○

اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس آیت میں انسان سے خطاب کیا گیا ہے اور یہی صحیح قول ہے کیونکہ ان آیات کے بعد اگلے رکوع میں جو آیات آرہی ہیں ان میں انسان سے خطاب ہے اور ان آیات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب متصور نہیں ہو سکتا کیونکہ ان آیات میں یہ آیت بھی ہے:

اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَکَ الْکِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ کِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا کَرِیْمًا○ (بنی اسرائیل: ۲۳)

اگر تمہاری موجودگی میں ماں باپ میں سے کوئی ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کے سامنے اف تک نہ کرنا اور نہ ان کو جھڑکنا، اور ان سے ادب اور احترام سے بات کرنا○

اور ظاہر ہے کہ اس آیت میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب نہیں ہو سکتا کیونکہ آپ کی زندگی میں آپ کے ماں باپ یا دونوں میں سے کوئی ایک بڑھاپے کی عمر کو نہیں پہنچے' والد گرامی تو آپ کی ولادت سے پہلے فوت ہو گئے تھے اور والدہ محترمہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا اس وقت فوت ہو گئی تھیں جب آپ کی عمر شریف چھ سال تھی' اس لیے اس آیت میں لامحالہ آپ سے خطاب نہیں ہے بلکہ عام انسان سے خطاب ہے۔ اس آیت میں فرمایا ہے جو شخص شرک کرے گا اس کی مذمت کی جائے گی اور وہ ناکام اور نامراد ہو گا اس کی مذمت کی وجوہ یہ ہیں:

شرک کی مذمت اور مشرک کی ناکامی کی توجیہ

(۱) جو شخص یہ کہتا ہے کہ اللہ کا شریک ہے وہ جھوٹ بولتا ہے اور جھوٹے کی مذمت کی جاتی ہے۔

(۲) ہم دلائل سے یہ بیان کر چکے ہیں کہ اس کائنات کا خالق اور مالک اللہ تعالیٰ ہے اور وہی تمام انسانوں کو ہر قسم کی نعمتیں دینے والا ہے' اور جس نے کوئی شریک مانا اس نے بعض نعمتوں کو اس شریک کی طرف منسوب کیا حالانکہ تمام نعمتیں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہیں' اور یہ بہت بڑی ناشکری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کا انکار کیا جائے اور اللہ کا شکر ادا کرنے کی بجائے بتوں کا شکر ادا کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر احسان کیا اور اس نے اس کے احسان کا بدلہ اس کی نعمتوں کے انکار سے دیا اس لیے اس کی مذمت کی جائے گی' اور اس کے ناکام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس نے تمام عمر جو بتوں کی عبادت کی اور اس سلسلہ میں ذلت اور خواری برداشت کی اس کا اس کو کوئی صلہ نہیں ملے گا بلکہ الٹا آخرت میں اس کو عذاب ہو گا اور فرمایا ہے تو مذمت اور خواری سے بیٹھا رہ جائے گا بلکہ اس سے مراد یہ ہے تو ذلت اور خواری کے ساتھ ٹھہرا رہے گا خواہ کھڑا ہو یا بیٹھا ہو یا لیٹا ہو۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا

اور آپ کا رب حکم دے چکا ہے کہ تم اس کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنا اور

يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ

اگر تمہاری زندگی میں وہ دونوں یا ان میں سے کوئی ایک بڑھاپے کو پہنچ جائے تو ان کو اف تک نہ کہنا

اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ﴿۲۳﴾ وَاخْفِضْ لَهُمَا

اور نہ ان کو جھڑکنا اور ان سے ادب سے بات کرنا ○ اور ان کے سامنے عاجزی اور

جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ

رحم دلی کا بازو جھکائے رکھنا' اور یہ دعا کرنا: اے میرے رب ان پر رحم فرمانا جیسا کہ انہوں نے بچپن میں

صَغِيْرًا ﴿۲۴﴾ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ

میری پرورش کی تھی ○ تمہارا رب یہ خوب جانتا ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے' اگر تم نیک ہو تو



فَإِنَّهُ كَانَ لِلْأَوَّابِينَ غَفُورًا ﴿٢٥﴾ وَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ

بے شک وہ توبہ کرنے والوں کو بخشنے والا ہے ○ اور رشتہ داروں، اور مسکینوں اور

وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا ﴿٢٦﴾ إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ

مسافروں کا حق ان کو دیتے رہو، اور اسراف اور فضول خرچ کرنے سے بچو ○ بے شک فضول خرچ کرنے والے

كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ ۖ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا ﴿٢٧﴾ وَإِمَّا

شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا بہت ہی ناشکرا ہے ○ اور اگر تم کو

تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَاءَ رَحْمَةٍ مِنْ رَبِّكَ تَرْجُوهَا فَقُلْ

اپنے رب کی رحمت (وسعت رزق) کی توقع اور جستجو میں ان سے اعراض کرنا پڑے تو ان کو

لَهُمْ قَوْلًا مَيْسُورًا ﴿٢٨﴾ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ

کوئی نرم بات کہہ کر ٹال دو ○ اور اپنا ہاتھ اپنی گردن تک بندھا ہوا نہ رکھو

وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَحْسُورًا ﴿٢٩﴾ إِنَّ رَبَّكَ

اور نہ اس کو بالکل کھول دو کہ ملامت زدہ اور درماندہ بیٹھے رہو ○ بے شک آپ کا رب

يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۚ إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيرًا

جس کے لیے چاہے رزق وسیع کرتا ہے اور جس کے لیے چاہے تنگ کر دیتا ہے، بے شک وہ اپنے بندوں کی بہت

بَصِيرًا ﴿٣٠﴾

خبر رکھنے والا بہت دیکھنے والا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ کا رب حکم دے چکا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرنا، اور (ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنا اور) اگر تمہاری زندگی میں وہ دونوں یا ان میں سے کوئی ایک بڑھاپے کو پہنچ جائے تو ان کو اف تک نہ کہنا اور نہ ان کو جھڑکنا اور (ان سے ادب سے بات کرنا ○ (بنی اسرائیل: ۲۳)

اس پر دلیل کہ عبادت کا استحقاق صرف اللہ کے لیے ہے

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے ایمان پر قائم رہنے اور شرک نہ کرنے کا حکم دیا تھا اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اعمال صالحہ کی تفصیلات بیان فرمائی ہیں، جو کہ ایمان کے شعائر ہیں اور (ایمان کی شرائط ہیں اور (ان کی کئی اقسام ہیں اور (ان

میں سب سے زیادہ ضروری چیز یہ ہے کہ انسان صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہے اور غیر اللہ کی عبادت سے کلیۃً مجتنب رہے، اور اس کی طرف اشارہ فرمایا اور آپ کا رب حکم دے چکا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرنا، یاد رہے کہ ہم اس سے پہلی آیت میں یہ بتا چکے ہیں کہ ان آیتوں میں بہ ظاہر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے لیکن حقیقت میں یہ انسان سے خطاب ہے۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان پر واجب ہے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے کیونکہ عبادت اس فعل کو کہتے ہیں جو نہایت تعظیم پر مشتمل ہو، اور اسی شخص کی نہایت تعظیم لائق ہے جس نے نہایت انعام کیا، واور نہایت انعام وجود اور قدرت اور حیات اور عقل عطا کرنا ہے، اور دلائل سے ثابت ہے کہ وجود، حیات، عقل اور قدرت اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی عطا نہیں کرسکتا، اور جب تمام نعمتیں اللہ کے سوا اور کوئی عطا کرنے والا نہیں ہے، تو پھر عبادت کا مستحق بھی اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں ہے پس عقلی دلیل سے یہ ثابت ہوگیا قضیٰ ربک ان لا تعبدوا الا ایاہ اور آپ کا رب حکم دے چکا ہے کہ تم اس کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کرنا۔

لفظ قضیٰ کے متعدد معانی

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قضیٰ کا لفظ استعمال فرمایا ہے اور قضیٰ کا لفظ متعدد معانی میں استعمال ہوتا ہے، یہاں قضیٰ کا معنی ہے حکم دینا، اور قضیٰ کا لفظ خلق کرنے اور پیدا کرنے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، جیسا اس آیت میں ہے:

فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ۔ (حٰم السجدہ: ۱۲)
پھر اس نے دو دن میں سات آسمان پیدا کردیئے۔

قضیٰ کا لفظ فیصلہ کرنے اور حکم دینے کا معنی میں بھی مستعمل ہے: جادوگروں نے فرعون سے کہا:

فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ۝ (طٰہٰ: ۷۲)
تو جو حکم دینا چاہتا ہے وہ حکم دے۔

قضیٰ کسی کام سے فراغت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب کی تعبیر معلوم کرنے والے دو قیدیوں سے فرمایا:

قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ۔ (یوسف: ۴۱)
تم دونوں جس خواب کی تعبیر معلوم کر رہے تھے اس کا لکھا پورا ہوچکا ہے۔

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ۔ (البقرہ: ۲۰۰)
پس جب تم ارکان حج سے فارغ ہوجاؤ۔

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ۔ (الجمعہ: ۱۰)
پس جب نماز جمعہ سے فراغت ہوجائے۔

قضیٰ کا لفظ ارادہ کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ۔ (آل عمران: ۴۷)
جب وہ کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو اس سے فرماتا ہے "ہوجا" تو وہ ہوجاتی ہے۔

اور کبھی قضیٰ کا لفظ عہد کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ (القصص: ۴۴)
اور آپ اس وقت طور کی مغربی جانب نہ تھے جب ہم نے موسیٰ سے ایک عہد لیا تھا اور نہ آپ اس کا مشاہدہ کرنے والوں میں سے تھے۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت کے متصل ماں باپ کی اطاعت کا حکم دینے کی توجیہ

اللہ تعالیٰ نے پہلے اپنی عبادت کا حکم دیا پھر اس کے بعد متصل ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا' اللہ تعالیٰ کی عبادت اور ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کے حکم میں حسبِ ذیل حکمتیں ہیں:

(۱) انسان کے وجود کا حقیقی سبب اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور اس کی ایجاد ہے اور اس کا ظاہری سبب اس کے ماں باپ ہیں' اس لیے اللہ تعالیٰ نے پہلے سبب حقیقی کی تعظیم کا حکم دیا اور اس کے متصل بعد سبب ظاہری کی تعظیم کا حکم دیا۔

(۲) اللہ تعالیٰ قدیم موجد ہے اور ماں باپ حادث موجد ہیں اس لیے قدیم موجد کے متعلق حکم دیا کہ اس کی عبودیت کے ساتھ تعظیم کی جائے اور ماں باپ حادث موجد ہیں اس لیے ان کے متعلق حکم دیا کہ ان کی شفقت کے ساتھ تعظیم کی جائے۔

(۳) منعم کا شکر کرنا واجب ہے' منعم حقیقی اللہ تعالیٰ ہے سو اس کی عبادت کرنے کا حکم دیا' اور مخلوق میں سے اگر کوئی اس کے لیے منعم ہے تو وہ اس کے ماں باپ ہیں سو ان کا شکر کرنا بھی واجب ہے' کیونکہ حدیث میں ہے:

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے لوگوں کا شکر ادا نہیں کیا اس نے اللہ کا شکر ادا نہیں کیا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۵۵' مسند احمد ج ۲ ص ۱۲۵۸' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۲۵۰۱' شرح السنہ ج ۷ ص ۲۶۱' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۱۱۲۲' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۳۶۰۶' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۳۰۲۵' کنز العمال رقم الحدیث: ۶۴۴۳)

اور مخلوق میں جتنی نعمتیں اور احسانات ماں باپ کے اولاد پر ہیں اتنی نعمتیں اور احسانات اور کسی کے نہیں ہیں' کیونکہ بچہ ماں باپ کے جسم کا ایک حصہ ہوتا ہے۔ حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فاطمۃ بضعۃ منی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۷۱۴' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۰۷۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۸۶۷) فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے۔ ماں باپ کی بچہ پر بہت زیادہ شفقت ہوتی ہے' بچہ کو ضرر سے دور رکھنا اور اس کی طرف خیر کو پہنچانا ان کا فطری اور طبعی وصف ہے۔ وہ خود تکلیف اٹھا لیتے ہیں بچہ کو تکلیف نہیں پہنچنے دیتے اور ان کو جو خیر بھی حاصل ہو وہ چاہتے ہیں کہ یہ خیر ان کے بچے کو پہنچ جائے۔ جس وقت انسان انتہائی کمزور اور انتہائی عاجز ہوتا ہے اور وہ سانس لینے کے سوا کچھ نہیں کر سکتا وہ اپنے چہرے سے مکھی بھی نہیں اڑا سکتا' اس وقت اس کی تمام ضروریات کے کفیل اس کے ماں باپ ہوتے ہیں۔ پس واضح ہو گیا کہ انسان پر جتنی نعمتیں اور جتنے احسانات اس کے ماں باپ کے ہیں اتنی نعمتیں اور اتنے احسانات اور کسی کے نہیں ہیں۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے شکر کے بعد انسان پر اگر کسی کی نعمتوں اور احسانات کے شکر کا حق ہے تو وہ اس کے ماں باپ کا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کا حکم دینے کے بعد ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے کا حکم دیا۔ اللہ تعالیٰ انسان کا حقیقی مربی ہے اور ظاہری طور پر اس کے ماں باپ اس کے مربی ہیں' جس طرح اللہ تعالیٰ انسان کی برائیوں کے باوجود اس سے اپنی نعمتوں کا سلسلہ منقطع نہیں کرتا اسی طرح اس کے ماں باپ بھی اس کی غلط کاریوں اور نالائقیوں کے باوجود اس پر اپنے احسانات کو کم نہیں کرتے' جس طرح اللہ تعالیٰ اپنے انعامات کا بندے سے کوئی عوض طلب نہیں کرتا' اسی طرح ماں باپ بھی اولاد پر اپنے احسانات کا عوض طلب نہیں کرتے' اور جس طرح اللہ تعالیٰ بندوں پر احسان کرنے سے نہیں اکتاتا اسی طرح ماں باپ بھی اولاد پر احسان کرنے سے نہیں اکتاتے' جس طرح اللہ تعالیٰ بندوں کو غلط راستوں میں بھٹکنے اور برائیوں سے بچانے کے لیے ان کو سرزنش کرتا ہے اسی طرح ماں باپ بھی اولاد کو بری راہوں سے بچانے کے لیے سرزنش کرتے ہیں۔ ان وجوہ کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کا حکم دینے کے بعد ماں باپ کے

ساتھ احسان کرنے کا حکم دیا ہے۔

ماں باپ کے حصولِ لذت کے نتیجہ میں اولاد ہوئی پھر ان کا کیا احسان ہے؟

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ماں باپ نے اپنے فطری تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے یا حصولِ لذت کے لیے ایک عمل کیا جس کے نتیجہ میں اولاد پیدا ہو گئی اور اس کی پرورش کا بار ان پر پڑ گیا تو ماں باپ کا اولاد پر کون سا احسان ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ان کا مقصود صرف حصول لذت ہوتا تو وہ جنسی عمل کرنے کے بعد عزل کر لیتے تاکہ استقرار حمل نہ ہوتا اور اب تو خاندانی منصوبہ بندی نے بہت سارے طریقے بتا دیئے ہیں جن کے ذریعے ماں باپ اپنی خواہش پوری کر سکتے ہیں، اور ان کو اولاد کے جھنجھٹ میں مبتلا نہیں ہونا پڑے گا، لیکن جب انہوں نے ضبط تولید کے کسی طریقہ پر عمل نہیں کیا تو اس سے معلوم ہوا کہ ان کا مقصود صرف حصول لذت نہیں تھا بلکہ حصول اولاد تھا، اور اس مقصد کے لیے ان کے والد نے کسب معاش کے لیے اپنی طاقت سے بڑھ کر کام کیا، دہری، تہری ملازمتیں کیں، اور اپنی اولاد کے کھانے پینے، لباس، دواؤں اور دیگر ضروریات زندگی کا خرچ اٹھانے کے لیے اپنی بساط سے بڑھ کر جدوجہد کی۔ اولاد کی ضروریات کو اپنی ضروریات پر ترجیح دی، وہ خود چاہے بھوکے رہ جائیں، خواہ ان کے لیے دوا نہ ہو لیکن اولاد کے لیے ان کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کو وقت پر کھانا اور وقت پر دوا مل جائے، باپ خواہ ان پڑھ ہو لیکن وہ چاہتا ہے کہ اس کی اولاد اعلیٰ تعلیم حاصل کرے، اور ماں کے اولاد پر جس قدر احسانات ہیں وہ بے حد و حساب ہیں، اگر اس کا مقصد صرف فطری تقاضا پورا کرنا ہوتا اور حصول لذت ہوتا تو وہ استقرار حمل سے پہلے اسقاط کرا سکتی تھی، وہ ایام حمل اور وضع حمل کی تکلیفیں نہ اٹھاتی، پھر وہ دو سال تک بچہ کو دودھ پلاتی ہے، اس کے بول و براز کو صاف کرتی ہے، اس کے بستر کو صاف رکھتی ہے، اس کا گوہ موت اٹھاتے ہوئے اس کو کوئی گھن نہیں آتی، کوئی کراہت محسوس نہیں ہوتی، راتوں کو اٹھ اٹھ کر اس کو دودھ پلاتی ہے، خود گیلے بستر پر لیٹ کر اس کو سوکھے بستر پر سلاتی ہے، اور یوں بالغ ہونے تک اس کی پرورش کرتی رہتی ہے۔ اگر گھر میں کھانا کم ہو تو خود بھوکی رہتی ہے اور بچوں کو کھلا دیتی ہے، غرض ماں کے اولاد پر اتنے احسانات ہیں جن کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا اور ماں باپ جو اولاد کی خدمت کرتے ہیں یہ بالکل بے غرض اور بے لوث ہوتی ہے، یہ نہ کہا جائے کہ وہ اس لیے بچہ کی پرورش کرتے ہیں کہ وہ بڑے ہو کر ان کا سہارا اور دست و بازو بنے گا، کیونکہ لڑکے کے متعلق تو یہ امید کی جا سکتی ہے، لڑکی کو تو اس کی شادی سے پہلے بھی پالنا پڑتا ہے اور شادی کے بعد بھی پالنا پڑتا ہے اور رہا لڑکا تو ان کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ جوانی کی عمر تک پہنچے گا بھی یا نہیں، کسی کام کے لائق بنے گا یا نہیں، پھر پڑھا لکھا کر کسی کام کے لائق تو ماں باپ بناتے ہیں، اور یہ چیز ان کے مشاہدہ میں ہوتی ہے کہ شادی کے بعد عموماً لڑکے اپنی بیویوں کے کہنے پر چلتے ہیں اور ماں باپ کو کوئی حیثیت نہیں دیتے، وہ بھول جاتے ہیں کہ ماں باپ نے ان کو کس طرح پالا پوسا تھا اور کس طرح اس مقام تک پہنچایا تھا، یہ سب ماں باپ کے پیش نظر ہوتا ہے، اس کے باوجود وہ اولاد کی بے غرض اور بے لوث خدمت اور پرورش کرتے ہیں، جس طرح اللہ تعالیٰ انسان کی بے غرض پرورش کرتا ہے اسی طرح ماں باپ اولاد کی بے لوث پرورش کرتے ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کا حکم دینے کے بعد اس کے متصل ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے۔ فرمایا:

ماں باپ کے حقوق کے متعلق قرآن مجید کی آیات

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا۔ (بنی اسرائیل: ۲۳)

اور آپ کا رب حکم دے چکا ہے کہ تم اس کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنا۔

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصَالُهٗ فِیْ عَامَیْنِ اَنِ اشْكُرْ لِیْ وَلِوَالِدَیْكَؕ اِلَیَّ الْمَصِیْرُ○ (لقمان: ۱۴)

اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے ساتھ (نیک سلوک کی) وصیت کی' اس کی ماں نے دکھ پر دکھ اٹھا کر اس کو حمل میں رکھا اور اس کا دودھ چھڑانا دو سال میں ہے' (ہم نے یہ وصیت کی کہ) میرا اور اپنے والدین کا شکر ادا کرو' تم سب نے میری ہی طرف لوٹنا ہے○

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسَانًاؕ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا۔ (الاحقاف: ۱۵)

اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے' اس کی ماں نے دکھ جھیل کر اس کو پیٹ میں رکھا اور دکھ برداشت کر کے اس کو جنا۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا۔ (البقرۃ: ۸۳)

اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے پکا وعدہ لیا کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنا۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَؕ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ۔ (البقرۃ: ۲۱۵)

وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں؟ آپ کہئے کہ تم جو بھی پاک مال خرچ کرو وہ والدین کے لیے اور رشتہ داروں کے لیے اور یتیموں کے لیے اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے (خرچ کرو)

ماں باپ کے حقوق کے متعلق احادیث

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب عمل کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا نماز کو اپنے وقت پر پڑھنا' میں نے پوچھا پھر کون سا عمل ہے؟ آپ نے فرمایا ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا' میں نے پوچھا پھر کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔ حضرت ابن مسعود نے کہا آپ نے مجھے یہ احکام بیان فرمائے' اگر میں اور پوچھتا تو آپ اور بتا دیتے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۲۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۵' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۷۳' سنن النسائی رقم الحدیث: ۶۱۰)

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے بعد ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے کا حکم دیا ہے اور اس کو جہاد پر مقدم کیا ہے۔

ماں باپ کی خدمت اور ان کی اطاعت کا یہ تقاضا ہے کہ نہ براہ راست ان کی گستاخی کرے اور نہ کوئی ایسا کام کرے جو ان کی گستاخی کا موجب ہو۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام کبیرہ گناہوں میں سے بڑا کبیرہ گناہ یہ ہے کہ انسان اپنے والدین کو گالی دے' یا لعنت کرے۔ کہا گیا یا رسول اللہ کوئی شخص اپنے ماں باپ پر کیسے لعنت کرے گا' فرمایا ایک شخص دوسرے شخص کے ماں باپ کو گالی دے گا تو وہ دوسرا شخص اس کے ماں باپ کو گالی دے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۷۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۴۱' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۰۲)

اغراض صحیحہ اور جائز کاموں میں ماں باپ کی نافرمانی کرنا حرام ہے اور جائز کاموں میں ان کی اطاعت کرنا واجب ہے جبکہ ان کا حکم کسی معصیت کو مستلزم نہ ہو۔

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا: کیا میں تم کو سب سے بڑے کبیرہ گناہ کے متعلق نہ بتاؤں! صحابہ نے کہا کیوں نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا اللہ کا شریک بنانا اور ماں باپ کی نافرمانی کرنا، آپ سہارے سے بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے فرمایا اور جھوٹی بات کہنا، اس کا آپ نے تین بار تکرار فرمایا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۶۵۴، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۷، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۰۱)

ماں باپ کی اطاعت کا یہ بھی تقاضا ہے کہ اگر اس کا باپ اس کو یہ حکم دے کہ اپنی بیوی کو طلاق دے دو تو اس پر بیوی کو طلاق دینا واجب ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میرے نکاح میں ایک عورت تھی جس سے میں محبت کرتا تھا، اور میرے والد اس کو ناپسند کرتے تھے، انہوں نے مجھے حکم دیا کہ اس کو طلاق دے دو، میں نے انکار کر دیا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا آپ نے فرمایا: اے عبداللہ بن عمر! اپنی بیوی کو طلاق دے دو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۱۸۹، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۳۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۸۸، اس حدیث کی سند صحیح ہے)

ماں اور باپ دونوں کی اطاعت واجب ہے لیکن ماں کی اطاعت کا حق چار میں سے تین حصہ ہے اور باپ کی اطاعت کا حق ایک حصہ ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا، یا رسول اللہ! لوگوں میں میرے نیک سلوک کا سب سے زیادہ کون مستحق ہے؟ آپ نے فرمایا تمہاری ماں! اس نے کہا پھر کون ہے؟ آپ نے فرمایا تمہاری ماں! اس نے پوچھا پھر کون ہے؟ فرمایا تمہاری ماں! اس نے کہا پھر کون ہے؟ فرمایا تمہارا باپ! (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۷۱، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۴۸)

اگر ماں باپ غیر مسلم ہوں پھر بھی ان کے ساتھ نیک سلوک واجب ہے۔

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ میری والدہ میرے پاس آئیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مشرکہ تھیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ! وہ اسلام سے اعراض کرتی ہیں، کیا میں ان کے ساتھ صلہ رحم کروں؟ آپ نے فرمایا: ہاں تم ان کے ساتھ صلہ رحم کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۶۲۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۰۳، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۶۸)

ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنا جہاد پر مقدم ہے:

حضرت عبداللہ بن عمرو بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: کیا میں جہاد کروں؟ آپ نے پوچھا تمہارے ماں باپ ہیں! اس نے کہا جی ہاں! آپ نے فرمایا پھر تم ان کی خدمت میں جہاد کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۷۲، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۴۹، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۵۲۹، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۷۱، سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۱۰۳، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۹۲۸۴، مسند حمیدی رقم الحدیث: ۵۸۵، مسند احمد رقم الحدیث: ۶۵۴۴، عالم الکتب، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۲ص ۴۷۳)

معاویہ بن جاہمہ السلمی بیان کرتے ہیں کہ حضرت جاہمہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئے اور عرض کیا میں جہاد کے لیے جانا چاہتا ہوں اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں، آپ نے پوچھا کیا تمہاری ماں ہے؟ اس نے کہا: ہاں! آپ نے فرمایا پھر اس کے ساتھ لازم رہو کیونکہ جنت اس کے پیروں کے پاس ہے وہ پھر دوبارہ کسی اور وقت گئے، پھر سہ بارہ کسی اور وقت گئے تو آپ نے یہی جواب دیا۔

(سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۱۰۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۸۱، مسند احمد ج ۳ ص ۴۲۹، طبع قدیم، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۵۶۲۳، عالم الکتب، سنن کبری للبیہقی ج ۹ ص ۲۶، مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۹۲۹۰، مشکوۃ رقم الحدیث: ۴۹۳۵، تاریخ بغداد ج ۳ ص ۳۳۴)

ایک روایت میں ہے جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔ (سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۱۰۴)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔ (کنز العمال رقم الحدیث: ۴۵۴۳۹، بہ حوالہ تاریخ بغداد)

امام ابن ابی شیبہ محمد بن المنکدر سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تمہاری ماں تم کو (نفل) نماز میں بلائے تو چلے جاؤ اور جب تمہارا باپ بلائے تو نہ جاؤ۔ (الدر المنثور ج ۵ ص ۲۶۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ)

ماں باپ کے بڑھاپے اور ان کی موت کے بعد ان سے نیک سلوک کرنا

اس آیت میں یہ بھی فرمایا: اور اگر تمہاری زندگی میں وہ دونوں یا ان میں سے کوئی ایک بڑھاپے کو پہنچ جائے تو اس کو اف تک نہ کہنا اور نہ اس کو جھڑکنا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ناک خاک آلود ہو، پھر ناک خاک آلود ہو، آپ سے کہا گیا کس کی یا رسول اللہ! فرمایا: جس نے اپنے ماں باپ کے بڑھاپے کو پایا، یا ان میں سے کسی ایک کے یا دونوں کے، پھر وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۵۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھے پھر فرمایا: آمین، آمین، آمین، آپ سے پوچھا گیا یا رسول اللہ آپ نے کس چیز پر آمین کہی؟ آپ نے فرمایا میرے پاس ابھی جبرائیل آئے تھے انہوں نے کہا یا محمد! اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے سامنے آپ کا ذکر کیا گیا اور اس نے آپ پر درود نہیں پڑھا، آپ کہیے آمین تو میں نے کہا آمین! پھر اس نے کہا اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس پر رمضان کا مہینہ داخل ہوا اور اس کی مغفرت کے بغیر وہ مہینہ گزر گیا آپ کہیے آمین تو میں نے کہا آمین! پھر اس نے کہا اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس نے اپنے ماں باپ یا دونوں میں سے کسی ایک کو بڑھاپے میں پایا اور انہوں نے اس کو جنت میں داخل نہیں کیا، آپ کہیے آمین تو میں نے کہا آمین۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۴۵، مسند احمد ج ۲ ص ۲۵۴، مسند احمد رقم الحدیث: ۷۴۴۴، عالم الکتب، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۹۰۸، المستدرک ج ۱ ص ۵۴۹)

ماں باپ کے مرنے کے بعد ان کے ساتھ حسن سلوک یہ ہے کہ ان کے دوستوں کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے، حدیث میں ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ ماں باپ کے مرنے کے بعد ان کے دوستوں کے ساتھ نیکی کی جائے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۵۲، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۰۳)

حضرت مالک بن ربیعہ الساعدی بیان کرتے ہیں کہ جس وقت میں بیٹھا ہوا تھا اس وقت انصار میں سے ایک شخص آیا اور کہا یا رسول اللہ! کیا ماں باپ کے فوت ہونے کے بعد بھی ان کے ساتھ کوئی نیکی کرنا میرے ذمہ ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں، چار قسم کی نیکیاں ہیں، (۱) ان کی نماز جنازہ پڑھنا (۲) ان کے لیے استغفار کرنا اور ان کے عہد کو پورا کرنا (۳) ان کے دوستوں کی

تعظیم کرنا(۴) اور ان کے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحم کرنا' یہ ان کے ساتھ وہ نیکیاں ہیں جو ان کی موت کے بعد تم پر باقی ہیں۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۴۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۶۴' ج ۴ ص ۱۵۴' مسند احمد ج ۳ ص ۴۹۸' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۶۱۵۶' عالم الکتب بیروت' حافظ زین نے کہا اس حدیث کی سند حسن ہے' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۶۰۰۴' مطبوعہ معارف الحدیث قاہرہ' المستدرک ج ۴ ص ۱۵۴ حافظ ذہبی نے حاکم کی موافقت کی ہے)

سلیمان بن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص اپنی ماں کو اٹھائے ہوئے خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا' اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: کیا میں نے اپنی ماں کا حق ادا کر دیا ہے آپ نے فرمایا نہیں یہ تو اس کی ایک بار خندہ پیشانی کا بھی بدل نہیں ہے۔ (مسند البزار رقم الحدیث: ۱۸۷۲' حافظ الہیثمی نے کہا اس حدیث کی سند حسن ہے۔ مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۳۷)

ماں باپ کو جھڑکنے اور ان کو اف کہنے کی ممانعت

اس کے بعد فرمایا: اگر وہ دونوں یا ان میں سے کوئی ایک بڑھاپے کو پہنچ جائے تو اس کو اف تک نہ کہنا اور نہ ان کو جھڑکنا اور ان سے ادب سے بات کرنا۔

یعنی اپنے ماں باپ سے گھن نہ کھانا' جس طرح ان کو تم سے گھن نہیں آتی تھی' وہ تمہارا بول براز اٹھاتے تھے اور اس کی بدبو سے ناک چڑھاتے تھے نہ تیوری پر بل ڈالتے تھے وہ تم کو نجاست سے صاف کرتے تھے اور ان کو برا نہیں لگتا تھا' اسی طرح بڑھاپے یا بیماری کی وجہ سے ان کے جسم سے کوئی ناگوار بو آئے تو تم ناگواری سے اف تک نہ کرنا۔

اور جب ماں باپ کو اف تک کہنا منع ہے تو ان کے ساتھ سخت لہجہ میں بات کرنا اور ان کو ڈانٹ ڈپٹ کرنا یا ان کو مارنا بہ طریق اولیٰ منع ہے' انسان جب ماں باپ سے بات کرے تو نظر نیچی رکھ کر بات کرے اور پست آواز میں بات کرے' ایسے لہجہ میں بات نہ کرے جو توہین آمیز ہو اور نہ کوئی ایسی بات کرے جس سے ان کی دل شکنی ہو' البتہ اگر وہ شریعت کے خلاف کوئی بات کہیں تو اس میں ان کی اطاعت نہ کرے' مثلاً اگر وہ کہیں کہ اپنی بہن سے بات نہ کرو یا اپنے بھائی یا اپنی خالہ یا اپنے ماموں سے بات نہ کرو تو اس میں ان کا حکم نہ مانے' کیونکہ رشتہ داروں سے تعلق توڑنے کی شریعت میں ممانعت ہے' تاہم ان سے اس طرح بات کریں کہ ماں باپ کو پتہ نہ چلے تاکہ ان کی دل آزاری نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان کے سامنے عاجزی اور رحم دلی کا بازو جھکائے رکھنا اور یہ دعا کرنا: اے میرے رب ان پر رحم فرمانا جیسا کہ انہوں نے بچپن میں میری پرورش کی تھیO (بنی اسرائیل: ۲۴)

رحم دلی سے بازو جھکانے کا معنی

پرندہ جب اپنے چوزہ کو اپنے جسم کے ساتھ ملانا چاہتا ہے تو اپنے پروں کو جھکا لیتا ہے' اس وجہ سے پروں کو جھکانے سے مراد ہوتی ہے بچہ کی اچھی پرورش کرنا اور یہاں یہ مراد ہے کہ اپنے ماں باپ کی اچھی طرح کفالت کرو اور ان کے خرچ کو اپنے خرچ سے ملا لو اور ان کو الگ نہ کرو' جس طرح انہوں نے تمہارے بچپن میں تمہارے خرچ کو اپنے خرچ سے الگ نہیں رکھا' دوسری وجہ یہ ہے کہ جب پرندہ اڑنے کا ارادہ کرتا ہے تو اپنے پروں کو پھیلا لیتا ہے اور جب اڑان اور پرواز ختم کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اپنے پروں کو سکیڑ لیتا ہے اور جھکا دیتا ہے اس وجہ سے بازو اور پر پھیلانا علو سے کنایہ ہے اور پروں کو جھکانا تواضع اور عجز اور انکسار سے کنایہ ہے سو اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اپنے ماں باپ کے سامنے اکڑ اور ترفع کے ساتھ نہ رہو بلکہ عجز اور تواضع کے ساتھ رہو۔

اس آیت میں یہ حکم دیا ہے کہ ماں باپ کے لیے دعا کرو کہ اے اللہ ان پر رحم فرمانا جیسا کہ انہوں نے بچپن میں میری پرورش کی تھی، اور جب ہم نماز میں دعاء ابراہیم پڑھتے ہیں ربنا اغفرلی ولوالدی (ابراھیم: ۴۱) اے ہمارے رب میری مغفرت کر اور میرے ماں باپ کی، تو اس حکم پر عمل ہو جاتا ہے، اور جب انسان اپنے ماں باپ کے لیے مغفرت اور رحمت کی دعا کرے گا تو اس کو بھی مغفرت اور رحمت حاصل ہوگی یہ تو دراصل اپنے ہی حق میں رحمت اور مغفرت کی دعا ہے کیونکہ حدیث میں ہے:

حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مسلمان بندہ اپنے مسلمان بھائی کے پس پشت دعا کرتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے تجھے بھی اس کی مثل مل جائے، اس کی دعا قبول ہوتی ہے اور فرشتہ اس کی دعا پر آمین کہتا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۳۲، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۵۳۴)

مجھے اس حدیث کی صداقت کا تجربہ ہے، مجھے علم تھا کہ میرے دوست علامہ عبدالحکیم صاحب شرف قادری مدظلہ قرآن مجید کی تفسیر لکھنا چاہتے ہیں، ۱۹۹۴ء میں مدینہ طیبہ میں میری ان سے ملاقات ہوئی، ہم گنبد خضراء کے سائے میں کھڑے تھے، انہوں نے مجھ سے کہا میرے لیے دعا کریں میں نے دعا کی کہ الٰہ العالمین! علامہ شرف صاحب کو قرآن مجید کی تفسیر لکھنے کا شرف عطا فرما، اللہ تعالیٰ نے یہ دعا میرے حق میں قبول فرمالی میں نے اسی سال تفسیر لکھنی شروع کی اور اب ۲۰۰۰ء میں بنی اسرائیل تک یہ تفسیر پہنچ گئی اور ان شاء اللہ باقی بھی مکمل ہو جائے گی۔

مشرک ماں باپ کے لیے دعا کرنے میں مفسرین کے اقوال

اس آیت میں والدین کے لیے مغفرت اور رحمت کی دعا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس کے متعلق مفسرین کے تین قول ہیں: امام رازی لکھتے ہیں:

(۱) یہ آیت قرآن مجید کی اس آیت سے منسوخ ہے:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ○ (التوبہ: ۱۱۳)

نبی اور ایمان والوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا کریں، خواہ وہ ان کے رشتہ دار ہوں، جب کہ یہ بات ان پر ظاہر ہو چکی ہو کہ وہ دوزخی ہیں۔

لہٰذا کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے مشرک ماں باپ کے لیے مغفرت اور رحمت کے حصول کی دعا کرے۔

(۲) یہ آیت منسوخ نہیں ہے بلکہ مسلمان والدین کے ساتھ مخصوص ہے، یعنی اگر اس کے ماں باپ مسلمان ہوں تو ان کے لیے مغفرت اور رحمت کی دعا کرے اور اگر اس کے ماں باپ مشرک ہوں تو ان کے لیے مغفرت یا رحمت کی دعا نہ کرے۔ اور یہ قول پہلے قول سے اولیٰ ہے۔

(۳) یہ آیت منسوخ ہے اور نہ مخصوص ہے اگر اس کے والدین کافر ہوں تو وہ ان کے لیے ہدایت اور ایمان کے حصول کی دعا کرے اور ایمان کے بعد ان کے لیے مغفرت اور رحمت کی دعا کرے۔

(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۳۲۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

ماں باپ کے حقوق اور ان کی اطاعت اور نافرمانی کے نتائج اور ثمرات

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! میرا مال بھی ہے اور میری اولاد بھی ہے اور میرا باپ میرا مال چھین لینا چاہتا ہے! آپ نے فرمایا تم خود اور تمہارا مال تمہارے باپ کی ملکیت ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۲۲۹۱' اس حدیث کی سند صحیح ہے۔)

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر کہا میرے باپ نے میرے مال کو چھین لیا (یا ہلاک کر دیا) آپ نے فرمایا تم خود اور تمہارا مال تمہارے باپ کی ملکیت ہیں' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک تمہاری اولاد تمہاری پاکیزہ کمائی ہے' پس تم ان کے اموال سے کھاؤ۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۹۲' مسند احمد ج ۲ ص ۱۷۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۵۳۰' تاریخ بغداد رقم الحدیث: ۱۹۹۴' ابن الجارود رقم الحدیث:۹۹۵)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! والدین کا اپنی اولاد پر کیا حق ہے؟ آپ نے فرمایا وہ اس کی جنت اور دوزخ ہیں۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۶۲' اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص کے ماں باپ یا ان میں سے کوئی ایک جس وقت فوت ہوتے ہیں وہ اس وقت ان کا نافرمان ہوتا ہے پھر وہ ان کے لیے مسلسل مغفرت کی دعا کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اللہ اس کو نیکو کار لکھ دیتا ہے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۷۹۰۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اس حال میں صبح کرتا ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ کا اطاعت گزار ہوتا ہے' اس کے لیے جنت کے دو دروازے کھلے ہوئے ہوتے ہیں اور اگر وہ ایک کا اطاعت گزار ہوتا ہے تو ایک دروازہ کھلا ہوا ہوتا ہے' اور جو شخص شام کے وقت اس حال میں ہوتا ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہوتا ہے تو صبح کے وقت اس کے لیے دوزخ کے دو دروازے کھلے ہوئے ہوتے ہیں اور اگر وہ ایک کا نافرمان ہوتا ہے تو ایک دروازہ کھلا ہوا ہوتا ہے۔ ایک شخص نے کہا خواہ اس کے ماں باپ اس پر ظلم کریں فرمایا اگرچہ وہ اس پر ظلم کریں! اگرچہ وہ اس پر ظلم کریں' اگرچہ وہ اس پر ظلم کریں۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۷۹۱۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو نیک شخص اپنے ماں باپ کی طرف رحمت کی نظر سے دیکھے اللہ تعالیٰ اس کو ہر نظر کے بدلہ میں حج مبرور عطا فرماتا ہے' صحابہ نے پوچھا خواہ وہ ہر روز سو مرتبہ رحمت کی نظر کرے؟ آپ نے فرمایا ہاں! اللہ بہت بڑا اور بہت پاک ہے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۷۸۵۹)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ماں باپ کی نافرمانی کے سوا اللہ ہر گناہ میں سے جس کو چاہے گا معاف فرما دے گا اور ماں باپ کی نافرمانی کی سزا انسان کو زندگی میں موت سے پہلے مل جائے گی۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۷۸۹۰)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن تین انسانوں کی طرف اللہ رحمت کی نظر نہیں فرمائے گا اور جو لوگ جنت میں داخل نہیں ہوں گے ان میں ماں باپ کا نافرمان ہوگا'

اور بالوں کو کاٹ کر مردوں سے مشابہت کرنے والی عورت ہوگی اور دیوث (عورتوں کا دلال) ہوگا اور جن تین کی طرف قیامت کے دن نظر رحمت نہیں فرمائے گا وہ ماں باپ کا نافرمان ہوگا، اور عادی شرابی، اور احسان جتلانے والا۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۳۱۸۰، مسند احمد رقم الحدیث ۶۱۸۰، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۶، المستدرک ج ۴ ص ۱۴۷-۱۴۶، سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۵۶۲، ۲۵۶۱)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین آدمی سفر کر رہے تھے۔ ان کو بارش نے آلیا، انہوں نے پہاڑ کے اندر ایک غار میں پناہ لی، غار کے منہ پر پہاڑ سے ایک چٹان ٹوٹ کر آگری اور غار کا منہ بند ہوگیا، پھر انہوں نے ایک دوسرے سے کہا، تم نے جو نیک عمل اللہ کے لیے کیے ہوں ان کے وسیلہ سے اللہ سے دعا کرو شاید اللہ غار کا منہ کھول دے، ان میں سے ایک نے کہا اے اللہ! میرے ماں باپ بوڑھے تھے اور میری ایک چھوٹی بچی تھی جب میں شام کو آتا تو بکری کا دودھ دوھ کر پہلے اپنے ماں باپ کو پلاتا پھر اپنی بچی، بیوی اور گھر والوں کو پلاتا، ایک دن مجھے دیر ہوگئی میں حسب معمول دودھ لے کر ماں باپ کے پاس گیا، وہ سو چکے تھے، میں نے ان کو جگانا ناپسند کیا اور ان کے دودھ دینے سے پہلے بچی کو دودھ دینا ناپسند کیا، بچی رات بھر بھوک سے میرے قدموں میں روتی رہی اور میں صبح تک دودھ لے کر ماں باپ کے سرہانے کھڑا رہا۔ اے اللہ تجھے خوب علم ہے کہ میں نے یہ فعل صرف تیری رضا کے لیے کیا تھا تو ہمارے لیے اتنی کشادگی کر دے کہ ہم آسمان کو دیکھ لیں، اللہ عزوجل نے ان کے لیے کشادگی کر دی حتیٰ کہ انہوں نے آسمان دیکھ لیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۲۱۵، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۴۳، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۸۷، مسند احمد رقم الحدیث: ۵۹۷۳ عالم الکتب، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۳۱۸۸)

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، آپ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا ایک جوان آدمی قریب المرگ ہے اس سے کہا گیا کہ لا الہ الا اللہ پڑھو تو وہ نہیں پڑھ سکا، آپ نے فرمایا: وہ نماز پڑھتا تھا؟ اس نے کہا ہاں! پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور ہم بھی آپ کے ساتھ اٹھے، آپ اس جوان کے پاس گئے اور فرمایا کہو لا الہ الا اللہ اس نے کہا مجھ سے نہیں پڑھا جا رہا، آپ نے اس کے متعلق پوچھا، کسی نے کہا یہ اپنی والدہ کی نافرمانی کرتا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا اس کی والدہ زندہ ہے؟ لوگوں نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا اس کو بلاؤ وہ آئی، آپ نے پوچھا یہ تمہارا بیٹا ہے، اس نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا یہ بتاؤ کہ اگر آگ جلائی جائے اور تم سے کہا جائے کہ اگر تم شفاعت کرو تو اس کو چھوڑ دیتے ہیں ورنہ اس کو آگ میں ڈال دیتے ہیں تو کیا تم اس کی شفاعت کرو گی؟ اس نے کہا یا رسول اللہ! اس وقت میں اس کی شفاعت کروں گی، آپ نے فرمایا تب تم اللہ کو گواہ کرو، اور مجھ کو گواہ کر کے کہو کہ تم اس سے راضی ہوگئی ہو، اس عورت نے کہا اے اللہ میں تجھ کو گواہ کرتی ہوں اور تیرے رسول کو گواہ کرتی ہوں کہ میں اپنے بیٹے سے راضی ہوگئی ہوں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لڑکے! اب کہو لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ تو اس لڑکے نے کلمہ پڑھا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کا شکر ہے جس نے اس کو میری وجہ سے آگ سے نجات دی۔

(الترغیب والترہیب للمنذری ج ۳ ص ۳۳۲، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۴۸، شعب الایمان رقم الحدیث: ۷۸۹۲)

ماں باپ کے حقوق کے متعلق میں نے البقرہ ۸۳ میں بھی بحث کی ہے لیکن یہاں بہت زیادہ جامعیت اور تفصیل سے لکھا ہے اور بعض احادیث مکرر آگئی ہے لیکن ہم نے اس بحث کو مکمل کرنے کے لیے ان کا ذکر کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تمہارا رب بہ خوبی جانتا ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے، اگر تم نیک ہو تو بے شک وہ توبہ کرنے والوں کو بخشنے والا ہے○ (بنی اسرائیل: ۲۵)

اوّابین کے معانی

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم نے تم کو سابقہ آیت میں اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے اور تمہارے دلوں میں اخلاص ہے یا نہیں ہے یہ اللہ پر مخفی نہیں ہے کیونکہ انسان کے علوم میں تو سہو اور نسیان آجاتا ہے اور نہ ہی اس کا علم تمام چیزوں کا احاطہ کر سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا علم ان تمام نقائص سے پاک ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ کو سب علم ہے کہ تم ان احکام پر اخلاص سے عمل کر رہے ہو یا نہیں، اگر تمہارے دل میں کوئی فساد نہیں ہے اور تم صحیح نیت سے اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کر رہے ہو اور اس کی طرف رجوع کرنے والے ہو تو بے شک وہ توبہ کرنے والوں کو بہت بخشنے والا ہے۔

اس آیت میں اوابین کا لفظ ہے، یہ لفظ اوب سے بنا ہے، اوب رجوع کی ایک قسم ہے، قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ اِلَیْنَآ اِیَابَهُمْ۔ (الغاشیہ: ۲۵) بے شک ہماری ہی طرف ان کا لوٹنا ہے۔

فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّهٖ مَاٰبًا۔ (النباء: ۳۹) پس جو چاہے اپنے رب کی طرف لوٹنے کی جگہ بنالے۔

اور اوّاب، توّاب کی مثل ہے یعنی جو شخص گناہوں کو ترک کر کے عبادات کو انجام دے کر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنے والا ہو:

هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ○ (ق: ۳۲) یہ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا ہر اس شخص کے لیے جو رجوع کرنے والا ہو اور (دین برحق کی) حفاظت کرنے والا ہو۔

(المفردات ج ۱ ص ۳۷، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

امام عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ نے اوّاب کے حسب ذیل معنی ذکر کیے ہیں:

(۱) ضحاک نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا کہ اس کا معنی مسلمان ہے۔

(۲) ابو صالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا کہ اس کا معنی تواب ہے اور یہی مجاہد اور سعید بن جبیر کا قول ہے، ابن قتیبہ نے کہا اس کا معنی ہے جو شخص بار بار توبہ کرے، زجاج نے کہا اس کا معنی ہے جو شخص ان تمام کاموں کی جڑ کاٹ دے جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔

(۳) سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا اس کا معنی ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کی بہت تسبیح کرنے والا ہو۔

(۴) علی ابن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والا ہو۔

(۵) عبید بن عمیر نے کہا جو شخص تنہائی میں اپنے گناہوں کو یاد کرے پھر اللہ تعالیٰ سے ان گناہوں کی مغفرت طلب کرے۔

(۶) حسن بصری نے کہا جو شخص اپنے دل اور اپنے اعمال سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو۔

(۷) قتادہ نے کہا اس کا معنی ہے نماز پڑھنے والا۔

(۸) ابن المنکدر نے کہا جو شخص مغرب اور عشاء کے درمیان نفل پڑھے۔ (حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مغرب کی نماز کے بعد چھ رکعات (نفل) پڑھے اور ان کے درمیان

کوئی بری بات نہ کرے تو اس کی وہ عبادت بارہ سال کی عبادت کے برابر قرار دی جائے گی۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۴۳۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۱۶۷) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے مغرب کی بعد بیس رکعت نماز پڑھی' اللہ اس کے لیے جنت میں گھر بنادے گا۔ مغرب کے بعد بارہ رکعات نماز کو صلوٰۃ اوابین کہا جاتا ہے۔)

(۹) عون عقیلی نے کہا اس کا معنی ہے جو شخص چاشت کی نماز پڑھے۔

(۱۰) السدی نے کہا جو شخص تنہائی میں گناہ کرے اور تنہائی میں توبہ کرے۔

(زاد المسیر ج ۵ ص ۲۷-۲۶، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ اوابین کے لیے بہت بخشنے والا ہے' اور اوّاب مبالغہ کا صیغہ ہے اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف بار بار رجوع کرنے والا اور بار بار اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف لوٹنے والا' سعید بن مسیب نے کہا یہ وہ شخص ہے جو توبہ کرتا ہے پھر گناہ کرتا ہے پھر توبہ کرتا ہے پھر گناہ کرتا ہے پھر توبہ کرتا ہے' حضرت ابن عباس نے فرمایا اوّاب وہ شخص ہے جو جب بھی اپنے گناہوں کو یاد کرتا ہے تو ان پر استغفار کرتا ہے' عون عقیلی نے کہا اوابین وہ لوگ ہیں جو چاشت کی نماز پڑھتے ہیں:

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اہل قباء کی طرف گئے وہ نماز پڑھ رہے تھے' آپ نے فرمایا اوابین کی نماز اس وقت ہوتی ہے جب گرم ریت پر چلنے کی وجہ سے اونٹ کے بچوں کے پاؤں جلنے لگیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۴۸)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور رشتہ داروں اور مسکینوں اور مسافروں کو ان کا حق دیتے رہو اور اسراف اور فضول خرچ کرنے سے بچو○ (بنی اسرائیل: ۲۶)

جن لوگوں پر خرچ کرنا انسان پر واجب ہے' اس کے متعلق مذاہب فقہاء

اس آیت میں کس سے خطاب کیا گیا ہے اس میں بھی دو قول ہیں' ایک قول یہ ہے کہ اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ حکم دیا ہے کہ مال فئی اور مال غنیمت میں سے جو مال آپ کو حاصل ہو اس میں سے آپ اپنے قرابت داروں کے حقوق ادا کریں اور مسکینوں اور مسافروں کو بھی عطا کریں' اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس آیت میں تمام انسانوں سے خطاب ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ جب تم ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے سے فارغ ہو گئے تو اب تم پر واجب ہے کہ تم باقی اقارب سے بھی نیک سلوک کرو اور جو زیادہ قریب ہو اس کا حق پہلے ادا کرو' پھر درجہ بہ درجہ اور پھر مسکینوں اور مسافروں کی اصلاح میں مال خرچ کرو۔

علامہ عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور قرابت داروں کو ان کا حق دیتے رہو' اس کی تفسیر میں دو قول ہیں:

(۱) اس سے انسان کے قرابت دار مراد ہیں خواہ وہ باپ کی طرف سے قرابت دار ہوں یا ماں کی طرف سے' یہ حضرت ابن عباس اور حسن کا قول ہے اور اس بناء پر ان کے حق کی تین تفسیریں ہیں: (ا) ان کے ساتھ نیکی اور صلہ رحم کیا جائے (ب) ضرورت کے وقت ان کے جو اخراجات واجب ہیں وہ ادا کیے جائیں (ج) وفات کے وقت ان کے متعلق وصیت کی جائے۔

(۲) حضرت علی بن حسین علیہما السلام نے کہا اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت دار ہیں اور اس بناء پر ان کا حق یہ ہے کہ ان کو خمس دیا جائے اور یہ خطاب حکام کی طرف متوجہ ہے۔

اور مسکینوں اور مسافروں کے متعلق قاضی ابو یعلیٰ نے کہا اس سے مراد صدقات واجبہ ہیں یعنی ان کی زکوٰۃ ادا کی جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ حق سے مراد یہ ہو کہ جب ان کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو وہ ان کو دی جائے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مسکین کا حق صدقہ ہے اور مسافر کا حق اس کو کھانا کھلانا ہے۔ (زاد المسیر ج ۵ ص ۲۷، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

امام فخرالدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے قرابت داروں کو ان کا حق ادا کرو، یہ آیت مجمل ہے اس میں یہ بیان نہیں ہے کہ وہ حق کیا ہے؟ امام شافعی کے نزدیک صرف اولاد اور والدین پر خرچ کرنا واجب ہے، اور بعض علماء نے کہا کہ محارم پر بھی بقدر ضرورت خرچ کرنا واجب ہے اور اس پر اتفاق ہے کہ جو رشتہ دار محارم نہیں ہیں جیسے چچازاد ماموں زاد وغیرہ ان کا صرف یہ حق ہے کہ ان سے تعلق رکھا جائے اور ان سے ملاقات کی جائے، اور ان سے حسن معاشرت رکھی جائے اور تنگی اور خوشی میں ان سے میل جول برقرار رکھا جائے، اور مسکینوں اور مسافروں کو زکوٰۃ میں سے حصہ دیا جائے، مسکینوں کو اتنا دینا واجب ہے جو ان کی اور ان کے بچوں کی خوراک کے لیے کافی ہو اور مسافر کو اتنا دینا واجب ہے جو اس کی سفر کی دیگر ضروریات کے لیے کافی ہو۔

(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۳۲۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابوالبرکات نسفی حنفی متوفی ۷۱۰ھ لکھتے ہیں:

اپنے ان قرابت داروں کو ان کا خرچ دو جو تمہارے محرم ہوں اور فقراء ہوں اور مسکینوں اور مسافروں کو زکوٰۃ سے ان کا حق ادا کرو۔ (مدارک التنزیل علی ہامش الخازن ج ۳ ص ۱۷۳، مطبوعہ دار الکتب العربیہ پشاور)

قاضی ابو سعود محمد بن محمد حنفی متوفی ۹۸۲ھ لکھتے ہیں:

قرابت دار سے مراد محارم ہیں اور ان کے حق سے مراد ان کا خرچ ہے۔

(تفسیر ابو سعود ج ۴ ص ۱۲۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۹ھ)

علامہ محمد بن مصلح الدین مصطفیٰ القوجوی الحنفی المتوفی ۹۵۱ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب تم والدین کے ساتھ نیکی کرنے سے فارغ ہو گئے تو اب تم پر واجب ہے کہ باقی رشتہ داروں کے ساتھ درجہ بہ درجہ نیکی کرو پھر مسکینوں اور مسافروں کے احوال کی اصلاح کرو اور قرابت داروں کو دو بشرطیکہ وہ محرم ہوں تنگ دست ہوں اور کمانے سے عاجز ہوں، اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک امیر اور خوشحال پر واجب ہے کہ وہ اپنے تنگ دست قرابت داروں پر بقدر ضرورت خرچ کرے۔

(حاشیہ شیخ زادہ علی البیضاوی ج ۵ ص ۳۷۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۹ھ)

فقہاء احناف کے نزدیک انسان پر جن لوگوں کا خرچ واجب ہے اس کی تفصیل کتب فقہ میں ہے، علامہ عبداللہ بن محمود حنفی متوفی ۶۸۳ھ نے جو اس کی تفصیل لکھی ہے میں اس کو اختصار کے ساتھ لکھ رہا ہوں:

انسان پر اس کی بیوی کے کھانے، کپڑوں اور رہائش کا خرچ واجب ہے، اسی طرح نابالغ بچوں کے بھی کھانے، کپڑوں اور رہائش کا خرچ اس پر واجب ہے، اور آباء اور اجداد کا خرچ بھی اس پر واجب ہے بشرطیکہ وہ ضرورت مند ہوں اور ماں باپ اولاد کے علاوہ دیگر قرابت داروں کا خرچ بھی اس پر واجب ہے بشرطیکہ وہ محارم ہوں اور تنگ دست ہوں اور کمانے پر

قادر نہ ہوں یا کوئی محرم عورت ہو جو تنگ دست ہو۔ (الاختیار جز ۴ ص ۱۲۔ ۱۳، ملخصاً، مطبوعہ دار فراس للنشر والتوزیع)

تبذیر کا معنی

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور تبذیر نہ کرو۔

تبذیر کا معنی ہے تفریق، اس کی اصل ہے زمین میں بذر (بیج) کو پھینک دینا اور پھر اس کا استعارہ ہر اس شخص کے لیے کیا گیا جو اپنے مال کو ضائع کرنے والا ہو، بظاہر بذر (بیج) کو زمین میں متفرق جگہ پھینک دینا بھی اس شخص کے نزدیک مال کو ضائع کرنا ہے جو بیجوں کو زمین میں ڈالنے کے نتیجہ سے ناواقف ہو۔ (المفردات ج ۱ ص ۵۱، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

امام عبدالرحمان بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں: تبذیر کے متعلق دو قول ہیں:

(۱) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا اس کا معنی ہے مال کو باطل اور ناجائز جگہوں میں خرچ کرنا، مجاہد نے کہا اگر کوئی شخص اپنے تمام مال کو حق کی راہ میں خرچ کرے تو وہ مبذر نہیں ہے اور اگر وہ ایک کلو چیز بھی ناحق جگہ میں خرچ کرے تو وہ مبذر ہے، زجاج نے کہا اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے علاوہ میں خرچ کرنا تبذیر ہے، زمانہ جاہلیت میں لوگوں کو دکھانے اور سنانے کے لیے اونٹوں کو ذبح کیا جاتا تھا اور مالوں کو خرچ کیا جاتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ صرف اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے مال کو خرچ کیا جائے۔

ماوردی نے ذکر کیا ہے کہ مال کو بے فائدہ اور فضول خرچ کرنا اور مال کو ضائع کرنا تبذیر ہے۔

(زاد المسیر ج ۵ ص ۲۸۔ ۲۷، مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

امام فخرالدین محمد بن عمر رازی لکھتے ہیں:

مال کو ضائع کرنا اور اس کو فضول اور بے فائدہ خرچ کرنا تبذیر ہے، عثمان بن اسود نے کہا میں مجاہد کے ساتھ کعبہ کے گرد طواف کر رہا تھا، انہوں نے ابو قبیس پہاڑ کی طرف دیکھ کر کہا اگر کوئی شخص اس پہاڑ کے برابر بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں خرچ کرے تو وہ مسرفین میں سے نہیں ہے اور اگر وہ ایک درہم بھی اللہ تعالیٰ کی معصیت میں خرچ کرے تو وہ مسرفین میں سے ہے، ایک شخص نے کسی نیک کام میں بہت زیادہ مال خرچ کیا تو اس سے کہا گیا کہ اسراف میں کوئی خیر نہیں ہے اس نے کہا خیر میں کوئی اسراف نہیں ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۷ ص ۳۲۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت سعد کے پاس سے گزر ہوا، وہ اس وقت وضو کر رہے تھے، آپ نے فرمایا: اے سعد یہ کیا اسراف کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا کیا وضو میں بھی اسراف ہے، آپ نے فرمایا ہاں خواہ تم دریا کے بہتے ہوئے پانی سے وضو کر رہے ہو!

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۵، مسند احمد ج ۲ ص ۲۲۱، مسند احمد رقم الحدیث: ۷۰۶۵، عالم الکتب بیروت)

اس صورت میں اگرچہ پانی ضائع نہیں ہو رہا، لیکن تین بار سے زیادہ اعضاء وضو کو دھونے میں مومن کے عمل اور وقت کا ضیاع ہو رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک فضول خرچ کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں، اور شیطان اپنے رب کا بہت ہی ناشکرا ہے○ (بنی اسرائیل: ۲۷)

مبذّرین کو شیطان کا بھائی فرمانے کی توجیہ

اس آیت میں فرمایا ہے، بے شک تبذیر کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں، اس آیت میں اخوت سے مراد یہ ہے کہ وہ

اسراف اور تبذیر کی قباحت اور برائی میں شیطان کے مشابہ ہیں، یعنی جس طرح شیطان قبیح اور برے کام کرتا ہے اسی طرح وہ بھی قبیح اور برے کام کرتے ہیں، دوسری توجیہ یہ ہے کہ بھائی سے مراد قرین اور ساتھی ہے، یعنی وہ قبیح اور برے کام کرنے میں شیطان کے قرین اور ساتھی ہیں، قرآن مجید میں ہے:

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ - (الزخرف: ۳۶)

جو شخص رحمان کی یاد سے اندھا (غافل) ہو جائے ہم اس کے لیے ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں وہی اس کا قرین (ساتھی) ہے۔

اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل رہنے والے کا شیطان قرین اور ساتھی بن جاتا ہے، جو ہر وقت اس کے ساتھ رہتا ہے اور اس کو نیکیوں سے روکتا ہے اور برائیوں کی طرف مائل کرتا ہے اور وہ شیطان کے تمام وسوسوں میں اس کی پیروی کرتا ہے۔

شیطان کے ناشکرے ہونے کا معنی

اس کے بعد فرمایا اور شیطان اپنے رب کا بہت ہی ناشکرا ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ شیطان اپنے آپ کو اللہ کی معصیت میں اور زمین میں فساد پھیلانے میں اور لوگوں کو گمراہ کرنے میں اور ان کو نیکیوں سے روکنے میں خرچ کرتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جس شخص کو مال اور منصب عطا فرمایا ہو اور وہ اپنے مال اور منصب کو ان کاموں میں خرچ کرے جن کاموں سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے دئے ہوئے مال اور منصب کی نعمتوں کی بہت زیادہ ناشکری کرنے والا ہے اور اس سے مقصود یہ ہے کہ مبذرین اور مسرفین شیاطین کے بھائی اور اس کے قرین ہیں کیونکہ وہ اپنی صفات اور افعال میں شیطان کے موافق ہیں، پھر چونکہ شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے اس لیے وہ بھی اپنے رب کے ناشکرے ہیں۔

بعض لوگ زمانہ جاہلیت میں لوٹ مار کر کے مال جمع کرتے تھے پھر لوگوں کو دکھانے اور سنانے کے لیے اس مال کو نیکی کے راستوں میں خرچ کرتے تھے اور مشرکین قریش اپنے اموال کو اس لیے خرچ کرتے تھے تاکہ لوگوں کو اسلام لانے سے روکا جائے اور اسلام کے دشمنوں کی اطاعت میں خرچ کرتے تھے ان کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی۔

اسی طرح اس زمانہ میں بھی بعض مسلمان اسمگلنگ، چور بازاری، ذخیرہ اندوزی، نقلی دوائیں اور نشہ آور چیزوں کی فروخت سے مال و دولت اکٹھا کرتے ہیں پھر لوگوں کو دکھانے اور سنانے کے لیے اس مال سے حج کرتے ہیں اور صدقہ اور خیرات کرتے ہیں اور اپنی نیک نامی کا چرچا اور اظہار کرتے ہیں اور نام و نمود کے لیے بہت پیسہ خرچ کرتے ہیں اس کے علاوہ ناجائز مصارف پر بھی بہت زیادہ رقم خرچ کرتے ہیں سو یہ لوگ بھی اس آیت کے مصداق ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر تم کو اپنے رب کی رحمت (وسعت رزق) کی توقع اور جستجو میں ان سے اعراض کرنا پڑے تو ان کو کوئی نرم بات کہہ کر ٹال دو (بنی اسرائیل: ۲۸)

اگر سائل کو دینے کے لیے کچھ نہ ہو تو نرم روی کے ساتھ معذرت کرنا

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر تمہارا ہاتھ تنگ ہو اور تمہارا اپنا بہ مشکل گزارہ ہو رہا ہو اور تمہارے پاس اتنی گنجائش نہ ہو کہ تم ضرورت مندوں کی مدد کر سکو، اور تمہارے غریب رشتہ دار، مسکین اور مسافر تم سے سوال کریں تو ان کے ساتھ نرمی سے معذرت کرو اور سخت لہجے سے ان کو منع کرنے اور جھڑکنے اور ڈانٹنے سے اور بد اخلاقی کے ساتھ پیش آنے سے احتراز کرو۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں: ابن زید نے کہا یہ آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سے سوال کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دینے سے انکار فرماتے تھے، کیونکہ آپ کو علم تھا کہ یہ اس مال کو ضائع کر دیں گے، تو آپ ان کو مال نہ دینے میں اجر کی توقع رکھتے تھے، کیونکہ اگر آپ ان کو مال دیتے اور وہ مال کو ضائع کر دیتے تو آپ اس مال کے ضیاع میں ان کے مددگار قرار پاتے، اور عطا خراسانی نے کہا اس آیت میں والدین کا ذکر نہیں ہے؛ قبیلہ مزینہ سے کچھ لوگ آئے وہ آپ سے سواری طلب کر رہے تھے، تو آپ نے فرمایا میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس پر میں تم کو سوار کروں، وہ لوگ واپس چلے گئے اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: اگر تم کو اپنے رب کی رحمت کی توقع اور جستجو میں ان سے اعراض کرنا پڑے تو ان کو کوئی نرم بات کہہ کر ٹال دو۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ان سے نرم بات کہہ کر معذرت کرو، یعنی اگر تنگ دستی کی وجہ سے تم ان کا سوال پورا کرنے سے قاصر ہو تو نرمی کے ساتھ ان سے معذرت کرلو، اور ان کے لیے کشائش رزق اور فراخ دستی کی دعا کرو، اور یوں کہو اگر مجھے کچھ مل گیا تو میں تم کو ضرور دوں گا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جب سوال کیا جاتا اور آپ کے پاس دینے کے لیے کچھ نہ ہوتا تو آپ انتظار میں خاموش رہتے کہ اللہ کے پاس سے کچھ رزق آجائے گا، اور سائل کے رد کرنے کو ناپسند فرماتے اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

جب آپ سے سوال کیا جاتا اور آپ کے پاس دینے کے لیے کچھ نہ ہوتا تو آپ فرماتے اللہ تم کو اور ہم کو اپنے فضل سے عطا فرمائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اپنا ہاتھ اپنی گردن تک بندھا ہوا نہ رکھو اور نہ اس کو بالکل کھول دو کہ ملامت زدہ اور درماندہ بیٹھے رہو○ (بنی اسرائیل: ۲۹)

خرچ میں اعتدال کا واجب ہونا

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے خرچ کرنے پر برانگیختہ فرمایا تھا اور اس آیت میں خرچ کرنے کا طریقہ بیان فرمایا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کا حال بیان فرمایا ہے:

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا○ (الفرقان: ۶۷)	اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل کرتے ہیں اور ان دونوں کے درمیان معتدل راہ اختیار کرتے ہیں۔

پس اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس وصف کے حصول کا حکم فرمایا ہے، یعنی ایسا نہ ہو کہ تم اپنے اوپر، اپنے اہل وعیال اور دیگر ضرورت مندوں پر خرچ کرنے سے کڑھنے لگو، اور نیکی کے راستوں میں خرچ نہ کرنے سے یہ ظاہر ہو کہ تمہارے ہاتھ گردن تک بندھے ہوئے ہیں اور نہ بے تحاشا خرچ کرو کہ لوگوں کو دے دے کر اپنا سارا مال ختم کر دو اور تمہارے ہاتھ میں کچھ نہ رہے۔

خرچ کرنے کی فضیلت اور خرچ نہ کرنے کی مذمت میں احادیث

اس آیت میں فرمایا ہے کہ اپنا ہاتھ گردن تک بندھا ہوا نہ رکھو اس کا معنی یہ ہے کہ بخل نہ کرو اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے تنگ دل نہ ہو، بخل کی مذمت میں بہت احادیث ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بخیل اور مال خرچ کرنے والوں کی مثال ان دو آدمیوں جیسی ہے جنہوں نے چھاتی سے حلق تک لوہے کے دو جبے پہنے ہوئے

ہوں، خرچ کرنے والا جب مال خرچ کرتا ہے تو جبہ وسیع ہو کر اس کے جسم پر پھیل جاتا ہے، حتیٰ کہ اس کی انگلیوں اور نشانیوں کو بھی چھپالیتا ہے اور بخیل جب خرچ کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو ہر حلقہ اپنی جگہ سے چمٹ جاتا ہے وہ اسے کھولنا چاہتا ہے لیکن کھول نہیں سکتا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۴۳، سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۵۴۷، مسند احمد رقم الحدیث: ۹۰۴۵، عالم الکتب بیروت)

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خرچ کرو اور گن گن کر نہ دو ورنہ اللہ بھی تم کو گن گن کر دے گا اور جمع کر کے نہ رکھو ورنہ اللہ بھی تمہارا حصہ جمع کر کے رکھے گا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۲۹، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۳۳، سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۵۴۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اے ابن آدم خرچ کر، میں تجھ پر خرچ کروں گا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۹۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر روز جب بندے صبح اٹھتے ہیں تو دو فرشتے نازل ہوتے ہیں ایک فرشتہ دعا کرتا ہے کہ اے اللہ خرچ کرنے والے کو عطا فرما اور دوسرا فرشتہ دعا کرتا ہے کہ اے اللہ! خرچ نہ کرنے والے کا مال ضائع کر۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۱۰، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۴۲، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۹۱۷۸)

اس سے مراد یہ ہے کہ انسان عبادات، مکارم اخلاق، اہل و عیال، مہمانوں اور صدقات وغیرہ پر خرچ کرے، ان مصارف پر خرچ کرنا مطلوب ہے اور ان مصارف پر خرچ نہ کرنا مذموم ہے۔

- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صدقہ دینے سے مال کم نہیں ہوتا، اور جب بندہ کسی کو معاف کر دے تو اس کی عزت میں اضافہ ہوتا ہے اور جو شخص اللہ کے لیے تواضع کرتا ہے اللہ اس کا مرتبہ بلند کرتا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۸۸)

زیادہ خرچ کرنے اور اسراف کی مذمت میں احادیث

نیز اس آیت میں فرمایا ہے اور نہ اس (ہاتھ) کو بالکل کھول دو کہ ملامت زدہ اور درماندہ بیٹھے رہو۔ اس آیت کا معنی ہے جتنی ضرورت ہو اتنا خرچ کیا جائے، ضرورت سے زیادہ خرچ نہ کیا جائے اور یہ بھی جائز محل کے متعلق ہے، ناجائز محل میں بالکل خرچ نہ کیا جائے اسی طرح صدقہ اور خیرات بھی میانہ روی سے کیا جائے، ایسا نہ ہو کہ آج سارا مال خیرات کر دو اور کل بھیک مانگتے نظر آؤ۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تم پر یہ کام حرام کر دیئے ہیں، ماؤں کی نافرمانی کرنا، بیٹیوں کو زندہ در گور کرنا، حق نہ دینا ناحق مانگنا، اور تین کام مکروہ کیے ہیں، فضول بحث کرنا، بکثرت سوال کرنا اور مال ضائع کرنا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۷۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۱۵، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۵۳۶)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بغیر اسراف اور تکبر کے کھاؤ اور پیو اور صدقہ کرو، اور حضرت ابن عباس نے فرمایا جو چاہے کھاؤ اور جو چاہے پہنو، جب تک اسراف اور تکبر نہ ہو۔ (صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب: ۱)

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کھاؤ اور پیو اور صدقہ کرو اور لباس پہنو، بغیر تکبر اور اسراف کے۔

(مسند احمد رقم الحدیث:۶۶۹۵، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۲۱۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۶۰۵، سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۸۱۹)

حضرت حمزہ بن صہیب بیان کرتے ہیں کہ حضرت صہیب کی کنیت ابو یحییٰ تھی اور وہ اپنے آپ کو عرب کہتے تھے اور وہ لوگوں کو بہت زیادہ طعام کھلاتے تھے، ان سے ایک دن حضرت عمر نے کہا اے صہیب تم نے ابو یحییٰ کنیت کیوں رکھی ہے، حالانکہ تمہارا کوئی بیٹا نہیں ہے اور تم اپنے آپ کو عرب کہتے ہو اور تم بہت زیادہ طعام کھلاتے ہو اور یہ مال میں اسراف ہے۔ حضرت صہیب نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری کنیت ابو یحییٰ رکھی تھی، اور رہا نسب کے متعلق آپ کا اعتراض! تو میں اہلِ موصل کے نمر بن قاسط کے خاندان سے ہوں، جب میں کم عمر تھا تو مجھے قیدی بنالیا گیا لیکن مجھے اپنے گھر والوں کا اور اپنی قوم کا شعور تھا اور رہا آپ کا یہ اعتراض کہ تم کھانا زیادہ کھلاتے ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: تم میں بہتر شخص وہ ہے جو کھانا کھلائے اور سلام کا جواب دے تو اس ارشاد نے مجھ کو اس پر ابھارا کہ میں زیادہ کھانا کھلاؤں۔ (مسند احمد رقم الحدیث:۲۴۴۲۲، عالم الکتب بیروت، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۷۳۸)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنی ہر پسندیدہ چیز کھاؤ یہ بھی اسراف ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۳۵۲، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث:۲۷۶۵، حلیۃ الاولیاء ج ۱۰ ص ۲۱۳، اس حدیث کی سند بہت ضعیف ہے اور یہ حدیث صحیح سے معارض ہے)

ان احادیث میں چونکہ زیادہ خرچ کرنے اور اسراف کی ممانعت اور مذمت آگئی ہے اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ یہ بیان کردیں کہ کون سا زیادہ خرچ کرنا ممنوع ہے۔

زیادہ خرچ کرنے کی تفصیل اور تحقیق

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: زیادہ خرچ کرنے کی تین صورتیں ہیں:

(الف) جو کام شرعاً مذموم ہیں ان میں مال خرچ کرنا ناجائز ہے۔

(ب) جو کام شرعاً محمود ہیں ان میں زیادہ مال خرچ کرنا محمود ہے بشرطیکہ اس میں زیادہ خرچ کرنے سے اس سے زیادہ اہم دینی کام متاثر نہ ہو۔

(ج) مباح کاموں میں زیادہ خرچ کرنا مثلاً نفس کے آرام اور آسائش اور اس کے التذاذ کے لیے خرچ کرنا، اس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) خرچ کرنے والا اپنے مال اور اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کرے تو یہ اسراف نہیں ہے۔

(۲) خرچ کرنے والا اپنی حیثیت سے زیادہ خرچ کرے، اس کی پھر دو قسمیں ہیں: اگر وہ کسی موجود یا متوقع ضرر اور خطرہ کو دُور کرنے کے لیے زیادہ خرچ کرتا ہے تو جائز ہے اور اگر دفع ضرر کے بغیر اپنی حیثیت سے زیادہ خرچ کرتا ہے تو جمہور کے نزدیک یہ اسراف ہے۔ اور بعض شافعیہ نے یہ کہا ہے کہ یہ اسراف نہیں ہے کیونکہ وہ اس سے بدن کے آرام اور آسائش کے حصول کا قصد کرتا ہے اور یہ غرض صحیح ہے اور جبکہ یہ کسی معصیت میں خرچ نہیں ہے تو مباح ہے۔ ابن دقیق العید، قاضی حسین، امام غزالی اور علامہ رافعی نے کہا ہے کہ یہ تبذیر ہے اور ناجائز ہے۔ محرر میں ہے کہ یہ تبذیر نہیں ہے، علامہ نووی کی بھی یہی رائے ہے۔ اور زیادہ راجح ہے کہ اگر زیادہ خرچ کرنے سے کوئی خرابی لازم نہیں آتی مثلاً لوگوں سے سوال کرنے کی نوبت نہیں آتی تو پھر زیادہ خرچ کرنا جائز ہے ورنہ ناجائز ہے۔

اپنے تمام مال کو راہ خدا میں صدقہ کرنا اس شخص کے لیے جائز ہے جو تنگی اور فقر میں صبر کرسکتا ہو، علامہ باجی مالکی نے لکھا ہے کہ تمام مال کو صدقہ کرنا ممنوع ہے اور دنیاوی مصلحتوں میں زیادہ مال خرچ کرنا مکروہ ہے، البتہ کبھی کبھی زیادہ خرچ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے جیسے عید یا ولیمہ کے موقع پر، اور اس پر اتفاق ہے کہ قدر ضرورت سے زیادہ مکان پر خرچ کرنا مکروہ ہے، اسی طرح آرائش اور زیبائش پر زیادہ خرچ کرنا بھی مکروہ ہے اور مال کو ضائع کرنا گناہ کے کاموں کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ مال ناتجربہ کار کے حوالہ کردینا اور جواہر نفیسہ پر خرچ کردینا بھی اس میں داخل ہے۔

علامہ سبکی نے لکھا ہے کہ مال کو ضائع کرنے کا ضابطہ یہ ہے کہ اگر مال خرچ کرنے سے کوئی دینی اور دنیاوی غرض نہ ہو تو اس میں مال خرچ کرنا حرام قطعی ہے، اور اگر دینی یا دنیوی غرض ہو اور اس جگہ مال خرچ کرنا معصیت نہ ہو اور خرچ اس کی حیثیت کے مطابق ہو تو یہ قطعاً جائز ہے، اور ان دونوں مرتبوں کے درمیان بہت ساری صورتیں ہیں جو کسی ضابطہ کے تحت داخل نہیں ہیں، بہرحال معصیت میں خرچ کرنا حرام ہے، اور آرام اور آسائش اور نفسانی لذتوں کے حصول کے لیے مال خرچ کرنے میں تفصیل اور اختلاف ہے۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۴۰۹-۴۰۸، مطبوعہ لاہور، ۱۴۰۱ھ)

جائز اور صحیح مقاصد میں مال خرچ کرنے میں بخل نہیں کرنا چاہیے تاہم ان میں بے تحاشا اور بے دریغ مال خرچ کرنا نہیں چاہیے مال خرچ کرنے اور خرچ نہ کرنے میں میانہ روی سے کام لینا چاہیے اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے: اور اپنا ہاتھ گردن تک بندھا ہوا نہ رکھو اور نہ اس کو بالکل کھول دو کہ ملامت زدہ اور درماندہ بیٹھے رہو۔ اس کا منشاء بھی یہی ہے کہ خرچ کرنے میں اعتدال اور میانہ روی سے کام لیا جائے، اب ہم میانہ روی اور اعتدال کے سلسلہ میں چند احادیث بیان کررہے ہیں۔

اعتدال اور میانہ روی کے متعلق احادیث

حضرت ابو عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیک سیرت، اطمینان اور اعتدال نبوت کے چوبیس اجزاء میں سے ایک جز ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۱۰، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۱۰۲۱، تاریخ بغداد ج ۳ ص ۶۶)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک شخص کے پاس سے گزر ہوا جو ایک چٹان پر نماز پڑھ رہا تھا، آپ مکہ کی طرف گئے وہاں کچھ دیر ٹھہرے پھر واپس آئے تو وہ شخص اسی طرح نماز پڑھ رہا تھا آپ نے اپنے ہاتھ اکٹھے کیے اور کھڑے ہو کر تین بار فرمایا اے لوگو! اعتدال اور میانہ روی کو لازم رکھو کیونکہ اللہ تعالیٰ (اجر دینے سے) نہیں اکتاتا حتیٰ کہ تم (عبادت کرنے سے) اکتا جاؤ۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۴۱، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۱۷۹۷، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۵۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کسی شخص کو اس کا عمل ہرگز نجات نہیں دے گا، صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! آپ کو بھی نہیں! فرمایا مجھ کو بھی نہیں! مگر یہ کہ اللہ کی رحمت مجھے ڈھانپ لے، درست عمل کرو اور صحت کے قریب عمل کرو، صبح اور شام کو اور رات کے آخری حصہ میں عمل کرو اور اعتدال اور اعتدال کو لازم رکھو تم منزل پر پہنچ جاؤ گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۶۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۱۶، سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۰۴۹، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۰۴۹۵)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئے آپ نے

ایک شخص کو دیکھا جس کے بال گرد و غبار سے اٹے ہوئے اور بکھرے ہوئے تھے، آپ نے فرمایا کیا اس شخص کو کوئی ایسی چیز نہیں ملتی جس سے یہ اپنے بالوں کو درست کر سکے، پھر ایک اور شخص کو دیکھا جو میلے کپڑے پہنے ہوئے تھا' آپ نے فرمایا کیا اس شخص کو کوئی ایسی چیز نہیں ملتی جس سے یہ اپنے کپڑے دھو سکے۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۰۶۲، سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۲۵۱)

ابو الاحوص اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں معمولی کپڑے پہنے ہوئے حاضر ہوا آپ نے پوچھا کیا تمہارے پاس مال ہے؟ میں نے کہا جی ہاں! آپ نے پوچھا کون سا مال ہے؟ میں نے عرض کیا مجھے اللہ تعالیٰ نے اونٹ، بکریاں، گھوڑے اور غلام سب کچھ دیے ہیں' آپ نے فرمایا جب تمہیں اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہے تو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت اور عزت کا اثر تم پر ظاہر ہونا چاہیے۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۰۶۳، سنن النسائی رقم الحدیث: ۵۱۰۰)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اعتدال اور میانہ روی اختیار کی وہ تنگ دست نہیں ہو گا۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۴۴۷، طبع قدیم، مسند احمد رقم الحدیث: ۴۲۶۹، عالم الکتب بیروت)

امام بیہقی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خرچ کرنے میں اعتدال اور میانہ روی نصف معیشت ہے۔ (الدر المنثور ج ۵ ص ۲۷۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ ہر خلق اور ہر وصف کی دو جانبیں ہیں افراط اور تفریط اور یہ دونوں مذموم ہیں خرچ نہ کرنے میں زیادتی ہو تو یہ تفریط اور بخل ہے اور خرچ کرنے میں زیادتی ہو تو یہ افراط اور اسراف ہے، خرچ کرنے کے محل میں انسان خرچ نہ کرے اور خرچ نہ کرنے کے محل میں بھی خرچ نہ کرے یہ بخل ہے اور خرچ کرنے کے محل میں بھی خرچ کرے اور خرچ نہ کرنے کے محل میں بھی خرچ کرے یہ افراط اور تبذیر ہے اور یہ دونوں مذموم ہیں' مستحسن یہ ہے کہ خرچ کرنے کے محل میں خرچ کرے اور خرچ نہ کرنے کے محل میں خرچ نہ کرے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب تم بے تحاشا خرچ کرو گے تو ملامت زدہ اور تھکے ہارے بیٹھے رہ جاؤ گے۔ مثلاً ایک آدمی کو ہر ماہ خرچ کے لیے تنخواہ ملتی ہے اگر وہ پوری تنخواہ مہینے کے ابتدائی دس دنوں میں کھا پی لے اور لوگوں کو دے دلا کر اڑا دے تو مہینہ کے باقی بیس دن مصیبت میں گزارے گا لوگ اس کو ملامت کریں گے کہ تم نے پہلے اتنا زیادہ خرچہ کیوں کیا تھا کہ اب لوگوں سے مانگتے پھر رہے ہو۔

جن کا توکل کامل ہو ان کے لیے اپنا تمام مال صدقہ کرنے کا جواز

ان تمام آیتوں میں خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور اس خطاب سے مراد آپ کی امت ہے' اور قرآن مجید میں بہت جگہ یہ اسلوب ہے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے قائد اور سید ہیں اور اللہ تعالیٰ کی جناب میں واسطہ عظمیٰ ہیں اور عرب میں یہ دستور ہے کہ قوم سے جو خطاب کرنا ہو وہ اس کے سید کی طرف کر دیتے ہیں۔ نیز سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کثرت فتوحات سے پہلے کل کے لیے کوئی چیز ذخیرہ کر کے نہیں رکھتے تھے' آپ اکثر بھوکے رہتے تھے اور بھوک کی شدت سے پیٹ پر پتھر باندھ لیتے تھے' اور بعض صحابہ اپنا تمام مال اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتے تھے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس پر کبھی ملامت نہیں کی تھی' اور ان کو منع نہیں کیا کیونکہ ان کو اللہ تعالیٰ کی رزاقی پر صحیح یقین تھا اور زبردست

بصیرت تھی، جیسے حضرت ابو بکر نے اپنا سارا مال لا کر آپ کو پیش کر دیا تھا' اور رہ اللہ سبحانہ نے ان لوگوں کو اللہ کی راہ میں تمام مال خرچ کرنے سے منع فرمایا جن کے متعلق اللہ کو علم تھا کہ یہ لوگ تمام مال ہاتھ سے نکلنے کے بعد افسوس کریں گے اور ان کا یقین اور ان کا توکل اس پایہ کا نہ تھا' اور جن لوگوں کا یقین اور توکل اعلیٰ درجہ کا تھا اور جو دنیا کی بجائے آخرت کی فکر کرتے تھے وہ لوگ اس آیت کے مصداق نہیں ہیں' ایک قول یہ ہے کہ اس آیت میں خصوصیت کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے' اللہ تعالیٰ نے آپ کو خرچ کرنے کے طریقہ کی تعلیم دی ہے اور اعتدال اور میانہ روی کا حکم دیا ہے۔

حافظ جلال الدین سیوطی اس آیت کی تفسیر میں امام ابن جریر اور امام ابن ابی حاتم کے حوالوں سے لکھتے ہیں:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک لڑکا آیا اور اس نے کہا میری ماں نے آپ سے فلاں فلاں چیز کا سوال کیا ہے' آپ نے فرمایا آج ہمارے پاس کوئی چیز نہیں ہے' اس نے کہا میری ماں کہتی ہے کہ آپ یہ قمیص دے دیجئے' آپ نے وہ قمیص اتار کر اس کو دے دی اور آپ بغیر قمیص کے افسوس سے بیٹھے رہے' تب یہ آیت نازل ہوئی۔ (الدر المنثور ج ۵ ص ۲۷۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ)

لیکن تفسیر ابن جریر اور تفسیر امام ابن ابی حاتم میں یہ حدیث نہیں ہے' علامہ قرطبی نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے اور قرطبی کے مخرج نے سنن کبریٰ' مجمع الزوائد اور مصنف عبد الرزاق کا حوالہ دیا ہے لیکن ان تینوں کتابوں میں یہ حدیث نہیں ہے' البتہ اس مضمون کی ایک اور حدیث مستند کتابوں میں موجود ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حصولِ تبرک کا جواز

حضرت سہل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاشیہ والی بنی ہوئی ایک چادر لے کر آئی' اس عورت نے کہا میں نے اس چادر کو اپنے ہاتھ سے بنا ہے تاکہ میں آپ کو پہناؤں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے وہ چادر لے لی اور آپ کو اس وقت اس چادر کی ضرورت بھی تھی' آپ وہ چادر پہن کر ہمارے پاس آئے' ایک شخص نے اس چادر کی تعریف کی' اور کہنے لگا یا رسول اللہ یہ بہت خوبصورت چادر ہے' آپ یہ مجھے دے دیجئے' حاضرین نے کہا تم نے اچھا نہیں کیا' اس چادر کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہن لیا تھا در آں حالیکہ آپ کو اس کی ضرورت بھی تھی پھر بھی تم نے اس کو مانگ لیا اور تم کو معلوم ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی کا سوال رد نہیں فرماتے' اس شخص نے کہا اللہ کی قسم! میں نے پہننے کے لیے اس چادر کا سوال نہیں کیا تھا بلکہ میں نے اس چادر کا اس لیے سوال کیا تھا کہ یہ میرا کفن ہو جائے' سہل نے کہا پھر وہ چادر اس شخص کا کفن ہو گئی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۷۷)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ابو غسان کی روایت میں ہے چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چادر کو پہن لیا ہے اس لیے مجھے اس چادر سے حصول برکت کی امید ہے اس حدیث کے فوائد میں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن خلق ہے اور آپ کی جود و سخا ہے اور آپ کا ہدیہ قبول فرمانا ہے' آپ عموماً ہدیہ کے جواب میں ہدیہ عطا فرماتے تھے آپ نے فرمایا ہے ایک دوسرے کو ہدیہ دو' ایک دوسرے سے محبت بڑھے گی' اس موقع پر آپ نے اس عورت کو ہدیہ نہیں دیا تاکہ یہ معلوم ہو کہ جواباً ہدیہ دینا واجب نہیں ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بعد میں آپ نے اس کو ہدیہ دیا ہو' اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی عمدہ لباس پہننے پر اس کی تحسین کرنی چاہیے' اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کوئی شخص ایسا کام کرے جو بظاہر خلاف ادب ہو تو اس کو ملامت کرنا چاہیے' اور اس حدیث میں صالحین کے آثار سے تبرک حاصل کرنے کا جواز ہے' اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی چیز کو

وقت ضرورت سے پہلے تیار کر کے رکھنا چاہیے اور کفن کو وقت سے پہلے تیار کرنا جائز ہے بلکہ قبر کھدوانا بھی جائز ہے۔

(فتح الباری ج ۳ ص ۱۴۴، مطبوعہ لاہور ۱۴۰۱ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک آپ کا رب جس کے لیے چاہے رزق وسیع کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہے تنگ کر دیتا ہے، بے شک وہ اپنے بندوں کی بہت خبر رکھنے والا بہت دیکھنے والا ہے ○ (بنی اسرائیل: ۳۰)

رزق میں کمی اور زیادتی بندوں کی مصلحت پر مبنی ہے

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام کائنات کا رب ہے، اور اس کی مخلوق میں سے جس کو جتنے رزق کی ضرورت ہے وہ اس کو اتنا رزق عطا فرماتا ہے، جس کو جتنے رزق کی ضرورت ہے یا جس کو جتنا رزق دینے میں اس کی مصلحت ہے اس کو اتنا رزق عطا فرماتا ہے اور رزق کی یہ تقسیم اس وجہ سے نہیں ہے کہ جس سے وہ خوش اور راضی ہو اس کو زیادہ رزق عطا فرماتا ہے اور جس سے وہ ناراض اور ناخوش ہو اس کو کم رزق عطا فرماتا ہے، بلکہ جس شخص یا جس قوم میں جتنے رزق کی صلاحیت اور استعداد ہو اس کو اتنا رزق عطا فرماتا ہے یا جس کی عاقبت اور آخرت کے اعتبار سے جتنا رزق اس کے لیے مناسب ہو اس کو اتنا رزق عطا فرماتا ہے بلکہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ وہ مالک ہے، جس کو جتنا چاہے عطا کرے:

وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِی الْاَرْضِ وَلٰكِنْ یُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا یَشَآءُ ؕ (الشوریٰ: ۲۷)

اگر اللہ اپنے تمام بندوں کا رزق وسیع کر دیتا تو وہ زمین پر فساد برپا کر دیتے لیکن وہ اندازے کے ساتھ جتنا رزق چاہتا ہے نازل فرماتا ہے۔

حافظ ابن کثیر نے اس آیت کی تفسیر میں یہ حدیث لکھی ہے:

میرے بعض بندوں کی مصلحت میں صرف فقر ہے اگر میں ان کو غنی کر دیتا تو ان کا دین فاسد ہو جاتا اور میرے بعض بندوں کی مصلحت صرف غنا میں تھی اگر میں ان کو فقیر بنا دیتا تو ان کا دین فاسد ہو جاتا۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۹ھ)

وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَوْلَادَكُمْ خَشْیَةَ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِیَّاكُمْ ؕ اِنَّ قَتْلَهُمْ

اور اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو، ہم ان کو بھی رزق دیتے ہیں اور تم کو بھی، بے شک ان کو قتل کرنا

كَانَ خِطْاً كَبِیْرًا ﴿۳۱﴾ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰۤی اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ

بہت بڑا گناہ ہے ○ اور زنا کے قریب نہ جاؤ، بے شک وہ بے حیائی ہے اور برا

سَبِیْلًا ﴿۳۲﴾ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَمَنْ قُتِلَ

راستہ ہے ○ اور اس شخص کو قتل نہ کرو جس کے ناحق قتل کو اللہ نے حرام کر دیا ہے، اور جو شخص مظلوماً

مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِیِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا یُسْرِفْ فِّی الْقَتْلِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ

قتل کیا گیا ہم نے اس کے وارث کو قوت دی ہے پس وہ قتل کرنے میں حد سے نہ بڑھے، بے شک وہ

مَنْصُوْرًا ﴿۳۳﴾ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ

مدد کیا ہوا ہے ○ اور یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ ماسوا بہتر صورت کے حتی کہ وہ اپنی جوانی کو

اَشُدَّهٗ ۪ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ﴿۳۴﴾ وَاَوْفُوا

پہنچ جائے، اور عہد پورا کرو، بے شک عہد کے متعلق سوال کیا جائے گا ○ اور جب تم ناپنے لگو

الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ

تو پورا پورا ناپو اور جب تم وزن کرو تو درست ترازو سے پورا پورا وزن کرو، یہ بہتر ہے

وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۳۵﴾ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ

اور اس کا انجام بہت اچھا ہے ○ اور جس چیز کا تمہیں علم نہیں اس کے درپے نہ ہو، بے شک کان

وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ﴿۳۶﴾ وَلَا تَمْشِ

اور آنکھ اور دل ان سب سے (روز قیامت) سوال کیا جائے گا ○ اور زمین میں

فِى الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ

اکڑ اکڑ کر نہ چلو کیونکہ نہ تو تم زمین کو پھاڑ سکتے ہو اور نہ ہی تم طول میں پہاڑوں تک

الْجِبَالَ طُوْلًا ﴿۳۷﴾ كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ﴿۳۸﴾

پہنچ سکتے ہو ○ ان تمام کاموں کی برائی آپ کے رب کے نزدیک سخت ناپسند ہے ○

ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ

یہ وہ حکیمانہ احکام ہیں جن کی آپ کے رب نے آپ کی طرف وحی فرمائی ہے، اور (اے مخاطب) اللہ کے ساتھ

اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِيْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۳۹﴾ اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ

دوسرا عبادت کا مستحق نہ بنا ورنہ تجھ کو ملامت زدہ اور دھتکارا ہوا بنا کر دوزخ میں جھونک دیا جائے گا ○ کیا بیٹوں کے

بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ؕ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا

لیے اللہ نے تم کو منتخب کرلیا اور فرشتوں کو (اپنی) بیٹیاں بنالیں ہیں، بے شک تم بہت سنگین بات کہہ

عَظِيمًا ﴿۴۰﴾ ع

ربِّ ہو ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو، ہم ان کو بھی رزق دیتے ہیں اور تم کو بھی، بے شک ان کو قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ (بنی اسرائیل: ۳۱)

آیاتِ سابقہ سے مناسبت

(۱) اس سے پہلی آیت میں یہ فرمایا تھا "بے شک آپ کا رب جس کے لیے چاہے رزق وسیع کرتا ہے اور جس کے لیے چاہے رزق تنگ کر دیتا ہے" یعنی رزق کا کفیل اللہ تعالیٰ ہے اس کے بعد فرمایا اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو ہم ان کو بھی رزق دیتے ہیں اور تم کو بھی۔

(۲) اس سے پہلی آیتوں میں اولاد کو تلقین کی تھی کہ وہ ماں باپ کے ساتھ نیکی کریں اس آیت میں ماں باپ کو تلقین کی ہے کہ وہ اولاد کے ساتھ نیکی کریں، اولاد کے ساتھ نیکی کرنا اس لیے واجب ہے کہ اولاد بہت کمزور ہوتی ہے اور ماں باپ کے سوا ان کی کوئی پرورش کرنے والا نہیں ہے۔

(۳) اولاد کو قتل کرنا اگر اس لیے ہو کہ ان کو کھلانے کے لیے رزق میسر نہیں ہوگا تو یہ اللہ تعالیٰ کی رزاقی کے ساتھ بدگمانی ہے اور اگر بیٹیوں سے عار کی وجہ سے ہو تو پھر نظام عالم فاسد ہو جائے گا اور پہلی صورت اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے خلاف ہے اور دوسری صورت مخلوق پر شفقت کے خلاف ہے۔

(۴) ماں، باپ کا اولاد کے ساتھ جو تعلق ہے وہ جزئیت کا ہے کیونکہ اولاد ماں باپ کا جز ہوتی ہے اور یہ ایک دوسرے سے محبت کا قوی سبب ہے اور یہ فطری اور طبعی محبت ہے اور اولاد کو قتل کرنا اس طبعی محبت کے خلاف ہے۔

اس آیت کے تحت عزل اور خاندانی منصوبہ بندی کے مسائل بھی بیان کیے جاتے ہیں، چونکہ یہ آیت الانعام: ۱۵۱ میں گزر چکی ہے ہم نے وہاں وہ مسائل بیان کر دیے ہیں، اور شرح صحیح مسلم جلد ثالث میں ۸۹۷-۸۷۳ تک ان مسائل پر بہت بحث کی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور زنا کے قریب نہ جاؤ بے شک وہ بے حیائی ہے اور برا راستہ ہے ○ (بنی اسرائیل: ۳۲)

حسن اور قبح کے عقلی ہونے پر دلائل

اشاعرہ اور ماتریدیہ کا اس میں اختلاف ہے کہ اشیاء کا حسن اور قبح عقلی ہے یا شرعی ہے، اشاعرہ کہتے ہیں کہ حسن اور قبح شرعی ہے اللہ تعالیٰ نے جس چیز کا حکم دے دیا ہے وہ حسین ہے اور جس چیز سے منع فرما دیا ہے وہ قبیح ہے اپنی ذات میں کوئی کام اچھا ہے نہ برا ہے، سچ بولنا اس لیے اچھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سچ بولنے کا حکم دیا اور جھوٹ بولنا اس لیے برا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع کیا ہے، اگر اللہ تعالیٰ جھوٹ بولنے کا حکم دیتا تو وہ اچھا ہوتا اور سچ بولنے سے منع فرماتا تو وہ برا ہوتا لہٰذا اشیاء کا حسن اور قبح شرعی ہے۔ ماتریدیہ کہتے ہیں کہ اس طرح نہیں ہے سچ بولنا، عبادت کرنا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا یہ سب اپنی ذات میں اچھے کام تھے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کا حکم دیا ہے اور جھوٹ بولنا، کفر کرنا اور زنا کرنا یہ کام اپنی ذات میں برے اور قبیح تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان سے منع فرمایا لہٰذا اشیاء کا حسن اور قبح شرعی نہیں ہے عقلی ہے، اور یہ آیت ماتریدیہ کی دلیل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زنا کرنے سے منع فرمایا اور اس کی دلیل یہ دی کہ وہ بے حیائی ہے اور برا راستہ ہے اور چونکہ

عقل کے نزدیک زنا بے حیائی ہے اور برا کام ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمادیا' پس ثابت ہوا کہ اشیاء کا حسن اور قبح عقلی ہے۔

عورتوں کی آزادی کے نتائج

دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ زنا نہ کرو بلکہ یہ فرمایا کہ زنا کے قریب بھی مت جاؤ یعنی ایسا کوئی کام نہ کرو جو زنا کا محرک ہو اور زنا کا باعث اور سبب بنے' مثلاً اجنبی عورتوں سے تعلق پیدا کرنا' ان سے خلوت میں ملاقات کرنا' ان سے ہنسی اور دل لگی کی باتیں کرنا اور ان سے ہاتھ ملانا اور بوس و کنار کرنا مغربی تہذیب میں یہ تمام امور عام ہیں اور زندگی کے معمولات میں داخل ہیں اسی وجہ سے وہاں زنا بھی عام ہے' ساحل سمندر پر' پارکوں میں یہ سب ہوتا رہتا ہے اور آئے دن سڑکوں پر ناجائز بچے ملتے رہتے ہیں جس طرح ہمارے ہاں کوئی شخص کثیرالاولاد ہوتا ہے اسی طرح ان کے ہاں کوئی شخص کثیرالولدیت ہوتا ہے اور لوگ فخر سے بیان کرتے ہیں کہ میں محبت کی پیداوار ہوں' اسلام نے اسی بندش کے لیے عورتوں کو پردہ میں رہنے کا حکم دیا اور عورتوں اور مردوں کے آزادانہ میل جول کو سختی سے روکا ہے مخالفین اسلام کہتے ہیں کہ اسلام نے عورتوں کو گھروں میں قید کر دیا ہے میں کہتا ہوں کہ عورتوں کا گھر میں مقید رہنا اس سے بہتر ہے کہ وہ محض جانوروں کی طرح ہوس پوری کرنے کا آلہ بن جائیں۔

حرمتِ زنا کی وجوہ

زنا کا فعل حسب ذیل مفاسد اور خرابیوں پر مشتمل ہے:

(۱) زنا سے نسب مختلط اور مشتبہ ہو جاتا ہے اور انسان کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ زانیہ سے جو بچہ پیدا ہوا ہے وہ اس کے نطفہ سے ہے یا کسی اور کے نطفہ سے ہے' اس لیے اس کے دل میں اس بچہ کی پرورش کی کوئی امنگ ہوتی ہے نہ کوئی جذبہ ہوتا ہے اور نہ وہ اس کی نگہداشت کرتا ہے جس کے نتیجہ میں وہ بچہ ضائع ہو جاتا ہے' اس سے نسل منقطع ہوتی ہے اور عالم کا نظام فاسد ہو جاتا ہے۔

(۲) جو عورت زنا کرتی ہے وہ کسی ایک مرد کے ساتھ مخصوص نہیں ہوتی اس کے پاس کئی مرد آتے ہیں' پھر بعض اوقات ان مردوں میں رقابت اور حسد پیدا ہو جاتا ہے' اور اس کی وجہ سے قتل و غارت تک نوبت آجاتی ہے۔

(۳) جو عورت زناکاری میں مشغول ہوتی ہے اور اس کی عادی بن جاتی ہے اس سے ہر سلیم الطبع متنفر ہوتا ہے اور وہ نکاح کرنے کی اہل نہیں رہتی معاشرہ میں اس کو عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔

(۴) اگر زنا عام ہو جائے تو نہ مرد کسی عورت کے ساتھ مخصوص ہوگا اور نہ عورت کسی مرد کے ساتھ مخصوص ہوگی' ہر مرد ہر عورت سے اور ہر عورت ہر مرد سے اپنی خواہش پوری کر سکے گا اس وقت انسانوں میں اور جانوروں میں کوئی فرق نہیں رہے گا' کوئی کسی کا باپ ہوگا نہ کوئی کسی کا بیٹا ہوگا قرابت داری اور رشتہ داری کا تصور ختم ہو جائے گا۔

(۵) عورت صرف اس لیے نہیں ہوتی کہ اس کے ساتھ جنسی عمل کیا جائے بلکہ وہ گرہستی کی تعمیر میں مرد کی شریک کار ہوتی ہے' کھانے پینے' پہننے اور رہنے کے مسائل میں مرد کے دوش بدوش ہوتی ہے' عائلی اور خانگی ذمہ داریوں کو پورا کرتی ہے' بچوں کی تربیت کرتی ہے اور یہ اس وقت ہو سکتا ہے جب وہ نکاح کے ذریعہ صرف ایک مرد کے ساتھ مخصوص ہو اور باقی مردوں سے منقطع ہو اور یہ مقصود اسی وقت پورا ہوگا جب زنا کو حرام کر دیا جائے اور اس باب کو بالکلیہ بند کر دیا جائے۔

(۶) جنسی عمل بہت شرم ناک فعل ہے اس لیے یہ عمل اس جگہ اور اس وقت کیا جاتا ہے جس جگہ اور جس وقت کوئی

دیکھنے والا نہ ہو، لوگ اس کا کھل کر ذکر نہیں کرتے اس میں شرم محسوس کرتے ہیں اگر فروغ نسل کا اس سے تعلق نہ ہوتا تو اس کو مشروع نہ کیا جاتا ایک عورت صرف ایک مرد کے ساتھ مخصوص ہوگی تو یہ عمل کم ہوگا اور زنا کی صورت میں یہ عمل زیادہ ہوگا اس وجہ سے بھی زنا ممنوع اور حرام ہونا چاہیے۔

(۷) منکوحہ کا اس کا خاوند ذمہ دار ہے وہ اس کو روٹی، کپڑا اور مکان دینے کا پابند ہوتا ہے اور اس کی ضروریات کا کفیل ہوتا ہے اور اس کی بیوی اس کی دکھ سکھ کی ساتھی ہوتی ہے اس کے بچوں کی ماں ہوتی ہے، شوہر مرجائے تو اس کے ترکہ کی وارث ہوتی ہے اس کا مستقبل محفوظ ہوتا ہے اس کے برخلاف زانیہ کے ساتھ صرف وقتی اور عارضی تعلق ہوتا ہے، اس کے کھانے، کپڑے اور رہنے کا کوئی کفیل ہوتا ہے نہ ذمہ دار ہوتا ہے اسے اپنے مستقبل کا کوئی تحفظ حاصل نہیں ہوتا۔

(۸) بعض مردوں کو پوشیدہ بیماریاں ہوتی ہیں اور جن عورتوں کے پاس وہ جاتے ہیں ان عورتوں کو ان مردوں سے وہ بیماریاں لگ جاتی ہیں پھر ان عورتوں سے دوسرے مردوں میں وہ بیماریاں پھیلتی ہیں، یوں زنا کے ذریعہ آتشک، سوزاک اور ایڈز ایسی مہلک بیماریاں معاشرہ میں پھیل جاتی ہیں۔

یہ آٹھ وجوہ ایسی ہیں کہ ان میں سے ہر وجہ زنا کی حرمت کا تقاضا کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس شخص کو قتل نہ کرو جس کے ناحق قتل کو اللہ نے حرام کردیا ہے، اور جو شخص مظلوماً قتل کیا گیا ہم نے اس کے وارث کو قوت دی ہے پس وہ قتل کرنے میں حد سے نہ بڑھے بے شک وہ مدد کیا ہوا ہے○

(بنی اسرائیل: ۳۳)

حرمتِ زنا کو حرمت قتل پر مقدم کرنے کی وجہ

کفر اور شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ کسی بے قصور مسلمان کو قتل کرنا ہے پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ پہلے حرمت زنا کو بیان فرمایا پھر اس کے بعد حرمت قتل کو بیان فرمایا، اس کا جواب یہ ہے کہ زنا کے نتیجہ میں انسان کا عزت کے ساتھ وجود میں آنا ہی ختم ہوجاتا ہے اور قتل کے نتیجہ میں انسان کو وجود میں آنے کے بعد ختم کردیا جاتا ہے اس طرح زنا کا ضرر قتل سے زیادہ ہے لہٰذا حرمت زنا کو حرمت قتل پر مقدم فرمایا۔

کسی مسلمان کو قتل کرنے کی بارہ جائز صورتیں

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی انسان کو جائز قتل کرنے کی صرف ایک صورت ہے اور وہ یہ ہے کہ کسی شخص نے دوسرے شخص کو ظلماً قتل کردیا ہو، حالانکہ اس کے علاوہ قتل کرنے کی اور بھی جائز صورتیں ہیں جو حسب ذیل ہیں:

(۱) نماز پڑھنے سے انکار کرنے والے کو قتل کرنا۔ (۲) زکوٰۃ دینے سے انکار کرنے والے کو قتل کرنا۔ (۳) مرتد کو قتل کرنا۔ (۴) شادی شدہ زانی کو سنگسار کرکے قتل کرنا۔ (۵) مسلمان کے قاتل کو قصاص میں قتل کرنا۔ (۶) ایک خلیفہ منعقد ہونے کے بعد دوسرے مدعی خلافت کو قتل کرنا۔ (۷) قوم لوط کے عمل کرنے والے کو قتل کرنا۔ (۸) جانور کے ساتھ بدفعلی کرنے والے کو قتل کرنا۔ (۹) ڈاکو کو قتل کرنا۔ (۱۰) مسلمان کا اپنی جان یا مال کی حفاظت اور مدافعت میں قتل کرنا۔ (۱۱) چوتھی بار شراب پینے والے کو قتل کرنا۔ (۱۲) ذمی کے قاتل کو قتل کرنا۔

جان اور مال کی حفاظت اور مدافعت میں قتل کرنے کے جواز کا بیان اس حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا: یارسول اللہ! یہ بتائیے کہ اگر ایک شخص مجھ سے میرا مال چھیننا چاہے تو؟ فرمایا اس کو اپنا مال مت دو، اس نے

کہا اگر وہ مجھ سے قتال کرے، فرمایا تم بھی اس سے قتال کرو، اس نے کہا یہ بتایئے کہ اگر وہ مجھے قتل کردے فرمایا تو پھر تم شہید ہو، اس نے کہا اگر میں اس کو قتل کردوں؟ فرمایا تو وہ شخص دوزخی ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۰)

باقی ماندہ گیارہ صورتوں میں قتل کرنے کے جواز کے قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے دلائل ہم نے الانعام: ۱۵۱ میں بیان کردیئے ہیں، دیکھیے تبیان القرآن ج ۳ ص ۶۸۸-۶۸۷، امام رازی نے اس تفسیر میں قتل کے جواز کی چھ صورتیں لکھی ہیں میں نے الانعام: ۱۵۱ میں قرآن اور حدیث سے جواز قتل کی گیارہ صورتیں لکھی تھیں اور اب اس آیت کی تفسیر لکھتے وقت اللہ تعالیٰ نے قتل برحق کی ایک اور صورت کی طرف متوجہ کردیا اور یوں قتل برحق کی بارہ صورتیں ہوگئیں۔

باقی رہا یہ اعتراض کہ اس آیت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے صرف اس شخص کو قصاص میں قتل کرنا جائز ہے جس نے کسی کو ظلماً قتل کیا ہو تو یہ بارہ صورتیں اس آیت کے خلاف نہیں ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں قتل ناحق کا ذکر ہے اور یہ بارہ صورتیں قتل برحق کی ہیں۔

مقتول کے وارث کی قوت کا بیان

اس کے بعد فرمایا: اور جو شخص مظلوماً قتل کیا گیا ہم نے اس کے وارث کو قوت دی ہے۔

اس آیت میں جو فرمایا ہے ہم نے مقتول کے ولی اور وارث کو قوت دی ہے یہ قوت مجمل ہے اور درج ذیل آیت میں اس کا بیان ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؕ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ ۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ (البقرہ: ۱۷۸)

اے ایمان والو! تم پر مقتولین کے خون (ناحق) کا بدلہ لینا فرض کیا گیا ہے، آزاد کے بدلہ آزاد، غلام کے بدلہ غلام اور عورت کے بدلہ میں عورت، سو جس (قاتل) کے لیے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معاف کردیا گیا تو (اس کا) دستور کے مطابق مطالبہ کیا جائے اور نیکی کے ساتھ اس کی ادائیگی کی جائے۔ یہ (حکم) تمہارے رب کی طرف سے تخفیف اور رحمت ہے، پھر اس کے بعد جو حد سے تجاوز کرے اس کے لیے دردناک عذاب ہے○

اس آیت میں مقتول کے وارث اور ولی کو تین اختیار دیئے ہیں، وہ چاہے تو قاتل سے قصاص لے لے اور چاہے تو قصاص کے بجائے قاتل کے ورثا سے دیت وصول کرلے اور چاہے تو قاتل کو بالکل معاف کردے۔ مقتول کی دیت سو اونٹ ہیں یا ہزار دینار ہیں یا ۴ء۳۷۴ کلو سونا یا دس ہزار درہم یا (۳۰ء۶۱۸) کلو چاندی۔ مقتول کے ورثاء چاہیں تو اس سے کم مقدار پر بھی صلح کرسکتے ہیں۔

قصاص کے متعلق تمام مذاہب اور احکام کی تفصیل ہم نے البقرہ: ۱۷۸ میں بیان کردی، ملاحظہ فرمائیں تبیان القرآن ج ۱ ص ۶۹۴-۶۸۵ اور دیت کے متعلق پوری تفصیل ہم نے النساء: ۹۲ میں ذکر کردی ہے، ملاحظہ فرمائیں تبیان القرآن ج ۲ ص ۷۶۲-۷۵۶۔

ولیٔ مقتول کے تجاوز نہ کرنے کا معنی

ولی مقتول کے تجاوز نہ کرنے کا ایک معنی یہ ہے کہ وہ صرف قاتل کو قتل کرے اور غیر قاتل کو قتل نہ کرے، جیسا کہ

زمانہ جاہلیت میں ایک قتل کے بدلہ میں قاتل کے پورے قبیلہ کو قتل کر دیتے تھے، اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ قاتل کو صرف قتل کیا جائے اس کو مثلہ نہ کیا جائے، یعنی اس کے ہاتھ پیر اور اس کے دیگر اعضاء نہ کاٹے جائیں۔ اور اس کا تیسرا معنی یہ ہے کہ اس کو صرف تلوار سے قتل کیا جائے کسی اور طریقہ سے ایذا پہنچا کر قتل نہ کیا جائے۔

یہ جو فرمایا ہے بے شک وہ مدد کیا ہوا ہے جمہور کے نزدیک اس کا معنی یہ ہے کہ ولی مقتول کو قصاص لینے پر قدرت دی گئی ہے، اور یہ معنی بھی ہے کہ اس کو قاتل کے قتل کرنے پر قدرت دی گئی ہے اور یہ معنی بھی ہے کہ مقتول کا خون مدد کیا ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ، ماسوا بہتر صورت کے حتیٰ کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے، اور عہد پورا کرو بے شک عہد کے متعلق سوال کیا جائے گا○ اور جب تم ناپنے لگو تو پورا پورا ناپو اور جب تم وزن کرو تو درست ترازو سے پورا پورا وزن کرو، یہ بہتر ہے اور اس کا انجام بہت اچھا ہے○ (بنی اسرائیل: ۳۵۔۳۴)

ان دونوں آیتوں کی مکمل تفسیر ہم نے الانعام: ۱۵۲ میں کر دی ہے ملاحظہ فرمائیں تبیان القرآن ج ۳ ص ۶۹۱۔۶۸۹۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جس چیز کا تمہیں علم نہیں اس کے درپے نہیں ہو، بے شک کان، اور آنکھ اور دل ان سب سے متعلق (روز قیامت) سوال کیا جائے گا○ (بنی اسرائیل: ۳۶)

قفا کا معنی

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

قفا کا معنی سر کا پچھلا حصہ یعنی گدی ہے اور اس کا معنی کسی کے پیچھے چلنا اور اس کی پیروی کرنا ہے۔

ولا تقف ما لیس لک بہ علم۔ (بنی اسرائیل: ۳۶)

اس کا معنی ہے، ظن اور قیافہ کے ساتھ حکم نہ کرو۔ (المفردات ج ۲ ص ۵۲۹، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

بغیر علم کے ظن پر عمل کرنے کی ممانعت

اس کی تفسیر میں مفسرین کے حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) مشرکین نے اپنے آباء واجداد کی تقلید میں مختلف عقائد گھڑ رکھے تھے، وہ بتوں کو اللہ کا شریک کہتے تھے، بتوں کو اللہ کی جناب میں شفاعت کرنے والا مانتے تھے، بتوں کی عبادت کو اللہ تعالیٰ کے تقرب کا ذریعہ قرار دیتے تھے، قیامت کا انکار کرتے تھے، اور بحیرہ، سائبہ وغیرہ کے کھانے کو حرام کہتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں یہ آیات نازل فرمائیں:

اِنْ هِیَ اِلَّاۤ اَسْمَآءٌ سَمَّیْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍؕ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُۚ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى○ (النجم: ۲۳)

یہ صرف نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں، اللہ نے ان کی کوئی دلیل نہیں نازل کی یہ لوگ صرف گمان کی اور اپنے نفسوں کی خواہش کی پیروی کر رہے ہیں بے شک ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ہدایت آچکی ہے۔

وَاِذَا قِیْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ لَا رَیْبَ فِیْهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِیْ مَا السَّاعَةُۙ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَیْقِنِیْنَ○ (الجاثیہ: ۳۲)

اور جب ان سے کہا جاتا کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے اور قیامت کے آنے میں کوئی شک نہیں ہے تو تم کہتے تھے کہ ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیا چیز ہے، ہم تو صرف گمان کرتے ہیں اور ہمیں یقین نہیں ہے۔

قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ۭ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ○ آپ کہیے کیا تمہارے پاس کوئی دلیل ہے؟ تو وہ تم ہم پر پیش کرو، تم صرف ظن اور گمان کی پیروی کرتے ہو اور تم صرف الکل پچو سے باتیں کرتے ہو○ (الانعام: ۱۴۸)

(۱) اسی نہج پر اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا ہے: جس چیز کا تمہیں علم نہیں ہے اس کی پیروی نہ کرو، اور محض ظن اور گمان کے پیچھے نہ چلو۔

(۲) محمد بن حنفیہ نے کہا جھوٹی گواہی نہ دو، حضرت ابن عباس نے فرمایا صرف اس چیز کی گواہی دو جس کو تمہاری آنکھوں نے دیکھا ہو اور تمہارے کانوں نے سنا ہو اور تمہارے دل نے یاد رکھا ہو۔

(۳) اس سے مراد تہمت لگانے سے منع کرنا ہے، زمانہ جاہلیت میں عربوں کی عادت تھی کہ وہ کسی مذمت میں مبالغہ کرنے کے لیے اس کو بدکاری کی تہمت لگاتے تھے اور اس کی ہجو کرتے تھے۔

(۴) اس سے مراد ہے جھوٹ مت بولو، قتادہ نے کہا جب تم نے سنا نہ ہو تو یہ مت کہو میں نے سنا ہے اور جب تم نے دیکھا نہ ہو تو یہ مت کہو میں نے دیکھا ہے۔

(۵) اس سے مراد ہے کسی پر بہتان نہ لگاؤ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اللہ کی حدود میں شفاعت کی وہ اللہ کے حکم کی مخالفت کرنے والا ہے، اور جس شخص نے کسی ناحق جھگڑے میں مدد کی وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی میں رہے گا جب تک اس کو ترک نہیں کر دیتا، اور جس شخص نے کسی مسلمان مرد یا عورت پر بہتان لگایا اس کو اللہ تعالیٰ دوزخیوں کی پیپ میں بند کر دے گا، اور جو شخص اس حال میں مر گیا کہ اس کے اوپر کسی کا قرض تھا اس سے اس کی نیکیاں لے لی جائیں گی، اور صبح کی دو رکعتوں کی حفاظت کرو کیونکہ یہ فضائل میں سے ہیں۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۸۲، طبع قدیم، مسند احمد رقم الحدیث: ۵۵۴۴، مطبوعہ عالم الکتب بیروت، ۱۴۱۹ھ)

وجہ استدلال یہ ہے کہ جو شخص کسی مرد یا عورت پر بہتان لگائے وہ محض اپنے گمان کی بناء پر لگائے گا اور اس کو عذاب ہو گا، پس ثابت ہوا کہ جس چیز کا انسان کو علم اور یقین نہ ہو وہ اس کی پیروی نہ کرے۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ انسان کے لیے صرف اس چیز پر عمل کرنا جائز ہے جس کا اسے یقینی علم ہو اور ظن پر عمل کرنا جائز نہیں ہے حالانکہ شریعت میں بہت سے امور پر ظن سے عمل کرنا جائز ہے، قیاس بھی ظنی ہے اور بہت سے مسائل قیاس سے ثابت ہوتے ہیں اور ان پر عمل کرنا جائز ہے، خبر واحد بھی ظنی ہے اور اس پر عمل کرنا جائز ہے۔

ہم ذیل میں ایسی تمام مثالیں درج کر رہے ہیں جو ظنی ہیں اور ان پر عمل کرنا جائز ہے۔

ظن پر عمل کرنے کی شرعی نظائر

(۱) علماء دین کے فتاویٰ پر عمل کرنا جائز ہے حالانکہ وہ بھی ظنی ہیں۔ (۲) نیک مسلمانوں کی گواہی پر عمل کرنا جائز ہے حالانکہ ان کی گواہی بھی ظنی ہے۔ (۳) جب آدمی کو قبلہ کی سمت معلوم نہ ہو تو وہ غور فکر کر کے اپنے اجتہاد سے قبلہ کی سمت معلوم کرے اور اس کے مطابق نماز پڑھے گا حالانکہ یہ بھی ظنی عمل ہے۔ (۴) حرم میں شکار کرنے کی جنایت میں اس کی مثل جانور کی قربانی دینی ہو گی اور یہ مماثلت بھی ظنی ہے۔ (۵) فصد اور علاج معالجہ کی دیگر صورتیں بھی ظنی ہیں اور ان کے مطابق علاج کرنا جائز ہے۔ (۶) ہم بازار سے جو گوشت خرید کر پکاتے ہیں اس کے متعلق یہ کہنا کہ یہ مسلمان صحیح العقیدہ کا ذبیحہ

ہے اور صحیح طریقہ سے ذبح کیا گیا ہے یہ بھی ظنی ہے۔ (۷) عدالتوں کے فیصلے بھی ظنی ہوتے ہیں اور ان کے مطابق عمل کیا جاتا ہے۔ (۸) ہم کسی شخص پر اسلام کا حکم لگاتے ہیں' اس کو مسلمان کہتے ہیں' اس کو سلام کرتے ہیں اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرتے ہیں حالانکہ یہ بھی ظنی امر ہے۔ (۹) کاروبار میں ہم لوگوں سے روپے پیسے کالین دین کرتے ہیں دوستوں کی صداقت اور دشمنوں کی عداوت پر اعتماد کرتے ہیں اور یہ سب ظنی امور ہیں۔ (۱۰) موذن کی اذان سے نماز کا وقت ہونے کا یقین کرتے ہیں حالانکہ یہ بھی ظنی امر ہے۔ (۱۱) افطار اور سحر میں اوقات نماز کے نقشوں' اذانوں اور ریڈیو اور ٹی۔ وی کے اعلانات پر اعتماد کرتے ہیں۔ (۱۲) عید' رمضان' حج اور قربانی میں رویت ہلال کمیٹی کے اعلانات پر اعتماد کرتے ہیں اور یہ اعلانات بھی ظنی ہیں۔ (۱۳) حدیث میں ہے ہم ظاہر پر حکم کرتے ہیں اور باطن کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔

لہٰذا اب یہ اعتراض قوی ہو گیا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے. جس چیز کا تمہیں علم نہیں اس کے درپے نہ ہو اس کا تقاضا یہ ہے کہ ظن اور قیاس پر عمل نہ کرو حالانکہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوشی خوشی گھر آئے اور فرمایا کیا تم کو معلوم نہیں کہ ایک قیافہ شناس نے اسامہ اور زید کے قدموں کے نشانات دیکھ کر فرمایا: یہ اقدام بعض کے بعض سے ہیں' یعنی یہ قدم باپ بیٹوں کے ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۵۵۵)

ظن پر عمل کرنے کی ممانعت کا محمل

اس کا جواب یہ ہے کہ ظن پر عمل کرنا اس وقت منع ہے جب ظن علم اور یقین کے معارض ہو جیسے مشرکین آباء و اجداد کی اپنے ظن سے تقلید کرتے تھے اور اپنے ظن سے بتوں کی عبادت کرتے تھے اور ان کو مصائب میں پکارتے تھے اور ان کے حق میں شفاعت کا عقیدہ رکھتے تھے حالانکہ یہ کام تمام نبیوں اور رسولوں اور وحی الٰہی کے خلاف تھے جو کہ علم اور یقین پر مبنی امور ہیں۔ اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ ظن پر عمل کرنا مطلقاً منع نہیں ہے اس وقت منع ہے جب ظن پر عمل کرنا کسی دلیل قطعی کے خلاف ہو۔

کان' آنکھ اور دل سے سوال کیے جانے کی توجیہ

نیز اس آیت میں یہ فرمایا ہے "اور کان اور آنکھ اور دل ان سب سے متعلق (روز قیامت) سوال کیا جائے گا۔"

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان اعضاء سے سوال کیا جائے گا' اور سوال کرنا اس سے صحیح ہے جو صاحب عقل ہو اور ظاہر ہے یہ اعضاء صاحب عقل نہیں ہیں' لہٰذا ان اعضاء سے سوال کرنا بہ ظاہر درست نہیں ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ ان اعضاء سے مراد ہے ان اعضاء والوں سے سوال کیا جائے گا جیسا کہ قرآن شریف میں ہے:

وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ (یوسف: ۸۲) بستی سے پوچھو۔

اور اس سے مراد ہے بستی والوں سے پوچھو۔ اسی طرح کان اور آنکھ اور دل ان سب سے سوال کیا جائے گا' اس سے مراد ہے کان' آنکھ اور دل والوں سے سوال کیا جائے گا۔ کیا تم نے اس چیز کو سنا ہے. جس کا سننا جائز نہیں تھا' کیا تم نے اس چیز کو دیکھا جس کا دیکھنا جائز نہیں تھا' کیا تم نے اس چیز کا عزم کیا جس کا عزم جائز نہیں تھا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ کان' آنکھ اور دل والوں سے یہ سوال کیا جائے گا کہ تم کو کان' آنکھیں اور دل دیے گئے تھے تم نے ان اعضاء کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں استعمال کیا یا اللہ تعالیٰ کی معصیت میں' اسی طرح باقی اعضاء کے متعلق سوال کیا جائے گا' کیونکہ حواس روح کے آلات ہیں اور روح ان پر امیر ہے اور روح ہی ان اعضاء کو استعمال کرتی ہے اگر روح ان

اعضاء کو نیک کاموں میں استعمال کرے گی تو وہ ثواب کی مستحق ہوگی اور اگر روح ان کو برے کاموں میں استعمال کرے گی تو عذاب کی مستحق ہوگی۔

اس کا تیسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان اعضاء میں حیات پیدا فرمادے گا پھر یہ اعضاء انسان کے خلاف گواہی دیں گے، قرآن مجید میں ہے:

يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (النور: ۲۴)

جس دن ان کے خلاف ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پیران کے اعمال کی گواہی دیں گے۔

اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَ تُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَ تَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○ (یٰسین: ۶۵)

ہم آج کے دن ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے، اور ان کے ہاتھ ہم سے کلام کریں گے اور ان کے پاؤں ان کاموں کی گواہی دیں گے جو وہ کرتے تھے ○

حَتّٰٓى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (حم السجدہ: ۲۰)

حتیٰ کہ جب وہ دوزخ تک پہنچ جائیں گے تو ان کے خلاف ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کی کھالیں ان کاموں کی گواہی دیں گے جو وہ کرتے تھے ○

لہٰذا اللہ تعالیٰ کان، آنکھوں اور دلوں میں نطق پیدا کردے گا اور پھر ان سے سوال کیے جانے پر کوئی اشکال وارد نہیں ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور زمین پر اکڑ اکڑ کر نہ چلو کیونکہ نہ تو تم زمین کو پھاڑ سکتے ہو اور نہ ہی تم طول میں پہاڑوں تک پہنچ سکتے ہو ○ ان تمام کاموں کی برائی آپ کے رب کے نزدیک سخت ناپسند ہے ○ (بنی اسرائیل: ۳۸-۳۷)

اکڑ اکڑ کر چلنے کی ممانعت

اس آیت میں "مرحا" کا لفظ ہے "مرحا" کا معنی ہے اترا اترا کر، تکبر اور غرور سے اکڑ اکڑ کر چلنا۔

اس آیت میں تکبر سے اور اکڑ اکڑ کر چلنے سے منع فرمایا ہے اور یہ اس حکم کو متضمن ہے کہ زمین میں تواضع اور انکسار سے چلنا چاہیے اس کی نظیر قرآن مجید کی حسب ذیل آیات ہیں:

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا۔ (الفرقان: ۶۳)

رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر آہستگی کے ساتھ چلتے ہیں۔

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ○ (لقمان: ۱۸)

اور تکبر سے رخسار ٹیڑھے نہ کر، اور زمین میں اکڑ کر نہ چل، بے شک اللہ کسی تکبر کرنے والے شیخی خورے کو پسند نہیں کرتا ○

وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ؕ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ○ (لقمان: ۱۹)

میانہ روی سے چل اور اپنی آواز کو پست رکھ۔ بے شک سب سے بری آواز گدھے کی آواز ہے ○

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیونکہ تم نہ زمین کو پھاڑ سکتے ہو اور نہ طول میں پہاڑ تک پہنچ سکتے ہو، زمین کو پھاڑنے اور پہاڑ تک پہنچنے سے مقصود یہ ہے کہ تم ایسے طاقت ور نہیں ہو کہ زمین پر قدم رکھو تو تمہارے زور سے زمین میں سوراخ ہو جائے

اور نہ ایسے بلند قامت ہو کہ قدم اٹھاؤ تو تمہارا قد پہاڑ تک پہنچ جائے' اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ تم تکبر کیوں کرتے ہو جب کہ تمہارے قدم رکھنے سے زمین میں سوراخ نہیں ہو سکتا' تمہارے اوپر پہاڑ ہیں جن تک تم پہنچ نہیں سکتے' تمہارے نیچے جامد زمین ہے اور تمہارے اوپر سخت پہاڑ ہیں' تم دونوں طرف سے محاط ہو پھر تکبر کس بات پر کر رہے ہو' اور تکبر کرنا اور اکڑ اکڑ کر چلنا یہ ایسی صفات ہیں جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں۔

تکبر کی مذمت میں احادیث

حضرت ابو سعید اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے عزت میری ازار (تہبند) ہے اور کبریاء میری چادر ہے جس شخص نے بھی ان کو مجھ سے چھیننے کی کوشش کی میں اس کو عذاب دوں گا۔

(مسند حمیدی رقم الحدیث:۱۱۴۹' مسند احمد ج ۲ ص ۲۴۸' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۶۲۰' سنن ابو داؤد رقم الحدیث:۴۰۹۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۴۱۷۴)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبر ہو وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا' ایک شخص نے کہا ایک آدمی یہ چاہتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں' اور اس کے جوتے اچھے ہوں' آپ نے فرمایا اللہ جمیل (حسین) ہے وہ جمال کو پسند کرتا ہے' تکبر حق کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۴۱۲' صحیح مسلم رقم الحدیث:۹۱' سنن ابو داؤد رقم الحدیث:۴۰۹۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۵۹' ۴۱۷۳)

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن متکبرین کو مردوں کی صورت میں چیونٹیوں کی جسامت میں اٹھایا جائے گا' ان کو ہر جگہ سے ذلت ڈھانپ لے گی' ان کو جہنم کے اس قید خانے کی طرف ہانکا جائے گا جس کا نام بولس ہے ان کے اوپر آگ کے شعلے بھڑک رہے ہوں گے اور ان کو دوزخیوں کی پیپ پلائی جائے گی۔

(مسند حمیدی رقم الحدیث:۵۹۸' مسند احمد ج ۲ ص ۱۷۹' سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۴۹۲' الادب المفرد رقم الحدیث:۵۵۷)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن خطبہ دیتے ہوئے فرمایا اے لوگو! تم سے اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کا بوجھ اور اپنے آباء و اجداد پر فخر کرنے کو دور کر دیا ہے' لوگوں کی دو قسمیں ہیں ایک وہ ہیں جو نیک اور متقی ہیں اور اللہ عزوجل کے نزدیک کریم ہیں اور دوسرے وہ ہیں جو فاجر ہیں' بدبخت ہیں اور اللہ عزوجل کے نزدیک ذلیل ہیں' تمام لوگ آدم کی اولاد ہیں اور اللہ نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا ہے' اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے' اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے' اور تم کو گروہوں اور قبیلوں میں اس لیے تقسیم کر دیا ہے کہ تم ایک دوسرے کی شناخت کر سکو اور اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو' بے شک اللہ بہت علم والا بہت خبر رکھنے والا ہے ○ (الحجرات: ۱۳)

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۲۷۰' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث:۲۷۸۱)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے تکبر سے (قدموں کے نیچے) کپڑا لٹکایا' اللہ عزوجل قیامت کے دن اس کی طرف نظر (رحمت) نہیں فرمائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۸۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۸۵، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۵۷۰، مسند احمد ج ۲ ص ۵۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پچھلی امتوں میں ایک آدمی اتراتا ہوا ایک حلہ (ایک قسم کی دو چادریں) پہن کر چل رہا تھا اس نے اپنے بالوں میں سیدھی کنگھی کی ہوئی تھی وہ تکبر سے چل رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو زمین میں دھنسا دیا وہ قیامت تک زمین میں گڑگڑاہٹ کے ساتھ دھنستا رہے گا۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۳۹۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۸۸، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۸۸)

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، انہوں نے لوگوں سے کہا تم مجھے کہتے ہو کہ مجھ میں تکبر ہے، حالانکہ میں گدھے پر سواری کرتا ہوں اور چوڑی چادر پہنتا ہوں اور بکری کا دودھ دوہتا ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص یہ کام کرے گا اس میں بالکل تکبر نہیں ہوگا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۰۱، جامع الاصول رقم الحدیث: ۸۲۲۵)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ وہ حکیمانہ احکام ہیں جن کی آپ کے رب نے آپ کی طرف وحی فرمائی ہے، اور (اے مخاطب!) اللہ کے ساتھ دوسرا عبادت کا مستحق نہ بنا؟ ورنہ تجھ کو ملامت زدہ اور پھٹکارا ہوا بنا کر دوزخ میں جھونک دیا جائے گا○ کیا بیٹوں کے لیے اللہ نے تم کو منتخب کر لیا ہے اور فرشتوں کو (اپنی) بیٹیاں بنا لیں ہیں؟ بے شک تم بہت سنگین بات کہہ رہے ہو○ (بنی اسرائیل: ۴۰-۳۹)

آیات سابقہ میں مذکور چھبیس احکام کا خلاصہ

سورہ بنی اسرائیل کی آیت: ۲۲ سے آیت: ۴۰ تک اللہ تعالیٰ نے چھبیس احکام بیان فرمائے ہیں جو خالق کی عظمت اور مخلوق پر شفقت اور دنیا اور آخرت سے متعلق تمام ضروری اور اہم احکام پر مشتمل ہیں ان کی تفصیل یہ ہے:

ولا تجعل مع اللہ الٰھا اخر (بنی اسرائیل: ۲۲) اس آیت میں توحید کو ماننے اور شرک نہ کرنے کا حکم دیا ہے، یہ ایک حکم ہے، اور وقضی ربک الا تعبدوا الا ایاہ (بنی اسرائیل: ۲۳) اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم دیا ہے اور غیر اللہ کی عبادت سے منع فرمایا ہے اس آیت میں دو حکم ہیں اور کل تین حکم ہوئے، وبالوالدین احسانا (بنی اسرائیل: ۲۳) اس آیت میں ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کا حکم دیا ہے یہ چوتھا حکم ہے، پھر اس نیک سلوک کی وضاحت میں پانچ حکم فرمائے: فلا تقل لھما اف ولا تنھرھما وقل لھما قولا کریما○ واخفض لھما جناح الذل من الرحمۃ وقل رب ارحمھما (بنی اسرائیل: ۲۴-۲۳) یعنی ماں باپ سے اُف تک نہ کہو، ان کو جھڑکو مت، ان سے نرمی اور مہربانی کرو، ان کے ساتھ تواضع اور انکسار سے پیش آؤ اور ان کے لیے رحمت کی دعا کرو یہ نو احکام ہوئے۔ واٰت ذا القربی حقہ والمسکین وابن السبیل (بنی اسرائیل: ۲۶) اس آیت میں تین حکم ہیں، قرابت داروں کو ان کا حق ادا کرو، اور مسکین کا حق دو اور مسافر کا حق دو، یہ بارہ احکام ہوگئے، ولا تبذر تبذیرا اور اسراف اور فضول خرچ نہ کرو یہ تیرہ حکم ہوگئے، اس کے بعد فرمایا: واما تعرضن عنھم ابتغاء رحمۃ من ربک ترجوھا فقل لھم قولا میسورا (بنی اسرائیل: ۲۶) یعنی اگر تمہارے پاس دینے کو مال نہ ہو تو سائل کو نرمی اور لطف سے ٹال دو، اور یہ چودہ احکام ہوگئے، پھر ولا تجعل یدک مغلولۃ الی عنقک ولا تبسطھا کل البسط۔ الآیہ۔ (بنی اسرائیل: ۲۹-۲۸) ان آیتوں میں فرمایا: اپنا ہاتھ تنگ رکھو نہ بالکل کھلا ہوا اور میانہ روی سے دینے کا حکم دیا یہ پندرہواں حکم ہے، پھر فرمایا: ولا تقتلوا اولادکم (بنی اسرائیل: ۳۱) اس آیت میں اولاد کو قتل کرنے سے منع کیا یہ سولھواں حکم ہے، پھر فرمایا ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق (بنی اسرائیل: ۳۳) کسی بے قصور کو قتل نہ کرو یہ سترہواں حکم ہے، پھر ومن قتل

مظلوما فقد جعلنا لولیہ سلطانا اس آیت میں ورثاء مقتول کو قصاص لینے کا حکم دیا اور یہ اٹھارہواں حکم ہے، پھر فرمایا فلا یسرف فی القتل یعنی وارث قصاص لینے میں تجاوز نہ کرے اور یہ انیسواں حکم ہے پھر فرمایا ولا تقربوا مال الیتیم۔ الآیہ۔ (بنی اسرائیل: ٣٤) یتیم کی بلوغت تک اس کے مال کو نیکی کے سوا خرچ نہ کرو اور یہ بیسواں حکم ہے۔ واوفوا بالعھد (بنی اسرائیل: ٣٤) یعنی عہد کو پورا کرو اور یہ اکیسواں حکم ہے، پھر فرمایا واوفوا الکیل اذا کلتم یعنی پوری پوری پیمائش کرو یہ بائیسواں حکم ہے، پھر فرمایا: وزنوا بالقسطاس المستقیم (بنی اسرائیل: ٣٥) صحیح ترازو سے وزن کرو یہ تیسواں حکم ہے، پھر فرمایا: ولا تقف مالیس لک بہ علم (بنی اسرائیل: ٣٦) بغیر علم کے محض گمان سے کوئی بات نہ کہو اور یہ چوبیسواں حکم ہے، ولا تمش فی الارض مرحا زمین پر اکڑ اکڑ کر نہ چلو یہ پچیسواں حکم ہے، پھر آخر میں مکرر فرمایا: ولا تجعل مع اللہ الھا اخر (بنی اسرائیل: ٣٩) اور اللہ کے ساتھ دوسرا عبادت کا مستحق نہ بناؤ اور یہ چھبیسواں حکم ہے۔ یہ چھبیس قسم کے احکام ہیں، ان میں بعض اوامر ہیں اور بعض نواہی، ان سب کو اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں جمع کر دیا ہے ان کی ابتداء بھی اس حکم سے ہوئی کہ:

وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا۔ (بنی اسرائیل: ٢٢)

اور (اے مخاطب!) تُو اللہ کے ساتھ کوئی اور عبادت کا مستحق نہ بنا کہ تُو مذمت کیا ہوا اور ناکام بیٹھا رہ جائے ○

اور آخری آیت میں بھی یہ حکم ہے:

وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِيْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا۔ (بنی اسرائیل: ٣٩)

اور (اے مخاطب!) اللہ کے ساتھ دوسرا عبادت کا مستحق نہ بنا ورنہ تجھ کو ملامت زدہ اور پھٹکارا ہوا بنا کر دوزخ میں جھونک دیا جائے گا ○

احکام مذکورہ میں اوّل و آخر توحید کو ذکر کرنے کی حکمت

اللہ تعالیٰ نے ان چھبیس احکام شرعیہ کی ابتدا توحید کا حکم دینے اور شرک سے منع کرنے سے کی اور بعینہٖ اسی حکم پر ان احکام شرعیہ کو ختم کیا اور اس میں اس چیز پر متنبہ کیا کہ ہر قول اور عمل اور ہر ذکر اور فکر کی انتہاء اللہ تعالیٰ کی توحید اور شرک سے اجتناب پر ہونی چاہیے، حتیٰ کہ انسان کی زندگی کا خاتمہ بھی توحید کے اقرار اور شرک سے اجتناب پر ہو، اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تمام احکام شرعیہ سے مقصود یہ ہے کہ انسان توحید کی معرفت میں مستغرق رہے۔

توحید سے متعلق پہلی آیت میں یہ فرمایا کہ شرک کرنے والا مذمت کیا ہوا اور ناکام ہے اور آخری آیت میں فرمایا کہ شرک کرنے والا ملامت کیا ہوا جہنم میں جھونک دیا جائے گا سو شرک کرنے والوں کو دنیا میں مذمت اور ناکامی حاصل ہو گی، اور آخرت میں اس کو ملامت کے بعد جہنم میں پھینک دیا جائے گا، پس ہمیں مذمت اور ملامت کے فرق پر غور کرنا چاہیے، مذمت کا معنی یہ ہے کہ دنیا میں مشرک سے کہا جائے گا کہ تم نے جو کام کیا ہے وہ قبیح اور برا ہے، اور ملامت کا معنی یہ ہے کہ مشرک سے آخرت میں یہ کہا جائے گا کہ تم نے شرک کیوں کیا اور شرک کرنے سے تمہیں سوا نقصان کے کیا فائدہ حاصل ہوا؟ اور ناکام اور دھتکارے ہوئے میں فرق یہ ہے کہ دنیا میں مشرک سے کہا جائے گا تم کو دنیا میں عبادت کے لیے بھیجا گیا تھا تم اس مقصد کو پورا کرنے میں ناکام رہے اور آخرت میں مشرک کو دھتکار کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

احکام مذکورہ کے حکیمانہ ہونے کی وجوہ

نیز اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: یہ وہ حکیمانہ احکام ہیں جن کی آپ کے رب نے آپ کی طرف وحی فرمائی

ہے:

اس میں ان چھبیس احکام کی طرف اشارہ ہے جن کو ہم نے ابھی اجمالاً بیان کیا ہے ان احکام کو حکیمانہ فرمانے کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) ان تمام احکام کا خلاصہ یہ ہے کہ عقیدہ توحید پر قائم رہا جائے' اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کرنے میں مشغول رہا جائے اور دنیا میں مستغرق رہنے سے اجتناب کیا جائے اور آخرت کو پیش نظر رکھا جائے' اور فطرت انسان اور عقل سلیم کا بھی یہی تقاضا ہے کہ پیدا کرنے والے اور نعمتیں دینے والے کا شکر ادا کیا جائے تو جو شخص ان احکام کی دعوت دے گا تو وہ فطرت اور عقل سلیم کے مطابق دعوت دے گا اور وہی اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت دینے والا ہو گا اور جو ان احکام کے خلاف دعوت دے گا وہ طریقہ شیطان کی دعوت دینے والا ہو گا۔

(۲) یہ احکام جو ان آیات میں بیان کیے گئے ہیں ان کی رعایت تمام ادیان اور مذاہب میں کی گئی ہے اور یہ وہ احکام ہیں جن کو کسی شریعت میں منسوخ نہیں کیا گیا لہٰذا یہ تمام احکام محکم ہیں اور حکیمانہ ہیں۔

(۳) حکمت کا معنی یہ ہے کہ جو چیز حق اور خیر ہو اس کی معرفت حاصل کرنا اور اس کے تقاضوں پر عمل کرنا اور اللہ تعالیٰ کی تعظیم کرنا، مخلوق پر شفقت کرنا' برے کاموں سے بچنا اور نیک کاموں کو کرنا یہ وہ کام ہیں جو اپنی ذات اور حقیقت میں حق اور خیر ہیں اور یہ چھبیس احکام ان ہی کاموں کے متعلق دیئے گئے ہیں تو پھر ان کاموں کے حکیمانہ ہونے میں کیا شک رہ جاتا ہے!

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا بیٹوں کے لیے اللہ نے تم کو منتخب کر لیا ہے اور فرشتوں کو (اپنی) بیٹیاں بنا لیں ہیں؟ بے شک تم بہت سنگین بات کہہ رہے ہو! (بنی اسرائیل: ۴۰)

اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیوں کے قول کا ظلم ہونا

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا شریک بنانا فطرت صحیحہ اور عقل سلیمہ کے خلاف ہے دنیا میں مذمت اور ناکامی اور آخرت میں ملامت اور دخول نار کا موجب ہے اور اس آیت میں اس کی دوسری نظیر کی طرف متنبہ کیا ہے کہ جو لوگ اللہ کے لیے اولاد کا قول کرتے ہیں وہ اس سے بھی جہالت اور گمراہی میں مبتلا ہیں' کیونکہ ان کا اعتقاد یہ ہے کہ اولاد کی دو قسمیں ہیں اور جو قسم اعلیٰ اور اشرف ہے وہ مذکر اور بیٹا ہے اور جو قسم ادنیٰ اور ارذل ہے وہ مونث اور بیٹی ہے پھر ان ظالموں نے اپنے لیے تو بیٹے مانے حالانکہ یہ علم اور قدرت کے لحاظ سے انتہائی عاجز اور ناقص ہیں بلکہ ان کے پاس جو کچھ بھی علم اور قدرت ہے وہ اللہ تعالیٰ کا ہی دیا ہوا ہے اور اس میں وہ اسی کے محتاج ہیں' اور ان جہلاء نے اللہ کے لیے بیٹیاں مانیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کا علم بھی بے حد و حساب ہے اور اس کی قدرت بھی بے پایاں اور بے انتہا ہے' اور یہ ان لوگوں کا انتہائی جہل اور ظلم ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے شکوہ فرمایا:

اَمْ لَهُ الْبَنٰتُ وَلَكُمُ الْبَنُوْنَ ○ (الطور: ۳۹) کیا اللہ کی بیٹیاں ہیں اور تمہارے بیٹے ہیں؟

اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ○ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ○ (النجم: ۲۲-۲۱) کیا تمہارے لیے لڑکے اور اللہ کے لیے لڑکیاں ہیں! ○ یہ تو بہت ظالمانہ تقسیم ہے!

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا ؕ وَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ﴿۴۱﴾

اور بے شک ہم نے اس قرآن میں کئی طرح بیان فرمایا تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں (لیکن) اس اسلوب نے بھی ان کے تنفر ہی کو زیادہ کیا ○

قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗٓ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِى الْعَرْشِ

آپ کہیے اگر اللہ کے ساتھ اور معبود (بھی) ہوتے جیسا کہ یہ کہتے ہیں تو وہ اب تک عرش والے تک کوئی راہ ڈھونڈ چکے

سَبِيْلًا ﴿۴۲﴾ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ﴿۴۳﴾ تُسَبِّحُ لَهُ

ہوتے ○ ان کی باتوں سے اللہ بہت پاک اور بہت بلند ہے ○ سات آسمان اور

السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۭ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ

زمینیں اور جو بھی ان میں ہیں اس کی تسبیح کر رہے ہیں اور ہر چیز اللہ کی

اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ

حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کر رہی ہے لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے، بے شک وہ نہایت حلم

حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۴﴾ وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ

والا، بہت بخشنے والا ہے ○ اور جب آپ قرآن کی تلاوت کرتے ہیں تو ہم آپ کے اور ان لوگوں کے درمیان

الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ﴿۴۵﴾ وَّجَعَلْنَا عَلٰى

پوشیدہ حجاب ڈال دیتے ہیں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے ○ اور ہم نے ان کے دلوں پر

قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي

پردے ڈال دیے ہیں تاکہ وہ اسے سمجھ نہ سکیں اور ان کے کانوں میں ڈاٹ ہے، اور جب آپ قرآن میں صرف

الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓي اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ﴿۴۶﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ

اللہ وحدہ کا ذکر کرتے ہیں تو وہ اعراض کرتے ہوئے پیٹھ موڑ کر بھاگ جاتے ہیں ○ ہم خوب جانتے ہیں کہ وہ کس غرض سے قرآن کو

بِهٖٓ اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ وَاِذْ هُمْ نَجْوٰٓى اِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ

سنتے ہیں جب وہ آپ کی طرف کان لگا کر سنتے ہیں اور جب وہ آپس میں سرگوشی کرتے ہیں، جب ظالم یہ کہتے ہیں کہ

اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿۴۷﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ

تم صرف ایسے شخص کی پیروی کر رہے ہو جس پر جادو کیا ہوا ہے ○ دیکھیے یہ آپ کے لیے کیسی مثالیں بیان کر رہے

الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ سَبِیْلًا ﴿۴۸﴾ وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا

ہیں! پس وہ ایسے گم راہ ہوگئے کہ اب (صحیح) راستہ پر نہیں آسکتے ○ اور انہوں نے کہا کیا جب ہم

عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِیْدًا ﴿۴۹﴾ قُلْ كُوْنُوْا

ہڈیاں ہو جائیں گے اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو پھر ہم کو از سر نو بنا کر کھڑا کر دیا جائے گا ○ آپ کہیے تم

حِجَارَةً اَوْ حَدِیْدًا ﴿۵۰﴾ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا یَكْبُرُ فِیْ صُدُوْرِكُمْ فَسَیَقُوْلُوْنَ

پتھر بن جاؤ یا لوہا ○ یا کوئی اور مخلوق جو تمہارے خیال میں بہت سخت ہو تو عنقریب وہ کہیں گے

مَنْ یُّعِیْدُنَا قُلِ الَّذِیْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَسَیُنْغِضُوْنَ

ہم کو دوبارہ کون پیدا کرے گا؟ آپ کہیے کہ وہی جس نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا! اس پر وہ آپ کی طرف

اِلَیْكَ رُءُوْسَهُمْ وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ قُلْ عَسٰٓى اَنْ یَّكُوْنَ

(انکاراً) سر ہلائیں گے اور کہیں گے تو یہ کب ہوگا؟ آپ کہیے کیا تعجب ہے کہ وہ وقت قریب

قَرِیْبًا ﴿۵۱﴾ یَوْمَ یَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِیْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ

آپہنچا ہو ○ جس دن وہ تمہیں بلائے گا تو تم اس کی حمد کرتے ہوئے چلے آؤ گے اور تم یہ گمان کرو گے کہ تم

اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۵۲﴾

تھوڑی دیر ہی ٹھہرے تھے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے اس قرآن میں کئی طرح بیان فرمایا تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں (لیکن) اس اسلوب نے بھی ان کے تنفر کو ہی زیادہ کیا○ (بنی اسرائیل: ۴۱)

تصریف اور تذکر کا معنی

اس آیت میں تصریف کا لفظ ہے، تصریف کا معنی لغت میں ہے کسی چیز کو ایک طرف سے دوسری طرف پھیرنا اور پھر اس لفظ کا کنایہ اس معنی سے کیا جاتا ہے کہ ایک کلام کو ایک نوع سے دوسری نوع کے ساتھ بیان کیا جائے اور ایک مثال سے دوسری مثال کے ساتھ بیان کیا جائے تاکہ اس کلام کا معنی زیادہ قوی اور زیادہ واضح ہو جائے۔ اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم نے اس قرآن میں ہر ضروری مثال بیان کر دی ہے۔

دوسرا وضاحت طلب لفظ ہے لیذکروا اس کا معنی ہے تاکہ وہ یاد کریں، اور اس سے مراد وہ نہیں جو بھولنے کے بعد کوئی چیز یاد آجاتی ہے بلکہ اس سے مراد ہے تدبر اور تفکر اور غور اور فکر کرنا، یعنی ہم نے اس قرآن میں کئی طرح کے دلائل

اور کئی قسم کی مثالیں ذکر کی ہیں، تاکہ وہ ان میں غور و فکر کر کے نصیحت حاصل کریں اور زبان سے اس قرآن کا ذکر کریں یعنی اس کی تلاوت کریں، کیونکہ زبان سے ذکر بھی دل میں تاثیر کرتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسی بات سے راضی تھا کہ وہ قرآن پر غور و فکر کر کے اس پر ایمان لے آتے لیکن اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ وہ قرآن عظیم کے دلائل اور مثالوں میں غور و فکر کرنے کے بجائے اس سے دوری اور اس سے نفرت اختیار کریں گے سو ایسا ہی ہوا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے اگر اللہ کے ساتھ اور معبود (بھی) ہوتے جیسا کہ یہ کہتے ہیں تو وہ اب تک عرش والے تک کوئی راہ ڈھونڈ چکے ہوتے ○ ان کی باتوں سے اللہ بہت پاک، بہت بلند ہے ○ (بنی اسرائیل: ۴۳-۴۲)

اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے پر دلائل

اس آیت کی تین تقریریں ہیں پہلی تقریر یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے سوا اور متعدد خدا ہوتے تو وہ ایک دوسرے پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کرتے جیسے کہ دنیا کے حکمرانوں میں ہوتا ہے اور جو جس علاقے پر غلبہ حاصل کرتا وہاں اپنا نظام جاری کردیتا مثلاً روس جہاں جہاں غلبہ پاتا گیا وہاں اشتراکی نظام جاری کرتا رہا، امریکہ سرمایہ داری نظام جاری کرتا رہا، مسلمان جہاں غالب ہوئے انہوں نے وہاں اسلامی نظام جاری کیا، اس طرح دنیا میں مختلف نظام ہائے حیات جاری ہیں، سو اسی طرح دنیا بنانے والے اور دنیا چلانے والے بھی متعدد ہوتے تو اس کائنات کا فطری اور طبعی نظام ایک نہج اور ایک طرز پر نہ ہوتا، سورج کبھی ایک مخصوص جانب سے طلوع اور ایک مخصوص جانب میں غروب نہ ہوتا، بیر کے درخت میں ہمیشہ بیر نہ لگتا، کشش ثقل کی وجہ سے ہمیشہ چیزیں نیچے کی طرف نہ آتیں، انسان سے ہمیشہ انسان پیدا نہیں ہوتا، ان فطری چیزوں کے نظام بدلتے رہتے اور جب تمام چیزیں ایک طرز اور ایک نہج پر چل رہی ہوں تو معلوم ہوا کہ اس نظام کو بنانے والا اور اس نظام کو چلانے والا بھی واحد ہے متعدد نہیں ہیں۔

اور اس آیت کی دوسری تقریر یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے سوا اور بھی متعدد خدا ہوتے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ملک اور اس کی سلطنت کو مٹانے کے لیے اس تک پہنچ چکے ہوتے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے خلاف ہے وہ ان کی شرکت کو نہیں مانتا بلکہ وہ ان کے خدا ہونے کا انکار کرتا ہے ایسے میں ضروری تھا کہ وہ عرش پر ہلہ بول دیتے اور اس کے واحد ہونے کے دعویٰ کو باطل کردیتے اور وہ یہ ثابت کردیتے کہ وہ حقیقت میں اس کے شریک ہیں لیکن جب کہ فی الواقع ایسا نہیں ہوا اور اس کا کوئی مخالف اس کے عرش تک نہیں پہنچ سکا اور اس کے ملک اور اس کی سلطنت کا بال بیکا نہیں کرسکا تو پھر اب یہ تسلیم کرنے میں کیا کسر رہ جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ واحد ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

اس کی تیسری تقریر یہ ہے کہ مشرکین یہ کہتے تھے کہ ہم بتوں کی عبادت اس لیے کرتے ہیں کہ وہ بت ہم کو اللہ تعالیٰ کے قریب کردیں گے جو عرش کا مالک ہے اور وہ سال ہا سال سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے بتوں کی عبادت کر رہے ہیں تو اب تک ان کو عرش کے قریب پہنچ جانا چاہیے تھا اور جب کہ وہ عرش تک نہیں پہنچے تو ماننا پڑے گا کہ بتوں کی عبادت کر کے وہ اللہ تعالیٰ تک نہیں پہنچ سکتے اور بتوں کی عبادت کرنا باطل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سات آسمان اور زمینیں اور جو بھی ان میں ہیں اس کی تسبیح کر رہے ہیں اور ہر چیز اللہ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کر رہی ہے، لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے، بے شک وہ نہایت حلم والا بہت بخشنے والا ہے ○

(بنی اسرائیل: ۴۴)

اللہ تعالیٰ کی تسبیح ہر چیز کرتی ہے یا صرف ذوی العقول کرتے ہیں اور یہ تسبیح حالی ہے یا قولی؟

ہر چیز اللہ کی تسبیح کرتی ہے، یہ علی العموم ہے یا اس میں کچھ تخصیص ہے اس میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) ابراھیم نخعی نے کہا اس میں عموم علی الاطلاق ہے پس ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے، حتیٰ کہ کپڑا، کھانا اور دروازہ بھی اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتا ہے۔

(۲) دوسرا قول تخصیص کا ہے اور اس میں یہ تفصیل ہے (الف) حسن، قتادہ اور ضحاک نے کہا ہر ذی روح چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے۔ (ب) عکرمہ نے کہا ہر ذی روح چیز اور ہر نشو و نما والی چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے، درخت اور گھاس وغیرہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں، اور جمادات مثلاً ستون وغیرہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح نہیں کرتے، حسن بصری دسترخوان پر بیٹھے ہوئے تھے ان سے کہا گیا کہ کیا کھانے کا یہ خوان تسبیح کر رہا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں اس نے ایک مرتبہ تسبیح کی ہے۔ (ج) ہر وہ چیز جو اپنے حال سے متغیر نہ ہوئی ہو وہ تسبیح کرتی ہے اور جب وہ متغیر ہو جائے تو اس کی تسبیح منقطع ہو جاتی ہے، المقدام بن معدی کرب نے کہا مٹی جب تک بھیگ نہ جائے تسبیح کرتی رہتی ہے اور جب بھیگ جاتی ہے تو تسبیح منقطع ہو جاتی ہے، اور پتہ جب تک درخت پر رہتا ہے تسبیح کرتا رہتا ہے اور جب درخت سے ٹوٹ کر گر جاتا ہے تو تسبیح نہیں کرتا اور کپڑا جب تک اُجلا ہو تسبیح کرتا رہتا ہے اور جب میلا ہو جاتا ہے تو تسبیح نہیں کرتا۔

اور انسان کی تسبیح معلوم اور مشاہد ہے اور حیوان کی تسبیح ہو سکتا ہے کہ آواز کے ساتھ ہو اور ہو سکتا ہے کہ اس کی تسبیح یہ ہو کہ اس کا حال اس کے پیدا کرنے والا پر دلالت کرتا ہے۔

اور جمادات کی تسبیح کے متعلق تین قول ہیں: (۱) ان کی تسبیح کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (۲) ان کا اللہ کے لیے خضوع و خشوع کرنا ان کی تسبیح ہے۔ (۳) ان کا اپنے خالق اور صانع پر دلالت کرنا یہی ان کی تسبیح ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ وہ حقیقتاً تسبیح کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے تمام مخلوق کے لیے ہوگا اور اگر ہم یہ کہیں کہ ان کی تسبیح یہ ہے کہ وہ اپنے صانع پر دلالت کرتے ہیں تو پھر یہ خطاب صرف کفار کے لیے ہوگا کیونکہ وہ مخلوق سے خالق پر استدلال نہیں کرتے۔ (زاد المسیر ج ۵ ص ۴۰-۳۹، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

ہر چیز کی تسبیح کرنے کے متعلق مصنف کی تحقیق

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ کا مختار یہ ہے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے اس سے مراد تسبیح قولی نہیں ہے بلکہ تسبیح حالی ہے، رہا یہ اعتراض کہ تسبیح حالی تو ہمیں معلوم ہے کیونکہ مخلوق اپنے خالق پر اور مصنوع اپنے صانع پر دلالت کرتی ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے حالانکہ تسبیح حالی کو ہم سمجھتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ کتنی چیزیں کثیر اجزاء سے مرکب ہوتی ہیں اور ان کا ہر جز الگ الگ طریقہ سے صانع پر دلالت کرتا ہے اور ہم کو نہیں معلوم وہ چیز کتنے اجزاء سے مرکب ہے اور کس کس طریقہ سے وہ اجزاء اپنے صانع پر دلالت کرتے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد صحیح ہے کہ لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے، اگر وہ تسبیح قولی ہوتی یعنی ہر چیز سبحان اللہ کہتی تو ہم اس کو سمجھ لیتے اس سے معلوم ہوا کہ ہر چیز تسبیح کرتی ہے اور وہ یہ تسبیح اپنے حال سے کرتی ہے قال سے نہیں کرتی یعنی اس کا ممکن، حادث اور متغیر ہونا زبان حال سے یہ بیان کر رہا ہے کہ اس میں امکان، حدوث اور تغیر کا عیب ہے لیکن اس کا خالق اور صانع امکان اور حدوث اور تغیر کے عیب سے پاک ہے کیونکہ اگر اس میں بھی یہ عیب ہوتا تو وہ بھی اس کی طرح ہوتا اس کا خالق اور اس کا صانع نہ ہوتا پس معلوم ہوا کہ وہ تو ممکن اور حادث ہے لیکن اس کا خالق واجب اور قدیم ہے۔ اور اس اعتبار سے

تمام ممکنات اللہ تعالیٰ کی حمد اور تسبیح کرتے ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۷ ص ۳۴۸۔ ۳۴۷، ملخصاً، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

لیکن امام رازی کا یہ نظریہ قرآن مجید کی صریح آیات اور صحیح احادیث کے خلاف ہے، اور صحیح یہ ہے کہ ہر چیز حقیقتاً اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح کرتی ہے لیکن ہم اس حمد اور تسبیح کو عادتاً نہیں سمجھتے انبیاء علیہم السلام اپنے معجزہ سے اس تسبیح کو سنتے ہیں اور سمجھتے ہیں اور صحابہ کرام اور اولیاء عظام اپنی کرامت سے اس تسبیح کو سنتے اور سمجھتے ہیں، اور اب ہم اس پر قرآن مجید اور احادیث قویہ سے دلائل پیش کریں گے فنقول بتوفیق اللہ وبہ نستعین۔

ہر چیز کی حقیقتاً تسبیح کرنے کے متعلق قرآن مجید کی آیات

اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ ۝ (ص: ۱۸) ہم نے پہاڑوں کو داؤد کے تابع کر دیا تھا وہ اس کے ساتھ شام کو اور صبح کو تسبیح پڑھتے تھے ۝

اگر اس تسبیح سے مراد حالی تسبیح ہو تو پہاڑوں کو مسخر کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۝ لا اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۝ (مریم: ۹۱-۹۰) عنقریب اس قول کی وجہ سے آسمان پھٹ جائیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں کہ انہوں نے رحمٰن کے لیے بیٹے کا دعویٰ کیا۔

وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ۔ (البقرہ: ۷۴) اور بعض پتھر اللہ کے خوف سے گر جاتے ہیں۔

ہر چیز کی حقیقتاً تسبیح کرنے کے متعلق احادیث

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: میں دیکھتا ہوں کہ تم بکریوں اور جنگل سے محبت کرتے ہو پس جب تم اپنی بکریوں کے پاس یا جنگل میں ہو تو نماز کے لیے بلند آواز سے اذان دیا کرو کیونکہ تمہاری آواز کو جہاں تک جن اور انس اور جو چیز بھی سنے گی وہ تمہاری آواز کی گواہی دے گی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۷۲۳، موطا امام مالک: رقم الحدیث: ۱۶۷، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۱۴۱۳، عالم الکتب)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت کھانا کھایا جا رہا ہوتا تھا تو ہم کھانے کی تسبیح سنتے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۷۹، مسند احمد رقم الحدیث: ۳۸۰۷)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں مکہ کے ایک پتھر کو پہچانتا ہوں جو میری بعثت سے پہلے مجھ پر سلام پڑھتا تھا میں اس کو اب بھی پہچانتا ہوں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۷۷)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے وفات کے وقت اپنے بیٹے کو نصیحت کی میں تم کو دو چیزوں کا حکم دیتا ہوں اور دو چیزوں سے منع کرتا ہوں، میں تم کو شرک اور تکبر سے منع کرتا ہوں اور میں تم کو لا الہ الا اللہ پڑھنے کا حکم دیتا ہوں کیونکہ اگر تمام آسمان اور زمین میزان کے ایک پلڑے میں رکھے جائیں اور لا الہ الا اللہ دوسرے پلڑے میں رکھا جائے تو یہ پلڑا بھاری ہو گا اور اگر تمام آسمان اور زمین ایک حلقہ میں رکھے جائیں اور اس حلقہ پر لا الہ الا اللہ کو رکھا جائے تو وہ اس کو توڑ دے گا، اور میں تم کو سبحان اللہ وبحمدہ پڑھنے کا حکم دیتا ہوں کیونکہ وہ ہر چیز کی صلاۃ ہے اور اسی وجہ سے ہر چیز کو رزق دیا جاتا ہے۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۱۷۰، ج ۳ ص ۲۲۵، طبع قدیم، مسند احمد رقم الحدیث: ۶۵۸۳، ۷۱۰۱، عالم الکتب بیروت)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تم کو اس کی خبر نہ دوں کہ حضرت نوح نے اپنے بیٹے کو کس چیز کا حکم دیا تھا؟ حضرت نوح نے اپنے بیٹے سے کہا، اے میرے بیٹے میں تم کو یہ حکم دیتا ہوں کہ تم سبحان اللہ وبحمدہ پڑھا کرو، کیونکہ یہ تمام مخلوق کی صلاۃ ہے اور تمام مخلوق کی تسبیح ہے، اسی کی وجہ سے مخلوق کو رزق دیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ہر چیز اللہ کی تسبیح کے ساتھ اس کی حمد کرتی ہے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۶۸۴۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے کہا جب کوئی شخص لا الہ الا اللہ پڑھتا ہے تو یہ وہ کلمہ اخلاص ہے جس کے بغیر اللہ تعالیٰ کوئی عمل قبول نہیں کرتا حتیٰ کہ اس کلمہ کو پڑھے، اور جب وہ کہتا ہے الحمد للہ تو یہ وہ کلمہ شکر ہے جس کے بغیر اللہ تعالیٰ کسی بندے کا شکر قبول نہیں فرماتا حتیٰ کہ وہ یہ کلمہ پڑھے، اور جب وہ کہتا ہے اللہ اکبر تو یہ آسمان اور زمین کی چیزوں کو بھر لیتا ہے اور یہ تمام مخلوق کی صلاۃ ہے، اللہ کی مخلوق میں سے جو بھی دعا کرتا ہے اللہ اس کو صلاۃ اور تسبیح کے ساتھ منور کر دیتا ہے اور جب وہ کہتا ہے لا حول ولا قوۃ الا باللہ تو اللہ فرماتا ہے میرے بندے نے اطاعت کی۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۶۸۵۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے باغات میں سے ایک باغ کے پاس سے گزرے، آپ نے دو انسانوں کی آوازیں سنیں جن کو عذاب دیا جا رہا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان دونوں کو عذاب دیا جا رہا ہے اور کسی بڑی چیز کی وجہ سے عذاب نہیں دیا جا رہا، پھر آپ نے فرمایا کیوں نہیں! ان میں سے ایک پیشاب سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغلی کرتا تھا پھر آپ نے درخت کی ایک شاخ منگائی پھر اس کے دو ٹکڑے کیے، ایک ٹکڑا ایک قبر پر رکھ دیا اور دوسرا ٹکڑا دوسری قبر پر رکھ دیا، آپ سے پوچھا گیا یا رسول اللہ! آپ نے ایسا کیوں کیا ہے آپ نے فرمایا: جب تک یہ شاخ خشک نہیں ہوگی، ان دونوں کے عذاب میں تخفیف رہے گی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۱۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۲، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۰، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۷۰، سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۱، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۷)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک یہ دونوں ٹکڑے خشک نہ ہوں، تب تک یہ دونوں ٹکڑے تسبیح کرتے رہیں گے، اور مسند ابو داؤد الطیالسی میں ہے آپ نے ایک قبر پر ایک ٹکڑا اور دوسری قبر پر دوسرا ٹکڑا رکھ دیا پھر فرمایا جب تک شاخ کے ان دونوں ٹکڑوں میں نمی رہے گی ان کے عذاب میں کمی رہے گی، ہمارے علماء نے کہا اس حدیث سے درخت کو گاڑنے کا جواز مستفاد ہوتا ہے، اور قبر کے پاس قرآن پڑھنے کا جواز ثابت ہوتا ہے، اور جب درخت کی وجہ سے قبر کے عذاب میں تخفیف ہو جاتی ہے تو مومن کے قرآن پڑھنے سے عذاب میں تخفیف کیوں نہیں ہوگی! ہم نے اپنی کتاب التذکرہ میں اس کو مفصل بیان کیا ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ میت کو جو ہدیہ کیا جائے اس کا ثواب اسے پہنچتا ہے۔

(التذکرہ ج ۱ ص ۱۳۱-۱۳۶، مطبوعہ دار البخاری) (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۰ ص ۲۴۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

کھجور کی شاخ کے ٹکڑوں کو قبروں پر رکھنے کی تشریح

حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

اس کا معنی یہ ہے کہ جب تک یہ شاخ تر رہے گی تسبیح کرتی رہے گی اس سے یہ کلیہ معلوم ہوا کہ ہر چیز جس میں درختوں کی نمی ہو اس کو قبر پر رکھنے سے عذاب میں تخفیف ہوگی اسی طرح ہر وہ چیز جس میں برکت ہو مثلاً اللہ تعالیٰ کا ذکر اور تلاوت قرآن، بلکہ اس سے تخفیف کا ہونا زیادہ اولیٰ ہے۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۳۲۰، مطبوعہ لاہور ۱۴۰۱ھ)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک شاخ کے یہ ٹکڑے خشک نہیں ہوں گے ان قبر والوں کے عذاب میں تخفیف رہے گی، ہو سکتا ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ جب تک شاخ کے یہ ٹکڑے تر رہیں گے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے رہیں گے اور خشک شاخ تسبیح نہیں کرتی۔ اور قرآن مجید میں جو ہے ہر چیز اللہ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتی ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ ہر زندہ چیز تسبیح کرتی ہے، پھر اس میں اختلاف ہے کہ ہر چیز حقیقتہً تسبیح کرتی ہے یا اس کا اپنے خالق اور صانع پر دلالت کرنا ہی اس کی تسبیح ہے، محققین یہ کہتے ہیں کہ ہر چیز حقیقتاً تسبیح کرتی ہے کیونکہ عقل کے نزدیک یہ محال نہیں ہے اور قرآن مجید اور احادیث میں اس کی تصریح ہے، اس لیے اس کو ماننا ضروری ہے، اور اس حدیث کی بناء پر علماء نے قبر کے پاس قرآن مجید کی تلاوت کو مستحب قرار دیا ہے کیونکہ جب درخت کی شاخ کی تسبیح سے عذاب میں تخفیف متوقع ہے تو قرآن مجید کی تلاوت سے بہ طریق اولیٰ عذاب میں تخفیف ہوگی، اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب ہر چیز حقیقتاً تسبیح کرتی ہے تو پھر شاخ کی تخصیص کی کیا توجیہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بعض چیزوں کی وجہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو ہی معلوم ہوتی ہے جیسے دوزخ کے فرشتوں کی تعداد انیس ہے، اس سے کم یا زیادہ نہیں، اس کی وجہ کا صرف اللہ اور اس کے رسولوں کو ہی علم ہے، رسل ملائکہ میں سے صرف جبرائیل کو وحی نازل کرنے کے ساتھ کیوں خاص کیا، حضرت عزرائیل کو روح قبض کرنے کے ساتھ کیوں خاص کیا، حضرت میکائیل کو تقسیم رزق کے ساتھ کیوں خاص کیا اور حضرت اسرافیل کو صور پھونکنے کے ساتھ کیوں خاص کیا ان کی وجوہات کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، اس لیے تر شاخ کے تسبیح کرنے اور خشک شاخ کے تسبیح نہ کرنے کی وجہ بھی اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے جب کہ تحقیق یہ ہے کہ ہر چیز حقیقتاً حمد کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے۔

(عمدۃ القاری جز ۳ ص ۱۱۷، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ)

قبر پر قرآن مجید پڑھنے سے عذاب میں تخفیف ہونا

چونکہ علامہ قرطبی، حافظ عسقلانی اور حافظ عینی کی عبارات میں تصریح آگئی ہے کہ قبر پر قرآن مجید کی تلاوت کرنے سے عذاب میں تخفیف ہوتی ہے اور میت کو قرآن مجید کا ثواب پہنچانا جائز ہے اور یہ ثواب اس کو پہنچتا ہے اس لیے ہم اس کے ثبوت میں چند احادیث پیش کر رہے ہیں یہ تمام احادیث علامہ قرطبی نے اپنی کتاب التذکرہ ج ۱ ص ۱۲۶-۱۳۶ میں بیان کیں ہیں اور ان سے اس موقف پر استدلال کیا ہے:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص قبرستان سے گزرا اور اس نے گیارہ مرتبہ قل ھو اللہ احد پڑھ کر اس قبرستان کے مردوں کو بخش دیا تو اس کو قبرستان کے مردوں کی تعداد کے برابر قل ھو اللہ احد پڑھنے کا اجر ملے گا۔ (کنز العمال رقم الحدیث: ۴۲۵۹۶)

حضرت عبداللہ عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص فوت ہو جائے تو اس کو رکھو نہیں بلکہ جلدی قبر کی طرف لے جاؤ اور اس کے سرہانے سورہ فاتحہ پڑھو اور اس کے پیروں کی جانب سورہ البقرہ کی آخری آیات پڑھو۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۳۶۱۳)

عبد الرحمان بن العلاء بن اللجاج بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے میرے والد نے کہا اے میرے بیٹے! جب میں مرجاؤں تو میری لحد بنانا اور مجھے قبر میں رکھتے وقت بسم اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ پڑھنا پھر میری قبر پر مٹی ڈال دینا اور میرے سرہانے سورہ بقرہ کی ابتدائی اور آخری آیات پڑھنا' کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے' اور حضرت ابن عمر بھی اس کی وصیت کرتے تھے۔ (المعجم الکبیر ج۱۹ص ۳۲۰' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۴ ص ۵۷-۵۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قبر میں مردہ اس طرح ہوتا ہے جس طرح کوئی شخص غرق ہو رہا ہو اور اس کی مدد کی جا رہی ہو وہ اپنے باپ' بھائی اور دوست کی دعاؤں کا منتظر ہوتا ہے' جب ان کی دعائیں اسے ملتی ہیں تو وہ اس کو دنیا اور مافیہا سے زیادہ محبوب ہوتی ہیں اور مردوں کے لیے زندوں کے تحفے دعا اور استغفار ہیں۔ (کنز العمال رقم الحدیث:۱۷' ۴۲۹۷' امام بیہقی نے اس کو شعب الایمان میں بھی روایت کیا ہے)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جو شخص قبرستان میں داخل ہوا اور اس نے سورہ یٰسین پڑھی اللہ تعالیٰ اس قبرستان کے مردوں کے عذاب میں تخفیف کر دیتا ہے اور جتنے مردے ہوں اتنی نیکیاں اس شخص کو عطا کرتا ہے۔

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے مردوں کے پاس سورہ یٰسین پڑھو۔ (سنن ابو داؤد رقم الحدیث:۳۱۰۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۱۴۴۸' مسند احمد ج ۵ ص ۲۶' المستدرک ۵۶۵)

یہ حدیث اپنے عموم کی وجہ سے قبرستان کے مردوں کو بھی شامل ہے۔

لیس للانسان الا ما سعی سے ایصال ثواب کے تعارض کا جواب

قبر کے پاس قرآن مجید پڑھنے اور اس کا ثواب صاحب قبر کو پہنچانے پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

وَاَنۡ لَّيۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰىۙ (النجم: ۳۹)

اور یہ کہ ہر انسان کو صرف اسی کوشش کا اجر ملے گا جس کو وہ خود کرے گا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ زندہ کے قرآن پڑھنے سے مردہ کو اجر نہیں ملے گا۔

اس کے جواب میں علامہ محمد بن احمد قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ آیت قرآن مجید کی اس آیت سے منسوخ ہے:

وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَاتَّبَعَتۡهُمۡ ذُرِّيَّتُهُمۡ بِاِيۡمَانٍ اَلۡحَقۡنَا بِهِمۡ ذُرِّيَّتَهُمۡ وَمَاۤ اَلَتۡنٰهُمۡ مِّنۡ عَمَلِهِمۡ مِّنۡ شَىۡءٍ‌ؕ (الطور: ۲۱)

اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بھی ایمان میں ان کی پیروی کی ہم ان کی اولاد کو ان سے ملا دیں گے اور ان کے عمل سے ہم کچھ کم نہیں کریں گے۔

اور نابالغ بچہ قیامت کے دن اپنے باپ کے میزان عمل میں ہوگا اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آباء کو ابناء کے حق میں اور ابناء کو آباء کے حق میں شفاعت کرنے والا بنا دے گا۔

اور اس پر یہ آیت بھی دلالت کرتی ہے:

اٰبَآؤُكُمۡ وَاَبۡنَآؤُكُمۡ لَا تَدۡرُوۡنَ اَيُّهُمۡ اَقۡرَبُ لَـكُمۡ نَفۡعًا‌ ؕ (النساء: ۱۱)

تمہیں نہیں معلوم کہ تمہارے آباء اور ابناء میں کون تمہارے لیے زیادہ نفع آور ہے۔

اور ربیع بن انس نے کہا ہے کہ لیس للانسان الا ما سعی کفار کے متعلق ہے اور رہا مومن تو اس کو اپنی سعی کا اجر بھی ملے گا اور اس کا غیر جو اس کے لیے سعی کرے گا اس کا اجر بھی اس کو ملے گا۔

اس قول کی صحت پر بہت احادیث دلالت کرتی ہیں جو اس پر شاہد ہیں کہ کسی دوسرے کے نیک اعمال کا ثواب مومن کو پہنچتا ہے۔ (التذکرہ ج ا ص ۱۳۸-۱۳۷، دار البخاری، المدینہ المنورہ، ۱۴۱۷ھ)

ایصال ثواب کے متعلق احادیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے عمل منقطع ہوجاتے ہیں مگر تین عمل منقطع نہیں ہوتے، صدقہ جاریہ، وہ علم جس سے نفع حاصل کیا گیا ہو اور نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۳۷۶، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۸۸۰، سنن دارمی رقم الحدیث: ۵۶۵، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۴۹۴، مسند احمد ج ۲ ص ۳۷۲، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۰۱۶، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۶۴۵۷، شرح السنہ رقم الحدیث: ۱۳۹، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۶ ص ۲۷۸)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جو شخص فوت ہو جائے اور اس پر ایک ماہ کے روزے ہوں تو اس کی طرف سے ہر دن ایک مسکین کو کھانا کھلایا جائے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۷۱۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۵۷، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۰۵۶، شرح السنہ رقم الحدیث: ۱۷۷۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا شبرمہ کی طرف سے لبیک، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا شبرمہ کون ہے؟ اس نے کہا میرا رشتہ دار ہے، آپ نے پوچھا کیا تم نے خود حج کرلیا ہے، اس نے کہا نہیں! آپ نے فرمایا یہ حج تم اپنی طرف سے کرو، اس کے بعد شبرمہ کی طرف سے حج کرو۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۹۰۳، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۸۱۱، ابن الجارود رقم الحدیث: ۴۹۹، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۳۰۳۹، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۲۴۴۰، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۹۸۸، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۲۴۱۹، سنن دار قطنی ج ۲ ص ۲۷۰، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۴ ص ۳۳۶، اس حدیث کی سند صحیح ہے)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ جو بنی ساعدہ سے تھے ان کی ماں فوت ہو گئیں اور وہ اس وقت وہاں نہیں تھے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! میری ماں فوت ہو گئی ہیں اور میں اس وقت حاضر نہ تھا، اگر میں ان کی طرف سے کچھ صدقہ کردوں تو کیا ان کو اس کا نفع پہنچے گا، آپ نے فرمایا: ہاں! انہوں نے کہا میں آپ کو گواہ کرتا ہوں کہ میرا باغ مخراف ان پر صدقہ ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۶۲، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۸۸۲، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۶۶۹، مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۶۳۳۷، مسند احمد ج ا ص ۳۳۳، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۲۵۱۵، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۵۰۱، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۱۶۳۰، المستدرک ج ا ص ۴۲۰، الادب المفرد رقم الحدیث: ۳۹)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ علامہ عبد العزیز بن عبد السلام لیس للانسان الا ما سعی کی وجہ سے یہ فتویٰ دیتے تھے کہ مردہ کو زندہ کے عمل کا ثواب نہیں پہنچتا، مرنے کے بعد کسی نے ان کو خواب میں دیکھا اور اس کے متعلق سوال کیا انہوں نے کہا میں نے اب اس فتویٰ سے رجوع کرلیا ہے کیونکہ میں نے اللہ عزوجل کے کرم سے دیکھا کہ ثواب پہنچتا ہے۔

(التذکرہ ج ا ص ۱۴۱-۱۴۰، مطبوعہ دار البخاری المدینہ المنورہ، ۱۴۱۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب آپ قرآن کی تلاوت کرتے ہیں تو ہم آپ کے اور ان لوگوں کے درمیان پوشیدہ حجاب ڈال دیتے ہیں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے ○ (بنی اسرائیل: ۴۵)

آپ کے قرآن پڑھتے وقت کفار کی آنکھوں پر پردہ ڈالنا

حجاب مستور کی دو تفسیریں ہیں، ایک تفسیر یہ ہے کہ مستور بمعنی ساتر ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں پر ایسا حجاب ڈال دیا تھا جس کی وجہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ نہیں سکتے تھے، اور نہ دیکھنے کی وجہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا نہیں پہنچا سکتے تھے۔

امام ابو محمد عبدالملک بن ہشام المعافری المتوفی ۲۱۳ھ لکھتے ہیں:

ابولہب کی بیوی ام جمیل کو جب معلوم ہوا کہ اس کی اور اس کے خاوند کی مذمت میں قرآن مجید کی آیتیں نازل ہوئیں ہیں تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئی اس وقت آپ حرم کعبہ میں بیٹھے ہوئے تھے اور آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق تھے، ام جمیل کے ہاتھ میں ایک بڑا پتھر تھا، جب وہ آپ کے اور حضرت ابوبکر کے پاس کھڑی ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے سے اس کی بصارت کو سلب کر لیا اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھ سکی تو وہ کہنے لگی اے ابوبکر! تمہارے صاحب کہاں ہیں؟ مجھے یہ خبر ملی ہے کہ وہ میری ہجو کرتے ہیں قسم اللہ کی اگر وہ مجھے مل جائیں تو میں پتھر ان کے منہ پر ماروں گی، سنو خدا کی قسم میں شاعرہ ہوں پھر اس نے یہ اشعار کہے:

مذمما عصینا وامرہ ابینا ودینہ قلینا۔ مذمت کیے ہوئے شخص کا کہنا ہم نے نہیں مانا اس کے حکم کا ہم نے انکار کیا اور اس کے دین کو ہم نے اکھاڑ پھینکا۔

پھر وہ واپس چلی گئی، حضرت ابوبکر نے کہا یا رسول اللہ! کیا آپ نے اس کو دیکھتے ہوئے نہیں دیکھا، آپ نے فرمایا اس نے مجھے نہیں دیکھا بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھ سے اس کی بصارت کو سلب کر لیا تھا۔

ابن اسحاق نے کہا قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مذمم (مذمت کیا ہوا) رکھ دیا تھا پھر وہ آپ کو برا کہتے تھے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم اس پر تعجب نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے قریش کے سب و شتم اور ان کی لعنت کو مجھ سے کس طرح دور کر دیا ہے وہ مذمم کو سب و شتم اور لعنت کرتے ہیں اور میں محمد ہوں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۳۳، مسند حمیدی رقم الحدیث: ۱۱۳۶، مسند احمد ج ۲ ص ۲۴۴، قدیم، مسند احمد رقم الحدیث: ۸۸۱۱، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۸ ص ۲۵۲) (السیرۃ النبویہ مع الروض الانف ج ۲ ص ۱۴۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ)

امام عبدالرحمان بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

یہ آیت ان کافروں کے متعلق نازل ہوئی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت ایذا پہنچاتے تھے جب آپ قرآن کریم پڑھتے تھے، اور وہ ابوسفیان، النضر بن الحارث، ابوجہل اور ابولہب کی بیوی ام جمیل تھے تو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے سے ان کی بصارت کو اس وقت سلب کر لیا جب آپ قرآن پڑھتے تھے وہ آپ کے پاس آتے، آپ کے پاس سے گزرتے اور آپ کو دیکھ نہیں سکتے تھے۔ (زاد المسیر ج ۵ ص ۴۱، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

آپ کے قرآن پڑھتے وقت کفار کے دلوں پر پردہ ڈالنا

اس آیت کی دوسری تفسیر وہ ہے جس کو امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ نے ذکر کیا وہ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد! جب آپ ان مشرکین پر قرآن مجید پڑھیں جو بعثت کو نہیں مانتے اور نہ ثواب اور عذاب کا اقرار کرتے ہیں تو ہم آپ کے اور ان کے درمیان ایک پردہ ڈال دیتے ہیں جو ان کے دلوں پر حجاب بن جاتا ہے کہ جو کچھ آپ پڑھتے ہیں وہ اس کو سمجھ نہ سکیں اور نہ اس سے نفع اٹھا سکیں یہ ہماری طرف سے ان کے کفر کی سزا ہے' اور حجاب مستور سے مراد ہے حجاب ساتر' قتادہ نے کہا حجاب مستور ان کے دلوں پر ایک ڈاٹ ہے جس کی وجہ سے وہ قرآن کو سمجھ سکتے ہیں نہ اس سے نفع حاصل کر سکتے ہیں۔ (جامع البیان جز ۱۵ ص ۱۱۸۔ ۱۱۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں تاکہ وہ اسے سمجھ نہ سکیں' اور ان کے کانوں میں ڈاٹ ہے اور جب آپ قرآن میں صرف اللہ وحدہ کا ذکر کرتے ہیں تو وہ اعراض کرتے ہوئے پیٹھ موڑ کر بھاگ جاتے ہیں O (بنی اسرائیل: ۴۶)

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں اور ان کے کانوں میں ڈاٹ لگا دی ہے تو پھر وہ ایمان نہ لانے میں معذور ہیں' تو اب ایمان نہ لانے پر ان کی مذمت کرنے کی کیا توجیہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کافروں نے اپنے بغض اور عناد سے اللہ تعالیٰ کی جناب میں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں اتنی گستاخی کی جس کی سزا کے طور پر اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت سے محروم کر دیا' ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے اور ان کے کانوں میں ڈاٹ لگا دی۔

اس آیت کی مکمل تفسیر ہم نے الانعام: ۲۵ میں کر دی ہے' دیکھیے تبیان القرآن ج ۳ ص ۴۲۳۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہم خوب جانتے ہیں کہ وہ کس غرض سے قرآن کو سنتے ہیں' جب وہ آپ کی طرف کان لگا کر سنتے ہیں اور جب وہ آپس میں سرگوشی کرتے ہیں جب ظالم یہ کہتے ہیں کہ تم صرف ایسے شخص کی پیروی کر رہے ہو جس پر جادو کیا ہوا ہے O دیکھیے یہ آپ کے لیے کیسی مثالیں بیان کر رہے ہیں' پس وہ ایسے گمراہ ہو گئے کہ اب (صحیح) راستہ پر نہیں آ سکتے O (بنی اسرائیل: ۴۸۔ ۴۷)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیے جانے کی تحقیق

اس آیت میں یہ فرمایا کہ کفار یہ کہتے تھے کہ آپ پر جادو کیا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول کو گمراہی فرمایا ہے جب کہ بعض احادیث میں یہ آتا ہے کہ آپ پر جادو کیا گیا تھا اور آپ پر کئی دن اس کا اثر رہا اور بظاہر یہ احادیث قرآن مجید کی اس آیت کے معارض اور مخالف ہیں' اس وجہ سے متقدمین اور متاخرین علماء میں یہ اختلاف رہا ہے کہ آپ پر جادو کا اثر ہونا' صحیح اور برحق ہے یا غلط اور باطل ہے' ہم پہلے اس حدیث کا ذکر کریں گے اور پھر آپ پر جادو کیے جانے کے متعلق فریقین کے دلائل کا ذکر کریں گے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیے جانے کی احادیث

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا گیا حتیٰ کہ آپ کا خیال یہ ہوتا کہ آپ اپنی ازواج کے پاس (ازدواجی عمل کے لیے) گئے ہیں' حالانکہ آپ نہیں گئے تھے' سفیان نے کہا اگر یہ ایسا ہو تو یہ جادو کی زبردست قسم ہے' پس آپ نے فرمایا: اے عائشہ کیا تمہیں نہیں معلوم ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے کچھ سوالات کیے تھے اور اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کے جوابات دیے' میرے پاس دو آدمی آئے' ایک میرے سر کی جانب بیٹھ گیا اور دوسرا میرے پیروں کی جانب' جو آدمی سر کی جانب بیٹھا تھا اس نے دوسرے سے کہا اس شخص کا کیا حال ہے' اس نے کہا اس پر جادو کیا گیا

ہے اس نے پوچھا اس پر کس نے جادو کیا ہے؟ اس نے کہا لبید بن اعصم نے جو بنو زریق کے قبیلہ سے ہے اور یہود کا حلیف ہے یہ شخص منافق تھا اس نے پوچھا کس چیز پر جادو کیا ہے؟ اس نے کہا کنگھی میں اور ان بالوں میں جو کنگھی میں جھڑ جاتے ہیں آپ نے پوچھا وہ کس جگہ ہیں؟ اس نے کہا نر کھجور کے کھو کھلے شگوفے میں لپیٹ کر ذروان کے کنویں میں ایک پتھر کے نیچے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کنویں پر گئے حتیٰ کہ آپ نے اس کو نکال لیا آپ نے فرمایا یہی وہ کنواں ہے جو مجھے (خواب میں) دکھایا گیا تھا اور اس کنویں کا پانی مہندی کے تلچھٹ کی طرح تھا اور اس کے کھجور کے درخت شیطانوں کے سروں کی طرح تھے پھر جس پر جادو کیا گیا تھا اس کو کنویں سے نکال لیا گیا حضرت عائشہ نے کہا آپ نے (جادو کا توڑ کرنے کے لیے) کوئی نشرہ (کسی قسم کا منتر) کیوں نہیں کیا؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے شفا دے دی اور میں نے اس بات کو ناپسند کیا کہ میں کسی شخص کو برائی کی ترغیب دوں (جس سے جادو کے توڑ کے لیے منتر کی ترویج ہو۔)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۶۸، ۳۱۷۵، ۵۷۶۳، ۵۷۶۵، ۵۷۶۶، ۶۰۶۳، ۶۳۹۱، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۸۹، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۴۸۰۴، مسند حمیدی رقم الحدیث: ۲۵۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۴۵، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۵۸۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا گیا حتیٰ کہ آپ کی طرف یہ خیال ڈالا جاتا کہ آپ نے کوئی کام کر لیا ہے حالانکہ آپ نے وہ کام نہیں کیا ہوتا تھا حتیٰ کہ ایک دن جب آپ میرے پاس تھے آپ نے بار بار دعا کی پھر آپ نے فرمایا: اے عائشہ! کیا تمہیں معلوم ہے میں نے اللہ سے جو سوال کیے تھے اللہ نے مجھے ان کے جواب دے دیے ہیں میں نے پوچھا وہ کیا جواب ہیں؟ آپ نے فرمایا میرے پاس دو آدمی آئے ایک میرے سر کی جانب اور دوسرا میرے پیروں کی جانب بیٹھ گیا پھر ان میں سے ایک شخص نے دوسرے سے پوچھا اس شخص کو کیا تکلیف کی ہے اس نے کہا ان پر جادو کیا گیا ہے اس نے پوچھا کس نے جادو کیا ہے؟ اس نے کہا لبید بن اعصم یہودی نے جو بنو زریق سے ہے اس نے پوچھا کسی چیز میں جادو کیا ہے؟ اس نے کہا ایک کنگھی اور اس میں لگے ہوئے بالوں میں نر کھجور کے کھو کھلے شگوفے میں اس نے کہا وہ کہاں ہے؟ اس نے کہا وہ ذی اروان کے کنویں میں ہے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ اس کنویں کی طرف گئے آپ نے اس کو دیکھا اس کے پاس کھجور کے درخت تھے پھر آپ حضرت عائشہ کے پاس آئے اور فرمایا: اللہ کی قسم اس کا پانی مہندی کی تلچھٹ کی طرح ہے اور گویا کہ اس کے درخت شیطانوں کے سر ہیں میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا آپ نے اس کو نکال لیا آپ نے فرمایا نہیں مجھے اللہ نے اس سے عافیت میں رکھا اور شفا دے دی اور مجھے یہ خدشہ ہے کہ اس فعل سے لوگوں میں شر پھیلے گا اور میں نے اس کنگھی کو دفن کرنے کا حکم دیا۔ اول الذکر حدیث میں کھجور کے کھو کھلے شگوفے کو کنویں سے نکالنے کا ذکر ہے اور ثانی الذکر حدیث میں اس کو کنویں سے نکالنے کا ذکر نہیں ہے (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۶۶) یہ حدیث چھ جگہ مذکور ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیے جانے کے متعلق علماء متقدمین کا نظریہ

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی اندلسی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

امام مازری نے کہا ہے بعض مبتدعین نے اس حدیث کا انکار کیا ہے اور یہ زعم کیا ہے کہ یہ ماننے سے کہ آپ پر جادو کا اثر ہوا آپ کے منصب نبوت میں کمی ہوتی اور آپ کی نبوت میں شک پیدا ہوتا ہے اور احکام شرعیہ پر اعتماد نہیں رہتا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ آپ کو یہ خیال ڈالا جائے کہ آنے والا جبرائیل ہے اور وہ حقیقت میں جبرائیل نہ ہو یا آپ کی طرف یہ خیال ڈالا جائے کہ آپ کی طرف وحی کی گئی ہے اور در واقع میں آپ کی طرف وحی نہ کی گئی ہو۔

اور یہ جو کچھ انہوں نے کہا ہے باطل ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی طرف سے جو چیز پہنچاتے ہیں اس کے صدق پر معجزہ کی دلالت ہے اور اس میں آپ کا معصوم ہونا دلائل سے ثابت ہے اور ان دلائل کے خلاف کسی چیز کو جائز قرار دینا باطل ہے۔ اور جن کاموں کا تعلق امور دنیا سے ہے، جن کاموں کی وجہ سے آپ کو مبعوث نہیں کیا گیا اور نہ ان کاموں کی وجہ سے آپ کی رسالت کی فضیلت ہے اور وہ ایسے امور ہیں جو اکثر انسانوں کو عارض ہوتے رہتے ہیں تو یہ کچھ بعید نہیں ہے کہ آپ کی طرف بعض ایسی چیزوں کا خیال ڈالا جائے جن کی واقع میں کوئی حقیقت نہ ہو۔

بعض لوگوں نے کہا اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ آپ نے اپنی ازواج سے عمل ازدواج کیا ہے، حالانکہ آپ نے یہ عمل نہیں کیا ہوتا تھا، اور کبھی عام لوگوں کی طرف بھی نیند میں اس قسم کا خیال آجاتا ہے اور اس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی تو ہو سکتا ہے کہ بیداری میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں اس طرح کا کوئی خیال آجاتا ہو اور اس کی کوئی حقیقت نہ ہو۔

ہمارے بعض اصحاب نے کہا ہو سکتا ہے آپ کو یہ خیال آیا ہو کہ آپ نے کوئی کام کیا ہے اور آپ نے وہ کام نہ کیا ہو لیکن آپ نے یہ اعتقاد نہ کیا ہو کہ آپ کا تخیل صحیح ہے، آپ کا اعتقاد اور یقین ہمیشہ درست رہتا ہے لہٰذا ملحدین کے اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ (یہاں تک امام مازری کی عبارت ہے)۔

قاضی عیاض فرماتے ہیں اس حدیث کی جو تاویل مجھ پر منکشف ہوئی وہ زیادہ ظاہر اور جلی ہے اور ملحدین کے اعتراض سے بہت دور ہے، اور وہ تاویل اسی حدیث سے مستفاد ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ حدیث عروہ اور مسیب سے بھی مروی ہے اور اس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بنو زریق کے یہودیوں نے جادو کیا اور اس کو ایک کنویں میں ڈال دیا حتیٰ کہ (اس کے اثر سے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بینائی کمزور ہو گئی، پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کی رہنمائی فرمائی اور آپ نے اس کو کنویں سے نکال لیا۔ (مصنف عبد الرزاق ج ۱۱ ص ۱۴ رقم الحدیث: ۱۹۷۶۴، الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۱۵۲، مطبوعہ ۱۴۱۸ھ)

ایک اور حدیث میں ہے:

عطا خراسانی یحییٰ بن یعمر سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سال تک ان کے پاس نہیں جا سکے، پھر جس وقت آپ سوئے ہوئے تھے آپ کے پاس دو فرشتے آئے، ایک آپ کے سر کی جانب بیٹھ گیا اور دوسرا پیروں کی جانب، پھر ایک نے دوسرے سے کہا (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر جادو کیا گیا ہے، دوسرے نے کہا ہاں ان پر ابو فلاں نے کنویں میں جادو کیا ہے، پھر جب صبح کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے تو آپ نے اس کو نکالنے کا حکم دیا، سو اس کو کنویں سے نکال لیا گیا۔ (مصنف عبد الرزاق ج ۱۱ ص ۱۴، رقم الحدیث: ۱۹۷۶۵، الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۱۵۲)

اور محمد بن سعد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہو گئے اور ازواج کے پاس جانے اور کھانے پینے پر قادر نہ ہوئے پھر آپ کے پاس دو فرشتے آئے اور اسی طرح مکالمہ کیا جس طرح صحیح بخاری میں ہے اور اس کے آخر میں ہے:

پھر جب وہ فرشتے چلے گئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا تم اس کنویں پر جاؤ اس کا پانی مہندی کے رنگ کا ہو گا تم اس میں سے پتھر کے نیچے سے کھوکھلا شگوفہ نکالنا انہوں نے اس میں سے وہ شگوفہ نکالا اس میں گیارہ گرہیں تھیں، اور اس وقت یہ دو سورتیں نازل ہوئیں قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایک آیت پڑھتے گئے اور ایک ایک گرہ کھلتی گئی حتیٰ کہ ساری گرہیں کھل گئیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم صحت مند ہو گئے اور اپنی ازواج اور کھانے پینے میں مشغول ہو گئے۔

(الطبقات الکبری ج ۲ ص ۱۹۹-۱۹۸، مطبوعہ دار صادر، الطبقات الکبری ج ۲ ص ۱۵۳-۱۵۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۹ھ)

پس ان روایات سے ظاہر ہوگیا کہ جادو کا اثر آپ کے جسم اور آپ کے ظاہری اعضاء پر ہوا تھا، آپ کی عقل سلیم، آپ کے قلب اور آپ کے اعتقاد پر نہیں ہوا تھا اور حدیث میں جو یہ الفاظ ہیں کہ حتیٰ کہ آپ یہ گمان کرتے تھے کہ آپ اپنی اہلیہ کے پاس جائیں گے اور آپ ان کے پاس نہیں جاتے تھے اور یہ بھی ہے کہ آپ کی طرف یہ خیال ڈالا جاتا تھا، ان کا معنی یہ ہے کہ پہلے جو آپ کو ان پر قدرت تھی آپ اسی پر خوش تھے، اور جب آپ ان کے قریب جاتے تو جادو کے اثر سے آپ ان پر قادر نہ ہوتے، اور حضرت عائشہ نے جو یہ فرمایا ہے کہ آپ کی طرف یہ خیال ڈالا جاتا کہ آپ نے ایک کام کیا ہے حالانکہ آپ نے وہ کام نہیں کیا ہوتا تھا، اس کی وجہ یہ تھی کہ جادو کے اثر سے آپ کی نظر میں فرق پڑ گیا تھا، آپ یہ گمان فرماتے کہ آپ نے اپنی ازواج میں سے کسی کو کہیں دیکھا ہے یا کسی اور کو دیکھا ہے یا کسی اور کو کوئی کام کرتے ہوئے دیکھا ہے اور ایسا نہیں ہوتا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ جادو سے آپ کی بصر متاثر ہو گئی تھی، اس سے ظاہر ہوا کہ آپ پر جادو کا کوئی ایسا اثر نہیں ہوا تھا جس سے آپ پر اپنی رسالت میں کوئی اشتباہ یا التباس ہو گیا ہو اور نہ ایسی کوئی بات ہوئی تھی جس کی وجہ سے گمراہوں کے لیے آپ کی رسالت میں کسی اعتراض یا طعن کی گنجائش ہو۔

(اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۷ ص ۸۸-۸۶، مطبوعہ دار الوفاء، ۱۴۱۹ھ)

علامہ ابو العباس احمد بن عمر مالکی القرطبی المتوفی ۶۵۶ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بعض کج رووں نے اس حدیث کو نبوت میں طعن کا ذریعہ بنالیا ہے، انہوں نے کہا جس شخص کا یہ حال ہو کہ اس نے ایک کام نہ کیا ہو اور اس کا گمان یہ ہو کہ اس نے وہ کام کرلیا ہے اس کے دعویٰ نبوت پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض ان کی کم علمی اور کم فہمی کی وجہ سے صادر ہوا ہے، کم فہمی یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مراد یہ تھی کہ جماع کرنے سے پہلے آپ کا خیال یہ ہوتا تھا کہ آپ یہ کام کرلیں گے لیکن جادو کے اثر سے آپ اس عمل پر قادر نہ ہوتے تھے اور صحیح مسلم کے علاوہ دوسری کتب حدیث میں (مثلاً مصنف عبد الرزاق، طبقات ابن سعد) اس کی تصریح ہے۔ اسی طرح آپ کا خیال ہوتا تھا کہ آپ کھا پی سکیں گے لیکن جادو کی وجہ سے جو مرض عارض ہوا تھا اس کی وجہ سے آپ کھانے پینے پر قادر نہیں ہوتے تھے، اور ان احادیث کا یہ معنی نہیں ہے کہ جادو کی وجہ سے آپ کی عقل میں کوئی خلل ہو گیا تھا یا آپ کا کلام خلط ملط ہو گیا تھا، کیونکہ آپ کا صدق معجزہ ثابت ہے اور امور تبلیغیہ میں غلطی واقع ہونے سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو معصوم رکھا ہے، اور معترض کی کم عقلی یہ ہے کہ اس کو نبوات کے احکام اور معجزہ کی دلالت کا علم نہیں ہے، گویا کہ وہ نہیں جانتے کہ انبیاء علیہم السلام بھی بشر ہیں اور ان پر بیماری، درد، غضب، رنج اور غم، عجز، نظر لگنا، جادو کیا جانا، اور دیگر تمام عوارض بشریہ کا اس طرح طاری ہونا ممکن ہے جس طرح یہ عوارض دوسرے لوگوں پر طاری ہوتے ہیں، لیکن انبیاء علیہم السلام اس چیز سے معصوم ہیں کہ ان پر کوئی ایسی چیز طاری ہو جو معجزہ کی دلالت کے مناقض اور منافی ہو، مثلاً اللہ تعالیٰ کی معرفت، ان کا صادق ہونا اور امور تبلیغیہ میں کسی غلطی کا واقع نہ ہونا اور اسی معنی کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ (الکھف: ۱۱۰)

آپ کہیے کہ میں محض تمہاری مثل بشر ہوں، مجھ پر وحی کی جاتی ہے۔

بشر کی حیثیت سے آپ پر وہ تمام امور جائز ہیں جو دیگر انسانوں پر جائز ہیں اور نبوت کے خواص کی حیثیت سے آپ عام انسانوں سے ان تمام چیزوں میں ممتاز ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے شہادت دی کہ آپ کی بصر نہ کجی کی اور نہ حد سے بڑھی،

اور آپ نے جو مشاہدہ کیا اس میں جھوٹ نہیں کہا اور آپ کا قول اللہ کی وحی ہے جو آپ کی طرف کی جاتی ہے اور آپ اپنی خواہش سے نہیں بولتے۔ (المفہم ج ۵ ص ۵۷۱-۵۷۰ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت، ۱۴۱۷ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ نے اس حدیث کی شرح میں اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھا بلکہ امام مازری کی وہ عبارات نقل کر دی ہیں جو قاضی عیاض نے نقل کی ہیں اور اس کے بعد قاضی عیاض نے اس حدیث کی جو تاویل کی ہے اس کا بھی ذکر کر دیا ہے۔

علامہ محمد بن خلیفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ لکھتے ہیں:

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آپ کو خیال ہوتا کہ آپ ازواج کے پاس جائیں گے لیکن آپ اس پر قادر نہ ہوتے اور ایک اور روایت میں فرمایا آپ کا خیال ہوتا کہ آپ نے ایک کام کیا ہے لیکن آپ نے وہ کام نہ کیا ہوتا، اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کی بینائی میں خلل ہو گیا تھا اور آپ کو یہ گمان ہوتا کہ آپ نے اپنی ازواج میں سے کسی کو یا کسی اور شخص کو دیکھا ہے اور در واقع میں ایسا نہیں ہوتا تھا کیونکہ آپ کی بصر میں کچھ قصور ہو گیا تھا، یہ وجہ نہیں تھی کہ آپ کی بصر کے علاوہ کسی اور عضو میں کچھ کمی ہو گئی تھی کیونکہ جادو کے اثر سے آپ کی رسالت میں کوئی خلل نہیں ہو سکتا تھا اور اس میں گمراہوں کے لیے نبوت میں طعن کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

(اکمال اکمال المعلم ج ۷ ص ۳۶۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ)

ان تمام توجیہات کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ پر جادو کا اثر ہوا تھا، جیسا کہ دوسرے انسانوں پر ہوتا ہے اور جادو کی تاثیر سے آپ کی مردمی قوت جاتی رہی تھی یا آپ کی نظر میں فتور ہو گیا تھا (العیاذ باللہ) غرض جادو کی تاثیر سے آپ کے ظاہری اعضاء کی کارکردگی میں فرق آ گیا تھا لیکن آپ کی عقل میں اور آپ کے کلام کے صدق میں کوئی خلل واقع نہیں ہوا اور معجزہ کی دلالت اور نبوت اور رسالت کا تعلق آپ کی عقل اور آپ کے کلام کے صدق سے ہے لہٰذا ان احادیث سے آپ کی وحی اور رسالت پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیے جانے کے متعلق متاخرین کا نظریہ

متاخرین میں سے علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے بھی امام مازری کی تاویل اور توجیہ کو اختیار کیا ہے اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایات کی تائید اور توثیق کی ہے۔ (روح المعانی جز ۳۰ ص ۵۰۶-۵۰۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۷ھ)

مفتی احمد یار خاں نعیمی متوفی ۱۳۹۱ھ لکھتے ہیں:

۷ھ میں صلح حدیبیہ کے بعد رؤسا یہود نے لبید بن اعصم یہودی سے کہا تو اور تیری لڑکیاں جادوگری میں یکتا ہیں حضور پر جادو کر، لبید نے حضور کے ایک یہودی غلام سے حضور کی شکستہ کنگھی کے دندانے اور کچھ بال شریف حاصل کر لیے اور موم کا ایک پتلا بنایا اس میں گیارہ سوئیاں چبھوئیں، ایک تانت میں گیارہ گرہیں لگائیں، یہ سب کچھ اس پتلے میں رکھ کر، بیراوان میں پانی کے نیچے ایک پتھر کے نیچے دبا دیا، اس کا حضور کے خیال شریف میں یہ اثر ہوا کہ دنیاوی کاموں میں بھول ہو گئی، چھ ماہ تک اثر رہا، پھر جبرائیل امین یہ دونوں سورتیں، سورہ فلق و ناس لائے، جن میں گیارہ آیتیں ہیں اور حضور کو اس جادو کی خبر دی، حضرت علی مرتضیٰ کو اس کنوئیں پر بھیجا گیا آپ نے جادو کا یہ سامان پانی کی تہہ سے نکالا، حضور نے یہ سورتیں پڑھیں، ہر آیت پر ایک گرہ کھلتی تھی، تمام گرہیں کھل گئیں اور حضور کو شفا ہو گئی، اس سے چند فائدے حاصل ہوئے ایک یہ کہ جادو اور اس کی تاثیر حق ہے، دوسرے یہ کہ نبی کے جسم پر جادو کا اثر ہوتا ہے، جیسے تلوار، تیر اور نیزے کا، یہ اثر خلاف

نبوت نہیں، موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں جادوگر فیل ہوئے کیونکہ وہاں جادو سے معجزہ کا مقابلہ تھا، بلکہ موسیٰ علیہ السلام کے خیال پر بھی اس جادو نے اثر کیا۔ (نور العرفان حاشیہ قرآن ص ٩٦٥، مطبوعہ ادارہ کتب اسلامیہ گجرات، تفسیر سورہ فلق)

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ١٣٩٦ھ لکھتے ہیں:

کسی نبی اور پیغمبر پر جادو کا اثر ہو جانا ایسا ہی ممکن ہے جیسا بیماری کا اثر ہو جانا اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام بشری خواص سے الگ نہیں ہوتے۔ جیسے ان کو زخم لگ سکتا ہے، بخار اور درد ہو سکتا ہے، ایسے ہی جادو کا اثر بھی ہو سکتا ہے، کیونکہ وہ بھی خاص اسباب طبعیہ جنات وغیرہ کے اثر سے ہوتا ہے اور حدیث میں ثابت بھی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سحر کا اثر ہو گیا تھا، آخری آیت میں کفار نے جو آپ کو مسحور کہا اور قرآن نے اس کی تردید کی اس کا حاصل وہ ہے جس کی طرف خلاصہ تفسیر میں اشارہ کر دیا گیا ہے کہ ان کی مراد درحقیقت مسحور کہنے سے مجنون کہنا تھا اس کی تردید قرآن نے فرمائی ہے اس لیے حدیث سحر اس کے خلاف اور متعارض نہیں ہے۔

(معارف القرآن ج ٥ ص ٤٩١۔ ٤٩٠، مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی، اکتوبر ١٩٩١ء)

بعض متقدمین اور متاخرین علماء نے ان روایات کا انکار کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ نبی پر جادو کا اثر نہیں ہو سکتا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کے اثر کا انکار کرنے والے علماء

امام ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ٣٧٠ھ لکھتے ہیں:

بعض لوگوں نے یہ زعم کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی جادو کا عمل کیا گیا اور آپ پر جادو کا اثر ہوا حتیٰ کہ آپ کو یہ خیال ہوتا تھا کہ آپ نے کوئی کام کیا ہے حالانکہ آپ نے وہ کام نہیں کیا تھا، اور ایک یہودی عورت نے کھجور کے کھوکھلے شگوفے میں اور کنگھی کے دندانوں میں اور کنگھی میں لگے ہوئے بالوں میں عمل کیا تھا حتیٰ کہ آپ کے پاس جبرائیل آئے اور انہوں نے بتایا کہ آپ پر ایک عورت نے کنگھی میں جادو کیا ہے جو راعوفہ کنویں کے نیچے ہے، اس کنگھی کو نکال لیا گیا اور آپ سے جادو کا اثر جاتا رہا، اور اللہ تعالیٰ نے کفار کے اس دعویٰ کی تکذیب کرتے ہوئے فرمایا ہے:

اِذْ یَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا۔ (بنی اسرائیل: ٤٧) ظالم یہ کہتے ہیں کہ تم صرف ایسے شخص کی پیروی کر رہے ہو جس پر جادو کیا ہوا ہے۔

اور اس قسم کی احادیث ملحدین کی گھڑی ہوئی ہیں، جنہوں نے دین کو کھیل بنا لیا ہے اور وہ انبیاء علیہم السلام کے معجزات کو باطل کرنے کی سعی میں لگے رہتے ہیں، اور وہ کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے معجزات میں اور جادوگروں کے افعال میں کوئی فرق نہیں ہے اور یہ ایک ہی قسم میں سے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا یُفْلِحُ السّٰحِرُ حَیْثُ اَتٰی۔ (طٰہٰ: ٦٩) اور جادوگر جہاں سے بھی آئے کامیاب نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ جادوگروں کی تکذیب کرتا ہے اور یہ لوگ جادوگروں کی تصدیق کرتے ہیں، اور ہو سکتا ہے کہ ایک یہودی عورت نے اپنی جہالت سے یہ کام کیا ہو اور یہ گمان کیا ہو اور اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قصد کیا ہو اور یہ گمان کیا ہو کہ جادو کا اجسام میں اثر ہوتا ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی اثر ہوگا، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو جادو کی جگہ پر مطلع فرما دیا اور اس عورت کی جہالت اور اس کے کرتوتوں کو اور اس کی توقعات کو ظاہر فرما دیا تاکہ یہ واقعہ آپ کی نبوت کے دلائل سے ہو جائے اور ایسا نہیں ہوا کہ اس جادو کا آپ پر اثر ہوا ہو، اور اس سے آپ کو ضرر پہنچا ہو، اور کسی راوی نے یہ نہیں کہا کہ آپ پر معاملات مشتبہ ہو جاتے تھے ان الفاظ کا حدیث میں اضافہ کیا گیا ہے اور ان کی کوئی اصل نہیں ہے اور معجزات اور جادو میں

(۱) بعض روایات میں ہے کہ جس کنگھی اور جن بالوں پر جادو کیا گیا تھا ان کو کنویں سے نکال لیا گیا تھا۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۷۶۵)

(۲) اور بعض روایات میں ہے کہ آپ نے اس کو کنویں سے نہیں نکالا۔(صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۷۶۶)

(۳) بعض روایت میں ہے کہ جادو کے اثر سے آپ کو یہ خیال ہوتا کہ آپ نے کوئی کام کر لیا ہے، حالانکہ آپ نے وہ کام نہیں کیا تھا۔(صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۷۶۵)

(۴) بعض احادیث میں ہے کہ آپ کی نظر متاثر ہو گئی تھی اور آپ دیکھتے کچھ تھے اور آپ کو نظر کچھ آتا تھا۔(طبقات کبریٰ ج ۲ص ۱۵۲)

(۵) بعض احادیث میں ہے کہ جادو کے اثر سے آپ کی مردانہ قوت متاثر ہو گئی، یحییٰ بن معمر کی روایت میں ہے آپ ایک سال تک حضرت عائشہ سے رکے رہے یعنی مقاربت نہیں کر سکے۔(العیاذ باللہ)(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث:۱۹۷۶۵)

(۶) بعض احادیث میں ہے کہ کنویں سے جب شگوفہ نکالا گیا تو اس میں گیارہ گرہیں تھیں اس وقت آپ پر سورۃ الفلق اور سورۃ الناس نازل ہوئیں آپ ان میں سے ایک ایک آیت پڑھتے جاتے تھے اور گرہیں کھلتی جاتی تھیں۔
(طبقات کبریٰ ج ۲ص ۱۵۳، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ)

ایک تعارض تو یہ ہے کہ اور کسی روایت میں ان آیتوں سے گرہیں کھلنے کا ذکر نہیں ہے۔ اور دوسرا قوی اعتراض یہ ہے کہ ان کذابین کو یہ خیال نہیں رہا کہ یہ واقعہ مدینہ کا ہے اور ان سورتوں کا نزول مکہ مکرمہ میں ہوا تھا۔

(۷) جس حدیث کا متن اتنی وجوہ سے مضطرب ہو اس سے احکام میں بھی استدلال کرنا جائز نہیں ہے چہ جائیکہ اس سے عقائد میں استدلال کیا جائے۔

(۸) جو خبر واحد صحیح ہو وہ بھی قرآن مجید کے مزاحم نہیں ہو سکتی، جب کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے، حدیث صحیح وہ ہوتی ہے جو غیر معلل ہو اور یہ حدیث معلل ہے کیونکہ اس میں علل خفیہ قادحہ ہیں، یہ حدیث منصب نبوت کے منافی ہے۔

(۹) اس حدیث میں مذکور ہے کہ آپ جادو کے اثر سے جماع پر قادر نہ ہوئے اور ایک سال تک حضرت عائشہ سے رکے رہے اور نامرد ہونا ایسی بیماری ہے جو لوگوں میں معیوب سمجھی جاتی ہے، نیز اس میں مذکور ہے کہ آپ کی نظر میں فرق آ گیا تھا اور بھینگا ہونا لوگوں میں معیوب سمجھا جاتا ہے اور نامردی اور بھینگے پن سے لوگ عار محسوس کرتے ہیں اور نبی کی شرائط میں سے یہ ہے کہ اس کو کوئی ایسی بیماری نہ ہو جو لوگوں میں معیوب اور باعث عار سمجھی جاتی ہو اور لوگوں کو اس بیماری سے گھن آتی ہو۔

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۳ھ لکھتے ہیں:

نبوت کی شرائط یہ ہیں: وہ مرد ہو اس کی عقل کامل ہو، اس کی رائے قوی ہو وہ ان چیزوں سے سلامت ہو جن کو لوگ برا جانتے ہیں مثلاً اس کے آباء و اجداد زنانہ کرتے ہوں اور اس کے سلسلہ نسب میں مائیں بدکار نہ ہوں اور وہ ایسی بیماریوں سے محفوظ ہو جن کو لوگ برا جانتے ہیں مثلاً برص اور جذام وغیرہ اور کم ترپیشوں سے اور ہر اس چیز سے جو مروت اور حکمت بعثت میں مخل ہو۔(شرح المقاصد ج ۵ص ۶۱، مطبوعہ منشورات الرضی ایران، ۱۴۰۹ھ)

علامہ محمد بن احمد السفارینی متوفی ۱۱۸۸ھ لکھتے ہیں:

نبوت کی شرائط میں سے یہ ہے کہ نبی ہر اس چیز سے سلامت ہو جس سے لوگ متنفر ہوں جیسے ماں باپ کی بدکاری اور

ایسے عیوب جن سے لوگ نفرت کرتے ہوں جیسے برص اور جذام وغیرہ۔
(لوامع الانوار ج ۲ ص ۲۶۷، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۱۱ھ)

اس پر دلیل قرآن مجید کی یہ آیتیں ہیں:

وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ۔ (ص: ۴۷) — بے شک وہ سب (نبی) ہمارے نزدیک پسندیدہ اور بہترین لوگ ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ (آل عمران: ۳۳) — بے شک اللہ نے آدم کو اور نوح کو اور آل ابراہیم کو اور آل عمران کو تمام لوگوں سے پسندیدہ بنایا۔

اور جس شخص کو ایسی بیماری ہو جائے جس سے ایک سال تک وہ اپنی ازواج سے مقاربت نہ کر سکے اور جس کو صحیح نظر نہ آئے وہ تمام لوگوں سے پسندیدہ نہیں ہو سکتا، سو اس قسم کی وضعی روایت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی بنیاد ہی منہدم کر دیتی ہیں۔

(۱۰) اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ آپ پر جادو کیا گیا تھا تو جادوگر آپ کو نقصان پہنچانے میں اور آپ کے حواس اور قویٰ معطل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ اَتٰى ۔ (طٰہٰ: ۶۹) — اور جادوگر کہیں سے بھی آئے وہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔

اور اللہ تعالیٰ نے شیطان سے فرمایا:

اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ۝ (الحجر: ۴۲) — بے شک میرے (مقبول) بندوں پر تیرا کوئی غلبہ نہیں ہوگا سوا ان کے جو گمراہ لوگ تیری پیروی کریں گے ۝

(۱۱) یہ درست ہے کہ یہ روایات صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں موجود ہیں، اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی عظمت اور حرمت ہمارے دلوں میں پیوست ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور حرمت ہمارے دلوں میں ان سے کہیں زیادہ ہے بلکہ تمام مخلوق سے زیادہ ہے، یہ احادیث اضطراب اور تعارض سے قطع نظر معلل ہیں ان میں متعدد علل خفیہ قادحہ ہیں جن میں مخالف قرآن اور منافی عظمت رسول ہونا سب سے زیادہ نمایاں ہے، ہمارے لیے یہ زیادہ آسان ہے کہ ہم ایک سال یا چھ ماہ تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا اثر ہونے کے بجائے یہ مان لیں کہ اس حدیث کی صحت میں امام بخاری سے چوک ہو گئی، اور اس حدیث میں امام بخاری اور مسلم صحت حدیث میں اپنے مقرر کردہ معیار کو برقرار نہیں رکھ سکے، ہو سکتا ہے کہ یہ حدیث روایتاً صحیح ہو لیکن یہ حدیث درایتاً صحیح نہیں ہے، اس سے پہلے ہم لکھ چکے ہیں کہ امام بخاری اور امام مسلم نے یہ روایت کیا ہے کہ جب قریش نے کعبہ کی تعمیر کی تو عباس اور حضور بھی کندھے پر پتھر رکھ کر لا رہے تھے عباس نے آپ کا تہبند اتار کر آپ کے کندھے پر رکھ دیا تاکہ پتھر کندھے میں نہ چبھے۔ آپ بے لباس ہو گئے اور بے ہوش ہو کر گر گئے اور ہوش میں آکر فرمایا میرا تہبند، میرا تہبند، یہ اعلان نبوت سے پانچ سال کا واقعہ ہے اس وقت آپ کی عمر شریف ۳۵ سال تھی، ہم نے اس جگہ بھی لکھا تھا یہ حدیث معلل ہے اور درایتاً صحیح نہیں ہے، کسی کم عمر کے بچے کے متعلق تو یہ بات متصور ہو سکتی ہے کہ اپنا تہبند کندھے پر رکھ لے، لیکن ۳۵ سال کے مرد کے لیے یہ قرین قیاس نہیں ہے اور اس عمر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بے لباس ہو جانا ہمارے نزدیک لائق قبول نہیں ہے، اور یہ ناموس رسالت کے منافی ہے اور

ہر ایسی حدیث لائق قبول نہیں ہے اس کی مفصل بحث کے لیے دیکھیے تبیان القرآن ج ۴ ص ۱۰۵-۱۰۱ -

(۱۲) اس حدیث کی زیادہ سے زیادہ تاویل یہ ہو سکتی ہے جو علامہ ابو بکر جصاص نے کی ہے کہ یہودیوں نے اپنے منصوبہ کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کرایا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے منصوبہ کو ناکام کر دیا اور آپ پر جادو کا کوئی اثر نہیں ہوا اور جن احادیث میں یہ جملے مذکور ہیں کہ آپ کو خیال ہوتا تھا کہ میں نے یہ بات کہہ دی ہے حالانکہ آپ نے نہیں کہی تھی یا آپ کو خیال ہوتا تھا کہ آپ نے یہ کام کر لیا ہے اور آپ نے وہ کام نہیں کیا تھا اسی طرح اور دوسری خرافات بیان کیں ہیں یہ سب کسی بے دین راوی کا اضافہ ہے اور حضرت ام المومنین پر بہتان ہے، یہ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ واقعہ صلح حدیبیہ کے بعد کا ہے اور اس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغی، تعلیمی اور فتوحات کے اعتبار سے بہت مصروف سال گزارا ہے اگر جادو کے اثر سے آپ کے حواس اور قوی ایک سال تک معطل رہے ہوتے تو اس سال یہ تمام کام کس طرح انجام دیے جاسکتے تھے، حدیث کی صحت کی تحقیق کرنے میں امام بخاری اور امام مسلم کی شخصیت مسلم ہے لیکن وہ بہرحال انسان ہیں نبی یا فرشتے نہیں ہیں یہ ہو سکتا ہے کہ راویوں کی چھان پھٹک میں بعض اوقات ان سے کوئی سہو ہو گیا ہو، اور کسی ایک آدھ جگہ سہو ہو جانے سے ان کی عظمت اور مہارت میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے کہا کیا جب ہم ہڈیاں ہو جائیں گے اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو پھر ہم کو از سر نو بنا کر کھڑا کر دیا جائے گا؟○ آپ کہیے تم پتھر بن جاؤ یا لوہا○ یا کوئی اور مخلوق جو تمہارے خیال میں بہت سخت ہو تو عنقریب وہ کہیں گے کہ ہم کو دوبارہ کون پیدا کرے گا؟ آپ کہیے کہ وہی جس نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا؛ اس پر وہ آپ کی طرف (انکاراً) سر ہلائیں گے اور کہیں گے تو یہ کب ہو گا؟ آپ کہیے کیا تعجب ہے کہ وہ وقت قریب آپہنچا ہو○ جس دن وہ تمہیں بلائے گا تو تم اس کی حمد کرتے ہوئے چلے آؤ گے اور تم یہ گمان کرو گے کہ تم تھوڑی دیر ہی ٹھہرے تھے○ (بنی اسرائیل: ۵۲-۴۹)

مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے پر دلائل، قبروں سے نکلنے کی کیفیت اور آپ کی نبوت کی صداقت

قرآن مجید کے چار اہم موضوع ہیں: اللہ تعالیٰ کی توحید، رسالت، قیامت اور مرنے کے بعد اٹھنا اور تقدیر۔ آیت ۴۴-۴۱ میں توحید کا بیان ہے فرمایا: آپ کہیے اگر اللہ کے ساتھ اور معبود بھی ہوتے جیسا کہ یہ کہتے ہیں تو وہ اب تک عرش والے تک کوئی راہ ڈھونڈ چکے ہوتے، الآیات۔ اور آیت: ۴۸-۴۵، میں رسالت کا بیان ہے، فرمایا: اور جب آپ قرآن کی تلاوت کرتے ہیں تو ہم آپ کے اور ان لوگوں کے درمیان پوشیدہ حجاب ڈال دیتے ہیں، الآیات۔ اور آیت: ۵۲-۴۹ تک مرنے کے بعد اٹھنے کا بیان ہے۔

اس آیت میں رفاتا کا لفظ ہے اس کا معنی ہے کسی چیز کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے چور چور کر دیا جائے بھوسے کو بھی رفات کہتے ہیں۔

مشرکین مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کا انکار کرتے تھے، اور ان کا شبہ یہ تھا کہ انسان کی موت کے کچھ عرصہ بعد اس کا جسم گل سڑ جاتا ہے اور ہڈیاں بوسیدہ ہو کر ٹوٹ جاتی ہیں اور کچھ وقت گزرنے کے بعد ریزہ ریزہ ہو جاتی ہیں، پھر ایک مردہ کے ذرات دوسرے مردہ کے ذرات کے ساتھ مخلوط ہو جاتے ہیں پھر مرور زمانہ اور انقلابات سے یہ ذرات فضا میں بکھر جاتے ہیں تو قیامت کے دن یہ ذرات کیسے مجتمع ہوں گے اور ایک دوسرے سے کیسے متمیز اور ممتاز ہوں گے، پھر ان منتشر ذرات سے دوبارہ کس طرح جسم بنایا جائے گا اور اس کو زندہ کیا جائے گا اس کا جواب یہ ہے کہ ان منتشر اور مخلوط ذرات کو متمیز کرنا اس

کے لیے مشکل ہے جس کا علم ناقص ہو اور ان کو مجتمع کر کے دوبارہ ایک زندہ جسم میں ڈھال دینا اس کے لیے مشکل ہے جس کی قدرت ناقص ہو، لیکن جس کا علم غیر متناہی اور جس کی قدرت بے اندازہ ہے اس کے لیے یہ کوئی مشکل نہیں وہ تم کو اسی طرح دوبارہ زندہ کرے گا جس طرح پہلی بار تم کو عدم سے وجود میں لایا تھا۔

پھر فرمایا تم تو مٹی کے اجسام ہو بالفرض اگر تم پتھر یا لوہے یا کسی اور ایسے جسم سے بن جاؤ جو تمہارے خیال میں بہت سخت ہو، جس کا بظاہر حیات قبول کرنا بعید ہے تو اللہ تعالیٰ اس میں بھی حیات پیدا کر دے گا۔

پھر فرمایا عنقریب وہ کہیں گے کہ ہم کو دوبارہ کون پیدا کرے گا، آپ کہیے کہ وہی جس نے پہلی بار پیدا کیا تھا اس پر وہ آپ کی طرف (انکاراً) سر ہلائیں گے اور کہیں گے یہ کب ہو گا؟

اس آیت میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے برحق ہونے اور قرآن مجید کی صداقت پر دلیل ہے، کیونکہ جن باتوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مشرکین یہ کہیں گے اور آپ اس کا یہ جواب دیں پھر وہ یہ کہیں گے اور آپ اس کا یہ جواب دیں، چاہیے تھا کہ مشرکین وہ باتیں نہ کہتے اور پھر کہتے کہ قرآن جھوٹا ہو گیا! قرآن نے پیش گوئی کی تھی کہ ہم یہ کہیں گے اور ہم نے نہیں کہا لیکن وہی ہوا جو قرآن مجید نے کہا تھا اور قرآن مجید کی پیش گوئی سچی ہو گئی، یہ سچے نبی کی شان ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مخالفین کی زبانوں کے متعلق پیش گوئی کی اور مخالفین نے آپ کی پیش گوئی کے متعلق باتیں کر کے آپ کو سچا ثابت کر دیا۔ والحمد للہ۔

اس کے بعد فرمایا جس دن وہ تمہیں بلائے گا تو تم اس کی حمد کرتے ہوئے چلے آؤ گے۔

سعید بن جبیر نے کہا کہ کفار اور مشرکین قبروں سے سبحانک وبحمدک کہتے ہوئے اٹھیں گے، قتادہ نے کہا وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اطاعت کے ساتھ اٹھیں گے۔

پھر فرمایا اور تم یہ گمان کرو گے کہ تم تھوڑی دیر ہی ٹھہرے تھے، اس کی تفسیر میں تین قول ہیں:

(۱) ابو صالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا اس سے دو مرتبہ صور پھونکنے کا زمانہ مراد ہے جو چالیس سال ہے اس عرصہ میں ان سے عذاب منقطع رہے گا اس لیے وہ سمجھیں گے کہ وہ بہت کم عرصہ رہے۔

(۲) حسن نے کہا اس سے مراد ہے کہ وہ دنیا میں بہت کم عرصہ رہے، کیونکہ دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلہ میں بہت کم ہے۔

(۳) مقاتل نے کہا اس سے مراد ہے قبر کا زمانہ کیونکہ آخرت کے عذاب کے مقابلہ میں قبر میں گزارا ہوا زمانہ بہت کم ہے۔

بعض مفسرین نے کہا اس آیت میں مومنین سے خطاب ہے، کیونکہ جب ان کو منادی بلائے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کے احسانات پر اس کی حمد کرتے ہوئے چلے آئیں گے اور قبر میں گزارے ہوئے زمانہ کو کم کہیں گے کیونکہ وہ قبروں میں اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور نعمتوں میں رہے، اور نعمت کے ایام کم معلوم ہوتے ہیں۔

(زاد المسیر ج ۵ ص ۴۶، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

وَقُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ

اور آپ میرے بندوں سے کہیے کہ وہی بات کہا کریں جو سب سے اچھی ہو بے شک شیطان ان کے درمیان

بَيْنَهُمْ ۚ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلْإِنسَانِ عَدُوًّا مُّبِينًا ﴿٥٣﴾ رَّبُّكُمْ

پھوٹ ڈالتا ہے، بلاشبہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے ○ تمہارا رب تمہیں

أَعْلَمُ بِكُمْ ۖ إِن يَشَأْ يَرْحَمْكُمْ أَوْ إِن يَشَأْ يُعَذِّبْكُمْ ۚ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ

بہت زیادہ جاننے والا ہے، وہ اگر چاہے تو تم پر رحم فرمائے، اور وہ اگر چاہے تو تم کو عذاب دے، اور ہم نے آپ

عَلَيْهِمْ وَكِيلًا ﴿٥٤﴾ وَرَبُّكَ أَعْلَمُ بِمَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ

کو ان کا ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا ○ اور آپ کا رب ان کو خوب جاننے والا ہے جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں،

وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّينَ عَلَىٰ بَعْضٍ ۖ وَآتَيْنَا دَاوُودَ زَبُورًا ﴿٥٥﴾

اور ہم نے بعض نبیوں کو دوسرے بعض نبیوں پر فضیلت دی ہے اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی ○

قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُم مِّن دُونِهِ فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفَ

آپ کہیے کہ تم ان کو پکارو جو تمہارے زعم میں اللہ کے سوا (عبادت کے مستحق) ہیں سو وہ تم سے نہ کسی ضرر کو دور

الضُّرِّ عَنكُمْ وَلَا تَحْوِيلًا ﴿٥٦﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ

کرنے کے مالک ہیں اور نہ اس کو بدلنے کے (مالک ہیں) ○ جن لوگوں کی یہ (مشرکین) عبادت کرتے ہیں وہ خود ہی اپنے رب

إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ

کی طرف قریب ترین وسیلہ تلاش کرتے ہیں، اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے

عَذَابَهُ ۚ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا ﴿٥٧﴾ وَإِن مِّن قَرْيَةٍ

رہتے ہیں بے شک آپ کے رب کے عذاب سے ڈرنا ہی چاہیے ○ اور ہم ہر بستی کو قیامت کے دن

إِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ أَوْ مُعَذِّبُوهَا عَذَابًا شَدِيدًا ۚ

سے پہلے ہلاک کرنے والے ہیں، یا اس کو سخت عذاب دینے والے ہیں،

كَانَ ذَٰلِكَ فِي الْكِتَابِ مَسْطُورًا ﴿٥٨﴾ وَمَا مَنَعَنَا أَن نُّرْسِلَ بِالْآيَاتِ

یہ کتاب میں لکھا ہوا ہے ○ اور ہمیں (فرمائشی) معجزات بھیجنے سے صرف یہ چیز مانع ہے

اِلَّآ اَنۡ كَذَّبَ بِهَا الۡاَوَّلُوۡنَ‌ؕ وَاٰتَيۡنَا ثَمُوۡدَ النَّاقَةَ مُبۡصِرَةً فَظَلَمُوۡا

کہ پہلے لوگ ان کو جھٹلا چکے ہیں، اور ہم نے قوم ثمود کو اونٹنی دی جو بصیرت افروز نشانی تھی، سو انہوں نے اس پر

بِهَا‌ؕ وَمَا نُرۡسِلُ بِالۡاٰيٰتِ اِلَّا تَخۡوِيۡفًا ۝٥٩ وَاِذۡ قُلۡنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ

ظلم کیا اور ہم صرف ڈرانے کے لیے معجزات بھیجتے ہیں ○ اور جب ہم نے آپ سے فرمایا کہ آپ کے رب

اَحَاطَ بِالنَّاسِ‌ؕ وَمَا جَعَلۡنَا الرُّءۡيَا الَّتِىۡۤ اَرَيۡنٰكَ اِلَّا فِتۡنَةً لِّلنَّاسِ

نے سب کا احاطہ کیا ہوا ہے، اور ہم نے آپ کو (شب معراج) جو جلوہ دکھایا تھا وہ صرف لوگوں کی آزمائش کے لیے تھا

وَالشَّجَرَةَ الۡمَلۡعُوۡنَةَ فِى الۡقُرۡاٰنِ‌ؕ وَنُخَوِّفُهُمۡ ۙ فَمَا يَزِيۡدُهُمۡ اِلَّا طُغۡيَانًا

اور اسی طرح وہ درخت بھی جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے، اور ہم انہیں ڈرا رہے ہیں، سو ہمارا ڈرانا تو صرف ان کی

كَبِيۡرًا ۝٦٠

سرکشی کو ہی بہت بڑھا رہا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ میرے بندوں سے کہیے کہ وہی بات کہا کریں جو سب سے اچھی ہو، بے شک شیطان ان کے درمیان پھوٹ ڈالتا ہے، بلاشبہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے ○ (بنی اسرائیل: ۵۳)

آپس کی گفتگو میں اور تبلیغ میں نرمی اور حسن اخلاق سے کام لینا

اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ "میرے بندوں سے مراد مومنین ہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ میرے بندوں سے مراد کفار ہیں۔ "میرے بندوں" سے مومنین مراد ہونے پر یہ دلیل ہے کہ قرآن مجید کا اسلوب یہ ہے کہ عباد کا اطلاق مومنین پر کیا جاتا ہے جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہے:

وَالَّذِيۡنَ اجۡتَنَبُوا الطَّاغُوۡتَ اَنۡ يَّعۡبُدُوۡهَا وَاَنَابُوۡۤا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الۡبُشۡرٰى‌ۚ فَبَشِّرۡ عِبَادِ۔ (الزمر: ۱۷)

اور جن لوگوں نے بتوں کی عبادت سے اجتناب کیا اور اللہ کی طرف رجوع کیا وہی بشارت کے مستحق ہیں تو آپ میرے بندوں کو بشارت دیجیے۔

فَادۡخُلِىۡ فِىۡ عِبٰدِىۡ ۝ وَادۡخُلِىۡ جَنَّتِىۡ ۝ (الفجر: ۳۰-۲۹)

پس میرے (مومن) بندوں میں داخل ہو جا ○ اور میری جنت میں داخل ہو جا ○

عَيۡنًا يَّشۡرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوۡنَهَا تَفۡجِيۡرًا ۝ (الدھر: ۷)

وہ ایک چشمہ ہے جس سے اللہ کے بندے پئیں گے اور اس سے (جہاں چاہیں) نہریں نکالیں گے۔

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے توحید پر دلائل قائم کیے تھے اور آپ کی نبوت کو ثابت کیا تھا، اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے پر مشرکین کے شبہات کو زائل فرمایا تھا، اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ میرے

بندوں سے کہیے کہ جب تم مخالفین کو تبلیغ کرو تو ان کے سامنے نرمی، حسن اخلاق اور احسن طریقہ سے دلائل پیش کرو اور وہ طریقہ یہ ہے کہ تمہارے دلائل سب و شتم پر مشتمل نہ ہوں، جیسا کہ ان آیات میں ہے:

وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۔ (العنکبوت: ۴۶)

اور اہل کتاب سے صرف احسن طریقہ سے بحث کرو۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ ۔ (الانعام: ۱۰۸)

اور ان کو گالی مت دو جن کی یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں ورنہ وہ جہالت اور عداوت کے سبب سے اللہ کو برا کہیں گے۔

پھر فرمایا: اگر تم مشرکین سے سختی سے کلام کرو گے تو وہ بھی تم سے سخت لہجہ میں بات کریں گے پھر شیطان تمہارے درمیان فساد ڈال دے گا کیونکہ وہ بلاشبہ انسان کا کھلا دشمن ہے۔

اور اس آیت کا یہ بھی محمل ہے کہ جب مسلمان ایک دوسرے سے بات کریں تو نرمی، انکسار اور خندہ پیشانی سے بات کریں، بدمزاجی اور ترش روئی اور بدکلامی نہ کریں، حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بدگمانی کرنے سے باز رہو کیونکہ بدگمانی کرنا سب سے جھوٹی بات ہے اور کسی کی برائیاں تلاش نہ کرو، کسی کی تفتیش نہ کرو، کسی سے بغض نہ رکھو اور کسی سے تعلق منقطع نہ کرو اور اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۷۲۴، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۲۹، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۱۷، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۸۸، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۵۶۶، مسند احمد رقم الحدیث: ۷۸۴۵، مطبوعہ عالم الکتب بیروت)

اس آیت کی تفسیر میں دوسرا قول یہ ہے کہ عبادی سے مراد کفار ہیں یعنی آپ میرے کافر بندوں سے کہیے، کیونکہ ان آیات سے مقصود دعوت اور ارشاد ہے اور کافروں کو بھی نرمی اور حسن اخلاق سے بات کرنے کی تلقین کریں تاکہ وہ ضد اور تعصب میں آ کر ہٹ دھرمی پر نہ اتر آئیں، ٹھنڈے دل سے اسلام کے دلائل پر غور کریں تاکہ ان کے دل و دماغ میں حق بات اتر جائے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تمہارا رب تمہیں بہت زیادہ جاننے والا ہے، وہ اگر چاہے تو تم پر رحم فرمائے اور وہ اگر چاہے تو تم کو عذاب دے اور ہم نے آپ کو ان کا ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا۔ (بنی اسرائیل: ۵۴)

یعنی اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو تم کو ایمان، ہدایت اور معرفت کی توفیق دے دے اور اگر وہ چاہے تو حالت کفر میں ہی تمہاری روح قبض کرلے اور پھر تم کو عذاب دے، مگر اس کی مشیت تم کو معلوم نہیں ہے، اس لیے تم دین حق کی طلب میں پوری کوشش کرو اور جہل اور باطل پر اصرار نہ کرو تاکہ تم ابدی سعادت سے محروم نہ ہو، پھر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: ہم نے آپ کو ان کا ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا، یعنی آپ ان پر تشدد نہ کریں اور سختی کے ساتھ ان کو دین حق کی طرف نہ بلائیں۔

بعض نبیوں کی بعض نبیوں پر فضیلت

اس کے بعد فرمایا: اور آپ کا رب ان کو خوب جاننے والا ہے، جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں اور ہم نے بعض نبیوں کو دوسرے بعض نبیوں پر فضیلت دی ہے اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی۔ (بنی اسرائیل: ۵۵)

یعنی ہمارا علم صرف تم میں اور تمہارے احوال میں منحصر نہیں ہے، بلکہ ہمارا علم تمام موجودات اور معدومات اور تمام

زمینوں اور آسمانوں کو محیط ہے، اور وہ ہر ہر شخص کو تفصیلاً جانتا ہے اور اچھائیوں اور برائیوں میں سے کیا چیز اس کے لائق ہے اور کیا نہیں، اسی وجہ سے اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات دی، حضرت داؤد علیہ السلام کو زبور اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل عنایت کی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن عطا فرمایا، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں اور رسولوں سے افضل ہیں، اور آپ کے افضل الرسل ہونے پر ہم نے البقرہ: ۲۵۳ میں تفصیل سے لکھ دیا ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے خصوصیت کے ساتھ ذکر کی توجیہ

اس آیت میں خصوصیت کے ساتھ حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر کیا ہے اس کی تین وجہیں ہیں، پہلی وجہ یہ ہے کہ زبور میں یہ لکھا ہوا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور آپ کی امت تمام امتوں سے افضل ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ○ (الانبیاء: ۱۰۵)	ہم زبور میں نصیحت کے بعد یہ لکھ چکے ہیں کہ اس زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے (نیک بندوں سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت ہے)

دوسری وجہ یہ ہے کہ مشرکین مکہ اہل کتاب خصوصاً یہودیوں کو بہت مانتے تھے اور اس آیت میں یہود کا رد ہے کیونکہ یہود کہتے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور تورات کے بعد کوئی کتاب نہیں آئے گی حالانکہ حضرت موسیٰ کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام آئے اور تورات کے بعد زبور آئی، لہٰذا ان کو چاہیے کہ وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور نزول قرآن کا انکار نہ کریں، تیسری وجہ یہ ہے کہ کفار نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرتے تھے کہ آپ دنیاوی امور کھانے پینے اور بال بچوں میں مشغول رہتے ہیں تو آپ نبی کیسے ہو سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا داؤد بھی تو نبی تھے حالانکہ وہ بادشاہ تھے اور بادشاہ سے زیادہ دنیاوی امور میں کون مشغول ہوگا اس سے معلوم ہوا کہ دنیاوی امور میں مشغول ہونا نبوت کے منافی نہیں ہے۔

نوٹ: زبور میں حلال اور حرام اور فرائض اور حدود کا ذکر نہیں ہے، اس میں صرف دعائیں ہیں اور اللہ کی تمجید اور اس کی بزرگی اور بڑائی کا ذکر ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر (زبور کا) پڑھنا آسان کر دیا تھا وہ اپنی سواری پر زین ڈالنے کا حکم دیتے اور زین رکھے جانے سے پہلے اس (زبور) کو پڑھ لیتے تھے اور صرف اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۱۷، مسند احمد رقم الحدیث: ۸۱۴۵، عالم الکتب)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ تم ان کو پکارو جو تمہارے زعم میں اللہ کے سوا (عبادت کے مستحق) ہیں سو وہ تم سے نہ کسی ضرر کے دور کرنے کے مالک ہیں اور نہ اس کو بدلنے کے (مالک ہیں) ○ (بنی اسرائیل: ۵۶)

غیر اللہ کو مستحق عبادت سمجھ کر پکارنے کا رد

اس آیت سے مقصود مشرکین کا رد کرنا ہے، وہ کہتے تھے کہ ہم خود اس لائق نہیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں بلکہ عبادت کے لائق تو مقربین ہیں یعنی اللہ کے فرشتے پھر انہوں نے فرشتوں کے فرضی مجسمے اور بت بنا رکھے تھے اور اس تاویل سے بتوں کی عبادت کرتے تھے، بعض مفسرین نے کہا وہ حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر کی عبادت کرتے تھے اور ان کی عبادت

کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی کہ جن کی تم عبادت کرے وہ تم سے کسی ضرر کو دور کر سکتے ہیں اور نہ تم کو کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں۔
اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس پر کیا دلیل ہے کہ وہ بت ضرر کو دور نہیں کر سکتے اور نفع نہیں پہنچا سکتے' اس کا جواب یہ ہے کہ ہم مشرکین کو دیکھتے ہیں کہ وہ بتوں کے آگے گڑگڑاتے ہیں اور ان کی مراد پوری نہیں ہوتی' اگر وہ یہ اعتراض کریں کہ تم بھی خدا کے آگے گڑگڑاتے ہو اور بعض اوقات تمہاری بھی مراد پوری نہیں ہوتی' اگر تم اس کے جواب میں یہ کہو کہ اللہ کو علم تھا کہ ہماری مراد ہمارے حق میں نقصان دہ تھی تو وہ کہیں گے کہ بتوں کو بھی علم تھا کہ ہماری مراد ہمارے لیے مضر تھی اور جس طرح تمہاری بعض مرادیں پوری ہوتی ہیں اسی طرح ہماری بھی بعض دعائیں پوری ہو جاتی ہیں۔
اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ مشرکین اور بت پرست اس کو مانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں اور حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر کا خالق ہے اور فرشتے' اور حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کی ہی عبادت کرنا لازم ہے اور مخلوق کی عبادت کرنا جائز نہیں ہے۔

مطلقاً پکارنے اور مدد طلب کرنے کو شرک کہنا صحیح نہیں

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ١٣٩٩ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:
اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ غیر اللہ کو سجدہ کرنا ہی شرک نہیں ہے' بلکہ خدا کے سوا کسی دوسری ہستی سے دعا مانگنا یا اس کو مدد کے لیے پکارنا بھی شرک ہے' دعا اور استمداد و استعانت اپنی حقیقت کے اعتبار سے عبادت ہی ہیں اور غیر اللہ سے مناجات کرنے والا ویسا ہی مجرم ہے جیسا کہ ایک بت پرست مجرم ہے' نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ کے سوا کسی کو بھی کچھ اختیارات حاصل نہیں ہیں نہ کوئی دوسرا کسی مصیبت کو ٹال سکتا ہے' نہ کسی بری حالت کو اچھی حالت سے بدل سکتا ہے۔ اس طرح کا اعتقاد خدا کے سوا جس ہستی کے بارے میں بھی رکھا جائے' بہرحال ایک مشرکانہ اعتقاد ہے۔
(تفہیم القرآن ج ٢ ص ٦٣٥' مطبوعہ لاہور' ١٩٨٢ء)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کا رد فرمایا ہے جو بتوں اور حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر کے مستحق عبادت ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے اور ان کو بطور عبادت پکارتے تھے لیکن سید مودودی نے مطلقاً کسی کو مدد کے لیے پکارنے کو شرک قرار دے دیا' قرآن مجید میں ہے کہ لوگوں نے ذوالقرنین سے مدد طلب کی اور ذوالقرنین نے ان سے مدد طلب کی:

قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰٓى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ۝ قَالَ مَا مَكَّنِّىْ فِيْهِ رَبِّىْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِىْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ۝ (الکھف: ٩٥-٩٤)

انہوں نے کہا یا ذوالقرنین! یاجوج ماجوج' (اس ملک میں) فساد کر رہے ہیں کیا ہم آپ کے لیے کچھ خرچ کا انتظام کر دیں کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک دیوار بنا دیں ۝ اس نے کہا مجھے جو میرے رب نے دے رکھا ہے وہی بہتر ہے' تم صرف قوت سے میری مدد کرو میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک دیوار بنا دوں گا۔

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِىْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ (آل عمران: ٥٢)

جب عیسیٰ نے ان کا کفر محسوس کر لیا تو کہا اللہ کی راہ میں کون میری مدد کرنے والے ہیں۔

اگر مطلقاً اللہ کے سوا کسی سے استعانت اور مدد طلب کرنا شرک ہو جیسا کہ سید ابوالاعلیٰ نے لکھا ہے تو یہ ذوالقرنین' حضرت عیسیٰ اور وہ سب لوگ جنہوں نے ذوالقرنین سے مدد طلب کی تھی مشرک قرار پائیں گے' حضرت سلیمان علیہ السلام

نے آصف بن برخیا سے تخت بلقیس منگوانے میں مدد طلب کی اور لوگ عام طور پر دینی اور دنیاوی معاملات میں ایک دوسرے سے مدد طلب کرتے ہیں اس لیے مطلقاً مدد طلب کرنے اور غیر اللہ کے پکارنے کو شرک کہنا درست نہیں ہے اس میں لامحالہ کوئی قید لگانی ہوگی اور صحیح قید یہ ہے کہ کسی کو مستحق عبادت قرار دے کر اور حقیقی فریاد رس اور مستقل بالذات مشکل کشا اعتقاد رکھ کر پکارنا اور اس سے مدد طلب کرنا شرک ہے خواہ اس سے مافوق الاسباب امور میں مدد طلب کی جائے یا ماتحت الاسباب میں، دور سے پکارا جائے یا قریب سے، مشرکین جو بتوں کو پکارتے تھے وہ ان بتوں کو عبادت کا مستحق قرار دیتے تھے وہ کہتے تھے کہ ان کی عبادت ہمیں خدا کے قریب کر دے گی۔

ہماری اس وضاحت سے معلوم ہو گیا کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام سے مدد طلب کرنا اور ان کو پکارنا شرک نہیں ہے تاہم افضل اور اولیٰ یہ ہے کہ ہر حال میں اور ہر ضرورت میں صرف اللہ تعالیٰ کی مدد طلب کی جائے ہم نے اس کی مفصل بحث یونس: ۲۲ میں کی ہے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اسی بحث میں یہ فقرہ بھی لکھا ہے: نیز اس سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ کے سوا کسی کو بھی کچھ اختیارات حاصل نہیں ہیں۔ یہ فقرہ بھی علی الاطلاق صحیح نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کو بھلائی اور برائی کا اختیار عطا فرمایا ہے، انسان اپنے اختیار سے کسی پر ظلم کرتا ہے تو اسے سزا ملتی ہے اور کسی پر رحم کرتا ہے تو اس کی جزا ملتی ہے، جس شخص کو دنیا میں جتنا اقتدار دیا جاتا ہے وہ اتنا با اختیار ہوتا ہے، اس لیے یوں کہنا چاہیے کہ کسی شخص کو ذاتی اختیار نہیں ہے یا از خود اختیار نہیں ہے، یا اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں کسی کو اختیار نہیں ہے یا اللہ تعالیٰ کے اذن اور اس کی عطا کے بغیر کسی کو کوئی اختیار نہیں ہے، اس کی مکمل بحث ہم نے الاعراف: ۱۸۸ میں کر دی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جن لوگوں کی یہ (مشرکین) عبادت کرتے ہیں وہ خود ہی اپنے رب کی طرف قریب ترین وسیلہ تلاش کرتے ہیں اور اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں، اور اس کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں، بے شک آپ کے رب کے عذاب سے ڈرنا ہی چاہیے ○ (بنی اسرائیل: ۵۷)

دوزخ کے عذاب سے انبیاء اور ملائکہ کے ڈرنے کی توجیہ

علامہ ابن جوزی متوفی ۵۹۷ھ نے لکھا ہے: جن لوگوں کی وہ عبادت کرتے ہیں اس کے مصداق میں تین قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ یہ وہ جن ہیں جو بعد میں اسلام لے آئے تھے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ ملائکہ ہیں اور تیسرا قول یہ ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر ہیں یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے، اور اس آیت میں یدعون، یعبدون کے معنی میں ہے یعنی وہ ان کو معبود سمجھ کر عبادت کرتے ہیں۔ (زاد المسیر ج ۵ ص ۵۸-۵۷، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

جن کی وہ عبادت کرتے تھے ان کے جن ہونے کے متعلق یہ دلیل ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں انسانوں میں سے بعض افراد جنات کے بعض افراد کی عبادت کرتے تھے، پھر وہ جن مسلمان ہو گئے، اور وہ انسان بدستور ان جنات کی عبادت کرتے رہے تو یہ آیت نازل ہوئی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۱۴، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۰۳۰، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۲۸۸)

اور جن لوگوں نے کہا وہ فرشتے تھے ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عرب کے بعض قبائل سے کچھ لوگ ملائکہ کی ایک قسم کی عبادت کرتے تھے جن کو جنات کہا جاتا تھا اور وہ لوگ یہ کہتے تھے کہ یہ اللہ کی بیٹیاں ہیں تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل کی۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۶۸۹۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اور جن لوگوں نے کہا وہ حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر کی عبادت کرتے تھے ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا جن کی وہ لوگ عبادت کرتے تھے وہ حضرت عیسیٰ، ان کی والدہ اور حضرت عزیر ہیں۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۶۸۹۵ حضرت ابن عباس کی دوسری روایت میں شمس اور قمر کا بھی ذکر ہے، رقم الحدیث: ۱۶۸۹۷)

جو جنات مسلمان ہو چکے تھے، اسی طرح فرشتے اور تمام انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اور اس کے محتاج ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اور اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں ہر چند کہ ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں وہ کسی قسم کو کوئی گناہ نہیں کرتے اور نہ ان کو دنیا اور آخرت میں کسی قسم کے عذاب کا خطرہ ہے، لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی جلال ذات سے خوف زدہ رہتے ہیں اور ان میں سے جو اللہ تعالیٰ کے جتنے زیادہ قریب ہے وہ اتنا اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اتقاکم واعلمکم باللہ انا۔ تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور تم سب سے زیادہ اللہ کا علم رکھنے والا میں ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بکثرت جنت کے حصول کی اور دوزخ کے عذاب سے پناہ کی دعائیں فرماتے تھے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کثرت سے کرتے تھے: اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں (بھی) اچھائی عطا فرما اور آخرت میں (بھی) اچھائی عطا فرما اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۸۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۹۰، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۱۹ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۹۳۹، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۲۰۰۴، عالم الکتب بیروت)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں سے یہ دعا تھی: اے اللہ ہم تجھ سے رحمت کے موجبات اور پکی مغفرت کو طلب کرتے ہیں اور ہر گناہ سے سلامتی اور نیکی کی سہولت طلب کرتے ہیں اور جنت کی کامیابی اور تیری مدد سے دوزخ سے نجات طلب کرتے ہیں، یہ حدیث امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے (حافظ ذہبی نے اس کو بلا جرح نقل کیا ہے۔) (المستدرک ج ۱ ص ۵۲۵، قدیم، المستدرک رقم الحدیث: ۱۹۶۸، الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۱۴۸۷)

ہم نے اس نوع کی بہت احادیث تبیان القرآن ج ۲ ص ۴۱۸-۴۱۶ میں ذکر کی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم ہر بستی کو قیامت کے دن سے پہلے ہلاک کرنے والے ہیں، یا اس کو سخت عذاب دینے والے ہیں، یہ کتاب میں لکھا ہوا ہے ○ (بنی اسرائیل: ۵۸)

کھلم کھلا سود کھانا اور فحش کام کرنا نزول عذاب کا موجب ہے

قتادہ اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی قضاء اور تقدیر سے ہے جس سے فرار کا کوئی ذریعہ نہیں ہے، یا تو اللہ تعالیٰ اس بستی کے لوگوں کی روحوں کو قبض کر کے ان کو ہلاک کر دے یا اس بستی پر عذاب نازل فرمائے گا جس سے وہ بستی نیست و نابود ہو جائے گی، (مومنین کو موت سے ہلاک کرے گا اور سرکش کافروں کو عذاب سے)

عبدالرحمن بن عبداللہ نے کہا جب کسی بستی میں علی الاعلان زنا ہو گا اور سود کھایا جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس بستی کو ہلاک کرنے کی اجازت دے دے گا۔ (جامع البیان جز ۱۵ ص ۱۳۴-۱۳۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اس کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے:

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ○ (القصص: ۵۹)

آپ کا رب اس وقت تک بستیوں کو ہلاک نہیں کرتا جب تک کہ ان بستیوں کے مرکز میں کسی رسول کو نہ بھیج دے، جو ان پر ہماری آیات کی تلاوت کرے، اور ہم اس وقت تک کسی بستی کو ہلاک نہیں کرتے۔ جب تک اس بستی کے رہنے والے ظلم پر کمر نہ باندھ لیں ○

لہٰذا اس آیت میں ایسی بستیاں مراد ہیں جن کے رہنے والے کفر اور فحش گناہوں پر اصرار کرنے والے ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہمیں (فرمائشی) معجزات بھیجنے سے صرف یہ چیز مانع ہے کہ پہلے لوگ ان کو جھٹلا چکے ہیں، اور ہم نے قوم ثمود کو اونٹنی دی جو بصیرت افروز (نشانی) تھی، سو انہوں نے اس پر ظلم کیا اور ہم صرف ڈرانے کے لیے معجزات بھیجتے ہیں ○ (بنی اسرائیل: ۵۹)

زیر تفسیر آیت کا شان نزول

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کا رد فرمایا اور جو ظلم کرتے تھے اور کفر اور شرک پر اصرار کرتے تھے ان کو عذاب کی وعید سنائی اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبوت کا ذکر شروع فرمایا اور مشرکین مکہ کو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر جو شبہات تھے ان کا ازالہ فرمایا۔

سعید بن جبیر نے کہا کہ مشرکین نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ یہ کہتے ہیں کہ آپ سے پہلے انبیاء تھے، ان میں بعض کے لیے ہوا مسخر کر دی گئی اور ان میں سے بعض مردوں کو زندہ کرتے تھے اگر آپ اس بات سے خوش ہوں کہ ہم آپ پر ایمان لے آئیں اور آپ کی تصدیق کریں تو آپ اپنے رب سے دعا کیجئے کہ صفا پہاڑ کو ہمارے لیے سونے کا بنا دے! اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی میں نے ان کا مطالبہ سن لیا ہے اگر آپ چاہیں تو ہم ان کا مطالبہ پورا کر دیں لیکن اگر یہ پھر بھی ایمان نہ لائے تو پھر ان پر عذاب نازل کیا جائے گا، اور اگر آپ اپنی قوم کو مہلت دینا چاہتے ہوں تو میں ان کو مہلت دے دوں! آپ نے عرض کیا اے میرے رب ان کو مہلت دے دے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۶۹۰۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اہل مکہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا کہ آپ ان کے لیے صفا پہاڑ کو سونے کا بنا دیں۔ اور اس جگہ سے پہاڑوں کو ہٹا دیں تاکہ وہ اس جگہ کھیتی باڑی کر سکیں تو آپ سے کہا گیا کہ اگر آپ ان کو مہلت دینا چاہتے ہیں تو ہم ان کو مہلت دے دیں اور اگر آپ ان کی فرمائش پوری کرنا چاہتے ہوں تو ہم ان کی فرمائش پوری کر دیں لیکن اگر یہ پھر بھی ایمان نہ لائے تو پھر ان کو ہلاک کر دیا جائے گا جیسا کہ پچھلی قوموں کے کفار کو ہلاک کر دیا گیا تھا، آپ نے کہا بلکہ ان کو مہلت دے دے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی وما منعنا ان نرسل بالایٰت الا ان کذب بہا الاولون۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۶۹۰۴، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۳۳۳، دار الفکر بیروت و عالم الکتب بیروت)

فرمائشی معجزات نازل نہ کرنے کی وجوہ

فرمائشی معجزات نہ بھیجنے کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) اگر اللہ تعالیٰ ان کے بڑے بڑے فرمائشی معجزات نازل فرما دیتا اور وہ پھر بھی ایمان نہ لاتے، بلکہ اپنے کفر پر ڈٹے رہتے تو اللہ تعالیٰ کی سنت کے مطابق وہ آسمانی عذاب سے نیست و نابود کر دیے جاتے، لیکن اس طرح کا جڑ سے اکھاڑ دینے والا

عذاب اس امت پر جائز نہ تھا' کیونکہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ ان میں سے کچھ لوگ ایمان لے آئیں گے یا ان کی اولاد ایمان لے آئے گی' اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے فرمائشی معجزات کا مطالبہ پورا نہیں کیا۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے یہ معجزات اس لیے نہیں نازل کیے کہ پچھلی امتوں میں ان کے آباء واجداد کے مطالبہ پر معجزات نازل کیے گئے لیکن وہ ایمان نہیں لائے اور یہ مشرکین بھی ان ہی آباء واجداد کی تقلید کرتے تھے۔

(۳) پچھلی امتوں کے لوگوں نے اپنے فرمائشی معجزات کا مشاہدہ کر لیا پھر بھی وہ اپنے انکار پر مصر رہے سو اگر یہ لوگ بھی ان معجزات کا مشاہدہ کر لیتے تو اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ یہ بھی انکار کرتے' اس لیے ان معجزات کا ظاہر کرنا عبث تھا' اور اللہ تعالیٰ عبث کام نہیں کرتا پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم نے قوم ثمود کو اونٹنی دی جو بصیرت افروز نشانی تھی سو انہوں نے اس پر ظلم کیا۔

بصیرت افروز کا معنی یہ ہے کہ جو شخص پتھر سے اونٹنی کے نکلنے اور اس کی دیگر نشانیوں پر غور و فکر کرے گا وہ حضرت صالح علیہ السلام کے دعویٰ نبوت کے صدق کو تسلیم کر لے گا' پھر فرمایا انہوں نے اس کے ساتھ ظلم کیا یعنی اس معجزہ کی تکذیب کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا پھر فرمایا: اور ہم صرف ڈرانے کے لیے معجزات بھیجتے ہیں' اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ معجزہ تو اس لیے ہوتا ہے کہ وہ نبی کے دعوی نبوت کے صدق پر دلیل ہو تو پھر اس کی کیا توجیہ ہے کہ ہم صرف ڈرانے کے لیے معجزات بھیجتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہر چند کہ معجزہ صرف نبی کے دعوی نبوت کے صدق کی دلیل ہوتا ہے' لیکن وہ اس حکم کو متضمن ہوتا ہے کہ اگر اس فرمائشی معجزہ کو دیکھ کر بھی ایمان نہ لائے تو پھر تم ہلاک اور ملیامیٹ کر دینے والے عذاب کے مستحق ہو گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ہم نے آپ سے فرمایا کہ آپ کے رب نے سب کا احاطہ کیا ہوا ہے' اور ہم نے آپ کو (شب معراج) جو جلوہ دکھایا تھا وہ صرف لوگوں کی آزمائش کے لیے تھا' اور اسی طرح وہ درخت بھی جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے' اور ہم انہیں ڈرا رہے ہیں' سو ہمارا ڈرانا تو صرف ان کی سرکشی کو ہی بہت بڑھاوا دے رہا ہے ○

(بنی اسرائیل: ۶۰)

اللہ تعالیٰ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت اور نصرت فرمانا

جب کفار مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑے بڑے فرمائشی معجزات کا مطالبہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ جواب دیا کہ ان معجزات کو ظاہر کرنے میں مصلحت نہیں ہے تو اس سے کفار کو یہ جرأت ہوئی کہ وہ آپ کی رسالت میں طعن کریں سو انہوں نے کہا اگر آپ اللہ کی طرف سے رسول برحق ہوتے تو ضرور ہمارے فرمائشی معجزات کو لے آتے' جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء ایسے معجزات لاتے رہے ہیں تب اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید اور نصرت کے لیے فرمایا اور جب ہم نے آپ سے فرمایا کہ آپ کے رب نے سب کا احاطہ کیا ہوا ہے' اور اس کی تفسیر میں دو قول ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کی حکمت اور اس کی قدرت تمام لوگوں کو محیط ہے اور سب اس کے قبضہ وقدرت میں ہیں اور جب ایسا ہے تو آپ کے مخالفین کسی ایسے اقدام پر قادر نہیں ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کی قضاء اور اس کی تقدیر کے خلاف ہو' اور اس سے مقصود یہ ہے کہ ہم آپ کی نصرت کریں گے اور آپ کو قوت دیں گے حتیٰ کہ آپ ہمارے پیغام کی تبلیغ کریں اور ہمارے دین کو غلبہ حاصل ہو' حسن نے کہا وہ آپ کو قتل کرنے کا ارادہ کرتے تھے کہ اس ارادہ کی راہ میں اللہ تعالیٰ حائل ہو گیا اس نے فرمایا:

وَاللّٰهُ يَعۡصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۔ (المائدہ: ۶۷) اور اللہ آپ لوگوں کو محفوظ رکھے گا۔

"(۲) اس آیت میں فرمایا ہے آپ کے رب نے سب کا احاطہ کیا ہوا ہے اس سے مراد ہے آپ کے رب نے اہل مکہ کا احاطہ کیا ہوا ہے، اور اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اہل مکہ پر غلبہ عطا فرمائے گا اور ان کو مغلوب اور مقہور کر دے گا، اور آپ کی حکومت ان پر قائم کر دے گا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

قُلۡ لِّلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا سَتُغۡلَبُوۡنَ وَتُحۡشَرُوۡنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ۔ (آل عمران: ۱۲) آپ کافروں سے کہیے کہ تم عنقریب مغلوب ہو جاؤ گے اور دوزخ کی طرف جمع کیے جاؤ گے۔

شب معراج میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ دیکھا وہ خواب نہیں تھا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ہم نے آپکو شب معراج جو جلوہ دکھایا تھا وہ صرف لوگوں کی آزمائش کے لیے تھا۔

اس فقرے کے متعدد محامل ہیں، صحیح محمل وہ ہے جس کے موافق ہم نے ترجمہ کیا۔

اس آیت میں رؤیا کا لفظ ہے، بعض علماء نے کہا کہ رؤیا کا معنی خواب ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ معراج کی شب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کچھ دکھایا گیا وہ سب خواب کا واقعہ ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں معراج ہوئی ہے بیداری میں نہیں ہوئی، اس لیے پہلے ہم رؤیا کے معنی کی تحقیق کرتے ہیں:

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

رؤیا کے معنی میں اختلاف ہے اکثریت نے یہ کہا ہے کہ لغت کے اعتبار سے رویت اور رؤیا میں کوئی فرق نہیں ہے کہا جاتا ہے رایت بعینی رویتہ ورویا، میں نے اپنی دونوں آنکھوں سے دیکھا، دیکھنا، اور کم لوگوں نے یہ کہا کہ یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ معراج کا پورا قصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا تھا اور یہ قول ضعیف اور باطل ہے اور اس مشاہدہ کے آزمائش ہونے کا معنی یہ ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کا واقعہ لوگوں کے سامنے بیان کیا تو مشرکین نے بڑی شد و مد سے انکار کیا اور جو مسلمان تھے وہ اپنے ایمان پر قائم رہے بلکہ ان کا ایمان اور مضبوط ہو گیا، اگر یہ واقعہ صرف خواب کا ہوتا تو پھر کسی کو اس کے انکار کرنے کی کیا ضرورت تھی اور یہ واقعہ لوگوں کی آزمائش کس طرح ہوتا۔

(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۳۱۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے یہ رؤیا آنکھ سے تھا، جو کچھ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آنکھ سے دکھایا تھا یہ خواب کا واقعہ نہیں ہے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۶۹۱۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۳۴)

حضرت ابو بکر صدیق سے شب معراج کی صبح کہا گیا کہ تمہارے پیغمبر کا یہ کہنا ہے کہ وہ گزشتہ شب بیت المقدس سے ہو کر آئے ہیں، حضرت ابو بکر نے کہا اگر انہوں نے یہ کہا ہے تو سچ کہا ہے، ان سے کہا گیا کہ آپ ان سے سننے سے پہلے تصدیق کر رہے ہیں، حضرت ابو بکر نے کہا تمہاری عقلیں کہاں ہیں، میں تو آسمان کی خبروں میں ان کی تصدیق کرتا ہوں تو بیت المقدس کی خبر میں ان کی تصدیق کیوں نہیں کروں گا آسمان تو بیت المقدس سے بہت دور ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۰ ص ۲۵۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

شجرۃ الزقوم کا معنی

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اسی طرح وہ درخت بھی جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے، یعنی وہ درخت بھی

آزمائش ہے، کیونکہ ابوجہل نے مسلمانوں سے کہا تمہارے پیغمبر کہتے ہیں دوزخ ایسی آگ ہے جو پتھروں کو بھی جلا دیتی ہے:

وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ۔ (التحریم: ۶) دوزخ کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔

اور پھر وہ کہتے ہیں کہ دوزخ میں ایک درخت ہے اور آگ تو درخت کو جلا دیتی ہے تو دوزخ میں درخت کیسے پیدا ہوگا جب ان کو تعجب ہوا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ ۝ بے شک ہم نے زقوم کو ظالموں کے لیے آزمائش بنا دیا ہے۔ (الصّٰفّٰت: ۶۳)

قرآن مجید میں زقوم کے لیے فرمایا ہے بے شک وہ درخت جہنم کی جڑ سے نکلتا ہے (الصفت: ۶۴) جس کے خوشے شیطانوں کے سروں کی طرح ہوتے ہیں، دوزخی اس درخت سے کھائیں گے اور اسی سے پیٹوں کو بھریں گے۔ (الصّٰفّٰت: ۶۶-۶۵)

زقوم کا معنی ہے تھوہر کا درخت، یہ لفظ تزقم سے بنا ہے اس کا معنی ہے بدبودار اور مکروہ چیز کا نگلنا، اس درخت کے پھل کو کھانا دوزخیوں کے لیے سخت ناگوار ہوگا، بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ کوئی دنیاوی درخت نہیں ہے اہل دنیا کے لیے یہ غیر معروف ہے لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ (فتح القدیر ج ۳ ص ۵۲۶، مطبوعہ دارالوفاء بیروت، ۱۴۱۸ھ)

امام ابن ابی شیبہ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اگر دوزخ کے زقوم کا ایک قطرہ بھی زمین والوں پر نازل کر دیا جائے تو ان کی زندگیاں خراب اور فاسد ہو جائیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۳۴۱۳۳، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ)

شجرۃ الزقوم کو ملعون فرمانے کی توجیہات

اس آیت میں فرمایا ہے اس درخت پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے حالانکہ قرآن میں اس پر لعنت کا ذکر نہیں ہے، اس کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) اس سے مراد ہے دوزخ میں اس درخت کو کھاتے وقت کفار اس پر لعنت کریں گے۔

(۲) ہر وہ طعام جس کا ذائقہ مکروہ ہو اور وہ نقصان دہ ہو اس کو عرب ملعون کہتے ہیں اور سورۃ الدخان اور والصّٰفّٰت میں اس کا بدذائقہ اور مکروہ ہونا بیان فرمایا ہے۔

(۳) ملعون کا معنی ہے دور کیا ہوا اور قرآن مجید میں اس درخت کا اس طرح ذکر ہے کہ یہ تمام اچھی صفات سے دور کیا ہوا ہے۔

(۴) ملعون کا معنی ہے مذمت کیا ہوا اور قرآن مجید میں اس کی مذمت کی گئی ہے۔

(۵) ملعون سے مراد ہے اس کے کھانے والے ملعون ہیں۔ (زاد المسیر ج ۵ ص ۵۵، تفسیر کبیر ج ۷ ص ۳۶۱، ملخصاً)

اس کے بعد فرمایا ہم ان کو درخت زقوم سے ڈراتے ہیں اور ہمارا ڈرانا تو ان میں صرف بڑے طغیان کو بڑھا رہا ہے طغیان کا معنی ہم البقرہ: ۱۵ میں ذکر کر چکے ہیں۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ

اور یاد کیجئے جب ہم نے فرشتوں سے کہا آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا،

قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا ﴿٦١﴾ قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ

اس نے کہا کیا میں اس کو سجدہ کروں جس کو تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے ○ اس نے کہا اچھا دیکھ لے

كَرَّمْتَ عَلَيَّ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗ

جس کو تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے۔ اگر تو نے مجھے روز قیامت تک کی مہلت دی تو میں اس کی اولاد کو ضرور قابو میں کر لوں گا

اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٦٢﴾ قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ

سوا چند لوگوں کے ○ فرمایا چلا جا! ان میں سے جنہوں نے تیری پیروی کی تو بے شک جہنم تمہاری سزا ہے

جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ﴿٦٣﴾ وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَ

پوری پوری سزا ○ تو ان میں سے جن کو اپنی آواز کے ساتھ پھسلا سکتا ہے پھسلا دے اور

اَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَ

ان پر اپنے سواروں اور پیادوں کے ساتھ چڑھائی کر دے، اور ان کے اموال اور اولاد میں شریک

الْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ۭ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿٦٤﴾ اِنَّ عِبَادِيْ

ہو جا اور ان سے وعدے کر اور شیطان ان سے جو بھی وعدے کرتا ہے وہ دھوکا ہوتا ہے ○ بے شک میرے (اچھے)

لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ۭ وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ﴿٦٥﴾ رَبُّكُمُ الَّذِيْ

بندوں پر تیرا کوئی غلبہ نہیں ہوگا، اور آپ کے لیے آپ کا رب کافی کارساز ہے ○ تمہارا رب وہ ہے جو

يُزْجِيْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ

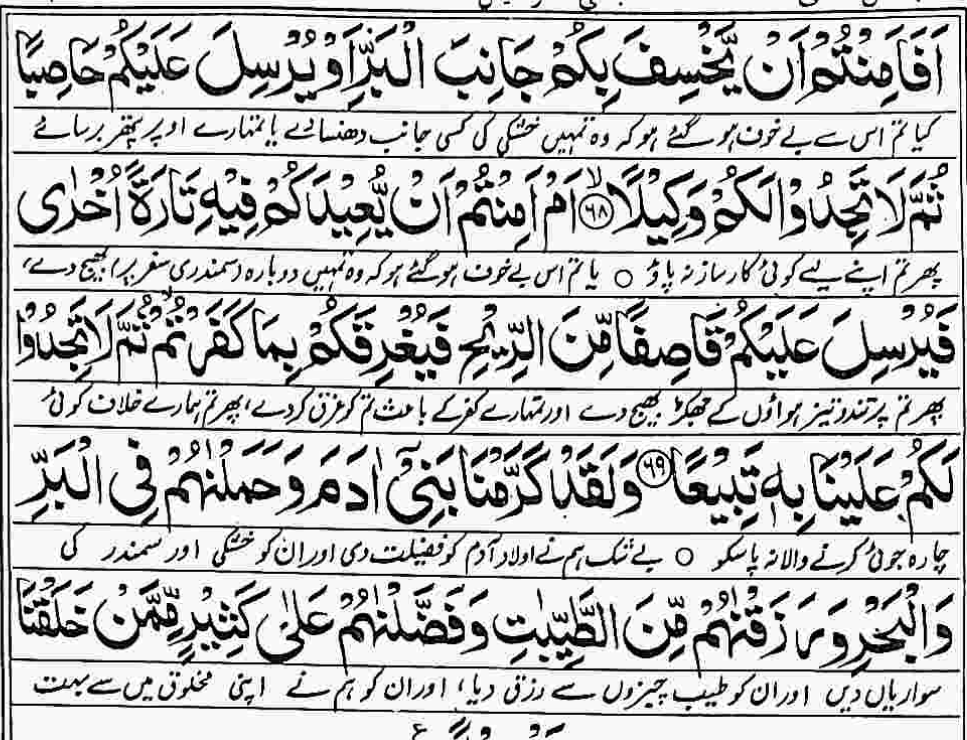
تمہارے لیے سمندر میں کشتیاں چلاتا ہے تا کہ تم اللہ کا فضل تلاش کرو، بے شک وہ تم پر

رَحِيْمًا ﴿٦٦﴾ وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ

بہت رحم فرمانے والا ہے ○ اور سمندر میں جب تم پر کوئی آفت آتی ہے تو جن کی تم عبادت کرتے تھے وہ سب گم ہو جاتے ہیں ماسوا اللہ

فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ﴿٦٧﴾

کے، پھر جب وہ تم کو بچا کر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو تم (اس سے) اعراض کر لیتے ہو اور انسان بہت ناشکرا ہے ○



أَفَأَمِنْتُمْ أَنْ يَخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ أَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا

کیا تم اس سے بے خوف ہو گئے ہو کہ وہ تمہیں خشکی کی کسی جانب دھنسا دے یا تمہارے اوپر پتھر برسانے

ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ وَكِيلًا ﴿٦٨﴾ أَمْ أَمِنْتُمْ أَنْ يُعِيدَكُمْ فِيهِ تَارَةً أُخْرَىٰ

پھر تم اپنے لیے کوئی کارساز نہ پاؤ ○ یا تم اس سے بے خوف ہو گئے ہو کہ وہ تمہیں دوبارہ (سمندری سفر پر) بھیج دے،

فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِنَ الرِّيحِ فَيُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ثُمَّ لَا تَجِدُوا

پھر تم پر تند و تیز ہواؤں کے جھکڑ بھیج دے اور تمہارے کفر کے باعث تم کو غرق کر دے، پھر تم ہمارے خلاف کوئی

لَكُمْ عَلَيْنَا بِهِ تَبِيعًا ﴿٦٩﴾ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ

چارہ جوئی کرنے والا نہ پاسکو ○ بے شک ہم نے اولادِ آدم کو فضیلت دی اور ان کو خشکی اور سمندر کی

وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا

سواریاں دیں اور ان کو طیب چیزوں سے رزق دیا، اور ان کو ہم نے اپنی مخلوق میں سے بہت

تَفْضِيلًا ﴿٧٠﴾

سوں پر فضیلت دی ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (یاد کیجئے) جب ہم نے فرشتوں سے کہا آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا، اس نے کہا کیا میں اس کو سجدہ کروں جس کو تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے ○ اس نے کہا اچھا دیکھ لے جس کو تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے، اگر تو نے مجھے روزِ قیامت تک کی مہلت دی، تو میں اس کی اولاد کو ضرور قابو میں کر لوں گا، سوا چند لوگوں کے ○ فرمایا چلا جا! ان میں سے جنہوں نے تیری پیروی کی تو بے شک جہنم تمہاری سزا ہے پوری پوری سزا ○ تو ان میں سے جن کو اپنی آواز کے ساتھ پھسلا سکتا ہے، پھسلا دے، اور ان پر اپنے سواروں اور پیادوں کے ساتھ چڑھائی کر دے، اور ان کے اموال اور اولاد میں شریک ہو جا اور ان سے وعدے کر اور شیطان ان سے جو بھی وعدے کرتا ہے وہ دھوکا ہوتا ہے ○ بے شک میرے (سچے) بندوں پر تیرا کوئی غلبہ نہیں ہوگا اور آپ کے لیے آپ کا رب کافی کارساز ہے ○ (بنی اسرائیل: ۶۵-۶۱)

ان آیتوں میں جن امور کا ذکر کیا گیا ہے ان کی تفسیر ہم حسب ذیل سورتوں میں بیان کر چکے ہیں:

البقرہ: ۳۴-۳۰، الاعراف: ۲۵-۱۱، الحجر: ۴۴-۲۶۔

ان سورتوں میں جو مضمون بیان فرمایا ہے وہی سورہ بنی اسرائیل کی ان آیات میں بھی بیان فرمایا ہے، البتہ بعض الفاظ مشکل ہیں اور بعض فقرے قابل تشریح ہیں جن کا ہم سطور ذیل میں بیان کر رہے ہیں:

مشکل الفاظ اور مغلق فقروں کی تشریح

آیت: ۶۲ میں ایک لفظ ہے لاحتنکن حضرت ابن عباس نے فرمایا اس کا معنی ہے میں ان پر ضرور غالب آجاؤں گا، مجاہد نے کہا اس کا معنی ہے میں ان پر ضرور حاوی رہوں گا، ابن زید نے کہا اس کا معنی ہے میں ان کو ضرور گمراہ کردوں گا، ان سب کے معنی متقارب ہیں، یعنی میں ان کو بہکا کر اور پھسلا کر جڑ سے اکھاڑ دوں گا، یا ملیا میٹ کردوں گا ایک قول یہ ہے میں جہاں چاہوں گا ان کو لے جاؤں گا اور ان کو اپنے پیچھے پیچھے چلاؤں گا۔

آیت: ۶۴ میں ایک لفظ ہے: استفزز اس کا معنی ہے ان کو ڈگمگا دے اور گرا دے اس کا اصل معنی ہے قطع کرنا، جب کپڑا کٹ جائے تو کہتے ہیں، تفزز الثوب اس کا معنی ہے ان کو حق سے منقطع کردے یہ امر تعجیز ہے یعنی تو کسی شخص کو گمراہ کرنے پر قادر نہیں ہوگا، اور کسی شخص پر تیرا تسلط اور اقتدار نہیں تو جو جی میں آئے کر۔

صوتہ: اپنی آواز کے ساتھ، ہر وہ شخص جو کسی کو اللہ کی معصیت کی طرف بلاتا ہے وہ شیطان کی آواز ہے، موسیقی، فحش گانے، ڈش، ٹی۔وی، وی۔سی۔آر اور ریڈیو کے رنگا رنگ پروگرام یہ سب شیطان کی آوازیں ہیں البتہ قرآن مجید اور احادیث کا بیان، دینی معلوماتی پروگرام اور فقہی مسائل کا بیان اور ملکی اور بین الاقوامی خبریں اس سے مستثنیٰ ہیں۔

واجلب علیھم بخیلک ورجلک: اجلب کا معنی ہے ہانکنے والے کا کھینچنا، خیل کے معنی ہیں سوار اور رجل کے معنی ہیں پیادے۔

اس کا معنی ہے تم اپنے مکر و فریب کے جس قدر حیلے بہانے استعمال کرسکتے ہو کرلو، حضرت ابن عباس، مجاہد اور قتادہ نے کہا جو سوار اور پیادہ اللہ تعالیٰ کی معصیت میں قتال کرے، وہ ابلیس کے سواروں اور پیادوں میں سے ہے، اور سعید بن جبیر اور مجاہد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ جو سوار اور جو پیادہ اللہ کی معصیت میں سواری پر جائے یا پیدل جائے وہ ابلیس کا سوار اور اس کا پیادہ ہے، اور وہ مال جو حرام ذرائع سے حاصل کیا گیا ہو اور ہر وہ بچہ جو طوائف سے پیدا ہو وہ شیطان کا ہے۔

وشارکھم فی الاموال والاولاد: لوگوں کے مال اور ان کی اولاد میں اپنے آپ کو شریک کرلے یعنی لوگوں کے اموال کو اللہ تعالیٰ کی معصیت میں خرچ کرادے، حسن نے کہا اس سے مراد وہ مال ہے جو لوگ ناجائز ذرائع سے حاصل کریں، اور حضرت ابن عباس نے کہا اس سے مراد ہے کفار کا بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام کو حرام قرار دینا (ان الفاظ کے معنی ہم المائدہ: ۱۰۳ میں بیان کرچکے ہیں) قتادہ نے کہا اس سے مراد وہ جانور ہیں جن کو وہ بتوں کے لیے ذبح کرتے تھے، یہ اموال میں شرکت کی تفسیر ہے اور اولاد میں شرکت کا معنی یہ ہے کہ کسی بھی نوعیت سے اولاد میں شیطان کا دخل ہو، مثلاً وہ اولاد الزنا ہو، حضرت ابن عباس نے فرمایا اس سے مراد ہے ان کا اولاد کو قتل کرنا، نیز ان سے روایت ہے اپنی اولاد کا نام عبدالحارث، عبدالعزیٰ، عبداللات اور عبدالشمس رکھنا، ایک قول یہ ہے کہ اپنی اولاد کو کفر میں ڈبو دینا، مثلاً ان کو یہودی اور نصرانی بنادینا۔

(الجامع لاحکام القرآن جز عاشر ص ۲۶۰-۲۵۷، ملخصاً و موضحاً، دار الفکر بیروت)

میں کہتا ہوں کہ شیطان کی لوگوں کے اموال میں شرکت کا معنی یہ ہے کہ شیطان کے بہکانے سے لوگ چوری، ڈاکے، لوٹ مار اور بھتوں کے ذریعہ مال بنائیں، رشوت لیں، سرکاری مال خورد برد کریں، سرکاری دفاتر سے تنخواہیں لیں اور کام نہ کریں، بغیر صلاحیت کے اور بغیر میرٹ کے جعلی سندوں اور سفارش سے ملازمت حاصل کریں، چور بازاری، ذخیرہ اندوزی، اور اسمگلنگ کے ذریعہ مال کمائیں، شراب، ہیروئین، افیم اور چرس وغیرہ فروخت کریں، مضر صحت اشیاء بنائیں اور نقلی

دوائیں فروخت کریں، دو نمبر مال بنائیں، جعلی کرنسی کا کاروبار کریں، سود لیں، ملکی اور قومی سودوں میں کمیشن کھائیں، ناقص میٹریل لگا کر بلڈنگیں، سڑکیں اور پل بنائیں، کسی بڑے منصوبے کے لیے غیر ممالک سے قرض لیں اور رقم کھا جائیں، قومی ضروریات کے لیے عوام سے پیسے لیں اور ہڑپ کر جائیں۔

اور اولاد میں شرکت کا یہ معنی ہے کہ لوگ شیطان کے ورغلانے سے اپنے بچوں کو دینی تعلیم نہ دیں اور ان کو دینی اقدار نہ سکھائیں، ان کو مشنری اسکولوں میں پڑھائیں، جب بچے کی آنکھ کھلے تو اس کی نظر ڈش کے پروگراموں پر ہو، وہ اپنے گھر سے ہی تمباکو نوشی سیکھ لے اور باہر جا کر ہیروئین کا عادی ہو جائے اس کو نوجوانی میں ہی جوئے اور مار پیٹ کی لت پڑ جائے، مار دھاڑ اور ڈکیتی کی فلمیں دیکھ کر اور جنسی، ہیجان خیز فلمیں دیکھ کر اس کو بھی ان کاموں کا شوق چرائے اگر اس کے ماں باپ مر جائیں تو وہ اس قابل بھی نہ ہو کہ ان کی نماز جنازہ پڑھ سکے، قرآن کی تلاوت کر کے ان کو ثواب پہنچا سکے، قبر پر جا کر ان کے لیے مغفرت کی دعا کر سکے کیونکہ یہ سب تو اس کو ماں باپ نے سکھایا ہی نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تمہارا رب وہ ہے جو سمندر میں تمہارے لیے کشتیاں چلاتا ہے تاکہ تم اللہ کا فضل تلاش کرو، بے شک وہ تم پر بہت رحم فرمانے والا ہے ○ (بنی اسرائیل: ۶۶)

اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں

ان چار آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی الوہیت اور توحید پر دلائل ذکر فرمائے ہیں اور اپنی قدرت، اپنی حکمت اور اپنی رحمت کا ذکر فرمایا ہے۔ اس آیت میں اپنی اس نعمت کا ذکر فرمایا ہے کہ اس نے سمندر کو تمہارے سفر کے لیے مسخر کر دیا تاکہ تم سمندری سفر کے ذریعہ دور دراز علاقوں میں جا سکو اور ایک علاقے کے لوگ دوسرے علاقے کے لوگوں سے واقف ہوں اور ان کی تہذیب اور تمدن سے آگاہ ہوں اور ان کی ضروریات سے مطلع ہو کر وہاں سامان تجارت لے جائیں اور اس طرح ان کی روزی اور معاش کا بندوبست ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور سمندر میں جب تم پر کوئی آفت آتی ہے تو جن کی تم عبادت کرتے تھے وہ سب گم ہو جاتے ہیں ماسوا اللہ کے، پھر وہ جب تم کو بچا کر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو تم (اس سے) اعراض کر لیتے ہو، اور انسان بہت ناشکرا ہے ○ (بنی اسرائیل: ۶۷)

یعنی جب سمندری سفر میں تمہیں غرق ہونے کا شدید خطرہ لاحق ہوتا ہے تو اس وقت تم نہ کسی بت سے فریاد کرتے ہو نہ سورج اور چاند سے بلکہ اس حال میں تم صرف اللہ سے فریاد کرتے ہو اور جب اس حالت میں اللہ تعالیٰ تمہیں سمندر میں غرق ہونے سے بچا لیتا ہے اور تم خشکی پر سلامتی سے پہنچ جاتے ہو تو پھر تم اخلاص کے ساتھ اللہ پر ایمان لانے سے اعراض کرتے ہو اور انسان بہت ناشکرا ہے۔

اس کی زیادہ تفصیل اور تحقیق ہم نے الانعام: ۶۳ اور یونس: ۲۳ میں بیان کر دی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا تم اس سے بے خوف ہو گئے ہو کہ وہ تمہیں خشکی کی کسی جانب دھنسا دے یا تمہارے اوپر پتھر برسائے، پھر تم اپنے لیے کوئی کارساز نہ پاؤ ○ (بنی اسرائیل: ۶۸)

خسف اور خسوف کا معنی ہے ایک چیز کا دوسری چیز میں داخل ہونا، کہا جاتا ہے عین من الماء خاسفة چشمہ کا پانی زمین میں دھنس رہا ہے، یعنی کیا تم اس سے بے خوف ہو گئے ہو کہ خشکی میں آنے پر تم پر کوئی آفت نہیں آئے گی اور تم کو خشکی کی کسی جانب زمین میں دھنسا نہیں دیا جائے گا، یعنی اللہ تعالیٰ جس طرح اس پر قادر ہے کہ تم کو سمندر میں پانی کے اندر

غرق کردے وہ اس پر بھی قادر ہے کہ تم کو زمین کے اندر دھنسا دے پھر جس طرح اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ زمین کے نیچے سے تم کو عذاب میں مبتلا کرے اسی طرح وہ اس پر بھی قادر ہے کہ زمین کے اوپر سے تم پر عذاب نازل کرے اور تیز ہوا کے ساتھ تم پر کنکریاں برسائے، اور پھر تم اپنا کوئی مدد گار بھی نہ پاسکو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یا تم اس سے بے خوف ہو گئے ہو کہ وہ تمہیں دوبارہ (سمندر کی سفر پر) بھیج دے، پھر تم پر تند و تیز ہواؤں کے جھکڑ بھیج دے اور تمہارے کفر کے باعث تم کو غرق کردے، پھر تم ہمارے خلاف کوئی چارہ جوئی کرنے والا نہ پاسکو○ (بنی اسرائیل: ۶۹)

جب ایک بار انسان کو اللہ تعالیٰ کسی مصیبت سے نجات دے دے تو اس کو چاہیے کہ وہ اللہ کا شکر ادا کرے اور دوبارہ ایسے برے کام نہ کرے جن کی وجہ سے اس پر وہ مصیبت آئی تھی اور اس بات سے بے خوف نہ ہو کہ اب دوبارہ اس پر وہ مصیبت نہیں آئے گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ہم نے اولاد آدم کو فضیلت دی اور ان کو خشکی اور سمندر کی سواریاں دیں اور ان کو طیب چیزوں سے رزق دیا، اور ان کو ہم نے اپنی مخلوق میں سے بہت سوں پر فضیلت دی ہے○ (بنی اسرائیل: ۷۰)

انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کی وجوہ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دیگر مخلوقات پر متعدد وجوہ سے فضیلت عطا فرمائی ہے۔ اس فضیلت کی تمام وجوہ کا ادراک تو بہت مشکل ہے تاہم مفسرین نے بعض اہم وجوہ ذکر فرمائی ہیں جن کا بیان درج ذیل ہے:

(۱) اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق میں سے صرف انسان کو اپنا نائب اور خلیفہ بنایا، واذ قال ربک للملئکة انی جاعل فی الارض خلیفة (البقرة: ۳۰)

(۲) اللہ تعالیٰ نے نوع انسان کے پہلے فرد کو فرشتوں سے زیادہ علم عطا فرمایا اور فرشتوں کو سجدہ کرایا (البقرہ: ۳۴-۳۱)

(۳) تمام مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے لفظ کن سے پیدا کیا اور انسان کو اپنے ہاتھوں سے بنایا، قرآن مجید میں ہے:

قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ۔ (ص: ۷۵)

فرمایا اے ابلیس! تجھے اس کو سجدہ کرنے سے کس نے منع کیا جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا، حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کو مارے تو چہرے سے اجتناب کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا ہے۔

(صحیح مسلم البر والصلة: ۱۱۵ (۲۶۱۲) الرقم المسلسل: ۶۵۳۲)

(۵) اللہ تعالیٰ نے انسان کو تمام مخلوق میں سب سے اچھی ہیئت پر پیدا کیا ہے قرآن مجید میں ہے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ○ (التین: ۴)

بے شک ہم نے انسان کو سب سے اچھی ساخت اور ہیئت پر پیدا کیا ہے۔

(۶) ہر مخلوق کھاتے وقت اپنا سر جھکا کر کھاتی ہے اور اپنے منہ کو کھانے تک لے جاتی ہے اور انسان سر اٹھا کر کھاتا ہے اور کھانے کو اٹھا کر اپنے منہ تک لے جاتا ہے۔

(۷) انسان کو اللہ تعالیٰ نے بلند قامت بنایا ہے وہ سیدھا کھڑا ہوتا ہے جب کہ باقی مخلوق جھک کر چلتی ہے یا زمین پر رینگتی

ہوئی چلتی ہے اور انسان سر اٹھا کر چلتا ہے۔

(۸) تمام مخلوق تین قسم کی قوتوں میں تقسیم ہے: (۱) قوت نشوونما (۲) قوت حواس اور قوت شہوانیہ (۳) قوت عقلیہ حکمیہ۔ نباتات یعنی درختوں، پودوں میں صرف قوت نشوونما ہے، حیوانوں میں صرف قوت حواس اور قوت شہوانیہ ہے اور فرشتوں میں صرف قوت عقلیہ حکمیہ ہے اور انسان میں اللہ تعالیٰ نے یہ تینوں قوتیں جمع کر دیں، اس میں قوت نشوونما بھی ہے اور قوت حواس اور قوت عقلیہ حکمیہ بھی، للہذا انسان تمام مخلوق سے افضل ہے۔

(۹) جانوروں کے جسم میں اگر کوئی درد یا تکلیف ہو تو وہ کسی کو بتا نہیں سکتے، اللہ تعالیٰ نے انسان کو ادراک اور اظہار کی قوت عطا کی ہے اس لیے وہ اپنا حال بھی بتا سکتا ہے اور دوسروں کا حال بھی بتا سکتا ہے۔

(۱۰) انسان کو اللہ تعالیٰ نے لکھنے اور پڑھنے کی صلاحیت عطا کی ہے وہ علوم و معارف پر مشتمل کتابیں لکھ سکتا ہے اور لکھی ہوئی چیزوں کو پڑھ بھی سکتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ○ اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ ○ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ ○ (العلق: ۵-۱)

اپنے رب کے نام سے پڑھیے جس نے پیدا کیا ○ جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا ○ آپ پڑھیے، آپ کا رب بہت کریم ہے ○ جس نے قلم کے ذریعہ سکھایا ○ جس نے انسان کو وہ سکھایا جس کو وہ نہیں جانتا تھا ○

انسان کی یہ فضیلت فرشتوں کے علاوہ باقی مخلوقات کی بہ نسبت ہے۔

(۱۱) اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو عناصر اربعہ سے بنایا ہے اور یہ چاروں عناصر انسان کی خدمت کے لیے مسخر کر دیے ہیں، یہ چار عناصر مٹی، ہوا، پانی اور آگ ہیں، مٹی کو انسان کے لیے فرش بنایا: جعل لکم الارض فراشا (البقرہ: ۲۲) ہوا کو اس لیے بنایا کہ انسان اس سے سانس لے سکے اور انسان کی بوئی ہوئی اناج کی فصلوں میں دانوں کو بھوسے سے الگ کر سکے، اور سمندری سفر میں اس کی بادبانی کشتیوں کو چلانے میں اپنا رول ادا کر سکے اور ہوائیں اس معمورہ سے بدبوؤں کو اڑا کر لے جاتی ہیں۔ اور پانی اس لیے بنایا کہ وہ انسان کے پینے کے کام آئے اور اس کی زراعت اور کھیتی باڑی کے کام آئے اور سمندروں کو مسخر کیا ان سے ہم تازہ ترین مچھلی خوراک کے لیے حاصل کرتے ہیں اور ان سے قیمتی موتی حاصل کرتے ہیں اور کشتیوں اور جہازوں کے ذریعہ سمندری سفر کرتے ہیں، اور اب سمندر سے تیل بھی حاصل کیا جاتا ہے، اور آگ ہمارے کھانوں کو پکانے کے کام آتی ہے اور اسی نوع سے ایندھن کو دوسری قسمیں ہیں، تیل اور گیس وغیرہ جن سے موٹریں، ٹرینیں اور ہوائی جہاز چلائے جاتے ہیں اور اسی نوع سے سورج اور چاند ہیں جن سے ہم روشنی، حرارت اور دیگر توانائیاں حاصل کرتے ہیں اور ان عناصر اربعہ کے مرکبات ہیں مثلاً معدنیات، سونا، چاندی، لوہا، تانبا اور پیتل وغیرہ غرض پوری کائنات کو اللہ تعالیٰ نے انسان کے فوائد اور منافع کے لیے مسخر کر دیا ہے۔

(۱۲) تمام موجودات میں سب سے اشرف، سب سے اعلیٰ اور سب سے اکبر اللہ تعالیٰ ہے، پھر وہ سب سے اشرف اور اعلیٰ ہے جو اللہ تعالیٰ سے زیادہ قریب ہو، اور اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ قریب انسان ہے، کیونکہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے اور دماغ میں اس پر ایمان ہے اور اس کی زبان پر اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے اور اس کے اعضاء اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مشغول ہیں، پس واجب ہوا کہ اس عالم میں اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ قریب انسان ہے اور اس کو یہ قرب اللہ تعالیٰ کے انعام اور احسان سے حاصل ہوا اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا بے شک ہم نے انسان کو فضیلت دی۔

(۱۳) اللہ تعالیٰ نے انسان کی فضیلت کی وجوہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: اور ان کو خشکی اور سمندر کی سواریاں دیں، یعنی اللہ تعالیٰ نے گھوڑوں، خچروں، گدھوں اور اونٹوں کو اس طرح مسخر کر دیا کہ انسان ان پر سواری کر سکے اور ان پر اپنا بوجھ لاد سکے اور سواریوں پر بیٹھ کر سفر کر سکے اور جہاد کر سکے اور کشتیوں اور بحری جہازوں پر بیٹھ کر تجارتی اور جنگی سفر کر سکے۔

(۱۴) نیز اللہ تعالیٰ نے انسان کی فضیلت کی وجوہ میں فرمایا: اور ان کو طیب چیزوں سے رزق دیا، کیونکہ انسان کی خوراک اور غذا یا زمینی پیداوار سے حاصل ہوتی ہے یا حیوانوں کے گوشت سے اور یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے مسخر کر دی ہیں۔

(۱۵) آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم نے اپنی مخلوق میں سے ان کو بہت چیزوں پر فضیلت دی ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ بعض چیزیں ایسی ہیں جن پر انسان کو فضیلت نہیں دی اور وہ فرشتے ہیں، بلکہ فرشتے انسان سے افضل ہیں۔

امام عبد الرحمن جوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

اس مسئلہ میں دو قول ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول ہے کہ انسان فرشتوں کے علاوہ تمام مخلوق سے افضل ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ انسان تمام مخلوق سے افضل ہے اور عرب اکثر اور کثیر کو جمع کی جگہ استعمال کرتے ہیں قرآن مجید میں ہے:

هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيَاطِينُ ○ تَنَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ ○ يُلْقُونَ السَّمْعَ وَأَكْثَرُهُمْ كَاذِبُونَ ○

کیا میں تم کو بتا دوں کہ شیاطین کس پر اترتے ہیں ○ وہ ہر جھوٹے گنہگار پر اترتے ہیں ○ وہ سنی سنائی باتیں پہنچاتے ہیں، اور ان میں سے اکثر جھوٹے ہیں ○

(الشعراء: ۲۲۳-۲۲۱)

ظاہر ہے یہاں اکثر کا اطلاق جمع پر کیا گیا ہے یعنی تمام شیاطین جھوٹے ہیں، اسی طرح زیر بحث آیت میں بھی کثیر کا اطلاق تمام مخلوق پر ہے یعنی انسان کو تمام مخلوق پر فضیلت دی ہے اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن اللہ عزوجل کے نزدیک ان فرشتوں سے زیادہ مکرم ہے جو اس کے نزدیک ہیں۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۴۷، شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۵۲)

(زاد المسیر ج ۵ ص ۶۵، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک ابن آدم سے زیادہ عزت والی کوئی چیز نہیں ہے، آپ سے پوچھا گیا فرشتے بھی نہیں؟ آپ نے فرمایا وہ تو سورج اور چاند کی طرح مجبور ہیں۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۵۴، ۱۵۳، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۸۲، حافظ ابن حجر نے کہا ہے یہ حدیثیں سنداً ضعیف ہیں۔ تخریج الکشاف رقم الحدیث: ۶۲۳)

اس مسئلہ میں تحقیق یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام رسل ملائکہ (یعنی حضرت جبرائیل، حضرت اسرافیل، اور حضرت عزرائیل اور حضرت میکائیل) سب سے افضل ہیں، اور رسل ملائکہ عام انسانوں سے افضل ہیں اور عام انسان یعنی نیک مسلمان عام فرشتوں سے افضل ہیں اور کفار اور فساق اور فجار سے عام فرشتے بھی افضل ہیں۔

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

رسل بشر، رسل ملائکہ سے افضل ہیں اور رسل ملائکہ عامۃ البشر سے افضل ہیں اور عامۃ البشر عامۃ الملائکہ سے

افضل ہیں۔

رسل ملائکہ کی عامتہ البشر پر فضیلت بالاجماع ہے بلکہ بالبداہتہ ہے اور رسل بشر کی رسل ملائکہ پر فضیلت اور عامتہ البشر کی عامتہ الملائکہ پر فضیلت حسب ذیل وجوہ سے ہے:

(۱) اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ حضرت آدم کو سجدہ تعظیم کریں؟ اور حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ ادنیٰ اعلیٰ کو سجدہ کرے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے فرمایا علم ادم الاسماء کلھا الایہ، اس سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی فرشتوں پر فضیلت اور علمی برتری ثابت کی ہے اور وہ علمی برتری کی وجہ سے تعظیم اور تکریم کے مستحق تھے۔

(۳) اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ بے شک اللہ نے تمام جہان کے لوگوں میں سے آدم اور نوح اور آل ابراھیم کو اور آل عمران کو منتخب فرمالیا۔

(آل عمران: ۳۳)

اس آیت سے واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان نبیوں کو تمام جہانوں پر فضیلت دی ہے اور ملائکہ بھی تمام جہانوں میں داخل ہیں لہٰذا ان پر بھی نبیوں کو فضیلت دی ہے۔

اور یہ بات مخفی نہ رہے کہ یہ مسئلہ ظنی ہے اور اس مسئلہ میں ظنی دلائل کافی ہیں۔

(۴) انسان میں شہوت اور غضب کے عوارض اور موانع ہیں اور اس کی طبعی حاجات ہیں جو اس کو علمی اور عملی کمالات اور عبادت اور ریاضت سے مانع ہوتی ہیں اور فرشتوں کو نہ بھوک و پیاس ہے نہ شہوت اور غضب کے عوارض ہیں اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور عبادت سے انہیں کوئی چیز مانع نہیں ہے تو ان کا موانع کے بغیر اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کرنا اتنا فضیلت کا موجب نہیں ہے جتنا انسان کا ان عوارض اور موانع کے باوجود اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کرنا باعث کمال ہے۔

معتزلہ کے نزدیک فرشتے، انبیاء سے افضل ہیں، ان کی دلیل یہ ہے قرآن مجید میں ہے:

عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى۔ (النجم: ۵۳) اسے شدید قوت والے فرشتہ نے تعلیم دی۔

اس سے ظاہر ہوا کہ فرشتہ معلم تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم متعلم تھے اور معلم متعلم سے افضل ہوتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ فرشتہ معلم نہیں ہے، معلم اللہ تعالیٰ ہے اور فرشتہ صرف مبلغ ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں جب فرشتوں اور انبیاء کا ذکر ہو تو پہلے فرشتوں کا ذکر ہوتا ہے پھر انبیاء کا اور یہ فرشتوں کی نبیوں پر فضیلت کی دلیل ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ان کا ذکر اس لیے ہے کہ وہ پہلے پیدا ہوئے تھے، افضلیت کی وجہ سے ان کا پہلے ذکر نہیں ہے۔ (شرح عقائد نسفی ص ۱۲۷۔۱۲۵، مطبوعہ کراچی)

يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۢ بِاِمَامِهِمْ ۚ فَمَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ

جس دن ہم تمام لوگوں کو ان کے امام کے ساتھ بلائیں گے، سو جن لوگوں کو ان کا اعمال نامہ ان کے دائیں ہاتھ

بِيَمِيْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝۷۱ وَمَنْ

میں دیا جائے گا وہ اپنے اعمال ناموں کو پڑھیں گے اور ان پر ایک دھاگے کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا ۝ اور جو شخص

كَانَ فِي هَٰذِهِ أَعْمَىٰ فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَىٰ وَأَضَلُّ سَبِيلًا ﴿٧٢﴾ وَ

اس دنیا میں اندھا رہے گا وہ آخرت میں بھی اندھا رہے گا اور (صحیح) راستے سے زیادہ بھٹکا ہوا ہوگا ○ اور

إِن كَادُوا لَيَفْتِنُونَكَ عَنِ الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا

قریب تھا کہ وہ آپ کو اس چیز سے لغزش دے دیتے جس کی ہم نے آپ کی طرف وحی فرمائی ہے تاکہ آپ اس (وحی) کے علاوہ کوئی اور

غَيْرَهُ ۖ وَإِذًا لَّاتَّخَذُوكَ خَلِيلًا ﴿٧٣﴾ وَلَوْلَا أَن ثَبَّتْنَاكَ لَقَدْ كِدتَّ

بات ہم پر گھڑ دیں اور تب یہ لوگ ضرور آپ کو اپنا دوست بنا لیتے ○ اور اگر (بالفرض) ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو قریب تھا کہ

تَرْكَنُ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا ﴿٧٤﴾ إِذًا لَّأَذَقْنَاكَ ضِعْفَ الْحَيَاةِ وَضِعْفَ

آپ ان کی طرف تھوڑا سا مائل ہو جاتے ○ تو اس وقت ہم آپ کو دنیا کی زندگی میں دگنا مزہ چکھاتے اور دگنا مزہ

الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيرًا ﴿٧٥﴾ وَإِن كَادُوا لَيَسْتَفِزُّونَكَ

موت کے وقت، پھر آپ ہمارے خلاف اپنا کوئی مددگار نہ پاتے ○ اور بے شک قریب تھا کہ وہ

مِنَ الْأَرْضِ لِيُخْرِجُوكَ مِنْهَا ۖ وَإِذًا لَّا يَلْبَثُونَ خِلَافَكَ إِلَّا

اس زمین سے آپ کے قدم ڈگمگا دیں تاکہ آپ کو اس سے باہر کر دیں، پھر یہ بھی آپ کے بعد بہت کم عرصہ

قَلِيلًا ﴿٧٦﴾ سُنَّةَ مَن قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِن رُّسُلِنَا ۖ وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا

ٹھیر پاتے ○ آپ سے پہلے جو ہم نے رسول بھیجے تھے ان کے لیے بھی یہی دستور تھا، اور آپ ہمارے دستور میں کوئی تبدیلی

تَحْوِيلًا ﴿٧٧﴾ ع أَقِمِ الصَّلَاةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلَىٰ غَسَقِ اللَّيْلِ وَ

نہیں پائیں گے ○ آپ سورج ڈھلنے سے لے کر رات کی تاریکی تک نماز قائم کریں، اور فجر کی نماز

قُرْآنَ الْفَجْرِ ۖ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا ﴿٧٨﴾ وَمِنَ اللَّيْلِ

قائم کریں، بے شک فجر کی نماز میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں ○ اور رات کے کچھ حصے میں

فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسَىٰ أَن يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا ﴿٧٩﴾

تہجد کی نماز پڑھیں، جو خصوصاً آپ کے لیے زیادہ ہے عنقریب آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز کرے گا ○

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ

اور آپ کہیے اے میرے رب! تو مجھے جہاں بھی داخل کرے مجھے سچائی کے راستہ میں داخل کرنا اور تو مجھے جہاں سے بھی باہر لائے سچائی کے

وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا ﴿۸۰﴾ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ

راستہ سے باہر لانا اور میرے لیے اپنے پاس سے وہ غلبہ عطا فرما جو میرا مددگار ہو ○ اور آپ کہیے حق آ گیا

وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿۸۱﴾ وَنُنَزِّلُ مِنَ

اور باطل نابود ہو گیا اور بے شک باطل تھا بھی نابود ہونے والا ○ اور ہم قرآن میں

الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۙ وَلَا یَزِیْدُ الظّٰلِمِیْنَ

وہ چیز نازل فرماتے ہیں جو مومنین کے لیے شفا اور رحمت ہے، اور ظالموں کے لیے سوا نقصان کے اور کچھ

اِلَّا خَسَارًا ﴿۸۲﴾ وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَ

زیادتی نہیں ہوتی ○ اور جب ہم انسان کو کوئی انعام دیتے ہیں تو وہ (بجائے شکر کے) منہ پھیر لیتا ہے اور پہلو تہی کرتا ہے، اور

اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ یَـُٔوْسًا ﴿۸۳﴾ قُلْ كُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاكِلَتِهٖ ؕ فَرَبُّكُمْ

جب اسے کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو مایوس ہو جاتا ہے ○ آپ کہیے کہ ہر شخص اپنے طریقہ اور مزاج کے مطابق عمل کرتا ہے، (لہٰذا اے

اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰی سَبِیْلًا ﴿۸۴﴾

مسلمانو!) تمہارا رب ہی خوب جانتا ہے کہ کون زیادہ ہدایت والے طریقہ پر ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جس دن ہم تمام لوگوں کو ان کے امام کے ساتھ بلائیں گے، سو جن لوگوں کو ان کا اعمال نامہ ان کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، وہ اپنے اعمال ناموں کو پڑھیں گے، اور ان پر ایک دھاگے کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا ○ (بنی اسرائیل: ۷۱)

قیامت کے دن ہر شخص کو اس کے امام کے ساتھ پکارا جائے گا، امام سے کیا مراد ہے؟

امام کا معنی ہے جس کی لوگ اقتداء کریں خواہ وہ لوگ ہدایت پر ہوں یا گمراہی پر، پس نبی اپنی امت کا امام ہے اور خلیفہ اپنی رعیت کا امام ہے اور قرآن عظیم مسلمانوں کا امام ہے اور مسجد کا امام وہ شخص ہے جو مسلمانوں کو نماز پڑھائے۔

اس آیت میں امام کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) ابو صالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ امام سے مراد عام ہے خواہ وہ امام ہدایت ہو یا امام ضلالت۔

(۲) عطیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا اس سے مراد ان کے اعمال ہیں۔
(۳) حضرت انس بن مالک نے کہا اس سے مراد ان کے نبی ہیں۔
(۴) عکرمہ نے کہا اس سے مراد ان کی کتاب ہے۔
پہلے قول کی بناء پر کہا جائے گا: اے موسیٰ کے متبعین! اے عیسیٰ کے متبعین! اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متبعین اور کہا جائے گا اے گمراہوں کے متبعین! اور دوسرے قول کی بنا پر کہا جائے گا: اے وہ لوگو! جنہوں نے فلاں فلاں کام کیے، اور تیسرے قول کی بناء پر کہا جائے گا: اے امت موسیٰ! اے امت عیسیٰ، اے امت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور چوتھے قول کی بناء پر کہا جائے گا: اے اہل التوراۃ، اے اہل الانجیل، اے اہل القرآن۔
(زاد المسیر ج ۵ ص ۶۵-۶۴ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

(۵) اس سے مراد ہر شخص کا اعمال نامہ ہے، اس کی تائید میں یہ حدیث ہے:
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ایک شخص کو بلایا جائے گا اور اس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور اس کا جسم ساٹھ ہاتھ کا کر دیا جائے گا، اور اس کا چہرہ سفید کر دیا جائے گا، اور اس کے سر پر چمکتے ہوئے موتیوں کا تاج پہنایا جائے گا، وہ اپنے اصحاب کے پاس جائے گا وہ اس کو دور سے دیکھ کر کہیں گے، اے اللہ! ہم کو بھی ایسا کر دے! اور ہم کو اس میں برکت دے، حتیٰ کہ وہ شخص ان کے پاس پہنچ کر کہے گا خوش خبری لو، تم میں سے ہر شخص کو یہ درجہ ملے گا! اور رہا کافر تو اس کا چہرہ سیاہ کر دیا جائے گا اور اس کا جسم حضرت آدم کی صورت کے مطابق ساٹھ ہاتھ کا کر دیا جائے گا، اور اس کو (ذلت کا) ایک تاج پہنایا جائے گا، اور اس کے اصحاب اس کو دور سے دیکھ کر کہیں گے، ہم اس کے شر سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں، اے اللہ اس کو ہمارے پاس نہ لانا جب وہ ان کے پاس آئے گا تو وہ کہیں گے اے اللہ! اس کو ذلیل کر وہ کہے گا اللہ تم کو دور کر دے تم میں سے ہر شخص کو یہ درجہ ملے گا۔
(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۳۶، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۳۴۹، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۶۱۴۴، المستدرک ج ۲ ص ۲۴۲، حلیۃ الاولیاء ج ۹ ص ۱۵)

علامہ ابو عبد اللہ مالکی قرطبی نے مزید چند اقوال کا ذکر کیا ہے:
(۶) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس سے ہر زمانہ کا امام مراد ہے، ہر شخص کو اپنے زمانہ کے امام کے ساتھ پکارا جائے گا، اور اپنے رب کی کتاب اور اپنے نبی کی سنت کے ساتھ، پس کہا جائے گا: آؤ اے ابراہیم کے متبعین، آؤ اے موسیٰ کے متبعین، آؤ اے عیسیٰ کے متبعین، آؤ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین، پس اہل حق اپنے اعمال نامے اپنے دائیں ہاتھوں میں لے کر کھڑے ہوں گے اور کہا جائے گا: اے شیطان کے متبعین آؤ، اے گمراہوں کے متبعین، امام ہدایت اور امام ضلالت۔

(اس حدیث کا کتب معتمدہ میں کوئی نام نشان نہیں ہے۔)

(۷) ابو عبیدہ نے کہا امام سے مراد ائمہ مذاہب ہیں، لوگوں کو اس امام کے ساتھ پکارا جائے گا جس کے مذہب کی وہ دنیا میں پیروی کرتے تھے، کہا جائے گا، اے حنفی! اے شافعی، اے معتزلی، اے قدری، وغیرہ وغیرہ۔
(۸) ابو سہیل نے کہا یہ کہا جائے گا روزہ دار کہاں ہیں، نمازی کہاں ہیں، دف بجانے والے کہاں ہیں، چغل خور کہاں ہیں۔

(۹) حضرت ابو ہریرہ نے کہا اہل الصدقہ کو صدقہ کے باب سے پکارا جائے گا اور اہل جہاد کو باب جہاد سے۔

(۱۰) محمد بن کعب نے کہا بامامہم کا معنی ہے بامھاتہم اور امام ام کی جمع ہے یعنی لوگوں کو ان کی ماؤں کے نام کے ساتھ بلایا جائے گا اور اس کی تین حکمتیں ہیں (ا) حضرت عیسیٰ کی وجہ سے (ب) حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے شرف کو ظاہر کرنے کے لیے (ج) اولاد الزنا کو رسوائی سے بچانے کے لیے۔

یہ قول اس حدیث صریح کے خلاف ہے:

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم قیامت کے دن اپنے ناموں اور اپنے آباء کے ناموں سے پکارے جاؤ گے تو اپنے اچھے نام رکھو۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۹۴۸ امام ابو داؤد نے کہا یہ حدیث مرسل ہے)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اولین اور آخرین کو جمع فرمائے گا اور ہر عہد شکن کے لیے ایک جھنڈا بلند کیا جائے گا پھر کہا جائے گا یہ فلاں بن فلاں کی عہد شکنی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۷۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۳۵)

یہ پوری بحث تبیان القرآن ج ۴ ص ۴۹۵ میں مذکور ہے۔

امام کی تفسیر میں صحیح محمل

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے کہا ان تمام اقوال میں ہمارے نزدیک صحیح قول یہ ہے کہ امام سے مراد ہے جس کی لوگ دنیا میں اقتداء کرتے تھے اور جس کی پیروی کرتے تھے کیونکہ عربی میں امام کا غالب استعمال اسی کے لیے ہوتا ہے جس کی اقتداء اور پیروی کی جائے اور جو لفظ جس معنی میں زیادہ مشہور ہو کلام اللہ کی توجیہ اسی کے مطابق کرنی چاہیے۔

(جامع البیان جز ۱۵ ص ۱۵۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

مصنف کے نزدیک امام کی وہی تفسیر صحیح ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہے امام سے مراد اعمال نامہ ہے، جس کو ہم نے سنن ترمذی کے حوالے سے بیان کر دیا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر کے بعد کسی قول کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو شخص اس دنیا میں اندھا رہے گا وہ آخرت میں بھی اندھا رہے گا اور (صحیح) راستے سے زیادہ بھٹکا ہوا ہو گا○ (بنی اسرائیل: ۷۲)

کافروں کا دنیا اور آخرت میں اندھا ہونا

اس آیت کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے تمام اشیاء کو پیدا کیا ہے جو شخص دنیا میں اس کی معرفت سے اندھا رہا وہ آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ کے اوصاف سے اندھا رہے گا۔

(۲) حسن نے کہا جو شخص دنیا میں اپنے کفر سے اندھا رہا وہ آخرت میں بھی اندھا رہے گا کیونکہ دنیا میں اس کی توبہ قبول ہو سکتی ہے آخرت میں اس کی توبہ قبول نہیں ہو سکتی۔

(۳) جو شخص دنیا میں اللہ تعالیٰ کی آیات سے اندھا رہا تو آخرت کی نشانیاں جو اس سے غیب ہیں وہ ان سے زیادہ اندھا ہو گا۔

(۴) ابن الانباری نے کہا جو شخص اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں سے دنیا میں اندھا رہا جن کو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے تمہارا رب وہ ہے جو سمندر میں کشتیوں کو چلاتا ہے وہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے زیادہ اندھا ہوگا۔

(۵) ابو بکر وراق نے کہا جو شخص دنیا میں اللہ تعالیٰ کی حجت میں اندھا رہا وہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی جنت سے اندھا رہے گا۔

(۶) عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا اللہ تعالیٰ نے ولقد کرمنا بنی آدم 'الایہ میں اپنی جن نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے جو انسان ان نعمتوں میں اللہ تعالیٰ کے حق کی معرفت میں اندھا رہا اور اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کیا تو وہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کے تقرب سے اندھا رہے گا۔

(۷) ابو علی فارسی نے کہا آخرت میں زیادہ اندھے ہونے کا معنی یہ ہے کہ دنیا میں اس کے اندھے پن سے نکلنے کی ایک راہ تھی کہ وہ دلائل سے غور و فکر کر کے حق کو قبول کر لیتا اور آخرت میں اس کے اندھے پن سے نکلنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

(۸) آخرت میں اندھے پن سے نہ نکلنے کا معنی یہ ہے کہ آخرت میں ثواب کے حصول اور عذاب سے بچنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔

(۹) ابن الانباری نے کہا آخرت میں اس کا اندھا پن اس لیے زیادہ ہوگا کہ دنیا میں اس کی گمراہی دن بہ دن بڑھتی گئی اور آخرت میں وہ ان تمام گمراہیوں کا مجموعہ اور مجسمہ ہوگا۔

(۱۰) جو شخص دنیا میں اللہ تعالیٰ کی معرفت سے اندھا رہا وہ آخرت میں جنت کے راستے سے اندھا رہے گا۔

(زاد المسیر ج ۵ ص ۶۶-۶۵ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

(۱۱) جو شخص دنیا میں بصیرت سے اندھا ہوگا وہ آخرت میں بصارت سے اندھا ہوگا:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ○ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ○ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ○ (طٰہٰ: ۱۲۶-۱۲۴)

جو میری یاد سے رُوگردانی کرے گا اس کی زندگی تنگی میں گزرے گی اور ہم اس کو قیامت کے دن اندھا کر کے اٹھائیں گے ○ وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا بنا کر کیوں اٹھایا حالانکہ میں تو دیکھنے والا تھا ○ فرمایا اسی طرح ہونا چاہیے تھا' تیرے پاس میری آیات آئیں تھیں تو نے ان کو بھلا دیا سو اسی طرح آج تجھ کو بھلا دیا جائے گا ○

وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ۭ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ○ (بنی اسرائیل: ۹۷)

ہم قیامت کے دن ان کو منہ کے بل اٹھائیں گے وہ اس وقت اندھے' گونگے اور بہرے ہوں گے' ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے' جب بھی وہ آگ بجھنے لگے گی ہم اس کو بھڑکا دیں گے ○

سو آخرت میں کافروں کا اندھا ہونا ان کی سزا میں بطور زیادتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور قریب تھا کہ وہ آپ کو اس چیز سے لغزش دے دیتے جس کی ہم نے آپ کی طرف وحی فرمائی ہے تاکہ آپ اس (وحی) کے علاوہ کوئی اور بات ہم پر گھڑ دیں اور تب یہ لوگ ضرور آپ کو اپنا دوست بنا لیتے ○ اور اگر (بالفرض) ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو قریب تھا کہ آپ ان کی طرف تھوڑا سا مائل ہو جاتے ○ تو اس وقت ہم آپ کو دنیا

کی زندگی میں دگنا مزہ چکھاتے اور دگنا مزہ موت کے وقت، پھر آپ ہمارے خلاف اپنا کوئی مددگار نہ پاتےO
(بنی اسرائیل: ۷۵-۷۳)

کفار کی فرمائشوں کے متعلق اقوال

ان آیات کے شان نزول میں حسب ذیل روایات ہیں:

(۱) عطا نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ثقیف کا وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہا: ہمیں ایک سال تک لات کی عبادت کرنے دیں اور ہماری وادی کو بھی اسی طرح حرم بنادیں جس طرح مکہ حرم ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کیا تو انہوں نے اپنے سوال پر بہت اصرار کیا اور کہا ہم یہ چاہتے ہیں کہ عرب والوں کو ہماری فضیلت کا علم ہو جائے، اگر آپ کو یہ خطرہ ہو کہ عرب کہیں گے کہ آپ نے ان کو وہ چیز دے دی جو ہمیں نہیں دی، تو آپ یہ کہیں کہ مجھے اللہ نے یہ حکم دیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی باتوں کا کوئی جواب نہیں دیا اور ان کے دلوں میں طمع آگئی۔

(۲) عطیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا ہمیں ایک سال کی مہلت دے دیں، پھر ہم اسلام لے آئیں گے اور اپنے بتوں کو توڑ دیں گے سو آپ کو انہیں مہلت دینے کا خیال آیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

(۳) قتادہ نے کہا ایک رات قریش نے خلوت میں آپ سے ملاقات کی صبح تک آپ سے باتیں کرتے رہے اور آپ کی بہت تعظیم و تکریم کرتے رہے، قریب تھا کہ آپ بعض چیزوں میں ان کی موافقت کر لیتے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو محفوظ رکھا۔

(۴) زجاج نے بیان کیا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا، ان غلاموں اور پس ماندہ طبقوں کے لوگوں کو اپنے پاس سے اٹھا دیجئے، ان سے بھیڑ بکریوں کی بو آتی ہے، تاکہ ہم آپ کے پاس بیٹھ سکیں اور آپ کی باتیں سن سکیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خیال آیا کہ ان کی بات مان لی جائے ہو سکتا ہے اس سے یہ لوگ مسلمان ہو جائیں۔
(زاد المسیر ج ۵ ص ۶۸-۶۷، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ثابت قدم رکھنے کی توجیہات

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر (بالفرض) ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو قریب تھا کہ آپ ان کی طرف تھوڑا سا مائل ہو جاتےO

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ آیت اس موقع کی ہے جب آپ نے ان کی باتوں کے جواب میں سکوت فرمایا، اور اللہ تعالیٰ آپ کی نیت کو خوب جاننے والا ہے۔

ابن الانباری نے کہا ظاہر میں یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل ہے اور باطن میں مشرکین کا فعل ہے اور اصل میں معنی اس طرح ہے کہ قریب تھا کہ وہ آپ کو اپنی طرف مائل کر لیتے، اور آپ کی طرف اپنی خواہشوں کو منسوب کر دیتے، جن کو آپ ناپسند کرتے تھے، اور جب التباس اور اشتباہ کا خطرہ نہ ہو تو فعل کو فاعل کے غیر کی طرف منسوب کر دیتے ہیں جیسے کوئی شخص دوسرے سے کہے لگتا ہے آج تو اپنے آپ کو قتل کر دے گا، اور اس کا ارادہ یہ ہوتا ہے، لگتا ہے آج تو ایسا کام کرے گا جس کی وجہ سے تیرا دشمن تجھے قتل کر دے گا۔ (زاد المسیر ج ۵ ص ۶۸، مطبوعہ بیروت)

القشیری نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کی موافقت کرنے کا بالکل خیال نہ تھا، اور اس آیت کا معنی یہ ہے

کہ اگر بالفرض آپ پر اللہ تعالیٰ کا فضل نہ ہوتا تو آپ ان کی موافقت کی طرف میلان کر لیتے، لیکن اللہ کا فضل آپ کے شامل حال رہا اور آپ نے ایسا بالکل نہیں کیا، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہیں لیکن اس آیت میں امت کے لیے یہ تعریض ہے اور ان کو یہ بتانا ہے کہ ان میں سے کوئی شخص مشرکین کے احکام کی طرف ہرگز مائل نہ ہو، پس نسبت آپ کی طرف ہے اور مراد آپ کی امت ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۱۰ ص ۲۶۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

آپ کو دگنا مزہ چکھانے کی توجیہات

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تو اس وقت ہم آپ کو دنیا کی زندگی میں دگنا مزہ چکھاتے اور دگنا مزہ موت کے وقت۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہیں لیکن اس آیت میں تعریض ہے اور آپ کی امت کو ڈرایا گیا ہے تاکہ مومنین میں سے کوئی شخص بھی اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کی شرائع میں کسی مشرک کی طرف مائل نہ ہو۔ (زاد المسیر ج ۷ ص ۶۹، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر بہ فرض محال آپ کفار کی خواہشوں کو مان لیتے اور ان کی طرف مائل ہونے کا ارادہ کر لیتے اور اس اقدام کی وجہ سے آپ اس عذاب سے دگنے عذاب کے مستحق ہوتے جو کسی مشرک کو دنیا کی زندگی میں اور آخرت کی زندگی میں دیا جاتا ہے، اور اس عذاب کو دگنا کرنے کا سبب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ بہت زیادہ نعمتیں عطا فرماتا ہے تو ان کے گناہ بھی بہت بڑے ہوں گے، اور ان گناہوں کی سزا بھی بہت بڑی ہوگی۔ اور اس کی نظیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ازواج مطہرات کو خطاب کر کے فرماتا ہے:

یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ مَنْ یَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ یُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَیْنِ (الاحزاب: ۳۰)

اے نبی کی بیویو! تم میں سے جو بھی کھلی بے حیائی کا ارتکاب کرے گی، اسے دہرا دہرا عذاب دیا جائے گا۔

منکرین عصمتِ انبیاء کے اعتراضات اور ان کے جوابات

ان آیتوں کی وجہ سے منکرین عصمت انبیاء علیہم السلام نے متعدد اعتراضات کیے ہیں ہم ان کے اعتراضات کو مع جوابات کے پیش کر رہے ہیں:

(۱) آیت: ۷۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھنے کے قریب تھے اور اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھنا بہت بڑا گناہ ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فتنہ میں مبتلا ہونے کے قریب تھے، عصمت کے خلاف تب ہوتا جب آپ فتنہ میں مبتلا ہو جاتے۔

(۲) آیت: ۷۴ کا معنی یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ آپ کو ثابت قدم نہ رکھتا اور آپ کی حفاظت نہ کرتا تو آپ مشرکین کے دین اور مذہب کی طرف مائل ہو جاتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عربی میں لولا کا معنی اس طرح ہوتا ہے کہ ایک چیز کی نفی کی بناء پر دوسری چیز کا ثبوت ہو، جیسے اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتے، عمر ہلاک نہیں ہوئے اس لیے کہ علی موجود تھے، اسی طرح اس آیت میں ہے اگر اللہ آپ کو ثابت قدم نہ رکھتا تو آپ ان کی طرف کچھ مائل ہو جاتے اور چونکہ اللہ نے آپ کو ثابت قدم رکھا اس لیے آپ ان کی طرف کچھ بھی مائل نہیں ہوئے۔

(۳) آیت: ۷۵ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت بڑے عذاب کی وعید سنائی ہے' اور اگر پہلے کوئی جرم نہ ہو تو عذاب کی وعید سنانا' مناسب نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ معصیت سے ڈرانا اور دھمکانا معصیت کے اقدام کو مستلزم نہیں ہوتا جیسا کہ حسب ذیل آیات میں ہے:

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۝ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ۝ (الحاقہ: ۴۴-۴۶)

اور اگر (بفرض محال) یہ ہم پر کوئی بات گھڑ لیتے ۝ تو ہم یقیناً ان کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے ۝ پھر ہم ان کی شہ رگ کاٹ دیتے ۝

لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ (الزمر: ۶۵)

اگر (بفرض محال) آپ نے شرک کیا تو آپ کا عمل ضائع ہو جائے گا۔

وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ (الاحزاب: ۴۸)

اور آپ کافروں اور منافقوں کی اطاعت نہ کریں۔

اللہ کی مدد سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ان آزمائشوں میں کامیابی

ان آیتوں میں ان مصائب اور آزمائشوں کی طرف اشارہ ہے جو کئی برسوں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش آرہے تھے' مشرکین مکہ سر توڑ کوشش کر رہے تھے کہ آپ کو دین اسلام کی دعوت سے باز رکھیں اور کسی نہ کسی طرح آپ کے استقلال اور عزم و ہمت میں کچھ لچک اور نرمی پیدا کریں' اور اگر آپ بالکل ان کے ہم نوا نہ ہوں تو کم از کم اتنا ہو جائے کہ آپ ان کے باطل خداؤں کی مذمت نہ کریں' اس مقصد کے لیے انہوں نے ہر قسم کے ہتھکنڈے استعمال کیے' آپ کو سیم و زر کے لالچ بھی دیے' عرب کی خوبصورت دوشیزاؤں کی پیش کش بھی کی' دھمکیاں بھی دیں' معاشی دباؤ بھی ڈالا' تین سال تک شعب ابو طالب میں محصور کر دیا اور باہر سے غلہ پہنچنے پر پابندی لگا دی' آپ اور آپ کے اصحاب پر ظلم و ستم کی انتہاء کر دی اور آپ کے ساتھ وہ سب کچھ کر ڈالا جو آپ کے عزم اور حوصلہ کو پست کرنے کے لیے کیا جا سکتا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان تمام امتحانوں میں آپ کو کامیاب اور سرخرو رکھا مشرکین طرح طرح کی ترغیبات سے آپ کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کر رہے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو ثابت قدم رکھا۔

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتا دیا ہے کہ کوئی انسان خواہ وہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو وہ صرف اپنی ذاتی طاقت کے بل بوتے پر باطل کی قوتوں سے مقابلہ نہیں کر سکتا' جب تک اللہ کی مدد اور اس کی توفیق شامل حال نہ ہو انسان کسی امتحان اور کسی آزمائش میں کامیاب نہیں ہو سکتا' یہ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا پختہ حوصلہ اور عزم و استقلال تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم باطل کے ان تمام طوفانوں کے سامنے حق و صداقت کے مسلک پر پہاڑ کی طرح جمے رہے اور کوئی بڑی سے بڑی آزمائش کا سیلاب بھی آپ کو اپنی جگہ سے سر مو ہٹا نہیں سکا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک قریب تھا کہ وہ اس زمین سے آپ کے قدم ڈگمگا دیں' تاکہ آپ کو اس سے باہر کر دیں' پھر یہ بھی آپ کے بعد بہت کم عرصہ ٹھہر پاتے ۝ آپ سے پہلے جو ہم نے رسول بھیجے تھے' ان کے لیے بھی یہی دستور تھا اور آپ ہمارے دستور میں کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے ۝ (بنی اسرائیل: ۷۷-۷۶)

فتح مکہ سے قرآن مجید کی پیش گوئی کا پورا ہونا

آیت: ۷۶ کی تفسیر میں دو قول ہیں قتادہ نے کہا یہ اہل مکہ تھے جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے نکالنے کا ارادہ

کیا اور اگر وہ ایسا کرتے تو پھر ان کو مہلت نہ دی جاتی، یعنی وہ بھی مکہ میں نہ رہ سکتے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو نکالنے سے روک دیا، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے خود آپ کو مکہ سے نکلنے کا حکم دیا۔

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ سے جانے کے بعد یہ بہت کم عرصہ مکہ میں رہ سکے، حتیٰ کہ جنگ بدر میں کافی مشرکین مارے گئے اور کافی قید ہو گئے پھر آٹھ سال بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کو فتح کر لیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا پھر یہ بھی بہت کم عرصہ مکہ میں ٹھہر پاتے، شروع میں تو یہ صرف ایک دھمکی معلوم ہوتی تھی، مگر تقریباً نو سال کے عرصہ کے بعد یہ پیش گوئی حرف بہ حرف صادق ہو گئی، اس سورت کے نازل ہونے کے ایک سال بعد ہی مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے ہجرت پر مجبور کر دیا اور اس کے آٹھ سال بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم فاتحانہ شان سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے اور پھر دو سال بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرما دیا کہ جزیرہ عرب میں کوئی مشرک اور بت پرست نہیں رہے گا اور سرزمین حجاز مشرکین کے وجود سے پاک کر دی گئی اور اب تک حرم کی حدود میں کوئی مشرک داخل نہیں ہو سکتا، مشرکین نے مکہ مکرمہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود گوارہ نہ کیا تھا لیکن اس کے کچھ عرصہ بعد آپ اور آپ کے پیروکار مکہ معظمہ پر قابض ہو گئے اور مشرکین کو قیامت تک کے لیے مکہ مکرمہ سے نکال دیا گیا اور یوں قرآن مجید کی یہ پیش گوئی نہایت آب و تاب سے پوری ہو گئی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کا اللہ تعالیٰ کے دستور کے موافق ہونا

اس آیت کی تفسیر میں دوسرا قول یہ ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی، تو یہود نے آپ سے حسد کیا اور انہیں آپ کا قرب ناگوار ہوا، انہوں نے آپ سے کہا اے: ابوالقاسم! انبیاء علیہم السلام تو صرف شام میں بھیجے گئے تھے اور وہی مقدس سرزمین ہے اور وہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مسکن ہے، اگر آپ شام چلے گئے تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور آپ کی پیروی کریں گے، اور ہمیں معلوم ہے کہ ملک شام جانے سے آپ کو صرف رومیوں کا خوف مانع ہے، اگر آپ واقعی اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کی رومیوں سے حفاظت کرے گا، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے چند میل دور تک روانہ ہوئے اور ذوالحلیفہ تک پہنچ گئے اور آپ کے اصحاب بھی وہاں جمع ہو گئے اور لوگوں نے دیکھا کہ آپ نے شام کی طرف جانے کا عزم کر لیا ہے کیونکہ آپ اس پر حریص تھے کہ لوگ اللہ تعالیٰ کے دین میں داخل ہو جائیں، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی اور آپ واپس مدینہ لوٹ آئے۔

پہلے قول کی تقدیر پر یہ آیت مکہ میں نازل ہوئی ہے اور دوسرے قول کی تقدیر پر یہ آیت مدنی ہے اور پہلا قول راجح ہے کیونکہ یہ سورت مکی ہے۔ اس آیت کے مکی ہونے پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس آیت میں فرمایا ہے: اور بے شک قریب تھا کہ وہ اس زمین سے آپ کے قدم ڈگمگا دیں تاکہ آپ کو اس سے نکال باہر کر دیں۔ اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اہل مکہ نے آپ کو مکہ سے نکالنے کا ارادہ کیا تھا لیکن وہ اس میں کامیاب نہیں ہوئے اور ایک اور آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے آپ کو مکہ سے باہر نکال دیا تھا:

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ ۚ اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ○ (محمد: ۱۳)	کتنی ہی ان بستیوں کو جو آپ کی اس بستی سے زیادہ طاقت ور تھیں جس نے آپ کو نکال باہر کیا تھا، ہم نے ان بستی والوں کو ہلاک کر دیا، اور ان کا کوئی مددگار نہ تھا۔

سورہ بنی اسرائیل کی زیر تفسیر آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین آپ کو مکہ سے نہیں نکال سکتے تھے' اور سورہ محمد کی اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے آپ کو مکہ سے نکال دیا تھا اور یہ واضح تعارض ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین کے نکالنے کی وجہ سے مکہ سے نہیں نکلے' بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مکہ سے ہجرت کرنے کا حکم دیا تھا آپ اس حکم کی تعمیل میں مکہ سے باہر آئے' اور سورہ محمد میں جو فرمایا ہے اس بستی نے یا اس بستی والوں نے آپ کو نکال دیا یہ اسناد ظاہری اور صوری اعتبار سے ہے' کیونکہ بظاہر مکہ کے مشرکین نے آپ کو نکالا تھا اور حقیقتاً آپ اللہ تعالیٰ کے حکم سے مکہ سے باہر آئے تھے اور اللہ تعالیٰ کی ہمیشہ یہی سنت رہی ہے کہ نبی کے وطن میں اس کے مخالفین اس کو وطن سے ہجرت پر مجبور کردیتے ہیں' پھر کچھ عرصہ بعد نبی فاتحانہ شان سے وطن لوٹتا ہے اور اس کے مخالفین کو شکست فاش ہو جاتی ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مصر سے مدین کی طرف ہجرت کی اور پھر مصر واپس آئے اور آپ کے دشمن فرعون اور قبطیوں کو شکست فاش ہوئی' اسی طرح آپ نے مکہ مکرمہ سے مدینہ ہجرت کی اور پھر فاتحانہ شان سے مکہ واپس آئے اور قیامت تک کے لیے مشرکین کا مکہ میں ٹھہرنا ممنوع ہوگیا۔ تمام انبیاء علیہم السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہی دستور رہا ہے کہ جس قوم نے اپنے نبیوں کو قتل یا جلاوطن کیا' پھر وہ قوم اپنے وطن میں زیادہ عرصہ نہ ٹھہر سکی' پھر یا تو وہ عذاب الٰہی میں ہلاک کردی گئی جیسے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم' یا اس کی دشمن قوم کو اس پر مسلط کردیا گیا جیسے بنی اسرائیل یا اس قوم کو خود اس نبی یا اس کے پیروکاروں نے مغلوب کردیا جیسے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار مکہ کو مغلوب کردیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ سورج ڈھلنے سے لے کر رات کی تاریکی تک نماز قائم کریں اور فجر کی نماز قائم کریں' بے شک فجر کی نماز میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں ○ اور رات کے کچھ حصہ میں تہجد کی نماز پڑھیں' جو خصوصاً آپ کے لیے زیادہ ہے' عنقریب آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز کرے گا ○ (بنی اسرائیل: ۷۹-۷۸)

دلوک کا معنی

علامہ راغب اصفہانی نے لکھا ہے کہ دلوک کا معنی ہے سورج کا غروب کی طرف مائل ہونا' دلوک کا لفظ دلک سے بنا ہے اس کا معنی ہے ہتھیلیوں کو ملنا' جب سورج نصف النہار پر ہوتا ہے تو لوگ ہتھیلیوں کو ماتھے پر رکھ کر سورج کی طرف دیکھتے ہیں۔ (المفردات ج ۱ ص ۲۲۹-۲۲۸' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

ابو عبیدہ نے کہا آفتاب کے نصف النہار سے زوال سے لے کر غروب کی طرف میلان تک کو دلوک کہتے ہیں' زجاج نے کہا نصف النہار سے میلان بھی دلوک ہے' اور غروب کی طرف میلان بھی دلوک ہے' الازہری نے کہا کلام عرب میں دلوک کا معنی زوال ہے' اسی لیے جب سورج نصف النہار سے زائل ہو اس کو بھی دلوک کہتے ہیں اور جب وہ افق سے زائل ہونے لگے اس کو بھی دلوک کہتے ہیں۔ (زاد المسیر ج ۵ ص ۷۲-۷۱)

پانچ نمازوں کی فرضیت

دلوک کی تفسیر میں مفسرین کے دو قول ہیں' حضرت ابن مسعود نے کہا اس سے مراد غروب آفتاب ہے' حضرت ابن عباس کا ایک قول بھی اسی طرح ہے' فرا' اور ابن قتیبہ کا بھی یہی قول ہے' مگر اس کے دلائل قوی نہیں ہیں۔

دوسرا قول یہ ہے کہ دلوک سے مراد سورج کا نصف النہار سے زائل ہونا ہے' یہ حضرت ابن عمر' حضرت ابو برزہ' حضرت ابو ہریرہ اور حسن' شعبی' سعید بن جبیر' ابو العالیہ' مجاہد' عطا' عبید بن عمیر' قتادہ' ضحاک' مقاتل اور الازہری کا قول

ہے۔

اس قول کی دلیل یہ ہے:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے منتخب کردہ اصحاب کی دعوت کی پھر سورج کے نصف النہار سے زوال کے وقت وہ باہر آئے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی باہر آئے اور فرمایا اے ابو بکر باہر آؤ اور وہ دلوک شمس کا وقت تھا۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس جبریل علیہ السلام دلوک شمس کے وقت آئے، جب سورج نصف النہار سے زائل ہو چکا تھا اور مجھے ظہر کی نماز پڑھائی۔

حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب سورج نصف النہار سے زائل ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز پڑھی اور یہ آیت تلاوت فرمائی: اقم الصلوۃ لدلوک الشمس۔

(جامع البیان جز ۱۵ ص ۱۷۲-۱۷۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ کی طرف مکتوب لکھا کہ ظہر کی نماز اس وقت پڑھو جب سورج نصف النہار سے زائل ہو جائے اور عصر کی نماز اس وقت پڑھو جب سورج صاف اور سفید ہو جائے اور ابھی پیلا نہ پڑا ہو، اور مغرب کی نماز اس وقت پڑھو جب سورج غروب ہو جائے اور عشاء کو اس وقت تک موخر کرو جب تک کہ تم کو نیند نہ آئی ہو۔ اور صبح کی نماز اس وقت پڑھو جب ستارے ظاہر ہوں اور ان کا جال بنا ہوا ہو۔

(موطا امام مالک رقم الحدیث: ۷، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ۱۴۲۰ھ)

الازہری نے کہا جب دلوک شمس سے مراد زوال شمس سے لے کر غروب آفتاب تک کا وقت ہو گا تو اس میں ظہر اور عصر داخل ہو گی، اس کے بعد فرمایا رات کے اندھیرے تک اس میں مغرب اور عشاء داخل ہیں پھر فرمایا و قرآن الفجر اس میں فجر کی نماز آ گئی، اس طرح یہ آیت پانچوں نمازوں کو شامل ہو گئی۔ (زاد المسیر ج ۴ ص ۷۲)

اوقات نماز کے متعلق احادیث اور مذاہب

غسق الیل کا معنی ہے رات کی سیاہی اور اس کا اندھیرا اور جب رات کی سیاہی اور اندھیرا چھا جائے تو پھر عشاء کا وقت شروع ہو جاتا ہے، اب ہم ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر کی نمازوں کے مستحب اوقات احادیث کی روشنی میں ذکر کر رہے ہیں:

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ جب آفتاب نصف النہار سے زائل ہو جائے تو ظہر کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور جب تک اصلی سایہ نکل کر ہر چیز کا سایہ ایک مثل تک رہے اس وقت تک ظہر کا وقت رہتا ہے، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد کا یہی نظریہ ہے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک دو مثل سائے تک ظہر کا وقت ہے، ائمہ ثلاثہ کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے بیت اللہ کے پاس جبریل نے دو دن نماز پڑھائی پہلے دن ظہر کی نماز اس وقت پڑھائی جب زوال کا سایہ تسمہ کے برابر تھا، پھر عصر کی نماز اس وقت پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ ایک مثل ہو گیا، پھر مغرب کی نماز اس وقت پڑھائی جب سورج غروب ہو گیا اور جب روزہ دار روزہ افطار کر لیتا ہے، پھر آپ نے عشاء کی نماز اس وقت پڑھائی جب شفق غائب ہو جاتی ہے (غروب آفتاب کے بعد کچھ دیر تک سفیدی رہتی ہے اس کو شفق کہتے ہیں) پھر صبح کی نماز اس وقت پڑھی جب فجر روشن ہو گئی اور جب روزہ دار کے لیے سحری کا وقت

ختم ہو جاتا ہے' اور آپ نے دوسرے دن ظہر کی نماز اس وقت پڑھی جب ہر چیز کا سایہ ایک مثل ہو گیا تھا جس وقت پہلے دن عصر کی نماز پڑھی تھی اور دوسرے دن عصر کی نماز اس وقت پڑھی جب ہر چیز کا سایہ دو مثل ہو گیا تھا' پھر مغرب اپنے اول وقت میں پڑھی اور عشاء اس وقت پڑھی جب تہائی رات گزر گئی اور دوسرے دن صبح اس وقت پڑھی جب سفیدی پھیل گئی' پھر جبریل نے میری طرف التفات کر کے کہا یا محمد! یہ آپ سے پہلے نبیوں کی نمازوں کا وقت ہے اور نماز کا وقت ان دو وقتوں کے درمیان ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث:۱۴۹' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث:۲۰۸۸' مصنف ابن ابی شیبہ ج۱ ص۳۱۷' مسند احمد ج۱ ص۳۳۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۳' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث:۲۷۵۰' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۰۷۵۲' المستدرک ج۱ ص۱۹۳' سنن کبریٰ ج۱ ص۳۶۵' شرح السنۃ رقم الحدیث:۳۴۸)

امام ابو حنیفہ کی طرف سے اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ امامت جبریل کی یہ حدیث بخاری اور مسلم میں بھی ہے۔ لیکن اس میں ایک مثل سائے کے وقت عصر پڑھنے کا ذکر نہیں ہے یہ الفاظ صرف ترمذی' ابوداؤد اور نسائی کی روایت میں ہیں' اور بخاری اور مسلم کی روایت ان کی روایت پر مقدم ہے' دوسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ دوسرے دن ایک مثل سایہ ہونے کے بعد اس وقت ظہر پڑھی جس وقت پہلے دن عصر پڑھی تھی اس لیے یہ حدیث ان احادیث سے منسوخ ہے جن میں ذکر ہے کہ عصر کا وقت ظہر کے بعد شروع ہوتا ہے حضرت عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وقت الظھر مالم یحضر العصر ظہر کا وقت اس وقت تک ہے جب تک عصر کا وقت شروع نہ ہو۔ (صحیح مسلم باب اوقات الصلوٰۃ الخمس:۱۷۲' ۶۰۹' ۱۳۶)

نیز قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا○ (النساء: ۱۰۳) بے شک نماز مومنوں پر مقررہ اوقات میں فرض کی گئی ہے۔

یعنی ہر نماز کا الگ الگ وقت ہے اور ایک نماز دوسری نماز کے وقت میں نہیں پڑھی جا سکتی سو یہ حدیث قرآن مجید کے خلاف ہے اس لیے لائق استدلال نہیں ہے۔

امام ابو حنیفہ کے موقف پر دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے' موذن نے اذان دینے کا ارادہ کیا' آپ نے فرمایا ٹھنڈا وقت ہونے دو' اس نے پھر اذان دینے کا ارادہ کیا' آپ نے فرمایا ٹھنڈا وقت ہونے دو' اس نے تیسری بار اذان دینے کا ارادہ کیا تو آپ نے فرمایا ٹھنڈا وقت ہونے دو حتیٰ کہ سایا ٹیلوں کے برابر ہو گیا' اور آپ نے فرمایا گرمی کی شدت جہنم کے سانس سے ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۳۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۰۱' سنن الترمذی رقم الحدیث:۱۵۸' مسند احمد رقم الحدیث:۲۴۵۵۷)

یہ حدیث دو وجہوں سے امام اعظم کے مسلک پر دلالت کرتی ہے اولاً یہ کہ آپ نے ایک مثل سائے کے بعد اذان دینے کی اجازت دی' اور نماز بہرحال اس کے کچھ دیر بعد پڑھی اس سے ثابت ہوا کہ ظہر کا وقت ایک مثل سائے کے بعد بھی رہتا ہے' ثانیاً اس وجہ سے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گرمی کی شدت ایک مثل سائے کے بعد کم ہوتی ہے اور متعدد احادیث صحیحہ سے ثابت ہے آپ نے فرمایا گرمیوں میں ظہر کو ٹھنڈے وقت میں پڑھو۔

دوسری حدیث یہ ہے:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زوال آفتاب کے بعد انسان کا سایہ اس کے طول کے برابر ہو جائے تو ظہر کا وقت ہوتا ہے جب تک عصر کا وقت نہ آجائے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۲(۶۱۲) ۱۳۶۰)

اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ ایک مثل سائے کے بعد ظہر کا وقت ختم نہیں ہوتا۔

اور تیسری حدیث یہ ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے، پہلی امتوں کی بہ نسبت تمہارا زمانہ عصر سے غروب آفتاب تک ہے، اہل تورات کو تورات دی گئی اور وہ ظہر تک عمل کرنے کے بعد تھک گئے انہیں ایک ایک قیراط دیا گیا، پھر اہل انجیل کو انجیل دی گئی انہوں نے عصر تک عمل کیا، پھر تھک گئے انہیں ایک ایک قیراط دیا گیا، پھر ہمیں قرآن دیا گیا اور ہم نے غروب آفتاب تک عمل کیا ہم کو دو دو قیراط دیئے گئے، تو تورات اور انجیل والوں نے اعتراض کیا: اے اللہ! تو نے ان کو دو دو قیراط دیئے اور ہم کو ایک ایک قیراط دیا حالانکہ ہم نے ان سے زیادہ کام کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا میں نے تمہاری اجرت سے کچھ کم کیا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں، فرمایا یہ میرا فضل ہے جسے چاہے زیادہ عطا کروں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۷، مسند احمد رقم الحدیث: ۴۵۰۸، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۰۵۶۵)

اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ اہل انجیل جنہوں نے ظہر سے عصر تک کام کیا تھا ان کے کام کا وقت مسلمانوں کے کام کے وقت کی بہ نسبت زیادہ تھا کیونکہ مسلمانوں نے عصر سے مغرب تک کام کیا تھا، اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے، جب ظہر کا وقت دو مثل سائے تک ہو، تب ظہر کا وقت عصر سے زیادہ ہو گا اور اگر ظہر کا وقت ایک مثل سائے تک ہو تو عصر کا وقت ظہر کے برابر یا زیادہ ہو جائے گا۔

عصر کا وقت بھی اسی اختلاف پر متفرع ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک عصر کا وقت ایک مثل سائے سے شروع ہو گا اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک دو مثل سائے سے شروع ہو گا۔

اور مغرب کا وقت سب کے نزدیک غروب آفتاب کے بعد شروع ہو گا اور شفق کی سفیدی غائب ہونے تک رہے گا جب بالکل اندھیرا پھیل جائے اور یہ وقت ہر موسم میں ایک گھنٹہ اٹھارہ منٹ تک رہتا ہے، ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک شفق سے مراد وہ سرخی ہے جو غروب آفتاب کے بعد افق پر دکھائی دیتی ہے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس سرخی کے غائب ہونے کے بعد سفیدی چھا جاتی ہے اور شفق سے مراد یہ سفیدی ہے اور جب یہ سفیدی بھی غائب ہو جائے اور بالکل اندھیرا چھا جائے تو پھر عشاء کا وقت ہوتا ہے۔

عشاء کے وقت کی ابتداء اسی اختلاف پر مبنی ہے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک سرخی غائب ہونے کے بعد عشاء کا وقت شروع ہوتا ہے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک غروب آفتاب کے بعد سرخی ظاہر ہوتی ہے اور اس کے بعد سفیدی پھیلتی ہے اور اس کے غائب ہونے کے بعد عشاء کے وقت کی ابتداء ہوتی ہے، اور عشاء کا مستحب وقت آدھی رات تک ہے اور عشاء پڑھنے کا جواز طلوع فجر تک ہے۔

فجر کی نماز کا وقت اس وقت شروع ہوتا ہے جب فجر صادق طلوع ہوتی ہے اور سحری کھانے کا وقت ختم ہو جاتا ہے اور

طلوع آفتاب تک فجر کی نماز کا وقت رہتا ہے، جبریل نے دوسرے دن آپ کو اس وقت نماز پڑھائی تھی جب خوب سفیدی پھیل گئی تھی امام ابو حنیفہ کے نزدیک اسی وقت فجر کی نماز پڑھنا مستحب ہے اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اول وقت میں صبح کی نماز پڑھنا مستحب ہے، امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ حدیث ہے حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ صبح کی نماز کو سفیدی میں پڑھو اس سے بہت زیادہ اجر ملتا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۵۴، مسند حمیدی رقم الحدیث: ۴۰۹، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۲۱، مسند احمد ج ۳ ص ۴۶۵، سنن الدارمی رقم الحدیث: ۱۲۲۰، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۲۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۶۷۲، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۴۸۹، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۴۲۸۵)

اس آیت میں فرمایا ہے آپ فجر کی نماز پڑھیں بے شک فجر کی نماز میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں، حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے پاس رات کے اور دن کے فرشتے باری باری آتے ہیں اور فجر اور عصر کی نماز میں جمع ہو جاتے ہیں، پھر رات کے فرشتے اللہ کے پاس پہنچتے ہیں، اللہ ان سے سوال کرتا ہے حالانکہ اللہ کو ان کا خوب علم ہوتا ہے، فرماتا ہے تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا، فرشتے کہتے ہیں ہم ان کو نماز پڑھتا ہوا چھوڑ کر آئے تھے اور جب ہم ان کے پاس گئے وہ اس وقت بھی نماز پڑھ رہے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۵، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۳۲، سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۸۷-۴۸۶، السنن الکبری للنسائی رقم الحدیث: ۷۷۶۰)

تہجد کا معنی

آیت: ۷۹ میں فرمایا ہے اور آپ رات کے کچھ حصہ میں تہجد کی نماز پڑھیں۔

ابن قتیبہ نے کہا تھجدت کا معنی ہے میں بیدار رہا، ھجد کا معنی ہے سونا اور باب تفعل کا خاصہ ہے سلب ماخذ اس لیے تہجد کا معنی ہے نیند کو زائل کرنا، اگر انسان رات کو جاگ رہا ہو اور پھر نماز پڑھے تو یہ تہجد نہیں ہوگی، نیند سے اٹھ کر نماز پڑھے تو تہجد ہوگی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور آپ رات کے کچھ حصہ میں تہجد کی نماز پڑھیں، اس کا معنی یہ ہے کہ اگر انسان ساری رات جاگ کر نفل پڑھتا رہے تو وہ تہجد نہیں ہے، تہجد کی نماز تب ہوگی جب وہ عشاء پڑھ کر سو جائے، پھر تہجد کے لیے بیدار ہو اور نماز پڑھے۔

تہجد کی رکعات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہ شمول وتر تہجد کی مختلف رکعات مروی ہیں، امام بخاری نے حضرت عائشہ سے سات اور نو رکعات کو روایت کیا ہے، خالد بن زید نے گیارہ رکعات کو بیان کیا ہے، اور امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آپ نے تہجد کی تیرہ رکعات پڑھیں اور طلوع فجر کے بعد دو رکعت سنت فجر پڑھیں، ان مختلف روایات میں تطبیق یہ ہے کہ آپ نے اوائل عمر میں زیادہ رکعات پڑھیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب آپ سن رسیدہ ہو گئے تو رات کو سات رکعات پڑھتے تھے۔ اور اس میں حکمت یہ ہے کہ امت کے لیے توسع اور آسانی ہو اور جو شخص اپنی قوت، حالت اور وقت کی گنجائش کے اعتبار سے ان رکعات میں سے جتنی رکعات پڑھے گا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو پالے گا بہرحال آپ نے بشمول وتر تہجد کی کم سے کم سات رکعات پڑھی ہیں اور زیادہ سے زیادہ تیرہ رکعات پڑھیں ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور امت دونوں کے لیے تہجد نفل ہے لیکن نفل کی حیثیت میں فرق ہے

امام عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے آپ رات کے کچھ حصہ میں تہجد کی نماز پڑھیں جو خصوصاً آپ کے لیے نفل ہے۔

لغت میں نفل کا معنی ہے جو اصل پر زائد ہو، اور تہجد کے زائد ہونے کے متعلق دو قول ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس اور سعید بن جبیر نے کہا ہے کہ آپ پر جو نمازیں فرض تھیں یہ ان پر زائد ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ تہجد کی نماز آپ پر فرض ہے اور آپ پر رات میں قیام کرنا فرض کر دیا گیا تھا۔

(۲) ابو امامہ، حسن اور مجاہد نے کہا: تہجد کی نماز فرض پر زائد ہے اور خود فرض نہیں ہے، اور یہ صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نفل ہے، مجاہد نے کہا چونکہ آپ اپنی اگلی اور پچھلی زندگی میں مغفور ہیں تو جو چیز بھی آپ کے فرائض پر زائد ہو وہ آپ کے لیے نفل اور فضیلت ہے اور آپ کے غیر کے لیے گناہوں کا کفارہ ہے۔

بعض اہل علم نے کہا کہ تہجد کی نماز ابتداء میں آپ پر فرض تھی، پھر آپ کو اس کے ترک میں رخصت دی گئی اور تہجد کی نماز آپ کے لیے نفل ہوگئی، ابن الانباری نے اس میں دو قول ذکر کیے ہیں۔

(۱) مجاہد نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب نفل پڑھتے تھے تو اس لیے نہیں پڑھتے تھے کہ نوافل سے آپ کی مغفرت ہوگی، کیونکہ آپ کی مغفرت کلی کا تو پہلے ہی اعلان ہو چکا ہے، جب کہ آپ کا غیر جب نفل پڑھتا ہے تو وہ یہ امید رکھتا ہے کہ ان نوافل سے اس کے گناہ مٹ جائیں گے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نوافل حاجت سے زیادہ ہیں اور آپ کے غیر کے لیے نوافل اس کی حاجت کے مطابق ہیں، کیونکہ اس کو اپنے گناہوں کی مغفرت کی حاجت ہے اور وہ ان نوافل سے عذاب کے دور ہونے کی توقع رکھتا ہے۔

(۲) آپ کی امت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کے لیے تہجد نفل ہے، اس آیت میں ہر چند کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے لیکن اس خطاب میں آپ کی امت بھی داخل ہے، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تہجد اس لیے نفل ہے کہ اس سے آپ کے درجات بلند ہوں اور اللہ کے ساتھ آپ کے قرب میں اضافہ ہو اور آپ جو استغفار فرماتے ہیں اس کا بھی یہی محمل ہے، اور امت کے لیے تہجد اس لیے نفل ہے کہ تہجد کے ذریعہ ان کے گناہ معاف ہوں۔

(زاد المسیر ج ۵ ص ۷۷-۷۶، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

امام فخرالدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: تہجد کی نماز خصوصیت سے آپ کے لیے زائد (نفل) ہے، اس کی توجیہ میں مجاہد نے خوبصورت بات کہی ہے: اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اگلے پچھلے خلاف اولیٰ کاموں کی مغفرت فرما دی ہے، اس لیے آپ فرائض کے علاوہ جو بھی عبادت کرتے ہیں وہ گناہوں کے مٹانے کے لیے نہیں ہوتیں (کیونکہ اول تو آپ نے کوئی گناہ نہیں کیا کیونکہ آپ معصوم ہیں اور امت کی تبلیغ اور تشریع کے لیے اور اعمال میں ان کے لیے نمونہ فراہم کرنے کے لیے آپ نے بعض اوقات جو بظاہر خلاف اولیٰ کام کیے اللہ تعالیٰ نے ان کی بھی مغفرت فرما دی ہم نے ان کاموں کو بظاہر خلاف اولیٰ کہا ہے اس لیے کہ یہ کام حقیقت میں فرائض نبوت سے ہیں، مثلاً ایک موقع پر آپ نے کھڑے ہو کر پانی پیا یہ بظاہر خلاف اولیٰ ہے لیکن حقیقت میں فرائض نبوت سے ہے کیونکہ آپ کا مقصد یہ بتانا تھا کہ کھڑے ہو کر پانی پینا بھی جائز ہے سو ان کاموں میں بھی آپ کو فرائض کا اجر ملے گا، ہمارے حق میں یہ خلاف اولیٰ ہیں اور آپ کے حق میں فرائض نبوت میں سے

ہیں) تو امام رازی فرماتے ہیں آپ کا نوافل پڑھنا تکفیر ذنوب کے لیے نہیں ہے بلکہ درجات میں زیادتی اور کثرت ثواب کے لیے ہے' اس وجہ سے نوافل آپ کے حق میں زائد ہیں' اس کے برخلاف امت کے گناہ ہیں اور انہیں ان گناہوں کے کفارہ کی احتیاج ہے' اس سے معلوم ہوا کہ تہجد اور اس نوع کی دیگر عبادات صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نوافل اور زوائد ہیں اور آپ کے غیر کے حق میں نفل اور زائد نہیں ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تہجد خصوصاً آپ کے لیے نفل ہے۔ علامہ آلوسی نے بھی یہی لکھا ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۳۸۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ' روح المعانی جز ۱۵ ص ۲۰۱) علامہ بدر الدین عینی اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی یہی لکھا ہے (عمدۃ القاری ج ۷ ص ۱۶۵' فتح الباری ج ۳ ص ۳)

یہ کہنا صحیح نہیں کہ آپ پر تہجد فرض ہے

بعض علماء نے اس آیت کا یہ معنی بیان کیا کہ آپ پر باقی پانچ نمازوں کے علاوہ تہجد کی نماز زائد فرض ہے اور یہ صرف آپ کی خصوصیت ہے یعنی باقی امت پر تہجد کی نماز فرض نہیں ہے۔

علامہ قرطبی فرماتے ہیں یہ تاویل دو وجہ سے بعید ہے اولاً اس لیے کہ فرض پر نفل کا اطلاق صحیح نہیں ہے اور اگر یہ اطلاق مجازاً ہو تو بلا ضرورت ہے' دوسری وجہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے بندوں پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں' (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۴۲۰' مسند احمد ج ۵ ص ۳۱۵) اور حدیث قدسی میں ہے: (اللہ تعالیٰ نے فرمایا) یہ (عدداً) پانچ نمازیں ہیں اور (اجراً) پچاس نمازیں ہیں اور میرے قول میں تبدیلی نہیں ہوتی (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۳) ان حدیثوں میں یہ تصریح ہے کہ صرف پانچ نمازیں فرض ہیں تو پانچ نمازوں پر ایک زائد نماز کیسے فرض ہو سکتی ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۱۰ ص ۲۷۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے پھر تہجد کی فرضیت پانچ نمازوں کی فرضیت سے منسوخ کر دی گئی۔

(فتح الباری ج ۳ ص ۲۴' مطبوعہ لاہور' ۱۴۰۱ھ)

حافظ بدر الدین عینی فرماتے ہیں: پہلے رات کو قیام کرنا فرض تھا' اور جب پانچ نمازیں فرض ہو گئیں تو تہجد کی فرضیت منسوخ ہو گئی' جیسے زکوٰۃ کی فرضیت کے بعد ہر قسم کے صدقہ کی فرضیت کو منسوخ کر دیا گیا اور ماہ رمضان کے روزوں نے ہر قسم کے روزوں کی فرضیت کو منسوخ کر دیا۔ (عمدۃ القاری ج ۷ ص ۱۸۹' مطبوعہ مصر' ۱۳۴۸ھ)

اس مسئلہ کی زیادہ تفصیل اور تحقیق ہم نے شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۷۴-۴۰۷ میں کی ہے' وہاں بھی مطالعہ فرمائیں۔

مقام محمود کی تحقیق

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: عنقریب آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز کرے گا۔

مقام محمود کی تفسیر میں چار قول ذکر کیے گئے ہیں: (۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شفاعت کبریٰ عطا فرمانا (۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حمد کا جھنڈا عطا فرمانا (۳) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دوزخ سے مسلمانوں کو نکالنے کے لیے شفاعت کا اذن عطا فرمانا (۴) اللہ تعالیٰ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ عرش پر بٹھانا (یہ قول مخدوش ہے)۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۰ ص ۲۸۰-۲۷۶)

شفاعت کبریٰ کے متعلق احادیث

شفاعت کبریٰ سے مراد وہ شفاعت ہے جو سب سے پہلی شفاعت ہو گی کہ اللہ تعالیٰ محشر والوں کا حساب شروع کرے'

اس دن اللہ تعالیٰ اس قدر جلال میں ہو گا کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے کلام کرنے کی جرأت نہیں کرے گا سب خوف زدہ ہوں گے اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم عرش کے نیچے اللہ تعالیٰ کو سجدہ کریں گے اور پھر اللہ تعالیٰ آپ کو اذن شفاعت دے گا یہی مقام محمود ہے کہ جو کام کوئی نہ کر سکے گا آپ قیامت کے دن وہ کام کریں گے اور تمام اولین اور آخرین آپ کی تعریف اور تحسین کریں گے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ قیامت کے دن لوگ مختلف گروہوں میں بٹ جائیں گے، ہر گروہ اپنے نبی کی پیروی کرے گا' وہ کہیں گے اے فلاں شفاعت کیجئے، حتیٰ کہ شفاعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے گی، یہ وہ دن ہے جب اللہ تعالیٰ آپ کو مقام محمود پر فائز کرے گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۱۸، سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۵۸۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے متعلق سوال کیا گیا: عسی ان یبعثک ربک مقاما محمودا○ آپ نے فرمایا یہ شفاعت ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۳۷، مسند احمد ج ۲ ص ۴۴۱، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۵ ص ۴۸۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے متعلق پوچھا گیا: عسی ان یبعثک ربک مقاما محمودا○ آپ نے فرمایا یہ وہ مقام ہے جس میں، میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا۔

(مسند احمد رقم الحدیث: ۹۶۹۰، طبع دار الفکر، جامع البیان رقم الحدیث: ۱۷۰۷۰)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن سورج قریب آجائے گا حتیٰ کہ لوگوں کے آدھے کانوں تک پسینہ پہنچ جائے گا' وہ اسی حال میں ہوں گے پھر حضرت آدم سے فریاد کریں گے، پھر حضرت موسیٰ سے، پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے، پھر آپ شفاعت کریں گے تاکہ مخلوق کے درمیان فیصلہ کیا جائے، پھر آپ جا کر جنت کے دروازے کے حلقے کو پکڑ لیں گے پس اس وقت اللہ تعالیٰ آپ کو مقام محمود پر فائز کرے گا اور تمام اہل محشر آپ کی تعریف اور تحسین کریں گے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۷۵، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۴۰، سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۵۸۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قیامت کے دن لوگ دریا کی موجوں کی طرح بے قرار ہوں گے، پھر وہ حضرت آدم کے پاس جائیں گے اور کہیں گے کہ آپ ہمارے لیے اپنے رب سے شفاعت کیجئے' وہ کہیں گے کہ میں اس کے لیے نہیں ہوں، لیکن تم حضرت ابراہیم کے پاس جاؤ وہ خلیل الرحمن ہیں پھر لوگ حضرت ابراہیم کے پاس جائیں گے، وہ کہیں گے کہ میں اس کے لیے نہیں ہوں، لیکن تم حضرت موسیٰ کے پاس جاؤ وہ اللہ کے کلیم ہیں، پھر لوگ حضرت موسیٰ کے پاس جائیں گے وہ کہیں گے کہ میں اس کے لیے نہیں ہوں، لیکن تم حضرت عیسیٰ کے پاس جاؤ وہ اللہ کی پسندیدہ روح اور اس کا کلمہ ہیں پھر لوگ حضرت عیسیٰ کے پاس جائیں گے وہ کہیں گے کہ میں اس کے لیے نہیں ہوں لیکن تم پر لازم ہے کہ تم (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاؤ' پھر وہ میرے پاس آئیں گے پس میں کہوں گا کہ میں اس کے لیے ہوں، پھر میں اپنے رب سے اجازت طلب کروں گا تو میرے لیے اجازت دی جائے گی اور میرے دل میں اللہ تعالیٰ کی حمد سے ایسے کلمات ڈالے جائیں گے جو اس وقت مجھے مستحضر نہیں ہیں اور میں ان کلمات سے اللہ تعالیٰ کی حمد کروں گا' اور اللہ کے لیے سجدہ میں گر جاؤں گا پھر کہا جائے گا اے محمد! اپنا سر اٹھائیے، آپ کہیے آپ کی بات سنی جائے گی اور سوال کیجئے آپ کو دیا جائے گا اور آپ شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی، میں کہوں گا اے میرے رب! میری امت، میری امت، آپ سے کہا جائے گا آپ جائیے اور دوزخ سے ان کو نکال لیجئے جن کے دل میں ایک جو کے برابر بھی ایمان ہو، پس میں جاؤں گا اور اسی

طرح کروں گا، پھر میں واپس آکر ان ہی کلمات سے اللہ تعالیٰ کی حمد کروں گا، اور پھر اللہ کے حضور سجدہ میں گر جاؤں گا، پھر کہا جائے گا اے محمد! اپنا سر اٹھایئے اور کہیے آپ کی بات سنی جائے گی اور سوال کیجئے آپ کو عطا کیا جائے گا اور شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی، میں کہوں گا اے میرے رب! میری امت! میری امت! پھر کہا جائے گا آپ جایئے اور جس کے دل میں ایک جو یا رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہو اس کو دوزخ سے نکال لیجئے، پھر میں سہ بارہ آکر ان ہی کلمات سے اللہ تعالیٰ کی حمد کروں گا، پھر اس کے لیے سجدہ میں گر جاؤں گا، پھر کہا جائے گا، اے محمد اپنا سر اٹھایئے اور کہیے آپ کی بات سنی جائے گی، آپ سوال کیجئے آپ کو دیا جائے گا، آپ شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی، پس میں کہوں گا اے میرے رب! میری امت! میری امت! پس اللہ فرمائے گا آپ جایئے جس کے دل میں ادنیٰ، ادنیٰ، ادنیٰ رائی کے درجہ کے برابر بھی ایمان ہو اس کو دوزخ سے نکال لیجئے پس میں جاؤں گا اور ایسا کروں گا، پھر میں چوتھی بار جاؤں گا اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کی حمد کروں گا، پھر اللہ کے لیے سجدہ میں گر جاؤں گا پس کہا جائے گا اے محمد! اپنا سر اٹھایئے اور کہیے سنا جائے گا اور سوال کیجئے آپ کو دیا جائے گا اور شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی، میں کہوں گا اے میرے رب مجھے اس شخص کے لیے اجازت دیجئے جس شخص نے لا الہ الا اللہ پڑھا ہو پس وہ فرمائے گا میری عزت اور میرے جلال اور میری کبریائی اور میری عظمت کی قسم! جس شخص نے لا الہ الا اللہ پڑھا ہو میں اس شخص کو دوزخ سے نکال لوں گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۵۱۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۳، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۲۴۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۱۲)

قیامت کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی اقسام

نقاش نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین قسم کی شفاعت کریں گے: ایک شفاعت کبریٰ ہے، دوسری دخول جنت کے لیے شفاعت کریں گے اور تیسری گناہ کبیرہ کرنے والوں کے لیے شفاعت کریں گے، اور ابن عطیہ نے کہا مشہور صرف دو قسمیں ہیں شفاعت عامہ اور گنہگاروں کو دوزخ سے نکالنے کے لیے شفاعت اور یہ شفاعت دیگر انبیاء علیہم السلام کے علاوہ علماء بھی کریں گے۔

قاضی عیاض نے کہا قیامت کے دن ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت پانچ قسم کی ہوگی: (۱) شفاعت عامہ (۲) ایک گروہ کو بغیر حساب کے جنت میں داخل کرنے کے لیے شفاعت (۳) آپ کی امت میں سے جو لوگ اپنے گناہوں کی وجہ سے دوزخ کے مستحق تھے پھر ان کے لیے اور جن کے لیے اللہ تعالیٰ چاہے گا نبی صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت کریں گے اور وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ (۴) جو گنہگار دوزخ میں داخل ہو چکے تھے پھر وہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام، ملائکہ اور بعض نیک مسلمانوں کی شفاعت سے دوزخ سے نکال دیئے جائیں گے (۵) اہل جنت کے درجات میں اضافہ کے لیے شفاعت فرمائیں گے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۰ص ۲۷۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حضرت جابر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اذان سننے کے بعد یہ دعا کی کہ اس دعوت کامل اور اس کے بعد کھڑی ہونے والی نماز کے رب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت میں بلند درجہ اور فضیلت عطا فرما اور ان کو اس مقام محمود پر فائز فرما جس کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے تو اس کے حق میں میری شفاعت واجب ہو جائے گی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۱۹)

قیامت کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حمد کا جھنڈا عطا کیا جانا

مقام محمود کا دوسرا معنی یہ ہے کہ آپ کو قیامت کے دن حمد کا جھنڈا عطا کیا جائے گا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں قیامت کے دن تمام اولاد آدم کا سردار ہوں گا اور فخر نہیں' اور میرے ہی ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا اور فخر نہیں' الحدیث۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۴۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۰۸' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۶۷۳' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۴۷۵' المستدرک ج ۲ ص ۳۵۹' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۳۶۴' مسند حمیدی رقم الحدیث: ۸۴۴' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۴۶۰' مسند احمد ج ۵ ص ۳۸۷)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے دوزخ سے مسلمانوں کو نکالا جانا

یہ مقام محمود کا تیسرا معنی ہے' اور اس کے متعلق ہم شفاعت کبریٰ کے زیر عنوان احادیث ذکر کر چکے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عرش پر اپنے ساتھ بٹھانا

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

مجاہد نے یہ روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ عرش پر بٹھائے گا' اس کو امام ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے روایت کیا ہے: (جامع البیان جز ۱۵ ص ۱۸۳) اس کی تاویل محال نہیں ہے' کیونکہ تمام چیزوں کو پیدا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ عرش پر بذاتہٖ قائم تھا' پھر اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں کو پیدا کیا' اور اسے ان کو پیدا کرنے کی ضرورت نہیں تھی بلکہ وہ اپنی قدرت کا اظہار کرنا چاہتا تھا' اور اس میں حکمت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو' اس کی توحید کو' اس کی قدرت اور اس کے کمال کو اور اس کے تمام افعال محکمہ کو پہچانا جائے' اور اس نے اپنے لیے عرش کو پیدا کیا اور اس پر مستوی ہوا' بغیر اس کے کہ عرش اس کا مکان ہو یا وہ عرش کو مس کر رہا ہو' وہ عرش پر اپنی شان کے لائق جلوہ افروز ہوا اور تمام مخلوق میں کوئی چیز اس کے مماثل نہیں ہے' اور اس تقدیر پر برابر ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو زمین پر بٹھائے یا عرش پر' کیونکہ اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے کا یہ معنی نہیں ہے کہ وہ ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہوتا ہے یا کھڑا ہوتا ہے یا بیٹھتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عرش پر بٹھانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ عبدیت کی صفت سے نکل گئے اور ربوبیت کی صفت میں داخل ہو گئے' بلکہ اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام مخلوق پر شرف' عزت اور وجاہت کو ظاہر کرنا ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۱۰ ص ۲۸۰' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

یہ صرف مجاہد کا قول ہے' اس کے متعلق کوئی صحیح' حسن' یا ضعیف حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی نہیں ہے اور نہ اس کی تائید میں صحابہ اور تابعین سے کوئی اثر یا قول مروی ہے' امام ابن جریر اور علامہ قرطبی نے اس پر زور دیا ہے کہ اس کی مخالفت میں کوئی حدیث یا صحابہ اور تابعین کا کوئی قول نہیں ہے اور نہ یہ محال ہے لیکن صرف اتنی سی بات سے یہ قول ثابت نہیں ہوگا جب تک کہ اس کی تائید میں کوئی حدیث یا اثر نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ کہیے اے میرے رب! تو مجھے جہاں بھی داخل کرے مجھے سچائی کے راستے میں داخل کرنا اور تو مجھے جہاں سے بھی باہر لائے سچائی کے راستے سے باہر لانا اور میرے لیے اپنے پاس سے وہ غلبہ عطا فرما جو میرا مددگار ہو○ (بنی اسرائیل: ۸۰)

مدخل صدق اور مخرج صدق کی تفسیر میں متعدد اقوال

اس آیت کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تھے' پھر آپ کو ہجرت کا حکم دیا گیا

اور اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: یعنی مجھے صدق کے ساتھ مدینہ میں داخل فرما اور صدق کے ساتھ مدینہ سے باہر لا۔

(۲) عوفی نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا کہ مجھے قبر میں سچائی کے ساتھ داخل فرما اور سچائی کے ساتھ قبر سے باہر لا۔

(۳) قتادہ نے حسن سے روایت کیا ہے کہ مجھے صدق کے ساتھ مکہ میں داخل فرما اور صدق کے ساتھ مکہ سے باہر لا' آپ مکہ سے مشرکین سے بے خوف ہو کر نکل آئے اور پھر فاتحانہ شان سے مکہ میں داخل ہوئے۔

(۴) مجھے زندگی کے تمام امور میں، سفر میں اور حضر میں جہاں بھی داخل فرما سچائی کے ساتھ داخل فرما اور جہاں سے بھی باہر لائے سچائی کے ساتھ باہر لا۔ (زاد المسیر ج ۵ ص ۷۷، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ کہیے کہ حق آ گیا اور باطل نابود ہو گیا اور بے شک باطل تھا ہی نابود ہونے والا O (بنی اسرائیل: ۸۱)

جو چیزیں اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کریں یا اس کی معصیت پر مبنی ہوں ان کو توڑنے کا وجوب

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے اور بیت اللہ کے گرد ۳۶۰ (تین سو ساٹھ) بت تھے، آپ کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی آپ وہ چھڑی ان بتوں پر مارتے ہوئے فرماتے: جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا O (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۲۰، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۳۸)

اس آیت میں مشرکین کے بتوں کو توڑنے اور دیگر بتوں کے توڑنے کی دلیل ہے، آج کل کی ثقافت میں مختلف جانوروں کے خوبصورت مجسمے بنا کر گھروں میں زینت اور ڈیکوریشن پیس کے طور پر رکھے جاتے ہیں یہ جائز نہیں اور ان مجسموں کو توڑنا واجب ہے، اسی طرح لہو و لعب کے وہ تمام آلات جو دین اور عبادت سے غافل کرنے والے ہوں اور ان میں نیکی اور خیر کا کوئی پہلو نہ ہو ان کو توڑنا واجب ہے، اسی طرح ٹی۔ وی اور وی۔ سی۔ آر پر اگر صرف فلمیں اور موسیقی کے پروگرام سنے اور دیکھے جائیں تو ان کا توڑنا بھی واجب ہے اور اگر ان کے ذریعہ صرف خبریں، دینی اور معلوماتی پروگرام دیکھے اور سنے جائیں تو ان کو رکھنے میں کوئی حرج نہیں، لیکن اس زمانہ میں ایسا ہونا بہت مشکل ہے، ریڈیو اور آڈیو کیسٹ کا بھی یہی حکم ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے، میں نے ارادہ کیا کہ میں لکڑیوں کا گٹھا لانے کا حکم دوں، پھر نماز کے لیے اذان دینے کا حکم دوں، پھر ایک شخص کو نماز پڑھانے کا حکم دوں، پھر دیکھوں کہ کون لوگ نماز پڑھنے نہیں آئے تو میں ان کے گھروں کو آگ لگا دوں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۴، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۵۱، سنن النسائی رقم الحدیث: ۸۴۷)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت سے نماز نہ پڑھنے والوں کے گھروں کو آگ لگانے کا ارادہ فرمایا اس سے یہ معلوم ہوا کہ جو چیز اللہ تعالیٰ کی عبادت سے غافل کرنے کا سبب ہو اس کو ضائع کر دینا چاہیے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے گھر کے صحن میں ایک پردہ لٹکایا جس میں تصویریں بنی ہوئی تھیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پردہ کو پھاڑ دیا، پھر میں نے اس کے دو گدے بنا لیے جن پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۴۷۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۰۷، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۱۵۳، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۶۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں ہر اس چیز کو توڑ ڈالتے تھے جس میں

تصویر بنی ہوئی ہو۔(صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۹۵۲)

ان دونوں حدیثوں میں یہ دلیل ہے کہ جس چیز میں اللہ تعالیٰ کی معصیت ہو اس کو توڑ دینا واجب ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک کہ تم میں ابن مریم نازل نہ ہو جائیں جو عدل اور انصاف سے حکم دیں گے، وہ صلیب توڑ ڈالیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، جزیہ موقوف کر دیں گے اور اس قدر مال دیں گے کہ اس کو لینے والا کوئی نہیں ہوگا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۲۴۷۶، صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۵۵، سنن الترمذی رقم الحدیث:۲۲۳۳)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام صلیب کو توڑ ڈالیں گے اس میں بھی یہ دلیل ہے کہ جو چیز اللہ تعالیٰ کی معصیت پر مبنی ہو اس کو توڑنا واجب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم قرآن میں وہ چیز نازل فرماتے ہیں جو مومنین کے لیے شفاء اور رحمت ہے اور ظالموں کے لیے سوا نقصان کے اور کچھ زیادتی نہیں ہوتی ○ (بنی اسرائیل: ۸۲)

قرآن مجید کا روحانی امراض کے لیے شفاء ہونا

قرآن مجید روحانی امراض کے لیے بھی شفاء ہے اور جسمانی امراض کے لیے بھی شفاء ہے۔

قرآن مجید کا روحانی امراض کے لیے شفا ہونا اس طور پر ہے کہ روحانی امراض یا تو عقائد فاسدہ ہیں یا اعمال فاسدہ ہیں، عقائد فاسدہ میں سے دہریت کا عقیدہ ہے کہ اس جہان کا کوئی پیدا کرنے والا نہ ہو، اور شرک کا عقیدہ ہے کہ اس جہان کے بہت پیدا کرنے والے ہوں، اور بت پرستی کا عقیدہ ہے اور انکار نبوت کا عقیدہ ہے، اور اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد ماننے کا عقیدہ ہے یہ تمام عقائد خراب اور فاسد ہیں اور قرآن مجید میں ان کے خلاف قوی دلائل قائم کیے ہیں جس سے شرک اور بت پرستی کی بیخ کنی ہو جاتی ہے، اسی طرح خراب اور فاسد اعمال ہیں مثلاً زنا کرنا، عمل قوم لوط کرنا، شراب پینا، جوا کھیلنا، قرآن مجید نے ایسے تمام کاموں کی خرابی اور قباحت بیان کی، ان کاموں پر دنیا اور آخرت کا خسارہ بیان کیا اور ان کے مقابلہ میں نیک کاموں کی دنیا اور آخرت میں فضیلت بیان کی ہے، اسی طرح روحانی بیماریوں میں غیر اخلاقی کاموں کی عادت اور ان سے محبت ہے، جیسے تکبر، حسد، حرص، بخل اور ظلم وغیرہ، اللہ تعالیٰ نے ان اخلاقی عیوب کی برائی کو واضح کیا ہے اور ان کے مقابلہ میں تواضع، لوگوں کی بھلائی چاہنا، قناعت، سخاوت اور عدل وغیرہ کی دنیا اور آخرت میں فضیلت بیان فرمائی ہے، اور اس طرح وعظ اور نصیحت فرمائی ہے اور دلوں میں اس طرح خوف خدا ابھارا ہے جس سے دلوں پر جو معصیت کا زنگ چڑھا ہوا ہے وہ دھل کر صاف ہو جاتا ہے، اور گناہوں سے محبت جاتی رہتی ہے، اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص کے دل میں نورانیت ہے، اس کا معیار یہ ہے کہ جس انسان کے دل میں نیک کام کرنے کے خیال آئیں اور برے کاموں سے اس کا دل متنفر ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے دل میں نورانیت ہے اور اس کا دل اور دماغ صحت مند ہے اور بیمار نہیں ہے اور اس میں روحانی امراض نہیں ہیں۔

قرآن مجید کا جسمانی امراض کے لیے شفاء ہونا

جسمانی امراض کے لیے قرآن مجید کے شفا ہونے پر حسب ذیل احادیث دلالت کرتی ہیں:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اصحاب عرب کے کسی قبیلہ میں گئے، اس قبیلہ کے لوگوں نے ان کی ضیافت نہیں کی، اسی دوران اس قبیلہ کے سردار کو بچھو نے ڈنک مار دیا، ان لوگوں

نے ان صحابہ سے کہا کیا تم لوگوں میں سے کسی کے پاس دوا ہے یا کوئی دم کرنے والا ہے؟ صحابہ نے کہا تم لوگوں نے ہماری ضیافت نہیں کی تھی، ہم اس وقت تک دم نہیں کریں گے جب تک کہ تم اس کی اجرت نہیں دو گے، تو انہوں نے صحابہ کے لیے بکریوں کا ایک ریوڑ طے کیا، پھر (ایک صحابی نے) سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کیا اور اس پر اپنے تھوک کی چھینٹیں ڈالیں وہ تندرست ہو گیا، پھر وہ (طے شدہ) بکریاں لے کر آئے، صحابہ نے کہا ہم اس وقت تک یہ بکریاں نہیں لیں گے جب تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ نہ لیں، انہوں نے آپ سے پوچھا تو آپ ہنسے اور فرمایا تمہیں کس نے بتایا کہ یہ دم ہے ان بکریوں کو لے لو اور اس میں سے میرا حصہ بھی نکالو۔ دوسری روایت رقم الحدیث: ۵۷۳۷ میں یہ الفاظ ہیں: صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! اس شخص نے کتاب اللہ کی اجرت لی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جن چیزوں پر تم اجرت لیتے ہو، ان میں سب سے زیادہ اجرت کی مستحق اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۳۶، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۰۲، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۶۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۱۵۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۰۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جس مرض میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح قبض کر لی گئی تھی اس مرض میں آپ اپنے اوپر قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھ کر دم فرماتے تھے، اور جب آپ زیادہ بیمار ہو گئے تو میں پڑھ کر دم کرتی تھی، اور آپ کے ہاتھ کو آپ کے جسم پر پھیرتی تاکہ آپ کے ہاتھ کی برکت حاصل ہو، ابن شہاب نے کہا آپ پڑھ کر اپنے ہاتھوں پر دم فرماتے پھر اپنے ہاتھوں کو اپنے چہرے پر پھیرتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۵۱، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۵۸۵، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۰۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۲۹، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۹۶۳)

نشرہ اور مریضوں پر دم کرنے کا حکم

نشرہ کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء کو لکھا جائے یا قرآن کریم کی کوئی آیت لکھی جائے، پھر اس کو پانی سے دھولیا جائے، پھر وہ دھوون مریض کو پلایا جائے یا مریض کے جسم پر لگایا جائے، سعید بن مسیب نے اس کو جائز کہا اور مجاہد اس کو جائز نہیں سمجھتے تھے، حضرت عائشہ معوذتین کو پانی پر پڑھتیں پھر مریض پر وہ پانی انڈیل دیتیں۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نشرہ کے متعلق پوچھا گیا آپ نے فرمایا یہ عمل شیطان سے ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۶۸)

حافظ ابن عبدالبر نے کہا یہ حدیث ضعیف ہے اور اس کی تاویل یہ ہے کہ اگر ایسی چیز کو پڑھ کر دم کیا جائے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خارج ہو اور اس میں غیر شرعی کلمات ہوں تو پھر وہ عمل شیطان سے ہے۔

حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم زمانہ جاہلیت میں دم کرتے تھے، ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ آپ نے فرمایا تم جو دم کرتے ہو وہ مجھ پر پیش کرو، دم کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے جب تک کہ اس میں شرکیہ کلمات نہ ہوں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۰۰، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۸۶)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دم کرنے سے منع فرما دیا، پھر عمرو بن حزم کی آل کے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا یا رسول اللہ! ہمیں ایک دم آتا ہے جس سے ہم بچھو کے ڈنک کا علاج کرتے تھے، اور اب آپ نے دم کرنے سے منع فرما دیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے

دم مجھ پر پیش کرو، پھر آپ نے فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں ہے، تم میں سے جو شخص اپنے بھائی کو فائدہ پہنچا سکتا ہو وہ اپنے بھائی کو نفع پہنچائے۔

تعویذ لٹکانے کا حکم

امام مالک نے کہا جب تعویذ لٹکانے سے یہ ارادہ نہ ہو کہ اس سے نظر نہیں لگے گی یا کوئی بیماری نہیں ہوگی تو تعویذ لٹکانا جائز ہے، کسی بھی تندرست آدمی کے گلے میں تعویذ لٹکانا جائز نہیں ہے، اور کسی مصیبت کے نازل ہونے کے بعد گلے میں تعویذ لٹکانا جائز ہے، جبکہ اس تعویذ میں اللہ تعالیٰ کے اسماء لکھے ہوئے ہوں اور اس توقع پر تعویذ لٹکایا جائے کہ اس سے مصیبت ٹل جائے گی اور شفا حاصل ہوگی۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص نیند میں ڈر جاتا ہو تو وہ یہ کہے:

اعوذ بکلمات اللہ التامۃ من غضبہ وسوء عقابہ ومن شر الشیاطین وان یحضرون۔	میں اللہ کے غضب اور اس کی بری سزا سے اور شیاطین کے شر سے اور ان کے حاضر ہونے سے، اللہ کے کلمات تامہ کی پناہ میں آتا ہوں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو اپنے سمجھ دار بچوں کو یہ کلمات سکھاتے تھے اور ناسمجھ بچوں کے گلے میں یہ کلمات لکھ کر لٹکا دیتے تھے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۹۳، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۲۸، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۳۹، مسند احمد ج ۲ ص ۱۸۱، کتاب الدعا للطبرانی رقم الحدیث: ۱۰۸۶، المستدرک ج ۱ ص ۵۴۸، کتاب الاسماء والصفات ج ۱ ص ۳۰۴)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے گلے میں کسی چیز کو لٹکایا وہ اسی کے سپرد کیا جائے گا، (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۷۲) اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنی ام ولد کے گلے میں ایک تعویذ لٹکا ہوا دیکھا تو سختی سے پکڑ کر اس کو کھینچا اور کاٹ دیا اور کہا ابن مسعود کی آل شرک سے مستغنی ہے اور کہا تعویذ، دم اور تولہ شرک ہیں (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۸۹) ان سے پوچھا تولہ کیا ہے انہوں نے کہا عورت کا اپنے خاوند کی محبت حاصل کرنے کے لیے دم کرانا، ان تمام کا جواب یہ ہے کہ یہ ایسے دم اور تعویذ پر محمول ہیں جو زمانہ جاہلیت میں کیے جاتے تھے اور ان کا اعتقاد ہوتا تھا کہ یہ ان کو بچالیں گے اور بلا اور مصیبت کو ان سے دور کردیں گے، اور حضرت ابن مسعود نے اس تعویذ پر رد کیا ہے جس میں قرآن کریم کے الفاظ نہ ہوں اور وہ کاہنوں اور جادوگروں کے الفاظ سے ماخوذ ہوں، کیونکہ قرآن مجید سے شفا حاصل کرنا خواہ اس کو گلے میں لٹکایا جائے یا نہ لٹکایا جائے شرک نہیں ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہے جس نے کسی چیز کو لٹکایا وہ اسی کے سپرد کردیا جائے گا تو جس نے قرآن مجید کو اپنے گلے میں لٹکایا تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرمائے گا اور اس کو کسی اور کے سپرد نہیں کرے گا کیونکہ قرآن سے شفا حاصل کرنے میں اللہ تعالیٰ پر توکل ہوتا ہے اور اسی کی طرف رغبت ہوتی ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۰ ص ۲۸۸-۲۸۷، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

قرآن مجید کی آیات سے دم کرنے اور تعویذ لٹکانے کے جواز میں ہم نے یونس: ۵۷ میں بہت تفصیل سے بحث کی ہے۔

ظالموں کے لیے قرآن مجید کا مزید گمراہی کا سبب ہونا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ظالموں کے لیے سوا نقصان کے اور کچھ زیادتی نہیں ہوتی۔

چونکہ مرض کا زائل کرنا اس پر موقوف ہے کہ انسان صحت اور تندرستی کے اسباب کو حاصل کرے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے پہلے شفاء کا اور پھر رحمت کا ذکر فرمایا اور یہ بتایا کہ شفاء اور رحمت کا قوی سبب قرآن مجید ہے، پھر فرمایا کہ قرآن مجید صرف مومنین کے لیے شفاء اور رحمت ہے اور کافروں اور ظالموں کے لیے قرآن مجید مزید گمراہی اور نقصان کا سبب ہے، کیونکہ جب مشرکین قرآن مجید سنتے ہیں تو ان کے غیظ و غضب اور کینہ اور حسد میں اور اضافہ ہوتا ہے اور وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف طرح طرح کی سازشیں کرتے ہیں اور شر اور فساد کی کارروائیاں کرتے ہیں، اور یوں ان کی گمراہی اور دین اور دنیا کے خسارہ میں اور اضافہ ہوجاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ہم انسان کو کوئی انعام دیتے ہیں تو وہ (بجائے شکر کے) منہ پھیر لیتا ہے اور پہلو تہی کرتا ہے، اور جب اسے کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو مایوس ہوجاتا ہے O (بنی اسرائیل: ۸۳)

انسان کا کمزور دل اور ناشکرا ہونا

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ نوع انسان کے اکثر افراد کا یہ حال ہے کہ جب انہیں اپنا مقصود حاصل ہوجاتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کی عبادت سے غافل ہوجاتے ہیں اور بغاوت اور سرکشی پر اتر آتے ہیں، اور جب اللہ تعالیٰ ان کی ناشکری کی وجہ سے ان سے وہ نعمت چھین لیتا ہے یا ان کے ظلم اور جرم کی پاداش میں ان پر کوئی مصیبت نازل کرتا ہے تو پھر وہ مایوس ہوجاتے ہیں جیسا کہ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ O وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ O (الفجر: ۱۶-۱۵)

پس جب انسان کا اس کا رب امتحان لیتا ہے اور اس کو عزت اور نعمت دیتا ہے تو وہ کہتا ہے میرے رب نے مجھے عزت دار بنایا O اور جب اس کا رب اس کی آزمائش کرتا ہے اور اس کا رزق اس پر تنگ کردیتا ہے تو وہ کہتا ہے میرے رب نے میری اہانت کی۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا O اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا O وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا O (المعارج: ۲۱-۱۹)

انسان بہت کمزور دل بنایا گیا ہے O جب اس کو مصیبت پہنچتی ہے تو گھبرا جاتا ہے O اور جب اسے راحت پہنچتی ہے تو وہ بخل کرنے لگتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ ہر شخص اپنے طریقہ اور مزاج کے مطابق عمل کرتا ہے (تو اے مسلمانو!) تمہارا رب ہی خوب جانتا ہے کہ کون زیادہ ہدایت والے طریقہ پر ہے O (بنی اسرائیل: ۸۴)

نیکوں اور بروں پر قرآن مجید کے مختلف آثار

الشاکلۃ کے معنی ہیں: طریقہ، مذہب، فطرت، مزاج، یعنی ہر شخص اپنی فطرت اور مزاج کے مطابق عمل کرتا ہے، پس جن لوگوں کی روحیں نیک اور پاک ہیں ان پر جب قرآن پڑھا جاتا ہے تو ان میں قرآن مجید کے تقاضوں پر عمل کا اظہار ہوتا ہے اور ان کی سرشت اور اٹھان تقویٰ اور طہارت پر ہوتی ہے، اور جن کی روحیں ناپاک اور مکدر رہوتی ہیں ان پر جب قرآن پڑھا جاتا ہے تو ان میں گمراہی اور سرکشی کا اظہار ہوتا ہے، جیسے بارش اگر زرخیز زمین پر ہو تو اس میں سبزہ اور ہریالی اور

زیادہ ہوتی ہے اور بنجر اور شور زمین پر ہو تو اس کی خرابی اور زیادہ ہو جاتی ہے۔

متقدمین کی پسندیدہ آیات

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے پورا قرآن اول سے آخر تک پڑھا مجھے جو آیت سب سے زیادہ اچھی لگی اور جس پر سب سے زیادہ بخشش کی امید ہے وہ یہ آیت ہے کل یعمل علی شاکلتہ ہر ایک اپنے طریقہ پر عمل کرتا ہے، بندہ کا طریقہ ہے گناہ کرنا اور اللہ کا طریقہ ہے معاف کر دینا، حضرت عمر نے کہا میں نے پورا قرآن اول سے آخر تک پڑھا اور مجھے جو آیتیں اچھی لگیں اور جن سے مجھے مغفرت کی امید ہے وہ یہ آیتیں ہیں:

حٰمٓ ۚ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۙ غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ۙ ذِي الطَّوْلِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ۔ (المومن: ۳-۱)

حم ○ اس کتاب کا نازل فرمانا اللہ کی طرف سے ہے جو بہت غالب ہے علم والا ہے ○ گناہوں کو بخشنے والا ہے اور توبہ قبول کرنے والا ہے، سخت عذاب والا ہے، بہت قدرت والا ہے، جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، اسی کی طرف واپس لوٹنا ہے ○

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے گناہوں کے بخشنے کو توبہ قبول فرمانے پر مقدم فرمایا ہے۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے پورا قرآن اول سے آخر تک پڑھا مجھے جو سب سے اچھی اور سب سے زیادہ امید والی آیت لگی وہ یہ ہے:

نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ۔ (الحجر: ۴۹)

میرے بندوں کو میرے متعلق بتائیے کہ بے شک میں بہت ہی بخشنے والا مہربان ہوں ○

اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے اول سے آخر تک پورا قرآن پڑھا مجھے جو آیت سب سے اچھی اور امید افزا لگی وہ یہ ہے:

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ۔ (الزمر: ۵۳)

آپ کہیے اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے تم اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو بے شک اللہ سارے گناہوں کو بخش دیتا ہے، واقعی وہ بہت بخشش اور بڑی رحمت والا ہے۔

علامہ قرطبی فرماتے ہیں میں نے سارا قرآن اول سے آخر تک پڑھا ہے مجھے جو آیت سب سے زیادہ امید افزا لگی وہ یہ آیت ہے:

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ○ (الانعام: ۸۲)

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم (شرک) کے ساتھ نہیں ملایا انہی کے لیے (عذاب سے) امن ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۰ ص ۲۹۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

مصنف کی پسندیدہ آیت

میں نے کئی بار قرآن مجید اول سے آخر تک پڑھا مجھے جو آیت سب سے زیادہ اچھی لگی وہ یہ ہے:

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ۝ (النساء: ۱۴۷)
اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تم شکر کرو اور ایمان لے آؤ۔ اللہ شکر کی جزا دینے والا ہے اور بہت علم والا ہے۔

اور سب سے زیادہ امید افزا یہ آیت ہے:

وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ (الرعد: ۶)
اور بے شک آپ کا رب لوگوں کو ان کے ظلم کے باوجود (یا دوران ظلم) بخشنے والا ہے اور بے شک آپ کا رب سخت سزا دینے والا بھی ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے توبہ کرنے کے بعد معاف کرنے کا ذکر نہیں کیا بلکہ توبہ کے ذکر کے بغیر گناہ معاف کرنے کا ذکر فرمایا ہے۔ اور میرے حسب حال سب سے زیادہ پسندیدہ یہ آیت ہے جس کو میں سب سے زیادہ پڑھتا ہوں:

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (الانبیاء: ۸۷)
اے اللہ تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے تو سبحان ہے بے شک میں گنہگاروں میں سے ہوں۔

اور اس تفسیر کے قارئین سے بھی کہوں گا کہ وہ اس آیت کو زیادہ سے زیادہ پڑھا کریں۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّىْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ

اور یہ لوگ آپ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں، آپ کہیے کہ روح میرے رب کے امر سے ہے اور تم کو

مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۸۵ وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِىْٓ اَوْحَيْنَآ

محض تھوڑا سا علم دیا گیا ہے ۝ اور اگر (بالفرض) ہم چاہیں تو ہم ضرور اس تمام وحی کو سلب کرلیں جو ہم نے آپ کی طرف

اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ۝۸۶ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ

نازل کی ہے، پھر ہمارے مقابلہ میں آپ کو کوئی حمایتی نہ مل سکے ۝ ماسوا آپ کے رب کی رحمت کے،

اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا ۝۸۷ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ

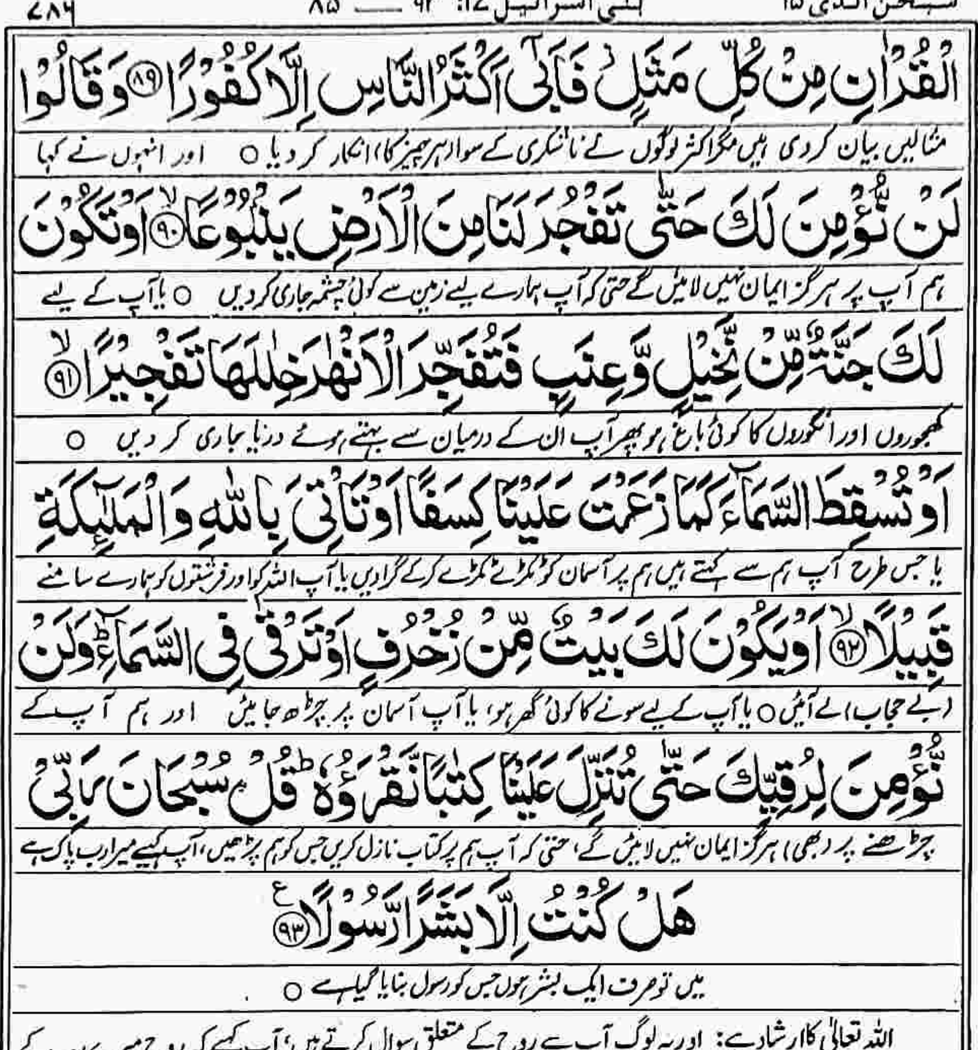
بے شک آپ پر اللہ کا بہت بڑا فضل ہے ۝ آپ کہیے کہ اگر تمام انسان اور جن

وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ

مل کر اس قرآن کی مثل لانا چاہیں تو وہ اس کی مثل نہیں لا سکیں گے

وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۝۸۸ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِىْ هٰذَا

خواہ وہ ایک دوسرے کے مددگار ہوں ۝ ہم نے اس قرآن میں لوگوں (کی ہدایت) کے لیے ہر قسم کی



الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ فَاَبٰۤى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۸۹﴾ وَ قَالُوْا

مثالیں بیان کر دی ہیں مگر اکثر لوگوں نے ناشکری کے سوا (ہر چیز کا) انکار کر دیا ○ اور انہوں نے کہا

لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ﴿۹۰﴾ اَوْ تَكُوْنَ

ہم آپ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ آپ ہمارے لیے زمین سے کوئی چشمہ جاری کر دیں ○ یا آپ کے لیے

لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ عِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ﴿۹۱﴾

کھجوروں اور انگوروں کا کوئی باغ ہو پھر آپ ان کے درمیان سے بہتے ہوئے دریا جاری کر دیں ○

اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ

یا جس طرح آپ ہم سے کہتے ہیں ہم پر آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرادیں یا آپ اللہ کو اور فرشتوں کو ہمارے سامنے

قَبِيْلًا ﴿۹۲﴾ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ وَ لَنْ

(بے حجاب) لے آئیں ○ یا آپ کے لیے سونے کا کوئی گھر ہو، یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں اور ہم آپ کے

نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ

چڑھنے پر (بھی) ہرگز ایمان نہیں لائیں گے، حتیٰ کہ آپ ہم پر کتاب نازل کریں جس کو ہم پڑھیں، آپ کہیے میرا رب پاک ہے

هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۳﴾

میں تو صرف ایک بشر ہوں جس کو رسول بنایا گیا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یہ لوگ آپ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں، آپ کہیے کہ روح میرے رب کے امر سے ہے اور تم کو محض تھوڑا سا علم دیا گیا ہے ○ (بنی اسرائیل: ۸۵)

روح کا لغوی اور اصطلاحی معنی

علامہ ابو السعادات المبارک بن محمد بن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

قرآن اور حدیث میں روح کا کئی بار ذکر آیا ہے، اور اس کا کئی معانی پر اطلاق کیا گیا ہے، اور اس کا غالب اطلاق اس چیز پر ہے جس کے ساتھ جسم قائم ہے اور جس کے سبب سے جسم میں حیات ہے، اس کے علاوہ اس کا اطلاق، قرآن، وحی، رحمت اور جبرئیل پر بھی کیا گیا ہے۔ (النہایہ ج ۲ ص ۲۴۶، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں:

ابو بکر انباری نے کہا روح اور نفس ایک ہی چیز ہے البتہ عربی زبان میں روح کا لفظ مذکر ہے اور نفس کا لفظ مونث ہے،

فرائے کہا روح وہ چیز ہے جس کے سبب سے انسان زندہ ہے' اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو بھی روح کا علم نہیں دیا' اور ابوالہیثم نے کہا روح انسان کا سانس ہے اور جب سانس نکل جاتا ہے تو انسان کی زندگی ختم ہو جاتی ہے' اور انسان کی آنکھیں اس کو دیکھتی رہتی ہیں حتیٰ کہ اس کی آنکھوں کو بند کر دیا جاتا ہے۔

(تاج العروس ج ۲ ص ۱۴۷' مطبوعہ مطبعہ خیریہ مصر' ۱۳۰۶ھ)

علامہ محمد طاہر پٹنی متوفی ۹۸۶ھ لکھتے ہیں:

جمہور کے نزدیک روح کا معنی معلوم ہے' ایک قول یہ ہے کہ وہ خون ہے' ایک قول یہ ہے کہ وہ جسم لطیف ہے اور ظاہری اعضاء کی طرح اس کے بھی اعضاء ہیں' اشعری نے کہا وہ سانس ہے جو آ رہا ہے اور جا رہا ہے ایک قول یہ ہے کہ وہ حیات ہے۔ (مجمع بحار الانوار ج ۲ ص ۳۹۴۔ ۳۹۳' مطبوعہ مکتبہ دار الایمان مدینہ منورہ' ۱۴۱۵ھ)

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

بعض علماء نے کہا روح خون ہے' اور اس کی تعریف میں ستر قول ذکر کیے گئے ہیں' اس میں اختلاف ہے کہ آیا روح اور نفس ایک ہی چیز ہیں یا نہیں! زیادہ صحیح یہ ہے کہ روح اور نفس متغایر ہیں' نفس انسانی وہ چیز ہے جس کی طرف ہم میں سے ہر شخص "میں" یا "ہم" سے اشارہ کرتا ہے' اور اکثر فلاسفہ نے روح اور نفس میں فرق نہیں کیا' انہوں نے کہا نفس لطیف بخاری جوہر ہے (اسٹیم اور بھاپ کی طرح ہے) جو حیات' حس اور حرکت ارادیہ کی قوت کا حامل ہے وہ اس کا نام روح حیوانی رکھتے ہیں اور یہ نفس ناطقہ اور بدن کے درمیان واسطہ ہے' امام غزالی نے کہا روح ایک جوہر ہے جو ہر حادث ہے جو بنفسہٖ قائم ہے غیر متحیز ہے (یعنی وہ جگہ نہیں گھیرتا) وہ جسم میں نہ داخل ہے نہ خارج ہے وہ جسم سے متصل ہے نہ منفصل ہے' ایک قول یہ ہے کہ روح جسم کی صورت کی طرح ایک لطیف صورت ہے اس کی دو آنکھیں' دو کان' دو ہاتھ اور دو پیر ہیں' اور جسم کے ہر عضو کے مقابلہ میں اس کا ایک لطیف عضو ہے' ایک قول یہ ہے کہ وہ انسان کے بدن میں ایک لطیف جسم ہے اور اس کا انسان کے جسم میں اس طرح حلول ہے جس طرح گلاب کے پانی کا گلاب میں حلول ہوتا ہے' حکماء اور علماء متقدمین اور متاخرین کا روح کی تعریف میں بہت اختلاف ہے۔ (عمدۃ القاری جز ۲ ص ۲۰۱' مطبوعہ مصر' ۱۳۴۸ھ)

علامہ میر سید شریف جرجانی متوفی ۸۱۶ھ لکھتے ہیں:

روح انسانی ایک ایسی لطیف چیز ہے جس کو علم اور ادراک ہوتا ہے اور وہ روح حیوانی پر سوار ہوتی ہے' وہ عالم امر سے نازل ہوئی ہے عقلیں اس کی حقیقت کا ادراک کرنے سے عاجز ہیں اور یہ روح کبھی بدن سے مجرد ہوتی ہے اور کبھی بدن سے متعلق ہوتی ہے اور اس میں تصرف کرتی ہے۔ (التعریفات ص ۸۲' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۸ھ)

روح کی موت کی تحقیق

علامہ شمس الدین ابی عبداللہ بن قیم جوزیہ متوفی ۷۵۱ھ لکھتے ہیں:

آیا روح پر موت آتی ہے یا نہیں اس مسئلہ میں بھی علماء کا اختلاف ہے' بعض علماء نے کہا روح پر بھی موت آتی ہے اور وہ موت کا مزہ چکھتی ہے اور ہر نفس موت کا مزہ چکھنے والا ہے' اور دلائل سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی چیز باقی نہیں رہے گی:

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ صلے وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۝ (الرحمٰن: ۲۷-۲۶)

ہر وہ چیز جو زمین پر ہے' فنا ہونے والی ہے ۝ صرف آپ کے رب کی ذات باقی رہے گی جو بزرگی اور عزت والی ہے۔

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ۔ (القصص: ۸۸) اس کے چہرے (ذات) کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔

اور جب ملائکہ پر بھی موت آئے گی تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ روح پر موت نہ آئے۔

محققین کا یہ کہنا ہے کہ ارواح پر موت نہیں آئے گی کیونکہ ارواح کو بقاء کے لیے پیدا کیا گیا ہے، موت صرف ابدان پر آئے گی اور اس کی دلیل یہ ہے کہ بکثرت احادیث سے ثابت ہے کہ موت کے بعد جب روحوں کو دوبارہ ان کے اجسام میں لوٹا دیا جائے گا تو پھر ان کو جو عذاب یا ثواب ہوگا وہ دائمی ہوگا اور اگر روحوں پر موت آتی تو ان کا ثواب یا عذاب دائمی نہ ہوتا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ۝ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ (آل عمران: ۱۷۰-۱۶۹)

جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید کیے گئے ہیں ان کو ہرگز مردہ نہ سمجھو، بلکہ وہ زندہ ہیں اور انہیں اپنے رب کے پاس سے رزق دیا جاتا ہے ۝ وہ اللہ کے دیئے ہوئے فضل سے خوش ہیں اور ان لوگوں کے متعلق خوش ہو رہے ہیں جو ابھی تک ان سے نہیں ملے، اس پر کہ انہیں نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے ۝

جب کہ قطعی طور پر یہ معلوم ہے کہ ان کی روحیں ان کے جسموں سے نکل چکی ہیں اور ان کے جسموں نے موت کا ذائقہ چکھ لیا ہے، اور صحیح یہ ہے کہ روحوں کی موت یہ ہے کہ وہ جسموں سے نکل جائیں پس اگر روح کی موت سے اس معنی کا ارادہ کیا جائے تو پھر صحیح ہے اور اگر روحوں کی موت سے یہ ارادہ کیا جائے کہ وہ معدوم ہو جائیں گی اور عدم محض ہو جائیں گی تو پھر یہ صحیح نہیں ہے۔ (الروح: ص ۳۴-۳۳، مطبوعہ دار الحدیث، مصر، ۱۴۱۰ھ)

جسم کی موت کے بعد روح کا مستقر

جسم پر موت آنے کے بعد روحیں کہاں رہتی ہیں اس میں بھی کافی اختلاف ہے اور اس سلسلہ میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں: مومنین کی روحیں اللہ تعالیٰ کے پاس جنت میں ہوں گی خواہ وہ شہید ہوں یا نہ ہوں، بشرطیکہ کوئی گناہ کبیرہ یا قرض ان کو جنت میں جانے سے روک نہ لے۔

(۲) ایک جماعت نے کہا وہ جنت کے صحن میں دروازہ پر ہوں گی اور ان کے پاس جنت کی خوشبو اور اس کا رزق پہنچے گا۔

(۳) ایک جماعت نے کہا وہ اپنی قبروں کے صحنوں میں ہوں گی۔

(۴) امام مالک نے کہا کہ روح آزاد ہوتی ہے جہاں چاہے چلی جائے۔

(۵) ایک روایت کے مطابق امام احمد نے کہا کفار کی روحیں دوزخ میں ہوں گی اور مومنین کی روحیں جنت میں ہوں گی۔

(۶) کعب نے کہا مومنین کی ارواح علیین میں ساتویں آسمان میں ہوں گی اور کافروں کی روحیں ساتویں زمین کے نیچے سجین میں ہوں گی۔

(۷) ایک جماعت نے کہا مومنین کی روحیں حضرت آدم کی دائیں طرف ہوں گی اور کافروں کی روحیں حضرت آدم کے بائیں طرف ہوں گی۔

(۸) ابن حزم نے کہا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَاَمَّآ اِنۡ كَانَ مِنَ الۡمُقَرَّبِيۡنَ ۙ فَرَوۡحٌ وَّ رَيۡحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِيۡمٍ ۔ (الواقعہ: ۸۹-۸۸)

پس اگر مرنے والا مقربین میں سے ہو تو اس کو راحت، غذائیں اور نعمت والی جنت ملے گی۔

پس تمام روحیں جنت میں رہیں گی، حتیٰ کہ ان تمام روحوں کو ان کے جسموں میں پھونک دیا جائے، پھر یہ روحیں برزخ کی طرف لوٹ جائیں گی اور اللہ تعالیٰ ان کو دوسری بار جسموں میں لوٹائے گا اور یہ دوسری زندگی ہے، اللہ تعالیٰ مخلوق کا حساب لے گا ایک فریق ہمیشہ کے لیے جنت میں جائے گا اور دوسرا فریق ہمیشہ کے لیے دوزخ میں جائے گا۔

(الروح ص ۸۸-۸۷، مطبوعہ دار الحدیث مصر ۱۴۱۰ھ)

روح کا حادث اور مخلوق ہونا

اس مسئلہ میں بھی علماء کا اختلاف ہے کہ روح قدیم ہے یا حادث اور مخلوق ہے، بعض علماء نے کہا روح قدیم ہے کیونکہ روح، اللہ تعالیٰ کے امر سے ہے اور اللہ کا امر قدیم ہے اور مخلوق نہیں ہے، اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے علم، قدرت، سمع اور بصر کی اپنی طرف اضافت کی ہے اسی طرح روح کی بھی اپنی طرف اضافت کی ہے لہٰذا جس طرح یہ صفات قدیم ہیں اسی طرح روح بھی قدیم ہے۔

صحیح یہ ہے کہ روح حادث اور مخلوق ہے اور اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اللہ خالق کل شیء (الانعام: ۱۰۲) "اللہ ہر چیز کا خالق ہے" اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے سوا ہر چیز مخلوق ہے اور روح بھی اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے ماسوا ہے اس لیے وہ بھی مخلوق ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام سے فرمایا:

وَقَدۡ خَلَقۡتُكَ مِنۡ قَبۡلُ وَلَمۡ تَكُ شَيۡـئًا ۔ (مریم: ۹)

میں اس سے پہلے آپ کو پیدا کر چکا ہوں جب کہ آپ کچھ نہ تھے۔

یہ حضرت زکریا علیہ السلام کی روح اور بدن دونوں سے فرمایا ہے، کیونکہ فقط بدن میں فہم اور عقل نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت زکریا کی روح پہلے موجود نہیں تھی۔

(۳) وَاللّٰهُ خَلَقَكُمۡ وَمَا تَعۡمَلُوۡنَ ۝ (الصّٰفّٰت: ۹۶)

اللہ نے تم کو اور تمہارے اعمال کو پیدا کیا۔

(۴) هَلۡ اَتٰى عَلَى الۡاِنۡسَانِ حِيۡنٌ مِّنَ الدَّهۡرِ لَمۡ يَكُنۡ شَيۡـئًا مَّذۡكُوۡرًا ۝ (الدھر: ۱)

بے شک انسان پر ایک ایسا وقت گزر چکا ہے، جب وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔

اگر انسان کی روح قدیم ہوتی تو وہ یقیناً پہلے ایک قابل ذکر چیز ہوتا۔

(۵) اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الۡاَنۡفُسَ حِيۡنَ مَوۡتِهَا وَالَّتِىۡ لَمۡ تَمُتۡ فِىۡ مَنَامِهَا ۚ فَيُمۡسِكُ الَّتِىۡ قَضٰى عَلَيۡهَا الۡمَوۡتَ وَيُرۡسِلُ الۡاُخۡرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۔ (الزمر: ۴۲)

اللہ ہی روحوں کو ان کی موت کے وقت اور جن کو موت نہیں آئی ان روحوں کو نیند کے وقت قبض کر لیتا ہے پھر جن روحوں کی موت کا فیصلہ ہو چکا ہے ان کو روک لیتا ہے اور دوسری روحوں کو ایک وقت مقررہ تک کیلئے چھوڑ دیتا ہے۔

اس آیت میں روح کا حادث اور مخلوق ہونا بالکل واضح ہے۔ (الروح ص: ۱۴۲-۱۴۰، ملخصاً، مطبوعہ دارالحدیث مصر، ۱۴۱۰ھ)

نفس اور روح ایک چیز ہیں یا الگ الگ؟

اس مسئلہ میں بھی اختلاف ہے کہ نفس اور روح ایک چیز ہیں یا الگ الگ ہیں، اس میں تحقیق یہ ہے کہ نفس کا اطلاق ذات پر بھی ہوتا ہے یعنی روح اور بدن کے مجموعہ پر اور صرف روح پر بھی ہوتا ہے، روح اور بدن کے مجموعہ پر اطلاق کی یہ مثالیں ہیں:

وَجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ۔ (التوبہ: ۴۱) اپنے مالوں اور اپنے نفسوں کے ساتھ جہاد کرو، یعنی روح اور بدن کے مجموعوں کے ساتھ۔

فَتُوْبُوْۤا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ۔ (البقرہ: ۵۴) اپنے خالق کی طرف توبہ کرو اور اپنے آپ کو خود قتل کرو (یعنی روح اور بدن کے مجموعہ کو)۔

اور نفس کے روح پر اطلاق کی یہ مثالیں ہیں:

وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْۤا اَیْدِیْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ۔ (الانعام: ۹۳) اور اگر آپ اس وقت دیکھتے جب یہ ظالم لوگ موت کی سختیوں میں ہوں گے اور فرشتے اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے کہ اپنی روحوں کو نکالو، آج تم کو ذلت والے عذاب کی سزا دی جائے گی۔

یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِیْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ۝ (الفجر: ۲۸-۲۷) اے مطمئن روح! تو اپنے رب کی طرف لوٹ جا اس حال میں کہ تو اس سے راضی ہو وہ تجھ سے راضی۔

وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝ (النّزعٰت: ۴۰) اور جس نے روح کو خواہش سے روکا۔

اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ۔ (یوسف: ۵۳) بے شک روح تو برائی پر ہی ابھارنے والی ہے۔

نفس کا اطلاق تو صرف روح اور روح اور بدن کے مجموعہ پر ہوتا ہے، لیکن روح کا اطلاق نہ صرف بدن پر ہوتا ہے اور نہ نفس اور بدن کے مجموعہ پر۔ (الروح ص ۲۰۹-۲۰۸، مطبوعہ دارالحدیث، مصر ۱۴۱۰ھ)

نفس امارہ، نفس لوامہ اور نفس مطمئنہ کی تعریفات

علامہ میر سید شریف جرجانی متوفی ۸۱۶ھ لکھتے ہیں:

نفس امارہ وہ روح ہے جو طبیعت بدنی کی طرف مائل ہوتی ہے اور لذتوں اور شہوات حسیہ کا حکم دیتی ہے اور دل کو سفلی جانب کی طرف کھینچتی ہے یہ تمام برائیوں کا ماویٰ اور اخلاق مذمومہ کا منبع ہے۔

نفس لوامہ وہ روح ہے کہ جب اس کی جبلت ظلمانی کی وجہ سے کوئی برا کام صادر ہو جاتا ہے یا غفلت میں مستغرق ہونے کی وجہ سے اس سے کوئی برائی سرزد ہو جاتی ہے تو وہ اپنے آپ کو ملامت کرتی ہے اور اس برائی سے توبہ کرتی ہے۔

نفس مطمئنہ یہ وہ روح ہے جو عقل کے نور سے پوری طرح منور ہوتی ہے اور مذموم صفات سے مجرد ہوتی ہے اور اخلاق محمودہ سے متصف ہوتی ہے۔

علامہ میر سید شریف جرجانی نے مطلقاً نفس کی یہ تعریف کی ہے:

یہ وہ لطیف جوہر بخاری ہے جو حیات، حس، اور حرکت ارادی کی قوت کا حامل ہے اور اس کا نام روح حیوانی ہے یہ وہ

جوہر ہے جو بدن کو روشن کرتا ہے، اور موت کے وقت بدن کے ظاہر اور باطن سے اس کی روشنی منقطع ہو جاتی ہے اور نیند کے وقت فقط ظاہر بدن سے اس کی روشنی منقطع ہوتی ہے نہ کہ بدن کے باطن سے، کیونکہ موت انقطاع کلی ہے اور نیند انقطاع ناقص ہے اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جوہر نفس کو بدن کے ساتھ تین طرح متعلق کیا ہے: (۱) نفس کی روشنی تمام اجزاء بدن پر ہو خواہ ظاہر ہوں یا باطن، اور یہ بیداری ہے۔ (۲) نفس کی روشنی صرف ظاہر بدن سے منقطع ہو باطن سے منقطع نہ ہو یہ نیند ہے۔ (۳) نفس کی روشنی بدن کے ظاہر اور باطن دونوں سے منقطع ہو جائے۔ یہ موت ہے۔

(التعریفات ص ۱۶۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۸ھ)

عالم خلق اور عالم امر

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک کھیت میں جا رہا تھا آپ ایک شاخ کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے تھے اس وقت وہاں سے کچھ یہود گزرے، ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا ان سے روح کے متعلق سوال کرو، اس نے کہا تمہیں ان سے سوال کرنے کی کیا ضرورت ہے، دوسرے نے کہا وہ تم کو ایسا جواب نہ دیں جو تم کو ناپسند ہو، پھر انہوں نے کہا ان سے سوال کرو، سو انہوں نے آپ سے سوال کیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کوئی جواب نہیں دیا، میں سمجھ گیا کہ آپ کی طرف وحی کی جا رہی ہے میں اپنی جگہ کھڑا رہا، پھر آپ پر یہ آیت نازل ہوئی:

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۖ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ۝

اور یہ لوگ آپ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں، آپ کہیے کہ روح میرے رب کے امر سے ہے اور تم کو محض تھوڑا سا علم دیا گیا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۲۱، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۴۱، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۲۹۹)

میرے رب کے امر سے مراد یہ ہے کہ روح عالم ملکوت سے ہے، عالم خلق سے نہیں ہے جو عالم الغیب والشہادت ہے۔

علامہ قرطبی نے لکھا ہے یعنی روح اس امر سے ہے جس کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، بعض علماء نے کہا عالم خلق وہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کسی چیز کو مادہ سے پیدا فرماتا ہے اور عالم امر وہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کسی چیز کو صرف لفظ کن سے پیدا فرماتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو روح کا علم تھا یا نہیں؟

حافظ شہاب الدین احمد بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام ابن جریر طبری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس قصہ میں روایت کیا ہے کہ انہوں نے آپ سے یہ سوال کیا تھا کہ روح کو کس طرح عذاب دیا جائے گا جب کہ وہ جسم میں ہے اور روح تو صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، تو یہ آیت نازل ہوئی، بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ اس آیت میں یہ دلیل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو روح کی حقیقت پر مطلع نہیں کیا، بلکہ یہ ہو سکتا ہے کہ آپ کو مطلع فرمایا ہو اور آپ کو یہ حکم نہ دیا ہو کہ آپ ان کو مطلع فرمائیں۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۴۰۳، مطبوعہ لاہور، ۱۴۰۱ھ)

علامہ سیوطی اور علامہ قسطلانی نے بھی یہی لکھا ہے۔ (شرح الصدور ص ۳۱۹، ارشاد الساری ج ۷ ص ۲۰۳)

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ اس سے بلند ہے کہ آپ کو روح کا علم نہ ہو اور یہ کیونکر ممکن ہے جب کہ آپ اللہ کے محبوب ہیں اور تمام کائنات کے سردار ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر یہ احسان فرمایا ہے کہ آپ کو وہ سب کچھ بتادیا جس کا آپ کو علم نہ تھا اور یہ آپ پر اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲ ص ۲۰۱، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ)

امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ لکھتے ہیں:

عقل سے روح کا علم نہیں ہو سکتا، بلکہ اس کا علم ایک اور نور سے حاصل ہوگا جو نور عقل سے اعلیٰ اور اشرف ہے اور یہ نور صرف عالم نبوت اور رسالت میں ہوتا ہے اور اس نور کی نسبت عقل کے ساتھ ایسی ہے جیسی عقل کی نسبت وہم اور خیال کے ساتھ ہے۔ (احیاء العلوم ج ۴ ص ۱۱۲، مطبوعہ مصر)

امام فخرالدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

عام فلاسفہ اور متکلمین بھی روح کو جانتے ہیں پس اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمائیں کہ میں روح کو نہیں جانتا تو یہ آپ کی شان کے خلاف ہے اور لوگوں کو آپ سے دور کرنے کا باعث ہے، بلکہ روح کے مسئلہ سے لاعلمی تو ایک عام انسان کے لیے بھی باعث تحقیر ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو تمام علماء سے بڑھ کر عالم اور تمام فضلاء سے بڑھ کر فاضل ہیں انہیں مسئلہ روح کا علم نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا: رحمٰن نے قرآن کا علم دیا (الرحمان: ۲-۱) اور آپ جو کچھ نہیں جانتے تھے وہ آپ کو بتلا دیا اور یہ آپ پر اللہ کا فضل عظیم ہے (النساء: ۱۱۳) اور فرمایا آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ وہ آپ کے علم میں زیادتی فرمائے (طٰہٰ: ۱۱۴) اور قرآن کی صفت میں فرمایا ہر خشک و تر چیز کا ذکر قرآن کریم میں ہے (الانعام: ۵۹) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی کہ اے اللہ! ہمیں تمام چیزوں کی حقیقت بتلا، سو جس شخص کریم کی یہ شان ہو ان کے متعلق یہ کیسے متصور ہو سکتا ہے کہ انہیں روح کا علم نہ ہو جب کہ یہ مسائل مشہورہ میں سے ہے بلکہ ہمارے نزدیک مختار یہ ہے کہ یہود نے آپ سے روح کے متعلق سوال کیا اور آپ نے ان کو بہترین طریقہ سے جواب دیا۔ (تفسیر کبیر ج ۷ ص ۳۹۲، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

امام ابن ابی حاتم نے عبداللہ بن بریدہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا اور آپ کو روح کا علم نہیں تھا، اور شاید اس (عبداللہ) کا یہ زعم تھا کہ روح کا علم ممتنع ہے، ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کو اس وقت تک قبض نہیں کیا گیا، حتیٰ کہ آپ کو ہر اس چیز کا علم دے دیا گیا جس کا علم دیا جانا ممکن تھا، جیسا کہ امام احمد اور امام ترمذی کی اس روایت میں ہے اور امام بخاری نے کہا یہ حدیث صحیح ہے، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک رات کو میں اٹھا اور جتنی نماز میرے مقدر میں تھی وہ میں نے پڑھی، مجھے نماز میں اونگھ آگئی میں نے اپنے رب عزوجل کو حسین صورت میں دیکھا، فرمایا اے محمد! یہ مقرب فرشتے کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟ میں نے کہا اے میرے رب! میں نہیں جانتا، پھر فرمایا اے محمد! یہ مقرب فرشتے کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟ میں نے کہا اے میرے رب! میں نہیں جانتا! پھر میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ہتھیلی میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھی حتیٰ کہ میں نے اپنے سینے کے درمیان ان پوروں کی ٹھنڈک محسوس کی اور میرے لیے ہر چیز روشن ہو گئی اور میں نے پہچان لیا۔

(روح المعانی جز ۱۵ص ۲۲۲، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۱۷ھ)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ لکھتے ہیں:

حق یہ ہے کہ قرآن کی آیت میں اس پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو روح کی حقیقت پر مطلع نہیں کیا بلکہ جائز ہے کہ مطلع کیا ہو اور لوگوں کو بتلانے کا آپ کو حکم نہ دیا ہو، اور بعض علماء نے علم قیامت کے متعلق بھی یہی کہا ہے اور بندہ مسکین (اللہ تعالیٰ اس کو نور علم اور یقین کے ساتھ خاص فرمائے) یہ کہتا ہے کہ کوئی مومن عارف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روح کے علم کی نفی کیسے کر سکتا ہے، وہ جو سید المرسلین اور امام العارفین ہیں۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات اور صفات کا علم عطا فرمایا ہے اور تمام اولین اور آخرین کے علوم آپ کو عطا کیے ہیں، ان کے سامنے روح کے علم کی کیا حقیقت ہے آپ کے علم کے سمندر کے سامنے روح کے علم کی ایک قطرہ سے زیادہ کیا حقیقت ہے۔

(مدارج النبوت ج ۲ص ۴۱-۴۰، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر، ۱۳۹۷ھ)

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ لکھتے ہیں:

قرآن کریم نے اس سوال کا جواب مخاطب کی ضرورت اور فہم کے مطابق دے دیا، حقیقت روح کو بیان نہیں فرمایا مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ روح کی حقیقت کو کوئی انسان سمجھ ہی نہیں سکتا، اور یہ کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس کی حقیقت معلوم نہیں تھی، صحیح بات یہ ہے کہ یہ آیت نہ اس کی نفی کرتی ہے نہ اثبات۔ اگر کسی نبی و رسول کو وحی کے ذریعہ یا کسی ولی کو کشف والہام کے ذریعہ اس کی حقیقت معلوم ہو جائے تو اس آیت کے خلاف نہیں۔

(معارف القرآن ج ۵ ص ۵۲۸، مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی، ۱۴۱۲ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر (بالفرض) ہم چاہیں تو ہم ضرور اس تمام وحی کو سلب کر لیں جو ہم نے آپ کی طرف نازل کی ہے، پھر ہمارے مقابلہ میں آپ کو کوئی حمایتی نہ مل سکے ○ ماسوا آپ کے رب کی رحمت کے، بے شک آپ پر اللہ کا بہت بڑا فضل ہے ○ (بنی اسرائیل: ۸۷-۸۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ کی رحمت اور اس کے فضل کی دلیل

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو بہت کم علم دیا ہے، اور اس آیت میں فرمایا اگر اللہ چاہے تو لوگوں کے دلوں سے اس کم علم کو بھی نکال لے۔ بایں طور کہ دلوں سے اس علم کو مٹا دے اور کتابوں سے بھی اس کو محو کر دے، اگر چہ ایسا ہونا عادت کے خلاف ہے لیکن اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے۔

اس کے بعد فرمایا ماسوا آپ کے رب کی رحمت کے یعنی اس وحی کا سینوں اور صحیفوں مین باقی اور محفوظ رہنا صرف آپ کے رب کی رحمت اور اس کے فضل سے ہی ہو سکتا ہے اور چونکہ قرآن مجید مسلمانوں کے سینوں اور صحیفوں میں محفوظ ہے اس سے معلوم ہوا کہ آپ کے رب کی رحمت اور اس کا فضل آپ کے شامل حال ہے۔

دلوں سے علم کا نکل جانا

زیاد بن لبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چند اشیاء کا ذکر کیا اور فرمایا یہ اس وقت ہو گا جب علم چلا جائے گا، میں نے کہا یا رسول اللہ! علم کیسے چلا جائے گا، حالانکہ ہم خود قرآن پڑھتے ہیں اور اپنے بچوں کو قرآن پڑھاتے ہیں اور ہمارے بچے اپنے بچوں کو پڑھائیں گے اور یونہی قیامت تک ہوتا رہے گا، آپ نے فرمایا زیاد! تمہاری ماں تم پر روئے! میرا خیال تھا کہ تم مدینہ میں سب سے زیادہ سمجھ دار شخص ہو، کیا یہ یہود اور نصاریٰ تورات اور انجیل کو نہیں

پڑھتے! وہ تورات اور انجیل پر لکھے ہوئے کے موافق بالکل عمل نہیں کرتے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۴۸، مسند احمد ج ۴ ص ۲۱۹، ۲۱۸، ۱۶۰، المستدرک ج ۱ ص ۱۰۰ یہ حدیث ضعیف ہے)

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام اس طرح مٹ جائے گا جس طرح کپڑے کے نقش و نگار مٹ جاتے ہیں، حتیٰ کہ یہ معلوم نہیں ہوگا کہ روزہ کیا ہے اور نماز کیا ہے اور قربانی کیا ہے اور صدقہ کیا ہے، ایک رات میں کتاب اللہ چلی جائے گی اور زمین میں اس کی ایک آیت بھی نہیں رہے گی اور لوگوں کے گروہ باقی رہیں گے، بہت بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت، یہ کہیں گے ہم نے اپنے باپ دادا کو یہ کلمہ پڑھتے ہوئے پایا لا الہ الا اللہ سو ہم بھی یہ کلمہ پڑھتے ہیں، حضرت حذیفہ سے صلہ نے کہا لا الہ الا اللہ ان لوگوں کو نجات نہیں دے سکتا جب کہ وہ نہ جانتے ہوں کہ نماز کیا ہے، روزہ کیا ہے، قربانی کیا ہے، اور صدقہ کیا ہے، حضرت حذیفہ نے اس سے اعراض کیا، صلہ نے اپنی بات کو تین بار دہرایا اور ہر بار حذیفہ نے اس کی بات کو رد کیا پھر تیسری بار اس کی طرف متوجہ ہو تین بار کہا اے صلہ! ان کو یہ کلمہ نجات دے دے گا۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۴۹، المستدرک ج ۴ ص ۴۷۳، اس حدیث کی سند صحیح ہے)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ اگر تمام انسان اور جن مل کر اس قرآن کی مثل لانا چاہیں تو وہ اس کی مثل نہیں لاسکیں گے خواہ وہ ایک دوسرے کے مددگار ہوں ○ (بنی اسرائیل: ۸۸)

اس آیت کی مکمل تفسیر ہم البقرہ: ۲۳ میں بیان کر چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہم نے اس قرآن میں لوگوں (کی ہدایت) کے لیے ہر قسم کی مثالیں بیان کر دی ہیں مگر اکثر لوگوں نے ناشکری کے سوا (ہر چیز کا) انکار کر دیا ○ (بنی اسرائیل: ۸۹)

قرآن مجید کا متعدد اسالیب سے ہدایت دینا

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مکہ والوں کی ہدایت کے لیے قرآن مجید میں مختلف اسلوب استعمال کیے جن میں سے بعض یہ ہیں:

(۱) اہل مکہ یہ کہتے تھے کہ یہ قرآن کریم اللہ کا کلام نہیں ہے، بلکہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بنالیا ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کو چیلنج دیا کہ اگر یہ کسی انسان کا بنایا ہوا کلام ہے تو تم اور جنات مل کر ایسا کلام بنا کر لے آؤ لیکن وہ اس سے عاجز رہے۔ پھر فرمایا چلو اس جیسی دس سورتیں بنا کر لے آؤ (ھود: ۱۳) وہ اس سے بھی عاجز رہے، پھر فرمایا چلو اس کی کسی ایک سورت کی مثل بنا کر لے آؤ وہ اس سے بھی عاجز رہے، (البقرہ: ۲۳) پھر فرمایا چلو اس کی ایک آیت کی مثل بنا کر لے آؤ (الطور: ۳۴) وہ اس سے بھی عاجز رہے اور اس کے باوجود ایمان نہیں لائے۔

(۲) ہم نے اس قرآن میں بار بار بتایا کہ جو قومیں ایمان نہیں لائیں اور اپنے کفر پر ڈٹی رہیں ان پر طرح طرح کی مصیبتیں اور عذاب آئے اگر اہل مکہ تم بھی اپنی ہٹ دھرمی سے باز نہ آئے تو تمہارا بھی یہی حشر ہوگا مگر انہوں نے اس نصیحت کو بھی قبول نہیں کیا۔ اور اسی طرح اپنے کفر پر جمے رہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بار بار توحید پر دلائل قائم کیے اور شرک کا رد کیا، اور نبوت پر، قیامت پر اور مر کر دوبارہ زندہ کیے جانے پر دلائل قائم کیے اور اس سلسلہ میں منکرین نبوت اور قیامت کے جو شبہات تھے ان کا رد بلیغ کیا، لیکن کفار نے ان دلائل سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا وہ بدستور اپنے انکار اور عناد پر قائم رہے، اور اسی طرح شرک اور بت پرستی کرتے رہے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کرتے رہے، انہیں بہت معجزات دکھائے گئے لیکن ان پر کوئی اثر نہیں

ہوا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے کہا ہم ہرگز آپ پر ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ آپ ہمارے لیے زمین سے کوئی چشمہ جاری کر دیں ○ یا آپ کے لیے کھجوروں اور انگوروں کا کوئی باغ ہو، پھر آپ ان کے درمیان سے بہتے ہوئے دریا جاری کر دیں ○ یا جس طرح آپ ہم سے کہتے ہیں، ہم پر آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرا دیں یا آپ اللہ کو اور فرشتوں کو ہمارے سامنے (بے حجاب) لے آئیں ○ یا آپ کے لیے سونے کا کوئی گھر ہو، یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں اور ہم آپ کے چڑھنے پر (بھی) ہرگز ایمان نہیں لائیں گے، حتیٰ کہ آپ ہم پر کتاب نازل کریں جس کو ہم پڑھیں، آپ کہیے میرا رب پاک ہے میں تو صرف ایک بشر ہوں جس کو رسول بنایا گیا ہے ○ (بنی اسرائیل: ۹۳-۹۰)

تبلیغ اسلام سے دست کش ہونے کے لیے کفار مکہ کی پیش کش

امام ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابو سفیان بن حرب، نضر بن الحارث، ابو البختری بن ہشام، الاسود بن المطلب، زمعہ بن الاسود، ولید بن مغیرہ، ابو جہل بن ہشام، عبداللہ بن ابی امیہ، العاص بن وائل، امیہ بن خلف اور دیگر بڑے بڑے کفار قریش غروب آفتاب کے وقت کعبہ میں جمع ہوئے، پھر انہوں نے ایک دوسرے سے کہا کسی کو بھیج کر (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بلاؤ اور ان سے اس دین کے متعلق بات کرو جس کی وہ دعوت دیتے ہیں، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے تو انہوں نے کہا تمہاری قوم کے بڑے بڑے سردار یہاں موجود ہیں، اور اللہ کی قسم! ہم تم کو یہ بتا رہے ہیں کہ عرب کے کسی شخص نے اپنی قوم کو اتنا نقصان نہیں پہنچایا جتنا تم نے اپنی قوم کو نقصان پہنچایا ہے، تم نے ان کے باپ دادا کو برا کہا، ان کے دین کی مذمت کی، ان کے خداؤں کو برا کہا، ان کے نوجوانوں کو گمراہ کیا، اور جماعت میں تفرقہ ڈالا اور کوئی برائی نہ تھی جو تم نے ہمارے ساتھ نہ کی ہو، اگر تم نے یہ سب کچھ مال و دولت کے حصول کے لیے کیا ہے تو ہم تمہارے پاس مال و دولت کا ڈھیر لگا دیتے ہیں، حتیٰ کہ تم ہم میں سب سے زیادہ مال دار ہو جاؤ گے، اور اگر تم اس کارروائی سے شرف اور بزرگی چاہتے ہو تو ہم تم کو اپنا سردار مان لیتے ہیں، اور اگر تم اس سے ملک اور سلطنت چاہتے ہو تو ہم تم کو اپنا بادشاہ مان لیتے ہیں اور اگر کوئی جن تم پر غالب ہو گیا ہے تو ہم مال خرچ کر کے تمہارا علاج کراتے ہیں، حتیٰ کہ تم تندرست ہو جاؤ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مجھ میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے، جو تم کہہ رہے، میں تمہیں جو دین اسلام کی دعوت دیتا ہوں اس سے میری یہ غرض نہیں ہے کہ تم سے مال حاصل کروں اور نہ میں تم پر بزرگی اور بڑائی چاہتا ہوں اور نہ میں تم پر بادشاہت چاہتا ہوں، لیکن اللہ نے مجھے رسول بنا کر تمہارے پاس بھیجا ہے، اور مجھ پر کتاب نازل کی ہے، اور مجھ کو حکم دیا ہے کہ تم کو خوش خبری دوں اور ڈراؤں، پس میں نے تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچائے اور تمہاری خیر خواہی کی، پس اگر تم نے میرے لائے ہوئے دین کو قبول کر لیا تو وہ تمہاری دنیا اور آخرت کی کامیابی ہے اور اگر تم نے میرے پیغام کو مسترد کر دیا تو میں اللہ کے حکم کے مطابق صبر کروں گا، حتیٰ کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ کا حکم آ جائے۔

کفار مکہ کا فرمائشی معجزات طلب کرنا

کفار قریش نے کہا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر تم ہماری پیش کش کو قبول نہیں کرتے تو سنو! ہمارے شہر سے تنگ کوئی اور شہر نہیں ہے اور نہ ہم سے زیادہ سخت کسی کی معیشت ہے، تم ہمارے لیے اپنے رب سے سوال کرو جس نے تم کو بھیجا ہے کہ وہ ان پہاڑوں کو دور دور ہٹا دے جنہوں نے اس شہر کو ہم پر تنگ کیا ہوا ہے، اور ہمارے شہر کو وسیع کر دے اور ہمارے لیے ایسے دریا جاری کر دے جیسے ملک شام اور عراق میں دریا ہیں، اور ہمارے مرے ہوئے باپ دادا میں سے کسی کو

زندہ کر کے ہمارے پاس بھیجے اور قصی بن کلاب کو بھیج دے، کیونکہ وہ سچا آدمی تھا، ہم اس سے تمہاری دعوت کے متعلق پوچھیں گے آیا تمہاری دعوت حق ہے یا باطل ہے، اگر اس نے تمہاری تصدیق کر دی اور تم نے ہمارے مطالبہ کو پورا کر دیا تو ہم تمہاری تصدیق کریں گے اور ہم جان لیں گے کہ اللہ کے نزدیک تمہارا کیا مرتبہ ہے اور یہ کہ واقعی اللہ نے تمہیں رسول بنایا ہے۔

تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہارے پاس اس کام کے لیے نہیں بھیجا گیا ہوں، میں اللہ کے پاس سے تمہارے لیے دین کا پیغام لایا ہوں، اور میں نے اپنا پیغام تم کو پہنچا دیا ہے، اگر تم نے اس کو قبول کر لیا تو تمہارے لیے دنیا اور آخرت کی کامیابی ہے، اور اگر تم نے اس کو مسترد کر دیا تو میں اللہ کی تقدیر پر صبر کروں گا، حتیٰ کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ کا حکم آجائے۔ انہوں نے کہا اگر تم ہمارے لیے یہ مطالبہ نہیں کرتے تو اپنے لیے اپنے رب سے سوال کرو کہ وہ تمہارے ساتھ ایک فرشتہ بھیجے جو تمہارے دین کی تصدیق کرے اور تمہاری طرف سے ہم کو جواب دے، اور تم اپنے رب سے سوال کرو کہ وہ تمہارے لیے باغات اور محلات بنا دے اور تمہیں سونے اور چاندی کے خزانے دے حتیٰ کہ تم تلاش معاش سے مستغنی ہو جاؤ۔ کیونکہ تم ہماری طرح بازاروں میں جاتے ہو اور ہماری طرح روزی کی تلاش میں رہتے ہو، حتیٰ کہ ہم جان لیں کہ واقعی تم اللہ کے رسول ہو اور اللہ کے نزدیک تمہاری بہت فضیلت اور وجاہت ہے۔

تب ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ایسا نہیں کروں گا اور میں اپنے رب سے اس طرح کے سوال نہیں کروں گا، اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہارے پاس اس لیے نہیں بھیجا، لیکن اللہ نے مجھے خوش خبری سنانے کے لیے اور عذاب سے ڈرانے کے لیے بھیجا ہے، اگر تم نے میرے پیغام کو قبول کر لیا تو یہ تمہاری دنیا اور آخرت میں کامیابی ہے، اور اگر تم نے اس پیغام کو مسترد کر دیا تو میں اللہ کی تقدیر پر صبر کروں گا، حتیٰ کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ کا حکم آجائے۔ پھر کفار قریش نے کہا تو پھر آسمان کے ٹکڑے ہم پر گرا دو، جیسا کہ تم کہتے ہو کہ اگر تمہارا رب چاہے تو وہ ایسا کرے گا، ہم تم پر اسی وقت ایمان لائیں گے جب تم ایسا کر گزرو گے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ اللہ کی مشیت پر موقوف ہے وہ اگر چاہے گا تو تمہارے ساتھ ایسا کرے گا، پھر انہوں نے کہا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آیا آپ کے رب کو معلوم ہے کہ ہم آپ کی مجلس میں بیٹھے ہیں اور آپ سے یہ سوال اور یہ مطالبے کر رہے ہیں، پھر آپ کا رب آپ کو بتائے گا کہ آپ کا رب ہمارے ان فرمائشی معجزات کے متعلق کیا کرنے والا ہے، اور آپ کو اس سلسلے میں کیا جواب دے گا، کیونکہ ہم نے آپ کے پیغام کو قبول نہیں کیا اور ہم کو معلوم ہے کہ یمامہ میں ایک شخص ہے جو آپ کو سکھاتا ہے اس کا نام رحمٰن ہے اور ہم اللہ کی قسم رحمٰن پر کبھی ایمان نہیں لائیں گے، اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے آپ پر حجت پوری کر دی ہے، اور ان میں سے ایک شخص نے کہا ہم اس وقت تک آپ پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ آپ اللہ کو اور فرشتوں کو ہمارے سامنے بے حجاب لے آئیں۔ (السیرۃ النبویہ ج ۱ ص ۳۳۴۔۳۳۲، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

فرمائشی معجزات نازل نہ کرنے کی وجوہات

علامہ ابو القاسم عبد الرحمٰن بن عبد اللہ سہیلی متوفی ۵۸۱ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کفار مکہ نے چند معجزات کا مطالبہ کیا کہ پہاڑوں کو اپنی جگہ سے پیچھے دھکیل دیا جائے اور آپ پر فرشتے نازل کیے جائیں وغیرہ وغیرہ اور یہ ان کی اللہ تعالیٰ کے امتحان لینے کی حکمت سے جہالت تھی کہ اس کے بندے رسولوں کی تصدیق کریں اور دلائل میں غور و فکر کر کے ایمان لائیں اور اس وجہ سے ان کو ثواب ملے، اور اگر تمام حجابات

اٹھادئے جاتے اور ان کو رسولوں کی بعثت کا بداہتاً علم ہو جاتا تو پھر ثواب اور عذاب دینے کی حکمت ہی باطل ہو جاتی کیونکہ جس کام میں انسان کے غور و فکر کا کسب نہ ہو اس پر اس کو اجر نہیں دیا جاتا، اللہ تعالیٰ نے نبوت اور رسالت پر ایسے معجزات اور دلائل فراہم کیے جن میں انسان کے غور و فکر کا دخل ہو اور وہ ان دلائل میں غور و فکر کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرے تاکہ اس کو اجر کا مستحق قرار دیا جاسکے، ورنہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر تھا کہ وہ انسانوں سے ایسا کلام کرتا جس کو وہ سن سکتے اور وہ اس سے مستغنی ہو جاتے کہ ان کی طرف کسی رسول کو بھیجا جائے اس لیے اللہ تعالیٰ نے نبی اور دیگر امور غیبیہ کی تصدیق کی دو قسمیں کیں، دنیا میں نبی کی تصدیق کو دلائل کے ساتھ غور و فکر پر مبنی کیا کیونکہ دنیا دار تکلیف اور دار امتحان ہے اور یہاں نبی کی تصدیق کرنے اور نہ کرنے کو ثواب اور عذاب پر مرتب کیا، اور آخرت میں نبی کی تصدیق اضطراری اور بدیہی طور پر ہو جائے گی کیونکہ جن چیزوں کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں خبر دی تھی ان سب کا مشاہدہ انسان کی آنکھ کر لے گی اور آخرت کی تصدیق میں کوئی ثواب اور جزا نہیں ہوگی کیونکہ اس میں انسان کے کسی امتحان اور کسی آزمائش کا دخل نہیں ہوگا۔ اسی طرح کفار قریش نے جن معجزات کا مطالبہ کیا تھا کہ فرشتے آکر ان سے باتیں کریں، اور وہ اللہ اور فرشتوں کو بے حجاب دیکھیں اس سے اضطراری اور غیر اختیاری طور پر نبوت اور دیگر امور غیبیہ کی تصدیق ہو جاتی اور ان کے امتحان اور آزمائش کا کوئی موقع نہ رہتا اور ثواب اور عذاب کا استحقاق بے معنی ہو جاتا اور نبیوں اور رسولوں کو بھیجنے کی حکمت باطل ہو جاتی، اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے فرمائشی معجزات پورے نہیں کیے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ پچھلی امتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے فرمائشی معجزات پورے کیے جیسے حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کے مطالبہ پر پتھر کی چٹان سے اونٹنی اور اس کے بچہ کو برآمد کیا لیکن ان کی قوم پھر بھی ایمان نہیں لائی اور حضرت صالح علیہ السلام کی تکذیب کی اور وہ اونٹنی جو اللہ کی نشانی تھی اس کی بے حرمتی کی اور اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے فرمائشی معجزات پورے نہیں کیے قرآن مجید میں ہے:

وَمَا مَنَعَنَآ اَنۡ نُّرۡسِلَ بِالۡاٰيٰتِ اِلَّاۤ اَنۡ كَذَّبَ بِهَا الۡاَوَّلُوۡنَ ؕ (بنی اسرائیل: ۵۹)

اور ہمیں (فرمائشی) معجزات نازل کرنے سے صرف یہ چیز مانع ہے کہ پچھلی امتوں کے لوگ ان کی تکذیب کر چکے تھے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ یہ کسی حقیقت تک پہنچنے کے لیے معجزات طلب نہیں کر رہے، نہ کسی الجھن اور شک و شبہ کو دور کرنا چاہتے ہیں بلکہ یہ محض عناد، ضد اور ہٹ دھرمی کے طور پر سوالات کر رہے ہیں اور اگر بالفرض ان کی فرمائش کو پورا کر بھی دیا جائے تو یہ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے اور ان کے یہ مطالبات صرف کٹ حجتی پر مبنی ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے فرمائشی معجزات پورے نہیں کیے۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ جب کسی قوم کی فرمائش پر کوئی معجزہ نازل کیا جائے اور وہ قوم پھر بھی ایمان نہ لائے تو اللہ تعالیٰ کا دستور ہے کہ وہ اس قوم پر عذاب نازل کر کے اس کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے ہوئے ان پر عذاب نازل کرنا اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف تھا اللہ تعالیٰ فرما چکا ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمۡ وَاَنۡتَ فِيۡهِمۡ ؕ (الانفال: ۳۳)

اور اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ وہ آپ کے ہوتے ہوئے ان پر عذاب نازل فرمائے۔

پانچویں وجہ یہ ہے کہ کسی انسان کے یقین اور اطمینان کے لیے جتنے معجزات کی ضرورت تھی وہ اللہ تعالیٰ نازل کر چکا تھا اب مزید معجزات کی ضرورت نہ تھی۔ (الروض الانف ج ۲ ص ۴۹-۴۷، ملخصاً، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ)

معجزات کے مقدورِ نبی ہونے کی بحث

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کے فرمائشی معجزات نازل کرنے سے انکار فرمادیا اس سے یہ وہم نہ کیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معجزات صادر کرنے اور ان کے اظہار پر قادر نہ تھے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات پر قادر ہونے کا معنی یہ ہے کہ جو معجزات اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمادیے تھے ان کے اظہار پر آپ کو قدرت تھی اور اختیار تھا جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہمیں جن کاموں کی قدرت عطا کی ہے ہم ان کاموں کو اپنے اختیار اور قدرت سے صادر کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت اور طاقت کے بغیر ہم کوئی کام کر سکتے ہیں نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کر سکتے ہیں، معجزہ کے مقدور ہونے کی مکمل بحث ہم نے الاعراف: ۲۰۱ اور انفال: ۱۹ کی تفسیر میں بیان کر دی ہے اس بحث کو وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بشر ہونے کی تحقیق

آیت: ۹۴ میں فرمایا ہے: آپ کہیے میرا رب پاک ہے میں تو صرف بشر ہوں جس کو رسول بنایا گیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بشر ہونا بھی ایک معرکۃ الآراء مسئلہ ہے اور اس میں بہت تفریط کی گئی ہے۔ بعض لوگ اس میں غلو کرتے ہیں اور آپ کو نور محض مانتے ہیں اور آپ کے بشر ہونے کا انکار کرتے ہیں اور بعض اس مسئلہ میں تفریط کرتے ہیں اور آپ کو اپنا سا بشر کہتے ہیں۔ تحقیق یہ ہے کہ آپ بشر ضرور ہیں لیکن افضل البشر ہیں اور آپ کے کسی وصف میں آپ کا کوئی مماثل نہیں ہے۔

صدر الشریعہ علامہ امجد علی متوفی ۱۳۷۶ھ لکھتے ہیں:

عقیدہ: نبی اس بشر کو کہتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لیے وحی بھیجی ہو اور رسول بشر کے ساتھ ہی خاص نہیں بلکہ ملائکہ بھی رسول ہیں۔

عقیدہ: انبیاء سب بشر تھے اور مرد، نہ کوئی جن نبی ہوا نہ عورت۔ (بہار شریعت ج ا ص ۹، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور)

صدر الافاضل علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں:

انبیاء وہ بشر ہیں جن کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آتی ہے یہ وحی کبھی فرشتہ کی معرفت آتی ہے کبھی بے واسطہ۔ (کتاب العقائد ص ۸، مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ سے سوال کیا گیا:

زید کا قول یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہماری مثل ایک بشر تھے کیونکہ قرآن عظیم میں ارشاد ہے: قل انما انا بشر مثلکم اور خصائص بشریت بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم میں بلاشبہ موجود تھے، کیا کھانا پینا، جماع کرنا، بیٹا ہونا، باپ ہونا، کفو ہونا، سونا وغیرہ امور خواص بشریت سے نہیں ہیں! جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود تھے، اگر کوئی بشریت کی بناء پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے مساوات کا دعویٰ کرنے لگے تو یہ نالائق حرکت ہے جیسا کہ عارف بسطامی سے منقول ہے کہ لوائی ارفع من لواء محمد صلی اللہ علیہ وسلم (میرا جھنڈا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے سے بلند ہے)۔

اعلیٰ حضرت امام الشاہ احمد رضا قدس سرہ اس سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

الجواب: مستفتی کو تعجیل اور فقیر بتیس ۳۲ روز سے علیل اور مسئلہ ظاہر و بین غیر محتاج دلیل للہذا صرف ان اجمالی

کلمات پر اقتصار ہوتا ہے عمرو کا قول مسلمانوں کا قول ہے اور زید نے وہی کہا جو کافر کہا کرتے تھے قالوا ما انتم الا بشر مثلنا کافر بولے تم تو نہیں مگر ہم جیسے آدمی، بلکہ زید مدعی اسلام کا قول ان کافروں کے قول سے بعید تر ہے وہ جو انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کو اپنا سا بشر مانتے تھے اس لیے کہ ان کی رسالت سے منکر تھے کہ ما انتم الا بشر مثلنا وما انزل الرحمن من شئی ان انتم لاتکذبون تم تو نہیں مگر ہماری مثل بشر اور رحمٰن نے کچھ نہیں اتارا تم نرا جھوٹ کہتے ہو، واقعی جب ان خبثاء کے نزدیک وحی نبوت باطل تھی تو انہیں اپنی سی بشریت کے سوا کیا نظر آتا لیکن ان سے زیادہ دل کے اندھے وہ کہ وحی و نبوت کا اقرار کریں اور پھر انہیں اپنا ہی سا بشر جانیں، زید کو قل انما انا بشر مثلکم سوجھا اور یوحی الی نہ سوجھا جو غیر متناہی فرق کو ظاہر کرتا، زید نے اتنا ہی ٹکڑا لیا جو کافر لیتے تھے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی بشریت جبریل علیہ الصلوۃ والسلام کی ملکیت سے اعلیٰ ہے وہ ظاہری صورت میں ظاہر بینوں کی آنکھوں میں بشریت رکھتے ہیں جس سے مقصود خلق کا ان سے انس حاصل کرنا اور ان سے فیض پانا واللہ ارشاد فرماتا ہے ولو جعلناہ ملکا لجعلنہ رجلا وللبسنا علیھم ما یلبسون اور اگر ہم فرشتے کو رسول کر کے بھیجتے تو ضرور اسے مرد ہی کی شکل میں بھیجتے اور ضرور انہیں اسی شبہ میں رکھتے جس دھوکے میں اب ہیں، ظاہر ہوا کہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی ظاہری صورت دیکھ کر انہیں اوروں کی مثل بشر سمجھنا ان کی بشریت کو اپنا سا جاننا ظاہر بینوں کو رباطنوں کا دھوکا ہے۔ شیطان کے دھوکے میں پڑے ہیں۔

ہمسری با اولیا برداشتند
انبیا را ہم چو خود پنداشتند

ان کا کھانا پینا سونا یہ افعال بشری اس لیے نہیں کہ وہ ان کے محتاج ہیں حاشا لست کاحدکم انی ابیت عند ربی یطعمنی ویسقینی ان کے یہ افعال بھی اقامت سنت و تعلیم امت کے لیے تھے کہ ہر بات میں طریقہ محمودہ لوگوں کو عملی طور سے دکھائیں سکھائیں جیسے ان کا سہو ونسیان، حدیث میں ہے، انی لاانسی ولکن انسی لیستن بی میں بھولتا نہیں بھلایا جاتا ہوں تاکہ حالت سہو میں امت کو طریقہ سنت معلوم ہو۔

امام اجل محمد عبدری ابن الحاج مکی قدس سرہ مدخل میں فرماتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احوال بشری کھانا پینا سونا جماع اپنے نفس کریم کے لیے نہ فرماتے تھے بلکہ بشر کو انس دلانے کے لیے کہ ان افعال میں حضور کی اقتداء کریں کیا نہیں دیکھتا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں عورتوں سے نکاح کرتا ہوں اور مجھے ان کی کچھ حاجت نہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے تمہاری دنیا میں سے خوشبو اور عورتوں کی محبت دلائی گئی، یہ نہ فرمایا کہ میں نے انہیں دوست رکھا اور فرمایا تمہاری دنیا میں سے تو اسے اوروں کی طرف اضافت فرمایا نہ اپنے نفس کریم کی طرف صلی اللہ علیہ وسلم، معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اپنے مولیٰ عزوجل کے ساتھ خاص ہے، جس پر یہ ارشاد کریم دلالت کرتا ہے کہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی، تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہر صورت بشری اور باطن ملکی ہے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ افعال بشری محض اپنی امت کو انس دلانے اور ان کے لیے شریعت قائم فرمانے کے واسطے کرتے تھے نہ یہ کہ حضور کو ان میں سے کسی شے کی کچھ حاجت ہو جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا انہیں اوصاف جلیلہ و فضائل حمیدہ سے جہل کے باعث بیچارے جاہل یعنی کافر نے کہا اس رسول کو کیا ہوا کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے، عمرو نے سچ کہا کہ یہ قول حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے نہ فرمایا بلکہ اس کے فرمانے پر مامور ہوئے جس کی حکمت تعلیم تواضع و تانیس امت و سد غلو نصرانیت ہے اول،

دوم ظاہر اور سوم یہ کہ مسیح علیہ الصلوۃ والسلام کو ان کی امت نے ان کے فضائل پر خدا اور خدا کا بیٹا کہا پھر فضائل محمدیہ علی صاحبہا افضل الصلوۃ والتحیۃ کی عظمت شان کا اندازہ کون کر سکتا ہے، یہاں اس غلو کے سد باب کے لیے تعلیم فرمائی گئی کہ کہو کہ میں تم جیسا بشر ہوں خدا یا خدا کا بیٹا نہیں ہاں یوحی الی رسول ہوں دفع افراط نصرانیت کے لیے پہلا کلمہ تھا اور دفع تفریط ابلیسیت کے لیے دوسرا کلمہ اسی کی نظیر ہے جو دوسری جگہ ارشاد ہوا قل سبحن ربی ھل کنت الا بشرا رسولا تم فرما دو پاکی ہے میرے رب کو میں خدا نہیں ہوں میں تو انسان رسول ہوں انہیں دونوں کے دفع کو کلمہ شہادت میں دونوں لفظ کریم جمع فرمائے گئے اشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ بندے ہیں خدا نہیں ہیں رسول ہیں خدا سے جدا نہیں، شیطنت اس کی کہ دوسرا کلمہ امتیاز اعلیٰ چھوڑ کر پہلے کلمہ تواضع پر اقتصار کرے، اسی ضلالت کا اثر ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دعویٰ مساوات کو صرف نالائق حرکت کہا نالائق حرکت تو یہ بھی ہے کہ کوئی بلاوجہ زید کو طمانچہ مار دے یعنی اس زید کو جس نے کفر وضلال نہ بکے ہوں پھر کہاں یہ اور کہاں وہ دعویٰ مساوات کہ کفر خالص ہے، اور اس کا اولیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرف معاذ اللہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ارفعیت کا ادعا نسبت کرنا محض افترا اور کج فہمی ہے حاشا کوئی ولی کیسے ہی مرتبہ عظیمہ پر ہو سرکار کے دائرہ غلامی سے باہر قدم نہیں رکھ سکتا، اکابر انبیاء تو دعویٰ مساوات کر نہیں سکتے، شیخ الانبیاء خلیل کبریا علیہ الصلوۃ والثنا نے شب معراج حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خطبہ سن کر تمام انبیاء و مرسلین علیہم الصلوۃ والتسلیم سے فرمایا بھذا فضلکم محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان وجوہ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم سب پر افضل ہوئے، ولی کس منہ سے دعویٰ ارفعیت کرے گا اور جو کرے حاشا ولی نہ ہو گا شیطان ہو گا، حضرت سیدنا بایزید بسطامی اور ان کے امثال ونظائر رضی اللہ تعالیٰ عنہم وقت ورود تجلی خاص شجرہ موسیٰ ہوتے ہیں سیدنا موسیٰ کلیم علیہ الصلوۃ والتسلیم کو درخت میں سے سنائی دیا یموسی انی انا اللہ رب العلمین اے موسیٰ بے شک میں اللہ ہوں رب سارے جہان کا، کیا یہ پیڑ نے کہا تھا حاشا اللہ بلکہ واحد قہار نے جس نے درخت پر تجلی فرمائی اور وہ بات درخت سے سننے میں آئی، کیا رب العزت ایک درخت پر تجلی فرما سکتا ہے اور اپنے محبوب بایزید پر نہیں، نہیں نہیں وہ ضرور تجلی ربانی تھی کلام بایزید کی زبان سے سنا جاتا تھا جیسے درخت سے سنا گیا اور متکلم اللہ عزوجل تھا اسی نے وہاں فرمایا یموسی انی انا اللہ رب العلمین اسی نے یہاں بھی فرمایا سبحانی ما اعظم شانی اور ثابت ہو تو یہ بھی کہ لوائی ارفع من لواء محمد صلی اللہ علیہ وسلم بے شک لواء الٰہی لواء محمدی سے ارفع واعلیٰ ہے۔ (اعلیٰ حضرت کا مطلب یہ ہے کہ جب حضرت بایزید نے بظاہر لوائی ارفع من لواء محمد کہا تھا تو یہ حقیقت میں اللہ کا کلام تھا اور اللہ فرما رہا تھا میرا جھنڈا محمد کے جھنڈے سے بلند ہے، جیسے شجر موسیٰ سے اللہ کا کلام سنا گیا تھا اسی طرح یہاں بایزید سے اللہ کا کلام سنا گیا۔)

(فتاویٰ رضویہ ج ۶ ص ۱۴۵۔ ۱۴۳، مطبوعہ دار العلوم امجدیہ کراچی، ۱۴۱۲ھ)

شیخ خلیل احمد سہارنپوری متوفی ۱۳۴۶ھ لکھتے ہیں:

کوئی ادنیٰ مسلمان بھی فخر عالم علیہ الصلوۃ کے تقرب و شرف کمالات میں کسی کو مماثل آپ کا نہیں جانتا البتہ نفس بشریت میں مماثل آپ کے جملہ بنی آدم ہیں کہ خود حق تعالیٰ فرماتا ہے قل انما بشر مثلکم اور بعد اس کے یوحی الی کی قید سے پھر وہی شرف تقرب بعد اثبات مماثلت بشریت فرمایا پس اگر کسی نے بوجہ بنی آدم ہونے کے آپ کو بھائی کہا تو کیا خلاف نص کے کہہ دیا وہ تو خود نص کے موافق ہی کہتا ہے۔

نیز لکھتے ہیں:

لاریب اخوت نفس بشریت میں اور اولاد آدم ہونے میں ہے اور اس میں مساوات بہ نص قرآن ثابت ہے اور کمالات تقرب میں کوئی نہ بھائی کہے نہ مثل جانے۔ (براہین قاطعہ ص ۳، مطبوعہ بلالی ڈھوک ہند)

شیخ سہارنپوری کے اس کلام کا حاصل یہ ہے کہ نفس بشریت میں تمام انسان آپ کے مماثل اور مساوی ہیں ہمارے نزدیک یہ کہنا صحیح نہیں ہے۔ انبیاء علیہم السلام میں عام انسانوں کی بہ نسبت ایک وصف زائد ہوتا ہے جو نبوت ہے وہ حامل وحی ہوتے ہیں، فرشتوں کو دیکھتے ہیں اور ان کا کلام سنتے ہیں اس لیے نبی کی بشریت اور عام انسانوں کی بشریت مماثل اور مساوی نہیں ہے، اور اگر یہ کہا جائے کہ نبوت سے قطع نظر تو نفس بشریت میں مساوات ہے تو میں کہوں گا کہ اس طرح تو نفس حیوانیت میں نطق سے قطع نظر انسان گدھوں، کتوں اور خنزیروں کے مماثل اور مساوی ہے اور ایسا کہنا انسان کی توہین ہے، اسی طرح نفس بشریت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انسانوں کے مماثل اور مساوی کہنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین ہے، اگر یہ کہا جائے کہ قرآن مجید میں ہے قل انما انا بشر مثلکم (الکھف: ۱۱۰) تو اس کے دو جواب ہیں، ایک جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ یَّطِیْرُ بِجَنَاحَیْهِ اِلَّاۤ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ۔ (الانعام: ۳۸)

ہر وہ جاندار جو زمین پر چلتا ہے اور ہر وہ پرند جو اپنے پروں کے ساتھ اڑتا ہے وہ تمہاری ہی مثل گروہ ہیں۔

اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ زمین اور فضا کے تمام جاندار اور تمام پرند انسانوں کی مثل ہیں تو اس طریقہ سے کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ انسان چیل، گدھ اور بندر اور خنزیر کی مثل ہے تو کیا یہ انسان کی توہین نہیں ہے، لہٰذا اگر یہ کہا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں کے مساوی اور ان کی مثل ہیں تو یہ بھی آپ کی توہین ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس چیز میں عام انسانوں کی مثل ہیں کسی وجودی وصف میں کوئی انسان آپ کی مثل نہیں ہے، بلکہ آپ کے ساتھ مماثلت عدمی وصف میں ہے نہ ہم خدا ہیں نہ آپ خدا ہیں، نہ ہم واجب اور قدیم ہیں نہ آپ واجب اور قدیم ہیں نہ ہم مستحق عبادت ہیں نہ آپ مستحق عبادت ہیں اور یہ آیت اسی معنی پر دلالت کرتی ہے:

قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یُوْحٰۤى اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔ (الکھف: ۱۱۰)

آپ کہیے کہ میں (مستحق عبادت نہ ہونے میں) تمہاری ہی مثل بشر ہوں، میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ میرا اور تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔

اس بحث کی مزید وضاحت کے لیے شرح صحیح مسلم ج ۵ ص ۱۰۸-۸۷ (مطبوعہ فرید بک سٹال ۳۸-اردو بازار لاہور، کا ضرور مطالعہ فرمائیں)۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤْمِنُوْۤا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰۤى اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا

اور لوگوں کو ایمان لانے سے صرف یہ چیز مانع ہوئی کہ جب بھی ان کے پاس ہدایت آئی تو انہوں نے کہا کیا

اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۴﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ فِی الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ

اللہ نے بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے ○ آپ کہیے اگر زمین میں فرشتے بستے

يَمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ﴿۹۵﴾

اور اطمینان سے چلتے پھرتے تو ہم ان پر آسمان سے فرشتہ ہی رسول بنا کر نازل کرتے ○

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا

آپ کہیے میرے اور تمہارے درمیان اللہ کافی گواہ ہے، بے شک وہ اپنے بندوں کی بہت خبر رکھنے والا اور ان کو خوب

بَصِيْرًا ﴿۹۶﴾ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ

دیکھنے والا ہے ○ اور جس کو اللہ ہدایت دے سو وہی ہدایت یافتہ ہے، اور جن کو وہ گم راہ کردے تو ان کے لیے

تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى

آپ اللہ کے سوا کوئی مددگار نہیں پائیں گے، اور ہم قیامت کے دن ان کو ان کے موہنوں کے

وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ۭ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ﴿۹۷﴾

بل اٹھائیں گے اس حال میں کہ وہ اندھے، گونگے اور بہرے ہوں گے، ان کا ٹھکانا دوزخ ہے، جب بھی وہ بجھنے لگے گی تو ہم اس کو ان

ذٰلِكَ جَزَاۗؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّ

کے لیے اور بھڑکا دیں گے ○ ان کی یہ سزا اس بنا پر ہے کہ انہوں نے ہماری آیتوں کے ساتھ کفر کیا اور کہا کیا جب ہم ہڈیاں اور ریزہ ریزہ

رُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۹۸﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ

ہو جائیں گے تو کیا واقعی ہم از سر نو پیدا کر کے ضرور اٹھائے جائیں گے ○ کیا انہوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ اللہ ہی نے تو

الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓي اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَ

تمام آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے (تو وہ) ان کی مثل دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے، اور

جَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۭ فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۹۹﴾ قُلْ لَّوْ

اس نے ان کی ایک مدت مقرر کر دی ہے جس میں کوئی شک نہیں ہے پس ظالموں نے کفر کے سوا (ہدایت کی) ہر چیز کا انکار کیا ○

اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَاۗىِٕنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ۭ

آپ کہیے اگر تم (بالفرض) میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے مالک ہوتے تو تم خرچ کے ڈر سے ان کو روکے رکھتے

ع ۱۱ ۷ ۱۱

وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ﴿١٠٠﴾ ع

اور (دراصل) انسان ہے ہی بخیل ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور لوگوں کو ایمان لانے سے صرف یہ چیز مانع ہوئی کہ جب بھی ان کے پاس ہدایت آئی تو انہوں نے کہا کیا اللہ نے بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے○ آپ کہئے اگر زمین میں فرشتے بستے اور اطمینان سے چلتے پھرتے تو ہم ان پر آسمان سے فرشتہ ہی رسول بنا کر نازل کرتے○ آپ کہئے میرے اور تمہارے درمیان اللہ کافی گواہ ہے' بے شک وہ اپنے بندوں کی بہت خبر رکھنے والا اور ان کو خوب دیکھنے والا ہے○ (بنی اسرائیل: ۹۶-۹۴)

زمین والوں کے لیے کسی فرشتہ کو رسول کیوں نہیں بنایا؟

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار کا یہ شبہ ذکر فرمایا تھا کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی فرشتہ آیا تو وہ آپ کو نبی مان لیں گے اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ جواب دیا کہ فرشتوں کو نبی ماننا بھی اس پر موقوف ہے کہ وہ کوئی معجزہ دکھائیں تو اول آخر حجت معجزہ ہے تو جب (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوت پر معجزہ پیش کر دیا تو تم ان کو نبی کیوں نہیں مانتے اس جواب کی طرف اشارہ آیت: ۹۴ میں اور لفظ ہدایت سے ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر روئے زمین پر رہنے والے فرشتے ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان کی طرف فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتا' کیونکہ ہر چیز اپنی جنس کی طرف مائل ہوتی ہے' اور جب روئے زمین پر رہنے والے انسان اور بشر ہیں تو پھر ان کی طرف انسان کو ہی رسول بنا کر بھیجنا مناسب تھا یہ تقریر آیت: ۹۵ میں ہے' اور تیسرا جواب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے میری نبوت کی تائید میں معجزہ نازل فرما دیا تو میری نبوت پر اللہ تعالیٰ کی شہادت حاصل ہو گئی اور میری نبوت پر اس کی شہادت کافی ہے' پھر فرمایا بے شک وہ اپنے بندوں کی خبر رکھنے والا اور ان کو خوب دیکھنے والا ہے' یعنی وہ اپنے بندوں کے ظواہر اور بواطن کو جاننے والا ہے اور وہ ان کے دلوں کے احوال کو جاننے والا ہے' اس کو علم ہے کہ ان کے شبہات محض حسد اور عناد پر مبنی ہیں حق کو سمجھنے میں انہیں کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔ یہ تقریر آیت: ۹۶ میں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جس کو اللہ ہدایت دے سو وہی ہدایت یافتہ ہے اور جن کو وہ گمراہ کر دے تو ان کے لیے آپ اللہ کے سوا کوئی مددگار نہیں پائیں گے اور ہم قیامت کے دن ان کو ان کے مونہوں کے بل اٹھائیں گے' اس حال میں کہ وہ اندھے' گونگے اور بہرے ہوں گے' ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے جب بھی وہ بجھنے لگے گی تو ہم اس کو ان کے لیے اور بھڑکا دیں گے○ (بنی اسرائیل: ۹۷)

کافر کے سر کے بل چلنے اور قیامت کے دن اس کے اندھے' بہرے اور گونگے ہونے کی توجیہات

اس آیت میں ان ہٹ دھرم کافروں کے متعلق وعید ہے جو واضح دلائل اور روشن معجزات دیکھنے کے باوجود ایمان نہیں لائے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا اے اللہ کے نبی! قیامت کے دن کافر الٹا کیسے چلے گا' آپ نے فرمایا جس ذات نے اس کو دنیا میں پیروں سے چلایا وہ اس پر بھی قادر ہے کہ قیامت کے دن اس کو سر کے بل چلائے؟ قتادہ نے کہا کیوں نہیں! ہمارے رب کی عزت کی قسم!

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۶۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۰۶، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۴۲)

نیز اس آیت میں فرمایا ہے کہ قیامت کے دن کافر اندھے، گونگے اور بہرے ہوں گے حالانکہ قرآن مجید کی دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قیامت کے دن دیکھتے، بولتے اور سنتے ہوں گے۔

دیکھنے کا ثبوت اس آیت میں ہے:

وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ۝ (الکھف: ۵۳)

اور مجرمین دوزخ کو دیکھیں گے تو وہ یہ گمان کریں گے کہ وہ اس میں جھونکے جانے والے ہیں اور وہ اس سے بچنے کی کوئی جگہ نہیں پائیں گے۔

اور سننے کا ثبوت اس آیت میں ہے:

وَاِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيْرًا ۝ (الفرقان: ۱۲)

اور جب دوزخ انہیں دور سے دیکھے گی تو وہ اس کا غصہ سے بھپرنا اور چنگھاڑنا سنیں گے ۝

اور بولنے کا ثبوت اس آیت میں ہے مشرکین قیامت کے دن کہیں گے:

وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ۝ (الانعام: ۲۳)

اور اللہ کی قسم جو ہمارا پروردگار ہے! ہم مشرک نہ تھے ۝

اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس نے فرمایا وہ اندھے ہوں گے اس کا معنی یہ ہے کہ وہ کوئی ایسی چیز نہیں دیکھیں گے جس سے ان کو خوشی ہو اور بہرے ہوں گے اس کا معنی یہ ہے کہ وہ کوئی ایسی چیز نہیں سنیں گے جس سے ان کو خوشی ہو اور وہ گونگے ہوں گے اس کا معنی یہ ہے کہ وہ کوئی ایسی بات نہیں کریں گے جس سے انہیں خوشی ہو۔

(۲) عطا نے کہا وہ اللہ کا جمال دیکھنے سے اندھے ہوں گے، اس کا کلام سننے سے بہرے ہوں گے اور اس کے ساتھ کلام کرنے سے گونگے ہوں گے۔

(۳) مقاتل نے کہا وہ اس وقت اندھے، بہرے اور گونگے ہوں گے جس وقت ان کو دوزخ میں داخل ہونے کے لیے کہا جائے گا۔ قرآن مجید میں ہے:

قَالَ اخْسَئُوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ۝ (المومنون: ۱۰۸)

اللہ فرمائے گا اسی میں دھتکارے ہوئے پڑے رہو اور مجھ سے بات نہ کرو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان کی یہ سزا اس بناء پر ہے کہ انہوں نے ہماری آیتوں کے ساتھ کفر کیا اور کہا کیا جب ہم ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا واقعی ہم از سر نو پیدا کر کے ضرور اٹھائے جائیں گے ۝ کیا انہوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ اللہ ہی نے تو تمام آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے (تو وہ) ان کی مثل دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے اور اس نے ان کی ایک مدت مقرر کر دی ہے جس میں کوئی شک نہیں ہے۔ پس ظالموں نے کفر کے سوا (ہدایت کی) ہر چیز کا انکار کیا ۝

(بنی اسرائیل: ۹۹-۹۸)

اس سے پہلی آیتوں میں منکرین نبوت کے شبہات کے جواب دیے تھے اور اس آیت میں حشر اور نشر کے منکرین کے شبہ کا جواب دیا ہے اور اس کی تقریر کئی بار گزر چکی ہے وہ کہتے تھے کہ مرنے کے بعد جب ہمارا جسم مٹی میں مل کر مٹی ہو جائے گا اور ہڈیاں بوسیدہ ہو کر گل جائیں گی اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گی اور مرور ایام سے ہمارے ذرات دوسرے ذرات میں خلط

ملط ہو جائیں گے تو وہ ایک دوسرے سے کیسے ممتاز ہو کر مجتمع ہوں گے، اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ جو تمام آسمانوں اور زمینوں کا خالق ہے اور عدم محض سے ان کو وجود میں لا چکا ہے اس کے لیے ان کی مثل کو دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے اگر تم (بالفرض) میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے مالک ہوتے تو تم خرچ کے ڈر سے ان کو روک کے رکھتے اور (دراصل) انسان ہے ہی بخیل ○ (بنی اسرائیل: ۱۰۰)

حرص کی مذمت

کفار مکہ نے یہ کہا تھا ہم آپ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ آپ ہمارے لیے زمین سے چشمہ نکال دیں (بنی اسرائیل: ۹۰) انہوں نے اپنے شہروں میں دریاؤں اور چشموں کا مطالبہ اس لیے کیا تھا تاکہ ان کے اموال زیادہ ہوں اور ان کی معیشت ان پر وسیع ہو جائے اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ زمین کی پیداوار کا ان پر زیادہ ہو جانا اتنی بڑی چیز نہیں ہے، اگر وہ بالفرض اللہ تعالیٰ کے تمام خزانوں کے بھی مالک ہو جائیں پھر بھی ان کی حرص اور ان کا بخل کم نہیں ہو گا، اللہ تعالیٰ کے فضل کے خزانے اور اس کی رحمتیں غیر متناہی ہیں بالفرض اگر وہ ان سب کے مالک ہو جائیں تب بھی ان کی طمع ختم نہیں ہو گی اور نہ ان کا بخل ختم ہو گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر ابن آدم کے لیے مال کی دو وادیاں ہوں تو وہ تیسری وادی کو تلاش کرے گا اور ابن آدم کے پیٹ کو صرف مٹی ہی بھر سکتی ہے اور جو شخص توبہ کر لے اللہ اس کی توبہ قبول فرمائے گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۳۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۴۹)

بعض انسانوں کی سخاوت کے باوجود انسان کے بخیل ہونے کی توجیہ

اس آیت میں فرمایا ہے: اور دراصل انسان ہے ہی بخیل۔ اس پر یہ اعتراض ہے کہ بہت سارے انسان سخی ہوتے ہیں اور ساری عمر سخاوت کرتے رہتے ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ انسان کی اصل میں بخل ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ایک شیر خوار بچے کی طرف آپ کوئی خوب صورت چیز بڑھائیں تو وہ لے لے گا اور اگر اس کے ہاتھ سے کوئی چیز لینا چاہیں تو وہ نہیں دے گا، دوسرا جواب یہ ہے کہ انسان کو محتاج بنایا گیا ہے اور محتاج کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے پاس اس چیز کو سنبھال کر رکھے جس کی اس کو ضرورت ہو البتہ بعض اوقات مختلف وجوہات کی بناء پر وہ سخاوت بھی کرتا ہے، اور اس کا تیسرا جواب یہ ہے انسان کبھی دنیا میں تعریف اور تحسین کی بناء پر سخاوت کرتا ہے اور کبھی اپنے فرائض سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اخروی اجر و ثواب کے لیے سخاوت کرتا ہے تو اس کی سخاوت بھی کسی غرض یا کسی عوض کے لیے ہوتی ہے پس واضح ہو گیا کہ انسان اپنی اصل فطرت میں بخیل ہے۔

بخل کی مذمت میں احادیث

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ظلم کرنے سے بچو کیونکہ ظلم قیامت کے اندھیرے ہیں اور بخل کرنے سے بچو کیونکہ پچھلی امتوں کو بخل نے ہلاک کر دیا تھا، اس بخل نے ان کو خون ریزی کرنے اور حرام کو حلال کرنے پر ابھارا تھا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۷۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انسان میں جو چیز شر ہے وہ حرص والا بخل ہے اور ہلاک کرنے والی بزدلی ہے۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۳۴۰، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۵۱۱، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۵۱۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا راہ خدا میں جانے کا غبار اور دوزخ کا دھواں کسی بندے کے پیٹ میں کبھی جمع نہیں ہوگا اور بخل اور ایمان کسی بندے کے دل میں کبھی جمع نہیں ہوگا۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۳۴۲، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۵۸۷، المستدرک ج ۲ ص ۷۲)

نافع کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر نے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ بخیل، ظالم کی بہ نسبت معذور ہے، حضرت ابن عمر نے فرمایا تم نے جھوٹ کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بخیل جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۴۰۶۶، الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۳۸۳۷)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین شخص جنت میں داخل نہیں ہوں گے، دغاباز، منان (احسان جتانے والا) اور بخیل۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۶۳، مسند احمد ج ۱ ص ۷، ۴ مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۹۳)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن میں دو خصلتیں جمع نہیں ہوں گی بخل اور بد خلقی۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۶۲، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۱۳۲۸، حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۲۵۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سخی اللہ کے قریب ہے، جنت کے قریب ہے، لوگوں کے قریب ہے، اور بخیل اللہ سے دور ہے جنت سے دور ہے، لوگوں سے دور ہے، دوزخ کے قریب ہے، اللہ کو جاہل سخی، بخیل عابد سے زیادہ محبوب ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۶۱، کتاب الضعفاء للعقیلی ج ۲ ص ۱۱۷)

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے پاس صرف وہی چیزیں ہیں جو مجھے حضرت زبیر نے دی ہیں کیا ان میں سے کچھ دوں! آپ نے فرمایا ہاں! تم اپنی تھیلی کا منہ باندھ کر نہ رکھو ورنہ اللہ بھی اپنے خزانے کا منہ بند کرلے گا اور تم گن گن کر نہ دو ورنہ اللہ بھی تم کو گن گن کر دے گا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۶۰، مسند حمیدی رقم الحدیث: ۳۲۵، مسند احمد ج ۶ ص ۱۳۹، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۶۹۹، المعجم الکبیر ج ۲۴ رقم الحدیث: ۲۴۶)

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین آدمیوں سے اللہ محبت رکھتا ہے اور تین آدمیوں سے اللہ بغض رکھتا ہے، جن تین آدمیوں سے اللہ محبت رکھتا ہے وہ یہ ہیں:

(۱) ایک شخص کسی قوم کے پاس گیا اور ان سے اللہ کے نام پر سوال کیا اس نے ان کے ساتھ اپنی کسی قرابت کی بناء پر سوال نہیں کیا تھا ان لوگوں نے اس کو منع کیا پھر ان ہی لوگوں میں سے ایک شخص اس کے پیچھے گیا اور چپکے سے اس کو دے دیا اور اس کے عطیہ کا اللہ کے سوا کسی کو علم نہیں تھا، یا پھر اس شخص کو علم تھا (۲) اور کچھ لوگ رات کو سفر پر گئے حتی کہ جب ان پر نیند بہت مرغوب ہوگئی تو وہ اپنی سواریوں سے اترے اور اپنے سر رکھ کر سو گئے ان میں سے ایک شخص اٹھا اور میری خوشامد کرنے لگا اور میری آیات تلاوت کرنے لگا (۳) اور ایک شخص کسی لشکر میں تھا اس کا دشمن سے مقابلہ ہوا، دشمن غالب آگئے تو وہ شخص اپنا سینہ نکال کر آگے بڑھا، حتی کہ وہ شہید کر دیا گیا یا اس کو فتح نصیب ہوگئی، اور جن تین آدمیوں سے اللہ تعالیٰ بغض رکھتا ہے وہ یہ ہیں: (۱) بوڑھا زانی (۲) متکبر فقیر (۳) ظالم غنی۔ امام ابن حبان کی روایت میں متکبر فقیر کی جگہ بخیل کا لفظ ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۶۸، مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ج ۵ ص ۲۸۹، مسند احمد ج ۵ ص ۱۵۳، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۴۵۶، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۳۴۹، المستدرک ج ۲ ص ۱۱۳)

حسن بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ کسی قوم سے خیر کا ارادہ کرتا ہے تو ان کے معاملات کا والی حکماء کو بنا دیتا ہے اور مال سخیوں کے پاس رکھتا ہے، اور جب اللہ کسی قوم کے ساتھ شر کا ارادہ کرتا ہے تو ان کے معاملات کا والی جاہلوں کو بنا دیتا ہے اور مال بخیلوں کے پاس رکھ دیتا ہے۔

(فردوس للدیلمی رقم الحدیث: ۹۵۴، الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۳۸۴۷)

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ تِسْعَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ ۖ فَاسْأَلْ بَنِي إِسْرَائِيلَ

اور بے شک ہم نے موسیٰ کو نو واضح احکام دیے، سو آپ بنی اسرائیل سے پوچھیے

إِذْ جَاءَهُمْ فَقَالَ لَهُ فِرْعَوْنُ إِنِّي لَأَظُنُّكَ يَا مُوسَىٰ مَسْحُورًا ﴿١٠١﴾

جب موسیٰ ان کے پاس آئے تو فرعون نے موسیٰ سے کہا اے موسیٰ! میں تم کو ضرور جادو کیا ہوا گمان کرتا ہوں ○

قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا أَنْزَلَ هَٰؤُلَاءِ إِلَّا رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ

موسیٰ نے کہا تم خوب جانتے ہو کہ ان (معجزات) کو اس نے نازل کیا ہے جو تمام آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے

بَصَائِرَ وَإِنِّي لَأَظُنُّكَ يَا فِرْعَوْنُ مَثْبُورًا ﴿١٠٢﴾ فَأَرَادَ أَنْ يَسْتَفِزَّهُمْ

(یہ معجزے) بصیرت افروز ہیں اور اے فرعون! میں تم کو ضرور ہلاک کیے جانے والا گمان کرتا ہوں ○ پس فرعون نے بنو اسرائیل کو

مِنَ الْأَرْضِ فَأَغْرَقْنَاهُ وَمَنْ مَعَهُ جَمِيعًا ﴿١٠٣﴾ وَقُلْنَا مِنْ بَعْدِهِ لِبَنِي

اس سرزمین سے نکالنے کا ارادہ کیا، سو ہم نے فرعون اور اس کے ساتھیوں کو ایک ساتھ غرق کر دیا ○ اور اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل

إِسْرَائِيلَ اسْكُنُوا الْأَرْضَ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيفًا ﴿١٠٤﴾

سے کہا تم اس سرزمین میں رہو پھر جب آخرت کا وعدہ پورا ہوگا تو ہم تم سب کو سمیٹ لائیں گے ○

وَبِالْحَقِّ أَنْزَلْنَاهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ۗ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ﴿١٠٥﴾

وقف لازم

اور ہم نے قرآن کو صرف حق کے ساتھ نازل کیا ہے اور وہ حق کے ساتھ نازل ہوا ہے اور ہم نے آپ کو صرف بشارت دینے والا

وَقُرْآنًا فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَأَهُ عَلَى النَّاسِ عَلَىٰ مُكْثٍ وَنَزَّلْنَاهُ تَنْزِيلًا ﴿١٠٦﴾

اور عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے ○ اور قرآن کو ہم نے تھوڑا تھوڑا کر کے (حسب موقع) نازل کیا تاکہ آپ اسے لوگوں پر ٹھیر ٹھیر کر پڑھیں اور ہم نے



قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖۤ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖۤ اِذَا یُتْلٰی

اس کو بتدریج نازل کیا ہے ○ آپ کہیے کہ تم اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ، بے شک جن لوگوں کو اس سے پہلے علم دیا گیا ہے ان پر جب

عَلَیْهِمْ یَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ﴿۱۰۷﴾ وَّ یَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنْ

اس کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل گر پڑتے ہیں ○ اور وہ کہتے ہیں ہمارا رب پاک ہے، بے شک

كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ﴿۱۰۸﴾ وَ یَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ یَبْكُوْنَ وَ یَزِیْدُهُمْ

ہمارے رب کا وعدہ ضرور پورا کیا ہوا ہے ○ اور وہ ٹھوڑیوں کے بل گرتے ہوئے روتے ہیں اور قرآن ان کے خشوع اور

خُشُوْعًا ﴿۱۰۹﴾ (السجدة) قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ

خضوع کو اور بڑھا دیتا ہے ○ آپ کہیے تم اللہ کہہ کر پکارو یا رحمن کہہ کر پکارو، تم جس نام سے بھی پکارو سب اسی

الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ۚ وَ لَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَ لَا تُخَافِتْ بِهَا وَ ابْتَغِ بَیْنَ

کے اچھے نام ہیں، اور آپ نماز میں نہ بہت بلند آواز سے قرآن پڑھیں اور نہ بہت پست آواز سے اور ان دونوں کے

ذٰلِكَ سَبِیْلًا ﴿۱۱۰﴾ وَ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّ لَمْ

درمیان طریقہ اختیار کریں ○ اور آپ کہیے تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے نہ اپنی اولاد بنائی اور نہ

یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَ لَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ

سلطنت میں اس کا کوئی شریک ہے اور نہ کسی کمزوری کی وجہ سے اس کا کوئی مددگار ہے،

وَ كَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا ﴿۱۱۱﴾ ع

اور آپ اس کی کبریائی بیان کرتے رہیے ○

ع ۱۲ ۱۱ ۱۲

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے موسیٰ کو نو واضح احکام دیئے سو آپ بنی اسرائیل سے پوچھیے، جب موسیٰ ان کے پاس آئے تو فرعون نے موسیٰ سے کہا اے موسیٰ میں تم کو ضرور جادو کیا ہوا گمان کرتا ہوں ○ موسیٰ نے کہا تم خوب جانتے ہو کہ ان (معجزات) کو اس نے نازل کیا ہے جو تمام آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے (یہ معجزے) بصیرت افروز ہیں اور اے فرعون! میں تم کو ضرور ہلاک کیے جانے والا گمان کرتا ہوں ○ پس فرعون نے بنو اسرائیل کو اس سرزمین سے نکالنے کا ارادہ کیا سو ہم نے فرعون اور اس کے ساتھیوں کو ایک ساتھ غرق کر دیا ○ اور اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے کہا تم اس سرزمین میں رہو، پھر جب آخرت کا وعدہ پورا ہو گا تو ہم تم سب کو سمیٹ لائیں گے ○ (بنی اسرائیل: ۱۰۴-۱۰۱)

حضرت موسیٰ کو نو احکام دیئے گئے تھے یا نو معجزات

ان نو آیات کی تفسیر میں اختلاف ہے صحیح یہ ہے کہ اس سے مراد نو احکام ہیں اور اکثر مفسرین نے یہ کہا کہ اس سے مراد نو معجزات ہیں۔

ان آیات سے بھی کفار مکہ کو ان کے فرمائشی معجزات کے مطالبہ کا جواب دینا ہے کہ ہم نے تمہارے فرمائشی معجزات سے بھی قوی معجزے قوم فرعون کے سامنے پیش کیے سو واضح ہو گیا کہ ایسے قوی معجزے نازل کرنا ہماری قدرت سے باہر نہیں ہے، سو اگر ہمیں یہ علم ہو تا کہ تمہارے لیے بھی ان معجزات میں کوئی مصلحت ہے تو ہم تمہارے لیے بھی ایسے معجزات نازل کر دیتے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بکثرت ان معجزات کا ذکر کیا ہے جو اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کیے تھے، ان کی تفصیل یہ ہے:

(۱) حضرت موسیٰ کی زبان میں گرہ پڑ گئی تھی جس کی وجہ سے وہ روانی سے بات نہیں کر سکتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کی وہ گرہ کھول دی اور وہ روانی سے بات کرنے لگے۔ (۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی کو اللہ تعالیٰ اژدھا بنا دیتا تھا اور جب وہ اس پر ہاتھ ڈالتے تو وہ پھر لاٹھی بن جاتا تھا، (۳) حضرت موسیٰ کا اژدھا فرعون کے جادوگروں کی لاٹھیوں اور رسیوں کو نگل گیا (۴) حضرت موسیٰ جب اپنے ہاتھ کو بغل میں ڈالتے تو وہ سفید اور روشن ہو جاتا تھا اور دوبارہ پھر اسی طرح ہو جاتا تھا (۵) قبطیوں پر طوفان کا آنا (۶) ان پر جوؤں کی کثرت (۷) ان پر مینڈکوں کی کثرت (۸) ان پر خون کی کثرت (۹) ان پر ٹڈیوں کی کثرت (۱۰) بنی اسرائیل کے لیے سمندر کو چیر دینا (البقرہ: ۱۵۰) (۱۱) پتھر پر لاٹھی ماری تو اس سے چشمے پھوٹ نکلے (الاعراف: ۱۶۰) (۱۲) ان پر پہاڑ کو بطور سائبان کھڑا کر دیا (الاعراف: ۱۷۱) (۱۳) حضرت موسیٰ اور ان کی قوم پر من و سلویٰ کو نازل کرنا (۱۵) آل فرعون کو قحط اور پھلوں کی کمی میں مبتلا کرنا (الاعراف: ۱۳۰) (۱۶) فرعون اور اس کی قوم کے اموال اور طعام وغیرہ کو خراب اور برباد کر دینا (۱۷) بنی اسرائیل پر بادلوں کا سایہ کرنا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس آیت میں جن نو معجزات کا ذکر فرمایا ہے اس سے مراد یہ معجزات ہیں:

(۱) عصا (۲) ید بیضا (۳) قبطیوں پر قحط (۴) سمندر کو چیرنا (۵) قبطیوں پر طوفان بھیجنا (۶) ان پر ٹڈیاں بھیجنا (۷) ان پر جوئیں بھیجنا (۸) ان پر مینڈک بھیجنا (۹) ان پر خون بھیجنا۔

محمد بن کعب نے کہا پانچ معجزات تو وہ ہیں جن کا اس آیت میں ذکر ہے:

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ۔ (الاعراف: ۱۳۳)

پھر ہم نے ان پر طوفان بھیجا اور ٹڈیاں اور جوئیں اور مینڈک اور خون یہ سب کھلے کھلے معجزے تھے۔

چھٹا وہ ہے جو حضرت موسیٰ نے ان کے خلاف دعاء ضرر کی تھی ربنا اطمس علی اموالھم اے ہمارے رب ان کے اموال کو تباہ و برباد کر دے، ساتواں ید بیضا ہے آٹھواں عصا ہے اور نواں سمندر کو چیر دینا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دوسری روایت ہے اور مجاہد، عکرمہ، شعبی اور قتادہ کا بھی قول ہے کہ وہ نو معجزات یہ ہیں:

(۱) ید بیضا (۲) عصا (۳) قحط (۴) پھلوں کی کمی (۵) طوفان (۶) ٹڈیاں (۷) جوئیں (۸) مینڈک (۹) خون۔

حافظ ابن کثیر نے کہا یہ قول ظاہر، جلی، حسن اور قوی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۷۵۔ ۷۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۹ھ)

یہ تمام اقوال اس بناء پر ہیں کہ نو آیات سے مراد نو معجزات ہوں لیکن حدیث میں ان نو آیات سے مراد نو احکام ہیں حافظ ابن کثیر اور بعض دیگر مفسرین نے ان اقوال کو ترجیح دی ہے لیکن ہمارے نزدیک نو آیات کی وہی تفسیر صحیح ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے وہ تفسیر یہ ہے:

صفوان بن عسال بیان کرتے ہیں کہ دو یہودیوں میں سے ایک نے دوسرے سے کہا چلو اس نبی کے پاس جا کر ان سے سوال کرتے ہیں، دوسرے نے کہا ان کو نبی نہ کہو اگر انہوں نے سن لیا کہ تم ان کو نبی کہتے ہو تو ان کی آنکھیں چار ہو جائیں گی، پھر وہ دونوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور آپ سے اس آیت کے متعلق سوال کیا: ولقد اتینا موسی تسع ایت بینت (بنی اسرائیل: ۱۰۱) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (وہ نو آیات یہ ہیں:) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، زنا نہ کرو، جس کے قتل کو اللہ نے حرام کر دیا ہے اس کو ناحق قتل نہ کرو، چوری نہ کرو، جادو نہ کرو، کسی بے قصور کو بادشاہ کے پاس نہ لے جاؤ کہ وہ اس کے قتل کر دے، اور سود نہ کھاؤ، اور کسی پاک دامن کو تہمت نہ لگاؤ، اور میدان جنگ میں پیٹھ نہ دکھاؤ، اور خصوصاً تم اے یہود ہفتہ کے دن حد سے نہ بڑھو، پھر ان دونوں نے آپ کے ہاتھوں اور پیروں کو بوسہ دیا اور کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نبی ہیں، آپ نے پوچھا پھر تم مسلمان کیوں نہیں ہوتے، انہوں نے کہا حضرت داؤد نے اللہ سے دعا کی تھی کہ ان کی اولاد میں ہمیشہ نبوت رہے ہمیں یہ خطرہ ہے کہ اگر ہم مسلمان ہو گئے تو یہود ہم کو قتل کر ڈالیں گے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۴۴، مسند احمد ج ۴ ص ۲۳۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۰۵، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۳۹۶، المستدرک ج ۱ ص ۹، حلیۃ الاولیاء ج ۵ ص ۹۷، سنن کبری للبیہقی ج ۸ ص ۱۶۶، دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۲۶۸)

بنی اسرائیل سے سوال کرنے کی توجیہ

آیت ۱۰۱ میں فرمایا ہے: سو آپ بنی اسرائیل سے پوچھئے: اس سوال کا یہ مقصد نہیں ہے کہ آپ بنی اسرائیل سے سوال کر کے ان سے کسی چیز کا علم حاصل کیجئے، بلکہ اس سے مقصود یہ ہے کہ علماء یہود اور ان کے عوام پر ظاہر کیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا ہے وہ صحیح ہے اور صداقت پر مبنی ہے، اس کی دوسری توجیہ یہ ہے کہ آپ بنی اسرائیل سے سوال کیجئے کہ وہ آپ پر ایمان لے آئیں اور اعمال صالحہ کریں اور آپ کے ساتھ تعاون کریں۔ اس کی تیسری توجیہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو بنی اسرائیل موجود ہیں یہ ان ہی کی اولاد ہیں جن کے پاس حضرت موسیٰ گئے تھے اور وہ ان واقعات کو مانتے تھے اور ان کی تصدیق کرتے تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے ساتھ پیش آئے تھے۔

مسحور، بصائر، استفزاز اور لفیف کے معانی

فرعون نے حضرت موسیٰ سے کہا میرا گمان ہے کہ آپ مسحور ہیں، اس آیت میں مسحور بہ معنی ساحر ہے، یا اس کا مطلب یہ تھا کہ لوگوں نے آپ پر سحر کر کے آپ کی عقل کو زائل کر دیا ہے، اس لیے آپ نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔

حضرت موسیٰ کے معجزات کے متعلق فرمایا یہ بصیرت افروز ہیں کیونکہ معجزہ اس خلاف عادت کام کو کہتے ہیں جس کو نبی کی تصدیق کے لیے ظاہر کیا جائے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ لاٹھی کا اژدھا بن جانا، اور جادوگروں کی لاٹھیوں اور رسیوں کو کھا جانا اور پھر ویسی ہی لاٹھی بن جانا یہ کام خلاف عادت تھا اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو اس کام پر قدرت نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کا اس کام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے ظاہر فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو نبی بنا کر بھیجا ہے۔

جب فرعون کے کہا اے موسیٰ! میں تم کو مسحور گمان کرتا ہوں تو حضرت موسیٰ نے جواب میں فرمایا: اے فرعون! میں تم کو مثبور گمان کرتا ہوں، ثبور کا معنی ہلاکت ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو علم تھا کہ فرعون ہلاک ہو جائے گا۔ اس کے بعد فرمایا فرعون نے ان کے استفزاز کا ارادہ کیا، استفزاز کے معنی ہیں، کسی کو ہلکا جاننا، ذلیل سمجھنا، مضطرب کر دینا، گھر سے باہر نکال دینا، نکال لانا، قتل کرنا، نکالنا۔ اس آیت میں مراد یہ ہے کہ فرعون نے بنی اسرائیل کو اس سرزمین یعنی مصر سے نکال دینے کا ارادہ کیا۔

پھر فرمایا جب آخرت کا وعدہ پورا ہو گا تو ہم تم سب کو سمیٹ لائیں گے۔ اس آیت میں لفیف کا لفظ ہے، لف کا معنی ہے لپیٹنا، ملانا، جمع کرنا، لفیف کا معنی ہے، مختلف آدمیوں کا گروہ وہ بڑی جماعت جس میں ہر قسم کے لوگ ہوں، مومن، کافر، نیک اور بد اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم تمہیں تمہاری قبروں سے نکال کر سمیٹ کر لے آئیں گے یعنی تمام مخلوق کو مسلمان ہوں یا کافر، نیک ہوں یا بد۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے قرآن کو صرف حق کے ساتھ نازل کیا ہے اور وہ حق کے ساتھ نازل ہوا ہے، اور ہم نے آپ کو صرف بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے ○ اور قرآن کو ہم نے تھوڑا تھوڑا کر کے (حسب موقع) نازل کیا تاکہ آپ اسے لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں اور ہم نے اس کو بہ تدریج نازل کیا ہے ○ آپ کہیے تم اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ، بے شک جن لوگوں کو اس سے پہلے علم دیا گیا ہے، ان پر جب اس کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل گر پڑتے ہیں ○ اور وہ کہتے ہیں ہمارا رب پاک ہے، بے شک ہمارے رب کا وعدہ ضرور پورا کیا ہوا ہے ○ اور وہ ٹھوڑیوں کے بل گرتے ہوئے روتے ہیں اور قرآن ان کے خشوع اور خضوع کو اور بڑھا دیتا ہے ○ (بنی اسرائیل: ۱۰۵-۱۰۹)

قرآن مجید کو حق کے ساتھ نازل کرنا

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا تھا کہ اگر تمام انس اور جن مل کر قرآن مجید کی نظیر لانا چاہیں تو نہیں لا سکتے، اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید معجزہ ہے اور ظاہر ہے کہ اس معجزہ کے ہوتے ہوئے کفار کے فرمائشی معجزات دکھانے کی ضرورت نہیں اور اب اللہ تعالیٰ قرآن مجید کی مزید حقانیت واضح کرنے کے لیے فرما رہا ہے اور ہم نے قرآن کو صرف حق کے ساتھ نازل کیا ہے اور وہ حق کے ساتھ نازل ہوا ہے قرآن مجید کو حق کے ساتھ نازل کرنے کی یہ وجہ ہے:

(۱) حق اس چیز کو کہتے ہیں جو ثابت ہو اور زائل نہ ہو سکے، کیونکہ جو چیز باطل ہو وہ زائل ہو جاتی ہے، اور قرآن کریم جن امور کے بیان پر مشتمل ہے وہ زائل نہیں ہو سکتیں، کیونکہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی صفات کے بیان پر مشتمل ہے، اور اس میں ملائکہ کا ذکر ہے اور انبیاء علیہم السلام کی نبوت پر دلائل ہیں، قیامت اور حشر نشر کا ذکر ہے اور ان میں سے کوئی چیز زوال پذیر نہیں ہے اور اس میں شریعت اسلامیہ کا ذکر ہے جس کے احکام ناقابل تنسیخ ہیں اور خود یہ کتاب لافانی ہے اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کا ضامن ہے، اس کتاب میں کمی یا زیادتی یا تحریف یا تنسیخ نہیں ہو سکتی نہ اس کتاب کی کوئی مثال لا کر اس سے معارضہ کیا جا سکتا ہے۔

پھر فرمایا ہم نے آپ کو بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، اس ارشاد میں ان کی اس بات کا جواب ہے کہ وہ آپ سے فرمائشی معجزات طلب کرتے تھے تو بتایا کہ یہ جہلاء اور منکرین آپ سے طرح طرح کے معجزات طلب کرتے ہیں، اگر یہ جہلاء آپ کے دین کو قبول کر لیں تو فبہا ورنہ ان کے کفر پر جمے رہنے سے آپ کو کوئی نقصان نہیں ہو گا، ہم نے تو آپ کو صرف بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

قرآن مجید کو تھوڑا تھوڑا نازل کرنے کی وجہ

اس کے بعد فرمایا اور قرآن کو ہم نے تھوڑا تھوڑا کر کے حسب موقع نازل کیا۔

اس آیت میں ان کے اس سوال کا جواب ہے کہ چلو مان لیا کہ قرآن مجید معجز ہے لیکن تھوڑا تھوڑا کر کے کیوں نازل ہوا ہے مکمل قرآن یک بارگی کیوں نازل نہیں ہوا جیسے تورات اور انجیل یک بارگی نازل ہو گئیں تھیں' اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا اس کو تھوڑا تھوڑا کر کے اس لیے نازل کیا ہے کہ لوگوں کو قرآن مجید کا یاد کرنا آسان ہو' نیز نزول قرآن کی مدت کے درمیان لوگ مختلف قسم کے سوال کرتے رہتے تھے اور ان کے سوالات کے جوابات میں قرآن مجید کی آیات نازل ہوتی رہتی تھیں اگر مکمل قرآن ایک ہی بار نازل ہوا ہوتا تو اس سے یہ فائدہ حاصل نہ ہوتا' نیز مکمل قرآن تئیس سال میں نازل ہوا اور تئیس سال تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی رہی اور تمام زمانہ رسالت میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے رب سے رابطہ قائم رہا' اور بار بار نزول وحی کی وجہ سے حضرت جبریل کو بار بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کا شرف حاصل ہوتا رہا' نیز تورات کا نزول پہاڑ طور پر ہوا تھا' اور قرآن مجید کے بار بار نزول کی بنا پر جو شرف ایک مرتبہ صرف پہاڑ طور کو حاصل ہوا تھا وہ شرف مکہ کی گلیوں اور بازاروں کو غار حرا اور غار ثور کو وادی بدر کو احد کی گھاٹیوں کو حتیٰ کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بستر کو بھی حاصل ہوا۔

ایمان لانے میں اہل کتاب کی عاجزی

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا جن کو اس کا علم دیا گیا ہے وہ جب اس کی تلاوت کرتے ہیں تو ٹھوڑیوں کے بل گر پڑتے ہیں۔

اس کی تفسیر میں ایک قول یہ ہے کہ ٹھوڑی ڈاڑھی سے کنایہ ہے اور جب انسان زیادہ خضوع اور خشوع سے سجدے میں مبالغہ کرتا ہے تو اس کی ڈاڑھی بھی مٹی سے مس کرتی ہے اور انسان ڈاڑھی کی بہت تعظیم کرتا ہے اور جب وہ اپنی ڈاڑھی بھی اللہ کے سامنے زمین پر رکھ دیتا ہے تو یہ اس کا اللہ کے سامنے انتہائی ذلت اور بندگی کا اظہار ہے۔

اس کی تفسیر میں دوسرا قول یہ ہے کہ انسان پر جب اللہ تعالیٰ کے خوف کا غلبہ ہوتا ہے تو بسا اوقات وہ اللہ کے حضور سجدہ میں گر پڑتا ہے اور ایسی صورت میں کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی ٹھوڑی کے بل گر پڑا۔

پھر فرمایا وہ کہتے ہیں ہمارا رب سبحان ہے! بے شک ہمارے رب کا وعدہ ضرور پورا کیا ہوا ہے۔

یعنی قرآن مجید کو نازل کر کے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کر کے اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کر دیا ہے' اس سے معلوم ہوا کہ یہ لوگ اہل کتاب تھے کیونکہ ان کی کتابوں میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کرنے کا وعدہ فرمایا تھا اور وہ اس وعدہ کے پورے ہونے کے منتظر تھے۔

پھر فرمایا وہ ٹھوڑیوں کے بل گرتے ہوئے روتے ہیں اور قرآن ان کے خضوع اور خشوع کو اور زیادہ کر دیتا ہے۔

خضوع اور خشوع سے مراد ان کی تواضع ہے' اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو بہت کمتر اور حقیر گردانتے ہیں اور اپنے ایمان لانے کو کوئی کمال اور فخر کی چیز نہیں گردانتے' اور یہ کہ ان کا ایمان لانا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر احسان نہیں ہے اگر وہ ایمان نہ لاتے تو بہت لوگ جو ان سے بہتر ہیں وہ ایمان لا چکے ہیں۔

مطرف اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا آپ کے رونے کی وجہ سے آپ کے سینے سے ایسی آواز آتی تھی جیسے دیگچی سے سالن ابلنے کی آواز آتی ہے یا جیسے چکی کے چلنے کی آواز آتی ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۹۰۴' سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۲۱۳)

اگر نماز میں انسان خوف خدا سے روئے اور رونے کی آواز نکلے، امام شافعی فرماتے ہیں اگر اس کے رونے سے حرف سنائی دیں اور ان کا کوئی معنی سمجھ آئے تو نماز ٹوٹ جائے گی، اور امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں اگر خوف خدا سے رونے کی آواز آئے تو نماز نہیں ٹوٹے گی اور اگر درد سے رو رہا ہو تو نماز ٹوٹ جائے گی، امام مالک کے اس مسئلہ میں کئی اقوال ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ تم اللہ کہہ کر پکارو یا رحمان کہہ کر پکارو، تم جس نام سے بھی پکارو سب اسی کے اچھے نام ہیں، اور آپ نماز میں نہ بہت بلند آواز سے قرآن پڑھیں اور نہ بہت پست آواز سے اور ان دونوں کے درمیان طریقہ اختیار کریں ○ (بنی اسرائیل: ۱۱۰)

اللہ اور رحمٰن پکارنے کے متعدد شان نزول

اس آیت کے دو حصے ہیں پہلے حصہ میں فرمایا ہے: آپ کہیے تم اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو تم جس نام سے بھی پکارو سب اسی کے اچھے نام ہیں۔ اس کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز پڑھ رہے تھے اور آپ سجدہ میں کہہ رہے تھے یا رحمٰن، یا رحیم، مشرکین نے کہا (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) لوگوں کو صرف ایک خدا کی دعوت دیتے ہیں اور اب دو معبودوں کو پکار رہے ہیں، اللہ اور رحمٰن، ہم تو صرف یمامہ کے رحمٰن کو جانتے ہیں ان کی اس سے مراد مسیلمہ تھی۔

(۲) میمون بن مہران نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم وحی کے ابتدائی ایام میں لکھتے تھے باسمک اللھم حتی کہ یہ آیت نازل ہوئی: انہ من سلیمان وانہ بسم اللہ الرحمن الرحیم (النمل: ۳۰) تو پھر آپ بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھنے لگے، تب مشرکین نے کہا رحیم کو تو ہم پہچانتے ہیں یہ رحمٰن کیا چیز ہے تب یہ آیت نازل ہوئی۔

(۳) ضحاک نے بیان کیا کہ اہل کتاب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا آپ رحمٰن کا ذکر بہت کم کرتے ہیں حالانکہ تورات میں اس اسم کا بہت ذکر ہے تب یہ آیت نازل ہوئی۔

(زاد المسیر ج ۵ ص ۹۹-۹۸، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

اس آیت میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء اچھے اور حسین ہیں اس لیے جس لفظ میں کسی اعتبار سے کوئی نقص کا پہلو ہو اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر جائز نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات کو تو کسی بھی اسم علم سے تعبیر کیا جا سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ پر اسی صفت کا اطلاق کرنا جائز ہے جس صفت کا قرآن اور حدیث میں ذکر آ چکا ہو۔ اس بحث کی پوری تفصیل الاعراف: ۱۸۰ میں ملاحظہ فرمائیں۔

پست آواز اور بلند آواز سے نماز میں قرآن مجید پڑھنے کے محامل

اس آیت کا دوسرا حصہ یہ ہے اور آپ نماز میں نہ بہت بلند آواز سے پڑھیں اور نہ بہت پست آواز سے اور ان دونوں کے درمیان طریقہ اختیار کریں۔

اس آیت کے سبب نزول میں بھی متعدد اقوال ہیں:

حضرت ابن عباس نے فرمایا:

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں بلند آواز سے قرآن پڑھتے تھے تو مشرکین قرآن کو اللہ تعالیٰ کو اور آپ کو برا کہتے تھے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت پست آواز سے قرآن پڑھنا شروع کر دیا حتی کہ آپ کے اصحاب کو سنائی

نہیں دیتا تھا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۲۲، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۴۶، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۴۵، مسند احمد ج ۱ ص ۲۱۵)

(۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ایک اعرابی تشہد کو بلند آواز سے پڑھتا تھا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۷۲۱۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

(۳) محمد بن سیرین بیان کرتے ہیں کہ مجھے یہ خبر دی گئی ہے کہ حضرت ابوبکر جب قرأت کرتے تو آواز پست رکھتے اور حضرت عمر جب قرأت کرتے تو آواز کو بلند رکھتے! حضرت ابوبکر سے پوچھا گیا آپ اس طرح کیوں کرتے ہیں؟ انہوں نے کہا میں اپنے رب سے مناجات کرتا ہوں اور اس کو میری حاجت کا علم ہے، ان سے کہا گیا آپ اچھا کرتے ہیں اور حضرت عمر سے کہا گیا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ انہوں نے کہا میں شیطان کو بھگاتا ہوں اور سوئے ہوئے لوگوں کو جگاتا ہوں، ان سے کہا گیا آپ اچھا کرتے ہیں اور جب یہ آیت نازل ہوئی: اور آپ نماز میں نہ بہت بلند آواز سے پڑھیں اور نہ بہت پست آواز سے۔ تو حضرت ابوبکر سے کہا گیا کہ آپ آواز کچھ بلند کریں اور حضرت عمر سے کہا گیا کہ آپ آواز کچھ پست کریں۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۷۲۱۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

(۴) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ دن کی نمازوں میں بلند آواز سے قرأت نہ کریں اور رات کی نمازوں میں پست آواز سے قرأت نہ کریں۔

یہ حکم فرائض کا ہے اور نوافل میں نمازی کو اختیار ہے خواہ وہ رات کے نوافل میں آہستہ قرأت کرے یا بلند آواز سے، اور یہی مالکیہ کا مذہب ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۰ ص ۳۰۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ کہیے تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے نہ اپنی اولاد بنائی اور نہ سلطنت میں اس کا کوئی شریک ہے اور نہ کسی کمزوری کی وجہ سے اس کا کوئی مددگار ہے اور آپ اس کی کبریائی بیان کرتے رہیے ○ (بنی اسرائیل: ۱۱۱)

اللہ تعالیٰ کی اولاد نہ ہونے پر دلائل

اس آیت میں فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے اولاد نہیں بنائی اولاد نہ ہونے کے حسب ذیل دلائل ہیں:

(۱) ولد اپنے والد کا جز ہوتا ہے، لہٰذا اس شخص کی اولاد ہوگی جس کے اجزا ہوں گے، اللہ تعالیٰ اجزاء سے پاک ہے اس لیے اس کی اولاد کا ہونا محال ہے۔

(۲) جس شخص کی اولاد ہوتی ہے وہ اپنی تمام نعمتیں اپنی اولاد کے لیے روک کر رکھتا ہے اور جب اس کی اولاد نہیں ہوتی تو وہ اپنی نعمتیں اپنے غلاموں اور دیگر متعلقین کو دے دیتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ کی اولاد ہوتی تو وہ اپنے خزانوں کا منہ اپنے بندوں پر نہ کھولتا۔

(۳) ولد ہونا اس بات کا متقاضی ہے کہ والد کے فوت ہونے کے بعد ولد اس کا قائم مقام ہو اور اللہ تعالیٰ فوت ہونے سے پاک ہے۔

(۴) ولد والد کی جنس سے ہوتا ہے اگر اللہ تعالیٰ کا ولد ہوتا تو وہ اس کی جنس سے ہوتا، اللہ تعالیٰ واجب اور قدیم ہے تو ضروری ہوا کہ اگر اس کا ولد ہوتا تو وہ بھی واجب اور قدیم ہوتا اور واجب اور قدیم متعدد نہیں ہو سکتے، نیز ولد والد سے متاخر ہوتا ہے اور جو متاخر ہو وہ واجب اور قدیم نہیں ہو سکتا۔

اللہ تعالیٰ کے شریک نہ ہونے پر دلائل اور وہی تمام تعریفوں کا مستحق ہے

اس کے بعد فرمایا کہ ملک میں اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے کیونکہ اگر ملک میں اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک ہوتا تو یہ ملک ایک طرز اور ایک نہج پر نہ ہوتا اور ہر شریک اس ملک کو اپنی مرضی کے مطابق بنانے اور چلانے کی کوشش کرتا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر اس ملک میں اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک ہے تو وہ واجب ہے یا ممکن ہے اس کا واجب ہونا اس لیے محال ہے کہ اللہ تعالیٰ واجب ہے اگر شریک بھی واجب ہو تو تعدد وجباء لازم آئے گا اور یہ محال ہے' کیونکہ اگر دو واجب ہوں تو ہر ایک میں وجوب مشترک ہوگا اور دو چیزیں بغیر امتیاز کے نہیں ہو سکتیں تو ان میں ایک جز ایسا ہوگا جس سے دونوں ممتاز ہوں پس ہر ایک دو جزوں سے مرکب ہوگا ایک جز مشترک اور دوسرا جز ممیز پس ہر دو مرکب ہوں گے اور جو مرکب ہو وہ اپنے جز کا محتاج ہوتا ہے اور جو محتاج ہو وہ واجب نہیں ہو سکتا پس اللہ کا شریک نہیں ہو سکتا' اور اگر وہ شریک ممکن ہے تو وہ اپنے وجود میں خود کسی علت کا محتاج ہوگا اور جو محتاج ہو وہ ملک اور سلطنت میں اللہ تعالیٰ کا شریک کیسے ہو سکتا ہے۔

اسی طرح ہم کہیں گے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک ہے تو وہ قدیم ہے یا حادث' اگر وہ قدیم ہے تو اللہ بھی قدیم ہے پھر تعدد قدماء لازم آئے گا اور وہ بھی اسی طرح محال ہے اور اگر وہ حادث ہے تو وہ اپنے حدوث میں کسی علت کا محتاج ہوگا اور جو اپنے وجود میں کسی علت کا محتاج ہو وہ ملک اور سلطنت میں اللہ کا شریک کیسے ہو سکتا ہے۔

اسی طرح یہ بھی محال ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی ضعف کی وجہ سے کسی مددگار کا محتاج ہو' کیونکہ وہ تنہا بلا شرکت غیر تمام کائنات کا خالق ہے اس میں ضعف کیسے متصور ہو سکتا ہے۔

اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے نہ اس کا کوئی شریک ہے نہ اس کا کوئی مددگار ہے تو تمام مخلوق کو جتنی بھی نعمتیں ملی ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ سے ہی ملی ہیں' اس کے سوا کوئی نعمت دینے والا نہیں ہے تو پھر تمام تعریفوں کا مستحق بھی وہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی کبریائی

پھر فرمایا آپ اس کی کبریائی بیان کرتے رہیے اور اللہ تعالیٰ کی کبریائی کی حسب ذیل اقسام ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کی ذات کی کبریائی یعنی یہ اعتقاد ہو کہ اللہ تعالیٰ واجب اور قدیم ہے اس کی تمام صفات مستقل بالذات ہیں اور وہی تمام عبادات اور تمام محامد کا مستحق ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ کی صفات میں کبریائی یعنی یہ اعتقاد ہو کہ اللہ تعالیٰ ہر عیب اور نقص سے منزہ ہے' اس کی تمام صفات غیر متناہی ہیں' اس کے علم کی کوئی حد ہے نہ اس کی قدرت کی' اس کی تمام صفات تغیر اور زوال سے پاک ہیں۔

(۳) اس کے احکام کی کبریائی یعنی یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ مالک مطلق ہے' کسی چیز کا حکم دینا اور کسی کام سے منع کرنا اسی کا حق ہے' وہ جس کو چاہے دنیا اور آخرت میں عزت دے اور جس کو چاہے ذلت دے کسی کو اس پر اعتراض کا حق نہیں ہے۔

(۴) انسان اپنی عقل اور اپنی فہم سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل نہیں کر سکتا' اور انسان اپنی زبان' اپنے دل و دماغ اور اپنے تمام اعضاء سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کر سکتا اور اس کی عبادت کا حق ادا نہیں کر سکتا' نہ اس کی پوری معرفت حاصل ہو سکتی ہے نہ اس کی نعمتوں کا پورا شکر ادا ہو سکتا ہے اور نہ اس کی پوری عبادت ہو سکتی ہے' اور یہی اس کی کبریائی ہے۔

اختتامی کلمات اور دعا

آج ۲۵ رمضان المبارک ۱۴۲۱ھ / ۲۲ دسمبر ۲۰۰۰ء بروز جمعہ بعد نماز عصر سورہ بنی اسرائیل کی تفسیر مکمل ہو گئی اور اس کے ساتھ ہی تبیان القرآن کی چھٹی جلد بھی مکمل ہو گئی اس جلد تک ساڑھے چودہ پارے کی تفسیر اللہ تعالیٰ نے مکمل کرا دی ہے فالحمدللہ رب العالمین

اس سال میری کمر میں پچھلے سالوں کی بہ نسبت زیادہ درد تھا وٹامن سی سے اعصاب کو تقویت ملتی تھی مگر میں اب وہ نہیں کھاسکتا کیونکہ اس سے معدہ میں تیزابیت بڑھتی جاتی ہے' دافع درد دوا بھی بند کرنی پڑیں کہ ان سے معدہ میں تکلیف ہونے لگی تھی ان حالات میں اس جلد کا مکمل ہونا صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کا انعام اور احسان ہے میں نے ۱۸ مارچ ۲۰۰۰ء کو یہ جلد شروع کی تھی اور آج ۲۲ دسمبر کو یہ جلد الحمدللہ ختم ہو گئی' اس طرح نو ماہ اور پانچ دنوں میں یہ جلد مکمل ہو گئی اور اس جلد کی تکمیل میں سب سے کم عرصہ لگا ہے تو ان گوناگوں مسائل اور بیماریوں میں اس جلد کا اتنی سرعت سے مکمل ہو جانا سوائے اللہ تعالیٰ کی توفیق' اس کی امداد اور اس کے احسان کے متصور نہیں ہے۔

الٰہ العالمین! جس طرح آپ نے تقریباً نصف قرآن کی تفسیر لکھوا دی ہے' آپ کرم فرما کر باقی تفسیر بھی لکھوا دیں' مجھے اس تفسیر میں خطا اور زلل سے محفوظ رکھیں اور اس تفسیر کو اپنی اور اپنے محبوب کی بارگاہ میں مقبول بنا دیں اس کو تا قیامت فیض آفریں اور عقائد اور اعمال میں موثر بنائیں' حاسدین اور مخالفین کے شر سے محفوظ رکھیں۔ الٰہ العالمین! مجھے دنیا اور آخرت کے مصائب اور بلاؤں سے محفوظ رکھیں اور محض اپنے کرم سے میرے گناہوں کو معاف فرما دیں' قبر' حشر اور دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھیں' میں اس لائق تو نہیں مگر محض اپنے کرم سے مرتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت عطا فرمائیں اور آخرت میں آپ کی شفاعت عطا فرمائیں۔ میری' میرے والدین' میرے اساتذہ' میرے تلامذہ' میرے احباب' میرے اقرباء' میرے قارئین اس کتاب کے ناشر' کمپوزر' مصحح اور اس کے جملہ معاونین کو دنیا اور آخرت کے ہر شر' ہر بلا اور ہر عذاب سے محفوظ رکھیں اور دنیا اور آخرت کی ہر نعمت اور ہر سعادت عطا فرمائیں' اور صحت اور سلامتی کے ساتھ ایمان پر حسن خاتمہ عطا فرمائیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلاۃ والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین قائد الغر المحجلین' شفیع المذنبین وعلی الہ الطاہرین واصحابہ الکاملین وعلی ازواجہ امہات المؤمنین وعلی علماء ملتہ واولیاء امتہ وسائر المؤمنین اجمعین۔



مآخذ و مراجع

کتب الٰہیہ

۱- قرآن مجید
۲- تورات
۳- انجیل

کتب احادیث

۴- امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت، متوفی ۱۵۰ھ، مسند امام اعظم، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز، کراچی
۵- امام مالک بن انس اصبحی، متوفی ۱۷۹ھ، موطا امام مالک، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۹ھ
۶- امام عبد اللہ بن مبارک، متوفی ۱۸۱ھ، کتاب الزہد، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۷- امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم، متوفی ۱۸۲ھ، کتاب الآثار، مطبوعہ مکتبہ اثریہ، سانگلہ ہل
۸- امام محمد بن حسن شیبانی، متوفی ۱۸۹ھ، موطا امام محمد، مطبوعہ نور محمد، کارخانہ تجارت کتب کراچی
۹- امام محمد بن حسن شیبانی، متوفی ۱۸۹ھ، کتاب الآثار، مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی، ۱۴۰۷ھ
۱۰- امام وکیع بن جراح متوفی ۱۹۷ھ، کتاب الزہد، مکتبۃ الدار مدینہ منورہ، ۱۴۰۴ھ
۱۱- امام سلیمان بن داؤد بن جارود طیالسی حنفی، متوفی ۲۰۳ھ، مسند طیالسی، مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی، ۱۳۹۱ھ
۱۲- امام محمد بن ادریس شافعی، متوفی ۲۰۴ھ، المسند، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۰ھ
۱۳- امام محمد بن عمر بن واقد متوفی ۲۰۷ھ، کتاب المغازی، مطبوعہ عالم الکتب، بیروت، ۱۴۰۴ھ
۱۴- امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی، متوفی ۲۱۱ھ، المصنف، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ
۱۵- امام عبد اللہ بن الزبیر حمیدی، متوفی ۲۱۹ھ، المسند، مطبوعہ عالم الکتب بیروت

۱۶- امام سعید بن منصور خراسانی، مکی، متوفی ۲۲۷ھ، سنن سعید بن منصور، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۱۷- امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ، متوفی ۲۳۵ھ، المصنف، مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی، ۱۴۰۶ھ، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ

۱۸- امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ، متوفی ۲۳۵ھ، مسند ابن ابی شیبہ، مطبوعہ دار الوطن بیروت، ۱۴۱۸ھ

۱۹- امام احمد بن حنبل، متوفی ۲۴۱ھ، المسند، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ، دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ، دار الحدیث قاہرہ، ۱۴۱۶ھ، عالم الکتب بیروت، ۱۴۱۹ھ

۲۰- امام احمد بن حنبل، متوفی ۲۴۱ھ، کتاب الزہد، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۴ھ

۲۱- امام ابو عبد اللہ بن عبد الرحمن دارمی، متوفی ۲۵۵ھ، سنن دارمی، مطبوعہ دار الکتاب العربی، ۱۴۰۷ھ

۲۲- امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری، متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۲ھ دار ارقم بیروت۔

۲۳- امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری، متوفی ۲۵۶ھ، خلق افعال العباد، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت، ۱۴۱۱ھ

۲۴- امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری، متوفی ۲۵۶ھ، الادب المفرد، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۱۲ھ

۲۵- امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری، متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ

۲۶- امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ، متوفی ۲۷۳ھ، سنن ابن ماجہ، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ، دار الجیل بیروت، ۱۴۱۸ھ

۲۷- امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث بجستانی، متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابو داؤد، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۴ھ

۲۸- امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث بجستانی، متوفی ۲۷۵ھ، مراسیل ابو داؤد، مطبوعہ نور محمد کار خانہ تجارت کتب، کراچی

۲۹- امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، سنن ترمذی، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ، دار الجیل بیروت، ۱۹۹۸ء

۳۰- امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، شمائل محمدیہ، مطبوعہ المکتبۃ التجاریہ، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۵ھ

۳۱- امام علی بن عمر دار قطنی، متوفی ۲۸۵ھ، سنن دار قطنی، مطبوعہ نشر السنہ، ملتان، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ

۳۲- امام ابن ابی عاصم، متوفی ۲۸۷ھ، الاحاد والمثانی، مطبوعہ دار الرایہ، ریاض، ۱۴۱۱ھ

۳۳- امام احمد عمرو بن عبد الخالق بزار، متوفی ۲۹۲ھ، البحر الزخار المعروف بہ مسند البزار، مطبوعہ مؤسسۃ القرآن، بیروت

۳۴- امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ، سنن نسائی، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۱۲ھ

۳۵- امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ، عمل الیوم واللیلہ مطبوعہ مؤسسۃ الکتب الثقافیہ، بیروت، ۱۴۰۸ھ

۳۶- امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ، سنن کبریٰ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۱ھ

۳۷- امام ابو بکر محمد بن ہارون الرویانی، متوفی ۳۰۷ھ، مسند الصحابہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ

۳۸- امام احمد بن علی المثنیٰ التمیمی، المتوفی ۳۰۷ھ، مسند ابو یعلیٰ موصلی، مطبوعہ دار المامون تراث بیروت، ۱۴۰۴ھ

۳۹- امام عبد اللہ بن علی بن جارود نیشاپوری، متوفی ۳۰۷ھ، المنتقیٰ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ

۴۰- امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ، متوفی ۳۱۱ھ، صحیح ابن خزیمہ، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۵ھ

۴۱- امام ابو بکر محمد بن محمد بن سلیمان باغندی، متوفی ۳۱۲ھ، مسند عمر بن عبد العزیز۔

۴۲- امام ابو عوانہ یعقوب بن اسحاق، متوفی ۳۱۶ھ، مسند ابو عوانہ، مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ

۴۳- امام ابو عبداللہ محمد الحکیم الترمذی المتوفی ۳۲۰ھ نوادر الاصول، مطبوعہ دار الریان التراث القاہرہ ۱۴۰۸ھ
۴۴- امام ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی، متوفی ۳۲۱ھ، شرح مشکل الآثار، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۴۱۵ھ
۴۵- امام ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی، متوفی ۳۲۱ھ، شرح معانی الآثار، مطبوعہ مطبع مجتبائی، پاکستان لاہور، ۱۴۰۴ھ
۴۶- امام ابو جعفر محمد بن عمرو العقیلی متوفی ۳۲۲ھ، کتاب الضعفاء الکبیر، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ
۴۷- امام محمد بن جعفر بن حسین خرائطی، متوفی ۳۲۷ھ، مکارم الاخلاق، مطبوعہ مطبعہ المدنی مصر ۱۴۱۱ھ
۴۸- امام ابو حاتم محمد بن حبان البستی، متوفی ۳۵۴ھ الاحسان بہ ترتیب صحیح ابن حبان، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۴۰۷ھ
۴۹- امام ابو بکر احمد بن حسین آجری، متوفی ۳۶۰ھ، الشریعہ، مطبوعہ مکتبہ دار السلام، ریاض ۱۴۱۳ھ
۵۰- امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، المتوفی ۳۶۰ھ، معجم صغیر، مطبوعہ مکتبہ سلفیہ، مدینہ منورہ ۱۳۸۸ھ، مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۵ھ
۵۱- امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، المتوفی ۳۶۰ھ، معجم اوسط، مطبوعہ مکتبۃ المعارف، ریاض ۱۴۰۵ھ دار الفکر بیروت، ۱۴۲۰ھ
۵۲- امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، المتوفی ۳۶۰ھ، معجم کبیر، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۵۳- امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، المتوفی ۳۶۰ھ، مسند الشامیین، مطبوعہ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۴۰۹ھ
۵۴- امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، المتوفی ۳۶۰ھ، کتاب الدعاء، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۳ھ
۵۵- امام ابو بکر احمد بن اسحاق دینوری المعروف بابن السنی، متوفی ۳۶۴ھ، عمل الیوم واللیلۃ، مطبوعہ موسسۃ الکتب الثقافیہ بیروت ۱۴۰۸ھ
۵۶- امام عبداللہ بن عدی الجرجانی، المتوفی ۳۶۵ھ، الکامل فی ضعفاء الرجال، مطبوعہ دار الفکر بیروت، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۲ھ
۵۷- امام ابو حفص عمر بن احمد المعروف بابن شاہین المتوفی ۳۸۵ھ، الناسخ والمنسوخ من الحدیث، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۲ھ
۵۸- امام عبداللہ بن محمد بن جعفر المعروف بابی الشیخ، متوفی ۳۹۶ھ، کتاب العظمۃ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۵۹- امام ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری، متوفی ۴۰۵ھ، المستدرک، مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۴۱۸ھ
۶۰- امام ابو نعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی، متوفی ۴۳۰ھ، حلیۃ الاولیاء، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ
۶۱- امام ابو نعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی، متوفی ۴۳۰ھ، دلائل النبوۃ، مطبوعہ دار النفائس، بیروت
۶۲- امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی، متوفی ۴۵۸ھ، سنن کبریٰ، مطبوعہ نشر السنہ، ملتان۔
۶۳- امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی، متوفی ۴۵۸ھ، کتاب الاسماء والصفات، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۶۴- امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی، متوفی ۴۵۸ھ معرفۃ السنن والآثار، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۶۵- امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی، متوفی ۴۵۸ھ، دلائل النبوۃ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۶۶- امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی، متوفی ۴۵۸ھ، کتاب الآداب، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۶ھ

۶۷- امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی، متوفی ۴۵۸ھ، کتاب فضائل الاوقات، مطبوعہ مکتبہ المنارۃ مکہ مکرمہ، ۱۴۱۰ھ

۶۸- امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی، متوفی ۴۵۸ھ، شعب الایمان، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۰ھ

۶۹- امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی، متوفی ۴۵۸ھ، البعث والنشور، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۴ھ

۷۰- امام ابو عمر یوسف ابن عبد البر قرطبی، متوفی ۴۶۳ھ، جامع بیان العلم و فضلہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۷۱- امام ابو شجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ الدیلمی، المتوفی ۵۰۹ھ، الفردوس بماثور الخطاب، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۶ھ

۷۲- امام حسین بن مسعود بغوی، متوفی ۵۱۶ھ، شرح السنہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۲ھ

۷۳- امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر، متوفی ۵۷۱ھ، مختصر تاریخ دمشق، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۴ھ

۷۴- امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر، متوفی ۵۷۱ھ، تہذیب تاریخ دمشق، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۷ھ

۷۵- امام مجد الدین المبارک بن محمد الشیبانی، المعروف بابن الاثیر الجزری، المتوفی ۶۰۶ھ، جامع الاصول، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ

۷۶- امام ضیاء الدین محمد بن عبد الواحد مقدسی حنبلی متوفی ۶۴۳ھ، الاحادیث المختارۃ، مطبوعہ مکتبہ النہضۃ الحدیثیہ، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۰ھ

۷۷- امام زکی الدین عبد العظیم بن عبد القوی المنذری، المتوفی ۶۵۶ھ، الترغیب والترہیب، مطبوعہ دار الحدیث، قاہرہ ۱۴۰۷ھ، دار ابن کثیر بیروت، ۱۴۱۴ھ

۷۸- امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی، متوفی ۶۶۸ھ، التذکرۃ فی امور الآخرۃ، مطبوعہ دار البخاری، مدینہ منورہ

۷۹- حافظ شرف الدین عبد المومن دمیاطی متوفی ۷۰۵ھ المتجر الرابح، مطبوعہ دار خضر بیروت، ۱۴۱۹ھ

۸۰- امام ولی الدین تبریزی، متوفی ۷۴۲ھ، مشکوٰۃ، مطبوعہ اصح المطابع دہلی، دار ارقم بیروت

۸۱- حافظ جمال الدین عبد اللہ بن یوسف زیلعی، متوفی ۷۶۲ھ، نصب الرایہ، مطبوعہ مجلس علمی سورت ہند، ۱۳۵۷ھ

۸۲- امام محمد بن عبد اللہ زرکشی، متوفی ۷۹۴ھ، اللآلی المنثورۃ، مکتب اسلامی، بیروت، ۱۴۱۷ھ

۸۳- حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی، المتوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت، ۱۴۰۲ھ

۸۴- حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی، المتوفی ۸۰۷ھ، کشف الاستار، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت، ۱۴۰۴ھ

۸۵- حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی، المتوفی ۸۰۷ھ، موارد الظمآن، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۸۶- امام محمد بن محمد جزری، متوفی ۸۳۳ھ، حصن حصین، مطبوعہ مصطفیٰ البابی واولادہ، مصر ۱۳۵۰ھ

۸۷- امام ابو العباس احمد بن ابو بکر بوصیری، شافعی، متوفی ۸۴۰ھ، زوائد ابن ماجہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۸۸- حافظ علاء الدین بن علی بن عثمان ماردینی ترکمان، متوفی ۸۴۵ھ، الجوہر النقی، مطبوعہ نشر السنہ ملتان

۸۹- حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی، متوفی ۸۴۸ھ، تلخیص المستدرک، مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ مکرمہ

۹۰- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، متوفی ۸۵۲ھ، المطالب العالیہ، مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ مکرمہ

۹۱- امام عبد الرؤف بن علی المناوی، المتوفی ۱۰۳۱ھ، کنوز الحقائق، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ

۹۲- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، الجامع الصغیر، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ۱۳۹۱ھ، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۲۰ھ

۹۳- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، مسند فاطمۃ الزہراء

۹۴- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، جامع الاحادیث الکبیر، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۴ھ

۹۵- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، البدور السافرہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ، دار ابن حزم بیروت، ۱۴۱۴ھ

۹۶- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، الخصائص الکبریٰ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۵ھ

۹۷- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، الدرر المنتثرہ، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ

۹۸- علامہ عبدالوہاب شعرانی، متوفی ۹۷۳ھ، کشف الغمہ، مطبوعہ مطبع عامرہ عثمانیہ، مصر، ۱۳۰۳ھ، دار الفکر بیروت، ۱۴۰۸ھ

۹۹- علامہ علی متقی بن حسام الدین ہندی برہان پوری، متوفی ۹۷۵ھ، کنز العمال، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت

کتب تفاسیر

۱۰۰- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، متوفی ۶۸ھ، تنویر المقباس، مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ ایران

۱۰۱- امام حسن بن عبداللہ البصری، المتوفی ۱۱۰ھ، تفسیر الحسن البصری، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ مکہ مکرمہ، ۱۴۱۳ھ

۱۰۲- امام ابو عبداللہ محمد بن ادریس شافعی، متوفی ۲۰۴ھ، احکام القرآن، مطبوعہ دار احیاء العلوم بیروت، ۱۴۱۰ھ

۱۰۳- امام ابو زکریا یحییٰ بن زیاد فراء متوفی ۲۰۷ھ، معانی القرآن، مطبوعہ بیروت

۱۰۴- امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی، متوفی ۲۱۱ھ، تفسیر القرآن العزیز، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت

۱۰۵- شیخ ابو الحسن علی بن ابراہیم قمی، متوفی ۳۰۷ھ، تفسیر قمی، مطبوعہ دار الکتاب ایران، ۱۴۰۴ھ

۱۰۶- امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری، متوفی ۳۱۰ھ، جامع البیان، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ۱۴۰۹ھ، دار الفکر بیروت

۱۰۷- امام ابو اسحاق ابراہیم بن محمد الزجاج، متوفی ۳۱۱ھ، اعراب القرآن، مطبوعہ مطبع سلمان فارسی ایران، ۱۴۰۶ھ

۱۰۸- امام عبدالرحمن بن محمد بن ادریس بن ابی حاتم رازی، متوفی ۳۲۷ھ، تفسیر القرآن العزیز، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ

۱۰۹- امام ابو بکر احمد بن علی رازی، جصاص حنفی، متوفی ۳۷۰ھ، احکام القرآن، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۰۰ھ

۱۱۰- علامہ ابو اللیث نصر بن محمد سمرقندی، متوفی ۳۷۵ھ، تفسیر سمرقندی، مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۳ھ

۱۱۱- شیخ ابو جعفر محمد بن حسن طوسی، متوفی ۳۸۵ھ، التبیان فی تفسیر القرآن، مطبوعہ عالم الکتب بیروت

۱۱۲- علامہ مکی بن ابی طالب متوفی ۴۳۷ھ، مشکل اعراب القرآن، مطبوعہ انتشارات نور ایران، ۱۳۶۲ھ

۱۱۳- علامہ ابو الحسن علی بن محمد بن حبیب ماوردی شافعی، متوفی ۴۵۰ھ، النکت والعیون، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۱۱۴- علامہ ابو الحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری، متوفی ۴۶۸ھ، الوسیط، مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ

۱۱۵- امام ابو الحسن علی بن احمد الواحدی، المتوفی ۴۶۸ھ، اسباب نزول القرآن، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۱۱۶۔ امام منصور بن محمد السمعانی الشافعی المتوفی ۴۸۹ھ، تفسیر القرآن، مطبوعہ دار الوطن، ریاض، ۱۴۱۸ھ
۱۱۷۔ امام ابو الحسن علی بن احمد الواحدی، المتوفی ۴۶۸ھ، الوسیط، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ
۱۱۸۔ امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی، المتوفی ۵۱۶ھ، معالم التنزیل، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۴ھ
۱۱۹۔ علامہ محمود بن عمر زمخشری، متوفی ۵۳۸ھ، الکشاف، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۷ھ
۱۲۰۔ علامہ ابوبکر محمد بن عبد اللہ المعروف بابن العربی، مالکی، متوفی ۵۴۳ھ، احکام القرآن، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت
۱۲۱۔ علامہ ابوبکر قاضی عبد الحق بن غالب بن عطیہ اندلسی، متوفی ۵۴۶ھ، المحرر الوجیز، مطبوعہ مکتبہ تجاریہ مکہ مکرمہ
۱۲۲۔ شیخ ابو علی فضل بن حسن طبرسی، متوفی ۵۴۸ھ، مجمع البیان، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران، ۱۴۰۶ھ
۱۲۳۔ علامہ ابو الفرج عبد الرحمن بن علی بن محمد جوزی حنبلی، متوفی ۵۹۷ھ، زاد المسیر، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت
۱۲۴۔ خواجہ عبد اللہ انصاری من علماء القرن السادس، کشف الاسرار وعدۃ الابرار، مطبوعہ انتشارات امیر کبیر تہران
۱۲۵۔ امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی، متوفی ۶۰۶ھ، تفسیر کبیر، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ
۱۲۶۔ علامہ محی الدین ابن عربی، متوفی ۶۳۸ھ، تفسیر القرآن الکریم، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران، ۱۹۷۸ء
۱۲۷۔ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی، متوفی ۶۶۸ھ، الجامع لاحکام القرآن، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ
۱۲۸۔ قاضی ابو الخیر عبد اللہ بن عمر بیضاوی شیرازی شافعی، متوفی ۶۸۵ھ، انوار التنزیل، مطبوعہ دار فراس للنشر والتوزیع مصر
۱۲۹۔ علامہ ابو البرکات احمد بن محمد نسفی، متوفی ۷۱۰ھ، مدارک التنزیل، مطبوعہ دار الکتب العربیہ پشاور
۱۳۰۔ علامہ علی بن محمد خازن شافعی، متوفی ۷۲۵ھ، لباب التاویل، مطبوعہ دار الکتب العربیہ، پشاور
۱۳۱۔ علامہ نظام الدین حسین بن محمد قمی، متوفی ۷۲۸ھ، تفسیر نیشاپوری، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ
۱۳۲۔ علامہ تقی الدین ابن تیمیہ، متوفی ۷۲۸ھ، التفسیر الکبیر، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۹ھ
۱۳۳۔ علامہ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ، متوفی ۷۵۱ھ، بدائع التفسیر، مطبوعہ دار ابن الجوزیہ مکہ مکرمہ
۱۳۴۔ علامہ ابو الحیان محمد بن یوسف اندلسی، متوفی ۷۵۴ھ، البحر المحیط، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۲ھ
۱۳۵۔ علامہ ابو العباس بن یوسف السمین الشافعی، متوفی ۷۵۶ھ، الدر المصون، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۴ھ
۱۳۶۔ حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی ۷۷۴ھ، تفسیر القرآن، مطبوعہ ادارہ اندلس بیروت، ۱۳۸۵ھ
۱۳۷۔ علامہ عماد الدین منصور بن الحسن الکازرونی الشافعی، متوفی ۸۶۰ھ، حاشیۃ الکازرونی علی البیضاوی، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۶ھ
۱۳۸۔ علامہ عبد الرحمن بن محمد بن مخلوف ثعالبی، متوفی ۸۷۵ھ، تفسیر الثعالبی، مطبوعہ مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات بیروت
۱۳۹۔ علامہ ابو الحسن ابراہیم بن عمر البقاعی المتوفی ۸۸۵ھ، نظم الدرر، مطبوعہ دار الکتاب الاسلامی قاہرہ، ۱۴۱۳ھ، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ
۱۴۰۔ حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، الدر المنثور، مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ، ایران
۱۴۱۔ حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، جلالین، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۱۴۲۔ حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، لباب النقول فی اسباب النزول، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۱۴۳۔ علامہ محی الدین محمد بن مصطفیٰ قوجوی، متوفی ۹۵۱ھ، حاشیہ شیخ زادہ علی البیضاوی، مطبوعہ مکتبہ یوسفی دیوبند، دار الکتب العلمیہ

بیروت، ۱۴۱۹ھ

۱۴۴۔ شیخ فتح اللہ کاشانی، متوفی ۹۷۷ھ، منہج الصادقین، مطبوعہ خیابان ناصر خسرو ایران

۱۴۵۔ علامہ ابوالسعود محمد بن محمد عمادی حنفی متوفی ۹۸۲ھ، تفسیر ابوالسعود، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۹ھ

۱۴۶۔ علامہ احمد شہاب الدین خفاجی مصری حنفی، متوفی ۱۰۶۹ھ، عنایۃ القاضی، مطبوعہ دار صادر، بیروت، ۱۲۸۳ھ، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ

۱۴۷۔ علامہ احمد جیون جونپوری، متوفی ۱۱۳۰ھ، التفسیرات الاحمدیہ، مطبع کریمی بمبئی

۱۴۸۔ علامہ اسماعیل حقی حنفی، متوفی ۱۱۳۷ھ، روح البیان، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ

۱۴۹۔ شیخ سلیمان بن عمر المعروف بالجمل، متوفی ۱۲۰۴ھ، الفتوحات الالٰہیہ، مطبوعہ المطبع البہیۃ، مصر، ۱۳۰۳ھ

۱۵۰۔ علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی متوفی ۱۲۲۳ھ، تفسیر صاوی، مطبوعہ داراحیاء الکتب العربیہ، مصر

۱۵۱۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی، متوفی ۱۲۲۵ھ، تفسیر مظہری، مطبوعہ بلوچستان بک ڈپو کوئٹہ

۱۵۲۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، متوفی ۱۲۳۹ھ، تفسیر عزیزی، مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی

۱۵۳۔ شیخ محمد بن علی شوکانی، متوفی ۱۲۵۰ھ، فتح القدیر، مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت، دارالوفا بیروت، ۱۴۱۸ھ

۱۵۴۔ علامہ ابوالفضل سید محمود آلوسی حنفی، متوفی ۱۲۷۰ھ، روح المعانی، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت، دارالفکر بیروت، ۱۴۱۷ھ

۱۵۵۔ نواب صدیق حسن خان بھوپالی، متوفی ۱۳۰۷ھ، فتح البیان، مطبوعہ مطبع امیریہ کبری بولاق مصر، ۱۳۰۱ھ، المکتبۃ العصریہ بیروت، ۱۴۱۲ھ

۱۵۶۔ علامہ محمد جمال الدین قاسمی، متوفی ۱۳۳۲ھ، تفسیر القاسمی، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ

۱۵۷۔ علامہ محمد رشید رضا، متوفی ۱۳۵۴ھ، تفسیر المنار، مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت

۱۵۸۔ علامہ حکیم شیخ طنطاوی جوہری مصری، متوفی ۱۳۵۹ھ، الجواہر فی تفسیر القرآن، المکتبۃ الاسلامیہ ریاض

۱۵۹۔ شیخ اشرف علی تھانوی، متوفی ۱۳۶۴ھ، بیان القرآن، مطبوعہ تاج کمپنی لاہور

۱۶۰۔ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی، متوفی ۱۳۶۷ھ، خزائن العرفان، مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور

۱۶۱۔ شیخ محمود الحسن دیوبندی، متوفی ۱۳۳۹ھ و شیخ شبیر احمد عثمانی، متوفی ۱۳۶۹ھ، حاشیۃ القرآن، مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور

۱۶۲۔ علامہ محمد طاہر بن عاشور، متوفی ۱۳۸۰ھ، التحریر والتنویر، مطبوعہ تونس

۱۶۳۔ سید محمد قطب شہید، متوفی ۱۳۸۵ھ، فی ظلال القرآن، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۳۸۶ھ

۱۶۴۔ مفتی احمد یار خاں نعیمی، متوفی ۱۳۹۱ھ، نور العرفان، مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ گجرات

۱۶۵۔ مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ، معارف القرآن، مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی، ۱۳۹۷ھ

۱۶۶۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی، متوفی ۱۳۹۹ھ، تفہیم القرآن، مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن لاہور

۱۶۷۔ علامہ سید احمد سعید کاظمی، متوفی ۱۴۰۶ھ، التبیان، مطبوعہ کاظمی پبلی کیشنز ملتان

۱۶۸۔ علامہ محمد امین بن محمد مختار جکنی شنقیطی، اضواء البیان، مطبوعہ عالم الکتب بیروت

۱۶۹۔ استاذ احمد مصطفیٰ المراغی، تفسیر المراغی، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۱۷۰۔ آیت اللہ مکارم شیرازی، تفسیر نمونہ، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ ایران، ۱۳۶۹ھ
۱۷۱۔ جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری، ضیاء القرآن، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور
۱۷۲۔ شیخ امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، مطبوعہ فاران فاؤنڈیشن لاہور
۱۷۳۔ علامہ محمود صافی، اعراب القرآن و صرفہ و بیانہ، مطبوعہ انتشارات زرین ایران
۱۷۴۔ استاذ محی الدین درویش، اعراب القرآن و بیانہ، مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت
۱۷۵۔ ڈاکٹر وھبہ زحیلی، تفسیر منیر، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۲ھ
۱۷۶۔ سعیدی حوی، الاساس فی التفسیر، مطبوعہ دار السلام

کتب علومِ قرآن

۱۷۷۔ علامہ بدر الدین محمد بن عبد اللہ زرکشی متوفی ۷۹۴ھ، البرھان فی علوم القرآن، مطبوعہ دار الفکر بیروت
۱۷۸۔ علامہ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، الاتقان فی علوم القرآن، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور
۱۷۹۔ علامہ محمد عبد العظیم زرقانی، مناہل العرفان، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

کتب شروح حدیث

۱۸۰ علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال مالکی اندلسی متوفی ۴۴۹ھ، شرح صحیح البخاری، مطبوعہ مکتبہ الرشید ریاض، ۱۴۲۰ھ
۱۸۱۔ حافظ ابو عمرو ابن عبد البر مالکی، متوفی ۴۶۳ھ، الاستذکار، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت، ۱۴۱۳ھ
۱۸۲۔ حافظ ابو عمرو ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ، تمہید، مطبوعہ مکتبہ القدوسیہ لاہور، ۱۴۰۴ھ، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۹ھ
۱۸۳۔ علامہ ابو الولید سلیمان بن خلف باجی مالکی اندلسی، متوفی ۴۷۴ھ، المنتقیٰ، مطبوعہ مطبع السعادۃ مصر، ۱۳۳۲ھ
۱۸۴۔ علامہ ابو بکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی مالکی، متوفی ۵۴۳ھ، عارضۃ الاحوذی، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۱۸۵ قاضی ابو بکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی مالکی اندلسی متوفی ۵۴۳ھ، القبس فی شرح موطا ابن انس، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۹ھ
۱۸۶۔ قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ، اکمال المعلم بہ فوائد مسلم، مطبوعہ دار الوفا بیروت، ۱۴۱۹ھ
۱۸۷۔ امام عبد العظیم بن عبد القوی منذری، متوفی ۶۵۶ھ، مختصر سنن ابو داؤد، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت
۱۸۸۔ علامہ ابو العباس احمد بن عمر ابراہیم القرطبی المالکی، المتوفی ۶۵۶ھ، المفہم، مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت، ۱۴۱۷ھ
۱۸۹۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی، متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ
۱۹۰۔ علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی، متوفی ۷۴۳ھ، شرح الطیبی، مطبوعہ ادارۃ القرآن، ۱۴۱۳ھ

۱۹۱- علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی، متوفی ۸۲۸ھ، اکمال اکمال المعلم، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ
۱۹۲- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور
۱۹۳- حافظ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی، متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ
۱۹۴- حافظ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، شرح سنن ابو داؤد، مطبوعہ مکتبہ الرشید ریاض، ۱۴۲۰ھ
۱۹۵- علامہ محمد بن محمد سنوسی مالکی متوفی ۸۹۵ھ، مکمل اکمال المعلم، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ
۱۹۶- علامہ احمد قسطلانی، متوفی ۹۱۱ھ، ارشاد الساری، مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر، ۱۳۰۶ھ
۱۹۷- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، التوشیح علی الجامع الصحیح، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۰ھ
۱۹۸- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، الدیباج علی صحیح مسلم بن حجاج، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۱۲ھ
۱۹۹- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، تنویر الحوالک، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ۔
۲۰۰- علامہ عبد الرؤف مناوی شافعی، متوفی ۱۰۰۳ھ، فیض القدیر، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ۱۳۹۱ھ، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ
۲۰۱- علامہ عبد الرؤف مناوی شافعی، متوفی ۱۰۰۳ھ، شرح الشمائل، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی
۲۰۲- علامہ علی بن سلطان محمد القاری، متوفی ۱۰۱۴ھ، جمع الوسائل، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی
۲۰۳- علامہ علی بن سلطان محمد القاری، متوفی ۱۰۱۴ھ، شرح مسند ابی حنیفہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۵ھ
۲۰۴- علامہ علی بن سلطان محمد القاری، متوفی ۱۰۱۴ھ، مرقات، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان، ۱۳۹۰ھ
۲۰۵- علامہ علی بن سلطان محمد القاری، متوفی ۱۰۱۴ھ، الحرز الثمین، مطبوعہ مطبعہ امیریہ مکہ مکرمہ، ۱۳۰۴ھ
۲۰۶- شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی، متوفی ۱۲۵۰ھ، تحفۃ الذاکرین، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ مصر، ۱۳۵۰ھ
۲۰۷- شیخ عبد الحق محدث دہلوی، متوفی ۱۰۵۲ھ، اشعۃ اللمعات، مطبوعہ مطبع تیج کمار لکھنؤ
۲۰۸- شیخ عبد الرحمن مبارک پوری، متوفی ۱۳۵۳ھ، تحفۃ الاحوذی، مطبوعہ نشر السنہ ملتان، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۹ھ
۲۰۹- شیخ انور شاہ کشمیری، متوفی ۱۳۵۲ھ، فیض الباری، مطبوعہ مطبع حجازی مصر، ۱۳۵۷ھ
۲۱۰- شیخ شبیر احمد عثمانی، متوفی ۱۳۶۹ھ، فتح الملہم، مطبوعہ مکتبہ الحجاز کراچی
۲۱۱- شیخ محمد ادریس کاندھلوی، متوفی ۱۳۹۴ھ، التعلیق الصبیح، مطبوعہ مکتبہ عثمانیہ لاہور

کتب اسماء الرجال

۲۱۲- علامہ ابو الفرج عبد الرحمن بن علی جوزی متوفی ۵۹۷ھ، العلل المتناہیہ، مطبوعہ مکتبہ اثریہ فیصل آباد، ۱۴۰۱ھ
۲۱۳- حافظ جمال الدین ابو الحجاج یوسف مزی، ۷۴۲ھ، تہذیب الکمال، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ
۲۱۴- علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی، متوفی ۷۴۸ھ، میزان الاعتدال، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ
۲۱۵- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، متوفی ۸۵۲ھ، تہذیب التہذیب، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۲۱۶- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، متوفی ۸۵۲ھ، تقریب التہذیب، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۲۱۷- علامہ شمس الدین محمد بن عبدالرحمان السخاوی، متوفی ۹۰۲ھ، المقاصد الحسنہ، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت
۲۱۸- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، اللآلی المصنوعہ، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ
۲۱۹ علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، طبقات الحفاظ، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۴ھ
۲۲۰- علامہ محمد بن طولون متوفی ۹۵۳ھ، الشذرۃ فی الاحادیث المشتہرۃ، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۳ھ
۲۲۱- علامہ محمد طاہر پٹنی، متوفی ۹۸۶ھ، تذکرۃ الموضوعات، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ
۲۲۲- علامہ علی بن سلطان محمد القاری، المتوفی ۱۰۱۴ھ، موضوعات کبیر، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی
۲۲۳- علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی، متوفی ۱۱۶۴ھ، کشف الخفاء ومزیل الالباس، مطبوعہ مکتبۃ الغزالی دمشق
۲۲۴- شیخ محمد بن علی شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ، الفوائد المجموعہ، مطبوعہ نزار مصطفیٰ ریاض
۲۲۵- علامہ عبدالرحمن بن محمد درویش متوفی ۱۲۶۷ھ، اسنی المطالب، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۱۲ھ

کتب لغت

۲۲۶- امام اللغۃ خلیل احمد فراہیدی، متوفی ۱۷۵ھ، کتاب العین، مطبوعہ انتشارات اسوہ ایران، ۱۴۱۴ھ
۲۲۷- علامہ اسماعیل بن حماد الجوہری، متوفی ۳۹۸ھ، الصحاح، مطبوعہ دارالعلم بیروت، ۱۴۰۴ھ
۲۲۸- علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی، متوفی ۵۰۲ھ، المفردات، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ
۲۲۹- علامہ محمود بن عمر زمخشری، متوفی ۵۸۳ھ، الفائق، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ
۲۳۰- علامہ محمد بن اثیر الجزری، متوفی ۶۰۶ھ، نہایہ، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ
۲۳۱ علامہ محمد بن ابوبکر بن عبدالقادر رازی متوفی ۶۶۰ھ، مختار الصحاح، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۹ھ
۲۳۲- علامہ یحییٰ بن شرف نووی، متوفی ۶۷۶ھ، تہذیب الاسماء واللغات، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت
۲۳۳- علامہ جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور افریقی، متوفی ۷۱۱ھ، لسان العرب، مطبوعہ نشر ادب الحوزۃ، قم، ایران
۲۳۴- علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی، متوفی ۸۱۷ھ، القاموس المحیط، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت
۲۳۵- علامہ محمد طاہر پٹنی، متوفی ۹۸۶ھ، مجمع بحار الانوار، مطبوعہ مکتبہ دارالایمان المدینہ المنورہ، ۱۴۱۵ھ
۲۳۶- علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی، متوفی ۱۲۰۵ھ، تاج العروس، مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر
۲۳۷- لوئیس معلوف الیسوعی، المنجد، مطبوعہ المطبعۃ الکاثولیکیہ، بیروت، ۱۹۲۷ء
۲۳۸- شیخ غلام احمد پرویز، متوفی ۱۴۰۵ھ، لغات القرآن، مطبوعہ ادارہ طلوع اسلام لاہور
۲۳۹- ابو نعیم عبدالحکیم خان نشتر جالندھری، قائد اللغات، مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی لاہور

کتب تاریخ، سیرت و فضائل

۲۴۰- امام محمد بن اسحاق، متوفی ۱۵۱ھ، کتاب السیر والمغازی، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ

۲۴۱- امام عبدالملک بن ہشام، متوفی ۲۱۳ھ، السیرۃ النبویہ، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ
۲۴۲- امام محمد بن سعد، متوفی ۲۳۰ھ، الطبقات الکبریٰ، مطبوعہ دار صادر بیروت، ۱۳۸۸ھ، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ
۲۴۳- علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی، المتوفی ۴۵۰ھ، اعلام النبوت، مطبوعہ دار احیاء العلوم بیروت، ۱۴۰۸ھ
۲۴۴- امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری، متوفی ۳۱۰ھ، تاریخ الامم والملوک، مطبوعہ دارالقلم بیروت
۲۴۵- حافظ ابو عمرو یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر، متوفی ۴۶۳ھ، الاستیعاب، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت
۲۴۶- قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی، متوفی ۵۴۴ھ، الشفاء، مطبوعہ عبدالتواب اکیڈمی ملتان، دارالفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ
۲۴۷- علامہ ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ سہیلی، متوفی ۵۸۱ھ، الروض الانف، مکتبہ فاروقیہ ملتان
۲۴۸- علامہ عبدالرحمان بن علی جوزی، متوفی ۵۹۷ھ، الوفا، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر
۲۴۹- علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر، متوفی ۶۳۰ھ، اسد الغابہ، مطبوعہ دارالفکر بیروت، دارالکتب العلمیہ بیروت
۲۵۰- علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر، متوفی ۶۳۰ھ، الکامل فی التاریخ، مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت
۲۵۱- علامہ شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر بن خلکان، متوفی ۶۸۱ھ، وفیات الاعیان، مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران
۲۵۲- علامہ علی بن عبدالکافی تقی الدین سبکی، متوفی ۷۵۶ھ، شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام، مطبوعہ کراچی
۲۵۳- حافظ عمادالدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی، متوفی ۷۷۴ھ، البدایہ والنہایہ، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۱۸ھ
۲۵۴- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی ۸۵۲ھ، الاصابہ، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت
۲۵۵- علامہ نورالدین علی بن احمد سمہودی، متوفی ۹۱۱ھ، وفاء الوفاء، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۱ھ
۲۵۶- علامہ احمد قسطلانی، متوفی ۹۱۱ھ، المواہب اللدنیہ، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ
۲۵۷- علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشامی، متوفی ۹۴۲ھ، سبل الہدیٰ والرشاد، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۴ھ
۲۵۸- علامہ احمد بن حجر مکی شافعی، متوفی ۹۷۴ھ، الصواعق المحرقہ، مطبوعہ مکتبۃ القاہرہ، ۱۳۸۵ھ
۲۵۹- علامہ علی بن سلطان محمد القاری، متوفی ۱۰۱۴ھ، شرح الشفاء، مطبوعہ دارالفکر بیروت
۲۶۰- شیخ عبدالحق محدث دہلوی، متوفی ۱۰۵۲ھ، مدارج النبوت، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر
۲۶۱- علامہ احمد شہاب الدین خفاجی، متوفی ۱۰۶۹ھ، نسیم الریاض، مطبوعہ دارالفکر بیروت
۲۶۲- علامہ محمد عبدالباقی زرقانی، متوفی ۱۱۲۲ھ، شرح المواہب اللدنیہ، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۳۹۳ھ
۲۶۳- شیخ اشرف علی تھانوی، متوفی ۱۳۶۲ھ، نشر الطیب، مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی

کتب فقہ حنفی

۲۶۴- شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی، متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط، مطبوعہ دارالمعرفہ، بیروت، ۱۳۹۸ھ

۲۶۵- شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی، متوفی ۴۸۳ھ، شرح سیر کبیر، مطبوعہ المکتبہ الثورۃ الاسلامیہ افغانستان، ۱۴۰۵ھ
۲۶۶- علامہ طاہر بن عبد الرشید بخاری، متوفی ۵۴۲ھ، خلاصۃ الفتاویٰ، مطبوعہ امجد اکیڈمی لاہور، ۱۳۹۷ھ
۲۶۷- علامہ ابو بکر بن مسعود کاسانی، متوفی ۵۸۷ھ، بدائع الصنائع، مطبوعہ ایچ۔ ایم۔ سعید اینڈ کمپنی، ۱۴۰۰ھ، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ
۲۶۸- علامہ حسین بن منصور اوزجندی، متوفی ۵۹۲ھ، فتاویٰ قاضی خاں، مطبوعہ مطبعہ کبریٰ بولاق مصر، ۱۳۱۰ھ
۲۶۹- علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی، متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اولین و آخرین، مطبوعہ شرکت علمیہ ملتان
۲۷۰- علامہ محمد بن محمود بابرتی، متوفی ۷۸۶ھ، عنایہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ
۲۷۱- علامہ عالم بن العلاء انصاری دہلوی، متوفی ۷۸۶ھ، فتاویٰ تاتارخانیہ، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۱۱ھ
۲۷۲- علامہ ابو بکر بن علی حداد، متوفی ۸۰۰ھ، الجوہرۃ النیرہ، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان
۲۷۳- علامہ محمد شہاب الدین بن بزاز کردی، متوفی ۸۲۷ھ، فتاویٰ بزازیہ، مطبوعہ مطبع کبریٰ امیریہ بولاق مصر، ۱۳۱۰ھ
۲۷۴- علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی، متوفی ۸۵۵ھ، بنایہ، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۱ھ
۲۷۵- علامہ کمال الدین بن ہمام، متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ
۲۷۶- علامہ جلال الدین خوارزمی، کفایہ، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر
۲۷۷- علامہ معین الدین الہروی المعروف بہ محمد ملا مسکین، متوفی ۹۵۴ھ، شرح الکنز، مطبوعہ جمعیۃ المعارف المصریہ مصر
۲۷۸- علامہ ابراہیم بن محمد حلبی، متوفی ۹۵۶ھ، غنیۃ المستملی، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۱۲ھ
۲۷۹- علامہ محمد خراسانی، متوفی ۹۶۲ھ، جامع الرموز، مطبوعہ مطبع منشی نوا لکشور، ۱۲۹۱ھ
۲۸۰- علامہ زین الدین بن نجیم، متوفی ۹۷۰ھ، البحر الرائق، مطبوعہ مطبعہ علمیہ مصر، ۱۳۱۱ھ
۲۸۱- علامہ حامد بن علی قونوی رومی، متوفی ۹۸۵ھ، فتاویٰ حامدیہ، مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر، ۱۳۱۰ھ
۲۸۲- علامہ ابو السعود محمد بن محمد عمادی، متوفی ۹۸۲ھ، حاشیہ ابو سعود علی ملا مسکین، مطبوعہ جمعیۃ المعارف المصریہ مصر، ۱۲۸۷ھ
۲۸۳- علامہ خیر الدین رملی، متوفی ۱۰۸۱ھ، فتاویٰ خیریہ، مطبوعہ مطبعہ میمنہ، مصر، ۱۳۱۰ھ
۲۸۴- علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی، متوفی ۱۰۸۸ھ، الدر المختار، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۲۸۵- علامہ سید احمد بن محمد حموی، متوفی ۱۰۹۸ھ، غمز عیون البصائر، مطبوعہ دار الکتاب العربیہ بیروت، ۱۴۰۷ھ
۲۸۶- ملا نظام الدین متوفی ۱۱۶۱ھ، فتاویٰ عالم گیری، مطبوعہ مطبع کبریٰ امیریہ بولاق مصر، ۱۳۱۰ھ
۲۸۷- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی ۱۲۵۲ھ، منحۃ الخالق، مطبوعہ مطبعہ علمیہ مصر، ۱۳۱۱ھ
۲۸۸- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی ۱۲۵۲ھ، تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ، مطبوعہ دار الاشاعۃ العربی کوئٹہ
۲۸۹- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی ۱۲۵۲ھ، رسائل ابن عابدین، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۳۹۶ھ
۲۹۰- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۷ھ، ۱۴۱۹ھ
۲۹۱- امام احمد رضا قادری، متوفی ۱۳۴۰ھ، جد الممتار، مطبوعہ ادارہ تحقیقات احمد رضا کراچی
۲۹۲- امام احمد رضا قادری، متوفی ۱۳۴۰ھ، فتاویٰ رضویہ، مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی
۲۹۳- امام احمد رضا قادری، متوفی ۱۳۴۰ھ، فتاویٰ افریقیہ، مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی

۲۹۴۔ علامہ امجد علی، متوفی ۱۳۷۶ھ، بہار شریعت، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز کراچی
۲۹۵۔ شیخ ظفر احمد عثمانی تھانوی متوفی ۱۳۹۴ھ، اعلاء السنن، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ
۲۹۶۔ علامہ نور اللہ نعیمی، متوفی ۱۴۰۳ھ، فتاویٰ نوریہ، مطبوعہ کمبائن پرنٹرز لاہور، ۱۹۸۳ء

کتب فقہ شافعی

۲۹۷۔ امام محمد بن ادریس شافعی، متوفی ۲۰۴ھ، الام، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۳ھ
۲۹۸۔ علامہ ابو الحسین علی بن محمد حبیب ماوردی شافعی، متوفی ۴۵۰ھ، الحاوی الکبیر، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ
۲۹۹۔ علامہ ابو اسحاق شیرازی، متوفی ۴۵۵ھ، المہذب، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ۱۳۹۳ھ
۳۰۰۔ امام محمد بن محمد غزالی، متوفی ۵۰۵ھ، احیاء علوم الدین، مطبوعہ دار الخیر، بیروت، ۱۴۱۳ھ، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۹ھ
۳۰۱۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی، متوفی ۶۷۶ھ، شرح المہذب، مطبوعہ دار الفکر بیروت
۳۰۲۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی، متوفی ۶۷۶ھ، روضۃ الطالبین، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۵ھ
۳۰۳۔ علامہ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، الحاوی للفتاویٰ، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد
۳۰۴۔ علامہ شمس الدین محمد بن ابی العباس رملی متوفی ۱۰۰۴ھ، نہایۃ المحتاج، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۴ھ
۳۰۵۔ علامہ ابو الضیاء علی بن علی شبراملسی، متوفی ۱۰۸۷ھ، حاشیہ ابو الضیاء علی نہایۃ المحتاج، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

کتب فقہ مالکی

۳۰۶۔ امام سحنون بن سعید تنوخی مالکی، متوفی ۲۵۶ھ، المدونۃ الکبریٰ، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۳۰۷۔ قاضی ابو الولید محمد بن احمد بن رشد مالکی اندلسی، متوفی ۵۹۵ھ، بدایۃ المجتہد، مطبوعہ دار الفکر بیروت
۳۰۸۔ علامہ خلیل بن اسحاق مالکی، متوفی ۷۶۷ھ، مختصر خلیل، مطبوعہ دار صادر بیروت
۳۰۹۔ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن محمد الحطاب المغربی، المتوفی ۹۵۴ھ، مواہب الجلیل، مطبوعہ مکتبہ النجاح، لیبیا
۳۱۰۔ علامہ علی بن عبد اللہ بن الخرشی المتوفی ۱۱۰۱ھ، الخرشی علی مختصر خلیل، مطبوعہ دار صادر بیروت
۳۱۱۔ علامہ ابو البرکات احمد دردیر مالکی، متوفی ۱۱۹۷ھ، الشرح الکبیر، مطبوعہ دار الفکر بیروت
۳۱۲۔ علامہ شمس الدین محمد بن عرفہ دسوقی، متوفی ۱۲۱۹ھ، حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر، مطبوعہ دار الفکر بیروت

کتب فقہ حنبلی

۳۱۳۔ علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ، متوفی ۶۲۰ھ، المغنی، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ
۳۱۴۔ علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ، متوفی ۶۲۰ھ، الکافی، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۴ھ

۳۱۵- شیخ ابو العباس تقی الدین بن تیمیہ، متوفی ۷۲۸ھ، مجموعۃ الفتاوی، مطبوعہ ریاض، مطبوعہ دار الجیل بیروت، ۱۴۱۸ھ
۳۱۶- علامہ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن فتاح مقدسی، متوفی ۷۶۳ھ، کتاب الفروع، مطبوعہ عالم الکتب بیروت
۳۱۷- علامہ ابو الحسین علی بن سلیمان مرداوی، متوفی ۸۸۵ھ، الانصاف، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۳۱۸- علامہ موسیٰ بن احمد صالحی متوفی ۹۶۰ھ، کشاف القناع، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ

کتب شیعہ

۳۱۹- نہج البلاغہ (خطبات حضرت علی رضی اللہ عنہ) مطبوعہ ایران و مطبوعہ کراچی
۳۲۰- شیخ ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی، متوفی ۳۲۹ھ، الاصول من الکافی، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران
۳۲۱- شیخ ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی، متوفی ۳۲۹ھ، الفروع من الکافی، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران
۳۲۲- شیخ ابو منصور احمد بن علی الطبرسی من القرن السادس، الاحتجاج، مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات بیروت، ۱۴۰۳ھ
۳۲۳- شیخ کمال الدین میثم بن علی بن میثم البحرانی، المتوفی ۶۷۹ھ، شرح نہج البلاغہ، مطبوعہ مؤسسۃ النصر ایران
۳۲۴- ملا باقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی ۱۱۱۰ھ، حق الیقین، مطبوعہ خیابان ناصر خسرو ایران، ۱۳۴۷ھ
۳۲۵- ملا باقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی ۱۱۱۰ھ، حیات القلوب، مطبوعہ کتاب فروشے اسلامیہ تہران
۳۲۶- ملا باقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی ۱۱۱۰ھ، جلاء العیون، مطبوعہ کتاب فروشے اسلامیہ تہران

کتب عقائد و کلام

۳۲۷- امام محمد بن محمد غزالی، متوفی ۵۰۵ھ، المنقذ من الضلال، مطبوعہ لاہور، ۱۴۰۵ھ
۳۲۸- علامہ ابو البرکات عبد الرحمان بن محمد الانباری، المتوفی ۵۷۷ھ، الداعی الی الاسلام، مطبوعہ دار البشائر الاسلامیہ بیروت، ۱۴۰۹ھ
۳۲۹- شیخ احمد بن عبد الحلیم بن تیمیہ، متوفی ۷۲۸ھ، العقیدۃ الواسطیہ، مطبوعہ دار السلام ریاض، ۱۴۱۴ھ
۳۳۰- علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی، متوفی ۷۹۱ھ، شرح عقائد نسفی، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی
۳۳۱- علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی، متوفی ۷۹۱ھ، شرح المقاصد، مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران
۳۳۲- علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی، متوفی ۸۱۶ھ، شرح المواقف، مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران
۳۳۳- علامہ کمال الدین بن ہمام، متوفی ۸۶۱ھ، مسایرہ، مطبوعہ مطبعہ السعادۃ مصر
۳۳۴- علامہ کمال الدین محمد بن محمد المعروف بابن ابی الشریف الشافعی، المتوفی ۹۰۶ھ، مسامرہ، مطبوعہ مطبعہ السعادۃ مصر
۳۳۵- علامہ علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ، شرح فقہ اکبر، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی و اولادہ مصر، ۱۳۷۵ھ
۳۳۶- علامہ محمد بن احمد السفارینی، المتوفی ۱۱۸۸ھ، لوامع الانوار البھیہ، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۱۱ھ
۳۳۷- علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی، متوفی ۱۳۶۷ھ، کتاب العقائد، مطبوعہ تاجدار حرم پبلشنگ کمپنی کراچی

کتب اصول فقہ

۳۳۸- امام فخرالدین محمد بن عمر رازی شافعی، متوفی ۶۰۶ھ، المحصول، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ
۳۳۹- علامہ علاء الدین عبدالعزیز بن احمد البخاری، المتوفی ۷۳۰ھ، کشف الاسرار، مطبوعہ دار الکتاب العربی ۱۴۱۱ھ
۳۴۰- علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی، متوفی ۷۹۱ھ، توضیح و تلویح، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی
۳۴۱- علامہ کمال الدین محمد بن عبدالواحد الشہیر بابن ہمام، متوفی ۸۶۱ھ، التحریر مع التیسیر، مطبوعہ مکتبہ المعارف ریاض
۳۴۲- علامہ محب اللہ بہاری، متوفی ۱۱۱۹ھ، مسلم الثبوت، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ
۳۴۳- علامہ احمد جونپوری، متوفی ۱۱۳۰ھ، نور الانوار، مطبوعہ ایچ-ایم-سعید اینڈ کمپنی کراچی
۳۴۴- علامہ عبدالحق خیر آبادی، متوفی ۱۳۱۸ھ، شرح مسلم الثبوت، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ

کتب متفرقہ

۳۴۵- شیخ ابو طالب محمد بن الحسن المکی المتوفی ۳۸۶ھ، قوت القلوب، مطبوعہ مطبع میمنہ مصر ۱۳۰۶ھ، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ
۳۴۶- امام محمد بن محمد غزالی، متوفی ۵۰۵ھ، احیاء علوم الدین، مطبوعہ دار الخیر بیروت، ۱۴۱۳ھ
۳۴۷- علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی، متوفی ۶۶۸ھ، التذکرہ، مطبوعہ دار البخاریہ مدینہ منورہ، ۱۴۱۷ھ
۳۴۸- شیخ تقی الدین احمد بن تیمیہ حنبلی، متوفی ۷۲۸ھ، قاعدہ جلیلہ، مطبوعہ مکتبہ قاہرہ مصر، ۱۳۷۳ھ
۳۴۹- علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی، متوفی ۷۴۸ھ، الکبائر، مطبوعہ دار الغد العربی قاہرہ، مصر
۳۵۰- شیخ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم جوزیہ متوفی ۷۵۱ھ، جلاء الافہام، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت، ۱۴۱۷ھ
۳۵۱ شیخ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ المتوفی ۷۵۱ھ، اغاثۃ اللہفان، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۰ھ
۳۵۲ شیخ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ المتوفی ۷۵۱ھ، زاد المعاد، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۹ھ
۳۵۳- علامہ عبداللہ بن اسد یافعی، متوفی ۷۶۸ھ، روض الریاحین، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ مصر، ۱۳۷۴ھ
۳۵۴- علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی، متوفی ۸۱۶ھ، کتاب التعریفات، مطبوعہ المطبعہ الخیریہ مصر ۱۳۰۶ھ، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ
۳۵۵- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، شرح الصدور، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۴ھ
۳۵۶- علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ، المیزان الکبریٰ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ
۳۵۷- علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ، الیواقیت والجواہر، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۸ھ
۳۵۸ علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ، الکبریت الاحمر، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ
۳۵۹ علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ، لواقح الانوار القدسیہ، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۸ھ

۳۶۰ علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ، کشف الغمہ، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۰۸ھ

۳۶۱ علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ، الطبقات الکبریٰ، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ

۳۶۲ علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ، المنن الکبریٰ، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۰ھ

۳۶۳ علامہ احمد بن محمد بن علی بن حجر مکی متوفی ۹۷۴ھ، الفتاویٰ الحدیثیہ، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۹ھ

۳۶۴ علامہ احمد بن محمد بن علی بن حجر مکی متوفی ۹۷۴ھ، اشرف الوسائل الی فہم الشمائل، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۹ھ

۳۶۵۔ علامہ احمد بن حجر ہیتمی مکی، متوفی ۹۷۴ھ، الصواعق المحرقہ، مطبوعہ مکتبہ القاہرہ ۱۳۸۵ھ

۳۶۶۔ علامہ احمد بن حجر ہیتمی مکی، متوفی ۹۷۴ھ، الزواجر، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۴ھ

۳۶۷۔ امام احمد سرہندی مجدد الف ثانی، متوفی ۱۰۳۴ھ، مکتوبات امام ربانی، مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی، ۱۳۷۷ھ

۳۶۸۔ علامہ سید محمد بن محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی، متوفی ۱۲۰۵ھ، اتحاف سادۃ المتقین، مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر، ۱۳۱۱ھ

۳۶۹۔ شیخ رشید احمد گنگوہی، متوفی ۱۳۲۳ھ، فتاویٰ رشیدیہ کامل، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی

۳۷۰۔ علامہ مصطفیٰ بن عبداللہ الشہیر بحاجی خلیفہ، کشف الظنون، مطبوعہ مطبعہ اسلامیہ طہران، ۱۳۷۸ھ

۳۷۱۔ امام احمد رضا قادری، متوفی ۱۳۴۰ھ، الملفوظ، مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور، مطبوعہ فرید بک سٹال، لاہور

۳۷۲۔ شیخ وحید الزمان، متوفی ۱۳۳۸ھ، ہدیۃ المہدی، مطبوعہ میور پریس دہلی، ۱۳۲۵ھ

۳۷۳۔ علامہ یوسف بن اسماعیل النبہانی، متوفی ۱۳۵۰ھ، جواہر البحار، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۱۷ھ

۳۷۴۔ شیخ اشرف علی تھانوی، متوفی ۱۳۶۲ھ، بہشتی زیور، مطبوعہ ناشران قرآن لمیٹڈ لاہور

۳۷۵۔ شیخ اشرف علی تھانوی، متوفی ۱۳۶۲ھ، حفظ الایمان، مطبوعہ مکتبہ تھانوی کراچی

۳۷۶۔ علامہ عبدالحکیم شرف قادری نقشبندی، نداء یارسول اللہ، مطبوعہ مرکزی مجلس رضا لاہور، ۱۴۰۵ھ

